سیدنا

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

نمبر

استقامت (ڈائجسٹ) کی پیشکش

ادارہ استقامت ۴۸۸/۲۲ ریل بازار

کانپور ۱۲

استقامت کانپور

سیدنا محمدِ عربی نمبر صلی اللہ علیہ وسلم

Scanned with CamScanner

ضمیمہ
علمی دینی ڈائجسٹ

استقامت

کانپور

۲۵ سالہ جشنِ سیمیں پر

صلی اللہ علیہ وسلم

سیّدنا محمّد عربی نمبر

شعبان المعظم ۱۴۰۵ھ
مطابق
مئی ۱۹۸۵ء

مدیر اعلیٰ :۔ ظہیر الدین قادری
مشیر و مرتب :۔ طیش صدیقی
ناظمِ اعلیٰ :۔ محمد سلیم قادری
تزئین و کتابت :۔ زرق الماسی قادری، شمس القمر

زر سالانہ

محمد عربی نمبر کا ہدیہ	ساٹھ روپے
عام شمارہ	چھ روپے
سادہ ڈاک سے	ساٹھ روپے
بذریعہ رجسٹری	ترانوے روپے

پرنٹر پبلشر : ظہیر الدین قادری
مطبوعہ : امپیریل پریس لال کنواں دہلی

استقامت میں شائع شدہ تمام مضامین حوالے سے نقل کئے جاسکتے ہیں

ترسیل زر و خط و کتابت کا پتہ
منیجر استقامت
۴۸/۲۴ ریل بازار
کانپور یوپی

۲۰۹۶
۹۲

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فہرست سیدنا محمد عربی نمبر

روضۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم کے مواجہہ شریفہ کی جالیوں پر کندہ

نعتیہ اشعار

یَا خَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ فِی التُّرْبِ اَعْظُمُہٗ

فَطَابَ مِنْ طِیْبِہِنَّ الْقَاعُ وَالْاَکَمُ

نَفْسِی الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاکِنُہٗ

فِیْہِ الْعَفَافُ وَفِیْہِ الْجُوْدُ وَالْکَرَمُ

ترجمہ

اے بہتر اُن سب سے جن کے اجسادِ شریفہ خاک میں مدفون ہوئے ہیں
اور اُن کی خوشبو سے جنگل اور پہاڑ مہک گئے ہیں
میری جان اس پاک قبر پر فدا جس میں آپ سکونت فرما ہیں
اس قبر شریف میں پرہیزگاری ہے اور اسی میں جُود اور کرم ہے

قولِ حق

شاعر دربارِ رسالت حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ

١ وقال الله : قد ارسلت عبدا یقول الحق ان نفع البلاء

٢ شهدت به فقوموا صدّقوه فقلتم : لا نقوم و لا نشاء

١ - اور اللہ نے کہا کہ ہم نے ایک بندے کو بھیجا ہے، جو حق بات کہتا ہے ۔ اگر آزمائش نفع بخش ہو (تو اس کی صداقت کو آزمالو)

٢ - ہم نے اس کی صداقت پر گواہی دی، تم بھی کھڑے ہو جاؤ اور اس کی صداقت پر گواہی دو ۔ مگر تم نے یہی کہا کہ ہم ایسا نہ کریں گے اور نہ یہ چاہتے ہیں ۔

(پھر چند اشعار کے بعد ابوسفیان کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں :)

١ هجوت محمّداً فأجبتُ عنه وعند الله فی ذالك الجزاء

٢ اتهجوه ، ولست له بکفءٍ فشرّکما ، لخیرکما فداء

٣ هجوت مبارکا ، برّا حنیفا امین الله ، شیمته الوفاء

٤ فان ابی و والده وعرضی لعرض محمد منکم وقاء

١ - تم نے محمد کی بُرائی کی ، میں نے ان کی طرف سے جواب دیا ، اور عند اللہ میرے اس کام کا صلہ ہے ۔

٢ - کیا تو ان کی بُرائی کرتا ہے ؟ حالانکہ تُو ان کا ہمسر نہیں ہے ، تم دونوں میں جو بُرا ہو وُہ اس پر قربان ہو جائے جو تم دونوں میں سے اچھا ہے ۔

٣ - تُو نے ایسے شخص کی بُرائی کی ہے جو بابرکت ہے ، نیک ہے ، اللہ والا ہے ، خدا کے یہاں معتبر ہے ، جس کی خصلت میں وفا شعاری ہے ۔

٤ - میرا باپ اور باپ کا باپ اور میری عزت محمد کی عزت کے لیے تمہارے مقابلہ میں ڈھال ہے ۔

روشن دلیل

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

۱ یارب لولا انت ما اھتدینا　　ولا تصدقنا ولا صلینا

۲ فانزلن سکینۃ علینا　　وثبت الاقدام ان لاقینا

۳ ان الذین قد بغوا علینا　　اذا ارادوا فتنۃ أبینا

۱۔ اے رب! اگر تُو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے نہ تصدیق کرتے نہ عبادت کرتے۔
۲۔ ہمارے دلوں پر سکینۃ کا نزول فرما، دشمنوں سے اگر مڈھ بھیڑ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔
۳۔ ہم پر یورش کرنے والے اگر فتنہ پر آمادہ ہوں تو ہلاک ہو جائیں۔

۱ خلوا بنی الکفار عن سبیلہ　　الیوم نضربکم عن تاویلہ

۲ ضربًا یزیل الھام عن مقیلہ　　ویذھل الخلیل عن خلیلہ

۱۔ اے کافر بچو! رسول اللہ کا راستہ خالی کر دو، آج ہم تمہیں اسلام کے احکام پر عمل کرتے ہوئے تم کو ماریں گے۔
۲۔ ایسی مار جو سر کو کھوپڑیوں سے جُدا کر دے گی، اور جو ایک دوست کو دوسرے دوست سے بے نیاز کر دے گی۔

۱ روحی الفداء لمن اخلاقہ شھدت　　بانہ خیر مولود من البشر

۲ عمت فضائلہ کل العباد کما　　عم البریۃ ضوء الشمس والقمر

۳ لو لم تکن فیہ اٰیات مبینۃ　　کانت بدیھتہ تنبیک بالخبر

۱۔ میری روح قربان ہو اس ذات پر جس کے اخلاق اس بات پر شاہد ہیں کہ وہ بنی نوع انسان میں سب سے بہتر فرد ہیں۔

۲: ان کے احسانات ساری مخلوق کے لئے عام ہیں جیسے چاند اور سورج کی روشنی ساری دنیا کیلئے عام ہے۔
۳: اگر حضور کی ذات گرامی میں دوسری روشن دلیلیں نہ بھی ہوتیں تو خود ان کا چہرۂ انور تم کو حقیقت بتا دیتا۔

اللہ کی تلوار

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ

١ فَقَدْ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ مُعْتَذِرًا — وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَقْبُوْلُ

٢ لَقَدْ اَقُوْمُ مَقَامًا لَوْ یَقُوْمُ بِہٖ — اَرٰی وَاَسْمَعُ مَا لَوْ یَسْمَعُ الْفِیْلُ

٣ لَظَلَّ یُرْعَدُ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ — مِنَ الرَّسُوْلِ بِاِذْنِ اللّٰہِ تَنْوِیْلُ

٤ حَتّٰی وَضَعْتُ یَمِیْنِیْ لَا اُنَازِعُہٗ — فِیْ کَفِّ ذِیْ نَقِمَاتٍ قِیْلُہُ الْقِیْلُ

٥ اِنَّ الرَّسُوْلَ لَسَیْفٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ — مُھَنَّدٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ مَسْلُوْلُ

١۔ میں اللہ کے رسول کی خدمت میں عذر خواہ ہو کر پہنچا اور معافی و درگزر تو اللہ کے رسول کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

٢۔ میں اس مقام پر کھڑا تھا کہ اگر وہاں ہاتھی بھی کھڑا ہوتا اور ہاتھی وہ دیکھتا اور سنتا جو میں دیکھ اور سن رہا تھا۔

٣۔ تو یقیناً کانپنے لگتا اگر اللہ کے حکم سے رسول اللہ کی طرف سے جود و سخا اور بخشش و عطا نہ ہوتی۔

٤۔ یہاں تک کہ میں نے اپنا داہنا ہاتھ بغیر کسی مناقشے کے اس ہاتھ میں دے دیا جو کئے کی سزا دے سکتا تھا اور جس کا قول قولِ فیصل تھا۔

٥۔ بیشک رسول اللہ وہ سیف ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک کھنچی ہوئی تلوار ہیں۔

○

سَیِّدُ السَّادَات

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

١ يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُكَ قَاصِدًا	اَرْجُوْا رِضَاكَ وَاحْتَمِى بِحِمَاكْ
٢ وَاللّٰهِ يَا خَيْرَ الْخَلَائِقِ اِنَّ لِى	قَلْبًا مَشُوْقًا لَا يَرُوْمُ سِوَاكْ
٣ اَنْتَ الَّذِى لَوْلَاكَ مَا خُلِقَ امْرُءٌ	كَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرٰى لَوْلَاكْ
٤ اَنْتَ الَّذِى لَمَّا تَوَسَّلَ اٰدَمُ	مِنْ زَلَّةٍ بِكَ فَازَ وَهُوَ اَبَاكْ
٥ وَبِكَ الْخَلِيْلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُهٗ	بَرْدًا وَقَدْ خَمَدَتْ بِنُوْرِ سَنَاكْ
٦ وَدَعَاكَ اَيُّوْبُ لِضُرٍّ مَسَّهٗ	فَاُزِيْلَ عَنْهُ الضُّرُّ حِيْنَ دَعَاكْ
٧ وَبِكَ الْمَسِيْحُ اَتٰى بَشِيْرًا مُخْبِرًا	بِصِفَاتِ حُسْنِكَ مَادِحًا لِعُلَاكْ
٨ وَكَذَاكَ مُوْسٰى لَمْ يَزَلْ مُتَوَسِّلًا	بِكَ فِى الْقِيٰمَةِ مُحْتَمِى بِحِمَاكْ
٩ وَهُوْدٌ وَيُوْنُسُ مِنْ بَهَاكَ تَجَمَّلَا	وَجَمَالُ يُوْسُفَ مِنْ ضِيَاءِ سَنَاكْ
١٠ قَدْ فُقْتَ يَا طٰهٰ جَمِيْعَ الْاَنْبِيَآءِ	طُرًّا فَسُبْحٰنَ الَّذِى اَسْرَاكْ
١١ وَاللّٰهِ يَا يٰسِيْنُ مِثْلُكَ لَمْ يَكُنْ	فِى الْعٰلَمِيْنَ وَحَقِّ مَنْ اَنْبَاكْ
١٢ عَنْ وَصْفِكَ الشُّعَرَآءُ يَا مُدَّثِّرُ	عَجَزُوْا وَكَلُّوْا مِنْ صِفَاتِ عُلَاكْ
١٣ بِكَ لِى قُلَيْبٌ مُغْرَمٌ يَا سَيِّدِى	وَحُشَاشَةٌ مَحْشُوَّةٌ بِهَوَاكْ
١٤ يَا اَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَنْزَ الْوَرٰى	جُدْ لِى بِجُوْدِكَ وَارْضِنِى بِرِضَاكْ

۱۵ اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْكَ وَلَمْ يَكُنْ لِاَبِیْ حَنِیْفَةَ فِی الْاَنَامِ سِوَاكَ
۱۶ صَلّٰی عَلَیْكَ اللّٰهُ یَا عَلَمَ الْهُدٰی مَا حَنَّ مُشْتَاقٌ اِلٰی مَثْوَاكَ

۱۔ اے سرداروں کے سردار! میں آپ کے حضور آیا ہوں آپ کی خوشنودی کا امیدوار، آپ کی پناہ کا طلب گار۔
۲۔ اللہ کی قسم اے بہترین خلائق! میرا دل صرف آپ کی محبت سے لبریز ہے، وہ آپ کے سوا کسی کا طالب نہیں۔
۳۔ آپ اگر نہ ہوتے تو پھر کوئی شخص ہرگز پیدا نہ کیا جاتا اور اگر آپ مقصود نہ ہوتے تو یہ مخلوقات پیدا نہ ہوتیں۔
۴۔ آپ وہ ہیں کہ جب حضرت آدم نے آپ کا توسّل اختیار کیا اپنی لغزش پر، تو کامیاب ہوئے حالانکہ وہ آپ کے جدِ بزرگوار ہیں۔
۵۔ اور آپ ہی کے وسیلے سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے دعا کی تو ان کی آگ سرد ہوگئی، وہ آگ آپ کے نور کی برکت سے بجھ گئی۔
۶۔ اور حضرت ایوب نے اپنی بیماری میں آپ کے وسیلے سے دعا کی تو ان کی دعا مقبول ہوئی اور بیماری دور ہوگئی۔
۷۔ اور آپ ہی کے ظہور کی خوشخبری لے کر حضرت مسیح آئے انھوں نے آپ کے حسن وجمال کی مدح وثنا کی اور آپ کے رتبۂ بلند کی خبر دی۔
۸۔ اور اسی طرح حضرت موسیٰ بھی آپ کا وسیلہ اختیار کیے رہے اور قیامت میں بھی آپ ہی کی حمایت کے طالب رہیں گے۔
۹۔ اور حضرت ہود اور حضرت یونس نے بھی آپ ہی کے حسن سے زینت پائی اور حضرت یوسف کا جمال بھی آپ ہی کے جمال باصفا کا پرتو تھا۔
۱۰۔ اے طٰہٰ لقب! آپ کو تمام انبیاء پر برتری حاصل ہوئی۔ پاک ہے وہ جس نے ایک رات کو اپنے ملکوت کی سیر کرائی۔
۱۱۔ خدا کی قسم، اے یٰسین لقب! آپ جیسا تو تمام مخلوق میں نہ کوئی ہوا ہے نہ ہوگا، قسم ہے اسی کی جس نے آپ کو سربلند کیا۔
۱۲۔ اے کملی والے! آپ کے اوصافِ جمیلہ بیان کرنے سے بڑے بڑے شعرا عاجز رہ گئے، آپ کے اوصافِ عالیہ کے سامنے زبانیں بند ہوجاتی ہیں۔
۱۳۔ میرے سرکار! میرا حقیر دل آپ ہی کا شیدا ہے اور میرے اندر تو آپ ہی کی محبت بھری ہوئی ہے۔
۱۴۔ اے تمام موجودات سے بزرگ و برتر، اے حاصلِ کائنات! مجھے اپنی بخشش وعطا سے نوازیئے اور اپنی خوشنودی کی مسرت بخشئے۔
۱۵۔ میں آپ کے جود و کرم کا دل سے طلبگار ہوں کہ اس جہان میں ابوحنیفہ کے لیے آپ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔
۱۶۔ اے ہدایت کے علمِ سربلند! مشتاقانِ زیارت کے شوقِ بے حد کے مطابق قیامت تک اللہ کا درود وسلام آپ پر نازل ہوتا رہے۔

ایک مقبول و محبوب

نعت شریف

محمد جار اللہ السمہودی

١	الصبح بدا من طلعتہٖ	واللیل دجا من وفرتہٖ
٢	فاق الرسلا، فضلاً وعلا	وھدی السبلا بدلالتہٖ
٣	کنز الکرم، مولی النعم	ھادی الأمم بشریعتہٖ
٤	ازکی النسب اعلی الحسب	کل العرب فی خدمتہٖ
٥	سعت الشجر نطق الحجر	شق القمر باشارتہٖ
٦	جبریل اتیٰ لیل الاسرا	والرب دعاہ لحضرتہٖ
٧	نال الشرفا واللہ عفا	عما سلفا من امتہٖ
٨	فوسیلتنا ھو سیّدنا	والعز لنا باجابتہٖ

١- ان کے چہرۂ مبارک سے صبح بیدار ہوئی اور گیسوئے پاک سے رات سیہ پوش ہوئی۔

٢- آپؐ تمام انبیائے کرام پر فضل وبلندی کے لحاظ سے سبقت لے گئے اور لوگوں کو اپنی رہنمائی کے ذریعہ حق کی راہوں پہ لگایا۔

٣- ذاتِ گرامی ہے خزانہ شرافت وسیر چشمی کا، اور مالک ووارث ہے تمام نعمتوں کی، اور آپ ساری اُمتوں کو اپنی شریعت کے ذریعہ ہدایت دینے والے ہیں۔

٤- پاکیزہ ترنسب والے، اعلیٰ ترین خاندانی شرف رکھنے والے! سارے عرب آپ کے دریوزہ گر اور خدمت گزار ہیں۔

٥- آپ کے ایک اشارہ پر درخت دوڑے، پتھر بولے اور چاند دو ٹکڑے ہوا۔

٦- شبِ معراج جبریل درِ دولت پر حاضر ہوئے اور رب کریم نے آپ کو اپنی حضوری میں طلب فرمایا۔

٧- بلندیاں حاصل کیں اور اللہ نے آپ کی اُمت کے سابق گناہ بخش دیئے۔

٨- ہمارا وسیلہ ہمارے آقا ہیں، ہماری سربلندی آپ کے قبول فرما لینے میں ہے۔

طوبیٰ و کوثر

حضرت غوث الاعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ

جناب عامر بن سہیل "تذکرۃ الاولیاء" میں لکھتے ہیں. ماہ شعبان ۵۱۱ھ کی ایک روح پرور صبح کا ذکر ہے کہ محبوب سبحانی، قطب ربانی غوث الثقلین حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ پر وجد و کیف کا عالم طاری تھا۔ اس مبارک وقت میں حضرت نے یہ دلآویز اشعار لکھے جن کا عام فہم اردو ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

مابہ جنت از برائے کار دیگر می رویم
ہم جنت میں کسی اہم آرزو کے ساتھ جاتے ہیں

نے تفرج کردنے طوبیٰ و کوثر می رویم
ہم صرف طوبیٰ و کوثر کی سیر کرنے نہیں جاتے ہیں

پارسا گوید بجوئے ما بیا، شو نیک نام
پارسا (زاہد ظاہر بیں) ہم سے کہتا ہے کہ ہمارے کوچہ میں آؤ نیکنامی حاصل کرو

ما در آں کوچہ خدا داناست کمتر می رویم
اللہ تعالیٰ علیم و بصیر ہے کہ ہم اس کوچہ میں بہت کم جاتے ہیں

اندر آں خلوت کہ در وے رہ نیابد جبرئیل
اس خلوتِ خاص میں کہ جہاں جبرئیل کو بھی راہ نہیں ملتی

بے سر و پا ما بپیشِ دوست اکثر می رویم
اس بارگاہِ قدس میں ہم بے سر و ساماں اکثر حاضر ہوتے ہیں

دولتِ دیدار می خواہیم در جناتِ عدن
ہم جنات عدن میں دیدارِ دوست کی دولت چاہتے ہیں

ما نہ آں جا از برائے زیور و زر می رویم
ہم وہاں مال و دولت حاصل کرنے کیلئے نہیں جاتے

محیؔ مارا ہمچو کوہ افسردہ می بینی ولے
محیؔ! تو ہمیں ایک پتھر کی طرح دیکھتا ہے لیکن

ما بسر چوں ابرِ خوش بے پا و بے سر می رویم
انکی خلوتِ گہ خاص میں ہم ابر خوش خرام کی طرح سر کے بل جاتے ہیں

پناہ

حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ

۱	فَلَا مَلَاذَ سِوٰى خَيْرِ الْوَرٰى جَمْعًا	فِى الْخَلْقِ وَالْخُلْقِ وَالْاِحْسَانِ وَالْجُوْدِ
۲	جَدْوَاهُ نَقْدٌ لِمَنْ يَاْتِيْهِ مُعْتَفِيًا	فَكَمْ هُنَالِكَ مِنْ قَوْدٍ لِمَنْقُوْدِ
۳	اَحْمَى الصَّنَادِيْدِ مَاوَى النَّاسِ مَفْزَعُهُمْ	اِذْ يَفْزِعُوْنَ لِاَهْوَالٍ صَنَادِيْدِ
۴	اِخْتَارَهُ اللّٰهُ مَحْبُوْبًا وَ اَرْسَلَهٗ	لِرَحْمَتِهٖ وَاِرْشَادٍ وَ تَسْدِيْدِ
۵	فَاقَ النَّبِيِّيْنَ طُرًّا فِى الْكَمَالِ وَ فِى	الْجَمَالِ وَالْعَزْمِ وَالْاِجْمَالِ وَالسُّوْدِ
۶	اِنَّ الرَّسُوْلَ لَقَدْ فَاقَ وَعِتْرَتُهٗ	سَفِيْنَةٌ مُسْوَاهَا الْجُوْدُ لَا الْجُوْدِىْ
۷	اَفْدِيْكَ يَا خَيْرَ الْمَوَارِدِ مُخْتَبِطًا	قَدْ طَرَدَتْهُ الْمَعَاصِىْ اَىَّ تَطْرِيْدِ
۸	اَنْشَدْتُكَ فَاقْبَلْ مَدْحَتِىْ كَرَمًا	حَتّٰى اَفُوْزَ بِاِنْشَادِىْ بِمَنْشُوْدِىْ
۹	لَا شَكَّ اَنَّكَ غَوْثُ الْخَلْقِ اَجْمَعِهِمْ	وَلَا نُبَالِىْ اَبَاطِيْلَ الْمَنَاكِيْدِ
۱۰	عَلَيْكَ اَزْكٰى صَلَوَاتُ اللّٰهِ مَا مَدَحَتْ	فِىْ مُوْرِقِ الْبَانِ وَرْقَاءُ بِتَغْرِيْدِ

۱۔ تو اب کوئی اُن کے سوا نہیں ہے جو تمام مخلوقات سے بہتر ہیں خلقت میں عادت میں، احسان میں اور سخاوت میں۔

۲۔ ان کی عنایت ہر اس شخص کے لیے نجات ہے جو توبہ کر کے آئے یہاں مکافات گناہ کی بہترین شکلیں ہیں،

۳۔ پریشانی اور گھبراہٹ میں سب سے بڑی پناہ ہیں لوگوں کے لیے، جب لوگ خوفناک صدمتوں سے گھبرا اٹھیں۔

۴۔ اللہ نے ان کو محبوب منتخب کیا اور اپنی رحمت بنا کر ارشاد اور درستگی کے لیے بھیجا۔

۵۔ وہ تمام انبیاء پر فوقیت رکھتے ہیں۔ کمال میں بھی، جمال میں بھی، عزم میں بھی، خوبی میں بھی، سرداری میں بھی۔

۶۔ بلاشبہ رسولِ اکرم سب سے بڑھ گئے اور ان کی عترت ایک کشتی ہے جس کا مقام جود ہے جودی نہیں۔

۷۔ میں آپ پر فدا اے بہترین پناہ! حیرانی میں۔ خود گنا ہوں نے اسے دور پھینک دیا اور کتنی دور۔

۸۔ میں نے آپ کے حضور یہ مدح پیش کی ہے اپنی کرم گستری سے قبول فرمائیے تاکہ میں اس شعرخوانی کے ذریعے دامنِ مقصود بھر پاؤں۔

۹۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ساری مخلوق کی فریاد سننے والے ہیں اور ہیں اس سلسلے میں کسی کی ہرزہ سرائی کی پروا نہیں کرتا۔

۱۰۔ آپ پر اللہ کی پاکیزہ ترین رحمتیں اس وقت تک برابر نازل ہوتی رہیں جب تک "بان" کی ہری شاخوں پر (اس چمنستانِ عالم میں) طائرانِ خوش الحان چہچہاتے رہیں۔

قرآنِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

تاجدارِ مارہرہ مقدسہ سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں علیہ الرحمۃ

جہان و جاں ہیں قربانِ محمد — جہانِ جاں ہے ہر آنِ محمد

ہمارے واسطے ہے نعمت خُلد — کہ ہم ہیں زلّہ خوارانِ محمد

محمد خاص بندہ ہے خدا کا — خدا کے بعد ہے شانِ محمد

محمد شافعِ روزِ جزا ہے — یہی کہتا ہے قرآنِ محمد

محمد زیر فرمانِ خدا ہے — خدائی زیر فرمانِ محمد

نہ کیونکر نار دوزخ سے ہوں آزاد — کہ ہم سب ہیں غلامانِ محمد

ملائک پر نہ کیوں کر ہو بزرگی — کہ ہے جبریل دربانِ محمد

تمنا باغِ جنّت کی یہی ہے — کہ ہو وقفِ غلامانِ محمد

محمد کی صفت قرآں میں آئی — سمجھ لو اس سے تم شانِ محمد

خدا نے نور سے اپنے بنایا — یہیں سے جان لو شانِ محمد

ثنائے پاک نوریؔ کس طرح ہو
کہاں ہم اور کہاں شانِ محمد

صبحِ سعادت

استاد زمن مولانا حسن رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

سرِ صبحِ سعادت نے گریباں سے نکالا ظلمت کو ملا عالمِ امکاں سے نکالا
پیدائشِ محبوب کی شادی میں خدا نے مدّت کے گرفتاروں کو زنداں سے نکالا
رحمت کا خزانہ پئے تقسیمِ گدایاں اللہ نے تہ خانۂ پنہاں سے نکالا
خوشبو نے عنادل سے چھڑائے چمن و گل جلوے نے پتنگوں کو شبستاں سے نکالا
ہے حُسن گلوئے مہ بطحا سے یہ روشن اب مہر نے سر اُن کے گریباں سے نکالا
پردہ جو ترے جلوۂ رنگیں نے اُٹھایا صرصر کا عمل صحنِ گلستاں سے نکالا
اُس ماہ نے جب مہر سے کی جلوہ نمائی تاریکیوں کو شامِ غریباں سے نکالا
اے مہرِ کرم تیری تجلّی کی ادا نے ذرّوں کو بلائے شبِ ہجراں سے نکالا
صدقے ترے اے مردمکِ دیدۂ یعقوب یوسف کو تری چاہ نے کنعاں سے نکالا
ہم ڈوبنے ہی کو تھے کہ آقا کی مدد نے گرداب سے کھینچا ہمیں طوفاں سے نکالا
اُمت کے کلیجے کی خلش تم نے مٹائی ٹوٹے ہوئے نشتر کو رگِ جاں سے نکالا
اُن ہاتھوں کے قرباں کہ ان ہاتھوں سے تُم نے خارِ رہِ غم پائے غریباں سے نکالا
ارماں زدوں کی ہیں تمنّائیں بھی پیاری ارمان نکالا تو کس ارماں سے نکالا
یہ گردنِ پُرنور کا پھیلا ہے اُجالا یا صبح نے سر اُن کے گریباں سے نکالا
گلزارِ براہیم کیا نار کو جس نے اُس نے ہی ہمیں آتشِ سوزاں سے نکالا
دینی تھی جو عالم کے حسینوں کو ملاحت تھوڑا نمک اُن کے نمکداں سے نکالا
قرآں کے حواشی پہ جلالَین لکھی ہے مضموں یہ خطِ عارضِ جاناں سے نکالا
قربان ہوا بندگی پہ لطفِ رہائی یُوں بندہ بنا کر ہمیں زنداں سے نکالا
اے آہ مرے دل کی لگی اور نہ بُجھتی کیوں تُو نے دُھواں سینۂ سوزاں سے نکالا

مدفن نہیں پھینک آئیں گے احباب گڑھے میں
تابوت اگر کوچہ جاناں سے نکالا

کیوں شور ہے کیا حشر کا ہنگامہ بپا ہے
یا تم نے قدم گورِ غریباں سے نکالا

لاکھوں ترے صدقے میں کہیں گے دمِ محشر
زنداں سے نکالا ہمیں زنداں سے نکالا

جو بات لبِ حضرتِ عیسیٰ نے دکھائی
وہ کام یہاں جنبشِ داماں سے نکالا

منہ مانگی مرادوں سے بھری جیبِ دو عالم
جب دستِ کرم آپ نے داماں سے نکالا

کانٹا غمِ عقبیٰ کا حسن اپنے جگر سے
اُمت نے خیالِ سرِ مژگاں سے نکالا

شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا کفایت علی صاحب کافی مرادآبادی علیہ الرحمہ

عرش بریں ایوانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
خلد سرا بستانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کفیلِ کارِ اُمت، آپ شفیعِ روزِ قیامت
ہیں بے مدحسانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مظہرِ رحمت، مصدرِ رافت، مخزنِ شفقت عینِ عنایت
ذاتِ محمد، جانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

رحمتِ عالم اُن کا لقب ہے خلقتِ عالم کا وہ سبب ہے
ہے کیا عالی شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بہرِ شفاعت دردِ مصیبت اور برائے رنج و فلاکت
کافی ہے درمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بارگاہِ رسالت میں

حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ

اے زائرِ کوئے نبی اتنا تو کر اے مہرباں
اہلِ مدینہ کو سنا حالِ نعیم خستہ جاں

مایوسیوں کی کثرتیں ناکامیوں کی حسرتیں
تنہائیوں کی وحشتیں اندوہ و غم کی داستاں

بیتابیوں کا سلسلہ، بے چینیوں کا مشغلہ
ناصبریوں کا غلغلہ اور شدتِ دردِ نہاں

سر میں ہے سودائے جنوں وحشت سے ہے حالت زبوں
دل سے ہوا رخصت سکوں آنکھوں سے اشکِ خوں رواں

شدت پہ ہے دورانِ سر زوروں پہ ہے دردِ جگر
خوں رو رہی ہے چشمِ تر، پھٹ کر ہوا ہے دل کتاں

جاتے رہے تاب و تواں اعضا میں ہے قوت کہاں
غم نے کیا ہے نیم جاں، دردِ جدائی الاماں

یہ شورشِ طوفانِ غم، یہ سوزشِ رنج و الم
ہجراں کے یہ جور و ستم اور یہ ضعیف و ناتواں

دن حسرتوں میں کاٹنا، راتوں کو رونا جاگنا
ہر وقت غم کا سامنا ہر لحظہ آنکھیں خوں فشاں

اعدا کے نرغے میں جدا، اپنے ہوئے ہیں بے وفا
ہر سمت سے آئی بلا آفت کا ٹوٹا آسماں

جور و ستم کی بارشیں اور دشمنوں کی سازشیں
بیکار ہیں سب نالشیں، مسلم کا خوں ہے رائیگاں

ہم کیا کہیں حالِ تباہ ہم سے ہوئے بے حد گناہ
بیشک ہیں ہم نامہ سیاہ نادم ہیں اب ہم بے گماں

فریاد اے سلطانِ دیں اے رحمۃ للعالمیں
تم ہو شفیع المذنبیں، اس در سے ہم جائیں کہاں

فریاد اے محبوبِ رب، فریاد اے شاہِ عرب
ہم تجھ سے کرتے ہیں طلب دل کی مرادیں ہر زماں

دل کی مرادیں دیجئے، مسرور ہم کو کیجئے
اب تو خبر لے لیجئے، غم ہو چکے ہیں بے کراں

اب کیجئے ایسا کرم، ہو دین کا اونچا علم
کفار کی گردن ہو خم، اُن کا مٹے نام و نشاں

اسلام کی لیجے خبر اور کفر کو پہنچے ضرر
کفار ہوں زیر و زبر سب بھول جائیں مستیاں

مسلم کو پھر شوکت ملے اسلام کو قوت ملے
بدخواہ کو ذلت ملے اے دینِ حق کے پاسباں

ذوقِ عبادت ہم کو دو، شوقِ ریاست ہم کو دو
سنت کی رغبت ہم کو دو ہم سے ادا ہوں نیکیاں

مسلم ہوں باہم متحد بھائی کا بھائی ہو ممد — مٹ جائے سب آپس کی ضد رشک و حسد سے ہو اماں
طیبہ میں اپنے لطف سے اذنِ اقامت دیجئے — فرقت سے دل بیتاب ہے کب تک رہوں ہندوستاں
راہِ مدینہ دور ہے، بندہ بہت رنجور ہے — اور حاضری منظور ہے امداد سلطانِ جہاں

یا ربّنا سلِّم علیٰ روح النّبی المصطفیٰ
والاٰل والصحب الیٰ مادار دورانُ الزماں

دَورِ جَام

حضرت آسیؔ غازی پوری علیہ الرحمہ

وہاں پہنچ کے یہ کہنا صبا سلام کے بعد — تمہارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد
شبِ وصال بیانِ غمِ فراق عبث — فضول ہے گلہ، زخم التیام کے بعد
وہاں بھی وعدۂ دیدار اس طرح ٹالا — کہ لوگ خاص طلب ہوں گے بارِ عام کے بعد
گناہگار کی سن لو تو صاف ہے یہ — کہ لطفِ رحم و کرم کیا پھر انتقام کے بعد
طلب تمام ہو مطلوب کی اگر حد ہو — لگا ہوا ہے یہاں کوچ ہر مقام کے بعد
وہ خط وہ چہرہ وہ زلفِ سیاہ تو دیکھو — کہ شام بر صبح کے بعد آئی صبح شام کے بعد
تجھے کہے کوئی کیونکر نہ غیرتِ عیسیٰ — رہا نہ ہوش کسی کا ترے کلام کے بعد
پیام بر کو روانہ کیا تو رشک آیا — نہ ہم کلام ہو اس سے مرے کلام کے بعد
تمام ہوں ابھی جھگڑے لن ترانی کے — دکھا دو جلوہ خدارا اگر کلام کے بعد
ابھی تو دیکھتے ہیں ظرف بادہ خواروں کا — سبو و خُم کی بھی ٹھہرے گی دورِ جام کے بعد

الٰہی آسیؔ بے تاب کس سے چھوٹا ہے
کہ خط میں روزِ قیامت لکھا ہے نام کے بعد

اغثنی یا رسول اللہ

اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی

بکارِ خویش حیرانم اغثنی یا رسول اللہ
پریشانم پریشانم اغثنی یا رسول اللہ

ندارم جز تو ملجائے ندانم جز تو ماوائے
توئی خود ساز و سامانم اغثنی یا رسول اللہ

شہا بیکس نوازی کن طبیبا چارہ سازی کن
مریضِ دردِ عصیانم اغثنی یا رسول اللہ

زرفتم راہِ بینایاں فتادم در چہِ عصیاں
بیا اے حبلِ رحمانم اغثنی یا رسول اللہ

گنہ بر سر بلا بار دِلم دردِ ہوا دارد
کہ داند جز تو درمانم اغثنی یا رسول اللہ

اگر رانی وگر خوانی غلامم انت سلطانی
دگر چیزے نمی دانم اغثنی یا رسول اللہ

بکہف رحمتم پرور زقطمیرم منہ کمتر
سگِ درگاہِ سلطانم اغثنی یا رسول اللہ

گنہ در جانم آتش زد قیامت شعلہ می خیزد
مدد اے آبِ حیوانم اغثنی یا رسول اللہ

چو مرگم نخلِ جاں سوزد بہارم را خزاں سوزد
نہ ریزد برگِ ایمانم اغثنی یا رسول اللہ

چو محشر فتنہ انگیزد بلائے بے اماں خیزد
بجویم از تو درمانم اغثنی یا رسول اللہ

پدر را نفرتے آید پسر را وحشت افزاید
تو گیری زیر دامانم اغثنی یا رسول اللہ

عزیزاں گشتہ دور از من ہمہ یاراں نفور از من
دریں وحشت ترا خوانم اغثنی یا رسول اللہ

گدائے آمد اے سلطاں باُمید کرم نالاں
تہی داماں مگر دانم اغثنی یا رسول اللہ

اگر میرانیم از در بمن بنما درے دیگر
کجا نالم کرا خوانم اغثنی یا رسول اللہ

گرفتارم رہائی دہ مسیحا مومیائی دہ
شکستم رنگ سامانم اغثنی یا رسول اللہ

رضایت سائل بے پر توئی سلطان لا تنہر
شہا بہرے ازیں خوانم اغثنی یا رسول اللہ

اداریہ

اللہ پہ بھروسہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہ نظر ہے

تقوے کی اور نہ کچھ زادِ سفر ہے
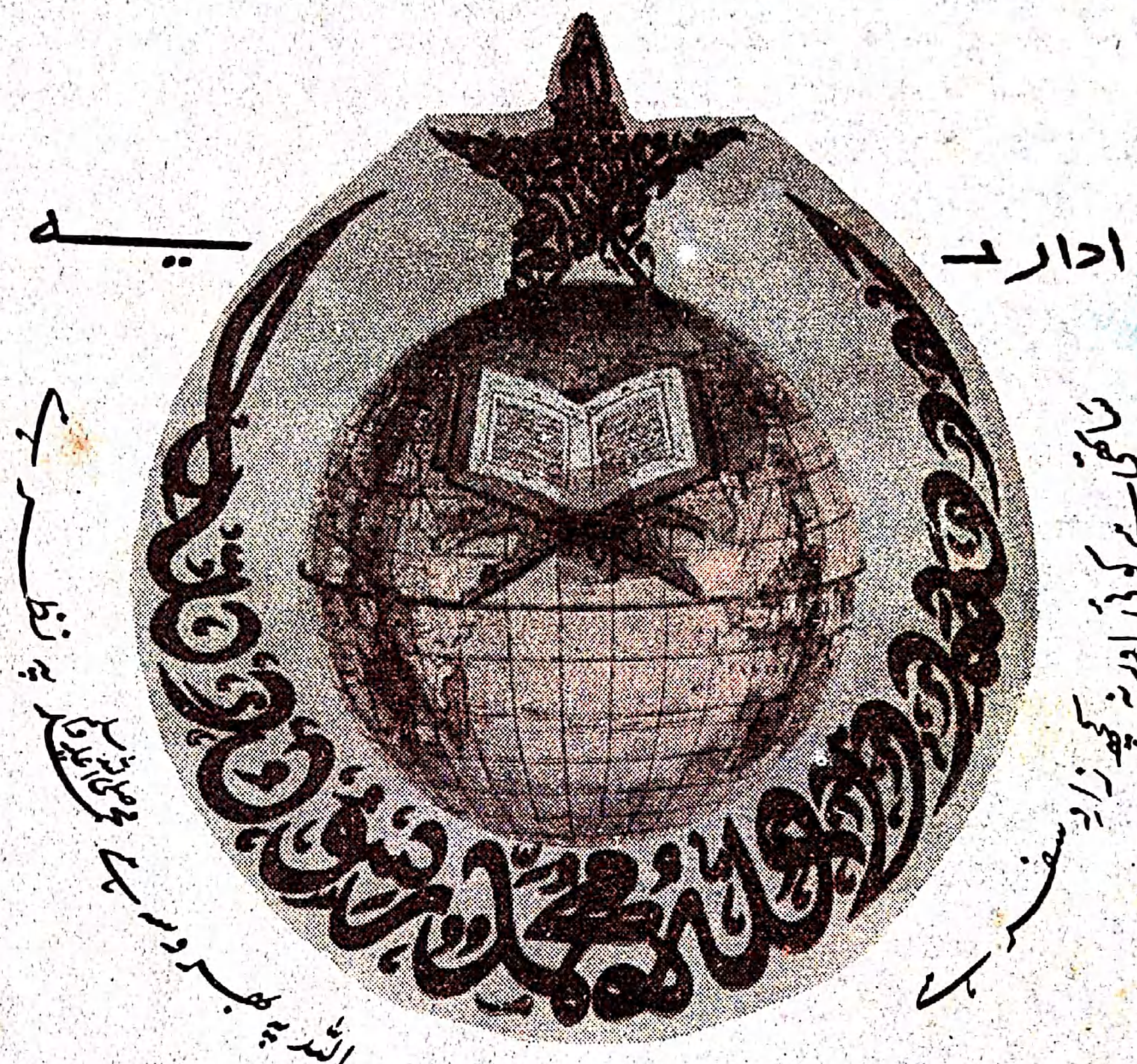
اللہ اللہ (جل جلالہ، وعم نوالہٗ) یہ مقدس اور مبارک کلمہ کس قدر دل کش و دل کشا، جاں بخش و جاں نواز پرسوز و ولولہ انگیز اور وجد آفریں و کیفیت افروز ہے لبوں پر آتے ہی اس کا حرف حرف رگ و ریشہ میں زندگی و بیداری اور حریت و حرارتِ ذہن و ضمیر کی نورانی لہر بن کر دوڑ جاتا ہے، دل کی کلی کھل جاتی ہے، ایمان کی آنکھ کھل جاتی ہے، روح سرشار ہو جاتی ہے، یقین انگڑائیاں لینے لگتا ہے، اور وجدان عالم بالا کی طرف مائل پرواز محسوس ہوتا ہے۔

یہی کلمہ ہماری زندگی ہے، عنوان بندگی ہے سرمایۂ حیات ہے، حاصل کائنات ہے، موجب نجات ہے اور وہ سب کچھ ہے جس کا ہمیں علم ہے یا علم نہیں ہے، سارے عالم ماکان وما یکون میں اسی کا غلغلہ ہے، اسی کی گونج ہے، اسی کی شہنائی بج رہی ہے، اسی کا ڈنکا پٹ رہا ہے اور اسی کی تابانی و توانائی کا پھریرا اڑ رہا ہے۔ اس سے وابستہ ہو کر ہم ان عظمتوں اور رفعتوں کی پیشانی چوم سکتے ہیں جن تک تصور کی رسائی بھی ممکن نہیں ہے اور اس سے بے تعلق ذلتوں اور پستیوں کے اس گہرے عمیق اور تنگ و تاریک غار میں گرا دیتی ہے جو وہم و گمان سے بھی دور ہے۔

ہم اپنی قسمت کی یاوری پر شاداں، نصیب کی بلندی پر فرحاں اور بخت کی ارجمندی پر نازاں ہیں کہ ہمارا تعلق گروہِ انسانی کے اس طبقہ سے ہے جو نہ صرف کلمہ گو کہلاتا ہے بلکہ اس کلمہ کو اپنے یقین و ایمان کی جان، زندگی و بندگی کی شان اور عبودیت و عبادت کا عنوان سمجھتا ہے، یہ کلمہ ایک ایسی بزرگ و برتر، بلند و بالا، عظیم و جلیل، علیم و خبیر اور واحد و

لا الہ الا اللہ
محمد رسول اللہ
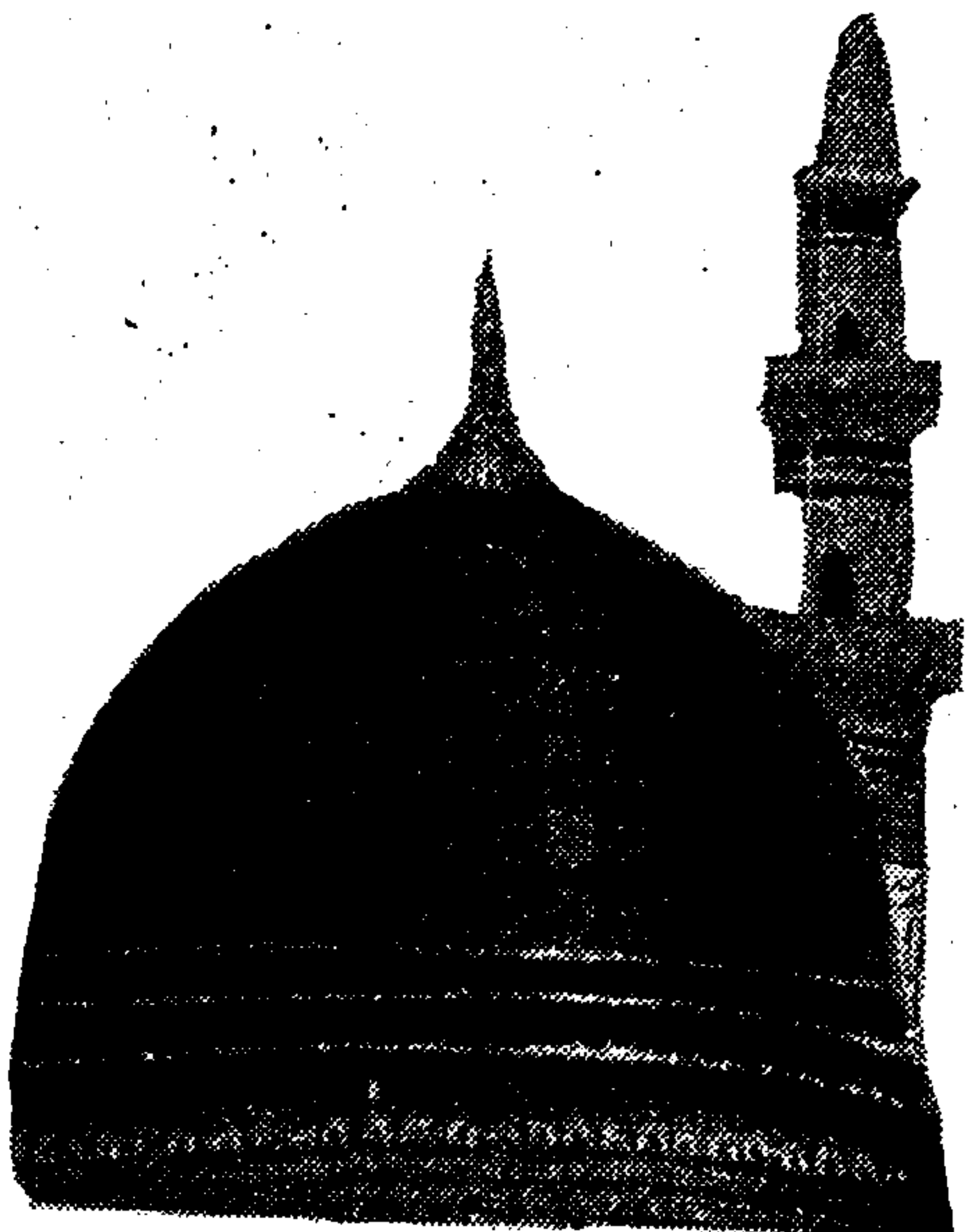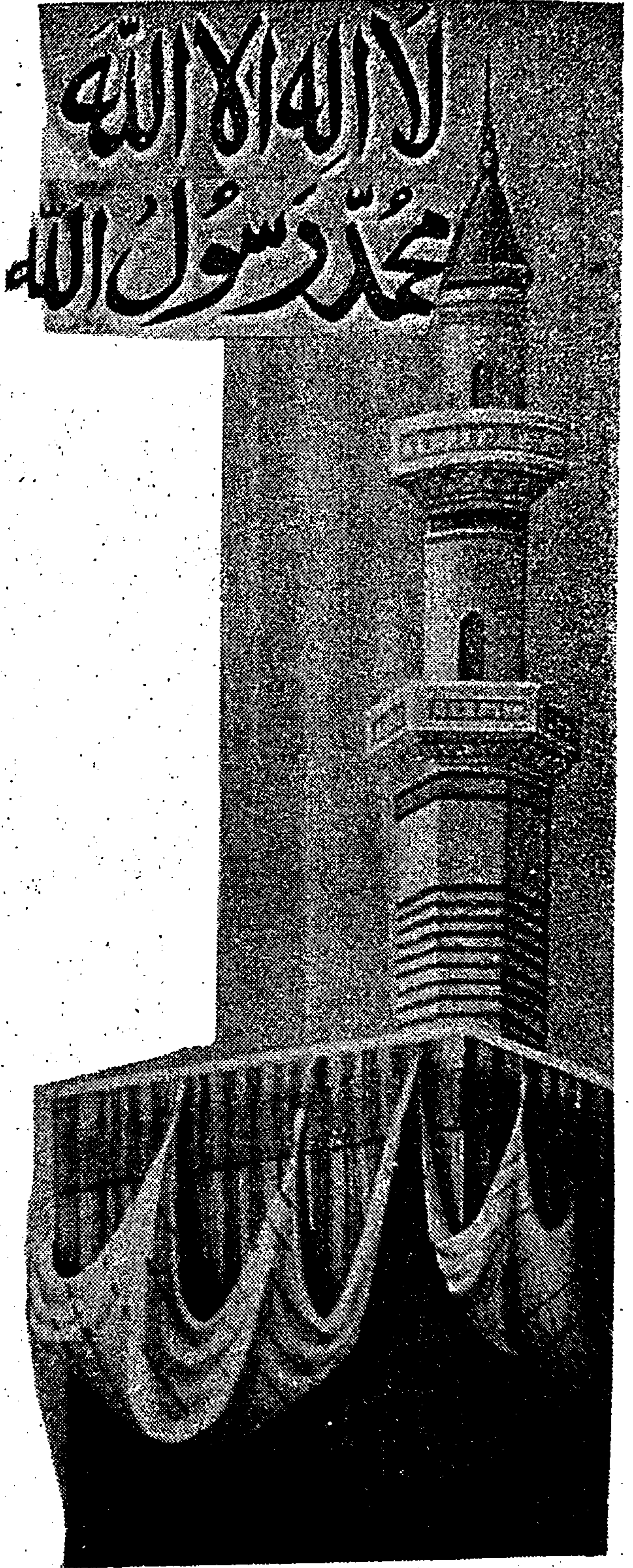
قدوس ہستی پر ہماری فکر و نظر، علم و عمل اور خواہش و کوشش کے ایک ایک گوشے اور شوشے کو مرکوز کرتا ہے جو اللہ ہے، جو معبود ہے، جو مسجود ہے جو خالق کل ہے، جو فاطر السموٰات والارض ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کے سوا کوئی بندگی کا سزاوار نہیں ہے، ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں، اسی کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں اور پھر بحمد اللہ اسی کلمہ کی بنیاد پر اس یقین کا اعلان کرتے ہیں کہ ؎

محمد سر بسر حمدِ خدا ہیں
محمد جانِ ہر حمد و ثنا ہیں
محمد ہیں محمد ہی محمد
محمد مصطفٰے ہی مصطفٰے ہیں

محمد۔محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ؎

زباں پر آ گیا وہ نامِ نامی
نچھاور جس پہ ہر جانِ گرامی

سبحان اللہ، ماشاء اللہ، کتنا مبارک، کیسا مقدس اور کس قدر باعظمت ہے یہ نام نامی اور اسم گرامی کہ

حرف حرف پہ درود حرف حرف پر سلام

محمد، اللہ کے رسول ہیں، خدائے حی و قیوم کے نبی ہیں، خالق کائنات کے حبیب ہیں، فاطر ہستی کے محبوب ہیں، انبیاء کے پیشوا ہیں، سارے عالم ماکان و مایکون کے رہنما ہیں، خواجہ ہر دو سرا ہیں، دولت دار البقاء ہیں، دانائے سبل ہیں، ختم الرسل ہیں، مولائے کل ہیں، سید المرسلین ہیں، خاتم النبیین ہیں — شفیع المذنبین ہیں، رحمۃ للعالمین ہیں، حبل اللہ ہیں۔ ذکر اللہ ہیں، نوراً من نور اللہ ہیں، قاسم رزق اللہ ہیں اور ؎

محمد نقشِ اول حرفِ آخر
محمد ابتدا ہیں، انتہا ہیں
محمد کے خدا ہی کو خبر ہے
محمد کیا نہیں ہیں؟ اور کیا ہیں؟

ان کی عظمتوں، رفعتوں، بلندیوں اور ارجمندیوں کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا، وہ شمار ہی میں نہیں آسکتیں یہ تو اللہ تبارک و تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کیا ہیں اور کس مقام و مرتبہ پر جلوہ افروز ہیں۔ ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ "باء" بسم اللہ سے لے کر "سین" والناس تک سارا قرآن انہیں کی نعت ہے، انہیں کی مدحت ہے، اس کا ایک ایک حرف انہیں کی شان میں رطب اللسان ہیں۔ اس کے اعراب میں انہیں کی قصیدہ خوانی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس میں انہیں کی نہیں، ان کے غلاموں تک کی منقبت اور ان کے دشمنوں کی مذمت بھی ہے ؎

قَدْ جَاءَکُمْ سے لے کے تَبَّتْ یَدَا تک
اللہ کا کلام بلاغت نظام ہے
اک ایک حرف، زیر، زبر، پیش، مد و جزم
قرآں تمام نعتِ نبی لا کلام ہے

اب اس کے بعد کون ہے جو ان کی مدح میں زبان کھول سکے، کس قلم میں جرأت ہے جو ان کی نعت لکھ سکے ان کی شان میں نغمہ سنجی اور زمزمہ سرائی کا حق ہی کس طرح ادا ہو سکتا ہے۔ بس ایک جذبۂ خلوص فکر کارفرما ہے کہ ان کی بارگاہِ بیکس پناہ و عالی جاہ میں اور ان کے دربار پر انوار و عرش وقار میں عقیدت و محبت کے تر و تازہ پھولوں کی ڈالی پیش کر کے خود اپنی عزت و عظمت اور نجات و رحمت کا سامان کریں اور اسی جذبہ کا مظاہرہ استقامت کا "سیدنا محمد عربی نمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)" ہے۔ جسے ہم بارگاہ رب العزت میں اس معروضہ کے ساتھ حاضر کر رہے ہیں کہ ؎

ہمیں بھی سوزِ یقینِ بلال دے یا رب
نبی کا عشق بحدِ کمال دے یا رب

آمین بجاہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔

یارسول اللہ انظر حالنا

ظہیر الدین قادری

یارسول اللہ، یا حبیب اللہ، یا خیر خلق اللہ، یا قاسم رزق اللہ، یا نوراً من نور اللہ۔ آپ کی بارگاہِ بیکس پناہ و فلک جاہ اور دربار پرانوار و عرش وقار میں ایک غلام ابن غلام نذر گدایانہ لے کر حاضر ہوا ہے۔

آپ سچے خدا کے سچے رسول ہیں، آپ صادق ہیں، آپ امین ہیں آپ کی ذات قدسی صفات سے تعلق رکھنے والی ایک ایک ادا سچی ہے، آپ کی زبان فیض ترجمان سے نکلا ہوا ایک ایک حرف سچائی اور امانت کا گنجینہ ہے۔ آپ سچے ہیں اور ایسے سچے کہ آپ کی سچائی پر بے چون وچرا آمنا و صدقنا کہہ دینے والے بھی صدیق اکبر ہوگئے۔

یا نبی نعمت! آپ خدائے علیمٌ بذات الصدور کی عطائے غیب دانی (نبوت) کے سب سے اونچے منصب پر فائز ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ آپ کی چوکھٹ پر کون کھڑا ہے، آپ کے در پر کون حاضر ہے، آپ کی سرکار میں باریابی کے شرف سے کس کی قسمت کا ستارہ اوج ثریا پر پہونچا ہے ع

آپ کو علم ہے کون آیا ہے، کیوں آیا ہے؟

آپ سے چھپا ہوا ہی کیا ہے، آپ سے کچھ پوشیدہ رکھا بھی کہاں جا سکتا ہے؟

یارسول رحمت! آپ کی بارگاہ میں جھوٹ بولنے کی جسارت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ نہ آپ سے کچھ راز رکھا جا سکتا ہے۔ کسی دنیوی بادشاہ کے پاس بھی اپنا مطلوب و مقصود لے کر جانے والا سب کچھ کہہ دیتا ہے۔ ایک جسمانی طبیب کے سامنے بھی مریض اپنا سارا حال کھول کر بیان کر دیتا ہے، پھر شہنشاہ کونین، تاجدار دارین، محبوب رب المشرقین والمغربین کے حضور میں یہ کہہ کر کیسے جھوٹ بولا جائے کہ "اک گدائے کوچۂ عقیدت بے سروسامان حاضر ہے" نہیں نہیں ــــ!

حضور پر نور! میں ایسے کریم اور سخی بادشاہ کی بارگاہ میں حضوری کی سعادت حاصل کر رہا ہوں ع

جو بھیک بھی دے اور کہے منگتا کا بھلا ہو

میں ایسے حاکم کے دربار میں کھڑا ہوں جسکے تعلق سے ساری دنیا اس حقیقت کی معترف ہے کہ ؎

چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اس کے خلاف
تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا

اس لئے صاف صاف عرض کرتا ہوں، حاضر ہوا ہوں تو اس حال میں کہ سر پر گناہوں کی بھاری بھرکم گٹھری ہے، دل میں وسوسوں اور خطوات کا انبار ہے روح بے کیفی کی کیفیت سے سرشار ہے اور آنکھیں ندامت کی منزلوں سے ہمکنار ــــ البتہ ہاتھوں میں ــــ اس یقین کے ساتھ "سیدنا محمد عربی بانبر (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ کہ یہی نامۂ شفاعت ہے، یہی پروانۂ جنت، یہی دنیوی و اخروی فوز و فلاح کا سامان ہے اور یہی رحمت و نجات کا فرمان

آقائے نامدار، سرکار ابد قرار، بے یاروں کے یار، بے نواؤں کے غمخوار، حبیب پروردگار! بجا کہ میں گنہگار ہوں درست کہ میں خطا وار ہوں، تسلیم کہ میرے پاس اعمال صالحہ کی کوئی پونجی نہیں ہے۔ بُرا ہوں، بدکار ہوں مگر ــــ مگر شفیع المذنبین آپ کے فرمان والاشان الصالحون للہ والطالحون لی (نیک اور نکوکار اللہ کے ہیں اور برے، بدکار میرے) نے مجھے دلیری عطا کی ہے اور میں اپنی خامیوں، خام کاریوں اور عیوب کا برملا اعتراف کرتے ہوئے آپ کی بارگاہ میں سیدنا محمد عربی بانبر (صلی اللہ علیہ وسلم) پیش کر رہا ہوں ــــ یقین ہے کہ آپ اسے قبولیت کے شرف سے نوازیں گے ــــ

سرکار! میرے اس یقین کی لاج رکھ لیجئے۔

حضور! اسے قبول فرمائیے اور اپنی رحمت کا صدقہ عطا فرمائیے ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

لاکھوں لاکھ سلام

طیش صدیقی

سلام ہو

اُس پر جسے رب العالمین نے رحمۃً للعالمین سیدالمرسلین، خاتم النبیین، شفیع المذنبین، انیس الغریبین، سیدالثقلین، نبی الحرمین، امام القبلتین، صاحب قاب قوسین اور خواجۂ کونین کی حیثیت سے مبعوث فرماکر سارے عالم ماکان و مایکون پر احسان عظیم فرمایا۔

سلام ہو

اس پر جو اس وقت بھی نبی تھا جب آدم آب و گل کی منزلیں طے کر رہے تھے، جو زینتِ محفلِ حیات ہے، جو رونقِ بزمِ کائنات ہے، جو سرتاپا نور و نجات ہے، جو جانِ رحمت ہے۔ جس کے لئے زمین کا فرش بچھایا گیا۔ آسمانوں کا شامیانہ لگایا گیا، سورج اور چاند کی قندیلیں روشن کی گئیں، ستاروں کے قمقمے جڑے گئے، شگوفوں کے نگینے ٹانکے گئے، دریاؤں کو رواں، دواں کیا گیا۔ آبشاروں کو نغمہ ریزی عطا کی گئی، پہاڑوں کو بلندی بخشی گئی اور ذروں کو خورشید کی تابانی کے اکتساب کی صلاحیت سے نوازا گیا۔

لاکھوں لاکھ ــــــ کروڑوں کروڑ ــــــ اربوں ارب ــــــ کھربوں کھرب ــــــ نہیں بلکہ ــــــ بے حد و بے شمار ــــــ اتنی بار جس کا علم خدائے علیم و خبیر کے سوا کسی کو نہیں۔

سلام ہو

سلامتی و رحمت، خیر و برکت، نبوت و رسالت، محبت و شفقت، حسن و جمال جاہ و جلال، فضل و کمال اور جود و نوال والی ذاتِ ستودہ صفات، سرتاپا نور و نجات پر،

اُس پر

جس نے پہلی اور آخری بار کائنات کو ان الفاظ کے حقیقی معانی سے آشنا کیا۔

سلام ہو ______

آمنہ کے نورِ نظر پر، عبداللہ کے لختِ جگر پر
مکہ معظمہ کے دُرِّ یتیم پر، مدینہ منورہ کے گوہرِ
یک دانہ پر، گنبدِ خضراء کے لعلِ شب چراغ پر
جو سرداروں کا سردار، آقاؤں کا آقا، والیوں کا
والی، بادشاہوں کا بادشاہ، نبیوں کا نبی، رسولوں
کا رسول، اور اماموں کا امام ہے۔ جو سید اولاد
آدم ہے، پیغمبر اعظم ہے۔ شہنشاہِ دوعالم ہے
نورِ مجسم ہے، خلیل اللہ کی دعا ہے اور روح اللہ
کی بشارت ہے۔

سلام ہو ______

اُس پر جس نے ۱۲ ربیع النور شریف دوشنبہ
مبارکہ کو صبح صادق کے وقت خاکدانِ عالم کو
اپنے ظہورِ اجلال اور جہاں آرا جمال سے منور فرمایا
اور ایسا منور فرمایا کہ تاریکیاں اس کے تصور
سے بھی پناہ مانگ رہی ہیں جو دینِ حنیف کا عظیم
اور اہم معمار ہے، جو قدوسیت کا شاہکار ہے
اور حبیب پروردگار ہے۔
سلام ہو محمد پر ___ سلام ہو احمد پر ___
سلام ہو مصطفٰی پر ___ سلام ہو مجتبٰی پر ___
سلام ہو مزمل پر ___ سلام ہو مدثر پر ___
سلام ہو طٰہٰ پر ___ سلام ہو یٰسین پر ___
سلام ہو اس کی حیات مقدسہ اور سیرت مطہرہ
کے ایک ایک گوشے اور شوشے پر ___
سلام ہو اس کی ایک ایک ادا پر ___
سلام ہو اس کی آل پر ... سلام ہو اس کے
اصحاب پر ___ سلام ہو اس درودیوار پر جس
کے قریب سے گذر کر نورِ مجسم نے انہیں جنت
بداماں کر دیا۔ سلام ہو ان سنگریزوں پر
جنہوں نے اس کی پابوسی کا شرف حاصل کیا ___
سلام ہو اس نورانی دھول پر جو اس
کے مبارک قدموں سے لپٹ گئی ___ سلام ہو
ان تنکوں پر جن سے غارِ ثور میں کبوتروں نے گھونسلا
بنایا تھا۔ ___ سلام ہو
ان تاروں پر جن سے مکڑی نے جالا تنا تھا۔
سلام ہو ہر اس چیز پر جس کا تعلق ذرا بھی اس
ذاتِ گرامی سے ہے ؎
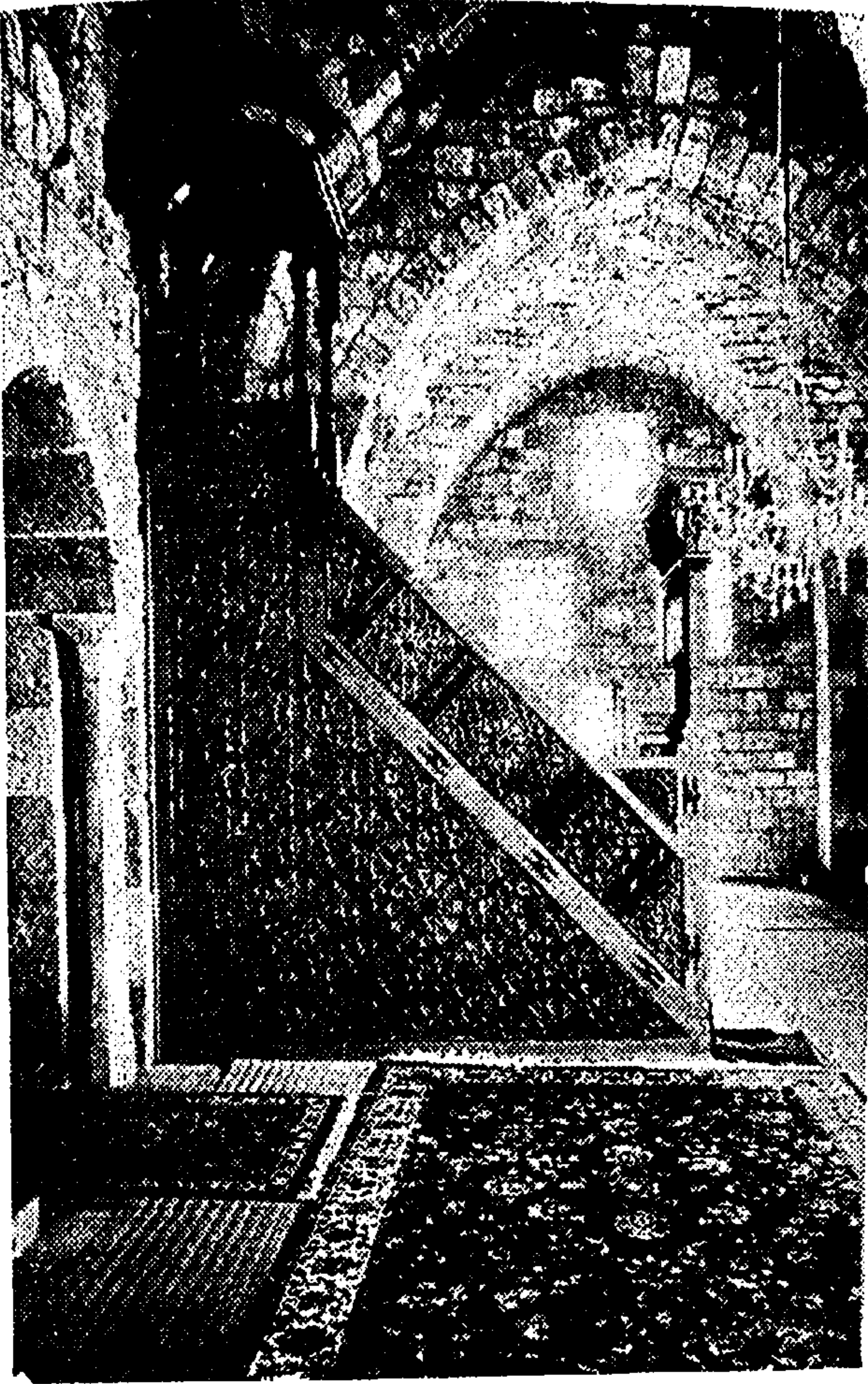
جو ہے سب سے بہتر و برتر
اس پر لاکھوں لاکھ سلام
کوئی نہیں ہے جس کا ہمسر
اس پر لاکھوں لاکھ سلام

شکرانِ نعمت اور انعامِ رحمت

سیرتِ نبوی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے متعلق کتابوں کے اوّلین مؤلفین میں ایک نام ابو عبداللہ محمد بن عمر الواقدی کا بھی آتا ہے۔ واقدی کا ایک واقعہ محمد بن سعد نے اپنے مشہور زمانہ طبقات میں خود واقدی کی زبان سے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"امیر المومنین ہارون الرشید نے مدینہ منورہ میں حاضری کی خواہش ہوئی کہ کوئی ایسا واقف کار شخص مل جائے جو تمام مقامات مقدسہ کی نشان دہی کرنے کے ساتھ ساتھ اس معاملہ میں بھی رہنمائی کر سکے کہ حضرت سید الملائکہ بارگاہِ رسالت میں کس طرح حاضر ہوتے تھے اور کس طرف سے آتے تھے۔ ان کے لائق و فائق وزیر یحیٰ بن خالد نے بڑی تگ و دو کے بعد ایسے شخص کو ڈھونڈھ نکالا۔ وہ واقدی تھے۔

واقدی نے امیر المومنین اور ان کے ساتھیوں کو ان تمام مقامات کی زیارت کرائی جہاں جہاں وہ حاضر ہونا چاہتے تھے۔ جس سے وہ بہت متاثر ہوئے ہر مقام پر خلیفہ ہارون الرشید اور ان کے ساتھیوں نے عقیدت و محبت کا اظہار کیا اور دو دو رکعت نماز ادا کی۔

بعد میں واقدی کی اس خدمت سے خوش ہو کر خلیفہ نے انہیں صلہ کے طور پر دس ہزار درہم کی تھیلی پیش کی۔"

یہ واقعہ عرصہ ہوا کسی کتاب میں نظر سے گزرا تھا۔ آج اچانک یاد آگیا — اس لئے نہیں کہ میں واقدی ہوں اس لئے بھی نہیں کہ میرا معاملہ کسی سلطانِ وقت اور شہنشاہِ زمانہ سے ہے — بلکہ اس لئے کہ ایک خدمت واقدی نے کی تھی — ایک میں نے — دونوں نے اپنی حیثیت و بساط کے مطابق — واقدی نے خلیفہ ہارون الرشید سے دس ہزار درہم اور فرمانروائے عباسیہ کی خوشنودی حاصل کی — اور میں — میں بھی انعام چاہتا ہوں — کیوں — میں نے خدائے بزرگ و برتر کے پیارے رسول کی حیات طیبہ — سیرت مقدسہ — سوانح مطہرہ — اور — تعلیمات منورہ کے نورانی ذکر و تذکرہ کی محفل آراستہ و پیراستہ کر کے — ان کے غلاموں، فدائیوں، فداکاروں، جاں نثاروں اور عقیدتمند امتیوں کے دیدہ و دل کو نور و سرور سے معمور کرنے کی کوشش کی۔

لیکن — ذرا ٹھہریے، میں اس احساس سے عاری نہیں ہوں کہ — میں کیا اور میری کوشش ہی کیا، جو کچھ کیا انہیں کے پروردگار کی بخشی ہوئی توفیق اور انہیں کی عطائے کریمانہ سے — یہ بذات خود بہت بڑا انعام ہے۔ پھر بھی میں انعام کا خواہاں ہوں خواستگار ہوں۔ سائل ہوں۔ بھکاری ہوں — انعام — انعام — انعام رحمت چاہیئے مجھے،

اپنے ہی لئے نہیں، ان سب کے لئے جنہوں نے اس کوشش میں میرا ساتھ دیا، میری ہمنوائی کی — دامے، درمے، قدمے، قلمے، سخنے کسی طرح بھی — ان میں محبت کیش اہل قلم حضرات سے لے کر عقیدت

کیش قارئین تک ہزاروں شامل ہیں۔ کس کس کا نام لوں ـــــــ

حضرت مولانا طیش صدیقی (مشیر و مرتب استقامت) تو خیر میرے دست و بازو ہی کی حیثیت رکھتے ہیں ان کی رفاقت تو ہر دم حاصل رہی۔ حضرت علامہ نظامی کی کرم فرمائیاں بھی کم قابل قدر نہیں، انہیں کے زیر ہدایت حضرت مولانا محمد احمد صاحب مصباحی بھیروی حضرت مولانا عبدالمبین صاحب نعمانی اور حضرت مولانا عارف اللہ صاحب مصباحی وغیرہ نے مضامین کی دیکھ بھال، چھان پھٹک اور تصحیح میں بڑی مدد کی۔
جہاں تک تزئین اور کتابت کا تعلق ہے اس سلسلہ میں خاص طور پر جناب نصرت علی خاں زرق الماسی قادری رام پوری اور جناب شمس القمر کانپوری قابل ذکر ہیں۔ مولانا عبدالمنان برکاتی اور مولانا ظل الرحمٰن وغیرہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

طباعت کے معاملہ میں جناب بھائی آسی خیری (مالک امپیریل پریس دہلی) نے جس دلچسپی اور تعلق خاطر کا مظاہرہ کیا وہ انہیں کا حصہ ہے۔ مولیٰ تبارک و تعالےٰ سب کو جزائے خیر سے نوازے اور اپنے حبیب و محبوب کی رحمت و شفقت سے سرفراز فرمائے۔ آمین بجاہ رحمۃ للعالمین۔

ضروری عرضِ حال

اب سے کوئی دو سال پہلے میں نے ایک خواب دیکھا خواب، عجیب و غریب مگر ولولہ انگیز خواب ـــــ وہ یہ کہ ملت اہلسنت کی ارجمندی اور آبرومندی کے لئے عالمی پیمانے پر ایک عظیم الشان کانفرنس کی جائے ـــ خواب تو خواب ہی ہوتے ہیں۔ اسکو حقیقت کا روپ دینا خواب دیکھنے والے کے عزم و ہمت پر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کو عملی جامہ پہنانا میرے بس میں نہیں تھا۔ مگر وہ جو کسی نے کہا ہے کہ ـــ

کام ہمت سے جواں مرد اگر لیتا ہے
سانپ کو مار کے گنجینۂ زر لیتا ہے

میں نے ـــ جوانمردوں کی صف میں شمولیت کا اعزاز حاصل کرنے کی ٹھانی، استقامت کی زندگی کے پچیس سال پورے ہو رہے تھے۔ سوچا کہ اس کے جشن سیمیں (سلور جبلی) کے موقع پر بارگاہ رسول رحمت میں عقیدت و محبت کا نذرانہ پیش کیا جائے ـــ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر استقامت کا ایک نمبر نکالا جائے اور اسکی رسم اجراء کے موقع پر کانفرنس کے انعقاد کا اہتمام کیا جائے۔

بس، اس کے بعد "سیدنا محمد عربی نمبر" کی اشاعت کے پروگرام پر کام شروع کر دیا گیا۔ نمبر کو مثالی اور تاریخ ساز حیثیت دینے اور حضور کی حیات طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو خراج عقیدت پیش کرنے کی غرض سے سو، سوا سو عنوانات تیار کر کے ہندوستان و پاکستان کے ممتاز سنی علماء، مصنفین اور اہل قلم حضرات کی خدمت میں بھیج دیئے گئے۔ خیال تھا کہ چند مہینوں کے اندر مضامین فراہم ہو جائیں گے۔ اور پھر ضروری دیکھ بھال کے بعد کاتب صاحبان کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔ مگر افسوس کہ چند کے سوا باقی اہل قلم بھائیوں نے ہماری درخواست کو قابل اعتبار تصور کرنے میں بخل سے کام لیا۔ مسلسل یاد دہانیوں کے نتیجہ میں بعض حضرات نے سال، سال اور ڈیڑھ ڈیڑھ سال کے بعد بہر حال کرم فرمائی کا مظاہرہ کیا (جبکہ دوسرے لوگوں کو آخر تک یہ توفیق نہیں ہوئی) اس وجہ سے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کتابت میں دشواری ہوئی۔ ترتیب و تزئین منصوبہ کے مطابق نہ ہو سکی تاہم نمبر کو بہتر سے بہتر بنانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی۔ اور اب اسے اس یقین کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ کہ انشاء المولیٰ تعالیٰ آپ کو پسند آئے گا اور آپ اس سے تا دیر استفادہ کر سکیں گے۔

ظہیر الدین قادری

حیاتِ پاک ایک نظر میں

قاضی شہید عالم (اعظم گڑھ)

عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی

نسب نامہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سلسلۂ پدری: عبداللہ، عبدالمطلب، ہاشم، عبد مناف، قصی

سلسلۂ مادری: آمنہ، وہب، عبد مناف، زہرہ

کلاب
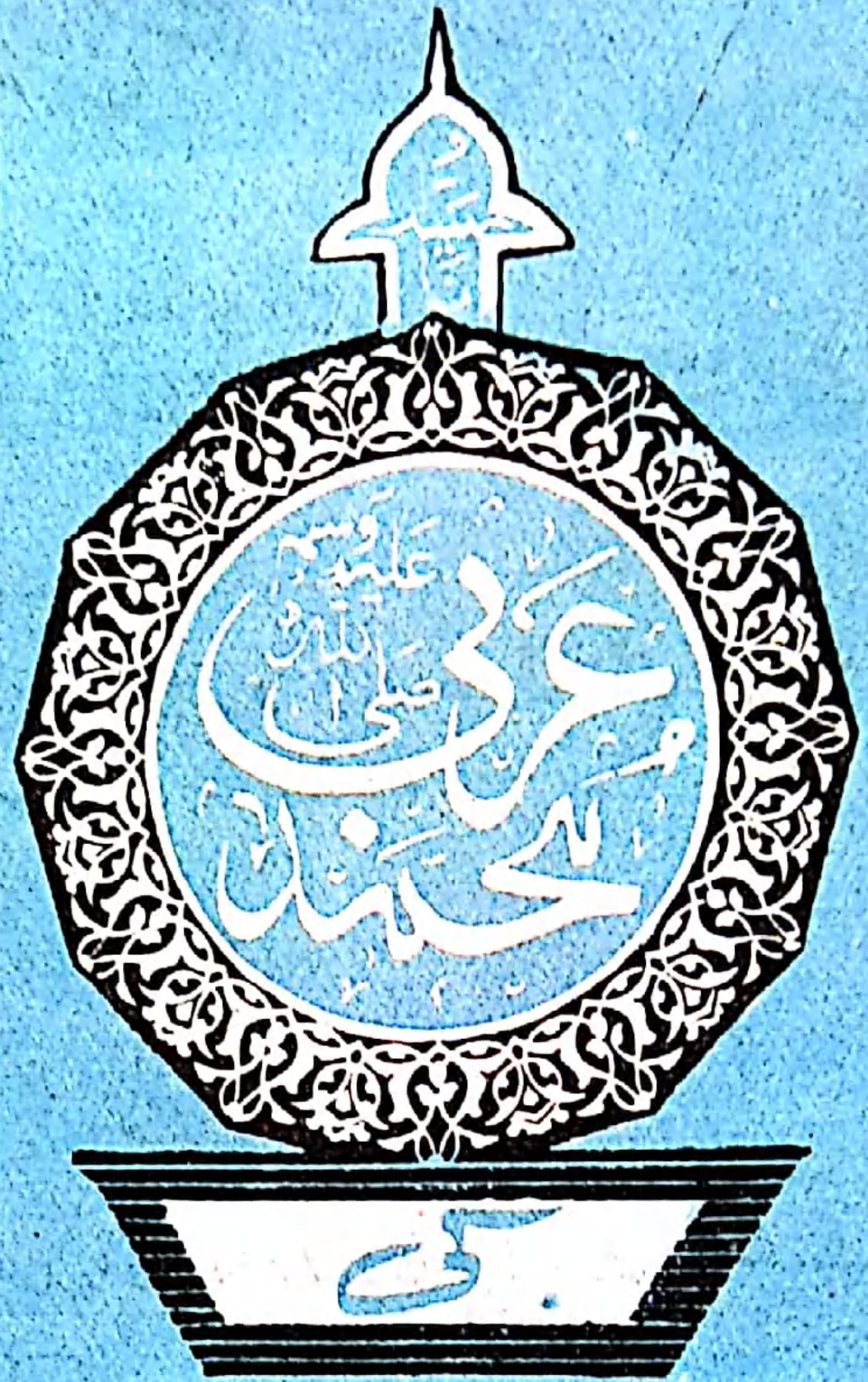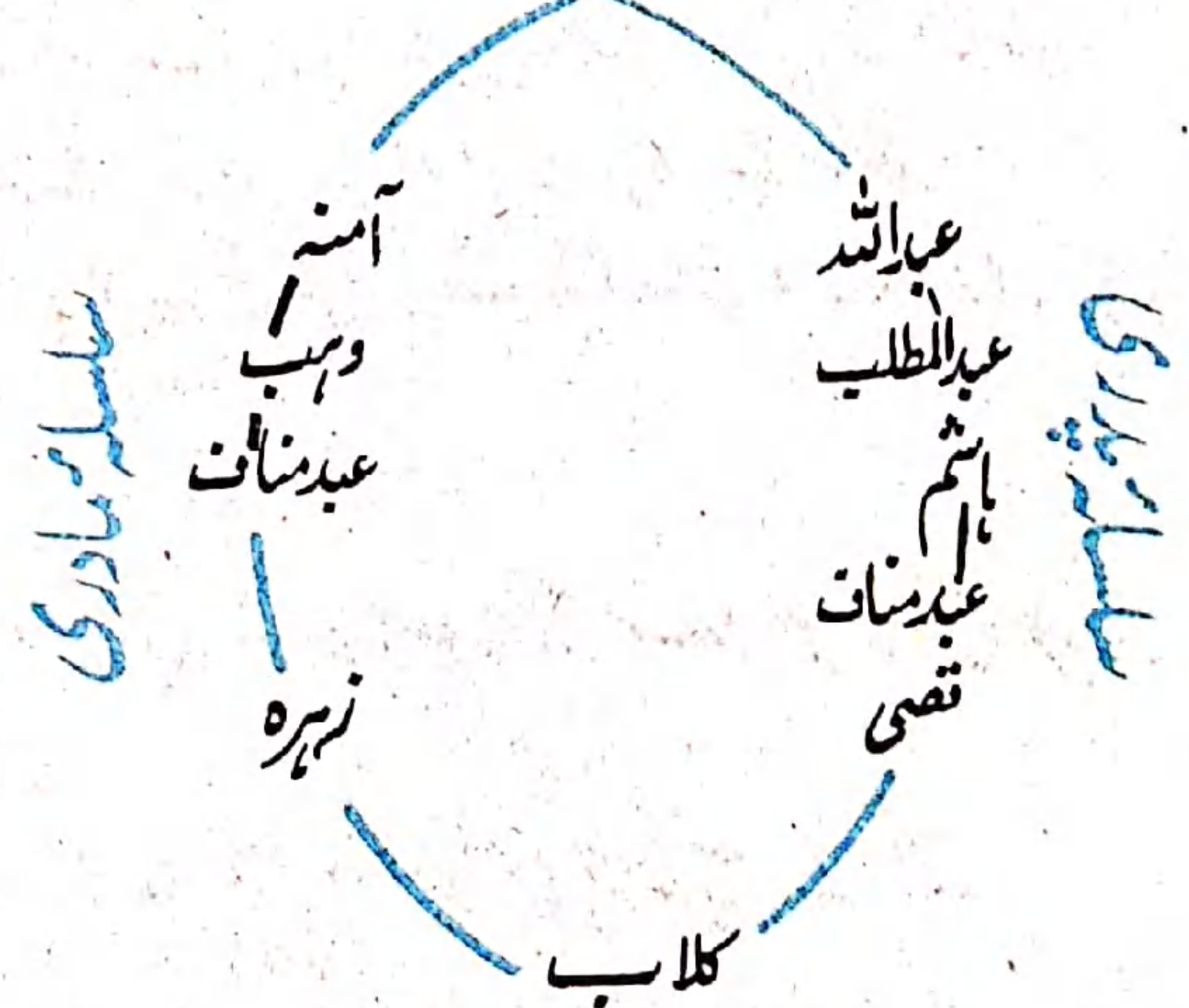
بن مرہ — کعب — لوی — غالب — فہر — مالک — نضر — کنانہ — خزیمہ — مدرکہ — الیاس — مضر — نزار — عدنان — جو چالیسویں پشت میں حضرت اسماعیل ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے فرزند تھے۔

ممتاز اسماء مبارکہ

محمد — احمد — حامد

محمود — مصطفٰے — مجتبیٰ

نور (صلی اللہ علیہ وسلم)

ممتاز خطابات

رحمۃ للعالمین — خاتم النبیین

امام الانبیاء — سید ولد آدم

شفیع المذنبین — طٰہٰ

یٰسین — مزمل — مدثر (صلی اللہ علیہ وسلم)

سیرت مقدسہ (قبل بعثت)

انتقال والد ماجد :- قبل ولادت مبارک۔
ولادت طیبہ :- ۱۲ ربیع الاول موسم بہار، روز دوشنبہ، قبل طلوع آفتاب۔
۲۰ اپریل ۵۷۱ء، ۱۱ ماہ بیشنس ۲۶۷۵ طوفان نوح، یکم جیٹھ ۳۶۷۲ کل جگ، ۲۰ ماہ ہفتم ۲۵۸۵ ابراہیمی
۲۰ نیسان ۸۸۲ سکندری، یکم جیٹھ ۶۲۸ بکرمی شمسی۔

سنہ ولادت	سنہ عیسوی	
۱ سنہ ولادت	۵۷۱ سنہ عیسوی	۲، ۳ روز اپنی والدہ محترمہ کا دودھ پیا اس کے بعد چند دن ابولہب کی لونڈی ثویبہ کا دودھ پیا پھر ولادت کے ایک ہفتہ بعد حلیمہ سعدیہ کے سپرد کئے گئے۔
۳ سنہ 〃	۵۷۳ سنہ 〃	شق صدر۔
۴ سنہ 〃	۵۷۴ سنہ 〃	آغوش مادر میں۔
۶ سنہ 〃	۵۷۶ سنہ 〃	والدہ ماجدہ کی وفات، جبکہ آپ کی عمر شریف چھ سال کی تھی۔
۶ تا ۸ سنہ 〃	۵۷۶ تا ۵۷۸ سنہ 〃	دادا عبدالمطلب کے زیر کفالت۔
۹ سنہ 〃	۵۷۹ سنہ 〃	جد امجد عبدالمطلب کی وفات، عمر شریف ۸ سال، دو ماہ، دس دن، دادا کی وفات کے بعد چچا ابوطالب بن عبدالمطلب کے زیر کفالت۔
۱۳ سنہ 〃	۵۸۲ سنہ 〃	پہلا سفر شام بغرض تجارت، چچا ابوطالب کی معیت میں (بحیرہ راہب کا واقعہ اسی سفر سے متعلق مشہور ہے)
۱۵ سنہ 〃	۵۸۹ سنہ 〃	پہلی بار حرب فجار میں شرکت (اس جنگ کا مقصد کعبہ کی حرمت کا قیام) پھر کچھ دنوں کے بعد دوسری بار حرب فجار میں شرکت۔
۱۶ سنہ 〃		حلف الفضول (ایک اصلاحی انجمن) میں شرکت، چچا زبیر بن عبدالمطلب کی وفات۔
۲۳ سنہ 〃		دوسرا سفر شام بغرض تجارت، حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ کے ساتھ۔
۲۶ سنہ 〃		حضرت خدیجہ بنت خویلد سے نکاح، آپ کی عمر شریف ۲۵ سال دو ماہ دس دن۔ حضرت خدیجہ کی عمر ۴۰ سال۔
۳۳ سنہ 〃	۶۰۰ سنہ 〃	غیبی اسرار کے ظہور کا آغاز۔
۳۵ سنہ 〃	۶۰۳ سنہ	خانہ کعبہ میں ایک معمار کی حیثیت سے حصہ لیا۔ اور حجر اسود کے مسئلہ میں قبائل عرب کے باہمی اختلاف کا تاریخی فیصلہ کیا۔ نکاح سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوالعاص بن ربیع کے ساتھ۔
۳۶ تا ۴۰ سنہ 〃	۶۰۴ تا ۶۰۸ سنہ	زیادہ وقت غار حرا میں گزرا۔

بعد بعثت (اعلان نبوت) مکی زندگی

سنہ ولادت	سنہ عیسوی	
۴۱ سنہ ولادت	۶۱۰ سنہ عیسوی	(۱) بعثت :- ۹ ربیع الاول بروز دوشنبہ (۲) وحی الٰہی کا نزول۔

سنہ نبوت	سنہ عیسوی	واقعات
سنہ ۱ نبوت	سنہ ۶۱۰ عیسوی	(۳) سیدنا صدیق اکبر، علی مرتضیٰ، ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ اور زید بن الحارثہ رضی اللہ عنہم نے اسلام کی سعادت حاصل کی۔ (۴) صدیق اکبر کی دعوت پر عثمان غنی، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن وقاص، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا۔ (۵) ارقم بن ارقم، بلال حبشی، صہیب رومی اور حضرت سمیہ، حضرت ابوہریرہ، ابن الجراح، سعید بن زید اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئے۔ (۶) دار ارقم جو کوہ صفا کے دامن میں ہے دینی تعلیم و تربیت کی پہلی درسگاہ قائم ہوئی۔ یہاں سے ۳ نبوت تک اسلام کی تعلیم و تبلیغ ہوتی رہی۔ (۷) فرضیت نماز:- فجر و عصر کی دو دو رکعتیں ۹ ربیع الاول بروز بعثت فرض ہوئیں۔ (۸) آغاز نزول قرآن:- ۱۸ رمضان سال بعثت بروز جمعہ بوقت شب مطابق ۱۷ اگست ۶۱۰ء۔
سنہ ۱ تا سنہ ۳ ن	سنہ ۶۱۰ تا سنہ ۶۱۲	(۱) خانۂ ارقم مخزومی واقع کوہ صفا تحریک اسلامی کا مرکز رہا (۲) اسی دور میں تقریباً ۴۰ افراد نے اسلام قبول کیا۔ (۳) نماز شہر سے باہر ادا کی جاتی۔
سنہ ۳ ن	سنہ ۶۱۲	اواخر سال سے علانیہ دعوت دین۔
سنہ ۳ تا سنہ ۵	سنہ ۶۱۳	مخالفت کا پہلا دور، استہزا، پروپیگنڈہ اور ہلکا تشدد۔
سنہ ۵ تا سنہ ۷	سنہ ۶۱۴	مخالفت کا دوسرا دور (عام مظالم) آزمائشوں کا دروازہ کھلا، ساحر و کاہن کے نام سے پکارے جانے لگے۔
سنہ ۵ نبوت		(۱) ہجرت حبشہ:- ماہ رجب میں انفرادی ہجرت کا حکم ہوا (۲) حضرت عثمان اور رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی۔
سنہ ۶ "		(۱) حضرت حمزہ پھر تین دن بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اسلام کی سعادت حاصل کی۔ خانۂ کعبہ میں برسر عام نماز ادا کی گئی (۲) اوائل سنہ ۱۰ نبوت تک مومنوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے۔
سنہ ۷ "		حضور کے خاندان کی بنو ہاشم سمیت شعب ابوطالب میں نظر بندی یکم محرم بروز شنبہ۔
سنہ ۱۰ "		(۱) شعب ابوطالب سے رہائی (۲) جمادی الاخریٰ میں طائف کا سفر (۳) دعوت حق میں جسم اطہر لہولہان ہوا، خون کے پیاسوں کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی۔ (۴) پہلے ابوطالب پھر تین یا پانچ روز بعد رفیقۂ حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات ہوئی۔ (۵) معراج:- ۲۷ رجب شب دوشنبہ، خدا کو سر کی نگاہوں سے دیکھا۔ پانچ وقتوں کی نماز فرض ہوئی۔ (۶) مدینہ منورہ میں اسلام کا آغاز:- ذی الحجہ میں ایاس بن معاذ نے اسلام قبول کیا۔
سنہ ۱۱ "		وفد مدینہ (۶ افراد) کا قبول اسلام ماہ ذی الحجہ۔
سنہ ۱۲ "		بیعت عقبہ اولیٰ (۱۲ افراد) ماہ ذی الحجہ۔

(۱) بیعت عقبہ ثانیہ (۷۵ افراد) ماہ ذی الحجہ۔
(۲) ۲۷ر صفر المظفر شب جمعہ کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی معیت میں بعزم ہجرت مکہ سے روانگی۔

بعد ہجرت مدنی زندگی

سنہ ۱ھ — سنہ ۶۲۲ء

(۱) **ہجرت**:- ۲ار ربیع الاول مطابق ۳۱ر مئی۔
(۲) **غار ثور میں قیام**:- ۲۷ر صفر تا ۲۹ر صفر (تین دن)
(۳) **غار ثور سے روانگی**:- یکم ربیع الاول دوشنبہ کے دن ہمراہ صدیق اکبر۔
(۴) **ورود قبا**:- ۸ر ربیع الاول دوشنبہ کے دن رونق افروز قبا ہوئے۔
(۵) **دخول مدینہ منورہ**:- ۲۲ر ربیع الاول بروز دوشنبہ قبا میں چودہ یوم قیام کے بعد رونق افزائے مدینہ ہوئے اس کا نام پہلے یثرب تھا۔ حضور کے قدموں کی برکت سے مدینۃ الرسول ہونے کا شرف حاصل پایا۔
(۶) **تاسیس مسجد نبوی**:- ۱۹ر ربیع الاول
(۷) فرض نماز میں اضافہ، ظہر، عصر اور عشار کی چار چار رکعتیں فرض ہوئیں۔
(۸) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں ام المومنین حضرت عائشہ کی تشریف آوری، ماہ شوال:
(۹) وسط سال میں اسلامی ریاست کا قیام مدینہ کی آبادی کا دستوری معاہدہ۔
(۱۰) **نظام دفاع بر سر عمل**:- فوجی مظاہرہ اور دفاع کے لئے تین دستے روانہ کئے گئے۔
۱:- ہجرت کے ساتویں ماہ ۳۰ر افراد کا دستہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب کی سرکردگی میں سیف البحر تک گیا۔ **۲**:- آٹھویں ماہ شوال ۶۰، ۸۰ سواروں کا دستہ عبیدہ بن الحارث کی سرداری میں بجانب رابغ بھیجا گیا۔ **۳**:- نویں ماہ (ذیقعدہ) سعد بن وقاص ۲۰ سواروں کو لیکر خرار تک گئے۔

سنہ ۲ھ — سنہ ۶۲۳ء

(۱) سلمان فارسی کا اسلام (۲) **اذان کا حکم** (۳) **تحویل قبلہ** (۴) یکم رمضان بروز چہارشنبہ رمضان کے روزے فرض ہوئے (۵) ۱۷ر رمضان کو تین سو تیرہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضور کی معیت میں غزوہ بدر میں شرکت کی ایک ہزار کا تین تیرہ کیا، اور ابوجہل مارا گیا۔
(۶) **فرمان جہاد**:- ۱۲ر صفر المظفر یا ہجرت کے ایک سال دو ماہ دس یوم بعد۔
(۷) بیرونی قبائل بنی ضمرہ، باشندگان بواط، اور بنو مدلج سے معاہدانہ تعلقات صفر تا جمادی الآخر۔
(۸) شوال میں عید الفطر کی نماز با جماعت کی ادائیگی اور صدقۂ فطر کے حکم کا نفاذ۔
(۹) ازدواج حضرت علی و حضرت فاطمہ جنگ بدر کے بعد۔

سنہ ۳ھ — سنہ ۶۲۳ء

(۱) ازدواج حضرت عثمان و ام کلثوم بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	واقعات
		(۲) ولادت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ۱۵ رمضان (۳) ترک سود کی ابتدائی نصیحت غزوۂ احد کے متصلاً بعد (۴) یتامیٰ کے بارے میں احکام (۵) وراثت کے مفصل قانون کا اجرا بعد معرکۂ احد (۶) مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت۔
سنہ ۴ ھ	سنہ ۶۲۴ ء	(۱) **حادثہ رجیع** :۔ (دس افراد کے دعوتی و تعلیمی وفد کا قتل) ماہ صفر۔ (۲) **حکم حجاب کا نفاذ** :۔ یکم ذی قعدہ بروز جمعہ (۳) حرمت شراب کا قطعی قانون نافذ ہوا۔
		(۱) **حکم تیمم کا نزول** :۔ غزوۂ بنی مصطلق کے سفر میں۔ (۲) واقعۂ افک (حضرت صدیقہ پر بہتان عظیم) (۳) **زنا، قذف، اور لعان کے قوانین کا نفاذ** :۔ بعد واقعۂ افک۔ (۴) **پردہ کے تفصیلی احکام** :۔ مدینہ میں وفد اوس کی آمد یہ ۷۰، ۸۰ مسلم خاندانوں کا عظیم وفد تھا۔
سنہ ۶ ھ	سنہ ۶۲۸ ء	(۱) قریش سے تاریخی معاہدہ :۔ ذیقعدہ مطابق مارچ میں جو صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ (۲) حضرت ثمامہ بن اثال حنفی رئیس نجد، خالد بن ولید — عمرو بن العاص قاتمان جبلہ اور گورنر شام، فروہ بن عمرو خزاعی رضی اللہ عنہم کا قبول اسلام۔
سنہ ۷ ھ	سنہ ۶۲۸ ء	(۱) بین الاقوامی دعوت کا آغاز (سلاطین کے نام خطوط) یکم محرم مطابق مئی بروز چہارشنبہ۔ (۲) مراجعت مہاجرین حبشہ :۔ فتح خیبر کے موقع پر (۳) نکاح و طلاق کے تفصیلی قوانین کا نفاذ۔
سنہ ۸ ھ	سنہ ۶۳۰ ء	(۱) مشرکین مکہ کی طرف سے معاہدۂ حدیبیہ کی خلاف ورزی ماہ رجب میں۔ (۲) ۲۵ رمضان کو سریہ حضرت خالد بن ولید برائے ہدم بت خانۂ عزیٰ واقع نخلہ۔ (۳) رمضان میں سریہ عمرو بن العاص برائے ہدم بت خانۂ سواع۔ (۴) ماہ رمضان سریہ سعد اشہلی برائے ہدم بت خانۂ منات۔ (۵) حضرت عثمان بن ابوطلحہ، عمرو بن العاص اور عکرمہ بن ابوجہل رضی اللہ عنہم کا قبول اسلام۔ (۶) **سود کے قطعی انسداد کا قانون** :۔ فتح مکہ کے موقع پر سودی مطالبات قانوناً کالعدم کر دئے گئے۔ (۷) حضرت زینب بنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم فرزند حضور کی وفات۔
سنہ ۹ ھ	سنہ ۶۳۱ ء	(۱) محصلین صدقۂ فطر کا اولین تقرر ابتدا محرم (۲) جزیہ کا حکم (۳) **ہدم مسجد ضرار** بعد واپسی غزوۂ تبوک۔ (۴) حضرت عدی بن حاتم طائی، اکیدر والی دومۃ الجندل اور بادشاہ قبائل حمیر ذی الکلاع رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قبول اسلام۔ (۵) **فرضیت حج** : اولین حج بامارت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ۹ ذی الحجہ دوشنبہ یا سہ شنبہ۔ (۶) چند وفود جو اس سال آئے :۔ وفد عذرہ ماہ صفر میں، وفد بلی ماہ ربیع الاول میں
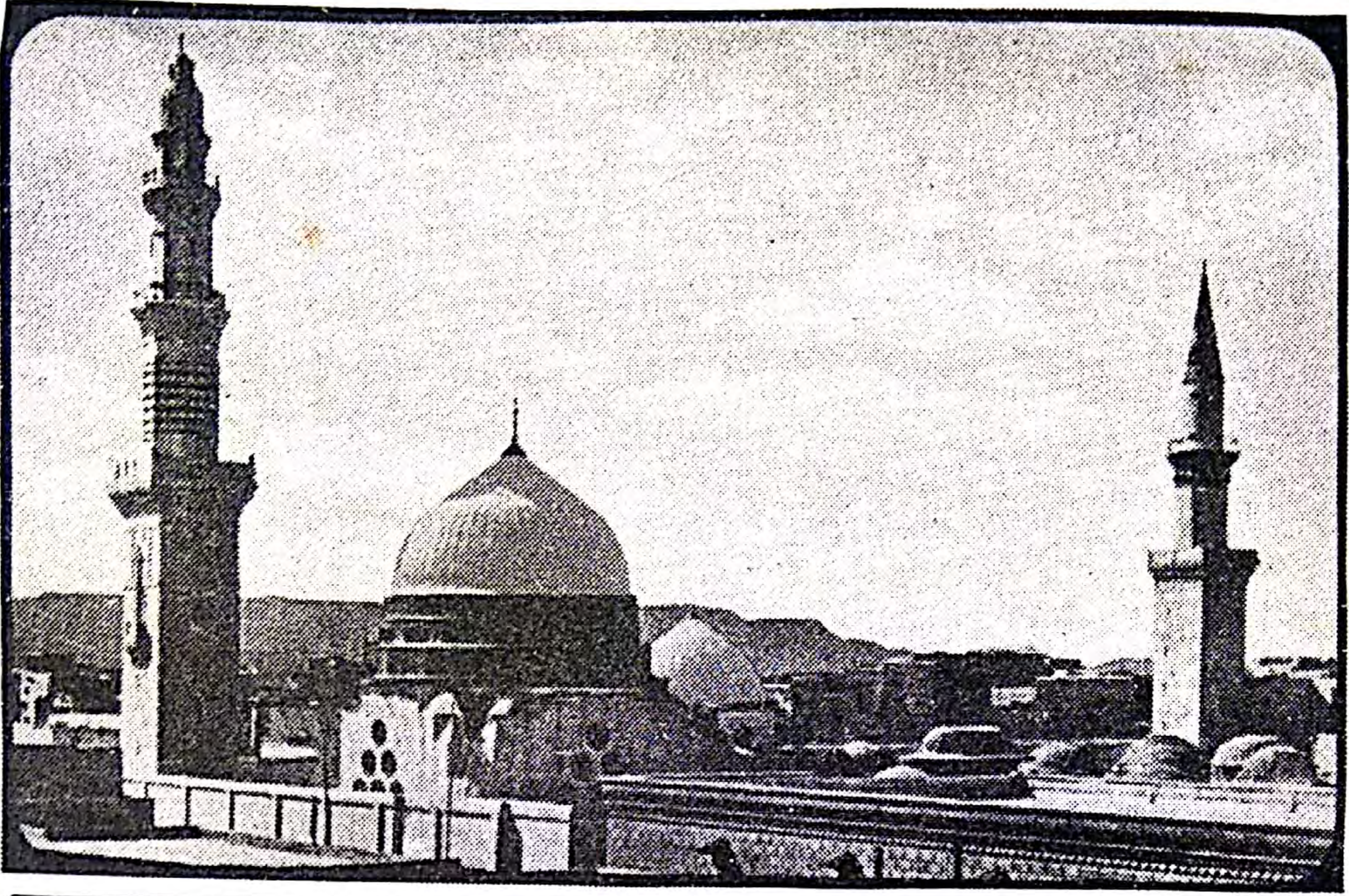
کیا مدینے سے صبا آئی کہ پھولوں میں ہے آج
کچھ نئی بو بھینی بھینی پیاری پیاری واہ واہ

ہاں ہاں رہِ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے

		وفد خولان ماہ شعبان میں اور وفد ثقیف۔
سنہ ۱۰ھ	سنہ ۶۳۱ء	(۱) حضور کا آخری رمضان میں ۲۰ روزہ اعتکاف۔ (۲) حضور سے مسیلمہ کذاب کی مراسلت۔ (۳) ایک لاکھ چوالیس ہزار صحابہؓ کرام کو ساتھ لے کر فریضۂ حج ادا فرمایا۔ اور اسلام کے اصول سمجھا کر امت کو وداع کیا یہی حج حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔
سنہ ۱۱ھ	سنہ ۶۳۲ء	(۱) وفد نخع :- یہ آخری وفد تھا جو حضور کی زندگی میں آیا۔ (۲) اواخر صفر میں حضور کے مرض وفات کا آغاز، صحیح روایت کے مطابق مدت علالت ۱۳ روز۔ (۳) اشتداد مرض کا زمانہ، حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرے میں اقامت، وفات تک کے سات دن۔ (۴) وفات سے پانچ روز قبل بروز جمعرات بوقت ظہر مسجد میں آخری نماز بیٹھ کر باجماعت ادا فرمائی۔ اور مختلف امور سے متعلق آخری خطاب فرمایا۔ (۵) **وصال** :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول مطابق ۵ مئی بروز دوشنبہ بوقت چاشت وصال فرمایا۔ (۶) **تدفین** :- ۱۳ ربیع الاول سہ شنبہ و ۱۴ ربیع الاول چہارشنبہ کی درمیانی شب۔

تعداد غزوات وسرایا سنہ ۲ھ سے سنہ ۹ھ تک اکیاسی ۸۱

تاریخ اسلام میں وہ لڑائیاں غزوات کہلاتی ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس شرکت فرمائی اور جس جہاد اور معرکہ آرائی میں صحابۂ کرام کو سپہ سالار مقرر فرمایا وہ سرایا کہلاتی ہیں۔ غزوات کی تعداد ۲۷ ہے۔

شمار	نام غزوات	تعداد مجاہدین	تاریخ وسنہ	مقابلہ
۱	غزوۂ ابواء یا ودان	۶۰	سنہ ۲ھ	انسداد قافلہ قریش
۲	غزوۂ بواط	۲۰۰	ربیع الاول سنہ ۲ھ	"
۳	غزوۂ سفوان	۷۰	جمادی الاولیٰ سنہ ۲ھ تا الاخرہ	تعاقب کرز بن جابر ڈاکو
۴	غزوۂ ذو العشیرہ	۱۵۰	ربیع الاول سنہ ۲ھ	برائے معاہدۂ قبائل مینوع
۵	غزوۂ بدر الکبریٰ	۳۱۳	۱۷ر رمضان سنہ ۲ھ	اکھٹا رکفار قریش کے ساتھ
۶	غزوۂ بنو قینقاع		شوال سنہ ۲ھ	تعاقب صخر بن حرب اموی
۷	غزوۂ السویق	۲۰۰	سنہ ۳ھ	
۸	غزوۂ بنو سلیم	۲۰۰	محرم سنہ ۳ھ	قبیلہ بنو سلیم یا غطفان
۹	غطفان یا انمار	۴۵۰ سوار	ربیع الاول سنہ ۳ھ	بنو ثعلبہ، بنو محارب
۱۰	احد	۶۵۰	۱۶ر شوال سنہ ۳ھ	مدینہ سے تین میل فاصلہ پر کفار عرب کیساتھ
۱۱	حمراء الاسد	۵۴۰	۷ر شوال سنہ ۳ھ	احد کے دوسرے دن تعاقب دشمن
۱۲	غزوۂ بنو نضیر		ربیع الاول سنہ ۴ھ	یہودی قبیلہ کا تعاقب
۱۳	بدر اخریٰ	۱۵۱۰	ذی قعدہ سنہ ۴ھ	انسداد قبیلہ قریش
۱۴	دومۃ الجندل	۱۰۰۰	ربیع الاول سنہ ۴ھ	مختلف قبائل عرب
۱۵	غزوہ بنو مصطلق		۲ر شعبان سنہ ۵ھ	بنو مصطلق کا انسداد
۱۶	غزوۂ احزاب یا خندق	۳۰۰	۲۸ر شوال ذیقعدہ سنہ ۵ھ	سرداران وقبائل یہود
۱۷	بنو قریظہ		ذی الحجہ سنہ ۵ھ	یہود قبیلہ بنی قریظہ
۱۸	بنی لحیان	۲۰۰ سوار	ربیع الاول سنہ ۶ھ	اہل رجیع قاتلین مبلغین اسلام
۱۹	غزوۂ غابہ	۵۰۰	ربیع الثانی سنہ ۶ھ	ڈاکوؤں کے خلاف
۲۰	حدیبیہ	۱۴۰۰	ذیقعدہ سنہ ۶ھ	قریش کہ مانعین عمرہ
۲۱	غزوۂ خیبر	۱۴۲۰	محرم سنہ ۷ھ	یہودی قبائل
۲۲	وادی القریٰ	۳۸۲	محرم سنہ ۷ھ	"
۲۳	ذات الرقاع	۴۰۰	۱۰ر محرم سنہ ۷ھ	مختلف قبائل
۲۴	فتح مکہ	۱۰۰۰	۲۰ر رمضان سنہ ۸ھ	قریش
۲۵	غزوۂ حنین	۱۲۰۰	۱۱ر شوال سنہ ۸ھ	مختلف قریش
۲۶	طائف	۱۲۰۰	۱۳ر شوال سنہ ۸ھ	"
۲۷	تبوک	۳۰۰	رجب یا رمضان سنہ ۹ھ	افواج ہرقل قیصر روم کا انسداد

مجموعی نقصان کا نقشہ درج ذیل ہے

نام فریق	اسیر	زخمی	مقتول	کل تعداد
مسلمان	۱	۱۲۷	۲۵۹	۳۸۷
مخالف	۶۵۶۴	نامعلوم	۷۵۹	۷۳۲۳
میزان	۶۵۶۵	۱۲۷	۱۰۱۸	۷۷۱۰

مدت قیام

عالم دنیوی میں ولادت مبارکہ سے یوم وفات تک ۶۳ سال چار یوم/۲۲۳۳۰ دن قیام فرما کر ۱۲ر ربیع الاول سنہ ۱۱ھ روز دوشنبہ مطابق ۸ر جون سنہ ۶۳۲ء بوقت چاشت سفر آخرت اختیار کرکے حجرۂ مبارکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں قیام فرمایا۔

قیام مکہ معظمہ

۵۳ سال

قیام مدینہ منورہ

عالم دنیوی میں دس سال اور گنبد خضرا میں آج تک آرام فرما ہیں۔ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وبارک وسلم۔

مدتِ تبلیغ

رسالت ونبوت آٹھ ہزار ایکسو چھپن

۸۱۵۶ یوم

ازواج مطہرات

نمبر	امہات المومنین کے اسمائے گرامی	تاریخ نکاح	تاریخ وصال
۱	حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد	سنہ ۲۶ ولادت محمدؐ	سنہ ۱۰ نبوت
۲	حضرت سودہ بنت زمعہ	سنہ ۱۰ نبوت	ماہ شوال سنہ ۵۴ھ
۳	حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہا	سنہ ۲ھ	۱۷ رمضان سنہ ۵۸ھ
۴	حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ عنہا	سنہ ۳ھ	جمادی الاولیٰ سنہ ۴۵ھ
۵	حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا	سنہ ۳ھ	سنہ ۳ھ
۶	حضرت ام سلمہ نام ہند بنت امیہ مخزومی		سنہ ۶۲ھ
۷	حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا		سنہ ۲۰ یا ۲۱
۸	حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا		ربیع الاول سنہ ۵۵ھ
۹	حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا	سنہ ۵ھ	سنہ ۴۴ھ
۱۰	حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب رضی اللہ عنہا		سنہ ۵۲ھ
۱۱	حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ		سنہ ۵۱ھ

اعمام

نمبر	آپ کے نو چچا تھے ان کے نام سیرت ابن ہشام میں حسب ذیل ہیں	
۱	حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ	حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ کسی نے اسلام قبول نہیں کیا۔ ابوطالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی اور ناصر ضرور تھے مگر ایمان نہیں لائے ابولہب دشمنی میں ابوجہل سے کسی طرح پیچھے نہ تھا۔ اس کا ثبوت سورۂ ابی لہب ہے۔
۲	حضرت عباس رضی اللہ عنہ	
۳	ابوطالب (عبد مناف)	
۴	ابولہب (عبدالعزیٰ)	
۵	زبیر بن عبدالمطلب	
۶	ضرار بن عبدالمطلب	
۷	مغیرہ بن عبدالمطلب	
۸	حارث بن عبدالمطلب	
۹	مقوم بن عبدالمطلب	

عمات

چھ تھیں لیکن ایک پھوپی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا ان کے فرزند حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تھے جو ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے حقیقی بھتیجے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے داماد تھے انہیں حواری رسول ہونے کا شرف حاصل تھا۔
دوسری پھوپھیوں کے نام یہ ہیں (۲) ام حکیم البیضاء یہ عثمان غنی کی نانی تھیں (۳) اروی (۴) عاتکہ (۵) برہ (۶) امیمہ۔

فرزندان

(۱) حضرت قاسم (۲) حضرت عبداللہ ملقب بہ طیب وطاہر (۳) حضرت ابراہیم

	بنات	داماد	نواسے	نواسیاں
۱	حضرت زینب	حضرت ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ تعالےٰ عنہ	علی بن ابی العاص	امامہ بنت ابی العاص
۲	حضرت رقیہ	عتبہ بن ابی لہب (قبل اسلام) سیدنا عثمان غنی	عبداللہ بن عثمان غنی	
۳	حضرت ام کلثوم	عتیبہ بن ابی لہب (قبل اسلام) سیدنا عثمان غنی		
۴	حضرت فاطمہ	حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم	حسن، حسین، محسن	ام کلثوم۔ زینب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذنین

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذنین چار تھے (۱) بلال بن رباح اور (۲) حضرت عمرو بن ام مکتوم قرشی عامری نابینا (دونوں مدینہ میں) (۳) حضرت سعد قرظ مولیٰ عمار بن (قبا میں) (۴) ابو محذورہ اوس بن مغیرہ جمحی قرشی (مکہ میں) رضی اللہ عنہم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شعراء

جو اسلام کی حمایت میں اشعار کہتے تھے (۱) کعب بن مالک انصاری (۲) عبداللہ بن رواحہ انصاری (۳) حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب

ثابت بن قیس بن شماس انصاری۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حدی خواں

(۱) عبداللہ بن رواحہ (۲) عامر بن الاکوع (۳) انجشہ عبد اسود (۴) براء بن مالک رضی اللہ عنہم۔

عشرہ مبشرہ

(۱) حضرت ابوبکر صدیق (۲) حضرت عمر فاروق (۳) حضرت عثمان غنی (۴) حضرت علی کرم اللہ وجہہ (۵) حضرت طلحہ (۶) حضرت زبیر (۷) حضرت سعد (۸) حضرت سعید (۹) حضرت عبدالرحمن (۱۰) حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم۔

کاتبانِ بارگاہ رسالت

شمار	اسماء	سنِ وفات
۱	حضرت ابوبکر صدیق نام عبداللہ بن ابو قحافہ عثمان	۲۲ جمادی الاخر سنہ ۱۳ھ دوشنبہ گزار کر سہ شنبہ کی شب مغرب و عشاء کے درمیان
۲	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	۲۸ ذوالحجہ سنہ ۲۳ھ جمعہ
۳	حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ	۱۸ ذوالحجہ سنہ ۳۵ھ جمعہ
۴	علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ	۲۱ رمضان سنہ ۴۰ھ دوشنبہ
۵	حضرت طلحہ بن عبیداللہ عثمان رضی اللہ عنہ	۲۰ جمادی الاخریٰ سنہ ۳۶ھ پنجشنبہ
۶	زبیر بن العوام بن خویلد رضی اللہ عنہ	روز جمل سنہ ۳۶ھ
۷	سعد بن ابی الوقاص مالک رضی اللہ عنہ	۵۵ھ
۸	عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ	چالیس سال کی عمر پاکر
۹	ثابت بن قیس بن شماس انصاری خزرجی	سنہ ۱۱ھ
۱۰	خالد بن سعید بن العاص امیہ رضی اللہ عنہ	یوم مرج الصفر یا اجنادین
۱۱	ابان بن سعید بن العاص بن امیہ رضی اللہ عنہ (تاریخ وفات میں اختلاف)	(۱) یوم مرج الصفر سنہ ۱۴ھ (۲) معرکہ اجنادین جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳ھ یا سنہ ۱۳ھ (۳) سنہ ۲۹ھ (۴) سنہ ۲۷ھ خلافت عثمان۔
۱۲	حنظلہ بن الربیع رضی اللہ عنہ	امیر معاویہ کے اوائل عہد خلافت
۱۳	ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ	سنہ ۳۴ھ خلافت عثمان
۱۴	یزید بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	سنہ ۱۸ھ
۱۵	معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۸ رجب سنہ ۶۰ھ

۱۶	زید بن ثابت رضی اللہ عنہ	۴۵ھ
۱۷	شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ	
۱۸	علاء حضرمی رضی اللہ عنہ	۱۴ھ
۱۹	خالد بن ولید رضی اللہ عنہ	۲۱ھ عہد فاروقی
۲۰	محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۴۶ھ یا ۴۷ھ
۲۱	عبد اللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۸ھ
۲۲	مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۵۰ھ خلافت امیر معاویہ
۲۳	عمرو بن العاص بن وائل قرشی رضی اللہ عنہ	۴۳ھ
۲۴	عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی بن سلول رضی اللہ عنہ	دور صدیقی
۲۵	جہم بن سعد اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	
۲۶	جہیم بن الصلت رضی اللہ عنہ	
۲۷	ارقم بن ارقم مخزومی	۵۵ھ
۲۸	عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ	۳۲ھ
۲۹	علاء بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	
۳۰	ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ	۵۰ھ یا ۵۱ھ
۳۱	حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ	۳۵ھ شہادت عثمان کے ۴ شب بعد
۳۲	بریدہ بن الحصیب مازنی رضی اللہ عنہ	۶۲ھ
۳۳	حصین بن نمیر بن فاتک رضی اللہ تعالیٰ عنہ	
۳۴	عبد اللہ ابی سرح سعد رضی اللہ عنہ	۳۶ھ یا ۳۷ھ ابن منذر نے ۵۷ھ میں وفات پائی
۳۵	ابوسلمہ بن عبد الاسد قرشی رضی اللہ عنہ	۴ھ
۳۶	حویطب بن عبد العزیٰ رضی اللہ عنہ	ایک سو بیس سال کی عمر میں
۳۷	حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ	
۳۸	ابن خطل نام عبد اللہ (مرتد ہو گیا رسول اللہ کے حکم سے قتل کیا گیا)	یوم فتح مکہ
۳۹	ابی بن کعب رضی اللہ عنہ	۳۰ھ خلافت عثمانی
۴۰	عبد اللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ	خلافت عثمانی
۴۱	معیقب بن ابی فاطمہ رضی اللہ عنہ	خلافت عثمانی

خلفاء راشدین

۱۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۲۲ جمادی الاخریٰ دوشنبہ کا دن گزار کر شنبہ کی شب میں مغرب و عشاء کے درمیان مطابق ۲۳ اگست ۶۳۴ء میں انتقال فرمایا

حجرۂ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ موسوم بہ گنبد خضراء پہلوئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں آرام فرما ہیں۔

۲۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ چہار شنبہ کو فجر کے وقت حالتِ امامت میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کے مجوسی غلام ابو لولو فیروز نے حملہ کیا، جس کے تیسرے دن شہادت پائی۔ یکم محرم ۲۴ھ یکشنبہ کے دن گنبد خضراء میں پہلوئے سیدنا صدیق اکبر میں مدفون ہوئے۔

۳۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ جمعہ کے دن انتہائی مظلومیت کی حالت میں شہادت پائی۔ شنبہ کی رات میں مغرب و عشاء کے درمیان جنت البقیع (مدینہ منورہ) میں مدفون ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۸۲ سال تھی۔

۴۔ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۸ رمضان ۴۰ھ میں ابن ملجم مرادی کے ہاتھوں فجر کے وقت جامع کوفہ میں داخل ہوتے ہوئے زخم لگا جس سے تین شب بعد ۲۱ رمضان کو تریسٹھ سال کی عمر میں شہادت نصیب ہوئی۔ اور جامع کے قریب قصر کوفہ میں دفن کئے گئے۔

مدینہ منورہ میں حضور کے نائبین

وہ صحابۂ کرام جنہوں نے آپ کی مدینہ میں عدم موجودگی کے موقع پر نیابت کی۔

۱۔ حضرت سعد ابن عبادہ خزرجی (غزوۂ ابواء کے موقع پر) ۲۔ حضرت سعد بن معاذ اوسی (غزوۂ بواط کے موقع پر) ۳۔ حضرت زید بن حارث۔ دو بار (پہلی بار غزوۂ سفوان میں بہ تلاش کرز بن جابر ڈاکو، دوسری بار غزوۂ مریسیع کے موقع پر) ۴۔ حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد (غزوۂ ذی العشیرہ کے موقع پر) ۵۔ حضرت لبابہ بن منذر۔ چار مرتبہ (پہلی بار غزوۂ بدر، دوسری بار غزوۂ قینقاع، تیسری بار غزوۂ بنی سویق، چوتھی بار غزوۂ قرقرۃ الکدر کے موقع پر) ۶۔ حضرت عثمان بن عفان۔ دو بار (پہلی بار غزوۂ بنی غطفان، دوسری بار غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر) ۷۔ حضرت صباع بن عرفطہ غفاری۔ دو بار (پہلی بار غزوۂ دومۃ الجندل، دوسری بار غزوۂ خیبر کے موقع پر) ۸۔ حضرت محمد بن مسلمہ انصاری۔ (غزوۂ تبوک کے موقع پر) ۹۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ۔ (غزوۂ بدر الموعد کے موقع پر) ۱۰۔ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم۔ دس بار (غزوۂ احد، غزوۂ حمراء الاسلام، غزوۂ بنی نضیر، غزوۂ خندق، غزوۂ بنی قریظہ، غزوۂ الغابہ، غزوۂ حدیبیہ، غزوۂ عام الفتح، غزوۂ حنین وطائف کے موقع پر) ۱۱۔ حضرت ابو رہم غفاری۔ (غزوۂ عمرۃ القضاء کے موقع پر)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدنی نقیب

ہجرت سے پہلے مدینہ کے جن بارہ حضرات کو حضور کا نقیب بنایا گیا تھا ان میں نو خزرج کے اور تین اوس کے تھے اور سب قبائل مدینہ کے رؤسا تھے۔

۱۔ اسید بن حضیر ۲۔ سعد بن خثیمہ ۳۔ سعد بن الربیع ۴۔ سعد ابن عبادہ ۵۔ براء بن

معرور ۶: عبادہ بن صامت ۷: ابو ہیثم بن تیہان ۸: اسعد بن زرارہ ۹: عبداللہ بن رواحہ ۱۰: منذر بن عمرو ۱۱: عبداللہ بن عمرو ۱۲: رافع بن مالک۔

سرورِ کونین کے قاصدین

۱: حضرت عثمان بن عفان قریشی (قریش مکہ کی جانب) ۲: حضرت عمرو بن امیہ ضمری (بادشاہ حبش نجاشی کے پاس) ۳: حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی (ہرقل قیصر روم کی جانب) ۴: حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی (شاہ ایران خسرو پرویز) ۵: حضرت حاطب بن ابی بلتعہ لخمی (مقوقس شاہ مصر) ۶: حضرت شجاع بن وہب الاسدی (حارث بن شمر شاہ غسان) ۷: حضرت سلیط بن عمرو (ہوذہ بن علی اور ثمامہ بن اثال کی جانب) ۸: حضرت عمرو بن العاص سہمی (جیفر بن الجلندی اور عبداللہ بن الجلندی) ۹: حضرت علاء بن حضرمی (منذر بن ساوی حاکم بحرین) ۱۰: حضرت مہاجر بن ابی امیہ مخزومی (حارث بن کلال حمیری) ۱۱: حضرت ابوموسیٰ اشعری (یمن کی جانب) ۱۲: حضرت معاذ بن جبل (یمن کی جانب) ۱۳: حضرت جریر بن عبداللہ بجلی (ذوالکلاع حمیری) ۱۴: حضرت عیاش بن ابیہ مخزومی (حارث، سروح اور نعیم بن عبد کلال) ۱۵: حضرت حارث بن عمر (حاکم بصریٰ کی جانب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ محصلین

وہ صحابۂ کرام جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف علاقوں کا کام سونپ دیا تھا جو جزیہ، صدقات اور زکوٰۃ وغیرہ وصول کرتے تھے۔

(۱) حضرت صفوان بن صفوان (بنو عمرو) (۲) حضرت عدی بن حاتم (بنو طے و بنو اسد) (۳) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (مدینہ منورہ) (۴) حضرت ابوجہم بن حذیفہ (بنو لیث) (۵) حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی (بنو غفار، اسلمی) (۶) حضرت عباد بن بشیر (بنو سلیم مزینہ) (۷) حضرت ضحاک بن سفیان (بنو کلاب) (۸) حضرت رافع (بنو جہینہ) (۹) حضرت بشیر بن سفیان (بنو کعب) (۱۰) حضرت عمرو بن العاص (بنو فزارہ) (۱۱) حضرت عبیدہ ابن الجراح (نجران) (۱۲) حضرت عبداللہ بن واحد (خیبر) (۱۳) حضرت زیاد بن لبید (حضر موت) (۱۴) حضرت ابوموسیٰ اشعری (یمن) (۱۵) حضرت ابان بن سعید (بحرین) (۱۶) حضرت عبداللہ بن لیث (بنو ذبیان)۔

آپ کے لباس

آپ سفید لباس بے حد پسند فرماتے، زیادہ تر روئی کا لباس پہنتے تھے۔ صوف اور کتان کا لباس بھی کبھی کبھی پہن لیتے تھے۔ جبہ، قبا، قمیص، ازار، عمامہ، چادر، ٹوپی، موزہ، یہ سب آپ نے پہنے ہیں۔ سبز رنگ کی یمنی چادر آپ کو بہت پسند تھی، جو بردیمانی کے نام سے مشہور تھی۔ سرخ لباس سے منع فرماتے تھے۔ کبھی کبھی سیاہ عمامہ آپ نے باندھا ہے۔ ٹوپی بھی اوڑھا کرتے اور اسے عمامہ کے نیچے اوڑھنے کی تاکید فرماتے۔

آپ کے اسلحے

تلواریں: آپ کے پاس نو تلواریں تھیں جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) ماثور (۲) العضب (۳) قلعی (۴) بتار (۵) الحتف (۶) الرسوم (۷) المخذم (۸) القضیب (۹) ذوالفقار۔

زرهیں:- ان کی تعداد سات تھی۔ ۱:- ذات الفضول یہ لوہے کی زرہ تھی جسے آپ نے ایک یہودی کے پاس گروی کے طور پر رکھ کر اس سے تین صاع جو اپنے عیال کے لئے قرض لئے تھے۔ اس کے علاوہ۔
۲:- ذات الوشاح۔ ۳:- ذات الحواشی۔ ۴:- سعدیہ۔ ۵:- قضہ۔ ۶:- تبر۔ ۷:- ذیق، تھیں۔
کمانیں:- چھ تھیں جن کے نام یہ ہیں۔ ۱:- الزوراء۔ ۲:- الروحاء۔ ۳:- الصفراء
۴:- البیضاء۔ ۵:- الکتوم۔ ۶:- الشداد۔
ڈھالیں:- دو تھیں۔ ۱:- الزاوق۔ ۲:- الفتق۔
نیزے:- دو تھے۔ ۱:- المثوی۔ ۲:- المثنیٰ۔
حربہ:- (چھوٹا نیزہ) تین تھے۔ ۱:- شلعہ۔ ۲:- البیضاء۔ ۳:- عنزہ۔
خود:- دو تھے۔ ۱:- موشح۔ ۲:- ذوالسبوغ۔

آپ کی سواری کے جانور

گھوڑے:- آپ کے پاس سات گھوڑے تھے۔ کسی خاص صفت کی وجہ سے ان کے نام مختلف ہیں۔
۱: سکب ۲: لحیف ۳: سبحہ ۴: طرب ۵: لزاز ۶: مرتجز ۷: الورد۔
خچر:- پانچ تھے۔ ۱: دلدل نامی جو مقوقش شاہ مصر نے۔ ۲: فضہ نامی صدیق اکبر نے۔ ۳: صاحب ایلیہ نے۔ ۴: دومۃ الجندل کے حکمراں نے۔ ۵: پانچواں نجاشی شاہ حبش نے آپ کی خدمت میں پیش کئے تھے۔
گدھے:- تین تھے۔ ایک عفر جو مقوقش شاہ مصر نے بھیجا تھا۔ دوسرا فروۃ الجذامی نے اور تیسرا حضرت سعد بن عبادہ خزرجی نے ہدیۃً پیش کیا تھا۔
اونٹ:- ان کی تعداد کئی بتائی جاتی ہے۔ جن میں سے ایک کا نام قصویٰ تھا جس پر آپ نے ہجرت فرمائی تھی۔

عہد نبوی کی مساجد

آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مساجد کی تعمیر پر بھی پورا زور دیا تھا۔ اور اس امر کی تاکید فرمائی تھی کہ جو محلہ ہو وہ اپنے مرکز پر عبادت کے لئے ایک مسجد فوراً تیار کرے آپ کے عہد مبارک میں بڑی بڑی آبادیوں میں کئی کئی مسجدیں تھیں۔ صرف مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے علاوہ نو مساجد اور تیار ہو چکی تھیں۔ جن میں علیحدہ علیحدہ پانچوں وقت نماز ادا کی جاتی تھی۔

۱:- مسجد بنو عمرو — ۲:- مسجد بنو ساعدہ — ۳:- مسجد بنو عبید
۴:- مسجد بنو زریق — ۵:- مسجد بنو سلمہ — ۶:- مسجد بنو غفار
۷:- مسجد بنو لاہم — ۸:- مسجد بنو جہینہ — ۹:- مسجد بنو بیاضہ

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت

حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

انتظار کی ساعتیں کس بے چینی سے کٹتی ہیں۔ اس کی انھیں کو خبر ہے جو دردِ دل سے آشنا ہیں۔ جنھیں کچھ محبت کے سوز و گداز کی خبر ہے۔ جنھوں نے فراق کی راتیں اختر شماری کر کے کاٹی ہیں۔ یہ بھی ایک مشہور مقولہ ہے ورنہ شیدایان جمال و شیفتگان حسن غم فراق میں یادِ محبوب کے سوا کسی دوسری طرف ملتفت نہیں ہوتے۔ انھیں خبر نہیں ہوتی کہ آسمان پر ابر ہے یا ماہ ہے نمودار ہے۔ ہجوری کا اسیر تارے کیا گنے گا۔ ؟ ہجر کی راتیں اس کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکتی ہیں۔ اور شب جدائی کا طول اندازہ سے باہر معلوم ہوتا ہے۔ دنیا میں کون کس کا عاشق ہے اور کس کا دل سنبلِ تر کے حلقہ کا اسیر ہے۔ کون کس کے فراق میں آہ کھینچتا ہے۔ کس کے درد کا دم بھرتا ہے۔ کس کی یاد میں تڑپتا ہے، کس کی جدائی میں دم توڑتا ہے ؟ اس سے ہمیں کیا غرض۔ گل و بلبل کے فسانے، شمع و پروانے کی حکایتیں ہمارے لئے کیا کار آمد ہیں ! ہمیں تو اپنے محبوب سے مطلب ہے۔ جس کی طرف ہمارا دامن دل کھینچتا ہے۔ اور جس کے دامن رحمت کے گوشہ میں ہماری تمنائیں بندھی ہوئی ہیں۔ ہماری آرزوؤں کا قبلہ، ہمارے ارمانوں کا کعبہ، ہماری جانوں کا چین، ہمارے دلوں کی راحت، ہمارا وہ حبیب ہے جس کی تجلیات حسن کا صدقہ عالم کی تمام زیب و زینت اور کائنات کا ہر وجود ہے۔

مخلوقات میں جو جمیل ہے۔ وہ اس کے جمال کا دریوزہ گر جو حسین ہے وہ اس شہنشاہ حسن کا خانہ پرور، زمین پر بسنے والی دنیا ہو، یا سکّان سماوات، سب اس کے وجود سے بہرہ مند ہیں اجرام نیّرہ میں اس کے حسن کی ایک چمک ہے۔ ماہ رویانِ خلد میں اس کے جلوہ کی ایک جھلک ہے۔ کونسی آنکھ ہے جو اس کے حسن عالم افروز کو کماحقہ دیکھ سکے۔ نقل القرطبي عن بعضهم انه لم يظهر تمام حسنه صلى الله عليه وسلم والا لما اطاقت اعين الصحابة النظر اليه انتهى واما الكفار

فکانوا کما قال تعالیٰ وتراھم ینظرون الیک وھم لایبصرون وقال بعض الصوفیہ اکثر الناس عرفوا اللہ عزوجل وما عرفوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان حجاب البشریۃ غطت ابصارھم وشرح الشمائل للعلامہ علی القاری۔ یعنی امام قرطبی نے بعض اکابر سے نقل فرمایا ہے، کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمالِ عالم آرا پورے طور پر ہمارے لئے ظاہر ہی نہ ہوا۔ ورنہ صحابہ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں روئے اقدس کی طرف نظر نہ کرسکتیں۔ یہ تو آنکھ والوں کا حال ہے اور کور چشمانِ سیاہ دل اس عالمِ نور کو کیا دیکھ سکتے ان کے حق میں تو رب العزت تبارک وتعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا۔

وَتراھم ینظرون اِلَیْکَ وَھم لایبصِرُوْن

بعض صوفیہ نے فرمایا کہ عرفان حق تو بہتوں کو میسر آیا۔ اور معرفت الٰہی کی دولت سے بہت سے سرفراز ہوئے۔ لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا عرفان کما حقہ انھیں بھی حاصل نہ ہوا، کہ حجابِ بشریت اہلِ نظر کی آنکھوں کے لئے پردہ بن گیا۔ جس طرح ضعیف نگاہیں آفتاب عالمتاب کی دید سے عاجز رہتی ہیں۔ اسی طرح چشم عالم آفتاب حق وہدایت کے نظر خیرہ کرنے والے جلوؤں کی تاب نہ لاسکی۔ دید کے ارمان ہمیشہ تڑپتے ہی رہے۔ آرزو مندانِ دید کی حسرتیں ہمیشہ تڑپا ہی کیں۔

عالم میں بنی آدم سب سے مکرم، اور اس نوع کا سب سے پہلا وجود مکرم جد محترم حضرت آدم (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) حبیب رب العالمین صلے اللہ علیہ وسلم کی دید کی آرزو دل میں رکھتا ہے۔ بارگاہ حق میں ان کے مقدس ہاتھ پھیلتے ہیں، زبان دِل کی بے چینی کی ترجمانی کرتی ہے۔ قلب ناشکیبا حسن حبیب خدا کا ایک جلوہ دیکھنے کی خواہش کرتا ہے۔ رحمت حق فیاضی فرماتی ہے: اور ان کو اس حبیب کبریا صلے اللہ علیہ وسلم کے عالم منور کن جلوہ سے سرفراز کر دیا جاتا ہے، انگوٹھوں کے ناخن آئینہ بنا دیئے جاتے ہیں۔ اور خسرو حسن وجمال کی طلعت مبارکہ ان آئینوں سے نمودار فرماکر عالم انسانی کے پہلے طلبگار کو فیضیاب فرما دیا جاتا ہے۔ آدم کی آنکھ نور دیدہ کو ایک نظر دیکھتی ہے دل بے اختیار ہو

منبر رسول شریف کا مبارک نقشہ

جاتا ہے۔ فرط محبت سے انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگالیتے ہیں۔

برناباس کی انجیل میں ہے، پس آدم نے منت کہا " اے پروردگار یہ تحریر مجھے میرے ہاتھ کی انگلیوں کے ناخنوں پر عطا فرما۔ تب اللہ نے پہلے انسان کو یہ تحریر اس کے دونوں انگوٹھوں پر عطا کی۔ داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن پر عبارت لا الٰہ الا اللہ اور بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن پر عبارت محمد رسول اللہ۔ تب پہلے انسان نے ان کلمات کو پدری محبت کے ساتھ بوسہ دیا۔ اور اپنی دونوں آنکھوں سے ملا " اور کہا۔ مبارک ہے وہ دن جس میں تو دنیا کی طرف آئے گا۔

اس انجیل میں حضور پرنور سید انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کا بہت تذکرہ ہے۔ اور حضور کا ذکر بہت شان وشکوہ کے ساتھ

کیا گیا ہے۔ یہ ایک تائید ہے ان روایات کی جو ہماری کتب سیر میں ملتی ہیں۔ اور ضروراتی مطابقت سے روایت کو تقویت ملتی ہے۔ اور ضعف کا اثر مضمحل ہو جاتا ہے کہ مدتوں پہلے لکھی ہوئی کتاب جو دشمنوں کے ہاتھ میں رہی، دشمنوں کے کتب خانوں سے برآمد ہوئی۔ اس میں حضور کا ذکر ہونا اور اس شان سے، کہ اسلامی کتب سیر سے اس کا مضمون موافق و مناسب ہے۔ عاقل کو صحت کا یقین دلانے کے لئے زبردست قرینہ ہے۔

غرض انسان جب دنیا میں آیا تو حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبۂ محبت ساتھ لایا۔ ان کے تمنائے دیدار کا ولولہ نسل انسانی کے سب سے پہلے فرد میں بہت قوت کے ساتھ موجزن ہوا۔ اور تمام صاحب دل اور اہل نظر جو اپنے اپنے وقت دنیا میں آتے گئے اور ان کی آنکھیں حقائق و معارف کی روشنی میں کھلیں۔ چشم بینا صورت سے معنی کے مشاہدہ تک رسا ہوئی۔ بصیرت پیکر کے بیرونی سطح پر رک نہ گئی، بلکہ باطن کے راز تک پہنچا اس کو میسر آیا۔ اس طبقہ کو آنکھ اور دل والا طبقہ کہنا چاہئے۔ یہ طبقہ ہر قرن، ہر عہد اور ہر زمانہ میں مصطفائی جمال کا دلدادہ رہا۔ اور جس طرح آفتاب کے حسن کا جاننے والا شب کی تاریک گھڑیاں بے چینی میں کاٹتا ہے اور تمام شب آفتاب کی نورانی لقاء کا انتظار کیا کرتا ہے اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ اہل نظر و صاحب بصیرت "خورشید رسالت" کے انتظار میں ہجر کی طویل رات غم و اندوہ اور اضطراب و بے قراری کے ساتھ کاٹتے رہے۔ یہ ولولہ اور شوق پہلوں ہی پر ختم نہیں ہو گیا۔ اور جذب الفت کا مزہ تنہا سابقین ہی اپنے ساتھ نہیں لے گئے۔ بلکہ عہد پاک کے بعد سے آج تک تمام عالم اسلام چشم تمنا بنا ہوا ہے۔ ہر صغیر و کبیر، برنا و پیر سال بھر ربیع الاول شریف کی آمد کا انتظار کرتا ہے۔ ماہ ربیع الاول آیا۔ چاند نے اپنے چہرے سے نقاب کا ایک گوشہ اٹھایا۔ اور دل باغ باغ ہوئے افسردہ جانوں کے سربستہ غنچے کھل گئے۔ پژمردہ شگوفے تر و تازہ ہوئے۔ نسیم شوق کے فرحت انگیز جھونکوں سے چمن دہر کے نہال و شجر لہلہانے لگے۔ طبیعت کی ہزار داستان بلبلیں جذبات شوق کی نغمہ سرا ہوئیں۔ فیض باری نے رحمت و کرم کی بارش کی۔ باغ عالم میں بہار آئی۔ مردہ دلوں

الحمد لله رب العلمين.
الرحمن الرحيم. ملك
يوم الدين. اياك نعبد
واياك نستعين اهدنا
الصراط المستقيم.
صراط الذين انعمت
عليهم غير المغضوب
عليهم ولا الضالين

کے گل کھلے، حبیب کبریا کی آمد آمد کا شہرہ مچا۔ مدح و ثنا کے ترانوں سے گنبد نیلگوں گونجنے لگا۔ میلاد مبارک کی محافل متبرکہ جگہ جگہ قائم ہوئیں۔ زبان آوروں نے نعت شریف میں زبانیں کھولیں، فصاحت و بلاغت کے جوہر دکھائے۔ دنیا کے چپہ چپہ پر رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے بیان ہوئے۔ خصائص و معجزات سنائے گئے۔ ایمانداروں میں ایک تازہ زندگی پیدا ہوئی۔ رذائل سے دلوں میں نفرت ہوئی۔ خصائل حمیدہ و اخلاق ستودہ کی رغبت ہوئی۔ ایمانی و روحانی جذبات حرکت میں آئے۔ دنیا میں اصلاح و تہذیب کا دور دورہ ہوا۔ خدا طلبی و راست بازی کے جوہر چمکے۔ اقوام عالم کو سیرت پاک کے نقشے دکھا کر متحیر کر دیا گیا۔

نظر بازوں کی آنکھیں جھپک گئیں۔ گردن کشوں کے سر جھک گئے۔ حبیب انور کی بے مثالی کے نقش دلوں پر کھنچ گئے۔ جس طرح میلاد پاک و ظہور نور اقدس سے تاریکی کفر و ضلالت دور ہوئی۔ اور سیاہ دل مشرقستان انوار بنے۔ مردہ قلوب کو حیات میسر آئی۔ اور ضائع شدہ استعدادیں، اور قابلیتیں از سر نو معرض وجود و شہود میں آئیں۔ مردہ دنیا جی اٹھی۔ اور خدا شناسی کے مٹے ہوئے نشانات سربفلک ہوئے۔ شہوات میں ڈوبی ہوئی مخلوق، بہیمیت کی پستی میں گرتے ہوئے انسان، شیطانی دام کے گرفتار، قدم ناز کے
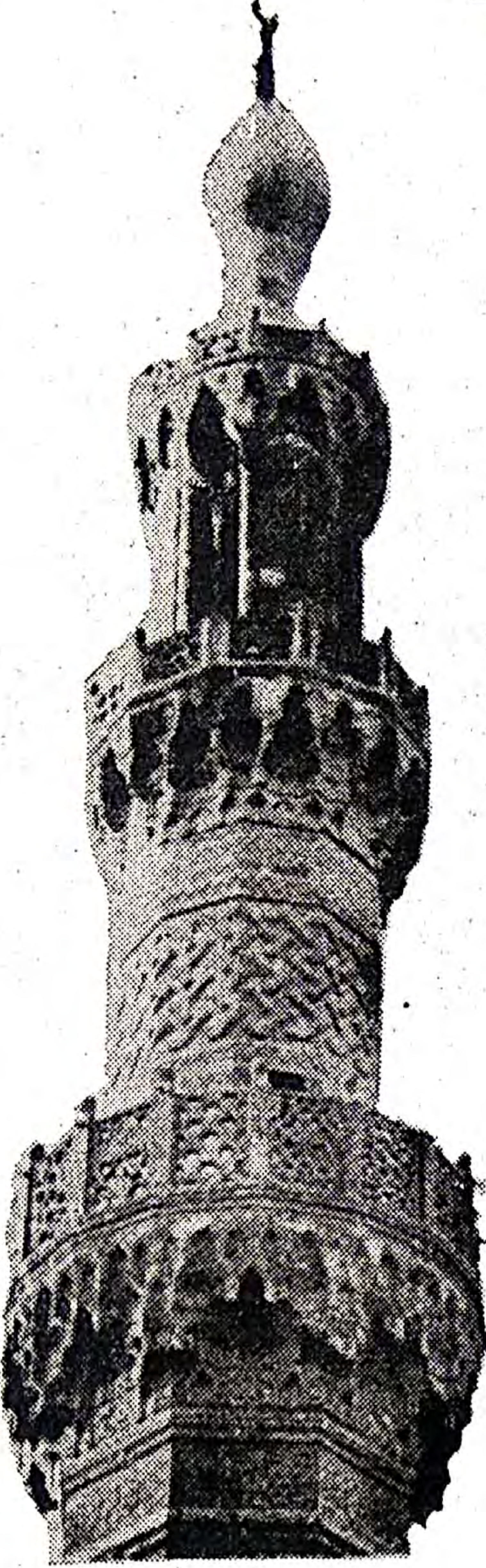
ایک ٹھوکر سے نجات پاکر اوجِ شرافت پر پہنچے۔ ہادئ خلق بنے آفتاب رشد و ہدایت ہوئے۔

ہر زبان ثنائے الٰہی و توحید خداوندی کی وظیفہ خواں ہوئی۔ دل خواہشات نفسانیہ کی منزل ہونے کے بجائے مراقبہ و مکاشفہ سے بہرہ اندوز ہوئے۔ نگاہوں کے سامنے سے پردے اٹھے، حقیقت کے راز کھلے۔ ہر گھر حکم و معارف کی درس گاہ و خانقاہ بنا۔ سکان سماوات کو حیرت ہو گئی۔ ایک دم میں کیا سے کیا ہو گیا۔ رخسار انور کی ایک تجلی نے شب تار کو روز روشن بنا دیا۔ ہادئ برحق کے لطیف اشاروں نے صدیوں کی گمراہیوں کو نیست و نابود کر ڈالا۔ شیاطین مایوس ہوئے۔ بتوں نے کلمے پڑھے۔ شجر و حجر نے شہادتیں دیں۔ صحرا کے درندے رسالت کا اعلان کرنے لگے۔

اسی طرح میلاد کے ذکر اور مولود شریف کی محافل متبرکہ سے ہر سال روحانیت کو جلا ہوتی ہے۔ حقانیت کے افسردہ ولولے تر و تازہ ہوتے ہیں۔ گم گشتگان بادیۂ ضلالت کو، نورِ ہدایت میسر آتا ہے۔ اقوام عالم کو فیض اسلام سے منتفع و فیضیاب ہونے کا موقع ملتا ہے۔ اندھوں کو آنکھیں ملتی ہیں، بہروں کو شنوائی عطا ہوتی ہے۔ غفلت میں گزرے ہوئے اوقات سے جو کچھ، کدورتیں قلب پر آجاتی ہیں۔ وہ اس ذکر جمیل سے دور ہوتی ہیں۔ دلوں کے آئینوں پر از سرِ نو صیقل ہو جاتی ہے۔ بندوں کو اپنے فرائض عبدیت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ دینی و دنیوی برکات کے ذخائر ملتے ہیں۔ اہل حاجت کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ دلوں میں محبوب حق عز و علا و تبارک و تعالیٰ کی محبت موجزن ہوتی ہے۔ اسی لئے صدیوں سے مسلمانان عالم کا معمول ہے کہ ربیع الاول شریف کو فرح و سرور کا مہینہ سمجھتے ہیں۔ ذخیرۂ برکات و سعادت جانتے ہیں۔ محبوب دلنواز کی طرح اس کا انتظار کرتے ہیں۔ اور جب یہ مبارک ایام آتے ہیں تو حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر سے بہجت اندوز ہوتے ہیں۔

جس طرح ظہور اقدس سے قبل حضرات انبیاء علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر ولادت و بیانِ کمالات کی مجلسیں قائم کرتے رہے۔ جس کا قرآن و حدیث اور کتب سابقہ میں ذکر ہے۔ اسی طرح ظہور مبارک کے بعد قیامت تک حضور پاک کے میلاد شریف کی محفلیں قائم ہوتی رہیں گی! اور جیسے شیاطین ظہور اقدس سے رنجیدہ و غمگین و خاک بسر ہوئے تھے۔ اسی طرح ان کی ذریات تا قیامت اس ذکر پاک سے جلا کرے گی۔ اور ان محافل متبرکہ کو روکنے کے لئے طرح طرح کے فریب کام میں لائے گی۔ اور اپنے پہلوں کی طرح خوار ہوتی رہیگی

اللّٰھُمَّ ارزقنا محبتہ و طاعتہ و وفقنا لاتباع سنتہ و حمایۃ ملتہ و امننا علیٰ دینہ و شریعتہ واحشرنا فی زمرۃ محبیہ و ذاکریہ آمین یا رب العالمین۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے

مولانا سید محمود احمد رضوی

صفحاتِ تاریخ شاہد ہیں کہ چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں " یورپ " میں تاریکی وجہالت کی حکمرانی تھی ، ہر سمت جدال اور بے چینی و بدامنی کے شرارے بلند تھے ۔ایک عظیم الشان بت " وڈن " کی پرستش ہوتی تھی - اور اس کو خدا کا نائب سمجھا جاتا تھا ۔"

فارس میں زر - زمین - زن کے جھگڑے شائع تھے اخلاقِ انسانی کا جنازہ نکل چکا تھا - آتش پرستی افضل ترین عبادت سمجھی جاتی تھی ۔ " ہندوستان میں " سنگ پرستی اور دیوتانوازی کا شور تھا ۔

چاند - سورج - گائے - بندر - ہاتھی - شہد کی مکھی - سانپ وغیرہ قابل پرستش سمجھے جاتے تھے اور ان سے دعائیں مانگی جاتی تھیں - لوگوں کا یقین تھا کہ خدا ان میں سمایا ہوا ہے -

چین میں سلاطین پرستی نے رنگ جما رکھا تھا - بادشاہِ وقت کو خدا سمجھا جاتا تھا - جب ایک بادشاہ انتقال کر جاتا تھا اور اس کا وارث تخت نشین ہوتا تھا تو لوگ یقین کر لیتے تھے کہ اب خدائی موجودہ بادشاہ کے ہاتھ آ گئی ہے -

مصر میں یہودیت اور نصرانیت دست وگریباں ہو رہی تھی مسئلہ تثلیث پر رنگ آمیزیاں کی جا رہی تھیں - صدہا مختلف العقائد فرقے پیدا ہو گئے تھے - مذہبی روایات کا مضحکہ اڑایا جاتا تھا - مختلف فرقے ایک دوسرے کے جانی دشمن بنے ہوئے تھے (ہسٹری آف دی ورلڈ)

عرب جن تاریکیوں اور جہالتوں میں مبتلا تھا اور جن اخلاقی خرابیوں اور گمراہیوں کا مرکز بنا ہوا تھا - ان کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھنا مناسب ہے - عرب میں معاشرتی - تمدنی - اخلاقی کمزوریاں اس قدر پیدا ہو گئی تھیں - کہ سرزمینِ عرب کے انسان برائے نام انسان رہ گئے تھے -

صاحب مسامرۃ الاخبار لکھتے ہیں کہ جدال وقتال ــــ خونخواری وڈاکہ زنی - نشہ بازی وزناکاری - سودخوری اور قمار بازی عرب میں شائع تھی - فحش باتوں سے پرہیز بالکل نہ کیا جاتا تھا - ہر شخص افعال واقوال میں آزاد تھا -

(۱) دوشیزہ اور خوبصورت لڑکیوں کے نام اشعار لکھے جاتے تھے اور بازاروں میں گائے جاتے تھے - کوئی ولولہ اور ارمان چھپا کر نہ رکھا جاتا تھا -

زنا پر بجائے ندامت کے فخر کیا جاتا تھا - اور مجالس

ہیں اپنی قوتِ مردمی کی تعریف کی جاتی۔ نشہ سے زیادہ محبوب کوئی مشغل نہ تھا۔ پھر بادہ نوشی و بدمستی کی حالت میں نہایت شرمناک افعال کیے جاتے تھے اور افعالِ قبیحہ پر تفاخر کیا جاتا تھا۔

(۲) قمار بازی۔ شرفاء و امراء کا بہترین مشغلہ تھا جا بجا قمار خانے کھلے ہوئے تھے۔ جن میں بڑے بڑے دولت مند شریک ہوتے تھے اور بڑی بڑی رقمیں اور جائدادیں ہارتے جیتتے تھے۔

(۳) سود خواری نہایت معزز پیشہ سمجھا جاتا تھا۔ نہایت بیدردی کے ساتھ ضرورت مندوں کے گلے پر چھری چلائی جاتی تھی

(۴) لونڈیوں کو ناچنا گانا سکھا کر بازاروں میں بٹھایا جاتا تھا وہ اپنی عصمت فروشی کے ذریعے جو کچھ کماتی تھیں وہ آقا کا حق تصور ہوتا تھا اور اس آمدنی کے روپے سے عظیم الشان دعوتیں ہوتی تھیں۔

(۵) ڈاکہ زنی اور رہزنی کے ذریعے مال و دولت جمع کرنا مستحسن نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔

(۶) جدال و قتال:۔ دو قبیلوں کے درمیان جب جنگ چھڑ جاتی تھی تو پچیس تیس سال تک جاری رہتی تھی ہزاروں خون ہو جاتے تھے۔ اس قسم کی لڑائیاں شعر و شاعری اور گھوڑ دوڑ وغیرہ میں پیدا ہوتی تھیں۔

(۷) عورت کی حیثیت نہایت ہی ذلیل تھی وہ کوئی حق نہ رکھتی تھی۔ مردوں کو اختیار تھا جو چاہیں سو کریں۔ جتنی عورتوں سے چاہیں نکاح کریں۔ سوتیلی ماں سے نکاح جائز سمجھا جاتا تھا۔

۸ لڑکیاں موجب ننگ و عار سمجھی جاتی تھیں اگر کوئی خاص وجہ مانع نہ ہوتی تھی تو لڑکی کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔

۹ معبود، ہر قبیلہ اور ہر گھر کا جدا جدا ہوتا تھا لیکن ہبل۔ اساف۔ نائلہ۔ لات و منات عظیم القدر معبود سمجھے جاتے تھے اور تمام لوگ ان کی پرستش کرتے تھے

۱۰ مذاہب:۔ دہریہ۔ بت پرست۔ یہودی عیسائی مجوسی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۱) دہریے کسی پیغمبر یا آسمانی کتاب کے قائل نہیں تھے بلکہ خدا کا بھی انکار کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ دنیا ہمیشہ سے آباد ہے اور ایسی ہی رہے گی

(۲) بت پرست بتوں کو پوجتے تھے۔

(۳) یہودیوں نے کعبہ کے اندر حضرت ابراہیم اور

حضرت اسمٰعیل کے نام کے بت رکھ چھوڑے تھے ان کو ہی پوجتے تھے۔

۴ عیسائی تثلیث کے قائل تھے اور انہوں نے بھی تین بت کعبہ میں رکھ چھوڑے تھے جن کی صبح و شام پرستش کرتے تھے۔

۵ مجوسی آگ کی پرستش کرتے تھے۔

طریق عبادت

عبادت کا طریقہ نہایت غیر مہذبانہ اور شرمناک تھا۔ پرستاران اصنام برہنہ ہوکر بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ لباس ہر قسم کے گناہوں سے آلودہ ہوتا ہے صاحب روح البیان لکھتے ہیں۔ کہ:

كَانَ الرَّجُلُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا
سَافَرَ حَمَلَ مَعَهُ أَرْبَعَةَ أَحْجَارٍ ثَلَاثَةٌ
يَقْدُرُ بِهَا وَالرَّابِعُ يَعْبُدُهُ۔

عرب کی جہالت کا یہ حال تھا کہ کہیں مسافت میں چار پتھر راستے میں سے اٹھا لیتے تھے تین پتھروں سے استنجا کرلیا اور ایک کو معبود بنالیا۔

تاریخ ابن اثیر میں ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب کی یہ حالت تھی کہ جب کسی پتھر کو پوجتے پوجتے بہت دن گذرجاتے تو پھر کسی نئے معبود کی تلاش میں رہتے اور جب کہیں اچھا سا پتھر مل جاتا تھا تو پرانے معبودوں کو نکال دیتے تھے۔ اور نئے معبودوں کی پرستش کرنے لگتے تھے غرض کہ طرح طرح کی گمراہیاں اور تاریکیاں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھیلی ہوئی تھیں۔ انسانیت اور شرافت و تہذیب و تمدن کا نام و نشان تک مٹ چکا تھا۔ خدائے واحد قہار کی وحدانیت و منزلت دلوں سے محو ہوچکی تھی۔ بحر و بر انسانی خباثتوں سے تنگ آگئے تھے جب کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس قدر گمراہی پھیل گئی تھی، نور حقانیت باطل کی تاریکیوں سے ماند پڑ گیا تھا یکایک غیرت الٰہی جوش میں آئی۔ اور اللہ عزوجل

چھٹی صدی ہجری کے قرآن کا ایک ورق

نے مخلوق کی ہدایت کے لئے ایک رہبر اعظم کو بھیجا اور یہ آسمان نبوت کا نیر اعظم ۲۰ راپریل ۵۷۱ء کو نور الٰہی بن کر چمکا۔

رحمۃ للعالمین نے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کے عالمگیر اعلان کے ساتھ ظہور فرمایا اور آپ نے دنیا میں تشریف لاکر ان تمام گمراہیوں اور خرابیوں کو دور کردیا جن کو دنیا میں چھائے ہوئے مسلسل کئی صدیاں گزر چکی تھیں۔

آپ نے دنیا کو اصول مدنیت و علوم حقائق سکھائے اور خالق و مخلوق و مالک و مملوک کے تعلقات بتائے عبودیت و معبودیت کا فرق ظاہر کیا اور پرستاران باطل کو خدائے واحد قہار کے سامنے جھکا دیا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند!
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

باغ عالم میں نئی چھب سے بہار آئی ہے
ہر چمن مرکز رنگینی و رعنائی ہے
رحمت حق کی دوعالم میں گھٹا چھائی ہے
عرش سے مژدۂ نو بادِ صبا لائی ہے
صبح میلاد نبی کی ہے خوشی گلشن میں
خلد بر کف ہے نسیم سحری گلشن میں
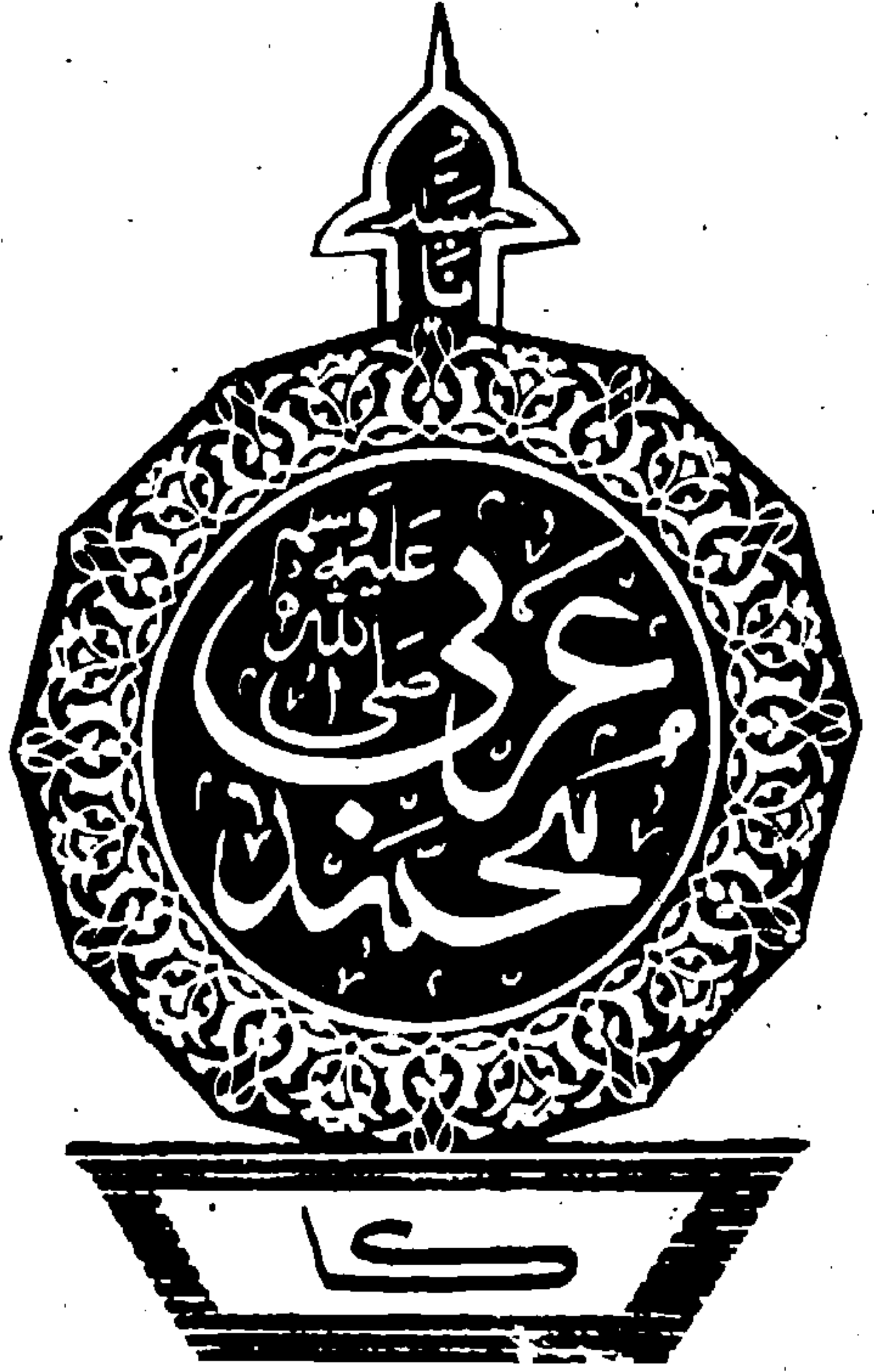
محفل میلاد شریف منعقد کرتے ہیں۔ (مدارج النبوہ ج ۲)

تاریخ عالم میں یہ وہ سعادت و عظمت والا دن ہے جس میں وجہ تخلیق کائنات دعائے خلیل، نوید مسیحا اشرف الانبیاء، احمد مجتبیٰ، سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے فرش خاکی کو ثریا کی بلندی نصیب ہوئی آپ پاکیزہ بدن، ناف بریدہ، ختنہ شدہ بحالت سجدہ مکہ مکرمہ کی مقدس سرزمین میں اپنے والد ماجد کے مکان کے اندر پیدا ہوئے باپ کہاں تھے جو بلائے جاتے وہ تو پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ دادا بلائے گئے۔ جو اس وقت کعبۂ معظمہ کے طواف میں مشغول تھے۔ یہ خوشخبری سُن کر دادا عبدالمطلب خوشی خوشی کعبۂ معظمہ سے اپنے گھر تشریف لائے اور فرط محبت میں جھوم اٹھے۔ پوتے کو گلے سے لگایا۔ کعبۂ معظمہ میں لے جاکر خیر و برکت کی دعا مانگی۔ اور محمد نام رکھا۔ آپ کے چچا ابولہب کی لونڈی ثویبہ خوشی میں دوڑتی ہوئی گئیں ابولہب کو بھتیجا پیدا ہونے کی خبر دی۔ اس نے اس خوشی میں شہادت کی انگلی کے اشارہ سے ثویبہ کو آزاد کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابولہب کے مرجانے کے بعد اس کے گھر والوں نے اُسے خواب میں دیکھا اور حال پوچھا تو اس وقت اس نے اپنی شہادت کی انگلی اٹھا کر کہا کہ ——— تم لوگوں سے الگ ہونے کے بعد مجھے کوئی راحت نہ ملی سوائے اس کے کہ ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے مجھ کو اس انگلی کے ذریعہ کچھ پانی پلایا جاتا ہے۔

(بخاری شریف باب و امہتکم اللاتی ارضعتکم)

ایام رضاعت

منقول ہے کہ سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا دودھ صرف سات دن پیا پھر کچھ دنوں تک ثویبہ نے حضور کو دودھ پلایا۔ انھوں نے حضور سے پہلے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو اور حضور کے بعد ابو سلمہ (ام المومنین ام سلمہ کے پہلے شوہر) کو دودھ پلایا تھا۔ اسی لئے یہ دونوں حضرات سرکار کے رضاعی بھائی ہوئے۔ حضور کے ساتھ ثویبہ کے لڑکے مسروح نے بھی ان کا دودھ پیا تھا

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد طفلی

سلطان احمد

میلاد مبارک

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت میں مختلف اقوال ہیں۔ مگر سب سے مشہور قول یہی ہے کہ واقعۂ اصحاب فیل سے پچپن دن کے بعد ۱۲ ربیع النور مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو پیدا ہوئے۔ اہل مکہ بھی بارہویں ربیع الاول ہی کو کاشانۂ نبوت کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ اور وہاں

چونکہ شرفائے مکہ کا قاعدہ تھا کہ وہ اپنے بچے کو دودھ پلانے کے لئے صحرائی علاقوں کے اچھے قبائل میں بھیج دیتے تھے۔ تاکہ عمدہ آب وہوا میں پرورش پائیں اور خالص عربی بھی سیکھ لیں۔ اس غرض سے باہر کے قبیلوں کی عورتیں وقتاً فوقتاً مکہ آتی تھیں اور سرداروں کے بچوں کو لے جاتی تھیں جن سے ان کو معقول معاوضے ملتے تھے اور بعد میں بھی حسن سلوک کی توقع ہوتی تھیں اسی سلسلہ میں حضور کی ولادت کے کچھ عرصہ بعد بنی سعد بن بکر قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ کی عورتیں بچے لینے کے لئے مکہ گئیں جن میں حلیمہ بنت ابوذؤیب بھی

اپنے شوہر حارث بن عبداللہ کے ساتھ شامل تھیں ابن ہشام نے حلیمہ کا اپنا بیان نقل کیا ہے کہ ہم بہت خستہ حال تھے۔ ہمارا علاقہ قحط زدہ تھا دوسری عورتوں کی بہ نسبت ہماری حالت زیادہ ہی خراب تھی۔ ہماری گدھی اس قدر کمزور تھی کہ قافلے کے پیچھے رہ جاتی تھی، ہماری اونٹنی بھی ذرا دودھ نہ دیتی تھی، میری چھاتیوں میں بھی دودھ اتنا کم تھا کہ میرے بچے کا پیٹ نہ بھر سکتا تھا، رات بھر روتا رہتا تھا، اور ہم بھی نہ سو سکتے تھے، مکہ پہونچے تو کوئی عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لینے پر راضی نہ ہوئی۔ ہر ایک کہتی تھی کہ یتیم ہے باپ ہوتا تو ہم اس سے کچھ حسن سلوک کی امید رکھتے۔ بیوہ ماں اور دادا سے پتہ نہیں کچھ ملے یا نہ ملے۔

دوسری سب عورتوں نے دوسرے بچے لے لئے اور مجھے کوئی بچہ نہ ملا جب سب جانے کے لئے تیار ہوئیں تو میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ میں خالی ہاتھ جانا پسند نہیں کرتی۔ جا کر اس یتیم بچے کو لے لیتی ہوں۔ شوہر نے کہا کیا مضائقہ ہے۔ اگر تو ایسا کرے ہو سکتا ہے اللہ ہمیں اسی میں برکت دے دے۔ چنانچہ میں گئی اور بچہ کو صرف اس لئے لیا کہ کوئی اور بچہ مجھے نہ ملا تھا۔

اس بچے کے منہ میں اپنی چھاتی دی تو اتنا دودھ اترا کہ وہ بھی سیر ہو گیا۔ اور اس کے دودھ شریک بھائی نے بھی (جس کا نام عبداللہ تھا) خوب پیٹ بھر لیا۔ پھر میرے

شوہر نے اونٹنی کا دودھ دوہنا شروع کیا تو اس نے اتنا دودھ دیا کہ ہم دونوں سیر ہو گئے۔ اور رات ہم نے بڑے آرام سے گذاری۔ صبح میرے شوہر نے کہا۔ خدا کی قسم حلیمہ تو نے بڑا ہی مبارک بچہ لیا ہے۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ واپسی کے سفر میں ہماری گدھی کی شان ہی کچھ اور تھی قافلے کے سارے گدھوں کو اس نے پیچھے چھوڑ دیا۔

میری ساتھی عورتیں کہنے لگیں کہ حلیمہ کیا تیری وہی گدھی ہے جس پر تو ہمارے ساتھ آئی تھی؟ میں نے کہا ہاں! وہ بولیں واللہ اس کی حالت ہی بدلی ہوئی ہے۔ ہم وطن واپس پہونچے تو زمین پر شاید ہی کوئی علاقہ اس وقت اتنا اجاڑ رہا ہو جتنا کہ ہمارا تھا۔ مگر میری بکریاں جہاں جاتیں پیٹ بھر کر چارہ کھاتیں اور خوب دودھ دیتیں۔ اس طرح ہم روز بروز اس بچے کی برکتیں زیادہ ہی دیکھتے رہے۔ دو سال گذرے اور دودھ چھڑانے کا وقت آیا تو وہ بچہ سارے قبیلے کے بچوں سے زیادہ تندرست و توانا تھا۔ اور ایسا لگتا تھا جیسے چار برس کا ہو ہم اُسے مکہ اس کی ماں کے پاس لے گئے مگر ہمارا جی چاہتا تھا کہ وہ ہمارے پاس کچھ مدت اور رہے میں نے اس کی ماں سے کہا کہ میرے اس بیٹے کو میرے پاس ابھی اور رہنے دو تاکہ یہ خوب پل کر تندرست ہو جائے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مکہ کی خرابی آب وہوا اس کی صحت پر برا اثر نہ ڈالے۔ غرض کہ میں نے اتنا اصرار کیا کہ وہ اسے پھر میرے پاس بھیجنے پر راضی ہو گئیں۔ پھر حلیمہ سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ قبیلہ بنی سعد لے گئیں اس مرتبہ ڈھائی سال یہاں رہے ابن سعد کا بیان ہے کہ صرف دو سال رہے۔ اسی دوران شق صدر کا واقعہ پیش آیا۔

شق صدر

ایک دن آپ چراگاہ میں تھے کہ یک بیک حضرت حلیمہ کے صاحبزادے ضمرہ بے تحاشہ دوڑتے ہوئے اپنے گھر پہونچے اور اپنی والدہ ماجدہ حضرت حلیمہ سعدیہ سے کہا! کہ اماں جان تین آدمیوں نے سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو چیت لٹا کر ان کا شکم چاک کر دیا ہے۔ اور میں انھیں اسی حال میں چھوڑ کر

دوڑتے ہانپتے آیا ہوں یہ سن کر حلیمہ سعدیہ اور ان کے شوہر حارث دونوں بے حد پریشان ہوئے اور حیرانی کے عالم میں فوراً جنگل پہونچکر دیکھا تو آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور خوف وہراس سے چہرہ کچھ اداس ہے۔ حلیمہ سعدیہ نے انتہائی محبت وپیار بھرے انداز میں چمکارتے ہوئے پوچھا بیٹا کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا تین شخص جن کے لباس بہت ہی زیادہ سفید اور صاف ستھرے تھے میرے پاس آئے اور مجھ کو چت لٹا کر میرا شکم چاک کر کے اس میں سے کوئی چیز نکال کر باہر پھینک دیا اور کوئی چیز اس میں رکھ کر میرے شکم کا چاک سی دیا۔ لیکن مجھے ذرہ برابر بھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی (مدارج النبوۃ ج ۲)

حضرت حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ جب شق صدر کا قضیہ پیش آیا تو میرے شوہر اور دوسرے لوگوں نے بھی مشورہ دیا کہ اس سے پہلے کہ آپ کو کوئی گزند پہونچے بہتر یہی ہے کہ حضور کو ان کی والدہ ماجدہ اور ان کے جد امجد کے سپرد کر دینا چاہئے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ بیان کرتی ہیں کہ اس کے بعد ہم حضور کو لے کر مکہ مکرمہ کی طرف چل دیئے اس کے بعد مدارج النبوۃ میں درمیان راہ حضور کی گمشدگی پھر عبدالمطلب سے ملاقات پھر سرکار کی بازیابی کا ذکر ہے۔"

حضرت حلیمہ نے سرکار کے چچا حارث بن عبدالمطلب کے فرزند ابوسفیان کو بھی دودھ پلایا تھا اور حضرت حلیمہ کے جس لڑکے کے ساتھ سرکار نے دودھ پیا ان کا نام عبداللہ بن حارث ہے۔ حسب بیان ابن سعدیہ اور ان کے والد حارث مسلمان ہوئے۔ عبداللہ کی بڑی بہن حذافہ جن کا لقب شیما تھا حضور کی خدمت کیا کرتی تھیں۔ یہ بھی غزوۂ ہوازن کے بعد مسلمان ہوئیں۔ حضرت حلیمہ سعدیہ غزوۂ حنین کے بعد سرکار کی خدمت میں آئی تھیں اور حضور نے ان کے لئے اپنی چادر بچھادی تھی حضرت حلیمہ کے اسلام میں اختلاف ملتا ہے۔ لیکن جمہور اہل سیر نے حضرت حلیمہ کے اسلام کی صراحت کی ہے۔ ابن کثیر کا ان کی وفات قبل بعثت بتانا صحیح نہیں۔ صدر مغلطائی نے اسلام حلیمہ کے اثبات میں ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے۔ حلیمہ سعدیہ کے بعد ام ایمن نے حضور کی حفاظت وپرورش کے فرائض انجام دیئے۔ ام ایمن حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی باندی تھیں اور وہ حضور کو حضرت عبداللہ کی میراث میں حاصل ہوئی تھیں۔ (مدارج النبوۃ ج ۲)

ام ایمن

جب سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہ سعدیہ کے گھر سے مکہ مکرمہ پہونچ گئے اور اپنی والدہ ماجدہ کے پاس رہنے لگے تو حضرت ام ایمن جو آپ کے والد ماجد کی باندی تھیں۔ آپ کی خاطر داری اور خدمت گذاری میں دن رات منہمک رہتی تھیں یہی آپ کو کھانا کھلاتیں کپڑے پہناتیں اور آپ کے کپڑے بھی دھویا کرتی تھیں۔ آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ سے ان کا نکاح کر دیا تھا جن سے اسامہ بن زید پیدا ہوئے۔ (رضی اللہ عنہم)

بچپن کی ادائیں

حضرت حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ آپ کا گہوارہ فرشتوں کے ہلانے سے ہلتا تھا۔ اور آپ چاند کی طرف اپنی انگشت مبارک سے اشارہ فرماتے تو چاند آپ کی انگشت مبارک کے اشاروں پر حرکت کرتا تھا جب آپ کی زبان مبارک کھلی تو سب سے پہلے جو کلمات آپ کی زبان مبارک سے نکلے وہ یہ تھے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر الحمد للہ رب العلمین سبحان اللہ بکرۃ واصیلا۔ عام بچوں کی طرح آپ نے کبھی کبھی پیشاب پائخانہ نہیں فرمایا بلکہ ایک وقت معینہ پر رفع حاجت فرماتے تھے۔ کبھی آپ کی شرمگاہ کھل جاتی تو رو رو کر فریاد کرتے جب تک آپ کی شرمگاہ کوئی چھپا نہ دیتا اس وقت تک آپ کو چین وقرار حاصل نہیں ہوتا تھا اور جب اپنے پیروں پر چلنے کے قابل ہو گئے۔ تو باہر نکل کر اور بچوں کو کھیلتے کودتے دیکھتے مگر خود کبھی کھیل کود میں

شریک نہیں ہوئے بچے آپ کو کھیل کی طرف بلاتے تو آپ ان بچوں سے برجستہ کہتے کہ میں کھیل کود کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہوں۔ (مدارج النبوۃ ج ۲)

جذبۂ انصاف و عدالت ابتداءِ عمر ہی سے قلب مبارک میں ودیعت تھا جس کے باعث حضرت حلیمہ کے صرف ایک پستان کا دودھ پیتے اور ایک اپنے رضاعی بھائی کے لئے چھوڑ دیتے تھے۔

حضرت آمنہ کی وفات

ابن سعد اور ابن اسحاق کا بیان ہے کہ آپ چھ سال کے تھے کہ بی بی آمنہ آپ کی پرداد ی جناب عبدالمطلب کی (والدہ) کے خاندان بنی عدی بن بخار سے ملانے کے لئے آپ کو ام ایمن کے ساتھ مدینہ منورہ لے گئیں اور ایک مہینہ وہاں رہیں انھوں نے وہ مکان آپ کو دکھایا جہاں آپ کے والد ماجد جناب عبداللہ کا انتقال ہوا تھا۔ وہ جگہ دکھائی جہاں وہ مدفون ہوئے تھے۔ اس سفر کے واقعات آپ کو بعد میں اچھی طرح یاد رہے ہجرت کے بعد جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ اپنے اصحاب کو اس پہلے سفر مدینہ کے حالات سناتے تھے جو آپ نے اس چھوٹی عمر میں اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ کیا تھا۔ بنی عدی بن بخار کی گڈھی کو دیکھ کر آپ فوراً اسے پہچان گئے۔ فرمایا یہاں میں انصار کی لڑکی انیسہ کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ اور اپنے ننہال کے لڑکوں کے ساتھ یہاں اترنے والے پرندوں کو اڑایا کرتا تھا۔ دارالنابغہ کو دیکھ کر فرمایا یہاں میں اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ اترا تھا اور اسی گھر میں میرے والد کی قبر ہے۔ میں نے بنی بخار کے کنوئیں میں تیرا کی خوب مشق کر لی تھی۔

اس کے بعد جب آپ کی والدہ صاحبہ آپ کو لیکر مکہ روانہ ہوئیں تو مقام ابواء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اور وہیں وہ دفن ہوئیں ام ایمن حضور کو لے کر مکہ واپس پہنچیں

ابن سعد کا بیان ہے کہ حضور کو وہ جگہ بھی یاد تھی جہاں آپ کی والدہ ماجدہ دفن ہوئی تھیں۔ چنانچہ غزوہ حدیبیہ کے موقع پر جب آپ ابواء سے گذرے تو فرمایا۔

اللہ نے محمدؐ کو اپنی ماں کی قبر پر جانے کی اجازت دے دی ہے۔ پھر آپ وہاں تشریف لے گئے۔ قبر کو درست کیا اور بے اختیار رو دیئے آپ کو دیکھ کر مسلمان بھی رونے لگے۔ عرض کیا گیا آپ تو رونے سے منع فرماتے ہیں۔ فرمایا " ان کی ممتا یاد آ گئی۔ اور میں رو پڑا " اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر حضور کے تشریف لے جانے اور آپ کے اوپر رقت طاری ہونے کا ذکر متعدد احادیث میں بھی آیا ہے جو مسند احمد بیہقی اور طبقات ابن سعد میں حضرت بریدہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوہریرہ سے منقول ہوئی ہیں۔

کفالت عبدالمطلب

حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت ام ایمن آپ کو مکہ مکرمہ لے کر آئیں اور آپ کے جد امجد عبدالمطلب کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اور آپ کے جد امجد نے آپ کو اپنی آغوش تربیت میں لے لیا اور آپ ان کی شفقت و محبت کے زیر سایہ پروان چڑھتے رہے اور حضرت ام ایمن برابر آپ کی خدمت کرتی رہیں جب آپ کی عمر شریف آٹھ سال کی ہوئی تو آپ کے جد امجد کا بھی سایہ سر سے اٹھ گیا۔

کفالت ابو طالب

حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کو اپنی کفالت میں لے لیا اور آپ کی نیک خصلتوں اور دل لبھا دینے والی بچپن کی اداؤں نے آپ کا ایسا گرویدہ بنا دیا تھا کہ وہ آپ کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے۔ ساتھ میں کھانا کھلاتے ایک ہی جگہ بستر لگاتے
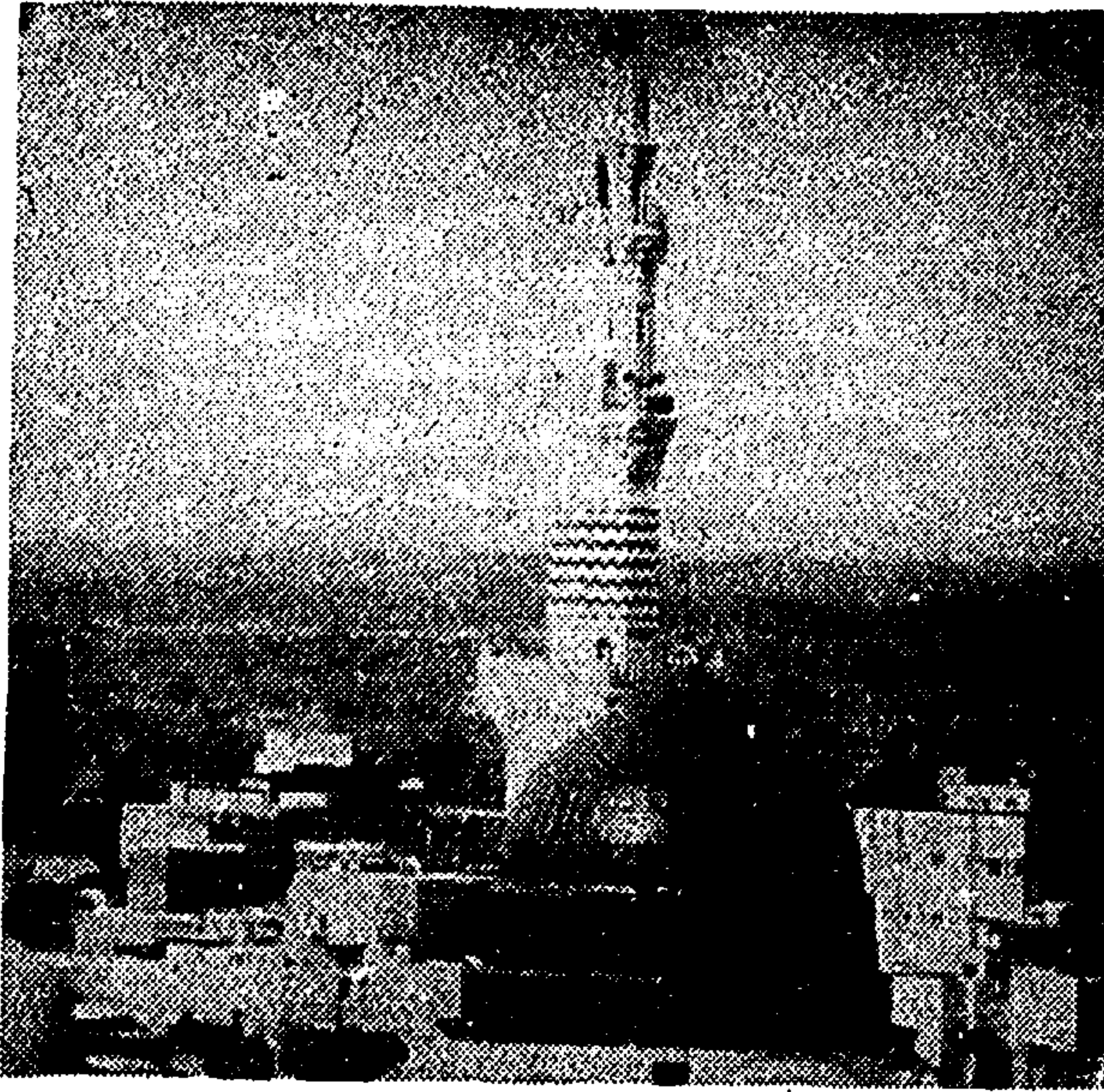
گویا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے۔

معجزۂ طفلی

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ملک عرب میں بہت بڑا قحط پڑ گیا تھا۔ اہل مکہ مکرمہ نے بتوں سے فریاد کرنے کا پورا عزم مصمم کر لیا تھا۔ ان میں سے ایک حسین وجمیل بوڑھے نے کہا۔ کہ اے اہل مکہ! ہمارے اندر ابھی ابو طالب موجود ہیں جو بانی کعبہ معظمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل پاک سے ہیں۔ ہمیں ان کی خدمت میں چل کر دعا کی درخواست کرنی چاہئے۔

چنانچہ سرداران عرب بارگاہ ابوطالب میں پہونچ کر فریادیں کرنے لگے۔ کہ اے ابو طالب! قحط سالی نے ہم لوگوں کو نڈھال کر دیا ہے۔ جانور بھوکے پیاسے مر رہے ہیں۔ اور انسان دانہ پانی نہ ملنے کی وجہ سے جاں بلب ہو چکے ہیں لہٰذا آپ بارش کے لئے دعا فرمائیے تاکہ پریشانیاں رفع ہوں۔ اہل مکہ کی فریادیں سن کر دل بھر آیا۔ آپ نے سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو خانۂ کعبہ میں لیجا کر ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا۔ اور دعا کے لئے اپنا ہاتھ دراز کیا ادھر سیدنا محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت مبارک آسمان کی طرف اٹھا کر اشارہ فرمایا تو ہر طرف سے بدلیاں نمودار ہوئیں اور اس قدر موسلا دھار بارش ہوئی کہ جدھر نگاہ اٹھتی ادھر پانی ہی پانی نظر آتا خشک زمینیں سرسبز وشاداب ہوگئیں اور قحط سالی کی پریشانیاں دور ہوگئیں اور سارا عرب خوشحال اور نہال ہوگیا۔

ابو طالب نے سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتے ہوئے اپنے قصیدہ میں کہا

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْہِہٖ
ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِلْاَرَامِلِ

ترجمہ:- اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسے گورے رنگ والے ہیں کہ ان کے رخ انور کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے یتیموں کی پناہ گاہ بیواؤں کا سہارا ہیں۔

(زرقانی علی المواہب ج ۱)

شام کا سفر

آپ کی عمر شریف جب بارہ سال کی ہوئی تو آپ نے اپنے چچا کے ساتھ شام کا سفر کیا یہ آپ کا پہلا سفر تھا اسی سفر میں بصریٰ کے اندر بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی اس نے آپ کی بہت نشانیاں توراۃ وانجیل کے مطابق آپ کے چچا ابو طالب سے بتائیں اور یہ بھی بتایا کہ ملک شام میں یہودی لوگ ان کے بہت بڑے دشمن ہیں۔ وہاں پہونچتے ہی وہ لوگ ان کو شہید کر ڈالیں گے۔ لہٰذا آپ بہت جلد ان کو لے کر مکہ واپس چلے جائیے۔ بحیرا راہب کے کہنے پر ابو طالب کو خطرہ محسوس ہوا چنانچہ وہیں اپنا مال تجارت فروخت کر کے سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہمراہ لے کر واپس آ گئے۔ رخصت ہوتے وقت راہب نے کچھ توشہ بھی دیا تھا۔

(ترمذی شریف، باب ماجاء فی بدء نبوتہ صلی اللہ علیہ وسلم)

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

غیب کی خبریں دینے والے

سید نور محمد قادری

۱۰ر جنوری ۱۹۳۸ء کا دن ہے شدید سردی میں ڈاکٹر محمد اقبال کے ہاں علمی محفل جمی ہوئی ہے۔ شریک محفل ہیں جناب محمد اسلم جیراجپوری، جناب غلام احمد پرویز قاضی محمد اشرف جناب سید نذیر نیازی صاحب اور دیگر احباب۔ مختلف علمی، دینی اور عصری مسائل زیر بحث ہیں ڈاکٹر صاحب اپنے زرّیں خیالات و افکار سے حاضرین کو مستفیض فرما رہے ہیں۔ باتوں باتوں میں "نبی اور شعور نبوت" کا نازک موضوع چھڑ جاتا ہے۔ حضرت اقبال اپنے اس پسندیدہ اور محبوب موضوع پر اپنے ارشاداتِ عالیہ کو تفصیل سے پیش کرتے ہیں۔

حاضرینِ محفل میں سے سید نذیر نیازی صاحب اور غلام احمد پرویز صاحب اُسی دن رات کو اس علمی محفل کی مفصل روداد اپنی اپنی ڈائریوں میں قلم بند کر لیتے ہیں۔ نیازی صاحب کی اُس دن کی ڈائری ان کی مایہ ناز تالیف "اقبال کے حضور" کے ۳۳ صفحات (صفحہ ۳۶ تا ۶۸) پر پھیلی ہوئی ہے۔ "نبی اور شعورِ نبوت" کے موضوع پر اُس کا ایک اقتباس نیازی صاحب کی ڈائری سے درج ذیل ہے۔

> "شعورِ نبوت کو تو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں زمانے کی ساری وسعتیں سمٹ کر ایک نقطے پر آجاتی ہیں۔ ماضی، حال، اور مستقبل کا امتیاز قائم نہیں رہتا۔ لہٰذا ہمارے لئے جو بات آنے والی ہوتی ہے۔ شعورِ نبوت کو پہلے ہی سے اُس کا علم ہوتا ہے اس طرح جیسے کہ اس کا ظہور ہولیتا ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ہر حقیقت اور ہر صداقت کو اپنے سامنے عیاں دیکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے وحی الٰہی میں اُن کے یقین کامل کی۔ لہٰذا جس علم کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے اس میں یقین ہی یقین ہو گا۔ اُس کے برعکس عقل اور فکر کی دنیا کہ ہم اس میں قدم بہ قدم آگے بڑھتے ہیں اس میں اثبات ہو گا۔ اُس کے برعکس عقل اور فکر کی دنیا کہ ہم اس میں قدم بہ قدم آگے بڑھتے ہیں اس میں اثبات کے ساتھ نفی اور یقین کے ساتھ ظن کا پہلو قائم رہتا ہے۔ فلسفہ نام ہے انسان کی دماغی کاوشوں کا لیکن یہ کاوشیں آخر انسانی ہیں۔ ان میں یقین کا رنگ پیدا نہیں ہو سکتا بالخصوص وہ یقین

جسے ہم علم الیقین حق الیقین اور عین الیقین سے
تعبیر کرتے ہیں۔ فکر میں یقین کا رنگ پیدا ہوگا تو
وحی الٰہی کی بدولت کہ اُس کی رہنمائی میں آگے بڑھے"

غلام احمد پرویز صاحب نے اپنی ڈائری میں اس
موضوع پر حضرت اقبال کے جو خیالات درج کئے ہیں وہ سید نذیر نیازی
صاحب کی پیش کردہ روایت سے پوری طرح مطابقت رکھتے ہیں
ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

"رسول کی تعریف (DEFINATION) کے متعلق
فرمایا کہ ایک رسول میں اللہ کی طرف سے یہ شعور پیدا کر دیا
جاتا ہے کہ وہ امتداد زمانہ (LENGTH OF TIME)
کو سمیٹ کر ایک حال کے اندر مرتکز کرے لہذا جو
باتیں دوسروں کے نزدیک دو ہزار برس بعد میں
آنے والی ہوتی ہیں وہ رسول کے زمانہ مستقبل کی
نہیں بلکہ حال کی ہوتی ہیں اس لئے وہ اپنی وحی
میں اس قدر محکم یقین رکھتا ہے کہ اُس کی سچائیاں
اُس کی آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں۔ وہ اُن کا مشاہدہ
کرتا رہتا ہے۔ اس لئے اُس کے دل میں شک و ریب
کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا" (ماہنامہ "طلوع اسلام"
لاہور اپریل ۱۹۶۱ء صفحہ ۳۲)

دیکھا آپ نے نیازی صاحب اور پرویز صاحب
کی روایتیں ایک دوسرے کی تصدیق کر رہی ہیں۔ نبی کی ذات
کو چوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی بصیرت و قوت عطا
ہوتی ہے کہ امتداد زمانہ اُس کے سامنے سمٹ کر "حال" کی شکل
اختیار کر لیتا ہے۔ نبی کے ہاں ماضی اور مستقبل نہیں بلکہ صرف "حال"
ہے۔ ماضی اور مستقبل اسی "حال" میں شامل ہیں۔ یا دوسرے
لفظوں میں جو بات آج سے ہزاروں سال پہلے ہو چکی یا ہزاروں
سال بعد ہونے والی ہے۔ نبی کے سامنے وہ اس طرح موجود ہے کہ گویا
ابھی ظہور میں آ رہی ہے۔ یعنی وہاں صرف شہادت کی اصطلاح ہی
استعمال ہو سکتی ہے "غیب" کا گزر نہیں۔

(۲)

آگے جانے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم عالم غیب
عالم شہادت کے بارے میں کچھ جان لیں اس موضوع پر ہم
نیاز فتحپوری صاحب کی ایک تحریر سے چند اقتباسات پیش
کرتے ہیں جن میں نبی۔ نبوت عالم غیب اور عالم شہادت پر
بحث کی گئی ہے ملاحظہ ہو۔

(۱) "لفظ غیب یا غائب لغوی معنی میں ہر اُس امر
کو کہتے ہیں جو مستور ہو آنکھوں سے نظر نہ آئے
اور جس کا ہم زمان و مکان متعین نہ کر سکیں
چنانچہ جب کوئی آواز کسی ایسے مقام سے آتی
ہے جس کا پتہ نہیں چلتا یا نظر نہیں آتا تو عربی
زبان میں اُس کو اس طرح ادا کرتے ہیں۔

"سمعت الصلوات من وراء الغیب"

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس لفظ کا استعمال
لغوی معنی سے ہٹ کر تو نہیں ہوا۔ قرآن میں متعدد
جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ سب سے پہلے تو
سورۂ بقرہ کی بالکل ابتدا میں "یومنون
بالغیب" نظر آتا ہے بعض مفسرین نے
اس آیت میں غیب کے جو یہ معنی لکھے ہیں کہ "آنکھ
بند کر کے ایمان لاتے ہیں" ان سے مجھے اختلاف
ہے اس کا جو مفہوم عبداللہ بن عباس نے ظاہر
کیا ہے وہی درست معلوم ہوتا ہے انھوں نے
لکھا ہے "الغیب ھو اللہ" یعنی غیب سے
مراد خدا کی ذات ہے چونکہ خدا کی ذات مستور
ہے اور نظر نہیں آتی اس لئے اس کو لفظ غیب
یا غائب سے تعبیر کرنا بالکل لغوی معنی کے لحاظ
سے ہے جس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

سورۂ آل عمران میں جناب مریم کو اُن کی
تطہیر و پاکیزگی کا یقین دلاتے ہوئے اطاعت و
عبادت کی ہدایت کی گئی تو اُس کے ساتھ ارشاد
ہوا۔ "ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیک"
یعنی غیب کی خبریں ہیں جو ہم تجھے بتاتے ہیں۔ یہاں
غیب کے معنی خواہ خدا کے لیجئے یا محض عالم مستور

کے (جو عالم شہادت کی ضد ہے) کوئی فرق نہیں آتا اور وہی لغوی معنی بدستور قائم رہتے ہیں"

(ب) "دو مقام پر صاف صاف علم غیب کے متعلق اظہار حقیقت کیا گیا ہے سورۂ انعام میں ارشاد ہوتا ہے "وعندہٗ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو" یعنی خدا کے پاس غیب کے خزانے یا کنجیاں ہیں جن کو سوائے اُس کے کوئی نہیں جانتا۔

دوسری جگہ سورۂ جن میں مرقوم ہے

عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہٖ احداً الا من ارتضیٰ من رسول"

یعنی وہ عالم الغیب (خدا) اپنا بھید کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر اُس پر جسے وہ رسالت کے لئے چن لے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ انعام اور سورۂ جن کی آیتیں متعارض ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ سورۂ انعام میں جو حقیقت ظاہر کی گئی ہے وہ اپنی جگہ بالکل درست ہے یعنی یہ کہ رموز غیب کا جاننے والا صرف خدا ہے اور سورہ جن میں ارشاد ہوتا ہے کہ ان رموز کو وہ اپنے رسولوں پر ظاہر کر دیتا ہے اس طرح سورۂ جن سے گویا یہ امر روشن ہو گیا ہے کہ خدا رسولوں کو علم غیب عطا کرتا ہے"

(ج) "عالم غیب اور عالم شہادت دو عالم مانے جاتے ہیں عالم شہادت تو وہ جو ہماری نگاہوں کے سامنے ہے یا جس کا ہم کو علم ہو چکا ہے اور عالم غیب وہ جو ہماری نگاہ اور ہمارے حواس و ادراک سے پوشیدہ ہے اور یہ امر کسی سے مخفی نہیں کہ عالم شہادت بہ نسبت عالم غیب کے نہایت مختصر ہے انسانی معلومات کا نقص اور اس کی تنگی ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ جو کچھ انسان کو معلوم ہے اور جن کا وہ اپنے آپ کو محقق سمجھتا ہے وہ بھی اُسے اچھی طرح معلوم نہیں چہ جائیکہ تمام کائنات اور رموز کائنات و آفرینش سے آگاہ ہو جانا الغرض انسان کے سامنے جو کچھ ہے وہ عالم غیب کا نہایت ہی حقیر و مختصر سا حصہ ہے جس کا علم اُسے حاصل ہو گیا ہے اور جس کو ہم عالم شہادت کہتے ہیں وہ بھی کسی وقت عالم غیب ہی میں شامل تھا۔

علوم حاضرہ کی تمام تحقیقات فنون جدیدہ کی تمام معلومات کسی وقت عالم غیب ہی میں داخل تھیں۔ جو بعد کو عالم شہادت میں داخل ہوئیں علم الکیمیا کے تمام نظریے۔ علم طبقات الارض کے تمام انکشافات، طبیعات کے جملہ مسائل الغرض اُس وقت کی تمام معلومات سب عالم غیب سے متعلق تھے جو اب عالم شہادت میں آگئے ہیں اور نہیں کہا جا سکتا کہ اور کون سے غیب کے خزانے ہیں جو آئندہ انسان کو عطا ہونے والے ہیں اس لئے یہ کہنا کہ غیب کا علم رسول کو نہیں تھا اس لحاظ سے تو صحیح ہے کہ کلی علم کسی انسان کو حاصل ہی نہیں ہو سکتا لیکن جزئی علم انسان کو حاصل ہے چہ جائیکہ انبیاء و رسول بہر نوع زیادہ مکمل انسان تھے" (ماہنامہ نگار لکھنؤ "تنقیح اسلام نمبر" صفحات ۱۲۹، ۱۳۰)

(۳)

چونکہ نبی و رسول کے لئے امتداد زمانہ سمٹ کر حال بن جاتا ہے اس لئے اُس کا ایمان۔ ایمان بالغیب نہیں بلکہ ایمان بالمشاہدہ ہوتا ہے۔ امتیوں کے اعمال و افعال ہر وقت اُس کے مشاہدے میں ہوتے ہیں وہ اُن کے اعمال و افعال کا صرف شاہد ہی نہیں بلکہ "حفیظ" بھی ہوتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک خط بنام خانخاناں تحریر فرماتے ہیں

"وبا چندیں اختلافات وکثرتِ مذاہب کہ در علماءِ
امت ست یک کس رادریں مسئلہ خلافے نیست
کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحقیقتِ حیات بے
شائبۂ مجاز وتوہم وتاویل دائم وباقیست وبراعمالِ
اُمت حاضر وناظر ومرطالبانِ حقیقت راو متوجہاں
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مفیض ومربی
است" (اخبار الاخیار حاشیہ صفحہ ۲)

ترجمہ ۔ علماء میں اس قدر اختلافات وکثرتِ مذاہب ہے بایں ہمہ کسی ایک کو اس مسئلہ میں ذرا بھی اختلاف نہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلا شائبۂ مجاز وتوہم وتاویل حیات حقیقہ کے ساتھ دائم وباقی ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر وناضر ہیں اور طالبانِ حقیقت کو اور متوسلانِ بارگاہِ نبوت کو فیض پہنچانے والے اور اُن کی تربیت فرمانے والے ہیں"

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آیہ "ویکون الرسول علیکم شھیدا" کے ضمن میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"ویکون الرسول علیکم شھیدا۔ یعنی
باشد رسول شما بر شما گواہ زیراکہ او مطلع است
بنورِ نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام
درجہ از دینِ من رسیدہ وحقیقتِ ایمانِ
او چیست وحجاب کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ
است کدام است۔ پس او می شناسد گناہانِ شمارا
ودرجاتِ ایمان شمارا واعمال نیک وبد شمارا
واخلاص ونفاقِ شمارا"

(تفسیر عزیزی پارہ اول صفحہ ۵۱۸)

مصنف تفسیر "روح البیان" علامہ حقی
قدس سرہٗ کا ارشاد ہے کہ

ومعنی شھادۃ الرسول علیھم اطلاعہ
علی رتبۃ کل متدین بدینہ والحقیقۃ
التی ھو علیھا من دینہ وحجابہ
الذی ھو بہ محجوب عن کمال دینہ
فھو یعرف ذنوبھم وحقیقۃ
ایمانھم واعمالھم وحسناتھم
وسیئاتھم واخلاصھم ونفاقھم
وغیر ذالک بنور ھم"

ترجمہ ۔ "اُن پر رسول گواہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطلع ہیں اپنے دین کے ہر متدین کے رتبہ پر اور اُس حجاب پر کہ جس کے سبب سے وہ کمالِ دین سے محجوب ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گناہوں کو اور اُن کے ایمان کی حقیقت کو اور اُن کے اعمال کو اور اُن کی نیکیوں اور برائیوں کو اور اُن کے اخلاص و نفاق وغیرہ کو نورِ نبوت سے پہچانتے ہیں"۔

ہمارے بزرگوں نے نبوت کے جو معنی بیان کئے ہیں وہ صرف اصطلاحاً ہی نہیں بلکہ قرآن وحدیث کی رو سے صحیح ہیں۔ چند آیات واحادیث ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ذلک من انباء الغیب نوحیہ الیک
(آل عمران)

۲۔ وما ھو علی الغیب بضنین (تکویر)

یاد رہے کہ علم غیب کلی یا ذاتی صرف ذاتِ باری تعالیٰ سے مخصوص ہے۔ رسولوں کو وہ اپنے فضل وکرم سے اپنے "غیبیہ" کے خزانوں سے نوازتا ہے۔ پھر رسول خاص خاص موقعوں پر اپنے متبعین کو بھی اس علم سے مستفیض فرماتے رہتے ہیں۔

حضرت ابوزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں وعظ فرمایا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہوگیا۔ آپ منبر سے اُتر آئے اور نماز پڑھی۔ پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں وعظ فرمایا یہاں تک کہ عصر کا وقت ہوگیا۔ پھر اُتر آئے اور نماز پڑھی۔ پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں وعظ فرمایا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔ آپ نے ہم کو جو کچھ واقع ہوچکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے سب کی خبر دی ہم میں سے جو زیادہ یاد رکھنے والا ہے وہ زیادہ عالم ہے۔ (صحیح مسلم)

(۴)

اقبال کا ایمان وعقیدہ تھا کہ "رسول براعمال وافعالِ امت حاضر وناظر است"، وہ اس عقیدہ کے یہاں تک پابند تھے کہ سرورِ

کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو "چشم او بینندۂ مافی الصدور" اور رازدانِ جزو وکل" تک سمجھتے اور مانتے تھے اُن کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم افعالِ اُمت کے صرف شاہد ہی نہیں بلکہ "شاہد صادق ترین ہیں" ؎

اے فروغت صبحِ اعصار و دہور
چشمِ تو بینندۂ ما فی الصدور
ہمچناں آں رازدانِ جزو و کل
گردِ پایش سرمۂ چشمِ رسل
شاہد حالش نبی انس و جاں
شاہدے صادق ترین شاہداں

چونکہ اقبال کے ایمان کے مطابق اُن کا کوئی فعل بلکہ جہاں تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ نبوت سے پوشیدہ نہیں۔ اس لئے وہ ذاتِ باری تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں۔ ؎

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روز محشر عذر ہائے من پذیر
ور اگر بینی حسابم نا گزیر
از نگاہِ مصطفےٰ پنہاں بگیر

ان کا عقیدہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور اب بھی اُن کی صحبت بابرکت سے اسی طرح فیض اُٹھایا جا سکتا ہے جس طرح کہ اُن کی زندگی میں۔ وہ اپنے ایک عزیز دوست خان نیاز الدین خاں صاحب کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مبارک ہو اس زمانے میں یہ بڑی سعادت کی بات ہے قرآن شریف کثرت سے پڑھنا چاہیئے تاکہ قلب محمدی نسبت پیدا کرے اس نسبت محمدیّہ کی تولید کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کے معنی بھی آتے ہوں۔ خلوص و محبت کے ساتھ محض قرآت کافی ہے میرا عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی اُن کی صحبت سے اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ ہوا کرتے تھے لیکن اس زمانہ میں تو اس قسم کے عقائد کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہوگا اس واسطے خاموش رہتا ہوں۔ (مکاتب اقبال)

(۵)

خواجۂ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور "بیاکان اِمت" کے استغاثے بہت مشہور و مقبول ہیں ان استغاثوں کو حل مشکلات کے لئے اکسیر سمجھا جاتا ہے۔ جب بھی کوئی امتی کسی مالی، جسمانی یا روحانی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ ان استغاثوں کو صدقِ دل سے اپنے آقا و مولیٰ کے حضور پیش کرتا ہے۔ اور اللہ اور اُس کے رسول کے فضل و کرم سے اُس کی تکالیف و مصائب دور ہو جاتے ہیں۔ پاک و ہند میں مولانا جامیؒ۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور ڈاکٹر اقبال کے استغاثے بہت مقبول اور زبان زدِ خاص و عام ہیں یہاں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیئے کہ استغاثہ اسی کے حضور پیش کیا جاتا ہے جس کو شاہد ہونے کے ساتھ ساتھ رؤف و رحیم اور حیّ و ابدی بھی سمجھا جائے۔

اقبال جب بھی کسی ذہنی و جسمانی تکلیف میں مبتلا ہوتے تو فوراً بارگاہ رسالت میں اپنی تکلیف کو پیش کرتے ۱۹۲۰ء میں ایک شخص (عرشی امرتسری) نے اپنی تحریر سے اس عاشقِ رسول کے قلب و جگر کو مجروح کیا تو انھوں نے درد و سوز سے بھرپور استغاثہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا اور طلبگارِ رحمت و رافت ہوئے۔ چنانچہ خان نیاز الدین خاں صاحب کو تحریر فرماتے ہیں۔

"میں نے نبی کریم کو مخاطب کر کے ایک فارسی قصیدہ لکھنا شروع کیا ہے خدا کرے کہ یہ جلد ختم ہو جائے۔ عرشی امرتسری نے چند شعر لکھ کر میرے زخم کو چھیڑ دیا۔ اُن کا معمولی جواب تو میں نے زمیندار میں شائع کرا دیا تھا جو آپ کی نظر سے گزرا ہوگا۔ ابھی چند اشعار ہی لکھے گئے ہیں۔ مگر اُن کے لکھتے وقت قلب کی جو حالت ہوئی اس سے پہلے عمر بھر کبھی نہ ہوئی تھی دو شعر لکھتا ہوں۔

؎ بہر نذرِ آستانت از عجم آوردہ ام
سجدۂ شوقے کہ خوں گردید در سیمائے من
تیغ لا در پنجۂ ایں کافرِ دیرینہ دہ
باز بنگر در جہاں ہنگامۂ الائے من "

۱۹۳۶ء میں اقبال شدید جسمانی تکلیف میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ دربارِ رسالت میں باسٹھ اشعار پر مشتمل استغاثہ پیش کرتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

اے تو ما بیچارگان را ساز و برگ
وارہاں ایں قوم را از ترس و مرگ
ذکرِ تو سرمایۂ ذوق و سرور
قوم را دارد بہ فقر اندر غیور
شہسوارا! یک نفس در کش عناں
حرفِ من آساں نیاید بر زباں
آرزو آید کہ ناید تا بہ لب
می نہ گردد شوق محکومِ ادب
گردِ تو گردد حریمِ کائنات
از تو خواہم یک نگاہِ التفات

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی
کشتی و دریا و طوفانم توئی
لغمۂ من در گلوئے من شکست
شعلۂ از سینہ ام بیروں نرفت
در نفس سوزِ جگر باقی نماند
لطفِ قرآنِ سحر باقی نماند
نالۂ کو نہ گنجد در ضمیر
تا کجا در سینہ ام ماند اسیر
یک فضائے بیکراں می بایدش
وسعت نہ آسماں می بایدش
آہ زاں دردے کہ در جان و تن است
گوشۂ چشمِ تو داروئے من است
چوں بصیری از توی خواہم کشود
تا بمن باز آید آں روزے کہ بود
مہرِ تو بر عاصیاں افزوں تر است
در خطا بخشی چو مہرِ مادر است

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم
بحیثیت
شفیع المذنبین

صلاح الدین نظام

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز سے سوال کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شفیع ہونا کس حدیث سے ثابت ہے؟ جس کے جواب میں امام اہلسنت نے فرمایا: سبحان اللہ ایسے سوال سن کر کتنا تعجب ہوتا ہے کہ مسلمان و مدعیانِ سنیت اور ایسے دافع عقائد میں تشکیک کی آفت یہ بھی قرب قیامت کی نشانی ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

احادیثِ شفاعت بھی ایسی چیز ہیں جو چھپ سکیں؟ بیسیوں صحابہ، صدہا تابعین، ہزارہا محدثین، ان کے راوی، حدیث کی ہر گونہ کتابیں صحاح، سنن، مسانید، معاجم، جوامع۔ مصنفات ان سے مالامال۔ اہلسنت کا ہر متنفس یہاں تک کہ زنانِ اطفال بلکہ دہقانی جہال بھی اس عقیدے سے آگاہ، خدا کا دیدار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ایک ایک کی زبان پر جاری صلی اللہ علیہ وسلم وبارك وشرّف ومجّد وكرّم۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اپنے رسالہ السمع والطاعة لاحاديث الشفاعة میں بہت کثرت سے ان احادیث کی جمع و تلخیص کی ہے یہاں بقصد اختصار ان کے دوسرے رسالہ اسماع الاربعين فی شفاعة سيد المحبوبين کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے جس میں انھوں نے پانچ آیات اور چالیس احادیث سے شفاعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت فراہم کیا ہے اور یہ چالیس احادیث وہ ہیں جن کے متعلق خود فرماتے ہیں کہ عوام کے کان ان سے کم ہی آشنا ہوں گے اس لحاظ سے یہ مجموعہ کافی اہمیت کا حامل ہے۔

آیاتِ قرآنی

آیت ۱: عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔

ترجمہ:۔ قریب ہے کہ تیرا رب تجھے مقام محمود میں بھیجے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی مقام محمود کیا چیز ہے؟ فرمایا: هُوَ الشَّفَاعَة یعنی وہ شفاعت ہے۔

آیت ۲: وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ ترجمہ:۔ اور قریب تر ہے تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔ جب اس آیت کریمہ کا نزول ہوا تو حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذًا لَّا اَرْضٰى وَوَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِیْ فِی النَّار۔ (ترجمہ) جب اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی کر دینے کا وعدہ فرماتا ہے تو میں راضی نہ ہوں گا اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہا۔

مسند الفردوس دیلمی بروایت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہا

حضور پُرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"میں اپنی امت کی سفارش کروں گا یہاں تک کہ میرا رب فرمائے گا۔ اے محمد تو راضی ہوا؟ میں عرض کروں گا اے میرے رب میں راضی ہوا۔"

(معجم اوسط طبرانی، مسند بزار بروایت علی کرم اللہ وجہہ)

آیت ۳ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔
اس آیت مقدس میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو حکم دیتا ہے کہ مسلمان مردوں عورتوں کے گناہ مجھ سے بخشواؤ۔ اور شفاعت کس چیز کا نام ہے؟۔

آیت ۴ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ ترجمہ:۔ اور وہ جب اپنی جانوں پر ظلم کریں اور تیرے پاس حاضر ہوں پھر خدا سے استغفار کریں اور رسول بھی ان کی بخشش مانگے تو بے شک اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے اگر گناہ ہو جائے تو اس کی سرکار میں حاضر ہو اور اس سے درخواست شفاعت کرو۔ محبوب تمہاری شفاعت فرمائیں گے تو ہم یقیناً تمہارے گناہ بخش دیں گے۔

آیت ۵ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ۔ ترجمہ:۔ جب ان منافقوں سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ تمہاری مغفرت مانگیں تو اپنے سر پھیر لیں۔
اس آیت میں منافقوں کا حال بد مآل ارشاد ہوا کہ وہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت نہیں چاہتے۔ پھر جو آج نہیں چاہتے وہ کل نہ پائیں گے اور جو کل نہ پائیں گے وہ "کل" نہ پائیں گے ـــــ اللہ دنیا و آخرت میں ان کی شفاعت سے ہمیں بہرہ ور فرمائے۔ آمین ؎

حشر میں ہم بھی سیر دیکھیں گے — منکر آج ان سے التجا نہ کرے

احادیث

شفاعت کبریٰ کی حدیثیں جن میں صاف صریح ارشاد ہوا کہ عرصاتِ محشر میں وہ طویل دن ہوگا کہ کاٹے نہ کٹے گا۔ سروں پر آفتاب اور دوزخ نزدیک اس دن سورج میں دس برس کامل کی گرمی جمع کریں گے اور سروں سے کچھ فاصلے پر لاکر رکھیں گے۔ پیاس کی وہ شدت کہ خدا نہ دکھائے۔ گرمی وہ قیامت کی کہ اللہ بچائے بانسوں پسینہ زمین میں جذب ہو کر اوپر چڑھے گا، یہاں تک کہ گلے سے بھی اونچا ہوگا۔ جہاز چھوڑیں تو بہنے لگیں۔ لوگ اس میں غوطے کھائیں گے۔ گھبرا گھبرا کر دل حلق تک آجائیں گے۔ لوگ ان عظیم آفتوں سے تنگ آکر شفیع کی تلاش میں جابجا پھریں گے۔ آدم و نوح، خلیل و کلیم، و مسیح علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے پاس حاضر ہو کر جواب صاف سنیں گے۔ سب انبیاء یہ فرمائیں گے ہمارا یہ مرتبہ نہیں۔ ہم اس لائق نہیں، ہم سے یہ کام نہ نکلے گا۔ نفسی نفسی، تم اور کسی کے پاس جاؤ۔ یہاں تک کہ سب کے بعد حضور پر نور خاتم النبیین سید الاولین والآخرین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اَنَا لَهَا اَنَا لَهَا فرمائیں گے یعنی میں ہوں شفاعت کیلئے میں ہوں شفاعت کیلئے۔ پھر اپنے رب کریم جل جلالہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سجدہ فرمائیں گے۔
ان کا رب تبارک و تعالیٰ ارشاد فرمائے گا يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور عرض کرو تمہاری بات سنی جائے گی اور مانگو کہ تمہیں عطا ہوگا۔ اور شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول ہے۔

یہی مقام محمود ہوگا جہاں تمام اولین و آخرین میں حضور کی تعریف و حمد و ثنا کا غل پڑ جائے گا اور موافق و مخالف سب پر کھل جائے گا کہ بارگاہِ الٰہی میں جو وجاہت ہمارے آقا کی ہے کسی کی نہیں۔ اور ملک عظیم جل جلالہ کے یہاں جو عظمت ہمارے مولیٰ کے لئے ہے کسی کے لئے نہیں۔ والحمد للہ رب العلمین اسی کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ کاملہ کے مطابق لوگوں کے دلوں میں ڈالے گا کہ پہلے اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاس جائیں اور وہاں سے محروم پھر کر ان کی خدمت اقدس میں حاضر آئیں تاکہ سب جان لیں کہ منصب شفاعت اسی سرکار کا خاصہ ہے دوسرے کی مجال نہیں کہ اس کا دروازہ کھول سکے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

یہ حدیثیں صحیح بخاری و مسلم تمام کتابوں میں مذکور اور اہل اسلام میں معروف و مشہور ہیں۔ ذکر کی حاجت نہیں کہ بہت طویل ہیں۔ شک ہو تو مشکوٰۃ شریف کا اردو ترجمہ منگا کر دیکھ لے یا کسی مسلمان سے کہے کہ پڑھ کر سنائے۔

اور انہیں حدیثوں کے آخر میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ

شفاعت کرنے کے بعد حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم بخشش گناہگاراں کے لئے بار بار شفاعت فرمائیں گے۔ اور ہر دفعہ اللہ تعالیٰ وہی کلمات فرمائے گا اور حضور ہر مرتبہ بے شمار بندگانِ خدا کو نجات بخشیں گے۔ میں ان مشہور حدیثوں کے سوا ایک "اربعین" یعنی چالیس حدیثیں اور لکھتا ہوں جو گوش عوام تک کم پہنچی ہوں۔ جن سے مسلمان کا ایمان ترقی پائے اور منکر کا دل آتشِ غیظ میں جل جائے۔ بالخصوص جن سے اس ناپاک تحریف کا رد شریف ہو جو بعض بددینوں، خدا ناترسوں، ناحق کوشوں، باطل کیشوں نے معنی شفاعت میں کیں اور انکار شفاعت کا چہرہ نجس چھپانے کے لئے ایک جھوٹی صورت نام کی شفاعت دل سے گڑھی۔ ان حدیثوں سے واضح ہوگا کہ ہمارے آقائے اعظم صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کے لئے متعین ہیں۔ انھیں کی سرکار بےکس پناہ ہے۔ انھیں کے در سے بے یاروں کا نباہ ہے نہ جس طرح ایک بدمذہب کہتا ہے کہ جس کو چاہے گا اپنے حکم سے شفیع بنا دے گا۔

یہ حدیثیں ظاہر کریں گی کہ ہمیں خدا و رسول نے کان کھول کر شفیع کا پیارا نام بتادیا اور صاف فرمایا کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نہ یہ بات گول رکھی ہو۔ جیسے ایک بدبخت کہتا ہے کہ اسی کے اختیار پر چھوڑ دیجئے جس کو وہ چاہے ہمارا شفیع کردے۔

یہ حدیثیں مژدہ جانفزا دیں گی کہ حضور کی شفاعت نہ اس کے لئے جس سے اتفاقاً گناہ ہوگیا ہو اور وہ اس پر ہر وقت نادم و پشیماں و ترساں و لرزاں ہے جس طرح ایک درد باطن کہتا ہے کہ "چور پر تو چوری ثابت ہوگئی مگر وہ ہمیشہ کا چور نہیں اور چوری کو اس نے کچھ اپنا پیشہ نہیں ٹھہرایا۔ مگر نفس کی شامت سے قصور ہوگیا سو اس پر شرمندہ ہے اور رات دن ڈرتا ہے۔ نہیں نہیں، ان کے رب کی قسم جس نے انھیں شفیع المذنبین کیا۔ ان کی شفاعت ہم جیسے روسیاہوں، پرگناہوں، سیہ کاروں، ستم گاروں کے لئے جن کا بال بال گناہ میں بندھا ہے، جن کے نام سے گناہ بھی ننگ و عار رکھتا ہے۔

ع ترسم آلودہ شود دامنِ عصیاں از من

حدیث ۱، ۲

حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ یا تو شفاعت لو یا یہ کہ تمہاری آدھی امت جنت میں جائے۔ میں نے شفاعت لی کہ وہ زیادہ تام اور زیادہ کام آنے والی ہے۔ کیا تم یہ سمجھ گئے ہو کہ میری شفاعت پاکیزہ مسلمانوں کے لئے ہے، نہیں بلکہ ان گناہگاروں کے لئے ہے جو گناہوں میں آلودہ اور سخت کار ہیں۔ (مسند امام احمد بروایت عبد اللہ بن عمر، ابن ماجہ بروایت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم) (نوٹ) اگر ایک ہی حدیث کے راوی دو صحابی ہوں تو محدثین اسے دو شمار کرتے ہیں۔ زیادہ ہوں تو زیادہ ۱۲ صلاح الدین)۔

حدیث ۳

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں؛

شَفَاعَتِیْ لِلْهَالِکِیْنَ مِنْ اُمَّتِیْ یعنی میری شفاعت میرے ان امتیوں کے لئے ہے جنھیں گناہوں نے ہلاک کر ڈالا۔ (حق ہے اے شفیع میرے میں قربان تیرے صلی اللہ علیک۔ ابن عدی بروایت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا)

حدیث ۴ تا ۸

حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ۔ یعنی میری شفاعت میری امت میں ان لوگوں کے لئے ہے جو کبیرہ گناہ والے ہیں۔ (ابوداؤد و ترمذی و ابن حبان و حاکم و بیہقی بافادہ تصحیح بروایت حضرت انس[1] بن مالک اور ترمذی و ابن حبان و حاکم بروایت حضرت جابر[2] بن عبد اللہ اور طبرانی در معجم کبیر بروایت عبد اللہ[3] بن عباس اور خطیب بغدادی بروایت عبد اللہ بن عمر فاروق و حضرت کعب[4] بن عجرہ رضی اللہ عنہم)

حدیث ۹

حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الذُّنُوْبِ مِنْ اُمَّتِیْ۔ یعنی میری شفاعت میرے گنہگار امتیوں کے لئے ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ۔ اگرچہ زانی ہو اگرچہ چور ہو۔ حضور نے فرمایا: وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی الدرداء اگرچہ زانی

ہو اگرچہ چور ہو، برخلاف خواہش ابو درداء کے۔ (ابو بکر احمد بن علی بغدادی بروایت حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حدیث ۱۰، ۱۱

حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ روئے زمین پر جتنے پیڑ، پتھر، ڈھیلے ہیں، میں قیامت میں ان سب سے زیادہ آدمیوں کی شفاعت فرماؤں گا۔ (طبرانی و بیہقی بروایت بریدہ اور طبرانی در معجم اوسط بروایت انس رضی اللہ عنہ)

حدیث ۱۲

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میری شفاعت ہر کلمہ گو کے لئے ہے جو سچے دل سے کلمہ پڑھے کہ زبان کی تصدیق دل کرتا ہو۔ (بخاری، مسلم، حاکم، بیہقی بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)

حدیث ۱۳

حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، شفاعت میں امت کے لئے زیادہ وسعت ہے کہ وہ ہر شخص کے واسطے ہے جس کا خاتمہ ایمان پر ہو۔ (احمد، طبرانی و بزار بروایت حضرت معاذ بن جبل و حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم)

حدیث ۱۴

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں جہنم کا دروازہ کھلوا کر تشریف لے جاؤں گا وہاں خدا کی تعریفیں کروں گا ایسی کہ نہ مجھ سے پہلے کسی نے کی اور نہ میرے بعد کوئی کرے۔ پھر دوزخ سے ہر اس شخص کو نکال لوں گا جس نے خالص دل سے "لا الٰہ الا اللہ" کہا۔ (طبرانی در معجم اوسط بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)

حدیث ۱۵

حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام کے لئے سونے کے منبر بچھائے جائیں گے وہ ان پر بیٹھیں گے اور میرا منبر باقی رہے گا کہ میں اس پر جلوس نہ فرماؤں گا بلکہ اپنے رب کے حضور سربوقد کھڑا رہوں گا اس ڈر سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے جنت میں بھیج دے اور میری امت میرے بعد رہ جائے۔ پھر عرض کروں گا اے رب میرے! میری امت! میری امت! اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے محمد تیری مرضی کیا ہے، میں تیری امت کے ساتھ کیا کروں؟ عرض کروں گا اے میرے رب ان کا حساب جلد فرما دے پس میں شفاعت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ مجھے رہائی کی چٹھیاں ملیں گی جنھیں دوزخ بھیج چکے تھے یہاں تک کہ مالک داروغہ دوزخ عرض کرے گا۔ اے محمد آپ نے اپنی امت میں رب کا غضب نام کو نہ چھوڑا۔ (حاکم بافادہ تصحیح اور طبرانی و بیہقی بروایت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

حدیث ۱۶ تا ۲۱

حضور شفیع المذنبین فرماتے ہیں: میں شفیع مقرر کر دیا گیا اور شفاعت خاص مجھی کو عطا ہوگی میرے سوا کسی کو یہ منصب نہ ملا۔ (بخاری، مسلم و نسائی بروایت حضرت جابر بن عبد اللہ اور احمد بسند حسن اور بخاری تاریخ میں اور بزار، طبرانی و بیہقی و ابو نعیم بروایت حضرت عبد اللہ بن عباس اور احمد بسند حسن و بزار بسند جید و دارمی و ابن ابی شیبہ و ابو یعلیٰ و ابو نعیم و بیہقی بروایت ابوذر۔ اور طبرانی معجم اوسط میں بسند حضرت ابو سعید خدری اور کبیر میں بروایت سائب بن یزید اور احمد باسناد حسن اور ابن شیبہ طبرانی بروایت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم)

حدیث ۲۲، ۲۳

حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: انبیاء کرام کی اگرچہ ہزاروں دعائیں قبول ہوئی ہیں مگر ایک دعا انھیں خاص جناب باری تبارک و تعالیٰ سے ملتی ہے کہ جو چاہو مانگ لو بیشک دیا جائے گا۔ تمام انبیاء آدم سے عیسیٰ تک علیہم الصلوٰۃ والسلام سب اپنی اپنی دعا دنیا میں کر چکے اور میں نے آخرت کے لئے اٹھا رکھی۔ وہ میری شفاعت ہے میری امت کے لئے۔ قیامت کے دن میں نے اسے اپنی ساری امت کے لئے رکھا ہے جو ایمان پر دنیا سے اٹھی۔ (احمد، بخاری، مسلم بروایت انس اور شیخین بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم۔)

اللہ اکبر۔ اے گنہگاران امت! کیا تم نے اپنے مالک و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کمالِ رافت و رحمت اپنے حق میں نہ دیکھی کہ بارگاہِ الٰہی عز جلالہ سے تین سوال حضور کو ملے کہ جو چاہو مانگ لو۔ عطا ہوگا۔ حضور نے کوئی سوال اپنی ذات پاک کے لئے نہ رکھا سب تمہارے ہی کام میں صرف فرما دئے۔ دو سوال دنیا میں کئے وہ بھی

تمہارے ہی واسطے۔ تیسرا آخرت کو اٹھا رکھا وہ بھی تمہاری اس عظیم حاجت کے واسطے جب اس مہربان مولا رؤف ورحیم آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی کام آنے والا، بگڑی بنانے والا نہ ہوگا۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ حق فرمایا۔ حضرت حق عزّ وجلّ نے۔

عَزِیزٌ علیہ مَا عَنِتُّمْ حَرِیصٌ علیکم بالمومنین رَؤُفٌ رَّحِیم۔

واللہ العظیم قسم اس کی جس نے انھیں ہم پر مہربان کیا کہ ہرگز ہرگز کوئی ماں اپنے عزیز پیارے اکلوتے بیٹے پر زنہار اتنی مہربان نہیں جس قدر وہ اپنے ایک امتی پر مہربان ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

الٰہی تو ہمارا عجز وضعف اور ان کے حقوق عظیم کی عظمت جانتا ہے۔ اے قادر، اے واجد، اے ماجد ہماری جانب سے ان پر اور ان کی آل پر وہ برکت والی درودیں نازل فرما جو ان کے حقوق کو وافی اور ان کی رحمتوں کو مکافی ہوں۔

سبحان اللہ ــــ امتیوں نے ان کی رحمتوں کا یہ معاوضہ رکھا کہ کوئی افضلیت میں تشکیکیں نکالتا ہے۔ کوئی ان کی شفاعت میں شبہ ڈالتا ہے کوئی ان کی تعریف اپنی سی جانتا ہے کوئی ان کی تعظیم پر بگڑ کر کتا تا ہے۔

افعال محبت کا بدعت نام ــــ اجلال وادب پر شرک کے احکام ــ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حدیث ۲۴

صحیح مسلم میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور شفیع المذنبین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تین سوال عطا فرمائے۔ میں نے دوبارہ تو دنیا ہی میں عرض کر لی اللھم اغفر لامتی اللھم اغفر لامتی۔ الٰہی میری امت کی مغفرت فرما، الٰہی میری امت کی مغفرت فرما وَأَخَّرْتُ الثَّالِثَةَ لِیَوْمٍ یَرْغَبُ إِلَیَّ فِیْهِ الْخَلْقُ حَتّٰی إِبْرَاهِیمُ اور تیسری عرض اس دن کے لئے اٹھا رکھی جس میں تمام مخلوق الٰہی میری طرف نیاز مند ہوگی یہاں تک کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

حدیث ۲۵

حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم نے شب اسریٰ اپنے رب سے عرض کی تو نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو یہ یہ فضائل بخشے۔ رب عزّ مجدہٗ نے فرمایا میں نے تجھے وہ عطا فرمایا جو ان سب سے بہتر ہے میں نے تیرے لئے شفاعت چھپا رکھی ہے اور تیرے سوا دوسرے کو نہ دی۔ (بیہقی بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ)

حدیث ۲۶

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: قیامت کے دن میں انبیاء کا پیشوا اور ان کا خطیب اور ان کا شفاعت والا ہوں گا۔ اور یہ کچھ فخر کی راہ سے نہیں فرماتا ــــ (ابن ابی شیبہ وترمذی بافادہ تحسین وتصحیح اور ابن ماجہ وحاکم بحکم تصحیح بروایت حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ)

حدیث ۲۷ تا ۴۰

حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: شَفَاعَتِی یَوْمَ الْقِیَامَةِ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِهَا لَمْ یَکُنْ مِّنْ أَهْلِهَا ــــ یعنی میری شفاعت روزِ قیامت حق ہے جو اس پر ایمان نہ لائے گا اس کے قابل نہ ہوگا۔ (ابن منیع بروایت حضرت زید بن ارقم وغیرہ چودہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

منکر مسکین ان احادیث متواترہ کو دیکھے اور اپنی جان پر رحم کر کے شفاعتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے

ویدا پران اور سنتوں کی بانیوں میں

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا غلام مصطفےٰ وارثی علیہ الرحمۃ

اٹھارہ پرانوں میں سے ایک پران ہے جس میں وید دیاس جی نے اس گفتگو کو جو کاک بھشنڈ جی نے گڑر جی سے بہ زبان سنسکرت کی تھی۔ نقل کیا ہے اور تلسی داس جی نے ہندی میں اس کا ترجمہ کیا ہے اس کے بارھویں اسکند چھٹے کانڈ میں ہے کہ

گڑر جی سنو ۱۔ یہاں نا کچھ بات کچھ راکھوں
وید۔ پران سنت مت بھاکھوں

تشریح۔ اس موقع پر میں کسی کی طرف داری قطعی کچھ نہ کروں گا وید پران اور بزرگوں کا جو مذہب ہے وہی بیان کروں گا۔

۲۔ برس سہس دس سندرم ہوئی ÷ تہہ کے بعد نہ پاوے کوئی
تشریح۔ دس ہزار برس تک ولایت عام میں رہے گی اس کے بعد کوئی نہ پائے گا (مگر وہ جس کے لیے پیشین گوئیاں کی جا رہی ہیں)

۳۔ دیش عرب بھرک لتا سوہائی ÷ سو تھل بھوم گت سنو گھگھرائی
تشریح۔ ملک عرب جس کی لتا بھرک ستارہ (غالباً زہرہ ستارہ) یعنی سکر کی لتا ہے پچھم میں خوشی کی اور اچھی زمین ہے اس میں وہ پیدا ہوں گے۔

۴۔ سمّت بکرم کے دوہ ۶ انگا ÷ مہان کوک نس چتر پتنگا
تشریح۔ "دوہ انگا" سمندر جو سات ہیں اشارہ اس طرف ہے کہ ساتویں صدی بکرمی میں چار سورج کی روشنی یعنی سورج کی چوگنی روشنی لیے ہوئے (وہ پیدا ہوں گے) اشارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ہونے کی طرف ہے و نیز چار یار کی طرف بھی اشارہ کہا جا سکتا ہے۔

۵۔ سمبھو سمّت تاکر ہوئی ÷ سندرم رام ادیس تہتھ سوئی
تشریح۔ جس کی قدرت سے عجائب و غرائب کا ظہور ہو گا اور وہی اللہ کے ولی قائم ہو جائیں گے اشارہ اس طرف ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے اور سب کے لیے ہوں گے یعنی خاتم النبیین رحمۃ للعٰلمین ہوں گے۔

۶۔ راج نیت۔ بھو۔ پریت دکھاوے ÷ آپن مت سب کا سمجھاوے
تشریح۔ سیاست یعنی حکومت کی انتظامی صلاحیت اور محبت و خوف یعنی ترغیب و ترہیب سے اپنا مذہب سب کو سمجھائیں گے۔

۷۔ اسر جتر سندرم ست چاری ÷ تن کر بنس ہوئی بھو بھاری
تشریح۔ چار سیوک یعنی ان کے چار یار عاقل ولی کامل ہوں گے جن کی بدولت ان کے پیرووں یعنی مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ جائے گی۔

۸۔ نگم اگم سوئی تیج اپارا ÷ اپنی ابا امت مجھارا
تشریح۔ جیسے کمہار آوے میں ایک جگہ آگ لگائے سب

کہیں پہنچ جائے یا سمندر ایک جگہ سے بڑھ کر تمام پھیل جاوے ویسے ہی ان کا دین بڑی تیزی سے ہر طرف پھیل جائے گا۔

۹۔ تب لگ جو سندرم چہے کوئی ÷ بنا محمد پار نہ ہوئی (اُتما)

تشریح۔ جب تک ان کا دین جاری رہے گا یعنی ہمیشہ کیونکہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ وہ اللہ کے ولی قائم کر دیئے جائیں گے یعنی ہمیشہ کے لیے ہوں گے کوئی بیڑا اُن کے بغیر پار نہ ہو گا کوئی ان کے بغیر مقبولِ خدا نہ ہو گا۔ کامیاب نہ ہو گا۔

۱۰۔ تب سے مانس جنت بہکاری ÷ سمرت نام ہو یہیں برت دھاری

تشریح۔ آدمی۔ جانور۔ فقیر۔ دنیا دار سب ان کا نام رٹتے رٹتے مقبولِ خدا ہو جائیں گے۔

۱۱۔ بن اچار بچار وہنیا ÷ کھجے نام مرمنے کلیسا

تشریح۔ بھید بھاؤ چھوت چھات چھوڑ کر جو ان کا نام رٹے گا اس کے سب دکھ درد دور ہو جائیں گے۔

۱۲۔ سمرتھ کو نہیں دوش گسائیں ÷ رب پاوک سر سر کی نائیں

تشریح۔ ان کا نام رٹنے والے میں کوئی نجاست اور کوئی عیب نہیں رہے گا جیسے آفتاب۔ آگ دریا پر کوئی نجاست اثر نہیں کرتی۔

۱۳۔ سو ساچ مکت نر پاویں ÷ ہر وارس کر وید بکھانیں

تشریح۔ وید بار بار یہی سمجھا رہا ہے کہ فنا فی البقا کا مرتبہ وہیں سے لوگ پائیں گے۔

۱۴۔ تب ہوئی نہک لنگ اوتارا ÷ مہدی کہیں سکل سنسارا

تشریح۔ پندرہ[۱۵] سو برس کے بعد ایک بزرگ ظاہر ہوں گے جنھیں سب دنیا والے مہدی کہیں گے۔

۱۵۔ ہر سندرم نہمان نہیں ہوئی ÷ تلسی بچن ست ست گوئی

تشریح۔ تلسی داس جی نصیحت کر رہے ہیں کہ اب اُن کے بعد کوئی اور نہ آئیں گے یعنی وہ خاتم النبیین رحمۃ للعالمین ہوں گے۔

۱۶۔ دیپک سم اس جوت اور جارت ادھک

نہیں گرسان سجوت توکت سوکت ہیں پڑے دیپک

تشریح۔ وہ نور چنگاری کی طرح نہ ہو گا کہ خود جلے اور کسی کو روشن نہ کرے وہ نور چراغ کی طرح ہو گا جو خود روشن ہو گا اور سب کو روشن کرے گا۔

۱۷۔ ایک سہس اور پانچ ست یہ منگل بریک

نام دھارن کریں نشچے من کر ٹیک

تشریح۔ ایک ہزار پانچ سو برس تک لوگ دلی یقین اور خوشی کے ساتھ اس کے نام کا وظیفہ کریں گے۔

بشارتوں کی وضاحت

۱۔ ملک عرب میں ساتویں صدی بکرمی میں پیدا ہوں گے۔ ۲۔ سیاست۔ محبت۔ خوف اور چار یار کی بدولت ان کا دین آگ اور پانی کی طرح سب کہیں پھیل جائے گا۔ ۳۔ ان کے بغیر کسی کا بیڑا پار نہ ہو گا۔ کوئی کامیاب نہ ہو گا۔ کوئی مقبولِ خدا نہ ہو گا۔ ۴۔ ان کا نام رٹنے والے لوگ تمام عیبوں سے پاک اور دکھ درد سے محفوظ ہوں گے۔ ۵۔ وہ خاتم النبیین ہوں گے۔ ۶۔ وہ رحمۃ للعٰلمین ہوں گے۔ ۷۔ پندرہ سو برس تک ان کا مذہب دھوم دھام سے چلتا رہے گا امام مہدی تشریف لے آئیں گے یعنی بہ زبانِ اسلام قیامت آجائے گی۔

اگر خدائے پاک نے عقل و فہم عطا فرمائی ہے تو بات صاف صاف سمجھ میں آجائے گی کہ ان بشارتوں کے مصداق صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کوئی نہیں۔

بھوشن اتر پران

وید ویاس جی کے اٹھارہ[۱۸] پرانوں میں سے ایک پران ہے جس میں لکھا ہے کہ کل جگ میں "سَرب اُتما" پیدا ہوں گے جن کے سر پر بادل سایہ کرے گا۔ ان کے جسم کا سایہ نہ ہو گا۔ ان کے جسم پر مکھی نہ بیٹھے گی۔ وہ زمین کو لپیٹ جائیں گے۔ ملک دنیا کے لیے کچھ نہ تلاش کریں گے۔ تمام عمر کم کھائیں گے۔ وہ اللہ کے دوست ہوں گے۔

تشریح۔ "کل جگ" یعنی اخیر زمانہ "قرب قیامت" "سَرب" بہت زیادہ "اُتما" تعریف کیے گئے یعنی "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم وہ زمین کو لپیٹ جائیں گے یعنی کم سے کم وقت میں کہیں سے کہیں پہنچ جائیں گے اشارہ اس طرف ہے کہ سفرِ معراج فرمائیں گے۔
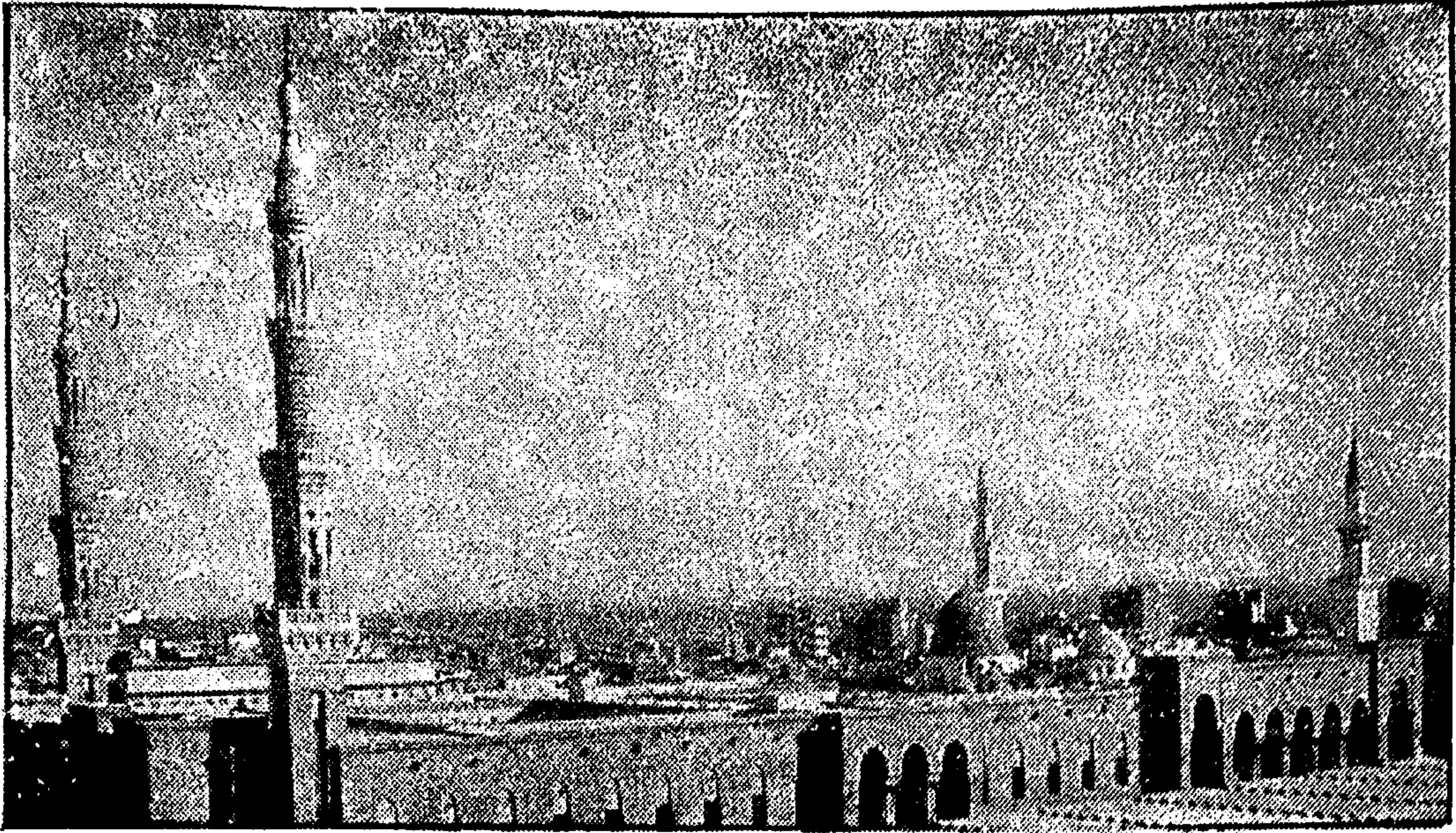
"دوست" جس کو بہ ہر صورت بہ ہر قیمت خوش اور راضی رکھا جائے یعنی "حبیب"۔

بشارتوں کی وضاحت

۱۔"محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) نام ہوگا۔ ۲۔ اخیر زمانے میں تشریف لائیں گے۔ ۳۔ خاتم النبیین ہوں گے۔ ۴۔ بادل سر پر سایہ کرے گا۔ ۵۔ جسم پاک کا سایہ نہ ہوگا۔ ۶۔ جسم پاک پر مکھی نہ بیٹھے گی۔ ۷۔ مُشرّف بہ شرفِ معراج ہوں گے۔ ۸۔ اپنے لیے دُنیا کے سلسلے میں کچھ نہ کریں گے۔ ۹۔ کم خوراک ہوں گے۔ ۱۰۔ اللہ کے حبیب ہوں گے۔ سبحان اللہ پڑھتے جائیے سمجھتے جائیے پہچانتے جائیے کہ یہی نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

نوٹ:۔ بہ حساب ابجد "اُمّنا" اور "محمد" دونوں کے اعداد بانوے (۹۲) ہیں یہ بھی اس بات کی ایک دلیل ہے کہ دونوں اسم ایک ہی مسمّٰی اور ایک ہی ذات گرامی کے ہیں "اُمّنا" بہ زبانِ سنسکرت اور "محمد" بہ زبانِ عربی۔

کلکی پران

ہنود کے عقائد کے مطابق اس دنیا میں دنیا اور دنیا والوں کی مدد اور ہدایت کے لیے چوبیس (۲۴) اوتاروں کا تشریف لانا یقینی اور قطعی ہے جو نمونۂ خداوندی یا حاملِ بعض اوصافِ خداوندی ہوں گے جن کا ذکر شری مد بھاگوت میں موجود ہے ان میں سے تیئیس (۲۳) اوتار تو اس کتاب کلکی پران کے زمانۂ تصنیف تک تشریف لا چکے اب صرف ایک چوبیسویں آخری اوتار کا انتظار ہے جن کا ذکر کئی کتابوں میں ہے اور ان کا نام "کلکی اوتار" یعنی سیاہی دُور کرنے والا اوتار بتایا گیا ہے۔ انھیں اوتار کے تذکرے میں ایک وید کو چار وید اور اٹھارہ پران بنانے والے اکیسویں اوتار ویدویاس جی نے ایک کتاب لکھی جس کا نام کلکی پران رکھا اس کتاب کے صفحہ (۹) پر ہے کہ کلکی پران کے پتا کا نام "وشنو یس" اور ماتا کا نام "سوم وتی" ہوگا۔

تشریح۔ نبی آخر الزماں کے باپ کا نام عبد اللہ اور ماں کا نام آمنہ ہوگا اس لیے کہ "وشنو" اللہ کے ناموں میں سے ایک نام بمعنی حاضر و ناظر ہے یعنی اللہ اور "یس" بمعنی عبد یعنی عبد اللہ اور "سوم وتی" بمعنی امن و امان والی یعنی آمنہ۔

اور صفحہ (۱۲) پر ہے کہ کلکی اوتار کے تین بھائی ہوں گے۔ ۱۔ کوی ۲۔ سمنت ۳۔ پراک۔

تشریح ۔ کوی بمعنی بہت بڑی عقل والے یعنی "عقیل" اور "سمنت" بمعنی بہت بڑے علم والے یعنی جعفر اور "پراک" بمعنی بہت بڑے مرتبے والے یعنی علی۔ مطلب یہ ہوا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے تین بھائی بنام عقیل و جعفر طیار و علی مرتضیٰ ہوں گے۔

اور صفحہ ۱۵ پر ہے کہ پرس رام کلکی اوتار کو گپھا میں لے جا کر تعلیم دیں گے۔

تشریح ۔ "پرس" بمعنی روح اور "رام" اللہ کے ناموں میں سے ایک نام بمعنی اللہ یعنی روح الحق روح القدس حضرت جبریل علیہ السلام "گپھا" بمعنی غار یعنی غار حرا میں جبریل علیہ السلام نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی الٰہی سنائیں گے۔

اور صفحہ (۱۸) پر ہے کہ شیو کلکی اوتار کو ایک گھوڑا دیں گے جو عجیب و غریب ہوگا بمعنی "براق" یعنی حضور براق پر سفر معراج فرمائیں گے۔

نوٹ: شری مد بھاگوت میں اوتاروں کی تصویریں دی گئی ہیں اور ہر اوتار کی تصویر کے سامنے اس کی خاص چیز کی تصویر دی گئی ہے یعنی اسپیشل مارک۔ شری رام چندر جی کی تصویر کے سامنے تیر کمان کی تصویر اور شری کرشن جی کی تصویر کے سامنے سدرشن چکر اور کنس کے سر کی تصویر اور کلکی اوتار کی تصویر کے سامنے دو پروں والے گھوڑے کی تصویر دی گئی ہے اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض بعض پنڈت دو پروں والے گھوڑے کی ایک چھوٹی سی تصویر اندر کی جیب میں سینے کے برابر رکھتے ہیں۔

اور صفحہ (۲۶) پر ہے کہ کلکی اوتار اپنے پہلے آنے والے بزرگوں کی تعریف کریں گے۔

تشریح ۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پہلے تشریف لانے والے پیغمبروں کی تصدیق فرمائیں گے۔

اور صفحہ (۲۶) پر ہے کہ سنگل دیپ کے راجہ کی بیٹی کلکی اوتار کو بیاہ کا پیغام دے گی۔

تشریح ۔ مال دار باعزت و شہرت عورت خدیجۃ الکبریٰ اپنی طرف سے شادی کا پیغام دیں گی۔

ایک خوبصورت مسجد

بشارتوں کی وضاحت

۱۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہوگا۔ ۲۔ ان کے تین بھائی بہ نام عقیل و جعفر طیار و علی ہوں گے۔ ۳۔ جبریل علیہ السلام غار حرا میں وحی الٰہی سنائیں گے ۴۔ براق پر سفر معراج فرمائیں گے۔ ۵۔ خدیجۃ الکبریٰ شادی کا پیغام اپنی طرف سے دیں گی۔ ۶۔ سیاہی دور کرنے والے نور مجسم ہوں گے۔ ۷۔ خاتم النبیین ہوں گے آپ کے بعد کوئی نبی تشریف نہیں لائیں گے۔ کھلی آنکھوں نے دیکھ لیا اور بے تعصب ایمان دار دلوں اور دماغوں نے مان لیا کہ مذکورہ بالا تمام پیش گوئیوں اور بشارتوں کے حامل صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور دوسرا کوئی نہیں ایک ایک پہچان دیکھتے جاؤ اور پہچانتے جاؤ کہ یہی ہیں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم۔

مہادیو جی

جب اس زمین کو چھوڑ کر مہا دیو جی کیلاش پہاڑ پر تشریف لے جانے لگے، تو اس سے پہلے اس وقت کے شریر لوگوں کو نصیحت

فرمائی تھی کہ غلط راستے کو چھوڑ کر سیدھا اور سچا راستہ اختیار کریں اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر ایسا نہ کریں گے تو "دواپر" کے اخیر زمانے میں قادر مطلق ایک شخص پیدا کرے گا جو زمین پر تمہارا نام و نشان نہ چھوڑے گا۔ یہ نصیحت فرما کر مہادیوجی مع اپنی اہلیہ پاربتی جی کے کیلاش پہاڑ پر تشریف لے گئے ایک زمانے کے بعد پاربتی جی نے ان باتوں کی تفصیل دریافت کی تب آپ نے بیان شروع کیا۔

اے پاربتی جی آدم کے چھ ہزار برس بعد "مندرنے" میں جو دریا کے درمیان ہے وہ بڑا قادر ایک عجیب طرح کی مخلوق پیدا کرے گا وہ آدم کی اولاد میں ہوگا وہ جس زمین پر پیدا ہوں گے وہ شیو کے لائق ہوگی وہ ختنہ کیے ہوئے پیدا ہوں گے بال صرف منھ اور سر پر ہوں گے۔ جو پوجا ان کی قوم کرتی ہوگی وہ نہ کریں گے سوائے پرم آتما کے کسی طرف رجوع نہ ہوں گے ان کی قوم ان سے جدا ہوجائے گی ان کا سنہ لکھا جائے گا۔

تشریح۔ "مندرنے" یعنی ملک عرب "شیو کے لائق" یعنی اللہ کی پسندیدہ زمین شہر مکہ مکرمہ۔

بشارتوں کی وضاحت

۱۔ آدم علیہ السلام کے چھ ہزار برس بعد پیدا ہوں گے۔ ۲۔ بے مثال ہوں گے "اَلْبَشَرُ لَا كَالْبَشَرِ" انسان ہوں گے انسان کے جیسے نہ ہوں گے۔ ۳۔ ملک عرب کے شہر مکہ مکرمہ میں پیدا ہوں گے۔ ۴۔ ختنہ کیے ہوئے ہوں گے۔ ۵۔ منھ پر داڑھی اور سر پر بال ہوں گے۔ ۶۔ بت پرستی نہ کریں گے خدا کے سوا کسی طرف رُخ نہ کریں گے۔ ۷۔ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائیں گے۔ ۸۔ ان کا سنہ ہجری لکھا جائے گا۔ ایک ایک بشارت پڑھتے جائیے، سمجھتے جائیے، پہچانتے جائیے کہ یہی ہیں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ان بشارتوں کا مصداق نہ کوئی آیا ہے نہ کوئی آئے گا۔ نہ کوئی آسکتا ہے۔

نوٹ:۔ مہادیوجی کی اور پاربتی جی کی اس گفتگو کو وشست مُن جی نے جو مہادیوجی کے خاص عقیدت مند اور اپنے طبقے کے مانے ہوئے صاحب کرامت اور اسی پہاڑ پر مشغول عبادت تھے سُنا اور سُن کر سونگ وسُنگ کو جو اپنے طبقے میں مانے ہوئے عالم و فاضل تھے سُنایا تھا جس کا ریکارڈ "نیم کہار مصرک" میں موجود ہے۔

بُدھ جی

میں ہی پہلا بدھ یعنی روشن ضمیر نہیں ہوں جو اس دنیا میں آیا ہوں مجھ سے پہلے بہت سے روشن ضمیر یعنی بدھ گزر چکے ہیں اور آئندہ بھی جب ضرورت ہوگی تو آئے گا۔ مگر ابھی اس کا زمانہ بہت دور ہے وہ مقدس ہوگا اور اعلیٰ درجہ کا روشن ضمیر ہوگا۔ اس کو عمل میں حکمت دی گئی ہوگی۔ وہ مُبارک ہوگا۔ وہ تم پر انھیں ابدی صداقتوں کا اظہار و انکشاف کرے گا جو میں نے تم کو سکھائی ہیں۔ وہ اپنے مذہب کی عام دعوت دے گا۔ اس کا مذہب ابتدا میں شاندار ہوگا تم اس کو ماننا اور اس کی پیروی کرنا۔ ان کے بھائی نے دریافت کیا کہ ہم اس کو کس طرح پہچان سکیں گے؟ فرمایا کہ ان کا لقب "مَیتیا" ہوگا اور ماں کا نام "شانتی" ہوگا۔

تشریح۔ "میتیا" بمعنی رحمت اور "شانتی" بمعنی امن یعنی آمنہ۔

بشارتوں کی وضاحت

۱۔ ابھی ان کے آنے میں بہت دن ہیں۔ ۲۔ وہ مقدس ہوں گے۔ ۳۔ اعلیٰ درجے کے روشن ضمیر ہوں گے۔ ۴۔ ان کے ہر حکم اور کام میں حکمت ہوگی۔ ۵۔ وہ مبارک ہوں گے۔ ۶۔ میری ہی تعلیم کو دُہرائیں گے یاد دلائیں گے۔ ۷۔ ان کی دعوت کسی خاص قوم یا ملک یا جماعت کے لیے نہیں ہوگی بلکہ دعوت عام ہوگی۔ ۸۔ ان کا مذہب شاندار ہوگا۔ ۹۔ رحمۃ للعٰلمین کے لقب سے زمانے بھر میں مشہور ہوں گے۔ ۱۰۔ ماں کا نام آمنہ ہوگا۔ کتنی واضح اور نمایاں شناخت بیان کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

نوٹ:۔ مہاتما بدھ کے سلسلے میں مسٹر پاول پرائس کی لکھی ہوئی کتاب کے باب "متیا" سے یہ اقوال لیے گئے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مہادیوجی اور بدھ جی نے ان پاکیزہ اقوال کے ذریعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت دی ہے۔

بابا گرو نانک

پہلا نام خدا کا دوجا نام رسول
تیجا کلمہ پڑھ نانکا درگہ پویں قبول
ڈھٹا نور محمدی ڈھٹا نبی رسول
نانک قدرت دیکھ کر خودی گئی سب بھول

تلسی داس جی

کاشی کروٹ بعد ہیں بنرٹ ہیں سب ہیں کام
بیکنٹھ باس نا پیہو بنا محمد نام

سوامی ویکانند

SWAMI VIVEKANANDS WORKED, VOL IV THE GREATEST HERO OF THE WORLD P.P. 129/130

میں فرماتے ہیں کہ اگر اسلام میں اچھائی نہ ہوتی تو وہ ایک دن قائم نہ رہتا۔ اس مذہب میں بے شمار خوبیاں ہیں۔
محمد صلی اللہ علیہ وسلم مساوات اور انسانی اخوت کے علمبردار ہیں۔
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی اعزہ
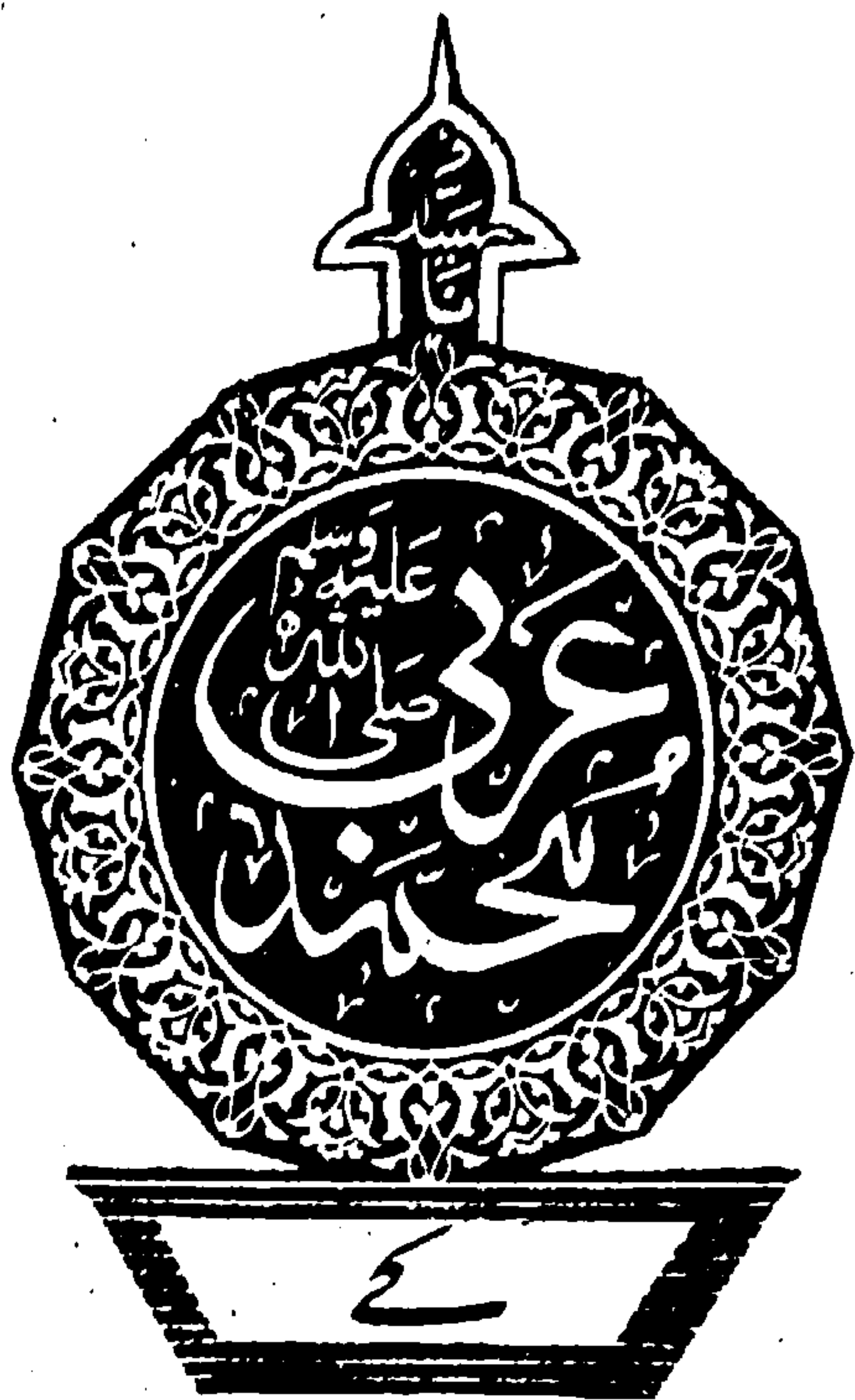
مولانا مصطفےٰ خالد

عام طور پر مروجہ نصابی تاریخوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا، تایا، پھوپھیوں اور دیگر رشتہ داروں کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ عموماً چند مشہور ناموں کے بعد لکھ دیا جاتا ہے کہ عبدالمطلب کی کئی اولادیں تھیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں حضرت زینب کا تذکرہ عموماً نہیں ہوتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جشنِ ولادت باسعادت کے موقع پر افادۂ عوام کی خاطر ازواج و فرزندانِ عبدالمطلب کا تذکرہ اور بعض خاص شخصیتوں کا مختصر تذکرہ درج کیا جاتا ہے۔

جناب عبدالمطلب نے چھ شادیاں کیں جن میں سولہ اولادیں ہوئیں اور مصدقہ روایات کے مطابق دس بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔

زوجۂ اوّل :۔ صفیہ بنت جندب سے جو بنو عامر ہوازنی قبیلے سے تھیں ایک بیٹا حارث اور ایک بیٹی اروئ تھی۔ بیٹے کی وجہ سے عبدالمطلب کی کنیت بھی ابو حارث تھی۔

زوجۂ دوم :۔ فاطمہ بنت عمرو خاندان بنو مخزوم سے تھیں ان کے بطن سے تین بیٹے جناب زبیر، جناب عبداللہ اور جناب ابو طالب اور چار بیٹیاں ام الحکم البیضا، عاتکہ، برّہ اور امیمہ پیدا ہوئیں۔

زوجۂ سوم :۔ لبنیٰ بنت ہاجر سے عبدالعزیٰ (ابولہب) پیدا ہوا یہ قبیلۂ بنو خزاعہ سے تعلق رکھتی تھیں۔

زوجۂ چہارم :۔ ممنعہ سے ایک ہی بیٹے پیدا ہوئے جو اپنی سخاوت کی وجہ سے الغیداق کہلاتے تھے۔

زوجۂ پنجم :۔ ہالہ بنت وہب جو بنو زہرہ کے خاندان سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ کی حقیقی چچا زاد بہن تھیں ان کے بطن سے حضرت حمزہ اور المقوم دو بیٹے اور ایک بیٹی حضرت صفیہ پیدا ہوئیں جو العوام کی زوجہ تھیں اور جن کے بیٹے زبیر بن عوام بہت مشہور ہیں۔

زوجۂ ششم :۔ نتیلہ بنت جنات تھیں جن کے بطن سے ضرار اور حضرت عباس پیدا ہوئے۔

حارث بن عبدالمطلب

عبدالمطلب کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ اور حضرت عبداللہ سے پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ ان کے مشہور بیٹوں کے نام یہ ہیں۔ عبیدہ، ربیعہ، ابوسفیان، عبداللہ

اور نوفل، ان میں نوفل بہت مشہور ہوئے اور عبیدہ بن حارث جنگِ بدر میں شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے۔

زبیر بن عبد المطلب

تاریخ اسلام کی نامور شخصیت اور مشہور صحابی حضرت عبد اللہ (عبد اللہ بن زبیر) کے والدِ محترم ہیں۔ کتبِ تاریخ و سیر میں مذکور ہے کہ حضرت عبد المطلب کے وصی و جانشین تھے۔ چنانچہ حضرت عبد المطلب کی وفات کے بعد سربراہِ خاندان قرار پائے۔ بڑے مالدار، کنبہ پرور، صاحبِ ثروت اور شجاع انسان تھے۔ انساب الاشراف بلاذری اور اسد الغابہ کے مطابق جب حضرت عبد اللہ کی بیماری کی اطلاع ملی تو آپ ہی کو حضرت عبد المطلب نے حضرت عبد اللہ کی دیکھ بھال کے لیے یثرب بھیجا تھا۔ علامہ حجر عسقلانی نے الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں لکھا ہے کہ انھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت تھی اور حضور کو صغر سنی میں اپنے ہاتھوں پر جھلایا کرتے تھے اور کہتے تھے "یہ محمد میرے عبد اللہ (حقیقی بھائی) کی نشانی ہے خوب عیش و آرام سے جیئے اور بڑی اعلیٰ قدر و منزلت پائے" ان کی زندگی کا مشہور واقعہ حربِ فجار ہے، جس میں زبیر سردارِ قبیلہ کی حیثیت سے شریک تھے۔ اس جنگ میں خود سرکارِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے لیکن عملی حصہ نہیں لیا۔ چنانچہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں اس جنگ میں شریک تھا اور اپنے چچاؤں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتا تھا۔ جنگ کے بعد زبیر بن عبد المطلب ہی کی کوششوں سے معاہدۂ حلف الفضول ہوا۔ اس معاہدے کے وقت بھی حضور تشریف فرما تھے اور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف بیس بائیس سال کے قریب تھی۔ انساب الاشراف بلاذری کے مطابق

رسول اللہ نے بھی زبیر کے پاس رہنا پسند کیا وہی آپ کے چچاؤں میں سب سے زیادہ شفیق تھے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ عبد المطلب نے زبیر ہی کو وصیت کی تھی کہ میرے بعد تمھیں ان کی کفالت کرنا۔

بعض روایات میں ہے کہ یمن کے تجارتی سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی زبیر کے ہمراہ تھے۔

ابو طالب

آپ کا نام عبد مناف تھا اور بڑے بیٹے طالب کے نام پر ابو طالب کنیت تھی آپ کے صلب سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ حضرت جعفر طیار اور حضرت عقیل جیسے یکتائے روزگار ہستیاں پیدا ہوئیں۔ آپ کو حضور سے بے انتہا محبت تھی۔ بڑے بھائی زبیر کے بعد آپ ہی سربراہِ خاندان ہوئے۔

سید الشہداء حضرت حمزہ

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں میں پہلے چچا جنھوں نے اسلام قبول کیا۔ شبلی نعمانی قبولِ اسلام کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمام میں حضرت حمزہ کو آپ سے خاص محبت تھی وہ آپ سے صرف دو تین برس بڑے تھے اور ساتھ کھیلتے تھے دونوں نے ثوبیہ کا دودھ پیا تھا اور اس رشتے سے بھائی بھائی بھی تھے۔

ایک دن ابوجہل نے رو در رو آپ کے ساتھ سخت گستاخیاں کیں ایک کنیز دیکھ رہی تھی۔ جب حضرت حمزہ شکار سے واپس آئے تو اس نے تمام ماجرا کہہ سنایا حضرت حمزہ غصے سے بے تاب ہو گئے تیر کمان لیے حرم میں آئے اور ابوجہل سے کہا میں مسلمان ہو گیا ہوں، اور مسلمان ہو گئے۔ (سیرۃ النبی جلد ۱)

آنحضرت کے خسر اور داماد

صحابۂ کرام میں مرتبے کے اعتبار سے خلفاءِ راشدین سب سے افضل ہیں اور ان میں بھی عمر، ایثار، سبقت فی الاسلام اور قرابت داریوں کے اعتبار سے ایک ترتیب قائم ہے۔ چنانچہ دو خلیفۂ راشد آپ کے خسر ہیں اور دو داماد۔ پہلے دو خسر یہ ہیں۔

خلیفۂ اول
حضرت ابو بکر صدیق

حضور سے دو برس چھوٹے تھے خدا نے صدیق کے لقب سے یاد کیا ہے۔ آپ کی دخترِ بلند اختر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چہیتی زوجۂ مطہرہ تھیں جن کی آغوش میں حضور کا وصال ہوا اور جن کے بستر
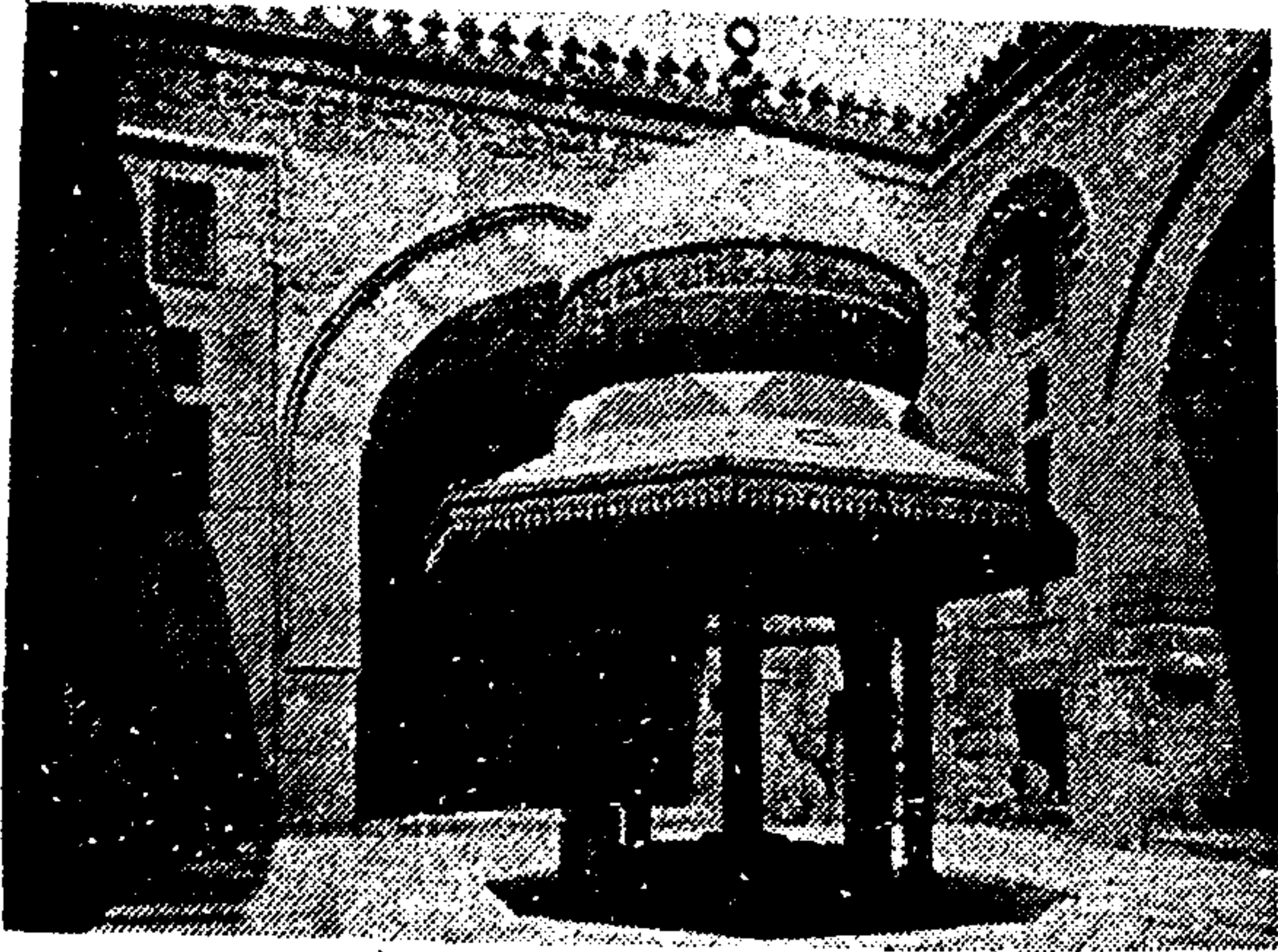
میں نزولِ وحی بھی ہوتا رہا۔ یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شوہر مخبرِ صادق، زوجہ صدیقہ، اور صدیقہ کا باپ بھی صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ع شوہر، بیوی، خسر، سبھی ہیں، صدیق

خلیفۂ دوم

سیدنا عمر فاروق

آپ کے کارناموں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں جن کو گنوانا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ آپ کے زمانے میں جتنی اسلامی فتوحات اور اصلاحات ہوئیں وہ کسی دور میں بھی نہ ہوسکیں ایک مورخ کا کہنا ہے کہ

"اگر اسلام میں ایک اور عمر فاروق پیدا ہوجاتا تو اس کائنات میں ہر طرف صرف اسلام ہوتا۔" خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔"

یہ بات اس بات کی بھی دلیل ہے کہ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی ذاتِ گرامی پر نبوت کا اختتام ہوگیا۔ اس کے باوجود اکثر و بیشتر کذاب نبی پیدا ہوتے رہے لیکن ان کی سرکوبی کے لیے کوئی دوسرا صدیق پیدا نہ ہوسکا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر ہونے کا شرف حاصل ہے ان کی بیٹی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرورِ کائنات کی زوجۂ مطہرہ تھیں۔

آنحضرت کے داماد

ابو العاص بن الربیع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب کے شوہر تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شعبِ ابی طالب میں محصور تھے تو ابو العاص ہی تھے جو چھپ چھپا کر حضور تک اجناسِ خوردنی پہنچانے کا بندوبست کرتے تھے۔ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ابتداء میں اسلام دشمنوں کے ہاتھوں بہت ایذا اٹھانی پڑیں۔ ابو العاص بھی بیوی کی طرح بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابو العاص سے اس قدر خوش تھے کہ بقول مصنف ناسخ التواریخ اکثر فرماتے تھے کہ ابو العاص نے دامادی کا حق ادا کردیا۔

قاہرہ کی ایک خوبصورت مسجد کا نظارا

سیدنا ابو العاص کے ایک بیٹا علی اور ایک بیٹی امامہ تھی۔

خلیفۂ سوم

حضرت عثمان ذی النورین

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں حضرت رُقیہ اور حضرت اُمِ کلثوم یکے بعد دیگرے آپ کے حبالۂ عقد میں آئیں اور آپ ذوالنورین کہلائے۔ آپ تیسرے خلیفۂ راشد اور اپنی جود و سخا اور ایثار و قربانی کی بدولت اپنی مثال آپ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے بے انتہا محبت تھی۔ یہ شرف بھی آپ ہی کو حاصل ہوا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعتِ رضوان کے موقع پر اپنے دستِ مبارک کو دستِ عثمان قرار دیا۔

ع یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

خلیفۂ چہارم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

تاریخ اسلام کی مشہور شخصیت اور ابو طالب کے نامور فرزند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور داماد، سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے والدِ محترم علی المرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ بچوں میں سب سے پہلے آپ ہی نے اسلام قبول کیا۔ آپ نے اسلام کی جو خدمات انجام دیں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یادگار ہیں۔ زہد و عبادت اور تقویٰ میں یکتائے روزگار تھے۔ شقی القلب ابن ملجم کے ہاتھوں شہادت پائی۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے

اہل بیت

مولانا ظفر الاسلام ادروی

فضائل صحابہ کی طرح فضائل اہل بیت میں بھی بے شمار احادیث و آثار وارد ہیں جنہیں علماء اسلام نے اپنی تصانیف میں بڑے اہتمام کے ساتھ ذکر کیا ہے ـــــ ہم یہاں پہلے یہ بتائیں گے کہ اہل بیت کون لوگ ہیں؟ ـــــ پھر ان کے فضائل، ان کی محبت کے وجوب، ان سے عداوت کی حرمت اور ان کی تعظیم و توقیر وغیرہ سے متعلق گفتگو کریں گے۔

اہل بیت کون ہیں؟

مدارج النبوۃ میں حضرت شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اہل بیت کی تفسیر میں چند اقوال اطلاق ہیں ـــــ کبھی اہل بیت اولاد رسول اور ازواج مطہرات کو کہا جاتا ہے ـــــ اور کبھی خاص سیدہ فاطمہ، امام حسن و حسین اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہم مراد ہوتے ہیں اس بنا پر کہ ان میں فضیلت زیادہ ہے۔

اہل بیت کے اطلاق میں ان تفسیری اقوال کے درمیان تطبیق اس طرح ہے کہ "بیت" کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) بیت نسب (۲) بیت سکونت (۳) بیت ولادت ـــــ لہٰذا حضرت عبد المطلب کی اولاد اہل بیت نسب ہیں۔ اور ازواج مطہرات اہل بیت سکونت ہیں۔ اور اولاد کرام اہل بیت ولادت ہیں۔ اور سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالےٰ وجہہ اگرچہ اولاد سے نہیں، لیکن (شرف دامادی، بچپن میں سرکار کے زیر پرورش رہنے، اور دوسری خصوصیات کے باعث) اہل بیت ولادت کے مستحق ہیں ـــــ (مدارج النبوۃ)

فضائل

اہل بیت کے فضائل میں دو آیتیں ذکر کرکے ہم ان کی محبت وغیرہ پر گفتگو کریں گے، اس کے ذیل میں فضائل بھی ثابت ہوتے جائیں گے ـــــ رب کریم ارشاد فرماتا ہے :۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا

ترجمہ۔ اللہ تو یہی چاہتا ہے۔ اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کرکے خوب ستھرا کردے
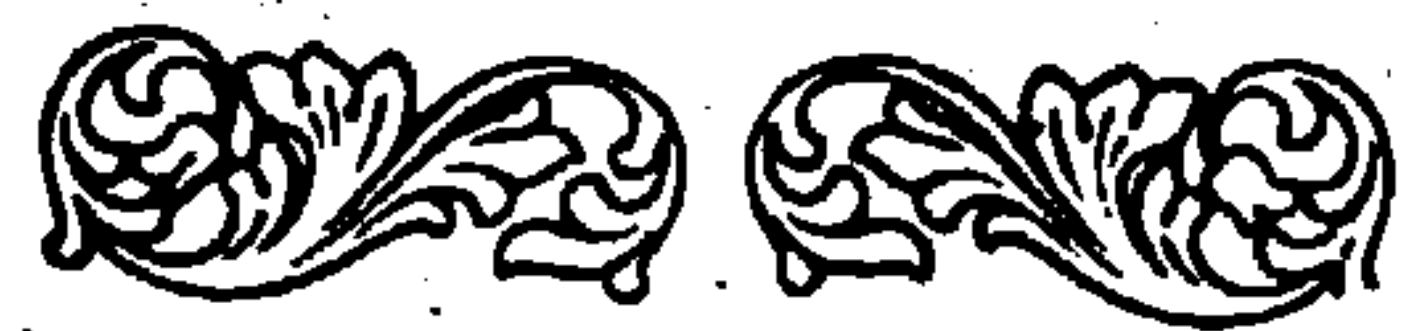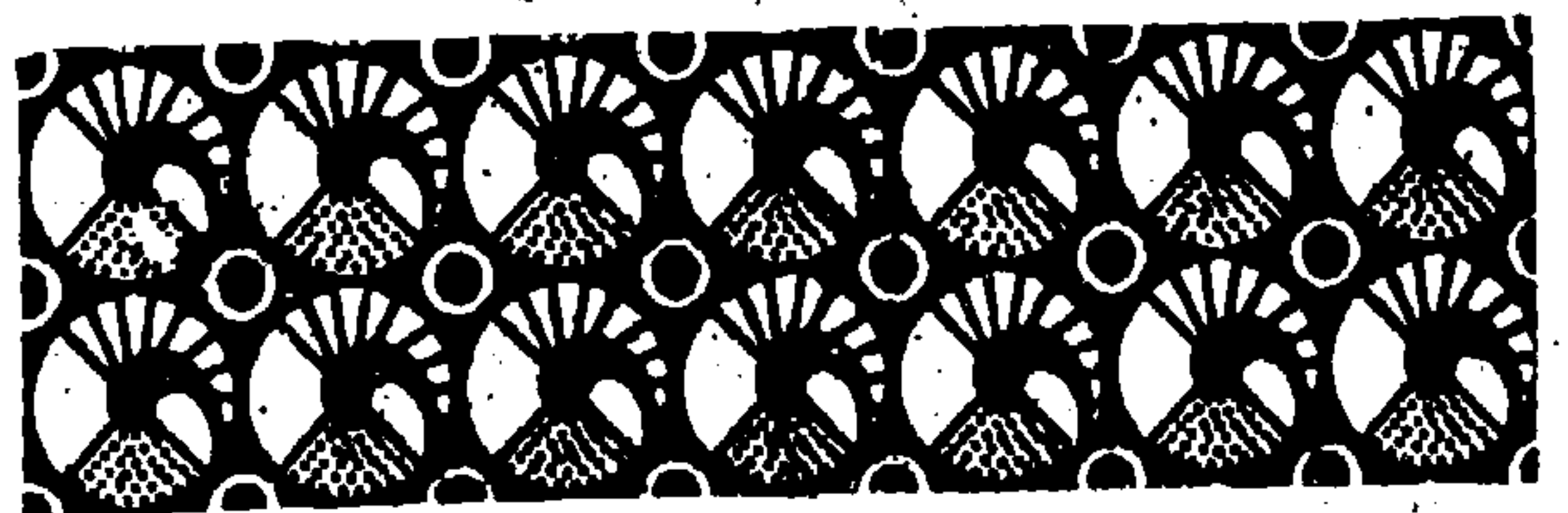
اس آیت کریمہ سے پہلے اور اس کے بعد ازواج مطہرات کا ذکر چل رہا ہے، درمیان میں یہ آیت ہے۔ اس لئے یہاں اہل بیت سے ازواج مطہرات کا مراد ہونا تو بالکل ظاہر ہے مگر سرکار دو عالم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے اس حکم تطہیر میں سیدنا فاطمہ و سیدنا علی، اور ان کی اولاد حسن و حسین کو بھی شامل فرمایا ـــــــ اور نزول آیت کریمہ کے بعد ان کے گھر سے گزر فرماتے ہوتے "اہل بیت" کہہ کر ان کو سلام کیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ یا سات سال تک سرکار نے یہ معمول رکھا۔ اس اہتمام کی وجہ عیاں ہے کہ لوگوں پر واضح کر دینا تھا کہ آیت کریمہ میں "اہل بیت" سے ازواج مطہرات کے ساتھ یہ بھی مراد ہیں ورنہ سیاق و سباق کی وجہ سے ذہنوں میں یہی بات راسخ ہوتی کہ صرف ازواج مطہرات ہی مراد ہیں۔ ایک روایت صحیحہ میں یہ بھی ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے ان چاروں حضرات پر کملی اوڑھائی اور دعا کی خداوندا یہ میرے اہل بیت اور میرے خاص لوگ ہیں ان سے ہر پلیدی دور فرما اور انھیں خوب پاک کر دے ـــــــ محب الدین طبری کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ کملی اوڑھانے اور دعا کرنے کا واقعہ کئی بار کئی مقامات پر ہوا، ایک روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ کسی وقت ان حضرات کے ساتھ سرکار نے بقیہ صاحبزادیوں اور اقرباء و ازواج مطہرات کو بھی ملایا۔

ایک حسن حدیث میں یہ بھی روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس اور ان کے فرزندوں کو ایک چادر اوڑھا کر دعا کی۔ اے میرے رب! یہ میرے چچا اور میرے باپ بھائی ہیں اور یہ سب میرے اہل بیت ہیں تو نار سے انہیں چھپا۔ جیسے میں نے ان کو اپنی اس چادر سے چھپا رہا اس پر دروازہ کی چوکھٹ اور گھر کی دیواروں نے آمین کہا۔ حضور نے بھی تین بار آمین کہا اور گھر کی دیواروں وغیرہ نے بھی تین بار آمین کہا اس حدیث سے ثعلبی کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ آیت کریمہ میں اہل بیت سے تمام بنی ہاشم مراد ہیں۔

دوسری آیت کریمہ یہ ہے: قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی ومن یقترف حسنۃ نزد لہ فیہا حسنا ان اللہ غفور شکور

ترجمہ: تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت اور جو نیک کام کرے ہم اس کے لئے اس میں اور خوبی بڑھائیں بے شک اللہ بخشنے والا قدر فرمانے والا ہے

اس آیت کریمہ سے حضور اقدس صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی قرابت کی محبت کا مطلوب ہونا ظاہر ہے نبی کریم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا رشتہ جہاں ہو جس سے ہو اس کی رعایت ضروری ہے۔ اور اہل بیت تو زیادہ قریب ہیں اس لئے ان کی محبت و رعایت اور زیادہ مطلوب ہوگی ـــــــ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں خاص اہل بیت کی محبت اور عموماً سرکار کے ہر رشتہ کی محبت مراد ہونا دونوں ہی مروی ہے۔ اور عموم لفظ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جس سے بھی حضور کی کوئی قرابت ہو اس کی رعایت کی جائے۔

محبت اہل بیت

اس مضمون کی احادیث بکثرت آئی ہیں جن میں اہل بیت کو محبوب رکھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ یہاں چند احادیث ذکر ہوں گی۔

(۱) رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ سے محبت رکھو اس لئے کہ وہ اپنی نعمتوں سے تمہیں رزق دیتا ہے اور مجھ سے محبت خدا کی وجہ سے محبت رکھو اور میرے اہل بیت سے میری محبت کے سبب محبت رکھو (ترمذی و حاکم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما)

(۲) اپنی اولاد کو تین باتوں کی تعلیم دو ـــ اپنے نبی کی محبت، ان کے اہل بیت کی محبت اور قرآن کی قرات۔ (دیلمی عن علی کرم اللہ وجہہ)

(۳) صحیح روایت میں آیا ہے کہ حضرت عباس بن عبد المطلب نے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ شکایت کی کہ ہم اولاد عبد المطلب جب قریش کی مجلس میں پہنچتے ہیں تو وہ اپنی بات کاٹ دیتے ہیں اور ہمیں ان کی ترش روئی کا احساس

ہوتا ہے ـــــ یہ سن کر رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غضب ناک ہو گئے یہاں تک کہ چہرۂ مبارک سرخ اور دونوں آنکھوں کے درمیان کا حصہ عرق آلود ہو گیا فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کسی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہ ہوگا جب تک کہ تم لوگوں سے محبت نہ کرے اللہ کے سبب اور اس کے رسول کے سبب ۔ دوسری روایت صحیحہ میں اس طرح وارد ہے لوگوں کا کیا حال ہے کہ بات کرتے رہتے ہیں مگر جب میرے اہل بیت کے کسی مرد کو دیکھتے ہیں تو اپنی بات کاٹ دیتے ہیں خدا کی قسم کسی مرد کے دل میں اس وقت تک ایمان نہ داخل ہوگا جب تک ان سے محبت نہ کرے اللہ کے سبب اور ان سے میری قرابت کے سبب ۔

(۴) ابولہب کی بیٹی (درہ یا سبیعہ) ہجرت کرکے مدینہ آئیں کچھ لوگوں نے ان سے کہا تیری ہجرت تجھے کام نہ دے گی، تو ہیزم دوزخ کی بیٹی ہے ـــ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے شکایت کی حضور سخت غضب ناک ہوئے پھر منبر پر ارشاد فرمایا: لوگوں کا کیا حال ہے کہ میرے نسب میں اور میرے رشتہ والوں میں مجھے ستاتے ہیں سن لو جس نے میرے نسب اور میرے رشتہ والوں کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی تو بے شک اس نے خدا کو ایذا دی یعنی اسے ناراض کیا (ابن ابی عاصم، طبرانی، ابن مندہ، بیہقی بالفاظ متقاربہ)

(۵) جس نے میری عترت اور انصار و عرب کا حق نہ پہچانا تو اس کی وجہ ان تین باتوں میں سے کوئی ایک ہوگی یا تو وہ منافق ہے یا نانیہ کی اولاد ہے، یا ایسا شخص ہے کہ غیر طہر میں اس کی ماں نے اسے حمل میں لیا ہو (ابوالشیخ دیلمی)

(۶) جو اللہ سے محبت رکھے گا۔ قرآن سے محبت رکھے گا وہ مجھ سے محبت رکھے گا اور جو مجھ سے محبت رکھے گا وہ میرے اصحاب اور میرے اہل قرابت سے محبت رکھے گا۔ (دیلمی)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے جو اہل بیت کی محبت کا دعویدار ہو اور صحابہ سے عداوت رکھے تو یقیناً اسے حضور سے محبت نہیں کیوں کہ سرکار کی محبت کا تقاضا تو یہ بھی تھا کہ ان کے اصحاب سے بھی محبت رکھے صرف ایک سے محبت ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ محبت رسول کے نتیجہ میں نہیں ۔

عداوت اہل بیت

(۷) رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں قسم اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے ہم اہل بیت سے جو بھی دشمنی رکھے گا اسے اللہ تعالےٰ دوزخ میں ڈالے گا۔ (حدیث صحیح)

(۸) جو اہل بیت سے بغض رکھے وہ منافق ہے۔ (امام احمد مرفوعاً)

امام قاضی عیاض "الشفا بتعریف حقوق المصطفےٰ" میں فرماتے ہیں جس نے اولاد حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے کسی شخص کے باپ کو گالی دی اور کوئی قرینہ نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مستثنیٰ کر دیا ہے تو اس گالی دینے والے کو قتل کیا جائے گا۔

امام بزار کی کتاب "توثیق عری الایمان" میں ہے کہ علماء خواص اپنے دلوں میں محبت رسول صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو نمایاں اور ممتاز طور پر جاگزیں پاتے ہیں پھر ان کی ذریت کی محبت پاتے ہیں کیوں کہ ان کے خون کی پاکیزگی کا انہیں علم ہے۔ پھر عشرہ مبشرہ کی اولاد، پھر بقیہ صحابہ کی اولاد کی محبت اپنے دلوں میں پاتے ہیں اور آج ان اولاد کی طرف اسی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس نگاہ سے کل ان کے آباء کو دیکھتے (اگر ان کی زیارت نصیب ہوتی) ـــ مزید لکھتے ہیں کہ ان حضرات کی عیب جینی سے چشم پوشی مناسب ہے یہی وجہ ہے کہ کسی بدعت و گناہ کے سبب اہل بیت میں سے کوئی شخص فاسق ہے تو صرف اس کے افعال سے بغض رکھا جائے گا نہ کہ اس کی ذات سے کیوں کہ وہ حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے جسم کا ٹکڑا ہے اگرچہ اس کے درمیان اور اصلی پارۂ جسم کے درمیان بہت سے واسطے ہیں)

جب علماء کرام شہر رسول صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کے باشندوں کی عزت وتکریم کی ہدایت فرماتے ہیں تو اولاد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم کیا ہوگا؟ قرآن کریم کی سورۂ کہف میں جن بچوں کی دیوار بن حضرت خضر کے ہاتھوں ان کے باپ کی نیکی کے باعث درست کر دی گئیں تاکہ خزانہ محفوظ رہے اور بچے بڑے ہوکر اس سے مستفید ہوں ان بچوں اور اس باپ کے درمیان (جسے کان ابوہما صالحاً میں ذکر کیا گیا) سات یا نو پشتوں کا فاصلہ تھا اسی لئے حضرت جعفر صادق نے فرمایا ہمارے اندر ہماری وہی رعایت کرو جو اللہ تعالے ان یتیموں کے اندر بندۂ صالح کی رعایت فرمائی۔ کوئی محب رسول ایسا نہ ہوگا جو آل رسول کو نشانۂ طعن بنائے۔

(صواعق محرقہ ص ۱۷۵)

اہل بیت کے ساتھ حسن سلوک

(۹) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو میری بارگاہ تک رسائی کا وسیلہ چاہتا ہو اور اس کا طالب ہو کہ میرے یہاں اس کی کوئی ایسی بھلائی ہو جس کے سبب روز قیامت میں اس کی شفاعت کروں تو وہ میرے اہل بیت کے ساتھ نیک تعلق رکھے اور انھیں خوش کرے

بطرق متعدد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ مروی ہے کہ انھوں نے حضرت زبیر سے کہا۔ چلو حسن بن علی سے ملاقات کر آئیں، حضرت زبیر نے دیر کی تو فاروق اعظم نے فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ بنی ہاشم کی عبادت فرض اور ان کی زیارت نفل ہے؟ فرض سے یہ مراد لیا کہ ان کی عیادت بہ نسبت دوسرے مسلمانوں کے زیادہ مؤکد ہے۔

اہل بیت کی تعظیم وتوقیر

ہمارے اسلاف کرام کا ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ وہ اہل بیت کی بڑی تعظیم وتوقیر کرتے اور یہ سنت رسول کی پیروی میں ہوتا۔ کیوں کہ خود حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم بنی ہاشم کی عزت کرتے تھے۔ اسی سنت پر خلفاء راشدین اور ان کے بعد کے صحابہ و بزرگان دین عمل پیرا رہے۔

(۱۰) صحیح بخاری شریف میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا قسم اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے یقیناً میرے نزدیک رسول خدا صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کی قرابت خود میری قرابت سے زیادہ محبوب ہے۔

(۱۱) حضرت صدیق اکبر یہ بھی فرماتے ہیں کہ اہل بیت سے متعلق سیدنا محمد صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کی رعایت اور سرکار کے حقوق کی نگہداشت کرو۔

(۱۲) ایک بار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالے عنہ حضرت حسن کو اپنی گردن پر بٹھائے ہوئے تھے اور حضرت علی سے یوں مزاح بھی کئے جارہے تھے کہ "کہ تو نبی کے مشابہ ہے علی کے مشابہ نہیں" اور حضرت علی مسکرا رہے تھے۔

(۱۳) حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد کے اندر صحابہ کے جھرمٹ میں جلوہ افروز تھے حضرت علی نے حاضر ہوکر سلام کیا اور کھڑے کھڑے اپنے بیٹھنے کے لئے کوئی جگہ تجویز کرنے لگے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے صحابہ کی طرف نگاہ اٹھائی کہ دیکھیں کون علی کو جگہ دیتا ہے؟ ابوبکر حضور صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کے داہنے بیٹھے تھے۔ وہ حضرت علی کے لئے اپنی جگہ سے ہٹ گئے اور ان سے کہا "یہاں اے ابوالحسن!" حضرت علی نبی صلے اللہ تعالے علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے درمیان بیٹھ گئے۔ اس اعزاز خاطر داری کے باعث رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر مسرت خوشی کے آثار نمایاں ہوگئے ارشاد فرمایا، اے ابوبکر فضل والا ہی فضل والے کا فضیلت شناس ہوتا ہے۔ (عسکری عن انس)

(۱۴) حضرت ابوبکر نے ایک بار ایسی ہی مجلس میں جناب عباس رضی اللہ تعالے عنہ کا ایسا ہی اعزاز کیا اور سرکار سے وہ ارشاد سنا اور یہ تعظیم رسول خدا صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کے تحت تھی خود سرکار بھی حضرت عباس کی عزت افزائی فرماتے تھے۔ (ابن شاذان عن الصدیقہ بنت الصدیق)

(۱۵) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جب لوگ قحط زدہ
ہوتے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عباس
کے وسیلہ سے سیرابی کی دعا مانگتے اور یوں کہتے "اے اللہ
ہم اپنے نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا وسیلہ لیا کرتے تھے
جب قحط زدہ ہوتے، آج ہم اپنے نبی کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں
تو ہمیں سیراب فرما" اس دعا سے لوگوں کو بارش سے سیرابی
حاصل ہو جاتی۔ حضرت فاروق اعظم کا حضرت عباس کو وسیلہ
بنانا اور لوگوں کو اس کی ہدایت فرمانا متعدد روایات میں آیا ہے
(۱۶) ابن ابی الدنیا کی روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر نے
مسلمانوں کے لئے وظائف مقرر کرنا چاہا تو لوگوں نے کہا
کہ پہلے اپنے خاندان کا وظیفہ مقرر کیجئے مگر انھوں نے اسے
منظور نہ کیا، اور رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے
رشتہ والوں میں سے اقرب پھر اقرب کے لحاظ سے ابتدا
کی تو حضرت عمر کے قبیلہ کا نمبر پانچ قبیلوں کے بعد آیا۔
(۱۷) دو اعرابی لڑ رہے تھے حضرت عمر ان کے پاس آئے
اور حضرت علی کو ان دونوں کے درمیان فیصلہ کا اذن دیا ایک
بولا کیا یہ ہمارے درمیان فیصلہ کرے گا؟ حضرت عمر نے جست
لگا کر اس کا گریبان پکڑ لیا اور فرمایا تجھ پر افسوس! تو جانتا
نہیں یہ کون ہیں؟ یہ تمہارے مولی اور ہر مومن کے مولی ہیں،
اور جس کے مولی نہ ہوں وہ مومن نہیں۔ (دار قطنی)
(۱۸) امام احمد راوی ہیں کہ ایک شخص نے امیر معاویہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے کوئی مسئلہ پوچھا انھوں نے کہا علی سے دریافت
کرو وہ زیادہ علم والے ہیں۔ اس نے کہا امیر المومنین مجھے
اس مسئلہ میں آپ کا جواب علی کے جواب سے زیادہ محبوب ہے
فرمایا تو بہت بری بات بولا تو نے ایک ایسے شخص سے ناگواری
رکھی جس کا رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علم کے سبب
بڑا اعزاز فرماتے جس سے سرکار نے فرمایا تم میری طرف
سے اس منزل میں ہے جس میں موسےٰ کی طرف سے ہارون
تھے، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور حضرت عمر کے سامنے
جب کوئی مشکل مسئلہ آتا تو ان سے اخذ کرتے اور دوسرے
محدثین نے مزید یہ بھی بیان کیا کہ حضرت معاویہ نے اس
شخص سے کہا اٹھ جا، خدا تیرے پیروں کو نہ اٹھائے، اور
اس کا نام دفتر سے مٹا دیا۔
(۱۹) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی والدہ
کی نماز جنازہ پڑھ چکے اور ان کی سواری کا خچر ان کے سوار ہونے
کے لئے پیش کیا گیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما
نے رکاب تھامی زید نے فرمایا اے فرزندِ عمِ رسول اللہ چھوڑ دیجئے
انھوں نے کہا ہمیں علماء کے ساتھ ایسے ہی اعزاز کا حکم دیا گیا
ہے ——— (حضرت ابن عباس حضرت زید سے علم حاصل
کرتے تھے۔) ——— تو حضرت زید نے ان کا ہاتھ چوما اور فرمایا
ہمیں اہلِ بیت نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایسے ہی
اعزاز کا حکم دیا گیا ہے۔
(۲۰) حضرت عبد اللہ بن حسن کسی کام سے حضرت عمر بن
عبد العزیز کے پاس پہنچے تو حضرت عمر بن عبد العزیز نے کہا "جب
آپ کو کوئی ضرورت ہو تو مجھے لکھ دیا کریں میں خدا کی بارگاہ میں
اس بات سے شرمسار ہوتا ہوں کہ وہ آپ کو میرے دروازے پر
دیکھے" ——— جب حضرت عمر بن عبد العزیز امیر مدینہ تھے، فاطمہ
بنت علی کسی ضرورت سے ان کے یہاں تشریف لائیں تو تمام لوگوں
کو باہر کر کے ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور فرمایا میرے نزدیک
روئے زمین پر کسی گھرانے والے آپ لوگوں سے زیادہ محبوب نہیں
آپ لوگ میرے اہلِ بیت سے بھی زیادہ میرے نزدیک محبوب ہیں
عبد اللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن (سبط) حضرت عمر بن عبد العزیز
کے یہاں آئے۔ ابھی کمسن تھے اور ان کے گیسو تھے تو حضرت عمر
نے ان کو بلند جگہ بٹھایا اور ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لوگوں نے
ملامت کی تو فرمایا مجھ سے حدیث بیان کی ہے ایسے ثقہ نے
کہ گویا میں خود دہن رسول صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے سن رہا
ہوں کہ "فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جس چیز سے اسے خوشی
ہو گی مجھے بھی خوشی ہو گی" ——— اور میں یقین رکھتا ہوں
کہ اگر سیدہ فاطمہ حیات میں ہوتیں تو میں نے ان کے فرزند کے
ساتھ جو اعزاز کیا ہے اس سے ضرور خوش ہوتیں۔
(۲۱) حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول
یہ تھا کہ جب قریش یا سادات سے کوئی سن رسیدہ یا کمسن آ جاتا تو

اسے آگے کرتے اور خود پیچھے چلتے ـــــ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ اہل بیت کی بڑی تعظیم کرتے اور پوشیدہ حال اور ظاہر الحال اہل بیت کے خرچ کی کفالت کرکے قربِ خداوندی حاصل کرتے۔ کہا گیا کہ ایک پوشیدہ حال اہلِ بیت کے یہاں انھوں نے بارہ ہزار درہم بھیجے اور اپنے تلامذہ کو بھی اس کی ترغیب دیا کرتے ـــــ حضرت امام شافعی کو اہلِ بیت سے ایسی شدید اور کھلی ہوئی محبت تھی کہ انھیں شیعی اور کیا کیا کہا گیا مگر وہ فرماتے ہیں:

آلُ النَّبِيِّ ذَرِيعَتِي ۔ وَهُمْ إِلَيْهِ وَسِيلَتِي
أَرْجُو بِهِمْ أُعْطَى غَدًا ۔ بِيَدِي الْيَمِينِ صَحِيفَتِي

آل نبی میرا ذریعہ ہیں اور وہی بارگاہ نبی میں میرا وسیلہ ہیں۔ ان ہی کے صدقہ مجھے کل داہنے ہاتھ میں اپنا نامۂ اعمال ملنے کی امید ہے۔

اہلِ بیت کے حقوق کی رعایت

نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا رشتہ کل قیامت میں بھی کارآمد ہے اور رشتۂ پاک کی عزت و رعایت کا ثمرہ اہل ایمان کے لئے بڑا ہی عظیم و جلیل ہے۔ فرماتے ہیں:

(۲۲) روز قیامت انساب اور رشتے ٹوٹ جائیں گے مگر میرا خونی رشتہ، ازدواجی رشتہ، دامادی رشتہ اٹوٹ ہے (احمد حاکم)

(۲۳) تم میں میرے اہلِ بیت کی مثال کشتی نوح کی ہے جو اس پر سوار ہوا نجات پاگیا، جو اس سے پیچھے رہا ہلاک و برباد ہوا (حاکم)

(۲۴) تم میں بہتر وہ ہے جو میرے بعد میرے اہلِ بیت کے لئے بہتر ہو۔ (حاکم عن ابی ہریرہ)

(۲۵) جس نے اولاد عبدالمطلب میں سے کسی کے ساتھ دنیا میں کوئی بھلائی کی تو اس کا بدلہ میرے ذمہ ہے جب کل روز قیامت وہ مجھ سے ملے۔

(۲۶) جس نے میرے کسی بال کو ستایا اس نے مجھے اذیت دی یقیناً اس نے خدا کو اذیت دی یعنی ناراض کیا (ابن عساکر)

(۲۷) تم میں پل صراط پر زیادہ ثابت قدم رہنے والا وہ ہے جو میرے اہلِ بیت اور میرے صحابہ سے زیادہ محبت رکھنے والا ہو۔ (ابن عدی)

(۲۸) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ ایسا فرشتہ ہے جو اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نہ اترا۔ اس نے اپنے رب سے اذن مانگا کہ مجھے آکر سلام کرے اور خوشخبری سنائے کہ فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے اور حسن و حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔

(۲۹) ہر عورت کے لڑکوں کے عصبہ ہوتے ہیں جن کی طرف وہ منسوب ہوتے ہیں مگر اولاد فاطمہ کہ ان کا ولی اور عصبہ میں ہوں (حالانکہ تمام نواسے اپنے چچا، باپ دادا وغیرہ عصبات کی طرف منسوب ہوتے ہیں، اپنے نانا کی طرف نہیں، مگر اولاد فاطمہ کی یہ خصوصیت ہے)۔ طبرانی

(۳۰) ابن عرفہ عبدی کی روایت میں ہے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "قریش سے محبت رکھو کہ جو ان سے محبت رکھے گا اسے اللہ تعالےٰ محبوب رکھے گا" ـــــ یہ حکم عام قریش کا ہے اور اہلِ بیت تو خاص بلکہ اخص ہیں۔ ان کی محبت کس قدر محبت الٰہی کا باعث ہوگی۔

اہلِ بیت کے فضائل و حقوق میں ہم نے زیادہ تر عمومی احادیث کو ذکر کر دیا ہے جن سے جملہ اہلِ بیت کی عزت و عظمت کا پتہ چلتا ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک، محبت اور تعظیم و توقیر کی ہدایت ہوتی ہے۔ خاص سیدہ فاطمہ، حضرت علی، حضرات حسنین ازواج مطہرات اور دیگر نفوس قدسیہ سے متعلق خاص خاص احادیث کریمہ بھی ہیں۔ علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی (۸۹۹ھ/ ۹۷۴ھ) رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب "الصواعق المحرقۃ علی اھل البدع والزندقۃ" میں فضائل اہلِ بیت پر بھی تفصیلی مباحث سپرد قلم فرمائے ہیں اس مضمون میں اسی سے انتخاب و التقاط کرتے ہوئے اشارہ احادیث کا ترجمہ تحریر کر دیا گیا ہے ـــــ انشاء اللہ تعالیٰ اہلِ محبت کی بصیرت کے لئے کافی ہوگا

بلغ العلیٰ بکمالہٖ کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ صلوا علیہ وآلہٖ

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

آیات قرآنی میں
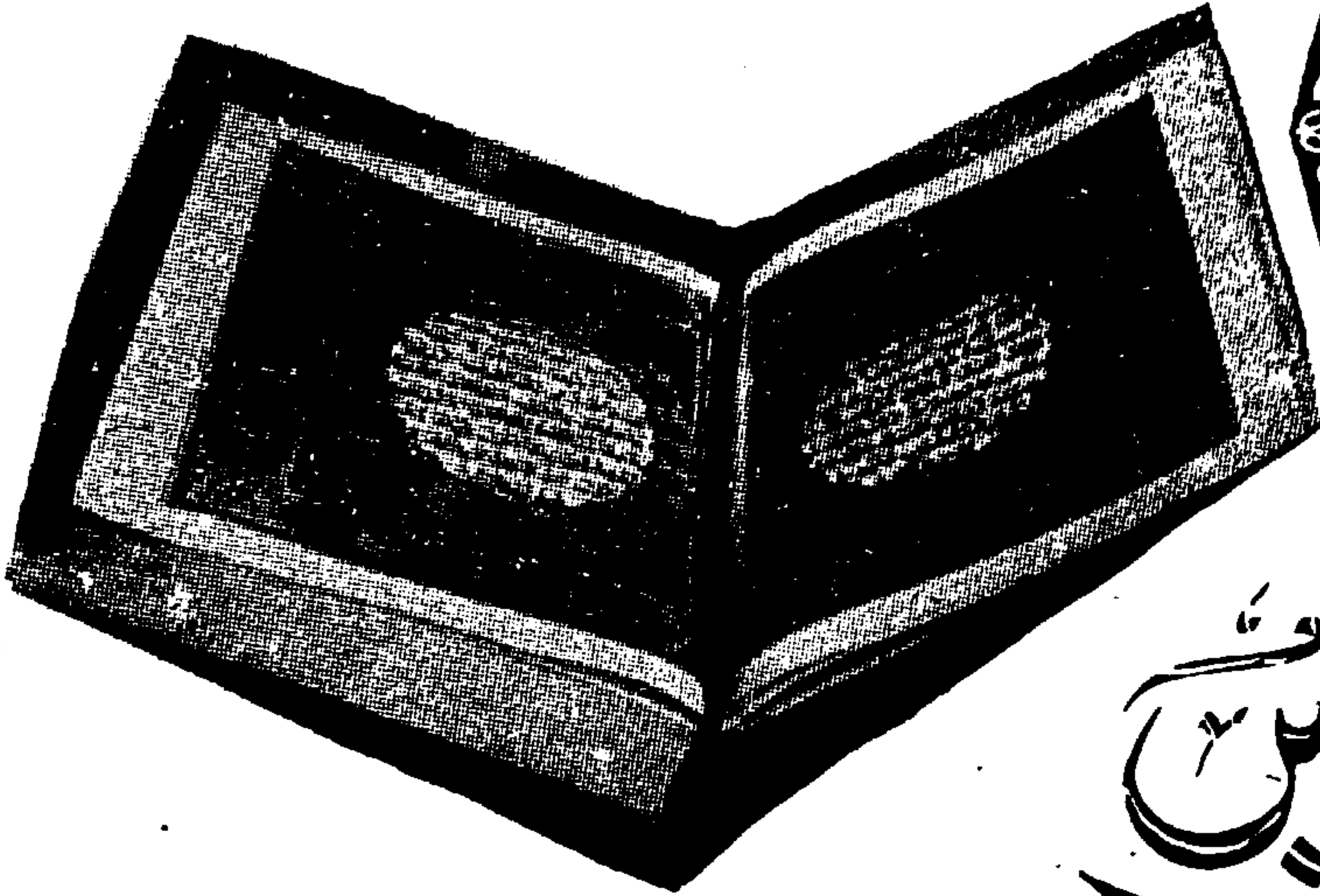
معصوم رسول

بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے کو
پ۱۵ اسرائیل ۶۵

بے شک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ پ۱۳ یوسف (۵۳)

تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے پ۲۷ النجم (۲)

اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔ پ۸ انعام (۱۲۴)

اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے ضرور ہم ان سے بتوب بدلہ لیتے۔ پ۲۹ الحاقہ (۴۴)

اور اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ تھوڑا سا جھکتے۔ پ۱۵ بنی اسرائیل (۷۴)

ہمیں نہیں پہونچتا کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک ٹھرائیں یہ اللہ کا ایک فضل ہے ہم پر اور لوگوں پر مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ پ۱۲ یوسف (۳۸)

اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ جس بات سے تمہیں منع کرتا ہوں آپ اس کے خلاف کرنے لگوں میں تو جہاں تک بنے سنوارنا ہی چاہتا ہوں اور میری توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔ پ۱۲ ہود (۸۸)

بے شک رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لئے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے۔ پ۲۱ احزاب (۲۱)

اتصاف رسالت

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔ پ۲۲ احزاب (۴۵)

بے شک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور تم سے دوزخ والوں کا سوال نہ ہوگا۔ پ۱ بقرۃ (۱۱۹)

جیسا ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے اور وہ تمہیں تعلیم فرماتا ہے جن کا تمہیں علم نہ تھا۔ پ۲ بقرہ (۱۵۱)

وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے پڑے برا مانیں مشرک۔ پ۱۰ توبہ (۳۳)

اسی طرح ہم نے تم کو اس امت میں بھیجا جس سے پہلے امتیں ہو گذریں کہ تم انہیں پڑھکر سناؤ جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی پ۱۳ رعد (۳۰)

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہاں کے لئے پ۱۷ انبیاء (۱۰۷)

اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔ پ۲۲ سبا (۲۸)

بے شک تم سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو پ۲۲ یس (۳)

فضیلت رسول

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا ان میں کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا پ۳ بقرہ (۲۵۳)

یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تو تم انہیں کی راہ چلو تم فرماؤ میں قرآن پر کوئی اجرت نہیں مانگتا وہ نہیں مگر نصیحت سارے جہان کو پ۷ انعام (۹۰)

بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ پر جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو پ۱۸ فرقان (۱)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ پ۲۲ احزاب (۴۰)

ادب رسول

اور میرے رسول پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو اور اللہ کو قرض حسن دو بے شک میں تمہارے گناہ اتار دونگا۔ پ۶ مائدہ (۱۲)

اے ایمان والو اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب تمہیں رسول اس چیز کے لئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی۔ پ۹ انفال (۲۴)

تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہی بامراد ہوئے پ۹ اعراف (۱۵۷)

رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے بے شک اللہ جانتا ہے جو تم میں چپکے نکل جاتے ہیں کسی چیز کی آڑ لیکر تو ڈریں وہ جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فتنہ پہونچے یا ان پر دردناک عذاب پڑے۔ پ۱۸ نور (۶۳)

اور نہ کہ مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہونچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرما دیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بیشک صریح گمراہی بہکا۔ پ۲۲ احزاب (۳۶)

اے ایمان والو نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو جب تک اذن نہ پاؤ مثلاً کھانے کے لئے بلائے جاؤ نہ یوں کہ خود اس کو پکنے کی راہ تکو ہاں جب بلائے جاؤ تو حاضر ہو اور جب کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ نہ یہ کہ بیٹھے باتوں میں دل بہلاؤ بے شک اس میں نبی کو ایذا ہوتی تھی تو وہ تمہارا لحاظ فرماتے تھے اور حق فرمانے میں نہیں شرماتا اور جب تم

ان سے برتنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو اس میں زیادہ ستھرائی ہے تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی اور تمہیں نہیں پہونچتا ہے کہ رسول کو ایذا دو اور نہ یہ کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو بے شک یہ اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات ہے۔ پ۲۲ احزاب (۵۳)

تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح شام اللہ کی پاکی بولو۔ پ۲۶ فتح (۹)

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ جانتا اور سنتا ہے۔ پ۲۶ حجرات (۱)

اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو۔ جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہوجائیں اور تمہیں خبر نہ ہو پ۲۶ حجرات (۲)

بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس، وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ پ۲۶ حجرات (۳)

رسول نور ہیں

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔ پ۶ مائدہ (۱۵)

چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ نہ مانے گا مگر اپنے نور کا پورا کرنا پڑے برا مانیں کافر پ۱۰ توبہ (۳۲)

اور اللہ کی طرف سے اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔ پ۲۲ احزاب (۴۶)

اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں ایک چراغ ہے وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے موتی سا چمکتا روشن ہوتا ہے برکت والے پیڑ زیتون سے جو نہ پورب کا نہ پچھم کا قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے نور پر نور ہے اللہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے اور انہیں مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے پ۱۸ نور (۳۵)

اختیارات رسول

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں پ۵ النساء (۶۵)

اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہونچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرما دیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو حکم نہ مانیں اللہ اور اس کے رسول کا وہ بے شک صریح گمراہی بہکا پ۲۲ احزاب (۳۶)

اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے پ۲۸ حشر (۷)

وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں وہ انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہی بامراد ہوئے۔ پ۹ اعراف (۱۵۷)

شفاعت رسول

اے محبوب ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل کرو

جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کردو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے اللہ سنتا جانتا ہے۔ پ۱۱ توبہ (۱۰۳)

وہ کون ہے جو ان کے یہاں سفارش کرے بے اس کے حکم کے جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے پ۳ بقرہ (۲۵۵)

جس دن جبرئیل کھڑا ہوگا اور سب فرشتے پرا باندھے کوئی بول نہ سکے گا مگر جسے رحمٰن نے اذن دیا اور اس نے ٹھیک بات کہی پ۳۰ النباء (۳۸)

اور اس کے پاس شفاعت کام نہیں دیتی مگر جس کے لئے وہ اذن فرمائے یہاں تک کہ جب اذن دے کر ان کے دلوں کی گھبراہٹ دور فرما دی جاتی ہے ایک دوسرے سے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا ہی بات فرمائی وہ کہتے ہیں جو فرمایا حق فرمایا اور وہی ہے بلند بڑائی والا پ۲۲ السباء (۲۳)

اس دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی مگر اس کی جسے رحمٰن نے اذن دیدیا ہے اور اس کی بات پسند فرمائی پ۱۶ طٰہٰ (۱۰۹)

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں پ۵ النساء (۶۴)

اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں پ۹ انفال (۳۳)

بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان پ۱۱ توبہ (۱۲۸)

اور بے شک قریب ہے تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ پ۳۰ والضحیٰ (۵)

رسول سے نسبت

اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے کیا تمہیں سب امتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ اور اے محبوب تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لئے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور بے شک یہ بھاری تھی مگر ان پر جنہیں اللہ نے ہدایت کی اور اللہ کی شان نہیں کہ تمہارا ایمان اکارت کرے بے شک اللہ آدمیوں پر بہت مہربان رحم والا ہے۔ پ۲ بقرۃ (۱۴۳)

تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ پ۴ آل عمران (۱۱۰)

اے محبوب تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔ پ۱۴ حجر (۷۲)

اے نبی کی بیبیو تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر اللہ سے ڈرو تو بات میں ایسی نرمی نہ کرو

قسم اس شہر کی کہ اے محبوب تم اس میں تشریف فرما ہو پ۳۰ بلد (۲) (۱-۲)

چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے پ۳۰ ضحیٰ

رسول کا علمِ غیب

اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دیدے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور اگر ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے پ۴ آل عمران (۱۷۹)

اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ پ۵ النساء (۱۱۳)

ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا پھر اپنے رب کی طرف اٹھائے جائیں گے پ۷ انعام (۳۸)
اور لوح میں جو کچھ لکھا ہے سب کی تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں پروردگار عالم کی طرف سے ہے۔ پ۱۱ یونس (۳۷)
اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے اور ہدایت اور رحمت اور بشارت مسلمانوں کو۔ پ۱۴ النحل (۸۹)
رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا پ۲۷ رحمٰن (۱-۲)
غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے پ۲۹ جن (۲۶-۲۷)
اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔ پ۳۰ تکوین (۲۴)

آخری نبی

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا تو جو بھوک پیاس کی شدت میں ناچار ہو یوں گناہ کی طرف نہ جھکے تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے پ۶ مائدہ (۳)
تم فرماؤ کہ اللہ گواہ ہے مجھ میں اور تم میں اور میری طرف اس قرآن کی وحی ہوئی ہے کہ میں اس سے تمہیں ڈراؤں اور جن جن کو پہونچے تو کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور خدا ہیں تم فرماؤ کہ میں یہ گواہی نہیں دیتا پ۷ انعام (۱۹)
وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے پڑے برا مانیں مشرک پ۱۰ توبہ (۳۳)
محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے پ۲۲ احزاب (۴۰)

حاضر اور ناظر رسول

بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا کہ تم پر حاضر ناظر ہیں پ۲۹ مزمل (۱۵)
بڑی برکت والا ہے وہ جس نے قرآن اتارا اپنے بندہ پر جو سارے جہاں کو ڈر سنانے والا ہو۔ پ۱۸ فرقان (۱)
بے شک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا پ۱ بقرہ (۱۱۹)

رسول کو بشر کہنا کفار کا طریقہ ہے

بولا مجھے زیبا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے بجتے مٹی سے بنایا جو سیاہ بودار گارے سے تھی پ۱۴ حجرات (۳۳)
تو اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کیا بولے یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی چاہتا ہے کہ تمہارا بڑا بنے اور اللہ چاہتا تو فرشتے اتارتا۔ پ۱۸ مومنون (۲۴)
اور اگر تم کسی اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کرو جب تو تم ضرور گھاٹے میں ہو۔ پ۱۸ مومنون (۳۴)
بولے تم تو نہیں مگر جیسے آدمی، اور رحمٰن نے کچھ نہیں اتارا تم بڑے جھوٹے ہو۔ پ۲۲ یسٓ (۱۵)
یہ اس لئے کہ ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لاتے تو بولے کیا آدمی ہمیں راہ بتائیں گے، تو کافر ہوئے اور پھر گئے پ۲۸ تغابن (۶)

گستاخی رسول کفر ہے

اے ایمان والو راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے پ۱ بقرۃ (۱۰۴)
اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے

قاہرہ میں بزرگانِ دین کے مزارات

ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو پ۲۶ حجرات (۲)

بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر کہ اگر تم میں سے کسی کو معاف کریں تو اوروں کو عذاب دیں گے اس لئے کہ وہ مجرم تھے پ۱۰ توبہ (۶۶)

اور جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے پ۱۰ توبہ (۶۱)

بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پ۲۲ احزاب (۵۷)

فرمایا تو جنت سے نکل جا کہ تو راندہ گیا پ۲۲ (۷۷)

میلاد سنّتِ الٰہی ہے

بے شک تمہارے پاس اللہ طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب پ۶ مائدہ (۱۵)

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ پ۴ آل عمران (۱۶۴)

وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں پھر انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں پ۲۸ جمعہ (۲)

اور یاد کرو جب عیسٰی ابن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔ پ۲۸ صف (۶)

اے لوگو بے شک تمہارے پاس اللہ کے طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اتارا پ۶ النساء (۱۷۵)

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

بعد از خدا

بزرگ توئی قصہ مختصر

حضرت مولانا سید مقبول حسین صاحب حبیبی

اہلِ دل کے لئے یہ ایک بہت لطیف اور شوق انگیز عنوان ہے جس کی تجلیات میں گم ہونے کے لئے جذبۂ عالیہ کو صرف فطری سلامتی اور پاکیزگی طبع کافی ہے، یہ کوئی فکری و نظری مسئلہ نہیں جس کے لئے دلائل و براہین تلاش کئے جائیں۔ بس دیدہ اعتبار چاہیئے ورنہ مشاہدات و واقعات کی ایک پھیلی ہوئی کائنات ہے۔ بس اسے یوں سمجھئے جس طرح ایک لدے پھندے ہرے بھرے چمن میں غنچوں، کلیوں، پھولوں کی کمی نہیں دیکھئے اور اپنی پسند کے مطابق چن کر دامن بھرتے جائیے۔ کچھ ایسا ہی معاملہ یہاں بھی ہے قرآن و حدیث اور تاریخ کے صفحات پر اس کے بیشمار شواہد اور ایک سے بڑھ کر ایک خوش رنگ بینات کی گلکاری ہے۔

عظمت و برکت کے اس گلکدہ میں اس قدر رنگارنگی تنوع، اور کثرت ہے جس کی تحدید و شمار تو ہی نہیں ناممکن خیال کیا جاتا ہے۔ ایک علم و معرفت میں بزرگی رکھتا ہے، تو ایک طہارت و عفت میں۔ کوئی تقویٰ و خداترسی میں منفرد ہے تو کوئی دانائی و ذہانت میں۔ کسی کو مال و دولت میں بڑا کہا جاتا ہے اور کسی کو طاقت و شجاعت میں۔ کوئی سیادت و امامت میں عظمت مآب سمجھا جاتا ہے تو کوئی ملک سخن کا ناخدا کہلاتا ہے ایک شہنشاہ ہے تو دوسرا تالیف و تصنیف کا بادشاہ، غرض فرخندگی و میمنت، فضل و بزرگی اور عظمت و برتری کی وادی میں ایسی وسعت و پہنائی ہے جہاں آپ کے عزائم اور قویٰ ہی نہیں آپ کا تخیل بھی آپ کو شرمندہ دکھائی دے گا۔

مگر بازار حیرانی کے یہ استعجاب آفریں نکتہ اضافات ہیں۔ — ممکن اضافات — کمالات ممکنہ حقیقیہ کے مظاہر و شیون — دن کی جبیں پر سورج کی کرنیں افشاں بن کر چمکتی ہیں تو دن تجلیوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ خاکی کالبد میں روح کی جلا بیزیاں جلوہ ریز اور مشک بیز ہوں تو زمزمہ اور ہمہمہ کی ساری کائنات خاموش ہو جائے یوں ہی اقبال و عظمت اور بزرگی کے ان اضافی انوار و مظاہر میں حقیقت کی تنویریں توانائیاں کارفرما ہیں جہاں سے ان کو آسودگی اور حیات میسر ہوتی ہے۔

آیئے دیکھیں عالم امکان کا وہ غیرت شمس و قمر کون سا مقدس گل تر ہے جس کے وجود میں حقیقی مگر ممکن کمال و عظمت کی آب و تاب ہے۔ جو کمالات ممکنہ اور امکانی کائنات کے جمیع مظاہر و تجلیات کا مخزن و منتہا ہے۔ جس کے بحر جود سے انسانیت شاداب و شگفتہ اور عرفان مکرمت سے بہرہ ور ہے اور شعور و فکر اس کے حضور اپنی بے سروسامانی کا اعتراف کرتے ہوئے پکارتی ہے۔

" بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر "

امام البوصیری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

فهو الذی تم معناه وصورته
ثم اصطفاه حبيبا بارئ النسم

جسے امام اہلسنت نے اردو میں یوں پیش فرمایا ہے۔

ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لاجواب
نام ہوا مصطفیٰ تم پہ کروروں درود

فمبلغ العلم فيه انه بشر
و انه خير خلق الله كلهم

مخلوقات کی افضل ترین نوع اور مصنوعات میں شاہکار قدرت کا سب سے انوکھا نمونہ "انسان" ہے جس کے جامع ترین اور سب سے بزرگ و برتر افراد انبیاء و رسل ہیں اور اس پاکیزہ و مقدس جماعت کی آب و تاب میں یکتا و تنہا اور سب سے اکرم و اکمل ذات مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ گلستان قدس کا یہی وہ خوش رنگ پھول ہے جس کی تعبیر نے حیران ہو کر کہہ دیا

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ،،

میرے اپنے خیال میں اس دعوے کو سمجھنے کا سب سے قریب ذریعہ یہی انبیاء کا مقدس گروہ ہے اس لئے کہ جو جماعت اپنے ہر شعبۂ امکان میں اتم و اکمل اور احسن تقویم ہو اس کو لازمی اور لابدی طور سے مخلوق کا سب سے اہم و اعظم اور ہمایوں میمنت فرد سمجھا جائے گا پھر جو ذات اقدس اس مبارک جماعت سے منتخب و برگزیدہ ہو کر خلعت اصطفا سے سرفراز ہو یقیناً اس کی شان یہ ہوگی۔

ہر مرتبہ کہ بود در امکان بروست ختم
ہر نعمتے کہ داشت خدا شد برو تمام
او از خدا و ہر چہ جز او منتشی از و
او جان جملہ عالم و حق جان جاں شمار

لہٰذا شواہد و بصائر کے صرف چند گوشے خصوصیت کے ساتھ اکمل ترین خلق گروہ انبیاء کو عطا ہونے والے اوصاف عظمت و کمال میں اس جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اعزازی اور امتیازی حیثیت پیش کرتا ہوں

وہ صفات جسمیں آپ کا کوئی شریک نہیں

آپ اول الخلق ہیں بزم امکان آپ سے روشن ہوئی اور سب سے پہلے آپ کا نور پاک وجود میں لایا گیا۔ اول ما خلق الله نوری وكل الخلائق من نوری

سب سے پہلے زمین آپ کے لئے کھلے گی اور آپ قبر انور سے باہر تشریف لائیں گے

اول من ينشق عنه القبر

سب سے پہلے آپ شفاعت فرمائیں گے۔ اور سب سے پہلے آپ کی شفاعت بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوگی۔

انا اول شافع واول مشفع

سب سے پہلے آپ کے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔

آتی باب الجنة يوم القيامة فاستفتح فيقول الخازن من انت فاقول محمد فيقول بك امرت ان لا افتح لاحد قبلك۔

آپ سامنے اور پیٹھ کے پیچھے بیک وقت دونوں جہت میں دیکھتے تھے۔ انی اراكم من امامی ومن خلفی

آپ کو کوثر عطا فرمایا گیا۔ انا اعطینك الكوثر

آپ کو رفعت ذکر عطا کی گئی۔ ورفعنا لك ذكرك

آپ کو مقام محمود عطا کیا گیا۔ عسى ان يبعثك ربك مقاما محمودا

آپ کو مقام عبدیت پر سرفراز کیا گیا۔ سبحن الذی اسری بعبده

مقام محبت اور مقام محبوبیت بھی آپ ہی کو بخشا گیا۔ الا وانا حبيب الله ولا فخر

آپ کو جوامع الکلم عطا فرمایا گیا۔ اوتیت

جوامع الکلم۔

آپ کو شفاعت عطا کی گئی جسے آپ نے اپنی امت کے لئے بطور ذخیرہ محفوظ کر رکھا ہے۔

اعطیت الشفاعۃ (الحدیث)

آپ کو تمام خزائن کی کنجیاں مرحمت کی گئیں

اوتیت بمفاتیح خزائن الارض فوضعت فی یدی۔

آپ کے لئے ساری زمین پاک اور مسجد قرار دی گئی۔ وجعلت لی الارض کلھا مسجدا وطھورا۔

صرف آپ کے لئے مال غنیمت حلال ٹھہرایا گیا۔

واحلت لی المغانم ولم تحل لاحد قبلی

ایسے رعب اور دبدبے کے ساتھ آپ کی مدد کی گئی جو ایک ماہ مسافت تک کارفرما ہوتا ہے۔

نصرت بالرعب مسیرۃ شھر

قیامت میں آپ کو لواء الحمد عطا کیا جائے گا جس کے نیچے تمام اولین وآخرین جمع ہوں گے۔ وبیدی لواء الحمد ولا فخر ومامن نبی یومئذ آدم فمن سواہ الا تحت لوائی۔

روز قیامت آپ تمام اولین وآخرین کے سردار ہوں گے

انا سید ولد آدم یوم القیامۃ ولا فخر۔

آپ کو وسیلہ عطا فرمایا جائے گا۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم سلوا لی الوسیلۃ قالوا یا رسول اللہ وما الوسیلۃ قال اعلی درجۃ (الحدیث)۔

آپ کائنات کے تمام اصناف واقسام اور ہر اسود و احمر کی طرف مبعوث کئے گئے جب کہ دیگر انبیاء ایک مخصوص قوم کی طرف تشریف لائے تھے۔ وما ارسلناک الا کافۃ للناس اور بعثت الی الاحمر والاسود۔

آپ کو معراج اور اسرار سے عزت وکرامت بخشی گئی۔ سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ۔

قول راجح پر حیات ظاہری میں بحالت بیداری سر کی آنکھوں سے اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوئے — ماکذب الفؤاد ما رای افتمٰرونہ علی ما یری۔

آپ کو قصر دنیٰ کی اقامت گزینی سے سرفرازی بخشی گئی۔ ثم دنا فتدلی فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔

آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث کیا گیا۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔

آپ کو ختم نبوت کا منصب عطا کیا گیا۔ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔

عرش وکرسی پر جنت کے پتوں پر، جنت دوزخ کے دروازوں پر، غرض ان تمام مقامات پر جہاں اللہ تبارک و تعالیٰ کا اسم پاک مکتوب ہے آپ اور صرف آپ ہی کے نام پاک کو پروردگار کے نام کے ساتھ ملا کر لکھا گیا ہے

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

صرف آپ ہی کے اعضاء مبارکہ کو قرآن کریم میں بالتفصیل ذکر کیا گیا ہے "دل فیض نزول" کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

نزل بہ الروح الامین علی قلبک

"زبان صدق ترجمان" کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

فانما یسرناہ بلسانک۔

"بصر انور" سے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ مازاغ البصر وما طغیٰ۔

"روئے منور" کا تذکرہ یوں ہوتا ہے۔ قد نری تقلب وجھک فی السماء۔

"دست وگردن" کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ لا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک۔

"سینہ در گنجینہ" کے بارے میں ارشاد ہے۔ الم

نشرح لك صدرك۔

"پشت اطہر" کے متعلق ارشاد ہے۔ ووضعنا عنك وزرك الذی انقض ظهرك

صرف محبوب ہی کی ذات مبارک ایسی ہے جس کی عمر گرانمایہ کی خود خلاق عالم نے قسم یاد فرمائی۔ لعمرك انهم لفی سكرتهم یعمهون۔

مسکن وجائے قیام کو قسم سے یاد فرمایا ہے۔ لا اقسم بهذا البلد و انت حل بهذا البلد۔

دیگر امتوں میں ان کی نافرمانی کی وجہ سے نبی کی موجودگی ہی میں عذاب نازل ہو گیا، مگر صرف محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کی برکت ہے کہ کافروں کے بار بار مطالبہ کرنے کے باوجود ان كان هذا هو الحق من عندك فامطر علينا حجارة من السماء او ائتنا بعذاب اليم۔

انسانیت کو عذاب عام سے محفوظ کر دیا گیا۔ ما كان الله ليعذبهم و انت فيهم (الایۃ)

کافروں کے لئے ایک کلی حکم ہے فلا یخفف عنهم العذاب ولا هم ینصرون۔

مگر پیارے محبوب کے ساتھ نیک سلوک کرنے والے کافروں کے ساتھ اس کا عکس نظر آتا ہے۔ جیسے ابولہب جس کا تذکرہ بخاری شریف میں یوں ہے۔

قال عروة ثويبة مولاة لابی لهب كان ابولهب اعتقها فارضعت النبی صلی الله عليه وسلم فلما مات ابولهب اريه بعض اهله بشر حيبة قال له ماذا لقيت قال ابولهب لم الق بعدكم غير انی سقيت فی هذه بعتاقتی ثويبة۔

عروہ نے کہا ثویبہ ابولہب کی آزاد کردہ کنیز ہیں جنھیں ابولہب نے (بشارت ولادت کی خوشی میں) آزاد کیا تھا اور انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا ابولہب کے مرنے کے بعد خاندان کے کسی فرد نے اسے خواب میں متغیر حالت میں دیکھ کر پوچھا تجھے کیا عذاب ملا؟ بولا! جو آج تک کسی کو نہ ملا ہوگا، ہاں اتنا ضرور ہے کہ (ولادت کی خوشی میں) ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے۔ (پیر کے دن) ان دو انگلیوں کے بیچ سے پانی مل جاتا ہے

اور ابوطالب کا تذکرہ امام مسلم نے یوں فرمایا ہے۔

عن ابن عباس انه قال یارسول الله هل نفعت اباطالب بشیء فانه كان يحوطك ويغضب لك قال رسول الله صلى الله عليه وسلم نعم هو فی ضحضاح من نار ولو لا انا لكان فی الدرك الاسفل من النار۔

حضرت ابن عباس نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے ابوطالب کی بھی کچھ فریاد رسی کی؟ وہ تو آپ کے حامی و مددگار اور آپ کے لئے دوسروں سے عداوت مول لیتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں وہ صرف قدموں تک عذاب میں ہیں ـــــ اور اگر میں نہ ہوتا تو جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتے۔

برے برتاؤ کا قاعدۂ کلیہ قرآن میں یوں ہے وجزاء سيئة سيئة مثلها۔

مگر حبیب خدا کا معاملہ اس سے مستثنیٰ ہے کہ ولید بن مغیرہ نے آپ کو صرف مجنون کہا تو قرآن نے اس کے بدلہ میں اس کے دس عیوب شمار فرمائے اور آپ کے مراتب عالیہ عیاں کئے گئے ن و القلم (الایہ)

نماز ایسی مہتم بالشان عبادت ہے جس میں غیر خدا سے خطاب اور سلام و کلام کی گنجائش نہیں مگر محبوب کی تجلیاں یہاں بھی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ پرتو فگن ہیں ان کی بارگاہ میں خصوصیت کے ساتھ متوجہ ہو کر بصیغہ خطاب سلام عرض کرنا تکمیل نماز کے لئے ضروری ہے۔

عالمگیری صفحہ ۷۲ میں ہے۔

ولابد من ان یقصد بالفاظ التشهد معانیها التی وضعت لها من عنده لانه یحیی الله ویسلم علی النبی وعلی نفسه و اولیاء الله تعالی کذا فی الزاهدی

(نمازی کو لازم وضروری ہے کہ التحیات پڑھتے وقت التحیات کے خاص معانی کا تصور کرے یوں کہ گویا وہ اللہ کی بارگاہ میں تحیت پیش کر رہا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پیش کر رہا ہے، اور خود اپنے اوپر اور اللہ کے خاص بندوں پر۔)

خوش نصیب ہے وہ شخص جسے حالت نماز میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طلب فرمائیں اور اس پر واجب وضروری ہے کہ فوراً بلا تاخیر حاضر بارگاہ ہو۔ بارگاہ رسالت مآب سے کچھ ارشاد یا حکم ہو سب کی تعمیل کرے پھر واپس جاکر نماز کو وہیں سے شروع کرے جہاں سے چھوڑ کر آیا تھا۔ اس کے یہ سارے معاملات نماز ہی میں شامل ہوں گے اور وہ نماز ہی میں ہے۔ جیسا کہ حدیث ابوسعید بن معلی اس پر شاہد عدل ہے:۔

عن ابی سعید بن المعلی قال مر بی النبی صلی الله علیه وسلم وانا اصلی فدعانی فلم آته حتی صلیت ثم اتیت فقال ما منعك ان تاتی فقلت کنت اصلی فقال الم یقل الله یا ایها الذین آمنوا استجیبوا لله وللرسول اذا دعاکم۔

○

صفِ انبیا میں امتیاز

ہر نبی ورسول کو اس وقت مغفرت کی بشارت سنائی گئی جب اس نے خود اپنی لغزش اجتہادی کا اقرار کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی

حضرت داؤد علیہ السلام

لقد ظلمت نفسی۔

مگر محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو لغزشوں سے مامون اور محفوظ رکھنے کے باوجود محبوب کی تسلی کے لئے۔ لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك و ما تاخر کی بشارت سنادی تاکہ اگر کسی مقام پر لغزش اجتہادی کے احتمال سے محبوب کا قلب پاک گراں ہو رہا ہو۔ تو یہ بوجھ بھی اس سے اتار دیا گیا۔

اگلی امتیں اپنے نبیوں کو ان کے نام پاک سے مخاطب کرتی تھیں جیسے۔

قوم موسیٰ

یموسیٰ اجعل لنا الٰها کما لهم اٰلهة

قوم عیسیٰ

یا عیسی ابن مریم هل یستطیع ربك

قوم ہود۔

یا هود ما جئتنا۔

قوم صالح

یا صالح ائتنا وغیرہ

مگر آقا کے غلاموں پر آقا کا نام لے کر خطاب کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا انبیاء سابقین کی گمراہ امت نے جب ان کی تنقیص وتوہین کی اور ایسے ناز یبا الزام لگائے جن سے ان کا دامن پاک بری تھا تو خود انبیاء علیہم السلام نے ان کے جوابات دئے جیسے قوم نوح نے کہا۔ انا لنراك فی ضلال مبین۔

تو خود حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا۔ یا قوم لیس بی ضلالة

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے کہا۔ انا لنراك فی سفاهة

توجواب میں حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا۔ یقوم لیس بی سفاهة

فرعون نے حضرت موسیٰ سے کہا۔ انی لاظنك یموسیٰ مسحورا۔

توجواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ انی لاظنك یفرعون مثبورا۔

مگر جب آقا کی بارگاہ میں گستاخوں نے ہرزہ سرائی کی تو خود رب العزت عز مجدہ نے جواب دہی فرمائی۔ ولید ابن مغیرہ نے مجنون کہا تو پروردگار عالم کی طرف سے ارشاد ہوا وماانت بنعمة ربك بمجنون

کسی بدبخت نے شاعر کہا تو ارشاد ہوا وما علمنه الشعر وما ینبغی له۔

کسی ظالم نے استہزاءً کہا۔ هل ندلكم علی رجل ینبئكم اذا مزقتم كل ممزق انكم لفی خلق جدید۔ توجواب میں خدا کا کلام نازل ہوا۔ بل الذین لایؤمنون بالاخرة فی العذاب والضلال البعید۔

○

حضرت آدم علیہ السلام کو رب نے اپنے دست قدرت سے بنایا۔ "خلقت بیدی" اور اس میں روح پھونکی فاذا سویته ونفخت فیه من روحی

اور سرکار نور کامل السرور کو اپنے نور گنجینۂ ظہور سے پیدا کیا "كل الخلائق من نوری وانا من نور الله" فرشتوں نے بامر الٰہی حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔" فسجد الملئكة كلهم اجمعون اور سرکار پر خود اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں بلکہ مومنوں کو بھی درود و سلام بھیجنے کا حکم ہے۔" ان الله وملئكته یصلون علی النبی یایها الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما "۔ یہ صلوٰۃ وسلام اس سجدہ سے افضل ہے اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ بھی فرشتوں کا شریک ہے

اور حضرت آدم علیہ السلام کو فقط فرشتوں نے سجدہ کیا تھا ...... اور وہ بھی ایک بار جب کہ صلوٰۃ وسلام کا نزول مستمر اور دائم الثبوت ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہشت بریں میں زندہ پہونچایا " ورفعناه مكانا علیا "۔ اور ہمارے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شب معراج میں ایسے مقام تک پہونچایا جہاں کوئی نبی اور فرشتہ نہیں پہونچا اور نہ پہونچے گا۔ " دنی فتدلی فكان قاب قوسین او ادنی۔

حضرت نوح علیہ السلام پر جو لوگ ایمان لائے تھے صرف وہی غرق ہونے سے بچ سکے۔ " قیل یانوح اهبط بسلام منا وبركات علیك وعلی امم ممن معك" اور ہمارے سرکار رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے کفار بھی دنیوی عذاب سے محفوظ رہے ": ماكان الله لیعذبهم وانت فیهم حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی امت کے کافروں کے حق میں بددعا فرمائی۔ " رب لاتذر علی الارض من الكافرین دیارا " مگر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کی جانب سے شدید سختیاں اٹھانے کے باوجود فرماتے رہے۔

" اللهم اهد قومی فانهم لایعلمون۔"

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی پانی پر ٹھہری تھی۔ حضرت عکرمہ بن ابوجہل کی درخواست پر سرکار نے ارشاد فرمایا پتھر پانی پر تیرنے لگا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی امت پر پتھر برسا " وامطرنا علیهم حجارة من سجیل سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی دنیا میں قدم بھی نہیں رکھا تھا کہ آپ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ایک بہت معمولی پرندہ کے ذریعہ اصحاب فیل کو شکست دی اور مسور کے برابر سنگریزوں سے ابرہہ کے لشکر کو ہلاک فرما کر کعبۂ معظمہ کی حفاظت فرمائی۔ " وارسل علیهم طیرا ابابیل ترمیهم بحجارة من سجیل۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آتش نمرود سرد ہوئی۔
"قلنا یا نار کونی بردا و سلاما علی ابراہیم" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کفار مکہ کی آگ ٹھنڈی کی گئی۔
"کلما اوقدوا نارا للحرب اطفأها اللہ" بلکہ اس سے کہیں زیادہ حیرت ناک امر یہ ہے کہ شب معراج میں حضور آگ کے طبقہ سے ہو کر گزرے جسے کرۂ نار کہا جاتا ہے اور کرۂ نار آپ کی برکت سے ٹھنڈا ہو گیا۔ حضرت ابراہیم نے بتوں کو کلہاڑی سے توڑا۔ "فجعلهم جذاذا۔" اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بتوں کو جو کعبہ میں سیسے سے جمائے ہوئے تھے ایک لکڑی کے اشارے سے گرا دیا۔
"جاء الحق وزهق الباطل۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقام خلت پایا "واتخذ اللہ ابراهيم خليلا" اور سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام محبت ــــ مقام "محبت" "خلت" سے اعلیٰ ہے۔ کیونکہ حبیب اس کو کہتے ہیں جو مقام محبوبیت پر فائز ہو۔

خلیل وہ ہے جس کا فعل خدا کی رضا کے موافق ہو۔ "افعل ما تؤمر" اور حبیب وہ ہے خدا جس کی مرضی کا طالب ہو۔ "فلنولينك قبلة ترضاها"

حضرت خلیل علیہ السلام رب کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں "ولا تخزني يوم يبعثون۔" اور حبیب علیہ السلام کی شان میں بغیر کسی عرض و معروض کے نازل ہوئی۔ "یوم لا يخزي اللہ النبي" بلکہ از راہ فضل و محبت اور زیادہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا "والذين آمنوا معه"
حضرت خلیل رب کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں "واجعل لي لسان صدق في الآخرين" ــــ اور رب کریم حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ارشاد فرماتا ہے۔ "ورفعنا لك ذكرك" حضرت خلیل علیہ السلام دعا فرماتے ہیں "واجعلني من ورثة جنة النعيم" حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد ہوتا ہے "انا اعطيناك الكوثر" حضرت خلیل علیہ السلام عرض کرتے ہیں "واجنبني وبني ان نعبد الاصنام" ــــ اور رب کریم اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ارشاد فرماتا ہے "يريد اللہ ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا۔" ذبح اسماعیل حضرت خلیل کو خواب میں دکھایا گیا "اني ارى في المنام اني اذبحك" اور حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ شہادت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بزبان جبریل سنایا گیا۔ حضرت خلیل ذبح اسماعیل پر راضی ہوئے تو ان کو اسحق ملے "وبشروه بغلام عليم" اور حبیب صلی اللہ علیہ وسلم لخت جگر کی شہادت پر صابر ہوئے تو آپ کو شفاعت کبریٰ کی بشارت ملی "ولسوف يعطيك ربك فترضى"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا اللہ تعالیٰ نے اژدہائے غیر ناطق بنایا ــــ اور ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی میں خشک لکڑی کے ستون کو رلایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا کا نشان ملا۔ ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم نبوت مرحمت فرمائی گئی ــــ ید بیضا کی روشنی میں آنکھ چکا چوندھ ہو جاتی تھی "تخرج بيضاء من غير سوء" مگر ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سراپا نور بنائے گئے "قد جاءكم من اللہ نور" اس کے باوجود آپ کے جمال جہاں آرا کے نظارے میں کوئی تکلیف نہیں محسوس ہوتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریائے نیل پھٹ گیا "واذ فرقنا بكم البحر" ــــ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اشارہ پاکر آسمان پر چاند نے اپنا کلیجہ شق کر دیا "اقتربت الساعة وانشق القمر" ان دونوں معجزوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پتھر پر مارا پتھر سے پانی جاری ہو گیا "فانفجرت منه اثنتا عشرة عينا"

ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے انگشتہائے مبارک سے پانی کا چشمہ جاری ہوا۔ یہ انتہا درجے کا خرق عادت ہے۔ اس لئے کہ پتھر سے پانی نکلنا ممکن ہے بخلاف

انگلیوں کے ـــــ حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت خضر علیہ السلام سے فرماتے ہیں "علی ان تعلمن مما علمت" ـــــ اور ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی مناجات رب سے ہے۔ "رب زدنی علما"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مناجات کا مقام طور سینا ہے، اور ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی مناجات کا مقام عرش معلی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض رویت کی آرزو کی تو ارشاد ہوا "لن ترانی" اور ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے ارشاد ہوتا ہے۔ "ما زاغ البصر وما طغی"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام شرح صدر کی دعا کرتے ہیں "رب اشرح لی صدری" اور آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر کسی طلب کے شرح صدر ہوتا ہے۔ "الم نشرح لک صدرک۔"

حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے لوہے کو نرم کیا۔ اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے خشک درخت کو سرسبز بنایا۔ اور قدم شریف کے نیچے پتھر کو نرم فرمایا ـــــ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ تسبیح کرتے تھے ـــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں کنکریوں نے تسبیح کی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چڑیوں کی کی بولی سکھائی "وعلمنا منطق الطیر۔" اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور زہر آلود گوشت کا "بولنا" اونٹ کا شکایت کرنا، ہرن کا فریاد کرنا مشہور ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے واسطے ہوا کو تابعدار بنایا "غدوها شهر ورواحها شهر" اور آپ کو براق مرحمت فرمایا جو ہوا سے کہیں زیادہ تیز رو تھا بلکہ بجلی سے بھی تیز ـــــ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جن مسخر کئے گئے اور ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم پر جن ایمان لائے ـــــ حضرت سلیمان علیہ السلام جنوں سے کام لیتے تھے "ومن الجن من یعمل بین یدیه" اور ہمارے سرکار کے دست مبارک پر جن ایمان لائے تھے اور تبلیغ دین کیا کرتے تھے ـــــ

"اجیبوا داعی اللہ وآمنوا به" حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنوں کا لشکر ملا "وحشر لسلیمان جنوده ومن الجن" اور ہمارے سرکار کے صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتوں کا لشکر ملا۔ "یمدکم ربکم بخمسة الاف من الملئكة" حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں چڑیاں بھی تھیں۔ اس سے عجیب تر واقعہ ان کبوتروں کا ہے جو غار حرا کے دروازہ پر آئے اور ایک ساعت میں آشیانہ بنا کر پھر اس میں انڈے دے کر دشمنوں کو خائب وخاسر کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہفت اقلیم کی بادشاہت ملی ـــ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سلطنت وعبودیت دونوں پیش کی گئیں۔ آپ نے بندگی اختیار فرمائی تو آپ کو عقبیٰ کی بادشاہت ملی، اور یہ ایسی بادشاہت ہے جس کے لئے زوال نہیں۔

"وللآخرة خیر لک من الاولیٰ۔" حضرت سلیمان علیہ السلام کے واسطے آصف بن برخیا بلقیس کا تخت لائے۔ اور ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے مقدمہ نکاح حضرت زینب میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "زوجنکها۔"

حضرت یوشع علیہ السلام نے ہزار ماہ تک خدا کی راہ میں جہاد فرمایا۔ ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ القدر مرحمت ہوئی، جو ہزار مہینہ سے افضل ہے "لیلة القدر خیر من الف شهر۔"

ہزار مہینے کا جہاد ـــــ اور یہاں لیلۃ القدر کا ثواب سرکار کے طفیل غلاموں کے لئے بھی۔

حضرت صالح علیہ السلام کی دعا سے پتھر سے اونٹنی پیدا ہوئی۔ ہمارے سرکار پر پہاڑوں کا سلام عرض کرنا اس سے کم نہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ سے زائد افراد کی طرف مبعوث فرمایا۔ اور ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہان پر رسالت عطا فرمائی "وما ارسلناک الا کافة للناس بشیرا و

"نبیاً"۔ حضرت یونس علیہ السلام چالیس سال تک اپنی قوم کو دعوت دیتے رہے مگر قوم نے بت پرستی سے منہ نہ موڑا ۔۔۔ اور ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت تبلیغ تیئیس ۲۳ سال ہے جس میں بے شمار مشرکین نے لات ومنات پر لات مار کر مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم پر بددعا کی اجابت دعا میں توقف ہوا تو حضرت یونس وہاں سے نکل پڑے "اذ ذھب مغاضبا" اور ہمارے سرکار نے جب ثقیف پر بددعا کا ارادہ فرمایا تو ارشاد ہوا "ولا تکن کصاحب الحوت"۔ حضرت یحیٰی علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے بچپن میں پیغمبری مرحمت فرمائی "واٰتینٰہ الحکم صبیا"۔ ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو تخلیق آدم سے بہت پہلے نبوت سے سرفراز فرمایا گیا "کنت نبیا وآدم بین الماء والطین۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مادرزاد اندھے کو بینا اور ابرص کو اچھا کرتے تھے "وابری الاکمہ والابرص"۔ ہمارے سرکار نے حضرت ابو قتادہ کی آنکھ جو کسی جنگ میں باہر نکل آئی تھی درست فرما کر پہلے سے بہتر فرمایا۔ معاذ بن عفرا کی بیوی کو برص ہو گیا تھا، سرکار نے ان کو ایک لکڑی سے چھو دیا تو ان کی جلد پہلے سے بہتر طور پر نکھر اور سنور گئی تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ چوتھے آسمان پہ لے گیا "بل رفعہ اللہ الیہ"۔ ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج ساتویں آسمان ہی نہیں بلکہ اس سے اور آگے لامکاں تشریف لے گئے ۔۔۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت پر قوم حضرت مریم کو ملامت کرنے لگی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا

"انی عبد اللہ اٰتانی الکتاب وجعلنی نبیا"

اور ہمارے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں قدم رنجہ فرماتے ہی سربسجدہ ہو کر فرمایا "لا الہ الا اللہ انی رسول اللہ"۔ غرضیکہ رب کریم نے اپنے حبیب اور ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت و برتری کے ہر گوشہ و زاویہ میں ممتاز اور ساری کائنات سے احسن و

اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ

اکمل اور کامل و مکمل فرما کر

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

کا مصداق بنایا۔

○

میں نے اپنی تمہید میں جو کچھ عرض کیا تھا کہ واقعات وحقائق کی روشنی میں آپ کو اس کا یقین ہو گیا ہو گا کہ خدائے بزرگ و برتر کے بعد اگر انبیاء ورسل کے مقابل دیکھا جائے تو سب میں اور سب سے زیادہ ممتاز و منفرد ہیں مرے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء اور اگر ملائکہ کے مقابل دیکھا جائے تو جہاں سید الملائکہ کے پر جلیں مرے سرکار اس سے بھی آگے بڑھیں بلکہ جہاں جبرئیل کا ذہن نہیں گیا وہاں میرے سرکار کا تلوا پہنچ گیا۔ اگر عالم فلکیات میں دیکھا جائے تو انگلیوں کے اشارے پر چاند کا کلیجہ ٹکڑے ہو جائے اور ڈوبا ہو سورج پلٹ آئے۔ عالم عنصریات میں دیکھا جائے تو آگ، پانی، ہوا، مٹی سبھی پر آپ ہی نہیں آپ کے غلاموں کا بھی اختیار ہے۔ غرضیکہ انبیاء ورسل کے جھرمٹ میں دیکھو یا عرش کی بلندیوں پر پہاڑ کی چوٹی پر دیکھو، یا زمین کی پستی پر غرضیکہ عالم شش جہت میں کہیں دیکھو، جس طرح اور جیسے دیکھو ہر عالم میں مرے سرکار خدا کی ہر مخلوق سے بلند و بالا، افضل و اعلیٰ بہتر و برتر، کامل و اکمل، اکرم و احسن اور ممتاز و منفرد ہیں اس لئے ایک حق نگر، حق پسند، حق گو زبان کو کہنا پڑا۔

ع "ولبعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم

مولانا ریاست علی قادری

بتوں اور بت پرستوں کی مذمت میں آیاتِ قرآنی کو انبیاء و اولیاء افضل الصلوٰۃ والثناء پر ڈھال کر مسلمانوں کو گمراہ کرنا اور ان کے قلوب سے عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، تعظیم انبیاء علیہ السلام، توقیر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور حرمتِ اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کی محبت سے ان کو پھیرنا کہاں کی اسلام دوستی ہے؟ وہ آیات ربانی جو بت پرستوں اور بتوں کے خلاف نازل ہوئیں ان کو ایسی مکرّم ومقدس ہستیوں پر چسپاں کرنے کی مذموم کوشش کرنا اور مسلمانوں میں غلط فہمیاں پیدا کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ مدد مانگنے پکارنے وغیرہ امور متعلقہ بہ انبیاء و اولیاء وخود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شرک بنانے کو ان آیات کا پیش کرنا کہاں کی شرافت ہے؟

یعبدون من دون اللہ مالا ینفعھم ولا یضرھم ویقولون ھٰؤلاء شفعاؤنا عنداللہ قل اتنبئون اللہ بما لا یعلم فی السمٰوٰت ولا فی الارض سبحٰنہ وتعالیٰ عما یشرکون ٥

" اللہ کے سوا ایسی چیزوں کو پوجتے ہیں جو انہیں فائدہ پہنچا سکے نہ نقصان اور کہتے ہیں یہ اللہ کے یہاں ہمارے شفیع ہیں۔ اے محبوب! تم فرما دو کیا اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جو اس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں۔ پاکی وبلندی ہے اللہ کو ان کے شرک سے"!

ان آیاتِ ربانی پر ہر مسلمان کا یقین ہے جو مشرکین مکہ پر اتریں لیکن ہر شخص حالانکہ بچہ بھی جانتا ہے کہ آدمی بلکہ جانور تک نفع ونقصان پہنچا سکتا ہے۔ ان آیات کی تفسیر کرتے وقت دشمنانِ دین بتوں کو انسانوں سے تشبیہ دیکر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے درپے ہیں اور یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء بتوں کی طرح بے حس وبے جان ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

یزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ۔

" یہ نبی مسلمانوں کو پاک کرتے ہیں انہیں کتاب وحکمت سکھاتے ہیں"۔

کیا یہ نفع پہنچانا نہ ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے تو ان بتوں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اے مشرکو یہ بت جن کو تم نے خدا اور سب کچھ بنا رکھا ہے نہ شفاعت کرا سکتے ہیں اور نہ ہی مدد کر سکتے ہیں چونکہ یہ بے حس وبے جان ہیں اور تم نے جن کو خود مٹی اور پتھر سے بنایا ہے کس طرح تمہاری مدد کر سکتے ہیں؟ لیکن ان ارشادات ربانی کا اطلاق انبیاء و

اولیاء پر کر کے مسلمانوں میں غلط فہمیاں پیدا کی جارہی ہیں۔
آیت نے بتوں کی شفاعت کی نفی فرمائی ہے نہ کہ انبیاء و اولیاء کی شفاعت کو نعوذ باللہ باطل قرار دیا ہے. کیا قرآن عظیم میں یہ نہیں لکھا ہے؟

"اغنٰھم اللہ ورسولہ من فضلہ"

• انہیں غنی کردیا اللہ اور اللہ کے رسول نے اپنے فضل سے"

تو کیا اس آیت سے یہ ثابت نہیں کہ اللہ تعالیٰ تو غنی کرتا ہے لیکن اس کے فضل و کرم سے اللہ کا رسول بھی لوگوں کو غنی کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو کیا تم شرک کہو گے؟

ابن ماجہ نے ابو موسیٰ اشعری اور امام احمد نے بسند صحیح اور طبرانی نے بسند جید عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

• کیا میری شفاعت ستھرے مومنوں کے لئے خیال کرتے ہو؟ نہیں! بلکہ وہ گناہگاروں آلودہ روزگاروں، سخت خطاکاروں کے لئے ہے"

اس حدیث پاک سے ظاہر ہو رہا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف مومنوں بلکہ گناہگاروں تک کی شفاعت فرمائیں گے. اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے.

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ.

• ہم نے تمام رسولوں کو اس لئے بھیجا کہ ان کا حکم مانا جائے اللہ کی پروانگی سے"

اللہ تعالیٰ تو اپنے فرمان میں ہمیشہ سچا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس کے رسول ایسی بات کا حکم دے ہی نہیں سکتے جو اس کو پسند نہ ہو دگرنہ وہ یہ فرماتا کہ رسولوں کا حکم ہر حال میں مانو. لیکن ان دشمنانِ دین و مذہب کو کیا کہئے جو کہیں کہ اللہ کے سوا کسی کا حکم نہ مانو. نہ رسول کا، نہ ماں باپ کا، نہ استاد کا، نہ اپنے بڑوں کا. ارے نادانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تو اللہ ہی کا حکم ہے کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا.

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم.

• وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں. ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے"

رسول دنیا میں بھیجے ہی اس لئے جاتے ہیں کہ لوگ ان کے حکم پر چلیں ورنہ ان کے بھیجے جانے کا اور کیا مقصد ہے؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے.

(ترجمہ) اے موسیٰ! تم ان کے لئے دریا میں سوکھا راستہ نکال دینا تاکہ بنی اسرائیل پار ہو جائیں"

اب اگر رسول کو اتنی قدرت نہیں تو اللہ تعالیٰ یہ ارشاد کس لئے فرمارہا ہے کہ اے موسیٰ تم بنی اسرائیل کو دریا پار کرادو. اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں واضح طریقے سے یہ بات سمجھا دی کہ :-

وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا.

• رسول جو کچھ تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے منع فرمائے باز رہو"

میں ان لوگوں سے دریافت کرتا ہوں جو کہتے ہیں کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا، ان سے مصیبت میں فریاد رسی کرنا، ان کو پکارنا شرک ہے تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق کہ رسول (غیر اللہ ہے) جو دے وہ لے لو اور جس سے منع فرمائے باز رہو. کیا ہے؟ اگر بقول ان کے شرک ہے تو وہ خود مرتد ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کر کے انہوں نے اپنے خود ساختہ فیصلے لوگوں پر ٹھونسنے کی بے جا و مذموم کوشش کی.

حدیث مبارکہ امام احمد و امام طحاوی میں ہے کہ اعشی مازنی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں عرض کیا! "یا مالک الناس و دیان العرب" یعنی اے تمام آدمیوں کے مالک اور عرب کے جزا و سزا دینے

والے" کہئیے! شرک کی مہر ہر بات پر چھاپنے والے صاحب یہاں تو صاف صاف کہا جا رہا ہے کہ تمام انسانوں کے مالک اور جزا و سزا دینے والے یہ تو کھلا شرک ہو رہا ہے لگا دیجئے شرک کی مہر حضرت اعشی پر۔ کیا ہر بات پر شرک شرک، شرک کی رٹ لگانے والے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے زیادہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے ہیں؟

ابن عدی و ابن عساکر کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"میں اپنی امّت کو دوزخ سے نجات دلاتا ہوں"۔

آپ تو کہتے ہیں کہ جنّت و دوزخ کا اختیار صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن اس حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امّت کو دوزخ کی آگ سے محفوظ فرمائیں گے۔ رسول اللہ کے اختیارات کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں جس کو چاہیں جنت جیسی نعمت عظمیٰ عطا فرما دیں۔ ابن عساکر و ابونعیم نے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں حضرت عثمان کے نکاح میں آئیں تو آپ نے ان کے لئے جنت کی ضمانت فرما دی۔ طبرانی و ابن عساکر کی حدیث ہے کہ حضرت عثمان غنی نے عرض کیا "یا رسول اللہ! اگر میں یہ چشمہ خرید کر مسلمانوں کو دیدوں تو کیا حضور اس کے بدلے میں مجھے جنت عطا فرما دیں گے؟ فرمایا "ہاں"۔

ابو نعیم کی حدیث ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مالک جنت نے حضرت طلحہ سے فرمایا! اے طلحہ کل تمہیں جنت دینا میرے ذمّہ ہے"۔

طبرانی و ابونعیم و ابن عساکر کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"اے عبدالرحمٰن بن عوف تمہاری آخرت کے معاملے کا میں ذمّہ دار ہوں"۔

گستاخوں کا یہ کہنا کہ کسی نبی یا رسول کو اختیار نہیں کہ کسی کو جنت دیدیں تو ان احادیث کی روشنی میں دیکھیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کارخانۂ الٰہی میں تصرف کا اختیار ہے کہ نہیں؟ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جسے چاہیں جنت جیسی نعمت عظمیٰ عطا فرما دیں۔ کائنات میں کوئی ان کے حکم کو پھیرنے والا نہیں۔ اللہ کی زمینوں کے مالک و مختار ہیں جن کا حکم آسمانوں میں چلتا ہے جس کو چاہیں جس حکم سے چاہیں خاص کر دیں۔ اور جس کو چاہیں جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ کر دیں۔

حدیث ابن السکن میں ابو نعمان ازدی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کو پیام نکاح دیا۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہر دو۔ عرض کی۔ میرے پاس کچھ نہیں۔ فرمایا۔

"کیا تجھے قرآن عظیم کی کوئی سورۃ نہیں آتی وہ سورۃ سکھا نا ہی اس کا مہر کر اور تیرے بعد یہ مہر کسی اور کو کافی نہیں"۔

طبقات ابن سعد میں اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے کہ جب ان کے شوہر اوّل جعفر طیار شہید ہوئے تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا!

"تین دن سنگھار سے الگ رہو پھر جو چاہو کرو"۔

یہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس حکم عام سے مستثنیٰ کر دیا کہ عورت کو شوہر پر چار مہینے دس دن سوگ واجب ہے"۔

حارث بن اسامہ نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا وہ بیچ کر مکر گیا اور گواہ مانگا جو مسلمان آتا اعرابی کو جھڑکتا کہ خرابی ہو تیرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق کے سوا کیا فرمائیں گے؟ (مگر گواہی نہ دیتا کہ کسی کے سامنے کا واقعہ تھا) اتنے میں خزیمہ حاضر بارگاہ ہوئے گفتگو سنکر بولے! میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بیچا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تم تو موجود ہی نہیں تھے تم نے گواہی کیسے دی؟ عرض کی یا رسول اللہ! میں حضور کی تصدیق سے

گواہی دیتا ہوں میں حضور کے لائے ہوئے دین پر ایمان لایا اور یقین کیا کہ حضور حق ہی فرمائیں گے۔ میں آسمان و زمین کی خبروں پر حضور کی تصدیق کرتا ہوں کیا اس اعرابی کے مقابلے میں تصدیق نہ کروں"۔ اس کے انعام میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ان کی گواہی دو مردوں کی شہادت کے برابر فرما دی اور ارشاد فرمایا۔

" خزیمہ جس کسی کے نفع خواہ ضرر کی گواہی دیں۔ انہی کی شہادت بس ہے"۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات کا تو انسانی ذہن احاطہ ہی نہیں کرسکتا۔ محبوب رب العالمین ہیں اور رحمۃ للعالمین ہونے کے سبب کائنات کی تمام اشیاء سے افضل و برتر ہیں۔

حضرت عامر بن اکوع نے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا!

" یا رسول اللہ! ہمارے گناہ بخش دیجئے ہم پر سکینہ اتاریئے اور ہمیں جہاد میں ثابت قدم رکھئے"۔

غور فرمائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف لوگوں کو حکم دیتے ہیں بلکہ گناہوں کو بھی بخشتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یہ اختیارات دے جبھی تو آپ انکا استعمال کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

" ولکن اللہ یسلط رسلہ علیٰ من یشاء واللہ علی کل شیءٍ قدیر"۔

اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

اے میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو تمام کائنات کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اور بے پناہ اختیارات سے نوازا اور تمام مخلوق الٰہی پر واجب کیا کہ آپ کی تعظیم و توقیر کی جائے اور ان کا حکم بلاچون وچرا مانا جائے۔ اور یہ لوگ کہیں کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارو جس کی دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

" ومن اضل ممن یدعو من دون اللہ من لا یستجیب لہ الیٰ یوم القیٰمۃ وھم عن دعائھم غافلون"۔

" اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اللہ کو چھوڑ کر ایسے کو پکارے جو قیامت تک جواب نہ دے نہ انہیں پکارنے کی خبر"۔

یہ آیت ان بتوں اور بت پرستوں کی مخالفت میں اتری جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے کافرو یہ بت جنہیں تم پوجتے ہو، پکارتے ہو بے حس و بے جان ہیں مٹی و پتھر کے ڈھیر کی مانند ہیں بھلا یہ کیا سنیں گے اور کیا جواب دیں گے؟ تو ان لوگوں نے لفظ " ایسے" کو بتوں سے ہٹا کر انبیاء پر ڈھانا چاہا اور اکثر لوگوں کو گمراہ کیا۔ حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اولین و آخرین کا علم عطا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے دنیا اٹھائی کہ وہ اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسا اپنی اس ہتھیلی کو"۔ ایک اور جگہ فرمایا!

" جو مجھے سلام کرتا ہے۔ میں اسے جواب دیتا ہوں"۔ اور فرمایا!

" میرا علم میری وفات کے بعد ایسا ہی ہے جیسا میری زندگی میں"۔

تو میرے دوستو! اللہ تعالیٰ کے تمام ارشادات پر یقین کرنا ہوگا۔ پورے قرآن عظیم پر ایمان لانا ہوگا اور جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی بلاچون وچرا تعمیل کرنا ہوگی تب ایمان مکمل ہوگا۔ کیا تمہارے گھٹانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گھٹ جائے گی؟ تم نیست و نابود ہو جاؤ گے لیکن ان کا ذکر قیامت تک باقی رہے گا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے محبوب ابھی آپ اس دنیا میں ظاہری طور پر تشریف نہ لائے تھے کہ ہم نے آپ کا ذکر بلند کیا اللہ تعالیٰ جس کی تعریف فرمائے جس کی مدح و ستائش سے قرآن عظیم بھرا ہے جس کے لئے کائنات وجود میں آئی۔ اس کی شان گھٹانے والے خود ہی

ختم ہو جائیں گے۔ میرے آقا و مولا کی شان تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو حکم دے رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ۔

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما ۞

"یعنی اگر ایسا ہو کہ جب وہ اپنی جانوں پر ظلم یعنی گناہ کریں تو تیری بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہو جائیں اور خدا سے مغفرت مانگیں اور مغفرت چاہے ان کے لئے رسول تو بیشک اللہ عزوجل کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں اللہ عزوجل نے یہ فرما کر کہ گناہگار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو جائیں اپنے محبوب کا مقام بلند کیا ہے۔ اللہ چاہے تو یونہی بخشدے مگر حکم یہی ہو کہ رسول اللہ کے دربار میں حاضر ہو جاؤ۔ اس حاضری میں یہ کوئی تخصیص نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہو یا موت بلکہ ہر حال میں بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کا حکم ہے۔ زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں جب بھی کوئی کسی گناہ کا مرتکب ہوتا تو وہ سیدھا بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوتا اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ الٰہی میں اس کی سفارش فرماتے اور اس کے گناہوں کی مغفرت کرتے تو وہ عذاب الٰہی سے بری ہو جاتا۔ اللہ کی شان تو نرالی ہے وہ چاہے تو ایسے ہی بخشدے مگر حکم یہی ہے کہ اس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہو کر توبہ و استغفار کی جائے حاصل کلام یہ ہے کہ جو یہ چاہتے ہیں وہ خدا چاہتا ہے کہ یہ وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے چونکہ سب کچھ ان ہی کے دم سے ہے ؎

یہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، یہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں یہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے

اللہ تعالیٰ مالک کل ہے اسے کیا پروا ہے! جسے چاہے نواز دے کسی کی کیا مجال کہ اس کے کام میں دخل دے لیکن اس نے طریقہ یہی بتایا کہ اگر مجھ سے محبت کرنا چاہو تو میرے محبوب کی اتباع کرو۔

ترجمہ:۔ "فرما دو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔"

اگر دشمنانِ دین اللہ تعالیٰ کی آیات کا مفہوم و مطلب اپنی محدود عقلوں کے سہارے نکالنا چاہتے ہیں جو قابلِ مذمت ہونے کے علاوہ گمراہ کن بھی ہے۔ وہ خود بھی بہکے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کی کھلی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور دوسروں کو راہِ راست سے ہٹا رہے ہیں معلم ملکوت کو ایک آن میں اللہ تعالیٰ نے شیطان و ملعون کیا جب نظر عنایت خاک پر ہوئی ملائکہ نے جو مدت سے تسبیح و تقدیس میں مشغول اور طہارت و عصمت کے ساتھ موصوف تھے عرض کیا الٰہی! ہم تیری عبادت میں مشغول ہیں باوجود ہمارے یہ فسادی و خونریز خاک کیا لیاقت خلافت رکھتی ہے"۔ ارشاد ہوا۔

"بتحقیق میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے"۔

جب مقربانِ عصمت و طہارت ایک مخلوقِ الٰہی کی خوبی و بزرگی سے واقف نہ ہوئے بہزار عجز و نیاز اپنی نادانی کا اعتراف کیا۔ ان باتوں کی حکمت کیا ہے؟ اور یہ کما حقہٗ سمجھ میں نہیں آتیں اور ہماری عقل ناقص اسے ادراک نہیں کر سکتی حکیم کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ یہ کیا ضروری ہے کہ جس بات کا بھید ہماری سمجھ میں نہ آئے اس میں کوئی بھید ہی نہ ہو یا جس کی حکمت تک ہمارا ذہن نہ پہنچے اس میں کچھ حکمت نہ ہو؟ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق فرمائی اور تخلیق کی غرض و غایت بھی بتا دی تاکہ انسان اِدھر اُدھر بھٹکتا نہ پھرے۔ ہر شخص اشیاء کے وجود و مقصد اور وجہ و غرض معلوم کرنے کے لئے اپنی اپنی محدود عقلوں کا سہارا لیتا ہے اور کسی نہ کسی نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ یہ نتائج مختلط اور مختلف ہونے کی وجہ سے نہ تو انسان کو کسی ایک نکتہ و مرکز پر پہنچانے میں مددگار و معاون ثابت ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی ٹھوس اور مثبت عقیدہ کا جواز

بنتے ہیں بلکہ انسانوں میں بے چینی و خلفشار پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ عقلوں کا استعمال اس جگہ سود مند ہوتا ہے جہاں واضح ہدایات نہ ہوں۔ خدا جو تمام عاقلوں کا عاقل ہے اور جس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں انسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے واضح ہدایات مہیا کر کے عقلوں کو صحیح راستہ دکھاتا ہے۔ ان ہدایات کی موجودگی میں عقلوں کا سہارا لینا خودکشی کے مترادف ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

لولاک لما خلقت الکونین۔" اگر آپ کو پیدا نہ فرماتا تو دونوں جہاں پیدا نہ فرماتا۔"

عقل کا کام یہ ہے کہ احکامِ الٰہی کان لگا کر سُنے کہ کیا حکم آتا ہے اور طریقِ عمل و تعمیل کیا ہے؟ نا یہ کہ کیوں حکم دیا اور اس میں کیا فائدے ہیں؟ جو خوانِ نعمت ملے اور انسان اس فکر میں رہے کہ یہ کھانا کس طرح اور کس جگہ سے آتا ہے اور کس برتن میں پکتا ہے؟ یہاں تک کہ لوگ تمام کھانا کھا جائیں اور یہ مُنہ تکتا رہ جائے۔ اور سوچتا رہے اس سے زیادہ احمق اور کون ہے؟ عقل کی بساط ہی کیا کہ حکیم مطلق کی سب حکمتیں اور اس کے سب احکام کے بھید سمجھ سکے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ خدا کے سب راز و بھید ان کو معلوم ہو جائیں؟ بلکہ نہ معلوم ہونا ضروری ہے ورنہ علمِ الٰہی سے مساوات لازم آجائے۔ اگر شوقِ اِدراک اور علمِ دین کی تحصیل میں کوشش تو مجاہدہ و ریاضت میں سعی کر۔ اس سے بہت سے راز منکشف ہوں گے اور جو قابلِ انکشاف نہیں ان کی نسبت یہ اعتقاد جم جائے گا۔ کہ یہ اسرار میری سمجھ سے بالا تر ہیں اور عقل سے ورا ہیں عقلمند وہ ہے جو سب سے زیادہ خوفِ الٰہی رکھتا ہے اور اللہ تعالےٰ کے احکامات کی بلاچون وچرا تعمیل میں خضوع وخشوع اور دیانت داری کا مظاہرہ کرتا ہے، اطاعت و بندگی میں ہمہ تن و ہمہ وقت مشغول رہتا ہے اور اطمینانِ قلب کی نعمت جلیلہ سے سرشار رہتا ہے اور عقل کو یقین کے تابع رکھتا ہے

تمام امورِ کائنات پر عقل سے کام لینا کہاں کی دانائی ہے؟ بھلا جس عقل پر تیرا اعتماد اور بھروسہ ہے اس کی حقیقت ہی کیا؟ جب عقل کی کوئی حیثیت ہی نہیں تو وہ بھلا خدا کی باریک حکمتیں کیا جانے گی؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

ترجمہ:" یہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں۔"

عقل تو کہتی ہے کہ بے دیکھے ایمان لانا کیسا؟ لیکن اللہ جو ہماری عقلوں کا خالق اور ہمارا رب، ہمیں پیدا کرنے والا ہدایت کرتا ہے اور کیوں نہ کرے کہ خالقِ کائنات ہے جیسا کہ سورۂ یٰسین میں ارشاد ہوتا ہے۔

" رحمٰن سے بے دیکھے ڈرنا ہی بخشش عزت اور ثواب کا ذریعہ ہے۔"

عقل کا دار و مدار اور تعلق اسی پر ہے کہ شیطان کے شر سے محفوظ رہے اور اور اللہ کی بندگی کر رہے۔ اور اللہ کی پناہ مانگتی رہے۔ انسانی عقل نے کہا ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جب کہ وہ گل سڑ گئیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

" وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں بنایا تھا۔"

اللہ تعالیٰ کو کسی شے بنانے کے لئے کسی طرح کی تگ و دو کی ضرورت نہیں۔ وہ تو صرف اتنا کہہ دیتا ہے کہ" ہو جا" وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

تو میرے دوستو! اللہ تعالیٰ نے اپنی تعظیم و توقیر کے ساتھ ساتھ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا حکم دیا ہے نہ صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ اللہ کے نیک بندوں کی عزت و توقیر بھی لازمی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"وللہ العزۃ و لرسولہ و للمومنین"

" عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کے لئے ہے۔"

اور یہ کہیں کہ اللہ کے سوا کوئی بھی تعظیم و توقیر محبت و عزت کے لائق نہیں۔ یہ سراسر ناانصافی اور اللہ تعالیٰ کی مقدس آیات سے کھلی روگردانی ہے۔

اے دوستو! جب تم خدا کی ندا سنو یقین جان لو کہ تمہیں کسی بھلائی کی طرف بلایا جا رہا ہے۔

آدمی جس کی دانائی کا معتقد ہوتا ہے اور اس کے کاموں کی خوبی تجربہ سے سمجھ لیتا ہے اس کے ہر کام کو اچھا جانتا ہے گو کہ فائدہ اس کا اس کی سمجھ میں نہ آئے اور یقین کرتا ہے کہ اس نے ضرور کچھ فائدہ تجویز کیا ہے گو میری عقل اسے دریافت نہیں کرتی۔ کیا خدا کی نسبت اسقدر اعتقاد بھی نہیں جو اس کا حکم بے چون وچرا قبول نہیں کرتا؟ ارے نادان اپنی عقل کا کب تک سہارا لیتا رہے گا اس پر اللہ کی رحمت کیا ہو جو اس کے محبوب کی تعظیم و توقیر سے موڑتا ہو اور ان کو تمام مملکت الٰہی کا دولہا نہیں جانتا ہو اور ان کو اولین و آخرین سے افضل و برتر نہ مانتا ہو۔ کیا تو قرآن عظیم کو پورا نہیں مانتا کہ اس میں کیا کچھ فضائل ہمارے آقا و مولا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں موجود ہیں اگر تو لیاقت نہیں رکھتا تو اتنا ہی سمجھ لے کہ جن پر قرآنِ عظیم نازل ہوا۔ ان کا مرتبہ درگاہ احدیت میں کس درجہ قدر و وجاہت رکھتا ہے۔ ان کی شان ارجمندی، ان کے ذکر کی بلندی وہ چاہتا ہے جو ان کا اور تمام جہانوں کا مالک و مولیٰ ہے ان کی شان کا ڈنکا ہفت و آسمان و تمام روئے زمین میں بج رہا ہے اور ہمیشہ اسی آفتاب رسالت کا دور دورہ ہے وہ وقت قریب آنے والا ہے جب انہیں ہزاروں زیب و زینت کے ساتھ عرشِ الٰہی کی طرف لے چلیں گے۔ انبیاء و مرسلین ان کی طرف دیکھیں گے۔ اگلوں پچھلوں میں ان کی دھوم مچی ہوگی۔ موافق و مخالف انہیں کا دم بھریں گے۔ بزم شفاعت کا انہیں دولہا بنائیں گے۔ سب خدا کی رضا چاہتے ہوں گے اور خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا چاہے گا۔ ہنگامِ محشر کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ ہوگا۔ سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی تو ایسے میں جناب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی گناہگاروں کے کام آئیں گے سب کی نظریں آپ ہی کی طرف اٹھی ہوں گی جس کی عطا پر دونوں جہان کی نگاہیں لگی ہوں گی۔ جو گرتوں کو سنبھالے گا۔ جو گناہگاروں کو دوزخ سے نکالے گا۔ جس کا یدُ اللہ نام ہے جو یتیموں کے سر پہ ہے جو ہم سے ناکاروں کو دو جہاں کی نعمتیں بانٹ رہا ہے۔ مسلم کی حدیث ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قیامت کے دن میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں گا اور سب سے پہلے میں ہی شفاعت کروں گا۔ اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی تو اس حدیث مبارکہ سے یہ بات ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو شفاعت فرمائیں گے ہی جس میں کوئی شک نہیں لیکن آپ کے غلام اور آپ کی امت کے برگزیدہ اور محبوب بندے بھی شفاعت فرمائیں گے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ سب سے پہلے میں ہی شفاعت کروں گا بلکہ یہ فرماتے کہ صرف میں ہی شفاعت کروں گا۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"قیامت کے دن میں نبیوں کا امام و خطیب ہوں گا اور ان کی سفارش کروں گا اس پہ مجھے کوئی فخر نہیں"!

اللہ اللہ مقامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو نبیوں کی سفارش فرمائے بھلا اس کے مقام کو بجز اللہ کون جان سکتا ہے؟ تو لوگوں کے ذہنوں میں یہ ڈالنا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی شفیع نہیں۔ انبیاء و اولیاء کی شفاعت سے منہ موڑنا ہے۔ اگر تمہارا یہی عقیدہ ہے تو بیشک تم شفاعت سے محروم رہوگے۔ اللہ تعالیٰ تو فرمائے کہ یہ مقدس ہستیاں میرے دربار میں شفاعت کریں گی اور میں ان کی شفاعت و سفارش قبول کروں گا۔ اور یہ لوگوں کو دھوکہ دیں۔ مثلاً شفاعت کی نفی کے باب میں وہ

یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

"ولا تدع من دون اللّٰہ مالا ینفعك ولا یضرك۔"

"نہ پوج اللہ کے سوا اس بے عقل چیز کو جو تجھے نہ کچھ نفع دے سکے اور نہ نقصان۔

"ان یدعون من دونہ الا اناثا"

"یہ تو اللہ کے سوا نہیں پوجتے مگر عورتوں کو۔"

یہ آیاتِ قرآنی ان ہی بتوں اور بت پرستوں کے خلاف اُتریں جو ماسوی اللہ بتوں کو پوجتے تھے لیکن انہوں نے ان آیات کو انبیاء و اولیاء پر ڈھال کر لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی حالانکہ اگر تھوڑا بہت بھی غور کیا ہوتا تو صاف سمجھ میں آجاتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بے عقل شئے یعنی بت کو پوجنے سے منع فرمایا ہے جو ظاہر ہے کہ مٹی یا پتھر ہونے کی وجہ سے عقل سے کورا ہے تو معلوم ہوا کہ نفع و نقصان پہنچانے سے قاصر ہے۔ ان آیات کو ایسے مواقع پر دلائل کے طور پر پیش کرنا جہاں انبیاء و مرسلین اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنا، ان کو پکارنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کوئی ذی ہوش اور راسخ العقیدہ مسلمان ان مقدس ہستیوں سے مدد مانگتے وقت یا اپنی حاجات بیان کرتے وقت نعوذ باللہ ایسا گمان نہیں رکھتا کہ وہ ان کو لائق عبادت تصور کرتا ہے۔ یہ مقدس ہستیاں قابل احترام، تعظیم و توقیر کے لائق اور عزت کئے جانے کی اہل ہیں تو کیا ان سے یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ ان کو پوجا جائے ان کی عبادت کی جائے تمہارے مطابق تعظیم و توقیر، عزت و وقار عبادت کا درجہ رکھتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک انبیاء و اولیاء کی عزت کرنا، ان کی تعظیم و توقیر کرنا جزو ایمان ہے۔ دوسری آیت میں صاف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خطاب ان بتوں کے خلاف ہے جو عورتوں کے ناموں سے پہچانے جاتے ہیں اور جنہیں مشرکین مکہ پوجتے تھے تو اس آیت کا اطلاق انبیاء و اولیاء پر کیسے کر دیا جبکہ یہ سب مذکر ہیں اور نہ ہی کوئی مسلمان انکو پوجتا ہے۔ لات، منات، عزیٰ یہ سب بت عورتوں کے ناموں پر ہیں تو اس آیت کی تفسیر اور تراجم میں لوگوں کو یہ تاثر کیوں دیا جارہا ہے کہ مسلمان نعوذ باللہ مشرک ہو رہے ہیں۔

طبرانی کی حدیث مبارک حضرت علی سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میرے رحم دل امتیوں سے حاجتیں مانگو ان سے فضل و بھلائی طلب کرو رزق پاؤ گے، مرادوں کو پہنچو گے کہ ان میں میری رحمت ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ نیک دل امتیوں سے بھی حاجتیں مانگی جاسکتی ہیں، بھلائی طلب کی جاسکتی ہے تو بھلا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا کہنا کہ کائنات پر ان کا حکم چلتا ہے۔

حدیث احمد، نسائی و حاکم بریدہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جس کا مددگار و کارساز میں ہوں علی اس کا مددگار و کارساز ہے۔"

خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے سیدنا امام مالک سے پوچھا! "دعا میں قبلہ کی طرف منہ کروں یا مزار مبارک حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف؟ فرمایا! کیوں اپنا منہ ان سے پھیرتا ہے۔ وہ قیامت کو تیرے باپ اور تیرا یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور خود تیرا اللہ کی طرف وسیلہ ہیں بلکہ انہیں کی طرف منہ کر اور شفاعت مانگ کہ اللہ تعالیٰ تیری درخواست قبول فرمائے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"انما انا قاسم واللّٰہ المعطی۔"

"یعنی دینے والا اللہ ہے بانٹنے والا میں ہوں۔"

مواہب شریف میں ہے کہ ہر نعمت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ملتی ہے اور یہ لوگ کہیں کہ جو لوگ مصیبت کے وقت انبیاء و اولیاء کو پکاریں وہ مشرک ہیں اور کہتے ہیں کہ جتنے پیغمبر آئے ہیں وہ اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں کہ اللہ کو مانے اور کسی کو نہ مانے اگر ایسا ہی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ یہ کیوں فرماتا ہے کہ رسولوں، کتابوں، فرشتوں اور روز جزا کو مانو کہ یہی ایمان ہے اور ان کا نہ ماننا

کفر ہے"۔ "اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو" تو صاف سمجھ میں آتا ہے کیونکہ اللہ ہی کی عبادت کا حکم ہے لیکن کہنا کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ مانو سمجھ میں نہیں آتا۔ ماننے کا مطلب پوجنا کہاں تحریر ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضور خالق و فاعل مستقل ہیں یہ تو کوئی بھی مسلمان ارادہ نہیں کرتا تو اس معنی پر کلام کو ڈھالنا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگنے کو منع کرنا دین میں مغالطہ ڈالنا اور تمام مسلمانوں کو پریشانی میں مبتلا کرنا ہے اگر صدق والا پہاڑ پر بسم اللہ کہے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائے۔ عارف کا بسم اللہ کہنا خالق کے کُن فرمانے کی تاثیر رکھتا ہے۔ اولیاء اللہ میں ایک مرتبہ اصحاب تکوین کا ہے کہ جو چیز جس وقت چاہتے ہیں فوراً موجود ہو جاتی ہے مسلمان تو مسلمان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور قرآن عظیم کے نزول سے قبل یہود تک اپنی حاجات کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کے وسیلے سے دعا مانگا کرتے اور کامیاب ہوتے تھے۔

اللھم فتح علینا وانصرنا با النبی الامی۔

"یارب ہمیں نبی امی کے صدقے و طفیل فتح و نصرت عطا فرما"۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف مرض سے شفا اور تکلیف سے نجات دیتے ہیں بلکہ امت پر سے بوجھ اتارتے ہیں۔ اور ہر مصیبت دور فرماتے ہیں۔ مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات شریف میں ہے کہ جو نعمت تمام عالم میں کہیں ظاہر ہوتی ہے۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی عطا فرماتے ہیں انہی کے ہاتھ سب کنجیاں ہیں تو اللہ کے خزانوں سے کوئی چیز نہیں نکلتی مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے۔ قصیدہ بردہ شریف میں امام بوصیری فرماتے ہیں۔

"اے تمام مخلوق الٰہی سے زیادہ کریم، میرا کوئی نہیں جس کی پناہ لوں، جب مجھے سخت تاریکی اور سختی پہنچتی ہے کہ ہر طرف سے میری جان کو گھیر لیتی ہے۔ میں ڈھونڈتا ہوں کہ کوئی یاری دینے والا ہو یا مدد کرنے والا ہو جس کی پناہ لوں کہ بدانجامی کا خوف دور ہو جائے اسوقت کوئی نظر نہیں آتا مگر ایک ہستی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہ اللہ کے پیارے ہیں۔ اللہ کے رسول ہیں۔ بے پناہ فضیلتوں والے ہیں۔ اور ہر سختی اور مصیبت میں جائے پناہ ہیں جن کی بارگاہ بیکس پناہ میں ہر توبہ کرنے والا پناہ پاتا ہے"۔

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تمام نعمتوں سے مالا مال کر دیا اور آپ کو اپنا محبوب بنایا آپ کے سبب دوسری شریعتوں کو منسوخ کر دیا معراج شریف میں آپ کی حفاظت کی یہاں تک کہ آپ کی آنکھ نہ ٹیڑھی ہوئی اور نہ اس نے زیادتی کی، آپ کی امت پر غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا۔ آپ کو شفیع بنایا۔ بے پناہ فضیلتیں عطا کیں۔ نبوت، رسالت، خلت، محبت، بزرگی، سیر (ملکوت) دیدار قرب، نزدیکی، وحی، شفاعت، وسیلہ، مقام محمود، امامت انبیاء اور لواء الحمد عطا ہوا۔ امانت، دیانت، ہدایت و رحمت، رضا و کوثر، بشارت اور ڈرانے اور گواہی کا مرتبہ عطا کیا۔ نعمتوں کو تقسیم کرنے کا اختیار دیا۔ زمین، ہوا، پانی آگ، ملائکہ، جانور، شجر و حجر غرض کائنات کا ذرہ ذرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی گواہی دیتا ہے البتہ کچھ جنات اور انسان کفر کرتے ہیں۔ ایک مبلغ دین ہونے کا دعویٰ کرنے والے کہتے ہیں۔

"اگر تم ان کی حالت پر غور کرو گے تو دیکھو گے کہ وہ غیر اللہ کی مختلف قسم کی عبادتیں کر رہے ہیں مثلاً محبت تعظیم، خوف، امید، توکل اور دعائیں وغیرہ عبادات میں وہ غیر اللہ کی طرف سائل ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ انکا شرک کئی اعتبار سے مشرکین عرب کے شرک سے کئی گنا زیادہ ہے"۔

تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ سورۃ الفتح میں رب عزوجل فرماتا ہے۔

انا ارسلنٰک شاھدًا و مبشرًا و نذیرًا ۝ لتؤمنوا باللہ و رسولہ و تعزروہ و توقروہ و تسبحوہ بکرۃ و اصیلا ۝

"بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور

ڈرسنا تا تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔"

اللہ تعالیٰ تو حکم دے رہا ہے کہ ایمان لانے کے بعد اور میری عبادت سے قبل میرے رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور یہ صاحب فرمارہے ہیں کہ محبت و تعظیم وغیرہ شرک ہے۔

حدیث مبارکہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔!

لا یومن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہٖ وولدہٖ والناس اجمعین۔

"تم میں کوئی مسلمان نہ ہوگا جب تک کہ میں اسے اس کے ماں باپ، اولاد اور سب سے پیارا نہ ہو جاؤں"۔

اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمائے کہ اسوقت تک کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ تمام انسانوں اور مخلوقِ الٰہی سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ عزیز و محبوب نہ جانے۔ لیکن یہ صاحب فرمارہے ہیں کہ محبت شرک ہے۔ رموزِ شریعت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ اور کون سمجھے گا جن کی پوری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں گزری اور جو علم کا دروازہ ہونے کی حیثیت سے شریعت کے احکام کو بہتر جاننے والے ہیں۔ اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری میں نماز عصر ادا نہ کی تعظیم، ادب، عزت محبت کا پاس و لحاظ تو ملاحظہ ہو کہ اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی نماز عصر نثار کر دی۔ اب لگائیے شرک کا فتویٰ اگر حضرت علی کی یہ حرکت خلافِ مشیتِ الٰہی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کی اس عظیم قربانی کے بدلے سورج کو نہ پلٹاتا۔ اور اسی موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ تیرا یہ علی تیرے اور تیرے محبوب کی خدمت گزاری میں مصروف تھا۔ الٰہی سورج کو پلٹا دے۔" سورج فوراً نمودار ہوا اور غروب ہو کر اوپر آیا حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ادا کی۔ فرمائیے! اس کو آپ کس چیز کا نام دیں گے اس کے متعلق آپ کے ارشادات کیا ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا، ان کی تعظیم و توقیر کرنا، ان کی اطاعت کرنا اصل میں تمام عبادتوں کی عبادت ہے اور روحِ عبادت ہے نہ صرف یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی جائے بلکہ ہر اس چیز سے محبت کی جائے جس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو۔ اہل بیت ہوں یا صحابۂ کرام۔ مہاجرین ہوں یا انصار سب سے محبت کی جائے اور ہر اس شخص سے عداوت رکھنا بھی محبت ہی کا ایک حصّہ ہے جو ان سے دشمنی رکھے، زمانۂ اقدس کا حال تو کیا کہا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہ حال تھا کہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے تھے تو رونے لگتے تھے اور خشوع کا اظہار کرتے اور آپ کی غایت تعظیم اور آپ کے ہیبت و جلال سے ان کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ تمام احوال میں محبوب کی موافقت کرنے کا نام محبت ہے۔ محبوب کی خوبیوں میں گم ہونے کا نام محبت ہے اس کی ذات و صفات میں فنا ہونے کا نام محبت ہے انسانی فطرت کا میلان انعام و احسان کی بنا پر ہے بلاشبہ انسان کی سرشت میں پیدائشی طور پر یہ بات رکھی گئی ہے کہ جو اس پر احسان کرتا ہے اور اس پر انعام و اکرام کرتا ہے وہ اس سے محبت و چاہت رکھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام معانی کے جامع اور موجب محبت ہیں کیوں کہ آپ اپنی امت پر انعام و احسان فرماتے ہیں۔ لطف و کرم رحمت و شفقت، تعلیم کتاب و حکمت، صراط مستقیم کی ہدایت کتنا بڑا احسان اور انعام ہے مسلمانوں پر کہ ہدایت کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اور ذریعہ ہمارے لئے نجات کا باعث ہے۔ آپ کی عطا کردہ نعمتیں ابدی و سرمدی ہیں۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

عرض کیا! یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا! افسوس ہے تجھ پر قیامت کے لئے تو نے کیا تیاری کی؟ اس نے کہا! میں نے کوئی تیاری نہیں کی۔ البتہ میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا! تو اسی کے ساتھ ہے جس سے محبت رکھتا ہے۔

"حضرت انس کا بیان ہے کہ اسلام کے بعد میں نے مسلمانوں کو کسی بات سے اتنا خوش نہیں دیکھا جتنا لوگ آپ کے اس ارشاد سے خوش ہوئے۔ تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی کرنے والوں کا کہنا ہے کہ۔ اے رب! ہمارے دل تیری محبت۔ سے سرشار ہیں اور سینے تیری الفت اور عشق سے معمور ہیں صرف چھوٹے ہی نہیں بلکہ سر بھرے بھی ہیں۔ اگر واقعی انہیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی تو اس کی شان میں گستاخیاں نہ کرتے جس کی شان کو اللہ تعالیٰ نے خود بڑھایا ہے اور جن کی تعظیم وتوقیر جزو ایمان ہے اور جن کی محبت کے بغیر ایمان مکمل نہیں۔ اگر کوئی اللہ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کرنے سے گریز کرتا ہے تو وہ شخص یا تو نادان ہے یا پھر اپنی محبت کے دعویٰ میں جھوٹا ہے تعظیم رسول محبت رسول۔ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ اہلِ ایمان کی جان اور روحِ ایمان ہے اور انکے دلوں کا چین اور ارواح کی غذا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ محبت میں ذکر شریف کی بھی کثرت ہے اس لئے کہ کثرتِ ذکر لوازم محبت میں سے ہے جس سے محبت زیادہ ہوگی اس کا ذکر بھی کثرت سے ہوگا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی اور سنتوں پر عمل ہی محبت کی علامت ہے۔ آپ کے فیصلے کو ماننا، آپ کی ہدایت پر چلنا۔ آپ کی سیرت کو مشعلِ راہ بنانا اور آپ کی شریعت پر قائم رہنا ہی محبت کی دلیل ہے۔ اللہ، اللہ مقامِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جنہیں جانوروں نے سجدے کئے اور اپنی فریادیں آپ سے کیں۔ شجر وحجر نے آپ کی رسالت کی گواہی اور آپ کے حکم سے آپ کے دربار میں حاضری دی۔ شیر خوار بچوں نے آپ سے کلام کیا۔ جانوروں نے آپ سے گفتگو کی۔ چرندوں نے آپ کی پناہ لی۔ ملائکہ سے تائید، ذکر میں بلندی، فتح ونصرت کا ملنا اور امت کو پاک کرنا جیسے منصب عطا ہوئے قرآن مجید کا آپ پر اُترنا، اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کا آپ پر درود و سلام پڑھنا، پتھروں، جانوروں اور شجر وحجر کا آپ سے کلام کرنا یہ سب آپ کے خصائص کریمہ کا ایک ادنیٰ حصّہ ہیں۔ شریعتِ الٰہی میں تبدیلی کرنا، آپ کی دعاؤں کا قبول ہونا۔ آپ کی مقدس انگلیوں سے پانی کا پھوٹ کر نکلنا، تھوڑی چیز کا زیادہ ہوجانا۔ چاند کے دو ٹکڑے کرنا۔ اشیاء کا بدلنا، بیماروں کا اچھا کرنا، لوگوں کو شر سے بچانا، مُردوں کو جِلانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی کھلی دلیلیں ہیں۔

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت فخرِ بنی آدم

مولانا غلام یحییٰ انجم

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں لگتی ہے محنت زیادہ

عرصہ دراز سے حالی کا یہ شعر زبان زد ہے اور اربابِ ذوق وشوق کے یہاں اسے مقبولیت بھی حاصل ہے۔ بظاہر شعر کا مفہوم تو مشکل معلوم ہوتا ہے مگر گہرائی میں جانے کے بعد حقائق بالکل آشکار ہوجاتے ہیں۔ ان دو مصرعوں میں شاعر نے انسانوں اور فرشتوں کی مکمل تاریخ سمیٹ کر رکھدی ہے اور واضح کردیا ہے کہ ایک شخص جس قدر چاہے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوجاتے مگر انسانیت کی دولت سے وہ اکثر محروم رہتا ہے۔ اگر ہم دولتِ انسانیت کو رب العزت کی عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک نعمت تصور کرکے یہ کہیں کہ " ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء" تو غالباً بجا ہوگا۔

اسی ایک مشتِ خاک یعنی حضرت انسان کو رب العزت نے صفحۂ ہستی پر اپنا نمائندہ اور نائب بناکر بھیجا ہے قرآن پاک میں بیشتر آیات اس کی غماز ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

انی جاعل فی الارض خلیفہ

میں زمین پر اپنا ایک نائب مقرر کرنے والا ہوں۔

غور تو فرمایئے کہ ایک مشت خاک کو کیا اہمیت دی جارہی ہے۔ سب سے بلند وبزرگ تر ذات انسان کو اپنے نائب کی حیثیت سے متعارف کراتی ہے۔

قابل غور امر یہ ہے کہ خدا تعالیٰ زمین پر خاک سے اپنا نائب پیدا کررہا ہے تو مناسب تو یہ تھا کہ اتنی عظیم تخلیق کے لیے کوئی عظیم مادہ تلاش کیا جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ انسان کے حقیقی مادوں کی طرف قرآن نے صلصال کالفخار" حمأ مسنون" اور طین" جیسے الفاظ سے اشارہ کرکے واضح کردیا ہے کہ انسان کی تخلیق موجودات میں شامل اشیاء سے ہوئی مگر پھر خدا نے اس کے اندر وجود کی اہم ترین شئے " روح " ڈال کر زندگی بخشی، اس حقیقت پر غور کرنے سے انسان کے اندر دو متضاد چیزوں کا علم ہوتا ہے۔ پہلا روح سے عظمت وبلندی کا اور دوسرے مادہ تخلیق سے پستی

اور کھیری کا، ان دو متضاد فطرتوں سے حضرت انسان
کو اس لیے تیار کیا گیا ہے کہ وہ اپنے ارادے کو مضبوط بنائے
اور پستی سے بلند ہو کر خدا کی صفات اور روح خداوندی
سے قریب تر ہو جائے۔

ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک جتنے انسان
پیدا ہوئے ان میں سے کتنوں نے اس پر عمل کیا۔ جب
ہم ماضی کے اوراق الٹتے ہیں تو رہنمایان مذاہب اور
دعاۃ جیسی گوناگوں شخصیتیں ہمارے سامنے آتی ہیں
یہ کہنا نامناسب ہوگا کہ ہر ایک نے دنیا کے لہو و لعب
کو جزء حیات سمجھا بلکہ کچھ شخصیتیں ضرور ایسی گزری ہیں
جنہوں نے مراتب نبوت و رسالت کے علاوہ دنیا کے جلیل القدر
مراتب پر فائز ہوتے ہوئے بھی ایک عام انسان کی طرح
زندگی بسر کی ہے جس سے صرف نظر ممکن نہیں۔ جن لوگوں
نے تن تنہا محیر العقول کارنامے انجام دیئے
ہیں۔ ان میں فداہ ابی و امی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم
کی ذات گرامی سر فہرست ہے جب ہم محمد عربی کی زندگی
کو تاریخیت، کاملیت، عاملیت اور جامعیت میں تقسیم
کرتے ہیں تو موخر الذکر حصہ انسانی زندگی کے لیے مشعل راہ
دکھائی دیتا ہے۔ یہاں اس جامعیت کا مطلب یہی
ہے کہ محمد عربی کی سیرت میں انسانی زندگی کے ہر پہلو کی
نمائندگی ہے اور انسانی زندگی سے متعلق تمام مسائل کا
حل اس میں موجود ہے تجارت کرنا، بکریوں
کا چرانا، امارت، غربت، یتیم کی طرح زندگی بسر
کرنا، شعب ابی طالب میں محصور رہنا، مہمان
اور میزبان جیسی اہم صفات سے متصف ہونا اسلامی
فوج کی سپہ سالاری کرنا، شکست کے بعد بھی مایوس
نہ ہونا، جنگ میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا، اس
کے علاوہ بہادری، سچائی، شرافت، ایمانداری،
انصاف، ظلم سے نفرت، مظلوموں اور کمزوروں سے
ہمدردی یہ سب خوبیاں ایسی ہیں جو عظیم انسانوں میں
پائی جاتی رہتی ہیں۔ یہ تمام خوبیاں نمود و نمائش کے
طور پر نہیں بلکہ فی الحقیقت کسی انسان کے اندر پائی
جاتی ہیں تو یقیناً محبت و تعظیم کے جذبے سے ہمارا دل
کھنچنے لگتا ہے۔ محمد عربی کی شخصیت ان تمام خصائل
حسنہ کا مجموعہ تھی جس کی بنیاد پر وہ کائنات کے مرکز عقیدت
بنے رہے۔

بچپن میں آپ کے خصائل و عادات عام بچوں
سے بالکل نرالے اور ممتاز تھیں۔ "پوت کے پاؤں پالنے"
کا اثر تھا کہ آپ کے دادا عبد المطلب نے یہ پیشین گوئی
کر دی تھی کہ میرا فرزند بڑا آدمی بنے گا۔ دادا کی عقابی
نگاہوں نے بچے کی پیشانی پر بل کھاتی ہوئی لکیروں
سے تاڑ لیا تھا کہ یقیناً یہ بچہ ایک دن پوری نسل انسانیت
کا رہبر ہوگا۔

بالائے سرش ز ہوش مندی
می تافت ستارہ بلندی

چند دنوں بعد آپ کے دادا کا انتقال ہو گیا
پھر آپ آزمائشوں میں گرفتار ہو گئے دادا کے
انتقال کے بعد انصاف پرستی کا پہلا امتحان تھا
جس کا آپ نے ہنس کر مقابلہ کیا اور کامیابیوں سے
ہمکنار بھی ہوئے۔ یہی کامیابی بعد میں آپ کی
شہرت کی بنیاد بھی ثابت ہوئی۔ مثل مشہور ہے کہ
ہونہار درختوں کے پتے شروع سے ہی چکنے ہوتے
ہیں۔ یہ بچہ دادا کی پیشین گوئی کے مطابق مستقبل
میں دنیا کا بزرگ ترین ہستی بننے والا تھا۔ لہذا اس
کے مطابق بچپن میں اپنے عادات و خصائل کو بھی
ڈھالنا اور عام انسانوں سے غیر معمولی طور پر اچھا برتاؤ کرنا لازم و
ضروری تھا۔ ابھی سن شعور کو نہیں پہنچے ہیں۔ طفولیت
کا زمانہ گذار رہے ہیں۔ مگر تجارت کرنے اپنے چچا ابو طالب
کے ساتھ گئے۔ اس کم سنی کے عالم میں جب کہ آپ کے
بچوں کو ستر ڈھانکنے کی تمیز نہ تھی۔ آپ کی غیر معمولی

صداقت اور سچائی نے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ لیکن جب آپ نے مکمل طور پر تجارت شروع کر دی تو آپ کی راست بازی اور دیانتداری کی اس قدر شہرت ہوئی کہ ساری قوم نے بالاتفاق آپ کو امین کا لقب دے دیا۔ نبوت و رسالت کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہونے کے باوجود ایفائے وعدہ کا جذبہ مزدور پیشہ انسانوں کے ساتھ ایسا ہوتا تھا جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

عبداللہ بن ابی الحمساء کے زمانۂ کفر کا ایک واقعہ ہے کہ انھوں نے محمد عربی کے ساتھ سودا کیا معاملہ سے متعلق ابھی گفتگو پوری نہ ہوئی تھی کہ عبداللہ یہ کہہ کر چلے گئے کہ آپ یہیں تشریف رکھیں میں سہ پہر آؤں گا جانے کے بعد وہ کچھ اس طرح بھول گئے کہ تین دن تک بات ذہن میں نہ آئی۔ جب محمد عربی کی بات کا خیال آیا تو اسی مقام پر پہونچے جہاں گفتگو ہوئی تھی۔ پہونچنے کے بعد محمد عربی کو وہاں پاکر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ تین دن ایک شخص کے انتظار میں ایک مقام پر موجود رہنا ایفائے وعدہ کی اس سے بہتر مثال پوری انسانیت میں کیا مل سکتی ہے۔

ابورافع ایک غلام تھے حالت کفر میں قریش کے سفیر بن کر مدینہ منورہ تشریف لائے۔ جب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور پر نظر پڑی تو کفر سے لتھڑے ہوئے دل میں ایمان کی کرنیں چمکنے لگیں۔ عرض کیا یارسول اللہ اب میں کبھی واپس لوٹ کر کفار کے جھرمٹ میں نہ جاؤں گا۔ حضور فرماتے ہیں نہیں ایسا مت کرو عہد شکنی ہوگی میں قاصدوں کو اپنے پاس نہیں روک سکتا جاؤ اگر وہاں بھی یہی کیفیت رہے تو واپس آجانا چنانچہ ایسا ہی ہوا گئے اور پھر واپس آکر دولت ایمان سے مشرف ہوگئے۔

بڑے مراتب پر فائز شدہ انسان بالعموم عوامی رابطہ کے لیے وقت نہیں نکال سکتا اور نہ ہی ان کی توجہات تمام انسانوں کی ضرورتوں کی طرف مبذول کر سکتا ہے اسکے علاوہ بعض ارباب عزوجاہ کے اندر حصول مراتب کے بعد کچھ ایسی خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ وہ خلوت پسندی کے عادی اور خشک مزاجی کے شکار ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ دماغ میں نخوت و غرور کے آثار بھی پائے جانے لگتے ہیں۔ مگر قربان جائیے اس محمد عربی پر کہ منتہائے مراتب پر فائز ہوتے ہوئے بھی تمام عمر بچوں، بوڑھوں، غریبوں، مفلسوں، بیکسوں، یتیموں اور بیواؤں سے پوری طرح مربوط رہے۔

بچوں سے آپ کی شفقت و محبت کا انداز نرالا تھا۔ ہر طرح انہیں خوش رکھنے کی کوشش کرتے سر پر ہاتھ پھیرتے، پیار کرتے، گود میں اٹھا لیتے بہلانے کے لیے عجیب عجیب جملے استعمال کرتے، ایک کمسن بچے کو چومتے ہوئے فرمایا۔ "إِنَّهُمْ لَمِنْ رَيْحَانِ اللهِ" یہ بچے تو خدا کے باغ کے پھول ہیں بچوں سے کھیل بھی کراتے۔ دوڑ بھی لگواتے نام بھی تجویز کرتے اور کبھی کبھی دل لگی بھی کرتے۔ حضرت انس سے کبھی کبھی پیار میں یا ذاالاذنین (اے دونوں کان والے) فرمانے کا ثبوت ملتا ہے۔

حضور کا بچوں سے پیار و محبت کرنے کا جذبہ انتہائی بے مثال ہے۔ کون ایسا انسان ہے جسے اپنی اولاد سے الفت نہ ہو۔ عام انسانوں کی طرح محمد عربی بھی بچوں کی محبت میں ہمیشہ مشفق و مہربان نظر آتے ہیں اپنے چھوٹے صاحبزادے ابراہیم کی علالت کی خبر پائی تو آپ بے چین ہوگئے۔ فوراً حضرت عبدالرحمن بن عوف کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ بچہ نزع کی حالت میں ہے۔ گود میں اٹھا لیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے حضرت عبدالرحمن نے پوچھا یہ کیا ہے اور آپ کی آنکھوں

سے آنسو کیوں نکل رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا یہ رحمت ومحبت کے آنسو ہیں۔ چیخ چلا کر رونے بال نوچنے اور بین کرنے سے منع کیا ہے دل کی حالت پر تو کسی کو قابو نہیں ہے۔ ہم منہ سے وہی باتیں کہیں گے جن کو خدا پسند کرتا ہے۔ لیکن یہ محبت صرف اپنی اولاد کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ عموماً بچوں سے آپ کو انس تھا۔ ویسے شفقت کا رویہ تو تمام اولاد سے فرماتے مگر حضرت فاطمہ سے آپ کو والہانہ محبت تھی۔ ذرا سی تکلیف دیکھتے تو بے چین ہو جاتے۔ دنیا میں کون ایسا انسان ہے جو اپنی اولاد کو آرام وآسائش کے سامان فراہم نہیں کرتا۔ مگر اتنی الفت ومحبت کے باوجود حضرت فاطمہ کا گھر میں کام کرنے کا عالم یہ تھا کہ چکی پیستے پیستے آپ کے دستہائے مبارک کی کھالیں سخت ہو گئی تھیں پانی خود لاتیں خود جھاڑو لگاتیں کپڑے غبار آلود ہو جاتے مگر یہ تمام تکلیفیں بڑی مشقت سے برداشت کرتیں کبھی تو ایسا ہوتا کہ حضرت فاطمہ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست گاہ سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے۔

حسنین کریمین سے آپ کی محبت کے بیشتر واقعات ہیں۔ آپ کو ان سے اس درجہ محبت تھی کہ آپ انہیں بوسہ دیتے سینے سے لگاتے، ایک مرتبہ اقرع بن حابس عرب کے رئیس خدمت اقدس میں آئے اسوقت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منہ چوم رہے تھے۔ عرض کیا میرے دس بچے ہیں۔ میں نے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا ہے۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا۔ جو اوروں پر رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

محبت کا یہ جذبہ صرف بچوں تک ہی محدود نہیں بلکہ گھر اور گھر ہی نہیں بلکہ سماج کے تمام افراد کے ساتھ تھا اسی ضرورت کے تحت آپ نے دوسرے انسانوں کی طرح شادی بھی رچائی تاکہ انسانی زندگی کا ایک اہم پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔ اور شادی کے بعد ایک عام انسان کی طرح وہ ذمہ داری بھی ادا کی اور، سب کے حقوق وفرائض کو بحسن وخوبی انجام بھی دیا۔ ویسے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری امت پر شفیق ومہربان تھے۔ مگر ازواج مطہرات کے ساتھ آپ کا خلوص نرالا تھا۔

ازواج مطہرات اونٹ پر سوار تھیں۔ ساربان تیز ہانکنے لگے آپ نے فرمایا کہ دیکھنا یہ آبگینے ہیں انہیں ٹھیس نہ لگ جائے۔ ایک روز عید کے دن حبشی نیزے کا تماشہ کر رہے تھے۔ حضرت عائشہ نے دیکھنے کی خواہش کی آپ آگے کھڑے ہو گئے حضرت عائشہ دوش مبارک پر اپنا رخسار رکھ کر تماشہ دیکھنے لگیں اور دیر تک دیکھتی رہیں۔ آخر خود تھک ہار کر ہٹ گئیں۔ اور آپ برابر کھڑے ہی رہے۔

گھر میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ایک عام انسان کی طرح رہتے۔ کبھی بستر پر ہوتے تو اہل وعیال سے حالات حاضرہ پر گفتگو بھی فرماتے اور کبھی دلچسپی کے لیے ماضی کے قصے کہانیاں بھی سناتے کبھی گھریلو امور بھی موضوع سخن ہو جاتے ایک ترقی یافتہ انسان جب تک سماج میں رہتا ہے تو عزت ووقار کا لباس پہن کر قوم کے مسائل حل کرتا ہے۔ اور انسانی شان وشوکت کے ساتھ روز وشب کے حسین لمحے گذارتا ہے۔ مگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ فراز عرش سے لے کر نشیب فرش تک قبضۂ قدرت ہوتے ہوئے بھی سادگی اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ جب گھر میں رہتے تو حضرت عائشہ کے قول کے مطابق کپڑوں کی دیکھ بھال کرتے، بکری کا دودھ دوہتے، اپنے کپڑوں پر خود ہی پیوند لگاتے، جانوروں کو چارہ ڈالتے، آٹا پسوا دیتے، بازار جا کر سودا سلف لے آتے اور ضرورت کی چیزیں ایک ہی کپڑے میں باندھ کر اٹھا لاتے۔ ایک سوال کے جواب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
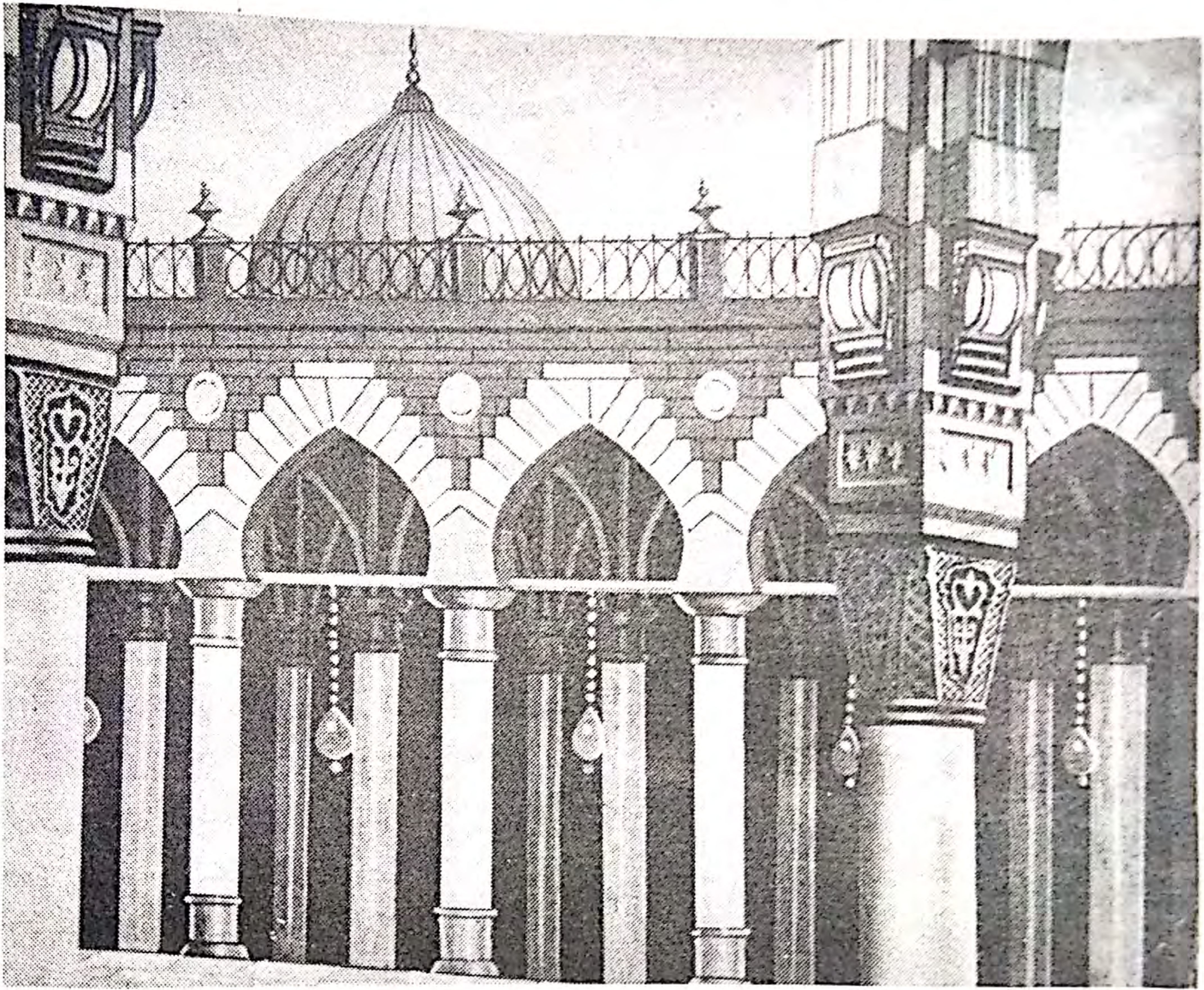
فرماتی ہیں۔ اَلْیَنَ النَّاسِ بَسَّامًا ضَاحِکًا ــــ رسول گھر میں سب سے زیادہ نرم خو، متبسّم، اور خندہ جبیں ہوتے تھے۔ رسول کی نرم مزاجی اور سادگی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ کسی غزوہ سے واپس ہو کر حضرت عائشہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ گھر میں جھنت گیری لگی ہوئی ہے۔ اسے آپ نے اسی وقت پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ خدا نے ہمیں دولت اس لیے نہیں دی ہے کہ اینٹ اور پتھر کو کپڑے پہنائے جائیں۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم حدود شام سے لے کر یمن و عدن تک فرمانروا ہو گئے تھے۔ ہر طرف آپ کا طوطی بول رہا تھا۔ فتوحات پر فتوحات ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ دائرہ اختیارات وسیع سے وسیع تر ہوتے جا رہے تھے۔ مگر پھر بھی آپ کو غریبوں سے الفت و محبت، بیکسوں کی دستگیری، بیواؤں کی خبر گیری، بے چاروں کی یاد گیری، صداقت اقوال اور سچائی اعمال میں وہ مقام حاصل ہو گیا تھا۔ جسے آج کے رؤسا و امراء کا عملی جامہ پہنانا تو درکنار تصور محض بھی نہیں کر سکتے۔ رسول اپنی دعاؤں میں اکثر فرمایا کرتے تھے "خداوندا مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر کر۔ حضرت عائشہ نے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ ایسا کیوں فرمایا، اس لیے کہ دولت مندوں سے پہلے یہ جنت میں جائیں گے۔ پھر فرمایا "اے عائشہ کسی مسکین کو اپنے دروازہ سے نامراد واپس مت کرنا گو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اے عائشہ
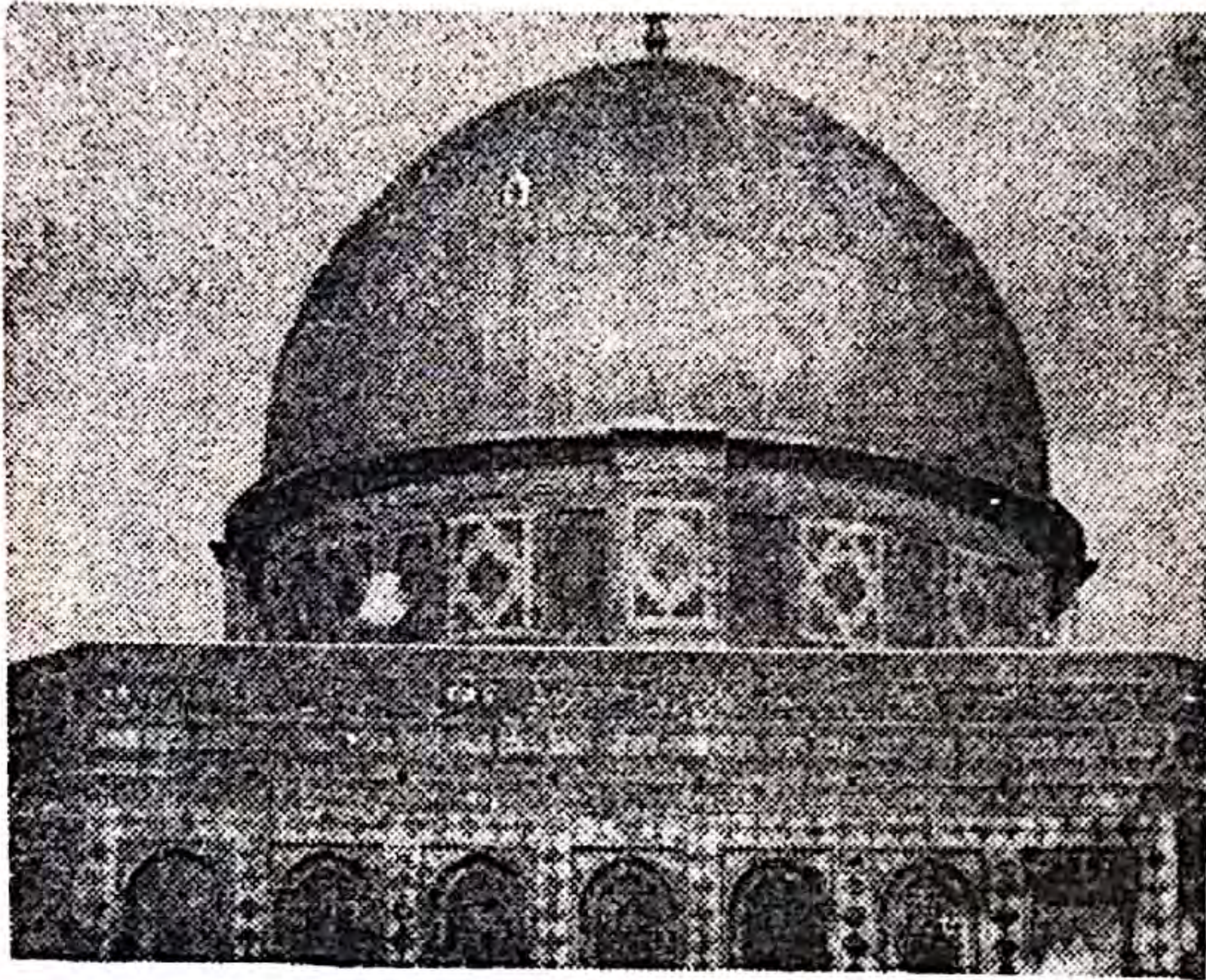
غریبوں سے محبت رکھو اور ان کو اپنے سے نزدیک کرو تو خدا بھی تم کو نزدیک کرے گا۔

حضرت جریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضور کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک قبیلہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس کی ظاہری حالت ناگفتہ بہ تھی۔ برہنہ تن، برہنہ کھالیں، بدن سے بندھی ہوئی تلواریں، ان کی یہ حالت دیکھ کر آپ بے حد متاثر ہوئے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ اضطراب میں آپ اندر گئے۔ باہر آئے۔ حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم فرمایا۔ نماز کے بعد آپ نے خطبہ دیا اور تمام مسلمانوں کو ان کی امداد و اعانت کے لیے آمادہ کیا۔

انسانی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے طنز و مزاح اور تفریحی مشاغل زندگی کے اہم جزو سمجھے جاتے ہیں۔ یہ سچ سماج میں رہ کر نظامِ حیات استوار کرنے کے لیے یہ چیزیں ضروری ہوتی ہیں۔ اگر کسی بھی سماج میں کسی بھی فرد کے اندر اس قسم کا ذوق نہ پایا جائے تو شاید ایسی صورت میں وہ معاشرہ صالح اور تندرست نہ سمجھا جائے گا اور نہ ہی ایسی صورت میں ایک دوسرے کے درمیان اُلفت و محبت ہو سکے گی۔

سیر و شکار کرنا، تالاب میں تیرنا، دوڑ اور تیر اندازی کا مقابلہ کرنا، اکھاڑے میں ایک پہلوان کی حیثیت سے اترنا۔ ان سب امور سے آپ کو خاصا لگاؤ تھا۔ تیرنے کا مشغلہ تو آپ کو (۳۱) قدر محبوب تھا کہ کبھی کبھار جب تالاب میں تیرتے تو دو دو آدمیوں کے جوڑے بناتے اور ہر جوڑے کے ساتھ دور سے تیر کر ایک دوسرے کی طرف آتے۔ ایک موقع پر آپ نے ساتھ میں تیرنے کے لیے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا تھا۔

بارش میں آپ بڑی دلچسپی سے نہاتے۔ وقفہ کے بعد بارش پڑتی تو تہبند باندھ کر پھوار میں نہایا کرتے۔ کبھی تفریحاً کسی کنویں میں پاؤں لٹکا کر اس کے دہانے پر بیٹھتے۔ **عوام الناس** سے بات چیت کرنے میں کبھی کبھی ایسے جملے فرماتے جو موقع و محل کے اعتبار سے دلچسپ اور مناسب ہوتے اور حقیقت سے قریب تر ہوتے۔ جیسے بھی کہ ایک سائل نے کسی موقع پر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کا اونٹ مانگا۔ فرمایا ہم تمہیں اونٹنی کا ایک بچہ دیں گے۔ سائل نے حیرت سے کہا کہ میں اسے لے کر کیا کروں گا۔ فرمایا ہر ایک اونٹ کسی اونٹ کا بچہ ہوتا ہے۔

ایک موقع پر مجلس میں کھجور کھائی گئی آپ مزاح کے طور پر گٹھلیاں نکال نکال کر حضرت علی کے آگے ڈالتے رہے۔ آخر میں گٹھلیوں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کر کے ان سے کہا کہ تم نے تو بہت کھجوریں کھالیں۔ انھوں نے فرمایا میں نے گٹھلیاں سمیت نہیں کھائیں بہرحال اسی طرح جاہلی دور کی باتوں کو چھیڑ کر خود سننا اور صحابہ کو اس سے لطف اندوز کرنا، بچوں سے دل لگی کرنا، ازواج مطہرات کے ساتھ ہنسنا اور ہنسانا یہ وہ تمام باتیں جو ایک عام انسان کے اندر ضرور ہوتی ہیں یہ سب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔ تاکہ ایک انسان ہر زاویے سے آپ کی زندگی اور طریقۂ کار کو اپنے لیے نمونۂ عمل بنا سکے۔

صاحب جوامع الکلم

جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری
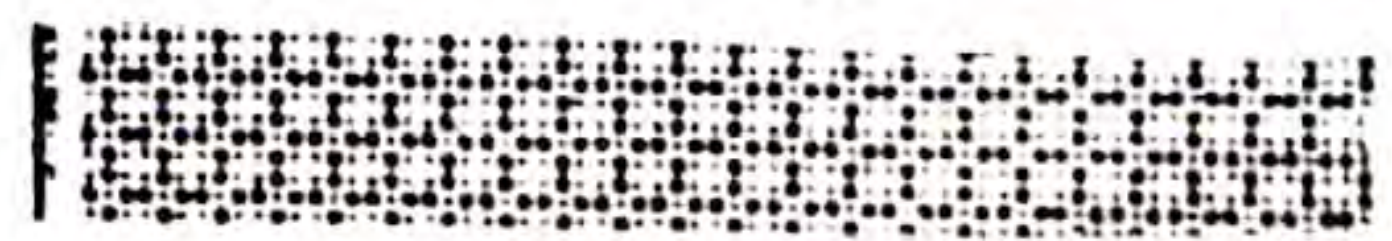
حضور اکرم، نور مجسم، نبی محترم رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم جس عہد میں تشریف لائے اور جس قوم کی طرف آپ کی اولین بعثت ہوئی اس میں فصاحت و بلاغت اور زبان آوری کا چرچا تھا۔ اس قوم میں جو مقام شاعر و ادیب کو حاصل تھا وہ کسی کو نہ تھا۔ شاعر یا خطیب خود معزز تھا ہی۔ جس قبیلہ میں وہ پیدا ہوتا۔ وہ قبیلہ بھی معزز ہو جاتا۔ لوگ اسے مبارکباد دیتے اور اس کی عزت کرتے۔ اس لئے آپ کو جو سب سے بڑا معجزہ عطا ہوا۔ وہ فصاحت و بلاغت سے متعلق ہے تاکہ وہ قوم جو اپنی زبان آوری پر متفخر ہے۔ اپنی اجتماعی کوششوں کے باوجود اس نبی کی فصاحت وبلاغت کا مقابلہ نہ کر سکے۔ پھر یا تو ساکت و مبہوت ہو جائے یا حق و صداقت کا یقین کر کے دولت ایمان سے مالا مال ہو جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معجزہ کا ذکر ایک حدیث میں کیا ہے۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں اس طرح ہے :-

عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال فضلت علی الانبياء بست اعطيت جوامع الكلم۔

ترجمہ :- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مجھے دوسرے انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں سے فضیلت دی گئی ہے مجھے "جوامع الکلم" دئے گئے ہیں۔

اس حدیث کی تشریح میں محدثین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فصیح و بلیغ بنایا۔ آپ مختصر عبارات سے دقیق اور غامض پر از حکمت مفاہیم و معانی کو آسانی ادا فرما دیتے تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن عزیز ہے، مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر اس سے بیک وقت دونوں چیزیں مراد لی جائیں تو کسی قسم کی قباحت لازم نہ آئے گی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک "وحی متلو" ہے اور دوسری "غیر متلو" وحی یعنی قرآن معجزہ ہے۔ اور اس کے اعجاز کی کئی وجوہ ہیں۔ چند یہ ہیں۔

۱۔ اس کی تراکیب بہت منظم ہیں۔ کلمات وسیع ہیں۔ اور اس کی بلاغت نے فصحاء عرب کی فصاحت و بلاغت کو مات کر دیا۔

۲۔ اس کا اسلوب بیان انوکھا اور انداز کلام نرالا ہے

یہ کلام عرب والوں کی نظم ونثر دونوں طریقوں سے الگ تھلگ ہے اس کی آیات کے فواصل اور اختتامیہ کلمات ان کے اندازِ بیان سے سراسر مختلف ہیں۔

۳۔ اس میں آئندہ آنے والے واقعات کی جو خبریں دی گئی ہیں۔ ہو بہو درست ثابت ہوئیں۔ اور اب بھی ہو رہی ہیں۔ نیز یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ تاکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ زندہ وتابندہ رہے اور دم بدم دعوت الی اللہ کا باعث ہو۔

۴۔ گزشتہ واقعات کی صحیح ترین خبریں جو آپ نے نہ تو کسی معلم کے ذریعہ حاصل کیں اور نہ ہی کسی کتاب سے ملیں۔ صرف معجزانہ انداز میں وحی ربانی سے حاصل ہوئیں۔

۵۔ لوگوں کے دلوں کا حال بتا دیا۔ مثلاً "اذھمت طآئفتان منکم ان تفشلا۔ جب تم میں سے دو گروہوں نے بزدلی کا ارادہ کیا۔ اب یہ ایک قلبی واردات تھی جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزانہ طور پر بتا دی۔

۶۔ کفار مکہ اور یہود، نصاریٰ، سب ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے دشمن تھے۔ اور ان کو بار بار چیلنج کیا جاتا رہا۔ اور مختلف مراعات کے ساتھ اعلان کیا گیا کہ تم سب مل کر ہی اس قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت کے مقابل کوئی کلام بنا کر لاؤ۔ مگر ان میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ معارضہ کرے۔ یہ بھی ایک معجزہ ہے۔

۷۔ جب اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو دلوں پر رعب طاری ہو جاتا ہے۔ تاریخ اسلام میں ایسے کئی واقعات موجود ہیں کہ جب قرآن کی تلاوت کی گئی تو کافر بھی مرعوب ہو گئے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ نماز مغرب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورہ طور کی تلاوت فرما رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے: "ام خلقوا من غیر شیئ ام ھم الخالقون۔ (ترجمہ) کیا وہ بلا کسی چیز کے پیدا کر دئے گئے ہیں، یا وہ خود ہی اپنے خالق ہیں: جب میں نے اسے سنا تو میرا دل پھٹ جانے کے قریب ہو گیا۔ اسی دن سے عظمت اسلام میرے دل میں قائم ہو گئی۔

۸۔ اگر کسی کتاب کو خواہ وہ کتنی ہی دلچسپ کیوں نہ ہو، آپ ایک دو مرتبہ پڑھ لیں تو پھر تیسری مرتبہ پڑھنے کو جی نہ چاہے گا۔ مگر یہ قرآن ہے کہ جتنی مرتبہ پڑھئے اس کی لذت و حلاوت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ نہ پڑھنے والا تھکتا ہے اور نہ سننے والا ائتنگ آتا ہے۔

۹۔ اس کی حفاظت کا وعدہ جو اسی کتاب میں کیا گیا ہے درست ثابت ہوا اور قیامت تک یہ محفوظ رہے گی۔

۱۰۔ یہ تمام علوم کی جامع ہے۔ اس میں عقائد بھی ہیں اعمال بھی، مواعظ بھی، حکم بھی، قصص بھی شامل ہیں۔ امثال بھی، علوم بھی، فنون بھی، غرضیکہ سب کچھ موجود ہے۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیئ، انبیاء سابقین علیہم السلام کے صحیفوں اور کتابوں میں جو کچھ منتشر

طور پر تھا وہ اس مقدس کتاب میں اکٹھا کر دیا گیا۔ فرمانِ الٰہی ہے۔

ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم وموسیٰ

(۳) بلاشبہ یہ قرآن پہلے صحیفوں میں ہے۔ ابراہیم و موسیٰ کے صحیفوں میں۔

۱۱۔ ایک اور اعتبار سے دیکھئے تو اس ایک معجزہ میں ہزاروں معجزات ہیں۔ اس لئے کہ قرآن میں جو چیلنج دیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ "فاتوا بسورۃ من مثلہ (۴) تم اس قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت کی مثل لاؤ۔ اب سب سے چھوٹی سورۃ "والعصر" ہے۔ جس کی آیات تین ہیں۔ ظاہر ہے کہ صرف یہی سورۃ معجزہ نہیں بلکہ قرآن کریم کی ہر وہ مقدار جو ان آیات کے برابر ہو، مستقل معجزہ ہے اس سورہ کے کلمات کی تعداد تقریباً ۱۹ ہے۔ جبکہ کل قرآن کے کلمات کی تعداد ستر ہزار نو سو چونتیس ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مقدار جو معجزہ ہے۔ تقریباً سات ہزار ہے۔

(۵) یہ تو چند وجوہ اعجاز ہیں جو قارئین کے لئے بطور اشارہ ذکر کی گئی ہیں ورنہ امام جلال الدین السیوطی نے اپنی کتابوں "الاتقان" اور "اسرار التنزیل" میں وجوہ اعجاز کو جس تفصیل و بسط سے بیان کیا ہے۔ اس کو پڑھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ وہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔ میں نے قرآن کریم کی صرف ایک آیت سے بلاغت کی ایک سو بیس (۱۲۰) وجوہ کو ظاہر کیا ہے۔

دعاؤں میں جوامع الکلم

بارگاہِ رب العزت جل مجدہٗ میں جب بندہ حاضر ہو کر عرض کرتا ہے تو اس پر شکوہ بارگاہ کا تقاضا ہوتا ہے کہ لب کشائی کم سے کم ہو۔ ادھر بندہ کی حاجات بے انتہا ہوتی ہیں۔ اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہوتا کہ ایجاز و اختصار کے ساتھ بندہ اللہ کے حضور اپنی معروضات پیش کرے اس لئے دعائیں جامع اور مختصر کلمات استعمال کئے جاتے ہیں۔ وہ دعائیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور و منقول ہیں جوامع الکلم کی اعلیٰ مثال ہیں۔ چند دعائیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ اللھم اصلح لی دینی الذی ھو عصمۃ امری واصلح لی دنیای التی فیھا معاشی واصلح لی آخرتی التی الیھا معادی، واجعل الحیاۃ زیادۃ لی فی کل خیر واجعل الموت راحۃ لی من کل شر (۲)

(ترجمہ) یا اللہ تو میرے دین کو درست رکھ جس کے باعث میرے تمام معاملات ٹھیک رہتے ہیں۔ اور میرے لئے میری زندگی کو درست فرما جس میں میری زندگانی ہے اور میرے لئے میری آخرت کو درست فرما جس کی طرف مجھے لوٹنا ہے اور زندگی کو میرے لئے ہر بھلائی میں زیادتی کا باعث بنا اور موت کو ہر برائی سے نجات کا ذریعہ بنا۔

۲۔ اللھم انفعنی بما علمتنی وعلمنی ما ینفعنی وزدنی علما الحمد للہ علی کل حال۔ واعوذ باللہ من حال اھل النار (۳)

(ترجمہ) یا اللہ مجھے میرے علم سے نفع دے اور وہ علم عطا فرما جو مجھے نفع دے۔ اور میرے علم میں اضافہ فرما۔ اللہ کا ہر حال میں شکر ہے۔ اور میں جہنمیوں کے حال سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

۳۔ اللھم متعنی بسمعی وبصری واجعلھما الوارث منی وانصرنی علی من ظلمنی وخذ منہ ثاری (۴)

(ترجمہ) یا اللہ مجھ کو میرے کانوں اور آنکھوں سے نفع عطا فرما۔ اور ان کو تادیر باقی رکھ۔ اور جو مجھ پر ظلم کرے اس پر مجھے مدد دے اور میرا بدلہ اس سے لے۔

۴۔ رب اعنی ولا تعن علی وانصرنی ولا تنصر علی وامکرلی ولا تمکر علی واھدنی وانصرنی علی من بغی علی رب اجعلنی لک شاکرا لک ذاکرا لک راھبا مطواعا لک مخبتا الیک اواھا منیبا رب تقبل توبتی واغسل حوبتی واجب دعوتی ثبت حجتی وسدد لسانی واھد قلبی واسلل سخیمۃ صدری (۱)

(ترجمہ) اے میرے رب میری مدد فرما۔ میرے خلاف

کسی کی مدد نہ کر۔ میرے لئے تدبیر فرما۔ اور میرے خلاف تدبیر نہ فرما۔ اور مجھے ہدایت پر قائم فرما اور جو مجھ پر زیادتی کرے اس پر مجھے نصرت عطا فرما۔ میرے رب مجھے اپنا شکر گزار، ذکر کرنے والا بنا دے اپنے سے ڈرنے والا بہت اطاعت گزار، اپنے لئے متواضع گناہوں پر افسوس کنندہ اور رجوع کرنے والا بنا دے میرے رب میری توبہ قبول فرما۔ میری خطاؤں کو دھو ڈال اور میری دعا قبول فرما میری صحت کو ثابت رکھ۔ میری زبان کو درست فرما۔ میرے دل کو ہدایت پر ثبات عطا فرما، میرے دل کو کینہ سے پاک رکھ۔

۵۔ اللهم لك اسلمت وبك امنت و عليك توكلت واليك انبت وبك خاصمت اللهم انی اعوذ بعزتك لا اله الا انت ان تضلني انت الحى لا تموت والجن والانس يموتون (۴)

(ترجمہ) اے اللہ میں تیرا فرمانبردار ہو گیا۔ تجھ پر ایمان لایا۔ اور تجھ پر ہی بھروسہ کیا۔ اور تیری طرف ہی رجوع، اور تیری مدد ہی سے دشمنوں سے مقابلہ کیا۔ اے اللہ میں تیری عزت کی پناہ لیتا ہوں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ کہ تو مجھے گمراہ کرے۔ تو زندہ ہے مرے گا نہیں۔ جب کہ جن وانس سب ہی مر جائیں گے۔

۶۔ اللهم انی اسألك الهدى والتقى والعفاف والغنى (۵)

(ترجمہ) اے اللہ میں تجھ سے ہدایت، پرہیزگاری، پاک دامنی اور بے نیازی کا طالب ہوں۔

۷۔ اللهم انی اسألك فعل الخيرات وترك المنكرات وحب المساكين و اذا اردت بقوم فتنة فاقبضني اليك غير مفتون (۶)

ترجمہ:۔ اے اللہ میں تجھ سے نیک کاموں کے کرنے اور برائیوں سے بچنے کی توفیق طلب کرتا ہوں اور مسکینوں سے محبت کا طلبگار ہوں اور جب تو کسی قوم کو آزمائش میں مبتلا فرمائے تو مجھے اپنے پاس بلا آزمائش کے بلا لینا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت یہ دعا مانگتے تھے۔

۸۔ اللهم انی اعوذ بك من العجز والكسل والجبن والهرم والبخل واعوذ بك من عذاب القبر واعوذ بك من فتنة المحيا والممات (۸)

(ترجمہ) اے اللہ میں عاجزی، کسلمندی، بزدلی بڑھاپے اور بخل سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور تیری پناہ مانگتا ہوں۔ عذاب قبر سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کی آزمائشوں سے۔

۹۔ اللهم انی اعوذ بك من قلب لا يخشع ومن دعاء لا يسمع ومن نفس لا تشبع ومن علم لا ينفع اعوذ بك من هؤلاء الاربع (۱)

(ترجمہ) اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس دل سے جس میں تیرا خوف نہ ہو۔ اس دعا سے جو مسموع نہ ہو اور اس نفس سے جس میں قناعت نہ ہو۔ اور اس علم سے جو منفعت بخش نہ ہو۔ میں ان چاروں سے پناہ مانگتا ہوں۔

۱۰۔ اللهم انی اعوذ بك من الشقاق والنفاق وسوء الاخلاق (۲)

(ترجمہ) یا اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں، پھوٹ سے اور نفاق سے اور بد اخلاقی سے۔

یہ دس دعائیں، ان بے شمار دعاؤں میں سے ہیں، جو فصاحت و بلاغت کی بلندیوں پر ہیں۔ اور جو اپنی جامعیت و ایجاز کے اعتبار سے گویا حد اعجاز تک پہنچتی ہیں۔

جوامع الکلم بصورت امثال و حکم

آپ نے اپنی امت کی مثال میں فرمایا۔

۱۔ مثل امتی مثل المطر لا يدرى اوله خير ام آخره (۳)

(ترجمہ) میری امت کا حال بارش کی طرح ہے کہ معلوم نہیں۔ اس کا ابتدائی حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ۔

۲- ان من البیان سحرا، وان من العلم جهلا، وان من الشعر حکما (۴)

(ترجمہ) بلاشبہ بعض گفتگو جادو کی طرح ہوتی ہے اور بعض علم جہل کی طرح ہوتا ہے۔ اور بعض اشعار پر از حکمت ہوتے ہیں۔

۳- ساقی القوم آخرهم شربا (۵)

(ترجمہ) کسی قوم کا ساقی خود سب سے آخر میں پیتا ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ تو یہی ہے۔ مگر اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس شخص کو لوگوں کی فلاح و بہبود کے کام سونپے جائیں اس کو چاہیئے کہ پہلے ان کی بھلائی کی سوچے۔ بعد میں اپنی فکر کرے۔ یہ نہ ہو کہ سب کچھ خود اپنی ہی جھولی میں ڈال لے اور بے چارے عوام محروم رہ جائیں۔

۴- رضاء الرب فی رضاء الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد (۱)

ترجمہ:- رب کی خوشنودی والد کی خوشنودی میں مضمر ہوتی ہے۔ اور رب کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہوتی ہے۔

یہاں والد سے مراد باپ ہی نہیں بلکہ یہ لفظ اپنے لغوی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ یہی حکم ماں کا بھی ہے بلکہ طبرانی کی روایت میں ' رضا الرب فی رضا الوالدین' کے الفاظ صریحاً موجود ہیں۔

۵- ان ابرّ البران یصل الرجل اهل ودابیه (۳)

(ترجمہ) بڑی نیکی یہ ہے کہ انسان اپنے باپ کے متعلقین سے تعلق قائم رکھے۔ اس میں باپ کے رشتہ دار دوست احباب اور ماں کے رشتہ دار اور تمام متعلقین آجاتے ہیں۔

۶- لیس الواصل بالمکافی، ولکن الواصل الذی اذا نقطعت رحمه وصلها (۴)

(ترجمہ) جو کسی کا بدلہ چکائے وہ صلۂ رحمی کرنے والا نہیں۔ صلۂ رحمی کرنے والا تو وہ ہے جو تعلق منقطع ہونے کے بعد بھی تعلق قائم کرے۔

۷- من لا یرحم لا یرحم (۵)

(ترجمہ) جو دوسروں پر رحم نہیں کرے گا۔ اس پر بھی رحم نہیں کیا جائے گا۔

۸- لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا (۶)

(ترجمہ) جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

۹- المسلم اخو المسلم لا یخونه ولا یکذب ولا یخذله کل المسلم علی المسلم حرام عرضه وماله ودمه (۷)

(ترجمہ) مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اس کو اپنے بھائی کے ساتھ نہ تو خیانت کرنی چاہیئے۔ نہ جھوٹ بولنا چاہیئے۔ اور نہ ہی بے مدد چھوڑنا چاہیئے۔ مسلمان پر دوسرا مسلمان کلی طور سے حرام ہے اس کی عزت، اس کا مال اور اس کا خون سب حرام ہے۔

۱۰- المومن للمومن کالبنیان یشد بعضه بعضاً (۸)

(ترجمہ) مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی طرح ہے جس کا بعض بعض کو تقویت دیتا ہے۔

۱۱- ان احدکم مرآة اخیه فان رای به اذیً فلیمطه عنه (۱)

(ترجمہ) تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے تو اگر وہ اس میں کوئی گندگی دیکھے تو اسے دور کر دینا چاہیئے۔

۱۲- لا تقاطعوا، ولا تدابروا ولا تباغضوا ولا تحاسدوا، وکونوا عباد الله اخوانا ولا یحلّ للمسلم ان یھجُرَ اخاہ فوق ثلاث (۲)

(ترجمہ) تم قطع رحمی نہ کرو۔ ایک دوسرے سے روٹھ نہ جاؤ۔ اور نہ ایک دوسرے سے دشمنی کرو ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔ خدا کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ کسی مسلمان کو

روا نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زائد تک بول چال چھوڑے رکھے۔

کس قدر اختصار کے ساتھ ایک محبت بھرے اسلامی معاشرے کے قیام کی ہدایات اس حدیث شریف میں دی گئی ہیں۔ کیا ایک اچھے معاشرے کے لئے اس سے زائد کچھ اور کہا جا سکتا ہے۔

۱۳۔ من ضار ضار اللہ بہٖ ومن شاق شاق اللہ بہٖ (۳)

(ترجمہ) جو دوسروں کو تکلیف ونقصان پہنچائے گا اللہ اس کو تکلیف دے گا۔ اور جو لوگوں کو مشقت میں ڈالے گا اللہ اس کو مشقت میں ڈالے گا۔

۱۴۔ من لا یشکر الناس لا یشکر اللہ (۴)

(ترجمہ) جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا ہے۔ وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کریگا۔

ظاہر ہے کہ لوگوں کے انعامات اللہ کے انعامات کے مقابل میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے تو جو شخص معمولی انعام کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ وہ لاتعداد نعمتوں کا شکر گزار کس طرح ہوگا۔

۱۵۔ الجاہل السخی احب الی اللہ من عابد بخیل (۵)

(ترجمہ) سخی جاہل اللہ کے نزدیک بخیل عابد سے زیادہ محبوب ہے۔

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جو شخص بخل کرتا ہے وہ دنیا سے محبت رکھتا ہے۔ اور مشہور ہے کہ "حب الدنیا راس کل خطیئۃ دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔ یہ دنیا کی محبت ہی ہے جو چوری، رشوت، سود خوری اور حرام خوری کے راستے پر لوگوں کو ڈالے ہوئے ہے پھر شرعاً "بخل" وہ ہے جو اپنے اوپر عائد ہونے والے حقوق ادا نہیں کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص واجب کا تارک ہے۔ اس شخص سے زیادہ بُرا ہے جس نے محض نفل کو (حصول علم) چھوڑا ہوا ہو۔

۱۶۔ المومن غر کریم والفاجر خب لئیم (۶)

(ترجمہ) مومن بھولا بھالا سخی ہے اور فاجر بخیل کینہ ہے۔

۱۷۔ لیس المومن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذی (۱)

(ترجمہ) مومن عیب جو، لعنت کرنے والا، بیہودہ گو اور بے حیا نہیں ہوتا۔

۱۸۔ ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث (۲)

(ترجمہ) تم گمان سے بچو کہ گمان سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔

۱۹۔ کفی بک اثما ان لا تزال خاصما (۳)

(ترجمہ) تمہارے گناہگار ہونے کو اتنا ہی کافی ہے کہ تم ہر وقت جھگڑتے رہو۔

۲۰۔ احبب حبیبک ھونا ما عسی ان یکون بغیضک یوما ما وابغض بغیضک ھونا ما عسی ان یکون حبیبک یوما ما (۴)

(ترجمہ) تم جس سے محبت کرو۔ ایک حد تک کرو، کہ شاید کسی دن وہ شخص تم کو ناپسندیدہ معلوم ہو۔ اور جس سے دشمنی کرو، ایک حد تک کہ شاید کسی دن وہ تمہارا دوست بن جائے۔

۲۱۔ الحیاء من الایمان (۵)

(ترجمہ) حیاء ایمان کا جزو ہے۔

۲۲۔ لا یدخل الجنۃ قتات۔

(ترجمہ) جنت میں چغلخور داخل نہ ہوگا۔

۲۳۔ الاعمال بالنیات۔ (۶)

(ترجمہ) اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے۔

۲۴۔ المُسْتَشَارُ مؤتمن (۷)

(ترجمہ) جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہے۔

یعنی جب آپ نے کسی شخص کو مشورہ کرنے کے لئے منتخب کیا ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ دیانتداری سے جو بات صحیح سمجھتا ہے کہے۔ یہ نہیں کہ دوسرے کے اعتماد سے غلط فائدہ اٹھائے۔

۲۵۔ المرء بالخیار مالم یتکلم (۸)

(ترجمہ) جب تک انسان گفتگو نہ کرے اس کو

اختیار رہتا ہے۔
یعنی انسان کو بولنے میں عجلت سے کام نہ لینا چاہیئے۔ اگر لوگ اس زریں قول کو بطور اصول زندگی اختیار کرلیں تو بلا وجہ کی ندامت و خجالت سے ہمیشہ محفوظ رہیں۔
۲۶۔ لاخیر فی صحبۃ من لایری لک ماتری لہ (لا)
(ترجمہ) اس شخص کی دوستی اچھی نہیں جو تمہارے حق میں وہ بات نہیں سوچتا جو تم اس کی بابت سوچتے ہو۔
۲۷۔ الناس کاسنان المشط۔
(ترجمہ) لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح ہیں۔
یہ مساوات محمدی کی حسین تعبیر ہے۔ جس سے معاشرتی زندگی میں لوگوں کے حقوق و فرائض میں مساوات کا تصور ملتا ہے۔
۲۸۔ المرٔ مع من احب۔
(ترجمہ) انسان اس کے ساتھ ہوگا۔ جس سے اس کو محبت ہے۔
بظاہر اس کا مفہوم یہی ہے کہ جو شخص کسی سے محبت رکھتا ہے وہ اس کے طریقہ ہی کو اپنائے گا اور اس پر گامزن رہے گا۔ پھر جو انجام آخرت میں اس کا ہوگا وہی اس کا بھی ہوگا۔ لیکن اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ اس دنیاوی زندگی میں ہر شخص اس کے ساتھ رہتا ہے۔ جس سے اس کو محبت ہوتی ہے۔ اس طرح کسی انسان کی پہچان کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کے دوستوں کو دیکھیے کہ آیا اچھے لوگ ہیں یا بُرے لوگ اور ان دوستوں پر ہی اس شخص کو قیاس کریں۔
کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔
۲۹۔ الید العلیا خیر من الید السفلی۔
(ترجمہ) اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔
اس میں گداگری کی ممانعت ہے۔ اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب ہے۔
۳۰۔ خیر الامور اوسطھا۔
(ترجمہ) بہترین چیز درمیانہ درجہ کی ہے۔

یہ اصول پوری زندگی کو محیط ہے۔ انسان کو میانہ روی اختیار کرنی چاہیئے۔
۳۱۔ لایلدغ المومن من جحر مرتین۔
(ترجمہ) مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا ہے۔
جب ایک مرتبہ مسلمان کو کسی چیز میں نقصان ہو جائے یا کسی شخص سے نقصان اٹھانا پڑے تو دوسری مرتبہ اس سمت کا رخ بھی نہ کرے۔
۳۲۔ السعید من وعظ بغیر۔
(ترجمہ) نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔
یعنی اگر انسان کی فکر صحیح ہے تو وہ نیکوں سے تو اچھی باتیں سیکھ ہی لے گا۔ بروں سے بھی سیکھ سکتا ہے کیونکہ برے لوگوں کا انجام بد رہا۔ ہمارے سامنے اسی دنیا میں آتا ہے۔ اگر ہم اپنے دیدہ عبرت کو وا رکھیں تو نصیحت آموزی کے لئے کافی ہے۔
۳۳۔ الوحدۃ خیر من جلیس السوء۔
(ترجمہ) تنہائی برے ساتھی کی صحبت سے اچھی ہے۔
۳۴۔ قل الحق وان کان مرا۔
(ترجمہ) حق بات کہو خواہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو۔
۳۵۔ حبک الشئی یعمی یصم۔
(ترجمہ) تمہارا کسی چیز سے محبت کرنا اندھا بہرہ کر دیتا ہے۔
یعنی محب محبوب کی برائی دیکھنے اور سننے سے اندھا بہرہ ہو جاتا ہے۔ اس کو محبوب میں نہ تو کوئی عیب نظر آتا ہے اور نہ ہی وہ اس کے بارے میں کوئی بات بری سنتا ہے۔
۳۶۔ خیر العمل ماقل ودام۔
(ترجمہ) بہترین کام وہ ہے جو کم ہو اور ہمیشہ کیا جاتا رہے۔
۳۷۔ انزلوا الناس منازلھم۔
(ترجمہ) لوگوں کے ساتھ حسب مراتب سلوک کرو۔

۳۸۔ المسلمون تتکافؤ دماءھم۔
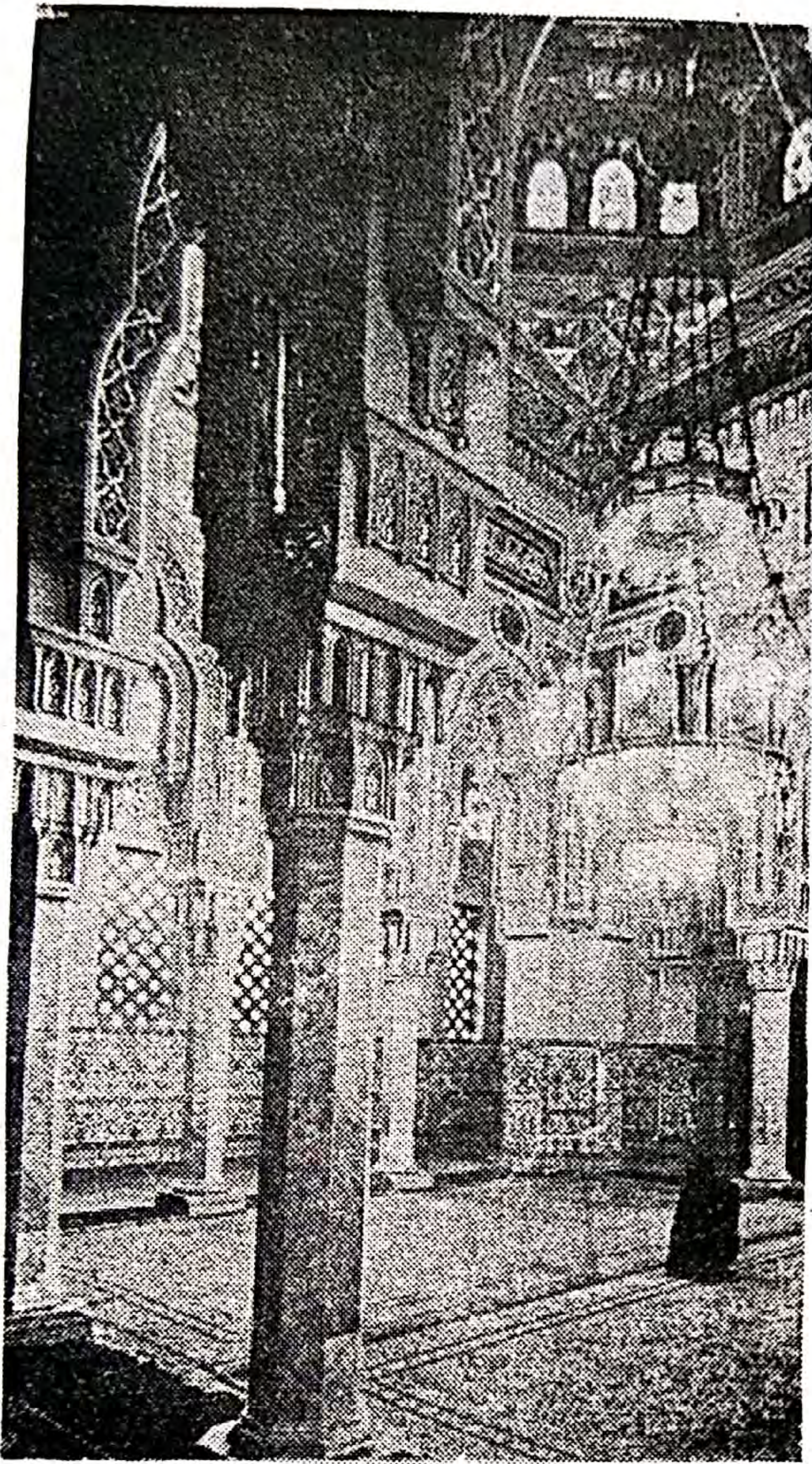
(ترجمہ) مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔

یہ نہیں کہ امیر کا خون بمقابلہ غریب کے زیادہ قیمتی ہو۔ اور اگر امیر غریب کو قتل بھی کر دے تو قصاص نہ لیا جا سکے۔

یہ چند "جوامع الکلم" ہیں جو بطور نمونہ ہدیۂ قارئین ہیں۔ یہی وہ پاکیزہ تعلیمات ہیں جن کی بدولت ایک وحشی، امی سنگ پرست قوم ذلت و ادبار کی پستی سے اٹھ کر عزت و عظمت کی چوٹیوں پر آ کھڑی ہوئی۔ کاش کہ ہم جو نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ ان انمول موتیوں کو اپنی جھولیوں میں سمیٹ رکھیں۔ تاکہ دین و دنیا کی سربلندیاں ہمارا مقدر بن جائیں۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

---

[1] صحیح مسلم ۵/۵ طبع بیروت وزرقانی علی المواہب ۲۶۱/۵ وبیہقی۔

[2] نزاوی علی صحیح مسلم ۵/۵

[3] الطور ۳۵ ۲ النحل۔ ۱۶ ۳ الاعلیٰ (۱۸۔۱۹) ۴۔ البقرہ ۲۳

[4] جلال الدین سیوطی الخصائص الکبریٰ ۱/۱۸۸

[5] محمد بن عبدالباقی، زرقانی علی المواہب ۵/۲۶۶

[6] صحیح مسلم، کتاب الدعوات۔

[7] زرقانی علی المواہب ۸/۳۲۱، وترمذی

[8] ترمذی وبیہقی

[9] ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ عن ابن عباس

[10] بخاری، کتاب التوحید ومسلم فی الدعوات

[11] مسلم، ترمذی، ابن ماجہ فی الدعوات

[12] مؤطا مالک ــــ ۵ بخاری

[13] ترمذی ونسائی ۲۔ ابوداؤد

[14] ترمذی باب الامثال

[15] ابوداؤد بروایت عبداللہ بن بریدہ عن ابیہ عن جدہ ۵۔ ترمذی

[16] ترمذی

[17] شرح ترمذی ۶/۲۵

[18] ۴ترمذی ۴ ترمذی ۵ ترمذی

[19] ۶ ترمذی ۷ ترمذی ۸ ترمذی

[20] ا ترمذی ۲ ترمذی ۳ احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ ۴۔ ابوداؤد وترمذی ۵ ترمذی وطبرانی ۶ ترمذی

[21] ا ترمذی ۲ ترمذی، طبرانی، دارقطنی ۳ ترمذی ۴ ترمذی ۵ ترمذی ۶ بخاری ۱/۱ ۷ ترمذی ۸ ترمذی

[22] ا ترمذی

مسجد نبوی کا نورانی واندرونی منظر
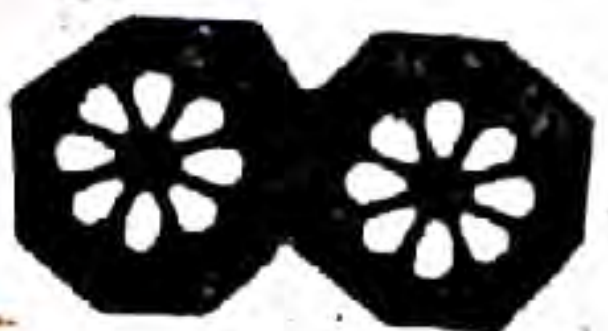
محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور انسانی معاشرہ کی تشکیل نو

مولانا مظفر الدین احمد

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے جس رخ کو بھی دیکھا جائے، جس پہلو پر بھی نظر ڈالی جائے وہ رخ کامل اور اکمل نظر آتا ہے۔ آپ کی مقدس ذات انسانیت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے، کوئی نقص اور خامی نظر نہیں آتی، یہی وہ چیز ہے جس سے یہ یقین حاصل ہوتا ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور پوری کائنات کے لیے سب سے زیادہ قابل اعتماد ہادی و رہبر ہیں۔ پوری انسانی تاریخ میں کوئی انسان ایسا نظر نہیں آتا جس کی سیرت اتنی مکمل اور جس کے کردار اتنے عظیم ہوں۔

ایسے اعلیٰ سیرت و کردار کے پیکر محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ انتہائی ظلمت و گمراہی کا زمانہ تھا۔ مشرق سے لے کر مغرب تک پورا عالم انسانیت اس کی زد میں تھا کہیں شرک و بت پرستی عام تھی کہیں وحشت و بربریت کا دور دورہ تھا۔ کہیں تہذیب و تمدن کی شمعیں ٹمٹما کر دم توڑ چکی تھیں تو کہیں ثقافت و تہذیب کی ظاہری چمک دمک کے پس پردہ بدترین مظالم ہو رہے تھے۔ خصوصاً عرب نیم وحشت کی حالت میں تھا۔ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر شرک و بت پرستی کی لعنت میں گرفتار تھا، اور خانۂ کعبہ، جسے حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت و پرستش کے لیے تعمیر کیا تھا، وہ تین سو ساٹھ خداؤں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، جنگ و جدال، لوٹ مار، مے نوشی، زناکاری، بے حیائی اور جوئے سے ترکیب پانے والی جاہلی تہذیب و ثقافت زوروں پر تھی۔ نسل و خاندانی امتیاز کا بھوت سروں پر مسلط تھا، بغض و عناد ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی سفاکی و شقی القلبی اتنی عام تھی کہ اپنی ہی نوزائیدہ و نوخیز معصوم بچیوں کو اپنے ہاتھوں درگور کر دیا کرتے تھے۔

ایسے زمانے، ایسے ماحول اور ایسے معاشرے میں

ہدایت کی ایک کرن پھوٹی اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے معاشرۂ انسانی کو اپنی ضیاء بار کرنوں سے منور کر دیا، معاشرہ میں یکسر تبدیلی پیدا ہوگئی۔ ذہن و فکر کی رو بدل گئی۔ زاویۂ نگاہ بدل گیا، عادات و اطوار اور رسم و رواج بدل گئے، اخلاقی قدریں بدل گئیں، حرام و حلال کے پیمانے بدل گئے، خیر و شر کے معیار بدل گئے۔ جنگ و صلح کے اسالیب بدل گئے۔ ہر جگہ خیر و فلاح کا دور دورہ ہوگیا، شر و فساد ختم ہوگئے۔ الغرض محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آفتاب رشد و ہدایت نے مطلعِ تہذیب و تمدن پر طلوع ہو کر معاشرۂ انسانی کو تابناک سے تابناک تر بنا دیا اور سماجی برائیاں اپنا سا منہ لے کر رہ گئیں۔

محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معاشرۂ انسانی کی تشکیل جدید میں جو اہم کردار ادا کیے ہیں ان کی تفصیلات اس مختصر مقالے میں سمیٹنا "کارے دارد" ہے۔ البتہ معاشرے میں مروج چند اہم برائیوں کی اصلاحات کی اجمالی تصویر کشی کی جا رہی ہے۔

بُت پرستی

خدائے وحدہٗ لاشریک کے بجائے سیکڑوں معبودانِ باطل انسانوں سے خراج عبودیت وصول کر رہے تھے۔ لیکن جب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فاران کی چوٹی سے نعرۂ لاہوتی "قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا" کی صدا بلند کی اور پیغام خداوندی واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ پیش کیا تو اگرچہ فوری طور پر اس کا ردعمل یہ ہوا کہ پورا معاشرہ آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہوگیا، اور اس پیغام کی ہمنوائی کرنے والے افراد بھی اپنے ہی معاشرہ کے لوگوں کے ہاتھوں ظلم و ستم اور بے جا زیادتیوں کا شکار بنے۔ داعیٔ حق پر لوہِ تن نئے مظالم کی انتہا کر دی گئی۔ حتیٰ کہ مظالمِ شعب ابی طالب کی شقتیں برداشت کرنی پڑیں، ہجرت مدینہ بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

لیکن وہی لوگ جو کل تک اپنی شقی القلبی اور سفاکی و درندگی کا مظاہرہ کر رہے تھے، آج اس دعوت کے امین بن گئے۔ چار دانگ عالم میں نعرۂ لاہوتی "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا غلغلہ بلند ہوگیا۔ انسانی معاشرہ کی تشکیل نو کی بنیاد پڑ گئی۔ اب جو سماج بُت پرستی کا گہوارہ تھا وہی اس کا مدفن بن گیا۔ سماج میں ایسے اسباب و علل پیدا ہوگئے کہ شرک و بُت پرستی اور ان کے دواعی سے خود بخود لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہوگئی اور خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت و پرستش عام ہوگئی۔

جنگ و جدال

عرب میں جنگ و جدال کو قومی شعار کی حیثیت حاصل تھی، ذرائعِ معاش کی قلت، ضروریاتِ زندگی کی کمیابی اور اجتماعی نظم و ضبط کے فقدان سے جنگ و جدال ان کی فطرتِ ثانیہ بن گئی تھی، ذرا ذرا سی بات پر معرکۂ کارزار گرم کرنا ان کے نزدیک معمولی بات تھی، ہر قبیلہ و خاندان دوسرے قبیلہ و خاندان سے برسرِ پیکار رہتا تھا۔ بچے قاتلوں سے انتقامی جذبے کے تحت نشو و نما پاتے تھے اور جوان ہو کر اس فرض کو ادا کرنا اپنا فرضِ منصبی سمجھتے تھے۔ اس طرح قبیلوں اور خاندانوں میں پشتہا پشت تک عداوتیں منتقل ہوتی رہتی تھیں۔ اور سیکڑوں انسانوں کے خونِ ناحق سے زمین لالہ زار بنائی جا رہی تھی، بکر و تغلب سلیم و غطفان، بکر و تمیم اور اوس و خزرج کی جنگیں اپنی شقاوت، سنگدلی، انتقام جوئی، کینہ پروری درندگی، اور وحشت و بربریت کی آئینہ دار ہیں، معمولی سی بات اُن کے درمیان قتل و خونریزی کا سبب بنتی تھی۔ کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں قتل و خونریزی قبیلہ کی آن اور شرافت تصور ہوتی تھی۔ پورا معاشرہ جنگ و جدال اور

خونِ آشامی کے دبیز استبداد کے نیچے دبا ہوا تھا، اور حد یہ کہ اس پر فخر و غرور کیا جاتا تھا۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح کا علم بلند کیا، حقیقتِ جنگ کو بدل کر ایک نیا اور انوکھا نظریۂ جنگ پیش کیا، جس سے اس وقت تک دنیا ناآشنا تھی، اس کا نظریۂ جنگ یہ تھا کہ قتل و خونریزی فی الاصل معصیت ہے، جس سے ہر انسان کو بچنا ضروری ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق (بنی اسرائیل)

اور کوئی جان جس کی حرمت اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے ناحق نہ مارو۔

انسانی جان کو اللہ تعالیٰ نے مقدس بنایا ہے اس کو اس وقت تک قتل نہ کرو جب تک کہ حق اس سے قتل کا مطالبہ نہ کرے، یہ آواز عقل اور فطرت کے عین مطابق تھی، اس لیے دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچی اور انسان کو اپنی جان کی صحیح حقیقت سے آشنا کیا، دوسری جگہ پیغامِ حق اس طرح ہے:

من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا (المائدہ)

جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا۔

ایک انسان کے قتل کو پورے معاشرے کا قتل قرار دیکر یہ ذہن دیا گیا ہے کہ قتل و خونریزی غارت گرِ امن و سکون ہیں۔ اگر کسی فرد یا قوم نے قتل و خونریزی کا بازار گرم کرنا چاہا تو اسلام نے اس کے مرتکب پر سخت بندش عائد کر دی کہ اگر ناحق کسی کو قتل کیا گیا تو اس کی سزا یہ ہے کہ جان کے بدلے جان لی جائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے

کتبنا علیہم فیہا ان النفس بالنفس (المائدہ)

ہم نے (قصاص میں) ان پر جان کے بدلے جان قرار دی ہے۔

اس تعزیری حکم میں امیر و غریب حاکم و محکوم کی کچھ تفریق نہیں رکھی گئی ہے۔ حدود اللہ میں معاشرہ میں ہر فرد کو برابر کا درجہ دیا گیا ہے، اس قتل ناگزیر اور خون آشامی میں اگر تامل پیدا ہوا تو اس کے سدِ باب کے لیے واضح حکم بھی صادر فرمایا گیا ہے:

ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب (البقرہ)

اے عقل والو! خون کا بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے۔

جب جسم میں ناسور پیدا ہو جائے تو آپریشن کرکے اس حصہ کو نکالنا ضروری ہے، تاکہ جسم صحت مند و توانا ہو جائے۔ اسی طرح جب معاشرہ میں قتل و خونریزی کا ناسور پیدا ہو جائے تو اس کا آپریشن کرکے معاشرہ اور سوسائٹی کو حقیقی زندگی عطا کی جائے۔ تاکہ فتنہ و فساد ظلم و جور اور بدامنی و بے اطمینانی ختم ہو جائے اور مخلوق خدا امن و سکون کے ماحول میں زندگی بسر کرے۔ ان قوانین پر عمل پیرا ہو کر پورا معاشرہ پُر امن ہو گیا اور ہر آدمی بے خوف و خطر سفر کرنے لگا۔

شراب نوشی

شراب اُمّ الخبائث ہے، ہر قسم کے فسق و فجور، ظلم و جور اور بدکاری و عیاشی کا سرچشمہ ہے۔ یہ عرب کی معاشرتی زندگی میں اس درجہ گھر کر چکی تھی کہ ہر گھر میکدہ بنا ہوا تھا۔

جام و مینا کی کھنک باعزت اور شریف گھرانوں میں لطف و تفریح کا سبب سمجھی جاتی تھی، دورِ جاہلی کی شاعری کا مطالعہ کرنے پر یہ بات روزِ روشن کی طرح آشکار ہو کر سامنے آتی ہے کہ

اس دور کی پوری شاعری خمریات کے ہی محور پر گردش کرتی نظر آتی ہے۔

اگرچہ کچھ نیک بخت انسان اس دور میں بھی ایسے تھے کہ انھوں نے شراب کو منہ تک نہ لگایا تھا۔ ان کے ماسوا پورا ملک اور معاشرہ اس میں ملوث تھا، لوگ شراب نوشی کرتے، بدہوش ہوکر آپس میں لڑتے جھگڑتے جس سے دلوں میں تسکر نجی پیدا ہوتی اور کبھی یہی شکر نجی قتل وخون آشامی کا روپ دھار لیتی تھی۔ اور اس کے ساتھ اور بھی دوسری برائیاں جنم لیتی تھیں۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوشی کے بارے میں حکم سنایا کہ شراب اُم الخبائث ہے۔ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ لیکن چونکہ مے نوشی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اس لیے پہلے یہ بات ذہن نشین کرائی گئی کہ نشہ اچھی چیز نہیں ہے اس سے اجتناب کرنا چاہیئے، پھر ایک قدم آگے بڑھ کر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا پیغام سنایا:

لا تقربوا الصلوٰة وانتم سکاریٰ
حتیٰ تعلموا ما تقولون (النساء)

نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ
جب تک اتنا ہوش نہ ہو کہ جو کچھ کہو
اس کو سمجھ سکو۔

اس اعلان کے بعد کچھ لوگوں نے مے نوشی ترک کر دی، لیکن صریح حرمت نہ ہونے کی وجہ سے پینے پلانے میں احتیاطی تدابیر اختیار کی گئیں۔ اس کے لیے ایسے اوقات متعین فرمائے گئے جو اوقات نماز سے متصادم نہ ہوتے تھے، پھر بھی جب ان کے "قلوب مطمئن نہ ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسارت کی اور بارگاہ الٰہی میں عرض پرداز ہوئے۔

اللھم بین لنا فی الخمر
بیانا شافیا (ابوداؤد کتاب الاشربہ)

اے اللہ تعالیٰ! شراب کے بارے میں
ہمارے لیے شافی بیان فرمادے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس جسارت پہ خالق کائنات جل مجدہ، کا یہ اعلان سامعہ نواز ہوا۔

یسئلونك عن الخمر والمیسر
قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس
واثمھما اکبر من نفعھما (البقرہ)

لوگ تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں، تو کہہ دو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں۔ لیکن گناہ فائدے سے بڑھ کر ہے۔

اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد بھی میکدے آباد رہے کیونکہ یہاں بھی صراحۃً حرمت کا حکم نہیں ہے صرف مے نوشی کے گناہ کا تذکرہ ہے، اور ساتھ ہی کچھ فوائد کا بھی ذکر ہے، مثلاً کچھ دیر کے لیے غم غلط ہو جاتا ہے، تفریحی لطف حاصل ہوتا ہے اور اس کی بدولت کچھ افراد کی شکم پروری بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کی خرابیاں اور نقصانات فائدے سے کہیں زیادہ ہیں، جن کا پہلے اجمالی تذکرہ ہو چکا ہے۔ لیکن جب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائے وحدہ' لاشریک کا یہ پیغام سنایا۔

یا ایھا الذین اٰمنوا انما الخمر
والمیسر والانصاب والازلام
رجس من عمل
الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون

اے ایمان والو! شراب، جوا بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں۔ شیطان کے کام ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔

تو اگرچہ لوگ مدتوں سے اس کے عادی تھے، لیکن اس آواز کے سامعہ نواز ہوتے ہی جام وسبو توڑ ڈالے گئے خُم الٹ دیئے گئے۔ شراب زمین پر بہادی گئی۔ اس

مقدار میں شراب بہائی گئی کہ مدینہ کی گلی کوچوں میں شراب کی ندیاں بہ گئیں۔

مذکورۃ الصدر آیت کریمہ میں شراب کو شیطانی عمل قرار دے کر اس کی معاشرتی اور مذہبی خرابیوں کو واضح کیا گیا ہے۔ لوگ شراب سے بدمست ہو کر آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے۔ قتل و خونریزی کرتے تھے، جس سے معاشرہ میں بدامنی پھیلتی تھی۔ شراب کی بدمستی یادِ خدا سے غافل کر دیتی تھی، لغویات و بیہودہ بات میں پڑ کر انسان اپنے وجود تک سے غافل ہو جاتا تھا۔ اس لیے شراب سے اجتناب کبھی ضروری تھا، اور آج بھی ناگزیر ہے، تاکہ اس سے پیدا ہونے والی برائیوں کا استیصال ہو سکے اور معاشرہ میں امن و امان قائم ہو جائے اور صحیح طور پر سجدۂ عبودیت پیش کیا جا سکے۔

سودخوری

عرب میں اس کا عام رواج تھا، تمام سرمایہ دار سود پر لین دین کیا کرتے تھے۔ عربوں میں یہ لعنت یہودی سرمایہ داروں کی بدولت پھیلی تھی، وہ مالدار تھے لوگوں کو وقت ضرورت قرضے دیا کرتے تھے۔ قرض کی ادائیگی کا وقت مقرر ہوتا تھا، اگر مقروض وقت مقررہ پر قرض کی ادائیگی نہ کرتا تو اس پر مزید اضافہ کر دیا کرتے تھے۔ اس طرح معاشی اور اقتصادی صورت حال دن بدن ابتر ہوتی جارہی تھی۔ اور مقروض سودی قرضوں کے بوجھ تلے دبے چلے جارہے تھے، اور ساتھ ہی سرمایہ داروں میں بخل، خود غرضی، شقاوت، بے رحمی اور زبردستی کی صفتیں پیدا ہوتی جارہی تھیں۔ قوموں میں عداوتیں گھر کرتی جارہی تھیں، افرادِ قوم کے درمیان امداد باہمی کے رشتے منقطع ہوتے جارہے تھے۔ معاشرہ میں دولت کی آزادانہ گردش رک کر اس کا رُخ سرمایہ داروں کی طرف پھرتا جارہا تھا سود کے ان اثرات کو معاشرہ سے ختم کرنا ضروری تھا، کیونکہ سود اخلاقی تربیت، تمدنی شیرازہ بندی اور معاشی تنظیم کے پورے نقشے کو خراب کرتی جارہی تھی۔ اس لیے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مقدس کا اعلان لوگوں کے گوش گذار کیا۔

اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوٰا ان کنتم مومنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ (البقرہ)

اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود تمہارا لوگوں پر باقی ہے اس کو چھوڑ دو، اگر تم ایمان رکھتے ہو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان قبول کرو۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کی قطعی حرمت کے نفاذ کے بعد حجۃ الوداع کے موقع پر صاف صاف اعلان فرما دیا کہ ایام جاہلیت کے تمام سود ساقط کیے جاتے ہیں۔ اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس کا سود ساقط کرتا ہوں۔ سود کے تمام دواعی اور ممکنہ راستوں کو مسدود کرنے کے لیے حکم صادر فرمایا گیا کہ سود دینے والے سود لینے والے، اس کی دستاویز لکھنے والے اور اس پر گواہی دینے والے، سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ اس اعلان کا اصل مقصد یہ تھا کہ سرمایہ دارانہ اخلاق و ذہنیت اور نظام تمدن و معیشت کا خاتمہ ہو جائے۔ بخل کی جگہ سخاوت و فیاضی اور خود غرضی کی جگہ ہمدردی و ایثار کا جذبہ پیدا ہو، اور پورا معاشرہ شیرازہ بند ہو جائے۔

زنا اور فسق و فجور

ایام جاہلیت میں زنا اور فسق و فجور عام تھے۔ معاشرہ میں ان کو قبیح متصور نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ ان افعال شنیعہ کے ارتکاب کے بعد انہیں فخریہ انداز میں بیان کیا جاتا تھا، شعرائے جاہلیت کے اشعار ان لغویات سے بھرے پڑے ہیں۔ امرؤ القیس کا قصیدۂ مدحیہ، عورتوں کے ساتھ کیے ہوئے افعال شنیعہ اور بے حیائیوں کا مجموعہ

ہے۔ اس کے باوجود بھی ادبی شاہکار ہونے کی وجہ سے اس وقت تک پڑھا جاتا ہے، اہل عرب تو اس کو فخریہ پڑھا کرتے تھے، اور حد تو یہ کہ ان کے بچے بچے کی زبان زد تھا۔

جنسی اختلاط ان کے یہاں کوئی معیوب چیز نہیں تھی جس طرح دور حاضر میں ترقی پسند ذہنیت کے حامل اس کو فیشن اور ضرورت کا درجہ دیتے ہیں، زمانۂ جاہلیت میں عریانیت کی حد یہ تھی کہ خانۂ کعبہ کا طواف بھی مادر زاد ننگے ہو کر کرنا باعث خیر و برکت سمجھتے تھے، بلکہ عین مذہب خیال کرتے تھے، یہ بات مسلم ہے کہ جنسی اختلاط پروان چڑھے گا تو انجام کار افعال شنیعہ کا ارتکاب ضروری ہوگا اسی لیے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح قانون کا نفاذ فرماتے ہوئے قرآن کا اعلان گوش گزار فرمایا۔

لا تقربوا الزنی انه کان فاحشة وساء سبیلا (بنی اسرائیل)

زنا کے قریب نہ جاؤ۔ یہ بڑی برائی اور بڑا برا چلن ہے۔

زنا انتہائی برا فعل ہے۔ صرف اسی سے اجتناب اور پرہیز ضروری نہیں بلکہ اس کے دواعی اور تقریب و تمہید کے کاموں سے بھی بچنا ضروری ہے، کیونکہ شرافت و نجابت کا یہ تقاضا ہے کہ اس فعل ہی سے نہیں بلکہ اس کے جتنے دواعی ہیں ان سے بھی اجتناب و احتراز کیا جائے۔ اسی لیے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام حرکات و سکنات کو جو بے حیائی و بدکاری میں معمولی سے معمولی رول بھی ادا کرتے ہیں حرام قرار دیے ہیں اور معاشرہ کو ان سے پاک و صاف کر کے صالح معاشرہ بنانے کی ہر ممکن سعی فرمائی ہے، اگر کسی فرد سے یہ فعل صادر ہو گیا، اور جرم پایۂ ثبوت کو پہونچ گیا تو اس کا تعزیری حکم یہ بنایا گیا۔

الزانية والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة (النور)

فالله خير حافظا وهو ارحم الراحمين

زنا کار مرد و عورت میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔

مزید تعزیری حکم بیان فرمایا گیا۔

الزانی لا ینکح الا زانية او مشرکة والزانية لا ینکحها الا زان او مشرک (النور)

زنا کار مرد و زنا کار یا مشرک عورت ہی سے شادی کر سکتا ہے اور زنا کار عورت زنا کار یا مشرک مرد ہی سے شادی کر سکتی ہے۔

اس حکم کے نفاذ کا اصل مقصد یہ ہے کہ معاشرہ میں خیر و فلاح عام ہو اور معاشرہ کے دوسرے افراد زنا کاروں کے انجام کار کو دیکھ کر عبرت و نصیحت حاصل کریں اور اس سے کلی طور پر اجتناب کریں۔ چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی کہ اس اعلان کے بعد معاشرہ اس برائی سے پاک و صاف ہو گیا، اور لوگوں کی زندگی باعصمت بن گئی۔

آج بھی وہ تمام برائیاں ہمارے معاشرہ میں موجود ہیں جو ایام جاہلیت میں کی جاتی تھیں لیکن فرق اتنا ہے کہ کل جہالت کی دیجور میں کی جا رہی تھیں۔ اور آج علم و فن اور تہذیب و تمدن کے اجالے میں ہوتی ہیں۔ اور ان برائیوں کو عین تہذیب و ثقافت سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نافذ کردہ اصلاحات کو عام کیا جائے۔ اس پر عمل کرنے کی ترغیب دلائی جائے اور معاشرہ کو صالح اور پاکیزہ ماحول عطا کیا جائے۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور تشکیلِ سیرت

محمد حسین نعیمی

اسلام سے پہلے عرب اور دنیا کے دوسرے خطّوں کی جو حالت تھی، اُس کا تصور کیجیے۔ کون سی بُرائی ایسی تھی جس میں انسان ملوث نہ تھا۔ چوری، ڈاکہ، رہزنی، رشوت، لوٹ مار، قتل و غارت، زنا، دختر کشی اور شراب ام الخبائث — غرض کون سا برا کام تھا جسے وہ انجام نہ دیتا تھا لیکن جب انہی انسانوں میں اللہ کا آخری رسول آیا اور اس نے انھیں توحید اور اعلیٰ انسانی اقدار کا سبق پڑھایا تو یہی اُجڈ اور گنوار دُنیا کے متمدن ترین انسان بن گئے۔ انھوں نے روم و ایران کی سلطنتوں کو اُلٹ دیا اور دُنیا کی نظروں میں نرمی، رحم دلی اور عدل و انصاف میں بے مثل بے نظیر کہلائے۔ بقولِ اکبر الہ آبادی ؎

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے رہبر بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

تشکیلِ سیرت

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی تشکیلِ سیرت کی طرف خاص طور پر توجہ دی۔ دعوتِ توحید کے ساتھ انسان کی ذاتی زندگی کو سنوارنے کے لیے اسے سچ بولنے، عہد پورا کرنے، دشمنوں کو معاف کر دینے، پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے، نرمی سے بات کرنے، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کا ادب کرنے اور صبر و استقامت اختیار کرنے کا سبق سکھایا۔ انسان کو عدل، صلح پسندی، مہمان نوازی، امانت داری، عفو و درگزر، سخاوت و ایثار اور زہد و قناعت جیسی اعلیٰ انسانی قدروں سے روشناس کیا — اور صرف محاسنِ اخلاق ہی کی تعلیم نہ دی بلکہ کبر و نخوت، غیبت، ذخیرہ اندوزی، جھوٹ، بد دیانتی اور ناپ تول میں کمی سے سختی کے ساتھ منع فرمایا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پاکیزہ تعلیم کے سانچے میں ڈھل کر جو انسان دنیا کے سامنے آئے، دنیا نے اعتراف کیا کہ وہ معاشرے کے بہترین افراد ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ متعصب مستشرقین بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ حضور نے انسان کی تشکیلِ سیرت پر خصوصی توجہ دے کر دنیا پر احسانِ عظیم کیا ہے۔

اصلاحِ نفس

دنیا کی تمام خرابیاں انسانی سیرت کے بگاڑ سے پیدا ہوتی ہیں۔ انسان کی قساوتِ قلبی نے معاشرے میں ہمیشہ بحران اور خلجان پیدا کیا ہے۔ اس کے علاج کے لیے ضروری تھا کہ انسان کی انفرادی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ دی جاتی۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا اور قلب کی اصلاح اور نفس کی درستی پر بڑا زور دیا۔ فرمایا: انسان کے جسم میں گوشت کا ایک

لوتھڑا ہے، اگر وہ صحیح ہو جائے تو سارا جسم صحیح ہو جاتا ہے۔

انفرادی اصلاح کا معاشرے پر اثر

انفرادی اصلاح کا معاشرے پر بڑا خوش گوار اثر پڑتا ہے کیونکہ افراد کے مل جل کر رہنے کا نام ہی معاشرہ ہے۔ انسانی زندگی جب اعلیٰ اوصاف سے متصف ہو جاتی ہے تو اس کا اثر خود بخود زندگی کے ہر شعبے پر پڑتا ہے۔ حتیٰ کہ اقتصادی اور معاشی مسائل بھی خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں اقتصادی اور معاشی مسائل نے کبھی بھی سر نہیں اٹھایا۔ معاشرے میں اقتصادی اور معاشرتی بحران ہی اس بات کی علامت ہے کہ افراد کی زندگیاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقۂ مبارک کے مطابق نہیں ہیں۔

اسلامی معاشرے میں زکوٰۃ لینے والے مستحقین کو ڈھونڈا جاتا ہے اور وہ نہیں ملتے مگر اس کے برخلاف غیر اسلامی معاشرے میں، ہمیشہ لوگ استحصال کا شکار رہے ہیں۔ فارس اور روم کے خزانے سامانِ تعیش سے بھرے ہوتے تھے، لیکن عوام بھوکوں مرتے تھے۔ بس ایک مخصوص طبقہ تھا جو عیش اُڑاتا تھا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب کا بھی یہی حال تھا۔ وہاں وڈیروں کا نظام قائم تھا جو اپنے قبیلے کے لوگوں کا استحصال کرتے اور عوام کو اپنی عیش رانیوں کی خاطر استعمال کرتے تھے۔ اِن حالات میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایثار و قربانی کا خوگر بنایا۔ اُن میں غریب پروری اور مساکین کی دست گیری کی عادت ڈالی۔ انھیں حقوق العباد کی اہمیت بتائی۔ یتیموں اور لاوارثوں کی کفالت کا سبق پڑھایا۔ غرض مساوات اور انصاف کا ایسا عظیم الشان ماحول پیدا کیا جو بنی نوع انسان کے لیے معیار اور نمونہ ہے۔ سر ولیم میور کہتا ہے: "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ظہورِ قدسی کے وقت اصلاح کا کام نہایت دشوار اور اہم تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت جس قدر اصلاح مکمل ہو چکی تھی، ہمیں معلوم نہیں ہے کہ اتنی بڑی کامیابی اور فوز و فلاح کسی اور مصلح کو بھی نصیب ہوئی ہو۔"

اسلامی معاشرہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشکیل سیرت سے جو عظیم انقلاب برپا کیا، اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ جب مہاجرین نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو انصار نے اپنے گھروں کے دروازے ان کے لیے کھول دیئے۔ اپنے گھروں کا کل سامان ان کے سامنے رکھ دیا اور اپنے باغوں اور کھیتوں میں انھیں حصہ دار بنایا۔

اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ ایک بھائی نے بکری کی سری تحفۃً اپنے ہمسایہ کو بھیجی اور اُس نے اِس خیال سے اپنے دوسرے پڑوسی کو بھیج دی کہ شاید وہ زیادہ ضرورت مند ہو۔ اِسی طرح پورے محلے میں گردش کرتی ہوئی وہ سری بالآخر پہلے بھائی کے پاس واپس آگئی۔ کیا دُنیا کی کوئی قوم انسانی سیرت کی تشکیل کا یہ معیار دکھا سکتی ہے؟

استنبول (ترکی) کے میوزیم میں ایک منقش تاریخی تسبیح

مزار داتا گنج بخش کا اندرونی منظر

اسی طرح ایک موقع پر جہاد میں ایک زخمی مجاہد نے نزع کی حالت میں پانی طلب کیا۔ اسے پانی پیش کیا گیا مگر اسی وقت اس کے دوسرے زخمی ساتھی کے منہ سے "پانی" کا لفظ نکلا۔ اس پر پہلے زخمی نے پانی پینے سے انکار کردیا اور ہدایت کی کہ اس کے ساتھی کو پہلے پانی پلایا جائے۔ اتفاق سے جب دوسرا زخمی پانی پینے لگا تو اس کے کان میں کسی تیسرے زخمی مجاہد کے کراہنے کی آواز آئی جو پانی طلب کر رہا تھا۔ چنانچہ اس نے بھی خود پانی پینے کے بجائے اپنے ساتھی کو پلانے کی ہدایت کی۔ اسی طرح پانی کا پیالہ گردش کرتا ہوا سات زخمیوں تک پہنچا مگر ہر ایک نے دوسرے کی ضرورت کو مقدم سمجھ کر پانی پینا گوارا نہ کیا۔ ایثار کی اس سے درخشاں، زیادہ عمدہ اور روشن مثال ہمیں کہیں سے دکھا دیجیے! یہ تو محض دو مثالیں ہیں۔ اسلامی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ نہ چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے۔"

اور یہ بھی فرمایا:

"قسم اللہ کی ہرگز ایماندار نہ ہوگا۔ قسم اللہ کی ہرگز ایماندار نہ ہوگا۔ قسم اللہ کی ہرگز ایماندار نہ ہوگا۔ عرض کی گئی، یا رسول اللہ! کون؟ فرمایا: وہ شخص جس کا ہمسایہ اس کی آفتوں سے محفوظ نہ ہو۔" (بخاری و مسلم)

یہ بھی ارشاد فرمایا:

"وہ شخص مومن نہیں جو خود سیر ہو کر کھائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہے۔" (مشکوٰۃ)

اور ہاں یہ بھی یاد رکھیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے ارشادات ہی کے ذریعے سے مسلمانوں کو اعلیٰ اخلاق اور تشکیلِ سیرت کی تعلیم نہیں دیتے تھے بلکہ آپ کی زندگی خود اعلیٰ اخلاق اور بلندیٔ سیرت کی بہترین مثال تھی۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب)

یعنی اے بنی نوعِ انسان! بلاشبہ تمہارے لیے رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات میں بہترین زندگی (طریقہ) موجود ہے۔

بلاشبہ آج بھی اگر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اپنی سیرتوں کی تشکیل کرلیں تو ہمارے معاشرے کے تمام دلدر دُور ہو سکتے ہیں۔

انسانی آزادی کے علمبردار

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

اسلام کا ایک بنیادی نظریہ ہے کہ خدا نے انسان کو آزاد پیدا کیا، لیکن اس نے یا خود ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہن لیں یا ظالمانہ روایات اور جابر انسانوں نے اپنے ہم جنسوں کو پابہ زنجیر کر دیا کسی انقلاب کو حقیقی مصلحانہ انقلاب نہیں کہہ سکتے، جب تک اس انقلاب سے انسان کا قدم غلامی سے آزادی کی طرف نہ بڑھے۔ مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ نے بھی نبوت کی یہی حقیقت اس مصرع میں بیان کی ہے کہ: ع

خلق را از انبیاء آزادی است

اور اسی خیال کو علامہ اقبال نے اس شعر میں ادا کیا ہے

؎ جس کے ڈر سے وہم کا قصرِ کہن آئیں گرا
گردنِ انسان سے طوقِ راہبِ خود بیں گرا

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، اس وقت تمام دنیا کے انسان گوناگوں غلامیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ ظالم حکمرانوں نے رعایا کو غلام بنا رکھا تھا۔ بعض انسانوں نے بعض انسانوں کو حیوان یا مالِ تجارت قرار دے کر ان سے نفع اندوزی کا طریقہ رائج کر رکھا تھا۔ مذہبی پیشواؤں، احبار و رہبان نے لوگوں کے دل و دماغ کو توہمات کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا اور فطرت کے گلے میں بھاری طوق ڈال رکھے تھے۔ مردوں نے عورتوں کو بے طرح محکوم کر رکھا تھا اور سرمایہ داروں نے معاشی استبداد روا رکھا تھا۔ مصلحین عالم میں فقط ایک مصلح ایسا نظر آتا ہے جسکی اصلاح میں ہمہ گیری ہے استبداد کا کوئی ظاہری یا خفیہ پہلو اس کی نظر سے اوجھل نہیں وہ ایک ایک کر کے ہر زنجیر اور ہر زنجیر کی ہر کڑی کو توڑتا ہے اور انسان کو آزاد کر کے خدائے مطلق کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے تاکہ وہ آزادانہ طور پر اپنی مرضی کو خدا کی مرضی کے ساتھ ایک کر دے۔ انسان خدا تو نہیں بن سکتا لیکن خدا کا ہم آہنگ ہو سکتا ہے اور خدا کے ساتھ ہم آہنگی ہی اصلی آزادی ہے۔

آیئے ہم طلوعِ اسلام کے معاصرانہ زندگی پر ایک نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ انسان جس اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ علی الارض بنانے کے لئے پیدا کیا تھا۔ وہ کس قدر ذلیل و خوار ہو چکا تھا۔ مسجود ساکنانِ فلک سنگ و حجر اور اپنے وہم سے تراشیدہ معبودوں کا ساجد بن چکا تھا۔ وہی انسان جس میں مسخر کائنات بننے کی صلاحیت ودیعت کی گئی تھی، وہ خود خارج کی ہر قوت سے مسخر ہو چکا تھا۔ یونانی حکیم اپیکیورس جو لذتیت کے فلسفے کا امام شمار ہوتا ہے اس کی تعلیم کا ایک جزو اعظم یہ تھا

کہ انسانوں کے دلوں سے دیوتاؤں کا خوف جب تک زائل نہ ہو جائے، تب تک وہ حقیقی معنوں میں آزاد نہیں ہو سکتے اور جب تک بے بنیاد خوفوں سے چھٹکارا حاصل نہ ہو، تب تک مسرّت و سکونِ قلب حاصل نہیں ہو سکتے۔

اپیکیورس دیوتاؤں کے وجود کا منکر نہ تھا لیکن فقط یہ یقین دلانا چاہتا تھا کہ دیوتا انسانوں کے معاملات میں دخل نہیں دیتے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم توحید حقیقی کے علمبردار تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ان دیوتاؤں کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اور یہ معبود انسان کی اپنی ادنیٰ خواہشوں کے مجسمے ہیں۔ ایک صوفی شاعر کا کیا عمدہ شعر ہے۔ ایک معبود بُت زبانِ حال سے پجاری کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے۔

مرا بر صورتِ خویش آفریدی
بروں از خویشتن آخر نہ دیدی

تم نے مجھے اپنی ہی صورت پر بنایا ہے۔ میں تمہاری ہی خواہشات کا آئینہ ہوں، میرے اندر تم اپنے آپ کو ہی دیکھ رہے ہو، اس کے سوا مجھ میں کیا رکھا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ اصل دین توحید ہے۔ جس قدر یہ عقیدہ کسی میں راسخ ہوتا جائے گا، اسی قدر وہ شخص آزاد ہوتا جائے گا، جو موحد ہے وہ فطرتِ خارجہ کی قوتوں سے ڈرے گا اور بے جا خوف ہر قسم کی پست ہمتی اور پست اخلاقی کی جڑ ہے۔ اسی لئے قرآنِ کریم جب نجات یافتہ انسانوں کا ذکر کرتا تو کہتا ہے:

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

انسان کا کمال یہی ہے کہ وہ ہر قسم کے وہمی اور غیر اصلی خوف سے آزاد ہو جائے اس پر کوئی شخص معترض ہو سکتا ہے کہ خدا کا ڈر تو باقی رہتا ہے لیکن خدا کا ڈر تمام قسم کے خوفوں سے الگ نوعیت کا خوف ہے۔ یہ اپنی فطرت کے قانون کی خلاف ورزی کا ڈر ہے یہ ڈر اسی قسم کا ہے جس طرح صاف آدمی گندگی سے ڈرتا ہے نیک سیرت آدمی بداخلاقی سے ڈرتا ہے۔ اور محبت کرنے والے انسان ایک دوسرے کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں۔ خدا کے ڈر کے معنی یہ ہیں کہ انسان اس سے ڈرے کہ وہ انسانیت کے مرتبے سے نہ گر جائے۔

توحید میں کائنات کے اندر صرف ایک ہی حقیقی عامل و مؤثر قوت باقی رہ جاتی ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا غَالِبَ اِلَّا اللّٰهُ لَا مُؤَثِّرَ فِي الْوُجُوْدِ اِلَّا اللّٰهُ جس شخص نے اپنی مرضی کو اس مشیّتِ کلّی کے ساتھ وابستہ کر دیا، اس کو کسی کا ڈر باقی نہ رہا اور وہ خلافتِ الٰہی کا حقدار ہو گیا تمام قسم کے صحیح نظریاتِ حیات فقط عقیدۂ توحید ہی سے سرزد ہو سکتے ہیں۔

توحیدِ کائنات جس پر تمام سائنس کی بنیاد ہے۔ وہ بھی اسی توحید الٰہی کا ایک پہلو ہے توحید حیات اور توحید انسانیت بھی اسی نخلِ توحید کی شاخیں ہیں۔ جو نبی یہ چاہتا تھا کہ تمام انسان حقیقتاً آزاد ہو جائیں اسی نے سب سے زیادہ توحید کی حقیقت کو واضح کیا اور کہا کہ سب سے بڑا گناہ شرک ہے، جو کسی طرح معاف نہیں ہو سکتا۔

مذہب نے تمام دنیا میں یہ صورت اختیار کر رکھی تھی کہ ہر مذہبی گروہ نجات کا اجارہ دار بن گیا تھا، اور قوموں کے اندر مذہبی پیشواؤں کے طبقے تفوق حاصل کر کے انسانوں اور خیالی معبودوں کے درمیان دلّال بن گئے تھے۔ اسلام نے انسانوں کو اس مذہبی استبداد اور اجارہ داری سے نجات دلائی اور یہ تعلیم دی کہ ہر انسان کا تعلق براہِ راست خدا سے ہونا چاہئے درمیان میں کسی کمیشن ایجنٹ کی ضرورت نہیں اس طبقے کی نسبت قرآنِ کریم میں ہے کہ یہ دھوکہ دے کر لوگوں کا مال کھاتے ہیں اور لوگوں کو خدا تک پہنچنے سے روکتے ہیں اسلام کے انحطاط کے زمانے میں کچھ
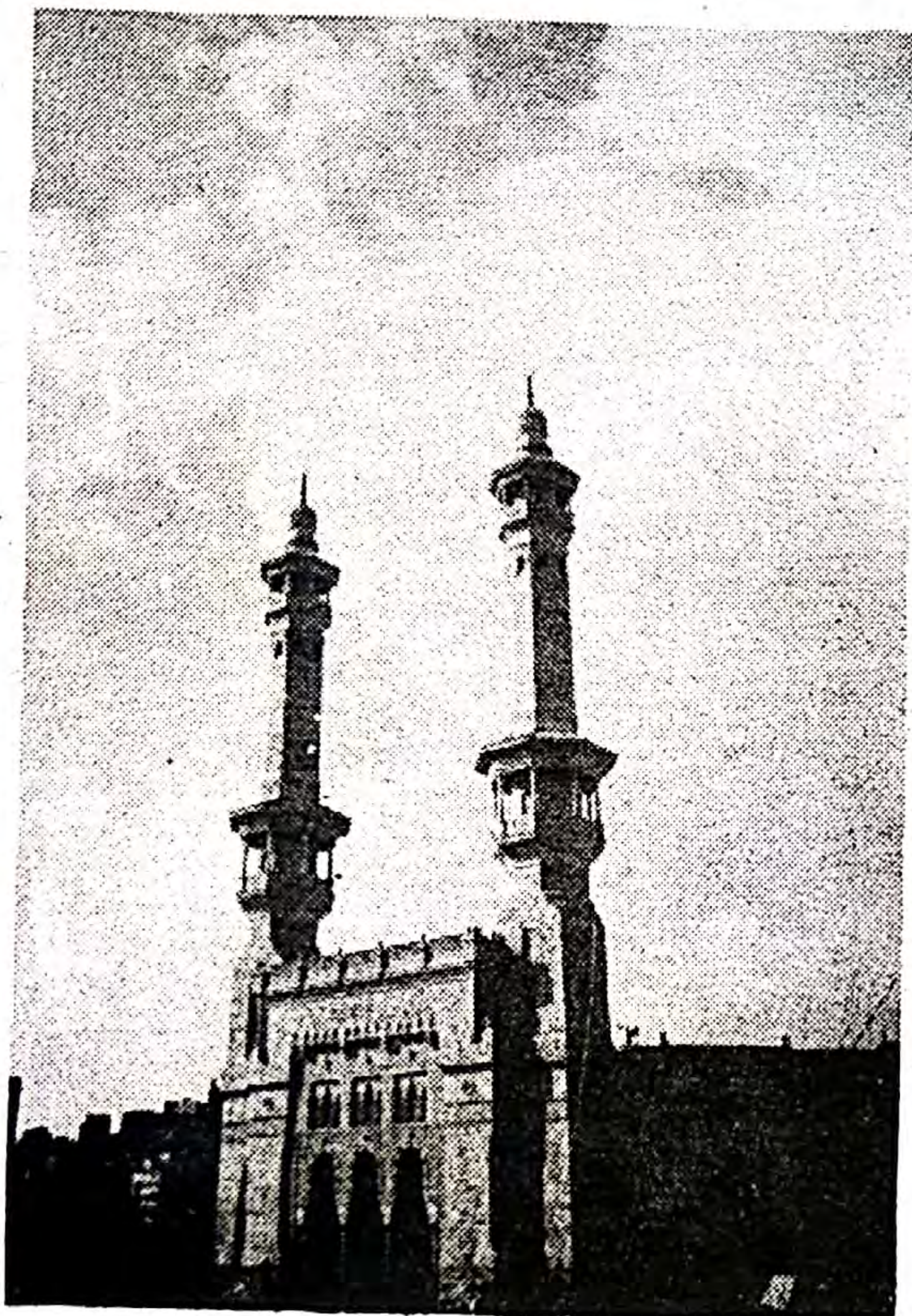
افراد اسی قسم کے اجارہ دار بن بیٹھے تھے لیکن یہ طبقہ کبھی ملّتِ اسلامیہ پر منظم ڈاکہ نہ ڈال سکا۔

انسان نے انسانوں کو جو براہِ راست غلام بنا رکھا تھا، اس کا انسداد بھی اسوۂ نبی کی تعلیم میں اس انداز کا ملتا ہے جس کی مثال قدیم دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی تمام تہذیبوں میں یہ خیال چلا آتا تھا کہ غلامی ایک فطری چیز ہے۔ ارسطو جیسا حکیم بھی کہتا تھا کہ غلامی ایک فطری چیز ہے۔ اور بعض لوگ غلام ہی بننے کے لئے پیدا ہوتے ہیں۔ قدیم تہذیبوں کے بڑے بڑے کارنامے غلام ہی کی رہین منت ہیں۔ اسلام نے دیکھا کہ دنیا کا تمام معاشی نظام اس لعنت کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ وہ ایسا ہمہ گیر تھا کہ بیک قلم اس کا منسوخ کرنا محال تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم اور اپنے عمل سے اس کی تنسیخ کا ایسا پروگرام بنایا کہ اگر مسلمان نیک نیتی سے اس پر چلتے تو غلامی چند سال کے اندر داستان پارینہ بن کر رہ جاتی۔

غلاموں کو آزاد کرنا ایک بڑے ثواب کا کام قرار دیا اس کو خیرات کا بہترین مصرف بنا دیا یہ قانون بنا دیا کہ غلام کو کوئی شخص بالجبر غلام نہیں بنا سکتا مالک کی شدید بد سلوکی کی وجہ سے غلام کو عدالت آزاد کر سکتی ہے یہ بھی شرط لگا دی کہ غلام اس شرط پر رکھ سکتے ہو کہ جو تم کھاؤ، وہ اس کو کھلاؤ اور جو تم پہنو اس کو پہناؤ مقصد یہی تھا کہ اس شرط پر بھلا کون کسی کو نوکر رکھنا چاہے گا مسلمان غلامی کو صفحۂ ہستی سے تو نہ مٹا سکے۔ لیکن اسلام کی تعلیم کا نتیجہ یہ ضرور ہوا کہ غلامی کی وہ بھیانک صورت نہ رہی، جو دیگر اقوام میں پائی جاتی تھی۔ غلام رکن خاندان بن گئے، مذہبی پیشوا اور عالم دین بن گئے، امیر وزیر بن گئے، فوجوں کے سپہ سالار اور بادشاہوں کے محبوب بن گئے۔ رسول خدا کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غلامی کو منسوخ کرنے کے لئے ایک بڑا قدم اٹھایا کہ کوئی عرب غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ اس کے بعد کے فرمانروا اگر اسی راستے پر دو چار قدم اور چلتے تو غلامی کا قلع قمع ہو جاتا۔

اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنا بہت سے گناہوں کا کفارہ قرار دیا۔ اسلام سے پہلے اور اس کی معاصر دنیا میں غلامی کے بارے میں اس کے مماثل کوئی تعلیم نہیں ملتی۔ یونان کی جمہوری شہری مملکتوں میں ایک آزاد شہری کے مقابلے میں تین غلام ہوتے تھے اور یونان و روما کے قوانین میں ان کے حقوق نہ تھے۔ ان کا جو مالک تھا وہ کلیتہً ان کی جان و مال اور آبرو کا مالک تھا۔

بعض مذاہب کی کتابوں میں ہے: غلامی کی ایک اور قسم یہ تھی کہ مردوں نے عورتوں کو غلام بنا رکھا تھا کہ عورت ماتحت رہنے کے لئے پیدا ہوئی ہے، وہ اپنی جائداد نہیں رکھ سکتی۔ باپ کے گھر میں وہ باپ کی محکوم ہے،
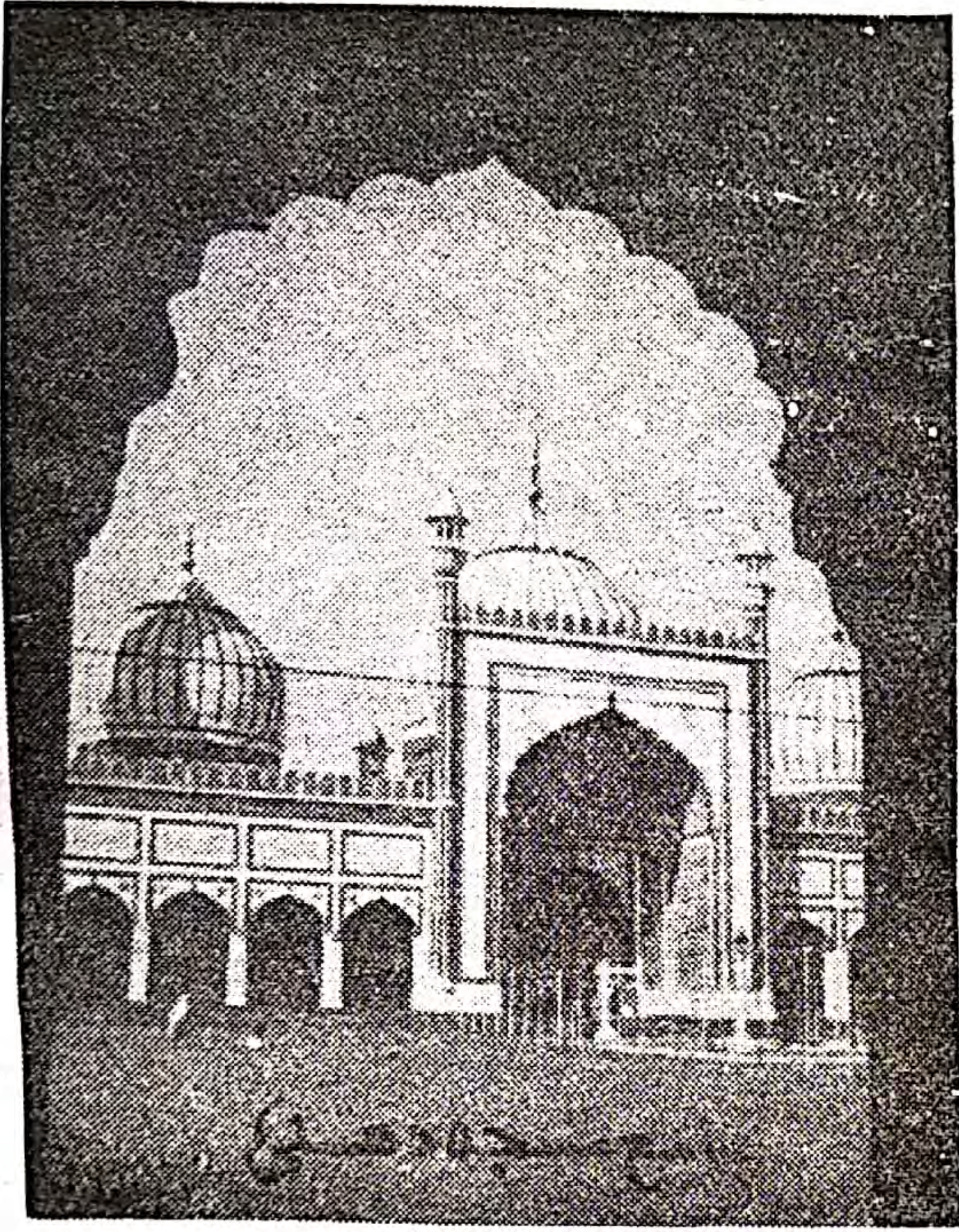
شادی کے بعد شوہر کی محکوم اور بیوہ ہو جانے کی صورت میں اپنی اولادِ نرینہ کی محکوم۔

سب سے پہلے انسانوں کے آزاد کرنے والے نبی نے عورتوں کو ایک مستقل حیثیت عطا کی اور کہا کہ جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں نکاح کو ایک آزادانہ معاہدہ قرار دیا۔ جو ہر قسم کی جائز شرائط پر مشتمل ہو سکتا ہے۔ خاص نامساعد حالات پیدا ہو جانے سے مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے سے علیحدگی کا حق رکھتے ہیں عورت خود اپنے سرمایہ اور جائداد کی بے شرکت شوہر مالک ہو سکتی ہے۔ خود مسلمانوں نے انحطاط کے دور میں ان کے بہت سے حقوق سلب کر لئے۔ لیکن اصل اسلام میں ان کے حقوق کی مساوات موجود ہے۔ مغرب میں عورتیں اپنے قانونی حقوق کیلئے کم و بیش ایک سو سال سے جد و جہد کر رہی ہیں۔ اس پر بھی انھیں کچھ حاصل ہوا اور کچھ نہیں۔ جو کچھ وہ جائز طور پر طلب کرتی ہیں وہ اسلام کی تعلیم میں پہلے سے موجود ہے۔

آج عورتیں نکاح و طلاق، وراثت و ملکیت کے وہی حقوق طلب کرتی ہیں۔ جو اسلام میں مسلمان عورتوں کو حاصل ہیں۔ لیکن اعلیٰ تہذیب کی مدعی قومیں ابھی تک ان کی مزاحم ہیں۔

غلامی کی دو اور بڑی قسمیں ہیں: ایک سیاسی غلامی، دوسری معاشی غلامی، سیاسی غلامی کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ ہے کہ کوئی حکمراں فرد یا حکمراں طبقہ تمام رعایا کی جان و مال کا مالک بن جائے۔ ایک ملوکیت ہے اور دوسری آمریت شاہی کا خاتمہ کرنا اسلام کا ایک اساسی اصول تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قسم کا اقتدار حاصل ہوا اس قسم کے صاحب اقتدار قدیم دنیا میں بادشا بن جاتے تھے۔ نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی تاریخ میں اور نہ آپ کے بعد کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال موجود ہے کہ کسی شخص نے اس قسم کے اقتدار کو بادشاہت میں تبدیل نہ کر دیا ہو اس قسم کے لوگ پہلے بادشاہ بن جاتے تھے اب اصطلاح بدل گئی ہے اور اب وہ ڈکٹیٹر کہلاتے ہیں ہے وہی دیو استبداد جس کا نام دوسرا رکھ دیا جاتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عین عروج کے زمانے میں ایک اعرابی نے کہا: " اَنْتَ مَلِکُنَا۔ (تو ہمارا بادشاہ ہے) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، میں بادشاہ نہیں، خدا بادشاہ ہے سوا سادہ سے سادہ غذا اور لباس کے اپنے لئے کچھ روا نہ رکھا یہی حال خلفائے راشدین کا تھا جو خالص اسلامی طرزِ حکومت کے حکمران تھے اس کے ساتھ ہی

لہ غالبًا یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مقروضوں کی ادائیگی قرض کو زکوٰۃ کا ایک مستقل مصرف قرار دیا ہے، ۱۲۔ ن

اسلام نے یہ تعلیم دی کہ کوئی قوم یا قبیلہ یا طبقہ حکمران نہ بن بیٹھے۔ قبائل کی باہمی فضیلت و تفوق کو منسوخ کردیا اور جب عربوں کو پورا غلبہ حاصل ہوگیا تو یہ اعلان کیا کہ عرب کو عجم پر کوئی فوقیت نہیں ہے سب فوقیت انفرادی ہے جس کا مدار سیرت و تقویٰ پر ہے۔ قانونِ وراثت کو جاری کرکے جاگیرداری کی جڑ کاٹ دی۔ اس لئے اب جاگیرداروں کا کبھی حکمراں طبقہ نہ بن سکتا تھا جو کاشتکاروں کو موروثی غلام سمجھتے تھے۔

زکوٰۃ کو لازمی اور سود کو حرام قرار دیا کہ سرمایہ داروں کا طبقہ رفتہ رفتہ غریبوں اور ناداروں کو غلام بنالیتا ہے۔ نہ صرف قدیم زمانے ہی میں بلکہ زمانۂ حال تک یہ دیکھا جاتا تھا کہ سود خوار کے مقروض تب تک کیلئے سود خوار کی غلامی قبول کرلیتے تھے جب تک کہ اصل مع سود ادا نہ ہوجائے لیکن سود در سود کی اتنی رقم ہوجاتی تھی کہ مقروض کبھی اس دلدل سے نہ نکل سکتا تھا۔ جاگیرداری اور سرمایہ داری سے جتنی غلامی پیدا ہوتی ہے، انسانوں کے آزاد کرانے والے نے ان لعنتوں سے بھی ان کی گردنوں کو چھڑانے کی ایک بلیغ کوشش کی ہے۔

غلامی اور آزادی کے مسئلہ میں ایک اور طرف بھی نظر دوڑانے کی ضرورت ہے۔ اسلام سے قبل نہ صرف انسانوں کے اعمال پر بیجا پابندیاں تھیں بلکہ خود علم بھی آزاد نہ تھا ہر جگہ علم مذہبی طبقے میں محدود تھا اور علم کی بھی اجارہ داری قائم تھی۔

قرآنِ کریم نے علم و حکمت کو خدا کی نعمت عظیم قرار دیا اور اس کو انسانیت کا جوہر ٹھہرایا۔ علم کا حصول ہر مرد و عورت کے لئے فریضہ قرار دیا اور قوانینِ فطرت پر غور و خوض کو ایمان کا سرچشمہ ٹھہرایا۔ مورخوں کو حیرت ہوتی ہے کہ صحرا سے نکلنے والے دین نے اس قوم کو جو شروع میں امی تھی اور جس کا نبی بھی امی تھا کس طرح چند سال میں دنیا کے علوم و فنون کا مالک اور اقوام کا علمی رہبر بنادیا۔ اس تاریخی اعجاز کو سمجھنے کے لئے یہ جان لینا کافی ہے کہ علم پہلے آزاد نہ تھا اسلام نے اس کو ہمیشہ کے لئے آزاد کردیا جس قوم میں علم آزاد ہو اور اس کا حاصل کرنا ایک مذہبی فرض ہو، اس کی لامحدود ترقی کے راستے میں کوئی چیز حائل نہیں ہوسکتی۔

اللہ اکبر اللہ اکبر
لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر
اللہ اکبر وللہ الحمد

آخر میں اس غلامی کا ذکر کرتا ہوں، جو شدید ترین ہے۔ وہ خواہشاتِ نفس کی غلامی ہے اسلام کی اخلاقی تعلیم نے یہ بتایا کہ تمہارے اندر جو جبلتیں ہیں وہ فطری اغراض کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ ایمان اور عمل صالح سے ان سے بہت اچھے کام لئے جاسکتے ہیں۔ یہی جبلتیں اگر بے عنان ہوجائیں تو انسان اپنے باطنی شیاطین کا غلام بن جاتا ہے جو اس کی گردن میں رسی ڈالے ہوئے جدھر چاہیں اس کو گھسیٹ لے جاتے ہیں۔ نفس انسانی کو ان پر حکمراں ہونا چاہئے اس کا محکوم نہیں بننا چاہیئے خواہشات کا غلام بدترین غلام ہے خواہ وہ بظاہر بادشاہ وامیر نظر آئے۔

اگر انقلابی تحریک کسی نہ کسی لحاظ سے کسی استبداد کے خلاف جہاد ہی کا نام ہے تو دنیا کی تاریخ میں سب سے بڑا مصلح، مجاہد اور انقلابی رہنما محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے جس نے ہر استبداد کے خلاف جہاد کیا خواہ معاشی اور خواہ مذہبی ہو خواہ علمی۔

حقیقت میں آزادی کی علمبردار وہی امت ہوسکتی ہے جو اس قسم کا ہمہ گیر جہاد کرے جس کا اسوۂ حسنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہے۔

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا

فلسفۂ جہاد اور فن حرب

کنزا احمد

تاریخ عالم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب تک انسانیت اللہ کے بتاتے ہوئے راستہ پر گامزن نہ ہو گی اس وقت تک جنگ ناگزیر رہے گی۔ اس لیے کہ جب تک انسان کے اعمال کی تہ میں رضائے باری تعالیٰ کے سوا دوسرے عوامل بروئے کار رہیں گے، اس وقت تک وہ ان عوامل کے اثر کے تحت اپنے مفاد کی تکمیل کے لیے اپنے سے کمزور انسانوں پر بالادستی کو اپنا حق سمجھتا رہے گا اور یوں جنگ کے شعلے وقتاً فوقتاً بلند ہوتے رہیں گے۔ ایسے ماحول میں ہر قوم اور ہر ملت کا فرض معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس طرح کے تشدد کی روک تھام کے لیے تیار رہیں اور اپنی حدود کے اندر کسی ظالم کو داخل نہ ہونے دیں۔ ایسے ہی مواقع کے پیش نظر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے:

خُذُوْا حِذْرَكُمْ (النساء: ۷۱) "اپنا بچاؤ کر رکھو۔" (یعنی اپنا دفاع مکمل رکھو)

دوسری جگہ اس سے بھی واضح اور پرزور الفاظ میں اسی موضوع پر ارشاد ہے۔

وَأَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ (الانفال: ۶۰)

"اور اپنی حد استطاعت تک ان کے لیے تیار رکھو قوت اور گھوڑوں کی قطاریں۔"

فتنہ و فساد برپا کرنے والی قومیں اسی تاک میں رہتی ہیں کہ ان کے پڑوسی اپنی دفاعی قوت کو کسی نہ کسی طرح کم کریں تاکہ وہ ان پر یکایک حملہ آور ہو کر انہیں اپنا تابع بنا لیں:

فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَّاحِدَةً (النساء: ۱۰۲)

"تاکہ وہ تم پر ایک ہی اچانک حملہ میں ٹوٹ پڑیں۔"

اللہ کے ان احکام پر جس مکمل انہماک کے ساتھ حضور سرور کونین فخر انبیاء ختم المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا، اس کی مثال نہیں ملتی۔ اسی لیے لشکر سالاری اور لشکروں کی تیاری میں آپ کی ذات بابرکات تاقیامت مکمل ترین نمونہ رہے گی۔ جس قوم نے حضور کو اپنے وطن سے نکالا تھا اس سے یہ توقع نہ ہو سکتی تھی کہ آپ کو کسی دوسری مملکت میں چین اور آرام سے دین اسلام کی تبلیغ کرنے دے گی۔ ابوجہل کی جہالت یوں تو مسلم ہے کہ وہ دین فطرت کی ہمہ گیری اور اس کے ذریعہ بنی نوع انسان کی فلاح کو نہ سمجھ سکا تھا۔ مگر وہ اتنا ناسمجھ نہ تھا کہ اس بات کا احساس نہ کر سکتا کہ اس دین پر چل کر انسانیت لاطبقاتی معاشرہ قائم کرنے کی اہل بن جائے گی۔ اس لیے اگر اس دین کو وہ بے روک ٹوک بڑھنے، پھیلنے اور پھلنے کا موقع دیتا تو اس کی قوم کے کہنہ معاشرہ کو باطل قرار دیے جانے کا خطرہ تھا

کون نہیں جانتا کہ جب ایک نظام اپنی بساط تہ کر لیتا ہے تو اس بساط کو بچھانے والے بھی نااہل قرار دیئے جاتے ہیں۔ اور نئی بساط بچھانے میں جو پہل کرتے ہیں، وہ لوگ نئے دور کی باگ ڈور اور اقتدار سنبھال کر اپنا سکہ رائج کرتے ہیں۔ اس لیے ابوجہل اور ابوسفیان نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو مدینہ میں کامیاب زندگی بسر کرنے کا موقع ہی نہ دیا جائے۔ یہ صرف قریش کا فیصلہ نہ تھا بلکہ قریش کی قیادت میں پورے جزیرۃ العرب کے اکثر قبائل کو اسلام کے اصولوں سے خوف پیدا ہو چکا تھا اور وہ مدینہ کی نوزائیدہ طاقت کو کچل دینے کی خواہش میں ان کے ہم نوا بن چکے تھے قریش اور عرب قبائل نے اپنی اس خواہش کو ابتدا ہی سے ظاہر کرنا شروع کر دیا تھا۔ جب سعد بن وقاص عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ گئے تو ابوجہل نے ان سے کہا: "تم لوگوں نے صابیوں (اہلِ اسلام) کا ساتھ دیا ہے، میں یہ نہیں دیکھ سکتا کہ تم یہاں آؤ۔۔۔"

حالتِ جنگ کا آغاز | حضور کے ورودِ مسعود سے قبل مدینہ کی قیادت

عبداللہ بن ابی کے ہاتھ میں تھی۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس کی تخت نشینی کی تیاریاں بھی کی جا رہی تھیں۔ حضور کے آنے کے بعد میثاقِ مدینہ وجود میں آیا اس معاہدے کی رُو سے مدینہ کی قیادت حضور اقدس کے ہاتھ میں آگئی تھی۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے یہودی اور مشرک ساتھیوں کو یہ امر ناگوار گزرا تھا۔ قریش نے اس ناگواری کو عجیب طریقے سے بھڑکانے کی کوشش کی۔ تاکہ مسلمانوں کا خاتمہ بھی ہو جائے اور مدینہ پر مکہ کی برتری بھی قائم رہ سکے۔ انھوں نے لکھا تھا:

"تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ ہم خدا کی قسم دیتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو یا ان کو مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم تم پر حملہ کریں گے اور تم کو گرفتار کر کے تمھاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔"

اس طرح کے خطوط کو ان حالات کے پس منظر میں دیکھنا ضروری ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کرنے سے قبل مکہ میں رونما ہوتے رہے تھے۔ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہائش پذیر تھے، مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ انہیں حبشہ اور پھر مدینہ ہجرت کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ مگر جب وہ اپنا آبائی وطن اور وہاں کا تمام اثاثہ و جائدادیں چھوڑ کر مدینہ چلے آئے۔ تو ان کے خلاف اور ان کو پناہ دینے والوں کے خلاف پورے جزیرۃ العرب میں زہر پھیلانا شروع کیا گیا کہ مساواتِ انسانی کی دعوت ہمارے معاشرے کو تہ و بالا کر دے گی۔ اس لیے اس دعوت کے حاملین کو ختم کرنا ضروری ہے۔ یعنی یہ اعلانِ جنگ تھا کہ مدینہ جب تک اس داعی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے اندر رکھے گا اس وقت تک پورا عرب مملکتِ مدینہ کے خلاف جنگ آزما ہوتا رہے گا۔

دوسری طرف سے میثاقِ مدینہ اس اعلانِ جنگ کو قبول کر لینے کے مترادف تھا کہ ہاں! ہم نے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو رسول مان لیا ہے۔ ہم نے اس کے لائے ہوئے نظامِ حیات کو قبول کر لیا ہے۔ ہم اس نظامِ حیات کے مطابق زندگی گزاریں گے۔ اور اس نوزائیدہ مملکت کے آئین و قوانین کو اللہ کے بتائے ہوئے طریق پر چلائیں گے۔ اگر اس نظامِ حیات کے خلاف کوئی اقدام ہوا تو مدینہ کی کثیر الملت آبادی اس مخاصمانہ اقدام کا مقابلہ کرے گی۔ میثاقِ مدینہ کی دفاعی شرائط کے الفاظ قابلِ توجہ ہیں:

ا۔ اگر یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے فریق کی مدد کرے گا۔

ب۔ اگر مدینہ پر کوئی حملہ ہوگا تو دونوں فریق شریک یک دیگر ہوں گے۔

ج۔ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا

بھی شریکِ صلح ہوگا۔

د۔ کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔

میثاقِ مدینہ کی ان شرائط سے صاف ظاہر ہے کہ قریش اور ان کے حلیفوں کا اعلانِ جنگ پہنچ چکا تھا اور اسے قبول بھی کیا جا چکا تھا۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ حالاتِ جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔ اب طرفین موقع و محل کے مطابق ایک دوسرے پر وار کرنے کے مجاز تھے۔ دوسری بات جو کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس معاہدے کے الفاظ واضح طور پر دفاعی معاہدے کا پتا دیتے ہیں۔ اس میں مندرج دوسری شرائط کو آئینِ ملکی کا مقام حاصل ہے۔ البتہ مندرجہ بالا شرائط صرف دفاعی مملکت سے متعلق ہیں اور ان میں مشترکہ اور متحدہ دفاع کے سبھی پہلو شامل کر لیے گئے ہیں، یعنی ایک دوسرے کی مدد کا اقرار، حملہ کو فعال طریقہ سے روکنا، یک طرفہ صلح نہ کرنے کا اعلان اور دشمن کو امان نہ دینا اس میں شامل ہیں۔

میثاقِ مدینہ کے جلد بعد یہود اور منافقین و مشرکین کی سازشیں اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ حالاتِ جنگ کا آغاز ہوتے ہی قریشِ مکہ نے کُلّی جنگ کے اصول پر عمل کرتے ہوئے ہر طریقہ، ہر حربہ استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ یعنی مملکتِ مدینہ کے اندرونی معاملات میں مداخلت شروع کر دی تھی اور وہاں بغاوت پھیلا کر اس کو اندر سے تباہ کرنے کی کوشش شروع ہو چکی تھیں۔ ہماری نظر میں ان کوششوں کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو اپنے دفاع کے لیے چوکنا رہنا پڑا اور اس ہمہ پہلو جنگ کی تیاریاں تیزی سے شروع کرنا پڑیں۔ اندرونی امن و امان کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نہایت صبر و استقلال اور محبت و شفقت سے برقرار رکھا۔ اور بیرونی خدشات کو رفع کرنے کے لیے متعدد چھوٹے چھوٹے لشکر روانہ کرنا شروع کر دیے۔ ان چھوٹے چھوٹے غزوات اور سرایا کو مہمات کا درجہ دیا جا سکتا ہے اور بدر و احد کو مستقل لڑائیوں کا مقام حاصل ہے۔ البتہ از اول تا آخر، یعنی سریۂ امیر حمزہ سے لے کر غزوۂ حنین تک تمام واقعات، مہمات اور لڑائیاں ایک ہی جنگ کی مختلف کڑیاں ہیں جنھیں حضور سرورِ انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے تدبر، دور اندیشی، معاملہ فہمی، فوق العادہ عسکری بصیرت اور غیر معمولی سپہ سالارانہ قابلیت کی بنا پر لڑائی کے متعدد میدانوں میں سر کیا۔ اس جنگ کو جنگِ قریش و اسلام کا نام دینا موزوں ہوگا۔ بدر و احد اور احزاب و حنین وغیرہ کی لڑائیوں کے علیحدہ علیحدہ اسباب و علل دیکھنے کی کوشش کرنا اربابِ سیر اور بعد کے مورخوں کی بنیادی غلطی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض ناقابلِ معافی نتیجے اخذ کر لیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر بدر کی لڑائی کا سبب رجب ۲ھ میں سریہ بطنِ نخلہ کے دوران حضرمی کا قتل بتایا جاتا ہے۔ شبلی نعمانی نے بھی لکھا ہے "معرکۂ بدر کا سلسلہ اسی واقعہ سے وابستہ ہے" (سیرت نبوی صفحہ ۳۱۴) دوسری جگہ لکھتے ہیں: "واقعہ یہ ہے کہ حضرمی کے قتل نے تمام مکہ کو جوشِ انتقام سے لبریز کر دیا تھا"۔ (سیرت نبوی صفحہ ۳۴۳) ان الفاظ سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اگر حضرمی نہ مارا جاتا تو قریشِ مکہ ہرگز مدینہ پر حملہ آور نہ ہوتے۔ حالانکہ سعد بن وقاص کے ساتھ جو باتیں ابوجہل نے کی تھیں اور عبداللہ بن اُبی کو جو خط لکھا گیا تھا، وہ حضرمی کے قتل سے پہلے کی باتیں ہیں۔ قریش کی طرف سے حملے کے اندیشے کی یہ حالت تھی کہ "آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم راتوں کو جاگ جاگ کر بسر کیا کرتے تھے۔" (سیرت نبوی صفحہ ۳۰۷) اور ایک دفعہ آپ نے فرمایا: "آج کوئی اچھا آدمی پہرہ دے"۔ چنانچہ سعد بن وقاص نے ہتھیار لگا کر رات بھر پہرہ دیا۔ تب آپ نے آرام فرمایا۔" (سیرت نبوی صفحہ ۳۰۸) جس فوج کے سپہ سالار کو صف کے سپاہیوں کی طرح رات بھر پہرہ دینا پڑے اور پھر اس کے ساتھ جو لڑائیاں کی گئی ہوں ان کی بنا ایک قتل قرار دیا جائے، اور باقی واقعات کو بھلا دیا جائے، تو یہ انداز ہمیں درست نظر نہیں آتا۔ اسی طرح بعض اربابِ سیر اور اکثر مورخین نے بدر ہی کی لڑائی کے متعلق مزید غلط استدلال پیش کیے ہیں۔

تین محاذ

حقیقت یہ ہے کہ قریشِ مکہ اور دوسرے قبائل مساواتِ انسانی کے فلسفے سے خائف تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ نیا نظامِ حیات دنیا کے کسی گوشے اور خصوصاً سرزمینِ عرب میں کامیاب ہو۔ انھوں نے حضور

سرور کونین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا تھا اور یہ کلی جنگ تھی، جس کے لیے قریش نے تین محاذ چنے تھے۔

ا۔ مدینے کے اندر جو یہودی آباد تھے انہیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا تاکہ وہ فتنہ وفساد کے ذریعہ مدینہ کی اندرونی فضا کو ہمہ وقت مکدر رکھیں۔ (منافقین کے ذریعہ کی گئی سازشیں اس میں شامل ہیں)

ب۔ قبائل کو مدینہ کی مملکت کے خلاف ابھارتے رہنا اور خصوصاً وہ قبائل جو مدینہ کی سرحدوں سے ملحق علاقوں میں آباد تھے۔ اس طرح کی سرحدوں کے اندر لڑائی کے ذریعہ مکمل تباہی سے مدینہ کی روزمرہ کی زندگی کو مشکل بنانا مقصود تھا۔

ج: جب مسلمان اندرونی بیرونی سازشوں کے نتیجہ میں کمزور ہو جائیں تو موقع پاکر پوری جماعت سے مدینہ پر حملہ کریں۔ اور یوں مسلمانوں کو یکبارگی ختم کر دیں۔ بدر سے قبل جو قافلہ تجارت کی غرض سے شام گیا تھا اس کی واپسی کا انتظار تھا کہ جونہی وہ عرب کی سرزمین میں داخل ہو آخری اور فیصلہ کن لڑائی کا آغاز کیا جائے۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے ضروری تھا کہ آپ ان تینوں محاذوں پر دشمن کی یلغار کو روکیں۔ حضور کو رشد و ہدایت کے فرائض کے علاوہ مملکت مدینہ کے سربراہ کے فرائض بھی ادا کرنے ہوتے تھے۔ اور چونکہ سربراہ مملکت ملت کی افواج کا سپہ سالار بھی ہوا کرتا تھا۔ اس لیے آپ کو سپہ سالاری کے فرائض بھی انجام دینے ہوتے تھے۔ خیال رہے کہ یہ اسس نظام حیات کی فوج کی کمان تھی، جس کے ہر فرد کے لیے حکم تھا۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ (تم پر لڑنا فرض کر دیا گیا ہے) یعنی ملت کے ہر فرد کو جنگ میں شریک ہونا تھا۔ جنگ میں شرکت کی تربیت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تھی يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ "اے نبی مسلمانوں کو جنگ کا شوق دلاؤ۔" جہاں پوری ملت کو سپاہی کے فرائض ادا کرنے ہوں اور اپنا پیغام پوری انسانیت تک پہنچانا ہو، وہاں قیادت کی ذمہ داریاں کتنی بڑھ جاتی ہیں

اور ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے لاتعداد افراد کی ضرورت تھی۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے سپہ سالار اور ان کے ماتحت کمان دار بھی تیار کرنے تھے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ سپہ سالار اعظم کی حیثیت میں آپ نے یہ تمام ذمہ داریاں بطریق احسن پوری نہیں کی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تن تنہا گنتی کے چند آدمیوں کو ایسے خطوط پر تربیت دی کہ یہ چھوٹی سی جماعت اپنے عصر میں دنیا کی عظیم ترین طاقت بن کر نمودار ہوئی۔ اس طاقت سے استحکام پانے والی مملکت نے ۲۷۴ مربع میل یومیہ کے حساب سے وسعت پائی اور دس برس کے عرصہ میں اس کا رقبہ یورپ (بغیر از شمولیت روس) کے برابر ہو گیا۔ اس دوران صرف ۱۲۰ ایمان والے جام شہادت سے باریاب ہوئے۔

تاریخ جنگ کے مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے اور اس کی تائید سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے بھی ہوتی ہے، کہ اگر فوج کی صفوں میں شامل ہونے والوں کے کردار میں پختگی ہو اور ان کی تربیت صحیح خطوط پر کی گئی ہو تو انہیں کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔ اخلاق و کردار کی صرف ایک ہی کسوٹی ہے اور وہ احکام الٰہی ہیں۔ جو قومیں اللہ کے احکام کے مطابق اپنے شب و روز کو ترتیب دیا کرتی ہیں۔ وہ عالم انسانی میں قیام عدل و انصاف جیسے بلند مقصد کے لیے کلمۃ اللہ کو مدد دے رہی ہوتی ہیں۔ اور اللہ انہیں ان کے مقاصد کی تکمیل میں مدد دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ (محمد: ۷)

"اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور قدم جما دے گا۔"

اس سے بڑی مدد کیا ہو سکتی ہے کہ معرکہ حق و باطل جب زوروں پر ہو، جب موت ارزاں ہو، اور جب میدان جنگ کے مصائب اپنی انتہا پر ہوں، اس وقت رب العلمین اپنے وعدے کے مطابق حق کی آواز پر لبیک کہنے والوں کے قدم دم آخر تک مضبوط رکھے تاکہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہیں۔ اللہ کی مدد

کرنے کے یہ معنیٰ ہیں کہ دستِ شمشیر گیر کو اللہ کے نام پر پابند کیا جائے اور اگر اللہ اور یومِ حساب کا منکر انسانی گروہ اپنی قوت کے زعم میں اور اپنی مادی طاقت کے بل بوتے پر کمزور اور نادار انسانوں پر ظلم وستم ڈھا رہا ہو تو اس کے ہاتھ کو روکنے کے لیے اللہ پر ایمان رکھنے والے صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے میدانِ کارزار میں اتر آئیں۔ یہی وہ مقصد تھا جس کے لیے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ جنگ کا رُخ کیا تھا، اللہ کا حکم تھا:

قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ
(البقرۃ: ۱۹۰)

"اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں"۔

پیغمبرِ اسلام کی جنگ ملک گیری کی جنگ نہ تھی یہ جنگ دولت جمع کرنے کی غرض سے نہیں لڑی گئی تھی اور نہ ہی اس جنگ میں شریک ہونے والے اپنی بہادری یا جرأت وشجاعت کی داد پانے کے طلب گار تھے۔ یہ جنگ باطل نظام کو مٹانے اور عالمِ انسانی میں عدل وانصاف کے قیام کے لیے لڑی گئی تھی تاریخ شاہد ہے کہ جو بھی غلطی کے مرتکب صلح کی درخواست کرتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی تلواریں نیاموں میں چلی جاتی تھیں۔ اس لیے کہ جس اللہ کے نام پر حضور نے میدانِ جنگ کا رُخ کیا تھا اس کا حکم تھا:

وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الانفال: ۶۱)

اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ۔"

اور دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا (النساء: ۹۰)

"پس اگر وہ کنارہ پکڑیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تمہاری جانب صلح (کا پیغام) لائیں تو تمہیں اللہ نے ان پر راستہ نہیں دیا" (یعنی لڑنے کی اجازت نہیں دی)

یہی وجہ تھی کہ جو بھی کفار صلح کی جانب جھکتے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صلح قبول کر لیتے تھے۔ اور اپنے عہد پر سختی سے کاربند رہا کرتے تھے۔ اس کے برعکس دشمن کی طاقت اور تعداد نے آپ کو کسی موقع پر کبھی مرعوب نہیں کیا۔ اور دشمن نے جب بھی آپ کو للکارا، آپ اپنی محدود جمعیت لے کر اس کے مقابلے کو نکل آئے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ظالم کی جانب جھک جانے کی مثال قائم ہو جائے اور بعد میں اُمت کہیں اپنی کمزوری اور تیار نہ ہونے کا بہانہ بنا کر ظلم اور ظالم کے آگے سرنگوں نہ ہو جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم واضح ہے:

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ (ھود: ۱۱۳)

اور ان کی طرف مت جھک جاؤ جو ظالم ہیں، ورنہ تم کو آگ لگے گی، اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہیں اور تمہاری مدد ہرگز نہ ہوگی۔ (اگر ظالموں کی طرف جھکو گے)"

اللہ کے ان احکام کی موجودگی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح ظالموں کی طرف جھک سکتے تھے یا کس طرح ان کی خواہشات کی تکمیل کا خیال بھی کر سکتے تھے۔ آپ تو ظلم وستم کو مٹا کر عدل وانصاف قائم کرنے کے لیے مقرر کیے گئے تھے۔ آپ کو تو دنیا کی ظالم طاقتوں کے خلاف نبرد آزما ہونا تھا۔ آپ کو اس مقصد کے لیے ایک فقید المثال فوج کو وجود میں لانا تھا۔ اس لیے کہ جنگ کے تقاضے ہر انسان پورے نہیں کر سکتا۔ جنگ کی صعوبتوں کو جھیلنے اور اپنے فرض کی راہ پر جمے رہنے کے لیے ایسے خصائل کی موجودگی ضروری ہوتی ہے جو اعلیٰ کردار واخلاق سے متعلق ہیں۔ کردار واخلاق کا تعلق ایمان وایقان سے ہوا کرتا ہے۔ بلند کرداری ایمان وایقان کے بغیر نہیں پیدا ہوا کرتی۔ جو دلیری ظلم وستم کرنے والے دکھاتے ہیں وہ مادی طاقت اور افرادی قوت کے پیدا کردہ غرور وتکبر کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ ایسی دلیری مشکل مقام پر کافور ہو جایا کرتی ہے۔ اس کے برعکس جو جرأت وشجاعت ایمان وایقان اور اس کے پیدا کردہ اخلاق وخصائل کا نتیجہ ہوا کرتی ہے اس میں مادی طاقت، عزوجاہ اور افرادی قوت کا عنصر شامل

نہیں ہوتا۔ مزید برآں چونکہ ان جواں مردوں کا مطمح نظر فتح و شکست سے قطع نظر آخری دم تک لڑ کر اللہ کے احکام کا اجراء ہوا کرتا ہے۔ اس لیے ان کو تا دم آخر لڑنے سے کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ یہی جذبہ حضور نے اپنے لشکر کی صفوں میں پیدا کیا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ مادی و افرادی کمی کے باوجود انہیں فتح نصیب ہوتی رہی۔ اللہ کا وعدہ تھا:

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً
بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ (البقرۃ: ۲۴۹)

"کتنی بار چھوٹی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آئی۔"

اور دوسری طرف یہ ارشاد باری تعالیٰ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کے افراد کے سامنے تھا:

وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ
قُوَّةً مِّن قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ
أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ (محمد: ۱۳)

"اور کتنی ہی بستیاں تھیں، جو تیری بستی سے زیادہ طاقتور تھیں، (وہ بستی) جس نے تجھے نکال دیا۔ ہم نے ان کو ختم کر دیا اور ان کا کوئی مددگار نہ تھا۔"

جس طریقے پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کو تربیت دی اور پھر منظم صورت میں اسے اس دور کی طاقتوں کے مظالم کا قلع قمع کرنے کے لئے تیار کیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فوجی بصیرت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ آپ کا لشکر یونہی از خود تیار نہیں ہو گیا تھا۔ بلکہ اس تیاری کی تہہ میں بہت سے فطری اور آفاقی اصول کارفرما تھے۔ جن پر عمل کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کو میدان جنگ کی جانب کوچ کے احکام صادر فرمائے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر منظم گروہ کا ایک مقصد حیات ہوتا ہے۔ مقصد حیات کی نوعیت اس انسانی گروہ یا اس انسانی معاشرہ کے افراد کے کردار کو ایک خاص سانچے میں ڈھالنے کا باعث ہوتی ہے یہ قومی کردار معاملات کو حل کرنے کا طریق عمل وجود میں لاتا ہے۔ یہی وہ شئے یا وہ حقیقت ہے جو کسی معاشرے کو ایک خاص قومی رنگ عطا کرتی ہے۔ جب قومیں اور ان کے افراد میدان کارزار میں داخل ہو کر اپنے اصولوں یا اپنے مقصد حیات کا تحفظ کرتے ہیں تو ان کا یہ قومی رنگ ان کی فتح یا شکست کا باعث بنتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہوئے ایک امت کو وجود میں لائے۔ اور پھر اس امت کے سامنے ایک مطمح نظر رکھا۔ یہ مطمح نظر "اللہ کی خوشنودی" تھا اور آج بھی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سپاہیوں اور اللہ کے نام پر جان جیسی عزیز شئے کی شہادت پیش کرنے والوں کو سمجھایا کہ اگر عالم کون و مکاں میں کوئی طاقت ہے تو وہ صرف اللہ کی طاقت ہے اس کرۂ ارضی کا تو کیا کہنا اس کائنات میں سوائے اللہ کے ایسی کوئی طاقت نہیں جس کے احکام مانے جائیں، جس کی بندگی کی جائے، جس کی عبادت کا خیال پیدا کیا جائے، یا جس کے ارادوں اور خواہشوں کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فریضہ ودیعت کیا گیا کہ آپ ایسی امت وجود میں لائیں جس کا مطمح نظریہ ہو کہ کائنات اور خصوصاً عالم انسانی میں اللہ اور صرف اللہ کی خدائی کارفرما ہو، تو اس وقت لاتعداد ایسی قوتیں موجود تھیں، جو اپنی خدائی کے سلسلے قائم رکھنا چاہتی تھیں۔ ان قوتوں کو اس نظریہ سے اختلاف ہونا بدیہی تھا۔ اور اپنے مفادات کی حفاظت کی خاطر ان کا طاقت استعمال کرنا بھی لازمی تھا۔ یہ طاغوتی طاقتیں جب برسر پیکار آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی طاقت استعمال کئے بغیر چارہ نہ تھا۔ ضروری تھا کہ آپ کی فوج طاقت و قوت کے بھروسہ پر نہیں بلکہ اپنے اللہ پر بھروسہ کر کے میدان عمل میں قدم رکھتی۔

صداقت

جس انسانی گروہ کو اپنے عہد کے عالم انسانی کی قیادت کرنی ہوتی ہے۔ اُسے کردار و اخلاق میں بھی بنی نوع انسان میں ممتاز مقام حاصل کرنا ہوتا ہے۔ جنھیں ظالموں کے ہاتھ سے تلوار چھیننے پر مامور کیا جاتا ہے

ان کے بازوؤں کو پہلے مضبوط بنایا جاتا ہے۔ یہی وہ کام تھا جو ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اپنے ہاتھوں میں لیا۔ آپ کے پاس گنتی کے افراد تھے مگر آپ نے افراد کو اخلاق کردار کی وہ تربیت دی جس کے نتیجے میں ان میں سے ہر ایک لشکروں پر بھاری تھا۔ صدیق اکبر، عمر فاروق، عثمان غنی، حیدر کرار، اور حمزہ و خالد جیسی شخصیتیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے پیدا ہوئیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو تمام رات تسبیح و سجود میں رہتے، مگر لگاتار فاقوں کے باوجود ان کے نعرۂ اللہ اکبر کی صدا سے دشت و جبل تک گونج جاتے جس ضابطۂ اخلاق اور کردار کے مطابق ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کو تربیت دی۔ وہ اللہ کا عطا کردہ پیغام تھا۔ جو حضور کے ذریعہ انسانیت تک پہنچا تھا۔ اس ضابطۂ اخلاق کے چند احکام ایسے ہیں جو لشکروں اور لشکر سالاروں کی نظروں کے سامنے رہنے چاہئیں۔ ورنہ صحیح فوج وجود میں نہیں آسکتی۔ حکم ربانی ہے:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ
وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرہ: ۴۲)

"اور سچ کے ساتھ جھوٹ مت ملاؤ اور سچ کو جان بوجھ کر مت چھپاؤ"
سچ یوں تو زندگی کے ہر شعبے میں ضروری ہے۔ مگر اس حکم کی تعمیل جس قدر لشکر کی صفوں میں ضروری ہوتی ہے، اتنی اور کہیں نہیں ہوا کرتی۔ فوجی کمانداروں کی رپورٹوں پر آئندہ کے منصوبوں کی بنیاد رکھی جاتی ہے، گشتی پٹرول جس میں شاید صرف تین سپاہی شامل ہوں، اور معمولی سنتری جو تن تنہا دشمن کی حرکات دیکھنے پر متعین کیا گیا ہو، اس کے بیانات کی سچائی پر پورے لشکر کی کارگزاری منحصر ہو سکتی ہے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ جن لشکروں کے افراد جھوٹی رپورٹیں عقب کی جانب روانہ کرتے ہیں، انہی لشکروں کی شکست ہوا کرتی ہے۔ ہر قوم کے افراد کے اخلاق کا معیار قریب قریب یکساں ہوا کرتا ہے جس فوج کے سپاہی بغیر گشت کیے اپنی رپورٹ بھیج سکتے ہوں، اس فوج کے لشکر سالار بھی اپنے سے بالا احکام کو غلط جائزے اور بے بنیاد رپورٹیں بھیجا کرتے ہیں۔ سپاہی اور لشکر سالار آخر ایک ہی معاشرے کے افراد ہوا کرتے ہیں۔ ان کے اخلاق کی بنیادیں ایک سے ماحول کی پیداوار ہوا کرتی ہیں۔ اس لئے یہ کہنا کہ کسی فوج کے افسر تو بہت دیانت دار ہیں مگر صف کے سپاہی بلند اخلاق نہیں، یا یہ کہ صف کے سپاہی تو دلیر اور راست گو ہیں مگر ان کے سالار عیش پرست اور دروغ گو ہیں، یہ درست نہیں ہوسکتا۔ عموماً پوری قوم ایک ہی کردار میں رنگی ہوتی ہے اور اسی قومی کردار پر اس کے وجود اور عدم وجود کا انحصار ہوا کرتا ہے۔

صداقت ایسی خاصیت ہے جس سے افراد اور قوموں کے مجموعی اخلاق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ سچائی سے وہی گریز کرتے ہیں جو لالچ اور خود غرضی کی وجہ سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہوں۔ یا بزدلی کی وجہ سے جھوٹ بول کر جائز سزا سے بچنا چاہتے ہوں۔ مسلمانوں سے کہا گیا تھا کہ تمہیں تو صرف اللہ کا خوف ہے۔ اس لیے تم ہمیشہ سچ بولو۔ اور خصوصاً صاحب لشکر کی صفوں میں ہوتے ہوئے اپنی رپورٹیں بھیجو تو سچ میں جھوٹ یعنی اپنا اندازہ اور خیال مت ملاؤ۔ حقیقت کو ہرگز مت چھپاؤ تاکہ تم سے بالا کماندار صحیح منصوبہ تیار کرسکے۔ دوسری طرف سچ ہی عدل و انصاف کی بنیاد ہے جن افواج کے افراد جھوٹ بولتے ہوں ان افواج کی صفوں میں عدل و انصاف مفقود ہوتا ہے۔ اور جب افواج کی صفوں میں بے انصافیاں ہونا شروع ہوجائیں تو وہ فوج جنگ کے قابل نہیں رہتی، جن لشکروں کے لئے یہ حکم ہو وہ ناانصافی نہیں کرسکتے:

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ
تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (النساء: ۵۸)

"اور جب تم لوگوں میں حاکم بن جاؤ تو عدل کے ساتھ حکم کرو۔"
فوج کی صفوں میں عدل کے فقدان کے یہ معنی ہوئے کہ نااہلوں کو مختلف مدارج کی کمان دی جائے۔ جب یہ عالم ہو جائے تو وہ فوج جنگ کرنے کے قابل نہیں رہتی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں ہمیشہ قابل افراد کو علم داری اور

سپہ سالاری کے فرائض تفویض کیے جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر ہمیشہ کامیاب و کامران رہا۔

حضور سرورِ کونین صلے اللہ علیہ وسلم خود امین تھے۔ اور حضور نے اپنے لشکریوں میں اس خوبی کو کماحقہٗ قائم رکھا۔ افرادِ لشکر اور کمانداروں کی اس خاصیت کے یہ معنیٰ ہیں کہ جو فرائض ان کے ذمہ ہوں ان کو پورا کرنے میں ذرّہ برابر کمی روا نہ رکھی جائے۔ لشکر کو جو مقصد دیا جاتا ہے، وہ حقیقت میں امانت ہے جو قوم اس کی تحویل میں دیتی ہے اور لشکر سالار کی امانت کا ثبوت اس کی کامیاب لشکر سالاری میں مضمر ہوتا ہے۔

کسب حلال

صداقت و امانت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ صدق مقال اور امانت کے بعد جو اخلاقی خاصیت افرادِ لشکر میں ہونا ضروری ہے وہ کسب حلال کی خاصیت ہے۔ اگر لشکر کی صفوں میں ایسے افراد شامل ہو جائیں، جو کسب حلال کی اہمیت کو نہ سمجھتے ہوں، یا اس خاصیت پر عمل نہ کرتے ہوں تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لشکر کا سازوسامان منڈیوں کی زینت بن جاتا ہے اور توپ اور گولہ بارود اور پستول و بندوق بھی غائب ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ پہلے پہل چوری چھپے اور پھر کھلے بندوں ان کی خرید و فروخت شروع ہو جاتی ہے۔ دورِ حاضر میں ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں افواج کی شکست کی وجہ یہ بھی ان کا گولہ بارود دشمن کے ہاتھوں بیچ دیا جاتا تھا اور جو گولہ بارود انہیں استعمال کے لیے ملتا تھا وہ ناقص اور ناکارہ ہوا کرتا تھا۔

حضورِ اقدس کے تربیت یافتہ لشکر کے افراد میں صدقِ مقال اور امانت و کسب حلال کی خوبیاں اس اہتمام سے پیدا کی گئی تھیں کہ اُن کے کسی فرد کے قلب و ذہن میں ان کمزوریوں کا خیال پیدا ہونا بھی ناممکن بن گیا تھا۔ یعنی وہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں تربیت کے اس بلند مقام پر فائز ہو چکے تھے، جہاں خیر و خواہش میں پورا پورا تطابق پایا جاتا ہے۔ اس مختصر سی محفل میں اسی ضابطۂ اخلاق کی جانب صرف اشارہ مقصود ہے جس کے اوامر و نواہی پر وہ نظامِ حیات مبنی ہوا تھا، جس نے اُمتوں کی رہبری و ہدایت کے فرائض انجام دیے۔ اس ضابطۂ حیات کے نتیجہ میں ایک مخصوص قومی کردار پیدا ہوا تھا، جس کی روشنی میں تمام اجتماعی امور حل ہوا کرتے تھے۔ اس قومی کردار کی ایک مثال یہ ہے کہ وسطی افریقہ میں جہاں مسلمان معمولی سی اقلیت میں ہیں وہاں کی عدالتوں میں جب کوئی مسلمان گواہی دیتا ہے تو عدالت اس کے بعد کسی گواہ کو بلانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتی اور علانیہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اب ایک مسلمان نے حقیقت بیان کر دی ہے۔ اب مزید معلومات حاصل کرنا لاحاصل ہے۔ اس لیے کہ مسلمان کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ یعنی افریقی مسلمان کے قومی کردار کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سچ بولتا ہے۔

دفاعی نظریہ

سپاہ کی تربیت اور میدانِ جنگ میں سپاہ کا استعمال بھی معاشرے کے ان اجتماعی امور میں شامل ہیں جن کی کامیابی قومی کردار کی پختگی پر منحصر ہوا کرتی ہے۔ جو قومی کردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوررس نگاہ کے نیچے وجود میں آیا تھا۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں اللہ کی خوشنودی کو ہر بات پر مقدم رکھا جاتا تھا۔ اس خصوصیت نے مسلمانوں کے لشکر کو ناقابلِ شکست بنا دیا تھا۔ عصرِ حاضر کے دو ممتاز رہنماؤں کے بیانات ان کے قومی کردار کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اتاترک نے ترکی کی جنگ آزادی کے دوران کہا تھا کہ ترک فوج کے لیے آئندہ کوئی خطِ دفاع نہیں ہوگا۔ بلکہ ملک کی سرزمین کا چپہ چپہ اس دفاعی میدان کا حصہ سمجھا جائے گا، جس کا دفاع ترک فوج کی ذمہ داری ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی مقام پر جب تک آخری ترک سپاہی شہید نہ ہو جاتا تھا اس وقت تک وہ مقام یونانی فوج کے قبضہ میں نہیں آسکتا تھا۔ یہ دفاعی نظریہ اتاترک نے تاریخی عوامل کے ذریعے ملتِ اسلام کے نظریہ دفاع سے لیا تھا جس میں اصل کی تھوڑی سی جھلک باقی تھی۔ اس کے برعکس چرچل ایک مادی نظریۂ حیات کا پروردہ تھا اس کے الفاظ کچھ

س طرح تھے۔ "ہم ساحل سمندر پر لڑیں گے، ہم گلیوں کوچوں میں اور شاہراہوں پر دفاع کریں گے۔" یعنی اس کی نظر میں دفاع کرنے کے لیے مظاہر کی ضرورت تھی۔ البتہ حبب اللہ کا سپہ سالار (علیہ التحیۃ والثنا) اپنی چھوٹی سی سپاہ کو لے کر مقام بدر پر بہت بڑی طاقت کے سامنے صف آراء ہوا تھا، تو جو اصول اُس کی سپاہ کے سامنے تھا وہ اس اعلان پر مبنی تھا:

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

جب بدر کے میدان میں معرکۂ حق و باطل کا آغاز ہوا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ آپ ایک ایک فرد "فَیُقْتَلْ اَوْ یَغْلِبْ" (غالب آجائیں گے یا قتل ہو جائیں گے) کا مصمم ارادہ کر چکا ہے۔ جس الٰہ العلمین کے حکم: کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ (تم پر جنگ کو فرض کر دیا گیا ہے) کے تحت رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میدان جنگ کا رُخ کیا تھا، اسے مخاطب کر کے حضور نے جو الفاظ کہے تھے وہ سپہ سالاران افواجِ اسلام کے لیے ہدایت و رہنمائی کا مقام رکھتے ہیں:

"اے اللہ اگر آج یہ چھوٹی سی جماعت ختم ہو گئی تو پھر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہو گا۔"

ملاحظہ ہو کہ ختم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فتح کی دعا نہیں کی تھی۔ آپ کو نہ تو مملکت کی ضرورت و خواہش تھی اور نہ دولت و حشم کی۔ آپ کے پیش نظر تو اللہ کی "عبادت" اور "عبدیت" تھی۔ عبد اپنے مالک کا حکم مانا کرتا ہے۔ اللہ کی عبادت کے معنیٰ اللہ کے احکام ماننے اور اللہ کے احکام کے مطابق معاشرہ قائم کرنے کے ہیں۔ عبادت کے لیے پوجنے کے معنیٰ درست نہیں۔ یہاں "اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ" کا مفہوم اس آیۂ کریمہ سے واضح ہوتا ہے:

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ (المائدہ ۴۴)

"اور جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکومت نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں۔"

اس دعا کا مفہوم صرف یہ تھا کہ "اے اللہ! اگر آج یہ چھوٹی سی جماعت تادم آخر اصول پر لڑتے ہوتے ختم ہو گئی، تو پھر تیرے نازل کردہ احکام کو مانتے ہوئے حکومت کرنے والا معاشرہ کہیں نہ رہ جائے گا۔" اللہ کی پوجا کرنے والے تو ہر دور میں کہیں نہ کہیں مل ہی جاتے ہیں، البتہ اللہ کے احکام کے مطابق حکومت کرنے والے بلند بانگ دعووں کے باوجود شاذ و نادر ہی ملتے ہیں۔ اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ فرمائے تھے۔ ان الفاظ میں یہ بات تسلیم شدہ تھی کہ یہ چھوٹی سی جماعت شکست ہرگز قبول نہ کرے گی اس لیے کہ جو لوگ کسی اصول نظریے یا دین کی خاطر نبرد آزما ہوتے ہیں، ان کے شکست تسلیم کر لینے کے یہ معنیٰ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے اصول، اپنے نظریے اور اپنے دین سے دستبردار ہونے پر رضامند ہیں، اور فاتح کے دین اور قانون کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے تیار ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ سے تاقیامت مسلمان لشکروں پر شکست تسلیم کر لینے کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

تربیتِ سپاہ

قومی کردار کی پختگی کے بعد دوسرا مرحلہ تربیت سپاہ کا تھا۔ "کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ" کا حکم ہر مسلمان کے لیے دیا گیا تھا۔ اس لیے ہر مسلمان کا حق ہے کہ وہ زیور شمشیر و سناں سے اپنے آپ کو آراستہ کرے۔ اور آزاد و خودمختار ملت کا آزاد فرد بن کر ملک و ملت کی آزادی کے تحفظ و بقا کی ذمہ داریوں میں شریک کار رہے جس طرح پختگی کردار میں فرد اور ملت کا غیر مرئی رشتہ دُور رس نتائج کا حامل ہوتا ہے۔ اسی طرح جری و بہادر افراد کو فوج و سپاہ کے سلسلے میں منسلک کرنا نہایت اہم مقام رکھتا ہے۔ افراد کو ایک ہی علم کے نیچے لا کر ان کے اجتماع سے فوج تیار کرنا ہر کہ و مہ کے بس کی بات نہیں اور نہ ہی یہ فریضہ چند دنوں میں پورا کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے سالہا سال کی محنت شاقہ اور مسلسل نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گنتی کے افراد کو

پختہ ترین کردار کی مالک اُمّت کا ناقابلِ تسخیر لشکر تیار کیا۔ وہ تاقیامت مسلمان سپہ سالاروں کے لیے ہدایت کا مقام رکھتا ہے۔ حضورِ ایک نئی مملکت میں سربراہ مملکت بن چکے تھے مگر حضور کی سپاہ کے کچھ افراد ابھی اس نئی مملکت کی جغرافیائی اور موسمی حقیقتوں سے واقف نہ تھے۔ یہی نہیں بلکہ یہ اپنے گھربار اور دنیوی لحاظ سے متاعِ حیات مکہ میں چھوڑ کر آئے تھے۔ مزید براں مہاجر اور انصار سپاہیوں اور سالاروں میں میں اُنس ومحبت اور ایک دوسرے کو سمجھنے کی قابلیت کا مادہ پیدا کرنا تھا۔ سب سے اہم تبدیلی جس کا وجود میں آنا ضروری تھا وہ یہ تھی کہ عرب یوں تو شمشیر آزما تھے۔ مگر اُن کی لڑائی کے ڈھنگ میں ربط، تسلسل اور ثبات نہ تھا وہ گھوڑوں اور اونٹوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے آبادیوں پر حملہ آور ہوتے اور چھاپے کے انداز میں ہر شے کو تہ تیغ اور برباد کرچکنے اور لوٹ مار کرنے کے بعد جس رفتار سے آتے تھے اُسی سے لوٹ جاتے تھے۔

جس ملّت کو "شہداء علی الناس" کے فرائض انجام دینے تھے، جس فوج کو قیصر وکسریٰ کے تاج وکلاہ کو خاک میں رولنا تھا اور جن افراد کو عدل وانصاف کے نئے اُفق سے دنیا کو آشنا کرنا تھا' ان کے ارادوں میں غیر معمولی استحکام، ان کے پاؤں میں لافانی ثبات اور ان کی صفوں میں ان دیکھا ربط وضبط اور انضباط ہونا ضروری تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچنے کے جلد بعد ان اہم تربیتی اور انتظامی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دی۔

سرداران قریش نے مدینے کے یہودی سرداروں کو جو پیغامات بھیجنا شروع کیے تھے ان کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم: خذوا حذرکم (یعنی حفاظت' (دفاع) مکمل کرلو) پر عمل اسی صورت میں کرسکتے تھے کہ اپنی سپاہ کو وجود میں لاتے اور اسے جنگی تربیت سے مزین فرماتے' آپ نے فوج کی تنظیم اور تربیت کو جلد سے جلد مکمل کرنے کی غرض سے اور بالخصوص سپاہ اور اس کے کمانداروں کو جغرافیائی اور موسمی حالات سے آگاہ کرنے، موسم کی نامساعدت کے باوجود لمبے سفر کرنے، مہاجر و انصار کو یک رنگ کرنے، کمان داروں کو کمان کا تجربہ دلانے، مملکتِ مدینہ کی طاقت کا مظاہرہ کرنے اور قبائل کے اذہان کو قریش مکہ کی طاقت سے مرعوب ہونے سے بچانے کے لیے گشتی دستوں کی ترسیل کا سلسلہ شروع کیا۔ ان گشتی دستوں کو عربی میں سرایا کا نام دیا گیا ہے۔ ان میں آج کل کی اصطلاح کے مطابق دونوں قسم کے دستے شامل ہوا کرتے تھے یعنی ناظر دستے (Recce Patrols) اور لڑاکا دستے (Fighting Patrols) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن خطوط پر ان دستوں کو منظم کیا تھا۔ ان سے چھوٹی مہموں کا کام بھی لیا جاسکتا تھا۔ اگر اس طرح کی چھوٹی مہموں میں حضور بہ نفس نفیس لشکر میں موجود ہوتے تو اُسے غزوہ کہا جاتا ہے۔

اگر ان سرایا اور غزوات کو تفصیل سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ فوج کے لیے جو مختلف النوع تربیتی مسائل ہوتے ہیں وہ ان کے ذریعے حل کیے گئے اور ساتھ ہی ساتھ امورِ مملکت خصوصاً خارجہ پالیسی کو محکم ومضبوط بنایا گیا۔ مثال کے طور پر صفر ۲ھ میں غزوۂ الابواء کے دوران عمرو بن مخشی کے ساتھ غیرجانبدار رہنے کا معاہدہ کیا گیا۔ اسی طرح جمادی الآخر ۲ھ میں غزوۂ ذوالعشیرہ کے دوران بنی مدلج اور بنی ضمرہ کے ساتھ دوستانہ معاہدہ طے پایا۔

غزوات اور سرایا کے ذکر کے ساتھ قریش مکہ کے ارادوں اور کوششوں کے ذکر کا اعادہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ قریشِ مکہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ پہنچنا اور وہاں ایک نئے نظامِ حیات کو قائم کرنا نہایت ناگوار گزرا تھا۔ جیسا کہ ذکر ہوچکا ہے اُنھوں نے مدینہ کے یہودیوں کو خطوط لکھنا شروع کیے کہ اُنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ کو قتل نہ کیا یا مسلمانوں کو مدینہ بدر نہ کیا تو وہ مسلمانوں کے ساتھ ان کا بھی خاتمہ کردیں گے۔ یہ محض زبانی یا تحریری دھمکی نہ تھی بلکہ اُنھوں نے ہجرت کے پہلے سال میں ہی دو لشکر روانہ کیے۔ پہلا لشکر ۳۰۰ افراد پر مشتمل ابوجہل کی قیادت میں ماہ رمضان میں مدینہ کے خلاف روانہ کیا گیا۔ حضور اقدس نے امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں تیس افراد کا گشتی دستہ روانہ کیا۔ مسلمانوں کی خبر پاکر ابوجہل بغیر لڑے واپس چلا گیا۔ دوسرا قریشی لشکر شوال ۱ھ میں

ابوسفیان کی قیادت میں مدینہ کے خلاف آیا۔ مگر اس بار بھی مسلمانوں کو چوکنا پاکر واپس چلا گیا۔ مسلمانوں کی جانب سے حضور نے یہ سریہ عبیدہ بن الحارث کی قیادت میں روانہ کیا تھا اور اس میں ساٹھ مجاہد شامل تھے۔ عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ ان شجاعانِ اسلام میں شامل ہیں جنھوں نے حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تربیت سے اس قدر فیض حاصل کیا کہ بڑے بڑے لشکروں کو شکست دی۔ عبیدہ بن الحارث ہی بعد میں فاتح فارس بنے۔

اس طرح کے لڑاکا گشتی دستے حضور اکثر روانہ کرتے رہے تاکہ دشمن کہیں مدینے کی نئی مملکت کو بے خبر پاکر اچانک حملہ نہ کردے۔ غزوہ ذی امر ۳ھ جسے غزوہ غطفان بھی کہا گیا ہے، اور سریہ قطن ۴ھ اس طرح کی مہمات میں شامل کیے جاسکتے ہیں۔ ایسے مواقع بھی ہوئے کہ حضور قریش کے اچانک حملہ کی خبر پاکر میدان میں آئے۔ مگر دشمن بھاگ گیا اور مقابلہ نہ ہوسکا۔ ۲ھ میں غزوۃ السویق کا شمار اسی طرح کی مہمات میں ہوتا ہے۔ اس موقع پر ابوسفیان کو یہ کامیابی ہوئی کہ وہ مدینہ کے قریب آکر دو مسلمانوں کو شہید کر گیا، اور مسلمانوں کے باغات میں چند درخت کاٹ کر چلا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعاقب کے لیے نکلے مگر اطلاع دیر میں ملنے کی وجہ سے دشمن ہاتھ نہ آسکا۔

اصول جنگ

مدینے کی نئی مملکت کا دفاع معمولی کام نہ تھا۔ ایک طرف پورا عرب اپنی تمام تر طاقت کے ساتھ صف آرا تھا دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی چند مجاہد۔ اگر غزوات اور سرایا کا سوچا سمجھا منصوبہ عمل میں نہ لایا جاتا تو دفاعِ مملکت ناممکن بن جاتا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست، دوراندیشی، معاملہ فہمی، صبر واستقلال، خلق عظیم اور اللہ پر مکمل بھروسہ تھا۔ جس کی وجہ سے ایک چھوٹی سی نئی مملکت بالآخر پورے عرب کو اپنے سائے تلے پناہ دینے میں کامیاب ہوئی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لڑائیوں کے دوران اپنے ماتحت کمانداروں کو چند بنیادی اصول سکھائے جنھیں اصولِ جنگ کہنا چاہیے۔ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ جس فوج کے لشکر سالار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے اصولوں پر اپنی افواج کی تربیت کریں اور پھر میدانِ جنگ میں ان اصولوں کو نگاہ میں رکھیں تو فتح ہر ہر قدم پر ان کا استقبال کرے گی۔ جنگ کی مکمل تیاری اور سپاہ کی اخلاقی و فنی تربیت کے بعد جو اصول غزوات نبوی کے مطالعہ سے اخذ کیے جاسکتے ہیں اولیت اس اصول کو ہے کہ ملت کے لیے ایسی فوج کی موجودگی ہمہ وقت ضروری ہے۔ جسے دشمن موجود خطرے (Threat in Being) کا مقام دینے پر مجبور ہو جائے (— Being in at) یعنی مسلمان مملکتوں کی افواج ایسی ہوں کہ ان کا وجود ہی دشمن کو فتنہ و فساد مچانے یا جنگ چھیڑنے سے باز رکھے موجود خطرے میں افواج سے متعلق چند نکات ہیں، جو موجود اور ہر ممکن دشمن کے دل پر دھاک بٹھانے کا موجب بنا کرتے ہیں۔ غزوات نبوی کی روشنی میں سے ان میں سے چند کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ تعداد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات سے پتہ چلتا ہے کہ ملت کا ہر فرد سپاہیانہ خصائل اور سپاہیانہ تربیت کا حامل تھا۔ اس کے یہ معنیٰ ہوئے کہ ملت جس قدر فوج مہیا کر سکے وہ تیار رہنی چاہیے۔ درست کہ حضور نے تنخواہ دار قائم فوج نہیں رکھی۔ مگر افواج سے متعلق یہ پہلو ایسا ہے جس پر وقت اور مقام کے لحاظ کے مطابق عمل کیا جاسکتا ہے۔ جو بات قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تربیتی اور معلوماتی سرایا کے ذریعہ ہر فرد کو باری باری فوج میں شمولیت کا موقع دیا۔ اسلامی ممالک کے کماندارانِ اعلیٰ کے لیے یہ نکتہ اس ہدایت کا حامل ہے کہ وہ اپنی دفاعی کوششوں کو صرف قائم افواج (STANDING ARMED FORCE) تک محدود نہ رکھیں، بلکہ ایک ایسے نظام کو وجود میں لائیں جس کے ذریعے ہر بالغ مرد سال میں چند ایام فوجی تربیت حاصل کر سکے، اور ہر ادارہ اپنے مقامی دفاع (LOCAL DEFENCE) کا خود ذمہ دار ہو۔ ریل گاڑیوں پر مامور عملہ ہوائی حملوں کے خلاف تربیت یافتہ ہو، اور تیل کمپنیاں اپنے ذخائر کا تحفظ اپنے ہی عملہ کے ہاتھوں کرنے کے قابل ہوں، تاکہ جونہی دشمن

جنگ کا آغاز کرے ملک کا ہر فرد دفاع میں شریک ہوکر ملک کے چپے چپے کو ناقابلِ تسخیر بنا دے اور اعلانِ جنگ کے ساتھ ہی ملت کا ہر فرد اپنے اپنے مقام پر موجود ہو۔ بالفاظِ دیگر مسلمان افواج کی تعداد اتنی ہو کہ اسے دیکھ کر کسی دشمن کی ہمت نہ پڑے کہ بغیر سوچے سمجھے سازشوں کا جال پھیلانا شروع کر دے۔ یا جنگ چھیڑنے کی حماقت کرے۔

تربیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح نہایت شدت کی گرمیوں اور جاڑوں میں سرایا روانہ کیے اور جس انداز سے اپنی نوظہور مملکت کی فوج کو تربیت دی، اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ مسلمان مملکت کے سالارانِ لشکر اپنے اپنے زیرکمان لشکروں کو ایسے موسم میں تربیت دیں جس میں ذہنی و جسمانی محنت زیادہ سے زیادہ کرنی پڑے ماہِ رمضان میں تو بالخصوص انتہائی مشقت آمیز تربیت ہونی چاہیے۔ بدر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کے سپاہیوں کو دیکھتے ہی دشمن پر رعب طاری ہو جاتا تھا۔ آج بھی مسلمان سپاہیوں کے متعلق بین الاقوامی حلقوں میں اس طرح کے احساسات کا موجود ہونا ضروری ہو گیا ہے۔

۳۔ مقام تعین

مسلمان مملکت کی افواج کے مقامات تعین دشمن کی سرحدوں کے قریب ہونے چاہئیں۔ اگر کسی وجہ سے مستقل چھاؤنیاں سرحدوں کے قریب نہ ہو سکیں تو تربیتی لشکروں کے لیے ایسے مقامات چنے جائیں جن سے دشمن کا حملہ فوراً روکا جا سکے اور ان معسکروں میں باری باری فوج کے مختلف حصے زیر تربیت رہیں۔ حضور اپنے تربیتی سرایا مختلف قبائل کی سرحدوں کی جانب روانہ فرمایا کرتے تھے۔ تاکہ ان قبائل کے دلوں میں اسلامی لشکروں کے متعلق صحیح خیالات موجود رہیں اور کہیں انہیں یہ خیال پیدا نہ ہو جائے کہ مسلمان دارالاسلام (مدینۃ النبی) میں آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ یوں سمجھیے کہ ہماری افواج اگر فاصلہ کے لحاظ سے دور بھی ہوں تو ان کے پاس ذرائع حمل و نقل اتنے اچھے ہوں اور انہیں لمبے سفر کرنے کی اتنی اچھی مشق ہو کہ دشمن کو یقین ہو جائے کہ اگر اس نے جنگ کرنے میں پہل کی تو مسلمان افواج فوراً اس کے سر پر منڈلا رہی ہوں گی۔

۴۔ ہتھیار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مملکت مدینہ کی مالی کمزوری اور مسلمانوں کی اکثریت کی تہی دستی کے باوجود ہتھیاروں اور آلاتِ حرب کی فراہمی کی طرف پوری پوری توجہ فرمائی ہے۔ طائف اور حنین کی لڑائیوں میں تو آپ نے منجنیق کا استعمال بھی کیا جو اس عصر کا ٹینک تھا۔ مسلمان لشکر سنت نبوی سے انحراف کا سزاوار ہوگا۔ اگر وہ اپنے دور کے بہترین ہتھیار استعمال نہ کرے اور حتی الوسع انہیں اپنی حدود کے اندر تیار کرنے کا اہتمام نہ کرے ہتھیار اس معیار کے ہونے چاہئیں کہ دشمن کی دفاعی قوت پر ضرب کاری لگا سکیں۔

حمایت حق

دوسرا اصول جو مسلمان لشکروں کے کمانداروں اور سربراہانِ مملکت کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیے، وہ حق و صداقت کا اصول ہے۔ یعنی مسلمان لشکر کبھی باطل قوتوں اور ظلم و تشدد کے استحکام کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔ اور نہ ہی کبھی مسلمان مملکت ظالمانہ کارروائی کی ملزم قرار دی جائے۔ اگر مسلمان سپاہی کو غلط اور باطل مقاصد کی تکمیل کی غرض سے میدان جنگ میں لایا جائے گا تو چونکہ یہ فعل اللہ کے حکم "ولا تعتدوا" کے خلاف ہوگا۔ اس لیے اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا رہے گا اور چاہے وہ صف کا سپاہی ہو یا لشکر سالار اگر اس کے قلب میں قرآن و سنتِ نبوی کی عزت ہے، تو صحیح طور پر وہ لڑنے کے قابل نہ رہے گا اور مقصد باطل ہونے کے علاوہ اس میں کامیابی ناممکن ہو جائے گی۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بدر، احد، احزاب و حنین تو کجا، حضور کے چھوٹے چھوٹے غزوات اور سرایا کے دوران بھی تشدد اور بے جا پہل کا الزام آپ پر عائد نہیں کیا جا سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا غزوہ ابوا، جو صفر ۲ھ میں پیش آیا۔ اس کا مقصد قبیلہ ضمر کے ساتھ معاہدہ کرنا تھا۔ اس مقام کی دو خصوصیات تھیں۔ اولاً وہ مملکتِ مدینہ کی سرحد پر مدینہ سے ۸۰ میل کے فاصلہ پر

واقع تھا اور دوم الابوا کے مقام پر حضور سرورِ کونین کی والدہ محترمہ کا مزارِ مبارک تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق وصداقت کو اس حد تک ملحوظ رکھتے تھے کہ لڑائی میں فتح و شکست کو بھی اصول کے سامنے بے معنیٰ سمجھتے تھے۔ بدر سے ایک روز قبل دو صحابی حذیفہ بن الیمان اور ان کے ساتھی لشکر کے ساتھ آکر ملے۔ مگر انھوں نے بتایا کہ راستہ میں قریش کے لشکر نے ان کو روک کر ان سے اقرار لے لیا تھا کہ وہ قریش کے خلاف لڑائی میں شرکت نہ کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر انہیں جہاد جیسے فریضے میں شمولیت و شرکت سے منع فرما دیا تھا کہ مسلمان جب وعدہ کرتا ہے تو اسے توڑا توڑا نہیں کرتا۔ دوسرا واقعہ بھی کم اہمیت کا حامل نہیں۔ بدر کی جانب کوچ کرتے ہوئے راستے میں حضور کی خدمت میں دو اعرابی حاضر ہوئے اور جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی مگر ایمان لانے پر راضی نہ ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جہاد میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی۔ اس واقعہ سے ایک طرف تو یہ اصول قائم ہوتا ہے کہ جہد للبقا اور ملت کے تحفظ و استحکام کے دوران بھی کسی اصول اسلام سے انحراف جائز نہیں اور دوسری طرف ہم اس واقعہ کی بنا پر جنگ کا تیسرا اصول قائم کرسکتے ہیں۔

صرف مسلم سپاہی

جنگ کا تیسرا اصول یہ ہوگا کہ مملکتِ اسلامیہ کے لشکروں میں کسی غیر مسلم کو شامل نہ کیا جائے۔ اصولِ جہاد اور احکامِ قرآنی سے بھی یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ البتہ یہاں چونکہ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں جنگ کے اصول زیرِ مطالعہ ہیں اس لیے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ اس واقعہ کی بنا پر مسلمان لشکروں کی صفوں کو منکرین و مخالفین اسلام سے خالی رکھنا عین سنت نبوی پر عمل کرنا ہے۔ علاوہ بریں تاریخ اسلامی کے مطالعہ سے بھی یہی سبق اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جب کبھی اسلامی لشکروں میں منکرین اسلام کو تعداد کثیر میں شامل کیا گیا، یا لشکر سالاری کی ذمہ داریاں اہل باطل کو دی گئیں تو مسلمانوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ آپ مسلمان سلطنتوں کے زوال اور شکست کے زمانہ میں یہی دیکھیں گے کہ انھوں نے اپنے لشکروں میں باطل پرستوں ناحق کوشوں کو اعلیٰ عہدے دے رکھے تھے اور اسلحہ سازی بھی ان کی تحویل میں دے دی گئی تھی۔

تحفظ

جنگ کا چوتھا اصول تحفظ کہا جاسکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خُذُوا حِذْرَكُمْ کے حکم قرآنی پر پورا پورا اور ہر پہلو سے عمل کیا۔ اس اصول کے تحت سپاہ کا تحفظ، اسباب و اسلحہ کا تحفظ اور معلومات کا تحفظ بھی یکساں طور پر آتے ہیں۔ ذکر آچکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو بہ نفس نفیس پہرہ دیا کرتے تھے اس عمل مبارک میں مملکت دار النبوۃ اور سپاہ کا تحفظ شامل تھا۔ اسی طرح جب حضور غزوات میں شرکت فرما رہے ہوتے تھے تو راتوں کو پہرہ پورے اہتمام کے ساتھ دیا جاتا تھا۔ یہ سپاہ اور اسلحہ کے تحفظ کی بہترین مثال تھی۔ حضور نے رجب ۲ھ میں عبداللہ بن جحش کو بطن نخلہ روانہ کیا اور ملفوف ہدایات دیں اور حکم دیا۔ کہ دو روز بعد ان ہدایات کو کھولا اور دیکھا جائے۔ فتح مکہ کے موقع پر جس طرح مکہ کے گرد و نواح کی پہاڑیوں پر آپ کے حکم سے الاؤ جلائے گئے، وہ لشکر کی صحیح تعداد کو پردۂ خفا میں رکھنے کے لیے کیا گیا تھا۔ غرض یہ اور لشکر سے متعلق ہر طرح کی معلومات کا تحفظ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں لشکروں کی ذمہ داری قرار پایا ہے۔ اور اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے اصول کا مقام دیا جاسکتا ہے

انضباط

جنگ کا پانچواں اصول انضباط ہے۔ افواج کی صفوں میں انضباط (DISCIPLINE) کی اہمیت کو ہر مکتب فکر نے قبول کیا ہے۔ مگر کلی طور پر اگر انضباط کی کوئی محکم مثال پیش کی جاسکتی ہے تو وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکروں کا انضباط ہے۔ آزادیٔ رائے کے ساتھ ساتھ انضباط کا یہ عالم تھا کہ ہر مہم کا نیا کمانڈر مقرر کیا جاتا تھا اور وہی فرد جو پہلی مہم کا کمانڈر بنا تھا، وہ بعد کی مہم میں ایک صف کے سپاہی یا آزاد شدہ غلام کی کمانداری میں صف کے سپاہی کے فرائض انجام دینے میں اپنے لیے سعادت و افتخار کا مقام سمجھتا تھا۔ سریہ سیف
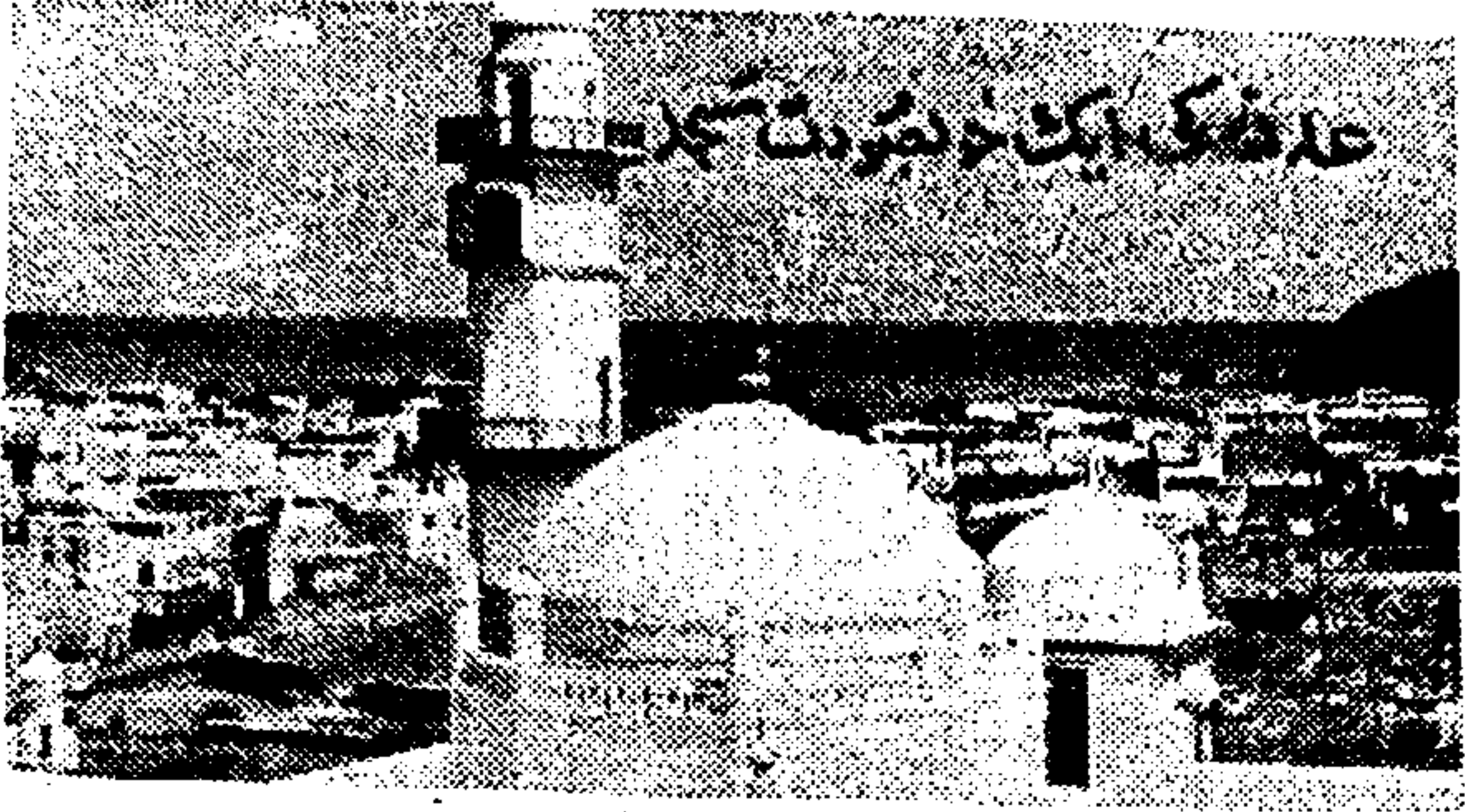
البحر میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمانڈر تھے اور سریۂ رابع میں عبیدہ بن الحارث اور سریۂ ضرار میں سعد بن ابی وقاص کو کمان بخشی گئی۔ کیسے انکار ہو سکتا ہے کہ تینوں شجاع اپنا اپنا علیحدہ بلند مقام رکھتے تھے۔ موتہ کی لڑائی میں کمان زید بن حارثہ کو دی گئی۔ جو حضور کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اور ان کے ماتحت جعفر طیار، عبداللہ بن رواحہ اور خالد جیسے جلیل القدر سپاہی تھے۔ ان ہی زید کے بیٹے اسامہ کو بعد میں اس لشکر کا سردار مقرر کیا گیا۔ جس میں لاتعداد جلیل القدر صحابہ موجود تھے۔ انضباط کا نا بلند معیار صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے، جب جہاد فی سبیل اللہ صحیح معنوں میں اللہ کی خوشنودی کے لیے ہو اس کی محض پیشہ ورانہ حیثیت نہ ہو، یا درجات حاصل کرنے کی خواہش مقدم نہ ہو۔ انضباط کی کمزوری ہی افواج میں دیگر خامیوں کے علاوہ بھگدڑ جیسی تباہ کن خامی پیدا کرتی ہے۔

ثابت قدمی

جہاد کا چھٹا اصول ثابت قدمی ہے۔ بدر، احد ہو یا خندق و حنین، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں ایک بات مشترک نظر آتی ہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت قدمی ہے۔ نہ سپاہ کی کمی نے آپ کو بدر میں خوفزدہ کیا اور نہ ہی احد کے مقام پر وقتی عقب نشینی (WITHDRAWAL) نے حضور اقدس کے پائے ثبات میں لغزش پیدا کی۔ خندق کی لڑائی میں ایک طرف پورا عرب بمع ساز و سامان اور دوسری طرف یہود و منافقین کے فتنوں سے زخمی مدینۃ النبی کے مسلمان، جن کے ساز و سامان کا تو کیا ذکر ہے، خوراک کی کمی نے انہیں بھوک کے پیٹ پر پتھر باندھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مگر ثابت قدمی اور تا دم آخر لڑنے کے جذبے کا یہ عالم تھا کہ اس محصور فوج کو ہتھیار ڈالنے کا کبھی خیال تک بھی پیدا نہیں ہوا۔ جہاد کے دوران ثابت قدمی کی انتہا تا دم آخر کی لڑائی ہے۔ یعنی آخری سپاہی کے آخری قطرہ خون تک جنگ جاری رہنا چاہیے۔ اس تادم آخر کے اصول کو علیحدہ مقام بھی دیا جا سکتا ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضور کے غزوات اور خصوصاً احد، خندق اور حنین سے یہ اصول وضع ہوتا ہے کہ ثابت قدمی کو تادم آخر تک قائم رکھا

عدن کی ایک خوبصورت مسجد

جائے۔ غزوۂ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا ذکر آ چکا ہے۔ غزوۂ حنین میں جب نومسلم غازیوں کی اکثریت کی وجہ سے فوج کے قدم اکھڑ گئے تو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے پکار کر فرمایا:

"انا النبی لا کذب" میں نبی ہوں۔ یہ جھوٹ نہیں

یہ بلند آواز اس بات کی طرف توجہ دلا رہی تھی کہ پیغمبر اسلام ابھی میدان جنگ میں ثابت قدم ہیں، تم بھاگ کر کہاں جا رہے ہو۔ اس کا اثر بھی یہی ہوا۔ یہ آواز سن کر بھاگنے والوں کے قدم رک گئے۔ لوگوں نے زرہیں زمین پر سے ماریں اور فرط جوش میں گھوڑوں سے کود کود کر گھمسان کی لڑائی برپا کی اور یوں پسپائی کے بعد کفار کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اللہ کے سپہ سالار اعظم کی اس ثابت قدمی کی مثال تاریخ جنگ کے صفحات میں شاید ہی نظر آئے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ثابت قدمی کو جہاد کے اصولوں میں شامل کرنے کے حق میں ہیں۔

مہاجماتی عمل

OFFENSIVE - ACT

مہاجماتی دفاع OFFENSIVE (DEFENCE) اور فری انضباط (FIRE DISCI-PLINE) ایسے عوامل ہیں جنہیں اصول جہاد میں شامل کرنا شاید درست نہ ہوگا۔ البتہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ان عوامل کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے غزوات میں جن باتوں کا خیال رکھا انہیں اگر بالتفصیل دیکھا جائے تو تنظیم عساکر سے لے کر تدبیرات و تزویرات تک (TACTICS & STRATEGY) پر احاطہ کرتی ہیں۔ مگر ان کے لیے ایک مستقل وضخیم تصنیف کی ضرورت ہے۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات طبقۂ نسواں پر

بیگم خدیجۃ النساء ایم سراج

کسی قوم کی تہذیب وتمدّن اور ترقی کا حال معلوم کرنا ہو تو دیکھو کہ اس کے معاشرے میں عورت کا درجہ کیا ہے۔ بہترین معیار یہی ہے جس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خداوند تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لئے مبعوث ہوئے۔ عورت ساری دنیا میں محکوم تھی اور کمترین سمجھی جاتی تھی، وہ بہت سے قانونی حقوق سے محروم تھی۔ بہت وثوق کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اُس وقت جن مذاہب وقوانین کا دور دورہ تھا اُن کی رو سے عورت مردوں کی اس قدر محکوم تھی کہ مذہبی امور تک میں حصّہ لینا اس کے لئے ممنوع تھا۔ عورت ان کے نزدیک سرچشمہ گناہ تھی عرب کی عورتوں کا حال بھی دوسرے ملکوں کی عورتوں سے کچھ بہتر نہ تھا بلکہ مقابلتہً بدتر ہی تھا۔ اُس کی حیثیت اس سے زیادہ اور کچھ نہ تھی کہ مردوں کی تسکین ہوس کا ایک ذریعہ تھی، اس کا کام صرف یہ تھا کہ قبیلے کی عزت کو محفوظ رکھنے کے لئے جفاکش سپاہی پیدا کرتی ہے۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کردینے کا رواج بھی مفاخرت کے اسی جھوٹے تصوّر کا پیدا کردہ تھا۔ زنا کاری پر بے حیائی کے ساتھ عمل تھا۔ ان گنت بیویاں رکھنا بھی عام تھا۔ اور اس پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی۔ عورت کو حقوق مطلقاً حاصل نہ تھے۔ وہ کسی جائیداد کی وارث تک نہ ہوسکتی تھی، بلکہ وہ خود بھی جائداد کا ایک حصّہ تھی کہ جب اُس کا شوہر مرجاتا تو وہ شوہر کے بیٹے اور جانشین کے حصہ میں جائداد کی طرح منتقل ہوجاتی، اور وہ اس کی مرضی کے خلاف اپنی بیوی بنالینے کا حقدار سمجھا جاتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ جو خداوند تعالیٰ کی جانب سے آپ نے انسانیت کو پہنچائیں۔ ان تمام باتوں کا یکسر خاتمہ کردیا اور اس طرح سے بدقماشی اور ناپاکی کا خاتمہ ہوا۔ قرآن حکیم نے واضح طور سے اعلان کیا ہے کہ عورت اور مرد دونوں "نفس واحدہ" سے پیدا کئے گئے ہیں۔

> اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑ پیدا کیا اور ان دونوں سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کا علم رکھتا ہے۔ (آل عمران ۴)

اور اللہ تعالیٰ نے تم ہی میں سے تمہارے لئے

بیویاں بنائیں اور پھر ان بیویوں سے تمہارے
لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تم کو اچھی
چیزیں کھانے (پینے) کو دیں، کیا پھر بھی
بے بنیاد چیز پر ایمان رکھوگے اور اللہ تعالیٰ کی
نعمت کی ناشکری کرتے رہوگے۔ (النحل ۷۲)

خداوند تعالیٰ کی نظر میں عورت اور مرد مساوی سطح پر ہیں
نیکوکاری کے معاملے میں بھی اور اس کی جزا اور انعام کے معاملہ میں
بھی قرآن حکیم میں اس پر بار بار زور دیا گیا ہے۔

جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا
عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو ہم اس شخص کو
(دنیا میں) اس کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا
اجر دیں گے۔ (النحل ۹۷)

(جہاں جزا کا یہ قانون ہے) کہ جو شخص گناہ کرتا ہے
اس کو تو برابر سرابر ہی بدلہ ملتا ہے اور جو نیک کام
کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو ایسے
لوگ جنت میں جائیں گے (اور) وہاں بے حساب
ان کو لطف ملے گا۔ (المومن ۴۰)

اور جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو
یا عورت بشرطیکہ مومن ہو، سو ایسے لوگ جنت میں
داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔
(النساء ۱۲۴)

بے شک اسلام کے کام کرنے والے مرد اور اسلام
کے کام کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد
اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمانبرداری کرنے
والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں
اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں
اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی
عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع
کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد
اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے
والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی
شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت
کرنے والی عورتیں اور بکثرت خدا کو یاد کرنے
والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان سب
کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار
کر رکھا ہے۔ (الاحزاب ۳۵)

سو منظور کر لیا ان کی درخواست کو ان کے رب
نے اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو جو کہ
تم میں سے کرنے والا ہو اکارت نہیں کرتا خواہ وہ
مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک دوسرے کے
جز ہو سو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے
گھروں سے نکالے گئے اور تکلیفیں دی گئیں
میری راہ میں جہاد کیا اور شہید ہوگئے میں ضرور
ان لوگوں کی تمام خطائیں معاف کردوں گا۔
اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا
جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ عوض ملے گا
اللہ کے پاس سے اور اللہ ہی کے پاس اچھا عوض
ہے۔ (آل عمران ۱۹۵)

اسلام کے مذہبی فرائض عورتوں اور مردوں دونوں
پر یکساں عائد ہیں بلکہ بعض پہلوؤں سے تو احکام میں عورتوں
کو رعایت بھی دی ہے اور بعض ایسے فرائض سے ان کو مستثنیٰ
کیا گیا ہے جن کی بجاآوری مردوں پر لازمی ہے۔ مسلمان عورت
"ایام" کے زمانے میں نماز اور روزے سے مستثنیٰ ہے۔ عیدگاہ
جانا یا جمعہ کی نماز کے لئے مسجدوں میں پہنچنا بھی اس کے لئے ضروری
نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ عورت
شیطان کا آلۂ کار نہیں برعکس شیطان (یورش) کے خلاف
وہ ایک مضبوط قلعہ ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ

فرما کر تو عورت کو انتہائی اعزاز کا مرتبہ عطا کیا کہ "جنت ماں کے قدموں تلے ہے"

روایت ہے کہ جب ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سب سے زیادہ واجب الاحترام اور حقدار کون ہے جس کی خدمت نیکی اور حصولِ ثواب کی نیت سے کی جائے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہاری ماں" صحابی نے پوچھا: "ماں کے بعد؟" رسول اللہ نے پھر یہی فرمایا کہ "تمہاری ماں" حتیٰ کہ تیسری مرتبہ کے بعد چوتھی بار جب صحابی نے یہی سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارا باپ"

اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ماں کی حیثیت بیٹوں اور بیٹیوں کی نظر میں باپ سے تین گنی ہونی چاہیئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا معیار بھی بلند کر دیا۔ اور اپنے پیروؤں کو اس کی تاکید کی، فرمایا کہ "نکاح میری سنت ہے۔ جو شخص میری سنت سے منحرف ہو وہ مجھ سے نہیں ہے (یعنی میرا پیرو نہیں ہے)" اور پھر یہ بھی فرمایا کہ "جس نے نکاح کر لیا اس نے نصف مذہب کی تکمیل کی"

نکاح اور بیوی کے مرتبے کو رفعت بخشی گئی۔ قرآن حکیم فرماتا ہے۔

"اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیویاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں"
(الروم ۲۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کی محبت اور احترام کی بار بار تاکید کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ:

"تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں سے بہتر سلوک کرتے ہیں"

اور فرمایا:

"ایک مسلمان اپنی بیوی کے حق میں جتنا رحم دل اور مہذب ہوگا اتنا ہی وہ اپنے ایمان میں کامل ہوگا"

پھر یہ بھی فرمایا کہ:

"کسی مسلمان کو اپنی بیوی سے نفرت ہرگز نہیں کرنا چاہیئے"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یادگار خطبہ حجۃ الوداع میں بڑی تفصیل سے عورتوں کا تذکرہ فرمایا ہے اور خاص طور پر یہ کہا کہ:

"اپنی بیوی سے شفقت اور محبت کا سلوک کرو۔ تم نے اللہ کی ضمانت پر ان کو اپنے لئے حلال کیا ہے ان کے معاملے میں اللہ سے ڈرو اور ان سے بہتر سلوک کرو"

لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کا وہ رواج جو اسلام سے پہلے تھا اس کی سخت مذمت کی گئی اور مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ اپنی لڑکیوں کو لڑکوں سے زیادہ چاہیں۔ قرآن حکیم میں ہے کہ:

"قیامت کے دن وہ لڑکیاں جن کو زندہ دفن کیا گیا تھا اپنے قاتلوں کے خلاف گواہی دیں گی۔ جب ان سے پوچھا جائے گا کہ یہ کس جرم میں قتل کی گئی تھیں" (التکویر ۸، ۹)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اور اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشے سے قتل مت کرو۔ کیوں کہ ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی، بے شک ان کا قتل کرنا بھاری گناہ ہے۔ (بنی اسرائیل ۳۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹیوں سے ترجیحی سلوک کی ہدایت فرمائی اور یہ کہا کہ:

"جب تم اپنے بچوں میں تقسیم کرنے کے لئے کچھ لاؤ تو بیٹیوں سے شروع کرو کیونکہ بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیاں اپنے والدین سے زیادہ محبت کرتی ہیں"

یہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"جس کے کوئی لڑکی ہے اور اس نے زندہ دفن اس کو نہیں کیا، نہ غیر منصفانہ سلوک اس کے ساتھ کیا

نہ لڑکوں کو اس پر ترجیح دی، تو اللہ تعالیٰ اس کو جنّت میں داخل کرے گا۔"

ظہورِ اسلام سے پہلے قانون نے مرد سے علیحدہ عورت کو آزاد حیثیت کوئی سند نہ دی تھی مگر اسلام نے اس کو مردوں کی طرح قانون اور معاملات میں مساوی حقوق عطا کئے۔ قرآن حکیم میں ہے:

اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو (نکاح سے) روکے رکھیں تین حیض تک، اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا کیا ہو (حمل یا حیض) اس کو پوشیدہ کریں۔ اگر وہ عورتیں اللہ تعالیٰ پر اور یوم قیامت پر یقین رکھتی ہیں اور ان عورتوں کے شوہر ان کے (بلا تجدید نکاح) پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں۔ اس عدّت کے اندر بشرطیکہ اصلاح کا قصد رکھتے ہوں اور عورتوں کے لئے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل ان ہی حقوق کے جو عورتوں پر ہیں قاعدہ (شرعی) کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست اور حکیم ہے۔ (البقرہ ۲۲۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کی کہ:

"طلبِ علم ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے۔"

مغربی قوانین نے شادی شدہ عورت کو ذاتی املاک خریدنے اور بیچنے کا حق جواب دیا ہے، اسلام نے یہ آزاد حیثیت بہت پہلے عطا کی ہے۔ قرآن میں ہے کہ:

اور تم کسی ایسے امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے۔ اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ (النساء ۳۲)

"پیرے کرابائٹس" نے جو مصر کی مخلوط ٹریبونل کا سابق امریکی جج تھا اپنے ایک مقالہ میں جس کا عنوان ہے "محمد نے عورت کے لئے کیا کیا" یہ اعتراف کیا ہے کہ حقوق نسواں کے سلسلہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا شاندار کارنامہ وہ حق ملکیت ہے جو انھوں نے اپنی اُمت کی بیویوں کو عطا کیا۔ قانونی درجہ عورت کا بالکل وہی ہے جو اس کے شوہر کا ہے۔ جہاں تک ایک مسلمان بیوی کے حق ملکیت کا تعلق ہے، اس کو وہی آزادی حاصل ہے جو کسی پرندے کو پرواز کی حاصل ہے۔ قانون اس کی اجازت دیتا ہے کہ عورت اپنے شوہر کی رائے لئے بغیر اپنے مال و متاع کو جس طرح چاہے صرف کرے یا ٹھکانے لگادے۔

قرآن حکیم کی بعض آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعبیر بعض اوقات اس طرح بھی کی گئی ہے جس سے مساوات کا انکار ہوتا ہے اور مردوں کا امتیاز ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن گہرا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوگا کہ بظاہر کتنی ہی غیر مساوی صورت نظر آئے۔ درحقیقت اسلام نے عورت کے مکمل حقوق کی ضمانت دی ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ:

..... اور عورتوں کے لئے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل ان ہی حقوق کے ہیں جو عورتوں پر ہیں قاعدہ (شرعی) کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلے میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے۔ (البقرہ ۲۲۸)

یہ فرق جو دونوں صنفوں میں ہے، وہ اُن کے حقوق کے بنیادی اختلافات کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ تو اُس فرق کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جو معاشی مرتبے میں ان کے درمیان تھا عملی طور پر عورت کو وہ سماجی مواقع حاصل نہیں جو مردوں کو تجربات، اختراعات اور معلومات عامہ کے سلسلے میں حاصل ہیں۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ معاشی طور پر عورتوں کا انحصار مردوں پر ہے اور یہی وہ پہلو ہے جو مردوں کو ایک طرح کی برتری اور ذمہ داری عطا کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ:

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے مردوں نے اپنے مال خرچ

کئے ہیں، سو جو عورتیں نیک ہیں اطاعت کرتی ہیں۔ مردوں کی عدم موجودگی میں بحفاظت اپنی نگہداشت کرتی ہیں، اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بد دماغی کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصیحت کرو اور ان کو لیٹنے کی جگہ میں تنہا چھوڑ دو، اور ان کو مارو۔ پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر بہانہ مت ڈھونڈو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے رفعت اور عظمت والا ہے۔

(النساء ۳۴)

اس آیت میں جو لفظ "قوامون" ہے۔ اس سے مراد سرپرستی، نگہداشت اور اعانت و کفالت کا فریضہ ہے۔ یہ آیت اس شخص کا تذکرہ کر رہی ہے جو کسی دوسرے مشغلے میں پوری طرح لگا ہوا ہو، اپنے مفادات کا تحفظ کر رہا ہو، اور اپنے معاملات کی دیکھ بھال میں مصروف ہو، یہی لفظ دوسری جگہ قرآن حکیم میں یوں استعمال ہوا ہے کہ:

اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کے لئے گواہی دینے والے رہو اگرچہ اپنی ہی ذات پر ہو یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو۔ وہ شخص اگر امیر ہے تو، اور غریب ہے تو، دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے، سو تم خواہش نفس کا اتباع مت کرو، کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ۔ اور اگر تم کج بیانی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔ (النساء ۱۳۵)

چنانچہ قرآن حکیم کی ان آیتوں میں مردوں کو عورتوں کے حقوق پامال کرنے کے بجائے ایک ذمہ داری سونپی گئی ہے ایک فریضہ عائد کیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کے حقوق کے محافظ رہیں، حتیٰ کہ مردوں کے مفادات کے خلاف بھی، تاکہ عورتوں کے لئے مراعات اور انصاف کی ضمانت ہو۔ یہ ہے قوامون کا مفہوم۔

وراثت کے سلسلہ میں اسلامی شریعت کا یہ قانون ہے کہ عورتوں کا حصہ مردوں کے مقابلہ میں نصف ہے۔ مثلاً قرآن حکیم کی یہ آیت دیکھئے:

اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے باب میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر، اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں گو دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا اس مال کا جو مورث چھوڑ مرا ہے۔ اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو نصف ملے گا اور ماں باپ کے لئے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے لئے میت کے ترکے میں سے چھٹا چھٹا حصہ ہے اگر میت کے کچھ اولاد ہو، اور اگر اس میت کے کچھ اولاد نہ ہو اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی ہے۔ اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا (اور باقی باپ کو ملے گا) وصیت نکال لینے کے بعد کہ میت اس کی وصیت کر جاوے یا دین کے بعد تمہارے اصول و فروع جو ہیں تم پورے طور پر یہ نہیں جان سکتے کہ ان میں سے کون سا شخص تم کو نفع پہنچانے میں نزدیک تر ہے۔ یہ حکم منجانب اللہ مقرر کر دیا گیا۔ بالیقین اللہ تعالیٰ بڑا علم اور حکمت والا ہے

(النساء ۱۱)

عورتوں کی اس قانونی حصہ داری میں بظاہر جو عدم مساوات سی نظر آتی ہے اس کی تشریح ڈاکٹر محمد اقبال نے یوں کی ہے:

لڑکی کا یہ حصہ اس کی کسی فطری کمتری کی بنا پر

نہیں بلکہ اس کے معاشی مواقع کے پیش نظر ہے اور اس مقام کی وجہ سے جو اپنے معاشرے کے نظام میں اس کو حاصل ہے "محمڈن لا" کے مطابق لڑکی اس جائداد کی پوری طرح مالک تصور کی گئی ہے جو اس کو شادی کے وقت باپ کی طرف سے بھی ملتی ہے اور شوہر کی طرف سے بھی، مزید برآں مہر بھی کلیتہً اسی کی ملکیت ہوتا ہے جو خود اس کی مرضی کے مطابق معجل ہو یا موجل اتنا ہی نہیں بلکہ مہر کی ادائیگی تک وہ اپنے شوہر کی ساری جائداد اپنے قبضہ میں رکھ سکتی ہے ساری عمر کی کفالت کی ذمہ داری بھی (شادی سے پہلے باپ پر اور شادی کے بعد) شوہر پر ہے۔ اگر آپ اس زاویۂ نظر سے قانون وراثت کے عمل کو دیکھیں تو آپ کے بیٹے اور بیٹیوں کے معاشی مرتبے میں کوئی مادی تفاوت نظر نہیں آئے گا بلکہ حق تو یہ ہے کہ وراثت کی حصہ داری میں بظاہر غیر مساوی نظر آنے والی یہ صورت ہی اصل میں قانونی مساوات مہیا کرتی ہے۔ (اسلام کی مذہبی فکر کی تشکیل جدید ص ۱۶۲، ۱۶۱)

اسلام نے مرنے والے مسلمان کی جائداد میں اس کی بیوی اور بیٹیوں کا متعین حصہ رکھا ہے اور یہ انتظام کیا ہے کہ اگر جائداد میں کسی قسم کا تصرف بھی ہو تو یہ اپنے قانونی حصوں سے محروم نہ ہونے پائیں۔ قرآن حکیم میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

> مردوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جاویں اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جاویں خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر ہو، حصہ قطعی (النساء ۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق نکاح دراصل ویسا ہی "معاہدہ" ہے جیسے دوسرے معاہدات دو افراد میں ہوتے ہیں۔ جہاں تک معاہدہ کی شرائط کا تعلق ہے عورت مرد دونوں شرکار ایک ہی سطح پر ہوتے ہیں اور ہر شریک کے فرائض ہیں اور حقوق بھی۔ اسلام ہر معاہدے میں عدل و انصاف کی تاکید کرتا ہے۔ معاہدۂ نکاح میں بھی عدل و انصاف پیش نظر ہونا ضروری ہے۔

طلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ابغض المباحات ہے (جس کی اجازت بحالت مجبوری دی گئی ہے۔) چونکہ شوہر ہی کفالت کا ذمہ دار اور گھر کا نگران ہوتا ہے اس لئے اس کو یہ حق دیا گیا ہے کہ مجبوری یا ضرورت ہو تو معاہدۂ نکاح کو فسخ کر سکتا ہے، لیکن اس کی اجازت بھی اسی وقت ہے جب وہ بیوی اور بچوں کا انتظام کر دے۔ مہر اور اخراجات کی ادائیگی سے سبکدوش ہو جائے۔ اس کو اپنا یہ حق طلاق استعمال کر کے بیوی کو نقصان نہیں پہونچانا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اس سلسلہ میں نہ تو کوئی نقصان پہنچایا جائے نہ باہم نقصان پہچانے کی کوئی نیت ہو۔"

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ طلاق صرف بوقت ضرورت دی جاتی ہے۔ بیوی کو بھی طلاق حاصل کرنے کا حق حاصل ہے وہ خلع حاصل کر سکتی ہے۔

قرآن حکیم میں ہے کہ:

> وہ طلاق دو مرتبہ کی ہے پھر خواہ رکھ لینا قاعدہ کے موافق خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ اور تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں کہ (چھوڑنے کے وقت) کچھ بھی لو (گو) اس میں سے (سہی) جو تم نے ان کو مہر میں دیا تھا، مگر یہ کہ میاں بیوی دونوں کو احتمال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے سوا اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ ضوابط خداوندی کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔ تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اس (مال کے لینے دینے) میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑالے۔ یہ خدائی ضابطے ہیں سو تم ان سے باہر مت نکلنا

اور جو شخص خدائی ضابطوں سے بالکل باہر نکل جائے سو ایسے لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں ۔ (البقرہ ۲۲۹)

حدیث میں بھی حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جمیلہ بنت عبداللہ جو ثابت بن قیس کی بیوی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جہاں تک ثابت بن قیس کا تعلق ہے میں ان کے کردار اور تقوٰی پر کوئی الزام نہیں دھر سکتی لیکن میں اسلام میں احسان فراموشی کو پسند نہیں کرتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم وہ باغ واپس کر دینے پر آمادہ ہو جو ثابت نے تمہیں دیا ہے؟ جمیلہ نے کہا: جی ہاں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس سے فرمایا کہ باغ لے لو اور ان کو ایک طلاق دے دو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعددِ ازدواج کو جبراً نافذ نہیں کیا۔ تعددِ ازدواج قبل اسلام سے رائج تھا اور اس کی کوئی حد بھی مقرر نہ تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحدید نافذ کی اور کئی بیویوں کی اجازت اس وجہ سے دی کہ ان عورتوں کی کفالت ہو سکے جن کے باپ یا شوہر جنگوں میں کام آگئے ہوں۔ قرآن حکیم نے بیویوں کی تعداد کو چار تک محدود کر دیا ہے اور تاکید کی ہے کہ سب کے ساتھ مساویانہ اور عادلانہ سلوک کیا جائے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

اور اگر تم کو اس بات کا احتمال ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کر لو دو دو عورتوں سے اور تین تین عورتوں اور چار چار عورتوں سے۔ پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو یا جو تمہاری ملک میں ہو وہ ہی سہی اس امر مذکور میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے۔ (النساء ۳)

معاہدۂ نکاح کے شرائط، شرکاء معاہدہ کے طے کرنے کے ہیں اسلامی تعلیمات کے مطابق۔ اگر شوہروں کو اجازت ہے کہ مجبوری کے وقت وہ اپنا حق طلاق استعمال کریں تو بیویاں بھی حقدار ہیں کہ اپنے مہر اور نفقے کا اپنی پسند کے مطابق تعین کریں، نیز اپنے شوہروں سے علیحدہ ہو جانے کا اختیار طلب کریں کہ جب ضرورت پڑے تو اس اختیار کو استعمال کر سکیں۔ اگر شادی کے وقت تمام امور کا پوری طرح لحاظ کر کے معاہدہ عمل میں آئے اور جانبین عملی طور پر ایک ہی سطح پر ہوں تو عورت کے لیے نقصان اٹھانے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے کہ:

اور (اسی طرح) مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجئے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں۔ مگر جو اس (موقع زینت) میں سے (غالباً) کھلا رہتا ہے (جس کے ہر وقت چھپانے میں ح ہے) اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زینت (کے مواقع مذکورہ) کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے (محارم پر یعنی) باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر یا اپنے (حقیقی، علاتی یا اخیافی) بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی (حقیقی، علاتی اور اخیافی) بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا ان مردوں پر جو طفیلی (طور پر) رہتے ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو، یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردوں کی باتوں سے ابھی ناواقف ہیں (مراد غیر مراہق ہیں) اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کی مخفی زینت ظاہر ہو جائے۔ اور مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (النور ۳۱)

یہی پابندی مردوں پر بھی عائد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا ہے کہ :

آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں
نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں
یہ ان کے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے۔ بیشک
اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔
(النور ۳۰)

پھر دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ :

اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں
سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیویوں سے بھی
کہہ دیجئے کہ (سر سے) نیچے کر لیا کریں اپنی ٹھوڑی
سے اپنی چادریں، اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی
تو آزار نہ دی جایا کرے گی اور اللہ تعالیٰ بخشنے
والا مہربان ہے۔ (احزاب ۵۹)

اس حکم کا مقصد عورت کی آزادی پر پابندی عائد کرنا نہیں تھا بلکہ اس وقت مدینہ میں جو حالات تھے ان کے پیش نظر عورتوں کو چھیڑ چھاڑ اور دوسرے نقصانات سے بچانا مقصود تھا زمانۂ قدیم میں ایک خاص قسم کا لباس تھا جو عورت اور مرد دونوں کے لئے نشانِ عزت وامتیاز سمجھا جاتا تھا۔ مثلاً "آشورین" کے قدیم قانون نے شادی شدہ عورتوں کیلئے نقاب ضروری قرار دیا تھا اور لونڈیوں کو یا بدنام عورتوں کو نقاب کی ممانعت تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کا مرتبہ بہت بلند کر دیا ہے اور قانونی طور پر عورت کو مردوں کے برابر حقوق عطا کئے ہیں۔ عدل کی تاکید کی ہے۔ خصوصی مراعات کی ہدایت کی ہے اور ان کی حفاظت اور کفالت کی ذمہ داری مرد کے سر عائد کی ہے۔ مگر آج یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نہ صرف غلط استعمال ہوتا رہا بلکہ بعض اوقات تو سرے سے ان کو نظر انداز کیا گیا۔ مرد عورتوں کے محافظ بنائے گئے تھے مگر اس کے عوض وہی ان کے حق میں ظالم و جابر ہو گئے۔ آج بھی بہت سے ممالک میں "مسلم لا" پر عملدرآمد اس انداز سے ہو رہا ہے کہ حقوق نسواں کے معاملے میں مخالفانہ امتیاز نمایاں ہے۔ لیکن ان تمام باتوں پر مورد الزام مسلمان ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور دین و شریعت اس سے بری ہیں۔ جو شخص اس سے واقف ہے کہ اسلام سے پہلے کی تمام قوموں نے کس طرح مردوں کو ترجیح دی اور عورتوں کو جانور بنائے رکھا، اور وہ مردوں کا محض کھلونا سمجھی گئیں۔ اور کس طرح بعض مذاہب نے مرد کو محض مرد ہونے کی وجہ سے فوقیت دی اور عورت کو عورت ہونے کی وجہ سے کمتر سمجھا اور کہیں بعض قوموں نے عورت کو مذہبی ذمہ داری تک انجام دینے کے قابل نہ سمجھا، حتیٰ کہ یہ تصور کیا کہ وہ روح کی بھی حامل نہیں ہیں۔ ان تمام حالتوں سے آگاہ ہونے کے بعد ہی وہ ان اصلاحات کی حقیقی قدر و منزلت کا اندازہ کر سکتا ہے جو عورتوں کے معاملے میں اسلام نے کی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی عیاں ہو جائیگی کہ اہل یورپ کا یہ دعویٰ کتنا بڑا فریب ہے کہ عورتوں کو اعزاز واکرام اور مساوات سب سے پہلے انھوں نے عطا کیا۔ یہ اولیت تو اسلام کو حاصل ہے، اسی نے عورتوں کو اعزاز واکرام اور مساوات سے نوازا۔ اور اہل یورپ کے قوانین اور احکام مذہبی میں تو آج تک مرد کی برتری بدستور قائم ہے۔

یقین کیجئے عورتوں کی تعلیم و تربیت اور ان کے حقوق سے آشنا کرنے میں ساری کوتاہی مسلمانوں کی ہے اسلام کی نہیں، اور ہم تو یہاں تک تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمان اپنے مذہب کی ہدایات کو پورا کرنے سے اس قدر قاصر رہے ہیں کہ اب وہی اس کے خلاف ایک ثبوت بن کر رہ گئے ہیں

وقت آ گیا ہے کہ مسلمان اسے محسوس کریں کہ اسلامی معاشرہ اس وقت تک سر سبز نہیں ہو سکتا جب تک عورت کو محکومی سے نجات نہیں ملتی اور وہ امتیاز ختم نہیں ہوتا جو بیچ میں حائل ہے اور معاشرے میں اسے پوری طرح احکام قرآنی کے مطابق حصہ لینے کی اجازت نہیں دی جاتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :

"عورتیں ریاست کا ستون ہیں، اگر وہ اچھی ہیں تو
ریاست بھی اچھی ہے۔ اگر وہ خراب ہیں تو
ریاست بھی خراب ہوگی"

پاک و پاکیزہ مزاح
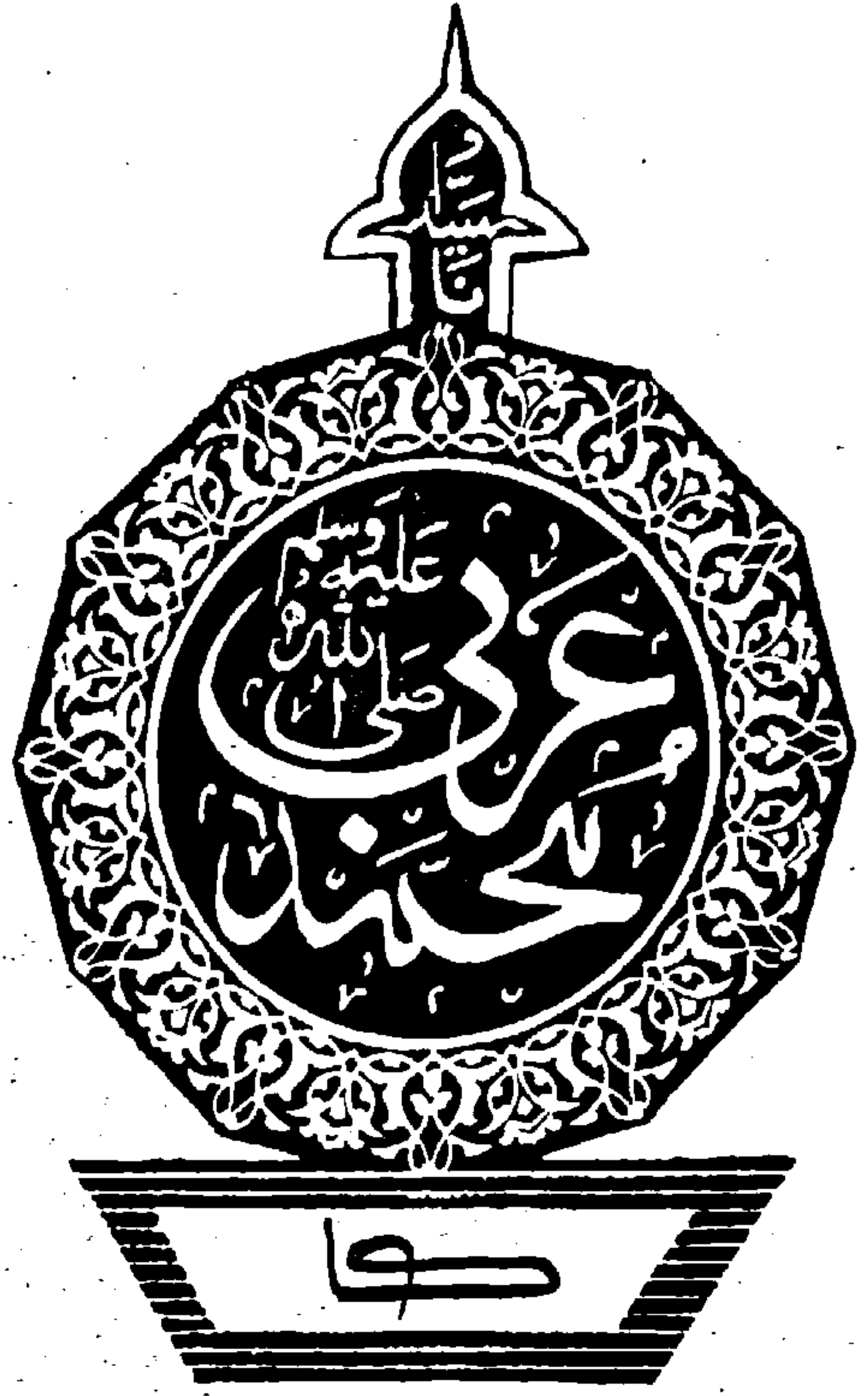
ارشد میر ایڈوکیٹ

عربی زبان کا ایک مشہور مقولہ ہے "الملیح فی الکلام کالملح فی الطعام" جس کا مطلب ہے کہ کلام میں مزاح کو وہی مقام حاصل ہے جو طعام میں نمک کو ہے۔

انسانی فطرت حزن و مسرت سے مرکب ہے اور متانت کے ساتھ مسکراہٹ سے ہی حیات انسانی کا قافلہ رواں دواں ہے۔ سرور کائنات، فخر موجودات کی پوری زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح مقصد ربانی کی تکمیل کے لئے اپنی حیات گرامی کا ایک ایک لمحہ وقف کر رکھا تھا اور انتہائی، دلسوزی، دردمندی اور سنجیدگی سے فلاح انسانی کے لئے کوشاں رہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ حضور نے کسی مرحلہ پر بھی ترشروئی یا عبوست کو پسند نہیں فرمایا۔

حضور اقدس کی ذات گرامی فطری تقاضوں کو اخلاقی معیار کے ساتھ ہم آہنگ رکھنے کے لئے وقف رہتی تھی۔ آپ نے مزاح میں بھی متانت کا پہلو ہمیشہ ملحوظ رکھا اور کبھی کھلکھلا کر یا قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی ہمیشہ تبسم تک محدود رہتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مزاح بھی فرماتے تھے تو آپ نے فرمایا۔ ہاں! لیکن ہر کہ و مہ کے ساتھ نہیں بلکہ مخاطب کے محل و مقام اور استعداد کے مطابق ایسا فرماتے تھے۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک روز کوئی ضعیفہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم! دعا کیجیے میں جنت میں جاؤں، جس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی۔ وہ بڑی پریشان ہوئی اور رونے لگی جس پر آپ نے فرمایا کہ جنت میں بوڑھی عورتیں نہیں جائیں گی بلکہ اللہ تعالیٰ جوان کر کے داخل کرے گا۔ اس پر وہ بڑھیا خوش ہو گئی۔

اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ اسے کوئی سواری کا جانور عطا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہم تجھے اونٹنی کا بچہ دیں گے۔ اس نے کہا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اونٹنی کے بچّہ کا کیا کروں گا؟ (کیوں کہ سواری کے لئے بچہ تو کام نہیں دے گا) آپ نے فرمایا۔ اونٹ کو ناقہ یعنی اونٹنی ہی تو جنتی ہے۔
مزاح کا یہ لطیف پیرایہ نہ صرف زیرلب تبسّم کا عکاس ہے بلکہ اس میں صداقت کا پہلو بھی پوری آب و تاب سے نمایاں ہے۔ چنانچہ حضرت

ترکی میں ایک بزرگ کا آستانہ

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ "لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ! آپ مزاح فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یقیناً مگر اس میں صرف سچی بات کہتا ہوں" لطیف ترین اور صداقت پر مبنی مزاح کی ایک اور درخشاں مثال یوں ہے کہ ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچی۔ آپ نے اس کے شوہر کی بابت پوچھا تو اُس نے نام بتایا۔ جس پر آپ نے فرمایا: وہی جس کی آنکھوں میں سفیدی ہے۔ جونہی وہ عورت گھر پہنچی، اپنے شوہر کی آنکھوں کو غور سے دیکھنے لگی۔ اس کے خاوند نے کہا۔ تجھے کیا ہوگیا ہے؟ عورت نے جواب دیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے آپ کے بارے میں پوچھا، میں نے بتایا تو فرمایا وہی جس کی آنکھوں میں سفیدی ہے۔ یہ سُن کر اُس نے کہا کہ کیا میری آنکھوں میں سفیدی سیاہی سے زیادہ نہیں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شگفتہ مزاجی کی ایک اور مثال حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ زاہر نامی ایک دیہاتی اکثر آپ کے لئے گاؤں کی چیزیں تحفہ کے طور پر لایا کرتا تھا۔ آپ کو بھی اس سے بے حد انس تھا اور آپ بھی اُسے شہر کی کوئی نہ کوئی سوغات ضرور عنایت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ "زاہر ہمارا جنگل ہے اور ہم اس کے شہر ہیں"۔ زاہر کی شکل و صورت بھی اچھی نہ تھی۔ ایک دن وہ اپنا سودا بیچ رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے سے آئے اور بے خبری سے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس نے کہا کون ہے مجھے چھوڑ دے مگر جب مڑ کر دیکھا تو رسول خدا تھے جس پر وہ اپنی کمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے ملنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ یہ غلام کون خریدتا ہے؟ زاہر کہنے لگا یارسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے کھوٹا سکہ پائیں گے آپ نے فرمایا۔ مگر اللہ کے نزدیک تو تو بہت قیمتی ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام کے لئے شائستہ مزاح پیدا کرنا تبلیغی اور دینی ضرورت بھی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی ذات اگر ایسا نہ کرتی تو اُن کے قدرتی رعب وجلال کی بنا پر حاضرین کا ان کے قریب میں رہنا بھی مشکل ہو جاتا۔ مزید برآں سنّت نبوی کی پیروی کرتے ہوئے آنے والے اکابر عمداً مزاح سے اجتناب کرتے۔ یہی سبب ہے کہ حضور بعض اوقات صحابہ کرام کو مزاحاً ان کے حسب حال القابات سے بھی نوازتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم نے ایک روز تفنّن کے طور پر فرمایا۔ "یاذاالاذنین" یعنی اے دو کانوں والے بادی النظر میں کان تو ہر شخص کے دو ہی ہوتے ہیں۔ انھیں جو خصوصیت سے یہ لقب عطا کیا تو ان کے کان بڑے ہوں گے۔ بصورتِ دیگر ان کی قوّتِ سامعہ کافی تیز ہوگی۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ کو یہ لقب (یعنی بلّی کا باپ) اس لئے دیا کہ عربی میں ہریرہ بلّی کو کہتے ہیں اور آپ نے ایک بلّی پالی ہوئی تھی۔ اسی طرح حضرت علی کو ابوتراب (مٹی کا باپ کا لقب) اس بنا پر مرحمت ہوا کہ ایک دن خاک پر سوتے میں ان کے رخساروں پر مٹی لگی ہوئی تھی۔ نیز انھوں نے حضرت انس کے چھوٹے بھائی کی کنیت بھی رکھی اور اُسے ابو عمیر کہہ کر پکارا۔ ابوعمیر کے پاس نغیر نامی پرندہ تھا جس سے وہ کھیلا کرتے تھے اتفاق سے وہ پرندہ مر گیا۔ جس سے وہ تھے بہت رنجیدہ یہ دیکھتے ہوئے آپ نے ان سے مزاحاً کہا: اے عُمیر کیا ہوا نغیر؟

سرورکائنات جہاں خود شستہ مذاق کرتے تھے وہاں اگر صحابہ کرام بھی اس نوع کا مذاق کرتے تو اس سے محظوظ ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے دوران ایک بالکل چھوٹے سے خیمہ میں بیٹھے تھے کہ ایک نے باہر سے سلام عرض کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ اندر آجاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا پورا آجاؤں۔ فرمایا ہاں پورے آجاؤ۔

اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تقریباً ایک سال قبل حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجارت کے لئے بصرہ گئے ان کے ہمراہ حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سوبیط بھی تھے۔ ان میں سے حضرت سوبیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظریف الطبع تھے۔ دورانِ سفر ایک روز حضرت سوبیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نعمان سے کھانا مانگا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں موجود نہ تھے۔ نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنے پر دوں گا۔ حضرت سوبیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اچھا میں تم سے دیکھ لوں گا۔ کچھ دیر چلتے رہنے کے بعد ایک قبیلہ کے پاس سے گزرے تو سوبیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں کچھ لوگوں سے کہا کہ میرے پاس ایک غلام ہے اگر تم خریدنا چاہو تو لے لو مگر اس میں ایک بات کہ وہ خود کو آزاد کہتا رہے گا لیکن تم اُسے چھوڑنا نہیں چنانچہ دس اونٹوں پر معاملہ طے ہو گیا اور ان لوگوں نے نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گلے میں چادر ڈال لی۔ یہ بیچارے چیختے ہی رہے کہ میں آزاد ہوں مگر اُنھوں نے کہا کہ ہمیں تمہاری اس بات کا علم ہے۔ حتیٰ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے تو انھوں نے ان کی جان چھڑائی اور مال واپس کر دیا۔ جب یہ حضرات مدینہ منوّرہ آئے تو یہ قصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔ آپ سُن کر خوب مُسکرائے گویا خود بھی شگفتہ مزاج تھے اور شگفتگیٔ کلام کو پسند بھی فرماتے تھے

ایک دن ایک شخص سے آپ نے دریافت فرمایا کہ بتاؤ تمہارے ماموں کی بہن تمہاری کیا لگی۔ اس سادہ دل نے سر جھکا لیا اور سوچنے لگا آپ مسکرا دئے اور فرمایا کہ ہوش کر، تجھے تیری ماں یاد نہیں رہی۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز صحابہ کرام کے جلو میں کھجوریں کھا رہے تھے۔ شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تشریف رکھتے تھے۔ آنحضرت اور دیگر حاضرین کھجوریں کھا کھا کر گٹھلیوں کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آگے رکھتے جا رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاحاً فرمایا۔ کہ گٹھلیاں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ کھجوریں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھائی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی آغوش تربیت کے پروردہ تھے۔ انھوں نے برجستہ کہا کہ دیکھنے والا یہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ میں گٹھلیاں چھوڑ دی ہیں۔ جن کے سامنے گٹھلیاں نہیں ہیں وہ شاید مع گٹھلیوں کے کھا گئے ہیں۔

آپ اور دیگر صحابہ کرام اس حاضر جوابی سے بہت لطف اندوز

ہوئے۔ اسی طرح حضرت صہیب رضی اللہ مشہور صحابئ رسول تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ آپ اس وقت کھجوریں کھا رہے تھے۔ حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کھجوریں کھانے لگے تو آپ نے فرمایا کہ "آنکھ آئی ہے اور کھجوریں کھا رہے ہو"۔ جس پر حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

"یا رسول اللہ! میں اچھی آنکھ سے کھا رہا ہوں۔ ایک آنکھ تو درست ہے"۔ اس بدیہہ گوئی پر آپ مسکرا دیئے۔

ایک مرتبہ ایک اعرابی مدینہ منورہ میں آیا۔ اونٹنی کا زانو باندھا اور مسجد نبوی میں جا کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر باہر آیا اور اونٹنی پر سوار ہو کر بلند آواز سے کہا۔

"اے رب ذوالجلال! مجھ پر رحم فرما اور سرور کائنات پر اور ہم دو کے سوا اور کسی کو اس میں شریک نہ کرنا"۔

یہ کلمات سن کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "تم اس (دیہاتی) اور اونٹ میں سے کسے زیادہ ناسمجھ کہو گے۔ تم نے سنا اس نے کیا کہا ہے"۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی مسکرائے اور عرض کیا۔ "جی ہاں سنا"۔

ایک دفعہ بارگاہِ رسالت میں ایک صحابی نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! مجھے میرے بت نے بہت نفع دیا"۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حیرانی کے عالم میں صحابی کے منہ کی جانب دیکھا کہ بت بھلا کیسے کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے۔ یہ صورت حال بھانپتے ہوئے صحابی نے کہا۔ "یا حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم! میں سفر پر روانہ ہوا۔ دوران سفر میں نے ستوؤں کا بت بنایا۔ دوران سفر کھانا ہوا تو میں نے بت کو توڑ کر کھایا۔ مجھے تو بت نے ضرور نفع دیا"۔ یہ جملہ سن کر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہنسنے لگے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے۔

امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سواری شتر کی خواہش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہی تمہارا اونٹ بننے کو تیار ہوں پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کاندھوں پر اٹھا لیا اور حجرے کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک لے گئے۔ اسی دوران امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اونٹ کی تو مہار ہوتی ہے۔ جب کہ میرے اونٹ کی مہار کوئی نہیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گیسوان کے ہاتھ میں دے دیئے کہ یہ مہار ہے۔ اس حالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور حضرت امام حسین سے کہا بھئی تمہیں سواری خوب ملی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوار بھی خوب ہے۔

ایک دفعہ حضرت ابوذر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا، سنا ہے کہ جب دجال ظاہر ہوگا تو دنیا قحط کا شکار ہوگی۔ اس عالم قحط میں دجال لوگوں کی ضیافت کرے گا جس میں انواع و اقسام کے کھانے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں اس دور میں ہوا تو پہلے اس کے کھانے سے خوب پیٹ بھروں گا اور پھر اس سے منحرف ہو جاؤں گا۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس دور میں ہوئے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی نعمتوں سے بے نیاز کر دے گا۔

بطور نمونہ مشتے از خروارے یہ چند مثالیں محض اس لئے درج کی گئی ہیں تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ نبی علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے لطیف اور پاکیزہ مذاق سے کس قدر محظوظ ہوتے تھے۔ شگفتگی، برجستگی اور متانت کا ایک حسین امتزاج ہوتا تھا۔ آپ خوش ہوتے تو زیر لب تبسم فرماتے۔ قہقہہ لگانا نبوت کی سنجیدگی کے خلاف تھا۔ قہقہہ تو وہ لوگ لگائیں جو بے فکر ہوں۔ آپ اپنے بارے میں فرماتے تھے کہ میں کیونکر بے فکر ہوں۔ جب کہ صاحب صور تیار کھڑا ہے اور قرآن پاک کی بعض سورتوں کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ انھوں نے مجھے قبل از وقت بوڑھا کر دیا ہے گویا آپ کی حالت یوں تھی سہ

مرا در منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم
جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محملہا

آپ کا تبسم بھی اس لئے تھا کہ آپ کے ساتھ مصالح خلق وابستہ تھے البتہ کبھی کبھی بوقت تبسم آپ کے دندان مبارک کے

نظر آجاتے تھے۔ اس وقت دندانِ مبارک یوں چمکتے تھے جیسے بادلوں کی اوٹ سے بجلی چمکی ہو۔ اس سلسلہ میں عامر بن سعد بن ابی وقاص راوی ہیں کہ انھوں نے دیکھا کہ آپ نے غزوۂ خندق کے موقع پر تبسم فرمایا اور آپ کے دندانِ مبارک نظر آنے لگے۔ عامر نے اپنے والد صاحب سے پوچھا کہ حضور کا تبسم کس نوع کا تھا۔ اس پر سعد کہنے لگے کہ غزوۂ خندق میں ایک آدمی نے تیروں سے بچنے کے لئے لوہے کی ڈھال کا سہارا لیا ہوا تھا۔ میں تیر پھینکتا جا رہا تھا اور وہ شخص اپنا چہرہ ڈھال سے بچا رہا تھا۔ اسی دوران میں نے ایک تیر چلانے کے لئے نکالا۔ اس نے اچانک سر اونچا کیا، میں نے فوراً تیر چلا دیا جو اس کی پیشانی میں دھنس گیا اور وہ بل کھا کر گر پڑا۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر رسولِ خدا بے ساختہ مسکرا پڑے۔ اس وقت ہم نے آپ کے دندانِ مبارک دیکھے۔

تاریخ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلآویز مزاح کا ایک اور واقعہ محفوظ رکھا ہے۔ غزوۂ بنی مصطلق میں مشہور منافق عبداللہ بن ابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش کی اور ایک مجلس میں کہا کہ مدینہ جا کر ہم میں سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو نکال دے گا۔ اس مجلس میں حضرت زید بن ارقم موجود تھے۔ وہ اس وقت بالکل بچے تھے۔ انھوں نے یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا۔ جب عبداللہ بن ابی سے دریافت کیا گیا تو اس نے انکار کیا۔ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لوگوں نے شک کیا کہ انھوں نے غلط اطلاع پہنچائی ہے مگر سورۂ منافقون کی آیت نمبر ۸ میں اللہ تعالیٰ نے تصدیق فرمائی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ارقم کو بلایا اور مسکرا کر ان کا کان پکڑا اور فرمایا "لڑکے کا کان سچا تھا"۔ حضور کا یہ فرمان اپنے اندر جہاں شگفتگی اور واقعیت کی ایک دنیا لئے ہوئے ہے وہاں علم بیان کی بلاغتوں کو بھی سمیٹے ہوئے ہے مجاز مرسل میں بعض اوقات آلہ کہہ کر وہ چیز مراد لی جاتی ہیں جن کے لئے وہ آلہ مخصوص ہو۔ اس فرمان میں "کان" سے سُنی ہوئی بات مراد ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ "افصح العرب" تھے۔ اس لئے آپ کا سرا ارشاد فصاحت و بلاغت کی بے پایاں کیفیتوں کا امین ہوتا تھا۔ آپ کا مزاح شگفتگی، شائستگی اور پاکیزگی کا حامل تھا یہ دلوں میں گدگدی پیدا کر کے بے پایاں طمانیت عطا کرتا تھا مزاح کا یہی وہ نادر، مثالی اور انمول نمونہ ہے کہ جس سے کسی کی دلآزاری نہیں ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اپنے بھائی کے ساتھ خصومت نہ کرو اور ایسا مذاق نہ کرو جس سے اُسے ایذا پہنچے اور ایسا وعدہ نہ کرو جو وفا نہ کر سکو"۔ ایک اور مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خالص ایمان تک آدمی نہیں پہنچتا جب تک مزاح اور جھوٹ کو نہ چھوڑ دے"۔ ظاہر ہے کہ جب مزاح کے ساتھ جھوٹ کی آمیزش ہو جائے گی تو ایک طرف مزاح لطیف نہیں رہے گا بلکہ پھکڑپن میں بدل جائے گا۔ اور دوسری طرف اس، مزاح کا نشانہ بننے والا بات کی کسک دل میں محسوس کرے گا اور یوں دل پر ایسے زخم لگ جائیں گے جو کبھی مندمل نہ ہو سکیں گے مزاح کے اپنے حدود ہیں جب مزاح ان سے گزر جائے تو وہ پھکڑ پن بن جاتا ہے۔ ایک ادیب کے الفاظ میں "ادب کے جس نقطۂ عروج پر بیان کی خوبیاں، ذہن کے تنقیدی زاویے اور قلم کی تعمیری شوخیاں پختہ تر ہو کر ایک معیاری لطافت بن جاتی ہیں، مزاح کہلاتا ہے"۔ گویا مزاح کا مقصد تعمیر ہے، تخریب نہیں طمانیت ہے دلآزاری نہیں۔ تبسم ہے قہقہہ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شگفتہ طبعی کے جو پاکیزہ نمونے تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں۔ اُنھیں پڑھ کر لبوں سے زیادہ دل مسکراتا ہے۔ قرآن حکیم میں واضح حکم ہے:

"اپنے مومن بھائی کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا بُرا نام رکھو"۔ (الحجرات ۱۱) اسی فرمانِ اقدس سے اس پھبتی، طنز اور تضحیک کی نفی ہو جاتی ہے جس سے دلآزاری کا پہلو نکلتا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں شگفتگی بدرجۂ اتم موجود تھی مگر دلآزاری کا شائبہ بھی نہیں تھا اور اسی انداز کی تقلید ہم سب پر لازم ہے کہ یہی طریقہ ہم خرما و ہم ثواب کے مصداق ہے۔

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی

سیرت پاک

ہمارے تعلیمی نصاب میں

ڈاکٹر سید عبداللہ

کے کثیر الاطراف، تحقیق طلب اور دیانت اور عقیدت
سیرۃ کے طلبگار موضوع پر دنیا کی تقریباً ہر بڑی زبان میں،
بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ کہ شاید قرطاس و قلم بھی اس کی تاب نہ لاسکیں
بعض لوگ فن سیرت کو عام سوانح عمری یا HAGIOGRAFHY
قسم کا اساطیری تذکرۃ المقدسین سمجھتے ہیں، مگر ایسا نہیں یہ بڑا وسیع اور،
جامع فن ہے۔ سیرت بمعنی کردار اور سوانح عمری سے لے کر سیرۃ،
الرسول تک اور نہ بمعنیٰ فن سیرت نگاری اور اس سے وسیع تر اسلامی
بین الاقوامی قانون INTERNATIONAW کے معنوں میں جو مسلمانوں
نے ہی سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اقوال و
احادیث کی بنیاد پر ایجاد کیا۔ اس لفظ کی رنگا رنگ اقسام موجود ہیں۔
اس وقت میں نے ایک نہایت معمولی سے گوشے کا انتخاب
کیا ہے۔ یہ سمجھ کر کہ شاید خصوصاً اس محدود رقبے میں زیادہ نہ لکھا گیا ہو
اور وہ ہے۔ قومی تعلیم میں سیرت کے مضمون کا مطالبہ۔ میرا یہ معمولی اور
سرسری سا شذرہ یوسف کی خریداری کے لیے ایک بڑھیا کی انٹی کا درجہ
رکھتا ہے۔ تعلیم میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کالجوں اور یونیورسٹیوں

میں طلبہ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات سے بے خبر رکھا
جاتا ہے۔ یہاں میرا مطلب یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت
کی معلومات کسی خاص منصوبے اور عملی غایت کا لحاظ کیے بغیر اور اس
کی پوری پوری حکیمانہ معنویت پر زور دیے بغیر، اکثر محض عقیدتی طور
پر پیش کر دی جاتی ہیں اور ان میں بھی اس امر کا خیال نہیں رکھا جاتا کہ۔
ان معلومات کی تحقیقی و تنقیدی بنیادیں کیا ہیں۔ اور ان کو بڑھا کر کس،
رنگ کی شعوریات کو پختہ کرنا مقصود ہے۔

پاکستان کے تعلیمی نقشے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوسکتا ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بارے میں معلومات تشنہ
تشنہ تاریخ اسلام کے مضمون میں ملتی ہیں یا کسی قدر (اور وہ بھی ٹکڑے
ٹکڑے ہو کر) اسلامیات کی آخری کتابوں میں اور عربی علوم (قدیم
و جدید) میں بھی اس مضمون کا حصہ کچھ زیادہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ عالم
انسانیت کی اس مرکزی اور عظیم ترین شخصیت کے ساتھ یہ سلوک قدرے
بے اعتنائی کے زمرے میں آتا ہے۔

اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ہماری تعلیم کی مضمون بندی اب
بھی مغرب کے استعماری دور اور مغربی تصورات کے تابع ہے

جو شاید اس جاہلانہ تصور کے زیر اثر ہے کہ تعلیم میں عقیدہ و مذہب کے تصورات کے در آنے سے تعلیم آزادی خراب ہو جاتی ہے انگریزی اصطلاح میں تعلیم میں عقیدے کے اس پیوند کو INDOCT RINATION (نظریاتی شخصیت سازی) کہتے ہیں یا کہیں کہیں ORIE NTATION کی اصطلاح سے یاد کیا جاتا ہے لیکن یہ خیال اب خود مغرب میں صحیح نہیں سمجھا جاتا۔ اگر واقعی تعلیم بچوں کی شخصیت سازی کا ذریعہ ہے تو اس کے لیے ایک مجسم مثالی پیکر کی ضرورت ناگزیر ہے اسی وجہ سے NUNN نے اپنی کتاب FOUNDA TIONS OF EDUCATION میں کہا کہ تعلیم ایک پھول ہے جس کی خوشبو حضرت عیسٰی ہیں۔ اسی طرح کا خیال ڈاکٹر رادھا کرشنن نے ظاہر کیا اور کہا کہ سری کرشن ہماری تعلیم کا رس ہیں۔ علامہ اقبال نے تاؤب بہ سیرت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زور دیا تو ان کا بھی یہی مقصد تھا۔ یہ شخصیت پرستی نہیں بلکہ شعوری کردار سازی کی ایک صورت ہے۔ بنابریں ہم عقیدہ (DOCTRINE) خصوصاً بنیادی عقیدہ شخصیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر چل ہی نہیں، سکتے۔ ہمارے عقائد کے دو بنیادی سرچشموں میں قرآن مجید کے بعد سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی اہم ترین ہے جسے آپ یہاں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام لفظ سمجھ لیجیے جو ایک فن یا علم خاص کی صورت بھی اختیار کیے ہوئے ہے۔

میرا موقف یہ ہے کہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مضمون کو اعلیٰ تعلیمی خاکے میں ایک باوقار اور مستقل مقام ملنا چاہیے خواہ وہ تاریخ اسلام کے ایک پرچے کے برابر ہو یا اسلامیات کے ایک پرچے کے برابر اور عام سطح پر سیرت رسول کی معلومات ساری تعلیم میں اس طرح تدریج کے ساتھ پھیلا دی جائیں کہ ہمارے طلبہ رسول پاک زندگی اور ان کی دعوت سے پوری طرح فیض یاب ہو کر عملی زندگیوں اور مہلت دونوں میں رہنمائی حاصل کر سکیں۔

سیرت چونکہ کسی ایک چیز کا نام نہیں یعنی عام کردار سے لے بین الاقوامی قانون تک بہت سے مضمون اس کے مفہوم میں شامل ہیں اس لیے بطور مضمون درس اس کی حدود کو متعین کرنا پڑے گا۔ بالکل سادہ واقعات کی مختصرات متوسطات اور نہایت کی تدوین کرنی ہوگی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو واقعات سے وابستہ کرنا ہوگا اور آخر میں وہ تاریخ حکمت و دانش لکھنی ہوگی جو منتہی لوگوں کے لیے ہوگی۔ اس غرض کے لیے پہلے تعلیم میں سیرت کو جذب کرنے کے مقاصد کی ایک فہرست تیار کرنی ہوگی۔

ایک خوبصورت مسجد

سیرت کے مضمون کا ایک مقصد تو حصول برکت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے عقیدت و محبت کا ذریعہ اظہار ہے۔ ایک مسلم کے لیے اس سے زیادہ سعادت کیا ہوگی کہ وہ ذہنی اور قلبی طور سے آپ کی ذات سے قربت رکھے۔

ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ہمارے بچوں کی جذباتی زندگی کی تطہیر و تشکیل ہوتی رہے۔ یہ معلوم ہے کہ دنیا کے ہر نظام تعلیم میں جذبات کی تربیت و تہذیب کو ایک بنیادی مقصد قرار دیا گیا ہے۔ اور ہمارے نزدیک سیرت کے مضمون کو صحیح اور اصولی انداز سے پڑھانے سے تہذیب جذبات کا مقصد احسن طریقے سے پورا ہو سکتا ہے۔

تیسرا مقصد عملی زندگی میں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے دانش زیست حاصل کرنا ہے۔ اور بچوں کے ذہن نشین کرنا ہے۔ کہ دین اور دنیا دونوں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر رہنما کوئی نہیں ہو سکتا۔

چوتھا مقصد، طلبہ کے سامنے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور ان کے لائے ہوئے دین کی اجتماعی حکمتوں کا فہم پیدا کرنا ہے اور یہ بتانا ہے۔ کہ آپ نے معاشرتی، سیاسی، معاشی اور دوسرے اجتماعی عملی شعبہ ہائے حیات میں ہماری کس طرح رہنمائی فرمائی ہے۔ سیرت کی تعلیم کے ذریعہ زندگی کی روحانی اور مادی اقدار کے مابین ایک مجسم مثالی پیکر سامنے رہے گا۔ پھر اس کے حوالے سے بچوں کی، طبائع میں ایک خوشگوار توازن پیدا ہو گا۔ پانچواں مقصد یہ کہ آنحضور پورے عالم انسانیت کے لیے کس طرح باعث خیر و برکت ثابت ہوئے۔

سیرت کی اعلیٰ تعلیم کا ایک مقصد یہ بھی ہونا چاہیئے کہ یہ حیثیت ایک علم یا فن کے سیرت کس طرح بہت سے علوم کے ظہور کا ذریعہ بنی ہے۔ مثلاً یوں کہ تاریخ۔ رجال، سوانح عمری، دینی قصص، جغرافیہ علم المقامات، کرداریات اور فنِّ نقد و نظر وغیرہ اسی فن کے زیر اثر پیدا ہوئے۔

قدرتی امر یہ ہے کہ تعلیم میں سیرت کا مضمون جب داخل ہو گا۔ تو اس کے لیے ناگزیر ہو گا۔ کہ ان سارے مقاصد کو ایک فطری و عقلی تربیت کے ساتھ سب مدارج عمر کے مطابق ساری تعلیم میں تدریجاً پھیلا دیا جائے۔

میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ سیرت سے متعلق وسیع تصنیف و تالیف کے باوجود درسیات کے نقطۂ نظر سے ابھی تصنیف و تحقیق زیادہ نہیں ہوئی۔ یہ تو معلوم ہے کہ درسی کتاب سازی ایک فن خاص ہے۔ اگرچہ آج کا معمول یہ ہے کہ جو شخص صاحب قلم ہے۔ یعنی وہ بازار سے قلم خرید لایا ہے۔ وہ فوراً مصنف یا نصاب ساز ہو جاتا ہے لیکن واقعہ ایسا نہیں۔ جتنی کتاب مختصر ہو گی اتنی ہی اس کی دشواریاں زیادہ ہوں گی، کیونکہ درسی کتاب ساز کو بہت فراواں معلومات میں سے گزر کر کام کی باتیں انتخاب کرنی ہوتی ہیں۔۔۔ اور کام کی باتیں کے معنی یہ ہیں کہ ایک خاص درجہ عمر کے مطابق ایک خاص سلیبس کے مقید دائرے کے اندر معین صفحات میں اسے مطالب کو احسن طریق سے پورا کرنا ہوتا ہے۔

ان دنوں نئی تعلیمی پالیسی کے تحت ایک نیا سلیبس اور اس کے مطابق نئی درسی کتابیں لکھی جارہی ہیں۔ میری آرزو ہے کہ اب ہمیں دینی روحانی معنویت رکھنے والے مضامین کو ان کی صحیح جگہ دینی چاہیے ایسا نہ ہو کہ نئی قومی تعلیم کا اجرا محض بے مطلب غوغا بن کر رہ جائے۔ اب اگر سیرت کے مضمون کو نصاب تعلیم میں صحیح جگہ دینی ہے۔ تو اس کے لیے دو باتیں بے حد لازم ہوں گی۔ اوّل ایک دار التحقیق، دوم ایک دار التربیت۔

دار التحقیق کا مقصد یہ ہو گا کہ سیرت کی تصانیف کے لیے سیرت کی ایک وسیع لائبریری ہونی چاہیے جس میں سیرت کے موضوع پر کام کرنے والے مقاصد خاص کی تکمیل کے لیے معین نقطۂ نظر سے کام کر کے تصانیف کے لیے مواد مہیا کرتے رہیں گے تاکہ ان کے اندر سے ہر درجے کی درسی کتابوں کا مواد نکل سکے۔

دار التربیت سے مراد یہ کہ ایک ایسا شعبہ بھی ہو جس میں سیرت کے مضمون کی اصولیات اور تکنیک کی عملی تربیت ہو تاکہ مصنف اور استاد، سیرت کی تدریس کی حدود سے آگاہ ہو سکیں۔

میں نے ابھی ابھی ایک دار التحقیق کا ذکر کیا ہے۔ اس کی ضرورت اس لیے ہے، جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ سیرت سے متعلق ادب مسلمانوں کے ادبیاتی ذخیرہ میں تو قدرتی طور پر وسیع ہے، مگر یہ ادب دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی خاصا ہے۔ اور ظاہر ہے۔ جتنا کوئی ادب وسیع ہو گا۔ اتنا ہی پہلو دار ہو گا اور جتنا یہ پہلو دار ہو گا۔ اتنا ہی قابل تنقید بھی ہو گا۔ اور تنقید کی ضرورت اس لیے بھی ہو گی۔ کہ ہماری حد تک ایک اسلامی نقطہ نظر کی لازمی طور سے ہونا چاہیے اور پاکستان کی درسیات میں خصوصاً ایک معین زاویۂ نظر کی نگہداشت ضروریات میں سے ہے۔

میں اس کی تشریح کرتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ جس طرح قدیم سیرتی ادب میں مغازی عزوات مناقب سیرت اور احادیث میں امتیاز قائم رکھنے کے لیے ایک کڑا تنقیدی معیار ضروری سمجھا گیا تھا جس کا بعد کے سیرتی ادب پر گہرا اثر پڑا اسی طرح جدید مغربی سیرتی ادب کو بڑی احتیاط و تامل سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ مغربی سیرت نگاروں کی اس دشواری و مجبوری کو تو ہم مانتے
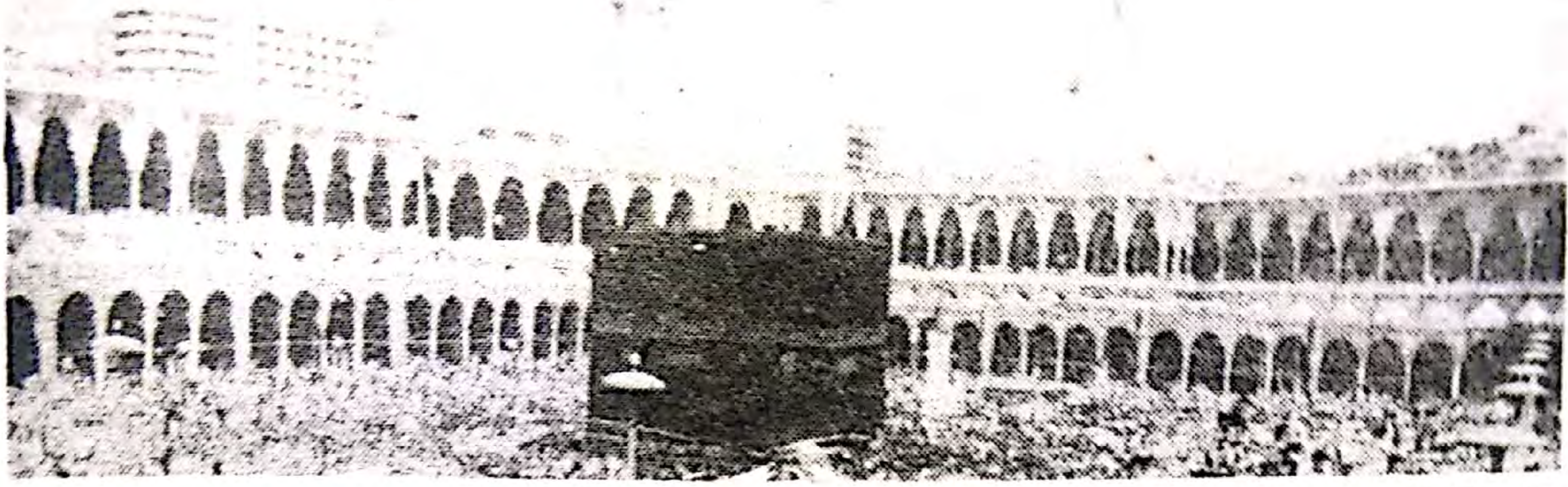
ہیں کہ وہ مسلم گھروں میں پیدا نہیں ہوئے، لیکن انکار نہیں ہو سکتا کہ مغربی کے قلم کار کی ایک فطری مجبوری یہ ہے کہ وہ مشرق خصوصاً مسلم مشرق اور زیادہ بالاختصاص آنحضور کی ذات کے متعلق بڑے تعصبات رکھتا ہے۔ جو صلیبی لڑائیوں میں اور بعد کے کلیسائی۔ استعماری مقاصد کے پس منظر میں اس کے لیے فطرت ثانیہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایسے مصنفوں سے استفادے کے وقت ان کے تعصبات کے بارے میں احتیاط نہ کی جائے گی تو ہم غلط نتیجوں پر پہنچیں گے۔

میں اس موقع پر مار کولیتھ اور گولت شہر کا ذکر نہیں کرتا کیونکہ وہ اب خاصے پرانے ہو چکے ہیں۔ اور خود فرنگی سیرت نگاروں کو بھی۔ ان کے خیالات سے اتفاق نہیں۔ ان کے بجائے میں جدید ترین منٹگمری واٹ کا ذکر کرتا ہوں جس کی کاوشوں کے باوجود ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ وہ بھی اس بیماری سے خالی نہیں۔

اس کی کوتاہی یہ ہے کہ اپنی ساری تحقیق کے باوجود، وہ سیرت کو ایک عام سوانح عمری سمجھا ہے اس کے نزدیک سیرت ایک ایسی بیاگرافی ہے جو مغربی حقیقت نگاری REALISM کی تحریک کے تحت انسانیت کے کیڑے نکالنے کے لیے لکھی جاتی ہے اور ہنر یا فضائل کے ساتھ عیبوں اور گناہوں کی بھی برسبیہ تفصیل لکھ کر مصنف خوش ہو جاتا ہے کہ میں نے کمال کر دیا۔

ہمارے منٹگمری واٹ نے بھی کمزوریوں FAILINGS کے زیر عنوان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعوذ باللہ کمزوریوں پر لکھا ہے۔ اور اکثر مواد اس نے ان روایات سے لیا ہے، جسے مسلم محقق بالاتفاق مسترد کر چکے ہیں۔ بس اسی سے قیاس کر لیجئے۔

مسلم دنیا جدید دور میں مصر، شام مراکش اور سعودی عرب وغیرہ میں بہت اچھی محققانہ تصانیف شائع ہوئی ہیں جو ہمارے کام آسکتی ہیں۔ ان میں ایک نمایاں نام ہیکل کا ہے۔ اس نے مستشرقین کے عمدہ جواب لکھے ہیں۔ اگرچہ کہیں کہیں اس نے بھی معذرتی انداز۔ اختیار کیا ہے۔ تاہم یہ اعلیٰ کتاب ہے۔ جس کے دنیا کی کئی زبانوں میں ترجمے ہوئے ہیں۔ خود ہمارے یہاں عمدہ محققانہ سیرتی ادب موجود ہے

تو میں نتیجہ یہ نکالتا ہوں کہ ایک دار التحقیق، ایک دار التصنیف اور ایک دار الترتیب سیرت کو مستقل مضمون یا پرچہ بنانے کے ساتھ ساتھ ایک لازمی سی بات ہے۔ اگر ہم سچ مچ سیرت کو صحیح، بنیادوں پر عام کرنے اور درسیاست میں اس کو ایک باوقار اور نتیجہ، خیز مضمون بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تو ہمیں محققانہ تصانیف کا خاص اہتمام کرنا ہوگا جن سے درسی کتاب لکھنے والا استفادہ کرکے سیرہ کے مضمون کی اعلیٰ سطح کچھ ایسی ہونی چاہیئے کہ اس میں آنحضور نہ صرف اسلامی کی مرکزی محوری ذات والاصفات نظر آئیں بلکہ وہ ہر مسلم وغیرہ مسلم کو مرکز کائنات بھی دکھائی دیں۔ اور جو ہے یا آنے والا ہے۔ اس میں بھی وہ انسانیت کے درپیش جملہ مسائل کے حل کنندہ اور رہنمائے کل معلومات ہوں، مگر کام کٹھن ہے، ہر شخص اس کا۔ اہل نہیں ہے۔ اس کی تکمیل شوق، لگن اور مناسب تنظیم سے ہوگی۔

محمد عربی علیہ صلی اللہ وسلم پر درود و سلام کے فضائل

مولانا خالد علی شمسی

آیت درود و سلام

حضور سیدنا محمد عربی فداہ ابی وامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام کے فضائل میں سب سے بڑی اور عظیم فضیلت یہ یہ ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ اور اس کے فرشتے حضور پر درود بھیجتے ہیں اور پھر رب تبارک وتعالیٰ نے اپنے اور فرشتوں کے اس فعل کا حکم اپنے بندوں کو بھی دیا، اس لئے سب سے پہلے میں آیت درود ہی پر مختصر روشنی ڈالنا مناسب و اولیٰ سمجھتا ہوں ___ ارشاد خداوند قدوس ہے

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (پ ۲۲ ع ۴، سورۂ احزاب)

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے نبی پر اے ایمان والو ان پر درود اور خوب سلام بھیجو (کنز الایمان ترجمہ قرآن از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ)

درود شریف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکریم وتعظیم ہے علماء نے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ یارب محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عظمت عطا فرما دنیا میں ان کا دین بلند اور ان کی دعوت غالب فرما کر اور ان کی شریعت کو بقا عنایت کر کے اور آخرت میں ان کی شفاعت قبول کر کے اور ان کا ثواب زیادہ کر کے اور اولین و آخرین پر ان کی فضیلت کا اظہار فرما کر اور انبیا ومرسلین وملائکہ اور تمام خلق پر ان کی شان بلند کر کے (تفسیر خزائن العرفان از صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ)

اس آیت سے چند مسئلے معلوم ہوتے (۱) ایک یہ کہ درود شریف تمام احکام سے افضل ہے کیونکہ خدا نے کسی حکم میں اپنا اور اپنے فرشتوں کا ذکر نہیں فرمایا کہ ہم بھی کرتے ہیں تم بھی کرو (۲) تمام فرشتے بغیر تخصیص ہمیشہ حضور پر درود بھیجتے ہیں (۳) حضور پر رحمت الٰہی کا نزول ہماری دعا پر موقوف نہیں، جب کچھ نہ تھا تب بھی خدا حضور پر رحمتیں بھیجتا تھا، ہمارا درود پڑھنا رب سے بھیک مانگنے کے طور ہے جیسے فقیر داتا کے جان و مال کی خیر مانگ کر بھیک مانگتا ہے ہم (خدا کے پیارے) حضور کی خیر مانگ کر بھیک مانگتے

ہیں (۴) حضور ہمیشہ حیات النبی ہیں اور سب کا درود و سلام سنتے ہیں جواب دیتے ہیں کیونکہ جو جواب نہ دے اسے سلام کرنا منع ہے، جیسے نمازی اور سونے والے کو (۵) تمام مسلمانوں کو ہمیشہ درود بھیجنا چاہئے کیونکہ خداوند تعالیٰ اور فرشتے ہمیشہ درود بھیجتے ہیں (تفسیر نور العرفان از حکیم الامت علامہ احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت سے حق تعالیٰ کا یہ مقصد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر خصوصی رحمت نازل فرمائی جائے، اور ملائکہ بھی آپ کے لئے دعا کرتے رہیں۔

یہ آیت حضور کی ذات گرامی پر صلوٰۃ و سلام کے وجوب پر دلالت کرتی ہے چنانچہ جب بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک لیا جائے آپ کی ذات والاصفات پر درود پاک پڑھنا واجب ہوتا ہے ـــ حافظ سخاوی نے فرمایا اور انھوں نے ابن عبد البر سے بیان کیا کہ علما کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر مسلمان کے لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا اس آیت کریمہ کی رو سے فرض ہے امام قرطبی فرماتے ہیں زندگی بھر میں ایک بار درود پڑھنے کے وجوب میں تو کسی کو اختلاف نہیں امام شافعی کے نزدیک تشہد کے بعد ہر نماز کے آخر میں درود شریف واجب ہے، امام طحاوی علیہ الرحمہ نے کہا کہ ایک مومن کے لئے ضروری ہے کہ جب بھی وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر سنے یا آپ کا اسم گرامی زبان پر لائے تو آپ کی ذات والاصفات پر ضرور درود پڑھے،

حافظ جلال الدین سیوطی اپنی درِ منثور میں لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ کو مبارکباد دیتے تھے۔ عبد الرحمٰن ابن یعلیٰ کی یہ روایت مختلف تفاسیر اور احادیث میں منقول ہے کہ وہ ایک بار کعب بن عجرہ سے ملے انھوں نے فرمایا میں تمہیں ایک ایسا تحفہ دینا چاہتا ہوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا، میں نے کہا ضرور دیجئے، آپ نے فرمایا جب آیت اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ۔ الخ۔ نازل ہوئی تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کو سلام تو عرض کرتے رہتے ہیں مگر آپ پر صلاۃ کیسے بھیجی جائے، آپ نے فرمایا کہو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی محمّد وعَلٰی اٰل محمّد کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی ابراھیم وعلٰی اٰلِ ابراھیم وَبارِکْ علی محمّد وعلٰی اٰلِ محمّد کمَا بارَکْتَ عَلٰی اِبراھیم وَعلٰی اٰلِ ابراھیم اِنّکَ حمیدٌ مَّجِیْدٌ۔

بعض دوسری روایات میں ان الفاظ کو کمی بیشی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

علامہ قسطلانی اپنی شرح بخاری اور مواہب لدنیہ میں عارف ربانی حضرت ابو محمد مرجانی سے نقل فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کَمَا صَلَّیْتَ اور کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ فرمایا ہے، لیکن کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی مُوْسٰی نہیں فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تجلی جلالی تھی چنانچہ جلوہ خداوندی دیکھ کر وہ بے ہوش ہو گئے، اور خلیل اللہ سیدنا ابراہیم

علیہ السلام کی تجلی جمالی تھی محبت وخلت جمالی آثار سے ہیں لہٰذا حضور نے فرمایا مجھے درود اس طرح بھیجا کرو جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان جمالی پر موزوں ہے اس سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے برابری پر دلیل نہیں لائی جاسکتی، کیونکہ آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنی امت کو ایسی تجلی کے حصول کی دعا کا سبق دیں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کی گئی تھی حدیث پاک کا تقاضا محض مشارکت فی الوصف ہے اور وہ تجلی جمالی میں ہے مراتب میں برابری ہرگز مقصود نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے دونوں مقربوں پر اپنی تجلی جمالی ان کے مراتب و مقامات کے مطابق وارد فرماتا ہے اگرچہ دونوں تجلی کے وصف مشترک ہیں مگر جبکہ سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے کہیں بلند و برتر ہے تو اللہ تعالیٰ سے مطلوبہ صلوٰۃ بھی اعلیٰ و برتر ہوگی۔ امام نووی اور امام شافعی رضی اللہ عنہما نے بھی اسی کے مثل فرمایا ہے۔

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب —— "الجوھر المنظم فی زیارۃ القبر الشریف للنبی المکرم" میں لکھتے ہیں کہ سیدنا ابراہیم اور حضور کی آل کو اس لئے ترجیح دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے برکت اور رحمت ان کے علاوہ کسی قوم میں یکجا نہیں ذکر فرمائی۔ سورہ ہود میں فرمایا رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور کے بعد تمام انبیا سے افضل ہیں۔

حافظ سخاوی امام خاکہانی سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوٰۃ آپ کی خصوصیات میں سے ہے دوسرے انبیا کو یہ بات حاصل نہیں۔ جہاں تک علم کا تعلق ہے قرآن اور دوسری کتابوں میں ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے پیغمبر کے لئے اس کا ذکر نہیں یہ صرف حضور کی خصوصیات سے ہے نیز علامہ سخاوی نے فرمایا اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایسی تعظیم و تکریم کا اظہار ہے جو دوسری آیات میں نہیں۔

صلوٰۃ وسلام وبرکت کے معنی

خدا کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کے معنی ہیں مسلسل رحمت کا نازل فرمانا ہے اور غیر پر مطلق رحمت ہے اور خدا کے علاوہ دوسروں کی طرف سے صلوٰۃ کے معنی مطلق دعا ہے اس معاملے میں فرشتے اور انسان میں کوئی فرق نہیں اور سلام سے مراد عیوب ونقائص سے محفوظ رہنا ہے علامہ نووی نے علما سے نقل فرمایا کہ صرف صلوٰۃ یا صرف سلام مکروہ ہے اس لئے کہ آیت میں دونوں کا حکم ہے علامہ ابن حجر نے برکت کے معنی میں فرمایا کہ برکت خیر وبرکت کی زیادتی اور اس کا بڑھتے رہنا اور عیوب سے پاک ہونا ہے (تلخیص از افضل الصلوٰت علی سید السادات مصنفہ علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی مصری علیہ الرحمہ)

ہمارا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہماری طرف سے آپ کے لئے رحمت کی کوئی سفارش نہیں ہے، کیونکہ ہم جیسا حضور کے لئے سفارش نہیں کر سکتا لہٰذا درود شریف حقیقت میں حضور کے احسانات کا بدلہ ہے اور ہمیں حکم ہے کہ احسان کرنے والے کو بدلہ دیں اگر بدلہ سے عاجز ہوں تو دعائے خیر کا حکم ہے۔ لہٰذا جب ہم حضور کے عظیم وکثیر احسانات کا بدلہ نہیں دے سکتے تو خدا سے دعا کرتے ہیں کہ تو ہی ہماری طرف سے اپنے نبی ومحبوب پر اپنی مسلسل اور کامل رحمتیں نازل فرما کیونکہ ہم عاجز ہیں اور تو قادر ہے، اور پھر اس درود شریف کا بدلہ خدائے تعالیٰ ہمیں یہ دیتا ہے کہ ایک درود کے بدلے دس بار ہمارے اوپر رحمت نازل فرماتا ہے، لہٰذا حضور کے لئے رحمت کی دعا کرنا یعنی درود شریف کا ورد کرنا حقیقتاً اپنی طرف رحمتِ خداوندی کو متوجہ کرنا ہے۔

امام نووی نے کہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ کا تو حکم ہے اور علما کا اس پر اجماع ہے باقی رہے دیگر انبیائے کرام اور ملائکہ ان پر بھی مستقلاً صلوٰۃ کے جواز واستحباب پر اکابر اسلام کا اجماع ہے لیکن انبیاء وملائکہ کے علاوہ دوسرے پر صلوٰۃ وسلام اکثر کے نزدیک حرام ہے اور بعض نے کہا ہے کہ

خلاف اولیٰ ہے، اور صحیح وہی ہے جس پر اکثریت ہے ۔ شیخ ابو محمد جوینی نے کہا کہ سلام صلوٰۃ ہی کے معنیٰ میں ہے لہٰذا اس کو بھی غائب میں استعمال نہیں کرنا چاہئے سوائے انبیاء و ملائکہ، لہٰذا علی علیہ السلام کہنا صحیح نہیں ۔ صحابہ تابعین اور ان کے بعد کے تمام علما اور اخیار یعنی صالحین کے لئے رضی اللہ عنہ اور رحمۃ اللہ علیہ کا استعمال مستحب ہے ۔ انبیا کے ساتھ تبعاً دوسروں پر صلوٰۃ و سلام کے جواز پر علما کا اتفاق ہے، اور ان صحیح احادیث سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے جو حضور کے ساتھ آل و اصحاب پر درود کے سلسلے میں وارد ہیں ۔ مثلاً اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ الخ

درود شریف کے اوقات

یوں تو درود شریف کی جس قدر کثرت کی جائے بہتر ہے ۔ مگر علمائے کرام نے بعض مواقع کی نشاندہی کی ہے، ذیل میں ان احوال و مقامات کا ذکر کیا جاتا ہے ۔ جہاں درود شریف پڑھنا مستحب ہے ۔

(۱) طہارت کے بعد خواہ تیمم ہی ہو (۲) نماز میں تشہد کے بعد (۳) امام شافعی کے نزدیک دعائے قنوت کے بعد بھی (۴) ہر نماز کے بعد (۵) اذان و اقامت کے بعد (۶) نماز تہجد کے لئے بیدار ہونے کے بعد (۷) وضو جمعہ کے بعد (۸) نماز تہجد کے بعد (۹) مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے بعد (۱۰) جمعہ کے دن (۱۱) جمعہ کی رات میں خصوصاً نماز جمعہ کے بعد (۱۲) جمعرات کے دن (۱۳) شنبہ کے دن اور دوشنبہ و یک شنبہ کے دن (۱۴) خطبوں میں (۱۵) دن کے شروع میں اور آخر میں یعنی صبح و شام (۱۶) سحر کے وقت (۱۷) خطوط اور کتاب میں بسم اللہ کے بعد (۱۸) شافعی کے نزدیک عید کی تکبیرات میں (۱۹) نماز جنازہ میں (۲۰) احرام باندھتے وقت اور لبیک کے بعد (۲۱) صفا و مروہ میں کلمہ خوانی اور تکبیر کے بعد (۲۲) کعبہ شریف پر جب نظر پڑے (۲۳) حجر اسود کے چومنے کے وقت (۲۴) طواف کعبہ کے وقت (۲۵) مقام ملتزم میں اور دیگر مقامات حج میں (۲۶) مزار نبوی پر (جو سب سے اہم مقامات سے ہے) (۲۷) آثار و مقامات نبی پر مثلاً مدینہ منورہ، مسجد قبا، وادی بدر، کوہ احد وغیرہ (۲۸) وصیت لکھتے وقت (۲۹) اردہ سفر کے وقت (۳۰) سواری پر سوار ہوتے وقت (۳۱) منزل پر پہنچنے کے وقت (۳۲) بازار جاتے وقت اور بازار میں پہنچنے کے وقت (۳۳) دعوت میں پہنچنے کے وقت (۳۴) دعوت سے واپس ہوتے وقت (۳۵) گھر میں آنے کے وقت (۳۶) حاجتمند ہو جانے کے وقت (۳۷) محتاجی کے خوف کے وقت (۳۸) بوقت غم (۳۹) بوقت مصیبت و شدت (۴۰) طاعون کے زمانے میں (۴۱) ڈوبنے کے خوف کے وقت (۴۲) اس وقت جب یہ آواز سنے ذکرنی اللہ من ذکرنی (جو مجھ کو یاد کرے خدا اس کو یاد کرتا ہے) (۴۳) جس وقت پاؤں سن ہو جائے (۴۴) جس وقت چھینک آئے (۴۵) بھولی ہوئی چیز یاد آجانے کے لئے (۴۶) کسی چیز کے کھو لینے کے خوف کے وقت (۴۷) مولی کھانے کے وقت (۴۸) برتن سے پانی پینے کے وقت (۴۹) گدھے کی آواز سن کر (۵۰) گناہ سرزد ہو جانے کے بعد (تاکہ اس کے صدقہ میں توبہ و کفارہ نصیب ہو) (۵۱) دعا مانگنے کے پہلے اور بعد میں بھی (۵۲) مسلمان بھائی یا دوست سے ملاقات کے وقت (۵۳) لوگ جمع ہوں تو جدا ہونے کے وقت (۵۴) مجلس سے اٹھنے کے وقت (۵۵) ہر اس مجلس میں جو اللہ کا ذکر اور دین کے شعائر اور احکام کے لئے منعقد ہو (۵۶) تلاوت قرآن کے ختم پر (۵۷) حفظ قرآن کی دعا میں (۵۸) ہر جائز کلام شروع کرنے کے وقت (۵۹) سبق، وعظ اور اشاعت علم کے آغاز پر (۶۰) حدیث شریف پڑھنے سے پہلے اور بعد میں (۶۱) جب کوئی چیز اچھی معلوم ہو (۶۲) سب سے زیادہ تاکید درود پاک کی اس وقت ہے جب نام نامی اسم گرامی سرکار کا سنے یا لکھے ۔ یہ باسٹھ مقامات وہ ہیں جن کا ذکر شیخ المحدثین حضرت علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی بخاری (متوفی ۱۰۵۲ھ) علیہ الرحمہ والرضوان نے اپنی کتاب ترغیب اہل السعادات اور جذب القلوب میں ذکر فرمایا ہے، دیگر کتب میں مزید ان مواقع کا ذکر ہے ۔

(۶۳) فتویٰ لکھتے اور پوچھتے وقت (۶۴) منگنی کے وقت (۶۵) پڑھنے کے وقت (۶۶) جب کوئی بڑا کام کرنا ہو (بہار شریعت سوم) (۶۷) خطبہ طلب باراں میں (۶۸) سورج اور

چاند کے گہن کے وقت (۶۹) وضو کرتے وقت (۷۰) غسل جنابت کے بعد (۷۱) غسل حیض کے بعد (۷۲) جمعہ کے روز عصر کے بعد (۷۳) پیر (دوشنبہ) کی رات (۷۴) منگل کی رات (۷۵) ماہ شعبان میں ہر روز سات سو بار (۷۶) شب برات میں تہائی رات کے بعد (۷۷) سونے کے وقت (۷۸) جب سو کر اٹھے (۷۹) نیند نہ آنے کے وقت (۸۰) گھر میں داخل ہو کر (۸۱) حاجت روائی کے وقت (از فضائل درود و سلام مرتبہ مولا سعید شبلی خطیب جامع داتا گنج بخش لاہور)

درود شریف سے متعلق ضروری تنبیہہ

بہت سے لوگ درود شریف پورا نہیں لکھتے یا محض اشارہ کرتے ہیں، یہ جائز نہیں حضرت شیخ عبدالحق محدث و محقق دہلوی علیہ الرحمہ والرضوان فرماتے ہیں۔

ایک شخص کاغذ کی بچت کے خیال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہیں لکھتا تھا تو اس کو مرض آکلہ (جسم کھا جانے والا مرض) ہو گیا، اور ایک دوسرا شخص تھا کہ صلی اللہ علیہ لکھتا تھا اور اس کے ساتھ "وسلم" نہیں لکھتا تھا تو اس کو خواب میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عتاب کرتے ہوئے فرمایا تو خود کو چالیس نیکیوں سے کیوں محروم کرتا ہے یعنی چونکہ وسلم میں چار حرف ہیں اور ہر حرف کے عوض دس نیکیاں لہذا اس حساب سے اس لفظ وسلم کی چالیس نیکیاں ہوتیں۔ امام سخاوی نے حمزہ کنانی سے نقل کیا ہے کہ میں حدیث شریف لکھا کرتا تھا اسم پاک پر صلی اللہ علیہ لکھتا تھا اور وسلم نہیں لکھتا تھا پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا تجھے کیا ہو گیا ہے کہ پورا درود نہیں لکھتے یعنی وسلم نہیں لکھتے اس خواب کے بعد ہمیشہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی لکھا، بعض لوگ جو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھنے کے بجائے اشارہ و کنایہ سے

لہ بعض روایات میں دعا کے درمیان بھی درود شریف کی تاکید آئی ہے۔ ۱۲ ن

مسجد نبوی کا اندرونی گوشہ

کام لیتے ہیں اور ص و م یا صلعم اور بجائے علیہ السلام کے عین میم لکھ کر یا ایسے ہی دیگر حروف لکھ کر صلی اللہ علیہ وسلم مراد لیتے ہیں وہ مذکور الصدر صورت حال کے مثل ہیں۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ حق تعالیٰ نے تجھے کس چیز کی وجہ سے بخش دیا اس نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام نامی لکھتے وقت میرے صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے نے مجھے خدائے پاک سے بخشوا دیا (ترغیب اہل السعادات مترجم مطبوعہ بمبئی ص ۲۹ و ۳۰)

علامہ یوسف بن اسمٰعیل بنہانی مصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

حافظ ابن الصلاح نے کہا ہے جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم گرامی لکھتے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ صلوٰۃ و سلام ضرور لکھے اور اس کے بار بار آنے سے آزردہ نہ ہو کیونکہ یہ سب سے عظیم فائدہ ہے اور عوام اور کاہل لوگوں کے فعل سے بچے جو صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے صلعم لکھتے ہیں اور اس شخص کے شرف کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارشاد کافی ہے کہ "جس نے کتاب میں مجھ پر درود شریف لکھا جب تک

اس کتاب پر میرا نام رہے گا اس کے لئے ملائکہ استغفار کرتے رہیں گے (افضل الصلوٰۃ علی سید السادات مترجم ص۵۴ مطبوعہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور ۱۹۸۰ء)

چودھویں صدی کے عظیم مجدد امام احمد رضا قدس سرہ العزیز اس سلسلے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

یہ بلا عوام تو عوام ۱۴ صدی کے بڑے بڑے اکابر و فحول کہلانے والوں میں پھیلی ہوئی ہے، کوئی (صلعم) لکھتا ہے کوئی (صللم) کوئی فقط (ص) کوئی علیہ الصلاۃ والسلام کے بدلے (عم یا ع م) ایک ذرہ سیاہی یا ایک انگل کاغذ یا ایک سکنڈ وقت بچانے کے لئے کیسی کیسی پڑتے اور محرومی و بے نصیبی کا ڈانڈا پکڑتے ہیں، امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، پہلا وہ شخص جس نے درود شریف کا ایسا اختصار کیا اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ علامہ سید طحطاوی "حاشیہ درمختار" میں فرماتے ہیں" فتاویٰ تاتارخانیہ" سے منقول ہے۔ من کتب علیہ السلام بالھمزۃ والمیم یکفر لانہ تخفیف و تخفیف الانبیاء کفر بلا شک الخ

یعنی کسی نبی کے نام پاک کے ساتھ ایسا اختصار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے کہ یہ ہلکا کرنا ہوا اور معاملہ شان انبیا سے متعلق ہے اور انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کی شان ہلکا کرنا ضرور کفر ہے، شک نہیں کہ اگر قصد (ارادہ) استخفافِ شان (شان گھٹانا) ہو تو قطعاً کفر ہے۔ حکم مذکور اسی صورت کے لئے ہے، یہ لوگ صرف کسل، کاہلی، نادانی، جاہلی سے ایسا کرتے ہیں تو اس حکم کے مستحق نہیں مگر بے برکتی، کم بختی، زبوں قسمتی میں شک نہیں۔

اقول۔ ظاہر ہے کہ اَلْقَلَمُ اَحَدُ اللِّسَانَیْنِ۔ قلم بھی ایک زبان ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جگہ مہمل بے معنیٰ صلعم لکھنا ایسا ہے کہ نام اقدس کے ساتھ درود شریف کے بدلے یونہی کچھ الم غلم بکنا، اللہ عزوجل فرماتا ہے،

فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ (پ۱ ع ۶)

جس بات کا حکم ہوا تھا ظالموں نے اسے بدل کر اور کچھ کر لیا ہے تو ہم نے آسمان سے ان پر عذاب اتارا بدلہ ان کے فسق (نا فرمانی) کا۔

وہاں بنی اسرائیل کو فرمایا گیا تھا قُوْلُوْا حِطَّةٌ یوں کہو کہ ہمارے گناہ اتریں انھوں نے کہا حِنْطَةٌ ہمیں گیہوں ملے، یہ لفظ بامعنیٰ تو تھا اور اب بھی ایک نعمت الٰہیہ کا ذکر تھا مگر محض تبدیلی کی وجہ سے نزول عذاب ہوا، یہاں حکم یہ ہوا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ (پ۲۲ ع ۴)

اے ایمان والو اپنے نبی پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَیْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَبَدًا۔ اور یہ حکم وجوباً خواہ استحباباً ہر بار نام اقدس سننے یا زبان سے لینے یا قلم سے لکھنے پر ہے، تحریر میں اس کی بجا آوری نام اقدس کے ساتھ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھنے میں تھا اسے بدل کر صلعم، صللم، ص، ع م کر لیا جو کچھ معنیٰ ہی نہیں رکھتا، کیا اس پر نزول عذاب کا خوف نہیں کرتے۔ والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔

یہ تو محل درود ہے جس کی عظمت اس حد پر ہے کہ اس کی تخفیف میں پہلوئے کفر موجود ہے اس سے اتر کر صحابہ و اولیا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسمائے طیبہ کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ رض لکھنے کو علما کرام نے مکروہ و باعث محرومی بتایا ہے (فتاوی افریقہ ص ۴۵ رضوی پریس بریلی)

فضائل درود شریف احادیث کی روشنی میں

اب ذیل میں درود شریف کے فضائل و برکات سے متعلق احادیث طیبہ ذکر کی جاتی ہیں۔

حدیث (۱) صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود نازل فرماتے گا۔

حدیث (۲) نسائی کی روایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں ہے کہ فرماتے ہیں جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے اللہ عزوجل اس پر دس درودیں نازل فرمائے گا اور اس کی دس خطائیں مٹائے گا اور دس درجے بلند فرمائے گا۔

حدیث (۳) امام احمد عبد اللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی فرماتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار درود بھیجے اللہ عزوجل اور فرشتے اس پر ستر بار درود بھیجتے ہیں۔

حدیث (۴) درمختار میں بروایت اصبہانی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے اور وہ قبول ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے اسّی برس کے گناہ محو فرمادے گا۔

حدیث (۵) ترمذی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن مجھ سے سب میں زیادہ قریب وہ ہوگا جس نے سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجا ہے۔

حدیث (۶) نسائی و دارمی انھیں سے راوی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فارغ فرشتے ہیں جو زمین میں سیر کرتے رہتے ہیں میری امت کا سلام مجھ تک پہونچاتے ہیں۔

حدیث (۷) ترمذی میں انھیں سے ہے کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی ناک خاک میں ملے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور مجھ پر درود نہ بھیجے اور اس کی ناک خاک میں ملے جس کو رمضان کا مہینہ آیا اور اس کی مغفرت سے پہلے چلا گیا اور اس کی ناک خاک میں ملے جس نے ماں باپ دونوں یا ایک کو ان کے بڑھاپے میں پایا اور انھوں نے اس کو جنت میں داخل نہ کیا (یعنی ان کی خدمت و اطاعت نہ کی کہ جنت کا مستحق ہو جاتا)

حدیث (۸) ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور فرماتے ہیں پورا بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور مجھ پر درود نہ بھیجے۔

حدیث (۹) نسائی و دارمی نے روایت کی ہے کہ ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضور تشریف لائے اور بشاشت چہرۂ اقدس میں نمایاں تھی فرمایا میرے پاس جبریل آئے اور کہا کہ آپ کا رب فرماتا ہے کیا آپ راضی نہیں کہ آپ کی امت میں جو کوئی آپ پر درود بھیجے میں اس پر دس بار درود بھیجوں گا اور آپ کی امت میں جو کوئی آپ پر سلام بھیجے میں اس پر دس بار سلام بھیجوں گا۔

حدیث (۱۰) ترمذی شریف میں ہے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بکثرت دعا مانگتا ہوں تو اس میں سے حضور پر درود کے لئے کتنا وقت مقرر کروں فرمایا جو تم چاہو عرض کی چوتھائی فرمایا جو تم چاہو اور زیادہ کرو تو تمہارے لئے بہتری ہے۔ میں نے عرض کی نصف فرمایا جو تم چاہو اور زیادہ کرو تو تمہارے لئے بھلائی ہے میں نے عرض کی دو تہائی فرمایا جو تم چاہو اور اگر زیادہ کرو تو تمہارے لئے بہتری ہے میں نے عرض کی تو کل درود ہی کے لئے مقرر کردوں فرمایا ایسا ہے تو تمہارے کاموں کی کفایت فرمائے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

حدیث (۱۱) امام احمد رویفع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ حضور فرماتے ہیں جو درود پڑھے اور کہے۔ اَللّٰھُمَّ اَنْزِلْہُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَکَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

حدیث (۱۲) ترمذی نے روایت کی کہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں دعا آسمان و زمین کے درمیان معلق ہے چڑھ نہیں سکتی جب تک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجے (بہار شریعت حصہ سوم)

حدیث (۱۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر کوئی شخص سلام نہیں بھیجتا مگر اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں (ابوداؤد) روح لوٹانے سے مراد توجہ فرمانا ہے یعنی دنیا سے جانے کے بعد میں مکمل طور پر قرب خداوندی میں رہتا
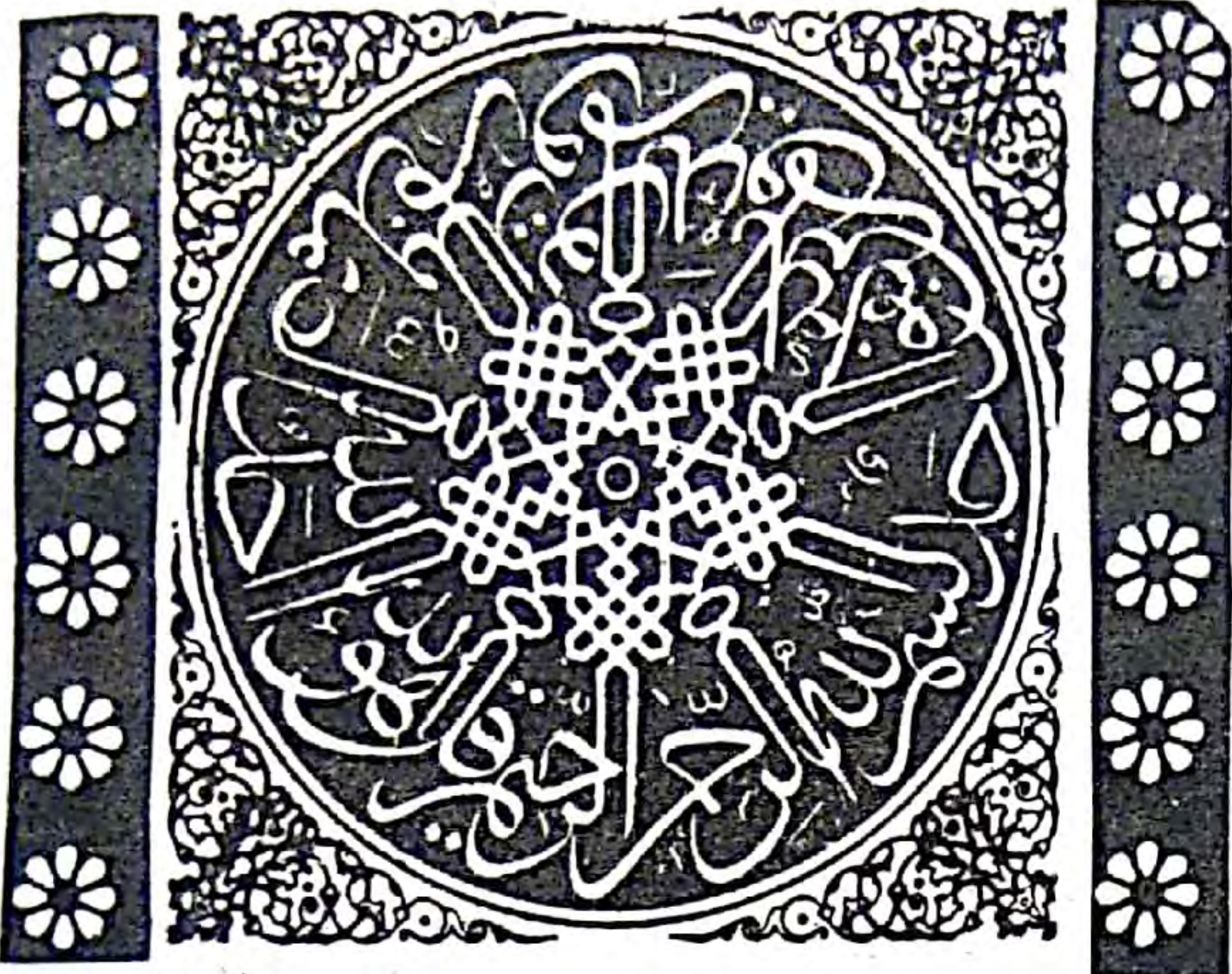
ہوں اور میری ساری توجہ بارگاہ الٰہی کی طرف رہتی ہے مگر
جب میرا کوئی غلام مجھ پر سلام بھیجتا ہے خدا میری توجہ اس
کے سلام کے جواب کی طرف پھیر دیتا ہے اس سے معلوم ہوا
کہ حضور سلام کرنے والے کا جواب ضرور دیتے ہیں

حدیث (۱۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے
گھروں کو قبر نہ بناؤ اور میری قبر کو عید نہ بناؤ اور مجھ پر درود
بھیجا کرو اس لئے کہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے تم جہاں کہیں رہو
(نسائی)۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ہمارا درود
سنتے ہیں ہم دنیا کے جس گوشے میں بھی رہیں۔

حدیث (۱۵) حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ
سے مروی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ ایک
شخص آیا اور نماز پڑھی، پھر کہا اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ۔
الٰہی مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر، رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے نمازی تو نے جلدی کر دی،
جب تو نماز پڑھ لے پھر بیٹھے تو (پہلے) خدا کی حمد کر جو اس
کی شان کے لائق ہے اور مجھ پر درود بھیج پھر دعا کر، کہا۔
اس کے بعد ایک دوسرے شخص نے نماز پڑھی تو اللہ کی حمد کی
اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا تو
حضور نے فرمایا اے نمازی دعا مانگ تیری دعا قبول ہوگی
(ترمذی، ابوداؤد، نسائی) یعنی دعا کا طریقہ یہ ہے پہلے خدا کی
حمد و ثنا کی جائے پھر اس کے نبی پر درود پڑھا جائے تب دعا
مانگی جائے تو قبول ہوگی۔

حدیث (۱۶) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ
عنہ سے مروی فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی کریم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ
کے ساتھ تھے، جب میں نماز پڑھ کر بیٹھا تو خدائے تعالیٰ کی
حمد سے ابتدا کی پھر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھا
پھر میں نے اپنے لئے دعا کی تو حضور نے فرمایا، مانگ لے دیا
جائے گا، مانگ لے دیا جائے گا (ترمذی)

حدیث (۱۷) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت
ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نکلے حتیٰ کہ ایک
باغ میں پہنچے پھر وہاں ایک طویل سجدہ کیا یہاں تک کہ مجھے حضور
کی وفات کا خدشہ ہوا تو آکر دیکھنے لگا، حضور نے فرمایا، کیا
ہے؟ تو میں نے یہ (خدشہ) عرض کیا تب حضور نے فرمایا، جبرئیل
علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کو خوشخبری دوں کہ بیشک
اللہ عزوجل آپ سے فرماتا ہے (اے محبوب) جو آپ پر ایک
بار درود بھیجے گا میں اس پر رحمت نازل کروں گا اور جو آپ
سلام کرے گا میں اس پر سلام بھیجوں گا (امام احمد) (از مشکوٰۃ
المصابیح باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

حدیث (۱۸) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،
صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ عَلَیَّ زَکٰوۃٌ لَّکُمْ۔
مجھ پر درود پڑھا کرو اس لئے کہ تمہارا مجھ پر درود پڑھنا
تمہارے لئے پاکیزگی کا باعث ہے (کتاب الصلوٰۃ علی النبی
بروایت قاضی اسمٰعیل بن اسحٰق)

حدیث (۱۹) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
مروی کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھ پر ایک
بار درود پڑھتا ہے خدائے تعالیٰ اس پر دس بار صلوٰۃ بھیجتا
ہے یہ معلوم ہو جانے کے بعد بندے خواہ مجھ پر کم درود پڑھیں
یا زیادہ (ابن شاہین)

درود شریف سے متعلق اور بہت سی حدیثیں ہیں مگر
انھیں چند پر اکتفا کیا جاتا ہے مضمون طویل ہو جانے کے
خوف سے

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صلوٰۃ وسلام

جناب اختر شاہجہانپوری

پنجوقتہ نماز کے اندر ہر نمازی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مذکورہ لفظوں کے ساتھ ندا کرتا اور سلام عرض کرتا ہے عربی زبان کے اندر یَا اور اَیُّھَا دو حروف ندا ہیں ۔ یا ایھا النبی اور یا نبی اللہ ، یارسول اللہ کہنے میں کوئی فرق نہیں ۔ گویا ہر نمازی روزانہ کم ازکم پانچ وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو موجود اور حاضر جان کر مؤدبانہ سلام عرض کرتا ہے ۔

صحابہ کرام دور دراز علاقوں میں رہتے ہوئے بھی آپ کے زمانۂ اقدس میں اسی طرح ندا کے ساتھ سلام عرض کیا کرتے تھے اور سرورِ کون ومکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال فرماجانے کے بعد بھی ان کا یہی دستور رہا ۔ غرضیکہ سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس سے لیکر آج تک وہی طریقہ رائج ہے مگر پتہ نہیں اس کے باوجود بعض لوگ یارسول اللہ وغیرہ کہنے پر کیوں کفر وشرک کے فتوے لگا دیتے ہیں ؟ طرہ یہ کہ ایسے بناسپتی مفتی حضرات نمازوں کے اندر خود بھی مذکورہ الفاظ کے ساتھ سلام عرض کیا کرتے ہیں ۔ یہ پتہ نہیں کہ اس وقت ان کا مطمح نظر کیا ہوتا ہے ۔ بہرحال اپنے انھیں فتوؤں کی زد سے تو وہ خود بھی کسی طرح نہیں بچ سکتے ۔

اس سلام اور ندا کے بارے میں کیوں نہ اکابر اہلسنت وجماعت کا نظریہ تحریر کر دیا جائے جو ماننے والوں کے لئے باعث اطمینان قلب اور منکر ومتعصب کے لئے دعوت غور وفکر اور حجت بالغہ کا کام دے ۔ اللہ تعالیٰ جملہ مدعیان اسلام کو صحیح ہدایت نصیب فرمائے اور مسلمانوں کو فرضی ریفارموں اور مصلحوں اور دین کتر بیونت کرنے اور پیوند لگانے والوں سے محفوظ فرمائے ۔ آمین ۔

فقہ حنفیہ کی مشہور ومعروف کتاب درمختار میں ہے :۔

ویقصد بالفاظ التشھد معانیھا مرادۃ لہ علیٰ وجہ انشاء کانہ یحیّ اللّٰہ ویسلم علیٰ نبیہ وعلیٰ نفسہ واولیاءہ لاالاخبار عن ذالک ذکرہ فی المجتبیٰ ۔

ترجمہ :۔ یعنی تشہد کے الفاظ کے معانی کو نمازی اپنی مراد ٹھہرائے اور انشاء کے طور پر تشہد پڑھے ، گویا وہ اللہ تعالیٰ کی تحیت اور اس کے نبی پر سلام اور اپنے اوپر اور اس کے ولیوں پر سلام پیش کر رہا ہے (معراج) والی خبروں کا ارادہ نہ کرے ۔

ردالمحتار میں علامہ شامی رحمۃ اللہ نے فرمایا :۔

ای لایقصد الاخبار والحکایۃ عما وقع فی المعراج منہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ومن ربہ سبحانہ ومن الملٰئکۃ علیھم

السلام۔

ترجمہ:۔ (نمازی تشہد پڑھتے اور سلام عرض کرتے وقت) ان خبروں اور حکایتوں کا ارادہ نہ کرے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ان کے رب اور فرشتوں کے درمیان واقع ہوئیں۔

احیاء العلوم میں حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

واحضر فی قلبك النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وشخصہ الکریم وقل السلام علیك ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ترجمہ:۔ یعنی اے نمازی! نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے دل میں حاضر کر اور صورت مبارک کا تصور جما۔ اور پھر یوں کہہ السلام علیك ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اشعۃ اللمعات کے اندر شیخ محقق سیدنا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔

بعضے از عرفا گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائرِ موجودات وافراد ممکنات، پس آنحضرت در ذواتِ مصلیان موجود وحاضر است، پس مصلی باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نبود تا بانوید قرب و اسرار معرفت منور وفائز گردد۔

ترجمہ:۔ یعنی بعض عارفوں نے نہ فرمایا ہے کہ یہ خطاب (السلام علیك ایہا النبی) اس وجہ سے ہے کہ حقیقت محمدیہ، موجودات کے ذروں اور ممکنات کے افراد میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمازیوں کی ذاتوں کے اندر بھی موجود اور حاضر ہیں نمازیوں کو چاہیے کہ اس بات سے باخبر رہیں اور اس شہود سے غافل نہ ہوں لکہ قرب کے انوار اور معرفت کے اسرار سے مستفید ہو سکیں۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی غیر مقلد نے اپنی کتاب مسلک الختام کے صفحہ ۲۴۴ پر اس عبارت کو نقل کیا اور اس کے مفہوم کو تسلیم کرتے ہوئے تصدیق میں یہ شعر بھی ساتھ جوڑ دیا ہے ؎

در راہ عشق مرحلۂ قرب وبعد نیست
می بینمت عیاں ودعا می فرستمت

قارئین کرام! ملاحظہ فرمالیا کہ اہل سنت وجماعت کے اکابر نے تشہد پڑھنے اور اس وقت میں سلام عرض کرنے کا کیا طریقہ بتایا ہے؟ انصاف فرمائیے! اگر یارسول اللہ وغیرہ الفاظ کے ساتھ ندا کرنا شرک ہوتا تو یہ چیز اعظم ترین عبادت یعنی نماز کے اندر بھی موجود ہے اور ان فتوؤں کی زد سے نمازی ہی نہیں بلکہ ساری امت، حتیٰ کہ صحابہ کرام، حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی نہ بچ سکیں گے۔ بتائیے! پھر مسلمان کے لئے کون سا طریقہ باقی رہ گیا ہے؟ معلوم ہوا اس طرح ندا کرنا شرک ہرگز نہیں ہوسکتا۔ ہاں یار لوگ اس طرح مسلمانوں کو مشرک کہنے کا شوق پورا کرتے ہیں،

آپ اہل سنت کی نادر روزگار ہستیوں کے ارشادات پڑھ چکے ہیں کہ یہ سلام حکایۃ معراج کے واقعے کی نقل کے طور پر نہیں کرنا چاہئے بلکہ نمازی خود اپنی طرف سے سلام عرض کرے اور بوقت سلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت مقدسہ کو تصور میں بٹھائے۔ سرکار کو اپنی ذات کے اندر بھی موجود جانے کیونکہ حقیقت محمدیہ کائنات کے ذرے ذرے میں سرایت کئے ہوئے ہے یوں حقیقی حاضری کے طور پر مودبانہ سلام عرض کرے۔ مگر اسکے باوجود ایک نام نہاد دلفامر نے اپنی کتاب "صراط مستقیم" میں حضور سے اپنے بغض وکینہ کا یوں اظہار کیا۔ اور مسلمانوں کے دلوں پر تیر ونشتر لگائے ہیں۔

از وسوسۂ زنا خیال مجامعت زوجۂ خود بہتر است وصرف ہمت بسوئے شیخ وامثال آں از معظمین گو رسالتمآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاؤ وخر خود است۔ (صراط مستقیم ص۹۵)

ترجمہ:۔ یعنی اپنے پیر ومرشد یا انھیں کی طرح کسی بزرگ کا خیال کرنا خواہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال ہی کیوں نہ کیا جائے۔ زنا اور اپنی بیوی سے صحبت کرنے کے تصور سے کتنے ہی درجے برا ہے

سلام اے نور والے، نور کی شام و سحر والے
سراپا نور تو، تیرا گھرانا، تیرے گھر والے

گدھے اور بیل کی صورت کے خیال میں سراپا ڈوب
جانے بھی بدرجہا بدتر ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)
بھلا سوچئے تو سہی! نمازی جب حضور کو سلام عرض کرے گا
تو یقیناً توجہ ان کی طرف کی جائے گی۔ اگر نہ جائے تو ارادۃً تصور کرنا
چاہئے۔ مگر یہ انگریزی مجدد اور خارجی مبلغ اسے گدھے بیل کے
تصور اور زنا کے خیال سے بدتر اور شرک بتا گئے۔ یہی وجہ ہے کہ
ان کے تمام پیروؤں کا مسلک ہی انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی توہین
و تنقیص کرنا ہے ؎

گر ہمیں مکتب وہمیں ملا
کار طفلاں تمام خواہد شد

میرا مقصد کسی سے الجھنا نہیں بلکہ اپنے سنی بھائیوں سے
گزارش کرنا ہے کہ دوستو! اس دور پرفتن میں اپنے اکابر کے طریقے
کو نہ چھوڑیئے۔ کیونکہ دوسرے چوروں کی طرح آجکل کے ایمان کے
چور بھی بڑے زوروں پر ہیں۔ اگر کسی ایسے کے پیچھے لگ گئے تو
ایمان کی بیش بہا متاع ضائع ہو جائے گی "خدا نہ کرے" اسکے علاوہ
دنیا سے ساتھ جانے والی اور کیا چیز ہے؟ بزرگوں کے طریقے پر
کاربند رہئے یہی کونوا مع الصادقین کا ماحصل ہے۔ اسی کو صراط
مستقیم کہتے ہیں۔ جسکی قرآن کریم میں صراط الذین انعمت علیہم
کے الفاظ میں تعریف کی گئی ہے۔ حکم ربانی بھی یہی ہے۔ واتبع
سبیل من اناب الی۔ کاش! ہمارے سنی بھائیوں کا اس پر عمل
ہو جائے۔ اس طرح عوام ذیاب فی ثیاب والے ایمان کے لٹیروں
سے محفوظ ہو جائیں۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب
لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب ہ وصلی اللہ علی
حبیبہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمِ محترم اور واقعۂ افک

سید جاوید اختر

ہجرت کے پانچویں سال غزوۂ مریسیع پیش آیا اس کا دوسرا نام غزوۂ بنی مصطلق بھی ہے ۔ مریسیع ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے آٹھ منزل کے فاصلہ پر واقع ہے ۔ قبیلہ خزاعہ کا ایک خاندان بنی مصطلق یہاں آباد تھا ۔ اس قبیلہ کے سردار حارث بن ضرار نے بعض قبائل عرب کو سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کے لیے آمادہ کیا ۔ جب یہ خبر سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور خود لشکر اسلام کے ساتھ روانہ ہو گئے ۔ اس غزوہ میں سیدنا عائشہ اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ہمراہ تھیں ۔ جب حارث بن ضرار کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر ملی تو وہ اور اس کی فوج نے راہِ فرار اختیار کی اور خود باشندگان مریسیع نے لشکر اسلام کا مقابلہ کیا ۔ مسلمانوں پر تیروں کی بارش شروع کر دی مگر وہ پر جوش اور جذبۂ ایمانی سے سرشار مجاہدین اسلام جو رسول خدا کے حکم پر لبیک کہنے والے اور اپنے آپ کو پروانہ وار نثار کرنے والے تھے جن کے دلوں میں عشق و عرفان کی شمع جگمگا رہی تھی جنھوں نے اپنے خون سے اسلام کے ننھے پودے کو سیراب کر کے تناور درخت بنایا تھا وہ بھلا یہ کب گوارہ کر سکتے تھے کہ اسلام پر آنچ آجائے ۔ چنانچہ وہ یکبارگی لشکر کفار پر حملہ آور ہوئے جس میں دس کفار تہ تیغ کئے گئے اور باقی تمام مردوں اور عورتوں کو اسیر بنا لیا گیا اور بہت سا مال غنیمت بھی ہاتھ آیا اس جنگ میں صرف ایک فرزند توحید شہید ہوا ۔

آیت تیمم کا نزول

ابن عبدالبر و ابن سعد و ابن حبان وغیرہ محدثین و علمائے سیرت کا قول یہ ہے کہ تیمم کی آیت اسی غزوۂ مریسیع میں نازل ہوئی مگر روضۃ الاحباب میں لکھا ہوا ہے کہ کسی دوسرے غزوہ میں نازل ہوئی ۔ (مدارج النبوت ج ۲ صـ۱۵۷)

واقعۂ افک

اسی غزوۂ مریسیع میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے افک کا واقعہ پیش آیا ۔ افک کا لغوی معنیٰ کذب اور بہتان ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے افک کا واقعہ بڑا ہی عجیب و غریب ہے ۔ زہری ، عروہ سے اور دوسری جماعت سے راوی ہیں ۔ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا : کہ حضور جب کسی سفر کا قصد فرماتے تو اپنی ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے ۔ قرعہ میں جس کا نام نکلتا اسے سفر میں اپنے ہمراہ لے جاتے ۔

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں حضور

نے اس غزوہ میں بھی ہمارے درمیان قرعہ اندازی فرمائی تو قرعہ میرے نام نکل آیا۔ لہٰذا میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں چل پڑی۔ چونکہ یہ واقعہ آیت حجاب نازل ہونے کے بعد پیش آیا تھا اس وجہ سے میرے لیے ہودج (محمل) تیار کیا گیا۔ میں اس ہودج میں بیٹھی بیٹھی اٹھائی جاتی اور اتاری جاتی تھی۔ یہاں تک کہ حضور اس غزوہ سے فارغ ہو کر واپس ہوئے۔ ہم مدینہ منورہ کے قریب پہونچے تو حضور نے شب ہی میں کوچ کرنے کا حکم فرمایا۔ میں لشکر کی روانگی سے قبل رفع حاجت کے لیے باہر چلی گئی تھی پھر جب رفع حاجت سے فارغ ہو کر اپنی جائے قیام پر واپس آئی اور اپنے سینہ پر ہاتھ پھیرا تو کیا دیکھتی ہوں کہ گلے کا ہار جو مہرہائے ظفار سے بنا ہوا تھا وہ کہیں ٹوٹ کر گر گیا ہے دوبارہ اس مقام پر پہونچی جس جگہ رفع حاجت کے لیے گئی تھی اور اس کی جستجو میں مصروف ہو گئی۔ یہاں تک کہ تلاش کرنے میں کافی تاخیر ہوئی ہودج اٹھانے اور اتارنے والوں نے یہ سمجھ کر ہودج کس دیا کہ میں اس کے اندر موجود ہوں۔ چونکہ اس زمانہ میں اکثر عورتیں ہلکی پھلکی ہوا کرتی تھیں اس بنا پر ہودج اٹھانے والے میری عدم موجودگی کا احساس ہی نہ کر سکے کہ میں ہوں یا نہیں۔ جب میں منزل پر واپس لوٹی تو اس سنسان وادی میں بجز میرے اور کوئی نہ تھا۔ میں سخت پریشان ہوئی۔ سامنے لق ودق صحرا ستان اور تاریک شب جس میں چلنا بھی خطرے سے خالی نہ تھا میں وہیں بیٹھ گئی۔ میرا خیال تھا کہ جب اگلی منزل پر لوگوں کو میری عدم موجودگی کا احساس ہوگا تو وہ اس جگہ لوٹ کر ضرور آئیں گے۔ وہاں مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا اور میں سو گئی۔ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ پس لشکر اس بنا پر رہا کرتے تھے کہ لشکر کا گرا پڑا سامان اس کے مالک کو پہنچا دیں۔ جب صبح ہوئی تو صفوان نے مجھے منزل پر دیکھا اور سوچا کہ کوئی لشکری سویا ہوا رہ گیا ہے بعد میں انھوں نے مجھے پہچان لیا۔ چونکہ صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ پردہ کی آیت نازل ہونے سے قبل بارہا مجھے دیکھ چکے تھے انھوں نے پہچانتے ہی اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کہا جس وقت یہ آواز میرے کان سے ٹکرائی میں بیدار ہو گئی۔ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً مجھے اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور خود اونٹ کی نکیل تھام کر پاپیادہ روانہ ہو گئے مسافت طے کر کے وہ اگلی منزل پر رسول عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے اس واقعہ سے مطلع ہونے کے بعد اسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان کا ذریعہ بنایا اور اس کو پھیلانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ یہاں تک کہ اس منافق نے مدینہ طیبہ میں اس تہمت کو اس قدر اچھالا کہ ہر چہار جانب افترا اور تہمت کا شور و غوغا ہونے لگا اور بعض مسلمان اس کے فریب میں آ کر اس کے ہمنوا بھی ہو گئے جیسے حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو اس تہمت سے بے حد صدمہ ہوا اور دوسرے مخلص مسلمان بھی بے حد محزون ہوئے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں مدینہ میں قدم رکھتے ہی بیمار ہو گئی اور میری بیماری نے بھی طول پکڑ لیا۔ یہاں تک کہ مدینہ کے باشندے قول افک میں مبتلا ہوئے۔ اور مجھ کو بالکل خبر نہ ہوئی۔ حالانکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو میری عفت و پاکدامنی کا پورا پورا یقین تھا۔ لیکن آپ نے میری عفت و پاکدامنی کا اعلان نہ فرمایا اور وحی الٰہی کے منتظر رہے۔ اسی اثنا میں اپنے مخلص صحابہ سے مشورہ لیتے رہے کہ ان لوگوں کے خیالات ظاہر ہوں۔

چنانچہ آپ نے علی مرتضیٰ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلایا تاکہ ان سے مشورہ اور استفسار کریں اور ان لوگوں سے حقیقت حال واضح کرائیں تو حضرت اسامہ بن زید نے حضور سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں آپ کو اور آپ کی اہل کو ہر طرح سے اچھا ہی جانتا ہوں۔ مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ پر عورتوں کی تنگی نہیں فرمائی ہے۔ عائشہ کے سوا بہت

ساری عورتیں ہیں۔ آپ اس باندی سے دریافت کیجیۓ اس کا مطلب یہ ہے کہ بریرہ خادمہ سے دریافت کریں جو ہمہ وقت ان کی خدمت میں کمربستہ رہتی ہے۔ وہ خود ان کے متعلق اپنا خیال ظاہر کرے گی۔ حضور نے اسے طلب کیا اور حضرت عائشہ کے متعلق پوچھا۔ بریرہ نے عرض کیا یا رسول اللہ قسم ہے اس وحدہٗ لاشریک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اور جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں نے عائشہ کے اندر اس سے زیادہ کوئی چیز نہ دیکھی کہ وہ ایک خردسال لڑکی ہے۔ گندھا ہوا آٹا چھوڑ کر سو جاتی ہے اور بکری آکر کھا جاتی ہے اور اسے کوئی خبر نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے اس کے اندر کسی قسم کا کوئی عیب نہ دیکھا، اور جب آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس تہمت کے متعلق گفتگو کی تو انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ منافق بالکل جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کے جسم اطہر پر مکھی کا بیٹھنا اس وجہ سے گوارہ نہ فرمایا کہ وہ نجاستوں پر بیٹھتی ہے تو اسے بھلا یہ کیسے گوارہ ہوگا کہ جو عورت امر بد کی مرتکب ہو اُسے آپ کی زوجیت میں رکھے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب اللہ تعالیٰ کو آپ کے سایہ گوارہ نہ ہوا کہ اس پر کسی کا پاؤں نہ پڑے تو یہ کیونکر گوارا ہو سکتا ہے کہ بدکار عورت کو آپ کی زوجیت میں رکھے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بارگاہ حضور میں انتہائی مؤدبانہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ آپ کے نعلین مبارک میں جوں کا خون لگ گیا تو پروردگار عالم نے جبریل امین کے ذریعہ خبر دی کہ نعلین اُتار دیں۔ جب رب العلمین نے آپ کے نعلین کی اتنی سی آلودگی گوارا نہ فرمائی تو اگر عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا معاذ اللہ ایسی ہوتیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور بالضرور وحی کے ذریعہ آگاہ فرما دیتا۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ملی تو اُنھوں نے اپنی شریک حیات سے فرمایا کہ تو سچ سچ بتا کہ اگر میں صفوان بن معطل کی جگہ ہوتا تو کیا تو یہ گمان کر سکتی تھی کہ میں سلطان دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ سے ایسی حرکت کرتا تو اُنھوں نے جواب دیا کہ اگر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جگہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہوتی تو کبھی ایسی حرکت نہیں کرتی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو مجھ سے ہزارہا ہزار درجہ بزرگ و برتر ہیں اور حضرت صفوان بن معطل جو آپ سے بدرجہا بہتر ہیں۔ بھلا کیونکر ان دونوں حضرات سے ایسا گناہ سرزد ہو سکتا ہے۔ سید کونین صلے اللہ علیہ وسلم نے جب یہ باتیں سماعت فرمائیں تو مسجد نبوی کے اندر تشریف لے گئے اور منبر پر رونق افروز ہوئے درمیان خطبہ ارشاد فرمایا کہ وہ کون ہے جو میری حمایت کرے اور ان لوگوں سے انتقام لے جنھوں نے میرے اہل کی بے جا ایذارسانی کی۔

وَاللّٰہِ مَا عَلِمْتُ عَلٰی اَھْلِیْ اِلَّا خَیْرًا

"خدا کی قسم میں اپنی اہل کو اچھا ہی جانتا ہوں"۔

وَلَقَدْ ذَکَرُوْا رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَیْہِ اِلَّا خَیْرًا

"اور ان لوگوں (منافقوں) نے اس بہتان میں ایک ایسے مرد (صفوان بن معطل) کا ذکر کیا ہے جس کو میں بالکل ہی اچھا جانتا ہوں۔

(بخاری جلد دوم صفحہ ۵۹۵ حدیث افک)

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پرمغز تقریر سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کی عفت و پاکدامنی کا یقین کامل تھا۔ قبل نزول وحی بھی آپ بخوبی جانتے تھے کہ حضرت عائشہ پاکدامن ہیں اور کفار مکہ دروغ گو ہیں۔ ورنہ مسجد نبوی کے مجمع عام میں ہرگز یہ اعلان نہ فرماتے۔ مگر پہلے اعلان نہ فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اپنی بیوی کی پاکدامنی اپنی زبانی بیان کرنا بہتر نہ سمجھا۔ جب منافقین حد سے زیادہ تجاوز کر گئے اور شور و غوغا کرنے لگے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خیال مبارک کا اظہار فرمایا۔ مگر ابھی اعلان عام کے لیے وحی

کے منتظر رہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں ان دنوں اپنے میکے میں تھی اور یہ باتیں مجھ تک پہنچ رہی تھیں دوراتیں اور ایک دن اس حال میں گذر گیا کہ گریہ وزاری اور شب بیداری کے علاوہ میرا کوئی کام نہ تھا۔ یہاں تک کہ مجھے ایسا لگتا تھا کہ گریہ وبکا میرا جگر پھاڑ دے گا۔ میرے والدین میرے غم میں شریک تھے اور اکثر مجھے تسکین وتسلی دیا کرتے۔

ایک انصار کی عورت جو مجھ سے بیحد محبت کرتی تھی میرے پاس آئی اور بلک بلک کر رونے لگی۔ ایک مہینہ گذر گیا تھا حضور کے پاس کوئی وحی نہ آئی تھی۔ ایک روز سرکار کائنات صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے اور سلام کیا پھر بیٹھ گئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے میرا حال پوچھا۔ میں نے اپنی ماں کی طرف اشارہ کیا۔ انھوں نے بارگاہ سرور کونین میں عرض کیا، تپ ولرزہ ہے۔ اسی درمیان سلطان دارین سرور کونین صلے اللہ علیہ وسلم نے کلمۂ شہادت پڑھ کر فرمایا کہ اے عائشہ میں نے تمھارے متعلق طرح طرح کی باتیں سنی ہیں اگر تم ان سب باتوں سے بری ہو تو عنقریب اللہ عزوجل وحی نازل فرمائے گا اور اگر تم نے کسی صغیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو اللہ عزوجل سے استغفار کرو کیونکہ بندہ جب کسی گناہ کا اعتراف کرتا ہے تو اللہ عزوجل یقیناً اسے معاف فرما دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گفتگو ختم فرمائی تو میری آنکھوں کے آنسو تھم گئے اور آنکھوں میں آنسو کا ایک قطرہ بھی نظر نہ آیا۔ یہ اس خوشی کی بنا پر تھا کہ سرکار دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک سے بشارت ملی۔ یا الم کے ساتھ غضب جمع ہوجانے کی وجہ سے۔ واللہ اعلم

پھر حضرت عائشہ نے اپنے والد محترم حضرت صدیق ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ آپ سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کا جواب دیں۔ مگر انھوں نے جواب دینے سے انکار کیا اور یہ فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دوں۔ پھر انھوں نے اپنی والدہ محترمہ کی خدمت میں عرض کیا تو انھوں نے بھی ایسا ہی جواب دیا۔ پھر انھوں نے خود ہی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیا اور عرض کیا کہ لوگوں نے میرے متعلق ایک بے بنیاد بات اڑائی ہے اور یہ لوگوں کے دلوں میں اس طرح جاگزیں ہوگئی ہے کہ وہ اسے حقیقت سمجھتے ہیں۔ اس حالت میں، میں اگر اپنی پاکدامنی کا اعلان کروں تو کوئی اس کی تصدیق نہ کرے گا۔ اس وقت میری مثال حضرت یعقوب علیہ السلام کے مانند ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا: فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (تو صبر اچھا ہے اور اللہ ہی ہے جس سے ان امور پر مدد چاہی جائے جو تم بیان کر رہے ہو۔ (۱۲ ع ۱۲ سورۂ یوسف)

ضروری تنبیہ

بخاری شریف جلد دوم کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں اعلان فرمایا کہ میں نے اپنے اہل کے بارے میں نہ جانا، مگر بھلائی اور نیکی۔ بلفظ دیگر۔ میرا یقین یہی ہے کہ میرے اہل میں بجز خیر و نیکی کے کچھ نہیں ہے الفاظ یہ ہیں:

مَا عَلِمْتُ عَلٰى اَهْلِىْ اِلَّا الْخَيْرَ

لیکن اس کے باوجود منافقین حال کو اس حدیث میں حضور کے اندر علم و یقین کی کمی اور شک وتردد کی زیادتی نظر آتی ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر حضور کو شک نہ ہوتا تو صدیقہ سے استغفار کی فرمائش کیوں فرماتے اور وہ پرزور طریقہ پر جواب کی بات کیوں کرتیں۔ حالانکہ حدیث میں "الممت بذنب" کا لفظ ہے۔ یعنی اگر تم نے کوئی خطا کی ہے یا کسی خطا کے قریب گئی ہو) قابل غور بات یہ ہے کہ ایک تو ذنب نکرہ ہے۔ جس کا معنیٰ ہے کوئی بھی گناہ اور کوئی سی خطا۔ دوسرے یہ کہ "المام" کا معنیٰ ہے گناہ کے قریب جانا۔ تو اس لفظ سے واضح طور پر ارتکاب گناہ کی تعیین بھی نہیں ہوتی۔ محدثین وشارحین حدیث فرماتے ہیں۔ مراد ہے کوئی گناہ صغیرہ کرنا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مقصد صرف یہ تھا کہ تم بری ہو تو رب تمھاری برأت ظاہر فرما دیگا، لیکن انتظار وحی میں بھی ایک عرصہ گذر چکا ہے ایک بے گناہ اور پاک دامن کے خلاف بہتان سا یہ تماشا بڑی عظیم مصیبت ہے، اور وحی میں تاخیر بھی کردی آزمائش گناہ سے برات اور پاک دامنی کو باوجود متہم ہونے کی

مصیبت اور تاخیر وحی کا ابتلا کہیں اس وجہ سے ہو کہ تم سے کوئی صغیرہ گناہ ہو گیا ہے جس سے تم توبہ کر لو اور تمھیں خدا کی بخشش حاصل ہو جائے تو وہ اپنے فضل سے وحی نازل فرما کر اس بلا کو دور فرما دے۔ لیکن صدیقہ کا ذہن چونکہ بہتان طراز دل ہی کی باتوں میں الجھا ہوا تھا۔ دن رات اسی خیال میں گھٹتے تھے اس لیے انھوں نے گناہ کا معنیٰ وہی سمجھ لیا جس کا منافقین چرچا کر رہے تھے۔ اس لیے ماں باپ سے جواب دینے کی فرمائش کی پھر خود صفائی دیتے ہوئے صبر جمیل کی بات کی۔ ورنہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سرکار اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیقہ کی برائت پر یقین تھا جیسا کہ بخاری شریف میں مذکور ہے۔ اس پر مزید ایک گفتگو آخر میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے جو احادیث کریمہ بھی سرکار کی تنقیص جوئی کے ارادہ سے دیکھتے اور پڑھتے ہیں بہر حال سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اتنا فرما کر اپنا رُخ پھیر لیا اور خدائے واحد پر توکل کیا چونکہ وہ جانتی تھیں کہ خدائے تعالیٰ میری پاکی کا اعلان فرمائے گا اور اس کی خبر دے گا لیکن فرماتی ہیں خدا کی قسم مجھے یہ بالکل امید نہ تھی کہ میرے بارے میں وحی آئے گی۔ کیونکہ میں اپنی ذات کو اس سے بہت کمتر سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق کلام فرمائے گا مگر مجھے اتنی امید ضرور تھی کہ اللہ عزوجل اپنے محبوب کردگار کو خواب دکھائے گا جس سے میری پاکی ان پر منکشف ہو جائے گی۔ خدائے واحد کی قسم حضور ابھی اسی مجلس میں جلوہ فگن تھے۔ اور میرے گھر والوں میں ابھی کوئی باہر نہ گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آثار وحی نمودار ہوئے اور آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی جو بوقت نزول وحی آپ پر طاری ہوتی۔ یہاں تک کہ آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ نمودار ہوا۔ جب وحی اتر چکی تو ہنستے ہوئے سرکار دوجہاں نے فرمایا اے عائشہ تم خدا کا شکر ادا کرو اس نے تمھاری برائت و پاکدامنی کا اعلان فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ منافقوں اور کذب گویوں کا منھ کالا ہوا اس وقت سرکار دوجہاں نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

" (ترجمہ: بیشک وہ جنھوں نے یہ بہتان باندھا ہے وہ تمھیں میں ایک گروہ ہیں اسے اپنے لیے بُرا نہ سمجھو بلکہ وہ تمھارے لیے اچھا ہے۔ اس کے بعد دس آیتیں اور تلاوت فرما کر خوش خوش مسجد نبوی تشریف لے گئے اور صحابۂ کرام کے جمّ غفیر میں خطبہ دیا۔ اس کے بعد نازل شدہ آیتوں کو صحابۂ کرام کے سامنے تلاوت فرمایا۔

مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برائت میں نازل ہونے والی آیتوں کو پڑھ چکے تو تہمت لگانے والوں کی گرفت فرمائی اور ان پر حدِ قذف جاری کی اور ہر ایک کو اسّی کوڑے لگوائے یہ چار آدمی تھے۔

یہ صدیقہ کی عظمت شان ہے کہ رب کریم نے ان کی براءت سے متعلق اٹھارہ آیات نازل فرمائیں اور صبح قیامت تک قرآن کریم کے لافانی الفاظ میں ان کی پاکدامنی کا خطبہ پڑھا جاتا رہے گا اور صرف کرسی و منبر پر نہیں بلکہ عین نماز میں جب مصلی ان آیات کی تلاوت کرے گا۔ صدیقہ کی عفت و عظمت کا اعلان ہوتا رہے گا اور اہل ایمان کو درس عبرت بھی ملے گا کہ حرم نبی کے بارے میں بدگمانی اور نبی و اہل نبی کی ایذا رسانی کا کیا شرمناک و المناک انجام ہوتا ہے۔

مسئلہ امام فخر الدین رازی نے اس مقام پر اور دوسرے علمار نے دوسرے مقامات پر صراحت فرمائی ہے کہ کسی نبی کی بیوی کا بدکار ہونا شرعًا محال ہے۔ اگرچہ مبتلائے کفر ہونا ممکن ہے۔ کیونکہ انبیائے کرام کفار کو اپنی نبوت اور خدا کی توحید کی طرف بلانے اور قریب کرنے کے لیے مبعوث ہوتے ہیں تو ضروری ہے کہ ہر ایسے عیب سے پاک ہوں جو دعوت و تبلیغ میں خلل انداز ہو اور کفار کے نزدیک بھی قابل نفرت ہو اور ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک کفر اگرچہ قابل نفرت نہیں مگر بیوی کا بدکار ہونا ضرور قابلِ نفرت ہے۔ لہٰذا حرم نبی کی عفت ضروری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

اور بدکاری محال ہے۔ عقائد کے اس اہم مسئلہ سے بھی یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ کی برأت کا پورا پورا علم ویقین تھا۔ کیونکہ نبی کو اس سے آگاہ ہونا ضروری ہے کہ کیا چیز شرعاً محال ہے اور کیا چیز ممکن ہے؟ جب حرم نبی کا بدکاری میں مبتلا ہونا شرعاً ناممکن ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا سب سے زیادہ علم ہوگا۔ اس پر عقائد کی کتابوں میں صراحت موجود ہے کہ نبی کا محالات شرعیہ سے بے خبر ہونا ممکن ہی نہیں۔ رہا یہ کہ پھر منافقین کے شور و غوغا سے حضور کو تنگ دلی و پریشانی کیوں تھی تو خود امام فخرالدین رازی علیہ الرحمہ تفسیر کبیر میں سپرد قلم فرما چکے ہیں کہ تنگ دل ہونا ہرگز اس بات کی دلیل نہیں کہ سرکار منافقین کی باتوں کو صحیح گمان کرنے لگے تھے۔ یا انہیں حضرت عائشہ صدیقہ کی برأت میں کوئی شک تھا۔ قلبی پریشانی تو سرکار کو کفار کی بہت ساری باتوں سے ہوتی تھی۔ حالانکہ سرکار قطعی طور پر جانتے تھے کہ کفار کے اقوال فاسد اور غلط ہیں۔ قرآن فرماتا ہے: "اور بے شک ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے تم دل تنگ ہوتے ہو" (آیت ۹۷ سورۂ حجر پ ۱۴) اسی طرح کی دل تنگی و پریشانی صدیقہ کے قصۂ افک میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو لاحق تھی (التفسیر کبیر ج ۲۳ ص ۱۷۳، طبع مصر) غور فرمائیں معتمد علماء امت کی اتنی واضح تصریحات کے باوجود ہمارے زمانے کے منافقین قصۂ افک کے بہانے علم نبوی کی عظمت کو گھٹانے کے درپے ہیں۔ عہد رسالت کے منافقین حرم رسالت کی عیب چینی میں مبتلا ہوئے اور آج کے منافقین علم نبی کی تنقیص میں پڑے ہوئے ہیں۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی وَھُوَ الْمُسْتَعَانُ۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور ہمارا عمل

راجہ رشید محمود

ہم فخر موجودات سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کی امت کے افراد ہیں۔ سرکار کی وجہ سے ہمارا تشخص قائم ہے۔ انھوں نے ہمیں صراطِ مستقیم دکھائی، خدا کی وحدانیت کا تصور ہمارے اذہان و قلوب میں راسخ کیا، ہمیں نیکی اور بدی کا فرق سمجھایا، ہمیں دنیا میں رہنا سکھایا اور آخرت میں کامیابی کے طریقے سمجھائے۔ لیکن محسن عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت کسی ایک قوم کے رہنما کی نہیں ہے انہیں خداوند کریم نے ساری کائنات کو گمراہی کے اندھیرے سے نکالنے کے لیے معبوث فرمایا۔ ان کا پیغام کسی طرح محدود نہیں ہے۔ اس کا دائرہ کار ہر شے کو محیط ہے۔ رب العالمین جل شانہ، نے انہیں رحمت للعالمین کہا۔ وہ سارے جہانوں کے لیے رحمت ہیں انھوں نے امن و سکون و عافیت کو اپنے حیطۂ اقتدار پر پھیلایا۔ سارے عالم ان کی رحمت سے متمتع ہوتے ہیں۔ جب رحمت عالم ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔ اگرچہ عرب اخلاقی اعتبار سے قعر مذلت میں گر چکے تھے، توحید خداوندی کا تصور ان کی زندگیوں میں عنقا تھا۔ ان کا وطن برائیوں اور بداعمالیوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ عرب ہی کی نہیں ساری دنیا میں یہی حالت تھی۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم صرف عرب ہی کی اصلاح کے لیے نہیں بھیجے گئے تھے۔ عرب اور غیر عرب سب اس میں شامل تھے پھر حضور چند برسوں یا ایک قرن اور عہد کے لیے معبوث نہیں کیے گئے۔ ان کی رسالت کا دائرہ تا قیام قیامت ہے۔ خداوند کریم نے دین کو ان پر مکمل کر دیا۔ انہیں انبیاء و رسل کا خاتم بنایا۔ حکم دے دیا کہ ان کے بعد نبوت کے دروازے بند ہو گئے ہیں اپنے محبوب کو بھیجکر اس نے یہ سلسلہ ہی ختم کر دیا۔

پھر خداوند قدوس نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجنے کو مسلمانوں پر احسان بتایا ہے۔ اپنے محبوب پاک کے رُخِ انور کو والشمس قرار دیا ہے ان کی زلفوں کو واللیل سے تشبیہہ دی ہے۔ یہ بھی حکم دیا ہے کہ مسلمانوں میں سے جو شخص اپنی جان پر کبھی ظلم

کر بیٹھے، وہ میرے محبوب کے پاس حاضر ہو، اللہ سے توبہ کرے، میرے محبوب سے معافی چاہے تو اللہ اس پر کرم کرے گا۔ خالق و مالک کائنات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میرے محبوب کا جو بندہ، اپنے آپ پر کوئی زیادتی کر بیٹھے اس سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے، وہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ ربّ کریم نے اپنے خلاف ترازہ خائی کرنے والوں کو کبھی کچھ نہیں کہا لیکن اس کے حبیب پاک کی جس شخص نے توہین کرنے کا ارادہ کیا۔ اللہ نے اس کے خلاف کہا بھی اور کیا بھی۔ اس نے لوگوں کو ہاتھ ٹوٹنے کی وعید بھی سنائی۔ اس نے عبرت کے لیے لوگوں کے ناکڑے پر نشان لگانے کی بات بھی کی اور ظاہر ہے کہ صاحب کُن کی بات درست بھی ثابت ہوئی۔ اس جبّار و قہار خدا نے ویسے تو یہ التزام کر رکھا ہے کہ لوگوں کے پردے رہ جائیں۔ قیامت کے دن بھی لوگ اپنی ماؤں کے نام سے پکارے جائیں گے لیکن جس خر نا شخص نے شہنشاہ کونین کو (نعوذ باللہ) مجنوں کہا تھا۔ خدا نے قرآن پاک میں اس کی پردہ دری کر دی ہے اور دنیا کو بتا دیا ہے کہ یہ شخص زنا کی اولاد ہے۔ غرض محبت کرنے والے نے اپنے محبوب کی تعریف میں جہاں فصاحت و بلاغت کے دریا بہائے ہیں وہاں حضور کی توہین و تضحیک کرنے والوں کو اپنے جلال کا رُخ دکھایا ہے۔

یہ ہماری خوش بختی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ہمیں ایسے جلیل القدر پیغمبر ایسے افضل البشر، ایسے امام الانبیاء، ایسے نور مجسم کی اُمت میں پیدا کیا۔ یہ بھی ہمارے مقدر کی بات ہے کہ اس نے ہمیں سرکار کی محبت عطا کی، ہم ان کا ذکر کرتے ہیں تو سراپا ادب بن کر ہم ان کا نام مبارک لیتے ہیں تو عقیدت و ارادت کی گہرائیوں سے، ہم سرکار کا اسم گرامی سن کر درود و سلام کے ڈونگرے نچھاور کرتے ہیں اور حب حضور کے ناموس کی خاطر مشیّت ہم سے قربانیاں طلب کرتی ہے تو ہم میں سے جو خوش قسمت ترین لوگ ہوتے ہیں جن کی محبت کو سرکار نے قبول فرما لیا ہوتا ہے۔ وہ اس سے کبھی گریز نہیں کرتے بلکہ ہنسی خوشی اپنی جان و مال و آبرو سرکار کے لیے نچھاور کرنا توشۂ آخرت سمجھتے ہیں۔

ہم ہر سال عید میلاد النبی کے موقع پر اپنی زندگی کا ثبوت دیتے ہیں۔ ہر شہر اور ہر قصبہ آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا کی ولادت کی خوشی میں بقعۂ نور بنا دیا جاتا ہے۔ ہر جگہ محافل میلاد منعقد ہوتی ہیں۔ رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پاک کر کے، ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو کر ہم اپنے خالق کی سنّت پر عمل کرتے ہیں۔ عید میلاد ہمارے لیے خوشیوں کا گہوارہ ہوتی ہے۔ مگر ہم میں سے بیشتر ایک کمزوری کا شکار ہیں۔ وہ عید میلاد پر سرکار کے ارشادات کی روشنی میں اپنے اعمال و افکار اور افعال و کردار کا جائزہ نہیں لیتے۔ حضور کی اُمت میں ہونے کی وجہ سے فخر کرتے ہیں۔ مگر یہ دیکھنا گوارہ نہیں کرتے ہیں کہ ہماری زندگیوں پر ایسے جرائم تو حاوی نہیں ہو گئے جن کی وجہ سے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں راندۂ درگاہ کر دیں۔ سلطان دارین کی نعت و مدحت اور ان کا ذکر پاک بالکل بجا اور بہت اچھا فعل ہے۔ لیکن ان کے احکام سے سرتابی، ان کے ارشادات سے قطع نظر، ان کی سنّت اور ان کے بتائے ہوئے فرائض سے صرف نظر کرنا کتنا بڑا جرم ہے۔ اس کا اندازہ کرنا ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے ضروری ہے۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ ہم کسی شخصیت کی تعریف بھی کریں، اس کو اپنا رہنما و مقتدا بھی قرار دیں۔ اس کے علوئے مرتبت کا احساس بھی کریں۔ اس کی بات کو ماننے سے عملاً انکار بھی کر دیں۔ یہ تو کوئی محبت نہ ہوئی کہ ممدوح کے احکام و ارشادات کو بالائے طاق رکھ دیا جائے۔ اس لیے عید میلاد النبی کے موقع پر ہمیں اس نقطۂ نظر سے بہ احتساب نفس کی بھی ضرورت ہے۔ ہم یہ بھی تو دیکھیں کہ ہم حضور پُر نور کی تعریف و توصیف کرنے والے عملاً کہاں کھڑے ہیں۔

کر بیٹھے، وہ میرے محبوب کے پاس حاضر ہو، اللہ سے توبہ کرے، میرے محبوب سے معافی چاہے تو اللہ اس پر کرم کرے گا۔ خالق و مالک کائنات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میرے محبوب کا جو بندہ، اپنے آپ پر کوئی زیادتی کر بیٹھے اس سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے، وہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ ربّ کریم نے اپنے خلاف ہرزہ سرائی کرنے والوں کو کبھی کچھ نہیں کہا لیکن اس کے حبیب پاک کی جس شخص نے توہین کرنے کا ارادہ کیا۔ اللہ نے اس کے خلاف کہا بھی اور کیا بھی۔ اس نے لوگوں کو ہاتھ ٹوٹنے کی وعید بھی سنائی۔ اس نے عبرت کے لیے لوگوں کے ناکڑے پر نشان لگانے کی بات بھی کی اور ظاہر ہے کہ صاحب کُن کی بات درست بھی ثابت ہوئی۔ اس جبّار و قہّار خدا نے ویسے تو یہ التزام کر رکھا ہے کہ لوگوں کے پردے رہ جائیں۔ قیامت کے دن بھی لوگ اپنی ماؤں کے نام سے پکارے جائیں گے لیکن جس خرِ نا مشخص نے شہنشاہ کونین کو (نعوذ باللہ) مجنوں کہا تھا۔ خدا نے قرآن پاک میں اس کی پردہ دری کر دی ہے اور دنیا کو بتا دیا ہے کہ یہ شخص زنا کی اولاد ہے۔ غرض محبت کرنے والے نے اپنے محبوب کی تعریف میں جہاں فصاحت و بلاغت کے دریا بہائے ہیں وہاں حضور کی توہین و تضحیک کرنے والوں کو اپنے جلال کا رُخ دکھایا ہے۔

یہ ہماری خوش بختی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ہمیں ایسے جلیل القدر پیغمبر ایسے افضل البشر، ایسے امام الانبیاء، ایسے نورِ مجسم کی اُمت میں پیدا کیا۔ یہ بھی ہمارے مقدر کی بات ہے کہ اس نے ہمیں سرکار کی محبت عطا کی، ہم ان کا ذکر کرتے ہیں تو سراپا ادب بن کر ہم ان کا نام مبارک لیتے ہیں تو عقیدت و سعادت کی گہرائیوں سے، ہم سرکار کا اسم گرامی سن کر درود و سلام کے ڈونگرے نچھاور کرتے ہیں اور حب حضور کے ناموس کی خاطر مشیت ہم سے قربانیاں طلب کرتی ہے تو ہم میں سے جو خوش قسمت ترین لوگ ہوتے ہیں جن کی محبت کو سرکار نے قبول فرما لیا ہوتا ہے۔ وہ اس سے کبھی گریز نہیں کرتے بلکہ ہنسی خوشی اپنی جان و مال و آبرو سرکار کے لیے نچھاور کرنا توشۂ آخرت سمجھتے ہیں۔

ہم ہر سال عید میلاد النبی کے موقع پر اپنی زندگی کا ثبوت دیتے ہیں۔ ہر شہر اور ہر قصبہ آقا و مولا علیہ التحیۃ والثنا کی ولادت کی خوشی میں بقعۂ نور بنا دیا جاتا ہے۔ ہر جگہ محافل میلاد منعقد ہوتی ہیں۔ رحمت عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پاک کر کے، ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو کر ہم اپنے خالق کی سنّت پر عمل کرتے ہیں۔ عید میلاد ہمارے لیے خوشیوں کا گہوارہ ہوتی ہے۔ مگر ہم میں سے بیشتر ایک کمزوری کا شکار ہیں۔ وہ عید میلاد پر سرکار کے ارشادات کی روشنی میں اپنے اعمال و افکار اور افعال و کردار کا جائزہ نہیں لیتے۔ حضور کی اُمت میں ہونے کی وجہ سے فخر کرتے ہیں۔ مگر یہ دیکھنا گوارہ نہیں کرتے ہیں کہ ہماری زندگیوں پر ایسے جراثیم تو حاوی نہیں ہو گئے جن کی وجہ سے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں راندۂ درگاہ کر دیں۔ سلطانِ دارین کی نعت و مدحت اور ان کا ذکرِ پاک بالکل بجا اور بہت اچھا فعل ہے۔ لیکن ان کے احکام سے سرتابی، ان کے ارشادات سے قطع نظر، ان کی سنّت اور ان کے بتائے ہوئے فرائض سے صرف نظر کرنا کتنا بڑا جرم ہے۔ اس کا اندازہ کرنا ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے ضروری ہے۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ ہم کسی شخصیت کی تعریف بھی کریں، اس کو اپنا رہنما و مقتدا بھی قرار دیں۔ اس کے علوئے مرتبت کا احساس بھی کریں۔ اس کی بات کو ماننے سے عملاً انکار بھی کر دیں۔ یہ تو کوئی محبت نہ ہوئی کہ ممدوح کے احکام و ارشادات کو بالائے طاق رکھ دیا جائے۔ اس لیے عید میلاد النبی کے موقع پر ہمیں اس نقطۂ نظر سے یہ احتساب نفس کی بھی ضرورت ہے، ہم یہ بھی تو دیکھیں کہ ہم حضور پُر نور کی تعریف و توصیف کرنے والے عملاً کہاں کھڑے ہیں۔

محبوب کبریا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا اخلاق کے فروغ کے لیے مبعوث کیے گئے۔ انھوں نے ہمیشہ اخلاق کے اصولوں کو بلکہ اخلاق کے اصولوں کی نیور کھی اللہ تعالیٰ نے ان کے خلق کو عظیم کہا۔ اب ہم سرکار کے محبوں کو اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھنا چاہیے کہ کہ ہم کہاں تک حضور کے اخلاق حسنہ کی پیروی کرتے ہیں اور کس کس جگہ اپنے اندر کمزوری پاتے ہیں پھر اس کمزوری کو رفع کرنا اور حضور کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کو مکمل طور پر اپنا شعار بنالینا ہمیں سچا مسلمان اور حضور کا سچا محب بنائے گا۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو صادق و امین کہنے والے صداقت و امانت کو کس حد تک اختیار کیے ہیں۔ دن بھر میں کتنی دفعہ دروغ گوئی سے کام نکالتے ہیں۔ بغض اور کینہ ہمارے ساتھی تو نہیں۔ غیبت کو اپنا کر ہم اپنے آقا کے ارشاد کے مطابق اپنے مردہ بھائی کا گوشت تو نہیں کھا رہے ہیں۔؟

جھوٹ بولنے والوں پر میرے آقا و مولا کے خالق و مالک نے لعنت کی ہے۔ سرکار نے جھوٹ سے اپنے پیروں کو ہمیشہ نفرت کرنے کی تلقین کی ہے پھر کہیں ہم اس گناہ سے آلودہ تو نہیں ہوتے جا رہے ہیں۔ حضور نے کسی مسلمان کے قتل عمد پر سخت وعیدیں دی ہیں، ہمارے اخبارات جو قتل و خون کی خبروں سے بھرے ہوتے ہیں کیا ہم کفار کو قتل کرتے ہیں؟

آقا نے یتیم کا مال نہ کھانے، کسی کا حق غصب نہ کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ کیا ہم اپنی عملی زندگیوں میں اس کا التزام کرتے ہیں؟ سرکار نے ہمیں معاشرت کے اصول بتائے ہیں معیشت کو مضبوط کرنے کی باتیں واضح کی ہیں۔ حکومت کرنا سکھایا ہے۔ ہر قسم کی تعلیم دی ہے مگر کہیں ہم اس تعلیم سے منہ تو نہیں موڑے بیٹھے ہیں۔ حسن معاشرت مسلمانوں کی انفرادیت ہے۔ ہمیں آقا نے بتایا ہے کہ نسل، رنگ یا مقام کے لحاظ سے مسلمانوں میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔ سب ایک ہی درخت کی شاخیں اور پتے ہیں۔ انھوں نے ہمیں بتایا ہے کہ ہم میں کوئی گورا یا کالا، مفلوک الحال اور عسرت زدہ ہو یا دولت مند اور باثروت سرزمین حجاز کا باسی ہو یا افریقہ کا رہنے والا، خط استواء کے قرب سے مستفید ہوتا ہو یا اس سے دور ہو۔ اگر متقی ہے نیکیوں کو شعار کیے ہوئے ہے۔ برائیوں سے بچتا ہے اور شرافت کی راہوں کا راہی ہے تو اللہ کے نزدیک اکرم ہے ورنہ ایک بہت بڑا اصفر ہے۔

رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ حاکمیت صرف اللہ جل شانہ، کی ہے۔ انسان دنیا میں اس کا نائب ہے۔ وہ نیابت کے فرائض ادا کرے گا۔ حاکم نہیں بن بیٹھے گا۔ صرف وہی قوانین مسلمانوں کے لیے لائق تسلیم ہیں جو خدا اور رسول نے بنائے ہیں پھر کیا ہمارے نزدیک حاکمیت کا معیار یہی ہے ہم اسی راہ کو اپنائے ہوئے ہیں یا کسی دوسری راہ پر افتخار و ابتہاج کا مظاہرہ کرتے ہیں؟ ممدوح خالق و مخلوق صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری معیشت کے اصول متعین فرما دیئے ہیں۔ اگر دولت کمانے کی حدود ہیں تو خرچ کرنے میں بھی رہنمائی ہے۔ ہم جہاں دولت ناجائز طریقوں سے کما نہیں سکتے، وہاں غیر پسندیدہ کاموں پر خرچ بھی نہیں کر سکتے۔ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاں ملکیت کی حد مقرر نہیں کی، وہاں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی اہمیت بھی بتائی ہے اور دولت کا ذخیرہ کرنے اور انبار رکھنے کے سلسلے میں وعیدیں بھی سخت رکھی ہیں۔ ہمیں یہ کہا گیا ہے کہ اپنی ضرورت سے زیادہ مال کو خدا کی راہ میں خرچ کر دو۔ مگر ساتھ ہی اسی کے بین السطور یہ قدغن بھی ہے کہ اپنی ضرورت کا مال اپنے لئے رکھو، اسے بھی دوسروں میں تقسیم نہ کر دینا کہ کہیں خود کنگلے نہ ہو جاؤ۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی راہ ہر لحاظ سے متوازن ہے۔ اس میں افراط و تفریط کی
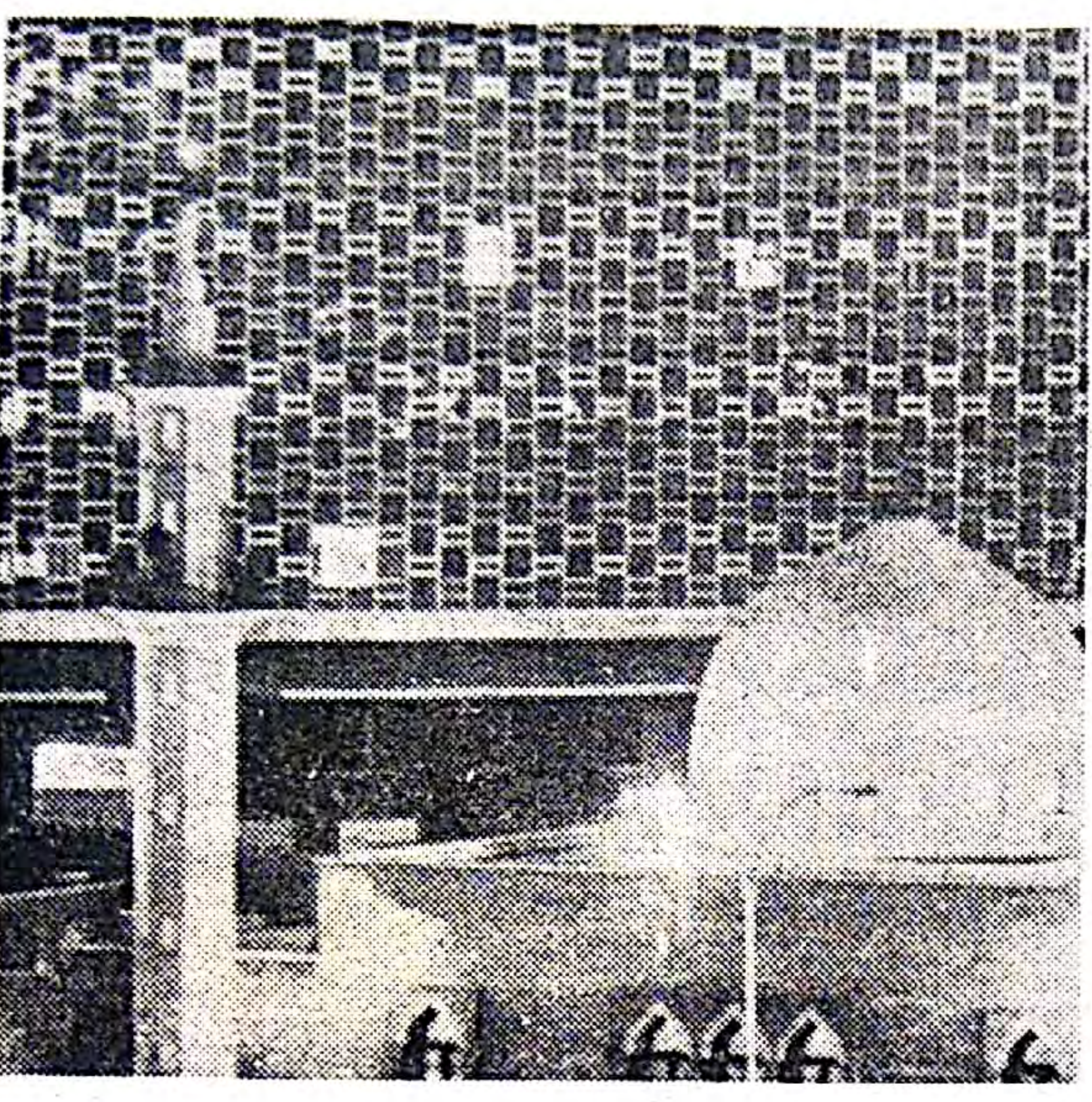
گنجائش نہیں۔ لیکن ہم حضور کے نام لیوا کیا کر رہے
ہیں؟ ہم حضور سے محبت کے دعویدار، ان کی عقیدت
پر مفتخر لوگ، عمل میں ان کے ارشادات کو حرزِ جاں
کیوں نہیں بناتے؟ ہم میں سے کچھ لوگ تو دنیا کے مال
کو اکٹھا کرنے میں شب و روز مصروف ہیں۔ اس
کے لیے وہ اپنے بھائیوں کی جیبیں کاٹتے ہیں۔ کھانے
پینے کی چیزوں حتیٰ کہ دوائیوں تک میں ملاوٹ کرتے
ہیں۔ ہر قسم کے ناجائز ذرائع استعمال کرتے ہیں کہ امیر
سے امیر تر بن جائیں۔ سامانِ تعیش کے استعمال سے سرکار
نے ہمیں شدت کے ساتھ منع فرمایا تھا مگر یہ اہلِ ثروت
کا اوڑھنا بچھونا بن گیا۔ ہم کمائی بھی ناجائز ذرائع سے
کرتے ہیں اور خرچ بھی غلط کاموں پر کرتے ہیں۔ خدا کی
راہ میں خرچ کرنے والے بہت کم ہوں گے اور بہت
کم خرچ کرتے ہوں گے۔ سرورِ کائنات نے دولت کی
گردش کے جو اصول بتائے۔ ہم اُن سے نفور ہیں۔ نتیجہ
یہ ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ گئی ہے
اور معیشت برباد ہو رہی ہے۔

ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جو حسد کرے وہ ہم میں سے نہیں۔" پھر ہم اس پر کبھی
غور تو کریں کہ سرکار کا نام لیتے ہیں۔ عید میلاد کے دن
میں شامل ہوتے ہیں، جلسے بھی کرتے ہیں اور سنتے ہیں،
نعتیں بھی پڑھتے ہیں۔ حضور کی خدمت میں ہدیۂ درود و سلام
بھی پیش کرتے ہیں۔ لیکن کہیں ایک دوسرے سے حسد
تو نہیں کرتے۔ کبھی یہ بھی تو دیکھیں کہ ہم پر دن بھر میں اس
مرض کے کتنے حملے ہوتے ہیں؟

حضور نے فرمایا کہ: "جو رحم نہیں کرتا، اس پر
رحم نہیں کیا جاتا۔" ہم نے کبھی غور کیا ہے کہ رحم سے
محروم ہونے کی کون سی منزل پر پہنچ چکے ہیں؟ سرکار
نے فرمایا۔ "شب برات کو اللہ سب کو بخش دیتا ہے،
سوائے کینہ پرور شخص کے۔" پھر ہم نے اپنے کرداروں
میں سے کینہ و بغض کی بیخ کنی کی ہے یا اپنے دلوں میں اس
کی تخم ریزی میں مصروف ہیں؟

فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک کامل و اکمل دین
لے کر آئے۔ انہوں نے تو ہر شعبۂ زندگی میں دنیا کی
پوری پوری رہنمائی فرمائی۔ اس میں کسی پہلو سے
کوئی خلا نہیں مگر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سرکار کی مدحت
بہت بڑی چیز ہے، بہت اچھا کام ہے۔ عید میلاد النبی
کی تقریبات کا انعقاد ہمارے لیے دنیا و آخرت میں
بھلائی کا پیش خیمہ ہے۔ ہم اگر حضور سے اُلفت و
ارادت کو اوڑھنا بچھونا نہیں بناتے تو ہم مسلمان کہاں
کے ہیں کہ خود خداوندِ قدوس نے ایمان کو حضور کی محبت
سے مشروط قرار دیا ہے۔ مگر صرف ان جلسوں اور محبت
کے خالی خولی دعووں سے تو سرکار ہم سے خوش نہیں
ہو سکتے۔ وہ عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے
ہم اگر اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے کسی حیثیت سے
زحمت بن جاتے ہیں تو ڈر ہے کہ سرکار ہمیں اپنانے ہی
سے انکار نہ کر دیں۔ ہمیں آقا کے پیغام پر عمل اور ان کی
سیرت کی پیروی کرنی چاہیے۔ اس کے بغیر ہمارے
دعوے باطل اور ہماری باتیں محض زبانی جمع خرچ ہی
کہلائیں گی۔ خداوندِ کریم ہمیں اسوۂ سرکار پر چلنے کی توفیق
عنایت فرمائے۔ آمین!

گنجائش نہیں۔ لیکن ہم حضور کے نام لیوا کیا کر رہے
ہیں؟ ہم حضور سے محبت کے دعویدار، ان کی عقیدت
پر مفتخر لوگ، عمل میں ان کے ارشادات کو حرزِ جاں
کیوں نہیں بناتے؟ ہم میں سے کچھ لوگ تو دنیا کے مال
کو اکٹھا کرنے میں شب و روز مصروف ہیں۔ اس
کے لیے وہ اپنے بھائیوں کی جیبیں کاٹتے ہیں۔ کھانے
پینے کی چیزوں حتیٰ کہ دوائیوں تک میں ملاوٹ کرتے
ہیں۔ ہر قسم کے ناجائز ذرائع استعمال کرتے ہیں کہ امیر
سے امیر ترین جائیں۔ سامان تعیش کے استعمال سے سرکار
نے ہمیں شدت کے ساتھ منع فرمایا تھا مگر یہ اہل ثروت
کا اوڑھنا بچھونا بن گیا۔ ہم کمائی بھی ناجائز ذرائع سے
کرتے ہیں اور خرچ بھی غلط کاموں پر کرتے ہیں۔ خدا کی
راہ میں خرچ کرنے والے بہت کم ہوں گے اور بہت
کم خرچ کرتے ہوں گے۔ سرورِ کائنات نے دولت کی
گردش کے جو اصول بتائے۔ ہم ان سے نفور ہیں۔ نتیجہ
یہ ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ گئی ہے
اور معیشت برباد ہو رہی ہے۔

ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو حسد کرے وہ ہم میں سے نہیں۔" پھر ہم اس پر کبھی
غور تو کریں کہ سرکار کا نام لیتے ہیں۔ عید میلاد کے دن
میں شامل ہوتے ہیں، جلسے بھی کرتے ہیں اور سنتے ہیں،
نعتیں بھی پڑھتے ہیں، حضور کی خدمت میں ہدیۂ درود و سلام
بھی پیش کرتے ہیں۔ لیکن کہیں ایک دوسرے سے حسد
تو نہیں کرتے۔ کبھی یہ کبھی تو دیکھیں کہ ہم پر دن بھر میں اس
مرض کے کتنے حملے ہوتے ہیں؟

حضور نے فرمایا کہ: جو رحم نہیں کرتا، اس پر
رحم نہیں کیا جاتا۔" ہم نے کبھی غور کیا ہے کہ رحم سے
محروم ہونے کی کون سی منزل پر پہنچ چکے ہیں؟ سرکار
نے فرمایا۔ شب برات کو اللہ سب کو بخش دیتا ہے،
سوائے کینہ پرور شخص کے۔" پھر ہم نے اپنے کرداروں
میں سے کینہ و بغض کی بیخ کنی کی ہے یا اپنے دلوں میں اس
کی تخم ریزی میں مصروف ہیں؟

فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک کامل و اکمل دین
لے کر آئے۔ انہوں نے تو ہر شعبۂ زندگی میں دنیا کی
پوری پوری رہنمائی فرمائی۔ اس میں کسی پہلو سے
کوئی خلا نہیں مگر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سرکار کی مدحت
بہت بڑی چیز ہے، بہت اچھا کام ہے۔ عید میلاد النبی
کی تقریبات کا انعقاد ہمارے لیے دنیا و آخرت میں
بھلائی کا پیش خیمہ ہے۔ ہم اگر حضور سے الفت و
ارادت کو اوڑھنا بچھونا نہیں بناتے تو ہم مسلمان کہاں
کے ہیں کہ خود خداوند قدوس نے ایمان کو حضور کی محبت
سے مشروط قرار دیا ہے۔ مگر صرف ان جلسوں اور محبت
کے خالی خولی دعووں سے تو سرکار ہم سے خوش نہیں
ہو سکتے۔ وہ عالمین کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے
ہم اگر اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے کسی حیثیت سے
زحمت بن جاتے ہیں تو ڈر ہے کہ سرکار ہمیں اپنانے ہی
سے انکار نہ کر دیں۔ ہمیں آقا کے پیغام پر عمل اور ان کی
سیرت کی پیروی کرنی چاہیے۔ اس کے بغیر ہمارے
دعوے باطل اور ہماری باتیں محض زبانی جمع خرچ ہی
کہلائیں گی۔ خداوند کریم ہمیں اسوۂ سرکار پر چلنے کی توفیق
عنایت فرمائے۔ آمین!

تضمین بر سلام اعلحضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

عزت مآب عالیجناب محمد عثمان عارف صاحب نقشبندی (گورنر اتر پردیش)

مکرمی و محترمی مولانا ظہیر الدین قادری صاحب! سلام مسنون

طپش صاحب کا محبت نامہ آیا تھا کہ "رسول عربی نمبر" کیلئے نعت یا مضمون بھیجوں چنانچہ اعلحضرت پر تضمین بھیج رہا ہوں۔ کیونکہ جو نمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کیلئے مختص کر دیا گیا ہے۔ اس میں شرکت عین سعادت و ثواب سمجھتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ پسند فرمائیں گے "رسول عربی نمبر" کا بیتابی سے انتظار ہے۔ خیر اندیش عارف

راز دارِ حقیقت پہ لاکھوں سلام — رہنمائے طریقت پہ لاکھوں سلام
تاجدارِ شریعت پہ لاکھوں سلام — "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام"

فخرِ انساں کی عظمت پہ لاکھوں سلام — اُن کے ایثار و خدمت پہ لاکھوں سلام
اُن کی ہر اک مصیبت پہ لاکھوں سلام — "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام"

اُف قیامت کا منظر پناہِ خدا — ہوش بکھرے ہوئے سب کے محشر بپا
شانِ رحمت کا کہنا ہی کیا مرحبا — "جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آ گیا
اُس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام"

مالکِ فرش و عرشِ علیٰ پر درود — اُن کے کردار کی ہر ادا پر درود
پاکبازیٔ نورِ خدا پر درود — "نیچی نظروں کی شرم و حیا پر درود
اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام"

کیا جمالِ محمد ہے؟ ثانی کہاں چہرۂ پاک قرآن کا ترجماں
خندۂ مصطفٰےؐ! کھِل پڑا گلستاں "پتلی پتلی گُلِ قدس کی پتیاں"
ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام"

جس کے آگے جُھکے آسمانِ بریں جس کے ادنیٰ اشارے پہ روئے زمیں
جس کو حق نے کہا رحمت العالمیں "اس کو بارِ دو عالم کی پروا نہیں
اس کے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام"

بھوکے پیاسوں کا غم کس قدر دل میں تھا آیا سائل تو مُنہ کا نوالہ دیا
بادشاہو! یہ شاہی تو دیکھو ذرا "کل جہاں مِلک اور جَو کی روٹی غذا
اُس شِکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام"

جس کی خاطر دُعا کی سخی کر دیا دین و دنیا کے غم سے بَری کر دیا
چشمِ الطاف ڈالی وَلی کر دیا "ہاتھ جس سمت اُٹھا غنی کر دیا
موجِ بحرِ سخاوت پہ لاکھوں سلام"

بزم میلاد کی دھوم صلِّ علیٰ ہے زمیں تا فلک نور کا سلسلہ
بیٹھو عارفؔ ادب سے سُنو یہ صدا "مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضاؔ
مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام"

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور نجران کے نصاریٰ

مولانا ریحان گلشن آبادی

حضور پرنور سے منسوب عصاء مبارک
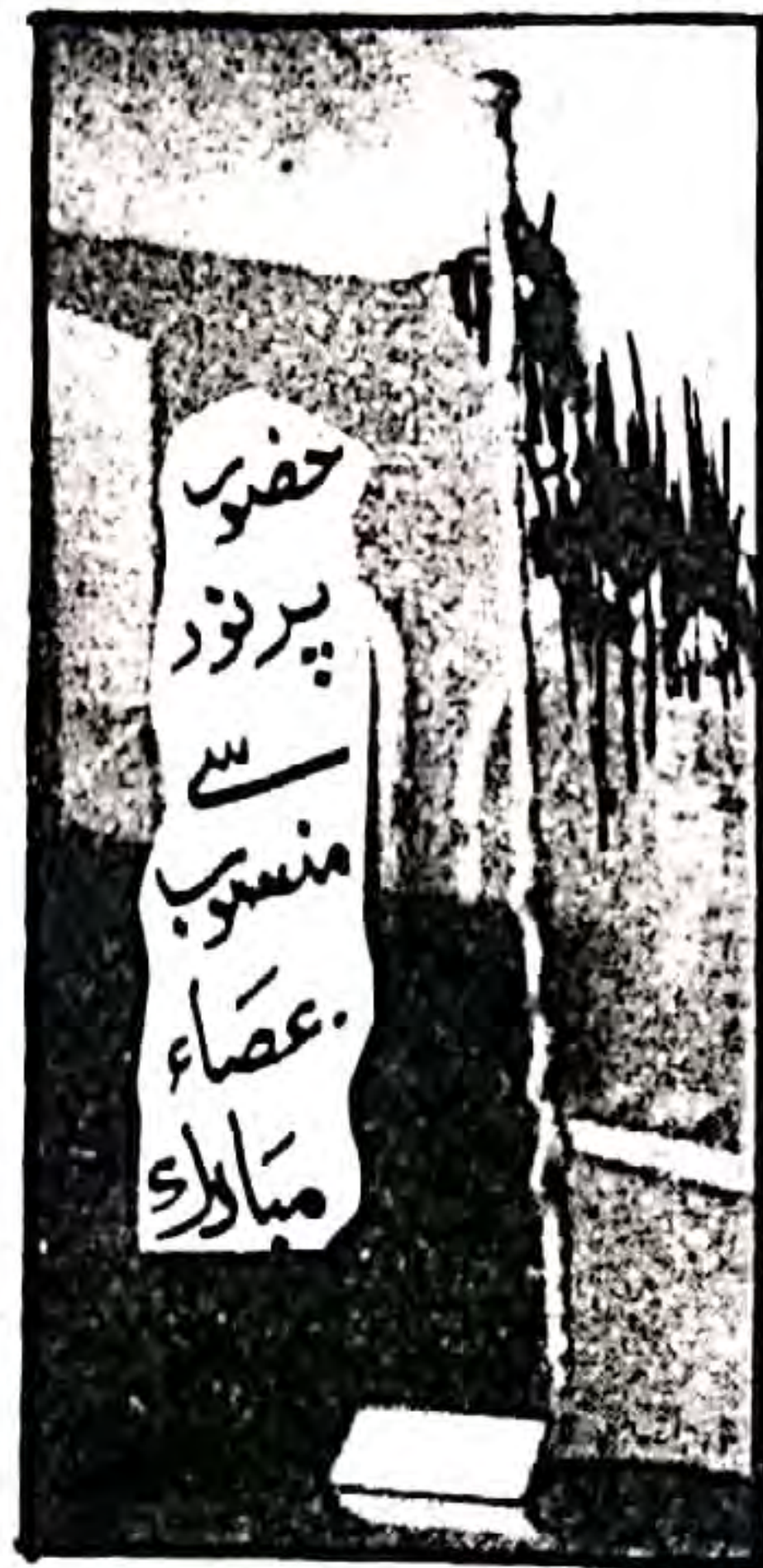
۹ سنہ ہجری میں ایک وفد نجران سے آیا جس میں ۶۰ سوار ۲۴ شرفا رمعززین' اور تین ایسے اشخاص. جن کے ہاتھوں میں. نجران کے نصاریٰ کا مذہبی اور قومی سارا نظام تھا. ایک عاقب جس کا نام عبدالمسیح تھا. دوسرا جس کا نام ایہم تھا. اور تیسرا ابوحارثہ بن علقمہ (تفسیر جلالین. اور تفسیر سیّد محمد نعیم الدین صاحب. سورہ آل عمران. الفرقان. کنزالایمان (صفحہ ۲۶ آیت مباصلہ. ترجمہ اعلحضرت فاضل بریلوی)

ترجمہ. پھر اے محبوب. جو تم سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے بارے میں حجت کریں. بعد اس کے. کہ تمہیں علم آچکا. تو اِن سے فرمادو. آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے. اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں. اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں. پھر مباہلہ کریں. تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں. یہ واقعہ ۹ سنہ ہجری کا ہے. اس وفد کو نہایت خوش اسلوبی کیساتھ. فہمائش کی حجت تمام ہونے پر اور مباحثہ سے بھی کچھ نتیجہ نہ نکلنے پر رب العالمین نے بہ ذریعہ وحی. آیت مباہلہ. نازل فرمائی. اسمیں سرکار کون ومکاں نے. بحکم رب. آیت مبارکہ کی ترتیب کیساتھ ایک ایسا نورانی مرقع تجویز کیا. کہ اُبنائنا میں. سبط اصغر حسین کو آغوش میں لے لیا. اور سبط اکبر حسن کی اُنگلی پکڑی. نسائنا میں. سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو آپنے عقب میں رکھا. جو سر سے لیکر پیر تک ایک چادر میں مکمل پردہ کئے ہوئے. اور انفسنا میں. حضرت علی کرم کو سیدہ کو پیچھے رکھا اِسطرح سے آپ یہ فرماتے ہوئے. کہ میں دعا کروں تم آمین کہنا بیت الشرف سے نمودار ہوئے. چشم فلک نے ایسا نظارہ پھر نہیں دیکھا. سورج کی روشنی رخ شمس الضحیٰ کی تابانی اور نورانیت کیسامنے. ماند ہوچکی تھی. اسلیئے کہ چہرۂ مصطفےٰ رحمت عالم پر. جلال ربانی جلوہ گر تھا. اور نصاریٰ نجران نے جب رُخ پُرضیار پر نظر کی. تو اپنے احساسات کے اظہار کیلیئے لب کشا ہوئے. تو وہی عاقب عبدالمسیح. اپنی قوم سے گویا ہوا کہ اے قوم. میں ایسے صداقت والے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ اسوقت (جبل) پہاڑ کی جانب اپنی انگشت سے خفیف سا اشارہ کردیں. تو یقین کرو. کہ یہ پہاڑ ہی اِنکے ادنیٰ سے اشارے پر چلنے لگے. بہتر یہی ہے کہ اِن سے مباہلہ نہ کرو. لہٰذا. تاریخ میں ہے کہ جزیہ دینا منظور کرلیا مگر مباہلہ نہ کیا. سرورِ کائنات فرماتے ہیں. کہ عذاب قریب آچکا تھا. اور ایک سال میں تمام نصاریٰ ہلاک ہوجاتے اِس معرکہ میں. بغیر اسلحہ استعمال کئے. مکمل کامیابی ہوئی. اِس واقعہ میں. فخر کل. ختم رسل کی صداقت رسالت کی کسقدر عظیم شہادت ہے.
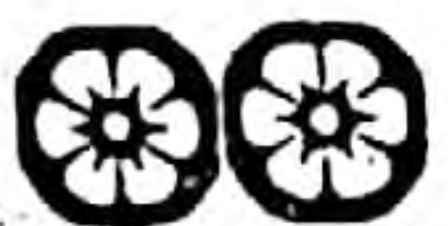
محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور میثاقِ انبیاء

اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ

قال تبارک و تعالیٰ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ط قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْہَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰہِدِیْنَ ط فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْفٰسِقُوْنَ ہ

"اور یاد کر اے محبوب! جب خدا نے عہد لیا پیغمبروں سے کہ جو میں تم کو کتاب وحکمت دوں پھر تمہارے پاس آئے رسول تصدیق فرماتا اس کی جو تمہارے ساتھ ہے۔ تو تم ضرور ہی اس پر ایمان لانا اور بیشک ضرور اس کی مدد کرنا۔ پھر فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب انبیاء نے عرض کی کہ ہم ایمان لائے فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ۔ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں۔ اب جو اس کے بعد پھرے گا تو وہی لوگ بے حکم ہیں۔"

امام اجل ابو جعفر طبری وغیرہ محدثین اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولی المسلمین امیر المومنین جناب مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے راوی لم یبعث اللہ نبیا من آدم فمن دونہ الا اخذ علیہ العہد فی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لئن بعث وھو حی لیومنن بہ ولینصرنہ ویاخذ العہد بذلک علی قومہ۔

"یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لے کر آخر تک جتنے انبیاء بھیجے سب سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں عہد لیا کہ اگر یہ اس نبی کی زندگی میں مبعوث ہوں تو وہ ان پر ایمان لائے اور ان کی مدد کرے اور اپنی امت سے اس مضمون کا عہد لے۔"

اسی طرح حبر الامہ عالم القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہوا۔ رواہ ابن جریر و ابن عساکر وغیرہما۔ بلکہ امام بدر زرکشی وحافظ عماد بن کثیر وامام الحفاظ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اسے بخاری کی طرف نسبت کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ونحوہ اخرج الامام ابن ابی حاتم فی التفسیر عن السدی کما اوردہ الامام الاجل السیوطی فی الخصائص الکبریٰ۔

اس عہد ربانی کے مطابق ہمیشہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء نشر مناقب وذکر مناصب سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین سے رطب اللسان رہتے۔ اور اپنی پاک مجالس ومحافل ملائک منزل کو حضور کی یاد ومدح سے زینت دیتے اور اپنی امتوں سے حضور پر نور پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد لیتے۔ یہاں تک کہ وہ پچھلا مژدہ رساں، کنواری بتول کا ستھرا بیٹا، مسیح کلمۃ اللہ علیہ صلوات اللہ مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد کہتا تشریف لایا۔ اور جب ستارے روشن مہ پارے کمن غیب میں گئے آفتاب عالمتاب خمیت نے باہزاراں ہزار جاہ وجلال طلوع اجلال فرمایا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین وبارک وسلم دھر الداھرین۔

ابن عساکر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی لم یزل اللہ یتقدم فی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فی آدم من بعدہ ولم تزل الامم تتباشر بہ وتستفتح
بہ حتی اخرجہ اللہ فی خیر امۃ وفی خیر قرون وفی خیر
اصحاب وفی خیر بلد۔

"ہمیشہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آدم اور
ان کے بعد کے سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے پیش گوئی فرماتا
رہا۔ اور قدیم سے سب امتیں تشریف آوری حضور کی خوشیاں
مناتیں اور حضور کے توسل سے اپنے اعداء پر فتح مانگتی آئیں۔ یہاں
تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو بہترین امم و بہترین قرون و بہترین
اصحاب و بہترین بلاد میں ظاہر فرمایا صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
اور اس کی تصدیق قرآن عظیم میں ہے وکانوا من قبل
یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءھم ما عرفوا
کفروا بہ فلعنۃ اللہ علی الکفرین۔

"یعنی اس نبی کے ظہور سے پہلے کافروں پر اس کے وسیلہ
سے فتح چاہتے۔ پھر جب وہ جانا پہچانا ان کے پاس تشریف
لایا، منکر ہو بیٹھے تو خدا کی پھٹکار منکروں پر۔"

علماء فرماتے ہیں جب یہود مشرکوں سے لڑتے دعا کرتے
اللھم انصرنا علیھم بالنبی المبعوث فی آخر الزمان
الذی نجد صفتہ فی التوراتہ

"الٰہی ہمیں مدد دے ان پر صدقہ اس نبی آخر الزمان کا جس کی
نعت ہم توریت میں پاتے ہیں۔"

اس دعا کی برکت سے انھیں فتح دی جاتی۔ اسی پیمان الٰہی کا سبب
ہے کہ حدیث میں آیا حضور سید المرسلین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے فرمایا۔ والذی نفسی بیدہ لو ان موسیٰ کان الیوم
ما وسعہ الا ان یتبعنی۔ "قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان
ہے۔ آج اگر موسیٰ دنیا میں ہوتے میری پیروی کے سوا ان کو کچھ گنجائش
نہ ہوتی۔ اخرجہ الامام احمد والدارمی والبیھقی فی
شعب الایمان عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنھما
وابو نعیم فی دلائل النبوۃ واللفظ لہ عن امیر المؤمنین
عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور یہی باعث ہے
کہ جب آخر الزمان میں حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول
فرمائیں گے باآنکہ بدستور منصب رفیع نبوت و رسالت پر ہوں
گے حضور پر نور سید المرسلین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی
بن کر رہیں گے حضور ہی کی شریعت پر عمل کریں گے حضور کے
ایک امتی و نائب امام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

حضور سید المرسلین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کیف
انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم کیسا
حال ہوگا تمہارا جب ابن مریم تم میں اتریں گے۔ اور تمہارا امام تم
میں سے ہوگا۔ اخرجہ الشیخان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ
تعالیٰ عنہ اور اس عہد واثق کی پوری تائید و توکید حق
عز جلالہ نے توریت مقدس میں فرمائی۔

امام علامہ تقی الملۃ والدین ابو الحسن علی بن عبد الکافی سبکی
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک نفیس رسالہ
"التعظیم والمنۃ فی لتؤمنن بہ ولتنصرنہ" لکھا
اور اس میں آیت مذکورہ سے ثابت فرمایا کہ ہمارے حضور صلوٰۃ
اللہ وسلامہ علیہ سب انبیاء کے نبی ہیں۔ اور تمام انبیاء و مرسلین
اور ان کی امتیں سب حضور کے امتی حضور کی نبوت و رسالت
زمانہ سیدنا ابو البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روز قیامت تک جمیع
خلق اللہ کو عام شامل ہے۔ اور حضور کا ارشاد وکنت نبیاً و
آدم بین الروح والجسد اپنے معنی حقیقی پر ہے۔ اگر ہمارے
حضور حضرت آدم و نوح و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہم
وسلم کے زمانہ میں ظہور فرماتے تو ان پر فرض ہوتا کہ حضور پر ایمان
لاتے۔ اور حضور کے مددگار ہوتے۔ اسی کا اللہ تعالیٰ نے
عہد لیا تھا اور حضور کے نبی الانبیاء ہونے کا ہی باعث ہے، کہ
شب اسریٰ تمام انبیاء و مرسلین نے حضور کی اقتدا کی اور اس کا
پورا ظہور روز نشور ہوگا۔ جب حضور کے زیر لواء آدم ومن سوا
کافہ رسل و انبیاء ہوں گے۔ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

یہ رسالہ نہایت نفیس کلام پر مشتمل ہے جسے امام جلال الدین
سیوطی نے خصائص کبریٰ اور امام شہاب الدین قسطلانی نے مواہب
لدنیہ اور ائمہ مابعد نے اپنی تصانیف منیعہ میں نقل کیا۔ اور اسے
نعمت عظمیٰ و مواہب کبریٰ سمجھا۔ من شاء التفصیل فلیرجع
الی کلماتھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین۔

بالجملہ مسلمان بنگاہِ ایمان اس آیہ کریمہ کے مفادات عظیمہ

پر غور کیجیے۔ صاف صریح ارشاد فرما رہی ہے کہ محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اصل الاصول ہیں۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم رسولوں کے رسول ہیں۔ امتیوں کو جو نسبت انبیاء و رسل سے ہے وہ نسبت انبیاء و رسل کو اس سید الکل سے ہے۔ امتیوں پر فرض کرتے ہیں۔ رسولوں پر ایمان لاؤ۔ رسولوں سے عہد و پیمان لیتے ہیں۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گرویدگی فرماؤ۔ غرض صاف صاف جتا رہے ہیں کہ مقصود اصلی ایک وہی ہیں باقی تم سب تابع و طفیلی ہے۔

مقصود ذات اوست دگر جملگی طفیل

اقول وباللہ التوفیق: پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ اس مضمون کو قرآن عظیم نے کس قدر مہتم بالشان ٹھہرایا۔ اور طرح طرح سے موکد فرمایا۔

اولاً: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء معصومین ہیں۔ زنہار حکم الٰہی کا خلاف ان سے محتمل نہیں، کافی تھا کہ رب تبارک وتعالیٰ بطریق امر انھیں ارشاد فرماتا۔ اگر وہ نبی تمہارے پاس آئے، اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا مگر اس قدر پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ ان سے عہد و پیمان لیا۔ یہ عہد عہد اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے بعد دوسرا ایمان تھا۔ جیسے کلمۂ طیبہ میں لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ۔ تاکہ ظاہر ہو کہ تمام ماسوی اللہ پہلا فرض ربوبیت الٰہیہ کا اذعان ہے۔ پھر اس کے برابر رسالت محمدیہ پر ایمان۔ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبارک وشرف وبجل وعظم۔

ثانیاً: اس عہد کو لام قسم سے موکد فرمایا لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ جس طرح نوابوں سے بیعت سلاطین پر قسمیں لی جاتی ہیں۔ امام سبکی فرماتے ہیں شاید سوگندِ بیعت اسی آیت سے ماخوذ ہوئی ہے۔

ثالثاً: نون تاکید۔

رابعاً: وہ بھی ثقیلہ لاکر ثقیل تاکید کو اور دوبالا فرمایا۔

خامساً: یہ کمال اہتمام ملاحظہ کیجیے کہ حضرات انبیاء ابھی جواب نہ دینے پائے کہ خود ہی تقدیم فرما کر پوچھتے ہیں ءَاَقْرَرْتُمْ کیا تم اس امر پر اقرار لاتے ہو یعنی کمال تعجیل و تسجیل مقصود ہے۔

سادساً: اس قدر پر بھی بس نہ فرمائی بلکہ ارشاد ہوا وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ خالی اقرار نہیں بلکہ اس پر میرا بھاری ذمہ لو۔

سابعاً: علیہ یا علیٰ ھٰذا کی جگہ علیٰ ذٰلکم فرمایا کہ بُعد اشارت دلیل عظمت ہو۔

ثامناً: اور ترقی ہوئی کہ فَاشْهَدُوْا ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ۔ حالانکہ معاذ اللہ اقرار کر کے مکر جانا ان پاک مقدس جنابوں سے معقول نہ تھا۔

تاسعاً: کمال یہ ہے کہ فقط ان کی گواہیوں پر بھی اکتفا نہ ہوئی بلکہ ارشاد فرمایا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں۔

عاشراً: سب سے زیادہ نہایت کار یہ ہے کہ اس قدر عظیم جلیل تاکیدوں کے بعد باآنکہ انبیاء کو عصمت عطا فرمائی۔ یہ سخت شدید تہدید بھی فرما دی گئی۔ کہ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ اب جو اس اقرار سے پھرے گا فاسق ٹھہرے گا۔

اللہ اللہ! یہ وہی اعتنائے تام و اہتمام تمام ہے جو باری تعالیٰ کو اپنی توحید کے بارے میں منظور ہوا۔ کہ ملائکۂ معصومین کے حق میں ارشاد کرتا ہے وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ۔ "جو ان میں سے کہے گا میں اللہ کے سوا معبود ہوں اسے ہم جہنم کی سزا دیں گے۔ ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ستمگاروں کو"۔ گویا ارشاد فرماتے ہیں جس طرح ہمیں ایمان کے جزء اول لا الٰہ الا اللہ کا اہتمام ہے یونہی جزء دوم محمد رسول اللہ سے اعتنائے تام ہے۔ میں تمام جہاں کا خدا کہ ملائکۂ مقربین بھی میری بندگی سے سر نہیں پھیر سکتے۔ اور میرا محبوب سارے عالم کا رسول و مقتدا کہ انبیاء و مرسلین بھی اس کی بیعت، و خدمت کے محیط دائرہ میں داخل ہوئے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تعالیٰ علیٰ سید المرسلین محمد و آلہ وصحبہ اجمعین۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان سیدنا محمداً عبدہ ورسولہ سید المرسلین، و خاتم النبیین واکرم الاولین والآخرین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین اس سے بڑھ کر حضور کی سیادت عامہ وفضیلت تامہ پر کونسی دلیل درکار ہے۔ وللہ الحجۃ البالغہ۔

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت
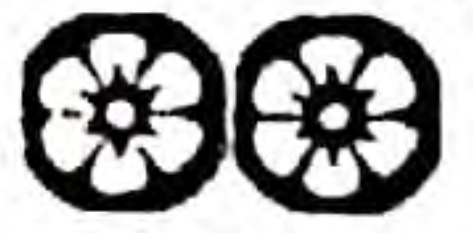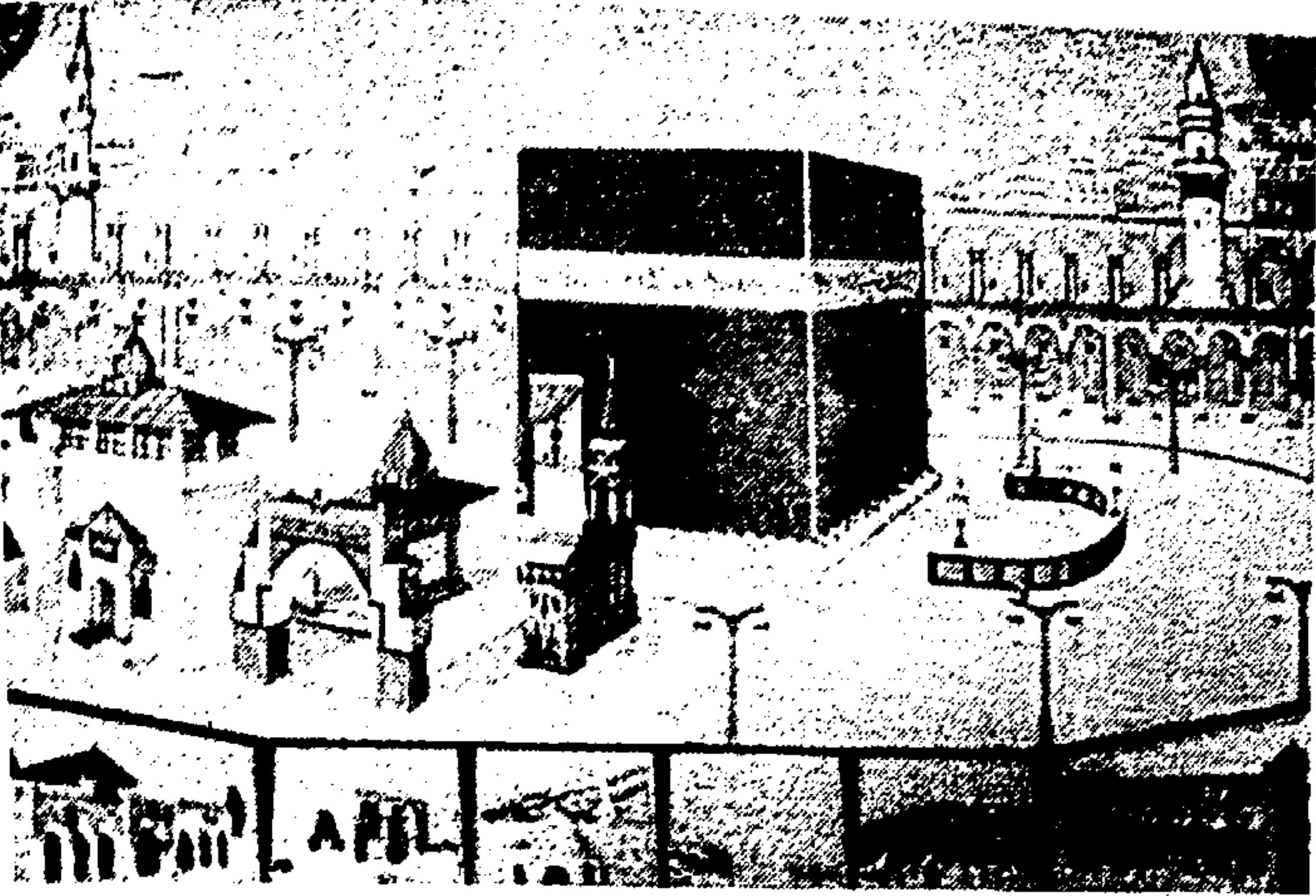
دینِ حق کی شرطِ اوّل

پروفیسر مسعود احمد صاحب

محبت حیرت انگیز اثر رکھتی ہے ـــ اور جب وہ انسان کے فکر و شعور پر چھا جاتی ہے تو محبوب کے سوا کچھ نظر نہیں آتا ؎

آئی جو ان کی یاد تو آتی چلی گئی
ہر نقشِ ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

محبت کی نظر محبوب پر رہتی ہے ـــ وہ دیکھتی ہے کہ محبوب کیا کہہ رہا ہے! ـــ محبوب کیا کر رہا ہے! ـــ جو جو وہ کہتا اور کرتا ہے، یہ بھی وہی کہتی اور کرتی چلی جاتی ہے۔ اس کے دل میں کوئی وسوسہ نہیں آتا ـــ تمام اندیشوں سے پاک مردانہ وار آگے بڑھتی ہے ؎

حیات کیا ہے؟ خیال و نظر کی مجذوبی!
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گوناگوں

چشمِ عالم نے ایسے حیرت ناک مناظر دیکھے ہیں ـــ یہ محبت ہی کی جلوہ گری تھی۔ کہ ابراہیم علیہ السلام نے آگ کو آگ نہ سمجھا یہ محبت ہی کی کرشمہ سازی تھی کہ اسماعیل علیہ السلام نے جان کو جان نہ سمجھا ـــ عقل کہتی ہے، یہ کیا ہو گیا! محبت کہتی ہے، یہی ہونا چاہیے تھا، ہاں

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

جس طرح کشش ثقل سے نظامِ عالم برقرار ہے اسی طرح محبت کی کشش سے عالمِ انسانیت قائم و دائم ہے ـــ مثالی معاشرے کے لئے ضروری ہے کہ قلب و نظر کا ایک اور صرف ایک مرکز ہو وہی ایک جس کی نظیر نہیں ـــ وہی ایک جس کی مثال نہیں ماضی میں نہ حال میں اور نہ مستقبل میں ـــ جو ایک سے وابستہ ہو گیا، وہ در در کی ٹھوکروں سے آزاد ہو گیا ـــ یہ وہی تو ایک ہے کہ جب دنیا والے اس کو ٹھکرا رہے تھے تو اس کا مولیٰ اس کو آفتابِ عالمتاب بنا رہا تھا ـــ ہاں وہ افقِ عالم سے آفتابِ ہدایت بن کر ابھرا اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے عالم پر چھا گیا اور آن کی آن میں گرتی ہوئی قوم کو اس بلندی پر لے گیا کہ سارے عالم نے اس کو ابھرتے چڑھتے اور سرفراز ہوتے دیکھا ـــ ہمارے دلوں میں وہی تھا ـــ مگر اب

کیا ہو گیا ـــ ؟ خلوت خانۂ دل میں سب ہی ہیں مگر وہ نہیں
تو آؤ خانۂ دل صاف کریں اور اس کو بسائیں جو بسانے کے قابل ہے ـــ یہ وہی ہے جس کی خوشبو سے دو عالم کی فضائیں مہکتی تھیں ـــ یہ وہی ہے جس نے ڈوبتی دنیا کو سہارا دیا ـــ یہ وہی ہے جس نے اندھیروں میں اجالا کیا ـــ یہ وہی ہے جس نے جاں بلب انسانیت کو زندگی بخشی ـــ یہ وہی ہے جس نے وحشیوں کو جینا سکھایا اور غلاموں کو جہاں آرا وجہاں بان بنایا ـــ یہ وہی ہے جس نے خود کچھ نہ رکھا سب کچھ لٹا دیا ـــ جس نے ہماری آسائش کے لئے اپنا آرام تک تج دیا ـــ ہاں یہ محبوب دل لگانے ہی کے قابل ہے ـــ پیروی واطاعت ہی کے لائق ہے ـــ جاں نثاری اور فداکاری ہی کے سزاوار ہے ؎

مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

سنو! سنو قرآن کیا کہہ رہا ہے!

(۱) قل ان کان آباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموها وتجارة تخشون كسادها ومساكن ترضونها احب اليكم من الله ورسوله وجهاد في سبيله فتربصوا حتى ياتي الله بامره والله لا يهدي القوم الفسقين ۝

"آپ فرما دیجئے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ تجارت جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے من بھاتے مکان ـــ اگر یہ سب چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری معلوم ہوتی ہوں تو پھر راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم نافذ کرے۔ اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا"

بلا شبہ محبت رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جان ایمان ہے اور اطاعت اس محبت کا عملی مظہر ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:-

(ب) اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول (سورۃ النساء)

"فرما دیجئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو"

(ج) من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (سورۃ النساء)

"جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی"

(د) ما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا (سورۃ الحشر)

"یہ رسول جو تمہیں دے لے لو اور جس سے منع کرے بچتے رہو"

ہاں بیشک سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ اسی لئے آپ نے جلال رسالت میں فرمایا:-

(۱) الا انی اوتیت القران ومثله معه الا یوشك رجل شبعان علی اریکته یقول علیکم بهذا القران فما وجدتم فیه من حلال فاحلوه وما وجدتم فیه من حرام فحرموه وان ما حرم رسول الله کما حرم الله (الترمذی، الامام الحافظ محمد بن عیسیٰ: الجامع الصحیح، ج ۲، ص ۳۸۱)

سن لو مجھے قرآن عطا ہوا ہے اور قرآن کے ساتھ اس کا مثل ـــ خبردار! کوئی پیٹ بھرا اپنے تخت پر پڑا یہ کہے گا کہ بس قرآن لئے رہو، جو اس میں حلال پاؤ اسے حلال جانو۔ جو حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔ حالانکہ جو چیز اللہ کے رسول نے حرام کی ہے وہ ایسی ہی ہے جیسے اللہ نے حرام کی ہو"

(ب) ایحسب احدکم متکئا علی اریکته یظن ان الله لم یحرم شیئا الا ما فی هذا القران الا وانی والله قد امرت ووعظت ونهیت عن اشیاء انها کمثل القرآن او اکثر

(سنن ابو داؤد ج ۲، ص ۱۶۵)

"کیا تم سے کوئی تخت پر تکیہ لگائے گمان کرتا ہے کہ اللہ نے بس یہی چیزیں حرام کی ہیں جو قرآن میں لکھی ہوئی ہیں؟ سن لو! خدا کی قسم میں نے حکم دیئے، نصیحتیں کیں اور بہت چیزوں سے منع کیا کہ وہ قرآن کی حرام کی ہوئی چیزوں کے برابر بلکہ ان سے زیادہ ہیں ـــ"

ان کو ایک آن پسند نہیں کہ ان کے چاہنے والے ان سے صرف نظر کرلیں اور دوسروں کی چاہت کا دم بھریں ـــ دیکھو وہ کیا فرما رہے ہیں:-

فمن رغب عن سنتی فلیس منی (نسائی مطبوعہ کراچی ج ۲ ص ۶۸)

"جو میرے قدم بقدم نہیں چلتا وہ میرا ہے ہی نہیں"
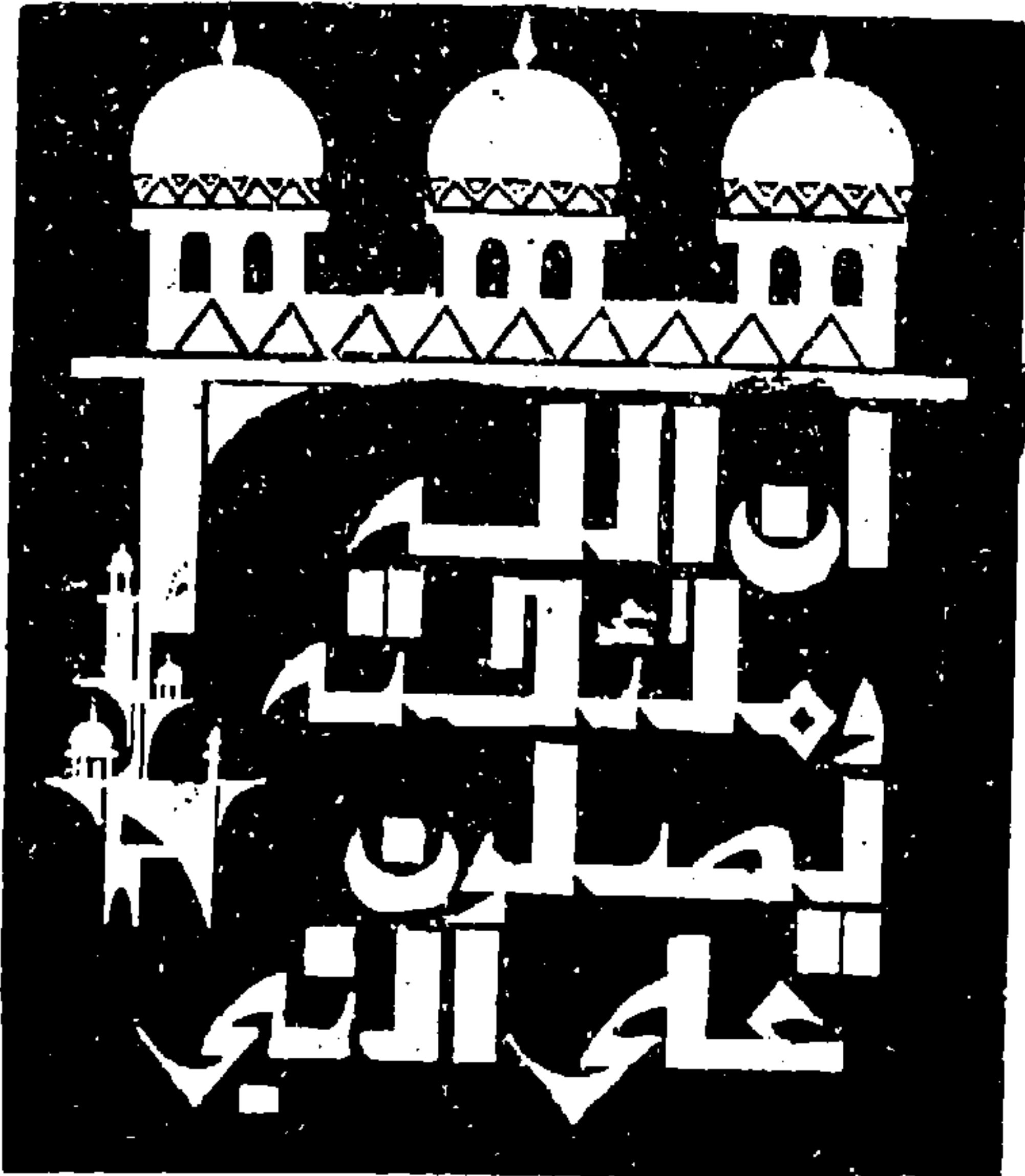
غور کرو اور سوچو کہ جو ان کا نہیں تو پھر اس کا کہاں ٹھکانا؟ اللہ بھی اس سے ناراض۔

بابا طاہر عریاں نے کیسی درد بھری رباعی کہی ہے! وہ کہتا ہے ؎

خدایا! واکیاں شم واکیاں شم ؛ بایں بے دست و پائی واکیاں شم
ہمہ از در برانند وا تو آیم ؛ تو ہم گر زدر برانی واکیاں شم

خدایا! میں کہاں جاؤں، میں کہاں جاؤں۔ ہائے اس بے دست و پائی میں کہاں جاؤں؟ سب در سے ٹھکرائے ہیں تو تیرے پاس آتا ہوں، تو نے بھی اگر ٹھکرا دیا تو بتا پھر کہاں جاؤں۔؟"

وہ بڑا غیور تھا ـــــ محبت اور غیرت کا چولی دامن کا ساتھ ہے ـــــ ہاں وہ بہت ہی غیور تھا ـــــ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے چاہنے والے اس کی روش کو چھوڑ دیں اور پھر بھی اس کی محبت کا دم بھریں ـــــ دیکھو دیکھو! مدینہ منورہ میں ایک صحابی عبید بن خالد (رضی اللہ عنہ) چلے جارہے ہیں تہ بند بندھا ہے اور ٹخنوں سے نیچے ڈھلک رہا ہے اچانک پیچھے سے آواز آتی ہے :۔

ارفع ازارک فانہ انقی وابقی (انوار غوثیہ شمائل ترمذی ص۹)

"تہبند اونچا کرو اس میں پرہیزگاری بھی ہے اور پائیداری بھی"

مڑ کر جو دیکھا تو سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہیں ـــــ وہ اپنے رفیقوں پر بڑے کریم تھے اسی کرم پر نظر رکھتے ہوئے عبید بن خالد نے عرض کیا:

" یہ تہبند سفید اور سیاہ دھاری دار ایک چادر ہی تو ہے"

"عبید بن خالد (رضی اللہ عنہ) کی یہ بات پسند نہ آئی ـــــ جلالِ رسالت میں فرمایا :۔

امالک فیّ اسوۃٌ (انوار غوثیہ شرح شمائل ترمذی ص۹)

"کیا میری روش میں تیرے لئے نمونہ نہیں"؟

فضا میں ایک لرزش سی پیدا ہوئی ـــــ یہ الفاظ کیا ارشاد ہوئے بجلی سی کوند گئی ـــــ اللہ اکبر! عشاق کی ایک ایک ادا کی نگرانی تھی ـــــ کوئی ایسا محبوب دکھائے تو سہی ـــــ ہر عاشق محبوب کی بے اعتنائی کا شکوہ کرتا نظر آتا ہے ـــــ مگر یہاں حریم جاناں میں توجہ سے کوئی محروم نہیں۔

ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی

سب کو نواز رہے ہیں ـــــ سب فیضیاب ہو رہے ہیں ؎

نگاہِ ناز کے پیہم اشارہ ہائے لطیف
شکست شیشۂ دل' بار بار کیا کہنا

محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ عاشق، محبوب کے رنگِ طبع کو دیکھے ـــــ جو وہ کرے وہ کرتا چلا جائے ـــــ صحابہ کی مقدس جماعت نے یہی کیا اور وہ پایا جو ہزار جانکاہی اور جانفشانی کے بعد بھی ہم نہیں پاسکتے ـــــ ہماری محبت کو ہمہ وقت عقل ڈستی رہتی ہے کہ کریں تو کیا کریں؟ ـــــ یہی کیوں کریں، وہ نہ کریں؟ ـــــ چلیں تو کس طرف چلیں؟ ـــــ اسی طرف کیوں چلیں، اس طرف کیوں نہ چلیں؟

مجازی عاشقوں کا حال آپ نے دیکھا ہوگا ـــــ اپنے معشوقوں کے اشاروں پر چلتے رہتے ہیں ـــــ جو کہتا ہے کرتے چلے جاتے ہیں ـــــ اسی کا رنگ ڈھنگ اپناتے ہیں ـــــ جس راہ پر وہ چلاتا ہے، چلتے چلے جاتے ہیں یہ ان محبوبوں کی اطاعت کا حال ہے جو بے وفا ہوسکتے ہیں جو ظالم ہوسکتے ہیں، جو جفاشعار ہوسکتے ہیں ـــــ تو وہ محبوب سب محبوبوں سے زیادہ اطاعت کا مستحق ہے جو رؤف و رحیم ہے ـــــ اگر باطل محبوبوں کے اشاروں پر چلا جاسکتا ہے تو اس سچے محبوب کے اشاروں پر کیوں نہیں چلا جاسکتا! عقل سلیم جواب دے ـــــ دلِ دردمند جواب دے!
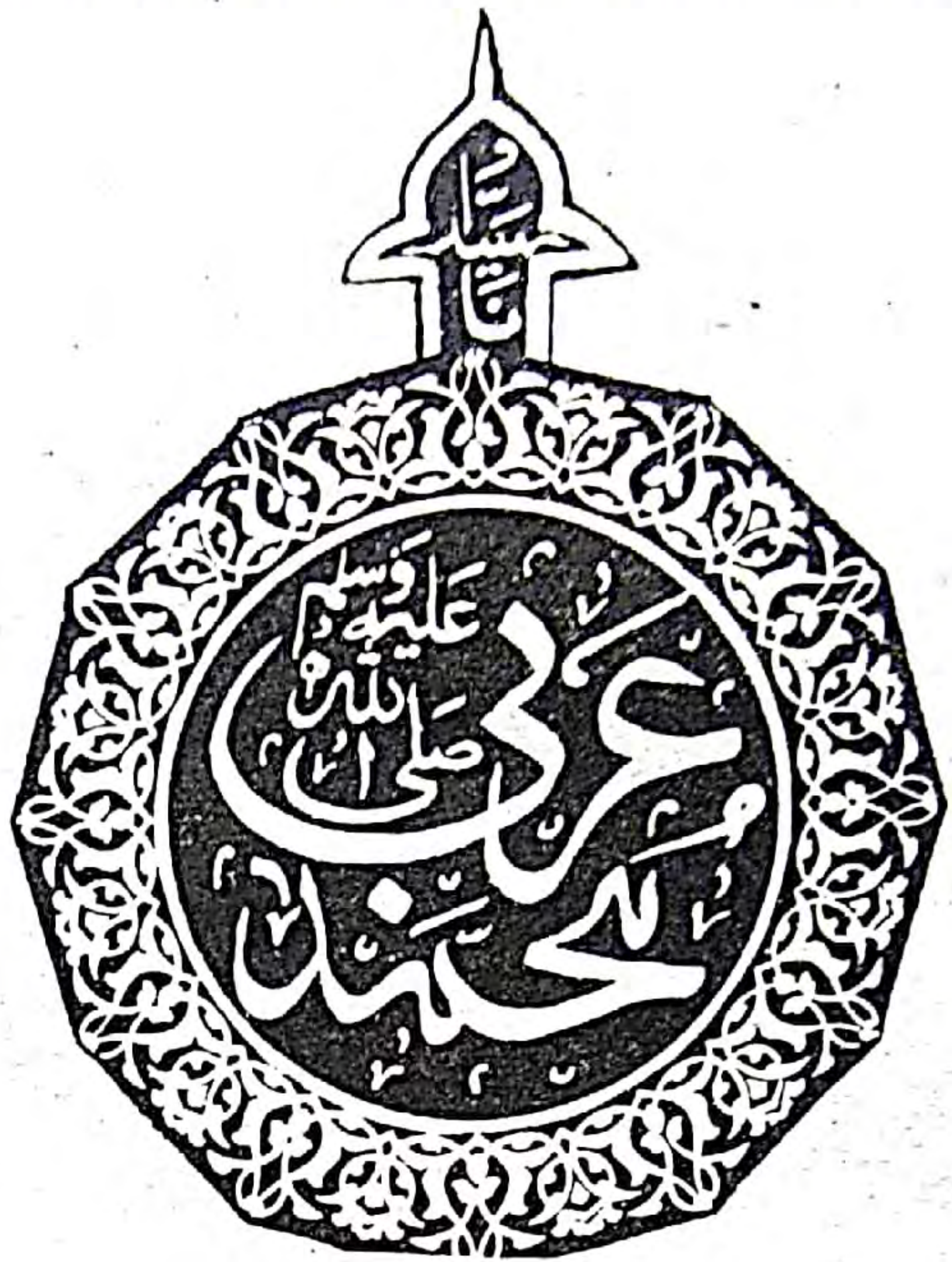
جسمانی حیات کیساتھ زندہ ہیں

مولانا محمد شفیع اکاڑوی

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا اقدس کے حالات وکمالات اور خصوصاً معجزات کے پڑھنے سے پہلے یہ جان لیجئے کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص ہمارے نبی کریم رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی وجسمانی حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں اور اعمال مبارکہ بجالاتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ۔ (قرآن پ ۱۷)

ترجمہ:۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو اے حبیب! مگر رحمت واسطے تمام جہانوں کے لئے۔

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ

ترجمہ:۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام عالموں کے لئے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ آپ تمام ممکنات پر ان کی قابلیتوں کے مطابق فیض الٰہی کا واسطہ ہیں اور اسی لئے آپ کا نور اول المخلوقات ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے اے جابر اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کا نور سب سے پہلے پیدا کیا ہے۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اللہ معطی ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔

یہی صاحب روح المعانی آگے چل کر فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ اور میرے نزدیک مسلک مختار یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالمین کے ہر ہر فرد کے لئے رحمت بناکر بھیجے گئے ہیں، فرشتوں، انسانوں، اور جنات سب کے لئے رحمت ہیں اور اس امر میں جن وانس کے مومن وکافر کے مابین کوئی فرق نہیں اور رحمت ہر ایک کے حق میں الگ الگ اور متفاوت نوعیت رکھتی ہے۔ (روح المعانی پ ۱۷ ص ۹۷)

مخالفین کے سردار مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محققین کے نزدیک وسیلۂ تمام فیوض اور واسطہ فی العروض تمام عالم کے لئے ہیں۔ (آب حیات ص ۱۷۶)

آیت وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ اور اسکی تفسیری عبارات سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالمین کے ہر ہر فرد کے لئے رحمت اور تمام عالم ممکنات کے لئے ہر قسم کے فیوض وبرکات کا ذریعہ ووسیلہ ہیں۔ یعنی جس طرح جڑ پورے درخت کی تمام شاخوں کی تازگی اور شگفتگی کا باعث ہوتی ہے اسی طرح آپ تمام عالمین کے لئے ہر قسم کے فیوض کا باعث ہیں۔ تو کیا یہ ہوسکتا ہے کہ جڑ سوکھ جائے مردہ ہوجائے اور شاخیں زندہ اور سرسبز وشاداب رہیں؟ جب یہ نہیں ہوسکتا تو یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ جن کی ذات مقدسہ تمام جہاں کے لئے رحمت اور اصل الاصول ہو وہ مردہ ہوجائیں اور جہان زندہ رہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ زندہ ہیں اور تمام جہان کی زندگی کا واسطہ

وہ وسیلہ ہیں ؎

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے
(اعلیحضرت)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ترجمہ:۔ جو اللہ کی راہ میں شہید ہو جاتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں۔
(قرآن پ۲ ع۳)

ترجمہ:۔ اور جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کے متعلق ہرگز یہ گمان بھی نہ کرو کہ وہ مردہ ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔ شاد ہوتے ہیں اس پر جو اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اور خوش ہو رہے ہیں۔ بہ سبب ان لوگوں کے جو ابھی تک ان سے نہیں آملے ان کے پیچھے رہ جانے والوں سے کہ نہیں ہے ان پر کوئی خوف اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ (قرآن پ۴)

ان دونوں آیتوں سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ شہدا زندہ ہیں نہ ان کو زبان سے مردہ کہنا چاہئے اور نہ دل میں ان کو مردہ گمان کرنا چاہئے۔ ان کی زندگی کی کیفیت و حقیقت ہم اپنے حواس و عقل سے نہیں سمجھ سکتے۔ لہٰذا ہمیں کلام الٰہی پر ایمان و یقین رکھتے ہوئے یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ وہ زندہ ہیں کھاتے پیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام پر خوشیاں مناتے ہیں۔ اگر ہم ان کی حیات کا انکار کریں یا تاویلیں کریں گے تو یہ ہماری جہالت و حماقت اور کلام الٰہی پر ایمان و یقین نہ ہونے کی کھلی دلیل ہوگی کیونکہ حیات کا صحیح اور حقیقی مفہوم وہ نہیں ہوگا جو ہماری ناقص عقل اور محدود شعور نے سمجھا ہے۔ بلکہ وہ ہوگا جو خالق حیات نے اپنے صاف و صریح اعلان کے ذریعہ قرار دیا ہے۔ جب شہداء کی زندگی قرآن پاک کی نص سے ثابت ہے تو انبیاء کرام اور صدیقین امت کی زندگی میں کیونکر شبہ کیا جا سکتا ہے جو بالاتفاق درجہ و مرتبہ میں شہداء سے اعلیٰ اور برتر ہیں۔ چنانچہ۔

ان آیات کے تحت غزالیٔ دوراں علامۃ العصر حضرت مولانا سید احمد سعید صاحب کاظمی دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں۔

بظاہر یہ آیات کریمہ شہداء (غیر انبیاء) کی حیات پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن درحقیقت انبیاء علیہم السلام بالخصوص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں شامل ہیں اس لئے کہ دلائل و واقعات کی روشنی میں یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام شہید ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں شہادت کا درجہ پایا اور من یقتل فی سبیل اللّٰہ کے عموم میں بلاشبہ آپ داخل ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ "یقتل" قتل سے ماخوذ ہے اور قتل کے معنیٰ ہیں "اماتت" یعنی مار ڈالنا۔ قتل اور اماتت کے معنی میں ایک باریک فرق ہے جسے ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ امام راغب اصفہانی قتل کے معنی بیان کرتے ہوئے اس فرق کو ظاہر فرماتے ہیں ——

مفردات راغب میں ہے۔ (قتل) اَصْلُ الْقَتْلِ اِزَالَۃُ الرُّوْحِ عَنِ الْجَسَدِ کَالْمَوْتِ لٰکِنْ اِذَا اعْتُبِرَ بِفِعْلِ الْمُتَوَلِّی لِذَالِکَ یُقَالُ قَتْلٌ وَاِذَا اعْتُبِرَ بِفَوْتِ الْحَیَاۃِ یُقَالُ مَوْتٌ ——

ترجمہ:۔ (قتل) قتل کے اصلی معنیٰ جسم سے روح کو زائل کرنے کے ہیں۔ جیسے موت! لیکن جب متولی اور متصرف ازالہ کے فعل کا اعتبار کیا جائے تو قتل کہا جائے گا اور جب فوت حیات کا اعتبار کیا جائے تو موت کہا جائے گا۔

قتل میں چونکہ فاعل کا فعل معتبر ہوتا ہے اور فعل کا اختیار عبد کے لئے بھی حاصل ہے اس لئے قتل کی اسناد عبد کی طرف صحیح ہے۔ اور عبد کو قاتل کہا جا سکتا ہے۔ بخلاف اماتت کے کہ اس میں فعل مذکور معتبر نہیں بلکہ فوت حیات کا اعتبار ہے اور عبد کا اختیار فعل سے متجاوز ہو کر فوت حیات تک نہیں پہونچتا۔ بندہ صرف اتنا کر سکتا ہے کہ اپنی طرف سے کوئی فعل واقع کر دے۔ مثلاً کسی کو تلوار مار

دے یا زہر کھلا دے۔ یا کسی کے بدن کے ٹکڑے کر دے مگر اس کے بدن سے حیات کا زائل کرنا بندے کے اختیار میں نہیں، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے منسلک ہے، اس لئے بندہ قاتل ہوسکتا ہے مُمیت نہیں ہوسکتا۔ حیات کا فوت ہونا قدرت خداوندی سے ہی متعلق ہے۔ اسلئے اماتت کی اسناد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہوسکتی ہے، ازالۂ حیات صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور مُمیت اسکے سوا کوئی نہیں۔

ہمارے اس بیان سے ناظرین کے ذہن میں ایک اشکال پیدا ہوگیا ہوگا اور وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا "من یقتل" کے عموم میں داخل ہونا واللہ یعصمک من الناس کے منافی ہے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ ان کی جانِ پاک کو لوگوں سے بچانے کا وعدہ فرما چکا تو اب انہیں کس طرح قتل کیا جاسکتا ہے اور بغیر قتل ہوئے "من یقتل" میں آپ کا شامل ہونا ممکن نہیں۔

اسکے حل کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ قتل میں فعل فاعل کا اعتبار ہوتا ہے، اور اماتت میں فوت حیات کا، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ وعدۂ الٰہیہ کے الفاظ ہیں "واللہ یعصمک من الناس"، اس میں نہ قتل کا لفظ ہے نہ موت کا، اس وعدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کے مار ڈالنے سے اللہ تعالیٰ آپ کو بچائے گا، یعنی آپ کی ذات پاک کے لئے کوئی ایسا فعل نہ کرسکے گا، جس سے عادتاً علی الفور آپ کی موت واقع ہوجائے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا اور کسی شخص نے آپ کو مار ڈالنے کی قدرت نہ پائی۔

رہا یہ امر کہ "من یقتل" کے عموم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیسے داخل ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ قتل سے مراد وہ فعل ہے جو فوت حیات کا موجب ہوجائے۔ فعل قتل کا فوت حیات کیلئے موجب ہونا دو طریقے سے ہوتا ہے۔ ایک عادتاً، دوسرے خارقاً للعادۃ، عادتاً فعل قتل سے علی الفور ازالۂ حیات ہوجاتا ہے، اور خارق عادت کے طور پر علی الفور ازالۂ حیات نہیں ہوتا بلکہ ایک مدت طویلہ کے بعد ہی اس کا سبب موت ہونا ظاہر ہوسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلی قسم کے قتل سے بچا کر اپنے وعدے کو پورا فرمادیا۔ اور دوسری قسم کا فعل قتل آپ کے لئے بربنائے حکمت متحقق کردیا۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم "من یقتل" کے عموم میں داخل ہوکر شہادت کا مرتبہ پائیں اور کسی بے دین کے لئے آپ کو مردہ کہہ کر حیات نبوت کے انکار کی مجال باقی نہ رہے ہمارے اس دعویٰ کی دلیل امام بخاری، اور امام بیہقی کی وہ حدیث ہے جو امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب "انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء" میں نقل فرمائی ہے۔

ترجمہ:۔ امام بخاری اور امام بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض وفات میں فرماتے تھے کہ میں نے خیبر میں جو زہر آلود لقمہ کھایا تھا میں اسکی تکلیف ہمیشہ محسوس کرتا رہا ہوں۔ پس اب وہ وقت آپہنچا کہ اسی زہر کے اثر سے میری رگِ جاں منقطع ہو۔
(انباء الاذکیاء ص۱۴۹)

نیز امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
ترجمہ:۔ اور بیشک یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی وفات پائی اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن ایسی زہر ملائی ہوئی بکری کے گوشت کا ایک لقمہ تناول فرمایا جس کا زہر ایسا قاتل تھا کہ اس کے کھانے سے اسی وقت علی الفور موت واقع ہوجائے یہاں تک کہ اس زہر کے اثر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی بشر بن براء بن معرور اسی وقت فوت ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا باقی رہنا معجزہ ہوگیا وہ زہر آپ کو اکثر تکلیف دیتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ اسی کے اثر سے آپکی موت واقع ہوئی۔ (زرقانی ۳۱۳)

بخاری، بیہقی، سیوطی، اور زرقانی کی ان پیش کردہ روایات سے ہمارا دعویٰ بخوبی ثابت ہوگیا اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو قتل کرنے لئے زہر دیا گیا اور اسی زہر سے آپ کی موت واقع ہوئی اگرچہ زہر دینے اور موت واقع ہونے میں تین سال کا وقفہ تھا۔ لیکن وفات شریف اسی زہر دینے کے فعل سے واقع ہوئی۔ اور تین سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا باقی رہنا زہر دینے اور اس فعل قتل کی کمزوری کی بنا پر نہ تھا بلکہ خرق عادت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے کے طور پر تھا۔ جیسا کہ ہم عبارات منقولہ سے ثابت کر چکے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء میں فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ احمد، ابویعلیٰ، طبرانی، اور مستدرک میں حاکم نے اور دلائل النبوت میں بیہقی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں نو مرتبہ قسم کھا کر یہ کہہ دوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قتل کئے گئے تو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ ایک بار بھی قسم کھا کر یہ کہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قتل نہیں کئے گئے اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بھی بنایا اور شہید بھی۔

(انباء الاذکیاء ص۱۴۱)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ظاہر ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم "مَنْ يُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" کے عموم میں داخل ہیں۔ اس بنا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زندہ ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔

علاوہ ازیں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے منعم علیہم کے چار گروہ قرآن کریم میں بیان فرمائے ہیں۔ نبیین، صدیقین، شہداء، صالحین، اور ہر نعمت کی اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے۔ جیسا کہ سابقہ تفصیل سے معلوم ہو چکا۔ نبوت، صدیقیت اور صالحیت کے اوصاف کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ میں پایا جانا تو سب کے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے۔ اب اگر وصف شہادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے (ہمارے بیان کردہ دلائل کی روشنی میں) تسلیم نہ کیا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کمال شہادت سے محروم رہے گی۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے اور تمام کمالات وانعامات عالیہ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل ہونے کے منافی و معارض ہے جو باطل محض اور دلائل کی روشنی میں مردود ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ نبوت وصدیقیت اور صالحیت کی طرح وصف شہادت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ میں بلا شبہ پایا جاتا ہے وھو المراد (السعید، حیات النبی نمبر ص۱۲)

علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ترجمہ:۔ بلکہ حیات انبیاء حیات شہداء سے بہت زیادہ قوی اور ظہور میں بہت زیادہ بڑھ کر ہے یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے آپ کی وفات کے بعد نکاح جائز نہیں بخلاف شہداء کے کہ ان کی ازواج سے نکاح جائز ہے اور ایسے ہی صدیقین بھی حیات شہداء سے اعلیٰ درجہ میں ہیں اور صالحین یعنی اولیاء کرام شہداء سے کم ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ لحق ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی ترتیب اس پر دلالت کرتی ہے کہ فرمایا مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ۔ (تفسیر مظہری ص۱۵۲)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ اور انبیاء کرام حیات میں شہداء سے اولیٰ، اجل اور اعظم ہیں، اور بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی میں نبوت وشہادت دونوں وصفوں کو جمع فرمایا، تو انبیاء کرام بھی آیت کے عموم میں داخل ہیں۔

(الحاوی للفتاوی ص ۲/۳۲)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ تذکرہ میں حدیث صعقہ کے بیان میں اپنے شیخ سے نقل فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ کہ موت محض نابود ہو جانے کا نام نہیں بلکہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف انتقال کا نام ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ بے شک شہداء اپنے قتل اور اپنی موت کے بعد زندہ ہوتے ہیں۔ کھاتے پیتے شاد و مسرور ہوتے ہیں اور یہی دنیا میں زندوں کی صفت ہے تو جب شہداء کا یہ حال ہے تو انبیاء کرام زندہ ہونے میں ان سے بہت زیادہ افضل واولیٰ ہیں اور بے شک صحیح حدیث میں آیا ہے

کہ زمین انبیاء کرام کے اجسام مبارکہ کو نہیں کھاتی۔ اور بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات بیت المقدس میں تمام انبیاء کرام کے ساتھ جمع ہوئے اور آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا ہے اور آپ نے فرمایا ہے کہ آپ ہر اس شخص کو سلام کا جواب دیتے ہیں جو آپ پر سلام بھیجے۔ اور اسی طرح وہ تمام امور جو موت سے منقطع ہو جاتے ہیں وہ انبیاء کو حاصل ہوتے ہیں کیونکہ انکی موت سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتی کہ وہ ہم سے پردہ فرما جاتے ہیں اور ہم ان کو نہیں دیکھتے۔ اگرچہ وہ زندہ موجود ہوتے ہیں اور ان کا حال فرشتوں کا سا ہو جاتا ہے کہ فرشتے زندہ موجود ہوتے ہیں مگر انکو کوئی نہیں دیکھتا سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے خاص فرمائے اپنے ولیوں میں سے۔

(الحاوی للفتاوی صفحہ ۲۶۳/۲)

علامہ امام قسطلانی شارح صحیح بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، اور اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ اور یہی حال تمام انبیاء کرام کا ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ ان کی ازواج پر عدت نہیں۔ (کیونکہ وہ زندہ ہیں) اور بے شک یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انبیاء کرام حج کرتے اور تلبیہ کہتے ہیں اگر کوئی کہے کہ وہ تو مردے ہیں اور دوسرے گھر میں ہیں، اور وہ گھر دار عمل نہیں ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ان کا حال شہدا کی طرح بلکہ ان سے افضل ہے اور شہداء زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔ تو اگر وہ حج کریں اور نماز پڑھیں تو کیا بعید ہے

(زرقانی علی المواہب صفحہ ۳۳۳/۵)

علامہ امام سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد بلاشک وشبہ حیات ہیں اور ایسے ہی تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اس حیات کے ساتھ جو شہداء کی حیات سے اکمل ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں دی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام شہداء کے سردار ہیں اور تمام شہداء کے اعمال آپ کی میزان میں ہیں اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میرا علم میری وفات کے بعد ایسا ہی ہے جیسا کہ میرا علم میری حیات میں ہے۔ (وفاء الوفاء صفحہ ۱۳۵۵/۴)

شیخ محقق حضرت علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ اور حیات انبیاء کرام حیات شہداء سے کامل تر ہے۔ (مدارج النبوت)

احادیث مبارکہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ترجمہ:۔ کہ انبیاء (علیہم السلام) اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

امام بیہقی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کی موافقت کی ہے۔ (فتح الباری)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ترجمہ:۔ کہ جمعہ کے دن مجھ پر بہت زیادہ درود بھیجا کرو کیونکہ وہ یوم مشہود ہے اس میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور کوئی ایسا نہیں جو مجھ پر درود بھیجے مگر اس کا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے۔ یہاں تک وہ اس سے فارغ ہو حضرت ابو درداء فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اور موت کے بعد؟ فرمایا اور موت کے بعد بھی پیش ہوگا۔ کیونکہ اللہ نے زمین پر اجساد انبیاء کا کھانا حرام کر دیا ہے پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور رزق بھی دیا جاتا ہے۔

(ابن ماجہ صفحہ ۱۱۹/۵ مطبوعہ مصر)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ترجمہ:۔ جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھا

میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے دور ہونے کی
حالت میں مجھ پر درود پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے،
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا۔

ترجمہ:۔ جس نے جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں
مجھ پر سو مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں
پوری فرمائے گا۔ ستر آخرت کی حاجتوں میں سے اور
تیس دنیا کی حاجتوں میں سے۔ پھر اس درود پر ایک
فرشتہ مقرر کرتا ہے جو اس درود کو میری قبر میں مجھ پر
اس طرح پیش کرتا ہے جس طرح تم پر ہدیئے پیش
کئے جاتے ہیں بے شک میرا علم میری وفات کے بعد
بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ میرا علم میری حیات میں ہے
اور بیہقی کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ فرشتہ درود پڑھنے
والے کا نام اور اس کا نسب مجھے بتاتا ہے تو میں اسے
ایک چمکتے ہوئے صحیفہ میں لکھ لیتا ہوں۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ البتہ تحقیق جنگ حرہ کے زمانہ میں، میں
نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا کہ مسجد نبوی صلی
اللہ علیہ وسلم میں میرے سوا کوئی نہ تھا۔ ان ایام میں
کسی نماز کا وقت نہ آتا تھا مگر قبر انور سے میں اذان کی
آواز سنتا تھا۔ (دلائل النبوت ابونعیم ص۴۹۶)

حضرت سعید بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایام حرہ
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں، نہ اذان ہوتی اور نہ
اقامت،۔

ترجمہ:۔ اور سعید بن مسیب (رضی اللہ عنہ) مسجد سے
نہ نکلے اور وہ نماز کا وقت نہیں پہچانتے تھے مگر ایک آواز
سے جس کو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور سے سنتے تھے
(مشکوٰۃ شریف ص۵۴۵)

ابن جوزی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سعید بن مسیب
رضی اللہ عنہ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ ایام حرہ میں۔

ترجمہ:۔ کسی نماز کا وقت نہیں آتا تھا مگر میں (حضور کی)
قبر انور سے اذان کی آواز سنتا پھر جماعت کھڑی ہو جاتی
تو میں آگے بڑھتا (اور اسی نماز کے ساتھ) نماز پڑھتا
اور میرے سوا مسجد میں کوئی اور نہیں تھا (وفاء الوفاء ص۹۴/۱)

علامہ امام محمد بن عبد الباقی الزرقانی المالکی رحمۃ اللہ علیہ
فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ فتاوی رملیہ میں ہے کہ انبیاء اور شہداء
اور علماء نہیں بوسیدہ ہوتے اور انبیاء اور شہداء اپنی
قبروں میں کھاتے، پیتے اور نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے
اور حج کرتے ہیں۔ (زرقانی علی المواہب ص۳۳۴/۵)

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ بے شک وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں
زندہ ہیں جیسا کہ سارے انبیاء کرام اپنی قبروں میں اپنے
رب کے نزدیک زندہ ہیں اور بے شک انکی ارواح
کا تعلق عالم علوی اور عالم سفلی سے اسی طرح قائم رہتا
ہے جیسا کہ دنیا میں تھا اور وہ اس معاملہ میں قلب کے
اعتبار سے عرشی اور قالب کے اعتبار سے فرشی ہوتے
ہیں۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ارباب کمال کے احوال
کو زیادہ جانتا ہے۔ (شرح شفا شریف ص۱۴۲/۲)

یہی علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی دوسری تصنیف میں
فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
عالم برزخ یعنی اپنی قبر میں مقید و محصور ہیں بلکہ ہم یہ
کہتے ہیں کہ آپ عالم سفلی اور عالم علوی میں سیر فرماتے
ہیں کیونکہ شہداء کی ارواح جو مرتبہ میں انبیاء سے کم
ہیں جب سبز پرندوں کے قالب میں جنت کے باغوں
میں آزادی سے پھرتی ہیں پھر ان قنادیل تک سیر کیلئے
جاتی ہیں جو عرش الٰہی کے نیچے لٹکی ہوئی ہیں۔ جیسا کہ
یہ اپنے مقام پر ثابت ہو چکا ہے۔ بایں ہمہ کوئی یہ
نہیں کہتا کہ ان کی قبریں ان کے اجساد سے خالی ہیں۔
اور ان کی ارواح کا ان کے اجسام سے تعلق نہیں۔
اور جو سلام انہیں کیا جاتا ہے وہ نہیں سنتے؟ تو

ایسا ہی انبیاء کرام کے بارے میں آیا ہے کہ بے شک انبیاء کرام تلبیہ کہتے ہیں اور حج کرتے ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کرامات کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ (جمع الوسائل ص ۲۳۸/۲)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ بے شک انبیاء کرام نہیں مرتے اور بیشک وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے اور حج کرتے ہیں۔ (فیوض الحرمین ص ۲۸)

علامہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ بے شک اللہ تعالیٰ انبیاء، صدیقین، شہداء اور اولیاء کی ارواح کو (درجہ بدرجہ) جسموں کی قوت عطا فرماتا ہے تو وہ زمین و آسمان اور جنت میں جہاں بھی چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں اور اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ انشاء اللہ۔ (تفسیر مظہری ص ۱۵۲/۱)

امام قسطلانی اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ بلاشک وشبہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت شدہ حقیقی و یقینی اور ہے دوامی ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے افضل ہیں۔ نصوص اور اجماع کے ساتھ تو لازم و ضروری ہے کہ آپ کی حیات بھی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات سے اکمل و اتم ہو۔ (زرقانی علی المواہب ص ۳۰۹/۸)

استاذ ابو منصور عبد القاہر بن طاہر البغدادی الفقیہ الاصولی شیخ الشافعیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ ہمارے تمام متکلمین اور محققین علماء شافعیہ کا فرمان ہے کہ بے شک ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور اپنی امت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور گنہگاروں کے گناہوں سے غمگین ہوتے ہیں اور بے شک آپ کی امت میں سے جو آپ پر درود بھیجے اس کا درود آپ پر پہنچتا ہے۔

(الحاوی للفتاوی)

علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ایک مدلل مبسوط

بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ ان تمام نقول اور احادیث کے مجموعہ کا ماحصل یہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم و روح مبارک کے ساتھ زندہ ہیں اور بلا شبہ آپ جہاں چاہتے ہیں تشریف لے جاتے ہیں اور زمین اور عالم ملکوت کے ہر گوشے میں تصرف فرماتے ہیں اور آپ بالکل اپنی اسی ہیئت پر ہیں جس پر قبل از وفات تھے اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور بے شک آپ ہماری آنکھوں سے غائب کر دیئے گئے ہیں۔ جس طرح فرشتے اپنے اجساد کے ساتھ زندہ ہونے کے باوجود ہماری آنکھوں سے غائب کر دیئے گئے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ آپ کی رویت کے ساتھ کسی کو عزت و اکرام عطا فرمانا چاہتا ہے تو اس سے حجاب کو اٹھا دیتا ہے اور وہ آپ کو اسی ہیئت پر دیکھتا ہے جتنی آپ ہیں اس سے کوئی امر مانع نہیں ہے اور رویت مثال کی تخصیص کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (الحاوی للفتاوی)

شیخ المحدثین حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وحیات انبیاء کرام متفق علیہ است ہیچ کس را درو خلافے نیست حیات جسمانی و دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی۔

ترجمہ:۔ اور انبیاء کرام کی حیات پر سب علماء کا اتفاق ہے کسی کو بھی اس میں اختلاف نہیں ہے، اور حیات جسمانی، دنیاوی اور حقیقی ہے نہ کہ روحانی اور معنوی۔

یہی شیخ محقق و محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔

وباچندیں اختلاف وکثرت مذاہب کہ در علماء امت است یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز وتوہم تاویل دائم و باقیست و بر اعمال امت حاضر وناظر است۔ (مکاتیب شیخ برحاشیہ اخبار الاخیار)

ترجمہ:۔ اس اختلاف وکثرت مذاہب کے باوجود جو علماء امت میں ہے اس مسئلہ میں کسی ایک کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی زندگی کے ساتھ بے شائبہ مجاز وتوہم تاویل زندہ دائم اور باقی ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر وناظر ہیں۔

سید الطائفہ امام الاولیاء حضرت جنید بغدادی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ جو اپنے نفس کے ساتھ زندہ ہے وہ روح کے نکل جانے سے مردہ ہو جاتا ہے اور جو اپنے رب کے ساتھ زندہ ہے وہ نہیں مرتا بلکہ وہ حیات طبعی سے حیات اصلی وحقیقی کی طرف انتقال کرتا ہے۔ جب شریعت کی تلوار سے قتل ہونے والا زندہ ہے رزق دیا جاتا ہے تو جو صدق وحقیقت کی تلوار سے قتل ہوتا ہے وہ کتنی اعلیٰ زندگی کے ساتھ زندہ ہوگا۔ (تفسیر روح البیان ص)

دانائے رموز حقیقت مولانائے روم علیہ الرحمۃ القیوم فرماتے ہیں ؎

ہر کہ اندر وجہ ما باشد فنا
کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ نبود جزا

ترجمہ:۔ جو کوئی ہماری ذات میں فنا ہو جائے اسکو کل شئی ہالک کی کلیت کے تحت ہلاکت کی سزا نہیں بھگتنی پڑتی۔

زانکہ در الا است او از لا گزشت
ہر کہ در الا است او فانی نگشت

ترجمہ:۔ کیونکہ وہ الا وجہ کے ساتھ مستثنیٰ ہے وہ لا یعنی ہالک سے گزر گیا جو شخص الا میں ہے وہ فانی فی اللہ ہوگیا۔

الحمد للہ ہم اہل سنت كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ پر ایمان رکھتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس کے قبض ہونے کے قائل ہیں مگر آپ کی حیات کے منکر نہیں اس لئے کہ حیات کے معنی ہیں صفۃ مصححۃ

للعلم والقدرة والارادة (شرح عقائد) ایسی صفت جو علم و قدرت، سمع و بصر اور ارادہ کو صحیح قرار دے۔ یعنی جس کی وجہ سے علم و قدرت وغیرہ کا صحیح ہونا قرار پائے اس صفت کا نام حیات ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت قبض روح کی وجہ سے زائل نہیں ہوئی کیونکہ روح کا بدن میں ہونا سبب حیات ہے اور اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ جو چیز سبب کے ساتھ ہوتی ہے وہ بغیر سبب کے کر دے اور اس بات پر بھی قادر ہے کہ سبب ہو اور چیز یعنی مسبب نہ ہونے دے دیکھو بچہ کے معرض وجود میں آنے کا سبب مرد و عورت ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حوا اور عیسیٰ علیہم السلام کو بغیر اس سبب کے پیدا فرمایا اور ہزاروں مرد و عورت موجود ہیں مگر اولاد نہیں ہوتی۔ یعنی سبب ہے مگر مسبب نہیں تو ثابت ہوا کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ روح جو حیات کا سبب ہے وہ نہ ہو اور حیات ہو اور اس پر بھی قادر ہے کہ روح ہو اور حیات نہ ہو، چنانچہ کفار کے جسموں میں روحیں ہیں اور حیات نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان مردے گونگے، بہرے اور اندھے وغیرہ فرمایا اور انبیاء و اولیاء کے جسموں میں روحیں قبض ہوئیں مگر حیات ہے اس لئے قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں ان کو زندہ فرمایا گیا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ نیز ستون حنانہ کا رونا، اور پتھروں کا کلمہ پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے تو جو خدا لکڑی اور پتھر کے اندر بغیر روح کے حیات پیدا کر سکتا ہے وہ انبیاء و اولیاء کے اندر نہیں کر سکتا ؟۔

اور اگر بدن کے اندر روح کا ہونا ہی حیات مانا جائے تو پھر حیّ وہ ہوگا جس کے بدن میں روح ہوگی۔ تو پھر خدا تعالیٰ کی حیات ہرگز نہ ثابت ہو سکے گی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ بدن سے پاک ہے !۔

یاد رکھئے! ایک ہے موت عادی اور ایک ہے موت حقیقی۔ اسی طرح ایک ہے حیات عادی اور ایک ہے حیات حقیقی۔ بدن سے روح قبض ہونا موت عادی ہے موت حقیقی نہیں۔ موت حقیقی عدم الحیات ہے۔ اور بدن کے اندر روح کا ہونا حیات عادی ہے حیات حقیقی نہیں۔ حیات حقیقی بدن میں، اس صفت کا ہونا ہے جو علم و قدرت اور سمع و بصر کا سبب ہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم مختلف تحریروں میں

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بعد وفات بھی علم و قدرت، سمع و بصر اور ارادہ ہے تو آپ حیات ہوئے اور یہ حیات ایک آن کے لئے بھی زائل نہیں ہوئی اور آپ مردہ نہیں ہوئے اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا کیونکہ آپ ساری کائنات کے اصل ہیں۔ اگر آپ معاذاللہ مردہ ہو جائیں تو یہ جہان زندہ کیسے رہ سکتا ہے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ جڑ سوکھ جائے اور درخت ہرا بھرا رہے ؟ ہرگز نہیں! اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ جان جہان مردہ ہو جائیں اور جہان زندہ رہے۔ بلکہ جس طرح درخت کی سرسبزی و شادابی جڑ کی بدولت ہوتی ہے اسی طرح ساری کائنات کا وجود و زندگی آپ کی بدولت ہے ؎

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

آبائے کرام کا اسلام

مولانا مفتی شریف الحق امجدی

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین

اس پر تمام امت کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء کرام و امہاتِ عظام بے حیائی و بدکاری سے ہمیشہ محفوظ رہے۔ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

خرجت من نکاح لاسفاح ؛ میرا ظہور نکاح ہی کے ذریعہ ہوا۔ زنا سے نہیں۔

اسی طرح سرکار کے اباء و امہات کفر و شرک کی گندگیوں سے بھی ملوث نہ ہوئے۔ یہی صحیح و مختار ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہ وغیرہ نے اس پر جو دلائل قائم کئے ہیں۔ ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے :۔

۱۔ ابونعیم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

لم ازل انتقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات — میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک شکموں میں منتقل ہوتا رہا ہوں۔

ارشاد ربانی ہے :۔

انما المشرکون نجس — مشرکین ناپاک ہیں۔

نجاست وطہارت دو متضاد چیزیں ہیں۔ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ جب کہ حسب فرمان حدیث آباء کرام و امہات عظام طاہر تھے۔ تو لازم کہ کفر و شرک کی گندگی سے آلودہ نہیں ہوئے۔

۲۔ بخاری میں ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :۔

بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرنا حتی بعثت من القرن الذی کنت فیہ — میں بنی آدم کے بہترین قرون سے مبعوث ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اس قرن میں تشریف لایا جس میں ہوں۔

اس سے معلوم ہوا۔ کہ حضور کے اجداد میں ہر جد اپنے زمانہ کے افضل ترین گروہ میں سے ہوا کرتا تھا۔

دوسری حدیث ہے۔

لم یزل علی وجہ الدھر سبعۃ مسلمین فصاعدا فلولا ذلک ھلکت الارض ومن علیھا

زمین پر ہمیشہ سات یا سات سے زیادہ مسلمان رہے۔ ورنہ زمین اور زمین والے نہ بچتے۔

اس حدیث کو عبدالرزاق اور ابن منذر نے بر شرط بخاری و مسلم حضرت علی سے روایت کیا ہے۔ اس کے ہم معنی امام احمد علی شرط الشیخین ابن عباس سے یوں راوی ہیں :۔

ماخلت الارض من بعد نوح من سبعۃ یدفع اللہ بھم عن اھل الارض

حضرت نوح کے بعد سے زمین سات (نفوس قدسیہ) سے خالی نہیں ہوئی۔ جن کے صدقہ میں اہل الارض محفوظ رہتے ہیں۔

ان ہر دو حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سے عہد بعثت تک کم از کم زمین پر سات مسلمان ضرور رہے۔ کافر و مسلم میں ظاہر ہے کہ فضیلت مسلم ہی کو حاصل ہے۔ تو جب کہ حضور کے آباء و اجداد اپنے زمانہ کے بہترین گروہ میں سے ہوا کرتے تھے۔ تو لازم ہے کہ وہ مسلمان رہے ہوں ورنہ بہترین گروہ میں نہ ہوں گے۔

۳۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت آدم سے حضرت نوح تک دس پشتیں ہیں۔ اور سب شریعت حقہ کے پابند تھے۔ اسے ابن جریر ابن ابی حاتم ابن منذر بزار اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ ابن سعد کی روایت میں یہ ہے کہ حضرت نوح تک تمام آباء کرام اسلام پر تھے۔ رہ گیا حضرت نوح کے بعد تو حضرت نوح کے صاحبزادے حضرت سام کا مومن ہونا بالاجماع ہے۔ اور بعض آثار میں ان کا نبی ہونا مصرح ہے۔

حضرت سام کے صاحبزادے ارفخشد کے بارے میں ابن عباس نے مومن ہونے کی تصریح کی ہے۔ اس کے علاوہ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ حضرت نوح سے لے کر نمرود کے قبل تک اہل بابل مسلمان تھے۔ نمرود نے انھیں گمراہ کر کے بتوں کی پرستش میں پھنسایا۔ نمرود ہی کا معاصر مشہور بت تراش آزر ہوا ہے۔ جس کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کا باپ تھا۔ جیسا کہ خود کلام پاک میں اسے حضرت ابراہیم کا اَبْ کہا گیا ہے۔ جس کا ترجمہ لوگوں نے باپ کیا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابراہیم کا باپ نہیں چچا تھا۔ اور اہل عرب چچا کو بھی ابٌ کہتے ہیں۔ یہ محاورہ خود کلام پاک میں بھی ہے۔[1]

ارشاد ربانی ہے :۔

---

[1] ہندوستان میں بھی باپ کے بڑے بھائی (تایا) کو باپ کہتے ہیں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت یعقوب کے تایا تھے ۱۲ (ادارہ)

ام کنتم شہداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد الٰہک والٰہ اٰباءک ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق۔

جب یعقوب قریب مرگ ہوئے تو کیا تم لوگ وہاں موجود تھے جب کہ انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا تھا۔ کہ میرے بعد کسے پوجوگے۔ تو انھوں نے کہا کہ آپ کے آباء ابراہیم و اسماعیل و اسحٰق کے معبود کو۔

حضرت اسماعیل بنی اسرائیل کے چچا ہیں۔ پھر بھی آباء میں انھیں داخل کیا گیا۔ اسی طرح آزر پر (بھی) جو حقیقت میں حضرت ابراہیم کا چچا ہے۔ 'اب' کا اطلاق کر دیا گیا ہے۔

زرقانی میں ہے کہ شہاب الہیتمی نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اہل کتاب اور تاریخ کا اس بات پر اجماع ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کا باپ نہیں، چچا تھا۔ اسی میں الدرج المنیفہ، سے نقل کیا کہ حضرت ابن عباس، مجاہد ابن جریج، اور سدی نے کہا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کا باپ نہیں تھا۔ ان کے باپ کا نام تارخ تھا۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ ابن منذر کی تاریخ میں ایک اثر میں اس کی تصریح کی ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کا چچا تھا۔ اگر آزر حضرت ابراہیم کا باپ ہوتا تو حضرت ابراہیم تک شجرۂ پاک میں ایک ہی کافر ہوتا۔

اب جب کہ ائمہ مفسرین و تاریخ کے اقوال سے ثابت ہو گیا کہ آزر حضرت ابراہیم کا باپ نہیں چچا تھا۔ تو واضح ہو گیا کہ شجرہ پاک حضرت ابراہیم تک کفر سے محفوظ ہے۔ رہ گیا حضرت ابراہیم کے بعد تو نصوص قرآنیہ سے ثابت ہے کہ وادی غیر ذی زرع میں بسنے والی ذریت ابراہیم میں ایک گروہ ہمیشہ توحید پر قائم رہا۔ ارشاد ہے:۔

اذ قال ابراھیم لابیہ و قومہ اننی براء مما تعبدون الا الذی فطرنی فانہ سیھدین، و جعلھا کلمۃ باقیۃ فی عقبہ۔

یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے چچا اور قوم سے کہا جنھیں تم پوجتے ہو۔ ان سے میں بیزار ہوں۔ سوائے اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا۔ وہ یقیناً مجھے راستہ پر قائم رکھے گا۔ اللہ نے اسے ابراہیم کے بعد ان کی نسل میں برابر پڑھنے والا کلمہ کر دیا۔

سید المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس اور مجاہد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:۔

انھا لا الہ الا اللہ باقیۃ فی عقب ابراھیم۔

حضرت ابراہیم کے بعد باقی رہنے والا کلمہ لا الہ الا اللہ ہے۔

حضرت قتادہ سے منقول ہے:۔

شھادۃ ان لا الہ الا اللہ والتوحید لا یزال فی ذریتہ من یقولھا من بعدہ۔

لا الہ الا اللہ کی شہادت اور توحید کا قائل حضرت ابراہیم کی ذریت میں ان کے بعد ہمیشہ رہے گا۔

دوسری آیت خاص مکہ کے بارے میں یوں ہے:۔

اذ قال ابراھیم رب اجعل ھٰذا البلد اٰمناً و اجنبنی و بنی ان نعبد الاصنام۔

یاد کرو جب کہ ابراہیم نے کہا تھا: اے پروردگار اس شہر کو امن والا بنا۔ مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے بچا۔

اسی سلسلۂ دعا میں آگے چل کر ہے:۔

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ۔

اے رب میں نے اپنی کچھ ذریت ناقابل کاشت میدان میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسائی ہے۔ اے رب اس لئے کہ یہ لوگ نماز ادا کریں۔

اس کے آگے ہے:۔

رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ و من ذریتی۔ اے رب مجھے اور میری ذریت کے کچھ لوگوں کو پابند نماز رکھنا۔

ابن منذر نے ابن جریج سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے:۔

فلن تزال من ذریۃ ابراھیم ناس علی الفطرۃ یعبدون اللہ۔

پس اولاد ابراہیم سے کچھ لوگ ہمیشہ فطرت پر قائم رہ کر اللہ کی پرستش کرتے رہیں گے۔

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل نے اولاد ابراہیم

میں کلمۂ توحید باقی رکھا۔ اس میں احتمال تھا کہ ہو سکتا ہے یہ خصوصیت اولاد اسحق میں چلی گئی ہو۔ لیکن بعد والی آیات نے بالکل واضح کر دیا کہ نماز کی پابندی اور بتوں سے اجتناب کی دعا خاص باشندگان مکہ کے لئے ہے۔

اگر حضرت ابراہیم جیسے اولوالعزم نبی کی یہ دعائیں مقبول ہوئیں تو ہر شخص کو یہ ماننا پڑے گا کہ بنی اسماعیل میں کچھ افراد ایسے ضرور ہوئے جو ملت حنفیہ کے پابند رہے۔ اور جن کا دامن شرک کی آلودگی سے بچا رہا۔ ظاہر ہے کہ خانوادۂ اسمٰعیل میں بانیٔ اسلام کے آباء و اجداد سے زیادہ کوئی دوسرا متبع ابراہیم نہیں ہوا۔

اس قیاس سے قطع نظر کرتے ہوئے مؤرخین و محدثین کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسماعیل ہی نہیں بلکہ تمام عرب عہد ابراہیم سے ملت ابراہیم کے پابند رہے۔ اور ان میں سے کسی ایک نے بھی کفر کا ارتکاب نہیں کیا۔ یہاں تک عمرو بن لحی نے بت پرستی پھیلائی۔ عمرو بن لحی کے معاصر اجداد کرام میں سے کنانہ تھے۔

اس سے ثابت ہو گیا کہ حضرت ابراہیم سے کنانہ تک تمام آباء کرام مسلمان تھے۔ رہ گیا کنانہ کے بعد تو ان میں سے مرہ تک کا اسلام تواریخ سے ثابت ہے۔ مرہ کے بعد عبد المطلب تک چار پشتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اسلام کی تصریح ہے نہ کفر کی۔ دلیل اول و دوم کے کلیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی مسلمان ہی ہیں۔ اور اسی کلیہ سے حضرت عبد المطلب و حضرت عبد اللہ کا مسلمان ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں ان دونوں حضرات کے بارے میں بہت سے علماء سیر نے تصریح کی ہے کہ یہ موحد تھے۔

۴۔ ارشاد خداوندی ہے:۔

وھوالذی یراک حین تقوم و تقلبک فی الساجدین

اللہ وہی ہے جو آپ کی شب زندہ داری کو اور ساجدین میں منتقل ہونے کو دیکھتا ہے

اس آیت میں تصریح ہے کہ نور محمدی ساجدین سے ساجدین میں منتقل ہوا۔ یہ ساجدین مومنین کے علاوہ اور کون ہو سکتے ہیں۔

خاتم المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

من نبی الی نبی و من نبی الی نبی۔ — ایک نبی سے دوسرے نبی تک اور ایک نبی سے دوسرے نبی تک

چونکہ اجداد کرام میں انبیاء علیہم السلام کی تعداد جو یقینی طور پر معلوم ہے وہ صرف چھ ہے۔ حضرت اسمٰعیل حضرت ابراہیم حضرت نوح، حضرت ادریس، حضرت شیث، حضرت آدم۔ اس لئے اس کی توجیہ میں علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔

" اس آیت کے لفظ ساجدین کو انبیاء سے اعم معنی پر محمول کرنا زیادہ واضح ہے۔ یعنی وہ پابند صلوٰۃ جو اولاد ابراہیم میں ہمیشہ رہے۔

اس استدلال پر بعض حضرات نے یہ اعتراض کیا ہے تفسیر بیضاوی میں ہے کہ اس آیت میں تقلب سے رات کو گشت کرنا۔ اور ساجدین سے تہجد گزار حضرات مراد ہیں۔ معنی یہ ہوئے کہ اللہ وہی ہے جو آپ کے قیام کو بھی دیکھتا ہے اور رات کو اٹھ کر صحابۂ کرام کے احوال کے تفحص کرنے کو بھی دیکھتا ہے لہٰذا آباء کرام کے مسلمان ہونے پر اس آیت کی دلالت نہ رہی۔

اس کے جواب میں علامہ زرقانی فرماتے ہیں:۔

" یہ تنقید تار عنکبوت سے زیادہ وزن نہیں رکھتی۔ کیونکہ بیضاوی کی تفسیر میں اپنی ذکر کردہ تفسیر کے علاوہ دوسری تفسیر کی نفی نہیں۔ اور نہ اس پر اجماع منقول ہے۔ بلکہ ایک اور تفسیر مذکور ہے کہ ساجدین سے مراد مصلی ہیں۔ اور امام رازی نے اپنی ذکر کردہ تفسیر میں علاوہ دوسری تفسیروں کے نفی نہیں کی۔ بلکہ انھوں نے کہا ہے کہ انتہائی بات یہ ہے کہ آیت کو چند اور وجہوں پر حمل کیا جا سکتا ہے جن میں منافات نہیں۔ تو جس تفسیر کا انھوں نے خود اعتراف کیا اور اس میں اور دوسری تفسیر میں تطبیق کی جانب اشارہ بھی کیا۔ اسے لے کر اعتراض کرنا قابل ذکر نہیں۔ علاوہ ازیں امام رازی نے جو تفسیر کی ہے وہ زیادہ لائق قبول ہے۔

اس کا حاصل یہ کہ آیت میں دو احتمالات ہیں۔ ایک تو تقلب سے مراد نور کا پشت در پشت منتقل ہونا۔ اور ساجدین

سے آباء کرام مراد ہیں ۔ جو مومن اور موحد تھے ۔

دوسرے یہ کہ تقلب سے رات کو حضور کا گشت کرنا اور ساجدین سے تہجد گزار مراد ہیں ۔ اور کسی آیت میں چند احتمالات پیدا ہو جانے سے کسی ایک احتمال لائق حجت ہونے پر کوئی حرف نہیں آتا ۔ کیونکہ علما تفسیر فرماتے ہیں :

القرآن ذو وجوہ وھو حجۃ بکل وجھہ مالم یتناف ۔ قرآن مختلف معنی کا احتمال رکھتا ہے ۔ اور وہ ہر معنی کے اعتبار سے حجت ہے ۔ جب تک آپس میں منافات نہ ہو ۔

یہاں یہ دونوں احتمالات آپس میں منافی نہیں ہیں ۔ لہٰذا اپنے مطلوب کے اثبات کے لئے حجت ہیں ۔

۵ ۔ لقد جاءکم رسول من انفسکم ۔ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک قرارت انفسکم کے بجائے اَنْفَسِکم مروی ہے ۔ جس کا ترجمہ ہوا بیشک تمہارے پاس تمہارے نفیس ترین میں ایک رسول آیا ۔

جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضور کا شجرۂ مبارک اہل عرب کے تمام شجروں سے نفیس ترین ہے ۔ اور یہ اسی وقت درست ہوگا جب کہ آنحضور کے اہل شجرہ مومن موحد ہوں جیسا گزر چکا ۔

۶ ۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں " اللہ عزوجل نے اولاد اسماعیل میں کنانہ کو چنا ۔ اور کنانہ میں قریش کو ۔ اور قریش میں بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں مجھے انتخاب کیا ۔

اولاد اسمٰعیل میں ایک گروہ کا ہمیشہ مسلمان رہنا ثابت ہو چکا ۔ پس اگر اولاد اسمٰعیل میں کنانہ کے بجائے کوئی اور ، کنانہ میں قریش کے بجائے کوئی اور ، قریش میں بنی ہاشم کے بجائے کوئی اور مسلمان ہوتا تو یہ اصطفا بے معنی ہو کر رہ جاتا ۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ بنی اسمٰعیل میں کنانہ اور کنانہ میں قریش اور قریش میں بنی ہاشم ہی حضرت ابراہیم کی توحید و تعلیم کے حقیقی وارث تھے ۔ اور یہ لوگ اسی متاع گراں بہا کی بدولت تمام عالم میں منتخب ہوئے ۔

جب کہ روایت درایت عقل و نقل اس کی مؤید ہیں کہ آباء کرام موحد و مومن تھے ۔ تو اگرچہ بعض علماء نے اس باب میں اس کا خلاف کیا ہے ۔ پھر بھی ہم اسی بات پر یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ حق یہی ہے ۔ کہ نور محمدی صلے اللہ علیہ وسلم جس طرح بتصریح احادیث صحیحہ واجماع علماءِ سیر و حدیث نجاست زنا وسفاح سے منزہ رہا ۔ اسی طرح کفر و شرک سے بھی مشکوٰۃ نبوت ہمیشہ بے داغ رہا ۔

تھوڑی دیر کے لئے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آباء کرام میں چند نفوس وقت کی رو میں بہ کر آلودہ کفر ہو گئے ۔ تو بھی ادب و محبت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم کف لسان کریں ۔ کیونکہ اولاد کے سامنے والدین کے عیوب و گناہ بیان کرنا باعث ایذا ضرور ہوتا ہے ۔ خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے طعن سے شدت کے ساتھ منع فرمایا ہے ۔

چنانچہ زرقانی نے ابن منذر سے روایت کیا ہے کہ سبیعہ بنت ابی لہب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور شکایت کی کہ لوگ مجھے "بنت حمالۃ الحطب" کہتے ہیں ۔ حضور کو جلال آ گیا فرمایا :-

مابال اقوام یوذوننی فی قرابتی من اذانی فقد اذی اللہ ۔ کیا بات ہے کہ کچھ لوگ میرے رشتہ کے معاملے میں مجھے ایذا دیتے ہیں ۔ جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی ۔

اس مقصد شریف کی مباحث جلیلہ علامہ سیوطی کے رسائل ستہ اور اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت فاضل بریلوی قدس سرہ کے رسالہ شمول الاسلام لآباء الرسول الکرام میں مطالعہ کریں ۔

ان عاشقان رسالت اور ذمہ دار اہل تحقیق نے ارباب فکر و نظر اور اصحاب عشق و عرفان کے لئے اس موضوع پر اپنی تصنیفات میں بڑے آبدار موتی رکھ دیئے ہیں ۔ اور ثابت فرمایا ہے کہ سیدنا محمد عربی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام آباء و اجداد ، اور امہات و جدات دولت توحید و ایمان سے سرفراز تھے ۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا
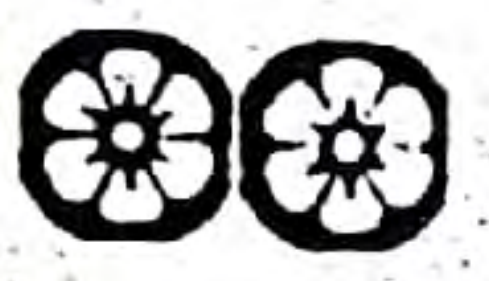
ذکر میلاد اور سلاطین اسلام

مولانا سخاوت علی رضوی بستوی

شاہان اسلام میں سب سے پہلے اس پر عمل کرنے والا سلطان مظفر ابو سعید اربل ہے جس کو صاحب سیرت حلبیہ عالم و عاقل بطل و شجاع کے خطابات سے ذکر فرماتے ہیں۔ سلطان موصوف نے حافظ ابن دحیہ سے میلاد پاک کی ایک کتاب مسمیٰ "التنویر فی مولد البشیر النذیر" بھی تصنیف کرائی اور اس کے صلہ میں مصنف کو ایک ہزار اشرفیاں انعام میں شاہی خزانہ سے پیش کیں وکان یعملہ فی ربیع الاول ویحتفل بہ احتفالا یعنی ماہ ربیع النور باعث سرور میں عظیم الشان محفل میلاد سرور کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات منعقد کرتے تھے اور اس عمل حسن پر تازیست عامل رہے۔ (سیرت نبویہ مصری)

علامہ ابن جوزی کا بیان ہے کہ سلطان مظفر کی مجلس میں شریک ہونے والے نے بیان کیا کہ میں نے پانچ ہزار بکریوں اور دس ہزار مرغ کو اہتمام محفل میلاد کے لئے ذبح کرتے دیکھا اور اس شاہانہ دربار میں سلطان دوجہاں نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر ولادت کی نورانی مجلس میں علماء و صوفیائے عصر حاضر ہوتے اور سلطان موصوف ایک مجلس میں تین لاکھ اشرفیاں صرف فرماتے۔

(سیرت نبویہ مصری)

سیرت حلبیہ میں امام علی بن برہان الدین حلبی شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اکثر و بیشتر لوگوں کی عادت یہ ہے کہ جس وقت ذکر ولادت فخر رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنتے ہیں تو حضور علیہ السلام کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہ قیام بدعت ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے لیکن یہ بدعت، بدعت حسنہ ہے، اس لئے کہ ہر بدعت گمراہی نہیں ہے یہ بدعت ایسی ہی ہے جیسے کہ سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو نماز تراویح جمع ہو کر پڑھتے دیکھا تو فرمایا نعمت البدعۃ ھذہٖ کیا ہی اچھی بدعت ہے

میلاد پاک حب رسول کی نشانی ہے

امام نووی شارح مسلم کے استاذ حضرت ابو شامہ فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے کا کتنا اچھا وہ شخص ہے جو ہر سال ربیع الاول شریف میں حضور اکرم نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے دن فقراء و مساکین میں صدقات تقسیم کرتا اور خود زینت و خوشی کا اظہار کرتا ہے کیونکہ اس میں ایک طرف تو فقراء و غرباء مسلمین کے ساتھ احسان و بھلائی ہے دوسرے اسکے اندر عظمت و محبت رسول کا پتہ چلتا ہے اور تیسرے اللہ رب العزت کا شکریہ ادا ہوتا ہے کہ اس نے ہم پر احسان عظیم فرمایا اور اس سے آگے علامہ سخاوی کا قول نقل فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ بلاشبہ محفل میلاد پاک کے انعقاد کا دستور قرون ثلثہ کے بعد سے ہے لیکن وقت اجراء سے ہمیشہ اہل اسلام کے گاؤں گاؤں اور شہر شہر میں اس پر عمل جاری رہا کہ بارہویں ربیع الاول شریف میں مختلف قسم کے صدقات اور ذکر ولادت سرور کائنات کرتے ہیں اور اس سے ان لوگوں پر خداوند قدوس کا فضل عمیم اور برکات کثیر کا ورود ہوتا ہے

اور امام ابن جوزی فرماتے ہیں کہ میلاد پاک کی برکت کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اس کا کرنے والا سال بھر تک امن وامان میں رہتا ہے اور اسکو اپنے مقصد میں جلد کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

یہ مختصر شواہد پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں اور ان کفر و شرک ساز فیکٹریوں کے منیجروں اور ان کے کرایہ دار ایجنٹوں سے دریافت کرتا ہوں کہ بات بات پر کل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار کی حدیث پڑھ پڑھ کر شرک و بدعت کے جو ایٹم بم چھوڑتے رہتے ہو کیا سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رئیس المبتدعین کا فتویٰ لگاؤ گے کیا امام نووی کے استاد ابو شامہ کے اس قول پر کہ ومن احسن ما ابتدع فی زماننا پر شرک و بدعت کا گولا چھوڑو گے بلکہ وہ تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ ذکر ولادت فخر رسالت علیہ السلام عظمت و محبت رسول کی نشانی اور غافلین کے لئے تازیانہ عبرت ہے۔ بتاؤ! اے گروہ غافلین کے جبہ پوشو! امام ابو شامہ پر کون سا فتویٰ لگاؤ گے۔ اور آگے بڑھو یہ علامہ ابن جوزی ہیں جو فرماتے ہیں کہ محفل میلاد پاک صاحب لولاک علیہ افضل التسلیمات کا انعقاد حصول مقاصد کا ذریعہ اور پورے سال کے لئے امن و امان کا باعث ہے۔ اگر آنکھوں میں بصیرت ہو تو غور سے دیکھو کہ میلاد پاک کرنے والے عید میلاد کا جلوس نکالنے والے کیسے کیسے بدعتیوں کے دامن میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ یہ اسلام کی وہ مایۂ ناز ہستیاں ہیں کہ سامنے آتے ہی تمہارے خانہ ساز فتووں کے گولے سرد پڑ جائیں گے۔

ذرا اور قریب آکر سلاطین ہند کی تاریخ کا بھی ایک سرسری نظر سے مطالعہ کرادوں دیکھو تو مرأۃ سکندری کا مورخ کیا ارقام کر رہا ہے یہ مرأۃ سکندری کا صفحہ ۳۰ ہے سلطان محمود شاہ ثانی کے حالات قلمبند کر رہا ہے کہ سرور کائنات فخر موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت پاک کے ماہ مبارک ربیع الاول شریف کی پہلی تاریخ سے بارہویں شریف تک شہر احمد آباد خیر البلاد کے علماء وصلحاء ومشائخ تشریف لاتے اور کتاب مستطاب بخاری شریف کا دور ہوتا اس کے بعد شاہی اخراجات سے جو تبرک برائے ایصال ثواب روح پر فتوح سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تیار ہوتا تھا،

الحکیم

الودود

الحمید

الباعث

الشہید

مشہور مصور صادقین کی نئی مصورانہ خطاطی

حاضر کیا جاتا اور تمام مہمانان رسول کے سامنے پیش کیا جاتا یہی دستور مسلسل بارہویں ربیع الاول شریف تک جاری رہتا اور خاص

بارہویں شریف کو سلطان موصوف بذات خود کمر ہمت باندھ کر ان معزز علماء و صلحاء و مشائخ کی خدمت کے لئے کھڑے ہوتے اور ان کے مقدس ہاتھوں پر خود اپنے ہاتھ سے پانی گرا کر دھلاتے اور بڑے بڑے امراء و وزراء طشت میں کھانا لاتے اور سلطان موصوف سب کے سامنے کھانا پیش فرماتے اور تا اختتام مجلس ننگے پاؤں کھڑے میزبانی کی خدمت انجام دیتے اختتام مجلس پر ہر ایک کو خلعت خسروانہ اور انعامات شاہی سے اس قدر نوازتے کہ سال آئندہ اس ماہ مبارک تک کے اخراجات و پوشاک کے لئے کفایت کرتا۔

اور سب سے بڑی عقیدت کا اظہار یہ ہے کہ خاص لباس شاہی کے لئے موسم گرما و سرما کے استعمال کے واسطے حیدر آباد سے تیار شدہ کپڑے آتے تھے انہیں اس مبارک اور متبرک مجلس میلاد میں دسترخوان کے لئے استعمال کیا جاتا مجالس مبارکہ ختم ہونے پر ان کپڑوں کو دھلا کر پوشاک سلطانی تیار کرائے جاتے تھے جس کو سلطان محمود سال بھر استعمال فرماتے اور یہی طریقہ سلطان مظفر شاہ کا بھی تھا۔ یہ ہے پیارے آقا کے ذکر پاک کی رفعت، یہ ہے شان میلاد کی ایک جانب علماء اسلام اگر اس کے جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں اور بدعت حسنہ قرار دیکر اس پر عمل کرنا باعث خیر و برکت فرما رہے ہیں عید میلاد منانے کو محبت رسول کی نشانی بتا رہے ہیں، تو دوسری جانب سلاطین اسلام باوجود اپنے شاہانہ رعب و داب کے مجلس میلاد کے مہمانوں کی میزبانی میں اس ادب و احترام و خاکساری کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ راعی و رعیت حاکم و محکوم کا اصلا امتیاز باقی نہیں رہتا بلکہ تخت و تاج کا مالک اس مجلس کے اندر آقائے دو جہاں کے مہمانوں کا خادم نظر آرہا ہے اور اس خدمت کو اپنے لئے باعث فخر تصور کرتا ہے۔ اے منکرین میلاد مصطفےٰ ذرا تم اپنے گریبان میں منھ ڈالکر سوچو کہ جس کا کلمہ پڑھتے ہو اسی کی توہین و تنقیص کو اپنے مشن کا اصول بنا رکھا ہے جس کو اپنی زبان سے نبی (غیب داں) کہتے ہو اسی کے علم پاک کو جانوروں کے علم سے تشبیہ دیتے ہو جس کی عید میلاد جن و انس اور ملک نے بلکہ خود خالق کائنات نے منائی اسکو تم کنہیا کا جنم کہتے ہو اور اس کے کرنے والوں کو اپنے فتوؤں کا نشانہ بناتے ہو۔ افسوس کہ اپنے طریق عمل سے ایسے بے خبر ہو کہ اغیار کے ماتمی جلوسوں میں ننگے سر ننگے پیر معہ جبہ و ریش حوارئین و تلامذہ کو لیکر گشت کرتے ہو اس وقت قرآن و حدیث سے ثبوت جواز کی احتیاج نہیں ہوتی۔ نہ اس وقت شرک و بدعت کا فتویٰ ہی دکھائی دیتا ہے اور جب تیرہویں اور برسی جنم دن اور مرن دن منانا ہوتا ہے تو شریک ہو کر خوب شوق سے پوڑی مٹھائی کھاتے ہو اس وقت دلیل جواز کی تلاش نہیں ہوتی مگر جب بزرگان دین کی نیاز و عرس کا موقع آتا ہے میلاد و جلوس عید میلاد کا مبارک وقت آتا ہے تو قرآن و حدیث سے ثبوت کا سوال کیا جاتا ہے۔

ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔

گویا شریعت اسلامیہ آپ کے قبضہ و اختیار میں ہے آپکی جماعت کے کھدر پوش جسے حلال کردیں وہ بے چون و چرا حلال ہے چاہے کوا ہی کیوں نہ ہو، اور جسے حرام کریں وہ حرام ہوجائے اگرچہ تعظیم رسول ہی کیوں نہ ہو ؎

خرد کا نام جنوں رکھ لیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

للہ! خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اب بھی وقت ہے کہ محبوب دو جہاں سے عقیدت و محبت کا مظاہرہ کرنے والو اور عظمت مصطفےٰ کا پرچم لہرانے والوں کے دوش بدوش شریک ہو کر اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ المولی تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرلو اور اپنے عقائد واہیہ سے جلد تائب ہو کر اپنی ہڈیوں بوٹیوں کو جہنم کے دہکتے انگاروں سے بچالو ورنہ مَنْ سَنَّ فِی الاسْلَامِ سُنَّۃً سَیِّئَۃً فَلَہٗ وِزْرُھَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا۔ کے مواخذہ شدیدہ میں گرفتار ہوگے اور شفیع المذنبین کی شفاعت سے محروم ہو کر خائب و خاسر ہوگے ؎

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا
اور تم پر میرے آقا کی عنایت نہ سہی
نجدیو! کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

وما علینا الا البلاغ المبین

تاجدار محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی آیات میں

سید عشاق محمد قادری

وہ دانائے سبل مولائے کل ختم الرسل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا!
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں وہی طٰہٰ
(اقبال)

اس عالم گیتی میں باختلاف روایت ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث ہوئے، دنیا نے تمام انبیاء و رسل کے حالات زندگی کو یاد نہ رکھا سوائے چند منتخب و برگزیدہ رسولوں کے جن کو قوم نے صرف یاد ہی نہیں کیا بلکہ ان کے نقش قدم پر چلنے کو اپنی نجات کا ذریعہ بنالیا۔ ان میں سب سے عظیم محسن انسانیت تاجدار مدینہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممتاز شخصیت ہے آپ کی مقدس زندگی کا ہر کردار اچھی طرح محفوظ ہے جس کو آج تک دنیا فراموش نہ کرسکی، حالانکہ ۱۴ سو سال کا ایک طویل عرصہ گذر چکا۔ آپ کی سیرت مبارکہ پر ایک دو نہیں بلکہ ہزارہا اہل قلم حضرات نے خامہ فرسائی کی ہے آپ کی حیات طیبہ کے مختلف گوشوں کو واضح کیا ہے حضور علیہ السلام کی زندگی آیات قرآنیہ کی واضح تفسیر تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے برجستہ جواب دیا، کیا تم قرآن کی تلاوت نہیں کرتے، مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہ کنایۃً یہ بتانا چاہتی تھیں کہ حضور کے اخلاق سراپا قرآن تھے۔ لہذا اس مضمون میں میں نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ آپ کی عظیم شخصیت کو قرآنی آیات سے واضح کروں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مالک دوجہاں نے بھی کس قدر آپ کی تعظیم و توقیر کا لحاظ رکھا جیسا کہ حدیث قدسی ہے لولاک لما خلقت الافلاک اور جہاں کہیں ذرہ برابر توہین رسول کا شائبہ ہوا فوراً حکم نازل فرما دیا کہ تمہارے لئے بہتر تھا کہ تم ایسا نہ کرتے صحابۂ کرام، تابعین و تبع تابعین کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلے گا کہ رسول اکرم کا حقیقی مقام کیا ہے اور آپکی عظمت و حشمت کا اصل راز کیا ہے۔ چنانچہ علامہ جامی نے کیا ہی خوب فرمایا ہے

اہم السراحیس نمی بخشد ؛ بے رضائے تو یا رسول اللہ

اللہ جل شانہ کی شان رحیمی کا یہ عالم ہے کہ جب کسی بندۂ مومن کو گناہ کا مرتکب پاتا ہے تو فرشتوں کو اس کے نامۂ اعمال میں صرف ایک گناہ درج کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور اس سے قبل جو کچھ اس بندہ نے نیکیاں کی ہیں وہ سب ویسے ہی محفوظ رہتی ہیں۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابۂ کرام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ حضور علیہ السلام کسی معاملہ میں مشورہ فرما رہے تھے کہ سلسلۂ کلام دراز ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ دوران گفتگو صحابۂ کرام کی آوازیں بے اختیار کچھ بلند ہوگئیں بس کیا تھا خدائے ذوالجلال کا دریائے غضب میں جوش آگیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر جنکی

آوازیں بلند ہوئی تھیں ان سے یوں مخاطب ہوا۔

یا ایہا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجہروا لہ بالقول کجہر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔ (القرآن)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو اور ان سے اس انداز سے کلام نہ کرو جیسا کہ آپس میں تم ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے سارے اعمال (صالحہ) ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر تک نہ ہونے پائے۔

جن کی آواز بلند ہوئی تھی ان کی عقیدت و محبت کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا اور قسم کھائی جا سکتی ہے ان کی عقیدت و ایمان پر کہ حضور کی شخصیت ان کے دل و دماغ میں رچ بس گئی تھی جیسا کہ کئی ایک واقعات شاہد ہیں پھر آپ کی شان مبارک میں گستاخی کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے؟ لیکن پھر بھی اپنے محبوب کی شان میں اللہ تعالیٰ کا یہ اہتمام قابل غور ہے کہ دوران گفتگو بھی تم پر لازم ہے کہ اپنی آواز کو حضور کی آواز سے بلند نہ ہونے دو جس سے شان رسالت میں تنقیص واقع ہو۔

ویسے تو انسان فطری طور پر خطا و لغزش کا پتلا ہے۔ جب کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو ایک گناہ لکھا جاتا ہے ۔ جب گستاخ رسول بنا تو سراپا گناہ ہی نہیں۔ بلکہ مزید اس کے اعمال صالحہ بھی نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔

مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ ادب و احترام کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ وقت کلام تعظیم و تکریم اور احترام کا بھرپور خیال رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ ثابت بن قیس بن شماس کے حق میں نازل ہوئی۔ ان کی آواز بلند تھی۔ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی حضرت ثابت اپنے مکان سے باہر نہیں نکلے اور خود کو اہل دوزخ سمجھ کر خوف و ہراس کے عالم میں گوشہ نشیں ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طویل غیر حاضری کو محسوس کرتے ہوئے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ ثابت بن قیس بن شماس کا کیا حال ہے؟ حضرت سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ تو میرے پڑوسی ہیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے وہ کسی مرض کے شکار تو نہیں ہیں۔ حضرت سعد ان کی عیادت کے لئے گئے تو حضرت ثابت بن قیس بن شماس نے حقیقت حال سے آگاہ کیا "کیا تم نہیں جانتے کہ میرے متعلق حکم خداوندی نازل ہوا ہے کہ میں رفیع الصوت ہوں، میری آواز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر غالب ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ صاف حکم دیتا ہے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سعد نے صورت حال سے مطلع فرمایا ۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، جاؤ ان سے کہہ دو کہ وہ جنتی ہیں۔ مذکورہ آیت کے نزول کے بعد تمام صحابہ آپ کی بارگاہ اقدس میں انتہائی ادب و احترام سے حاضر ہوتے تھے۔

عظمت رسول کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے لمحہ بھر کے لئے بھی اپنے محبوب کی دل شکنی کو گوارہ نہ کیا۔ جب بھی آپ کو ان حالات سے دوچار ہونا پڑتا تو فوراً حکم نازل فرماتا۔

ابتدائے عہد رسالت مصلحتاً کچھ دنوں تک وحی کا سلسلہ موقوف رہا دشمنوں نے طعنہ زنی شروع کی۔ وَدَّعَ مُحَمَّدًا رَبُّہٗ وقلاہ کفار مکہ کی اس حرکت سے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو کافی صدمہ پہونچا اور آپ بہت ہی پریشان و مضطرب ہوئے۔ آخر اللہ تبارک وتعالےٰ نے اپنے محبوب کی دل جوئی ان الفاظ سے کی۔

والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ۔ ما ودعک ربک وما قلیٰ وللاخرۃ خیر لک من الاولیٰ۔ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ۔

ترجمہ:۔ قسم ہے رات کی جب پوری طرح چھا جائے کہ آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا ہے، نہ آپ کو مکروہ جانا ہے تحقیق آپکی ہر آنے والی گھڑی آپ کے لئے پہلی گھڑی سے بہتر ہے۔ بیشک آپ کا خدا عنقریب آپ کو ایسا نوازے گا کہ آپ راضی ہو جائینگے

اس آیت کریمہ میں والضحیٰ اور واللیل سے بعض مفسرین نے عارض تاباں اور گیسوئے محبوب مراد لئے ہیں۔ نشائے کلام یہ ہے کہ اے محبوب اپنے رخ روشن پر زلف عنبریں بکھیر کر تو دیکھو، کیا ایسا پیکر حسین و جمیل بھی قابل رد و انکار ہو سکتا ہے؟

محبوب کی محبت کا یہ عالم ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب کو کفار مکہ کے دل گیر طعنوں پر تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ اے محبوب! کیوں دل گیر ہوتے ہو، تمہارا خدا تم سے ناراض نہیں ہے بلکہ ہر وقت تمہارے ساتھ تمہاری حمایت میں ہے

اوائل اسلام میں کسی کو دعوت توحید دینا موت کے مترادف تھا۔ قدم قدم پر ظلم وستم کے پہاڑ مسلمانوں پر ڈھائے جارہے تھے یہاں تک کہ حضور نے کوہِ فاران سے آواز حق بلند کرتے ہوئے اہل مکہ سے خطاب فرمایا:۔

اے لوگو! اگر میں تمہیں آگاہ کردوں کہ اس گھاٹی میں دشمنوں کا ایک دستہ مستور ہے جو تم پر اچانک حملہ آور ہونے کی تیاریاں کررہا ہے، کیا تم میری اس بات کی تصدیق کروگے؟ تمام ایک زبان ہوکر بول اٹھے کیوں نہیں ...... ! ہم کو آپ پر پورا اعتماد ویقین ہے۔ آپ کی ہر بات پر ہم سر تسلیم خم کرتے ہیں کیونکہ آج تک ہم نے آپ سے نہ جھوٹ سنا ہے اور نہ خیانت دیکھی ہے،

وعدہ لینے کے بعد حضور نے فرمایا میں تمہیں اس سے بھی سنگین عذاب کی خبر دے رہا ہوں جو تم پر مسلط ہے۔ اگر تم امن وسلامتی چاہو تو کفر وشرک کی باطل قوتوں سے نکل دائرۂ اسلام میں داخل ہوجاؤ جس میں تمہاری فلاح وبہبود مضمر ہے۔ خدائے تعالیٰ اپنے کلام پاک میں ان الفاظ کو یوں بیان فرماتا ہے:۔

انی لکم نذیر بین یدی عذاب شدید۔

حضور کی اس گفتگو کو سنکر ابولہب آگ بگولہ ہوگیا اور غصہ میں گویا ہوا تبا لک سائر الیوم الھذا جمعتنا بربادی ہو تیرے لئے تو نے یہی سنانے کے لئے ہم کو جمع کیا ہے۔

حضور کی شان میں یہ گرے ہوئے الفاظ خدا کو بہت ہی ناگوار گذرے ابولہب کے کلمات ختم بھی نہ ہونے پائے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر پیغام خداوندی کو یوں بیان فرمایا:۔

تبت یدا ابی لھب وتب ما اغنیٰ عنہ مالہ وما کسب سیصلیٰ نارا ذات لھب وامراتہ حمالۃ الحطب۔

ترجمہ:۔ ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور اس کا ناس ہو جائے عذاب سے چھٹکارا پانے کے لئے نہ اس کا مال کام آئیگا اور نہ وہ جو اس نے کمایا ہے، وہ اور اسکی بیوی جو لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے پھرتی ہے دونوں جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔

اس طرح دشمن اسلام ابولہب اور اس کی بیوی دونوں کا فیصلہ سنا دیا گیا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے معاملہ میں ڈھیل دیتا رہا۔ جب اپنے محبوب سے متعلق کچھ بات ہوئی فوراً عقاب فرمایا۔ حالانکہ برا کہنے والا جو کچھ کہہ رہا تھا اپنے بھتیجے کو کہہ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے زجر فرماکر واضح کردیا کہ منصب رسالت دنیوی رشتوں سے مبرّا و منزہ ہے۔ حقیقی رشتہ دار تو وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت وعقیدت رکھتا ہو۔ جس کا دل اس وصف سے خالی ہو، یعنی اسلام سے نکل جائے اس کا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کے لئے دردناک عذاب ہے، جیسا کہ سورۂ احزاب کی ۵۷ ویں آیت میں ارشاد فرماتا ہے۔

ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعد لھم عذابا مھینا۔

ترجمہ:۔ بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا وآخرت میں اللہ کی لعنت ہے، ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کردیا گیا ہے۔

مذکورہ آیت میں عذاب مہین کی خبر دی جارہی ہے کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہونچاؤ گے تو خوب یاد رکھو تم سے اللہ اور اس کے رسول ناراض ہوں گے۔ یہی نہیں بلکہ اس کو دردناک عذاب بھی ہے۔ اس سے بڑا شقی و بدبخت اور کون ہوسکتا ہے؟ انہیں چند کلمات پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ سورۂ توبہ کی ۶۱ ویں آیت میں فرماتا ہے۔

والذین یوذون رسول اللہ لھم عذاب الیم

ترجمہ:۔ اور جو اللہ کے رسول کو درد پہونچاتے ہیں ان کیلئے عذاب الیم ہے (دردناک عذاب)

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شان رسالت میں گستاخی ہرگز ہرگز نہیں کی جاسکتی، گستاخی کرنا گویا اپنے ایمان کو ضائع کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید غضبناک انداز میں فرماتا ہے

الم یعلموا انہ من یحادد اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم خالدا فیہا ذلک الخزی العظیم۔

ترجمہ:۔ کیا انہیں خبر نہیں کہ جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا تو اس کو جہنم کی آگ میں ہمیشہ کے لئے ڈال دیا جائیگا یہی بڑی رسوائی ہے۔

گستاخ رسول کا عالم دیکھئے، ایک دو دن نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم کا ہو کر رہ جائے گا۔ نعوذ باللہ من ذلک

غزوۂ تبوک کے موقعہ پر منافقین کی تین جماعتوں میں سے دو جماعتیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق تمسخر اکہتی تھیں ان کا خیال ہے کہ یہ روم جیسی عظیم سلطنت پر غالب آجائیں گے۔ کتنا بعید خیال ہے۔ اتنی کم طاقت پر بھی کتنا فخر و ناز ہے۔ تیسری جماعت ان باتوں کو سنکر قہقہے لگا رہی تھی۔ جوں ہی محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر ملی ان سے استفسار فرمایا کیا تم نے ایسا کہا؟ انہوں نے جوابًا عرض کیا یا رسول اللہ! ہم سفر کی تھکان اور راستہ کی صعوبتوں کو دور کرنے اور ان سے بے حس ہونے کے لئے آپس میں دل لگی اور مزاح کر رہے تھے۔ ابھی یہ کلمات پورے نہ ہونے پائے تھے کہ فوراً اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے ان آیات کا نزول فرمایا۔

ولئن سألتہم لیقولن انما کنا نخوض ونلعب قل أباللہ وآیاتہ ورسولہ کنتم تستہزءون لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم۔ (سورہ توبہ)

ترجمہ:۔ اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے اے محمد! کہہ دیجئے کیا اللہ اور اسکی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی اور مزاح کرتے ہو۔ بہانہ نہ بناؤ۔ بے شک تم کافر ہوگئے مسلمان و مومن ہونے کے بعد

بعض افراد عید الاضحیٰ کے موقعہ پر حضور علیہ السلام سے ایک دن پہلے ہی قربانی کر چکے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ قربانی کرنے کی تاکید کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کچھ لوگ ماہ رمضان کے شروع ہونے سے ایک دن قبل ہی روزہ رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس فعل سے روکتے ہوئے حکم دیا کہ تم روزہ رکھنے میں میرے رسول کی پیروی کرو اور ان سے تجاوز کرنے میں اجتناب کرو، جیسا کہ آیات قرآنیہ شاہد ہیں:۔

یا ایہا الذین آمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ واتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم۔

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے تجاوز نہ کرو، اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بنی تمیم کی ایک جماعت اسلام قبول کرنے کے شوق میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطہ میں داخل ہو کر پوچھنے لگی کہ خدا کے رسول محمد بن عبد اللہ فی الوقت کہاں ہیں؟ دوپہر کا وقت تھا، دھوپ اپنے پورے شباب پر تھی، ہر ایک کی حالت جواب دے رہی تھی، لیکن ایسی بری بے بسی کی حالت میں بھی اسلام کے ساتھ ان کی عقیدت و محبت بڑھتی ہی جا رہی تھی جیسا کہ کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
جتنا ہی دباؤ گے اتنا ہی وہ ابھرے گا!

صعوبت سفر کا بھی ان کو احساس نہ تھا۔ ان کا مطمح نظر صرف یہی تھا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پر بیعت اسلام سے مشرف ہوں۔ آخر جب اطلاع ملی کہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کاشانۂ رحمت میں استراحت فرما رہے ہیں شوق ایمانی میں حضور کے دولت کدے کی جانب دوڑ پڑے۔ جا کر باہر ہی سے آوازیں دینے لگے۔ حضورؐ اسی وقت رونق افروز ہو کر ان کے ایمانی جذبات کو دیکھ کر انہیں اسلام جیسی عظیم نعمت سے بہرہ ور فرمایا۔

ابھی شیدائیان اسلام کی یہ جماعت بارگاہ نبوت سے نکلی بھی نہ تھی کہ جبرئیل علیہ السلام خدا کی جانب سے ان آیات قرآنی کے ساتھ حاضر ہوئے جنکو سورہ حجرات میں بیان کیا گیا ہے۔

ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرہم لا یعقلون ولو انہم صبروا حتی تخرج الیہم لکان خیرا لہم واللہ غفور رحیم۔

ترجمہ:۔ اے محبوب! جو لوگ حجروں کے باہر کھڑے ہو کر آپکو ندا دے رہے ہیں ان میں زیادہ تر ایسے لوگ ہیں (جو منصب رسالت و نبوت کے آداب سے) نابلد ہیں۔ اگر وہ صبر و سکون کے ساتھ آپ کی

تشریف آوری کا انتظار کرتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا اور (چونکہ اس نادانی کا ارتکاب جذبۂ شوق کی وارفتگی میں ہوا ہے۔ اس لئے) اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

محبوب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کا اندازہ کیجئے کہ نبی کا فریضۂ منصبی تو یہ ہے کہ مخلوق کو مالک حقیقی کا حقیقی پرستار بنائے اور اُن کو اسلام و تعلیمات قرآنیہ کی دعوت دے۔ بات واضح ہے کہ جو جماعت توحید کا اشتیاق لیکر در رسول پر آئی تھی اسکی بیقراری و بے چینی ایک ایسے فرض کی ادائیگی کے لئے تھی جس کا تعلق منصب نبوت سے تھا۔ ان کی حاضری استراحت کے وقت شوق ایمانی میں آواز دینا یہ سب کچھ ایک اہم مقصد کے لئے تھا۔ لیکن باوجود اس کے حق تعالیٰ نے صاف و صریح انداز میں بیان فرمادیا کہ منصب رسالت و نبوت کے سامنے آپ کے ہزاروں مقاصد بھی کیوں نہ ہوں محبوب کے اکرام و اعزاز سے اہم کوئی کام نہیں ہوسکتا ———— ایسے کئی ایک واقعات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں ایسے لفظ کو ناپسند فرمایا جسکے دو معنی نکلتے ہیں۔ اچھا بھی برا بھی۔ یہ بات مشہور ہے کہ حضور علیہ السلام کی تقریر کے دوران صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کسی بات کی وضاحت مزید کے لئے راعنا یا رسول اللہ جیسے الفاظ کا سہارا لیتے جس کا مطلب ہے فرمائیے۔ یعنی بات کو واضح کیجئے "راعنا" مشترک لفظ ہے جس کے معنی یہود کے یہاں گالی کے بھی ہیں۔ یہود جو اللہ اور اس کے رسول کے سخت دشمن تھے مجمع عام میں حضور سے لفظ راعنا کے ذریعہ مخاطب ہوتے۔ اس طرح اپنی دلی بھڑاس نکالتے۔ یوں تو دونوں لفظ راعنا کو استعمال کرتے تھے مگر فرق صرف نیتوں کا تھا۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ یہودیوں کی شرارت سے اچھی طرح واقف تھے جوں ہی ان کلمات کو آپ نے سنا، جوش غضب کے ساتھ اعلان کیا کہ اگر کوئی لفظ راعنا سے حضور کو مخاطب کرے گا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ یہودیوں نے کہا آپ ہم پر بلا وجہ کیوں برہم ہو رہے ہیں — مسلمان بھی اسی لفظ سے پکارتے ہیں۔ جب حضور کو اس کا علم ہوا تو آپ بے حد رنجیدہ ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فوراً حضرت جبرئیل امین کو اس حکم کے ساتھ روانہ کیا:

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا واسمعوا وللکٰفرین عذاب الیم۔

ترجمہ:- اے ایمان والو! راعنا کی جگہ انظرنا (ہماری طرف نگاہ کرم کیجئے) کہا کرو اور (رسول کی باتیں) غور سے سنو۔ اور (ان) کافروں کے لئے (جو دل میں اہانت رسول کا جذبہ چھپائے ہوئے ہیں) دردناک عذاب ہے۔

مذکورہ آیت سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حضور علیہ السلام کی شان میں ایسا لفظ بھی گوارا نہیں جس کے ایک معنی سے تنقیص کا پہلو بھی نکلتا ہے۔

حضور کا قول اللہ کا قول ہے اور رسول کا طلب کرنا گویا اللہ کا طلب کرنا ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف کی ایک حدیث سے ظاہر ہے۔ جس کو حضرت سعید بن معلیٰ نے روایت کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں نماز ادا کر رہا تھا، اتفاق سے مجھے تاجدار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب فرمایا لیکن مجھے نماز نے جواب دینے سے باز رکھا۔ نماز سے فراغت پانے کے بعد بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا، یا رسول اللہ! میں نماز میں تھا۔ حضور نے فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد تم نے نہیں سنا کہ اللہ و رسول جب طلب کریں فوراً حاضر ہو جاؤ۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب نماز پڑھ رہے تھے۔ حضور نے انہیں آواز دی۔ آپ جلدی سے نماز ختم کرکے، حاضر ہوئے ادب و احترام سے سلام کیا، حضور نے فرمایا کیا تم نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت نہیں کی:

یا ایھا الذین اٰمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم۔

ترجمہ:- اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول تمھیں اس چیز کے لئے بلائیں جو تمھیں زندگی بخشے گی۔

مذکورہ قرآنی آیت و احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ تم نماز ہی میں کیوں نہ ہو، جب بھی حضور تمھیں آواز دیں تو حکم کی فوراً تعمیل کرو، کیونکہ حضور کا ہر قول اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ مفسرین کرام نے لفظ "یحییکم" کے معنی مختلف بیان فرمائے ہیں۔ بعضوں نے

ایمان مراد لیا ہے کیونکہ کافر مردہ دل ہوتا ہے۔ ایمان ہی کے ذریعہ اس کو حیات ابدی حاصل ہوتی ہے۔ قتادہ نے فرمایا دلوں کو زندہ کرنے والی چیز قرآن کریم ہے اس لئے کہ وہ قلوب کو ابدی زندگی بخشتا ہے۔ محمد بن اسحاق نے فرمایا وہ چیز جہاد فی سبیل اللہ ہے کیونکہ اس کی بدولت شہید زندہ رہتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون۔

اللہ تعالیٰ مومنوں سے خطاب فرماتا ہے کہ تم میرے رسولوں کی تعظیم و تکریم کرو جیسا کہ سورہ مائدہ کی ۱۱ ویں آیت میں ہے۔

وآمنتم برسلی وعزرتموھم واقرضتم اللہ قرضاً حسنا لاکفرن عنکم سیأتکم ولادخلنکم جنٰت تجری من تحتھا الانھار فمن کفر بعد ذٰلک منکم فقد ضل سواء السبیل

ترجمہ:۔ اور یقین لاؤ گے میرے رسولوں پر اور مدد کرو گے ان کی اور قرض دو گے اللہ کو اچھی طرح کا قرض تو البتہ دور کردوں گا میں تم سے گناہ تمہارے اور تم کو باغوں میں داخل کردوں گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ پھر جو کوئی تم میں سے کافر ہوا اس کے بعد تو بیشک وہ گمراہ ہوا سیدھے راستے سے۔

اور سورہ اعراف کی ۱۵۶ ویں آیت میں فرماتا ہے:۔

فالذین آمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی اُنزل معہ اولٰئک ھم المفلحون۔

ترجمہ:۔ وہ جو اس پر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہی بامراد ہیں

ان آیات سے حضور کا صحیح مقام اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی انکار کرے تو یہ اس کی جہالت و نادانی ہے۔

مذکورہ آیت شریفہ میں نور سے مراد قرآن پاک ہے جو مومن کے دل کو منور کرتا ہے۔ جس سے باطل کی تاریکیاں دور ہوجاتی ہیں۔ اور وہ اللہ کے کامیاب بندے ہوجاتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اولٰئک ھم المفلحون وہی لوگ (جو رسول کا ادب و احترام کریں گے ہر قول میں رسول کی اتباع کریں گے) بامراد ہوں گے۔ یہ بات واضح ہے کہ اخروی نجات کا دارومدار حضور کی تعظیم و توقیر پر موقوف ہے۔ مزید اس کی تائید میں اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے:۔

اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضللاً مبیناً۔

ترجمہ:۔ جب اللہ اور اس کے محبوب کچھ حکم فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے بیشک وہ صریح گمراہی میں ہے۔

یہ آیت پاک زینب بنت جحش اسد اور آپ کے بھائی عبداللہ بن جحش اور آپ کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت امیمہ رضی اللہ عنہا حضور کی حقیقی پھوپھی تھیں، واقعہ یہ ہے کہ زید بن حارث رضی اللہ عنہ جن کو سرکار دو جہاں نے خود آزاد کیا تھا وہ ہر وقت حضور کی خدمت میں رہا کرتے تھے ان کے لئے جب حضور نے حضرت زینب کو پیغام نکاح روانہ کیا تو زینب اور ان کے بھائی نے انکار کردیا اسی وقت فوراً ان آیات کا نزول ہوا جب اس کی خبر حضرت زینب اور ان کے برادر کو پہنچی تو وہ نکاح کے لئے راضی ہوگئے۔ اور حضور نے حضرت زید کا نکاح دس دینار ساٹھ درہم اور ایک صاع کھجور مہر پر زینب کے ساتھ کردیا۔ قرآن کریم کی اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اطاعت رسول ہر حال میں واجب ہے۔ حضرت زینب وغیرہ کا انکار کرنا خدا وند قدوس کو گوارا نہ ہوا فوراً حکم نازل فرمادیا کہ خدا اور رسول کے مقابلے میں اپنے نفس پر بھی تم کو کوئی حق واختیار نہیں۔ والمحصنٰت سورہ النساء کی ۶۴ ویں آیت

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما۔

ترجمہ:۔ اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ لوگ مومن اس وقت تک نہیں ہوسکتے جب تک کہ وہ آپس کے جھگڑوں میں آپ کو حاکم نہ بنائیں (اور حاکم ہی نہیں) جو کچھ تم حکم نافذ کرو اس سے اپنے دلوں میں رکاوٹ نہ پائیں (اس میں مزید غور و فکر نہ کریں کہ یہ حضور نے کیوں کہا) اور جی سے بسر و چشم ہر حکم کو قبول کرلیں۔

ان آیات قرآنیہ سے پتہ چلاکہ مومن اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک حضور کے حکم کی پوری طرح تعمیل نہ کرے۔ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ ایک انصاری سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی پہاڑ سے آنے والی نہر سے متعلق جس سے باغوں کی آبیاری کی جاتی تھی جھگڑا ہوگیا دونوں بارگاہ رسول میں حاضر ہوئے حضور نے فیصلہ دیا کہ زبیر پہلے اپنی کھیتی کو سیراب کرلیں، پھر اپنے پڑوسی کو موقع دیں کہ وہ بھی اپنی کھیتی سیراب کرلیں۔

یہ فیصلہ انصاری کو پسند نہ آیا اور کہنے لگا زبیر تو آخر آپکے پھوپھی زاد بھائی ہی تو ہیں۔ حالانکہ حضور نے اس انصاری کے ساتھ احسان کرنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ لیکن انصاری نے اپنی کم عقلی کی وجہ اس فیصلہ کی قدر نہ کی جس پر حضور نے جلال میں آکر زبیر کو حکم دیا کہ اپنے باغ کو سیراب کرکے پانی روک لو۔ فضل و احسان تو یہی ہے کہ قریب والا بھی مستحق نعمت بنے۔ دیکھئے کہ حضور کے حکم کا انکار کرنا اللہ کی نعمت سے محرومی کا سبب بن گیا۔

جب کبھی حضور مسجد نبوی میں خطبہ دیتے تو منافقین بھی حاضر ہوتے۔ جب کلام رسول کا سننا ان پر بوجھل ہوجاتا تو آہستہ آہستہ صحابہ کی آڑ لے کر ہٹتے ہٹتے خارج مسجد ہوجاتے۔ انکا مقصد اس حرکت سے یہ تھا کہ رسول کی توہین ہو۔ لیکن ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ رسول سے کوئی شئی پوشیدہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ذلیل حرکت پسند نہ آئی لہذا فوراً آگاہ کرنے کے لئے قد افلح المومنون سورہ نور کی ۶۲ ویں آیت میں ارشاد فرماتا ہے:۔

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً قد یعلم اللہ الذین یتسللون منکم لواذا فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبہم فتنۃ او یصیبہم عذابٌ الیم۔

ترجمہ:۔ رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیساکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو (کیونکہ رسول جس کسی کو ندا دیں تعمیل و اجابت اس پر واجب ہوجاتی ہے اور بادب بارگاہ رسول میں حاضری دینا اس پر لازم ہو جاتا ہے) بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم میں سے چپکے نکل جاتے ہیں، کسی چیز کی آڑ لیکر تو ڈریں وہ جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ انھیں کوئی فتنہ پہونچے (جیسے دنیا میں تکلیف یا زلزلے یا ہولناک حوادث یا ظالم و جابر بادشاہ کا مسلط ہونا یا دل کا سخت ہوکر معرفت الہیہ سے محروم ہوجانا) یا دردناک عذاب پڑے (جو آخرت میں ہونے والا ہے)

حضور سے کوئی پہلو مخفی بھی رہتا تو فوراً اللہ تعالیٰ اس کو آپ پر واضح کردیتا جیساکہ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت منافقین کی ان حرکتوں کو حضور علیہ السلام پر کھول دیا کہ اے محمد! دیکھو تمہارے ساتھ ان کا کیا رویہ ہے، ان سے کہہ دو اگر ان کی یہی حالت رہی تو ان کے لئے آخرت کا المناک عذاب ہے۔

ایک مرتبہ ولید بن مغیرہ حضور سے مخاطب ہوکر کہنے لگا۔ یاایھا الذی نزل علیہ الذکر انک لمجنون اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کی شان میں ان گستاخانہ الفاظ کو جیسے ہی سنا ان کی تردید کرتے ہوئے ان آیات کو نازل فرمایا:۔

نٓ۔ والقلم وما یسطرون۔ ما انت بنعمۃ ربک بمجنون وان لک لاجرا غیر ممنون وانک لعلیٰ خلق عظیم فستبصر ویبصرون بایکم المفتون۔

ترجمہ:۔ قسم ہے قلم کی اور ان کے نوشتوں کی کہ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں اور یقیناً آپ کے لئے بے پایاں اجر و ثواب ہے اور بلاشبہ آپ کی خو بڑی شان کی ہے۔ پس عنقریب آپ بھی ملاحظہ فرمائیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ پاگل کون ہے۔

رسول کی بھی کیا عظمت و شان ہے کہ دشمن تو سوال کررہا تھا حضور سے اور جواب اللہ تعالیٰ دے رہا ہے جس میں اسکی مذمت ہی مذمت ہے۔ اس گستاخ رسول کی ذلت کا اب اندازہ لگائیے کہ دشمنِ محبوب کے ساتھ قرآن کے کیا الفاظ ہیں اور کلام کا تیور کتنا خوفناک و غضب انگیز ہے۔ جسکو سورہ قلم کی ان آیات میں اس طرح بیان فرماتا ہے:۔

لا تطع کل حلاف مہین ہماز مشاء بنمیم مناع للخیر معتد اثیم عتل بعد ذلک زنیم ان کان ذا مال و بنین اذا تتلیٰ علیہ اٰیتنا قال اساطیر الاولین سنسمہ علی الخرطوم۔

ترجمہ:۔ اے محبوب! کسی بھی ایسے شخص کی بات مت سنو جو بڑا قسمیں کھانیوالا ذلیل، بہت بڑا طعنہ باز، بہت بڑا چغلی باز، بھلائی

سے بہت زیادہ روکنے والا، حد سے زیادہ گذرا ہوا گنہگار درشت خُو اور سب پر طرہ یہ کہ ولدالحرام ہے اگر چہ وہ مال و اولاد والا ہے جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ اگلوں کے قصے ہیں۔ عنقریب ہم اس کی سور جیسی تھوتھنی پر داغ دیں گے،

دنیوی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آدمی جب اپنے دشمن کے عیوب کو ظاہر کرتا ہے تو صرف یہی کہا جاتا ہے کہ یہ تو ہیجان نفس کا رد عمل ہے لیکن یہاں وہ بات ہی نہیں ہے۔ یہ تو تمام ظاہری و باطنی عیوب سے پاک و صاف مقدس کلام خداوندی ہے جس میں شوائب نفسانی کا گمان بھی ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ جس کی ایک صفت ستارالعیوب وغفارالذنوب بھی ہے جو بڑے سے بڑے بدکردار گنہگار کے عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے مگر جس نے اس کے محبوب سے کوئی گستاخی کی اس کو رسوا کر کے رکھ دیا اور صاف کہہ دیا کہ شان رسالت میں گستاخی تمہاری دنیا و آخرت فنا و برباد کر کے رکھ دے گی۔

جوں ہی یہ آیتیں نازل ہوئیں ولید بن مغیرہ چلاتے ہوئے بھاگ نکلا اور اپنی والدہ سے سوال کرتا ہے، کہ ماں میں ابھی ابھی محمد بن عبداللہ کے پاس سے آ رہا ہوں، انہوں نے میرے متعلق دس پوشیدہ خامیاں بیان کی ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ وہ صفات میرے اندر ہیں، لیکن ایک بات جو محمد ہی نے بتائی ہے، جو میرے دل میں کھٹک رہی ہے وہ یہ ہے کہ میری اصل میں بھی فرق ہے جسکو میں نہیں جانتا اور یہ غلط بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ محمد کا قول ہے۔ محمد نے کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ اب حقیقت تو ہی اچھی طرح جانتی ہے وہ کیا ہے؟ سچ سچ بتا ورنہ تیرا سر قلم کر دوں گا۔ غضب ناک تیور دیکھ کر ماں گھبرا گئی اور حقیقت حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا اے بیٹے! تیرا باپ نامرد تھا اور اس کثیر جائیداد کا وارث ہمارے بعد کوئی نہیں تھا۔ اس کی مجھے بڑی فکر تھی۔ میری دوستی ایک چرواہے سے ہوئی اور مجبوراً مجھے اس کی طرف مائل ہونا پڑا اور تو اسی دوستی کا نتیجہ ہے ورنہ اس کا وارث آج کون تھا؟۔

گستاخ رسول نے شان رسالت پر حملہ کرنا چاہا۔ لیکن خود برباد ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات کسی حالت میں پسند نہ تھی اپنا محبوب غمگین و غمزدہ ہو۔ جب کبھی ظالموں نے حضور کی شان میں گستاخی کی اسی وقت منہ کی کھا کر رہ گئے۔

حضور کے فرزند ارجمند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو کفار مکہ طعنہ دینے لگے کہ محمد ابتر ہو گیا (نعوذ باللہ) یعنی اب محمد کا نام لیوا کوئی نہیں رہا۔ غور کیجئے کہ ایک لخت جگر کی وفات ہی کا صدمہ باپ پر کیا کم ہوتا ہے، اس پر مزید ظالموں کے سلوک نے دل کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ جس کی غیر معمولی ٹھیس نے حضور کو نہایت غمزدہ کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فوراً جبرئیل امین کو حضور کی دل بستگی و دلجوئی کے لئے ان آیات کے ساتھ روانہ کیا۔

انا اعطینٰك الكوثر فصل لربك وانحر ان شانئك هو الابتر۔

ترجمہ:۔ اے محبوب! ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔ پس آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے یقیناً آپ کا دشمن ہی ابتر ہے۔

یعنی اے محمد! آپ کی اولاد آپ کا نام روشن کرتی اور آپ کی توصیف و تعریف بیان کرتی تو آپ کے یہ دشمن جو آپ کے خون کے پیاسے ہیں، یہی کہتے کہ یہ خون کا رشتہ ہے، اولاد حقیقی ہے، اسی لئے تعریف کر رہی ہے، اس لئے ہم نے تمہارے نام کو تا قیامت زندہ رکھنے کے لئے ایک ایسی اولاد آپ کو عنایت کی ہے جو آپ سے ہے اور نہ آپ کے اہل و عیال سے اور وہ آپکی اولاد نہ ہوتے ہوئے بھی آپ کے نام کا پرچم بلند کرتی رہے گی، وہ ہے آپ کی امت۔

بعض مفسرین کرام نے کوثر سے خیر کثیر مراد لیا ہے اور بعضوں نے حوض کوثر کہا ہے۔

کسی غزوہ کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابی نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا اونٹ کھو گیا ہے حضور نے کہا جاؤ تمہارا اونٹ فلاں وادی میں ہے۔ وہ صحابی فوراً اس مقام پر پہونچے اور اپنا گمشدہ اونٹ حاصل کر لیا۔ جب اس کی خبر منافقین کو ہوئی تو کہنے لگے کہ محمد کو علم غیب سے تعلق ہی کیا ہے کہ وہ ایسی خبریں دے رہے ہیں۔ طنز و مزاح کے طور پر کہنے لگے وما یدریه بالغیب، محمد غیب کی باتیں کیا جانے،۔

جب اس بات کا حضور کو علم ہوا بلوا کر فرمایا کیا تم نے ایسا کہا ہے؟ منافقوں کی خصلت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے قول پر ثابت قدم نہیں رہتے، لہذا انہوں نے کہا ہم تو یوں ہی مزاح کر رہے تھے آپ کے علم غیب پر ہمیں کوئی انکار و اعتراض نہیں ہے، ہمارا تو وہی عقیدہ ہے جو دیگر صحابہ کا ہے۔ منافقین ابھی اپنی باتیں گول مول کر کے پیش کر ہی رہے تھے جبرئیل امین خدائے ذوالجلال کی جانب سے یہ آیتیں لے کر حاضر ہوئے۔

قل اباللہ وآیتہ و رسولہ کنتم تستہزؤن لاتعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم۔

ترجمہ:۔ اے محبوب! آپ سنا دیجئے کہ کیا مذاق کرنے کیلئے اللہ اور اس کی آیتیں و رسول ہی ہیں۔ باتیں نہ بناؤ۔ ایمان قبول کرنے کے بعد تم کافر و مرتد ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول کی اطاعت و فرماں برداری کو اپنی اطاعت و فرماں برداری قرار دیا ہے، ایک مرتبہ حضور خطبہ دے رہے تھے درمیان خطبہ میں آپ نے فرمایا من اطاعنی فقد اطاع اللہ اس پر بعض یہود کانا پھوسی کرنے لگے کہ اب یہ خدائی مرتبہ و مقام بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ یہی چاہتے ہیں کہ خدا کی طرح ان کی عبادت و پرستش کی جائے۔ جیسے ہی ان کی زبان سے یہ کلمات نکلے فوراً مندرجۂ ذیل آیات نازل ہوئیں۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ومن تولی فما ارسلناک علیہم حفیظا۔

ترجمہ:۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے آپ کی اطاعت سے گریز کیا تو سن لیجئے اس پر آپ کا کوئی ذمہ نہیں ہے۔

زید بن حارثہ نامی ایک صحابی تھے جنہیں حضور نے اپنا منھ بولا بیٹا بنالیا تھا۔ تمام صحابۂ کرام میں یہ فخر و اعزاز صرف انہیں کو حاصل تھا۔ جب موصوف نے میدان شباب میں قدم رکھا تو حضور نے ایک معزز خاتون حضرت زینب بنت جحش سے نکاح کروا دیا۔ لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ازدواجی تعلقات کچھ ایسا موڑ اختیار کر گئے کہ نوبت طلاق تک آپہونچی۔ بعد طلاق و عدت کے جبرئیل بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور خدائی حکم فلما قضیٰ زید منہا وطرا زوجنٰکہا سنا دیا کہ زید کے نکاح کے بعد ہم نے آپ کا نکاح زینب کے ساتھ کر دیا اور حضرت زینب اس نکاح پر بے حد نازاں و فرحاں تھیں کہ خدا خود میرے نکاح کا متولی ہوا اور اس نکاح میں اب کوئی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

لیکن دشمنان رسول کو ایک اور اچھا موقعہ ہاتھ آیا۔ انہوں نے آپ کے پاک و صاف دامن پر طعن و طنز کے چھینٹے اڑانے لگے کہ محمد جو اپنے کو خدا کا رسول و خاتم الانبیاء بتاتے ہیں انہوں نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے،

دشمنوں کی زبان سے جوں ہی یہ ناپاک کلمات نکلے اللہ رب العزۃ نے فوراً ان کو آگاہ کر دیا:۔

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شئی علیما۔

ترجمہ:۔ محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں۔ پس وہ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر شئی کو اچھی طرح جانتا ہے

انبیاء سابقین کو جب ان کی قوموں نے جھٹلایا اور ان کی نبوت و رسالت کا انکار کیا تو خود انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رسول و نبی ہونے کی شہادت دی۔ جیسا کہ ہود علیہ السّلام نے خود پر قوم کے الزام سفاہت کا رد کرتے ہوئے اپنی رسالت کے متعلق کہا یٰقوم لیس بی سفاھۃ ولکنی رسول من رب العٰلمین

اب محبوب رب العالمین کی شان بھی ملاحظہ فرمائیے خود اللہ رب العزۃ آپ کے رسول ہونے کی شہادت دیتے ہوئے فرمارہا ہے محمد رسول اللہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ دیکھا آپ نے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ سے کتنی محبت تھی کہ آپ کے ساتھ بے ادبی کرنے والوں کو نہ صرف ٹوک دیا بلکہ ان کو سزائیں دیں، عذاب میں مبتلا کر دیا، غرض دنیا کی کوئی طاقت بھی آپ کے مقام کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتی۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

نشان

شانِ ہادی

غزالیِ دوراں حضرت علامہ شاہ احمد سعید کاظمی
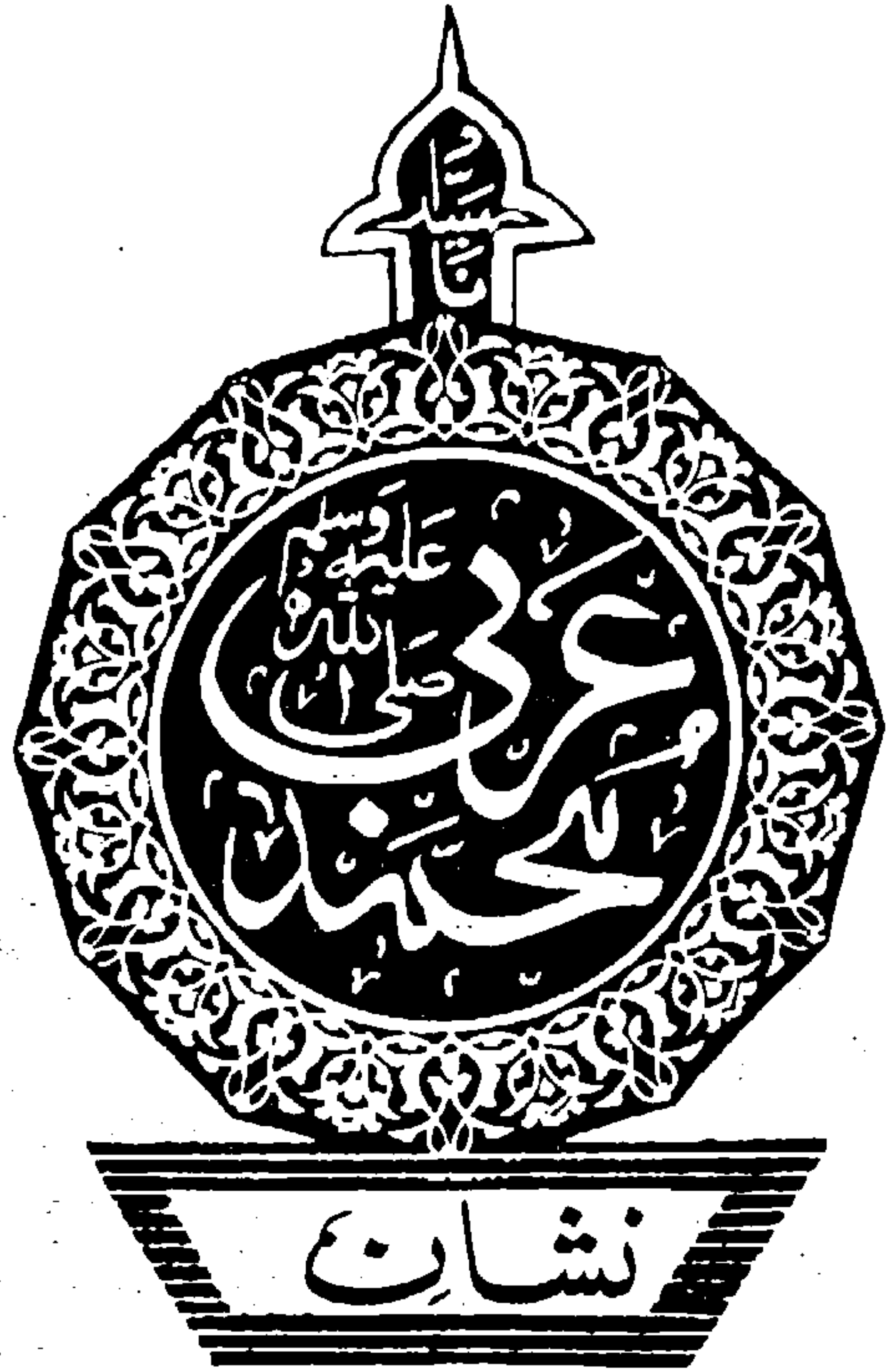
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ط (پ ۲۶ سورہ فتح)

ترجمہ:- وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ تاکہ وہ اسے غالب کر دے تمام ادیان پر۔

سب سے پہلے تو بات یہ ہے کہ "ھُوَ" ضمیر ہے یہ اسم ہے "اَلَّذِیْ" اسم موصول ہے لیکن یہ بھی اسم ہے، یاد رکھیے کہ ضمیر ہو یا موصول یہ دونوں اسم مبہم ہوتے ہیں، ان میں پوشیدگی ہوتی ہے۔ "ھو" "وہ" اب آپ کو کوئی پتہ نہ چلا کہ کون سی ذات، تو ضمیر میں بھی ابہام ہوتا ہے اور موصول میں بھی ابہام ہوتا ہے ضمیر کا ابہام مرجع سے دور ہوتا ہے جدھر ضمیر لوٹتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ مرجعِ ضمیر سے ضمیر کا ابہام دور ہوگا۔ مثلاً میں کہوں کہ "زید (مرجع) آیا اور اس نے کہا"۔

"اس (ضمیر) نے" یہ لفظ "اس" ضمیر ہے اب اس کا مرجع کیا؟ —— زید ہے۔

جب تک زید نہ ہو ضمیر کا پتہ نہیں چلتا اور اس کی پوشیدگی دور نہیں ہوتی۔ تو معلوم ہوا کہ ضمیر کی پوشیدگی مرجع سے دور ہوتی ہے۔ اور اسم موصول میں جو ابہام اور پوشیدگی ہے وہ صلے سے دور ہوتا ہے۔ صلہ اسم موصول کے ابہام کو دور کرنے کیلئے ہے اور مرجع ضمیر کی پوشیدگی دور کرنے کے لئے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ھُوَ الَّذِیْ"، "ھُوَ" ضمیر "الذی" اسم موصول۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں اسم مبہم بیان فرمائے۔ اب پتہ نہیں چلا کہ "ھو" کون اور "الذی" کون۔

تو پہلی بات یہ ہے کہ موصول کا ابہام صلے سے دور ہوتا ہے اور وہ موصول کہ ضمیر کا مصداق بھی وہی ہے تو جب اس کا ابہام دور ہوگا تو ضمیر کا ابہام خود بخود دور ہو جائے گا۔

ارشاد ہوتا ہے "الذی" یہ الذی اسم موصول ہے اور اس کا صلہ ہے اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ، "اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا"۔ مقصد کیا ہے کہ جس طرح موصول کا ابہام صلے کے بغیر دور نہیں ہوتا، جس طرح ضمیر کا ابہام مرجع کے بغیر دور نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی معرفت میں تمہیں جو ابہام پڑ گیا ہے وہ رسول کے بغیر دور نہیں ہوگا۔ مرجع کے بغیر ضمیر نہیں پہچانی جاتی، صلے کے بغیر موصول کا پتہ نہیں چلتا اور رسول کے بغیر خدا کا پتہ نہیں چلتا۔

آپ کہیں گے کہ ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ رسول کے بغیر خدا کا پتہ نہیں چلتا قرآن کریم تو کہتا ہے کہ،

اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ (پ)

ترجمہ:- بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات دن کے بدلنے میں اہل عقول کیلئے نشانیاں ہیں،

امور کائنات کا ہر ذرہ خدا کی قدرت کا نشان ہے اور نشان سے اگر پتہ نہ چلے تو وہ نشان کا ہے کا۔ تو آپ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ رسول کے بغیر خدا کا پتہ نہیں چلتا۔ گھاس کا ایک تنکا بھی خدا تعالیٰ کی قدرت کا نشان ہے۔ چاند، سورج، یہ دن رات کی گردشیں ہوائیں، سمندر، پہاڑ، نباتات، جمادات، موالید، عنصر، معانی، اعراض، جواہر اور جملہ کائنات ایک ایک ذرہ خدا کی قدرت خدا کی معرفت کا نشان ہے۔ اور نشان وہ ہوتا ہے جس سے کسی کا پتہ چلتا ہے۔ ہم چاند کو دیکھتے ہیں ہمیں خدا کا پتہ چل جاتا ہے، ہر مصنوع سے صانع کا پتہ چلتا ہے۔ ہر مخلوق سے خالق کا پتہ چلتا ہے تو تم کیسے کہتے ہو کہ رسول کے بغیر خدا کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ بات تو سمجھ میں نہیں آتی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کائنات کا ہر ذرہ خدا کی معرفت کا نشان ہے۔ آمنا وصدقنا قرآن کہتا ہے:

اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِی تَجْرِی فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (سورۂ بقرہ آیت ۱۶۴)

ترجمہ:- بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کی گردش میں اور جہازوں میں جو چلتے ہیں سمندر میں وہ چیزیں اٹھائے جو نفع پہنچاتی ہیں لوگوں کو اور جو اتارا اللہ نے بادلوں سے پانی پھر زندہ کیا اس کے ساتھ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد اور پھیلادیئے اس میں ہر قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلتے رہتے میں اور بادل میں جو حکم کا پابند ہو کر آسمان اور زمین کے درمیان (لٹکا رہتا) ہے، (ان سب میں) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔"

نشانی وہی ہوتی ہے جس سے کسی چیز کا پتہ چلتا ہو۔ تو نشانی نشان والے کے لئے دلیل ہے۔ سورج کی دھوپ سورج کے لئے دلیل ہے، چاند کی چاندنی چاند کے لئے دلیل ہے تو کائنات کا ایک ایک ذرہ خدا کی ہستی کی دلیل ہے اس کی قدرت اور صفت کا نشان ہے۔ لیکن دلیلیں دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک خاموش دلیل ہوتی ہے اور ایک ناطق دلیل،

کائنات کا ہر ذرہ خدا کی ذات کی دلیل اور خدا کی ہستی کا نشان ہے لیکن یہ وہ نشان اور وہ دلیلیں ہیں جو خاموش ہیں، یہاں تک کہ لوگوں نے ان دلیلوں کو دعویٰ بنا دیا تب بھی یہ دلیلیں خاموش رہیں۔ کیا چاند نے اپنے پوجنے والوں کو کہا کہ بیوقوفو تم مجھے پوجتے ہو میں تو دلیل ہوں تم دعویٰ کو تسلیم کرو اور دعویٰ کو پوجو، تو بھی چاند کبھی نہیں بولا، سورج نہیں بولا، پتھروں کو لوگوں نے پوجا پتھر نہیں بولے، آگ کو پوجا، درختوں اور جانوروں کو پوجا یہ نہ بولے، یہ سب دلیلیں تو تھیں مگر خاموش دلیلیں تھیں لوگ پوجتے رہے یہ خاموش رہیں اور ناطق دلیل تو ایک حضور پرنور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے اور یقین کیجئے کہ میرے آقا میرے مولیٰ تاجدار مدنی جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی ناطق دلیل ہیں کہ جو خاموش دلیل ان کے دامن میں آئی وہ بھی ناطق ہوگئی۔

بتائیے کیا پتھر ناطق ہیں؟ یقیناً نہیں، لیکن جب ابوجہل پتھر اپنے ہاتھ میں لایا تو ناطق ہوئے یا نہیں؟۔ مجھ سے اگر پوچھو تو میں کہوں گا کہ چاند بھی ناطق ہوا اور سورج بھی ناطق ہوا، مگر نطق ایک ہی قسم کا نہیں ہوتا اور اس کے اندر حکمتیں ہیں، اگر چاند سے آواز پیدا ہوتی تو لوگ سمجھتے کہ پتہ نہیں یہ آواز کہاں سے آئی، چاند سے ایسی کوئی آواز پیدا نہیں ہوئی کہ لوگ شبہ میں پڑ جائیں، بلکہ چاند کو ایسے ناطق کیا کہ اپنے محبوب کو حکم دیا کہ میرے پیارے تو اپنی انگلی اٹھادے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی اٹھائی۔ اور چاند دو ٹکڑے ہوگیا، ایمان سے کہنا یہ اس کا ناطق ہونا نہیں تھا تو اور کیا تھا۔ چاند نے

ناطق ہو کر بتا دیا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول نہ ہوتے تو میں دو ٹکڑے کیسے ہو جاتا۔ اگر سورج سے کوئی ایسی آواز آجاتی تو لوگ گھبرا جاتے، دھوکے میں پڑ جاتے کہ پتہ نہیں یہ آواز کس کی ہے کہاں سے آئی ہے۔ یہ کیسے یقین ہوتا کہ سورج بول رہا ہے۔ لیکن جب میرے آقا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے منزل صہبا پر ڈوبے ہوئے سورج کو اشارہ کیا تو حدیث پاک میں آتا ہے:

ترجمہ: یعنی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ خیبر میں صہبا کے مقام پر سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ سورج غروب ہو گیا اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابھی عصر کی نماز نہ پڑھی تھی۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اے پیارے علی! کیا ابھی نماز نہیں پڑھی۔ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا نہیں۔ تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی۔ یا اللہ! پیارے علی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے۔ لہٰذا سورج کو واپس لوٹا دے ——— حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ میں نے سورج کو دیکھا کہ سورج غروب ہو چکا تھا پھر سورج واپس آیا زمین اور پہاڑوں پر دھوپ چمکی۔

کسی نے مجھ سے کہا کہ بھئی تم نے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھا دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک نماز قضا ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج واپس کر دیا مگر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز قضا ہو گئی تو سورج واپس نہیں آیا۔ کیونکہ غزوۂ خندق کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی نمازیں قضا ہو گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قضا نماز کیلئے تو سورج واپس نہیں آیا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک نماز قضا ہو گئی تو سورج واپس آگیا بھئی یہ کیا بات ہوئی تم نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھا دیا۔

میں نے کہا بھئی یہ بات نہیں کیونکہ غلاموں کا جو کمال ہوتا ہے وہ غلاموں کا نہیں ہوتا بلکہ آقاؤں کا ہوتا ہے۔ مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ غلام ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، ان کی قضا نماز کے لئے سورج کا واپس آنا یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کمال نہیں بلکہ آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ہے۔

رہا یہ سوال کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قضا نماز کے لئے سورج واپس کیوں نہیں آیا اس کی وجہ یہ تھی کہ تمام قیامت تک آنیوالے مومنوں کے لئے اسوۂ حسنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن کہتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

(پ ۲۱ سورۂ احزاب)

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قضا نماز کے لئے سورج واپس آجاتا تو قیامت تک کے مسلمانوں کے قضا نماز کیلئے سورج واپس آتا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہوتا۔ بہر حال مجھے یہ کہنا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قضا نماز کے لئے میرے آقا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو اشارہ فرمایا تو ڈوبا ہوا سورج واپس آگیا۔

میرے دوستو! یہ ڈوبا ہوا سورج واپس آیا، آپ نے اس کی حقیقت پر غور کیا؟ درحقیقت سورج بھی تو خدا کی دلیل ہے۔ مگر ایسی خاموش دلیل کہ لوگ سورج کو پوجتے رہے اس دلیل کو دعویٰ بناتے رہے مگر سورج کچھ بولا ہی نہیں لیکن حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ جو خاموش دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بےکس پناہ میں آئے وہ ناطق ہو جاتی ہے۔ تو سورج نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے واپس آکر گویا یہ نطق کیا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ کے سچے رسول نہ ہوتے تو میں اشارے سے کیسے واپس آتا۔ تو پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناطق دلیل ہیں اور کائنات کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کی خاموش دلیل ہے اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر ناطق دلیل ان چیزوں کو دلیل نہ بتاتی تو ہمیں کیسے پتہ چلتا کہ یہ دلیل

ہیں یا نہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے عقلا ران دلیلوں کو دعویٰ بناتے رہے تو معلوم ہوا کہ یہ وہ دلیلیں ہیں جو خاموش ہیں۔ لیکن فرمایا۔ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ان کا دلیل ہونا بھی تو تیرا ہی منت ہے تو نے اپنی زبان نبوت سے فرمایا کہ یہ دلیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوایا:

اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ (پ۴)

ترجمہ: بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات دن کے بدلنے میں اہل عقول کے لئے نشانیاں ہیں۔

پیارے محبوب! تو خدا کی وہ ناطق دلیل ہے کہ ان دلیلوں کے دلیل ہونے کا نطق بھی تو نے کیا اور یہ خاموش دلیلیں تیری بارگاہ میں آکر ناطق ہوئیں۔ معلوم ہوا کہ اصل دلیل تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے لگ کر دلیل ہوئیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اصل کے بغیر فرع نہیں ہوتی۔ جب اصل کے بغیر فرع ہوتی نہیں تو کوئی دلیل رسول کے بغیر نہ ہوئی اور دلیل نہ ہو تو دعویٰ کا پتہ نہیں چلتا گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو خدا کا پتہ نہ چلتا۔

عزیزان گرامی! اتنی بات آپ کو بتا دوں کہ انسان نے مظاہر کائنات کو کیوں پوجا؟ انسان کی فطرت میں تو خدا کی محبت تھی اور جس کی محبت تھی اسی کو پوجنا چاہئے تھا۔ یہ کیا کہ فطرت میں تو خدا کی محبت ہے اور پوج رہا ہے چاند اور سورج کو، یہ کیا بات ہوئی؟

عزیزان گرامی! یہ دو باتیں ذہن میں یکجا جمع نہیں ہوتیں کہ انسان کے دل میں محبت تو خدا کی ہو اور پوجے غیر خدا کو، یہ بات کیا ہے؟۔

اب پہلا جملہ میں نے کہا کہ انسان کے جوہر فطرت میں محبت تو ہے خدا کی۔ یہ پہلا مقدمہ ہے اس مقدمے کے لئے میں لفظ انسان ہی کو پیش کئے دیتا ہوں۔ میں نے کہا کہ انسان کی فطرت کا جوہر ہے کہ اس میں خدا کی محبت ہے یعنی خدا کی محبت انسانی فطرت کا تقاضا ہے تو بھئی اسکی وجہ کیا ہے؟۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو انسان کہتے ہی اس لئے ہیں کہ وہ اَنَسَ سے بنا ہے اور اَنَسَ کے معنی ہیں کہ اس نے محبت کی، اور محبت کس سے کی؟ اسی بنانے والے سے محبت کی۔ تو انسان کہتے ہی اس کو ہیں کہ بنانے والے سے محبت اپنی فطرت میں رکھتا ہو۔ بلکہ مجھے کہنے دیجئے کہ انسان کی فطرت کا جوہر ہی خدا کی محبت ہے، خدا کا اُنس ہے، کیونکہ اسی اَنَسَ سے تو وہ بنا ہے۔ اور اَنَسَ کے معنی ہیں کہ اُس نے محبت کی اور اُنس اس کا ماخذ ہے۔ "ا۔ ن۔ س۔" اس کا مادہ ہے اور اس کے معنی محبت کے ہیں۔ تو پتہ نہیں چلتا کہ جس کی محبت کا جوہر اسکی فطرت میں ہے اس کے بجائے اسکے غیر کو پوجتا ہے۔

میں نے ایک مرتبہ طلبہ کو تقابل ادیان کا مضمون پڑھایا۔ یہ سوال میں نے خود کیا اور میں نے کہا کہ بھئی تقابل ادیان میں ایک عنوان "وحدت ادیان" بھی آتا ہے کہ تمام دینوں کی اصل ایک ہے اختلاف بعد میں ہوئے اور اتنے ہوئے کہ پھر وہ اصول اختلاف سے بھی آگے بڑھ گئے۔ لیکن در حقیقت دین میں وحدت پائی جاتی ہے۔ دین ایک ہے پھر اس کے بعد جو مختلف رائیں ہوئیں وہ بعد کی چیزیں ہیں۔ تو اس سلسلے میں میں نے کہا کہ بعض لوگوں نے وحدت ادیان کا بنیادی نقطۂ نظر یہ قرار دیا کہ بھئی جب انسان خدا کی محبت اپنے اندر رکھتا ہے اور خدا کا اُنس اسکی فطرت میں ہے تو اب یہ مان لو کہ کوئی چاند کو پوجتا ہے تو وہ خدا ہی کو پوجتا ہے اگر کوئی سورج کو پوجتا ہے تو وہ بھی خدا کو پوج رہا ہے یہ دین جو الگ الگ ہیں یہ سب ایک ہی ہیں۔ چاند یا سورج کو پوجنے والا ہو، آگ یا پانی کا پوجنے والا ہو، یہ سب ایک ہی خدا کے پجاری ہیں۔ جو ان تمام کا خالق ہے اور اسی کی محبت سب کے دل میں ہے۔ لہذا خواہ ظاہری صورت میں کوئی کسی کی پوجا کر رہا ہو مگر ہم یہی سمجھتے کہ یہ خدا کی پوجا کر رہے ہیں۔

میں نے کہا کہ بھئی یہ بڑی خطرناک بات ہے۔ اس شبہ کا ازالہ لوگوں کے ذہنوں سے نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس تصویر کا دوسرا رخ میں آپ حضرات کے سامنے پیش نہ کر دوں۔ یہ شبہ بڑا قوی ہے لوگ اس میں مبتلا ہیں۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ بھئی کوئی خدا کو پوجے کوئی رام کہے کوئی رحیم کہے کوئی اللہ کہے کوئی گاڈ
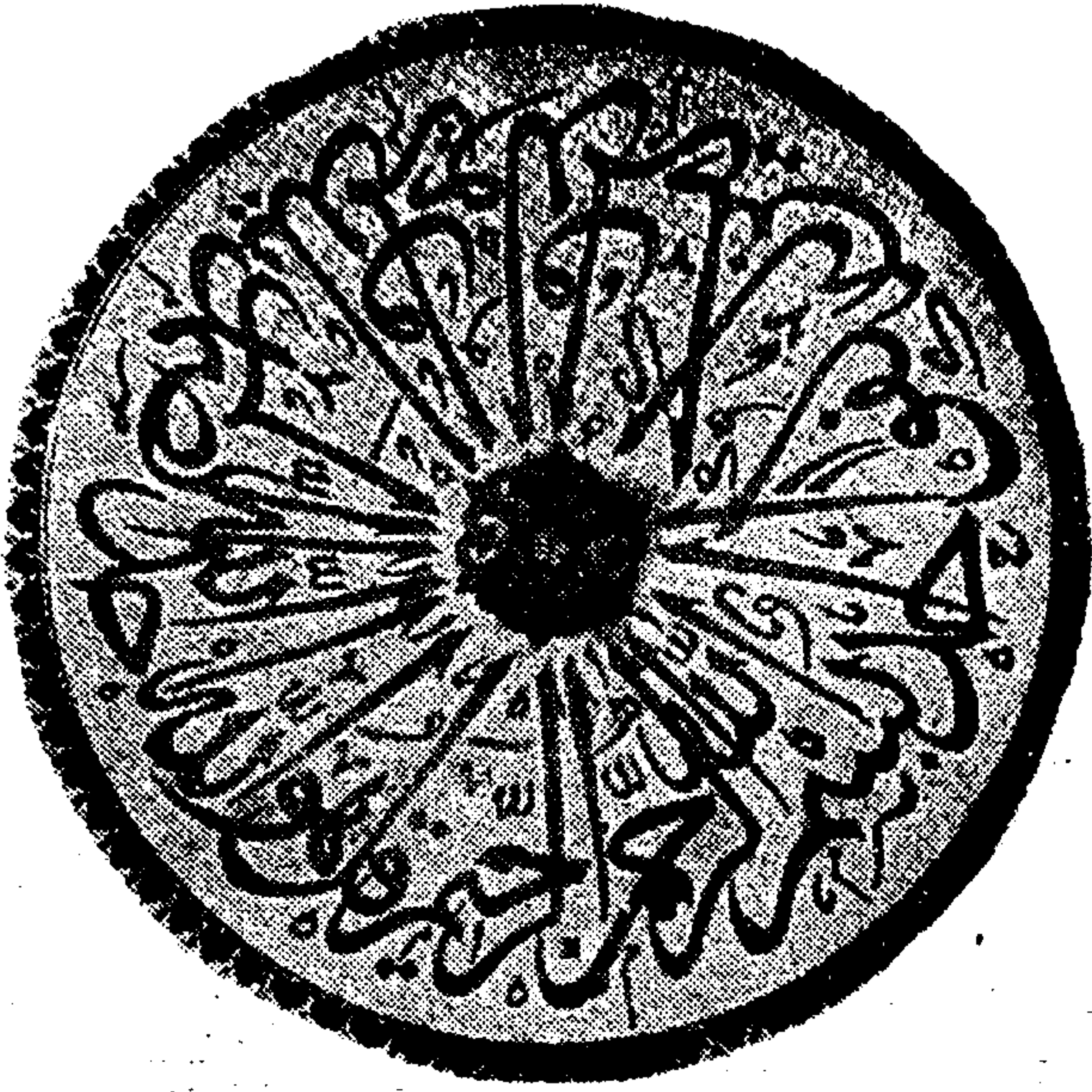
(دہ) بات ایک ہی ہے وہ اگر مندر میں جاتے ہیں تو تم مسجد میں
جاتے ہو ان کا بھی ایک گھر مخصوص ہے، تمہارا بھی گھر مخصوص ہے
وہ اپنے آگے مورتی کو رکھتے ہیں تو تم اپنے آگے خانہ کعبہ کو رکھتے
ہو اس کے بغیر تمہاری نماز نہیں ہوتی تو آخر خانہ کعبہ بھی تو پتھروں کا
بنا ہوا ہے اور کیا ہے؟ کسی نے اپنے آگے پتھر کو رکھ لیا کوئی اور
چیز کو اپنے آگے رکھ کر عبادت کرتا ہے لہٰذا اب آپس کے جھگڑے
ختم کرو۔ اسلام، یہودیت، عیسائیت، مجوسیت، بُت پرستی،
دہریت وغیرہ یہ کوئی چیز نہیں۔ جو دہر کو پوج رہے ہیں اصل مراد
ان کی بھی یہی ہے کہ کوئی ایسی مخفی طاقت ہے جو در حقیقت موثر
ہے وہ اسکو دہر کہتے ہیں تم اس کو اللہ کہتے ہو کوئی اس کو گاڈ
(دہ) کہتا ہے کوئی رام کہتا ہے کوئی رحیم کہتا ہے لہٰذا سب
ایک ہی ہیں۔ یہ شبہ بڑا قوی ہے اس کا ازالہ کرنے کے لئے
تصویر کا دوسرا رخ پیش کرتا ہوں۔

تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ یہاں تک تو میں متفق ہوں کہ
خواہ کوئی چاند کو پوجنے والا ہو یا سورج کو، گائے کو پوجے یا پیپل
کو، پتھر کو پوجے یا درخت کو، اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ ان تمام کی
پوجا کرنے کا سبب ایک ہی ہے کہ ہر پوجا کرنے والا اپنی اندر کی
جوہری فطرت کی بنا پر مجبور ہے کہ جس اللہ اور جس رب کی محبت کا
جوہر اس کی فطرت میں ہے، اس کی محبت کا جوہر اُسے مجبور کرتا ہے
کہ وہ جس کی محبت میں تڑپ رہا ہے اسکو تلاش کر کے اسے پالے
کیونکہ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب مل جائے۔ یہاں تک تو میں
کہہ سکتا ہوں کہ چاند کو پوجنے والے یا سورج کو پوجنے والے،
مندر میں جانے والے اور مسجد میں جانے والے کسی ایک ہستی
کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں اور اس لئے تلاش کر رہے ہیں کہ
خدا کی محبت کا جوہر ہر فطرت میں موجود ہے۔ اور جب کسی کے دل میں
محبت ہو تو ہر محبت والے کو محبت مجبور کرتی ہے کہ محبوب کو تلاش
کرے۔

اتنی بات تو آپ سب جانتے ہیں کہ عالم ارواح میں اللہ
تعالیٰ نے سب روحوں کو فرمایا کہ "الست بربکم" کیا میں تمہارا
رب نہیں؟ تو سب نے کہا کیوں نہیں! تو ہمارا رب ہے۔ سب سے
پہلے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت
کا اعتراف فرمایا اور پھر تمام رسولوں نے، نبیوں نے، صدیقوں نے
شہیدوں نے، صالحین نے، اغواث نے، اقطاب نے، ابدال
نے، ندبا و نقبا نے، تمام معصومین نے، مومنین نے، مومنات
نے، عارفین نے، عارفات نے، سالکین نے، سالکات نے،
سب نے کہا "بلیٰ" پہلے بلیٰ کا نعرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لگایا
پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعرے پر سب نے بلیٰ کا نعرہ لگایا،
اور سب نے کہا کیوں نہیں ضرور تو ہمارا رب ہے۔ اور جب یہ جسم
یہاں آیا اور روح اس میں آئی تو روح نے کہا کہ جس کی ربوبیت
کا میں نے وہاں اقرار کیا تھا وہ ہے کہاں؟

اب کسی نے چاند کی طرف نظر اٹھا کر تلاش کیا، کسی نے سورج
کی طرف نظر اٹھا کے تلاش کیا، کسی نے عناصر میں تلاش کیا، کسی
نے پہاڑوں میں تلاش کیا۔ اللہ اکبر!

پس محبت ہے جو اسکو لیے پھرتی ہے جو کبھی آسمانوں کی
جستجو کراتی ہے، کبھی زمینوں کی جستجو کراتی ہے، کبھی پانی کی جستجو
کراتی ہے اور مجبور کرتی ہے کہ تلاش کرو اس محبوب کو جس کی
ربوبیت کا اعتراف کیا ہے۔

اور قاعدہ یہ ہے کہ محبت تو مجبور کرے گی کہ محبوب کی
تلاش کرو لیکن کامیابی ضروری نہیں کامیابی جب ہی ہوگی جب
تلاش کا ذریعہ صحیح ہوگا، اور اگر تلاش کا ذریعہ غلط ہے، تو

تلاش جاری رہے مگر کامیابی نہیں ہوگی۔

ایک مثال سنئے کہ ایک پیالی میں چائے رکھی ہے اور آپکو معلوم نہیں کہ اس میں چینی ہے یا نہیں۔ تو آپ اسکو دیکھتے رہیں تو کیا آپ کو معلوم ہوگا کہ اس میں چینی ہے؟ بالکل معلوم نہیں ہوگا آپ اپنے کان میں ڈالیں کہ شاید چینی کی آواز کان میں آجائے تو آپ کو پتہ نہیں چلے گا۔ آپ اس میں انگلی ڈال کر دیکھتے رہیں کہ کبھی شاید انگلی کو پتہ چل جائے کہ چینی ہے یا نہیں۔ ہزار برس گذر جائیں تلاش جاری رہے گی مگر کامیابی نہیں ہوگی۔ کامیابی اس وقت ہوگی جب آپ ایک گھونٹ چائے پئیں گے۔ وہ گھونٹ قوت ذائقہ سے مس ہوگا تو قوت ذائقہ بتادے گی کہ چینی ہے یا نہیں۔ تلاش کا ذریعہ اگر غلط ہوگا تو تلاش جاری رہے گی مگر کامیابی نہیں ہوگی۔

میرے عزیزو! ہر انسان اپنی فطرت میں خدا کی محبت کا جوہر لیکر آیا ہے۔ وحدت ادیان کے فلسفہ سے یہاں تک تو میں متفق ہوں۔

ہر انسان اسی محبت کے فطری تقاضے کی بنا پر اس رب کو تلاش کررہا ہے کہ جس کو بلی کہہ کر رب مانا ہے، وہ کہاں ہے۔ تو تلاش کا ذریعہ جس نے عقل کو بنایا وہ دہریہ ہوگئے اور جس نے حواس کو ذریعہ بنایا وہ مظاہر پرست ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عقل بھی ذریعہ نہیں ہوسکتی، ہاں عقل سے تم میری معرفت کے لئے مدد لے سکتے ہو اور حواس سے بھی تم میری معرفت کے لئے مدد لے سکتے ہو مگر حواس پر بھروسہ نہیں کرسکتے کیونکہ یہ ناقص ہیں۔ عقل سے تم کام لے سکتے ہو۔ لیکن اس عقل پر تم بھروسہ نہ کرو، کیونکہ یہ عقل، عقل ناتمام ہے۔

ارے میں کامل ہوں، عقل ناقص ہے، میں لامتناہی ہوں حواس متناہی ہیں۔ میں لامحدود ہوں، اب اگر تم لامحدود کو تلاش کرنے کا ذریعہ محدود کو بنالو اور لامتناہی کو تلاش کرنے کا ذریعہ متناہی کو بنالو اور کامل کے لئے ناقص کو ذریعہ بنالو تو کامیاب نہیں ہوسکتے کامیاب وہ ہوگا جس نے صحیح ذریعہ کو اختیار کیا اور وہ ناکام ہوگا جس نے غلط ذریعہ کو اختیار کیا۔ بس اسی دوسرے رخ کو سامنے رکھو اور اس اعتراض کا جواب سمجھ لو۔ اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے اور فرمایا:

۱۔ قلم۔ کوفی المدنی
اسلوب کتابت: حضرت علی کرم اللہ وجہہ
(خطاطی سید احمد)

۲۔ اسلوب کتابت: حضرت سیدنا امام حسن رض
(خطاطی: سید احمد)

۳۔ کوفی جلیل۔ اسلوب کتابت۔ عہد تابعین
(خطاطی: سید احمد)

۴۔ کوفی بسیط۔ دور بنی امیہ
(خطاطی: سید احمد)

۵۔ قلم المکی بطرز مائل۔ اوائل اسلام تا عہد بنو امیہ
(خطاطی: سید احمد)

۶۔ کوفی یابس مُقور۔ عہد تابعین تا دور عباسیہ
(خطاطی: سید احمد)

۷۔ کوفی مورق۔ دور بنو امیہ تا دور عباسیہ
(خطاطی: سید احمد)

۸۔ کوفی مشکول۔ دور عباسیہ
(خطاطی: سید احمد)

۹۔ کوفی زخرفی۔ دور سلاجقہ
(خطاطی: سید احمد)

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ

مظاہر کائنات کو دیکھو ان سے کام لو، ان کو میرے محبوب کی زبان نے دلیل قرار دیا لیکن یاد رکھو کہ اگر تمہیں تلاش کرنی ہے تو ان غلط ذریعوں کے اوپر اعتماد نہ کرو۔ میرے تلاش کرنے کا ذریعہ تمہارے حواس نہیں، میں حواس میں نہیں سما سکتا۔ میں تمہاری عقل کے دائرے میں محدود نہیں ہوسکتا۔ اگر مجھے تلاش کرنا ہے اور مجھے پانا ہے تو نہ میں حواس کی دنیا میں ملوں گا، نہ میں عقل کی دنیا میں ملوں گا، اگر ملوں گا تو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ملوں گا۔

خدا کی قسم جس نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا، اس نے خدا کو کبھی نہ پایا۔ اور میں تمہیں پھر کہتا ہوں کہ خدا کو تلاش کرنے کا کامیاب ذریعہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچنے کا ذریعہ اولیاء اللہ کی ذوات قدسیہ ہیں۔ اولیاء اللہ سے ہٹ کر محمد مصطفےٰ تک پہنچنا محال ہے اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ کر خدا تک پہونچنا محال ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

صحابۂ کرام کے جھرمٹ میں

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال جلس ناس من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخرج حتی اذا دنی منہم سمعہم یتذاکرون قال بعضہم ان اللہ اتخذ ابراھیم خلیلا۔ وقال آخر موسیٰ کلمہ و قال آخر وعیسیٰ کلمۃ اللہ و روحہ و قال آخر ادم اصطفاہ اللہ فخرج علیہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و قال قد سمعت کلامکم وعجبکم ان ابراھیم خلیل اللہ وھو کذالک وموسیٰ کلیم اللہ وھو کذلک وعیسیٰ روحہ وکلمتہ وھو کذلک و ادم اصطفاہ اللہ وھو کذلک الا وانا حبیب اللہ ولا فخر وانا حامل لواء الحمد یوم القیامۃ تحتہ ادمُ ومن دونہ ولا فخر وانا اوّل شافع واول مشفع یوم القیامۃ ولا فخر وانا اول من یحرک حلق الجنۃ فیفتح اللہ لی فید خلنیھا ومعی فقراء المومنین ولا فخر وانا اکرم الاولین والاخرین علی اللہ ولا فخر۔ (مشکوٰۃ ص ۵۰۵)

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک جگہ بہت سے اصحاب رسول جمع تھے کہ حضور دفعتاً ان میں تشریف لائے۔ تو حضور نے سنا کہ بعض صحابہ کہہ رہے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے کلیم بنایا بعض فرما رہے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ و روح اللہ بنایا۔ اور بعض کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنا برگزیدہ خاص کیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نے تمہاری گفتگو کو جو تم تعجب کے ساتھ کر رہے تھے سنا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام ایسے ہی تھے جیسے تم کہہ رہے ہو۔ مگر مجھے جانتے ہو میں کون ہوں؟ اگر ابراہیم خلیل اللہ ہیں تو میں حبیب اللہ ہوں۔ اور اس پر مجھے کوئی فخر نہیں۔ اور میں بروز قیامت لواء الحمد کو اٹھانے والا ہوں گا۔ جانتے ہو لواء الحمد کیا ہے؟ لواء الحمد وہ جھنڈا ہے جس کے نیچے آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ دوسرے سارے رسول کھڑے ہوں گے۔ اور مجھے اس پر بھی کوئی فخر نہیں۔ اور میں ہی سب سے پہلے شفاعت کے لئے کھڑا ہوں گا۔ اور میری ہی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی۔ اور مجھے اس پر بھی کوئی فخر نہیں ہے۔ اور میں ہی سب سے پہلے جنت کے دروازے کی زنجیر ہلاؤں گا۔ اور میرے ہی لئے سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھلے گا۔ اور سب سے پہلے میں ہی اس شان سے جنت میں جاؤں گا کہ میرے ساتھ غربائے مومنین کی جماعت ہوگی۔ اور اس پر بھی مجھے کوئی فخر نہیں۔ اور میں ہی اللہ کے نزدیک اولین و آخرین سے بزرگ تر اور باعزت ہوں گا۔"

معلوم ہوا کہ کسی اجتماع میں فضائل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کرنا خود سنت رسول صلے اللہ علیہ وسلم ہے

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور حروفِ مقطعات

مولانا محمد مجاہد حسین رضوی

کاف گیسو، ہا دہن، یا آنکھیں، ابرو عین، صاد
کھیعص ان کا ہے چہرہ نور کا

قرآن کریم کی بعض سورتوں کی ابتدا میں جستہ جستہ جو حروف مذکور ہیں انھیں "مقطعات" کہا جاتا ہے۔ یہ کل چودہ قسم کے حروف ہیں۔ جو انتیس سورتوں کی ابتدا میں واقع ہیں۔ ذیل میں ہم ان کی تفصیل پیش کر رہے ہیں:-

شمار	پارہ	مقطعات	سورہ	شمار	پارہ	مقطعات	سورہ
۱	۲۳	ص	ص	۱۶	۲۱	الم	روم
۲	۲۶	ق	ق	۱۷	۲۱	//	لقمان
۳	۲۹	ن	قلم	۱۸	۲۱	//	سجدہ
۴	۱۶	طہ	طہ	۱۹	۱۱	الر	یونس
۵	۱۹	طس	نمل	۲۰	۱۱	//	ہود
۶	۲۲	یس	یس	۲۱	۱۲	//	یوسف
۷	۲۴	حم	مومن	۲۲	۱۳	//	ابراہیم
۸	۲۴	//	حم سجدہ	۲۳	۱۳	//	حجر
۹	۲۵	//	زخرف	۲۴	۱۹	طسم	شعراء
۱۰	۲۵	//	دخان	۲۵	۲۰	//	قصص
۱۱	۲۵	//	جاثیہ	۲۶	۸	المص	اعراف
۱۲	۲۶	//	احقاف	۲۷	۱۳	المر	رعد
۱۳	۱	الم	بقرہ	۲۸	۱۶	کھیعص	مریم
۱۴	۳	//	آل عمران	۲۹	۲۵	حمعسق	شوریٰ
۱۵	۲۰	//	عنکبوت	۰	۰	۰	۰

ان حروف کی تحقیق میں، مفسرین کی مختلف رائیں ہیں۔ کچھ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:-

یہ حروف انھیں سورتوں کے علم ہیں، جن کی ابتداء میں یہ واقع ہیں۔ اہل عرب بھی بعض چیزوں کا نام حروف تہجی کے ذریعہ رکھا کرتے تھے۔ مثلاً نقد کو "عین"، بادل کو "غین"، مچھلی کو "نون" اور ایک پہاڑ کو "قاف" کہا کرتے تھے۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ سورتوں کی ابتدا میں تنبیہ کے لئے یہ حروف زائد کئے گئے ہیں۔ یہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ایک بات یہاں پر ختم ہوگئی۔ اور اب دوسری بات شروع ہو رہی ہے — اہل عرب بھی اپنے طویل مضمون میں
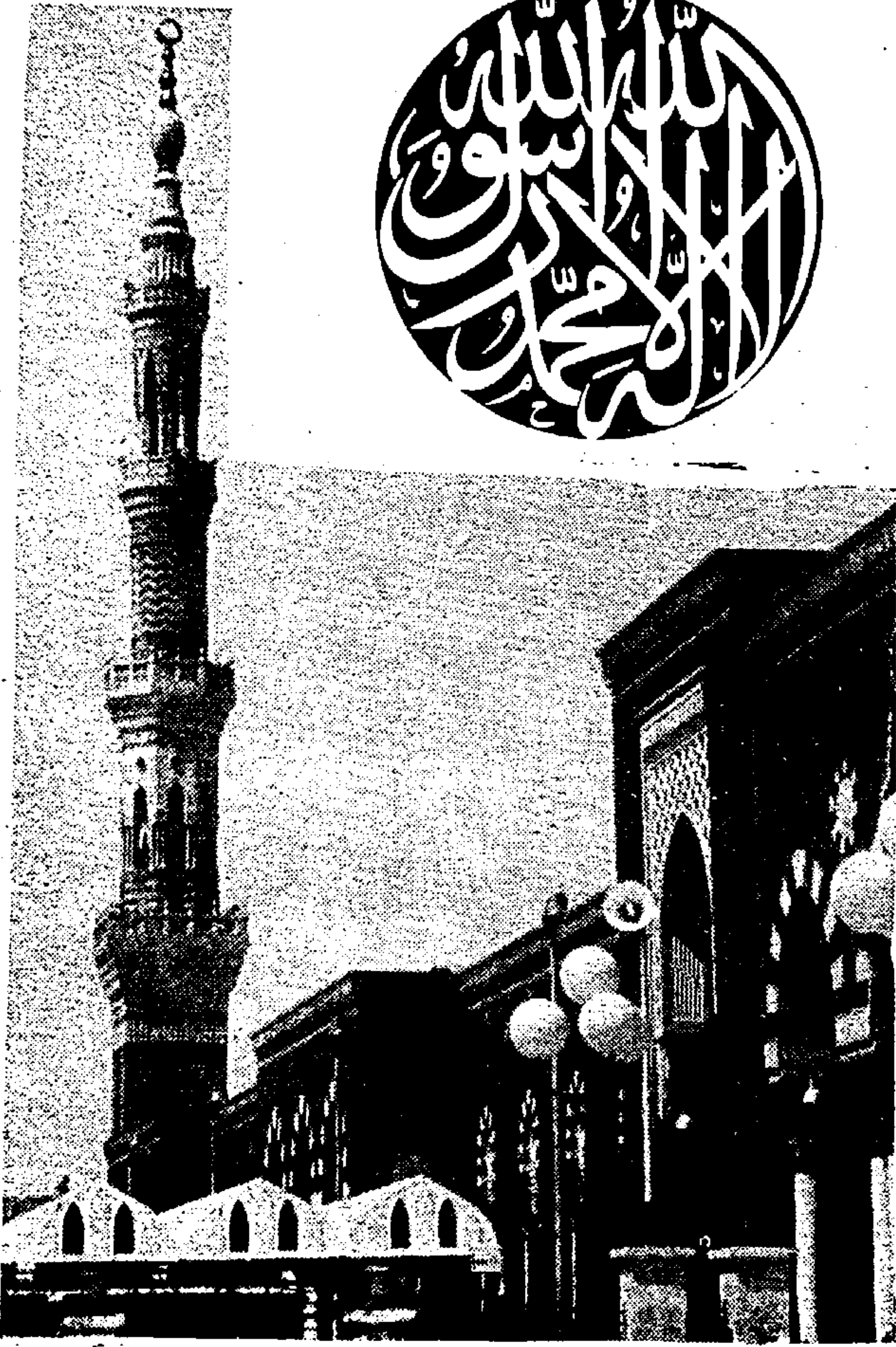
جملوں کے اختتام پر اس طرح کے حروف لکھ دیا کرتے تھے ۔ مقصود یہ ہوتا تھا کہ آنے والے کلام کا تعلق ماسبق سے منقطع ہوگیا ہے اور یہاں سے نیا کلام شروع ہو رہا ہے ۔

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان حروف سے کلمات طویلہ کی طرف اشارہ ہے ۔ ہر کلمہ سے بطور اختصار ایک حرف لے لیا گیا ہے ——— حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اقوال اس کے مؤید ہیں ۔ بطور مثال "الم" کے سلسلہ میں انھوں نے فرمایا کہ "الف" سے اللہ ۔ "لام" سے جبرئیل ۔ اور "میم" سے محمد صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم مراد ہیں ۔ مفہوم یہ ہے کہ اللہ کا کلام بذریعہ جبرئیل امین محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ۔ اسطرح کا استعمال بھی کلام عرب میں موجود ہے ایک شاعر کہتا ہے ۔

ع قلتُ لهَا قفِی فقالَتْ قاف

میں نے اپنی محبوبہ سے کہا ٹھہرو تو اس نے کہا میں ٹھہر گئی ۔ دیکھئے شاعر نے "وقفتُ" کی جگہ بطور اختصار حرف "قاف" کا استعمال کیا ہے ۔

ابو العالیہ کی رائے میں ، ان حروف سے اقوام کی عمروں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔ انھوں نے ابن جریر کی ایک ضعیف روایت کے ذریعہ استدلال کیا ہے کہ ایک بار کچھ یہودی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے ۔ سرکار نے "الم" کی تلاوت فرمائی یہودی الم کے اعداد جوڑ کر کہنے لگے کہ ہم لوگ ایسے دین میں کیا داخل ہوں جسکی عمر صرف اکہتر سال ہے ۔ سرکار مسکرا کر خاموش ہوگئے ۔ یہودیوں نے پھر دریافت کیا کہ کیا ان کے علاوہ بھی کچھ ہے تو آپ نے علی الترتیب "المص" المر ، الر کی تلاوت فرمائی ۔ یہ سن کر یہودی چیخ پڑے کہ آپ نے تو ہم لوگوں کو اشتباہ میں ڈال دیا ۔ اب ہمیں سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ کسے اختیار کریں اور کسے چھوڑ دیں ——— سرکار کا اس ترتیب سے تلاوت کرنا اور یہودیوں کے متعین کردہ مفہوم پر کوئی گرفت نہ کرنا ، یہ بتاتا ہے کہ ان حروف سے اقوام کی عمریں مراد ہیں ۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ سارے حروف قرآن کے عَلَم ہیں ۔ اس لئے کہ متعدد سورتوں میں ان حروف کو "مخبر عنہ" اور کتاب کو "مخبر بہ" بنایا گیا ہے ۔ مخبر بہ ، مخبر عنہ پر محمول ہوتا ہے ۔ وجہ حمل اس کے علاوہ اور کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ حروف قرآن کے علم ہوں ۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ حروف ذات باری کے علم ہیں : ارشاد ربانی ہے الم لا الٰہ الا ھو اس آیت کریمہ میں اسم جلالت کی ضمیر کا حمل "الم" پر کیا گیا ہے ۔ وجہ حمل یہی ہے کہ ، "الم" ، ذات باری کا علم ہے ۔

صاحب تفسیر بیضاوی نے اس مقام پر ایک نہایت معرکۃ الآراء بحث کی ہے ۔ قدرے ترمیم کے ساتھ اس بحث کو ہم مختصراً نقل کر رہے ہیں ۔ آپ فرماتے ہیں کہ "حروف مقطعات" کو سورتوں کی ابتدا میں لانے کی دو وجہیں ہیں پہلی وجہ یہ ہے کہ "الفاظ تہجی" کے مصداق وہ حروف مفردہ ہوتے ہیں جن سے کلام کی ترکیب ہوتی ہے ۔ قرآن کریم

کی نظیر پیش کرنے کا جن لوگوں کو چیلنج دیا گیا۔ انھیں، ان حروف کے ذریعہ تنبیہ کی گئی کہ اے لوگو یہ قرآن بھی انہی حروف سے مرکب ہے جن سے تم لوگ اپنے کلام کو ترکیب دیا کرتے ہو۔ پھر کیا وجہ ہے کہ فصاحت و بلاغت میں زبردست دستگاہ رکھنے کے باوجود تم لوگ اس طرح کا کلام پیش کرنے سے عاجز ہو۔ اپنی عاجزی ہی کو دلیل بنا کر یہ یقین کر لو کہ یہ غیر اللہ کا نہیں، اللہ کا کلام ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ سامعین کے کان میں پہنچنے والی پہلی چیز خود ایک مستقل معجزہ کی حیثیت رکھے۔ اس لئے کہ ایک ایسے شخص کا، جس نے کبھی کسی مکتب کا دروازہ تک نہ جھانکا ہو۔ ایک ایسے دور میں جب کہ پڑھے لکھے لوگ صفر کے برابر ہوں۔ حروف کا ان کے ناموں کے ساتھ تلفظ کرنا کھلا ہوا معجزہ ہے۔

علاوہ ازیں ان حروف کے لانے میں ایسے ایسے نا باریک نکات کی رعایت کی گئی ہے جن تک بڑے سے بڑے ادیب اور عربی زبان و ادب کے ماہر کے ذہن کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی۔ ایک امی سے اتنے باریک نکات کی رعایت مزید برآں ہے۔

آیئے ان نکات پر ایک سرسری نگاہ ڈالتے چلیں۔ لیکن آئندہ سطور کو پڑھنے سے پہلے، براہ کرم میرے پیش کردہ نقشہ پر ایک بار پھر غور کر لیں۔

حروف تہجی کی تعداد عام لوگوں کے نزدیک انتیس ۲۹ ہے جس کا پہلا حرف "الف" ہے۔ اور آخری حرف "یا" غور کیجئے حروف تہجی کی اسی تعداد کے مطابق حروف مقطعات قرآن کریم کی انتیس سورتوں میں مذکور ہے۔

ابو العباس کے نزدیک حروف تہجی کل اٹھائیس ہیں۔ جن میں پہلا "با" اور آخری "یا" ہے۔ ٹھیک اس کی نصف تعداد حروف مقطعات کے اندر موجود ہے ــ ۲۹ سورتوں کے اندر آئے ہوئے کل حروف مقطعات ۷۸ ہیں مکررات کو حذف کرنے کے بعد چودہ بچتے ہیں۔

آپ جب عربی کلمات کے حروف کو دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کلمات زیادہ تر انہی چودہ حروف پر مشتمل ہوتے ہیں۔ بطور مثال قرآن کی ایک آیت لیجئے:۔ ذالک الکتاب لاریب فیہ اس آیت کے اندر کل سترہ حروف ہیں جن میں بارہ مقطعات والے ہیں۔ بقیہ پانچ دوسرے۔

صفات کے اعتبار سے حروف کی بہت ساری قسمیں ہیں۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ انہی چودہ کے اندر حروف کے ہر قسم کے آدھی تعداد موجود ہے۔ وضاحت کے لئے حروف کے چند مشہور اقسام سے ہم آپ کو متعارف کراتے ہیں۔ ساتھ ہی ہم یہ بھی دکھاتے چلیں گے کہ ہر قسم کی آدھی تعداد ان چودہ کے اندر موجود ہے۔

خیال رہے کہ ہر صفت دوسری صفت کی ضد نہیں۔ اس لئے حروف کی بعض قسمیں بعض دوسری قسموں کے ساتھ جمع ہو سکتی ہیں۔

حروف کی ایک قسم ہے مجہورہ۔ مجہورہ ان حروف کو کہتے ہیں جن کی آواز میں بلندی ہو۔ اس کے تحت اٹھارہ حروف آتے ہیں۔ الف، با، جیم، دال، ذال، را، زا، ضاد، طا، ظا، عین، غین، قاف، لام، میم، نون، واؤ، یا۔ ان کی نصف تعداد ان چودہ میں موجود ہے جن کا مجموعہ لن یقطع امر ہے۔

حروف کی دوسری قسم ہے مہموسہ۔ مہموسہ ان حروف کو کہتے ہیں جن کی آواز ہلکی اور دھیمی ہو۔ اس کے تحت دس حروف آتے ہیں۔ جن کا مجموعہ ستشحثک خصف ہے۔ ان کی بھی آدھی تعداد یعنی پانچ حا، ہا، صاد، سین، اور کاف موجود ہے۔

حروف کی تیسری قسم شدیدہ ہے۔ شدیدہ ان حروف کو کہتے ہیں جن کی آواز میں سختی ہو۔ اس کے تحت آٹھ حروف آتے ہیں جن کا مجموعہ اجدت طبقک ہے۔ آپ دیکھیں ان کی بھی نصف تعداد چودہ میں موجود ہے جس کا مجموعہ اقطعک ہے۔

حروف کی چوتھی قسم ہے رخوہ۔ رخوہ ان حروف کو کہتے ہیں جن کی آواز میں نرمی ہو۔ اس کے تحت اجدت طبقک کے علاوہ بقیہ بیس حروف آتے ہیں۔ ان کی بھی نصف تعداد چودہ میں موجود ہے۔ جس کا مجموعہ حمس علی نصرہ ہے۔

حروف کی پانچویں قسم ہے مطبقہ ۔ مطبقہ ان حروف کو کہتے ہیں جن کی ادا میں زبان تالو سے لگتی ہو ۔ اس کے تحت صرف تین حروف آتے ہیں ۔ صاد ، طا ، ظا ، ان کا بھی نصف اکثر ان چودہ میں موجود ہے یعنی صاد اور طا ۔

حروف کی چھٹی قسم حروف منفتحہ ہے ۔ منفتحہ ان حروف کو کہتے ہیں جن کی ادائیگی میں زبان اور تالو کے درمیان کشادگی رہتی ہے ۔ اس کے تحت صاد ، طا ، ظا کے علاوہ بقیہ ۲۵ حروف آتے ہیں ۔ ان کا بھی نصف اقل یعنی بارہ ، چودہ کے اندر موجود ہے اور وہ یہ ہیں ۔ الف ، لام ، میم ، را ، حا ہا ، کاف ، قاف ، عین ، سین ، نون ، یا ۔

حروف کی ساتویں قسم حروف مستعلیہ ہے ۔ مستعلیہ ان حروف کو کہتے ہیں جن کی ادا میں زبان بلند ہوتی ہے ۔ اس کے تحت چھ حروف آتے ہیں ۔ قاف ، صاد ، طا ، ظا ، خا ، غین ان کی بھی نصف تعداد چودہ میں موجود ہے ۔

حروف کی آٹھویں قسم ہے مستفلہ ۔ مستفلہ ان حروف کو کہتے ہیں جن کی ادا میں زبان پست ہوتی ہے ۔ اس کے تحت چھ حروف مستعلیہ کے علاوہ بقیہ ۲۲ حروف آتے ہیں ۔ ان کی بھی نصف تعداد چودہ میں موجود ہے اور وہ یہ ہیں الف ، لام ، میم ، را ، کاف ، ہا ، یا ، عین ، سین ، حا ، نون ۔

حروف کی نویں قسم ہے حروف قلقلہ ۔ قلقلہ ان حروف کو کہتے ہیں جن کی ادا کے وقت زبان میں جنبش پائی جائے ۔ اس کے تحت پانچ حروف آتے ہیں طا ، قاف ، دال ، جیم ، با ۔ ان کی بھی نصف اقل تعداد چودہ میں موجود ہے ۔

حروف کی دسویں قسم مذلقہ ہے ۔ مذلقہ ان حروف کو کہتے ہیں جن کی آواز میں تیزی ہو ۔ اس کے تحت پانچ حروف آتے ہیں ۔ با ، را ، فا ، میم ، نون ، لام ۔ چونکہ یہ حروف کثیر الاستعمال ہیں ۔ اس لئے ان کی دو ثلث یعنی چار چودہ میں موجود ہیں ۔ اور وہ یہ ہیں ۔ را ، لام ، میم ، نون ۔

حروف مقطعات کے نقشہ پر پھر ایک بار نگاہ ڈالئے مندرجہ ذیل باتیں بھی آپ کے سامنے آجائیں گی ۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ حروف مقطعات میں کچھ ایک حرفی ہیں جیسے صاد ، قاف ، نون ، کچھ دو حرفی ہیں جیسے طس یٰس ، حم ۔ کچھ تین حرفی ہیں جیسے الم ، الر ، طسم ، کچھ چار حرفی ہیں جیسے المص ، المر ، کچھ پانچ حرفی ہیں جیسے کھیعص حمعسق ۔

ایسا اس لئے کیا گیا تاکہ مخاطبین کو معلوم ہو جائے کہ جس کلام کی نظیر پیش کرنے کا انھیں چیلنج دیا گیا ہے وہ عربی زبان کے ایسے ہی کلمات سے مرکب ہے جو یا ایک حرفی یا دو حرفی ، یا تین حرفی یا چار حرفی یا پانچ حرفی ہیں ۔

آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ ایک حرفی کی تعداد تین ، دو حرفی کی چار ، تین حرفی کی تین اور چار حرفی و پانچ حرفی کی دو دو ہیں ۔

ایک حرفی کی تعداد تین اس لئے ہے کہ وہ کلمہ کے تینوں اقسام میں پایا جاتا ہے ۔ اسم میں جیسے کَ ، (خطاب کا) فعل میں جیسے قِ ' (نجو) حرف میں جیسے با ۔

دو حرفی کی تعداد چار اس لئے ہے کہ یہ کلمات ثلاثہ میں چار طرح سے موجود ہیں :-

اسم کے اندر بغیر حذف کے جیسے	مَن
اسم کے اندر حذف کے ساتھ جیسے	دم
فعل کے اندر حذف کے ساتھ جیسے	فل
حرف کے اندر بغیر حذف کے جیسے	بَل

تین حرفی کی تعداد تین اس لئے ہے کہ یہ کلمہ کے تینوں اقسام میں پایا جاتا ہے ۔ اسم جیسے رجل ، فعل جیسے ضرب حرف جیسے منذ ۔

چار حرفی کی تعداد دو اس لئے ہے کہ وہ کبھی اصالۃً ہوتا ہے جیسے جعفر اور کبھی الحاقاً جیسے قَرْدَد (اونچی جگہ)

پانچ حرفی کی تعداد بھی دو اسی لئے ہے کہ وہ کبھی اصالۃً ہوتا ہے جیسے سفرجل ، اور کبھی الحاقاً جیسے جحنفل (موٹے ہونٹ والا)

پھر ایک حرفی مقطعات تین سورتوں میں ، دو حرفی ، نو سورتوں میں ، تین حرفی تیرہ سورتوں میں ، چار حرفی اور پانچ حرفی دو دو سورتوں میں مذکور ہیں ۔
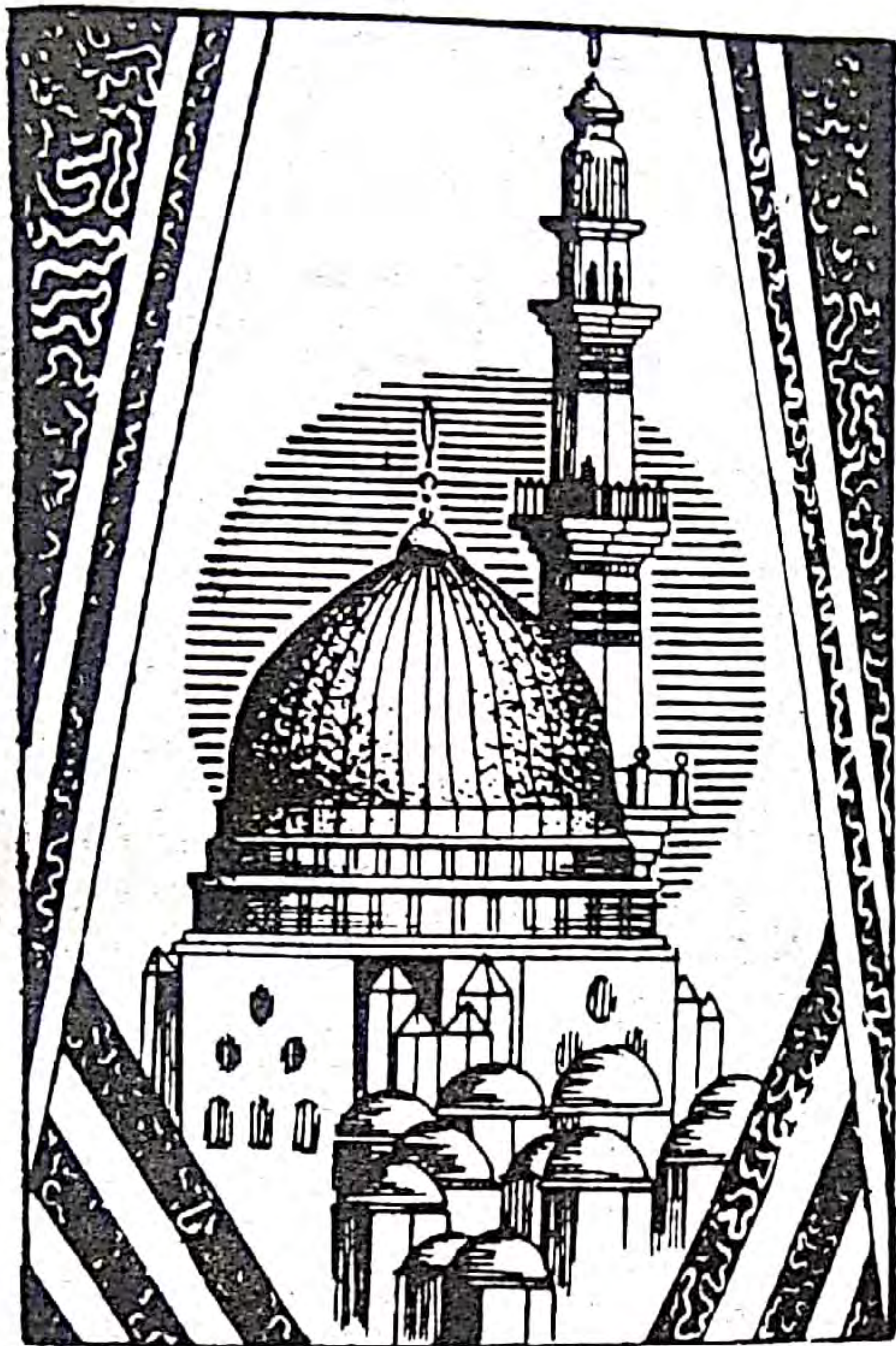
ایک حرفی مقطعات کو تین سورتوں میں لانے کی وہی وجہ ہے جو ان کے تین کی تعداد میں لانے کی ہے۔

دو حرفی مقطعات کو نو سورتوں میں لانے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا پہلا حرف تینوں کلمات میں مفتوح بھی ہوتا ہے۔ اور مکسور و مضموم بھی۔

اسم میں جیسے مَن اِذ ذُو
فعل میں ″ خَف بِع قُل
حرف میں ″ اَن مِن مُذ

تین حرفی مقطعات کو مقطعات کو تیرہ سورتوں میں لاکر یہ بتایا گیا ہے کہ اسم اور فعل کے کل اوزان تیرہ ہیں۔ تین فعل کے اور دس اسم کے۔

فعل کے اوزان :- ۱۔ فَعَلَ جیسے ضَرَبَ۔ ۲۔ فَعِلَ جیسے سَمِعَ۔ ۳۔ فَعُلَ جیسے کَرُمَ۔

اسم کے اوزان:- فَعْلٌ جیسے صَقْرٌ (باز) ۲۔ فَعَلٌ جیسے جَمَلٌ (اونٹ) ۳۔ فَعِلٌ جیسے کَتِفٌ (کندھا) ۴۔ فَعُلٌ جیسے رَجُلٌ (آدمی) ۵۔ فِعْلٌ جیسے عِلمٌ ۶۔ فِعَلٌ جیسے عِنَبٌ (انگور) ۷۔ فِعِلٌ جیسے اِبِلٌ (اونٹ) ۸۔ فُعْلٌ جیسے بُرْدٌ (چادر) ۹۔ فُعَلٌ جیسے جُرَدٌ (چوہیا) ۱۰۔ فُعُلٌ جیسے عُنُقٌ (گردن)

چار حرفی اور پانچ حرفی مقطعات کو دو دو سورتوں میں لانے کی وہی وجہ ہے جو ان کے دو دو کے تعداد میں لانے کی ہے۔

یہ تھے مفسرین کے مختلف نظریات اور حروف مقطعات کے انتخاب کے سلسلہ میں چند باریک نکات، واقعۃً کیا مفہوم ہے ان حروف کا۔ تو اس سلسلہ میں راجح قول یہ ہے کہ ان کا تعلق متشابہات سے ہے۔ یہ وہ مخفی راز اور پوشیدہ اسرار ہیں جن پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی مطلع نہیں۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اقوال اس کے مؤید ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا:۔

فی کل کتاب سِرٌّ وسر اللہِ فی القرآن اوائل السُّوَرِ

ہر کتاب کے کچھ اسرار ہوتے ہیں۔ خدا کے اسرار قرآن میں اوائل سور ہیں۔

حضرت عمر، حضرت عثمان وحضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

الحروف المقطعۃ من المکتوم الذی لا یفسر۔

حروف مقطعات وہ پوشیدہ باتیں ہیں جن کی تفسیر نہیں کی جاسکتی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

فی کل کتاب صفوۃ وصفوۃ ھٰذا الکتاب الحروف الھجائیہ

ہر کتاب کا ایک خلاصہ ہوتا ہے۔ اس کتاب کا خلاصہ حروف مقطعات ہیں۔

علامہ سجاوندی کے مطابق حروف مقطعات کے بارے میں صدر اول کے تمام لوگوں کا متفقہ فیصلہ تھا کہ:۔

اِنھا سر بین اللہِ وبین نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حروف مقطعات خدا اور اس کے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مابین راز کی باتیں ہیں۔ راز اسی کو کہتے ہیں جسے راز دار کے

علاوہ کوئی نہ جانے۔

مذکورہ بالا شواہد کی روشنی میں مودودی صاحب کا یہ خیال کہ "استعمال عام کی وجہ سے یہ مقطعات کوئی چیستاں نہ تھے جن کو بولنے والے کے سوا کوئی نہ جانتا ہو۔ بلکہ سامعین بالعموم جانتے تھے کہ ان سے مراد کیا ہے۔" بڑا عجیب معلوم ہوتا ہے خیال ہیں موصوف اس سلسلہ میں افراط کے شکار ہوئے ہیں۔

ایک طرف مودودی صاحب کے مطابق تو ان حروف کی مراد لوگ بالعموم جانتے تھے۔ دوسری طرف کچھ ایسے لوگ بھی گذرے ہیں جن کے نزدیک ان کا علم خدائے وحدہ لاشریک کے ساتھ مختص ہے۔ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں جانتے کہ ان کی مراد کیا ہے۔ یہ گروہ تفریط کے ساتھ ساتھ جہالت کا شکار ہے۔

اس لئے کہ کلام سے متکلم کا مقصود سامع کی تفہیم کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ سرکار پر ان حروف کا نزول ہوا آپ مخاطب ہیں۔ آپ بھی نہ سمجھیں تو ان کا نزول ہی بیکار ہو جائے گا۔

نیز خدائے وحدہ لاشریک نے خود ارشاد فرمایا ہے

ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ اس آیت کریمہ سے بطور اقتضاء النص یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے بیان کو خواہ وہ متشابہ ہی کیوں نہ ہو رسول اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے اپنے ذمہ کرم پر لے لیا ہے۔ اس کے باوجود اگر سرکار کو ان کی مراد نہ معلوم ہو تو معاذ اللہ خدا کا وعدہ خلاف ہونا لازم آئے گا۔

حاصل یہ ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا مقطعات کی مراد سے لاعلم ہونا عقلاً ونقلاً ہر طرح باطل ہے۔

چنانچہ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام کہٰیٰعص لے کر حاضر ہوئے اور انھوں نے کہا 'کاف'، تو حضور نے فرمایا "میں نے جان لیا" اسی طرح حضرت جبرئیل نے دوسرا، تیسرا، چوتھا حرف بھی پڑھا۔ سرکار نے ہر بار فرمایا میں نے جان لیا حضرت جبرئیل بولے آپ نے کیا جان لیا۔ میں نے تو کچھ نہ جانا۔ ؎

میان طالب و مطلوب رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

بے سایہ و سائبانِ عالم

پروفیسر محمد اکرم رضا

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے والہانہ عقیدت کے جذباتِ قدسی کو نعت کا شعری روپ بخشنے سے صرف رفعتِ فن اور قوتِ فکر کے اظہار کا موقع ہی نہیں ملتا بلکہ اس طور عشاقِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قلبی تسکین اور روحانی سرمستی کے سامان بھی میسر آتے ہیں۔ سلاطین کے قصیدے لکھتے وقت اور دنیاوی شہنشاہوں کی مدح سرائی کرتے وقت قلم کو فن سے زیادتی فکر کو تشہیر جہالت اور دل و دماغ کو ناقابل برداشت سبکساری کا احساس ہوتا ہے۔ جب کہ شہنشاہ دو عالم، افتخارِ آدم و بنی آدم باعثِ تکوینِ کائنات، منبعِ بقائے حیات حضور ختمی مرتبت جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مدحت و ثنا کے لئے قلم اٹھاتے ہی دلوں کے ظلمت کدے جگمگانے، ذہن و فکر کے ویرانے ضیا پانے اور فکر و نظر کے آبگینے جھلملانے لگتے ہیں۔

مدحت سرائی کرتے ہوئے روح مچلتی، نگاہ تصورات کے کوہ فاران سے ابھرتی اور سعیِ مدحتِ نعتِ رسول کے غیر فانی سانچے میں ڈھلتی ہے۔ قلم حسنِ عقیدت کے موتی پروتا، وجدان اپنی خطا کوشیوں کی سیاہی کو آب زم زم سے دھوتا اور مدحت و ثنائے مصطفےٰ کے بحرِ بے کراں کو اپنے کوزۂ عشق و آگہی میں سموتا ہے۔ اس اس تمام تر سرمستی و سرشاری، بے خودی و ہشیاری کے ساتھ ساتھ مداحِ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہر آن یہی خیال دامنگیر رہتا ہے کہ کہیں وہ ثنائے مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردے میں گستاخی و بے ادبی کا مرتکب نہ ہو جائے۔

ایسے عالم میں مداحِ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی کم نگاہی دیکھتا ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجلیات انوار اپنی بے حوصلگی دیکھتا ہے اور پھر حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت بے پایاں، اپنے قلم کی تنگ دامانی دیکھتا ہے اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لطف سامانی ...... اور پھر جیسے ذرّہ سورج کی تابشوں کا ادراک کر کے اپنا وجود کھو بیٹھتا ہے اور قطرہ خود کو بحرِ بے کراں میں گم کر دینے کو بے تاب ہو جاتا ہے۔ ویسے ہی نعت نگار کا قلم لرزتا، سمٹتا، جھجکتا، اپنی بے سرو سامانی پر لجاتا شرماتا۔ افراط و تفریط سے دامن بچاتا، توصیف و مدحت کے لعل و گوہر ملکوتی دامنِ قرطاس پر سجاتا ہے۔ عشق و عقیدت کے اس بحرِ ناپیدا کنار میں مدحت نگار اپنا تشخص کھو دیتا ہے اور صرف یہی ایک احساس شمعِ آرزو کی صورت لو دینے لگتا ہے ؎

کرم نے تیرے بخشا حوصلہ عرضِ تمنّا کا
وگرنہ میں کہاں کا ہوں مسلماں یا رسول اللہ

کرامت علی شہیدی سے ڈاکٹر اقبال تک اور مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی سے لیکر دورِ حاضر کے نعت و مدحت کے پردے میں زمزمہ ہائے قدسی الاپنے والے عشاق مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تک مدحت نگارانِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک طویل قافلہ ہے جو صدیوں کی مسافتوں میں اپنے اپنے عشق و سرمستی کی سوغات لئے بصد عجز و انکسار دربارِ نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رواں دواں ہے۔ اس

قافلۂ ثنا گویانِ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر فرد تصورات
کے دوش پر حرم نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچ کر سر کے
بل چل کر اپنا اپنا نذرانۂ مدحت پیش کرنے کو بے قرار ہے۔
یوں کہئے کہ ہر نعت گو نے سوت کی اَنٹی اٹھا رکھی ہے کہ کسی طور
اس کا نام بھی یوسفِ عرب (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خریداروں
میں شامل ہو جائے۔

مدحت نگارانِ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سراپائے اقدس سے لیکر
اسوۂ حسنہ تک حسنِ صورت سے کمالِ سیرت تک اور جمالِ مصطفوی
سے جلالِ نبوت تک آپ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مقدس و مطہر
شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو فکر و نظر کے آئینہ خانوں میں
سجاتے ہوئے مدحت و ثنا کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔
نبوت کے اس مہرِ عالمتاب کی کرنوں کو اہلِ نظر نے مختلف زاویہ
ہائے عشق و عقیدت سے دیکھا اور انہی کی تشریح و تعبیر میں مصروف
ہو گئے۔ مقصود سب کا یہی تھا کہ وہ کسی طور خدا اور محبوب خدا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظرِ عنایت کے سزاوار بن جائیں۔

شعراء نے جن خصائص مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موضوع
نعت بنانے کی سعی کی ہے ان میں سے ایک حضور پرنور سید یوم النشور
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر کا سایہ نہ ہونا ہے۔ معتبر احادیث اور
روایات شاہد ہیں کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مظہر انوار خدا
وندی تھے۔ آئینہ تجلیاتِ ربانی تھے۔ کائنات میں ربِ دو عالم نے
سب سے پہلے آپ ہی کا نور تخلیق کیا تھا۔ اور آپ ہی کی حسن افروزیوں اور
ظہورِ نور کی خاطر یہ دنیا بنائی گئی تھی۔ اور یہ بھی آپ کی نورانیت کا
ہی اعجاز تھا کہ جسم اقدس سائے کی آلائش سے پاک تھا۔ آپ صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نورانیت اور پھر اس حوالے سے آپ کا سایہ
نہ ہونا مسلکِ اہلِ سنت و جماعت کا جزوِ ایمان ہے۔ مختلف اوقات
میں معروف علماء اور فقہاء نے اس موضوع پر بیسیوں کتب تصنیف
کی ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم تفصیلات سے دامن بچاتے ہوئے (کیوں کہ
اس مسئلہ کی فقہی حیثیت ہمارا موضوعِ تحقیق نہیں ہے) صرف
دو حوالے درج کر رہے ہیں۔

یاد رہے کہ اہلسنت و جماعت کا یہ مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بشری جسم کو اس قدر لطیف،
پاکیزہ اور مطہر کر دیا ہے کہ اس میں کسی قسم کی عنصری یا مادی کثافت
باقی نہیں رہی۔ اس لئے چاند سورج اور چراغ کی روشنی میں جب حضور
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوتے تھے تو جسم اقدس اس روشنی
کے لئے حائل نہیں ہوتا تھا۔ اور دیگر اجسامِ کثیفہ کی طرح حضور پاک
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم کا تاریک سایہ نہ پڑتا تھا۔

حضرت الشیخ عبدالحق محدث دہلوی "مدارج النبوۃ" میں
فرماتے ہیں۔

"و نبود مر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سایہ نہ در آفتاب
و نہ در قمر۔ رواہ الحکیم الترمذی عن ذکوان فی نوادر الاصول و عجب
است ایں بزرگاں کہ ذکر نہ کردند چراغ را و نور یکے از اسمائے آنحضرت
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم است و نور را سایہ نمی باشد" (جلد اوّل)

ترجمہ:۔ اور نہ تھا حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ
سورج میں نہ چاند میں۔ اس کو حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں حضرت
ذکوان سے روایت کیا اور ان بزرگوں سے تعجب ہے کہ (اس موقعہ
پر) انہوں نے چراغ کا ذکر نہیں کیا اور نور حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے اسمائے مبارکہ سے ہے۔ اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی مکتوباتِ امام ربانی جلد سوم
میں فرماتے ہیں:

"در عالم شہادت سایۂ ہر شخص از شخص لطیف تر است و چوں
لطیف تر ازوے در عالم نباشد او را سایہ چہ صورت دارد"

ترجمہ:۔ عالم شہادت میں ہر شخص کا سایہ اس سے لطیف
تر ہوتا ہے۔ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے لطیف تر عالم میں کوئی
چیز ہو ہی نہیں سکتی تو حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ کیوں کر
ہو سکتا تھا"

نعت گو شعراء نے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سراپائے
اقدس کو الفاظ کے پیرہن میں سموتے ہوئے آپ صلے اللہ علیہ وسلم
کے جسم انور کے سایہ نہ ہونے کا تذکرہ کر کے جہاں اپنے عقیدے سے وابستگی
کا اظہار کیا ہے وہاں انہوں نے عشق و عقیدت کی سربلندی اور شہپر
تخیل کی بلند پروازی کی بدولت اس مضمون کو نئے نئے انداز سے بیان کیا
ہے۔ دراصل جہاں ممدوحِ کائنات ہو اور جس کی مدحت سرائی خود

رب کریم فرما رہا ہو۔ اس کے اوصاف و خصائص کا تذکرہ شاعر کے لئے اس قدر باعثِ افتخار ہوتا ہے کہ وہ اظہارِ عقیدت کے نئے نئے روپ تراشنے کے لئے بے اختیار ہو جاتا ہے۔

مختلف ادوار میں عربی، فارسی، اردو اور پنجابی شعراء نے اس ایک مضمون میں جس طرح معنی آفرینی اور بلند پروازی دکھائی ہے اور وسعتِ فکر اور ندرتِ فن کی بدولت آنے والے ادوار کے شعراء کے لئے عشق و عقیدت کی جو میراث چھوڑی ہے وہ بلاشبہ دنیائے ادب کیلئے باعثِ اعزاز ہے۔ زیرِ نظر مقالہ میں ہم چند شعراء کے ایسے منتخب اشعار نذرِ قارئین کر رہے ہیں جن میں اس مقدس مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔

مولانا جلال الدین رومی بلاشبہ ایسے شیخ طریقت تھے کہ جنہوں نے شاعری کو تبلیغ و اصلاح کا ذریعہ بنایا حتی کہ ان کی شہرۂ آفاق مثنوی "ہست قرآن در زبانِ پہلوی" کا درجہ حاصل کر گئی۔ یہی پیر روم فرماتے ہیں ؎

چوں فناش از فقر پیرایہ شود

او محمد وار بے سایہ شود

مولانا جامی، بہت بڑے عاشقِ رسول تھے، عارف باللہ تھے۔ رمز آموز ایمان تھے، ان کی شاعری حبِ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ان کی شاعری روحانی وارادتِ قلبی کی ترجمان ہے۔ انہی کے اشعار میں عدم سایہ کے مضمون کی معنی آفرینی دیکھئے ؎

پیغمبر ما نداشت سایہ   تا شک بدل یقین نیفتد

یعنی ہر کس کہ پیرو دست   پیداست کہ بازمین نیفتد

نعتِ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا مضمون جس خوبی سے قادر الکلام شاعر فیضی نے بیان کیا ہے وہ بلاشبہ انہی کا حصہ ہے۔ اس عظیم شاعر نے بڑے اختصار کے ساتھ اس جامع مضمون کو بیان کیا ہے ؎

اُمی و دقیقہ دانِ عالم

بے سایہ و سائبانِ عالم

حق تو یہ ہے کہ فیضی کی اس بلند خیالی تک آنے والے ادوار کے بہت سے شعراء نے رسائی کی کوشش کی ہے مگر فیضی کا انداز اپنی جگہ یادگار اور مسلم ہے۔

علامہ شہاب الدین خفاجی جنہوں نے حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصنیف "شفا شریف" کی شرح "نسیم الریاض" کے نام سے فرمائی ہے۔ اس مضمون کو عربی میں یوں بیان کرتے ہیں ؎

مَا جَرَّ ظِلُّ اَحْمَدَ اَذْیَالَ   فِی الْاَرْضِ کَرَامَۃً کَمَا قَدْ قَالُوْا

ھٰذَا عَجَبٌ وَّکَمْ بِہٖ مِنْ عَجَبٍ   وَالنَّاسُ بِظِلِّہٖ جَمِیْعًا قَالُوْا

یعنی سایہ احمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن بسبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت و فضیلت کے زمین پر نہ کھینچا گیا اور تعجب ہے کہ باوجود اس کے تمام آدمی اُن کے سایہ میں آرام کرتے ہیں۔

مشہور زمانہ مثنوی سحر البیان کے مصنف میر حسن دہلوی جب حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت سرائی کرتے ہوئے عدم سایہ کے مضمون تک آتے ہیں تو پھر ان کا قلم ابدی مہک لٹانے لگتا ہے وہ اس مضمون کو ایک نہیں کئی طریقوں سے بیان کرتے ہیں۔ پڑھئے اور ان کے فکر و فن کی جولانیوں کی داد دیجئے ؎

یہ تھی رمز جو اس کے سایہ نہ تھا
کہ رنگ دوئی واں تک آیا نہ تھا
نہ ہونے کا سایہ کے تھا یہ سبب
ہوا صرف پوشش میں کعبہ کی سب
وہ قد اس لیے تھا نہ سایہ فگن
کہ تھا کل وہ اک معجز کا بدن
وہ ہوتا زمین گیر کیا فرش پر
قدم اس کے سایہ کا تھا عرش پر
ہوا سایہ اس کا لطیف اس قدر
نہ آیا لطافت کے باعث نظر
جہاں تک کہ تھے یاں کے اہلِ نظر
سمجھ مایۂ نور کحل البصر
سبھوں نے لیا پتلیوں پر اٹھا
زمیں پر نہ سائے کو گرنے دیا
سیاہی کی پتلی کا ہے یہ سبب
وہی سایہ پھرتا ہے آنکھوں میں اب
وگرنہ یہ تھی چشم اپنی کہاں

اسی سے یہ روشن ہے سارا جہاں
نظر سے جو غائب وہ سایہ رہا
ملائک کے دل میں سمایا رہا

مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی جو بہت بڑے فقیہہ، عالم حدیث، مفسّر قرآن اور عظیم مصنف تھے۔ انہیں فنِ نعت گوئی میں بھی امام کی حیثیت حاصل ہے۔ وہ نعتِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کہتے ہوئے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی بلندیوں پر نعتوں پر دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے اسلوبِ نعت نگاری نے ہمعصر شعراء کو ہی نہیں بلکہ آنے والے ادوار کے مدحت نگاروں کو بھی اس قدر متاثر کیا ہے کہ کوئی تذکرہ نگار ان سے پہلو تہی کر کے نعت گوئی کی روایت کو آگے نہیں بڑھا سکتا۔ اس سلسلہ میں فاضل بریلوی کا استدلال دیکھئے۔

قدِّ بے سایہ کے سایۂ مرحمت
ظلِّ ممدود رافت پہ لاکھوں سلام

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا

حافظ محمد خلیل الرحمٰن خاں احسنؔ نعت گوئی کے میدان میں اہم مقام رکھتے ہیں ان کا نعتیہ دیوان "بیاضِ نعت" ۱۹۱۷ء میں شائع ہوا تھا۔ آج کل یہ دیوان کمیاب بلکہ نایاب ہے۔ اس مضمون کی ادائیگی میں جناب احسنؔ کا کمال دیکھئے ؎

لکھتا ہے کہ سایۂ قد کا پتہ نہیں
سادہ اٹھا لیا ہے ورق آفتاب کا

ہے ظلّ حق نبی میں تو ظلِ نبی ہے نور
حق آفتاب سا ہے نبی ماہتاب سا

حضرت شیخ عبد الاحد مجددی کا نعتیہ کلام گو مختصر ہے مگر بہت معیاری اور خوبصورت ہے۔ وہ اس مقدس اور اہم مضمون کو یوں شعروں میں ڈھالتے ہیں ؎

جمالِ پاکش از نورِ جلال است
وجودِ نور را سایہ محال است
ازاں سایہ کہ از قدش ربودند
سوادِ مردمِ بینش نمودند

محسن کاکوروی نظم اور نعت کے میدان میں منفرد مقام رکھتے ہیں، فصاحت و بلاغت، انداز بیان اور تشبیہات و استعارات کے خوبصورت اور برمحل استعمال کی بنا پر ان کی شاعرانہ عظمت انتہائی مسلّمہ ہے۔ ایک طویل مسدس "سراپائے رسولِ اکرم" میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سراپائے اقدس لکھتے لکھتے ان کا قلم جب عدم سایہ کے مضمون کو بیان کرتا ہے تو مدحت وثنائے مصطفٰے کے بحرِ انوار سے یوں لولوئے لولا برآمد کرتا ہے ؎

سایۂ حق وہ شہ منزلتِ طٰہٰ ہے	چشمِ محبوبِ خدا نور کا اک پتلا ہے
سچ ہے محبوب جو لاثانی ہے وہ یکتا ہے	اس کے قامت کو بھلا سایہ مناسب کیا ہے

لاکھ عاشق ہیں مگر لطف دو محبوب نہیں
ظلِ حق ہو تو ہو پر ظلِّ نبی خوب نہیں

سامنے شمع منوّر کے اندھیرا کیا ہے	رو برو جلوۂ خورشید کے سایہ کیا ہے
اُمّی ہونے میں بھلا آپ کے شبہہ کیا ہے	عاقلو غور سے دیکھو کہ یہ نکتہ کیا ہے

کوئی تدبیر تو پڑھنے کی بجا ہی نہ رہی
نورِ رخسار سے لفظوں کی سیاہی نہ رہی

سایۂ طوبیٰ کا ترے عالمِ بالا میں رہے	قدِ بے سایہ مری چشمِ تمنا میں رہے

سید ناظر حسین ناظم حالی، آزاد اور اقبال کے ہم عصر تھے۔ شاعری اور خاص طور پر فنِ نعت گوئی میں انہیں خاص مقام حاصل تھا۔ ملاحظہ کیجئے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے سراپا اقدس کو شعروں کا روپ بخشتے ہوئے نفی الظل کے سلسلہ میں ان کا قلم کیا افشانی دکھاتا ہے ؎

سایہ بھی ہو تو نور سے کیونکر ہو جدا نور	خود نور قد و قامتِ محبوبِ خدا نور
یہ دونوں ہیں باہم تو ہے پھر نور علیٰ نور	قد اس سی فزدں نور وہ قامت ہے سو نور

قامت ہے اگر شمع ہدیٰ، ضو ہے وہ سایہ
قد مہر ہے اور مہر کا پرتو ہے وہ سایہ

وحدت سے خمیر آب و گل خسرو دیں ہے
سائے کو بھی شرکت قدِ موزوں پہ نہیں ہے

جان محمد خان عیشؔ فیروز پوری کا شمار بھی اساتذۂ فن میں ہوتا ہے۔ ان کے اشعار پڑھئے اور ان کی معنی آفرینی کی داد دیجئے ؎
جیسے کہئے برابر کا جواب ایسا کہاں ممکن = جبھی تو رد کیا سائے میں سایہ آپ کے قد کا

بنی آخری بھی آپ ہیں سب پر مقدم بھی = محمد پر ہوا ہے ختم رتبہ بھی محمد کا

میاں مولا بخش کشتہ پنجابی زبان کے معروف شاعر تھے۔ اور اس زبان میں ان کی حیثیت استادِ فن کی ہے۔ وہ بڑے عارفانہ انداز میں مدحت نگاری کرتے ہوئے اس مضمون کے لئے کتنا خوبصورت استدلال پیش کرتے ہیں ؎

دیکھو عرب زمین توں اٹھیائے سب لئی
بدل کرم دا بن گیا سایہ حضور دا

پنجابی زبان کے ہی ایک اور معروف شاعر محمد یوسف نگینہ بنی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کا کس پیارے انداز سے ذکر کرتے ہیں ؎

نوری جسم اُتے کدی نئیں پہندی سایہ دھرتی تے ہوندا وجود دا نئیں
نور و نور اُہدے آغاز وچ اے نور و نور اُہدے انجام وچ اے

اقبال سہیل اعظم گڑھی نعت گوئی کے میدان میں ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ ان کے ہدیۂ نعت میں اس مضمون کی ادائیگی دیکھئے ؎

لمعۂ قدس تن بے سایہ، جس کی بدولت خلق نے پایا
دین مکمل خلق مسلّم، صلی اللہ علیہ وسلم

اسی بحر میں اور اسی ردیف میں خورشید انصاری اکبر آبادی کی پروازِ تخیل ملاحظہ ہو ؎

جسم مقدس پاک و معنبر، روح دو عالم خلق کا پیکر
سایۂ قد بھی نور سراسر، صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

حبیب اللہ آج بھی اس مضمون کو اسی مقبول و معروف ردیف میں یوں ادا کرتے ہیں ؎

آپ کا سایہ سارے جہاں پر آپ کا سایہ کون و مکاں پر
آپ کا سایہ نور کا پرچم، صلے اللہ علیہ وسلم

"نفی الظل" کے مضمون کا نعت میں تذکرہ کسی ایک دور تک محدود نہیں رہا بلکہ ہر دور کے عشقِ نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولت سے بہرہ ور شاعر اپنے نذرانۂ مدحت و عقیدت میں اس مضمون کو مسلسل نئے نئے پیرایوں میں بیان کرتے آئے ہیں۔ آج کے دور کو ہم بلاشبہ نعت کا دور کہہ سکتے ہیں کہ آج کے دور کے اکثر و بیشتر شعراء نعتِ رسول کہہ رہے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ آج کے دور میں نعتِ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم شاعر کے فن کی پہچان بن گئی ہے

موجودہ دور ہی کے ممتاز شاعر احمد ندیم قاسمی اپنی ایک خوبصورت نعت میں "نفی الظل" کا مضمون کس والہانہ انداز سے قلمبند کرتے ہیں ؎

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ تیرے پیکر کا نہ تھا
میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ تیرا

عابد نظامی عہدِ حاضر کے سرکردہ نعت گو شعراء میں شامل ہیں، انہوں نے لادینیت کے ہنگاموں سے بھرپور ماحول میں صالح ادب کے فروغ کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ نعت گوئی میں انہیں ممتاز مقام حاصل ہے۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات سے والہانہ عشق و عقیدت رکھتے ہیں۔ نعت میں سطحی باتوں کے بجائے حقائق سے کام لیتے ہیں۔ اپنی ایک نعت میں اسی مضمون کو یوں ادا کرتے ہیں ؎

روزِ محشر وہ گنہگاروں کے سر پہ ہوگا
پیکرِ نور! نہ تھا اس لئے سایہ تیرا

مولانا مصطفیٰ رضا خاں نوری مولانا احمد رضا خاں کے فرزندِ اصغر تھے۔ قدرت نے انہیں نعت گوئی ورثہ میں بخشی تھی۔ بہت بڑے عالم اور عاشقِ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ ان کی نعتیہ شاعری رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عشق و محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ان کی ایک نعت کے دو اشعار میں ان کا اندازِ بیان دیکھئے ؎

جل رہے ہیں پھنک رہے ہیں عاشقانِ سوختہ
دھوپ ہے اور سایۂ زلفِ رسا ملتا نہیں
وہ ہیں خورشیدِ رسالت نور کا سایہ کہاں
ان کے فرضی ظل سے بھی ظلِ ہما ملتا نہیں

محمد سعادت حسین خاں وارثی شیدا صاحبِ دیوان نعت گو شاعر تھے۔ ان کی شاعری حبِ نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مخزن ہے۔ ان کی معنی آفرینی ملاحظہ کیجئے ؎

آپ کے جسمِ مبارک کا نہ تھا سایہ مگر
ہم گنہگاروں پہ محشر میں تو سایہ ہوگیا

سراپا نور تھے وہ نور کا سایہ نہیں ہوتا
حدودِ عقل سے بالا ہے عالم جسمِ اطہر کا

عشاقِ مصطفیٰ کے لئے سکندر لکھنوی کا نام نامانوس نہیں ہے، اس سلسلہ میں ان کے فن کی جولانیاں دیکھئے ؎

زمیں پر زیرِ سایہ رحمتِ حق جسمِ اطہر ہے
سحابِ قدس کے سائے میں ہے سایہ محمد کا

آج کے دور میں جن شعراء نے نعت گوئی کو شعارِ حیات بنالیا ہے ان میں معروف شاعر راجہ رشید محمود کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اس مداحِ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت کے ایک شعر میں اس مضمون کی ادائیگی دیکھئے ؎

چراغِ شوق لے کر ہاتھ میں ڈھونڈو زمانے میں
مگر تاحشر پاؤ گے نہ ان کا سایہ و ثانی

اب مزید چند شعراء کے ایسے اشعار پڑھیئے جن میں سرکارِ دوعالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ پاک کا سایہ نہ ہونے کا مضمون نہایت ہی خوبی اور خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

قمر یزدانی :۔ نظر آیا اسے سائے میں بھی محبوب کا ثانی
خدا نے اس لئے رکھا نہیں سایہ محمد کا

بیخود بدایونی :۔
آپ تھے ظلِ خدا خلق ہیں سب جانتے ہیں
دیکھتا کوئی بھلا سائے کا سایہ کیوں کر

منیر قصوری :۔
میں سمجھتا ہوں دو عالم پہ ہیں سایہ گستر
یہ الگ بات نہیں آپ کا سایہ دیکھا

شبیر شاہد :
شام و سحر کے درمیاں ہر سمت ہے جلوہ ترا
مہتاب بھی پر تو ترا، خورشید بھی سایہ ترا

جمیل قادری :
تو ہے آئینۂ وحدت کوئی کب مثل ہے تیرا
تو ہے سایہ خدا کا دو جہاں پر تیرا سایہ ہے

محمد اکرم رضا :۔
ہر زمانے پہ رہی سایہ فگن ذاتِ رسول
آپ کا گرچہ کسی نے بھی نہ سایہ دیکھا

قاہرہ (مصر) کی ایک قدیم خانقاہ

جسمِ اطہر کا نہ تھا سایہ اسی خاطر کہ اب
ہے محیطِ بزمِ دو عالم جو سایہ آپ کا

مضمونِ بالا میں فقط چند ایسے اشعار درج کئے گئے ہیں جن میں حضور نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ منور کا سایہ نہ ہونے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جب کہ حضور پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہورِ قدسی سے آج تک صدیوں کی بساطِ ادب پر ایسے بے شمار معروف اور غیر معروف شعراء کا نعتیہ کلام جگمگا رہا ہے جنھوں نے مختلف زبانوں میں کہی گئی نعتوں میں آپ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت اور اس حوالے سے آپ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ ہونے کا مضمون تمام تر فقہی تقدس اور علمی ثقاہت کے ساتھ مدحیہ اشعار میں سمویا ہے۔ ان شعراء کی مدحت نگاری صرف ان کے لئے ہی باعثِ اعزاز و سعادت نہیں ہے بلکہ ہمیں یقین ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں بھی ان کے لئے سرمایۂ نجات بننے کے ساتھ ساتھ آنے والے ادوار کے شعراء کے لئے بھی مینارۂ نور ثابت ہوگی۔

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

انقلابی دین

ڈاکٹر محمد مسعود احمد ایم۔اے

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انقلاب عجیب انقلاب تھا ——— شاید چشم عالم نے ایسا انقلاب نہ دیکھا ہو ——— ایک طبقہ کو ہٹا کر دوسرے طبقہ کو یا ایک قوم کو ہٹا کر دوسری قوم کو نہ لایا گیا ——— جو سامنے تھے انھیں کو ٹھیک کیا گیا ——— ان میں زانی بھی تھے ——— شرابی بھی تھے ——— خائن بھی تھے ——— بدکار بھی تھے ——— قاتل بھی تھے ——— سفاک بھی تھے لیکن رفتہ رفتہ سب کو ایسا بدلا کہ دنیا دیکھ کر حیران ہوئی جاتی ہے ——— تو ایسا انقلاب لانے کے لئے سب سے پہلے خود کو بدلنا ہوگا ——— دردمندی و دل سوزی کے ساتھ ان کے پاس جانا ہوگا جن سے ہم کو نفرت ہے ——— کیا گیارہویں صدی ہجری میں شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ اسی اسوۂ محمدی پر چل کر اسلامی انقلاب نہیں لائے ——— تاریخ پر جن کی نظر گہری ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ آپ کی دردمندانہ تبلیغ نے جہانگیر پر کیا اثر کیا ——— ایک سے ایک بہتر بادشاہ سامنے آ گیا ——— شاہ جہاں ——— اور پھر اورنگ زیب علیہ الرحمہ جنھوں نے پاک و ہند میں نظام مصطفےٰ نافذ کیا ——— نظام مصطفےٰ کوئی ایسی چیز نہیں جو صرف کاغذ پر نافذ کیا جائے ——— وہ تو دلوں پر نافذ ہوتا ہے ——— کاغذ پر بارہا نافذ ہو چکا ——— صورتوں کے بدلنے سے نظام نہیں بدلتے ——— سیرتوں کے بدلنے سے نظام بدلتے ہیں اور انقلاب آتے ہیں ——— اس لئے جیتی جاگتی مثالیں پیش کرنا ہوں گی۔

نظام مصطفےٰ سرپھروں کا انقلاب نہیں کہ بیٹھے بٹھائے لوگوں کو اکسائے اور جو موجود ہے اس کو معدوم کر دے ——— یہ اصلاح حال کا داعی ہے ——— قلب ماہیت کا نام ہے ——— یہ خواہ مخواہ جھگڑا مول نہیں لیتا ——— یہ فتنہ کا نام نہیں ——— یہ امن کا پیامبر ہے اور امن ہی سے حاصل ہوتا ہے ——— یہ انسان کو مارنا نہیں سکھاتا ——— یہ انسان سے پیار کرنا سکھاتا ہے ——— یہ انسان کو انسانوں کے ہاتھوں ذلیل و رسوا نہیں کرتا ——— اس کی تعظیم و تکریم کرتا ہے ——— یہ انسان کی دولت نہیں ہتھیاتا ——— یہ بھوکا پیاسا نہیں ——— یہ غنی ہے، فقیر نہیں ——— یہ سخی ہے محتاج نہیں ——— یہ آقا ہے غلام نہیں ——— یہ بادشاہ ہے رعایا نہیں۔ ——— یہ غالب ہے مغلوب نہیں ——— یہ حاکم ہے
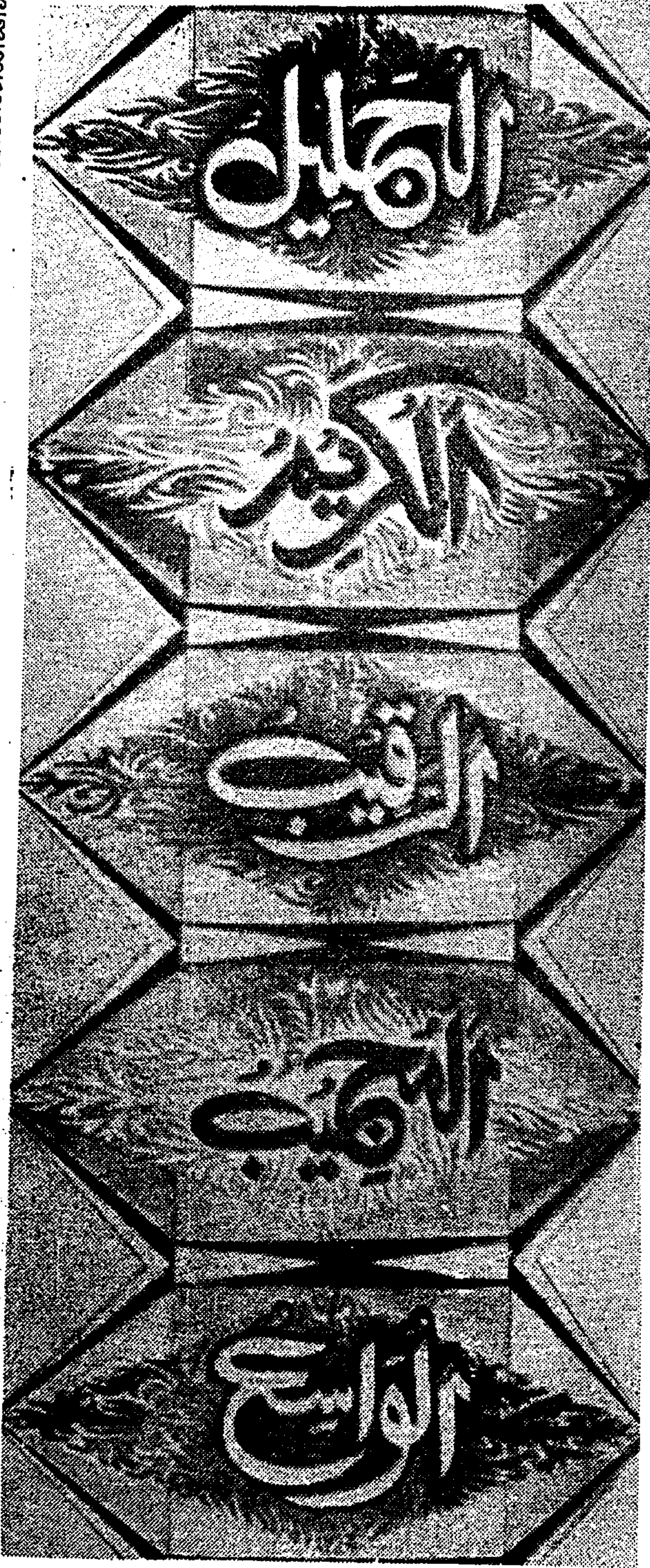
محکوم نہیں ——— یہ محبوب ہے مردود نہیں ——— اس کی بنیاد خوف خدا پر ہے ——— اور جہاں خوف خدا ہو وہاں احترام انسانیت بھی ہے اور انسان خدا کی پیاری مخلوق ہے ——— یہ سایۂ رحمت ہے ——— انسان کا دل رکھتے ہوئے آگے بڑھتا ہے ——— یہ کسی کا دل نہیں دکھاتا کہ ایک دل والے کا نظام ہے یہ بچوں پر شفقت سکھاتا ہے اور بزرگوں کا احترام سکھاتا ہے ——— لین دین کا سلیقہ بتاتا ہے ——— ناپ تول کا ڈھنگ بتاتا ہے ——— کھانے پینے، رہنے سہنے، بولنے چالنے، چلنے پھرنے، کے آداب سکھاتا ہے ——— یہ حیوان کو انسان بناتا ہے — ——— انسانوں کو حیوان نہیں بناتا ——— اس کی تعزیر بھی عبرت ہے اور اس کا قصاص بھی زندگی ہے ——— مردوں کو جلاتا ہے ——— یہ آفت جان نہیں، راحت جان ہے ———

(۲)

دنیائے جدید کا ہر تعمیری انقلاب نظام مصطفےٰ کا مرہون منت ہے ——— یہ ایک عظیم حقیقت ہے ——— کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے ——— ملک چین کو دیکھئے کہ نظام مصطفےٰ کے صرف ایک گر پر عمل کر کے اقتصادی طور پر کہاں سے کہاں پہونچ گیا!

روز اول ہی سے اس نے عہد کیا کہ ہم کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں گے جو کچھ بن پڑے گا خود کریں گے ——— حمیت و خودداری کا سبق کس نے سکھایا؟ ——— اسی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے اولاد سے یہ کہا کہ والدین سے مانگنا بھی ذلت ہے ——— اللہ اکبر!

اور جب چو این لائی مرا تو اس کے فداکاروں نے پست ہمت عورتوں کی طرح نہ اپنے چہرے نوچے اور نہ بال کھسوٹے نہ اپنے سینے پیٹے بلکہ وہ کر دکھایا جو مردوں کے شایان شان تھا۔ اس غم سے وہ ایک نیا حوصلہ لے کر ابھرے ——— اور یہ بات کس سے سیکھی؟ ——— اہل بیت اطہار سے سیکھی ——— صحابہ کرام سے سیکھی ——— یہ وہ نقوش

الجلیل

الکبیر

الرقیب

المجیب

الواسع

مشہور مصور صادقین کی بنائی مصورانہ خطاطی
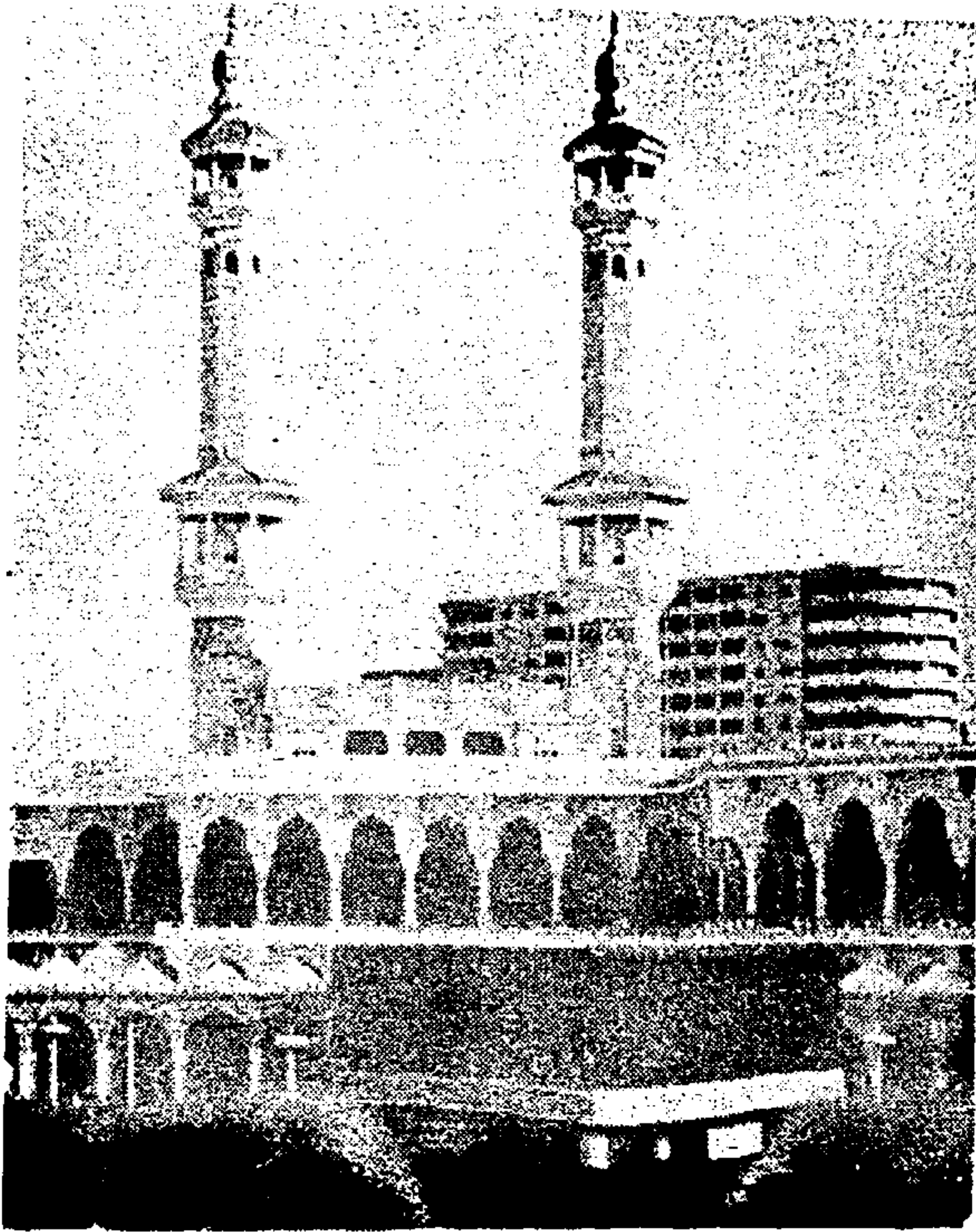
قدسیہ ہیں جنھوں نے ہر غم والم کو اپنے حوصلوں سے شکست دی لیکن افسوس صد افسوس ہم نے سینہ زنی اپنا شعار بنایا۔ اور غیروں نے ان بلند ہمتوں سے سینہ سپر کا درس لیا۔

نظام مصطفےٰ نافذ کرنا ہے تو عالم وعامی کو اسوۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنا ہوگا ——— اللہ اللہ! عالم، عالم سے ناراض ——— جاہل جاہل سے خفا ——— پہلے دل ملانے ہوں گے ——— خلوص للہیت کی بات پیدا کرنی ہوگی ——— خود نکلنا ہوگا ——— خود بلانا ہوگا ——— دعوتوں کا انتظار ترک کرنا ہوگا ——— محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا نہیں دیا ہی ہے ——— جانشین مصطفےٰ کو لینا نہیں، دینا ہوگا ——— محلوں سے دل ہٹانا ہوگا ——— مرغن کھانوں سے ہاتھ اٹھانا ہوگا ——— دولت وثروت پر لات مارنی ہوگی ——— ہاں اللہ اور رسول کے لئے اپنی پونجی لگانی ہوگی ——— سب کچھ نثار کرنا ہوگا ——— اپنی ہستی مٹانی ہوگی ——— اپنی چال ڈھال اور رنگ ڈھنگ بدلنے ہوں گے ——— تقریروں کی ساحری بے جیبیں ڈھیل کرنے کا ہنر چھوڑنا ہوگا ——— نصیحت اور ہدایت پر اجرت اور وہ بھی طلب وسوال کے ساتھ! ——— حیرت ہے ——— لیکن اللہ کے رسولوں نے تو یہ نہیں کیا ——— تو پھر جانشین رسول یہ کیا کر رہے ہیں؟ ——— سورۃ الشعرا پڑھو اور دیکھو حضرت نوح علیہ السلام کیا کہہ رہے ہیں؟ ——— حضرت ہود علیہ السلام کیا کہہ رہے ہیں؟ ——— حضرت صالح علیہ السلام کیا کہہ رہے ہیں؟ ——— حضرت لوط علیہ السلام کیا کہہ رہے ہیں؟ ——— حضرت شعیب علیہ السلام کیا کہہ رہے ہیں! ——— اللہ اللہ! سب بیک زبان کہہ رہے ہیں ——— ما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العلمین ○

(سورۃ الشعرا، آیات ۱۰۹، ۱۲۷، ۱۴۵، ۱۶۴، ۱۹۰)

ترجمہ: میں اس پر تم سے اجر نہیں مانگتا، میرا اجر اسی پر ہے جو دونوں عالم کا رب ہے۔

ہاں ان رسولان برحق کے راستہ پر چلنا ہوگا ——— ہم کو طلب وسوال نے مارا ——— ہم کو قرضوں نے مارا ——— ہم کو اسراف وتبذیر نے مارا ——— ہم کو ہماری بدکاریوں نے مارا ——— طلب وسوال سے زبان بند رکھنی ہوگی ——— قرضوں سے توبہ کرنی ہوگی ——— اسراف وتبذیر سے ہاتھ اٹھانا ہوگا ——— نیکوکاری کا عزم کرنا ہوگا ——— موٹا جھوٹا پہننا ہوگا ——— ہلکا پھلکا کھانا ہوگا ——— محلوں سے دل اٹھانا ہوگا۔ جھونپڑیوں سے دل لگانا ہوگا ——— تب کہیں جاکر نظام مصطفےٰ نافذ ہو سکتا ہے ——— خدارا کوئی تو نمونہ دکھائے اور فقری میں ہیبت شاہی پیدا کرے! ——— اگر ایسا نہیں ہوگا تو پھر دیکھنے والے ہوچی منہ کو دیکھیں گے ——— چواین لائی کو تکیں گے ——— ماؤزے تنگ سے لو لگائیں گے ——— اور لینن کی باتیں کریں گے ——— آؤ آؤ محمد مصطفےٰ کی باتیں کریں ——— اپنی دنیا بدلو۔

اور ایک رحیم وکریم انقلاب کی کوشش کرو ؎

تقدیر امم کیا ہے؟ کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

بحیثیت
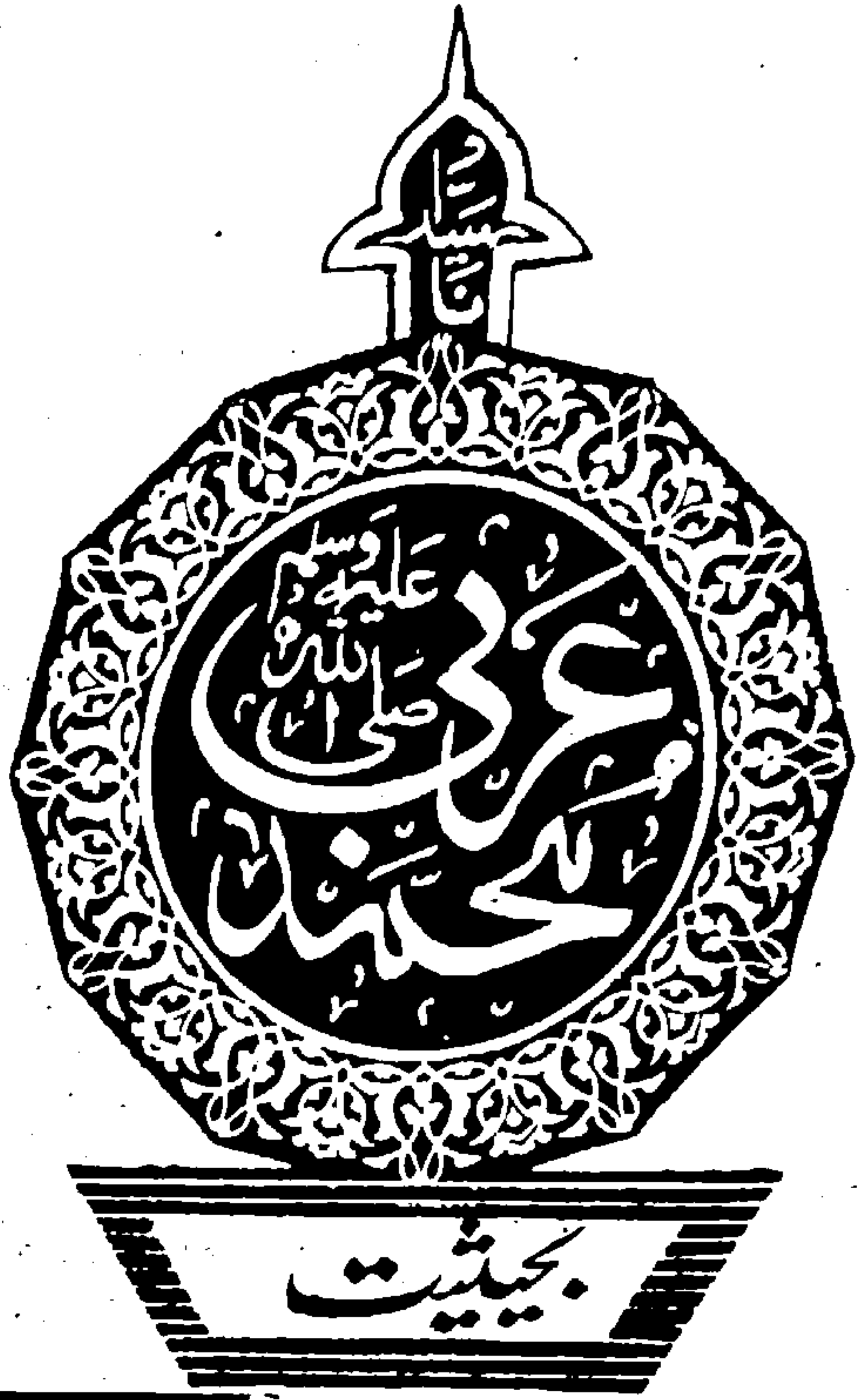
مولائے کُل

مولانا سید مظفر حسین صاحب کچھوچھوی

استقامت کی سلور جبلی کے موقع پر سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عربی نمبر نکالنے کی سعی جمیل کی گئی ہے۔ اور اس مبارک موقع پر سارے علمائے ملت اسلامیہ کو نہ صرف اس کار خیر میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے بلکہ انھیں مختلف عنوانات دے کر اگر ایک طرف سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ایک شاندار اور بہت ہی پر کیف گلدستہ تیار کرنے کی سعی کی گئی ہے تو دوسری طرف اہل قلم حضرات کو عنوانات کا پابند کر کے میدان امتحان میں لا کر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ مجھ کو بھی " مولائے کل " کا عنوان عطا فرمایا گیا ہے۔ جس کا شکریہ۔ حالانکہ فہرست میں جتنے عنوانات علمائے کرام کو بسلسلۂ فضائل رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم دیئے گئے ہیں اگر میں انھیں کو سمیٹ دوں تو اسی مجموعۂ صفات کا نام " مولائے کل " ہو جائے۔ اور اس ذات مقدس کے لئے کسی کے مضمون کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ قرآن پاک خود ان کے مولائے کل ہونے کی شہادت دے رہا ہے۔

قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا۔ اے لوگو میں اللہ کی جانب سے تم سب کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں۔

وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس۔ ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

انا اعطینٰک الکوثر۔ اے محبوب ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کر دی

پروردگار عالم نے اپنے بندوں تک اپنے احکام و مرضیات کا علم پہونچانے کے لئے جو نظام ہدایت قائم فرمایا قرآن حکیم کی اصطلاح میں اسی کا نام رسالت ہے۔ اور رسول پاک کی وہ ذات مقدس ہے جس کو خود پروردگار عالم نے اپنے پیغامات بندوں تک پہونچانے کے لئے منتخب فرما کر علم و حکمت، و حکومت سے نوازا ہے۔

چنانچہ کلمہ کے دوسرے جزء " محمد رسول اللہ " کا یہی مفہوم ہے جس ہدایت الٰہی پر انسانیت کو چلنا ہے۔ آپ اس ہدایت کے لانے والے رسول ہیں۔ اور آپ کی اطاعت اسی طرح ضروری ہے جس طرح خود پروردگار عالم کی فرمانبرداری کرنا ہے

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔

مزید فرمایا گیا۔ جو کچھ رسول تم کو دیں وہ لے لو۔ اور جس سے منع کر دیں باز آجاؤ۔

اس دنیا میں بھی آپ دیکھ لیجئے ایک شخص حکومت کا لاکھ وفادار بنتا ہو مگر اس کے مقرر کردہ گورنروں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے تو یہ انکار حکومت کو نہ تسلیم کرنے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص گورنروں کی اطاعت کرتا ہے تو اسے خود حکومت کی اطاعت پر محمول کیا جاتا ہے۔ اسی نکتہ
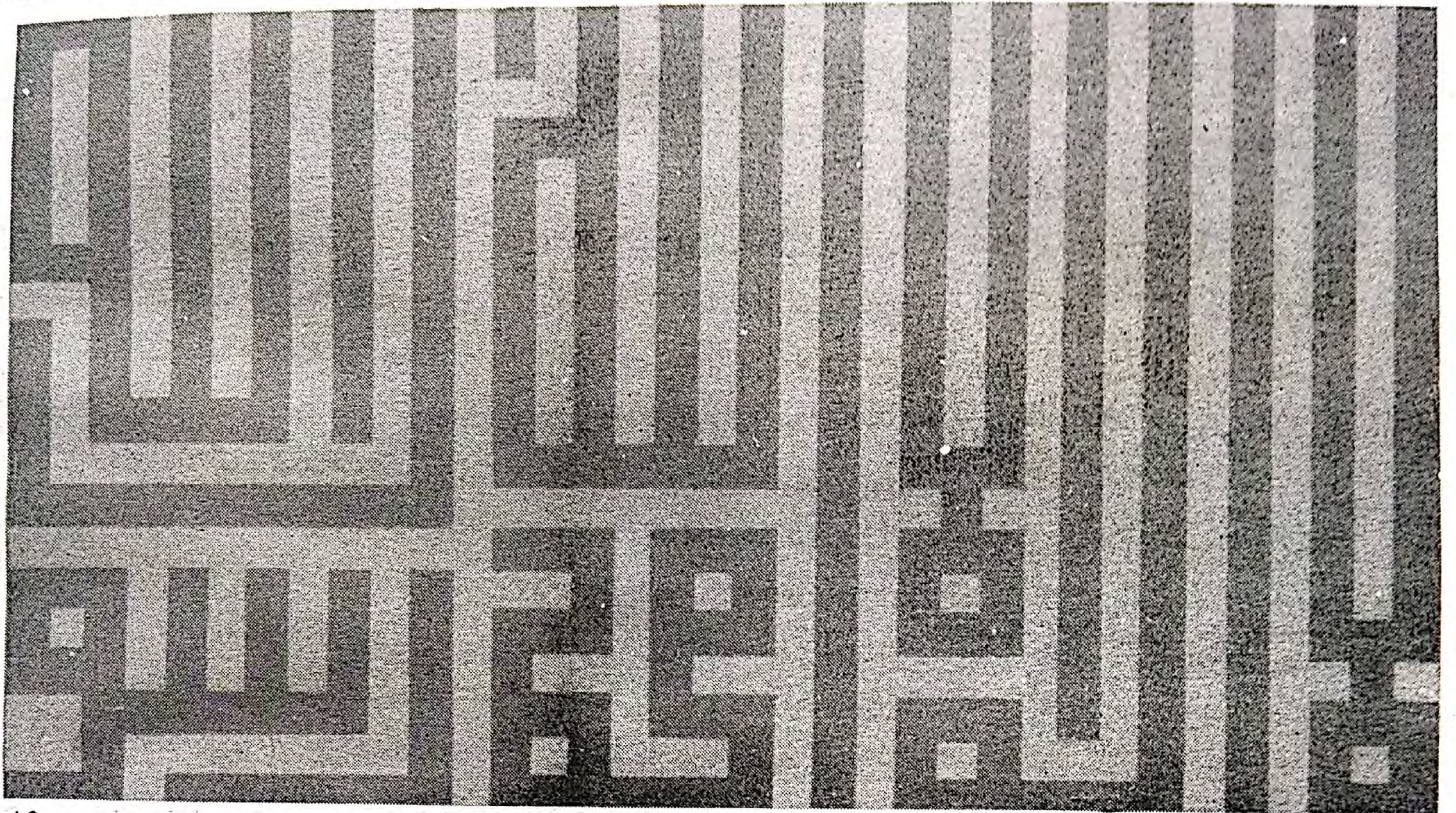
کو حضرت امام رازی نے اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ جس نے نبوت و رسالت اور رسول کی عظمت و فضیلت سے انکار کیا۔ درحقیقت وہ اللہ تعالےٰ کی ذات پاک وصفات کا انکار کرکے بدنصیب ہوا۔ (تفسیر کبیر)

یوں تو انسانی ہدایت کے لئے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و مرسلین دنیا میں تشریف لائے لیکن یہ سب انبیاء کسی خاص وقت، کسی خاص قوم و قبیلے و ملک کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ ان کی شریعت نہ عالمگیر تھی اور نہ وہ مولائے کل کی حیثیت کے حامل تھے۔ اور نہ ان کی بقا و دوام کی ضرورت تھی۔ اور نہ ان کے ساتھ آنے والے صحائف کی حفاظت قدرت نے اپنے ذمہ لی تھی۔ اس لئے وہ بتدریج تحریفات کا شکار ہوگئیں۔ لیکن جب میرا رسول تشریف لایا تو پروردگار عالم نے قرآن پاک کے ذریعہ خود اعلان فرمادیا کہ اے محبوب فرمادو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف خدا کا پیغمبر بناکر بھیجا گیا ہوں یعنی میں دنیائے انسانیت کے لئے ایک بین الاقوامی رسول بناکر بھیجا گیا ہوں۔ اسی لئے دنیا کے تمام انسانوں کے لئے آپ پر ایمان لانا شرط نجات قرار دیا گیا۔ یہانتک کہ اللہ تعالےٰ نے تمام انبیاء و مرسلین سے بھی یہ عہد لیا تھا کہ اگر میرا حبیب تمہارے دور میں تشریف لائے تو ضرور ضرور ان پر ایمان لانا۔ اور ضرور ضرور ان کی مدد کرنا۔

غرض آپ کی حیات طیبہ ہی درحقیقت کلام الٰہی کی اصل شارح اور کامل تفسیر ہے۔ آپ کی تمام تر سیرت مبارکہ قرآن مجید کی عملی تشریح ہے۔ چنانچہ خود قرآن کریم نے یہ بات متعین کردی فانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم اور ہم نے نازل کیا آپ کی طرف قرآن کو تاکہ آپ واضح کردیں لوگوں کے سامنے وہ چیز جو ان کی طرف اتاری گئی۔

اس طرح تشریح کی بھی ذمہ داری حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کی گئی۔ تاکہ آپ اپنے اقوال و افعال و احوال سے قرآن کی شرح فرمائیں۔ اب اگر کوئی شخص اپنی منافقت و بد دیانتی کی وجہ سے یہ چاہے کہ حدیث نبوی کو چھوڑکر قرآن پاک کو سمجھ لے تو اس کی مثال اسی طرح ہوگی، جیسے کسی بچے کو معلم یا اتالیق کے بغیر از خود کتابیں پڑھنے یا

بڑھاپے پر لگا دیا جائے۔

یہ بات تو دنیا پر واضح ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عربوں کی نہ کوئی تہذیب تھی اور نہ انکا کوئی تمدن و اخلاق تھا نہ ان کی زندگی میں کوئی نظم وضبط تھا۔ مہذب دنیا ان لوگوں کو نفرت و حقارت کی نگاہوں سے دیکھتی تھی۔ وہ اپنے کردار و عمل کے اعتبار سے بہت ہی ذلیل و خوار تھے۔ لیکن دنیا نے یہ دیکھ لیا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لانے کے بعد چند سال کے عرصہ میں ان کی زندگی میں ایک عظیم انقلاب پیدا فرمایا۔ اور انھیں اخوت و محبت کے رشتہ میں منسلک فرماکر ایک خاندان کے افراد بنا دیا۔ اور متمدن اقوام کی صف اول میں لاکھڑا کر دیا۔

دنیا اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کرسکتی کہ آپ نے دنیا کے سامنے سیاست و تمدن اور تہذیب و اخلاق کا جو بلند معیار قائم کر دیا تھا اسی کے چربے اتار کر یا اس کی نقالی کر کے آج کی مہذب دنیا اپنی تہذیب پر فخر کر رہی ہے حالانکہ یہ میرے آقا کی دین ہے۔ آپ کی تعلیمات ہی وہ شمع معرفت ہے جس سے صرف مسلمانوں ہی نے نہیں بلکہ غیروں نے بھی روشنی حاصل کی ہے۔

چنانچہ اسی سلسلہ میں چند مورخین کے بیانات بطور نمونہ پیش کر رہا ہوں۔ تاکہ لوگوں کو حقائق سمجھنے اور اپنے متعلق فیصلہ کرنے میں آسانی ہو سکے۔

(۱) اہل قلم انگریزی ڈاکٹر ایڈورڈ ویل ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ "اسلام تلوار سے پھیلا" آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یوں تبصرہ کرتا ہے:-

"(محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو کسی وقت یہ خیال بھی نہ ہوا، کہ اسلام کی ترقی تلوار کی مرہون منت ہے۔ نہیں، بلکہ اسلام کی کامیابی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سادہ بے لوث زندگی ایفائے وعدہ، اصحاب اور پیروؤں کی غیر معمولی حمایت، توکل خدا اور ذاتی جرارت و استقلال سے وابستہ ہے۔"

(۲) لندن کا ایک شہرۂ آفاق مشہور و معروف مفکر جارج برنارڈ شا ہے جس کا انتقال حال ہی میں لندن میں ہوا۔ اسے زمانہ حاضرہ کا سب سے بڑا ادیب و نقاد تسلیم کیا جاتا ہے وہ اگرچہ لامذہب اور پکا ملحد تھا لیکن اس کے باوجود، اسلام کی خوبیوں کا بے حد معترف تھا۔ چنانچہ اس نے سرور کونین صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا ہے:-

میرے نزدیک محمد صاحب (صلے اللہ علیہ وسلم) کا مذہب وہ واحد مذہب ہے جس میں ہر دور کے مصائب کے حل کی صلاحیت موجود ہے۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو ساری کائنات کا نجات دہندہ سمجھنا چاہیئے۔ اور ان کی ذات تمام انسانیت کے لئے بغیر کسی تخصیص کے تو لاکل، و رہبر کامل و ہادی کل کی حیثیت رکھتی تھی اور ہے ــــ پھر کہتا ہے:-

مجھے یقین ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم جیسا آدمی اس کائنات کا حاکم بن جائے۔ تو ان تمام مسائل و مصائب کو حل کر کے دنیا میں امن و خوشحالی قائم کر دے گا جس کی کائنات انسانی کو آج ضرورت ہے۔

(۳) انگلستان کا نامور مورخ ڈاکٹر گبن اپنی مشہور تصنیف "سلطنت روما کا انحطاط وزوال" کی جلد ۵ باب ۵۰ میں لکھا

"حقیقت یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سب پر حاوی ہے وہ اپنے تمام احکام میں بڑے سے بڑے شہنشاہ سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے فقیر و گداتک کے لئے مساوی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ وہ شریعت ہے جوایسے دانشمندانہ اصول وضوابط اور اس قسم کے عظیم الشان قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے۔ کہ سارے جہاں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔"

غرض اسلام و پیغمبر اسلام کی صداقت کا بیّن ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ مذہب جس کی عمر چودہ سو سال سے زیادہ نہیں اس کی پاک تعلیم اقوام عالم کے قلوب پر اپنا گہرا اثر ڈال رہی ہے۔ جو اسلام و بانی اسلام کی ذات والا صفات کے صدق اور آپ کی عظمت کے معترف ہیں اور برملا اسلام اور دنیا کے نجات دہندہ خاتم النبیین کے جمال و کمال کا اقبال کرتے ہیں۔ اور یہی نہیں بلکہ دلائل سے ثابت

کر دکھایا ہے کہ آپ ہی کی ذات جامع کمالات اور غیر معمولی خوبیوں اور قابلیتوں کی مالک ہے۔

غور فرمائیے کس خوبی اور قابلیت سے بے لاگ غیر مسلم زعماء نے اعتراف کیا ہے اور کس قدر صاف اور کھلے الفاظ میں سرور کونین، رحمۃ للعالمین کی خوبیوں، صلاحیتوں اور آپ کی تعلیمات کے معترف ہوئے ہیں۔ جو آپ کی صداقت اور آپ کے مولائے کل ہونے کا بیّن ثبوت ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ آج دنیا میں جتنی بھی خوبیاں اور تحریکیں دکھائی دیتی ہیں وہ سب کی سب میرے آقا ہی کی ممنون منت ہیں۔ اور اسلام کا یہ دعویٰ حقیقت پر مبنی ہے کہ جس طرح وہ کسی خاص طبقے یا ملک وقوم کا مذہب نہیں بلکہ تمام عالم کے لئے ایک ہمہ گیر ضابطۂ حیات اور جملہ انسانوں کے لئے ابدی پیغام ہے اسی طرح حضور رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس تمام عالم کے لئے ایک بین الاقوامی حیثیت کی مالک ہے اسی لئے کونین کے اس محسن اعظم کی حیات طیبہ اور اخلاق واوصاف واعمال وافعال حسنہ کو ہر ملک وقوم و مذہب کے دانشوروں نے نہ صرف پسند کیا بلکہ اس کو سراہا۔ اور اسی حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے۔ کہ آپ کی حیات طیبہ ہی انسانیت کی فلاح وبہبود کا واحد راستہ ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان تمام حقائق کا اعتراف کر لینے کے بعد اگر ایمان کی دولت سے محروم ہیں تو اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے کہ ان کے دلوں پر "ختم اللہ علیٰ قلوبہم" کے پردے پڑے ہوئے ہیں لیکن

؎ حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی۔

غرض آپ کی عملی زندگی نے قوموں کے اندر ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی اور گم کردہ راہ عوام میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اسی لئے آپ کے ہاتھوں پر جن لوگوں نے اسلام قبول کیا وہ صرف عرب ہی کے باشندے نہ تھے۔ بلکہ ہر خطۂ زمیں سے لوگ جوق در جوق غلامی رسالت میں داخل ہونے کے لئے چلے آئے۔ خواہ وہ روم کے حضرت صہیب ہوں یا فارس کے حضرت سلمان یا بصرہ کے حضرت ابوہریرہ یا حبش کے حضرت بلال وغیرہ وغیرہ۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ آپ کی تعلیمات عدیم النظیر و بے مثال اور مظلوم انسانیت کی بھلائی کے لئے ایک تاریخی و انقلابی یادگار ہیں۔ یہی وہ آفتاب عالم تاب ہے کہ جس کی مقدس نورانی شعاعوں نے تمام عالم کو بقعہ نور بنا دیا۔ اور جہل وشرک وکفر کی تاریکیاں مٹا دیں۔ نیز بنی نوع انسان پر مادی و روحانی ترقیوں اور سعادتوں کے دروازے بھی کھول دیئے۔

یہی وہ ذات مقدس ہے جس کی عظمت وبزرگی اور پاکیزہ زندگی کو دیکھ کر دوست تو دوست دشمن بھی پکار اٹھے کہ دنیا میں اگر کوئی ذات ایسی ہے کہ جس کو مصلح اعظم، رہبر عالم اور بین الاقوامی رسول کہا جا سکتا ہے تو وہ صرف محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی واحد ذات ہے جس کی شہادت خود قرآن دے رہا ہے قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا۔ اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سب کے لئے خدا کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ ؎

آ گیا جس کا نہیں ہے کوئی ثانی وہ رسول\
روح فطرت پر ہے جس کی حکمرانی وہ رسول\
جس کا ہر زیور رہے حکم آسمانی وہ رسول\
موت کو جس نے بنایا زندگانی وہ رسول،\
محفل سفاکی و وحشت کو برہم کر دیا!\
جس نے خوں آشام تلواروں کو مرہم کر دیا

خسرو خاور نے پہنچا دیں شعائیں دور، دور\
گل کھلے شاخیں ہلیں شبنم اڑی، چھایا سرور\
آسماں روشن ہوا، کانپی زمیں پر موج نور\
پو پھٹی، دریا بہے سنکی ہوا، چہکے طیور\
نور حق فاراں کی چوٹی کو چمکانے لگا\
دلبری سے پرچم اسلام لہرانے لگا

(جوش ملیح آبادی)

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

بحیثیت

وسیلہ عظمیٰ

مولانا محمد شفیع اکاڑوی

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بلا شک وشبہ خالق ومخلوق کے درمیان وسیلۂ عظمیٰ وبرزخ کبریٰ ہیں۔ جو نعمت وبرکت اور مرتبہ وکمال بھی کسی کو ملا یا ملے گا سب آپ کے واسطہ وسیلے سے ہے اولین وآخرین سب آپ کے وسیلۂ جلیلہ کے محتاج ہیں۔ چنانچہ امام قسطلانی اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما فرماتے ہیں :

ترجمہ :۔ اور بے شک وسیلہ بنایا جاتا ہے صاحب مرتبہ وجاہ کو اس کی طرف جو اس سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ جیسے کہ نبی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنایا جاتا ہے) اللہ کی طرف سے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد اور توسل اور شفاعت اور توجہ طلب کرنا ہر حال میں واقع ہے آپ کی ولادت سے پہلے اور آپ کی ولادت کے بعد آپ کی ظاہری حیات میں اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی باطنی حیات میں اور میدان قیامت میں۔ (زرقانی علی المواہب ص۳۱۷ ج۸)

قبل از ولادت وسیلہ وشفاعت

ترجمہ :۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام سے خطا کا ارتکاب ہوگیا تو انہوں نے عرض کیا اے میرے رب میں تجھ سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے۔ اللہ نے فرمایا اے آدم تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسے پہچانا؟ ابھی تو میں نے ان کو جسدا پیدا نہیں کیا! عرض کیا اے میرے پروردگار جب تو نے مجھ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا فرمایا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی تو میں نے اپنے سر کو اٹھایا اور عرش کے ستونوں پر لکھا ہوا دیکھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پس میں نے جان لیا کہ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے وہ تجھے تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم تو نے سچ کہا بے شک وہ ساری مخلوق سے زیادہ مجھے محبوب ہے۔ اور جب تو نے ان کے وسیلے سے بخشش چاہی تو میں نے تجھ کو بخش دیا اور اگر وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا ہی نہ کرتا۔ (بیہقی، طبرانی، زرقانی علی المواہب ص۶۲ ج۱، المستدرک للحاکم ص۶۱۵ ج۲)

تفسیر روح المعانی جلد ۱ آیت فتلقیٰ آدم من ربہ کلمات کے تحت مرقوم ہے

ترجمہ :۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرش کے

پائے پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا تو اس نام کو شفیع بنایا۔ اور جب عیسیٰ علیہ السلام پر کلمے کا اطلاق ہوا ہے تو جو روح اعظم اور حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان پر کلمات کا اطلاق کیا گیا ہے کیونکہ عیسیٰ اور موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام سب اسی نور اعظم کے انوار اور اسی باغ کے پھول ہیں۔ (روح المعانی ص۲۱)

امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

ترجمہ:۔ اے آدم! اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے تمام اہل سموات اور اہل زمین کی سفارش کرتے تو ہم تمہاری سفارش قبول فرماتے۔

(زرقانی علی المواہب ص۹۲)

حاضری کے آداب میں امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد مذکور ہے کہ خلیفہ منصور سے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیوں منھ پھیرتا ہے جب کہ وہ تیرے اور تیرے باپ آدم علیہ السلام کے بھی وسیلہ ہیں۔

سراج الامہ امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

أَنْتَ الَّذِیْ لَوْلَاكَ مَا خُلِقَ امْرُءٌ
كَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرٰی لَوْلَاكَ

ترجمہ:۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ وہ ذات ہیں کہ اگر آپ نہ ہوتے تو ہرگز نہ کوئی آدمی اور نہ ہی کوئی مخلوق پیدا ہوتی۔

أَنْتَ الَّذِیْ مِنْ نُوْرِكَ الْبَدْرُ اكْتَسٰی
وَالشَّمْسُ مُشْرِقَةٌ بِنُوْرِ بَهَاكَ

ترجمہ:۔ آپ وہ نور اعظم ہیں کہ چاند آپ ہی کے نور سے روشن اور سورج کی چمک بھی آپ ہی کے نور سے ہے

أَنْتَ الَّذِیْ لَمَّا تَوَسَّلَ اٰدَمُ
مِنْ زِلَّةٍ بِكَ فَازَ وَهُوَ اَبَاكَ

ترجمہ:۔ آپ وہ ہیں کہ آدم علیہ السلام نے جب آپ کا وسیلہ پکڑا تو وہ اپنی مراد کو پہنچے حالانکہ بظاہر وہ آپ کے باپ ہیں۔

وَبِكَ الْخَلِیْلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُهٗ
بَرْدًا وَّقَدْ خَمِدَتْ بِنُوْرِ سَنَاكَ

ترجمہ:۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آپ ہی کے نور کے سبب سے آگ گلزار بن گئی تھی۔

وَدَعَاكَ اَیُّوْبُ لِضُرٍّ مَسَّهٗ
فَاُزِیْلَ عَنْهُ الضُّرُّ حِیْنَ دَعَاكَ

ترجمہ:۔ اور حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی تکلیف و مصیبت میں آپ ہی کو پکارا تو اس پکارنے سے ان کی تکلیف و مصیبت دور ہو گئی۔

(مجموعۃ القصائد مطبع مجتبائی ص۲)

بارگاہ مقبول سید المرسلین امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:۔

وَكُلُّهُمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ
غَرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّیَمِ

ترجمہ:۔ تمام انبیاء کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سمندر میں سے بقدر ایک چلو کے یا آپ کے فیض کی لگاتار بارشوں سے بقدر ایک گھونٹ کے سائل و طالب ہیں

وَكُلُّ اٰیٍ اَتَی الرُّسْلُ الْكِرَامُ بِهَا
فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُّوْرِهٖ بِهِمِ

ترجمہ:۔ اور ہر معجزہ و کمال جس کو رسولان کرام لائے ہیں، سوائے اس کے نہیں کہ وہ معجزہ و کمال ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے وسیلہ سے حاصل ہوا

فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا
یُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِی الظُّلَمِ

ترجمہ:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب فضل و کمال ہیں اور تمام انبیاء کرام اس آفتاب کے ستارے ہیں، جو اس آفتاب کے انوار کو لوگوں کے لئے تاریکیوں میں ظاہر کرتے رہے۔ (قصیدہ بردہ شریف)

حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

نہ ایوب از بلا راحت نہ یوسف حشمت وجاہت

نہ عیسیٰ آں دم عیسیٰ نہ موسیٰ آں ید بیضا

حضرت آدم علیہ السلام اگر نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ وشفیع نہ بناتے تو نہ ان کی توبہ قبول ہوتی، اور نہ نوح علیہ السلام غرق ہونے سے بچتے، نہ ایوب علیہ السلام بلا ومصیبت سے راحت پاتے، نہ یوسف علیہ السلام حشمت وجاہ پاتے، نہ عیسیٰ علیہ السلام وہ تاثیر دم پاتے اور نہ موسیٰ علیہ السلام وہ ید بیضا پاتے۔ (کلیات جامی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کی مجلس اقدس میں فرماتے ہیں:۔

وَرَدتَّ نَارَ الْخَلِيْلِ مُسْتَتِراً

فِیْ صُلْبِهٖ اَنْتَ كَيْفَ يَحْتَرِقُ

ترجمہ:۔ اور آپ نے نار خلیل (علیہ السلام) میں ورود فرمایا تھا، جب آپ کا نوران کے صلب میں پوشیدہ تھا تو وہ کیسے جل سکتے تھے۔ (زرقانی علی المواہب، خصائص کبری ص۳۹)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ (۱۵/۶)

ترجمہ:۔ وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ خود اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ کون ان میں زیادہ مقرب ہے اور اسکی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔

اس آیت میں مقبول بندوں سے مراد انبیاء وملائکہ ہیں جنکی بت پرستوں نے پوجا و پرستش شروع کردی تھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ کافران کی پرستش کرتے ہیں اور وہ خود اپنے رب کی طرف اپنے میں سے مقرب کا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں اور رحمت کی امید رکھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ زیادہ مقرب کو وسیلہ بنانا اللہ کے مقبول بندوں انبیاء اور ملائکہ کا طریقہ ہے۔ فرمایا:۔

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ۔ (قرآن ۱/۱۱)

ترجمہ:۔ اور وہ یہود اس (نبی کے آنے) سے پہلے (اس نبی کے وسیلہ سے) کافروں پر فتح طلب کیا کرتے تھے تو جب وہ نبی آیا جسے انہوں نے پہچانا تو اس کے ساتھ کفر کیا تو ایسے کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو

یعنی یہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اپنی حاجات کے سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کے وسیلہ سے دعا کیا کرتے اور یوں کہتے:۔

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ عَلَيْنَا وَانْصُرْنَا بِالنَّبِيِّ الْاُمِّيِّ۔

ترجمہ:۔ اے اللہ! ہمیں نبی امی کے وسیلہ سے فتح ونصرت عطا فرما۔

اور پھر جب وہ نبی آیا تو جان پہچان کر کافر ومنکر ہوگئے۔

ان تمام روایات سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تشریف آوری سے پہلے بھی ذریعہ برکات اور وسیلہ حاجات تھی۔ اولین کی حاجتیں بھی آپ کے وسیلۂ مبارکہ سے پوری ہوئیں۔

ظاہری حیات میں وسیلہ وشفاعت

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

(قرآن ۲۶/۶)

ترجمہ:۔ اے حبیب! مومن مردوں اور مومن عورتوں کے گناہ مجھ سے بخشواؤ۔

فرماتا ہے:۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ (قرآن ۵/۶)

ترجمہ:۔ اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو تمہارے پاس آجائیں پھر اللہ سے بخشش چاہیں اور رسول بھی ان کے لئے بخشش چاہے (یعنی ان کی شفاعت فرمائے) تو یقیناً وہ اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا

مہربان پائیں گے۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے کہ مجھ سے مومنوں کے گناہ بخشواؤ۔ اور دوسری آیت میں مسلمانوں سے فرمایا ہے کہ اگر تم گناہ کر بیٹھو تو اس نبی کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو جاؤ۔ ہم سے بخشش کی اور اس سے شفاعت کی درخواست کرو اگر وہ تمہاری شفاعت فرمادیں گے تو ہم یقیناً تمہارے گناہ بخش دیں گے۔ سبحان اللہ! اسی کا نام شفاعت ہے۔ لیکن منکر اس سے محروم ہے فرمایا:۔

وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَکُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ لَوَّوْا رُءُوْسَھُمْ وَرَاَیْتَھُمْ یَصُدُّوْنَ وَھُمْ مُّسْتَکْبِرُوْنَ۔ (قرآن ۲۸/۱۳)

ترجمہ:۔ اور جب ان (منافقوں) سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لئے بخشش چاہیں گے تو سروں کو گھماتے ہیں اور تم انہیں دیکھو گے کہ رکتے اور تکبر کرنے والے ہوں گے ؎

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

لَا یَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَۃَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَھْدًا۔ (قرآن ۱۶/۹)

ترجمہ:۔ شفاعت کے مالک نہیں مگر وہ (لائق ہے) جس نے رحمٰن سے عہد لے لیا ہے۔

یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَہٗ قَوْلًا۔ (قرآن ۱۶/۱۵)

ترجمہ:۔ اس دن کسی کی شفاعت نفع نہ دے گی مگر اس کی (شفاعت نفع دیگی) جس کو رحمٰن نے اذن دے دیا ہے اور اس کی بات پسند فرمائی۔

ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذن و عہد مل چکا ہے۔ لہٰذا آپ دونوں جہان میں گنہگاروں کے شفیع ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

ترجمہ:۔ مجھے شفاعت عطا کر دی گئی ہے۔ (مشکوٰۃ ص۵۱۱)

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو دعا تعلیم فرمائی کہ بعد نماز یوں کہے:۔

ترجمہ:۔ اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں بوسیلہ تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ نبی رحمت ہیں۔ یا رسول اللہ میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں متوجہ ہوا ہوں کہ میری حاجت روا ہو۔ الٰہی حضور کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ (ابن ماجہ ص۴۱۹)

حضرت عثمان فرماتے ہیں کہ جب اس نابینا نے نماز پڑھ کر یہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو آنکھیں عطا کر دیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا کبھی اندھا تھا ہی نہیں۔ (معجم طبرانی)

اس حدیث میں ادنیٰ سا غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ حدیث مبارک کے تین حصے ہیں۔ حصہ اول میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ مبارکہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا گیا ہے۔ حصہ دوم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بحرف ندا پکار کر یہ عرض کیا گیا ہے کہ یا رسول اللہ آپ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاجت پیش کی گئی ہے آپ بھی از راہ کرم سفارش فرما دیں تاکہ حاجت پوری ہو۔ حصہ سوم میں پھر اللہ کے دربار میں عرض کیا گیا ہے کہ اے اللہ! میرے حق میں حضور کی شفاعت قبول فرما۔

حقیقت میں یہ حدیث مبارک وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ کی تفسیر و تشریح ہے۔ دیکھئے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم فرما رہے ہیں کہ اللہ سے مانگو تو ہمارے وسیلہ سے مانگو۔ اور ہمیں یا رسول اللہ کہہ کر ہماری شفاعت طلب کرو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ قحط کے موقعہ پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش مانگتے اور یوں کہتے:۔

ترجمہ:۔ اے اللہ ہم ہمیشہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے بارش مانگتے تھے تو تو بارش
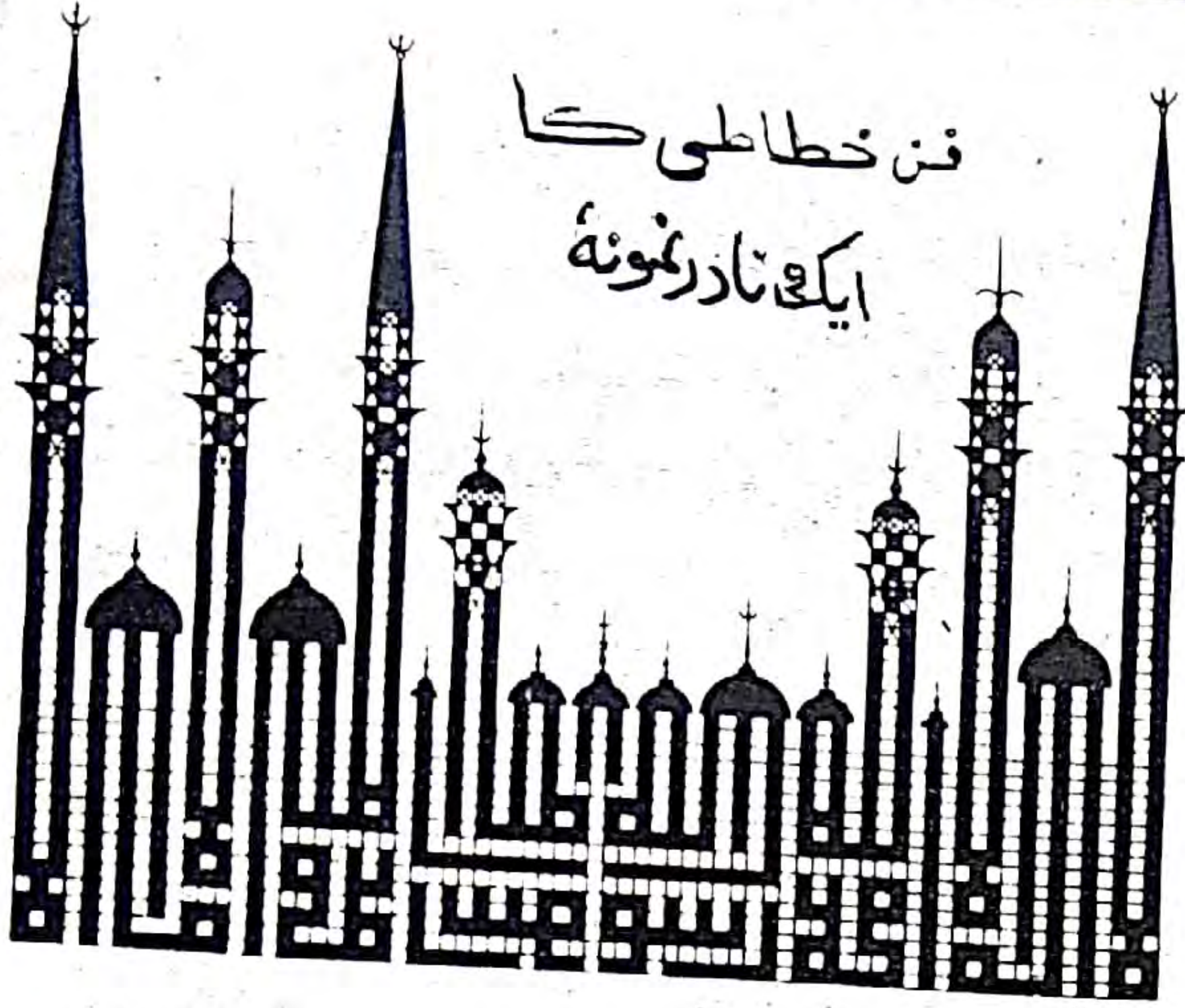
برسا دیتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کے وسیلہ سے بارش مانگتے ہیں تو تو بارش برسا۔ پس بارش ہوجاتی۔ (مشکوٰۃ ص۱۳۲)

اس حدیث سے تین باتیں خصوصاً قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ نَتَوَسَّلُ پر کُنَّا داخل ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ صحابۂ کرام ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے مانگا کرتے تھے۔ دوسری یہ کہ عم مضاف ہے اور نبی مضاف الیہ۔ جس سے ثابت ہوا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس اضافت ونسبت کی وجہ سے وسیلہ بنایا گیا جو ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس وقت یہ کہا۔ اے اللہ! یہ لوگ مجھے تیری بارگاہ میں اس قرابت کی وجہ سے لائے ہیں جو مجھے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ اے اللہ! اس قرابت پر نظر فرمانا، اور مجھے ان لوگوں کے سامنے شرمندہ نہ کرنا۔

(جذب القلوب ص۲۲۲، زرقانی علی المواہب ص۶۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی قبر میں لیٹ کر یوں فرمایا:۔

ترجمہ:۔ اے اللہ! میری فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور اس پر اس کی قبر کو وسیع کر دے بطفیل اپنے نبی کے اور ان انبیاء کے جو مجھ سے پہلے ہوئے ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ص۱۲۱، جذب القلوب ص۲۱۲)

اس حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنے وسیلہ اور پہلے وفات یافتہ انبیاء کرام کے وسیلہ سے دعا مانگنا ثابت ہے۔

فائدہ مولوی محمد زکریا صاحب دیوبندی نے بھی اس دعا کو اپنی کتاب "فضائل حج" کی نویں فصل میں لکھا ہے۔ اور ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند عمدہ ہے۔

باطنی حیات میں طلب وسیلہ وشفاعت وحاجت

گذر چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد ایک اعرابی نے روضۂ انور پر حاضر ہو کر روضہ شریف کی خاک اپنے سر پر

فن خطاطی کا

ایک نادر نمونہ

ڈالی اور یوں کہا:۔

یا خیر الرسل! اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو قرآن نازل فرمایا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ الآیۃ اور بے شک میں نے معصیت ونافرمانی کر کے اپنی جان پر ظلم کیا اور اب آپ کے حضور حاضر ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش کا اور آپ سے شفاعت کا طالب ہوں۔ پھر اس اعرابی نے زار زار روتے ہوئے یہ اشعار یَا خَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ الخ پڑھے۔ اس پر قبر انور سے آواز آئی قَدْ غُفِرَ لَكَ کہ تیری بخشش ہوگئی ہے۔ (جذب القلوب ص۲۱۱)

آیۂ کریمہ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا کے متعلق علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس میں ہم عصر لوگوں کے لئے کوئی تخصیص نہیں بلکہ یہ ساری امت کے لئے ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سب کے لئے رحمت ہے فرمایا بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ یعنی وہ رسول مومنوں پر رؤف ورحیم ہے۔ اور تو اور خود مخالفین کے سردار مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند اسی آیت کے متعلق لکھتے ہیں:۔

اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو۔ آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لئے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ آپ قبر میں زندہ

ہوں۔ (آب حیات ص۲۱)

ابن ابی شیبہ بسند صحیح روایت فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک مرتبہ قحط پڑ گیا تو حضرت بلال بن الحارث المزنی الصحابی رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر حاضر ہوئے۔

ترجمہ:۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی امت ہلاک ہو رہی ہے اس کے لئے اللہ سے بارش مانگئے؟۔

یہ کہہ کر آ گئے۔ رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں تشریف لا کر فرمایا کہ (حضرت) عمر کو سلام کہو اور بشارت دے دو کہ بارش ہوگی۔ (شفاء السقام ص۱۳۱، زرقانی علی المواہب ص۹۰، جذب القلوب ص۲۲۱)

حضرت ابو الجوزاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اہل مدینہ منورہ شدید قحط میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی۔

ترجمہ:۔ تو فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر جاؤ اور حجرہ مبارک چھت میں ایک سوراخ کر دو تاکہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان پردہ نہ رہے لوگوں نے حکم کے مطابق کر دیا تو بہت زیادہ بارش ہوئی۔ یہاں تک کہ زمین سرسبز وشاداب ہو گئی۔ اور اونٹ اتنے موٹے ہو گئے کہ چربی سے پھٹے جا رہے تھے چنانچہ اس سال کا نام ہی بہت سرسبزی کا سال ہو گیا۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۴۵، زرقانی علی المواہب ص۱۵۰)

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ چھت میں سوراخ کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ جب آسمان قبر انور کو دیکھے گا تو رونا شروع کر دے گا فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ اور فرماتے ہیں کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے ساتھ طلب شفاعت کرتے تھے۔

(مرقات شرح مشکوٰۃ ص۴۸۸، حاشیہ مشکوٰۃ ص۵۴۵)

ایک اعرابی نے قبر انور پر حاضر ہو کر عرض کیا۔ اے اللہ! تو نے غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا ہے:۔

ترجمہ:۔ یہ تیرے حبیب ہیں اور میں تیرا غلام ہوں تو اپنے حبیب کی قبر پر مجھ کو آگ سے آزادی عطا فرما۔ غیب سے آواز آئی تو نے صرف اپنے لئے آزادی مانگی تمام مخلوق کے لئے کیوں نہ مانگی؟ جاؤ ہم نے تجھے آگ سے آزاد کر دیا۔ (زرقانی علی المواہب ص۳۰۸)

حضرت اصمعی فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نے قبر انور کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا:۔

ترجمہ:۔ اے اللہ! بے شک یہ تیرے حبیب ہیں اور میں تیرا غلام ہوں اور شیطان تیرا دشمن ہے اگر تو مجھے بخش دے تو تیرا حبیب خوش ہو اور تیرا غلام کامیاب ہو اور تیرا دشمن جل جائے اور اگر تو مجھے نہ بخشے تو تیرے حبیب کو رنج ہو اور تیرا دشمن خوش ہو اور تیرا غلام ہلاک ہو۔ اے اللہ! عرب کے کریم لوگوں کا دستور یہ ہے کہ جب ان میں کوئی سردار مرتا ہے تو اس کی قبر پر غلاموں کو آزاد کیا جاتا ہے اور یہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سید العالمین ہیں ان کی قبر پر مجھ کو آگ سے آزاد کر دے اصمعی فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا اے عربی شخص بے شک اللہ نے تجھے بخش دیا اور تیرے اس بہترین سوال پر ضرور تجھے آگ سے آزاد کر دیا۔

(زرقانی علی المواہب ص۳۰۸)

حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت حاتم اصم بلخی (بہت بڑے مشہور بزرگ ہیں انہوں نے تیس برس ایک قبہ میں چلہ کیا اور اس عرصہ میں بے ضرورت کسی سے بات نہیں کی) جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر حاضر ہوئے تو عرض کیا:۔

ترجمہ:۔ اے رب! ہم نے تیرے نبی کی قبر انور کی زیارت کی ہے تو اب ہمیں نامراد نہ لوٹائیو! غیب سے آواز آئی کہ ہم نے اپنے حبیب کی قبر کی زیارت نصیب ہی اس لئے کی کہ تمہیں قبول کریں۔ جاؤ ہم نے تمہیں اور جتنے زوار اس وقت تمہارے ساتھ ہیں سب کو بخش دیا۔ (زرقانی علی المواہب ص۳۰۸)

امام قسطلانی شارح صحیح بخاری وصاحب مواہب لدنیہ

فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اس قدر سخت بیمار ہوا کہ طبیب علاج سے عاجز ہو گئے اور کئی سال تک مسلسل رہا تو مورخہ ۲۸ جمادی الاول ۸۹۳ھ کو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا۔ اسی دن خواب میں دیکھا کہ:۔

ایک آدمی ہیں جس کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے جس میں لکھا ہوا ہے کہ یہ دوا احمد بن القسطلانی کی بیماری کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس سے آپ کے ارشاد عالی کے بعد عطا ہوئی ہے۔ جب میں بیدار ہوا تو ایسا تندرست تھا کہ مرض کا اثر تک بھی نہ پاتا تھا۔ برکۃ النبی المصطفے صلی اللہ علیہ وسلم۔

(زرقانی علی المواہب ص۳۱۱)

اسی طرح وہ فرماتے ہیں کہ ایک واقعہ اس سے پہلے بھی مجھے ۸۸۵ھ میں پیش آیا تھا جب کہ میں زیارت قبر شریف کے بعد واپس جارہا تھا۔ وہ یہ تھا کہ راستہ میں ایک حبشی ہرن نے میری خادمہ کے ٹکر ماری جس سے وہ گر گئی اور کئی دن تک سخت تکلیف میں مبتلا رہی،

ترجمہ:۔ تو میں نے اس معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا تو خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی ہیں جن کے ساتھ ایک جن ہے جس نے بصورت ہرن خادمہ کو ٹکر ماری تھی۔ وہ آدمی کہنے لگے کہ اس جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور میں نے اس کو ملامت کی ہے اور قسم دی ہے کہ پھر کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔ پھر میں بیدار ہوا تو اس خادمہ پر کچھ بھی تکلیف کا اثر نہ تھا۔

(زرقانی علی المواہب ص۳۱۸)

حضرت محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہا فرماتے ہیں کہ ایک شخص میرے باپ کے پاس اسّی دینار بطور امانت رکھ کر جہاد کو چلا گیا، اور یہ کہہ گیا کہ اگر تمہیں ضرورت پیش آئے تو خرچ کر لینا میں واپس آکر لے لوں گا، میرے باپ نے اشد ضرورت پیش آنے پر وہ سب کے سب خرچ کر ڈالے۔ جب وہ شخص واپس آیا تو اس نے مطالبہ کیا اور باوجود اس کے کہ میرے باپ کے پاس کچھ بھی نہ تھا کل ادا کرنے کا وعدہ کر لیا:۔

وشب در مسجد نبوی شریف صلی اللہ علیہ وسلم بیتوتت کرد وزمانے در حضور شریف وگاہے پیش منبر استغاثہ نمود و فریاد کرد ناگاہ در تاریکی شب مردے پیدا شد وصرۂ ہشتاد دینار بدست وے داد مبلغ را بآں مرد بداد واز رجت مطالبہ خلاص یافت۔

(جذب القلوب ص۲۲۲، وفاء الوفاء ص۱۳۸ ج۲)

ترجمہ:۔ اور رات مسجد نبوی شریف صلی اللہ علیہ وسلم میں اس طرح گذاری کہ کبھی تو قبرالنور کے پاس اور کبھی منبر شریف کے پاس استغاثہ وفریاد کرتے۔ ناگاہ رات کی تاریکی میں ایک مرد ظاہر ہوئے اور اسّی دینار کی تھیلی ان کے ہاتھ میں دے کر چلے گئے صبح کو میرے باپ نے ادائیگی کر کے خلاصی پائی۔

امام ابوبکر بن المقری فرماتے ہیں کہ میں اور (امام) طبرانی اور ابوالشیخ تینوں حرم مدینہ طیبہ میں تھے دو دن روزہ پر روزہ رکھا اور کھانے کو کچھ نہ ملا۔ جب بھوک نے رات کو ہم پر غلبہ کیا تو میں نے قبرالنور پر حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! الجوعُ (بھوک) اور واپس آگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک علوی مرد دو غلاموں کے ساتھ دو زنبیلوں میں کھانے لئے ہوئے تشریف لے آئے اور ہمارے پاس آکر بیٹھ گئے ہم نے کھایا جو بچا تھا وہ بھی انھوں نے ہمارے پاس چھوڑ دیا:۔

وگفت اے قوم شما شکایت پیش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کردید ہیں ساعت آنحضرت را در خواب دیدم کہ مرا فرمود تا چیزے برشما حاضر آورم۔

(جذب القلوب ص۲۲۲، وفاء الوفاء ص۱۳۷ ج۲)

ترجمہ:۔ اور فرمایا تم لوگوں نے (جس وقت) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (اپنی بھوک) کی شکایت کی اسی وقت میں نے حضور کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ کچھ کھانا میں تمہارے پاس پہنچا دوں۔

حضرت ابن جلاء فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں حاضر ہوا۔ دو دن کھانے کو کچھ نہ ملا تو میں نے قبر شریف پر حاضر ہو کر عرض کیا

انا ضیفك یا رسول اللہ (میں آپ کا مہمان ہوں) پھر جب سویا تو :-

پیغمبر خدا را دیدم صلی اللہ علیہ وسلم رغیفے بدست من داد نصفے راہم در خواب خوردم چوں بیدار شدم نصف دیگر در دست من باقی بود - جذب القلوب ص۲۲۳)

ترجمہ :- دیکھا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روٹی میرے ہاتھ میں دی میں نے آدھی تو خواب میں ہی کھالی جب بیدار ہوا تو باقی آدھی میرے ہاتھ میں موجود تھی۔

حضرت شیخ ابو الخیر اقطع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ اور اتفاق سے پانچ روز ایسے گذر گئے کہ کھانے کو کچھ بھی نہ ملا یہاں تک کہ کوئی چیز چکھنے کی بھی نوبت نہ آئی تو میں قبر شریف پر حاضر ہوا۔

ترجمہ :- اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر سلام عرض کرکے کہا یا رسول اللہ آج رات میں آپ کا مہمان ہوں پھر وہاں سے ہٹ کر منبر شریف کے پیچھے جاکر سوگیا تو خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں حضرت ابوبکر آپ کے دائیں طرف اور حضرت عمر آپ کے بائیں طرف اور حضرت علی آپ کے آگے آگے ہیں تو حضرت علی نے آکر مجھ کو ہلایا اور فرمایا اٹھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ میں اٹھا اور آگے بڑھا اور آپ کی پیشانی مبارک کو چوما تو آپ نے ایک روٹی مجھے عطا فرمائی ہیں نے آدھی خواب میں ہی کھالی اور جب میری آنکھ کھلی تو خدا کی قسم باقی آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔

(روض الریاحین ص۶۲، جذب القلوب ص۲۲۳، وفاء الوفاء ص۱۳۸۱)

حضرت شیخ احمد بن محمد صوفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تیرہ ماہ تک جنگلوں میں پھرتا رہا میرے بدن کا سب چمڑا پھٹ گیا۔ اسی حال میں میں مدینہ منورہ قبر انور پر حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ اور سوگیا تو :-

آنحضرت را در خواب دیدم کہ می فرماید احمد آمدی چہ حال داری گفتم اَنَا جَائِعٌ وَّ اَنَا فِی ضِیَافَتِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فرمود دست بکشا، کشادم دراہم چند در دست من نہاد - بیدار شدم ساہم در دست من بود بباز ار رفتم و نطیرہ و فالودہ خریدم و خوردم بباؤ در شدم،

(جذب القلوب ص۲۲۳، وفاء الوفاء ص۱۳۸۲)

ترجمہ :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا فرمایا۔ احمد تم آئے کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کا مہمان ہوں اور بھوکا بھی ہوں فرمایا ہاتھ پھیلا! میں نے پھیلایا۔ چند درہم میرے ہاتھ میں رکھ دیئے میں بیدار ہوا تو دراہم میرے ہاتھ میں تھے۔ بازار میں گیا روٹی اور فالودہ لیکر کھایا اور پھر جنگل میں چلا گیا۔

حضرت سید ابو محمد عبد السلام الحسینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں تھا۔ تین دن تک کھانے کو کچھ بھی نہ ملا، میں نے منبر شریف کے پاس جاکر دو رکعت نماز پڑھی اور اسکے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا نانا جان مجھے بھوک لگ رہی ہے اور ثرید کھانے کو دل چاہتا ہے۔ اس کے بعد میں نے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص نے آکر مجھے جگایا اور لکڑی کا ایک پیالہ میرے آگے رکھا جس میں گھی اور گوشت اور بہت سی خوشبوئیں ڈال کر بنایا ہوا ثرید تھا۔ میں نے پوچھا یہ کہاں سے آیا ہے؟ وہ کہنے لگے بچوں کا تین روز سے تقاضا تھا۔ آج مجھے مقدر سے مل گیا تھا لہٰذا میں نے اس کو پکایا اور جب پکاکر سوگیا۔

ترجمہ :- تو میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے فرمایا تیرے ایک بھائی نے مجھ سے اس کھانے تمنا کی ہے تو اس میں سے اسکو بھی کھلا

(وفاء الوفاء ص۱۳۸۲)

حضرت شیخ عبد السلام بن ابی القاسم صقلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک بزرگ نے بیان کیا کہ میں مدینہ منورہ میں حاضر تھا۔ میرے پاس کوئی چیز نہ تھی اور میں پے در پے فاقوں کی

وجہ سے بہت ضعیف ہوگیا۔ ایک دن میں نے روضۂ انور پر حاضر ہو کر عرض کیا۔ اے اولین و آخرین کے سردار میں مصر کا رہنے والا ہوں اور پانچ ماہ سے خدمت اقدس میں حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ اور آپ سے سوال کرتا ہوں کہ کسی ایسے شخص کو متعین فرما دیجئے جو میرے کھانے کے معاملے میں میری خبر لے لیا کرے۔ اور میرے واپس جانے کا انتظام کر دے۔ پھر چند اور التجائیں کیں اور منبر شریف کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ دفعتہً میں نے دیکھا کہ ایک صاحب حجرۂ مقدسہ کے پاس حاضر ہوئے اور کچھ کلام کرنے لگے اور اس کلام میں یَا جَدِّیْ یَا جَدِّیْ بھی کہا۔ پھر وہ میرے پاس تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اٹھو۔ میں اٹھ کر ان کے ساتھ ہوگیا وہ باب جبریل سے نکل کر بقیع کی طرف چلے اور بقیع سے گذرتے ہوئے آگے نکل کر ایک خیمہ میں گئے اس خیمہ میں ایک باندی اور ایک غلام تھا ان سے کہا اٹھو اور اپنے مہمان کے لئے کھانا تیار کرو۔ وہ کھانا تیار کرنے لگ گئے اور ان صاحب نے مجھے باتوں میں لگائے رکھا جب کھانا تیار ہوگیا اور باندی نے لاکر آگے رکھ دیا تو وہ صاحب مجھ سے فرمانے لگے کھاؤ۔ میں نے کھایا۔ انہوں نے فرمایا اور کھاؤ۔ میں نے اور کھایا۔ پھر انہوں نے فرمایا اور کھاؤ تو میں نے عرض کیا اے میرے سردار! میں نے کئی ماہ سے گیہوں نہیں کھایا تھا۔ اسلئے اور نہیں کھایا جاتا۔ انہوں نے وہ بچا ہوا سارا کھانا اور دو صاع ایسی کھجوریں جو تقریباً نو سیر ہوتی ہیں ایک زنبیل میں رکھ کر مجھ سے فرمایا تمہارا نام کیا ہے میں نے بتایا۔

ترجمہ:۔ تو فرمایا تمہیں قسم ہے اللہ کی پھر میرے دادے ابا سے شکایت نہ کرنا کیونکہ اس سے ان کو تکلیف ہوتی ہے اور جب تک تمہارے جانے کی کوئی صورت پیدا نہ ہو اس وقت تک کھانا تمہارے پاس پہنچ جایا کرے گا۔

یہ کہہ کر انہوں نے اپنے غلام سے فرمایا جاؤ ان کو مع اس زنبیل کے حجرۂ شریفہ تک پہونچا کر آؤ۔ میں غلام کے ساتھ چلا بقیع پہونچ کر میں نے غلام سے کہا تم جاؤ اب میں چلا جاؤں گا۔ غلام نے کہا اللہ واحد مجھ کو یہ طاقت نہیں کہ آپ کو حجرۂ شریفہ تک پہونچانے سے پہلے واپس ہو جاؤں۔ کبھی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میرے سردار کو اس کی خبر نہ کر دیں۔ اس غلام نے مجھے حجرۂ شریفہ تک پہونچایا میں چار روز تک اس زنبیل سے کھاتا رہا۔ جب کھانا ختم ہوگیا وہی غلام مجھے اور دے گیا اور اسی طرح ہوتا رہا۔

(وفاء الوفاء شریف ص۱۳۸۴ ج۲)

حضرت شیخ یوسف بن علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک ہاشمیہ عورت روضۂ انور پر مجاورہ تھی۔ بعض خدام اسکو ستایا کرتے تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں فریاد لیکر حاضر ہوئی تو روضۂ انور سے آواز آئی۔

ترجمہ:۔ کیا تیرے لئے میری سیرت کی پیروی میں رغبت نہیں؟ صبر کر جس طرح میں نے صبر کیا تھا وہ عورت کہتی ہیں کہ اس آواز سے میری ساری کوفت جاتی رہی اور وہ تینوں خدام جو مجھے ستایا کرتے تھے مر گئے۔

(الحاوی للفتاوی ص۲۸۱ ج۲)

حضرت ثابت بن احمد ابوالقاسم بغدادی فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ مسجد نبوی میں ایک موذن صبح کی اذان دے رہے تھے جب انہوں نے الصلوٰۃ خیر من النوم کہا تو ایک خادم نے آکر ان کو ایک تھپڑ مار دیا وہ موذن رو پڑا۔

ترجمہ:۔ اور کہا یا رسول اللہ! آپ کی بارگاہ میں میرے ساتھ یہ کچھ ہو رہا ہے؟ اس خادم پر فالج گر گیا لوگ اس کو اٹھا کر اس کے گھر لے گئے وہ تین دن کے بعد مر گیا۔ (وفاء الوفاء ص۱۳۸۲ ج۲)

ابو محمد اشبیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غرناطہ کا ایک شخص اس قدر بیمار ہوا کہ اطباء اس کے علاج سے عاجز ہوگئے اور زندگی سے بالکل مایوسی ہوگئی۔ وزیر ابو عبد اللہ محمد بن ابی خصال نے ایک خط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لکھا اس میں چند شعر بھی لکھے اور بیماری کے متعلق درخواست شفاء و دعا بھی کی اور حجاج کے قافلہ میں ایک شخص کو دیدیا یہ قافلہ مدینہ منورہ پہونچا۔ اور وہ خط قبر شریف پر پڑھا گیا۔ اسی وقت وہ بیمار اچھا ہوگیا۔ جب وہ شخص واپس آیا تو اس نے آکر دیکھا کہ وہ بیمار ایسا تندرست تھا کہ گویا کبھی بیمار ہوا ہی نہ تھا۔ (وفاء الوفاء ص۱۳۸۵ ج۲)

حضرت ابو اسحاق ابراہیم بن سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

کہ میں مدینہ منورہ میں تھا اور میرے ساتھ تین فقرا اور تھے ہمیں شدید فاقہ پہونچا تو میں نے آپ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا یارسول اللہ!۔

ترجمہ:۔ یارسول اللہ! ہمارے لئے کوئی شے نہیں
اور ہمیں تین مُد کافی ہیں کوئی چیز بھی ہو؟ پس اسی وقت
ہمیں ایک شخص ملا جس نے تین مُد بہت اچھی کھجوریں
ہمیں دیں۔ (وفاء الوفاء شریف ص ۱۳۸۲/۲)

حضرت ابوالعباس بن نفیس مقری رحمۃ اللہ علیہ جو نابینا تھے فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں تین روز تک بالکل بھوکا رہا تو میں نے روضۂ انور پر حاضر ہوکر عرض کیا یارسول اللہ! میں بھوکا ہوں۔ اور اسی بھوک کی حالت میں ایک طرف ہوکر سوگیا۔ ایک لڑکی آئی اور اس نے پاؤں سے حرکت دیکر مجھے جگایا اور کہا چلو۔ میں اس کے ساتھ ہولیا وہ مجھے اپنے گھر لے گئی اور گیہوں کی روٹی اور گھی اور کھجوریں میرے آگے رکھ کر کہنے لگی۔

ترجمہ:۔ کھاؤ ابوالعباس! بے شک میرے دادا
جان صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں
کھانا کھلاؤں اور جب تمہیں بھوک لگا کرے ہمارے
پاس آجایا کرو۔ (وفاء الوفاء شریف ص ۱۳۸۵/۲)

امام شرف الدین محمد بوصیری رحمۃ اللہ علیہ صاحب قصیدہ بُردہ شریف مرض فالج میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اطبا ر نے علاج و معالجہ میں بہت تدبیریں کیں مگر کوئی کارگر نہ ہوئی۔ آخر طبیب دوجہاں رحمت عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا اور ایک نعتیہ قصیدہ لکھا جس میں آپ کی خوب حمد وثنا کی پھر آپ کی بارگاہ بیکس پناہ میں التجا و فریاد کرتے ہوئے عرض کیا ؎

یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُ بِہٖ
سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

ترجمہ:۔ اے بزرگ ترین مخلوقات! حادثۂ عظیم و عام
کے نزول کے وقت میرا آپ کے سوا کون ہے جسکی
پناہ لوں۔ نیز فرمایا۔

وَمَنْ تَکُنْ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ نُصْرَتُہٗ
اِنْ تَلْقَہُ الْاُسْدُ فِیْ اٰجَامِھَا تَجِمِ

ترجمہ:۔ اور جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد
ہو اگر اسے شیر بھی اپنے نیستانوں میں ملیں تو دم بخود ہوجائیں

وَلَنْ تَرٰی مِنْ وَّلِیٍّ غَیْرَ مُنْتَصِرٍ
بِہٖ وَلَا مِنْ عَدُوٍّ غَیْرَ مُنْقَصِمٖ

ترجمہ:۔ اے مخاطب تو ہرگز نہ دیکھے گا آپ کے کسی دوست
کو کہ اس کو آپ کی مدد نہ پہونچی ہو۔ اور نہ آپ کا کوئی دشمن
دیکھے گا جس کو شکست فاش نہ ہوئی ہو۔

وَمُنْذُ اَلْزَمْتُ اَفْکَارِیْ مَدَائِحَہٗ
وَجَدْتُہٗ لِخَلَاصِیْ خَیْرَ مُلْتَزَمٖ

ترجمہ:۔ اور جب سے میں نے اپنے افکار پر آپ کی مدح و
ثنا لازم کرلی ہے تو میں نے اس مدح وثنا کو (ہر بلا و
مصیبت سے) اپنی نجات کے لئے نہایت عمدہ مصاحب
اور ضامن پایا ہے۔

وَلَنْ یَّفُوْتَ الْغِنٰی مِنْہُ یَدًا تَرِبَتْ
اِنَّ الْحَیَا یُنْبِتُ الْاَزْھَارَ فِی الْاَکَمٖ

ترجمہ:۔ اور آپ کی فیاضی کسی محتاج کے ہاتھ کو خالی نہیں
چھوڑے گی کیونکہ آپ کا فیض مثل عام باران کے ہے
اور بارش ٹیلوں پر بھی شگوفے اگا دیتی ہے۔

غرض کہ نہایت عجیب و غریب قصیدہ لکھا اور اس کو بار بار پڑھا۔ رات کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نورانی مجلس میں قصیدہ پڑھنے کا حکم ہوا۔ امام صاحب نے قصیدہ پڑھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مفلوج بدن پر دست مبارک پھیرا۔ اور اپنی چادر مبارک اڑھائی۔ اسی وقت شفا ہوگئی۔ بیدار ہوئے تو بالکل تندرست تھے۔ اور چادر مبارک ان کے اوپر تھی۔ صبح گھر سے باہر نکلے تو ایک درویش فقیر ملے اور کہا اے میرے سردار وہ قصیدہ مجھے عنایت فرمادیجئے۔ جو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں لکھا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا میں نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں بہت سے قصیدے لکھے ہیں آپ کو کون سے قصیدہ کی طلب ہے؟ وہ بولے جس کا پہلا مصرع یہ ہے۔

ع اَمِنْ تَذَکُّرِ جِیْرَانٍ بِذِیْ سَلَمٖ

امام صاحب بہت متعجب ہوئے کیونکہ ابھی انہوں نے اس قصیدہ کا کسی سے ذکر نہیں کیا تھا۔ تو وہ درویش کہنے لگے حضرت آپ تعجب نہ کریں۔ رات جب آپ اس قصیدۂ مبارکہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پڑھ رہے تھے اور حضور سنکر جھوم رہے تھے اور پھر حضور نے آپ کے مفلوج جسم پر ہاتھ پھیرا اور اپنی چادر مبارک اڑھائی تھی یہ فقیر بھی اس مجلس میں حاضر تھا۔ امام صاحب نے ان کو لکھوا دیا۔ اس طرح اس قصیدہ کی شہرت ہو گئی۔

(فوات الوفیات، عطر الوردہ ص۲، نشر الطیب ص۲)

اس قسم کے صدہا واقعات ظہور میں آئے جن میں سے بعض کتب معتبرہ میں مذکور و موجود ہیں۔ اگر ان سب کو بھی جمع کیا جائے تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں۔ اہل یقین و ایمان کے لئے یہ چند واقعات بھی انشاء اللہ الرحمٰن کافی ثابت ہوں گے۔

آخرت میں وسیلہ وشفاعت

جہاں تک آخرت میں طلب وسیلہ وشفاعت کا تعلق ہے اس باب میں بھی اس قدر زیادہ صحیح روایات موجود ہیں کہ کتب تفاسیر واحادیث ان سے بھری پڑی ہیں۔ بلاشبہ قیامت میں شفاعت کبریٰ کا ظہور ہوگا عرصات قیامت میں جب کہ دن اسقدر طویل ہوگا کہ کاٹے نہ کٹے، قرآن پاک میں فرمایا، كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ وہ دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا، سروں پر آفتاب کہ اس دن اس میں دس برس کامل کی گرمی جمع کر دی جائیگی اور پھر وہ سروں کے بہت قریب ہوگا۔ گرمی و پیاس کی وہ شدت ہوگی کہ خدا نہ دکھائے۔ لوگ اپنے اپنے پسینے میں ڈوب جائینگے اور غوطے کھائیں گے۔ گھبراہٹ کا یہ عالم ہوگا کہ دل حلق تک آجائینگے رشتے ناطے دوستیاں ختم ہو جائیں گی۔ جب جانیں ان بڑی بڑی آفات میں گھر جائیں گی تو شفیع کی تلاش ہوگی۔ حضرت آدم ونوح، خلیل وکلیم اور مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے جلیل القدر انبیاء کرام بھی نفسی نفسی کرتے ہوئے فرما دیں گے کہ ہمارا یہ مرتبہ نہیں۔ ہم سے اتنا بڑا کام نہ نکلے گا۔ تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ آخر لوگ کس کے پاس آئیں گے اس کے پاس جو سید الاولین والآخرین ہے، جو رحمۃ للعالمین وشفیع المذنبین ہے، جو خاتم النبیین اور حبیب رب العلمین ہے، جو صاحب لواء الحمد و مقام محمود ہے۔ وہ جس کا سر اونچا کرکے فرمایا جائے گا کہ۔

ترجمہ:۔ کہو تمہاری سنی جائے گی اور مانگو تمہیں عطا ہوگا اور شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول ہے۔

جب اس کی بارگاہ بے کس پناہ میں فریاد کی جائے گی تو اس شفیع کے قربان اس وقت وہ فرمائے گا۔ اَنَا لَهَا اَنَا لَهَا۔ میں ہوں شفاعت کے لئے، میں ہوں شفاعت کے لئے ؎

کہیں گے اور نبی اِذْهَبُوْا اِلٰى غَيْرِىْ
میرے کریم کے لب پر اَنَا لَهَا ہوگا

چنانچہ فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

ترجمہ:۔ میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا یہانتک کہ میرا رب پکارے گا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو راضی ہوا؟ میں عرض کروں گا اے میرے رب میں راضی ہوا

(طبرانی، معجم اوسط، مسند بزار)

اللہ اللہ! قسم ہے ان کے کرم کی وہ ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک ہم سیہ کاروں، گنہگاروں اور نالائقوں کا بیڑا پار نہیں ہو جائے گا۔ لیکن منکرین شفاعت کو سوائے محرومی کے کچھ نصیب نہیں ہوگا کیونکہ فرمان اقدس ہے۔

ترجمہ:۔ قیامت کے دن میری شفاعت حق ہے۔ جو اس پر ایمان نہیں رکھتا وہ اس کا اہل بھی نہیں، ؎

حشر میں ہم بھی سیر دیکھیں گے
منکر آج ان سے التجا نہ کرے

بلغ العلیٰ بکمالہٖ
کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ
صلوا علیہ وآلہٖ

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے

ذکرِ میلاد کی اہمیت

مولانا شاہ محی الدین نظامی اشرفی

حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات ولادت کافی تفصیل کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں بیان فرمائے ہیں۔ قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا ہر مسلمان ان قرآنی میلاد ناموں کی تلاوت کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ اور یقیناً اگر قرآن کریم کے بعد آسمان سے کسی نئی کتاب کے اترنے کے راہ کھلی ہوتی تو اس میں خاتم النبیین سید المرسلین نور رب العالمین رحمۃ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد نامہ تفصیل سے بیان کیا جاتا۔ لیکن پھر بھی قرآن کریم کی بعض سورتوں مثلاً سورۂ والضحیٰ اور سورۂ الم نشرح اور متفرق آیات کریمہ کے معانی میں اگر غور کیا جائے تو ان سورتوں اور آیات کے مختصر الفاظ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد نامہ کے بنیادی واقعات ہر صاحب نظر پر عیاں ہو جائینگے اور ان مختصر بنیادی واقعات کی تفصیل میں ان واقعات اور مشاہدات کے لئے کافی گنجائش ہے۔ جن کا ذکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد ناموں کی معتبر کتابوں میں کیا گیا ہے اس لئے میں یقین کے ساتھ سمجھتا ہوں کہ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے میلاد ناموں کے ساتھ صاحب قرآن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد نامہ بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرما دیا ہے۔

اگر کوئی ایمان کی بصیرت اور یقین کی نظر رکھنے والا چاہے تو مذکورہ بالا سورتوں اور قرآن کریم کی دوسری متفرق آیات کی روشنی میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد نامہ مرتب کر سکتا ہے۔ انشاء اللہ کلیات یعنی بنیادی واقعات کی حد تک سب کچھ قرآن کریم میں مل جائے گا۔ صرف جزئی واقعات کی تفصیل میں روایتوں کی ضرورت ہوگی۔ اور ہر وہ شخص جس کے ایمان کی بصیرت مفقود نہیں ہے اور انکار کی ظلمت میں مبتلا نہیں ہے وہ اس حقیقت کو تسلیم کرلے گا کہ انبیاء کرام علیہم السلام خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد نامے پڑھنے اور پڑھانے کی بنیاد اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم ہی میں قائم کردی ہے اور اسی بنا پر ہر زمانے میں مسلمان ان روایتوں کا ذکر جن کا تعلق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد مبارک سے ہے کسی نہ کسی شکل میں کرتے چلے آئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

آپ یہ فرما دیجئے کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا ہے۔ نہ اسکو کسی نے جنا ہے اور نہ اس کا کوئی کفو یعنی خاندان و قبیلہ اور ہم جنس ہے۔

اس مختصر سورۂ شریفہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی

خاص صفت بیان فرمائی ہے۔ جو کسی مخلوق میں نہیں پائی جاتی ہے۔ اب آپ غور فرمائیے کہ گذشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کی امتوں نے اکثر اسی معاملے میں ٹھوکر کھائی ہے کہ اپنے نبی کے کمالات و معجزات و مافوق الفطرت واقعات دیکھ کر ان کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کی شان مبارک میں غلو کیا۔ اور ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک تصور کر کے شرک میں مبتلا ہو گئے۔ قَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللهِ ط "یہودیوں نے کہا کہ حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں"۔ قَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللهِ ط "عیسائیوں نے کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں"۔ اور یہ عقیدہ قائم کیا کہ۔ اِنَّ اللهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ۔ "اللہ اور عیسیٰ اور مریم تینوں مل کر خدا ہیں۔ اللہ تین خداؤں میں تیسرا خدا ہے۔

اور جب کوئی امت اپنے نبی کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد عقائد اور اعمال کے فساد میں مبتلا ہو جاتی تھی تو پھر ان کی اصلاح کے لئے ایک دوسرا نبی بھیجا جاتا تھا۔ لیکن حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ اور اب اصلی و نقلی فرضی وجعلی، ظلی و بروزی کسی قسم کا کوئی نبی کبھی نہیں آسکتا ہے اور چونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جامع کمالات ہیں۔ سارے انبیائے کرام علیہم السلام کے کمالات و معجزات آپ کی ذات مقدسہ میں جمع ہیں۔ اور ان کے علاوہ بے انتہا و بے شمار کمالات آپ کی ذات بابرکات میں جمع ہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے جیسا کہ حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدۂ بردہ میں فرمایا ہے

وَكُلُّ اٰیٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا
فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِهٖ بِهِمِ

انبیاء و مرسلین علیہم السلام جو کمالات و معجزات لے کر تشریف لائے وہ ان کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ملے۔ آپ کا وجود پاک سراپا کمالات و معجزات ہے۔ آپ کائنات میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے مظہر کامل اور اللہ تعالیٰ اور اس کی کل مخلوقات کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہیں۔ حضرت علامہ بوصیری نے قصیدۂ بردہ میں فرمایا ہے

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰى فِیْ نَبِیِّهِمِ
وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْهِ وَاحْتَكِمِ

عیسائیوں نے جو کچھ اپنے نبی کی شان میں کہا یعنی ان کو اللہ کا بیٹا بنا دیا تم اس کو چھوڑ دو۔ یعنی ایسا نہ کہو۔ اس کے علاوہ تم حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں جتنے کمالات بیان کرنا چاہو بیان کر دو۔

حضرت سیدنا و مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے

مخواں او را خدا از بہر امر شرع و حفظ دیں
دگر ہر وصف کش می خواہی اندر مدحش املاکن

شریعت کے حکم اور دین کی حفاظت کے لئے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نہ کہو۔ اس کے علاوہ دوسری جو صفت بھی ان کی تعریف میں بیان کرنا چاہتے ہو، کر دو۔

اس بنا پر شدید خطرہ تھا کہ جبکہ جزئی کمالات کا مشاہدہ کر کے گذشتہ امتیں غلو کر کے شرک میں مبتلا ہو گئیں تو کلی کمالات کا مشاہدہ کرتے ہوئے یہ امت بھی جو خیر امت ہے، اور جسکو قیامت تک انسانوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دینا ہے، شرک میں نہ مبتلا ہو جائے اور شرک ہی وہ گناہ عظیم ہے جس کی بخشش کا کوئی امکان نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قطعی واضح طور پر فرما دیا ہے۔

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ٥ "بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔" پھر فرمایا۔ اِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (سورہ نساء رکوع ۷)

"بے شک اللہ تعالیٰ شرک کو نہ بخشے گا۔ اور شرک کے علاوہ دوسرے تمام گناہوں کو جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا۔"

اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس شرک کا دروازہ بند کرنے اور اس بہترین امت کو اپنے نبی کی شان مبارک میں غلو کر کے شرک میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ انتظام فرمایا کہ قرآن کریم میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد مبارک کا ذکر فرمایا اور خود حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ اہتمام فرمایا کہ آپ اپنے یوم ولادت دوشنبہ کو

ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور اپنی مسجد شریف میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لئے منبر رکھوایا اور انھوں نے آپ کا میلاد نامہ بیان فرمایا۔ (مشکوٰۃ شریف)

اور یقیناً شرک سے محفوظ رہنے کا بہترین اور واحد طریقہ صرف اور صرف میلاد نامہ کا پڑھنا اور پڑھانا۔ سننا اور سنانا ہے۔ اور یہ طریقہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے محبوب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تجویز کیا ہوا ہے۔

اس حقیقت کو بخوبی غور کر کے سمجھئے کہ پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی اس صفت خاص پر مسلمانوں کے دلوں میں یقین پیدا کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ایک ہے۔ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا ہے، نہ اس کو کسی نے جنا ہے، نہ اس کا کوئی کفو خاندان وقبیلہ اور ہم جنس ہے۔ پھر اپنے محبوب نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد نامہ کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کیا۔ تاکہ اس عمل کے ذریعہ یہ علم ویقین تازہ ہوتا رہے کہ نور رب العالمین حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرد حضرت عبداللہ کے پشت مبارک اور ایک عورت حضرت آمنہ خاتون کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان بنی ہاشم اور آپ کا قبیلہ قریش ہے۔ لہٰذا بے انتہا و بے شمار کمالات ومعجزات اور غیر محدود فضائل و اختیارات کے باوجود نہ آپ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے نہ خدا کے کوئی رشتہ دار نہ قبیلہ نہ ہم جنس۔

اللہ تعالیٰ کے بالمقابل آپ کی حیثیت وہی ہے جو آپ نے خود بیان فرمائی ہے:۔

اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللہُ یُعْطِیْ۔ (مشکوٰۃ کتاب العلم)

"حقیقت صرف یہ ہے کہ میں تقسیم کرنے والا ہوں اور دینے والا اللہ تعالیٰ ہے"۔

یعنی کسی بھی مخلوق کو براہ راست اللہ تعالیٰ سے کوئی شے نہیں ملتی ہے۔ بلکہ ہر مخلوق کو خزانۂ الٰہی سے جو شے بھی ملی اور ملتی ہے وہ آپ کے واسطے اور وسیلہ سے ملی اور ملتی ہے یہاں تک کہ سارے انبیائے کرام علیہم السلام کو نبوت اور کمالات ومعجزات بھی آپ ہی کے وسیلے سے عطا ہوئے۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کل کائنات کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے واسطہ اور وسیلہ ہیں۔

اور میرے علم ویقین کے مطابق یہی عقیدہ وتصور حضرات محدثین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اجمعین کے دل ودماغ میں بھی مضبوطی سے قائم تھا۔ ان مقدس حضرات کے ایمان افروز وپاکیزہ اشعار پڑھ کر اور سنکر اپنا ایمان تازہ کیجئے۔

خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

وَاِنْ جُرْتُمْ عَلَیَّ فَلِیْ غِیَاثٌ
بِبَابِ الْمُصْطَفٰی خَیْرِ الْاَنَامِ

"اے لوگو! اگر تم لوگوں نے میرے اوپر ظلم کیا تو حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کی صورت میں میرا فریادرس موجود ہے جو ساری مخلوق سے افضل ہے"۔

اِلَیْهِ تَوَجُّهِیْ وَلَهٗ اِسْتِنَادِیْ
وَفِیْهِ مَطَامِعِیْ وَبِهٖ اِعْتِصَامِیْ

"انھیں کی طرف میری توجہ ہے اور انھیں پر میرا اعتماد ہے۔ اور انھیں کی ذات پاک میری امیدوں کا مرکز ہے اور میں نے انھیں کا دامن تھاما ہے"۔

اَجِرْنِیْ سَیِّدِیْ مِنْ ضَیْمِ سَقَمٍ
اَشَدُّ عَلَیَّ مِنْ وَقْعِ الْحُسَامِ

"اے میرے آقا! مصیبت کے ظلم سے مجھے نجات دیجئے۔ جو مجھ پر تلوار سے زیادہ سخت ہے"۔

وَذِکْرُكَ سَیِّدِیْ حِرْزِیْ وَحِصْنِیْ ۞ اُبِیْدُ بِهٖ عَلَی الْجَیْشِ اللُّهَامِ

"اور اے میرے آقا! آپ کا ذکر میری پناہ اور میرا قلعہ ہے۔ اسی سے میں بڑے بڑے لشکروں کو تباہ کردوں گا"۔

حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

یَا کَاشِفَ الضَّرَّاءِ مِنْ مُسْتَنْجِدٍ
یَا مُنْجِیًا فِی الْحَشْرِ مَنْ وَّالَاكَ ط

"اے فریادی کی مصیبتوں کو دور کرنے والے اے اپنے سے محبت کرنے والے کو حشر میں نجات دینے والے"۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مُعْتَصَمُ الْمَكْرُوبِ فِي كُلِّ غَمْرَةٍ
وَمُنْتَجَعُ الْغُفْرَانِ مِنْ كُلِّ تَائِبٍ

"اور ہر مصیبت میں مصیبت زدوں کا سہارا اور ہر توبہ کرنیوالے کی مغفرت چاہنے والے"

مَلَاذُ عِبَادِ اللّٰهِ مَلْجَاءُ خَوْفِهِمْ
إِذَا جَاءَ يَوْمٌ فِيهِ شَيْبُ الذَّوَائِبِ

"اس دن جب ہر جوانی پر بڑھاپا آجائے گا یعنی روز قیامت اللہ کے بندوں کی جائے پناہ اور ان کے خوف و ہراس کے ملجا و ماوی ہیں"

حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر خیریت دنیا و عقبی آرزو داری
بدرگاہش بیا و ہر چہ می خواہی تمنا کن

اگر تو دنیا و آخرت کی خیریت چاہتا ہے تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو اور جو کچھ چاہتا ہے مانگ"

بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما
بہ لطف خود سر و سامان ایں بے سر و ساماں کن

"جس طرح بھی ہو یا رسول اللہ کرم فرمائیے۔ اپنی مہربانی سے اس بے سر و ساماں کا سر و سامان درست کیجئے۔

بیا حقی مدہ تصدیع خدام جنابش را
کہ احوال تو معلوم است اظہارش مکن یا کن

"اے حقی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے خادمین کو تکلیف نہ دے کیونکہ تیرے حالات حضور کو معلوم ہیں تو انھیں ظاہر کرے یا نہ کرے"

اور سراج الامہ امام الائمہ سیدنا و مولانا حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تصورات پر بھی یہی عقیدہ چھایا ہوا تھا۔ جیسا کہ فرمایا۔

يَا أَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَنْزَ الْوَرٰى
جُدْ لِي بِجُودِكَ وَارْضِنِي بِرِضَاكَ

"اے جن و انس سے بزرگ و برتر اور اے خزانہ کائنات! مجھے اپنی بخشش سے نوازیئے۔ اور مجھے اپنی رضامندی عطا فرمائیے۔

أَنَا طَامِعٌ بِالْجُودِ مِنْكَ وَلَمْ يَكُنْ

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

لِأَبِي حَنِيفَةَ فِي الْأَنَامِ سِوَاكَ

"میں آپ کی بخشش کا طالب ہوں۔ کیونکہ کائنات میں آپ کے سوا ابو حنیفہ کا کوئی نہیں"

اور سیدنا حضرت ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی بھی اسی عقیدے میں محو تھے۔ جبکہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خوش ہو کر فرمایا کہ کچھ مانگو تو انھوں نے عرض کی۔

أَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ (مشکوٰۃ باب السجود)

"میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں"

اور غلام اس عقیدے پر کامل یقین کے ساتھ کیوں نہ قائم ہوں جب کہ آقائے کائنات خود ہی بلا شرط فرمائیں کہ کچھ مانگو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

حاصل یہ ہے کہ شرک سے حفاظت کرنے والی واحد شئی صرف اور صرف میلاد مبارک کا پڑھنا اور سننا ہے اور اس کے علاوہ شرک سے بچانے والی کوئی دوسری شئی نہیں ہے۔ کوئی شخص جب میلاد پڑھتا ہے اور سنتا ہے تو وہ شرک سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اب یہ فیصلہ کرنا علماء کرام و مفتیان دین کا کام ہے کہ عبادت کے لئے محرک و معاون شئے عبادت ہے۔ تو شرک سے محافظ شئی کی حیثیت کیا ہے؟ عبادت ہے یا نہیں؟

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب مبارک اشیاء کا احترام صحابہ کرام کی نظر میں

علامہ شاہ فضل حق صاحب خیرآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

صحابۂ کرام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس قدر ادب واحترام کرتے تھے کہ آپ کے رشتہ داروں، آپ کے ساز و سامان، آپ کی منازل و مجالس اور مدینہ طیبہ و مکہ مکرمہ میں آپ کے کاشانہائے مبارک کی تعظیم کرتے، جس چیز کی آپ نے تعریف فرمائی یا جس چیز کی نسبت آپ کی طرف معروف ہوتی اس کی بھی تعظیم کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

لَقَدْ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللّٰہُ تعالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْحَلَّاقُ یَحْلِقُہٗ وَاَطَافَ بِہٖ اصحابہ فما یُرِیْدُوْنَ اَنْ تَقَعَ شَعْرَۃٌ اِلَّا فِیْ یَدِ رَجُلٍ،

یتحقیق میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حجام آپ کی حجامت بنا رہا تھا، صحابۂ کرام آپ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کے بال کسی صحابی کے ہاتھ کے علاوہ کہیں واقع ہوں"

وَرُئِیَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تعالیٰ عَنْھُمَا وَاضِعًا یَدَہٗ عَلٰی مَقْعَدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللّٰہ تعالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمِنْبَرِ ثُمَّ وَضَعَھَا عَلٰی وَجْھِہٖ،

"حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا گیا کہ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ منبر پر ہاتھ رکھا پھر اسے اپنے چہرے پر پھیرلیا"

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی میں بال تھے، جب وہ بیٹھ کر انھیں کھولتے تو زمین تک پہنچ جاتے۔

فَقِیْلَ لَہٗ اَلَا تَحْلِقُھَا فَقَالَ لَمْ اَکُنْ بِالَّذِیْ اَحْلِقُھَا وَقَدْ مَسَّھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہُ تعالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدِہٖ۔

"حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا گیا کہ آپ ان بالوں کو منڈوا کیوں نہیں دیتے؟۔ انھوں نے فرمایا، میں ان بالوں کو کیسے منڈوالوں، جب کہ انھیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے چھوا تھا؟"

وَکَانَتْ شَعَرَاتٌ مِنْ شَعْرِہٖ صلی اللّٰہُ تعالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ قَلَنْسُوَۃِ خَالِدِ بْنِ الْوَلِیْدِ فَلَمْ یَشْھَدْ بِھَا قِتَالًا اِلَّا رُزِقَ النَّصْرَ۔

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند بال، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں تھے۔ وہ اس ٹوپی کے ساتھ جس جنگ میں بھی گئے انھیں فتح و نصرت عطا کی گئی۔"

ہاں جب تابوت سکینہ جس میں آل حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے، اسی کی برکت سے بنی اسرائیل کو فتح و ظفر حاصل ہوتی تھی تو اگر حضرت سید البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک بالوں کی بدولت یہ برکت اور یہ اثر بلکہ اس سے ہزار ہا درجہ زائد خیر و برکت حاصل ہو جائے تو کیا بعید ہے

وَكَانَتْ فِي قَلَنْسُوَةِ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ شَعَرَاتٌ مِنْ شَعْرِهٖ صلی اللہ تعالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَقَطَتْ قَلَنْسُوَةٌ فِي بَعْضِ حُرُوْبِهٖ فَشَدَّ عَلَيْهَا شَدَّةً أَنْكَرَ عَلَيْهِ أَصْحَابُ النَّبِيِّ مِنْ كَثْرَةِ مَنْ قُتِلَ فِيْهَا فَقَالَ لَمْ أَكُنْ أَفْعَلُهَا بِسَبَبِ الْقَلَنْسُوَةِ بَلْ مَا تَضَمَّنَتْهُ مِنْ شَعْرِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لِئَلَّا أُسْلَبَ بَرَكَتَهَا وَتَقَعَ فِي أَيْدِي الْمُشْرِكِيْنَ۔

"حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند بال تھے، ایک جنگ میں وہ ٹوپی اتر گئی، حضرت خالد نے اسے حاصل کرنے کے لئے اتنا سخت حملہ کیا کہ صحابۂ کرام نے اس پر انکار کیا، کیونکہ اس حملے میں بہت سے افراد شہید ہو گئے تھے، حضرت خالد نے فرمایا! میں نے یہ حملہ ٹوپی کے لئے نہیں کیا تھا، بلکہ اس لئے کہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بال تھے میں نہیں چاہتا تھا کہ ان کی برکت مجھ سے چھین لی جائے اور وہ بال مشرکوں کے ہاتھ لگ جائیں۔"

اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک بالوں کی تعظیم نہیں کرتا اور ان کی تعظیم کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور بے ادبی سے اس کے دل میں کوئی خوف پیدا نہیں ہوتا اس کے دل میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت نہیں ہے، اگرچہ آپ کی محبت کا دعویدار ہو اور اس بے باکی کی تاویل میں لاف و گزاف سے کام لیتا ہو[1] جن لوگوں کے دلوں میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اور ایمان ہے وہ آپ کے ایک بال مبارک کے مقابل تمام دنیا کو ایک جَو کی اہمیت نہیں دیتے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔

لَشَعْرَةٌ مِنْهُ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا۔

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک بال ہمیں دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے"

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

اگرچہ دوست بچیزے نمی خرد مارا
بعالمے نفروشیم موئے از سرِ دوست

"اگرچہ دوست ہمیں کسی چیز کے بدلے نہیں خریدتا، ہم اس کے ایک بال کو پوری دنیا کے عوض میں بھی فروخت نہیں کرتے۔"

[1] جیسا کہ مرزا حیرت دہلوی نے "حیات طیبہ" میں اسمٰعیل دہلوی کے بارے میں لکھا ہے۔

وَفِي الصَّحِيحِ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّهَا أَخْرَجَتْ جُبَّةً طَيَالِسِيَّةً وَقَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللّٰهُ تعالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى نَسْتَشْفِي بِهَا

"حدیث صحیح میں حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے طیالسی جبہ نکالا اور فرمایا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے زیب تن فرماتے تھے، ہم اسے بیماریوں کے لئے دھوتے ہیں اور اس سے شفا طلب کرتے ہیں۔"

حضرت قاضی ابوالفضل عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے، کہ ابوالقاسم بن میمون نے فرمایا ہمارے پاس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک پیالہ تھا، ہم بیماریوں کے لئے اس میں پانی ڈالتے تھے، پس اس سے شفا طلب کرتے تھے۔

أَخَذَ جَهْجَاهُ الْغِفَارِيُّ قَضِيبَ النَّبِيِّ مِنْ يَدِ عُثْمَانَ وَتَنَاوَلَهُ لِيَكْسِرَهُ عَلٰى رُكْبَتِهٖ فَصَاحَ بِهِ النَّاسُ فَأَخَذَتْهُ الْأَكِلَةُ فَقَطَعَهَا وَمَاتَ قَبْلَ الْحَوْلِ۔

"جہجاہ غفاری نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عصائے مبارک حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے لیا تاکہ اسے اپنے گھٹنے پر رکھ کر توڑ دے تو لوگوں نے بڑی شدت سے اسے منع کیا کہ اسے مت توڑنا، اسی وقت اس کے گھٹنے پر ایک زخم پیدا ہوا بعد ازاں اس نے گھٹنا کٹوا دیا اور سال گذرنے سے پہلے مرگیا۔"

اس باب میں احادیث وآثار بکثرت ہیں، ان آثار صحیحہ اور نصوص صریحہ سے ثابت ہوگیا کہ جو چیز نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت کا شرف رکھتی ہے، اور جو چیز آپ کے اعضاء اور قدموں سے مس ہو چکی ہے، اس کی تعظیم و تکریم تمام مسلمانوں پر عوام ہوں یا خواص، واجب اور لازم ہے اور جو شخص ان اشیاء شریفہ کی توہین سے اپنی زبان آلودہ کرے یا ان کی اہانت کی امداد برملا یا پوشیدہ، قول یا فعل سے کرے، اس نے ایمان کو برباد کیا اور حسن اعتقاد کی جگہ ارتداد کو اپنے دل میں رکھا، چنانچہ بعض ملعون اور بے دین زندیق کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نشانِ قدم اس لائق ہے کہ اسے ایسی جگہ رکھا جائے کہ ہر کس وناکس اس پر پاؤں رکھے یا کہتے ہیں کہ اگر ہمیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لباس مل جائے تو ہم اسے پہننے کا کپڑا بنالیں اور اگر آپ کے نعلین مبارک مل جائیں تو انھیں پاؤں میں پہن لیں، نعوذ باللہ تعالیٰ من ذلک! یہ کفر، الحاد بے ایمانی اور ارتداد ہے، اس سے اور اس جیسے دیگر مہلکات سے اللہ تعالیٰ ہمیں پناہ عطا فرمائے۔

جس طرح ان تمام اشیاء کی تعظیم واجب اور فرض ہے، اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں اور صحابۂ کرام کی تعظیم بلاشک وشبہ بطریق اولیٰ فرضِ عین ہے، چونکہ مبسوط کتابیں ان عقائد اور مقاصد پر مشتمل ہیں، اس لئے اس فتویٰ میں طوالت اور تفصیل کی ضرورت نہیں۔

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

بحیثیت

سید المعصومین

علامہ مفتی احمد یار خاں صاحب

گناہ چند طرح کے ہیں شرک، کفر، کبائر، صغائر، پھر صغائر دو قسم کے۔ بعض وہ جو دنائت اور ذلت طبع پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے چوری، کم تولنا، وغیرہ اور بعض ایسے نہیں۔ پھر ان گناہوں میں بھی دو نوعیتیں ہیں۔ عمداً اور سہواً۔ نیز انبیائے کرام کی بھی دو حالتیں ہیں، ایک ظہور نبوت سے پہلے کا وقت۔ دوسرے نبوت کے بعد۔ انبیائے کرام شرک، کفر، بدعقیدگی، گمراہی اور رذیل حرکتوں سے ہر وقت بفضلہ تعالیٰ معصوم ہیں۔ کہ وہ حضرات نبوت سے پہلے اور اس کے بعد عمداً سہواً ایک آن کے لئے بھی بدعقیدہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں۔

مدارج اور مواہب میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی ساق عرش پر لکھا ہوا پایا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس سے آدم علیہ السلام کا پیدائشی عارف باللہ ہونا بھی ثابت ہوا۔ اور بغیر استاذ پڑھا لکھا ہونا بھی۔ کہ پیدا ہوتے ہی لکھی ہوئی تحریر پڑھ لی۔

عیسٰی علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا انی عبد اللہ۔ اٰتانِیَ الکتٰب واجعلنِی نبیًّا میں اللہ کا بندہ ہوں کہ مجھے اس نے کتاب عطا فرمائی اور نبی بنایا۔ نیز فرمایا وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ والزَّکٰوۃِ مَادُمْتُ حَیًّا وَبَرًّا بِوَالِدَتِیْ یعنی مجھے تاحین حیات نماز، زکوٰۃ کا حکم دیا۔ اور اپنی والدہ سے سلوک کرنے والا بھی ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جناب مسیح بوقت پیدائش ہی حکمت نظری یعنی رب کی ربوبیت اپنی نبوت اور عطائے انجیل کو بھی جانتے ہیں۔ اور حکمت عملی تہذیب اخلاق و تدبیر منزل سے بھی باخبر ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچپن شریف میں ہی اپنی کافر قوم پر توحید پرستی کی ایسی قوی حجت قائم فرمائی کہ سبحان اللہ۔ آفتاب و چاند تاروں کے ڈوبنے اور ان کے حالات بدلنے کو ان کی مخلوقیت کی دلیل بنایا کہ تاروں کو دیکھ کر فرمایا ھٰذَا رَبِّیْ اے کافرو کیا رب یہ میرا ہو سکتا ہے؟ اور ڈوبتا دیکھ کر فرمایا:- لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ بچپن شریف کی اس سادی گفتگو پاک پر بوعلی سینا اور فارابی کی ساری منطق قربان۔ اسی کو منطقی لوگ یوں بیان کرتے ہیں العالم متغیر و کل متغیر حادث لہٰذا العالم حادث پھر یوں کہتے ہیں العالم حادث و لاشئ من الحادث بمعبود فالعالم لیس بمعبود پھر اس طرز استدلال کو رب نے پسندیدگی کی سند بخش کر فرمایا وَتِلْکَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیْنٰهَاۤ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ

حضور سید الانبیاء صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرما کر امت کی شفاعت فرمائی۔ (مدارج و مواہب)

معلوم ہوا وہ رب کو، اپنے کو، اپنے مراتب کو اور اپنے درجات کو، نیز امت مرحومہ کو جانتے پہچانتے ہوئے پیدا ہوئے ہیں۔

بچپن شریف میں بچوں نے کھیل کی رغبت دی تو انھیں وہ جواب دیا کہ جس پر ارسطو و افلاطون کی ساری حکمتیں قربان۔ وہ ہی ایک جواب انسانی زندگی کا اصل مقصد ہے۔ فرمایا مَا خُلِقْنَا لِهٰذَا۔ ہم اس لئے پیدا نہیں ہوئے۔ رب نے اس کی تائید یوں فرمائی کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ خود فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ كُنْتُ نَبِيًّا وَّ آدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ۔ ہم اس وقت نبی تھے جب کہ آدم علیہ السلام آب و گل میں جلوہ گر تھے۔

تفسیرات احمدیہ میں لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں اِنَّهُمْ مَعْصُوْمُوْنَ عَنِ الْكُفْرِ قَبْلَ الْوَحْيِ وَبَعْدَهٗ بِاِجْمَاعِ انبیائے کرام وحی سے پہلے اور، وحی کے بعد کفر سے معصوم ہیں۔

اس مختصر سی گفتگو سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیائے کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا دامنِ عصمت' گراہی سے کبھی بھی داغدار نہیں ہو سکتا۔ رہے گناہ۔ ان کی تفصیل یہ ہے کہ انبیائے کرام ارادتاً گناہ کبیرہ کرنے سے ہمیشہ معصوم ہیں کہ جان بوجھ کر نہ تو نبوت سے پہلے گناہ کبیرہ کر سکتے ہیں۔ اور نہ اس کے بعد۔ ہاں نسیاناً خطا سرزد ہو سکتی ہے۔ مگر اس پر قائم نہیں رہتے۔ بلکہ رب کی طرف سے انھیں متوجہ کر دیا جاتا ہے اور وہ اس سے علیٰحدہ ہو جاتے ہیں۔ گناہِ صغائر میں سے ذلیل حرکتوں سے ہمیشہ معصوم کہ نبوت سے پہلے اور بعد ان سے کبھی بھی ایسی حرکتیں صادر نہیں ہوتیں۔ جو دناءت اور چھچھورے پن پر دلالت کریں۔ اور وہ صغائر جو ایسے نہ ہوں انبیاء سے صادر ہو سکتے ہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ یہ تفصیل ان امور میں ہے جن کا تبلیغ سے تعلق نہیں۔ رہے احکامِ تبلیغیہ ان میں کمی بیشی یا چھپانے سے انبیاءؑ معصوم ہیں کہ یہ حرکت ان سے نہ تو جان بوجھ کر صادر ہو۔ نہ خطاءً۔ یہ بھی خیال رہے کہ گناہوں کی یہ تفصیل دیگر انبیائے کرام کے لئے ہے۔ کہ ان سے بعض گناہ صغیرہ صادر ہو سکتے ہیں۔ مگر سید الانبیاء حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق امت کا اجماع ہے کہ آپ سے کبھی بھی کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہوا یعنی اظہار نبوت سے پہلے اور اس کے بعد آپ نے کوئی بھی گناہ صغیرہ یا کبیرہ عمداً نہیں کیا۔

چنانچہ تفسیرات احمدیہ میں آیت لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ کی تفسیر میں ہے لَا خِلَافَ لِاَحَدٍ فِيْ اَنَّ نَبِيَّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَرْتَكِبْ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً طَرْفَةَ عَيْنٍ قَبْلَ الْوَحْيِ وَبَعْدَهٗ كَمَا ذَكَرَهٗ اَبُوْ حَنِيْفَةَ فِي الْفِقْهِ الْاَكْبَرِ

تفسیر روح البیان آیت مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ کی تفسیر میں ہے يَدُلُّ عَلَيْهِ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ قِيْلَ لَهٗ هَلْ عَبَدْتَ وَثَنًا قَطُّ قَالَ لَا۔ قِيْلَ شَرِبْتَ خَمْرًا قَطُّ قَالَ لَا مَا زِلْتُ اَعْرِفُ اَنَّ الَّذِيْ هُمْ عَلَيْهِ كُفْرٌ۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ آپ نے کبھی بُت پرستی کی تھی؟ فرمایا نہیں۔ کیا آپ نے کبھی شراب استعمال فرمائی؟ فرمایا نہیں۔ ہم تو ہمیشہ سے جانتے تھے کہ اہل عرب کے یہ عقیدے کفر ہیں۔

عصمتِ انبیاء قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اجماع امت دلائل عقلیہ سے ثابت ہے اس کا انکار وہی کرے گا جس کے پاس دل و دماغ کی آنکھیں نہ ہوں۔

قرآنی آیات: ۱۔ رب تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ۔ اے ابلیس میرے خاص بندوں پر تیری دسترس نہیں۔

۲۔ شیطان نے خود بھی کہا تھا کہ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ کہ اے مولیٰ میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا سوا تیرے خاص بندوں کے۔

معلوم ہوا کہ انبیائے کرام تک شیطان کی پہنچ نہیں۔ اور وہ انھیں نہ تو گمراہ کر سکے اور نہ بے راہ چلا سکے۔ پھر ان سے گناہ کیوں کر سرزد ہوں۔

تعجب ہے کہ شیطان تو انبیاء کو معصوم مان کر ان کے بہکانے سے اپنی معذوری ظاہر کرے مگر اس زمانے کے بیدین ان حضرات کو مجرم مانیں یقیناً یہ شیطان سے بدتر ہیں۔

۳۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا مَا كَانَ لَنَا اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ہم گروہ انبیاء کے لائق نہیں کہ خدا کے ساتھ شرک کریں۔

۴۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ مَا اُرِيْدُ

اَنْ اُخَالِفَکُمْ اِلٰی مَآ اَنْھٰکُمْ میں اس کا ارادہ بھی نہیں رکھتا کہ جس چیز سے تمہیں منع کردوں خود کرنے لگوں۔ معلوم ہوا کہ انبیائے کرام شرک اور گناہ کرنے کا کبھی ارادہ نہیں فرماتے۔ یہ ہی عصمت کی حقیقت ہے۔

۵۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ یہاں یہ نہ کہا کہ میرا نفس برائی کا حکم کرتا ہے۔ بلکہ یہ فرمایا کہ عام نفوس انسانوں کو برائی کا حکم کرتے ہیں سوا ان نفوس کے جن پر رب رحم فرمائے۔ اور وہ نفوس انبیاء ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نفوس انھیں فریب دیتے ہی نہیں۔

۶۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ جس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام سارے جہان سے افضل ہیں۔ اور جہان میں تو ملائکہ معصومین بھی داخل۔ ملائکہ کی صفت یہ ہے کہ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وہ کبھی نافرمانی کرتے ہی نہیں۔ اگر انبیاء گنہگار ہوں تو ملائکہ ان سے بڑھ جائیں۔

۷۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔ ہمارا عہد نبوت ظالمین یعنی فاسقین کو نہ ملے گا۔

معلوم ہوا کہ فسق و نبوت جمع ہو سکتے ہی نہیں۔ قرآن کریم نے انبیائے کرام کے اقوال کو نقل فرمایا قوم لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَۃٌ وَّلٰکِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ اے میری قوم! مجھ میں بالکل گمراہی نہیں لیکن میں رب العٰلمین کا رسول ہوں۔

لٰکِنِّیْ سے معلوم ہوا کہ گمراہی اور نبوت کا اجتماع نہیں ہو سکتا کیونکہ نبوت نور ہے اور گمراہی تاریکی۔ نور و ظلمت کا اجتماع ناممکن ہے۔

احادیث:۔ ۱۔ مشکوٰۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر شخص کے ساتھ، ایک شیطان رہتا ہے جسے قرین کہا جاتا ہے۔ مگر میرا قرین مسلمان ہو گیا۔ لہٰذا اب وہ مجھے نیک مشورہ ہی دیتا ہے۔

۲۔ اسی مشکوٰۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر بچے کو بوقت ولادت شیطان مارتا ہے۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام کو پیدائش میں چھو بھی نہ سکا۔

معلوم ہوا کہ یہ دو پیغمبر شیطانی وسوسہ سے بھی محفوظ ہیں۔

۳۔ مشکوٰۃ کتاب الغسل سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام کو خواب سے احتلام نہیں ہوتا۔ کہ اس میں شیطانی اثر ہے۔ بلکہ ان کی بیبیاں بھی احتلام سے پاک ہیں۔

۴۔ انبیائے کرام کو جماہی نہیں آتی۔ کیونکہ یہ بھی شیطانی اثر ہے۔ اسی لئے اس وقت لاحول پڑھتے ہیں۔

۵۔ مشکوٰۃ شریف باب علامات نبوت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سینہ مبارک چاک کر کے اس میں سے ایک پارہ گوشت نکال دیا گیا۔ اور کہا گیا کہ یہ شیطانی حصہ ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نفس قدسیہ شیطانی اثر سے پاک ہے اور پھر اسے آب زمزم سے دھویا گیا۔

۶۔ مشکوٰۃ شریف باب مناقب عمر میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ جس راستہ سے گذرتے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے معلوم ہوا کہ جن پر پیغمبر کی کرم نظر ہو جائے وہ بھی شیطان سے محفوظ رہتے ہیں۔ پھر خود ان حضرات کا کیا پوچھنا۔

اقوال علمائے امت:۔ ہمیشہ سے امت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا عصمت انبیاء پر اجماع رہا۔ سوا فرقہ ملعونہ حشویہ کے، کوئی اس کا منکر نہ ہوا۔ چنانچہ شرح عقائد نسفی، شرح فقہ اکبر، تفسیرات احمدیہ، تفسیر روح البیان، مدارج النبوۃ، مواہب لدنیہ، شفا شریف، نسیم الریاض وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ تفسیر روح البیان آیت مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ الآیہ کی تفسیر میں ہے فَاِنَّ اَھْلَ الْوُصُوْلِ اِجْتَمَعُوْا عَلٰٓی اَنَّ الرُّسُلَ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ قَبْلَ الْوَحْیِ مَعْصُوْمِیْنَ مِنَ الْکَبَآئِرِ وَمِنَ الصَّغَآئِرِ الْمُوْجِبَۃِ لِنَفْرَۃِ النَّاسِ عَنْھُمْ قَبْلَ الْبِعْثَۃِ وَبَعْدَھَا فَضْلًا عَنِ الْکُفْرِ یعنی اس پر اتفاق ہے کہ انبیائے کرام وحی سے پہلے مومن تھے۔ اور گناہ کبیرہ نیز ان صغائر سے جو نفرت کا باعث ہوں نبوت سے پہلے معصوم تھے۔ اور بعد بھی۔ چہ جائیکہ کفر۔

تفسیرات احمدیہ میں ہے اِنَّھُمْ مَعْصُوْمُوْنَ عَنِ الْکُفْرِ قَبْلَ الْوَحْیِ وَبَعْدَہٗ بِالْاِجْمَاعِ وَکَذَا عَنْ تَعَمُّدِ الْکَبَآئِرِ عِنْدَ الْجُمْھُوْرِ۔ انبیائے کرام کفر سے وحی سے پہلے اور بعدہٗ، بالاتفاق معصوم ہیں۔ ایسے ہی عام علماء کے نزدیک دیدہ و دانستہ گناہ کبیرہ کرنے سے بھی معصوم ہیں۔

غرض کہ امتِ مرحومہ کا اجماع انبیائے کرام کی عصمت پر ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے اس کے لئے زیادہ عبارتیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

عقلی دلائل: عقل بھی چاہتی ہے کہ انبیائے کرام کفر و فسق سے ہمیشہ معصوم ہیں چند وجوہ سے۔

۱۔ کفر یا تو عقائد کی بے خبری سے ہوتا ہے یا نفس کی سرکشی سے یا شیطان کے اغوا سے۔ اور ہم پہلے ثابت کر چکے کہ انبیائے کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں۔ نیز ان کے نفوس پاک ہیں اور وہ شیطانی اغوا سے محفوظ ہیں۔ جب یہ تینوں وجہیں نہیں تو اب ان سے کفر اور فسق کیوں کر سرزد ہو۔

۲۔ فسق بھی نفس امارہ یا شیطان کے اثر سے ہے۔ اور وہ حضرات ان دونوں سے محفوظ ہیں۔

۳۔ فاسق کی مخالفت ضروری ہے۔ اور نبی کی اطاعت فرض کہ بہر حال ان کی فرماں برداری کی جائے۔ اگر نبی بھی فاسق ہوں تو ان کی اطاعت بھی ضروری ہوا ور مخالفت بھی۔ اور یہ اجتماعِ ضدین ہے۔

۴۔ فاسق کی بات بلاتحقیق نہ ماننا چاہیئے۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔ اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا۔ اور نبی کی ہر بات بلاتحقیق ماننی فرض ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ۔ اگر نبی بھی فاسق ہوں تو ان کی بات بلاتحقیق ماننا بھی ضروری اور نہ ماننا بھی۔ اور یہ اجماع نقیضین ہے۔

۵۔ گنہگار سے شیطان راضی ہے۔ اسی لئے وہ حزب الشیطان میں داخل ہے۔ اور نیک کار سے رحمان خوش۔ اسی لئے وہ حزب اللہ میں سے ہے۔ اگر پیغمبر ایک آن کے لئے بھی گنہگار ہوں تو معاذ اللہ وہ شیطانی گروہ میں سے ہوں گے۔ اور یہ ناممکن ہے۔

۶۔ فاسق سے متقی افضل۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ۔ اگر نبی کسی وقت گناہ کریں اور اس وقت ان کا امتی نیکی کر رہا ہو تو لازم آئے گا کہ امتی اس گھڑی نبی سے افضل ہو۔ اور یہ باطل ہے۔ کوئی امتی ایک آن کے لئے بھی نبی کے برابر نہیں ہوسکتا

۷۔ بدعقیدہ کی تعظیم حرام ہے۔ حدیث میں ہے مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْاِسْلَامِ جس نے بدعقیدہ کی تعظیم کی۔ اس نے اسلام ڈھانے پر مدد دی۔ اور نبی کی تعظیم واجب۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ اگر نبی ایک آن کے لئے بے دین ہوں، تو ان کی تعظیم واجب بھی ہوا ور حرام بھی۔

۸۔ گنہگاروں کی بخشش حضور کے وسیلہ سے ہے۔ رب فرماتا ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ الآیۃ اس آیت میں عام مجرمین کو بارگاہ مصطفوی میں حاضر ہو کر ان کے وسیلہ سے استغفار کرنے کی، دعوت دی گئی۔ اگر خاکش بدہن آپ کا دامنِ عفت گناہوں سے آلودہ ہو تو بتاؤ پھر آپ کا وسیلہ کون ہوگا۔؟ اور کس کے ذریعہ آپ کی معافی ہوگی۔ جو سب مجرموں کا وسیلۂ مغفرت ہو ضروری ہے کہ وہ خود جرموں سے پاک ہو۔ اگر وہ بھی گنہگار ہو تو پھر ترجیح بلامرجح کا سوال پیدا ہوگا۔

۹۔ قیمتی چیز قیمتی برتن میں رکھی جاتی ہے۔ موتی کا ڈبہ بھی قیمتی ہوتا ہے سنہری زیورات کا بکس بھی قیمتی۔ دودھ کا برتن بھی ہر گندگی و ترشی سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ تاکہ دودھ خراب نہ ہو جائے۔ کارخانۂ قدرت میں، نبوت بڑی ہی انوکھی اور بے بہا نعمت ہے۔ تو چاہیئے کہ اس کا ظرف یعنی انبیا کے دل کفر و فسق اور ہر قسم کی گندگی سے پاک و صاف ہوں اسی لئے رب نے فرمایا اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ اللہ ہی ان نفوس کو جانتا ہے جو اس کی رسالت کے لائق ہیں۔

۱۰۔ فاسق اور فاجر کی خبر بغیر گواہی قابل اعتماد نہیں۔ اگر انبیا کرام بھی فاسق ہوتے تو انھیں اپنی ہر خبر پر گواہی پیش کرنا ہوتی حالانکہ ان کا ہر قول صدہا گواہیوں سے بڑھ کر ہے۔

حضرت ابو خزیمہ انصاری نے اونٹ کے متعلق یہ ہی تو کہا تھا کہ یا حبیب اللہ اونٹ کی تجارت جنت و دوزخ حشر و نشر سے بڑھ کر نہیں۔ جب ہم آپ سے سن کر ایمان لائے تو اس زبان سے سن کر یہ کیوں نہ مان لیں۔ کہ واقعی آپ نے اونٹ خرید لیا ہے جس کے انعام میں ان ایک کی گواہی دو کے برابر کر دی۔

عصمتِ انبیا قطعی و اجماعی مسئلہ ہے۔ وہ احادیث جن سے پیغمبروں کا گناہ ثابت ہے۔ اگر متواتر اور قطعی نہیں بلکہ مشہور آحاد ہیں۔ وہ سب مردود کوئی بھی قابل اعتبار نہیں۔ اگرچہ صحیح ہی ہوں۔

تفسیر کبیر سورۂ یوسف کی تفسیر میں ہے کہ جو احادیث خلاف

قاہرہ کی ایک عالیشان مسجد

عصمتِ انبیاء رہوں وہ قبول نہیں۔ راوی کو جھوٹا ماننا، پیغمبر کو گنہگار ماننے سے آسان ہے اور وہ قرآنی آیات اور متواتر روایات جن سے ان حضرات کا جھوٹ یا کوئی اور گناہ ثابت ہوتا ہو سب واجب التاویل ہیں۔ کہ ان کے ظاہری معنیٰ مراد نہ ہوں گے۔ یا کہا جائے گا کہ یہ واقعات عطائے نبوت سے پہلے کے تھے۔

تفسیر احمدیہ شریف آیت لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ کی تفسیر میں ہے وَاِذَا تَقَرَّرَ ھٰذَا فَمَا نُقِلَ عَنِ الْاَنْبِیَاءِ مِمَّا یُشْعِرُ بِکِذْبٍ اَوْ مَعْصِیَۃٍ فَمَا مَنْقُوْلًا بِطَرِیْقِ الْاٰحَادِ ـ فَمَرْدُوْدٌ وَمَا کَانَ مَنْقُوْلًا بِطَرِیْقِ التَّوَاتُرِ فَمَصْرُوْفٌ عَنْ ظَاھِرِہٖ اِنْ اَمْکَنَ وَاِلَّا فَمَحْمُوْلٌ عَلٰی تَرْکِ الْاَوْلٰی اَوْ کَوْنِہٖ قَبْلَ الْبِعْثَۃِ بلکہ مدارج النبوۃ شریف جلد اول باب چہارم میں تو فرمایا کہ اس قسم کی آیتیں متشابہات کی مثل ہیں جن میں خاموشی لازم۔

دیکھو رب تعالیٰ کا قدوس، غنی، علیم، قادر مطلق بلکہ تمام صفات کمالیہ سے موصوف ہونا قطعی اور اجماعی ہے مگر بعض آیتیں ظاہری معنیٰ کے لحاظ سے اس کے بالکل خلاف ہیں۔ رب فرماتا ہے یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ وہ رب کو دھوکا دیتے ہیں۔ رب انھیں فرماتا ہے مَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ انھوں نے مکر کیا اور اللہ نے فرمایا فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ جدھر تم منھ کرو ادھر ہی رب کا منھ ہے۔ فرماتا ہے یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ فرماتا ہے۔ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ پھر اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہو گیا۔ رب تعالیٰ چہرہ، ہاتھ، برابری مکر، اور دھوکا سے پاک و منزہ ہے۔ اور ان آیتوں میں بظاہر یہی ثابت ہو رہا ہے۔ لہٰذا واجب ہے، ان میں تاویل کی جائے۔ بلکہ ان کے حقیقی معنیٰ خدا کے سپرد کئے جائیں۔ جو کوئی ان آیتوں کی وجہ سے رب کو عیب دار مانے وہ بے ایمان ہے۔ ایسے ہی جو کوئی بعض آیتوں کے ظاہری معنیٰ کرکے انبیائے کرام کو فاسق یا مشرک جانے وہ بے دین ہے۔

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم خاتم الانبیاء والمرسلین و آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

اللہ کے نبی آخر الزماں سید دو عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے پر آیت کا اجماع ہے اور نصوص قرآنیہ اور احادیث کریمہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ حدیثیں اتنی ہیں کہ ان سب کو ایک جگہ جمع کرنا بہت مشکل ہے میں صرف صحاح کی حدیثیں یہاں بیان کروں گا۔ اور ان حدیثوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو اس عظیم فتنے سے اس کے شر در سے بچائے گا یہ حدیثیں مختلف پہلو سے اس بات پر روشنی ڈالتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جناب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی بنایا اور بنایا۔

لفظ ختم نبوت سے چند حدیثیں وارد ہیں :-

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث شفاعت میں منقول ہے کہ جب لوگ تمام انبیاء کے پاس سے ٹھوکریں کھاتے پریشان حال آپ کے پاس آئیں گے تو یہ کہیں گے کہ

انت رسول اللہ وخاتم الانبیاء وقد غفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر الخ

آپ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم الانبیاء اور اللہ نے آپکے اگلے پچھلے تمام ذنوب کو معاف کر دیا ہے۔

(بخاری شریف ص ۶۸۵ ج ۲، ترمذی شریف ص ۱۵۱ ج ۲)

نام محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

بحیثیت

آخر المرسلین و خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں آپ نے نبوت ختم کر کے اس پر مہر لگا دی۔ لہٰذا آپ کے بعد قیامت تک کسی کے لئے نبوت کھولی نہیں جائے گی۔

طبری جلد ۲۲ ص ۱۱

حضرت علامہ مولانا عبد المصطفیٰ صاحب ازہری کراچی

یعنی ہم تمام انبیاء کے پاس سے ہو کر آ گئے ہیں، کہیں ہماری سنوائی نہیں ہوئی، اور آپ آخری نبی ہیں اگر یہاں بھی دستگیری نہ ہو تو پھر کہاں ہوگی۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے اور انبیاء پر چھ فضیلتیں دی گئیں ہیں۔ (۱) مجھے جوامع کلم دیئے گئے (۲) میری مدد رعب سے کی گئی (۳) میرے لئے غنیمت حلال کی گئی (۴) ساری زمین میرے لئے مسجد بنا دی گئی (۵) ساری مخلوق کی طرف مجھے رسول بنایا گیا (۶) اور خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ مجھ سے انبیاء کو ختم کیا گیا۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۹۹، ترمذی شریف ص ۲۴۳ باب ماجاء فی الغنیمۃ)

(۳) عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا ہوں اور بیشک آدم ابھی اپنی مٹی میں (زمین پر) پڑے تھے۔
(مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۳)

(۴) جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "میں قائد مرسلین ہوں اور فخر نہیں، میں خاتم النبیین ہوں اور فخر نہیں"
(دارمی ج ۱ ص ۲۱ مطبوعہ مصر، مشکوٰۃ ص ۵۱۴)

(۵) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:۔
"آپ کے دونوں شانوں کے درمیان خاتم نبوت تھی،
وَہُوَ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ، اور خود آپ خاتم النبیین تھے۔"
(شمائل ص ۵۶)

ختم نبوت کے الفاظ کے ساتھ ایسی حدیثیں بھی وارد ہیں جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انبیاء کرام کو ایک عمارت سے تشبیہ دی اور خود کو اینٹ سے تشبیہ دی اور عمارت کی تکمیل اپنی ذات سے بتائی۔

(۱) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال اور تمام انبیاء کی مثال اس شخص کی ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اسے کامل بنایا، اور حسین بنایا، مگر ایک اینٹ کی جگہ تو لوگ اس میں داخل ہوتے اور تعجب کرتے اور کہتے کہ:۔ لولا موضع اللبنۃ۔ (بخاری، ص ۵۰۱)

مسلم شریف میں اس کے بعد یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فانا موضع اللبنۃ جئت فختمت الانبیاء۔

"میں اینٹ کی جگہ ہوں، میں آیا اور میں نے انبیاء کو ختم کیا۔"
(مسلم شریف ج ۲ ص ۲۴۸)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میری اور ان انبیاء کی مثال جو مجھ سے قبل تھے اس شخص کی ہے جس نے گھر بنائے اور اچھے اور خوبصورت اور کامل گھر بنائے۔ مگر ایک گوشے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ آکر اس گھر کا پھیرا لگاتے اور ان کو یہ عمارت بہت پسند آتی اور کہتے کہ یہ اینٹ کیوں نہ رکھی کہ تمہاری بنیاد پوری ہو جاتی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں وہی اینٹ ہوں۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۲۴۸ بخاری ص ۵۰۱)

بخاری شریف کے الفاظ یہ ہیں:۔

فانا اللبنۃ و انا خاتم النبیین۔

"میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔"
اور یہی الفاظ مسلم میں بروایت یحییٰ بن ایوب، قتیبہ، داؤد بن مجر بھی واقع ہوئے ہیں۔

ختم نبوت کے لئے اور حضور کے آخری نبی ہونے کے لئے اور آپ کے بعد اس سلسلے کو ختم کرنے کے لئے بہت سے صحابہ سے لفظ لانبی بعدی آیا ہے۔ لا کا لفظ عربی زبان میں جنس کی نفی کے لئے آتا ہے۔ یعنی آپ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں۔ نہ ظلی نہ بروزی نہ بالذات نہ بالتبع نہ بالاصل نہ بالفرع، غرض کہ نبوت کے انقطاع محض اور بالکل ختم کرنے پر یہ لفظ دلالت کرتا ہے۔ یہ وہ ہی لفظ ہے جو لا الٰہ الا اللہ میں ہے اور جس نے الوہیت و معبودیت کی تمام انواع و اقسام و اصناف کو ختم کر دیا جس طرح اللہ کے سوا کسی کے لئے کسی قسم کی الوہیت ماننا شرک ہے اسی طرح ختمی مرتبت کے بعد کسی کے لئے کسی قسم کی نبوت ماننا کفر و ضلالت اور ارتداد محض ہے۔ اب وہ حدیثیں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ابوحازم کہتے ہیں کہ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پانچ سال رہا میں نے آپ سے سنا فرماتے ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے کہ بنی اسرائیل

کی سیاست کا کام انبیاء کرتے جب کوئی نبی وفات پاتا تھا تو دوسرا نبی اس کا خلیفہ ہوتا۔

انہ لانبی بعدی ۔ اور میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے الخ۔ (بخاری ج ۱ ص ۴۹۱)
(مسلم شریف جلد دوم ص ۱۲۶)

(۲) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ ہی میں چھوڑ دیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی حضور آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ جاتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ:۔

"کیا تم راضی نہیں ہو کہ تم مجھ سے بمنزلہ ہارون کے ہو موسیٰ سے مگر یہ کہ لانبی بعدی۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے"

مسلم شریف اور ترمذی شریف کی ایک روایت میں یوں بھی آیا ہے کہ:۔

لانبوۃ بعدی ۔ میرے بعد کوئی نبوت نہیں۔
(مسلم ج ۲ ص ۲۷۸، ترمذی شریف ص ۵۲۴)

بخاری شریف میں یوں آیا ہے:۔

لیس نبی بعدی ۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۳۳)

(۳) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم مجھ سے بمنزلہ ہارون کے ہو موسیٰ سے ۔

الا انہ لانبی بعدی ۔ (ترمذی شریف ص ۵۲۵)

(۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:۔

ان الرسالۃ والنبوۃ انقطعت ۔

"رسالت اور نبوت ختم ہو گئی"

لہٰذا اب نہ کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی ۔ (ترمذی ص ۲۲۱)

ختم نبوت کے سلسلے میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی واضح کر دیا کہ لوگ میرے بعد دعوائے نبوت و رسالت کریں گے لیکن وہ سب جھوٹے ہوں گے"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

حدیث نمبر (۱) لاتقوم الساعۃ حتی یبعث دجالون کذابون قریبا من ثلاثین کلھم یزعم انہ رسول اللہ ۔
(بخاری ج ۱ ص ۵۰۹، ۱۰۵۴، مسلم ص ۳۹۷ ترمذی ص ۲۲۳)

حدیث نمبر (۲) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں تیس کے لفظ کی بھی قید نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان بین یدی الساعۃ کذابین فاحذروھم
"قیامت کے قبل بہت سے جھوٹے ہوں گے ان سے بچنا"
(مسلم ص ۱۲۰، ۲۹۶، ۲۷۰)

حدیث نمبر (۳) حضرت ثوبان کی حدیث میں انھیں کذابین کے بیان کے بعد فرمایا:۔

کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین لانبی بعدی ۔

"یہ سب جھوٹ بکیں گے کہ وہ نبی ہیں ۔ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں"

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ تیس کی تعداد پوری ہو گئی۔ لہٰذا ہمارے حضرت اس میں داخل نہیں لیکن اگر یہ تعداد اس معنی پر جو حضور نے مراد لئے تھے پوری ہو گئی تو اب جو بھی دعوائے نبوت کرے اسے جھوٹا نہیں کہا جا سکتا۔ حالانکہ کوئی عاقل بھی ایسی بات نہیں کر سکتا۔ مقصد یہ تھا کہ بڑے بڑے دجال تیس کے قریب ہوں گے۔ جن کے فتنوں سے لوگوں پر بہت برا اثر پڑے گا ورنہ ہر مدعی نبوت اور کذاب کے بارے میں اس حدیث ثلاثون میں ذکر نہیں ان کا ذکر حدیث سمرہ میں ہے کہ بہت سے کذاب ہوں گے سب سے بچتے رہنا۔ ختم نبوت کے معنی آخری نبی کے ہیں اس معنی کی تصریح خود حدیث شریف میں ہے۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں دوسری مسجدوں سے ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے مگر مسجد حرام اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری ہیں اور آپ کی مسجد آخری مسجد ہے دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں

آخر الانبیاء ہوں اور میری مسجد آخری مسجد ہے یعنی نہ اب کوئی نیا نبی آئے نہ اب کوئی نئی مسجد نبوی بنے گی۔"

ختم نبوت کے معنی نبوت کے چلے جانے کے ہیں اس لئے حدیثوں میں اس لفظ کی بھی تصریح ہے۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے:۔

لم یبق من النبوۃ الا المبشرات قالوا و ما مبشرات قال الرویا الصالحۃ۔

نہیں باقی نبوت سے مگر بشارتیں تو لوگوں نے کہا بشارت کیا ہیں آپ نے فرمایا اچھے خواب۔ (بخاری ج۲ ص۱۰۳۵)

(۱) (ابوہریرہ) رویا المومن جزء من ستۃ و اربعین جزء من النبوۃ و کان من النبوۃ فانہ لایکذب۔

"مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے اور جو نبوت سے ہے وہ جھوٹ نہیں ہو سکتا۔"

(بخاری ص ۱۰۳۹، مسلم ج۲ ص ۲۴۲، ترمذی ص ۳۴)

(۲) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ کھولا اور لوگ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے صف باندھے ہوئے تھے۔ پھر فرمایا:۔

یا ایھا الناس لم یبق من مبشرات النبوۃ الا الرؤیا الصالحۃ یراھا المسلم او تریٰ لہ۔

لوگو نبوت کی بشارتوں میں سے صرف سچے خواب رہ گئے ہیں جسے مسلمان دیکھے یا مسلمان کے لئے دیکھا جائے۔ (مسلم شریف ج۱ ص ۱۹۱)

(۳) حضرت ابن عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا:۔

جزء من سبعین جزءۃ من النبوۃ۔

"نبوت کا سترواں جزء ہے۔" (مسلم شریف ج۲ ص۲۴۲)

(۴) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:۔

رؤیا من المومن جزء من ستۃ و اربعین جزءاً من النبوۃ۔

مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں جزء ہے۔

(ترمذی شریف ص ۳۲۱)

اور امام ترمذی نے فرمایا کہ اس باب میں ابوہریرہ اُبَی اور انس اور ابوسعید اور عبداللہ بن عمرو اور عوف بن مالک اور ابن عمر سے حدیثیں مروی ہیں۔

یہ تمام حدیثیں ختم نبوت پر دلالت کرتی ہیں لیکن تعجب ان لوگوں پر ہے جو ان حدیثوں سے ہی نبوت کے جاری ہونے پر استدلال کرتے ہیں کہتے ہیں کہ چونکہ خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ یا سترواں حصہ ہے اس لئے نبوت جاری ہے۔ اس لئے کہ اس کا ایک حصہ جاری ہے استغفراللہ! یہ کتنی بے عقلی کی بات ہے۔ یہ بالکل اس احمق کی بات ہے جو اپنی ماں کے پاس آکر کہنے لگا اماں جان! مجھے راستے میں ایک گھوڑا مل گیا، ماں نے کہا بیٹا وہ کیسے؟ بولا، اماں جان مجھے راستے میں ایک نعل مل گئی تو اب گھوڑا مل گیا ہے صرف تین نعل اور ایک گھوڑے کی فکر ہے جس طرح ایک نعل گھوڑا نہیں اسی طرح ایک جزء نبوت نہیں نبوت نام ہے ۴۶ اجزاء کے مکمل ہونے کا جس طرح اگر کسی شخص کے پاس صرف دروازہ یا اینٹ یا چند بوریاں سیمنٹ کی یا کچھ لوہا ہو تو وہ مکان والا ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ایسے ہی سچے خواب تو ہر مسلمان کو نظر آسکتے ہیں تو کیا ہر مسلمان نبی ہے؟ اور اگر اس کا دعویٰ بھی کر دے تو پھر اس کے اپنے گرد گھنٹال کے علاوہ کروڑوں انبیاء زمین پر چلتے پھرتے نظر آئیں گے۔ (استغفراللہ)

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کے لئے حدیثوں میں دو لفظوں سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک لفظ عاقب ہے جس کے معنی سب کے پیچھے آنے والا، سب سے آخر میں آنے والا اور یہی معنی ختم نبوت کے ہیں۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پانچ نام ہیں آخر میں فرمایا وانا العاقب اور میں سب سے پیچھے آنے والا ہوں۔ (بخاری ج۱ ص۵۰۱ شمائل ترمذی ص ۵۹)

مخالف حضرات اجراء نبوت کے لئے چند ایسی حدیثیں پیش کرتے ہیں جو نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ اور

نہ ان کی تصحیح ہوتی ہے اور وہ حدیثیں خود قرآن و حدیث کے خلاف ہیں۔ اور کوئی حدیث ضعیف یا قول صحابی اگر صحیح بھی ہو اور وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو تو ضرور لائق استدلال نہیں ہو سکتا اور خود وہ صحابہ بھی اس حدیث کا یہ مفہوم نہیں لیتے تھے کہ حضور کے بعد واقعی کوئی نیا نبی آسکتا ہے۔ بلکہ انکا مقصد یہ تھا کہ پرانے نبی کے آنے پر نص کریں اور یہ بتائیں کہ وہ لوگ اگر حضور کے زمانے میں تشریف لائیں تو انکے تشریف لانے سے ختم نبوت کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔ مثلاً حضرت ام المومنین کا یہ کہنا کہ ۔

قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی بعدہٗ۔

(در منثور ج ۵ ص ۲۰۴)

اولاً تو یہ روایت صحیح نہیں اور اگر یہ روایت حدیث صحیح کے خلاف ہے اور اس کا مطلب صرف وہ ہے جو اس حدیث کے متصل تفسیر در منثور ج ۵ ص ۲۰۴ میں ہے:۔

قال رجل عند المغیرۃ بن شعبۃ صلی اللہ علی محمد خاتم النبیین لا نبی بعدہ فقال المغیرۃ حسبك اذا قلت خاتم الانبیاء فانا کنا نحدث ان عیسیٰ علیہ السلام خارج فان ھو قد خرج فقد کان قبلہ وبعدہ ۔

ایک شخص نے مغیرہ بن شعبہ کے پاس کہا کہ اللہ صلاۃ بھیجے محمد پر جو خاتم النبیین ہیں جن کے بعد کوئی نبی نہیں تو مغیرہ نے کہا کہ خاتم الانبیاء کہہ دینا کافی ہے، اس لئے کہ ہم بیان کئے جاتے تھے کہ عیسیٰ نکلنے والے ہیں اگر وہ نکلے تو حضور کے قبل اور حضور کے بعد ہوئے ۔

مقصد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کا تشریف لانا ختم نبوت کے منافی نہیں اس لئے کہ وہ پہلے بھی رسول رہ چکے ہیں۔ ہاں اگر کوئی نیا نبی آتا تو یہ ختم نبوت کے منافی ہوتا۔ یہ گویا حضرت مغیرہ کا خیال تھا اور اگر لفظ خاتم النبیین کہہ دیا جائے تو لا نبی بعدہٗ کہنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ خیال خود احادیث صحیحہ کے خلاف ہے جن کو ہم نے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ اور جو قول بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے خلاف ہے وہ باطل اور غلط ہے، خواہ کہنے والا کوئی ہو اور کسی مرتبہ کا اس لئے حضور کے قول کے مقابل ہر قول غلط ہوگا۔ اور پھر بھی ان حضرات کا یہ مطلب نہ تھا کہ آپ کے بعد نبوت جدیدہ جاری ہے۔ بلکہ سابق انبیاء کے آنے کی اطلاع انہوں نے دی اور بس۔ اس کے آگے جو کچھ مرزائی اضافہ کرتے ہیں اس کا اس حدیث میں ثبوت نہیں اور اگر بالفرض یہ تفسیر ان کی صحیح بھی ہو تو ان احادیث صحیحہ کے بالکل خلاف ہے جو پہلے گذر چکی۔ لا نبی بعدی۔ لیس بعدی نبی دور کیوں جائیے اس حدیث کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں وختم النبیین، ختم بہ النبیین قبلہ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر نبیوں کو ختم کر دیا۔ لہذا فلا یکون نبی بعدہ۔ ص ۲۵ تفسیر ابن عباس برحاشیہ تفسیر در منثور۔

ایک حدیث جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے

لما ابراھیم ابن النبی صلی اللہ علیہ وسلم و صلی علیہ وقال ان لہ مرضعا فی الجنۃ ولو عاش لکان صدیقا نبیا ۔

جب ابراہیم ابن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضور نے انکی نماز جنازہ پڑھائی اور فرمایا کہ ان کی دودھ پلانے والی جنت میں ہے اور اگر وہ زندہ رہتے تو نبی صدیق ہوتے۔ (ابن ماجہ ص ۱۰۸)

اس حدیث سے مرزائی اجرائے نبوت پر استدلال کرتے ہیں لیکن یہ استدلال باطل محض ہے۔ اس لئے کہ اس حدیث میں یہ نہیں کہ ان کا زندہ رہنا ممکن اور مقصود تھا۔ بلکہ ان کا زندہ رہنا محال تھا۔ اور ان کا زندہ رہنا اس لئے محال تھا کہ اگر وہ زندہ رہتے تو کذب باری لازم آتا اور خدائے تعالیٰ کا جھوٹا ہونا محال بالذات ہے اور ایک محال کسی دوسرے محال کو مستلزم ہو سکتا ہے جیسے لو کان زید حمارا کان ناھقا ———— اگر زید گدھا ہوتا تو ہینکنے والا ہوتا۔ زید کا گدھا ہونا محال ہے، لہذا اس کا ہینکنے والا ہونا محال ہے اسی طرح قرآن مجید میں فرمایا گیا۔

لو کان للرحمٰن ولد فانا اول العابدین ۔

ابدًا
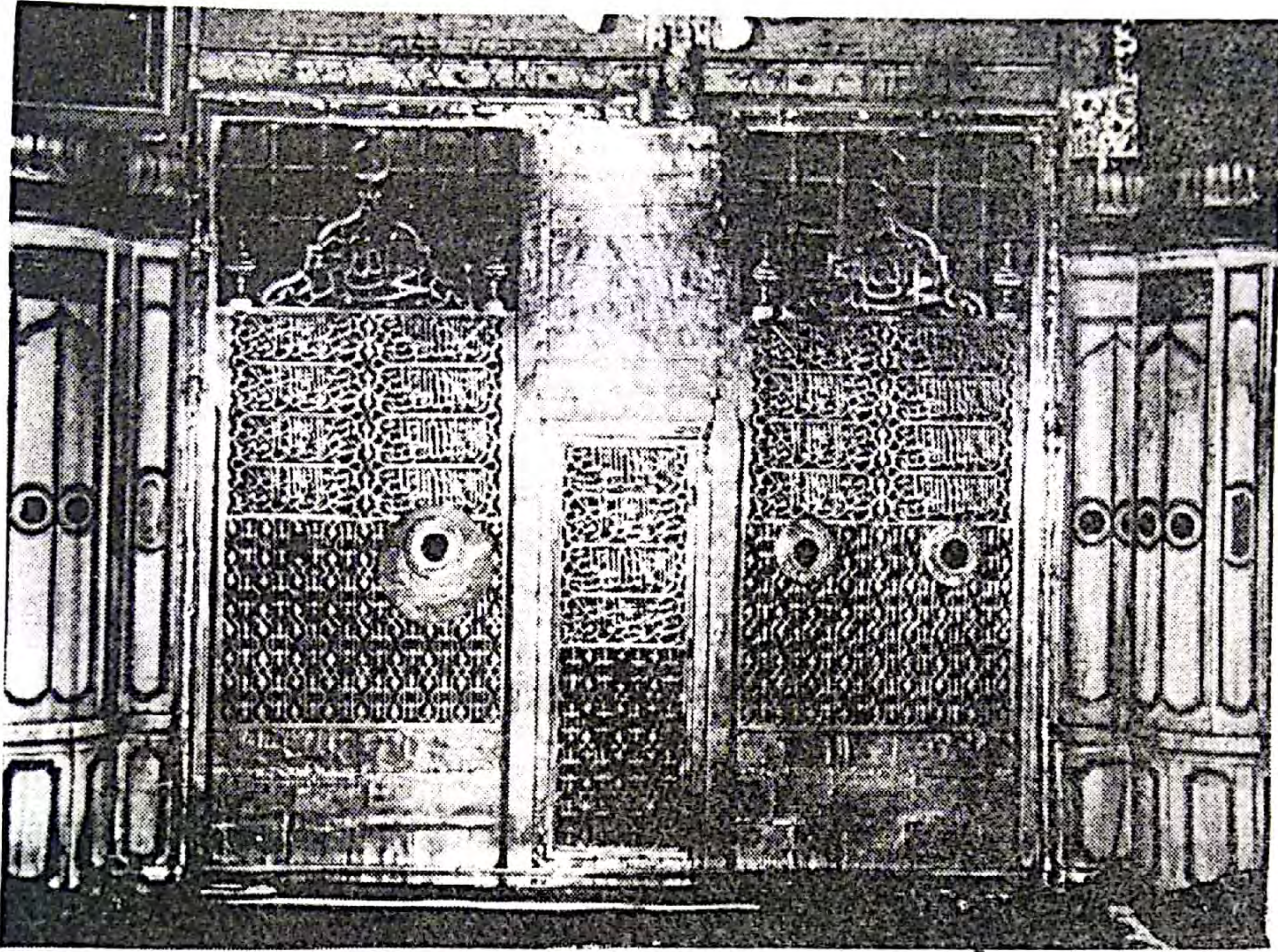
"اگر خدا کا بیٹا ہوتا تو میں اس کا پوجنے والا ہوتا"
اور یہ ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹا ہونا محال لہٰذا اس کی عبادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کریں یہ بھی ناممکن اسی لئے دوسری حدیث میں اس بات کو بالکل واضح کر دیا گیا ہے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ فرماتے ہیں :-

لو قضیٰ ان یکون بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم
نبی لعاش ابنہ ولکن لا نبی بعدہ -
اگر اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا ہوتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ہوتا تو آپ کے بیٹے زندہ رہتے لیکن آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں"

(بخاری شریف ج ۲ ص ۹۱۴، ابن ماجہ ص ۱۰۸)

اب آپ ان دونوں حدیثوں کو ملالیں تو پتہ چلے گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی آہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ ہی نہیں فرمایا اور جب یہ فیصلہ ہو چکا تو اب کسی نئے نبی کے آنے کا تصور محال ہے یہ عقیدہ ختم نبوت اور انقطاع وحی ایسا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر اور صحابہ اور تابعین سب نے اس معاملہ میں قطعی فیصلہ کیا بلکہ حضرت صدیق اکبر نے ان کذابین سے جنگ کی اور اسلام کا نقطۂ نظر واضح فرمایا۔ حضرت ام ایمن نے ابوبکر و عمر کے سامنے جب یہ بیان کیا کہ :-

ان الوحی قد انقطع من السمآء -
"وحی آسمان سے آنی منقطع ہو چکی" (مسلم ج ۲ ص ۲۹۱)

تو دونوں حضرات نے آپ کی تصدیق کی اور خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :-

ان الوحی قد انقطع ———— "اب وحی منقطع ہو گئی"

تفسیر طبری میں ہے :-

ولکنہ رسول اللہ وخاتم النبیین الذی ختم النبوۃ فطبع علیہا فلا تفتح لاحد لہ بعدہ الی قیام الساعۃ -

"لیکن آپ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں آپ نے نبوت ختم کر کے اس پر مہر لگا دی لہٰذا آپ کے بعد قیامت تک کسی کے لئے نبوت کھولی نہیں جائیگی"

(طبری ج ۲۲ ص ۱۱)

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے
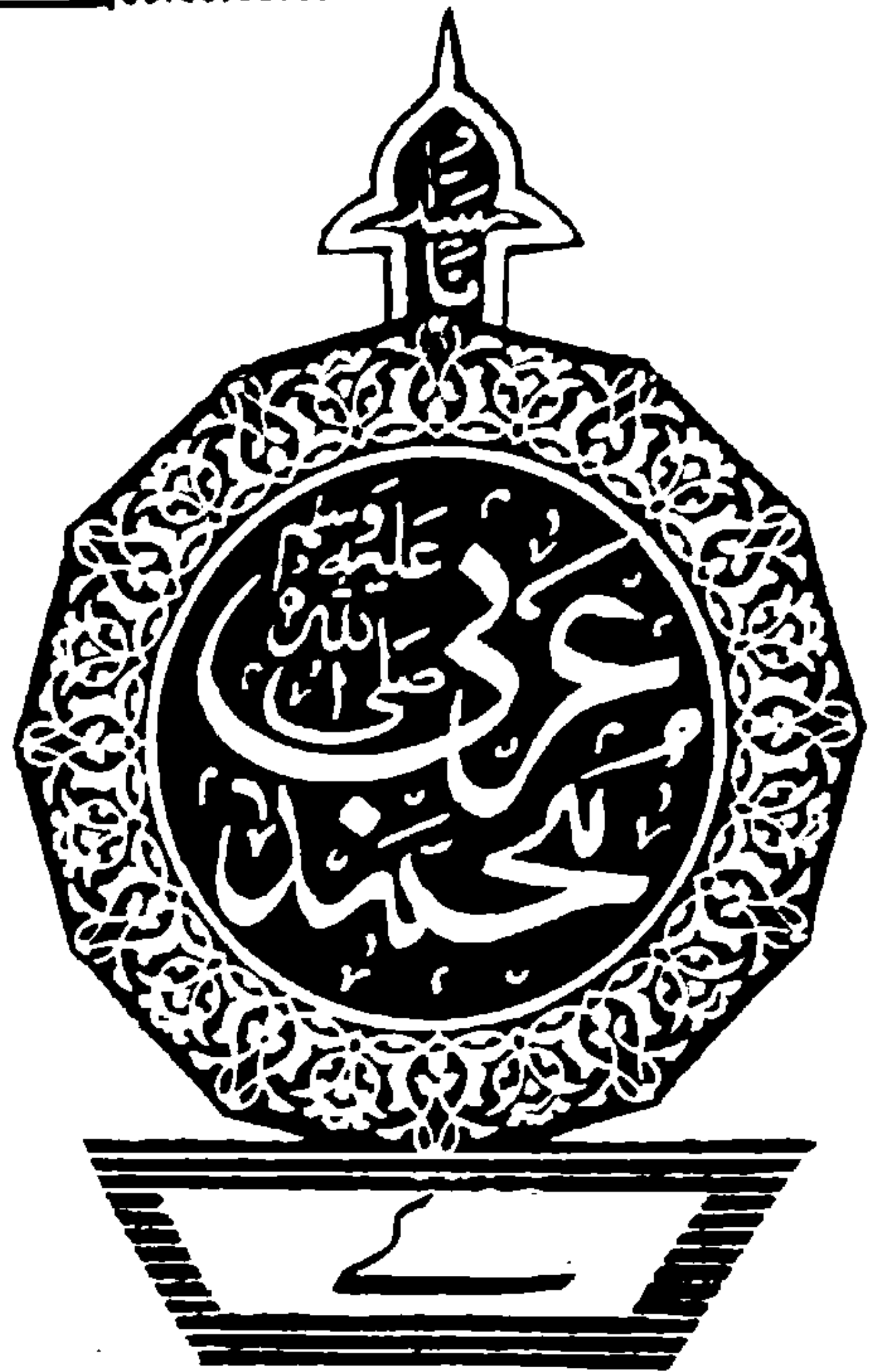
اخلاق عظیمہ

حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب شرف قادری لاہور

خلق عظیم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ○ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ○ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ○ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○

(القلم پ ۲۹)

قلم اور ان کے لکھنے کی قسم! تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔ اور ضرور تمہارے لئے بے انتہا ثواب ہے اور بیشک تمہاری خو بو بڑی شان کی ہے۔

(کنز الایمان، ترجمہ امام احمد رضا بریلوی)

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ غار حرا میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی کا نزول شروع ہوا، پہاڑی سے اتر کر حضرت جبریل امین علیہ السلام نے وضو کیا اور دو رکعتیں پڑھیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی وضو کیا اور ان کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کی۔ جب آپ گھر تشریف لائے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے چہرۂ انور کا بدلا ہوا رنگ دیکھ کر پوچھا "کیا بات ہے؟" آپ نے تمام صورت حال بیان کی۔ وہ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ نے پوچھا۔ کیا حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو یہ کہا ہے کہ آپ کسی کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں۔ آپ نے فرمایا، نہیں۔ ورقہ نے کہا بخدا! اگر میں آپ کی دعوت و تبلیغ تک زندہ رہا تو آپ کی بھرپور امداد کروں گا۔ یہ واقعہ مشرکین تک پہونچا تو انہوں نے کہا۔

اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ — یہ تو مجنون ہے

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات مبارکہ نازل فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت شان کے اظہار اور بارگاہ رسالت کے گستاخوں کی مذمت سے پہلے قلم اور فرشتوں کے لکھنے کی قسم یاد فرمائی۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملے کو کس قدر اہمیت دی ہے۔

اس آیت میں نفی جنون کی ایک اجمالی اور قطعی دلیل بیان فرمائی ہے۔

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ۔

جس سے ہزاروں تفصیلی دلائل مستنبط ہو سکتے ہیں۔ وہ اجمالی دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے بے پایاں ظاہری اور باطنی انعامات ہیں۔ مثلاً فصاحت و بلاغت، کمال عقل، جودت ذہن، نبوت و ولایت، صداقت و امانت، ہدایت عامہ اور ان گنت اخلاق عظیمہ میں غور کرو۔ ان میں سے ہر وصف بارگاہ رسالت کے گستاخ کافروں کے خلاف گواہی دے گا۔[۱]

دوسری دلیل ارشاد فرمائی۔

وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ

اور ضرور تمہارے لئے بے انتہا ثواب ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا سلسلۂ عمل منقطع ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے (۱) صدقہ جاریہ (۲) وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے (۳) نیک اولاد جو میت کے لئے دعا کرے[۳]

اس آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ اے حبیب! صلی اللہ علیہ وسلم۔ تمہارے ہاتھ سے ایک جہاں ہدایت پائے گا۔ اور وہ ہدایت قیامت تک جاری رہے گی۔ خوش بخت اس پر عمل پیرا ہوکر دنیا و آخرت کی سرخروئی حاصل کرتے رہیں گے، اس طرح تمھیں ثواب ملتا رہے گا۔ اور یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ مجنون کو اپنی حرکات سکنات کی خبر نہیں ہوتی۔ اس کا عمل نیت سے خالی ہونے کے سبب ذریعۂ اجر و ثواب نہیں ہوتا۔ وہ دوسروں کیلئے باعث ہدایت کیسے بنے گا۔ بے انتہا ثواب کا مستحق کیسے ہوگا۔

اس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورہ تین میں صالحین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَلَھُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ

ان کے لئے نہ منقطع ہونیوالا ثواب ہے

جب اُمت کے لئے بھی یہ بشارت ہے تو اس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت کیا رہی؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مومنوں کو ثواب میں جنت عطا کی جائے گی اور اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس وقت تک ثواب پہنچتا رہے گا اور آپکے ثواب میں اضافہ ہوتا رہے گا، جب تک کہ آپ کا ایک امتی بھی اس دنیا میں رہے گا اور نیک کام کرتا رہے گا۔ مطلب یہ ہوا کہ امتیوں کو جو ثواب ملے گا، وہ منقطع نہیں ہوگا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ثواب میں دن بدن اضافہ ہوتا رہے گا۔

اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ چونکہ سابقہ ادیان منسوخ ہوچکے ہیں اور صرف دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی قیامت تک جاری و ساری رہے گا اسلئے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اجر و ثواب کا سلسلہ تاقیام قیامت جاری رہے گا۔ اور کبھی منقطع نہ ہوگا۔[۴]

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

اور بے شک تم عظیم خلق پر فائز ہو

یعنی مجنون کے حالات اور اوہام و خیالات ہر لمحہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اس کی کوئی حالت پائیدار اور راسخ نہیں ہوتی اور اے حبیب! تمھیں تو اخلاقِ عالیہ اور اوصاف جمیلہ میں وہ ثابت قدمی حاصل ہے کہ کوئی انسان اس کا اندازہ نہیں لگا سکتا تمھاری طرف جنون کی نسبت وہی کرے گا، جس کا اپنا ذہنی توازن درست نہیں ہے اور مقیاس الجنون کی آخری ڈگری پر پہنچا ہوا ہے۔

عظیم وہ ہے جو انسانی ادراک کے احاطہ سے باہر ہو، اگر وہ چیز محسوس ہے تو اس کے عظیم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ انسانی آنکھ اس کو مکمل طور پر نہیں دیکھ سکتی۔ مثلاً عظیم پہاڑ کا یہ مطلب ہوگا کہ انسانی آنکھ یکبارگی اسے دیکھنے سے قاصر ہے اور اگر وہ چیز معقول ہے تو اس کے عظیم ہونے کا معنی یہ ہے کہ عقل اس کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا

تم پر اللہ کا عظیم فضل ہے

نیز فرمایا۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

بے شک تم عظیم خلق پر فائز ہو

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر فضل و کرم اس درجہ ہے اور آپ کے اخلاق عظیمہ اس پائے کے ہیں کہ کوئی بھی عقل اس کا احاطہ نہیں کرسکتی[۵] وہ رب کریم جو تمام دنیا کے مال و متاع کے بارے میں فرماتا ہے۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ

تم فرمادو کہ دنیا کا ساز و سامان تھوڑا ہے

جب وہی فرمائے کہ تم پر میرا فضل ہے اور تم عظیم خلق کے مالک ہو تو اس کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں

"حقیقت آن است کہ ہیچ فہم و ہیچ قیاس بحقیقت مقام آنحضرت وکنہ حال دے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چنانچہ ہست نرسد و ہیچ کس اُو را چنانکہ ہست، جز خدا نشناسد، چنانکہ خدا را چوں وے ہیچ کس نشناخت وہر کہ در درک حقیقت آن سکم کرد گویا دعوائے علم متشابہات کرد وَمَا یَعْلَمُ تَاوِیْلَہٗ اِلَّا اللّٰہُ"[6]

ترجمہ:۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی فہم و قیاس نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نفس الامری حال اور مقام کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی اسے کما حقہ نہیں پہچانتا جیسے کہ آپ کی طرح کسی نے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا، جو شخص اسکی حقیقت کے دریافت کرنے کی بات کرتا ہے وہ متشابہات کے جاننے کا دعویدار ہے۔ حالانکہ متشابہات کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حال اور مقام کی حقیقت تک انسان کی رسائی نہیں ہے تو حقیقت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تہہ تک کون سکتا ہے۔

تمام صحابۂ کرام سے زیادہ مقرب، افضل البشر بعد الانبیاء، یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا جاتا ہے:۔

یَا اَبَا بَکْرٍ وَالَّذِیْ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ لَمْ یَعْلَمْنِیْ حَقِیْقَۃً غَیْرُ رَبِّیْ[7]

اے ابوبکر! اس ذات اقدس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا، مجھے میرے رب کے سوا حقیقۃً کسی نے بھی نہ جانا۔

انبیاء اور خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمسری کا دعویٰ کرنے والوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ کس منہ سے اس قسم کی نازیبا باتیں کہہ دیتے ہیں۔

لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ میں ایک لطیف نکتہ ہے۔ اور وہ یہ کہ علیٰ استعلاء کے لئے آتا ہے مثلاً کہا جائے کہ زَیْدٌ عَلَی السَّطْحِ (زید چھت پر ہے) یعنی چھت نیچے اور زید اوپر ہے۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ. کا مفاد یہ ہوا کہ اے حبیب! تمھیں اخلاقِ جمیلہ پر تسلط حاصل ہے اور تمھیں اخلاق کی طرف وہ نسبت ہے جو آقا کی غلام کی طرف اور بادشاہ کی رعایا کی طرف ہوتی ہے[8]

اس جگہ لفظ (خُلق) مفرد لایا گیا ہے اور اسے عظمت سے موصوف کیا گیا ہے۔ اس میں اشارہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خُلق انبیاء سابقین کے خصوصی خلق کاملہ کا جامع ہے۔ حضرت نوح کا شکر، حضرت ابراہیم کی خلت، حضرت موسیٰ کا اخلاص، حضرت اسماعیل کے وعدے کی سچائی، حضرت یعقوب اور حضرت ایوب کا صبر، حضرت داؤد کی بارگاہِ خداوندی میں معذرت خواہی، حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ کی تواضع غرض یہ کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے اخلاق و شمائل اپنے تمام تر کمال کے ساتھ جس ہستی میں مجتمع ہیں، وہ ہمارے اور تمام مخلوق کے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں[9]۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ ۔

یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی ہے انکی ہدایت کی پیروی کرو

اس ہدایت سے مراد اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں ہے کیونکہ معرفت باری تعالیٰ میں کسی کی تقلید کرنا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شایان شان نہیں ہے ۔ سابقہ شریعتیں بھی مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ آپ کی شریعت نے سابقہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے ۔ بلکہ زمانے میں مؤخر ہونے کے سبب انبیاء کرام کے ان اوصاف محامد میں پیروی کا حکم دیا گیا ہے جو ان کے دیگر اوصاف میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو ارفع واعلیٰ اوصاف دیگر انبیاء کرام میں فرداً فرداً پائے جاتے تھے، وہ سب کے سب مجموعی طور پر اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پائے گئے ۔ یوں یہ آیت مبارکہ بھی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افضل الانبیاء ہونے کے دلائل میں سے ایک روشن دلیل ہے ۔

بعض عارفین نے فرمایا۔

لِكُلِّ نَبِيٍّ فِي الْاَنَامِ فَضِيْلَةٌ ۔۔۔ وَجُمْلَتُهَا مَجْمُوْعَةٌ لِمُحَمَّدٍ

مخلوق میں ہر نبی کی ایک امتیازی فضیلت ہے ۔ اور وہ تمام فضیلتیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جمع کر دی گئی ہیں ۔

ع آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ؎

ہر رتبہ کہ بود در امکان بروست ختم

ہر نعمتے کہ داشت خدا شد بر او تمام

عالم امکان میں جو بھی مرتبہ تھا، وہ آپ پر ختم ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کے خزانۂ قدرت میں جو بھی نعمت تھی وہ آپ پر مکمل ہو گئی ۔

خُلقِ عظیم کی تفسیر مختلف حضرات نے اپنے انداز میں بیان کی ہے ۔ چند اقوال ملاحظہ ہوں ۔

(۱) خلق عظیم وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعلیم اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت میں فرمائی ہے ۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ط

درگذر کی عادت اپناؤ، نیکی کا حکم دو، اور جاہلوں کو منہ نہ لگاؤ ۔

حقیقت یہ ہے کہ حق کی حمایت اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کے دوران اِن امور پر عمل پیرا ہونا بہت ہی مشکل ہوتا ہے ۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبریل امین علیہ السلام سے اس کی وضاحت چاہی ۔ انھوں نے فرمایا ۔

اُوْتِيْتَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ اَنْ تَصِلَ مَنْ قَطَعَكَ وَتُعْطِيَ مَنْ حَرَمَكَ وَتَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَكَ ۔

آپ کو بہترین اخلاق عطا کئے گئے ہیں، جو آپ سے قطع تعلقی کرے اسے اپنے ساتھ ملائیں، جو آپ کو نہ دے اسے عطا کریں، اور جو آپ پر ظلم کرے اسے معاف کر دیں۔

سیرت طیبہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہو جائے گی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان مراتب کو آخری حد تک پہنچا دیا ۔ جس سے آگے بڑھنا انسانی طاقت سے باہر ہے ۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلق عظیم یہ ہے کہ بظاہر مخلوق کے ساتھ مشغول ہونے کے باوجود آپ کا باطن ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور اس کی یاد میں مشغول رہنا، یہ امر نہایت ہی

دشوار ہے۔ کیونکہ اگر ظاہر و باطن ایک طرف۔۔ متوجہ ہو تو معاملہ آسان ہو جاتا ہے۔ بیک وقت دونوں طرف ملتفت رہنا اور دو طرفہ حقوق کامل طور پر ادا کرنا حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کا کام ہے۔

(۳) حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ ط

مجھے بہترین اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے

چنانچہ وہ عظمتیں اور شرافتیں جو پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کو دی گئیں (جن کی چند مثالیں اس سے پہلے بیان ہو چکی ہیں) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سب کی تکمیل فرمائی۔ اسی لئے آپ کے خلق کو عظیم فرمایا گیا[12]

(۴) حضرت جنید بغدادی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ آپ کے خلق کو اس لئے عظیم قرار دیا گیا ہے کہ آپ کے فیض وجود سے دنیا و آخرت مستفیض ہے۔

علامہ شرف الدین بوصیری فرماتے ہیں۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا

وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

بیشک دنیا و آخرت آپ کے جود و کرم کا ایک حصہ ہے اور لوح و قلم آپ کے علم کا بعض ہے[13]

(۵) حضرت حسین نوری قدس سرہ فرماتے ہیں۔

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلق عظیم کیوں نہ ہوگا، جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دلِ اقدس پر اپنے اخلاق کریمہ کے انوار کی تجلی فرمائی ہے"[14]

(۶) علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

"آپ کا خلق عظیم ہے کیونکہ آپ عظیم ذات کے مظہر ہیں۔ اس لئے عظیم کا خلق بھی عظیم ہے"[15]

(۷) سب سے بہتر اور جامع تفسیر وہ ہے جو حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمائی۔ حضرت سعد بن ہشام فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا، اے ام المومنین! مجھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلق کے بارے میں بتائیے۔ انھوں نے فرمایا، تم قرآن پاک نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا پڑھتا ہوں۔ انھوں نے

الحمد لله رب العلمين. الرحمن الرحيم. ملك يوم الدين. اياك نعبد واياك نستعين. اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين

فرمایا۔

فَاِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْآنَ ط[16]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن پاک ہے۔

ایک روایت میں ہے۔ کیا تو قرآن نہیں پڑھتا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (المومنون پ۱۸)

یعنی سورہ مومنین کی ابتدائی دس آیتیں پڑھو۔ یہ آپ کا خلق ہے[17]

ان آیات میں اخلاق قلبیہ کی بنیاد ایمان، اخلاق بدنیہ کے ستون نماز، اور اخلاق مالیہ کے اہم جز زکوٰۃ اور ایسے دیگر اہم امور کا بیان کیا گیا ہے۔

ایک روایت میں حضرت ام المومنین کا جواب ان الفاظ میں وارد ہے۔

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلق قرآن ہے

حضرت ام المومنین کے اس بلیغ جواب کے اہل علم نے کئی مطلب بیان فرمائے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو قرآن پاک میں پسندیدہ قرار دیا ہے وہ آپ سے طبعی طور پر صادر ہوتی تھی اور جس چیز کو ناپسندیدہ قرار دیا اس سے آپ طبعی طور پر نفرت رکھتے تھے[18]

یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسین و جمیل اخلاق کا خاکہ

کتابی صورت میں دیکھنا ہو تو قرآن پاک کو دیکھ لو اور اگر قرآن پاک کی چلتی پھرتی تفسیر دیکھنا چاہتے ہو تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت اور اخلاق کو دیکھ لو۔

بعض اکابر نے فرمایا۔ جس نے آپ کا زمانہ نہیں پایا اور اسے زیارت کا شوق ہے تو وہ قرآن کریم کی زیارت کرلے۔ کیونکہ قرآن پاک کی زیارت اور آپ کے دیدار میں فرق نہیں ہے۔ گویا قرآن پاک اس ذات اقدس کا عکس ہے جس کا نام محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

تاویلات نجمیہ میں ہے۔

"آپ کا خلق قرآن ہے۔ بلکہ آپ ہی قرآن ہیں۔ جیسے کہ ایک عارف نے آپ کی زبان سے کہا۔

أَنَا الْقُرْآنُ وَالسَّبْعُ الْمَثَانِي
وَرُوحُ الرُّوحِ لَا رُوحُ الْأَوَانِي [19]

میں ہی قرآن سبع مثانی (سورہ فاتحہ کا نام) اور روح کی روح ہوں نہ کہ روح جسم۔

(۲) ام المومنین یہ کہنا چاہتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اخلاق الٰہیہ سے متصف ہیں۔ لیکن عظمت باری کے احترام کے پیش نظر یوں فرمایا۔

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ

یہ انداز گفتگو حضرت ام المومنین کی انتہائی زیرکی اور کمال ادب کی دلیل ہے۔ اور یہ معنی عظمت اخلاق کے زیادہ مناسب ہے[20]

بعض حضرات نے فرمایا جس طرح قرآن پاک کے معانی غیر متناہی ہیں، اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق جمیلہ اور اوصاف فاضلہ کے آثار و انوار غیر متناہی ہیں۔ ہر لحہ میں اللہ تعالیٰ آپ پر علوم و معارف القا فرماتا ہے۔ اور آپ کے اخلاق حسنہ سے حسین تر انداز میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ آپ کے اوصاف حمیدہ کی جزئیات کا احاطہ کرنا قدرت انسانی سے باہر اور عادۃً محال ہے[21]

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

(۳) یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ قرآن شریف آیات متشابہات پر مشتمل ہے۔ جن کی یقینی تاویل اس دنیا میں نہیں ہوسکتی، اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احوال شریفہ کی حقیقت ہمارے بس سے باہر ہے [22]

---

[1] فخر الدین رازی۔ امام۔ تفسیر کبیر (طبع جدید) ج ۳۰۔ ص ۷۹
[2] عبد العزیز محدث دہلوی، مولانا، شاہ۔ تفسیر عزیزی، مطبوعہ افغانی دار الکتب دہلی۔ پ ۲۹۔ ص ۴۲۳۔
[3] ابو داؤد۔ امام۔ سنن ابی داؤد (مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی) ج ۲، ص ۲۴۴۔ (باب ماجاء فی الصدقۃ عن المیت)
[4] عبد العزیز محدث دہلوی، مولانا، شاہ، تفسیر عزیزی پ ۲۹۔ ص ۴۷-۸۔
[5] عبد الحق محدث دہلوی، شیخ محقق:۔ مدارج النبوۃ فارسی۔ ج ۱۔ ص ۳۲
[6] ایضاً " ص ۳۰۔ ۳۲ "
[7] محمد المہدی ابن احمد الفاسی۔ الشیخ الامام۔ مطالع المسرات (مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد) ص ۱۲۹۔
[8] فخر الدین الرازی، امام۔ تفسیر کبیر ج ۳۰، ص ۸۱۔
[9] اسمٰعیل حقی، امام، علامہ۔ تفسیر روح البیان ج ۱۰۔ ص ۱۰۶
[10] فخر الدین رازی، امام۔ تفسیر کبیر ج ۳۰۔ ص ۸۰۔
[11] عبد الحق محدث دہلوی۔ شیخ محقق۔ مدارج النبوہ فارسی ج ۱ ص ۳۶
[12] عبد العزیز محدث دہلوی۔ مولانا شاہ، تفسیر عزیزی پ ۲۹، ص ۹-۴۸۔
[13] اسمٰعیل حقی۔ امام، علامہ۔ تفسیر روح البیان ج ۱۰ ص۔ ۱۰۷۔
[14] ایضاً " " "
[15] ایضاً " " "
[16] مسلم بن الحجاج قشیری۔ مسلم شریف (مطبوعہ نور محمد کراچی) ج ۱ ص ۲۵۶
[17] امام علامہ اسمٰعیل حقی۔ تفسیر روح البیان ج ۱۰ ص ۱۰۷۔
[18] عبد العزیز محدث دہلوی۔ مولانا، شاہ۔ تفسیر عزیزی فارسی پ ۲۹ ص ۴۸
[19] اسمٰعیل حقی، امام، علامہ۔ تفسیر روح البیان۔ ج ۱۰۔ ص ۱۰۷۔
[20] عبد الحق محدث دہلوی۔ شیخ محقق۔ مدارج النبوۃ فارسی ج ۱ ص ۳۳ (بحوالہ عوارف المعارف)
[21] ایضاً " " "
[22] عبد الحق محدث دہلوی۔ شیخ محقق۔ مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۳۶

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

بحیثیت مصلح معاشرت

حضرت مولانا شبنم کمالی

معاشرت (میم کے پیش کے ساتھ) عربی زبان کا ایک لفظ ہے جس کے معنی ہیں "باہم مل جل کر رہنا، ایک دوسرے کے ساتھ رہنا،" اسی سے عشیرہ ماخوذ ہے۔ جس کا معنی قبیلہ اور خاندان ہے اور معشر بھی جو جماعت کے معنی میں ہے اس کی جمع معاشر ہے۔ معاشرت کی ت وقف کی حالت میں ہ سے بدل کر معاشرہ بن جاتی ہے۔

ایک آدمی اپنی زندگی کے ایام جس جگہ اور جن لوگوں کے درمیان گذارتا ہے وہی اس کا ماحول یا معاشرہ کہلاتا ہے۔ معاشرہ کے درجہ وار چند مراتب ہیں:-

۱۔ گھر کی چہار دیواری اور اس میں رہنے والے لوگ اس کا دائرہ اپنے خاندان تک محدود رہتا ہے۔

۲۔ گھر کے قریب بسنے والے محلّے کے پڑوسی لوگ اس کا حلقہ ایک محلہ یا موضع تک پہنچتا ہے۔

۳۔ اس شہر کے تمام لوگ جس میں اس کا محلہ اور گھر واقع ہے اس کی وسعت شہر میں ہمیشہ آنے جانے والے اور تعلقاتِ باہمی رکھنے والے حلقوں تک پہنچتی ہے۔

۴۔ وہ ملک جس میں اس کا شہر واقع ہے اس دائرہ میں وہ ممالک بھی آجاتے ہیں جن کی سرحدیں اس سے ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ اگرچہ دوسرے ممالک ضمنی طور پر اس احاطہ میں آتے ہیں۔

اس امر میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ ایک مصلحِ معاشرت کا انفرادی یا ذاتی تعلق پہلے اس ماحول سے ہوتا ہے، جہاں اس کی آمد ورفت کا سلسلہ ہو۔ جہاں کے لوگوں سے اس کے ملنے جلنے کے مواقع بار بار حاصل ہوتے ہوں۔ اور جہاں کسی بھی واسطے کے بغیر اس کی صحبت کا اثر پہونچ سکتا ہو۔ اس کے بعد ہی اس کے فیضِ عام سے رفتہ رفتہ سارا عالم فیض یاب ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ایک مصلح کا کردار جاننے کی خاطر پہلے گھر پھر محلہ، پھر شہر اور اس کے بعد ملک کی معاشرت پر نگاہ ڈالنا، نہایت مناسب اور موزوں ہوگا۔

اس بات سے آپ یقیناً اچھی طرح واقف ہوں گے کہ جب کوئی مریض علاج کی خاطر طبیب حاذق کے سامنے آتا ہے تو ماہر فن معالج پہلے بیماری کے اسباب کو جانتا ہے۔ اس کے لئے خون، بول وبراز کی جانچ سے ایکسرے تک کی نوبت بھی پہونچتی ہے۔ ایک معالج اپنے طور پر مکمل اطمینان کے بعد اُن اسباب فاسدہ کا پہلے تدارک کرتا ہے جن کی وجہ سے طبیعت اور مزاج میں تباہی وبربادی یا خرابی واقع ہوتی ہے۔ علاج کے ذریعہ اس کے دفاع کے بعد وہ ایسی دوائیں اور پرہیز بتاتا ہے جن کے استعمال سے قوت وتوانائی، حسن وجمال اور مکمل صحت حاصل ہوجائے۔ پھر وہ بیماری اس کے قریب نہ آسکے۔ بس یہی مثال معاشرہ اور مصلح کی ہے۔ پورا معاشرہ ایک جسم ہے اور مصلح اس کا معالج ہے۔

آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کی حیثیت سے تمام انسان اجمالی طور پر ایک اصل کی مختلف شاخیں دکھائی دیتے ہیں جبھی

توحضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب گلستاں میں فرمایا ہے:۔ ؎ بنی آدم اعضائے یکدیگر اند
کہ در آفرینش زیک جوہر اند

آدم علیہ السلام کی اولاد ایک دوسرے کے اعضا رہیں۔
کیونکہ پیدائش میں سب ایک ہی جوہر (آدم) سے ہیں۔

چوں عضوے بہ درد آورد روزگار؛ دگر عضوہا را نماند قرار
جب زمانہ جسم کے کسی ایک عضو میں درد پیدا کرتا ہے تو دوسرے اعضا کو بھی قرار نہیں رہتا ہے۔

تو کز محنت دیگراں بے غمی ؛ نہ شاید کہ نامت نہند آدمی
توجب دوسروں کی تکلیف سے بے پروا ہے تو مناسب نہیں ہے کہ لوگ تیرا نام آدمی رکھیں۔

سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان مقدس سے تمام مومنوں کے مجموعی طور پر جسم واحد کی طرح ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ راوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"تمام مومن لوگ (اجتماعی حیثیت سے) ایک آدمی کی طرح ہیں اگر کسی آدمی کی ایک آنکھ میں شکایت ہوتی ہے تو تمام اعضاً کو ہوتی ہے۔ اور اگر اس کے سر کو تکلیف ہوتی ہے تو مکمل اعضاً کو تکلیف پہونچتی ہے" (مسلم)

اگرچہ اس حدیث میں عام انسانوں سے قطع نظر فرماتے ہوئے مومنوں کی تخصیص کی گئی ہے لیکن اس سے عمومیت کی نفی نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جن سے مخلوقِ خدا کے ساتھ شفقت، اخلاق اور ہمدردی کی تعلیم ملتی ہے۔ فرمان نبوی ہے الخلقُ عیالُ اللہ۔

اِصلاحِ معاشرہ کا ایک اہم پہلو:۔ جب بھی کوئی مصلح معاشرہ کی اصلاح کرنا چاہتا ہے تو پہلے اس کی خرابیوں اور برائیوں پر پوری توجہ کرتے ہوئے انھیں دور کرنے کی کوشش کرتا ہے اس کے بعد ہی تحسینِ ماحول اور تزئین معاشرہ کی تدبیریں اختیار کرتا ہے۔ یہی وہ ضابطۂ کلیہ ہے جو ایک گھر کی آرائش سے ملک کی آراستگی تک بروئے کار لایا جاتا ہے۔

ہمارے حضور آقائے کائنات صلے اللہ علیہ وسلم روحِ مسیحا اور جان طبیب ہیں۔ اس لئے آپ نے پہلے معاشرہ کی ان بیماریوں، گندگیوں اور خرابیوں کو دور کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ جو اس کی تباہی اور فساد کا باعث تھیں۔ اس کے بعد ہی معاشرہ کی زیب وزینت، آرائش وزیبائش اور حسن وجمال کا مکمل اہتمام کیا۔

جہالت وگمراہی، کفروشرک، ظلم وزیادتی، غارت گری ورہزنی، فخر وتعصب، تکبر وغرور، شراب خوری زناکاری، جوئے بازی، سودخواری، جادوگری، کذب وافترا، وغیرہ معاشرہ کو تباہ کرنے والی بیماریاں ہیں۔ اور یہ کل کی کل مجموعی طور پر اہل عرب خصوصًا اہل مکہ میں موجود تھیں۔ ہادی عالم، مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان وایقان کی روشنی اور جنت و دوزخ کا صحیح تصور بخش کر ان تمام برائیوں کی نشاندہی فرمائی۔ انجام کے طور پر یہ عاداتِ قدیمہ اہل ایمان کو گناہ عظیم نظر آنے لگیں۔ اور اہل اسلام ان سے دور ہوتے گئے۔ تزکیۂ نفوس اور اصلاحِ معاشرہ کے ان نسخہ ہائے عظیمہ پر آئیے۔ ہم ایک نگاہ ڈالتے چلیں۔ اس سے جان مسیحا اور طبیب کامل کے مدافعانہ اصلاحی پہلو سامنے آجائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔ لوگوں نے کہا یارسول اللہ وہ کیا ہیں حضور نے فرمایا "اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، کسی بھی جان کو جسے اللہ نے حرام کیا ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیموں کا مال (ظلم کے طور پر) کھانا، جہاد دن لڑائی سے پیٹھ پھیرنا اور ایک مومن غافل عورت پر زنا کی تہمت لگانا۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صلہ رحمی کو منقطع کرنے والا، جواری احسان جتانے والا اور شراب پینے والا جنت میں نہیں داخل ہوگا۔ (مشکوٰۃ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بے شک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شے کی زیادہ مقدار

نشہ پیدا کرے۔ اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے (ترمذی)

اس حدیث میں چار مفسدات کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔
جواری خود اپنی زندگی اور سرمایہ کی بربادی کا سبب ہے۔ صلۂ رحمی کو منقطع کرنے والا یعنی قریبی رشتہ داروں سے اخلاقی اور سماجی فرائض کو ختم کرنے والا اور کسی بھلائی پر بار بار احسان جتانے والا، لوگوں کے دلوں میں نفرت کے بیج بوتا ہے۔ اور دلوں کی نزدیکی کے بدلے جسمانی طور پر بھی دور ہوتا جاتا ہے — رہی بات شراب کی۔ تو وہ ام الخبائث (تمام برائیوں کی بنیاد) ہے۔ اس کا نشہ حلال وحرام کی تمیز سے محروم کر دیتا ہے۔ اور یہ حرام چیز دولت وصحت سے بھی دور کر دیتی ہے۔ پھر معاشرہ کو تباہی کی آخری منزل تک پہونچا دیتی ہے۔ اس لئے حضور نے ان چیزوں سے دور رہنے کی تاکید شدید فرمائی۔ اور ان کے مجرموں کو جنت سے محرومی کی خبر دی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں میں سب سے بہترین گھر وہ ہے جس میں اگر کوئی یتیم ہو تو اس سے اچھا سلوک کیا جائے اور مسلمانوں میں سب سے برا گھر وہ ہے جس میں اگر کوئی یتیم ہو تو اس سے برا سلوک کیا جائے (ابن ماجہ)

وہ نابالغ لڑکا یا لڑکی جس کا باپ مر چکا ہو، یتیم کہلاتا ہے۔ یتیموں کے ساتھ ظلم اور زیادتی کی داستانیں عرب کے معاشرہ میں عام تھیں۔ رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس ظلم کے خلاف زوردار تحریک چلائی۔ یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والوں کو بار بار جنت اور رحمت کا مژدہ دیا۔ اور ظلم کرنے والوں کو جہنم میں داخل ہونے کی نشان دہی کی اور عذاب جہنم کا مستحق قرار دیا۔ اس طرح تاکید شدید کے بعد معاشرہ میں انقلاب آگیا۔ پھر یتیموں پر شفقت ومحبت کی اس قدر بارش ہوئی کہ انھیں اپنی یتیمی کا احساس جاتا رہا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ راوی ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے والی اور جس کے لئے زندہ دفن کیا جائے وہ دوزخ میں جائے گی (ابوداؤد ترمذی)

عربوں کے جاہلانہ دستور کے مطابق بیٹیوں کو زندہ دفن کرنے کی ذمہ داری ان کی ماؤں پر ہوتی تھی۔ جو یا تو خود اپنے ہاتھوں سے یا کسی دوسری عورت (دائی) کے ذریعہ اسے انجام دیتی۔ ان دونوں کے متعلق سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دونوں ہی دوزخ میں جائیں گی۔

معاشرہ کی اس عظیم برائی کی اصلاح سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ اور واضح طور پر اس طرح ارشاد کیا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس شخص کے پاس (بیٹی یا بہن) مونث اولاد ہو اور وہ اس کو زندہ دفن نہ کرے اور نہ اس کو ذلیل سمجھے اور نہ اپنی مذکر اولاد (بیٹا یا بھائی) کو اس پر فوقیت دے۔ اللہ تعالےٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ (ابوداؤد)

غصہ، فخر، تعصب، جھوٹ، چغلخوری، گالی وغیرہ گھنونی چیزوں سے متعلق ارشادات نبوی ملاحظہ ہوں:۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ راوی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلوانی میں لوگوں کو زیر کر لینے والا پہلوان طاقت ور اور مضبوط نہیں ہے۔ بیشک پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے (بخاری ومسلم)

اس ضمن میں دوسری حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ غصہ کی آگ جہنم کی آگ کا ایک حصہ ہے جب غصہ آئے پانی پی لو، کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ۔ بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ۔ غرض ہر طرح غصہ کو دور کرو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ راوی ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میں وہ شخص داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو۔ اور جنت میں وہ داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہو۔ (مسلم)

حضرت واثلہ بن اسقع سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: میں نے کہا یا رسول اللہ، عصبیت کیا ہے۔ حضور نے فرمایا یہ ہے کہ تو اپنی قوم کی ظلم پر مدد کرے (ابوداؤد)

عیاض بن حمار المجاشعی سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ نے میری طرف

وحی فرمائی کہ تواضع اختیار کرو یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر ظلم کرے (مسلم)

اس ضمن میں ایک اور حدیث کا صمیم قلب سے مطالعہ کیجئے۔ میرے خیال میں یہ حدیث تمام تفصیلات کی جامع ہے حدیث کے مفہوم ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ "مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے تمام مسلمان محفوظ رہیں۔ مومن وہ ہے جس کو لوگ اپنے خون اور مالوں کا امین سمجھیں۔ مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔ اور مہاجر وہ ہے جو خطاؤں اور گناہوں کو چھوڑ دے۔ (ترمذی، نسائی، بیہقی)

معاشرتِ خانہ:- حضور کی خانگی زندگی کے متعلق محض دو روایتیں پیش کر رہا ہوں تاکہ گھر کی اصلاح کا ایک نقشہ سامنے آجائے۔

"حضرت اسود رضی اللہ عنہ (مشہور تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ حضور اپنے عیال کی مصلحتوں یعنی اپنے اہل کی خدمتوں میں مشغول رہتے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوتا تھا تو نماز کی طرف نکل جاتے تھے۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھوں سے نہیں مارا۔ نہ بیوی کو نہ خادم کو، ہاں اللہ کی راہ میں جہاد کرتے تھے۔ اگر حضور کو کسی شخص سے کوئی ایسی چیز پہونچتی تھی جو تکلیف کا باعث ہو تو حضور اس سے انتقام نہیں لیتے تھے۔ ہاں اگر کوئی اللہ کی حرام کی ہوئی باتوں کی خلاف ورزی کرتا تھا تو اللہ کے لئے اس سے انتقام لیتے تھے۔ (مسلم)

والدین کے ساتھ سلوک:- گھر میں اپنے عمل و کردار کا ایک اصلاحی نمونہ پیش کرنے کے بعد گھر میں رہنے والوں کی معاشرت کی بات آتی ہے جس میں سب سے مقدم اور معظم درجہ ماں باپ کا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن حکیم کی آیات مقدسہ اور سرکار دوعالم کی احادیث کریمہ کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ لیکن میرا مقصد محض اجمالی خاکہ پیش کرنا ہے اس لئے صرف تین حدیثوں کے ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یارسول اللہ، ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ ماں باپ ہی تمہاری جنت ہیں۔ اور ماں باپ ہی تمہارے لئے دوزخ ہیں (ابن ماجہ)

مطلب یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرکے تم جنت کے مستحق ہوگے۔ اور ان کے حقوق کو پامال کرکے تم دوزخ کے ایندھن ہوگے۔ اس لئے ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے غافل نہ رہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خدا کی خوشنودی والد کی خوشنودی میں ہے۔ اور خدا کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔ (ترمذی وغیرہ)

مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ عزوجل کو خوش رکھنا چاہتا ہے تو وہ اپنے والد کو خوش رکھے۔ والد کو ناراض کرکے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ہوگا۔

حضرت انس کہتے ہیں (رضی اللہ عنہ) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ اس کی عمر دراز کی جائے، اور اس کی روزی میں کشادگی ہو اس کو چاہیئے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی اور صلۂ رحمی کرے۔ (الترغیب والترہیب)

ماں باپ کو اپنے اچھے سلوک سے خوش رکھنے کے بعد ان کی دعاؤں کی برکتیں گھر کی خوش حالی اور تمام متعلقین کے اطمینان وسکون کا باعث بنتی ہیں۔ ہر آدمی اس اطمینان قلبی کی دولت کے بعد اپنے ماحول کی آرائش کی طرف زیادہ سے زیادہ متوجہ ہو سکتا ہے۔

بیوی کے ساتھ سلوک:- پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر کے لئے خاندانی نظام کا زیادہ سے زیادہ مضبوط اور کامیاب ہونا لازمی ہے۔ اس کی ابتدا شوہر اور بیوی کے بہترین ازدواجی تعلق سے ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

"دنیا کل کی کل ایک پونجی ہے۔ اور دنیا کی بہترین پونجی نیک

عورت ہے۔"

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:-

"کامل ایمان والے مومن وہ ہیں جو اپنے اخلاق میں اچھے ہوں۔ اور تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی کے حق میں سب سے اچھا ہو۔ (ترمذی)

حضور سرور کائنات نے ارشاد فرمایا ہے:-

"جس عورت نے اس حال میں انتقال کیا کہ اس کا شوہر اس سے راضی اور خوش تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔ (ترمذی)

اولاد کی تربیت:- اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولاد ایک بہترین عطیہ ہے۔ خواہ وہ بیٹا ہو یا بیٹی۔ اس کی تعلیم و تربیت پر حضور نے والدین کو توجہ دلائی اور اس انداز میں ہدایت فرمائی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"ایک باپ کا اپنی اولاد کے لئے بہترین ادب سے افضل، کوئی عطیہ نہیں۔" (ترمذی)

ایک مرتبہ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور اس وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پیار کر رہے تھے۔ اقرع نے اس پیار کے انداز کو دیکھ کر تعجب کے ساتھ کہا "یا رسول اللہ آپ بھی بچوں کو پیار کرتے ہیں۔ میرے تو دس بچے ہیں لیکن میں نے تو کبھی کسی ایک کو بھی پیار نہیں کیا" حضور نے اقرع کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا:-

"اگر خدا نے تمہارے دل سے رحمت و شفقت کو نکال دیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"

دوستوں کا انتخاب:- حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:-

"مومن سراپا الفت و محبت ہے۔ اس آدمی میں سرے سے کوئی بھلائی نہیں جو نہ دوسرے لوگوں سے محبت کا سلوک کرے اور نہ دوسرے لوگ ہی اس سے محبت کریں۔" (مشکوٰۃ)

بخاری اور مسلم کی حدیث میں سرکار دو عالم، رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے:-

"اچھے دوست کی مثال مشک بیچنے والے عطر فروش کی ہے اس کی صحبت سے تم کو کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور پہونچے گا۔ یا تو تم مشک خریدو گے جو اچھی چیز ہے یا مشک کی خوشبو عطیہ کے طور پر یا صحبت میں بیٹھ کر پاؤ گے جو فائدہ سے خالی نہیں — اور برے دوست کی مثال بھٹی دھونکنے والے لوہار کی ہے اس کی بھٹی تمہارا گھر یا کپڑے جلائے گی یا تمہارے دماغ میں اس کی بدبو پہونچے گی۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خدا کی نظر میں بدترین آدمی قیامت کے دن وہ ہوگا جس کی بدزبانی اور فحش کلامی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں۔ (بخاری و مسلم)

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دوستوں کے ساتھ بلکہ عام مسلمانوں کے ساتھ خندہ پیشانی، حسن اخلاق، تبسم ریزی کی تعلیم دی۔ اور سخت کلامی و بدزبانی سے روکا۔ اور ہمیشہ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لئے نصیحت فرمائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کسی مسلمان کی حاجت پوری کرنے کا اجر و ثواب دس سال کے اعتکاف سے بھی زیادہ ہے۔ (طبرانی)

پڑوسیوں کے ساتھ معاملات:- اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ اور دوستانہ مخلصانہ سلوک معاشرہ کی اصلاح کا ایک اہم جز ہے اس سے ماحول خوشگوار اور پاکیزہ رہتا ہے۔ اور ہر شخص ایک دوسرے کا ہمدرد ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حضور نے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی بارہا تعلیم دے کر انھیں آپس میں شیر و شکر بنا دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے ہوئے سنا وہ مومن نہیں جو خود آسودہ ہو۔ اور اس کا پڑوسی اس کے بغل میں بھوکا ہو۔ (بیہقی)

اپنے پڑوسیوں کو اپنے فتنہ و شر سے محفوظ رکھنا، ان کی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا، تکلیف و مصیبت میں ایک دوسرے کے کام آنا ہر پڑوسی کا اخلاقی فریضہ ہے۔ بلکہ کسی محتم ذریعہ سے ان کی معاشی حالتوں سے آگاہی حاصل کر کے حسب
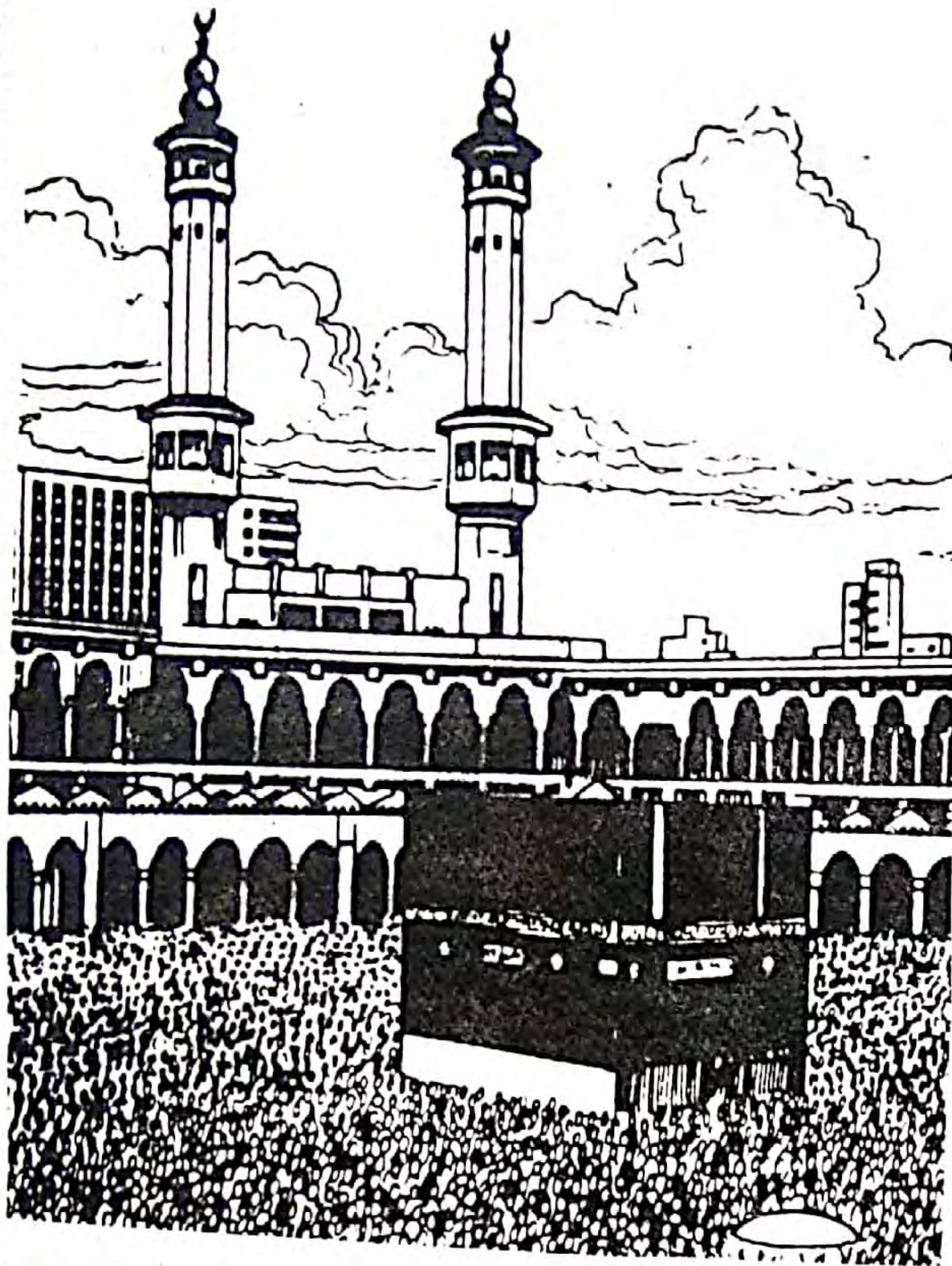
توفیق ان کی مدد کرنا، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے حصول کا سبب ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تو کسی چیز کا شوربا پکائے تو اس کے پانی کی مقدار زیادہ کر دو۔ اور اپنے پڑوسیوں کو تلاش کرو۔ (مسلم) — ہو سکتا ہے کسی کے گھر میں سالن نہ ہو تو اس طرح اس کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ اور تمہارا کچھ نقصان بھی نہیں ہوگا۔

خادموں کے ساتھ حسن سلوک :-

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہو چکا کہ حضور نے کبھی کسی خادم کو اپنے ہاتھوں سے نہیں مارا۔ بلکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آٹھ سال کی عمر سے اٹھارہ برس کی عمر تک دس سال مسلسل حضور کی خدمت کی۔ اس درمیان حضور نے کبھی اُف یا ہوں بھی نہیں کہا۔ اگر کوئی چیز ٹوٹ جاتی یا ضائع ہو جاتی تو سرکار فرماتے تھے جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اس کے لئے اب کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔

ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حضور نے کسی کام کے لئے باہر بھیجا وہ گھر سے نکلے مگر راستہ میں کچھ بچے کھیل رہے تھے وہ بھی ان کے ساتھ کھیل میں مشغول ہو گئے۔ جب کافی تاخیر ہو گئی تو حضور خود حضرت انس کی تلاش میں نکلے۔ کھیلتا ہوا پایا۔ شفقت کے ساتھ پیچھے سے ان کی آنکھوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ حضرت انس نے جب حضور کی طرف دیکھا تو غصہ کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ بلکہ مسکرا کر فرمایا: اے اُنیس جس کام کے لئے میں نے تجھے بھیجا تھا۔ وہاں گیا ؟ حضرت انس نے عرض کیا جی حضور ابھی جاتا ہوں۔ (مشکوٰۃ)

حضرت انس کو نہ حضور نے ڈانٹ پلائی، نہ سزا دی بلکہ مسکرا کر شفقت و محبت کے موتی لٹا دیئے۔ خادموں کے ساتھ یہ انداز اور یہ سلوک معاشرہ کو بہتر اور جنت نظیر بنانے میں مددگار رہے۔

مہمانی اور میزبانی کے آداب :-

انسان کی زندگی میں ایسے مواقع آتے رہتے ہیں کہ کبھی وہ مہمان بنتا ہے اور کبھی میزبان۔ ان دونوں حالتوں میں اخلاق و محبت اور ظرف کی وسعت بہ قدر حیثیت لازمی ہے۔ مہمان کے آنے پر خوشی اور محبت کا اظہار عزت و احترام کے ساتھ اس کا استقبال پہلی چیز ہے۔ پھر اس کے بعد حسب حیثیت نظم و نسق اور اس کی ضروریات کی تکمیل انشراح صدر کے ساتھ زیادتی محبت کا سبب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس پر عمل کیا۔ اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دی۔

حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

میری ان دو آنکھوں نے دیکھا اور ان دو کانوں نے سنا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہدایت دے رہے تھے جو لوگ خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ انھیں اپنے مہمانوں کی خاطر تواضع کرنی چاہئے۔ مہمان کے انعام کا موقع پہلا شب و روز ہے۔ (بخاری و مسلم)

یعنی پہلے دن اور رات میں میزبانی اور مہمانی میں انعام لینے والے اور انعام دینے والے جیسی مسرت و شادمانی اور جذباتِ محبت کا بھرپور اظہار ہونا چاہئے اور اس کی ضروریات کی انجام دہی

اور واقفیت وضاحت کے ساتھ کر دینی چاہیئے ۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے :۔

" اور مہمان نوازی تین دن تک ہے اس کے بعد میزبان جو کچھ کرے گا وہ اس کے لئے صدقہ ہوگا۔" (بخاری و مسلم)

اس لئے کسی عذر شرعی یا میزبان کے شدید اصرار کے بغیر اس سے زیادہ رکنا قطعی مناسب نہیں ہے ۔ بلکہ یہ میزبان پر بے جا دباؤ ہے ۔ اب میزبان اس کے بعد اپنے معمولی سلوک کا اظہار کرے تو اس پر کوئی اخلاقی جرم عائد نہیں کیا جا سکتا ۔

مہمان کے لئے یہ بھی مناسب ہے کہ اپنے میزبان اور اپنی حیثیت کے مطابق کوئی تحفہ بھی لے جائے اور اپنے اعمال و کردار سے میزبان کو تکلیف کا کوئی احساس بھی نہ ہونے دے ۔ کیونکہ جب حرکات ناشائستہ باعثِ زحمت بنتی ہیں تو باہمی محبت کا جذبہ کم ہوتے ہوئے مہمانی ایک رسم بن کر رہ جاتی ہے جو معاشرہ کے لئے تباہ کن ہو سکتی ہے ۔

سلام و کلام :۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ راوی ہیں :۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تم لوگ جنت میں داخل نہیں ہو گے جب تک تم ایمان نہ لاؤ ۔ اور تم لوگ اس وقت تک مومن نہ ہو گے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو اور کیا میں ایسی چیز کیطرف تمہاری رہنمائی نہ کروں کہ جب تم لوگ اس کو کرو گے تو آپس میں محبت پیدا ہوگی تم لوگ آپس میں محبت سلام کو زیادہ کرو ۔ (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہٗ کی روایت ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " سلام کلام سے پہلے ہے " (ترمذی)

اس سلسلہ میں سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیماتِ مقدسہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ سلام میں سبقت کرنے والا تکبر سے دور ہے ۔ جب کسی بھی گھر میں داخل ہو تو اس کے رہنے والوں کو سلام کرو ۔ اور واپسی میں بھی سب کو سلام کہو ۔ اس شخص کو گھر میں یا مجلس میں آنے کی اجازت نہ دو جو سلام کے ساتھ اجازت کی ابتدا نہ کرے ۔

اصلاحِ معاشرہ کے لئے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم دی ہے اور خود عملی طور پر اس کا مظاہرہ فرمایا ہے ۔ اس کی تفصیل کے لئے ایک مستقل کتاب کی حاجت ہے ۔ میں نے محض چند مثالیں پیش کی ہیں ۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام حکومت

مولانا محمد شفیع اکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

محسنِ انسانیت رحمت عالم حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کا ہر دور ابتداء سے انتہا تک نہایت تابناک اور فیصلہ کن واقعات سے بھرپور ہے۔ آپ کی تشریف آوری سے پہلے دنیا برائی و بدکاری کی تاریکی میں مبتلا تھی انسانی سوسائٹی جابر و قاہر شخصی حکومتوں کے جبر و قہر کے شکنجہ میں قریب بہ مرگ تھی۔ ایسے میں آفتاب نبوت کا طلوع ہوا اس کی ضیا پاشیوں سے تاریکیاں دور ہوئیں اور کائنات روشن و منور ہو گئی۔

آفتاب نبوت خدائے تعالیٰ کے محکم قوانین کا مجموعہ حکمت و ہدایت اور حکومت و سیاست کا بے نظیر دستور قرآن اپنے ساتھ لائے۔ انسانیت کی رہنمائی کا سلسلہ شروع ہوا۔ لوگ اپنی حقیقت اور اپنی تخلیق کے مقاصد سے آشنا ہونے لگے اسلام کا دور شروع ہوا۔ ایک امت کی تشکیل عمل میں آئی اور فطری احکام و قوانین ایک ایک کر کے بروئے کار آنے لگے۔ مختصر سی مدت میں دنیا بدل گئی ایک بڑی اور بے مثال تبدیلی رونما ہوئی۔ جس نے مدتوں کے تصورات، زمانۂ دراز کے خیالات، عرصہ کی تنظیمات اور سالہا سال کی قوموں اور حکومتوں کو ختم کر دیا۔ تمام پرانے نظام ٹوٹ پھوٹ گئے اور نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم قائم ہوا۔ اس کی برکت سے ساری عمر کے دشمن دوست بن گئے، صدیوں کے جنگجو قبائل ایک امت بن گئے۔ آپس میں قتال و جدال کرنے والے ایک دوسرے کی جان اور عزت کے محافظ بن گئے جو دنیا میں سب سے برے تھے سب سے اچھے ہو گئے۔ جو لوگ برے کاموں کے لئے مشہور تھے ان کے سارے کام اچھے ہونے لگے۔ تمام بھلائیاں وجود میں آگئیں اور ہر برائی کا خاتمہ ہو گیا۔ ایسا پاکیزہ اور بے مثال انقلاب نہ تاریخ نے دیکھا اور نہ اسلام سے علیحدہ ہو کر آئندہ تاریخ دیکھے گی۔ اس لئے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ اسلام اور ہادی اسلام دنیا کی سب سے بڑی اور فاتح قوت و طاقت ہے اور انسانیت کا مفاد عامہ صرف اور صرف نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے وابستہ ہے۔ دنیا کی وہ قوتیں جو اسلامی اقتدار کے خلاف زمانۂ جاہلیت کی نمائندگی کرتی ہیں اور برائیوں کی بقاء کے لئے بھلائیوں کو مٹانا چاہتی ہیں برسوں سے مسلمانوں کے شیریں چشموں میں زہر گھول رہی ہیں۔ وہ مسلمانوں کے دماغوں میں دین دنیا اور مذہب و سیاست کی علیحدگی کا خیال ٹھونسنے پر مُصر ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کو صدیوں سے یہ چیلنج دیا جا رہا ہے کہ دین و مذہب الگ الگ چیزیں ہیں، اور حکومت و سیاست الگ الگ، اس چیلنج کو پکے عزم کے ساتھ قبول کرنا چاہئے اور بحث و مباحثہ کی تمام الجھنوں کو چھوڑ کر ایک ہی سلجھا ہوا یہ جواب دینا چاہئے کہ ہم مسلمان پیغمبر اعظم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری دنیا کا سردار، دین و دنیا کا رہبر، اور

حکومت و سیاست میں اول درجہ کا قائد مانتے ہیں۔ ہم نے آپکی مقدس زندگی سے دین و دنیا، حکومت و سیاست کے متعلق جو تعلیم حاصل کی ہے وہ ہر لحاظ سے بے نظیر و بے مثال ہے، ہم کسی طرح بھی اس سے دست بردار اور منحرف نہیں ہو سکتے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کے کلام، پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین، ائمہ اور علماء اجتماعیات کی ہدایات و تعلیمات سے یہ یقین حاصل ہے کہ اسلام اور حکومت کا تعلق کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔

اسلام کے نظام حکمرانی کی عام حقیقت کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے لفظ "اسلام" کے معنی و مفہوم میں غور کرنا چاہئے اسلام کا مفہوم کیا ہے؟ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

الاسلام هو التسليم والانقياد لاوامر الله

ترجمہ:۔ اسلام حکومتِ الٰہی کے احکام کی مکمل اطاعت اور امن و سلامتی کے قیام کا نام ہے۔ (شرح فقہ اکبر)

اس مفہوم ہی سے یہ ظاہر ہے کہ اسلامی حکومت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار اور صالح بندے مل کر دنیا کی شیرازہ بندی کے لئے متوجہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کی حکم برداری کے قانون (اطیعوا اللہ) کے پابند بن کر اپنے اجتماعی واجبات پورا کریں۔

اسلامی حکومت کی حقیقت کا پہلا درجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بالادست حکومت ہے اس کا سرچشمہ اللہ کا پیغام ہے اور اس کی حقیقت اللہ کے حکم میں مرکوز ہے۔

ملاحظہ ہو ارشاد احکم الحاکمین ہے

ان الحكم الا لله۔ حکومت نہیں مگر خاص اللہ تعالیٰ کی۔

دوسری جگہ فرمایا۔

فالحكم لله العلى الكبير۔

ترجمہ:۔ پس حکومت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے جو بالادست اور بہت بڑا ہے۔

تیسری جگہ فرمایا۔

الا له الحكم۔

ترجمہ:۔ آگاہ ہو جاؤ حکومت اسی کی ہے۔

چوتھی جگہ فرمایا۔

كلٌّ له قانتون

ترجمہ:۔ سب اس کی رعایا اور حکم کے بندے ہیں۔

ونحن له مسلمون۔

ترجمہ:۔ اور ہم سب اسی کے حکم بردار ہیں۔

اسلام کی حکومت اپنے اختیار و اقتدار اور اپنی زندہ اور کارفرما طاقت کے لحاظ سے عرش عظیم کے فرماں روا کی حکومت ہے فتعالى الله الملك الحق۔ اللہ تعالیٰ فرماں روائے اعلیٰ اور شہنشاہ برحق ہے اسی فرماں روائے اعلیٰ کی ہستی ہی اعتقاد کا مرکز، اعمال کا محور، ضابطہ و دستور کا سرچشمہ، سیاست و سلطنت کا مبدا عالمانہ تدبر، حکیمانہ انصاف اور حاکمانہ تشکیلات کا مرجع اول ہے۔ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوس۔ وہ مقدس بادشاہ ہے۔ اَلْمَلِكُ الْحَق۔ وہ برحق بادشاہ ہے۔ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِيْن۔ وہی سب حاکموں سے بہتر حاکم ہے۔ اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْن۔ وہ سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے۔ مَلِكُ النَّاس۔ وہ انسانیت عامہ کا بادشاہ ہے۔ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْم۔ وہ عرش عظیم کا فرماں روا ہے۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ۔ وہ اپنی حکومت کے کاموں میں غالب ہے۔ واللّٰہ یحکم لا معقب لحکمہ اللہ حکمرانی کرتا ہے۔ کوئی اس کے حکم کو ہٹانے والا نہیں۔ ان آیات سے واضح طور پر یہ ثابت ہے کہ حکومت اعلیٰ کا اختیار اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اس اختیار و اقتدار میں شرکت کا دعویٰ سرکشی اور طغیان ہے سلطنت میں اقتدار اعلیٰ سب سے بلند شے ہے اور مقتدر اعلیٰ سب سے برتر ہستی۔ اسلام کے قانون حکومت میں اللہ تعالیٰ کی مطلق حاکمیت، قدرت، اور ہمہ گیر غلبہ اقتدار اعلیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ بلند و برتر کی ہستی صاحب اقتدار اعلیٰ، یہی عقیدۂ توحید ہے

خلافت نمائندہ اور نیابتی حکومت جو دین و دنیا کے دائرہ میں ذمہ داریوں کے بارگراں کو مقتدر اعلیٰ (اللہ تعالیٰ) کے ماتحت امانت کے طور پر قبول کرتی ہے "خلافت" ہے یہ حکومت انسانی زندگی کی تنظیم کے دائرہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے قانونی نمائندوں کو سونپے ہوئے حاکمانہ واجبات پورا کرتی ہے۔ اور منجانب اللہ ان تمام اختیارات کی مالک ہوتی ہے۔ جو

نیابت کے طور پر اسکو حاصل ہوتے ہیں۔

ایک نبی کو خلیفۃ اللہ (اللہ کے آئینی نائب) کی حیثیت سے جو کام کرنا پڑتا ہے اس کے لئے قوت وطاقت، علم وحکمت، استعداد وصلاحیت، صداقت وامانت وغیرہ کمالات کا ہونا ضروری ہے، ورنہ وہ نیابت کی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کر سکتا۔ لہذا نائب ہونے کی حیثیت سے اسکی اطاعت اللہ کی اطاعت ہوتی ہے فرمایا،

اطیعوا الرسول

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔

ترجمہ:۔ رسول کا حکم مانو جس نے رسول کا حکم مانا اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کا حکم مانا۔

پس اسلامی حکومت کی عام حقیقت کو دو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

حکومت الٰہی (اللہ تعالیٰ کی بالادست حکومت) خلافت الٰہی (وہ حکومت جو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور ان کے جانشینوں کو نیابت کے طور پر حاصل ہوتی ہے۔ قرآن میں حکومت کی اس حقیقت کو خلافت اور امامت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے

خلافت الٰہی کا یہ دور حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر سرور دین ودنیا اور آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو جاتا ہے۔ یہ دور خلافت الٰہی کا دور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت راشدہ کے چار دور ہیں (جن میں دو دور زیادہ ممتاز اور مکمل ہیں) یہ دور خلافت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دور ہیں۔ بعد کے دور خلافت کے نام پر دنیاوی حکومت کا نمونہ تھے

اولی الامر کی اطاعت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں سے اولی الامر ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کے ساتھ مسلمان امراء وحکام کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے اسکی وجہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دار فانی سے تشریف لے جانے کے بعد امور مملکت کی ذمہ داری خلفاء وامراء کو سنبھالنی تھی۔ اس لئے ان کی اطاعت کا بھی حکم دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفہ امیر کی اطاعت میں ایک بین فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور رسول کے ساتھ اَطِیْعُوْا کا لفظ فرمایا اور اُولِی الْاَمْر کے ساتھ اَطِیْعُوْا کا لفظ نہیں فرمایا جس سے ثابت ہوا کہ اصل اطاعت تو اللہ اور رسول کی ہے اور ان کا ہر حکم واجب التسلیم اور اٹل ہے اور اس میں کسی کو مجال قیل وقال نہیں۔ لیکن خلیفہ وامیر کا معصوم ہونا ضروری نہیں اس سے غلطی بھی ہو سکتی ہے اس لئے اس کی اطاعت اس وقت لازم ہوگی جب کہ اس کا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف نہ ہو اور اگر اس کا حکم اللہ ورسول کے حکم کے صریح خلاف ہو تو اس کی اطاعت نہ ہوگی۔

لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔

ترجمہ:۔ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔

استنباط واجتہاد

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم۔

ترجمہ:۔ اور اگر یہ لوگ (کسی خبر کو سنکر اس کا چرچا کرنے کے بجائے) اس کو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان لوگوں تک پہونچا دیتے جو ان میں سے اولی الامر ہیں تو وہ ضرور اس خبر کی حقیقت جان لیتے جو ان میں استنباط کر سکتے ہیں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ ایک علم تو وہ ہے جو قرآن وحدیث کی نص سے حاصل ہوتا ہے اور ایک علم وہ بھی ہے جو اصحاب علم وفضل اور عقل ودانش اپنی دینی بصیرت سے قرآن وحدیث سے استنباط وقیاس سے اخذ کرتے ہیں جسکو فقہ کہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو فرمایا فیصلے کس چیز سے کروگے انہوں نے
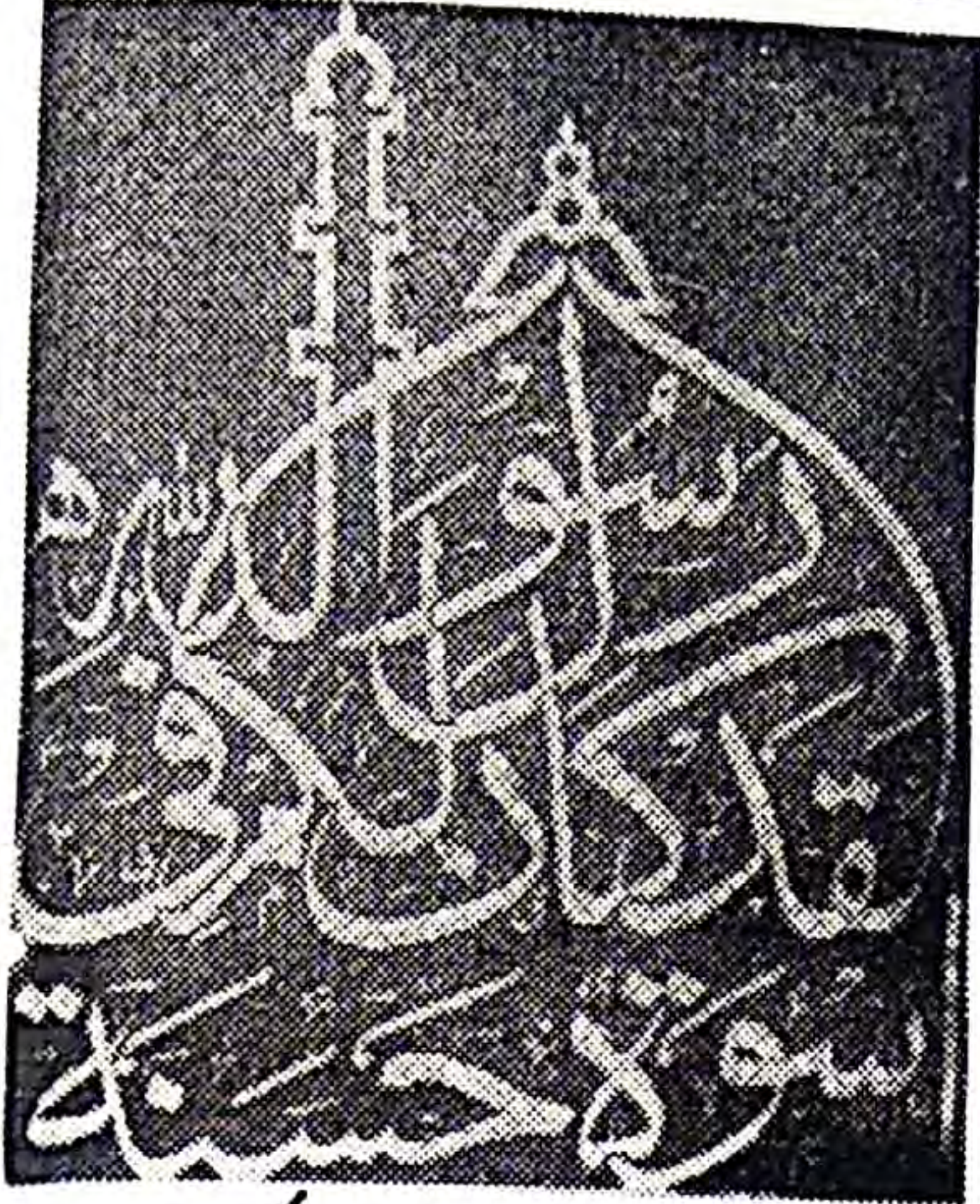
عرض کیا۔ کتاب اللہ سے! فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ تو؟ عرض کیا اللہ کے رسول کی سنت سے! فرمایا اگر اس میں بھی نہ پاؤ تو؟ عرض کیا اَجتہِدُ برای ولاآلو۔ پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوتاہی نہ کروں گا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا۔ الحمد للہ الذی وفق رسولَ رسول اللہ لمَا یرضیٰ بہ رسول اللہ۔ (ترجمہ) اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اس کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔ (ترمذی ومشکوٰۃ) اس سے معلوم ہوا کہ اکابر علماء وفقہا کے اجتہادات وقیاسات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق ہیں اور مجتہد کا اجتہاد وقیاس بھی اُصولِ اسلام ہے۔

نسائی شریف باب الحکم باتفاق اہل العلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

فمن عرض لہ منکم قضاء لبعد الیوم فلیقض بما فی کتاب اللہ فان جاءہٗ امر لیس فی کتاب اللہ فلیقض بما قضیٰ بہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فان جاءہٗ امر لیس فی کتاب اللہ ولا قضیٰ بہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فلیقض بما قضیٰ بہ الصالحون فان جاءہٗ امر لیس فی کتاب اللہ وَلا قضیٰ بہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا قضیٰ بہ الصالحون فلیجتہد رایہ۔

ترجمہ:۔ آج کے بعد جس کے پاس کوئی فیصلہ آجائے تو چاہئے کہ وہ قرآن شریف سے فیصلہ کرے اگر کوئی ایسا امر پیش آجائے جو قرآن میں نہیں ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آجائے جو نہ تو قرآن میں ہو اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ اس کے متعلق ملے تو اس کا فیصلہ سلف صالحین کے فیصلے کے مطابق کرے لیکن اگر کوئی ایسا امر پیش آجائے جو نہ قرآن میں ہو نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ کیا ہو اور نہ سلف صالحین نے تو پھر اپنی رائے اور قیاس سے اجتہاد کرے۔

ان دونوں روایتوں سے اجتہاد وقیاس اور اجماع امت کا روشن ثبوت ملتا ہے۔

اس مختصر سی بحث سے ثابت ہوا کہ اسلامی حکومت کا سر چشمہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واجماع امت اور علماء وصلحاء امت کا وہ اجتہاد وقیاس ہے جو کتاب وسنت کے اصولوں سے ماخوذ ومستنبط ہو اور اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ غلط اور ناقابل عمل ہے۔ لہٰذا اسلامی حکومت کا قانون یہ ہے کہ حکومت اور حکام کا وہی حکم رعایا کے لئے واجبُ الاطاعت ہے جو ان مذکورہ اصولوں کے مطابق ہو اور جو ان اصولوں کے خلاف ہو وہ واجب الاطاعت نہیں نیز حکومت اور حکام کو بھی ان مذکورہ اصولوں کے خلاف حکم دینے کا حق حاصل نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ما من وال یلی رعیۃ من المسلمین فیموت وھو غاش لھم الاحرم اللہ علیہ الجنۃ۔

ترجمہ:۔ کوئی حکمران جو مسلمانوں میں سے کسی رعیت کے معاملات کا ذمہ دار اور سربراہ ہو تو اگر وہ اس حالت میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دھوکہ اور خیانت کرنے والا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیگا۔

(بخاری ومسلم)

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہٖ بارک وسلم۔

ہادیٔ اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد آپ کے جدِ امجد عبد المطلب نے آپ کو اپنے دامنِ تربیت میں لیا۔ وفات سے قبل انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اپنے بیٹے ابوطالب کے سپرد کی۔ وہ آپ کو اپنے بچوں سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اور ایک لمحے کے لئے بھی آپ کی

سیدنا
محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم
اور
کاروبارِ تجارت

ڈاکٹر انعام الحق کوثر

جدائی گوارا نہ کرتے تھے۔

عرب میں عام طور پر اور قریش یعنی بنی اسمٰعیل خاص طور پر بعثت نبوی سے ہزاروں سال بیشتر تجارت کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے تھے۔ حضور پاک سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدّ امجد ہاشم نے عرب کے قبیلوں سے تجارتی معاہدے کر کے اس سلسلے کو زیادہ باقاعدہ اور پائیدار بنا دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب بھی تجارت پیشہ تھے۔ قریش اپنے دستور کے مطابق سال میں ایک مرتبہ تجارت کی خاطر شام جاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بارہ سال کے لگ بھگ ہوگی کہ ابوطالب نے شام کی طرف جانے کا ارادہ، کیا۔ سفر کی سختی کی وجہ سے وہ آپ کو اپنے ہمراہ لے جانا مناسب نہ سمجھتے تھے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے چچا ابوطالب سے اتنی انسیت تھی کہ جس وقت وہ سفر پر روانہ ہونے لگے تو آپ فرطِ محبت سے ان سے لپٹ گئے۔ ابوطالب نے آپ کے دل کو دکھانا پسند نہ کیا۔ اور ہمراہ لے جانے پر رضامند ہو گئے۔ یہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی دوسرے ملک کی طرف پہلا سفر..... شام کے اس سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نئے علاقے اور نئی فضائیں وقت گزارنے کا موقع ملا۔ اب تک آپ نے بے برگ و گیاہ صحرا میں وقت گزارا تھا۔ لیکن ملک شام میں حضور کو سرسبز باغات دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اثنائے سفر میں آپ کو مدائن، وادیٔ القرا، اور ثمود کے ویرانوں سے گزرنے کا بھی اتفاق ہوا۔ اس سفر میں ابوطالب کو تجارت کے مال میں بے پناہ منافع ہوا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سن رشد کو پہنچے اور معاش کی فکر ہوئی۔ تو تجارت سے بڑھ کر اور کوئی پیشہ مناسب نظر نہ آیا۔ خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ ابوطالب کے ہمراہ آپ بچپن ہی میں، بعض تجارتی سفر کر چکے تھے۔ جس سے آپ کو تجربہ بھی ہو گیا تھا۔ اور آپ تجارت کی اونچ نیچ سے واقف ہو گئے تھے۔ اس کے ہر جانب چرچے تھے۔ لوگ عام طور پر اپنا سرمایہ کسی تجربہ کار اور امین شخص کے ہاتھ میں دے دیتے تھے۔ اور اسے منافع میں شامل کر لیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسرت اور طمانیت کے ساتھ اس شرکت کو پسند فرماتے تھے۔ جو صاحبان حضور پاک سرورِ کائنات کے ساتھ تجارت میں شامل ہوتے تھے۔ ان کی شہادتوں سے جو حدیثوں اور تاریخ کی کتابوں میں مندرج ہیں پتہ چلتا ہے۔ کہ آپ انتہائی امانت داری اور راست گوئی سے تجارتی کاروبار کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے تھے۔ نوجوان اور بوڑھے سب آپ پر پورا پورا اعتماد رکھتے تھے اور یقین رکھتے تھے۔ کہ آپ کے ہاتھ میں ہمارا سرمایہ ہر طرح محفوظ ہے۔

ایک تاجر کی اخلاقی خوبیوں میں سب سے اہم اس کا وعدے پر قائم رہنا اور کئے ہوئے وعدوں کو نبھانا ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر اور رسول مبعوث ہونے سے پہلے بھی اس اعلیٰ معیار پر پورے اترتے تھے۔ ایک صحابی حضرت عبداللہ بن ابی الحمار کا کہنا ہے کہ پیغمبری کے منصب پر فائز ہونے سے پہلے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خرید و فروخت کا ایک سودا کیا۔ اسی سلسلے میں بات چیت کا ایک حصہ طے ہو گیا۔ دوسرا باقی تھا۔ حضرت عبداللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا کہ وہ تھوڑی دیر میں حاضر ہوں گے۔ اتفاق سے ان کو اپنا وعدہ یاد نہ رہا۔ تیسرے دن جب وہ اس مقام پر پہنچے جہاں وعدہ ہوا تھا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ منتظر پایا۔ لیکن آپ اس وعدہ خلافی پر ناراض نہ ہوئے۔ صرف اتنا فرمایا کہ "تم نے مجھے زحمت دی میں اسی مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔"

تجارتی کاموں میں آپ ہمیشہ اپنے معاملات کو صاف رکھتے تھے۔ پیغمبری کے اظہار سے بیشتر بھی جن لوگوں کو تجارت کے سلسلے میں آپ سے واسطہ پڑا وہ اس کی گواہی دیتے ہیں۔ ایک صحابی سائب نامی جب اسلام لائے تو حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو لوگوں نے ان کی بہت تعریف کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔" سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی میرے ماں باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں آپ میرے ہمراہ تجارت میں شریک تھے۔ آپ ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔ ایک اور صحابی قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نامی بھی، آپ کے حسن معاملہ کی شہادت دیتے ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک باعزت خاتون تھیں۔ ان کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خانوادے سے ملتا ہے۔ اور اس اعتبار سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چچیری بہن تھیں۔ ان کی دو شادیاں پہلے ہو چکی تھیں۔ اب وہ بیوہ تھیں۔ شریف اور پاکیزہ اخلاق کی مالک ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت دولت مند تھیں۔ "طبقات ابن سعد" میں درج ہے کہ "جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا۔ تو اکیلا ان کا سامان تمام قریش کے اسباب تجارت کے برابر ہوتا تھا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب زندگی کی پچیس بہاریں گزار چکے اور کئی قومی کاموں اور تجارت کے کاروبار میں شرکت فرما چکے تو ان کی سچائی، دیانت، اعلیٰ اخلاق اور ہر معاملے کو بہتر انداز میں نبھانے کی دھاک ہر کس و ناکس کے دل پر بیٹھ گئی۔ اور

نصر من اللہ وفتح قریب

لوگ آپ کو "امین" اور "صادق" پکارنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وہ عظیم الشان صفتیں ہیں جن کو دوست اور دشمن تسلیم کرتے ہیں۔ ایک مستشرق نے کہا ہے۔ "ایک چیز جس کے متعلق کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کیا جاسکتا یہ ہے۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے تھے۔ اور جو بات کہتے اور جس چیز کی دعوت دیتے اس پر آپ کا ضمیر گواہی دیتا اور آپ کا دل یقین وایمان کی سچی تصویر پیش کرتا۔"

اسی شہرت کے باعث حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ ان کا مالِ تجارت لے کر شام جائیں اور جو معاوضہ دوسروں کو ملتا ہے۔ اس سے دگنا آنحضرت کی خدمت اقدس میں پیش کیا جائے گا۔ آپ نے قبول فرمایا اور تجارت کا مال لیکر بصرہ تشریف لے گئے۔ حضرت خدیجہ نے جس جس جگہ آنحضرت کو تجارت کے مقصد سے بھیجا۔ ان میں جرش بھی تھا جو یمن میں واقع ہے۔ آپ وہاں دو مرتبہ تشریف لے گئے تھے۔ اور ہر بار حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے معاوضہ میں ایک اونٹ پیش کیا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تجارت کا مال لے کر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے تو خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک غلام میسرہ بھی ہمراہ تھا۔ اس تجارت میں بے اندازہ نفع حاصل ہوا۔ اور آپ کے حسن سلوک سے میسرہ آپ کا گرویدہ ہوگیا۔ جب سفر سے واپسی کا وقت آیا۔ تو آپ نے ملک شام سے خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پسند کا مال خریدا۔ چنانچہ دوپہر کا وقت تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سانڈنی پر سوار مکہ پہنچے۔ آپ جب گھر کے اندر داخل ہوئے تو خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مکان کی چھت پر تھیں۔ انہوں نے نیچے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سفر کے تمام واقعات مال کی خرید و فروخت اور تجارت کے منافع کا مفصل حال دلکش پیرائے میں بیان کیا۔ جسے حضرت خدیجہ نے بہت غور سے سنا۔ اس کے بعد میسرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت، دیانت اور راست بازی کا حال بیان کیا۔ اسی دیانت داری اور کارگزاری کے نتیجے میں آنحضرت کا نکاح حضرت خدیجہ سے ہوگیا اس کے بعد بھی آپ تجارت کا کاروبار کرتے رہے۔ آپ اپنا مال و دولت اکثر غریبوں پر صرف کیا کرتے تھے۔ یتیم اور مسافر بھی آپ کی عنایات سے محروم نہ رہتے تھے۔

اسلام کی تعلیم ہر اعتبار سے مکمل ہے۔ اس نے ان نازک سے نازک مسائل ومعاملات کی بھی تشریح کی ہے۔ جن کو عام طور پر ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ اس سلسلے میں ناپ تول میں کمی وبیشی بھی شامل ہے۔ کیوں کہ جو کوئی چیزوں کے لینے میں تول کو بڑھاتا اور دینے میں گھٹاتا ہے وہ دوسرے کی چیز پر بے ایمانی سے قبضہ کرتا ہے۔ اور یہ بھی چوری ہی ہے اسی لیے قرآن مجید میں آتا ہے "ناپ اور تول کو پورا کرو"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچائی کی تلقین بہت زیادہ کی ہے۔ زبان کی سچائی دل کی سچائی اور عمل کی سچائی اور جب ان تینوں میں کوئی مسلمان کامل ہو تو وہ کامل راست باز اور صادق ہے۔ نبوت کے منصب پر فائز ہونے سے پہلے لوگ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھواتے تھے۔ وہ آپ جوں کا توں ان کو واپس کر دیتے تھے۔ قرآن پاک میں نیک عمل مسلمانوں کی یہ صفت بتائی گئی ہے "اور جو اپنی امانتوں اور وعدہ کا پاس رکھتے ہیں"۔ حدیث کی کئی کتابوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کیوں کہ جس نے ایک جگہ دھوکہ دیا تو ہر جگہ دھوکہ دے سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کے میدان میں جو عملی نمونے پیش کئے۔ ان کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کے پیروکار بھی تجارت میں وہی اصول اپنانے کی کوشش کرتے تھے۔ مثلاً تجارتی دیانت کے تقاضے ملاحظہ فرمایئے محمد بن سیرین عراق کے باشندہ سے تھے۔ عین التمر میں دوکان کرتے تھے۔ ایک دفعہ چالیس ہزار کا روغن زیتون خریدا اس کے پیپوں میں چوہا نکل آیا تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ کولہو میں پڑ گیا تھا۔ اور وہاں سے پیپے میں پہنچا۔ اسلیے سارا تیل پھینکوا دیا۔ اور خسارے کی یہ کثیر رقم ادا نہ کر سکے۔ جس کے نتیجے میں سخت قید برداشت کی۔ لیکن اپنے اصول دیانت سے منہ نہ موڑا۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام شاہ نجاشی کے دربار میں

محترمہ محمودہ رضویہ

تبلیغ اسلام کا سلسلہ تین برس سے جاری تھا مگر بہت خاموشی سے : اور اندر ہی اندر۔ یہاں تک حکم خداوندی آیا .... تم تک جو احکامات پہونچائے گئے ہیں۔ انھیں اب علی الاعلان سنانا شروع کردو، بلا کسی خوف و خطر کے اور اپنے مخالفوں کے ڈر کے بغیر..... !

حسب فرمان داور حضور نے اہل مکہ کو کوہ صفا پہ بلایا ان تک توحید کا پیغام پہونچایا، اور انھیں کھول کر سمجھایا کہ امور دینی تم تک پہونچانے نے مجھے مامور کیا گیا ہے۔ یہیں سے مسلمانوں کو قریش کی دشمنی مول لینی پڑی اور ذات اقدس طرح طرح کے مصائب میں گھر گئی۔ حالات بد سے بدتر ہو رہے تھے قلب مبارک پہ اس بات کا بہت اثر تھا کہ محض اسلام قبول کرنے کے جرم میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہے۔ آپ نے انھیں مشورہ دیا کہ حبش کی طرف ہجرت کر جائیں وہاں کا بادشاہ اصحمہ، جو نجاشی کہلاتا تھا، بہت عدل گستر، فیاض اور نیک نام تھا۔ آپ نے فرمایا... حبش امن و سلامتی کی سرزمین ہے۔ وہاں چلے جاؤ اور اس وقت تک قیام کرو جب مسبب الاسباب ایسا سبب پیدا کردے جس سے واپسی ممکن ہو اور وطن میں امان مل جائے ....."

بعثت کا پانچواں برس تھا، جب گیارہ اور چار خواتین عازم حبش آئے، ایک ان دیکھی اور ان جانی سرزمین کی طرف محض بتوکل خدا اور بحکم نبی۔ اس مختصر سے قافلے کی قیادت حضرت عثمان کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی خاتون خانہ تھیں حضرت رقیہ، جگر گوشۂ رسول مقبول، اہل حبش نے غریب الدیار لوگوں سے ہمدردانہ برتاؤ کیا، اپنے بادشاہ کے حکم کے مطابق انکی رہائش کا بندوبست کیا اور ایک عرصے کے بعد مسلمانوں نے سکھ کا سانس لیا، ان کی طرف سے خوش آئند اطلاعات موصول ہوئیں تو ایک اور قافلہ حبش جانے کو تیار ہو گیا، جس کے سردار حضرت جعفر طیار تھے، اہل مکہ تو سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ مسلمان دنیا کے کسی گوشہ میں سکون سے رہ سکیں گے، ان کا غیظ و غضب نقطۂ عروج کو پہنچ گیا، ایک مجلس مشاورت منعقد ہوئی، جس میں طے ہوا کہ کسی طرح شاہ حبش اور اس کے اراکین دربار کو رام کیا جائے، بہترین طریقہ یہی سمجھ میں آیا کہ انھیں بیش قیمت تحائف سے مرہون احسان کیا جائے، اس شرط پر کہ وہ مسلمانوں کو لوٹا دیں یا کم از کم اپنے ملک سے ہی نکال دیں اور آئندہ پناہ دینے سے قطعی انکار کر دیں ——

عمرو بن العاص، سالار وفد تھے، منتخب روزگار، زیرک و ہوشیار، اور منجھے ہوئے سپہ سالار، تاہم ناآشنائے تعلیمات قرآن تھے صاحب قرآن سے سخت پرخاش رکھتے، اور مسلمانوں کو نقصان پہونچانے کے نت نئے طریقے سوچتے اور قریش کو بتاتے رہتے

ان کے ساتھ کچھ اور معزز سردار اور ڈھیر سا سازو سامان تھا..."

نجاشی کے دربار میں ان جرائم کی تفصیل بیان کی گئی۔ جو بزعم خود قریش نے مسلمانوں کے خلاف عائد کئے تھے، اور وہ یہ تھے کہ "مسلمان ایک نئے دین کے پیروکار بن گئے ہیں، جس کا لانے والا...... انھیں بتوں سے نفرت کرنا سکھاتا ہے، ایک ایسے خدا کو کائنات کا کرتا دھرتا بتاتا ہے جو ہماری نگاہوں سے یکسر اوجھل ہے اور اس کے نام سے گوش قطعی نا آشنا۔ اور یہ عیسائیوں کے لئے وجہ فکر بھی ہونی چاہیئے، کہ وہ عیسائیت کے متعلق کہتا ہے کہ اس میں بہت سی مفروضہ باتیں شامل کر دی گئی ہیں، اور بہت سی ضروری باتوں کو حذف کر دیا گیا ہے۔ جس سے کچھ کا کچھ مطلب بن جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلمان ہمارے مفرورین ہیں، اس لئے بھی انھیں ہمارے حوالے کیا جانا چاہیئے"۔ نجاشی کی حیرت لحہ بہ لحہ بڑھ رہی تھی، کسی حتمی فیصلے پر پہونچنے کے لئے اس نے مسلمانوں سے کہا کہ ان سنگین الزامات کی تردید میں وہ کیا کہنا چاہتے ہیں —، کیونکہ وہ لازمی طور پر جواب دِہ قرار دیئے جا سکتے ہیں۔

اب حضرت جعفر طیار آگے بڑھے، یہ سرور کونین کے چچازاد بھائی تھے، پرجوش مبلغ اسلام، اور ذات اقدس پر قربان ہونے کو ہر لحہ تیار، وہ نہایت مؤثر لہجے میں رسانیت سے بولے.....

"اے بادشاہِ عادل! جو الزامات ہماری قوم نے ہم پر لگائے ہیں، ہو سکتا ہے وہ اس کے نزدیک درست ہوں، مگر درحقیقت معاملہ اس کے برعکس ہے، ہمیں یہ کہنے سے احتراز نہیں کہ ہم جاہل مطلق تھے، راہِ راست سے بھٹکے ہوئے، راندۂ درگاہ اور انسانیت کے نام پہ دھبہ، حرام و حلال سے ناواقف محض، اصنام پرستی ہمارا شیوہ تھا، جھوٹ بولنا طرۂ امتیاز، قمار بازی بہترین تفریح تھی اور شراب نوشی کے بغیر کوئی کام کرنے سے عار، ہم طبقۂ اناث پر ناروا ظلم روا رکھتے تھے اور اسے مردانگی کا اہم جزو قرار دیتے، ہمارے قلوب میں ہر وقت جذبۂ انتقام موجزن رہتا اور ہر وقت طاقتور اپنے سے کمزور پر حاوی تھا، ہر قبیلہ ادنیٰ و اعلیٰ میں بٹا ہوا اور ایک دوسرے سے کٹا ہوا تھا، اخلاقی پستی کا یہ عالم تھا، کہ لوٹ مار، بدچلنی اور بدکاری لازمۂ حیات بن کر رہ گئے تھے بت پرستی، اوہام پرستی اور مظاہر پرستی میں ایک دوسرے پہ گویا سبقت لے جانا چاہتے، یہاں تک کہ احکم الحاکمین کو ہم پہ رحم آیا اور اس نے ایک نبی ودیعت فرمایا۔ جس نے وادی بطحا سے رشد و ہدایت کا دریا بہا دیا۔ وہ اعلیٰ حسب ونسب والا، راست باز، بے حد پاکباز، اس کا بچپن اور جوانی تو تم اظہر من الشمس ہے جس نے اسے صادق اور امین کے خطابات سے نوازا تھا، اس نے قم فانذر کا حکم خداوندی پایا اور ہماری اصلاح کا بیڑا اٹھایا تو زنگ آلود انسانیت کا آئینہ اس کے پرتو مقدس سے جگمگا اٹھا، اس نے ہمیں سمجھایا کہ ذات ربی لاشریک ہے، ہم سچ بولنا بھول گئے تھے، اس راست گفتار، راست کردار نے یہ بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا —، امانت کی حفاظت اور ہمسایوں سے مروت، بلکہ غیروں سے رعایت کی تلقین کی، حرام اور حلال کی تمیز سکھائی، اور خونریزی سے اجتناب، منشیات کی ممانعت اور خواتین کا احترام سکھایا، انتقام پہ درگذر کو فوقیت دی اور ہم نے بھی اس کے ہر ہر لفظ کو سچا جانا، احکام شریعت کا اسباق توحید کو پورا کرنے کا وعدہ کیا، حرام و حلال کا فرق پہچانا، اور مخلوق خدا کو پیدا کرنے والے کا کنبہ جانا، تو وہی قوم جو کل تک اس کا دم بھرتی تھی، حد فاصل بن گئی، اس کی دشمن جان اور ہماری دشمن ایمان.... نوبت بایں جا رسید، کہ جب کوئی صورت نظر نہ آئی، تو ہمیں آپ کی پناہ میں آنا پڑا، اپنے مقدس اور محترم نبی کے حکم کی تعمیل میں اگر اب بھی ہم قابل تعزیر ہیں، تو آپ خود سزا دیں یا ہماری قوم کے سپرد کر دیں، تاکہ وہ اور دست تعدی آزما لے کوئی کسر رہ گئی ہو تو وہ بھی پوری کر لے، ویسے اے شاہ فریاد رس! ہمیں آپ پہ پورا بھروسہ ہے کہ انصاف کو ہر حال میں مد نظر رکھیں گے، آپ کا فیصلہ ہمیں ہر حال میں منظور ہوگا، اس کو پورا کرنے کے بہرحال پابند ہوں گے، اس کا یقین واثق دلاتے ہیں"

نجاشی نے کہا.... جو کتاب تمھارے نبی پر اتری ہے اس میں سے کچھ ہمیں بھی سناؤ تاکہ حالات کا صحیح اندازہ لگایا جاسکے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی چند آیات تلاوت کیں انتہائی خشوع و خضوع سے، لحن داؤدی میں، قرآن جیسا دل نشیں کلام اور دل دردمند کی زبان، نجاشی مسحور ہو رہا تھا، اہل دربار مبہوت تھے ان کی آنکھوں سے خود بخود آنسو جاری تھے دل بے قابو ہو رہے تھے، نجاشی نے قریش کے اہل کاروں سے کہا۔ "یہ مظلوم

تمھارے ہاتھوں بہت ستائے گئے ہیں اب مزید تختۂ مشق نہیں بن سکتے یہ ہماری خاص توجہ کے مستحق ہیں، کوئی طاقت انھیں واپسی پر مجبور نہیں کر سکتی اپنی قوم کو ہمارا فیصلہ سنا دو، اور دربار برخاست کر دیا۔

قریش کی سب تدبیریں الٹی ہوگئیں، کیا سوچ کے آئے تھے اور کیا ہوگیا، یہ تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، اب تحائف کا ذکر کرنا بھی بے سود تھا، محض اپنی تضحیک و تحقیر، تاہم بے نیل مرام لوٹنا بھی نہیں چاہتے تھے، عمرو بن العاص بولے .... اب صرف ایک اور طریقہ باقی ہے اسے بھی آزما کر دیکھ لیتے ہیں ساتھ والوں کی جان میں جان آئی، ہم آواز ہو کر بولے تو پھر دیر کس بات کی ہے؟ ورنہ واپس جانا بھی بے سود رہے گا، اہل وطن ہدف ملامت بنائیں گے کہ منہ کی کھا کر آئے ہیں۔ "عمرو بن العاص نے انھیں طریقۂ کار کو بتایا تو سب کو یقین سا آگیا کہ اب مغالطے کی گنجائش نہیں ضرور کامگار ہو کر ہی لوٹیں گے اور قوم سے مبارکباد وصول کریں گے۔

عمرو بن العاص بڑے بڑے پادریوں کے پاس گئے اور ان کی خدمت میں تحائف بطور نذرانہ پیش کئے اور انہیں سمجھاتے ہوئے بولے .... آپ کتب سماوی کے جاننے والے، کلیساؤں کے محافظ اور اپنی قوم کے معادن خاص ہیں ہمارے دلوں میں آپ کا بہت احترام ہے اور آپ سے ایک معمولی سا کام، جس کا مطلوبہ معاوضہ ادا کیا جائے گا، احسان مندی کے جذبے کے ساتھ ہماری طرف سے اپنے بادشاہ سے عرض کر دیں کہ مسلمانوں کو ایک بار پھر دربار میں بلایا جائے اور ان سے معلوم کیا جائے کہ ان کے پیغمبر کی حضرت عیسیٰ کے متعلق کیا رائے ہے، ان کا جواب لازمی طور پر آپ کے اسباق کے منافی ہوگا اور آپ کے بادشاہ کی ہمدردی سرد مہری میں بدل جائے گی۔

پادریوں نے فوراً حامی بھرلی اور نجاشی کو مجبور کیا کہ مسلمانوں کو دربار میں بلوا کر ان سے حضرت عیسیٰ کے متعلق حضور کی رائے معلوم کرے۔

مسلمانوں کے لئے سخت آزمائش کا وقت تھا، اگر نجاشی ناراض ہوگیا تو اپنے ملک سے کھڑے کھڑے نکلوا دے گا، پابند سلاسل بھی کیا جا سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مکے والوں کے سپرد کر دے جائیں، تاہم جعفر بولے ..... ہمارے آقا و مولیٰ کا حکم ہے کہ سب سے بڑا جہاد حق گوئی ہے، اور حاکم وقت کے سامنے حقائق کو کھول کے بیان کرنا، حالات لاکھ ہمارے خلاف ہو جائیں، تب بھی ارشاد نبوی ہر حال میں بجا لائیں گے۔

چنانچہ نجاشی کے استفسار پر نہایت اعتماد سے بولے ... ہادیٔ برحق فرماتے ہیں کہ، جناب عیسیٰ روح اللہ ہیں اس کے نیک اور پاک بندے، اور بلند مرتبہ نبی، اللہ کی ذات ہر بات پہ قادر ہے، وہ طفل نومولود سے شہادت دلوا سکتا ہے کہ اس کی ماں پاک دامن ہے، کوہ طور پہ اپنا جلوہ دکھا سکتا ہے سنگلاخ چٹان سے جیتی جاگتی ناقہ نکلوا سکتا ہے، آگ کو گلزار، اور بحر زخار کو پایاب بنا سکتا ہے اور اگر وہ چاہے، تو کسی کو بغیر باپ کے بھی عالم وجود میں لا سکتا ہے ....."

پادریوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، ایک دوسرے کو چور نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور دل میں سوچتے تھے، ناحق مکے والوں کے کہنے میں آ گئے، اگر بادشاہ نے اس استدلال کا جواب دینے کو کہا تو ہمارا کیا بھرم رہ جائے گا، کہہ ہی کیا سکیں گے؟ نجاشی کو اطمینان ہوگیا، کہنے لگا..... بیشک تمھارے نبی کا کلام، خداوند عالم کا کلام ہے، جو ان کے سچے ہونے پر دلالت کرتا ہے، جو کچھ عیسیٰ کے متعلق انھوں نے کہا ہے، وہ حرف آخر ہے، عیسیٰ سرمو اس سے نہ کم ہیں، نہ زیادہ، میرے کندھوں پہ حکومت کا بار نہ ہوتا، اور نہ اتنی زیادہ مصروفیات، تو ضرور ان کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتا، شرف قدم بوسی کرتا، اور خاک پائے مبارک کو آنکھوں سے لگانے کی سعادت حاصل کرتا۔

قریش کو یہاں بھی ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، مزید کچھ کہنا شاہی عتاب مول لینا تھا، اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور ٹھنڈے ٹھنڈے حبش سے کوچ کی تیاریاں کرنے لگے، پادری صاحبان پہلے ہی کنی کترا چکے تھے، کہ قیمتی تحائف، مال غنیمت کیا سمجھ کر وصول کر لئے تھے، کہیں واپس نہ کرنے پڑیں ؎

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی

تاریخ ولادت

حضرت مولانا مفتی شریف الحق صاحب امجدی

تاریخ ولادت کے بارے میں کئی اختلاف ہیں۔ کون مہینہ تھا۔ اس میں چھ قول ہیں ربیع الاول، ربیع الآخر، رجب رمضان، محرم، صفر۔ اسی طرح جو لوگ ربیع الاول کو ماہ ولادت مانتے ہیں ان میں تاریخ کے بارے میں شدید اختلاف ہے۔ سات اقوال ہیں۔ دو، آٹھ، دس، بارہ، سترہ، اٹھارہ، بائیس۔ رات کا وقت تھا یا دن کا۔ جگہ کون سی تھی۔

صدیوں کی بحث وتمحیص کے بعد یہ طے ہو چکا ہے کہ مہینہ ربیع الاول کا تھا۔ وقت صبح صادق کا اور جگہ مکہ معظمہ۔ اس جگہ جہاں چند سال پہلے تک، مولد پاک کی عمارت موجود تھی جسے ڈھاکر نجدی حکومت نے برابر کر دیا ہے۔ دن کے بارے میں البتہ کوئی اختلاف نہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ دوشنبہ کا دن تھا۔ لیکن تاریخ کا مسئلہ جتنا پہلے پیچیدہ تھا اتنا ہی آج بھی ہے۔

جمہور اس کے قائل ہیں کہ ۱۲ ربیع الاول ہے۔ حتیٰ کہ ابن جوزی وغیرہ نے اس پر اجماع کا دعویٰ بھی کیا ہے۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:-

"مشہور یہ ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کے دن بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ یہی امام مغازی ابن اسحٰق وغیرہ کا قول ہے۔ ابن کثیر نے کہا جمہور کے نزدیک یہی مشہور ہے۔ ابن جوزی وابن جزار نے اس میں مبالغہ کیا اور اجماع نقل کر ڈالا۔ اسی پر عمل ہے۔

لیکن علم ہیئت کے ماہرین کا اس پر اجماع ہے کہ آٹھ ربیع الاول کو ولادت ہوئی۔ اسے حمیدی اور اس کے استاذ ابن حزم نے اختیار کیا۔ قضاعی نے عیون المعارف میں اہل زیج (توقیت) کا اس پر اجماع نقل کیا۔"

لیکن سیرۃ النبی وغیرہ میں تاریخ ولادت ۹ ربیع الاول تحریر ہے۔ اور یہ مصر کے مشہور ہیئت داں محمود پاشا فلکی کی تقلید ہے محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ نتائج الافہام لکھا ہے اس میں بڑی عرق ریزی سے یہ ثابت کیا ہے کہ صحیح تاریخ ولادت ۹ ربیع الاول ہے۔ اسی کا اقتباس حاشیہ سیرۃ النبی میں یہ ہے:-

"صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابراہیم (شہزادہ سرکار رسالت)

کے انتقال کے وقت آفتاب میں گہن لگا تھا۔ اور دس ہجری تھا۔ اس وقت آپ کی عمر کا تریسٹھواں سال تھا۔ ریاضی کے قاعدے سے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ دس ہجری کا گرہن ۷ جنوری ۶۳۲ء کو آٹھ بج کے تیس منٹ پر لگا تھا۔ اس حساب سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر قمری تریسٹھ برس پیچھے ہٹیں تو آپ کی پیدائش کا سال ۵۷۱ء ہے جس میں از روئے قواعد رویت ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۱۲ اپریل کے مطابق ہے۔

تاریخ ولادت میں اختلاف ہے لیکن اس قدر متفق علیہ ہے کہ وہ ربیع الاول کا مہینہ دو شنبہ کا دن تھا۔ تاریخ آٹھ سے لے کر بارہ تک میں منحصر ہے۔ ربیع الاول مذکور کی ان تاریخوں میں دو شنبہ کا دن نویں تاریخ کو پڑتا ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر تاریخ ولادت قطعاً ۲۰ اپریل ۵۷۱ء تھی۔

سیرت کی دوسری اردو کتاب رحمۃ للعلمین میں بھی اسی کو اختیار کیا۔ اس میں ہے:۔

"تاریخ ولادت میں مورخین نے اختلاف کیا ہے۔ طبری و ابن خلدون نے ۱۲ تاریخ، ابوالفدا نے دس لکھی ہے۔ مگر سب کا اتفاق ہے کہ دو شنبہ کا دن نو ربیع کے سوا کسی اور تاریخ سے مطابقت نہیں کھاتا۔ اس لئے ۹ ربیع الاول ہی صحیح ہے۔ تاریخ دول العرب والاسلام میں محمد طلعت بک عرب نے بھی ۹ تاریخ ہی کو صحیح قرار دیا ہے۔ ج۲ ص۴۲"

محمود پاشا فلکی کی تحقیق پر از روئے قواعد ہیئت کلام، کوہ کن کاہ برآوردن سے کم نہیں۔ اس لئے اس پرپیچ وادی سے ناظرین کو بچاتے ہوئے ہم چند عام فہم معروضات پیش کرتے ہیں۔

(۱) اس میں دو رائیں نہیں کہ کسی واقعہ کو قیاس سے ثابت کرنا تاریخ نویسی نہیں افسانہ نگاری ہے جب کہ اس واقعہ کے بارے میں تاریخی شہادتیں موجود ہوں۔ ہاں اگر روایات مختلف ہوں تو کسی ایک روایت کو قیاس سے ترجیح دے سکتے ہیں۔ تاریخ ولادت کے بارے میں روائتیں موجود ہیں۔ ان روایتوں میں سے کسی ایک روایت کو ترجیح دینے کے لئے علم ہیئت کی شہادت پیش کی جا سکتی ہے۔ ان روایتوں سے الگ کوئی تاریخ معین کرنی اگرچہ وہ علم ہیئت کی مدد سے ہو اصول سوانح نگاری کے بالکل خلاف ہے۔ کتب حدیث و سیر کا ایک ایک ورق پڑھ جائیے آپ کو ۹ تاریخ کی کوئی روایت کہیں نہیں ملے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ۹ کو ولادت مبارکہ نہ ہونے پر محدثین وارباب سیر کا اجماع مؤلف ہے۔ اس اجماع کے خلاف قواعد رویت کی مدد سے ۹ تاریخ متعین کرنی کسی طرح لائق قبول نہیں۔ خود علماء ہیئت اس پر متفق ہیں کہ علم فلکیات کے تمام قواعد تخمینی ہیں۔ روایات صحیح کے مقابلہ میں تخمین پر بھروسہ کرنا کبھی بھی دیانت داری نہیں کہی جاسکتی۔

(۲) پھر حساب کی غلطی بہت ممکن۔ ادنیٰ سی بھول چوک سے حساب کچھ کا کچھ ہو سکتا ہے۔ یہیں دیکھئے حاشیہ سیرۃ النبی میں حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یوم وفات ۷ جنوری تحریر ہے۔ اور رحمۃ للعلمین میں ۲۷ جنوری۔ ان میں کون صحیح ہے یہ کون بتائے۔؟

(۳) حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یوم وصال کو قمری کون تاریخ تھی۔ یہ حاشیہ سیرۃ النبی میں نہیں۔ مگر رحمۃ للعلمین میں ۲۹ شوال اور دن دو شنبہ کا لکھا ہے۔ اور از روئے قواعد سورج گہن قمری مہینے کی تین آخری تاریخوں کے علاوہ اور کسی تاریخ میں لگ نہیں سکتا۔

ایک کی تحقیق کے مطابق ۱۰ھ ۲۹ شوال کو ۷ جنوری تھی۔ دوسرے کی تحقیق کے مطابق ۲۷ جنوری۔ ان دونوں میں کون حساب درست ہے یہ فیصلہ کیسے ہو؟

(۴) چلئے آپ کی خوشی سے ہم مان لیتے ہیں کہ ۵۷۱ء میں ربیع الاول کی ۹ تاریخ کو دو شنبہ تھا۔ تو جب ۹ کو دو شنبہ تھا تو دو کو بھی دو شنبہ ہوگا۔ پھر دو کو چھوڑ کر ۹ کی ترجیح، ترجیح بلا مرجح ہی نہیں ترجیح معدوم ہے۔ کیونکہ ابھی گزر چکا کہ ۹ کا کوئی قول نہیں۔ اور دو کے بارے میں روایت ہے تو ترجیح اگر ہوگی تو دو کو نہ کہ نو کو۔ اور اگر بغیر روایت کے ۹ کی ترجیح پر اصرار ہے تو جیسے ۹ ویسے ہی سولہ تئیس ویسے ہی تیس۔ پھر نو کے اختیار کی وجہ؟

الغرض انھیں محققین کے تسلیم کردہ اصول کے مطابق ترجیح اگر ہوگی تو ۲ کو ۹ کی ترجیح کسی طرح ممکن نہیں۔

(۵) اس تحقیق میں بنیادی غلطی یہ ہے کہ ان لوگوں نے روایتوں کو پس پشت ڈال کر اپنے جی سے مختلف فیہ باتوں کو متفق علیہ بنا کر اختیار کر لیا ہے مثلاً محشی سیرۃ النبی لکھتے ہیں:۔

"تاریخ ولادت میں اختلاف ہے لیکن اس قدر متفق علیہ ہے کہ وہ ربیع الاول کا مہینہ اور دوشنبہ کا دن تھا۔ اور تاریخ آٹھ سے لے کر بارہ تک میں منحصر ہے۔"

رحمۃ للعلمین میں ہے:۔

"تاریخ ولادت میں مورخین نے اختلاف کیا۔ طبری و ابن خلدون نے ۱۲ تاریخ ابو الفداء نے دس لکھی۔ مگر سب کا اتفاق ہے کہ دوشنبہ کا دن ۹ ربیع الاول کے سوا کسی اور تاریخ سے مطابقت نہیں رکھتا۔"

ان لوگوں نے جن جن باتوں کو متفقہ بنایا ہے۔ ان میں سوائے اس کے کہ دوشنبہ کا دن تھا اور کوئی بات متفق علیہ نہیں۔ نہ مہینہ نہ تاریخ کا ۸ سے لے کر بارہ میں منحصر ہونا، نہ دوشنبہ کے دن کا صرف ۹ ربیع الاول کے ساتھ مطابق ہونا۔ مہینے کے بارے میں چونکہ راجح مختار یہی ہے کہ ربیع الاول ہے۔ اس لئے ہم اس سے قطع نظر کرتے ہیں۔ بقیہ باتوں کے بارے میں طویل طویل شہادتوں کے بجائے زرقانی علی المواہب کی یہ جامع عبارت پیش کرتے ہیں:۔

"ایک قول یہ ہے کہ تاریخ ولادت ۲ ربیع الاول ہے۔ یہ صدر مغلطائی کا قول ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آٹھ ہے۔ شیخ قطب الدین قسطلانی نے فرمایا یہی اکثر محدثین کا مختار اور ابن عباس و جبیر بن مطعم سے منقول ہے۔ اکثر ماہرین تاریخ اور حمیدی اس کے استاذ ابن حزم کا بھی مختار ہے۔ قضاعی نے عیون المعارف میں اہل ہیئت کا اس پر اجماع بتایا۔ ابن شہاب زہری نے محمد بن جبیر بن مطعم سے روایت کیا جو انساب اور عرب کی تاریخ کے ماہر تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ۱۰ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ۱۲ ہے۔ اسی پر اہل مکہ کا ہمیشہ سے عمل ہے کہ مکان ولادت کی زیارت اسی تاریخ میں کرتے ہیں۔ ایک قول سترہ کا ہے۔ اور ایک اٹھارہ کا۔ اور ایک بائیس کا۔ اخیر کے دونوں جس کی طرف منسوب ہیں اس سے بروایت صحیح ثابت نہیں۔ اور مشہور ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کا دن ہے۔ یہی ابن اسحٰق امام مغازی وغیرہ کا قول ہے۔ ابن کثیر نے کہا یہی جمہور کے نزدیک مشہور ہے۔ ابن جوزی اور ابن جزار نے اس پر بہت مبالغہ کیا۔ اور اجماع نقل کر ڈالا۔ عمل اسی پر ہے۔"

دمیاطی اور ابو الفداء نے دس ربیع الاول اختیار کیا

ان میں اٹھارہ بائیس کا قول ساقط الاعتبار ہے۔ باقی پانچ اقوال بچے۔ جب تاریخ کے بارہ میں اتنے اقوال ہیں تو یہ کہنا کیسے صحیح ہے کہ تاریخ آٹھ سے لے کر بارہ تک میں منحصر ہے۔ یا صرف بارہ یا دس ہے۔

اسی طرح یہ بھی متفق علیہ نہیں کہ سنہ ولادت کے ربیع الاول میں دوشنبہ کا دن سوائے نو کے کسی اور تاریخ سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ابھی گزرا کہ تمام اہل ہیئت کا اس پر اتفاق ہے کہ اس سال آٹھ ربیع الاول کو دوشنبہ تھا۔ نیز بر سبیل صدق جس طرح دوشنبہ کا دن نو کو پڑے گا۔ اسی طرح دو، سولہ، تیئس، تیس کو بھی پڑے گا۔ پھر نو کی ترجیح کس بنا پر؟

اور اگر اسے درست مان لیا جائے تو ترجیح دو کو ہونی چاہیئے کیونکہ دو کی روایت ۹ کی کوئی روایت نہیں۔ مختصر یہ کہ ۹ ربیع الاول کا قول روایۃً درایۃً کسی طرح اس لائق بھی نہیں کہ اسے ذکر کیا جائے۔ چہ جائیکہ اسے محقق و مختار بنایا جائے۔

صحیح تاریخ:۔ ابھی گزرا کہ ان سات اقوال میں پانچ لائق غور ہیں۔ ان میں آٹھ ربیع الاول کا قول بحیثیت روایت اور درایت ہر طرح راجح و مختار ہے بحیثیت روایت یوں کہ یہ سید المفسرین سیدنا و ابن سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے اکابر صحابہ کا قول ہے۔ ابن شہاب زہری اور محمد بن جبیر بن مطعم جیسے اکابر تابعین سے منقول ہے یہی اکثر محدثین اور ماہرین تاریخ کا مختار ہے۔ اور بحیثیت درایت یوں کہ اس پر تمام اہل ہیئت کا اجماع ہے۔

لیکن چونکہ بارہ ربیع الاول کا قول عوام و خواص سب میں مشہور ہے۔ اور جمہور اہل سیر کا مختار ہے۔ اسی پر تمام امت کا عمل ہے۔ اور تلقی امت بالقبول کا شرع میں بہت اعتبار ہے۔ اس لئے جشن میلاد النبی صلے اللہ علیہ وسلم منانے کے لئے ۱۲ ربیع الاول ہی مختار ہے۔ اس کے خلاف میں انتشار و افتراق ہے۔

اب ہم اس بحث کو امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلیٰحضرت امام احمد رضاخاں صاحب بریلوی قدس سرہ السامی کے کلمات طیبات پر تمام کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ جہاں دینیات میں یگانۂ وقت تھے وہاں ریاضی کے بھی امام تھے۔ اس لئے تاریخ و توقیت دونوں حیثیت سے آپ کے ارشادات قول فیصل ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا اس موضوع پر ایک رسالہ بھی ہے "نطق الہلال بارخ ولاد الحبیب والوصال" جمادی الاولیٰ ۱۳۱۸ھ کے تحفۂ حنفیہ کا پرچہ ملا۔ اس میں یہ جواہر پارے ملے جو ہدیۂ ناظرین ہیں:۔

سوال:۔ ولادت اقدس حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ کیا ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ دو، آٹھ، دس، بارہ، سترہ، اٹھارہ، بائیس سات اقوال ہیں۔ مگر اشہر و اکثر، و ماخوذ و مقرر دوازدہم ربیع الاول شریف ہے۔ مکہ معظمہ میں ہمیشہ اسی تاریخ مکان مولد اقدس کی زیارت کرتے ہیں۔ کذا فی المواہب والمدارج۔

اور خاص اس مکان جنت نشان میں اسی تاریخ مجلس مقدس ہوتی ہے۔ کذا فی المدارج علامہ قہستانی و فاضل زرقانی فرماتے ہیں:

المشہور انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولد یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول وھو قول محمد بن اسحاق امام المغازی وغیرہ وعلیہ العمل۔

مشہور یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کے دن بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ یہی امام مغازی ابن اسحاق وغیرہ کا قول ہے اور اسی پر عمل ہے"

شرح مواہب میں امام ابن کثیر سے ہے "ہو المشہور عند الجمہور" اسی میں ہے "ہو الذی علیہ العمل" شرح ہمزیہ میں ہے ہو المشہور وعلیہ العمل" اسی طرح مدارج وغیرہ میں تصریح کی۔

وان کان اکثر المحدثین والمؤرخین علی ثمان خلون وعلیہ اجمع اھل الزیجات واختارہ ابن حزم والحمیدی ورُوی عن ابن عباس وجبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہم. وبالاول صدر مغلطائی واعتمدہ الذہبی فی تذھیب التھذیب تبعا للمزی فی التھذیب وحکی المشہور بقیل وصحح الدمیاطی عشر اخلت اقول وحاسبنا فوجدنا غرۃ المحرم الوسطیۃ عام ولادتہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الخمیس وکانت غرۃ شھر الولادۃ الکریمۃ الوسطیۃ یوم الاحد والھلالیۃ یوم الاثنین وکان یوم الاثنین الثامن من الشھر ولذا اجمع علیہ اصحاب الزیج وبمجرد ملاحظۃ الغرۃ الوسطیۃ یظھر استحالۃ سائر الاقوال ماخلا الطرفین والعلم بالحق عند مقلب الملوین۔

ترجمہ:۔ اگرچہ اکثر محدثین اور مورخین آٹھ تاریخ مانتے ہیں اور اسی پر اہل ہیئت کا اجماع ہے۔ اور اسے ابن حزم اور حمیدی نے اختیار کیا اور ابن عباس اور جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے مروی ہے۔ پہلا قول صدر مغلطائی کا ہے اور اسی پر ذہبی نے تذہیب میں صاحب تہذیب مزی کی اتباع میں اعتماد کیا۔ اور قول مشہور کو قیل سے نقل کیا۔ دمیاطی نے دس تاریخ کو صحیح کہا اقول میں نے حساب لگایا تو سن ولادت کے محرم کے غرہ وسطیہ کو پنجشنبہ کے دن پایا۔ تو ماہ ولادت مبارکہ کا غرہ وسطیہ یکشنبہ کو ہوا۔ اور ہلالیہ دوشنبہ کو۔ پس دوشنبہ کو آٹھ ربیع الاول ہوئی۔ اسی وجہ سے اس پر اہل ہیئت نے اجماع کیا۔ محض غرہ وسطیہ کے دیکھنے سے تمام اقوال کا محال ہونا ظاہر ہو جائے گا علاوہ قول اول و اخیر کے (یعنی دو اور بائیس کے) اور حقیقی علم شب و روز بدلنے والے کو ہے"

اور شک نہیں کہ تلقی امت بالقبول کے لئے شان عظیم ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

الفطر یوم یفطر الناس والاضحیٰ یوم یضحی الناس۔

عید الفطر اس دن ہے جس دن لوگ عید کریں اور عید الاضحیٰ اس روز ہے جس روز لوگ عید سمجھیں۔

اور فرماتے ہیں:۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فطرکم یوم تفطرون واضحاکم یوم تضحون رواہ الترمذی وحسنہ فزاد فی اولہ الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون وارسلہ الشافعی فی مسندہ والبیھقی فی سننہ عن عطاء فزاد فی اخرہ وعرفہ یوم تعرفون ای وان لم یصادف الواقع ونظیرہ قبلۃ التحری

مسجد نبوی شریف کا ایک روح پرور منظر

مسلمانوں کا روزہ عید الفطر و عید الاضحیٰ اور عرفہ سب اس دن ہے جس دن جمہور مسلین خیال کریں۔ یعنی اگرچہ (کسی وجہ مثلاً رویت نہ ہونے کی وجہ سے) واقعہ کے مطابق نہ ہو۔ اس کی مثال قبلہ تحری ہے۔

ولادت پاک باعتبار عیسوی ۲۰ راپریل ۵۷۱ء اور باعتبار بکرمی یکم جیٹھ سمبت ۶۲۸ بتائی گئی ہے۔ فارسی مہینہ نیسان تھا۔ اس کی تاریخ بھی بیس تھی۔ آفتاب اس وقت برج حمل سے ۳۱ درجہ ۳۰ دقیقے پر تھا۔ اس دن صبح صادق کا طلوع افق مکہ معظمہ پر، دھوپ گھڑی سے چار بج کر بیس منٹ پر اور عرب کے مروجہ حال ٹائم سے ۹ بج کر ۵۷ منٹ پر ہوا تھا۔ عفر منازل قمر میں تین چھوٹے چھوٹے ستارے ہیں اس کے طلوع کے وقت ولادت ہوئی۔ یہی تمام انبیاء کی ولادت کا وقت ہے۔

تاریخ ولادت کے بارے میں مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی سابق پبلس لائبریرین مرشد آباد کا ایک مضمون نظر سے گذرا۔ موصوف نے قواعد ہیئت[1] سے ثابت کیا کہ ولادت کی صحیح تاریخ ۱۲ ربیع الاول مطابق ۹ دسمبر ۵۶۹ء جولائی ہے۔ ان کی تحقیق کی بنیاد مندرجہ ذیل باتوں پر قائم ہے:-

۱۔ بربنائے قول مختار سنہ ولادت عام الفیل ہے۔

۲۔ ۵۷۰ء میں یمن پر ایرانیوں کا تسلط ہو چکا تھا۔ حبشی اقتدار بالکلیہ ختم ہو چکا تھا۔ اس لئے ضروری ہے کہ واقعہ فیل ۵۷۰ء سے پہلے ہوا ہو۔

۳۔ مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ میں زمانہ رسالت میں مہینے اگرچہ قمری رائج تھے مگر سال شمسی تھے۔

۴۔ ۱۳ ستمبر ۶۲۲ء جولائی کو یکم محرم ۱ھ تھی اور دن دوشنبہ کا۔ یہی تاریخ ہجرت ہے۔ اس وقت عمر مبارک ترپن (۵۳) سال کی تھی۔ ۶۲۲ء میں سے ۵۳ گھٹا دیئے جائیں تو ۵۶۹ ہوتا ہے۔ یہی سال ولادت ہے۔

۵۔ از روئے قواعد ۵۶۹ء میں ربیع الاول کا ہلال ۲۹ صفر مطابق ۲۶ نومبر بروز سہ شنبہ نظر آنا چاہیئے۔ مگر چونکہ مدار عرف اور شرع دونوں میں رویت پر ہے ممکن ہے اس سال ربیع الاول کا چاند ۳۰ صفر مطابق ۲۷ نومبر یوم چہارشنبہ کو نظر آیا ہو۔ اس وجہ سے پہلی ربیع الاول پنجشنبہ کو اور ۱۲ دوشنبہ کو ہوئی۔

وقت اب اتنا نہیں ہے کہ اس حساب پر پوری طرح غور و خوض کر کے اپنی رائے ظاہر کر سکوں۔ اور قابل اختیار وہی ہے جس پر جمہور کا عمل ہے

---

[1] شمسی و بکرمی تواریخ محل غور ہیں ۱۲ منہ

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا حسب و نسب

مولانا مفتی محمد مظفر احمد صاحب بدایونی

حضور سید المرسلین، شفیع المذنبین صلے اللہ علیہ وسلم الی یوم الدین کا وجود خدا تعالےٰ کی ایک عظیم الشان نعمت ہے، جس کا احسان خود خدا تعالےٰ نے قرآن پاک میں ظاہر فرمایا ہے چونکہ ماہ میلاد النبی ربیع الاول، اشرف انبیاء محبوب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی تشریف آوری وجلوہ گری کا ماہ مبارک ہے لہٰذا حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کا مبارک نسب نامہ تحریر کرکے اکتساب فیض نور کیا جاتا ہے۔

حضور سیدنا محمد (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم) بن عبد المطلب بن ہاشم بن قصی بن سیدنا کلاب بن سیدنا مرہ بن سیدنا کعب بن سیدنا لوی بن سیدنا غالب بن سیدنا فہر بن سیدنا مالک بن سیدنا نضر بن سیدنا کنانہ بن سیدنا خزیمہ بن سیدنا مدرکہ، بن سیدنا الیاس، بن سیدنا مضر بن سیدنا نزار بن سیدنا معد بن سیدنا عدنان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ جمیع آبائہ الکرام وبارک وسلم۔

(اصح التواریخ مصنفہ حضور تاج العلماء مارہروی قدس سرہٗ ج۱ ص۷)

سیدنا عدنان تک سرکار دو عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سلسلۂ نسب متفق علیہ ہے۔ اس لئے محتاط علماء نے اسی پر اکتفا کیا ہے حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا انتسب لم یجاوز معد بن عدنان ثم یمسک ویقولُ کذب النسابون مرتین او ثلاثا۔ (زرقانی علی المواہب منہ طبقات ابن سعد ج۱ ص۲۸)

یعنی حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اپنا نسب بیان فرمایا کرتے تو معد بن عدنان سے آگے نہ بڑھتے اور فرماتے کہ نسب بیان کرنے والوں نے معد بن عدنان سے آگے جو بیان کیا ہے وہ غلط ہے۔ اور یہ دو بار یا تین بار فرماتے۔

سرکار فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ نسب جو صحیح بیان کیا جاسکتا ہے وہ عدنان تک ہے۔ اور اس کے اوپر صحیح طور پر معلوم نہیں کہ وہ کون ہے اور اس کا نام کیا ہے۔ (زرقانی علی المواہب ج۱ ص۷)

حضور اقدس علیہ التحیۃ والثناء کا نسب مبارک عدنان تک متفق علیہ ہے اور آگے ناموں میں خلط ملط، اور رد وبدل، کا قوی اندیشہ ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی اسی پر اکتفا کرنا چاہیئے۔ ہاں علمائے انساب کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور انور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آباء کرام میں حضرت سیدنا عدنان سے آگے حضرت سیدنا اسماعیل حضرت سیدنا ابراہیم، حضرت سیدنا نوح حضرت سیدنا ادریس حضرت سیدنا شیث علیہم الصلوٰۃ والسلام یقیناً ہیں۔ لہٰذا حضرت سیدنا عدنان سے لے کر حضور محمد عربی صلے اللہ تعالےٰ

علیہ وسلم تک مختصر حالات و واقعات ہدیۂ قارئین ہیں۔

حضرت سیدنا عدنان ؓ

نور محمدی حضرت سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد امجاد میں منتقل ہوتا ہوا حضرت عدنان میں آیا۔ آپ سرکار انور صلے اللہ علیہ وسلم کے اجداد کرام میں اکیسویں پشت مبارک میں ہیں۔ آپ کا مکرم و معظم ہونا اس سے بھی ثابت ہے کہ جب بخت نصر نے عرب پر حملہ کیا تو حضرت ارمیا علیہ السلام نے بخت نصر کو بتا دیا تھا کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے دیگر قبائل پر حملہ آور ہونے کی اجازت ہے۔ مگر عدنان پر نہیں۔ چنانچہ بخت نصر نے ایسا ہی کیا۔

حضرت عدنان بچپن ہی سے دشمنوں کی نظر میں کھٹکتے تھے اور آپ کی پیشانی مبارک میں نور نبوت دیکھ کر قتل کا منصوبہ بناتے تھے۔ مگر جس کی حفاظت خدا فرمائے اس کو کون میٹ سکتا ہے دشمن ہر طرح ناکام و نامراد رہے۔ آپ کی اہلیہ مہددہ بنت اللہم ہیں جو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں اور آپ کی اولاد بیس افراد پر مشتمل تھی۔ سب سے بڑے صاحبزادے حضرت معد تھے۔

حضرت معد بن عدنان رضی اللہ تعالیٰ عنہما:-

معد کے معنی ہیں۔ تر و تازہ۔ چونکہ نور محمدی حضرت عدنان کے بعد آپ کو تفویض ہوا تھا جس کی وجہ سے آپ کا روئے انور خوبصورت و تر و تازہ رہتا تھا۔ اس وجہ سے آپ کا اسم گرامی معد مشہور ہوا۔

جب بخت نصر نے عرب پر دوسرا حملہ کیا تو بنی عدنان یمن کی طرف چلے گئے۔ مگر حضرت معد کو حضرت ارمیا علیہ السلام اپنے ساتھ لے کر شام کو تشریف لے گئے۔ چونکہ حکم الٰہی ایسا ہی تھا جیسا کہ امام ابو جعفر طبری نے لکھا ہے۔

یہ جب عرب واپس ہوئے تو انھوں نے بنی جرہم کی تلاش کی۔ بڑی مشکل سے جرہم بن حلیمہ کا پتہ چلا۔ ان سے ملے اور ان کی شادی فرمائی جن کا نام اغلب معانہ بنت ہاشم ہے۔ اور آپ کی اولاد امجاد انیس افراد پر مشتمل تھی مگر فضل خداوندی سے نور محمدی سے حضرت نزار مالا مال ہوئے۔

حضرت سیدنا نزار بن معد رضی اللہ عنہما:-

نزار، نزر سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "قلیل" آپ کے نام کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی جاتی ہے کہ جب حضرت نزار تولد ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان ملاحظہ فرمایا تو وہ بہت ہی خوش ہوئے۔ اور اس خوشی و مسرت میں احباب کی دعوت و ضیافت کی اور ان کو کھانا کھلا کر فرمایا میں نے اس بچہ کی پیدائش کی خوشی میں یہ سب کچھ کیا ہے وہ تھوڑا ہے۔ اسی وجہ سے آپ کا نام نزار پڑ گیا۔

حضرت نزار رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو ربیعہ ہے آپ نے دو شادیاں کیں۔ ایک سودہ بنت عک سے جن سے حضرت مضر اور ایاد ہیں۔ دوسری خذالہ بنت دحلان جرہمی سے جن سے ربیعہ اور انمار ہیں۔ نور محمدی حضرت مضر کو تفویض ہوا۔

حضرت سیدنا مضر بن نزار:-

نور محمدی آپ ہی کو تفویض ہوا۔ آپ کے تین بھائی اور تھے۔ جن کے اسماء یہ ہیں۔ ایاد، ربیعہ، انمار۔ آپ اور ایاد دونوں حقیقی بھائی تھے۔ ربیعہ اور انمار آپ کے علاتی بھائی ہیں۔ حضرت مضر رضی اللہ عنہ کا لقب "مضر الحمراء" تھا۔ آپ ملت ابراہیم کے پابند تھے۔ نہایت شیریں آواز اور سفید رنگ تھے۔ مضر الحمراء کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے والد ماجد نے آپ کو سرخ دینار، سرخ اونٹ، سرخ چیزیں، عنایت کی تھیں۔ اس لئے مضر الحمراء مشہور ہو گئے تھے۔

حضور پر نور (صلے اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے:-

لاتسبوا مضر فانه كان قد اسلم (طبقات ابن سعدؒ)

یعنی مضر کو برا نہ کہو وہ مسلمان ہیں۔

آپ لوگوں کو پند و نصائح فرماتے تھے اور دین ابراہیمی کی تاکید کرتے تھے۔ آپ کی زوجہ مکرمہ کا نام رباب بنت حیدہ بن معد بن عدنان ہے۔ آپ کے دو صاحبزادے مشہور ہیں عیلان اور حضرت الیاس۔ نور محمدی سے حضرت الیاس مالا مال ہوئے۔

حضرت الیاس بن مضر رضی اللہ عنہ

کی اہل عرب نہایت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ اور "سید العرب" کہہ کر پکارتے تھے۔ آپ اپنی قوم میں نہایت ہی حسین و جمیل تھے۔ سبھی قابل احترام تھے۔ اور بزرگ ترین سمجھے جاتے تھے۔

سب سے پہلے قربانی کے اونٹ بیت اللہ شریف میں آپ نے ہی بھیجے ہیں۔ آپ جب حج تشریف لے جاتے تھے تو کان یسمع فی صلبہ تلبیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالحج (زرقانی علی المواہب جلد اول ص۷۸) یعنی اپنے صلب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا "اللہم لبیک" کہنا سنتے تھے۔

جب آپ نے وصال فرمایا تو آپ کی اہلیہ مکرمہ لیلیٰ خندف بنت حلوان نے اتنا غم کیا کہ جب تک حیات رہیں اس جگہ سے نہ اٹھیں جہاں آپ کا وصال ہوا تھا۔ اور کبھی سایہ میں نہ بیٹھیں۔ اکثر لوگ ان کے غم و الم کی مثال پیش کرتے تھے۔ آپ اپنے والد ماجد کی طرح دین ابراہیمی پر قائم تھے۔ اور اسی کی دوسروں کو تلقین فرمایا کرتے تھے۔ حضور محبوب رب العٰلمین صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لاتسبوا الیاس فانہ کان مومنا (الحاوی للفتاوی ج۲) یعنی حضرت الیاس کو برا نہ کہو۔ بلاشبہ وہ مومن تھے۔

آپ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ نور محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مُدرکہ کو تفویض ہوا۔ آپ بھی دین ابراہیمی پر قائم تھے۔ اور اسی کی لوگوں کو نصیحت و وصیت کیا کرتے تھے۔

حضرت مُدرکہ بن الیاس رضی اللہ عنہما

آپ کا اسم شریف عمرو یا عامر تھا اور لقب مدرکہ تھا۔ چونکہ آباء و اجداد کرام کے فضل و کمال حاصل فرمائے تھے اس لئے مدرکہ نام مشہور ہو گیا۔ اصل لفظ مدرک ہے تا بمعنی وصفی سے اسمی کی طرف نقل کے لئے ہے۔

بعض کا قول ہے کہ آپ کے والد حضرت الیاس اپنے اونٹوں کو لے کر چرانے جا رہے تھے۔ راستہ میں اونٹوں کی نظر ایک خرگوش پر پڑی تو آپ خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے۔ آپ کی تلاش میں آپ کے والد صاحب گئے اور آپ کو ڈھونڈ کر واپس لے آئے اس لئے آپ کا لقب "مدرکہ" (پانے والا) ہو گیا۔ یا ایک مرتبہ اونٹ یا خرگوش کا پیچھا کر کے پکڑ لیا تھا تو آپ کے والد نے شاباشی کے طور پر "مدرکہ" فرمایا۔ اور وہ مشہور ہو گیا

حضرت مدرکہ کے بھی پانچ فرزند مشہور ہیں۔ آپ کی زوجہ مکرمہ کا نام سلمیٰ بنت اسلم ہے۔ نور محمدی ان سے منتقل ہو کر بڑے فرزند حضرت خزیمہ کو تفویض ہوا۔

حضرت خزیمہ بن مدرکہ رضی اللہ عنہما

آپ کے سات فرزند تھے۔ ایک فرزند کا نام اسد تھا۔ اسی وجہ سے آپ کی کنیت ابو الاسد ہے۔ آپ کی پیشانی میں نور محمدی ظاہر و روشن تھا۔

آپ کا دین ابراہیمی پر وصال ہوا۔ (زرقانی علی المواہب) آپ کی زوجہ کا نام عوانہ بنت سعد ہے۔ آپ کے سات بیٹے تھے۔ سب سے بڑے بیٹے حضرت کنانہ تھے۔ نور محمدی انہیں کو تفویض ہوا۔ آپ کی پیشانی میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نور چمکتا تھا۔

حضرت کنانہ بن خزیمہ رضی اللہ عنہما

آپ کی کنیت ابو النضر تھی۔ حضور رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اولاد ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو برگزیدہ کیا۔ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے بنی کنانہ کو۔ اور بنی کنانہ سے قریش کو۔ اور قریش سے بنی ہاشم کو۔ واصطفانی من بنی ھاشم (مشکوٰۃ شریف) اور بنی ہاشم سے مجھ کو برگزیدہ کیا۔

آپ صاحب فضل و کمال اور برگزیدہ ہستی تھے۔ آپ کے علم و فضل سے اہل عرب آپ کی نہایت قدر و منزلت کرتے تھے حضرت سیدنا کنانہ، حضرت عیسیٰ روح اللہ، حضرت سیدنا زکریا، حضرت سیدنا یحییٰ علیہم السلام کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی تھی اس وقت آپ کی عمر شریف پندرہ سال کی تھی۔ تو حضرت کنانہ سے ملاقات فرما کر نہایت خوش ہوئے۔ اور بشارت دی کہ آپ کی پشت مبارک میں نبی خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کا نور ہے

وہ آپ کی اولاد سے ظہور فرمائیں گے۔

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ ایک مرتبہ حضرت عیسٰی علیہ السلام شام و فلسطین سے حجاز مقدس تشریف لائے تھے۔

آپ کی زوجہ کا نام برہ بنت مر ہے۔ آپ کے چودہ بیٹے تھے۔ نور محمدی حضرت نضر کو تفویض ہوا۔

حضرت سیدنا نضر بن کنانہ رضی اللہ عنہما:- آپ کا اصلی نام قیس تھا۔ ابومخلد آپ کی کنیت، نضر لقب مشہور و معروف تھا کیونکہ نضر کے معنی ہیں تروتازہ، خوبصورت اور پررونق۔ چنانچہ قرآن میں ہے تعرف فی وجوھھم نضرۃ النعیم (پ ۳۰ ع ۸) یعنی تو ان کے چہروں میں چین کی تازگی پہچانے (ترجمہ رضویہ) یعنی وہ خوشی سے دمکتے چمکتے ہوں گے۔ اور سرور قلب کے آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہوں گے۔

آپ کی زوجہ مکرمہ کا نام عکرشہ بنت عدوان ہے۔ آپ کے آٹھ صاحبزادے تھے۔ نور محمدی حضرت مالک کو تفویض ہوا۔ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے لاتسبوا قیسا فانہ کان مسلمًا (الحاوی للفتاوی ج ۲) قیس کو برا نہ کہو بلاشبہ وہ مسلمان تھے۔

حضرت سیدنا مالک بن نضر رضی اللہ عنہما:- مالک (بروزن فاعل) آپ کا اصل نام مالک ہے۔ اور آپ کی کنیت ابوالحارث۔ صاحب تاریخ خمیس کا کہنا ہے کہ آپ کا نام مالک اس وجہ سے مشہور تھا کہ آپ 'ملک العرب' تھے۔ آپ نہایت سخی، مہمان نواز، اور صاحب اقتدار و صاحب وجاہت تھے۔

آپ کی زوجہ کا نام جندلہ بنت عامر تھا۔ نور محمدی بڑے صاحبزادے فہر کو تفویض ہوا۔

حضرت سیدنا فہر بن مالک رضی اللہ عنہما:- آپ کی کنیت ابوغالب اور لقب قریش تھا۔ اور بعض کا قول ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کا نام قریش رکھا تھا۔ اور والد نے فہر رکھا تھا۔

قریش قرش کی تصغیر ہے اس مچھلی کو کہتے ہیں جو پانی کے اندر جانوروں کو اپنے دانتوں سے تلوار کی طرح کاٹ دیتی ہے۔ آپ کو اور آپ کی اولاد کو قریش قوت و طاقت اور شجاعت کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ کا قبیلہ تمام قبائل سے طاقتور اور قوی تھا۔

بعض کا کہنا ہے کہ قریش تقرش سے مشتق ہے تقرش کے معنی ہیں جمع ہونے کے۔ چونکہ یہ قبیلہ متفرق و منتشر ہونے کے بعد ایک جگہ جمع ہوا۔ اس وجہ سے قریش کہتے ہیں۔

بعض کا قول ہے کہ یہ قبیلہ تجارت پیشہ تھا اس وجہ سے قریش کہتے ہیں۔

ابن اسیر کا کہنا ہے کہ جب حسان حاکم یمن کی نیت میں فتور آیا اور اپنی فوج لے کر مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہوا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ کعبہ شریف کو گرا کر (معاذ اللہ) اس کے پتھروں کو یمن لے جا کر وہاں دوسرا کعبہ بنائے۔

حضرت سیدنا فہر رضی اللہ عنہ نے مع اپنے بھائیوں کے ساتھ مقابلہ کر کے حسان کو گرفتار کر لیا۔ اس کی فوج کو شکست فاش ہوئی۔ تین سال یا اس سے زیادہ بقول دیگر تین سال قید رہا۔ رہا ہونے کے بعد واپس جاتے جاتے راستہ میں مرگیا۔ (کامل ابن کثیر جلد دوئم)

حضرت فہر غالب آئے اسی وجہ سے آپ کو قریش کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

آپ مکہ مکرمہ میں رئیس اور سردار کی حیثیت رکھتے تھے۔ حضرت ابوعبیدہ عامر امین امت فاتح شام از عشرہ مبشرہ کا سلسلۂ نسب ان سے ملتا ہے۔ آپ کی اہلیہ مکرمہ کا نام لیلیٰ بنت الحارث ہے۔ آپ کے سات بیٹے تھے۔ نور محمدی آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت غالب کو تفویض ہوا۔

حضرت سیدنا غالب بن فہر رضی اللہ عنہما:- آپ کی کنیت ابوتیم ہے۔ آپ کو غالب اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ آپ سب پر غالب رہتے تھے۔ جو غلبہ سے مشتق ہے۔ آپ کی زوجہ کا نام عاتکہ بنت یخلد ہے۔ نور محمدی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کے فرزند اکبر حضرت سیدنا لوی کو تفویض ہوا۔ آپ نہایت ذی عقل ذی فہم تھے۔ شان شبیریت میں اپنا

جواب آپ تھے۔

حضرت سیدنا لوئی بن غالب رضی اللہ عنہما لُوئی، بضم اللام والہمزہ) آپ کا اسم گرامی لوئی اور کنیت ابو کعب ہے۔ آپ کی اہلیہ مکرمہ کا نام معاویہ بنت کعب ہے۔ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور آپ کے فرزند اکبر حضرت کعب کو تفویض ہوا۔

حضرت سیدنا کعب بن لوئی رضی اللہ تعالیٰ عنہما:- کو کعب اس وجہ سے کہا جاتا تھا کہ آپ کے اندر بزرگی و شرف غایت درجہ کا تھا۔ اور اپنی قوم میں اشرف و اعلیٰ تھے۔ کعب کے معنی ہیں "بلند و بالا" آپ روز جمعہ لوگوں کو جمع کرکے وعظ و نصیحت کرتے۔ یہ طریقہ آپ ہی کی ایجاد ہے۔ آپ جمعہ کے دن لوگوں کو جمع کرکے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر فرماتے تھے۔ اور قریش کو بتاتے تھے کہ وہ مکرم نبی میری اولاد و اجداد میں سے ہوں گے۔ اور پھر آپ پر ایمان لانے اور اتباع کرنے کا حکم دیتے۔ اور چند اشعار بھی پڑھتے۔ ان میں سے ایک شعر یہ ہے:-

علیٰ غفلتها یاتی النبی محمد !!
فیخبر اخبارًا صدوقا خبیرها

یعنی جب زمانہ کے لوگ غفلت کے شکار ہوں گے (اس وقت اللہ کے) نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لائیں گے۔ آپ سچی خبریں دیں گے اور زمانہ کے سچے خبیر ہوں گے۔ (مراۃ العالم بحوالہ ذکر الحسینؓ)

یالیتنی شاهدٌ فحواء دعوته
اذا قریش تبغی الحق خذلانا

اے کاش میں ان کی دعوت کے وقت موجود ہوتا۔ جب کہ قریش حق کو جلا وطن کریں گے۔

آپ کی اہلیہ کا نام مخشر بنت شیبان ہے۔ نور سرکار آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مرّہ کو تفویض ہوا۔ سیدنا فاروق اعظم، حضرت سعید از عشرہ مبشرہ، سیدنا عمرو بن عاص فاتح مصر۔ حضرت عثمان بن مظعون جیسے اکابر صحابۂ کرام کا سلسلہ آپ ہی سے جا ملتا ہے۔

○○○○○○○○○○

حضرت سیدنا مرّہ بن کعب رضی اللہ عنہما آپ کی کنیت ابو یقظہ ہے۔ آپ کی زوجہ کا نام ہند بنت سریر ہے۔ آپ کے تین بیٹے، کلاب، تیم، یقظہ تھے۔ نور محمدی حضرت سیدنا کلاب کو تفویض ہوا۔ یقظہ کے بیٹے مخزوم ہیں جن کی اولاد بنی مخزوم کہلاتی ہے۔ حضرت صدیق اکبر و حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما کا سلسلۂ نسب تیم بن مرہ سے چھٹی، پشت میں جا ملتا ہے۔

حضرت سیدنا کلاب بن مرہ رضی اللہ عنہما:- آپ کا اسم گرامی حکیم اور کنیت ابو زہرہ ہے۔ کلاب جمع کلب کی ہے۔ کلب کتے کو کہتے ہیں وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اہل عرب اپنے فرزندوں کا نام درندوں کے نام پر کلب، ذئب، اسد وغیرہ رکھتے تھے تاکہ بہادر ہوں اور دشمنوں کے۔ شیر دل، بھیڑیوں کی طرح ثابت ہوں۔

اور بعض کا قول ہے کہ آپ نے شکاری کتے بکثرت پال رکھے تھے۔ اس وجہ سے آپ کا نام کلب مشہور ہو گیا۔ (زرقانی وغیرہ۔)

آپ کی اہلیہ کا نام فاطمہ بنت سعد یا بنت سودہ ہے آپ کے دو بیٹے حضرت قصی، حضرت زہرہ۔ حضرت قصی کو نور محمدی تفویض ہوا۔

حضرت سیدنا قصی بن کلاب رضی اللہ عنہما آپ کا اصل اسم شریف زید اور کنیت ابو المغیرہ ہے اور لقب "مجمع" ہے، قصی کے معنی دور رہنے والا۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کے والد کے انتقال کے بعد آپ کے عہد طفولیت میں ربیعہ بن حزام سے شادی کر لی۔ ربیعہ کا قبیلہ ملک شام کی سرحد پر سکونت پذیر تھا۔ اس لئے آپ کو اور آپ کی والدہ کو ربیعہ کے ساتھ دور رہنا پڑا۔ اسی لئے آپ کو قصی کہا گیا۔

قصی تصغیر اقصیٰ بمعنی بعید۔ حضرت سیدنا قصی جب مکہ مکرمہ واپس آئے تو ان کے دوسرے بھائی زہرہ نابینا ہو چکے تھے۔ آپ کی آواز آپ کے والد کی آواز سے مشابہ تھی۔ اس لئے آواز سے پہچانا۔ اور آپ کو جائداد سے حصہ دیا۔ والدہ کے بتلانے

پر آپ کو معلوم ہوا کہ کلاب بن مرہ کا فرزند ہوں ۔
حضرت سیدنا قصی بلند اقبال انسان تھے ۔ ان ہی کی وجہ سے قریش میں چار چاند لگ گئے ۔ اور پورے عرب پر ان کے اقتدار کا سکہ بیٹھ گیا ۔ آپ نہایت حسین وجمیل تھے ۔ اس لئے حلیل بن حبشیہ الخزاعی سردار مکہ نے اپنی بیٹی حبی کا نکاح آپ سے کر دیا ۔ اور بہت سا سامان جہیز میں دیا ۔ نیز کعبہ شریف کی تولیت حلیل کے انتقال کے بعد ابوغبشان نے ایک یا چند اونٹ اور ایک شراب کی بوتل کے عوض اپنا عہدہ یعنی بیت اللہ شریف کا کھولنا، بند کرنا سب حضرت قصی (اپنے بہنوئی) کو فروخت کر دیا ۔ اس طرح آپ کا قبضہ خانہ کعبہ شریف پر بھی ہو گیا ۔

اور بعض کا قول ہے کہ بوقت انتقال حُلیل سردار مکہ نے خانۂ کعبہ کی تولیت کا حق آپ کو ہی دیدیا تھا ۔ اور فرمایا تھا کہ بنی خزاعہ سے یہ زیادہ مستحق ہیں ۔ (طبقات ابن سعد وغیرہ)

بنی خزاعہ نے دیکھا کہ یہ شرف واقتدار ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا ۔ تو اس ہوس نے ان کو چین سے نہ بیٹھنے دیا ۔ آخر آپ سے لڑائی کی ٹھان لی ۔ آپ اپنی قوم کے ساتھ مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی طرفین سے کافی لوگ مارے گئے ۔ آخر تھک کر دونوں نے تعمیر بن عوف کنانی یا عمرو بن عوف کنانی کو اپنا حکم بنایا ۔ انھوں نے فیصلہ یہ دیا کہ مکہ پر قصی حکومت کریں گے ۔ اور قصی بنوخزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا دیں ۔ اور بنوخزاعہ مکہ چھوڑ کر باہر نکل جائیں ۔

کعب بن لوئی کی اولاد میں آپ ہی پہلے شخص ہیں جو کعبہ شریف کے والی وامیر مکہ مقرر ہوئے ۔ امیر مکہ ہوتے ہی آپ نے اپنی منتشر قوم کو مکہ شریف میں جمع کر لیا ۔ اسی لئے آپ کو "مجمع" بھی کہا جاتا ہے ۔ آپ نے مکہ شریف میں بڑے بڑے نمایاں کام کئے ۔ مثلاً سنہ ۴۴۰ء میں آپ ہی نے جمہوریت کی بنا ڈالی ۔ ہر سال ایام حج میں رفادت وسقایت یعنی حجاج کو کھانا کھلانے اور آب زمزم پلانے کا رواج دیا ۔ اور ایک مشورہ گھر بنایا ۔ سب سے پہلے مزدلفہ میں آپ نے روشنی کی ۔ تاکہ لوگوں کو عرفات سے نظر آئے ۔

آپ کے چار بیٹے عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزیٰ، عبد تھے ۔ اور دو لڑکیاں تخمیر یا تخمر، برہ ۔ وصال کے وقت حضرت قصی نے حرم شریف کے تمام مناصب عبدالدار کے سپرد کر دیئے تھے ۔ نور محمدی حضرت قصی سے منتقل ہو کر آپ کے بیٹے حضرت عبدمناف میں آیا ۔

حضرت سیدنا عبدمناف بن قصی رضی اللہ عنہما

: عبدالدار اگرچہ عمر میں سب سے بڑے تھے مگر شرافت و وجاہت میں اپنے بھائیوں کے ہم پایہ نہ تھے ۔ اور حضرت عبدمناف جن کا اصل نام مغیرہ اور کنیت ابو عبدشمس اور لقب عبدمناف ہے ۔ جو اشرف واعلیٰ تھے ۔ یہ سرکار انور صلے اللہ علیہ وسلم کے جد رابع تھے ۔ آپ نہایت حسین وجمیل تھے اسی وجہ سے لوگ آپ کو قمر البطحا کہا کرتے تھے ۔ چونکہ عبد الدار مقام کے مناصب وغیرہ کو نہ نبھا سکے ۔ اس لئے قریش کی سیادت حضرت قصی کے بعد حضرت عبدمناف کو ملی ۔ آپ ایام جاہلیت میں بھی لوگوں کو خدا ترسی حق شناسی کی تلقین کیا کرتے تھے ۔

آپ کی زوجہ کا نام عاتکہ بنت مرہ ہے ۔ آپ کے چار بیٹے نوفل، المطلب، عبدالشمس اور ہاشم تھے ۔ نور محمدی حضرت ہاشم کو تفویض ہوا ۔

حضرت سیدنا ہاشم بن عبدمناف رضی اللہ عنہما

: آپ کا اصلی اسم شریف عمرو تھا ۔ علو مرتبہ کی وجہ سے عمرو العلا کہا جاتا تھا ۔ آپ بڑے ہی مہمان نواز تھے ۔ آپ کا دسترخوان ہر وقت بچھا رہتا تھا ۔ آپ کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے ۔ کہ ایک مرتبہ مکہ شریف میں قریش سخت قحط کے شکار ہو گئے ۔ آپ ملک شام سے خشک روٹیاں خرید کر ایام حج میں مکہ شریف پہنچے اور روٹیوں کو ترید بنایا ۔ اور لوگوں کو پیٹ بھر کر کھلایا ۔ اس دن سے آپ کو ہاشم (روٹیوں کا چورہ تقسیم کرنے والا) کہنے لگے ۔ آپ نہایت حسین وجمیل تھے ۔ آپ کی پیشانی میں نور محمدی کی وجہ سے چمکتی رہتی تھی ۔ جس کی وجہ سے آپ کے احبا آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے تھے ۔ اور جس چیز سے آپ کا گذر ہو جاتا ۔ وہ آپ کو سجدہ کرتی ۔

شادی: قبائل عرب واحبار میں سے مختلف جگہوں سے آپ کی شادی کے پیغام آئے ۔ آخر عمرو بن زید بن لبید خزرجی کی صاحبزادی سلمیٰ جو حسن وجمال، صورت وشرافت میں اپنی

قوم کی تمام عورتوں سے ممتاز تھیں ان سے شادی ہوئی۔ مگر عمرو نے حضرت ہاشم سے یہ عہد لیا کہ سلمیٰ جو اولاد جنے گی وہ اپنے میکے میں جنے گی۔ شادی کے بعد حضرت ہاشم ملک شام چلے گئے جب واپس آئے تو حضرت سلمیٰ کو اپنے ساتھ مکہ میں لے آئے حمل کے آثار بخوبی محسوس ہوئے۔ تو آپ حضرت سلمیٰ کو مدینہ میں چھوڑ کر خود شام چلے گئے۔ اور وہیں غزہ (یہ شہر مصر کی طرف اتصالئے شام میں ہے) میں پچیس سال کی عمر میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ حضرت سلمیٰ کے ایک صاحبزادے تولد ہوئے۔ جن کا نام عبدالمطلب مشہور رہا۔ نور محمدی انھیں کو تفویض ہوا۔

حضرت سیدنا عبدالمطلب بن ہاشم رضی اللہ عنہ: آپ کا اسم گرامی شیبۃ الحمد کنیت ابوالحارث ہے۔ آپ کے سر پر چند سفید بال تھے اسی وجہ سے آپ کو شیبہ (سفید بالوں والا) نام کے ساتھ یاد کیا گیا۔ بعض کا قول ہے کہ سفید بال بڑھاپے کی نشانی ہے۔ اس لئے شیبہ نام پڑ گیا۔ چونکہ آپ اپنی ننھیال مدینہ میں تولد ہوئے اس لئے مطلب کو خبر ہونے پر ان کو لینے مدینہ شریف پہونچے۔ جب مدینہ طیبہ سے واپس آئے تو آپ کو اپنے پیچھے اونٹ پر سوار کر لیا۔ شیبہ کے کپڑے پھٹے پرانے تھے جب چاشت کے وقت مکہ شریف میں داخل ہوئے۔ تو لوگوں نے مطلب سے پوچھا آپ کون ہیں۔؟ فرمایا ہٰذا عَبدِی۔ یہ میرا غلام ہے۔ اس وجہ سے حضرت شیبہ کو عبدالمطلب کہنے لگے (سیرت رسول عربی ص ۳۵)

ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ کی پرورش آپ کے عم محترم نے کی تھی۔ اور اہل عرب کا طریقہ ہے کہ یتیم کی پرورش کرنے والے کو عبد کہا کرتے تھے۔ اس لئے آپ کو عبدالمطلب کہا گیا۔ اور اسی سے آپ مشہور ہوئے۔

نور محمدی: مطلب کے بعد اہل مکہ کی ریاست عبدالمطلب کو ملی۔ اور رفادت و سقایت ان کے حوالہ ہوئی۔ نور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی پیشانی میں چمک رہا تھا۔ ان سے کستوری کی سی خوشبو آتی تھی۔ جب قریش کو حادثہ پیش آتا۔ تو عبدالمطلب کو کوہ شبیہ پر لے جاتے اور ان کے توسل سے بارگاہ الٰہی میں دعا مانگتے۔ اور ایام قحط میں ان کے وسیلہ سے باراں طلب کرتے۔ وہ دعا مقبول ہوتی۔

تحنث: حضرت عبدالمطلب پہلے شخص ہیں جو تحنث کیا کرتے تھے۔ یعنی ہر سال رمضان میں کوہ حرا میں جا کر خدا کے گیان، دھیان میں گوشہ نشین رہا کرتے تھے۔ آپ موحد تھے۔ ہر حرام کو حرام جانتے تھے۔ اور نہایت فیاض مجاب الدعوات تھے۔

مطعم الطیر کی وجہ تسمیہ: آپ اپنے دسترخوان سے پہاڑوں کی چوٹیوں پر پرند چرند کو کھلایا کرتے تھے۔ اس لئے آپ کو مطعم الطیر (پرندوں کو کھلانے والے) کہا جاتا تھا۔

چاہِ زمزم: حضرت عبدالمطلب نے چاہ زمزم کو نئے سرے سے کھدوا کر درست کیا۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ حضرت سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد کعبہ کی تولیت ثابت بن اسمٰعیل کے سپرد ہوئی۔ ثابت کے بعد ثابت کا نانا مضاض بن عمرو جرہمی متولی ہوا۔ جب بنی جرہم حرم شریف کی بے حرمتی کرنے اور کعبہ کے مال اپنے خرچ میں لانے لگے۔ تو بنو بکر بن عبد مناف بن کنانہ اور غشیان خزاعی نے ان کو مکہ سے یمن کی طرف نکال دیا۔ اس وقت سے خزاعہ متولی ہوئے۔ خزاعہ میں سے اخیر متولی حُلیل بن حبشیہ تھا۔ جس کے بعد تولیت قصی کے ہاتھ آئی، جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے۔

عمرو بن حارث بن مضاض جرہمی نے جاتے وقت کعبہ کے ہر دو غزال طلائی اور حجر رکن کو و نیز دیگر تبرکات مثلاً فدیہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے سینگ، کچھ مخصوص تلواریں، زرہیں، سب کو چاہ زمزم میں ڈال کر اسے پاٹ دیا۔ کنویں کے نشان تک مٹا دیئے۔ اس وقت سے لے کر حضرت عبدالمطلب تک چاہ زمزم کا پتہ نہ تھا۔ حضرت عبدالمطلب کو مسلسل چار دن خواب میں چاہ زمزم کھودنے کا حکم ہوا۔ خواب ہی میں جگہ کی نشان دہی بھی کی گئی۔ کہ خون اور لید کے درمیان یعنی قربان گاہ پر جہاں پر چیونٹی کا سوراخ ہے اور تمہارے سامنے ایسا کوا جس کی ایک ٹانگ سفید ہے، چونچ مارے وہیں زمزم ہے۔

آپ کے پاس اس وقت صرف ایک صاحبزادے

حارث تھے ان کو ساتھ لے کر اس جگہ کو کھودنے لگے۔ جب کنوئیں کا بالائی حصہ نظر آیا تو آپ نے خوشی میں تکبیر کہی۔ کنوئیں میں ڈالی ہوئی اور پر کی جملہ چیزیں ملیں۔ یہ دیکھ کر قریش دوڑتے ہوئے آئے۔ اور کہا کہ اس شرف میں ہمیں بھی شریک کرئیے۔ اس میں ہمارا بھی حق ہے۔ آپ اس پر راضی نہ ہوئے۔ آخر جھگڑا بڑھا۔ پھر قرعہ اندازی کی ٹھہری۔ قرعہ میں ہر دو غزال طلائی کعبہ کے نام، اور تلواریں زرہیں حضرت عبدالمطلب کے نام نکلیں۔ قریش کے نام قرعہ اندازی میں کچھ نہ نکلا۔ حضرت عبدالمطلب نے ہر دو غزال اور تلواریں کعبہ شریف کے دروازے پر آویزاں کیں۔ کہا گیا ہے کہ پہلے وہ شخص جس نے کعبہ پر سونا نذر کیا، عبدالمطلب ہیں۔

ان تمام جھگڑوں کے بعد کنواں کی کھدائی پورے طور پر ہوئی۔ حضرت سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد آپ کی محنت سے پھر دنیا آب زمزم سے سیراب ہوگئی۔

(سیرت رسول عربی وغیرہ)

آپ کی چار بیویاں تھیں۔ جن کے تیرہ بیٹے الغیداق[1] قثم[2]، عبدالکعبہ[3]، ضرار[4]، المقدم[5]، حجل[6]، الحارث[7]، ابولہب[8]، ابوطالب[9]، الزبیر[10]، العباس[11]، حمزہ[12]، حضرت عبداللہ[13] اور چھ لڑکیاں ہوئیں۔ تیرہ بیٹوں میں آخرالذکر سات بیٹے بہت زیادہ مشہور ہیں۔ نور محمدی حضرت عبداللہ کو تفویض ہوا۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما :- حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور محمد عربی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے والد ماجد ہیں۔ آپ کی کنیت ابو محمد، ابو احمد اور لقب ذبیح اللہ ہے۔ سرکار مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انا ابن الذبیحین یعنی دو ذبیحوں (حضرت اسماعیل وحضرت عبداللہ) کا بیٹا ہوں۔ اس کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں ملاحظہ ہو۔

حضرت عبداللہ کی شادی :- حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی شادی کے لئے حضرت عبدالمطلب ایک ایسی حسین وجمیل عورت کی تلاش میں تھے جو شرف ونسب حسب وعفت میں ممتاز ہو۔ اس لئے آپ کی شادی حضرت وہب کی بیٹی آمنہ بنو زہرہ کی چشم وچراغ سے ہوئی جو حسب ونسب اور حسن وجمال میں ممتاز تھیں۔ ان کا نسب ماں کی طرف سے حضرت سیدنا قصی پر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ غرض کہ حضرت عبداللہ کی شادی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوگئی۔ عرب کے دستور کے مطابق کہ شادی کے بعد دولھا تین یوم سسرال میں رہتا تھا حضرت سیدنا عبداللہ بھی اسی رسم کے مطابق تین یوم سسرال میں رہے۔

نور محمدی :- شادی کے پہلے ہی ہفتہ میں خدا تعالےٰ کی امانت حضرت سیدنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تفویض ہوگئی۔ وہ جمعہ کی رات تھی۔ خدا تعالےٰ نے رضوان خازن جنت کو حکم دیا کہ جنت الفردوس کھولے اور منادی کرنے والے فرشتے کو حکم دیا کہ وہ آسمانوں اور زمین میں پکارے کہ اے ساکنان آسمان وزمین! سن لو! اور آگاہ ہو جاؤ کہ نبی آخری الزماں ہادی انس وجاں، مالک دوجہاں کا نور آج اپنی والدہ ماجدہ کے بطن مبارک میں قرار پکڑ گیا۔ اور پھر آدمیوں کی طرف ایسے حال میں ظہور فرمائے گا کہ وہ بشیر ونذیر ہوگا۔ (زرقانی)

حضرت سیدنا عبداللہ کی وفات :- راجح قول یہی ہے کہ حضرت عبداللہ کی وفات حضور محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پہلے ہی ہوگئی تھی۔ یعنی دو ماہ حمل پر گذرے تھے کہ آپ کا وصال ہوگیا۔

حضرت عبداللہ قریش کے کاروان تجارت کے ساتھ شام کے مشہور شہر غزہ گئے۔ واپسی میں بیمار ہوگئے۔ اس لئے مدینہ شریف میں اپنے والد کی ننھیال بنی نجار میں رک گئے۔ اور ایک ماہ رہ کر پچیس سال کی عمر شریف میں وفات فرما گئے۔ دار نابغہ میں مدفون کئے گئے۔ جب عبدالمطلب کو اپنے لاڈلے بیٹے کی وفات کی خبر ملی تو غم والم کی انتہا نہ رہی۔ سارا گھر ماتم کدہ بن گیا۔ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کی وفات پر غم والم کے اتھاہ ساگر میں ڈوب کر جو اشعار کہے ہیں۔ وہ مطالعہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

ترکہ :- حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ترکہ ایک لونڈی ام ایمن برکہ حبشیہ اور پانچ اونٹ

اور کچھ بکریاں تھیں ۔ یہ سب ترکہ سرکار دارین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا ۔

خوشی کا سال :- جب نور محمدی حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک میں منتقل ہو گیا تو بہت سے عجائبات ظہور میں آئے ۔ اس سال قریش میں سخت قحط سالی تھی وہ خیر و برکت میں بدل گئی ۔ درختوں میں خوب پھل لگے ۔ قریش نے اس سال کا نام سنۃ الفتح والابتہاج ،، رکھا ۔ یعنی فتح اور خوشی کا سال ۔

غرض کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو ہر شجر و حجر حمل کی خوشخبری دینے لگا ۔ بادشاہوں کے تخت الٹے ، بت اوندھے منہ گر پڑے جن پکار اٹھے کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ قریب آگیا ۔ کہانت کی آبرو جاتی رہی ۔ اور رہبانیت پر خوف طاری ہوا ۔ حضور کی والدہ ماجدہ نے خواب میں سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ تیرے پیٹ میں جہاں کا سردار ہے ۔ جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) رکھنا ۔

خورشید رسالت کا طلوع :- جب دعائے خلیل ، نوید مسیحا کے مجسم بن کر ظاہر ہونے کا وقت آیا تو خدا تعالےٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ آسمانوں اور جنتوں کے دروازے کھول دو ۔ اور آفتاب کو عظیم نورانیت کا لباس پہنا دو ۔ تاکہ اس کی روشنی اور زیادہ ہو

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ قرب ولادت جب مجھے درد شروع ہوا تو میں گھر میں تنہا تھی ۔ ایک خوفناک آواز آئی جس سے میں لرز اٹھی ۔ پھر ایک مرغ سفید نے میرے دل پہ بازو مارا جس سے خوف جاتا رہا ۔ اس کے بعد غیب سے ایک پیالہ نمودار ہوا جس میں نہایت شیریں شربت تھا ۔ میں نے اس کو پیا جس سے مجھے مکمل سکون ہو گیا ۔ پھر کچھ عورتیں غیب سے نمودار ہوئیں جو قد و قامت اور حسن و جمال میں عبد مناف کی بیٹیوں کی طرح تھیں ۔ انھوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا ۔ پھر انھوں نے خود کہا کہ ہم آسیہ (فرعون کی بی بی) اور مریم (حضرت عیسیٰ کی والدہ) ہیں ۔ اور یہ ہمارے ساتھ حسین حوریں ہیں ۔

پھر میں نے مردوں کو (یہ فرشتے تھے جو لباس بشریت میں موجود تھے) دیکھا کہ ہوا میں بسلسلۂ ولادت تعظیماً کھڑے ہیں ۔ اور ان کے ہاتھ میں چاندی کی ابریقیں ہیں ۔ پھر میں نے پرندوں کے جھنڈ دیکھے جنھوں نے میرے حجرہ کو ڈھانپ لیا ہے ۔ ان کی چونچیں زمرد کی اور بازو یاقوت کے تھے ۔ پھر خدائے تعالیٰ نے میری آنکھوں سے حجابات اٹھا دیئے ' تو میں نے زمین کے شرق و غرب کو دیکھا اور میں نے تین جھنڈے دیکھے ۔ ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں ، تیسرا کعبہ شریف میں نصب تھا غرض بارہویں تاریخ ربیع الاول (مطابق بیس اپریل، ۵۷۱ء) ہجرت مقدسہ سے ترپن برس پہلے اسی سال جس میں قصہ اصحاب فیل واقع ہوا تھا ۔ یعنی واقعہ اصحاب فیل کے پچپن دن پہلے دوشنبہ کے دن صبح صادق یعنی فجر کے وقت کہ ابھی ستارے آسمان پر نظر آرہے تھے رحمت عالم نور مجسم حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ۔ سارا عالم آپ کے نور سے روشن و منور ہو گیا ۔

سجدہ : زمین پر قدم رکھتے ہی آپ سجدہ میں سر رکھ کر دونوں انگلیاں آسمان کی طرف اٹھا کر اپنے رب کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول ہو گئے جسم مقدس ہر طرح کی گندگی سے پاک تھا ۔ اور تیز لو کستوری کی طرح آتی تھی ۔ ناف بریدہ ، ختنہ شدہ ، پیدا ہوئے ۔ چہرۂ اقدس چودہویں رات کے چاند کی طرح نورانی ، آنکھیں سرمگیں ، دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت درخشاں ، آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب کو جو اس وقت خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے تھے بلا بھیجا ۔ وہ آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے ۔ اور بیت اللہ شریف میں جاکر صدق دل سے دعا کی ۔ اور اس نعمت عظمیٰ کا شکریہ ادا کیا ۔

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند ،
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام ،

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے حضور کو ایسا پاک و صاف جنا کہ (عموماً پیدائش کے وقت جو آلائش نکلتی ہے) کسی قسم کی ناپاکی نہ تھی ۔ (شفا شریف ج ۱ ص ۵۳)

سادگی و شرافت

مولانا قمر الہدیٰ فریدی

سیرت النبی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ پہلو بھی کتنا فکر انگیز ہے کہ اس تاجدار عرب کی زندگی کو جس رخ سے دیکھیے کہیں کسی خامی کا احساس نہیں ہوتا۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کچھ کم حیرت کی بات نہیں، کہ وہ زندگی کے کسی ایک شعبہ میں ہی نہیں بلکہ تمام تر جائز شعبہ ہائے حیات میں اس شان اکملیت کے ساتھ جلوہ گر نظر آتے ہیں کہ عقلِ سلیم بے اختیار پکار اٹھتی ہے کہ

"بے شک انسانیت کے لئے ہر اعتبار سے اور ہر موڑ پر، قیامت تک اگر کوئی ذات اقدس نمونۂ عمل ہے تو وہ صرف اور صرف سیدنا محمد عربی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وجود باجود ہے۔ لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ اس سے آگے ایک مقام اور بھی ہے

جہاں پہنچ کر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ عقل یہ دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے کہ ایک طرف تو سرِ درِ کائنات کی عظمت وافتخار کا یہ عالم ہے کہ ساری مخلوقات میں کوئی ان کی مثل نہیں [1] اور دوسری جانب ان کے کمال تواضع کا یہ حال ہے کہ اپنا ہر چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا کام بھی وہ بلا پس و پیش خود انجام دے لیتے ہیں [2]

اور اس طرح انجام دیتے ہیں کہ سادگی و شرافت ان کے کردار پر ناز کرتی ہے۔ انھیں اپنے مرتبے کا احساس تو ہے لیکن اس احساس کے ادراک کا انداز تو دیکھئے۔ فرماتے ہیں:-

"میں بنی آدم کا سردار ہوں۔ لیکن مجھے اس پر فخر نہیں۔"

یوں کہنے کو تو کم از کم ہر صاحب شعور عجز و انکسار کا اظہار ضرور کرتا ہے۔ لیکن کتنے لوگ ہیں جو عملی طور پر بھی اس کا ثبوت دیتے ہیں؟ اور جو واقعتاً منکسر المزاج ہیں ان ہی کی زندگی کا جائزہ لیجئے تو یہ بات واضح ہو جائے گی۔ کہ اقتدار و اختیار، یا منصب و جاہ کے کس مرتبے پر کسی انسان نے کتنے انکسار سے کام لیا ہے۔ اور پھر اس مشاہدے کو ذہن میں رکھ کر اس سوال پر غور کیجئے کہ عظمت و فضیلت خداداد کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہونے کے باوجود محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم نے جس قدر سادگی و بے نفسی کا ثبوت دیا ہے۔ کیا تاریخ عالم میں کہیں اس کی نظیر ملتی ہے؟ جواب میں ایک ناقابل انکار حقیقت بار بار سر ابھار کر یہی کہے گی کہ ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔

تاریخ گواہ ہے کہ مکہ کے معزز ترین قبیلہ قریش میں پیدا ہونے والے حضور محمد عربی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس زمانے کے مزاج کے مطابق نہ تو کبھی کسی دوسرے قبیلہ کے افراد سے تحقیر آمیز برتاؤ کیا۔ اور نہ اپنے قبیلہ میں ہی اس بنیاد پر اپنے لئے کوئی امتیاز چاہا کہ ہمارا گھرانا، قریش میں ہمیشہ سے ممتاز رہا ہے۔

چال ڈھال، وضع قطع، گفتار و کردار، رہن سہن، لین دین غرض جس پہلو سے دیکھئے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ صاحب خلق عظیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سادگی و شرافت اپنی مثال آپ ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

نبوت کے طور پر اگر رسول اکرم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کی مکی زندگی کو پیش کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب بظاہر مادی آرام و آسائش اور قوت و اختیار حاصل نہیں تھا۔ لیکن ان کی مدنی زندگی کے بارے میں دنیا کیا کہے گی۔؟

کیا عقیدت مندوں کے جھرمٹ میں رہ کر بھی آپ نے کبھی پل بھر کے لئے بھی فخر و غرور کا مظاہرہ فرمایا۔؟

تاریخ کو وہ دن بھی یاد ہے جب مکہ سے ہجرت کے بعد سرور کائنات مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر قبا میں ٹھہرے تھے اور خدائے واحد کی عبادت کے لئے ایک مسجد کی تعمیر کا پروگرام طے پایا تھا۔ چشم فلک نے یہ نظارہ بڑی حیرت سے دیکھا کہ عمارت کی تعمیر میں اوروں کے ساتھ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے۔ وزنی پتھروں کو اٹھاتے وقت جسم اطہر جھک جاتا۔ جاں نثار صحابہ آگے بڑھ کر عرض کرتے حضور کیوں زحمت فرماتے ہیں، ہم حاضر ہیں۔ آپ پتھر ان کے حوالے کر دیتے اور پھر ویسا ہی دوسرا پتھر اٹھا لیتے۔

ایسی بات نہیں تھی کہ اس وقت مزدوروں کی کمی تھی، یا مسجد کی تعمیر کی جلدی تھی، یا جاں نثاروں کے جذبۂ عقیدت و الفت میں وہ وارفتگی نہیں تھی ـــــ سب کچھ تھا، لیکن کائنات کے تاجدار کے مزاج کی سادگی و شرافت سب سے بڑھ چڑھ کر تھی

مدینہ تشریف لے جانے کے بعد جب مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے خاندان نجار کے دو یتیموں، سہل اور سہیل کی دو ر افتادہ زمین منتخب کی گئی۔ اور ان بھائیوں نے اسے بلا معاوضہ دینا چاہا، تو آپ کی شرافت نے یہ بھی گوارا نہ کیا۔ حضرت ابوایوب نے قیمت ادا کی مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ تو ایک بار پھر خدائی کا تاجدار عام مسلمانوں کے دوش بدوش کام کر رہا تھا۔

ہر چشم ظاہر بیں نے تو بس اتنا دیکھا کہ رسول پتھر اٹھا رہے ہیں۔ لیکن دل حقیقت آگاہ نے سمجھ لیا کہ وہ اپنے دست اقدس سے دین کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھ رہے ہیں۔

غزوۂ احزاب ۵ھ میں کفار عرب اور یہود کی دس ہزار افواج نے جب مدینہ منورہ کی طرف پیش قدمی کی تو حضرت سلمان فارسی نے دفاع کے لئے شہر کے گرد خندق کھودنے کا مشورہ دیا جب کام شروع ہوا تو سرور کائنات بنفس نفیس صحابۂ کرام کی مدد فرما رہے تھے۔ خندق کھودتے کھودتے ایک، سخت چٹان ایسی آئی کہ کسی سے نہ ٹوٹی۔ آپ آگے بڑھے، ایک ضرب لگائی۔ تو وہ بکھر کے رہ گئے [۳]

ہاں اب زمانہ کو یہ ذہن بھی مل گیا کہ خدائے واحد کے پرستاروں کو آگے بڑھنے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ کہ رہروان شوق کی رہبری کے لئے اپنے جسم و جاں، مال ومنال اور کردار و گفتار کی تمام تر قوت کے ساتھ خود خدائی کے تاجدار میدان عمل میں اتر چکے ہیں۔ ایمان والوں کو معلوم ہو گیا کہ اب راہ میں کوئی سنگ گراں نہیں رہا۔ کیوں کہ عزم سفر کو رحمت عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست اقدس کا سہارا، مل گیا۔ اور ساتھ ہی تاریخ کو محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سادگی و شرافت کا ایک اور نمونہ بھی۔

واضح ہو کہ یہ سادگی و شرافت اس برگزیدہ رسول کی ہے جس کے جاں نثاروں نے اپنی مرضی کو رضائے حبیب کے سانچے میں ڈھال کر جس بے پناہ عقیدت و محبت کا مظاہرہ کیا ہے۔ عشق و اخلاص کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود ثقفی، قریش کی اجازت لے کر حضور سے گفت و شنید کے لئے آیا۔ تو واپس جا کر اس نے ان الفاظ میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا:

"لوگو! میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں۔ لیکن محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے جیسا رعب و دبدبہ نہیں دیکھا وہ بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے۔ وضو کرتے ہیں تو لوگ پانی کے قطروں کو تبرک سمجھ کر حاصل کرنے کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اور لعاب دہن تک کو ہاتھ اور چہروں پر مل لیتے ہیں۔"

دلوں پر حکومت کرنے والے ایسے صاحبِ اقتدار، رسول کی سادگی دیکھئے کہ مسجد نبوی کے بعد ازواج مطہرات کے جو حجرے تیار ہوئے وہ کچی اینٹوں اور کھجور کی ٹٹیوں سے بنے تھے۔ چھ چھ، سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لانبے تھے۔ چھت بس اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھو لیتا تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا۔

گھروں میں رات کو چراغ نہیں جلتے تھے۔

آپ ہر حجرہ میں باری باری سے رات گزارتے، دن کو مسجد نبوی میں تشریف رکھتے۔

ان حجروں کے علاوہ ایک بالاخانہ بھی تھا ــــ ایک چٹائی، کھجور کی چھال سے بھرا ہوا چمڑے کا ایک تکیہ اور لٹکی ہوئی چند کھالیں ــــ یہ تھا اس کمرے کا کل اثاثہ۔

اور اب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شب و روز کا حال بھی سن لیجئے۔ سارے زمانے کے داتا کے گھر میں ایسا بھی ہوا کہ کئی کئی روز تک چولھے نہیں جلے۔ حضرت سعد بن عبادہ، حضرت سعد بن معاذ اور حضرت ابو ایوب جیسے رئیس حضرات، سرور کائنات کے پڑوسی تھے۔ یہ لوگ آپ کی خدمت میں دودھ بھیج دیا کرتے۔ کبھی گھی اور کبھی سالن بھی، پیش خدمت کرتے۔ بس اسی پر آپ اکتفا کرتے یا پھر روزہ رکھ لیتے۔

واقعات کے اس موڑ پر پہنچ کر اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ سرور کائنات کا یہ فقر و فاقہ اختیاری تھا۔ ورنہ، جاں نثاروں کو اشارے کی دیر تھی۔ تنہا حضرت ابو ایوب ہی ساری زندگی رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مہمانی کی سعادت حاصل کر سکتے تھے۔ یہ وہی ابو ایوب تو ہیں جن کے گھر، مدینہ تشریف لانے کے بعد، حضور سات مہینے تک مقیم رہے تھے۔

تاریخ گواہ ہے کہ اس درمیان حضرت ابو ایوب نے ہر آن عقیدت و محبت کا دیوانہ وار مظاہرہ فرمایا تھا۔

ایک رات بالائی منزل پر جہاں حضرت ابو ایوب کے اہل و عیال تھے۔ پانی کا برتن ٹوٹ گیا۔ اندیشہ ہوا کہ پانی بہہ کر نیچے جائے گا اور حضور کو تکلیف ہوگی۔ بس اس خیال کا آنا تھا کہ گھر میں اوڑھنے کا جو لحاف تھا، اسی میں سارا پانی جذب کرا دیا۔

اور صرف ایک ابو ایوب رضی اللہ عنہ ہی پر کیا منحصر ہے سرور کائنات کے لئے تو ہر گھر ابو ایوب کا گھر تھا۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو خیر ہر مومن کے دل کی دھڑکن ہی ٹھہرے ان کا تو پوچھنا ہی کیا، انصار مدینہ نے تو مکہ سے آنے والے ہر مسلمان مہاجر کے قدموں تلے آنکھیں بچھا رکھی تھیں۔

ایثار پسندی، اخلاص پروری، بلند کرداری اور ہمدردی کا عملی مظاہرہ بھی آپ کو اسلام ہی کی تاریخ میں ملے گا۔ کہ جب حضور نے مہاجرین اور انصار مدینہ میں سے ایک ایک کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ تو اس رشتۂ اخوت کے قائم ہو جانے کے بعد انصار نے اپنی ہر چیز آدھی آدھی بانٹ کر اپنے مہاجر بھائی کو دیدی۔ یہاں تک کہ سعد بن الربیع کو دو بیوی تھی۔ انھوں نے اپنے دینی بھائی عبدالرحمن بن عوف سے کہا کہ میں ایک کو طلاق دیتا ہوں، آپ نکاح کر لیجئے۔ لیکن انھوں نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا۔

انصار کا جذبۂ ایثار کچھ اسی پر موقوف نہ تھا۔

مسلسل بدعہدی کے جرم میں قبیلہ بنو نضیر کے افراد ۳ھ میں جب مدینہ سے جلاوطن کئے گئے تو ان کی زمین اور باغوں کے لئے حضور نے انصار سے کہا کہ اگر تم لوگ پسند کرو تو نئے مقبوضات صرف مہاجرین کو دے دیئے جائیں۔ اور تم اپنے نخلستان ان سے واپس لے لو۔

یہ سن کر انصار نے عرض کیا "نہیں۔ ہمارے نخلستان بھی ان ہی کے پاس رہنے دیں۔ اور یہ نئے باغات بھی ہمارے بھائیوں کو عنایت فرمائیں"۔

یہ تھا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کے جاں نثاروں کی دریا دلی کا عالم۔

تو اب ایسی صورت میں لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا، کہ پیغمبر اسلام اگر چاہتے تو دو وقت روٹی کیا چیز ہے۔ دنیا کا ہر عیش و آرام حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن یہ بھی ان کی شرافت ہی تھی کہ انھوں نے سب کو ٹھکرا کر سادگی کو پسند فرما لیا۔

سرور کائنات کے توکل کا یہ حال تھا کہ کبھی کچھ دوسرے دن کے لئے نہیں اٹھا رکھا۔ چنانچہ جب "آپ اس دنیا سے تشریف لے

گئے تو کچھ نہ چھوڑا۔ نہ درہم، نہ دینار، نہ غلام، نہ لونڈی اور نہ کچھ اور بجز اپنا سفید خچر، ہتھیار اور کچھ زمین جو عام مسلمانوں پر صدقہ کر گئے تھے۔"

اور یہ واقعہ بھی آپ کی شان استغنا پر گواہ ہے کہ ایک موقع پر حضرت ام انس نے اپنی کچھ جائیداد خدمت اقدس میں پیش کی تو آپ نے اسے قبول فرما کر اپنی دایہ ام ایمن کو دیدیا۔

آپ کی سادگی و شرافت ہی کے سلسلہ کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ اپنی چہیتی صاحب زادی حضرت فاطمہ کے لئے سرور کائنات نے جس ذات گرامی کو پسند فرمایا وہ حضرت علی ابن ابی طالب تھے جن کے پاس ایک گھوڑا، ایک زرہ، ایک بھیڑ کی کھال اور بوسیدہ یمنی چادر کے سوا کوئی اور مادی دولت نہیں۔ البتہ وہ شرافت، شجاعت اور علم وعمل کے جوہر بے بہا سے یقیناً مالامال تھے۔

جہیز میں سرور کائنات نے اپنی بیٹی کو جو کچھ دیا، وہ بھی قابل ذکر ہے۔ بان کی ایک چارپائی چمڑے کا ایک گدا جس میں کھجور کے پتے تھے۔ ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں اور مٹی کے دو گھڑے۔

آپ کے ایک اشارہ پر یہ فہرست خاصی طویل بھی ہو سکتی تھی۔ اگر ہر گھر سے تحفتاً ہی کچھ دینے کا سلسلہ شروع ہو جاتا تو اندازہ لگائیے، کتنا سامان اکٹھا ہو جاتا۔ لیکن رسول کی نگاہ میں جہیز کی فراوانی اہم نہیں تھی، رسم کی سادگی عزیز تھی۔ دنیا والوں کو یہ بتانا مقصود تھا کہ جہیز خوشی سے دینے کی چیز ہے، اسے بوجھ نہ بناؤ۔ یہ واقعہ افضل البشر کی سادگی و شرافت کا آئینہ بھی ہے۔ اور بڑھتے ہوئے جہیز کی لعنت میں گرفتار معاشرے کے لئے درس عبرت بھی۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال سادگی و شرافت کا ایک نمونہ صلح حدیبیہ بھی ہے۔

ذوقعدہ سنہ ۶ھ میں آپ حج کے لئے قربانی کے شتر اونٹ لے کر بہ اختلاف روایت ایک ہزار تین سو یا ایک ہزار آٹھ سو رفقاء کے ساتھ مدینہ روانہ ہوئے۔ قریش کو معلوم ہوا تو انھوں نے مزاحمت کی، آپ ثنیۃ المرار میں ٹھہر گئے۔ کفار مکہ کی جانب سے گفت وشنید کے لئے لوگ آئے۔ تو کچھ مشرکین اچانک حملہ کر بیٹھے۔ ان میں سے چھ حملہ آور گرفتار بھی ہو گئے۔ لیکن رحمۃ للعالمین نے نہ صرف یہ کہ انھیں معاف کر دیا بلکہ ان کے ہتھیار بھی واپس کر دئے۔ بعد میں قریش ہی کی پیش کردہ شرائط پر آپ نے صلح فرمائی۔ اور حج کو آئندہ سال کے لئے ملتوی کیا۔ دوسرے سال تشریف لانے سے قبل آدمی بھیج کر کفار مکہ سے اجازت لی۔ اور جب آئے تو حسب وعدہ تین روز رہ کر واپس لوٹ گئے۔

صلح حدیبیہ کے معاہدے کی تمام شقیں سراسر اہل مکہ کی من مانی تھیں۔ لیکن آپ نے امن وامان کی خاطر اس معاہدے پر جس طرح عمل کیا۔ اس کی مثال بھی ایفائے عہد کی تاریخ میں شاذ ہی ملے۔ محمد رسول اللہ کی سادگی و شرافت نے اگر ایک طرف اقدار حیات کا تعین فرمایا ہے۔ تو دوسری جانب انسان کو رشتوں کا احترام کرنا بھی سکھایا ہے۔ آپ کو والد کے ترکے میں ایک حبشیہ کنیز ام ایمن ملی تھیں۔ جو آپ کی انا یا دایہ بھی تھیں آپ ہمیشہ انھیں ماں کہہ کر یاد کرتے تھے۔ جب ان کو دیکھتے فرماتے۔ اب یہی میرے خاندان کی یادگار رہ گئی ہیں۔

اس دور میں جب کہ کنیز اور غلام کو سماج میں کوئی مقام نہیں تھا۔ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دایہ کو ماں کہہ کر ساری دنیا کو یہ ذہن دیدیا کہ انسان کو مال و دولت یا پیشہ وحیثیت کے ترازو پر تولنا درست نہیں۔ آدمی کو تو، آدمیت کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیئے۔ اور جو اس امتحان میں پورا اترے، اس کا معاشرے میں خواہ کوئی مقام ہو یا نہ ہو مگر تمہارے دل میں اس کے لئے جگہ ضرور ہونی چاہیئے۔

شرافت کا اس سے بہتر سبق اور انسانیت نوازی کا ایسا عملی مظاہرہ بھی آپ نے کہیں اور دیکھا ہے؟ اگر نہیں، تو صاحب خلق عظیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہی کے کردار کے آئینہ میں یہ بھی دیکھ لیجئے۔ اکیس سال کی جان لیوا اور صبر آزما کشمکش کے بعد اسلام غالب آچکا تھا۔ سرور کائنات ۲۰ رمضان المبارک سنہ ۸ھ میں دس ہزار صحابہ کرام کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ قدم رکھ رہے تھے یہ فتح اس لحاظ سے بھی بڑی اہم تھی کہ یہاں کے باشندوں نے اسلام کو پسپا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ اور مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد بھی پیغمبر اسلام کی ایذا رسانی کا سلسلہ بند نہیں کیا تھا۔ بار بار حملے کئے تھے۔ ایسے شہر میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوتے وقت

غیرارادی طور پر ہی سہی۔ فخر کا اظہار ہونا فطری بات ہے لیکن اس موقع پر تو آپ کی تواضع اور بھی نمایاں ہوگئی۔ آپ نے سر مبارک کو اس قدر جھکایا کہ وہ کجاوہ سے مل گیا۔ ؎

پیغمبر اسلام پر پتھر برسائے گئے تھے۔ گلے میں پھندا ڈالا گیا تھا، جھٹلایا گیا تھا، آپ کے جاں نثاروں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے گئے تھے۔ اور آپ کو جسمانی و ذہنی طور پر پریشان کرنے کے لئے ہر ممکن حربہ استعمال کیا گیا تھا۔ مکہ میں باہر سے آنے والے زائرین کو آپ کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں بتائی گئی تھیں۔

انسانی فطرت ہے کہ کوئی بھی آدمی یوں بے سبب اپنی تذلیل برداشت نہیں کرسکتا۔ غصہ کے اظہار کی جرارت نہیں پاتا تو احساسِ بے بسی سے ہی تلملا کر رہ جاتا ہے۔ لیکن جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر نہ اس وقت کوئی شکن آئی تھی اور نہ آج ہی بیتے دنوں کی یاد آئی ہے۔ نہ اس وقت شکست کا احساس جاگا تھا۔ اور نہ آج ہی فخر کی کوئی کرن چہرۂ انور پر جگمگائی ہے۔

چند سال قبل اسی مکہ سے خاموشی کے ساتھ، رات کی تاریکی میں ہجرت کے لئے جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نکلے تھے۔ آج اسی شہر میں آپ طاقت و اختیار کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔ ہجرت کی رات میں قتل کا پروگرام بنانے والے مشرکین نگاہوں کے سامنے ہیں لیکن کسی سے کوئی باز پرس نہیں۔

کوئی ایسا نہ سمجھے کہ آج فتح کی خوشی میں دشمنوں کو معاف کیا جا رہا ہے۔ مجبور تو آپ اس وقت بھی نہیں تھے جب بظاہر مغلوب تھے۔ مانا کہ اس وقت ہاتھ میں تلوار نہیں تھی منھ میں زبان تو تھی زبان مبارک میں بے پناہ تاثیر تھی، ہلاکت کی بد دعا تو دے سکتے تھے۔ دل دکھتا ہے تو زبان سے آہ نہیں نکلتی ہے کیا؟ لیکن طائف والوں کے ظالمانہ سلوک اور ذلیل حرکتوں کے جواب میں بھی محسنِ انسانیت کے گلشنِ کرم میں بہار آئی اور اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ کی شکل میں شرافت کے، پھول برس پڑے۔

ہمیں اس حقیقت سے انکار نہیں کہ اس دنیا میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جنھوں نے اپنے کٹر دشمنوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کیا ہے۔ لیکن کب؟ اور کن حالات میں؟ اور کس حد تک؟

اس نکتہ پر غور کیجئے تو بات سمجھ میں آئے گی کہ

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

کیا تاریخ جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس شرافت کا بھی کوئی جواب پیش کرسکتی ہے کہ جن لوگوں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر آپ وطن عزیز کو خیر باد کہہ رہے تھے۔ ان ہی لوگوں کی امانتیں آپ کے پاس محفوظ تھیں۔ اور آپ جانے سے قبل امانتوں کی واپسی کا معقول انتظام فرما چکے تھے۔

یاد رہے کہ اس رات سرور کائنات کی روانگی اس حالت میں ہوئی تھی کہ باہر دشمن ننگی تلواریں لئے اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ گھر سے نکلیں تو ان کا کام تمام کر دیا جائے۔ اللہ کے رسول کو اس کی خبر تھی۔ دنیاوی نقطۂ نظر سے دیکھئے تو وہ بڑی پریشانی کا وقت تھا۔ جب جان کی پڑی ہوتی ہے تو آدمی اپنے پرائے کو بھول جاتا ہے۔ اور ایک جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہیں کہ بڑے اطمینان کے ساتھ دوسروں کی امانتیں حضرت علی کے سپرد فرما رہے ہیں۔

عقل اور تاریخ دونوں اس عجیب و غریب واقعہ پر متحیر ہیں کہ ایک طرف تو کفار مکہ کا یہ حال تھا کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو صادق اور امین کہتے، ان کی زبان نہیں تھکتی تھی اور دوسری جانب ان کی دشمنی اس درجہ کو پہنچ چکی تھی کہ وہ آپ کو زندہ دیکھنے کے بھی روادار نہ تھے۔

اس حقیقت کو ذرا دوسرے زاویے سے جانچنے کی کوشش کیجئے تو محسن انسانیت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت و پاک نفسی کا صحیح اندازہ ہوگا۔

سوچئے تو سہی، جس کے خون کے پیاسے بھی اس کی شرافت و صداقت کا کلمہ پڑھتے ہوں، اس سے بڑا شریف بھلا اور کون ہوسکتا ہے۔

دنیا کے سب سے بڑے شریف نے واقعی سب سے بڑی شرافت کا ثبوت دے دیا کہ جاتے جاتے بھی کفار مکہ کے حسن اعتماد پر آنچ نہ آنے دی۔ امانتیں لوٹانے کے لئے حضرت علی کو چھوڑ گئے تاکہ جس کی جو چیز ہے اس تک بہ حفاظت، پہنچ جائے۔

محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ پاکیزہ کردار بھی شرافت کا بہترین نمونہ ہے ۔

عثمان بن طلحہ جو ایام جاہلیت میں کعبہ کے کلید بردار تھے، ایک بار انھوں نے جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی فرمائش پر بیت اللہ کھولنے سے انکار کرتے ہوئے بدکلامی کی تھی ۔ اس پر آپ نے فرمایا تھا ـــــ "وقت آئے گا جب یہ کنجی میرے قبضہ میں ہوگی ۔ میں جسے چاہوں گا دوں گا ۔"

عثمان نے جواب دیا تھا "اس دن قریش مرجائیں گے ۔"

آپ نے فرمایا "نہیں ، ان کی عزت میں اضافہ ہوگا ۔"

عثمان بن طلحہ نے اپنی زندگی میں ہی وہ دن دیکھ لیا ۔ بیت اللہ کی کنجی سرورِ کائنات کے ہاتھ میں ہے ۔ ہر شخص اس اعزاز کا متمنی ہے کہ کاش کنجی ہمیں عطا ہو ۔

اللہ کے رسول نے عثمان بن طلحہ کو طلب فرمایا ۔ اور کنجی ان ہی کے حوالے کرکے ایک بار پھر زمانے کو یہ ذہن دے دیا ۔ کہ ذاتی نفرت و محبت سے بلند ہوکر صرف خدا کی رضا کے لئے معاملاتِ زندگی کس طرح طے کیا جاتے ہیں ۔

یمامہ کے رئیس ثمامہ بن آثال فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تو قریش نے ان پر طنز کیا کہ تم ڈر کر اپنے آبائی دین سے پھر گئے ہو ۔ یہ سن کر ثمامہ کو غصہ آگیا ۔ مکہ میں غلہ یمامہ سے ہی آتا تھا ۔ ثمامہ بن آثال نے خفا ہو کر کہا ۔

" واللہ ! اب جب تک حضور نہ فرمائیں گے ، تمہیں غلہ نہیں ملے گا ۔"

اور واقعی ایسا ہی ہوا ۔ مکہ والے پریشان ہوگئے ۔ بالآخر حضور ہی کی سفارش ان کے کام آئی ۔ اور غلہ حسبِ دستور جاری ہوگیا ۔

خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا :۔

"عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر ، گورے کو کالے پر ، اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں ، مگر تقویٰ کے سبب ۔"

آج سے فضیلت کا بس یہی ایک معیار قرار پایا ۔ جو جس قدر متقی ہے اسی قدر فضیلت والا ہے ۔

جب سرورِ کائنات عرفات کے میدان میں یہ تاریخ ساز خطبہ ارشاد فرمارہے تھے اور مسلمانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر گوش برآواز تھا ۔ تو اس وقت خود آپ کی سادگی چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ انسان لباس سے نہیں ، کردار سے عزت پاتا ہے ۔ وہ کم ظرف ہوتے ہیں جو مادی زیبائش و آرائش پر نگاہ رکھتے ہیں ۔ روح کی پاکیزگی کو نہیں دیکھتے ۔

"تاریخ بتاتی ہے کہ اس وقت آپ جس اونٹ پر سوار تھے ، اس کے کجاوہ اور عرق گیر کی قیمت ایک روپے سے زیادہ نہیں تھی"

یہ جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سادگی و شرافت کا ہی فیضان تھا کہ وہ لوگ جو نسلی و قبائلی تعصب میں اس طرح گرفتار تھے کہ ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ کی ہجو سے ہی فرصت نہیں ملتی تھی ۔ حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد رنگ و نسل کے امتیاز سے اس قدر اوپر اٹھ گئے کہ خلیفہ دوم جناب عمر فاروق اعظم نے حضرت بلال حبشی کو بارہا سردار کہہ کر پکارنے میں خوشی محسوس کی ۔

ذہن و فکر کا یہ وہ عظیم انقلاب ہے جس کی اہمیت و معنویت سے آج بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ۔

بلکہ سچ تو یہ ہے کہ خوش فہمی کے اندھیرے اجالے میں مدتوں سفرِ مسلسل کے بعد بھی دنیا والے ابھی اس منزل سے بہت دور ہیں جہاں سے صحیح معنوں میں انسانیت کی قلمرو شروع ہوتی ہے ۔

اسلام سے قبل جو جنگیں ہوتی تھیں ان میں عورتوں کی عصمت دری کی جاتی تھی ۔ بچوں اور بوڑھوں کا قتل عام کیا جاتا تھا ۔ لاشوں کو بگاڑا جاتا تھا ۔ فصلوں کو تباہ اور چشموں کو خراب کیا جاتا تھا ۔ سرورِ کائنات نے ان تمام ناشائستہ حرکات پر مکمل پابندی لگا کر جنگ کو بھی زمانۂ امن سے ہم آہنگ کردیا ۔

عرب کی سرزمین پر سرورِ کائنات کی قیادت میں کفر اور اسلام کے درمیان پہلی معرکہ آرائی جسے جنگ بدر کہتے ہیں ، کفار مکہ کی شکست پر تمام ہوئی تھی ۔ بیشتر اہل مکہ گرفتار ہوئے ۔ یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے مسلمانوں کو اپنے گھر سے بے گھر کیا تھا ۔ اور اب پردیس میں بھی ان کا سکھ چین لوٹنے آئے تھے ۔ گذشتہ ایام کے زخم ابھی مندمل نہیں ہوئے تھے ۔ دشمنوں سے

انتقام لینے کا بڑا اچھا موقع ہاتھ آیا تھا۔ لیکن ہوا کیا؟ سرور کائنات نے تمام قیدیوں کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرما دیا اور تاکید کر دی کہ ان کے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان خود کھجور پر گذارا کرتے لیکن قیدیوں کو باقاعدہ کھانا کھلاتے ان قیدیوں میں سے ایک ابو عزیز کا بیان ہے کہ جب میرے سامنے روٹی رکھ کر گھر والے خود کھجوریں اٹھا لیتے تو مجھے بڑی شرم آتی۔ میں روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا۔ لیکن وہ مجھ کو ہی واپس کر دیتے۔ محض اس خیال سے کہ حضور نے انھیں ہمارے ساتھ اچھی طرح پیش آنے کا حکم فرمایا تھا۔[11]

ان قیدیوں میں جو صاحب استطاعت تھے ان سے چار چار ہزار درہم فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ جو مفلس تھے انھیں، یوں ہی چھوڑ دیا گیا۔ جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کے ذمہ، یہ خدمت سپرد کی گئی کہ انصار کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں[12]

نفسیاتی اور سیاسی اعتبار سے کم از کم فتح مکہ کے موقع پر زبردست خوں ریزی کے امکان سے تو بہر حال انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس فتح مبین کی ساری سرگذشت سن کر عقل حیران رہ جاتی ہے کہ سرور کائنات اتنی بڑی جنگ جیت گئے اور از ابتدا تا انتہا، امن امان کا پرچم لہراتا رہا۔

بعض دشمنانِ رسول کو بھی اس وقت یقین نہیں آیا تھا کہ واقعی ہم سے انتقام نہیں لیا جائے گا۔ مگر بعد میں انھیں بھی جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شرافت کو خراج عقیدت پیش کرنا ہی پڑا۔ یہاں تک کہ ابو سفیان کی بیوی ہند پکار اٹھی:-

" یا رسول اللہ! آج سے پہلے بخدا آپ کے خیمہ سے زیادہ مبغوض میرے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ لیکن آج اس سے محبوب تر کوئی خیمہ نہیں۔"[13]

غزوۂ نجد سے واپسی پر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، راستہ میں ایک گھنے درخت کے سائے میں آرام فرما رہے تھے۔ کہ ایک اعرابی آپ کے قتل کے ارادہ سے وہاں پہنچ گیا۔ وہ تلوار کھینچ کر حملہ کرنا ہی چاہتا تھا کہ آپ جاگ گئے۔ اس نے کڑک کر کہا: "اب تمہیں کون بچا سکتا ہے"؟

آپ نے مسکرا کر فرمایا: "میرا خدا۔"

یہ سن کر اچانک اعرابی کی ہمت جواب دے گئی۔ اسی درمیان چند صحابۂ کرام تشریف لے آئے۔ اب مجرم کو سزا دینے کی باری تھی لیکن رحمۃ للعالمین نے اسے بلا شرط معاف فرما دیا۔

اپنی جان کے دشمن کو معاف کر دینا یقیناً بڑے ظرف کی بات ہے۔ مگر ناموس کے خلاف آواز اٹھتی رہے اور جواب میں لب تک نہ ہلے، اس بے پناہ صبر و ضبط کے لئے کلیجہ چاہئے۔ اور یہ کلیجہ ان کے سوا اور کس کے پاس ہے۔

افک کا واقعہ کس قدر دل شکن تھا۔ منافقین نے حضرت عائشہ پر نعوذ باللہ تہمت لگائی تھی۔ بعض سادہ لوح مسلمان بھی اسے سچ سمجھ بیٹھے تھے۔ حضرت عائشہ آپ کی محبوب ترین، رفیقۂ حیات اور آپ کے جاں نثار رفیق حضرت صدیق اکبر کی صاحبزادی تھیں۔ ایسے موقع پر طیش آ جانا انسانی فطرت کا تقاضہ ہے۔ لیکن آپ کی شرافت نے صبر و ضبط کا ایسا لبادہ اوڑھا کہ ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہ فرمایا۔ یہاں تک خود اللہ ربّ العزت نے حضرت عائشہ کی پاک دامانی کا اعلان فرمایا۔ تہمت لگانے والوں کو شرعی سزا کا حکم دیا گیا۔

فتنہ کی جڑ عبداللہ بن ابی تھا حضور اس کی منافقت سے واقف تھے۔ لیکن چونکہ اسے الزام سے انکار تھا اور شرعی شہادت موجود نہ تھی لہٰذا اسے کوئی سزا نہ دی گئی

شرافت کس کو کہتے ہیں۔ دنیا سرور کائنات کے کردار سے سیکھے۔

---

(۱) ایکم مثلی لست کاحد منکم (۲) شرح شفائے قاضی عیاض جلد ۲ (۳) صحیح بخاری، غزوہ احزاب (۴) طبقات ابن سعد، جلد ۸ (۵) صحیح بخاری باب الصلوٰۃ علی الفراش (۶) صحیح بخاری، کتاب المناقب باب اخبار النبی (۷) صحیح بخاری، کتاب الوصایا (۸) سیرۃ ابن ہشام (۹) طبقات ابن سعد (۱۰) ابن ہشام (۱۱) صحیح بخاری، مسلم، ابو داؤد (۱۲) تاریخ طبری (۱۳) مسند ابن حنبل جلد ۱ (۱۴) صحیح بخاری، ذکر ہند

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا
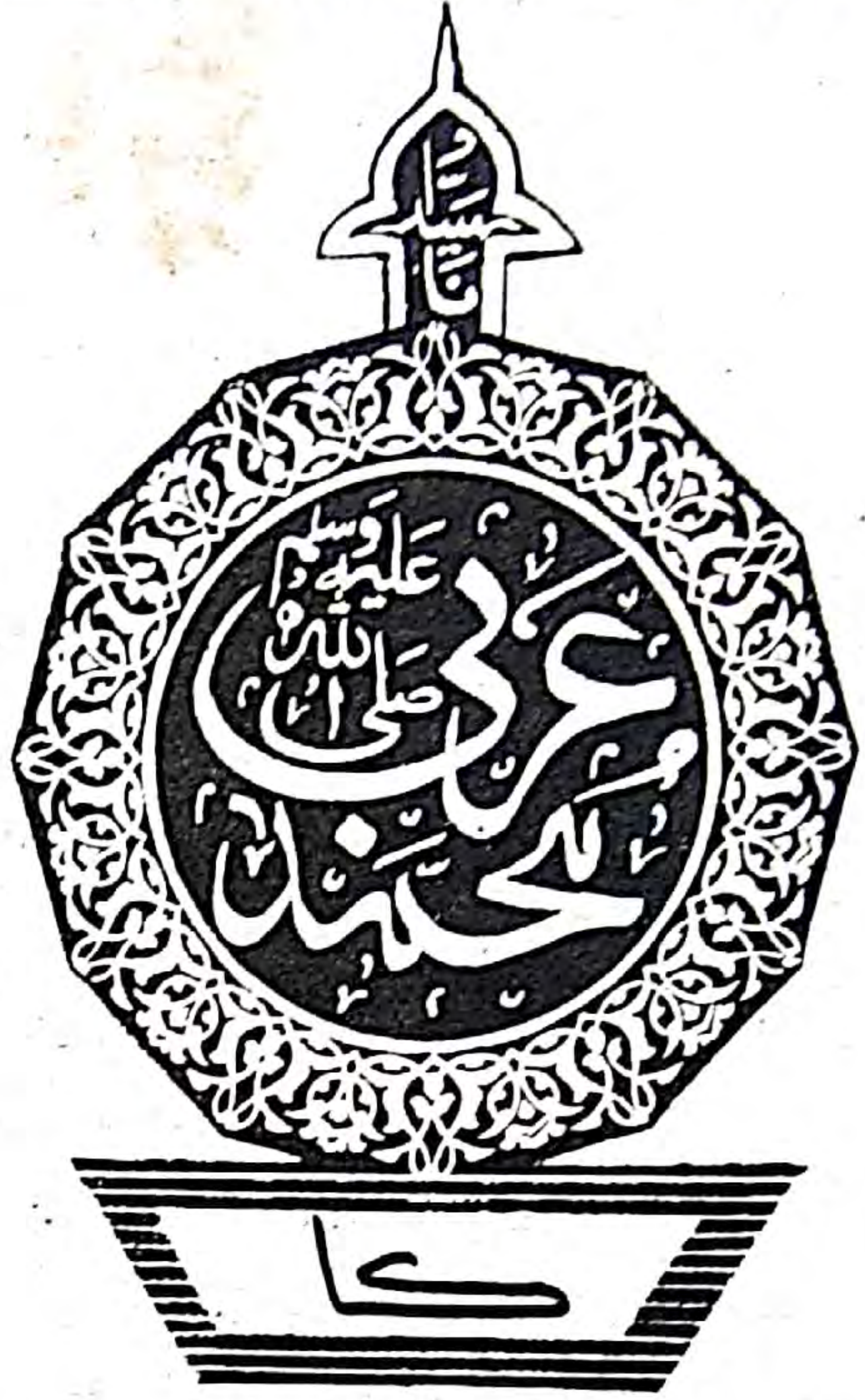
عزم و استقلال

مولانا سید الزماں حمدوی

مدیر ماہنامہ استقامت نے میرے لئے جو عنوان معین فرمایا ہے یعنی محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کا "عزم و استقلال" اس کو سرکار ابد قرار روحی فداہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مجاہدانہ زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ ورنہ یوں تو سرکار کونین کی پوری حیات مبارکہ و مقدسہ "عزم و استقلال" کا نمونہ ہے۔

لیکن یہ ضرور ہے کہ مجاہدانہ زندگی میں حضور پیکر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے عزم و استقلال، اصابت و جسارت، اصالت و عزیمت عجیب کر و فر، شان و شوکت کے ساتھ جلوہ آرا ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد۔ کَانَ خلقه القرآن. یعنی آپ کا اخلاق قرآن تھا۔ مطلب یہ ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے صرف قرآن کی تعلیم ہی پیش نہیں کی تھی بلکہ خود آپ نے احکام و تعلیم کا مجسم نمونہ دکھا دیا تھا۔ اس کی روشنی میں قرآن عظیم کے اندر ہم لوگ عزم رسالت و استقلال و استقامت نبوت کو تلاش کریں۔ مطالعۂ قرآن میں یہ آیتیں باصرہ نواز ہوں گی۔

(۱) سورہ آل عمران شریف فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور جب کسی بات کا پکا ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ یہ آیت کریمہ جنگ احد کے سلسلۂ بیان میں ہے۔

(۲) سورۂ شوریٰ شریف وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ اور بیشک جس نے ظلم و ایذا پر صبر کیا اور بدلہ نہ لیا اور بخش دیا تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں۔

(۳) سورۃ الاحقاف فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ تو تم صبر کرو جیسا صبر ہمت والے رسولوں نے اپنی قوم کی ایذا پر کیا۔

(۴) سورہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ پھر جب حکم ناطق ہو چکا اور جہاد فرض کیا گیا تو اللہ سے سچے رہتے ایمان و طاعت پر قائم رہ کر تو ان کا بھلا تھا۔ فریضۂ جہاد کی بجا آوری میں اللہ سے سچے رہنے کا واضح مطلب یہی ہے کہ پامردی و استقامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ڈٹا رہے۔

(۵) سورۂ ہود شریف میں فرمایا گیا فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ اپنے رب کے حکم اور اس کے دین کی دعوت پر قائم رہو۔ اور وہ بھی جو تمہارے ساتھ رجوع لائے۔ اور انھوں نے تمہارا دین قبول کیا۔ انھیں بھی چاہیئے کہ دین و طاعت پر قائم رہیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

متذکرہ بالا آیتوں کے انداز بیان سے یہ شبہ ہرگز نہیں کرنا چاہیئے کہ العیاذ باللہ سرکار دو عالم سے حیات مقدسہ کے لمحات میں کسی وقت بھی کوئی ایسی حرکت جو عزم و استقلال کے خلاف ہو سرزد ہوئی ہے جس کے بعد ہی یہ آیتیں نازل ہوئیں

ایسی بات ہرگز نہیں بلکہ اس قسم کے اسلوب بیان وطرز خطاب قرآن کریم میں جا بجا ہیں۔ جن سے بتوسط سرکار امت مرحومہ کو مخاطب کرنا مقصود رہے تاکہ وابستگان دامن رسالت علیٰ صاحبہا التحیۃ والثناء احکام اسلامی پر عزیمانہ استقامت کے ساتھ عمل پیرا رہیں اور متوکلانہ مداومت جاری رکھیں۔

ہم اور آپ ہی نہیں بلکہ دنیا کے سارے اہل اسلام ہر نماز میں "اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" کی تلاوت بانداز دعا کرتے ہیں۔ تو کیا اس کا مطلب یہ لیا جائیگا کہ تمام نمازی حضرات ہدایت و انعام یافتہ نہیں ہیں، ہرگز یہ مطلب نہیں۔ اس کے باوجود بھی ہدایت یافتوں کو اس کے پڑھنے پر مامور کیا گیا۔ جس کا واحد مقصد صرف یہ ہے کہ اے ربِ اکرم راہ ہدایت پر قائم تو ہیں مگر آئندہ کے لئے بھی قیام علی الہدایت کا دوام عطا فرما۔

اسی طرح قرآن عظیم میں چند جگہ وارد ہے "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا"، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اے ایمان والو ایمان لاؤ۔ ایمان والے ایمان لائیں، اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ دَاوِمُوا علی الایمان، یعنی ہمیشہ ایمان کے ساتھ وابستہ رہو کوئی سانس بھی ایمان کے بغیر نہ نکلے۔

اس تمہید کے بعد مختصر عبارتوں میں سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم و استقلال کے نقش زیبا کو واقعات کے آئینے میں ملاحظہ فرمائیں۔

اظہار نبوت کے بعد آغاز دعوت اسلام کے ساتھ ہی مصائب و آلام، بغض و عناد، مخالفت و منازعت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ تحقیر و استہزا، تکلیف و ایذا کی فضا قائم ہوگئی۔ پورا شہر مکہ معظمہ اور ام القریٰ کے حدود و مضافات شعلۂ جوالہ بن گئے مگر مخاصمت و منافرت کی اس باد صرصر میں بھی مہر رسالت و شمع نبوت ثبات قدمی و عزم استقلال کے ساتھ روشن و درخشاں نظر آرہی ہے۔

جاہلیت کے ان ننگ انسانیت افراد نے جب محسوس کیا کہ حبیب کبریا خطیب الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے عزم و استقلال کے سامنے کوہ گراں بھی گرد ہے تو مصالحانہ انداز میں پیش کش کی حاجت بھی محسوس کی کہ اگر آپ کی دعوتِ توحید کا مقصد، ملک و مال ہے سلطنت و حکومت ہے تو ہم آپ کو زر و مال سے مالامال کر دینے کو تیار ہیں۔ اگر شہنشاہی و تاجداری کی تمنا ہے تو ہم آپ کو 'ملک العرب' بنا دینے کے لئے آمادہ ہیں۔

اس طرح کی طمع آمیز ملمع کاری کا جواب دیّان العرب صلی اللہ علیہ وسلم نے کس عزیمت و ہمت سے دیا' قابل دید ہے فرمایا اے مکیو! یہ پیش کش کیا اور اس کی قدر و قیمت و وقعت کیا۔ اگر تم سے ہو سکے اور تم میرے ہاتھوں میں چاند، سورج رکھ دو جب بھی دعوتِ اسلام و تبلیغ توحید سے باز نہیں آسکتا ایسے ہی نامساعد و ناسازگار ماحول میں اہل عزیمت کے عزم و استقلال کی شان ہویدا ہوتی ہے۔ جب جاہلیت کی یہ اسکیم پھیل ہوگئی تو دوسرا منصوبہ بنایا۔

سرداران کفار کا وفد ابو طالب کے پاس

اس نئے منصوبے کے تحت صنادید قریش ابو طالب کے پاس آئے اور گذارش کی کہ آپ ہم سب کے سردار اور رئیس مکہ ہیں۔ آپ اپنے بھتیجے در یتیم (صلے اللہ علیہ وسلم) سمجھائیے کہ وہ اپنے معبود برحق کی عبادت کریں اس کے لئے ان کو ہمارے معبودوں کی مذمت کرنا کیا ضرور۔ اس سے تمام گھروں میں تشتت و افتراق کا لاوا ابل پڑا ہے اگر وہ لات و عزیٰ، منات و ہبل کی مذمت سے باز آجاتے ہیں۔ تو پورے شہر مکہ میں ہم آہنگی و قومی یکجہتی پیدا ہوجائے گی۔ اور پہلا سا اتحادی دور لوٹ آئے گا۔ سب باہم شیر و شکر ہوجائیں گے۔

اس گفتگو کو سن کر ابو طالب کچھ متاثر بھی ہو گئے حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا اے میرے بھتیجے یہ قوم کے بڑے بوڑھے آئے ہیں۔ ایک اتحاد کا فارمولہ پیش کرتے ہیں آخر اس کو مان لینے میں قباحت ہی کیا ہے۔ یہ قومی یکجہتی کی بات ہے۔ یہ لوگ لات و عزیٰ کے پرستار ہیں۔ اس سے آپ کو کیا مطلب۔ ان کے باطل خداؤں کی برائی و مذمت کرنے کی ضرورت کیا۔

آپ اپنے اللہ واحد و برحق کی عبادت میں لگے رہیے اس پیرانہ سالی میں ہم کہاں تک آپ کی حمایت و صیانت کرتے رہیں گے۔ مگر اس نازک موقع پر بھی جس عزم و استقلال سے امام الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہے وہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شان ہو سکتی ہے۔ انبیائے کرام کے علاوہ، اور لوگوں سے ایسا جواب دینے کی توقع مشکل ہی ہے۔

ارشاد والا!

اے عم آپ بھی اپنی حمایت بند کر دیں کچھ پروا نہیں۔ ہم حق پر ہیں اور حق پر قائم رہیں گے۔ ساری دنیا کٹ جائے گی۔ یہ منظور ہے مگر حق گوئی و حق پرستی سے الگ ہو جائیں یہ ممکن نہیں۔ زندگی حق و باطل دونوں کا ساتھ سے یہ کیسے ہو سکتا ہے حق کی تعریف و ثنا کی جائے گی۔ باطل کے معائب کی مذمت کی جائے گی۔ اجتماع ضدین نہ کبھی ہوا ہے اور نہ آئندہ کبھی ہو گا۔

یہ مفہوم ہے اس مکالمہ کا جو حضور اور ابوطالب کے درمیان ہوا تھا۔ اس عزم و استقلال کی شان دیکھ کر ابوطالب نے کہا، جو آپ کرتے ہیں کیجئے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

ہجرت کی رات اور عزم و استقلال

تاریخ ہجرت پڑھئے اس میں حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم کے استقلال و اولو العزمیوں کی پاک سیرت تاباں و درخشاں نظر آئے گی۔ سورۂ توبہ میں یہ واقعہ مذکور ہے۔ کافرین جب تجسس کرتے ہوئے غار کے دہانے تک آ گئے۔ اگر وہ اپنے قدم کو دیکھتے تو ان کی نظر مکین غار ثور پر پڑ جاتی۔ ایسے نازک حال میں رفیق غار بے قرار و بے چین ہو جاتے ہیں۔ کہ مبادا محبوب خدا کو گزند نہ پہنچ جائے۔ فی الفور سرکار ابد قرار طمانیت و اطمینان کے ساتھ جو تسلی آمیز کلمات ارشاد فرماتے ہیں ان کو قرآن پاک نے بیان فرمایا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

"غم نہ کر و بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے"

ایسے ہی سنگین و ہوش ربا مواقع سے عزم و استقلال ظاہر و آشکار ہوتے ہیں۔ اس کے قبل کفار تا بکار حجرۂ نبوی کا بہ نیت قتل محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ مگر آپ اطمینان و سکون سے نکل آتے ہیں۔ ذرا بھی خوف و دہشت نہیں۔ محاصرین اندھے ہو گئے۔ بے خبر بنے رہے۔ گرد غار و گرد حجرۂ پاک گویا اندھوں کی ٹولی تھی۔

اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ؎

جان میں جان کیسا نظر آئے
کیوں عدو گرد غار پھرتے ہیں!

یہ ہے عزیمانہ سیرت پاک کا دلنواز منظر۔

جنگ بدر اور عزم و استقلال

سورۂ انفال میں جنگ بدر کا بیان ہے جو پہلی اسلامی جنگ ہے۔ وسائل کی کمی، اسباب حرب و ضرب کا فقدان سواری کی قلت، فریق مخالف جن سے نبرد آزما ہونا ہے وہ لشکر و سپاہ میں تین گنا زیادہ ہے۔ جنگی ساز و سامان اسلحہ وغیرہ بھی زیادہ ہے۔ وسائل جنگ میں بھی برتری رکھتا ہے۔ اس کے باوجود حضور عزم و استقلال کے ساتھ بدر کی طرف نکل پڑے۔ آیت مبارکہ یہ ہے کما اخرجک ربک من بیتک بالحق الآیہ۔ رضوی ترجمہ، خزائن العرفان کے تفسیری حاشیہ کے ساتھ مطالعہ فرمائیے۔

جس طرح اے محبوب تمہیں تمہارے رب نے تمہارے گھر میں مدینہ طیبہ سے بدر کی طرف حق کے ساتھ برآمد کیا۔ اور بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ اس پر ناخوش تھا کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کی تعداد کم ہے۔ ہتھیار تھوڑے ہیں۔ دشمن کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ اور وہ اسلحہ وغیرہ کا بڑا سامان رکھتا ہے۔ (اس وجہ سے اے حبیب یہ گروہ) سچی بات میں تم سے جھگڑتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہمیں لشکر قریش کا حال ہی معلوم نہ تھا۔ کہ ہم ان کے مقابلہ کی تیاری کر کے چلتے۔ ان کی یہ لیت ولعل اس حقیقت کے ظاہر ہو جانے کے باوجود تھی۔ کہ حضرت سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم جو کچھ کرتے ہیں حکم الٰہی سے کرتے ہیں۔ اور آپ نے اعلان فرما دیا ہے کہ مسلمانوں کو غیبی مدد پہنچے گی۔ اس اعلان کے بعد بھی قریش سے مقابلہ انھیں ایسا مہیب معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ آنکھوں دیکھی موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں۔

غزوات کی تاریخ میں یہ پہلا غزوہ ہے جو فتح مبین اپنے دامن میں لایا جس نے اسلام کی دھاک قلوب عرب میں بٹھا دی۔ یہ ثمرہ ہے شجرۂ طیبہ عزم و استقلال محمدی کا۔ (علی صاحبہا التحیۃ والثناء)

جنگ احد اور عزم و استقلال

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ

یہ آیت مبارکہ جنگ احد کے سلسلہ میں نازل ہوئی جس میں فتح کے بعد اچانک شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس میں بھی سرکار نبی الملحمہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عزیمت و پامردی کے عجیب جوہر نمودار ہوئے۔

حالت یہ تھی کہ شیطان نے افواہ اڑائی کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے جام شہادت نوش فرمایا۔ یہ سننا تھا کہ صنادید قریش دائرۂ کفر نے پر زور "اعل ہبل اعل ہبل" کا نعرہ لگانا شروع کر دیا۔ اس نامساعد وقت میں بھی جب کہ دندان مبارک شہید، چہرۂ منور زخمی و خون آلود ہے۔ عزم و استقلال کے شہنشاہ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار نابکار کے جواب میں "اللہ اعلیٰ واجل" "اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم" کا پرشکوہ عزیمانہ نعرہ بلند فرمایا۔ جنگ احد کی خوفناک صورت حال کے پیش نظر یہ جسورانہ نعرہ یقیناً نبوی عزم و استقلال کا آئینہ دار ہے۔

جنگ خندق اور عزم و استقلال

استیصال اسلام کا زعم باطل لئے ہوئے احزاب کفر و شرک متحدہ محاذ بنا کر مدینۂ طیبہ پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ اس سے بچاؤ کی خاطر گرد مدینہ طیبہ خندقیں کھودی جا رہی ہیں۔ خندق کھودنے کے دوران ایسی سخت سنگلاخ زمین سے مقابلہ آپڑا کہ جس کے سر کرنے میں جاں نثاروں کی طاقتیں ناکام رہیں۔ صاحب عزم و استقلال صلی اللہ علیہ وسلم سے درماں طلب ہوئے۔ مغیث بے کساں صلے اللہ علیہ وسلم نے پھاوڑا لیا۔ ایک ہی ضرب میں پتھر چکنا چور ہو گیا۔ ظاہری فاقہ کشی کا حال یہ تھا کہ نرم و نازک شکم مطہر پر تین پتھر بندھے تھے۔ اس کے باوجود قوت سرکار کا عالم یہ تھا کہ پھاوڑا اچلاتے ہی معاملہ صاف تھا۔

فتح مکہ کے آئینے میں عزم و استقلال کی صورت زیبا:

سورۂ شوریٰ کی یہ آیت مبارکہ ولمن صبر وغفر ان ذالک لمن عزم الامور جس کا تذکرہ سطور بالا میں بھی گزر چکا ہے۔ اس جگہ ایک خاص مقصد کے تحت پھر ذکر کیا ہے۔ پہلے ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔ "اور بیشک جس نے ظلم و ایذا پر صبر کیا اور بدلہ نہ لیا اور بخش دیا تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں"

غور کیجئے اس مضمون کے آئینے میں کس ذات بابرکات کے عزم و استقلال کی شبیہ پاک جلوہ ریز ہے۔

ذرا سرکار اعظم صلے اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کے لیل و نہار کو سامنے رکھئے۔ ایذا رسانی کے کون سے طریقے اور وطیرے تھے جو اپنائے نہ گئے۔ مگر صاحب عزم و استقلال صلے اللہ علیہ وسلم مخالفت و شرارت کے اس تیز و تند جھونکے میں بھی کوہ گراں کی طرح اپنی جگہ قائم رہے۔ اور جب فتح مکہ کا روز سعید آیا۔ اور شہر مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو زبان اقدس پر "الیوم یوم المرحمۃ" کی صدا ہے۔ مکی مجرموں کی جماعت لرزاں ہے۔ گریزاں ہے مگر گذشتہ تمام ایذاؤں اور مصائب کا بدلہ نہیں لیا گیا۔ بلکہ ان مجرموں کو عفو عام کا مژدہ سنایا گیا۔ "لا تثریب علیکم الیوم" "اذہبوا انتم الطلقاء" اے لوگو آج تم پر کوئی کسی طرح کی سرزنش و ملامت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد کئے گئے۔ "صبر کیا اور بدلہ نہ لیا اور بخش دیا" کا مضمون کیسا صادق آرہا ہے۔

اللہ اللہ ایک طرف ایذا رسانی انتہائی مقام پر ہے تو دوسری طرف سے صبر و برداشت عفو و درگذر بھی انتہائی عروج عزیمت پر فائز ہے۔

غزوۂ حنین

فتح مکہ کے تھوڑے ہی دنوں بعد جنگ حنین کا واقعہ پیش آیا۔ اس معرکہ میں اسلامی جانبازوں کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ اتنی کثرت کسی میدان کارزار میں نہیں تھی۔ اس کے باوجود فتحیابی کے بعد یک بیک ہزیمت و شکست سے دوچار ہونے لگے۔ مجاہدوں کے پاؤں اکھڑ گئے اس افراتفری کے عالم میں کچھ ہی سرفروش جمے رہے۔

اس ہوش ربا اور بھیانک ساعت میں حضور سرور عالم

صلے اللہ علیہ وسلم نے جس اولوالعزمی، ثبات قدمی، اور پامردی کا ثبوت پیش فرمایا وہ دنیا کے حرب وضرب میں بے مثال و لازوال ہے۔ گردون جناب صلے اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ مرکب حضور کی عنان تھامے ہوئے آگے بڑھا رہے ہیں۔ اور حضور رجان نوز حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرما رہے ہیں پکار دیجئے یا اصحاب السمرہ یا معاشر الانصار، اے بیعت رضوان والو! اے انصاریو! حضرت عباس رضی اللہ عنہ جہیر الصوت اور بلند آواز تھے آپ نے جیسے ہی پکارا ہر طرف سے لبیک لبیک کہتے ہوئے بکھرے اور منتشر حضرات دوڑ پڑے۔ اور اپنے مرکز جسم و جاں کے گرد جمع ہونے لگے۔ اور سرکار برابر مصروف پیکار رہے۔ جنگ اتنی شدید تھی کہ آپ سواری سے اتر گئے بسالت و شجاعت کا جوہر دکھاتے ہوئے زبان اقدس سے یہ رجزیہ کلام فرمایا۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب

اس عزم و استقلال نبوی کی بدولت تقریباً پورا جزیرۂ عرب انجاس و ارجاس کفر سے پاک ہو گیا۔

اس معرکہ کی شدت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ حضور نے فرمایا "ہذا حین حمی الوطیس" یہ وقت وہ ہے کہ لڑائی کا تنور بھڑک اٹھا۔ پھر ایک مشت خاک شاہت الوجوہ پڑھ کر جانب کفار پھینک دی۔ سب کی آنکھیں مٹی سے بھر گئیں۔ اور فرمایا رب محمد کی قسم کفار منہزم ہو گئے۔ سب کفار بھاگ گئے۔ اور انھیں رب تعالے نے شکست کی رسوائی سے دوچار فرما دیا۔ اور سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اموال غنائم مسلمانوں میں تقسیم فرمایا جسمانی عزائم و استقلال کے علاوہ اس معرکہ آرائی میں روحانی توانائی و عزیمت خوانی کا بھی مظاہرہ فرمایا۔ جس پر "شاہت الوجوہ" گواہ ہے۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کا یہ قول مشکوٰۃ شریف باب المعجزات میں اسی غزوہ کے اختتامی بیان میں ہے کہ جب لڑائی سنگین ہو جاتی تو ہم لوگ شجیع و عزیم صلے اللہ علیہ وسلم کی پناہ لیتے اور ہم میں بہادر سمجھا جاتا جو حضور سے قریب تر ہوتا یعنی خطرہ میں بے محابا داخل ہو جاتے۔ ایسے وقت میں قریب حضرت ہونا واقعی بہادری اور جیوٹ ہی کا کام ہے۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ حضور بڑے عزم و استقلال کے مالک تھے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

جنگوں، غزوں کے علاوہ دوسری قسم کے خطروں، خوفوں کے وقت بھی ہمیشہ عزم و استقلال کا مظاہرہ ہوتا رہتا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک روایت پیش کر کے مضمون ختم کر رہا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس واجود الناس واشجع الناس ولقد فزع اہل المدینۃ ذات لیلۃ فانطلق الناس قبل الصوت فاستقبلہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد سبق الناس الی الصوت وھو یقول لم تراعوا لم تراعوا وھو علی فرس لابی طلحۃ عری ما علیہ سرج وفی عنقہ سیف فقال لقد وجدتہ بحرا متفق علیہ الباب فی اخلاقہ وشمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ باجمال اور صاحب جود و نوال اور شجیع و بہادر تھے۔ اس دعویٰ پر ثبوت کے انداز میں یہ واقعہ بیان فرمایا کہ ایک رات مدینہ والے خوفزدہ ہو گئے اور شور وغل ہونے لگا۔ ہر طرف سے لوگ جانب آواز دوڑ پڑے اور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آواز کی سمت بڑھے اس تیزی سے بڑھے کہ سب لوگوں سے آگے نکل کر جائے پکار کے مقام پر پہنچ گئے۔ اور لوگوں سے فرما رہے ہیں "مت ڈرو مت ڈرو" اور آپ حضرت ابوطلحہ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہیں اس کی پشت زین و پالان سے خالی ہے۔ اور گلوئے مبارک میں تلوار حمائل ہے۔ پھر فرمایا: میں نے اس کو تیز روی میں سمندر پایا۔

غور فرمائیے کہ پیکر عزم و استقلال صلے اللہ علیہ وسلم کی کیا شان عظیم ہے۔

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

کی ذاتِ بابرکت

سراپا صبر و رحمت

مولانا فروغ احمد اعظمی

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرنے والوں اور سیرت نگاروں کے نزدیک آپ کی فطرت سلیمہ میں رافت و رحمت کے عنصر کا غلبہ ایک ایسا محمود و پسندیدہ وصف ہے جس پر ان سب کا اتفاق و اجماع ہے۔ اور جس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ قرآن عظیم جو آپ کی ذات مقدسہ پر نازل ہوا اس نے خصوصیت کے ساتھ آپ کی رحمت کا ذکر کیا ہے۔

ارشاد ہے :۔

" تو (اے محبوب) تم اللہ تعالےٰ کی مہربانی سے ان کے لئے نرم دل ہو۔ اور اگر تند مزاج، سخت دل ہوتے تو وہ لوگ تمہارے گرد سے چھٹ جاتے۔"

ایک جگہ اور فرمایا :۔

" بیشک تمہارے پاس تمہیں میں سے وہ رسول تشریف لائے جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمہاری بھلائی کے حد درجہ خواہاں ہیں مسلمانوں پر انتہائی مہربان، کرم فرمانے والے ہیں۔"

تو یہ دعوتِ دین اور طرزِ عمل میں آپ کو صبر کا حکم دیا گیا۔ جس کا ذکر قرآن عظیم میں بہت سے مقامات پر ہے۔

" اور (اے محبوب) صبر سے کام لو۔ اور تمہارا صبر اللہ تعالےٰ ہی کی توفیق سے ہے۔ اور ان کا غم نہ کرو۔ اور نہ ان کی فریب کاریوں سے دل تنگ ہو۔" (پ۱۴ النحل)

" تو (اے محبوب) تم صبر کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔" (پ۲۴۔ مومن)

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ عَنْهُمْ (پ۶، مائدہ) — تو (اے محبوب) تم انھیں معاف کرو۔ اور ان سے درگزر کرو۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (پ۲۶ احقاف) — تو (اے محبوب) تم صبر سے کام لو جیسا کہ ہمت والے رسولوں نے صبر سے کام لیا۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ (پ۲۶، ق) — تو (اے محبوب) تم ان کی باتوں پر صبر کرو اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرو۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ (پ۲۹ قلم) — تو (اے محبوب) اپنے رب کے حکم کا انتظار کرو

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا (پ۲۹، معارج) — تو (اے محبوب) تم اچھا صبر کرو۔

اور اس قسم کی بہت سی آیتیں، مختلف جگہوں میں وارد ہوئیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی طبیعت، آپ کے طرز عمل اور آپ کی تعلیمات کی قابل قدر خوبی شفقت و رحمت اور صبر ہے۔ اور اس خلق کا اظہار مکہ، طائف، اور مدینہ منورہ کی زندگی میں بہت سے مواقع پر کھل کر ہوا۔ مقام حدیبیہ میں اس کا کھلا مظاہرہ اس وقت ہوا جب کہ آپ نے صلح کی شرطوں کو قبول فرمایا۔ حالانکہ اس وقت اس معاملہ

منیٰ میں مسجد الخیف کا نورانی نظارہ

میں آپ اپنے بعض اکابر صحابہ کی خواہش کے مطابق سخت رویہ بھی اپنا سکتے تھے ۔ اسی طرح طائف میں جہاں آپ بہت سی آرزوئیں اور تمنائیں لے کر گئے ۔ وہاں کے مشرکین نے آپ کو ایذائیں پہونچائیں ۔ گالیاں دیں ۔ آپ کے پائے مبارک میں ورم آگیا مگر یہ سب مصائب آپ نے برداشت کئے ۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے ضعف قوت، قلت اسباب اور لوگوں کے بارے میں اپنی فکر مندی کا عریضہ پیش کیا ۔ طلب مغفرت کی ۔ اور ایسی رقت انگیز دعا فرمائی ۔ کہ جس سے دل پگھل جائیں ۔

آپ نے اس دعا میں اللہ تعالےٰ کے عذاب اور غضب سے پناہ مانگی ۔ چنانچہ پہاڑوں پر مامور فرشتے نے حاضر خدمت ہو کر طائف کے دونوں جانب کے پہاڑوں کو ایک دوسرے میں ضم کر دینے کی اجازت طلب کی ۔ لیکن آپ نے وہ یادگار جواب دیا جو غایت رحمت و شفقت کا پتہ دیتا ہے ۔

آپ نے فرمایا کہ :-

" مجھے امید ہے کہ ان کی صلبوں سے وہ لوگ پیدا ہوں گے ۔ جو ایک خدا کی عبادت کریں گے ۔ اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے ۔ "

صبر و شفقت اور نرمی و ملاطفت، تبلیغ و دعوت، ارشاد و ہدایت تربیت کی بنیادی چیزیں ہیں ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات میں عفو و رحمت کے عناصر چونکہ بدرجہ اتم موجود تھے ۔ اس لئے آپ دنیا کے سب سے بہتر معلم و مرشد اور مربّی ثابت ہوئے ۔

قرآن عظیم نے آپ کے صبر و رحمت کے پہلو کو ان مخصوص صفات میں شمار کیا ہے ۔ کہ شخصی خصوصیات و امتیازات میں جن میں کی بعض صفتیں دوسری بعض صفتوں سے متصل اور معین ہوا کرتی ہیں ۔ اور جو کسی خاص پیغام اور کسی مخصوص ذمہ داری کی حامل ذات و شخصیت کے عناصر کی تکمیل کرتی ہیں ۔

قرآن عظیم نے آپ کو معلم و مبشر، داعی و ہادی، اور مزکّی فرمایا ۔ اور یہ تمام اوصاف صبر و رحمت اور عفو و ملاطفت کے بغیر کامل نہیں ہوتے ۔ چنانچہ آپ کو حکم ہوا ۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (پ ۱۴ ، نحل)

حکمت علمی اور اچھی نصیحت سے (لوگوں کو) اپنے رب کے راستہ کی دعوت دو ۔ اور سب سے عمدہ طریقہ سے ان سے نپٹو ۔

ایک مقام پر اور وارد ہوا ۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (پ ۱۷ ، انبیاء)

اور (اے محبوب) ہم نے تمہیں سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ اور قرآن عظیم نے تبلیغ و انداز کے طریقہ کو رحمت و ملاطفت کے ساتھ بیان فرمایا۔

"اور (اے محبوب) اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ اور اپنے متبع مسلمانوں کے لئے اپنا بازو (رحمت) بچھاؤ۔ پھر اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں۔ تو فرما دو کہ میں تمہارے کاموں سے بری ہوں اور عزت والے رحمت والے پر بھروسہ کرو۔" (پ ۱۹ شعراء)

یہی قرآن ایک جگہ تعلیم و تربیت اور اس کے اہتمام کے طریقہ کو رحمت و ملاطفت اور صبر و استقامت سے پابند کر رہا ہے۔

"اور نیکی و بدی برابر نہ ہو جائیں گی۔ برائی کو بھلائی سے ٹال تب وہ جو تم میں اور اس میں دشمنی تھی۔ تمہارے گہرے دوست کی طرح ہو جائے گا۔ اور یہ چیز صبر کرنے والوں کو ملتی ہے اور اسے بڑی قسمت ہی والے پاتے ہیں۔" (پ ۲۴ حم سجدہ)

ایک جگہ اور آپ کو تبلیغ دین میں استقامت کی ہدایت یوں فرمائی ہے۔

تو (اے محبوب) اسی لئے انھیں دعوت دو۔ اور ثابت قدم رہو۔ جیسا تمہیں حکم ہوا ہے۔ اور ان کی خواہشات کا اتباع نہ کرو۔ اور فرما دو کہ میں ایمان لایا اس کتاب پر جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔ اور مجھے حکم ہے کہ میں تم میں عدل کروں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا اور تمہارا رب ہے۔ ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں۔ ہم میں اور تم میں کوئی حجت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جمع کرے گا۔ اور اسی کی طرف پھرنا ہے۔ پ ۲۵ (شوریٰ)

اسلامی دعوت کے ابتدائی ایام اور درمیانی زمانے نیز دعوت کے نتائج برآمد ہونے تک ہمیشہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، طرز عمل اور مزاجِ دعوت میں صبر و استقامت، رحمت و رافت اور عفو و مروت کے عناصر انفرادی اور مثالی حیثیت سے کارفرما ہے۔ پھر فتح مکہ ہوئی۔ آپ کے پاس وفود آئے۔ اموال و غنائم کی فراوانی ہوئی۔ اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ مگر آپ نے نفرت و شدت، غیظ و غضب اور لوگوں پر خلافِ منشا کام لادنے کی بجائے الفت و بشارت، آسانی و سہولت

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

غمخواری و تسلی اور نفسیاتی ترغیب کے طریقوں کو باقی رکھا۔ اور یہی رویہ شفقت و رحمت کا رویہ ہے۔ جو آپ کے اندر ایک مشفق ماں سے زیادہ موجود تھا۔ جو آپ کے متبعین کے دلوں میں مردہ روح کو زندگی بخشنے کا سبب بنا۔ اور جس کے نتیجہ میں تاریخ نے محبت و جاں نثاری کے عظیم الشان نمونہ کی شہادت دی۔

غزوۂ احد کہ جس میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ایک بڑی آزمائش کا سامنا ہوا۔ جیسے یہ افواہ پھیلی کہ آپ شہید کر دیئے گئے تو صحابیٔ رسول حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالےٰ عنہ یہ خبر سن کر کچھ انصار و مہاجرین کے پاس آئے۔ جو کہ جنگ سے اپنے ہاتھ کھینچ چکے تھے۔ آپ نے پوچھا کہ تم لوگ جنگ سے کیوں بیٹھ گئے ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ پھر حضور کے بعد زندہ رہ کر کیا کروگے۔؟ اٹھو اور اسی طرح تم بھی جام شہادت نوش کرلو جس طرح حضور نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

پھر وہاں سے محاذ جنگ پر تشریف لاتے ہیں۔ اور جنگ کرتے کرتے شہید ہو جاتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دن حضرت انس بن نضر کے نشتر جیسے ہم نے دیکھیں۔ جس کی وجہ سے کوئی دوسرا شخص انھیں شناخت نہ کر سکا۔ ان کی بہن نے ان کی انگلی کے پوروں کے ذریعہ انھیں پہچانا۔

صبر و رحمت اور استقامت و مداومت، دعوتِ دین کے غلبہ و استحکام اور ترقی کا سب سے بڑا سبب ہیں۔ اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی طریقہ کو ترجیح دی۔ اور اپنی حیات و تعلیمات کا امتیازی نشان قرار دیا۔ جو نہ صرف عالمِ اسلام بلکہ پوری انسانی دنیا کے لئے نمونۂ عمل اور قابلِ اتباع ہے۔

تاسیلے

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

حاضر و ناظر

بیت
شاہ ہدا اعلیٰ نقشبندی جے پوری

حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات تو عقل بشر سے بالاتر ہے۔ پہلے ملاحظہ فرمائیے کہ:۔

۱۔ شیطان لعین شرق سے غرب تک آن واحد میں پہنچ جاتا ہے۔

۲۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام تمام مخلوق میں کروڑوں جانیں آنِ واحد میں قبض کرتے ہیں۔

۳۔ حضرت میکائیل علیہ السلام اللہ کے اذن سے بے انتہا مخلوق کو رزق پہنچاتے ہیں۔

۴۔ انسان کی آنکھ کا نور ایک لمحہ سے پہلے آسمان تک پہنچتا ہے۔

۵۔ قوم جنات میں بھی یہ صفت ہے کہ وہ جب چاہیں تو آن واحد میں شرق سے غرب اور شمال سے جنوب میں پہنچ سکتے ہیں۔ حالانکہ ان کی پیدائش صرف ایک عنصر نار سے ہے۔

شیطان لعین جو دشمن حق ہے اس میں ایک لمحہ میں شرق سے غرب، شمال سے جنوب میں پہنچنے کی صفت اور طاقت ہو۔ فرشتوں میں عرش سے فرش اور شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب میں آنِ واحد میں پہنچنے کی طاقت ہو۔ اور وہ ہستی کہ جس کے صدقے میں یہ فرشتے جن و بشر اور شمال و جنوب اور مشرق و مغرب پیدا کئے گئے ان کی ذات پاک میں ان کمالات پر تعجب کیوں کیا جائے۔؟

دیکھ لیجیے کہ درخت میں جو شاخیں، لکڑیاں، پتے پھول، رنگت خوشبو اور اثر وغیرہ ہوتا ہے وہ حقیقت میں تخم درخت کا ہوتا ہے۔ اسی طرح خلق میں جس قدر کمالات ہیں خواہ انبیاء ہوں یا فرشتے چاند ہو یا سورج، عرش ہو یا فرش، جن ہوں یا انسان یہ سب کمالات پرتو ہیں کمالات رسول علیہ السلام کے۔ ان تمام کمالات کی اصل کمالِ رسول ہے۔

حضور احمد مختار صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا احاطہ مخلوق میں کوئی نہیں کرسکتا۔ حضور کے غلامانِ غلام بہت سے ہوئے ہیں۔ اور ہیں اور حشر تک رہیں گے۔ جن کے کمالات عقل بشر کے ٹکڑے ٹکڑے اور ریزے ریزے کئے دیتے ہیں۔ بطور نمونہ پیش کئے دیتا ہوں۔ آپ غور سے پڑھیں بقول مولانا روم ؎

ایں سخن از گوشِ دل باید شنود
گوش گل اینجا ندارد ہیچ سود

اس بات کو دل کے کانوں سے سنو۔ کیونکہ مٹی کے کان اس کے سننے کے قابل نہیں۔

اور دیکھئے یہ کمال تو حضور کے ادنیٰ غلاموں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ تو اس آقائے دوجہاں میں ان کمالات کا انکار کیوں ہو؟

۱۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خطبۂ جمعہ میں یکایک پکارتے ہیں یا ساریۃ الجبل حضرت ساریہ کئی کوس پر ہیں۔ وہاں امیر المومنین حضرت عمر کی آواز سنتے ہیں اور تمام صحابہ لشکری بھی۔ اور بموجب حکم حضرت امیر المومنین پہاڑ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور اس کے بعد کفار نے اپنے منصوبے کے موافق لشکر اسلام کو بیچ میں لے کر سب کو شہید کرنا چاہا تھا لیکن خدا نے حضرت عمر کو یہ موقع دکھا دیا۔ اور ان کی آواز کئی کوس تک پہنچا دی اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

یہ کون سا ریڈیو، کونسا تار یا کون سا وائرلیس یا کون سی دوربین

تھی۔ جس سے دیکھا اور آواز پہنچایا۔ یہ کمالات احسن تقویم میں خدا نے ودلیعت فرمائے ہیں۔

مولانا روم فرماتے ہیں ؎

آں چناں عارف کہ از راہ نہاں
خوش نشستہ میرود در صدر جہاں

اولیاء اللہ دل کے نور سے بیٹھے بیٹھے تمام جہاں کی سیر کرتے ہیں۔ اسی واسطے حضور نبی کریم نے ارشاد فرمایا:-

اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور اللہ۔

مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے:۔

(۲) حضرت بایزید بسطامی نے حضرت ابوالحسن خرقانی کی پیدائش سے پہلے ہی ان کا نام خدوخال رنگ اور حالات حتیٰ کہ تاریخ پیدائش کے متعلق بتا دیا تھا جو موبموان کے ارشاد کے مطابق صحیح نکلا۔

دیکھا آپ نے حضور کے غلام تمام علوی ظاہری و باطنی سے واقف ہیں تو حضور کا کیا کہنا۔؟ پھر وہ شخص جو یہ کہے کہ حضور کو دیوار کے پیچھے تک کا علم نہ تھا، کتنا حقائق سے ناواقف اور ناعاقبت اندیش ہے۔

(۳) حضرت مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ کتاب مقامات مظہری میں فرماتے ہیں کہ ایک روز ایک ضعیفہ عورت حضرت سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور عرض کیا کہ میری لڑکی کو جنات لے گئے ہیں۔ میں نے تعویذ اور اعمال وغیرہ سب کچھ کئے ہیں لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوا ہے۔ آپ توجہ اور دعا فرمائیے۔ حضرت سید صاحب نے کچھ دیر مراقبہ فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا کہ فلاں وقت تیری لڑکی انشاء اللہ واپس آجائے گی۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ اس لڑکی سے حال پوچھا تو اس نے کہا میں ایک صحرا میں تھی ایک بزرگ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو یہاں پہنچا دیا۔

یہ کمال حضرت سید نور محمد صاحب بدایونی کا کیسا کمال ہے۔ کہ آپ نہ خانقاہ سے باہر تشریف لے گئے نہ کسی کے سامنے سے ہٹے۔ اور اسی ہیئت جسمانی کے ساتھ لڑکی پر ظاہر ہوئے اور وہ کون سا ہاتھ تھا جس نے لڑکی کو پکڑا۔ اور وہ کونسی قوت تھی جس نے بجلی سے زیادہ تیز رفتاری سے کام لے کر صدہا کوس سے لڑکی کو دہلی پہنچایا۔ اور وہ کونسی آنکھ تھی جس کی نظر پہاڑوں دریاؤں اور مکانوں کو توڑتی چلی گئی۔ اور کوئی چیز اس کے مانع نہ ہوئی۔ ذرا سی دیر میں سید نور محمد صاحب بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کا تمام جہان کو دیکھ لینا اور طرفۃ العین میں ہزاروں کوس جانا اور لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر لے آنا عقل بشر اور ضعیف الاعتقاد کے نزدیک تو بڑے بہت تعجب کی بات ضرور ہے۔ لیکن اگر وہ قرآن پاک کی سورۂ نمل میں دیکھیں تو تعجب تعجب نہیں رہے گا۔

قرآن کریم کے سورہ نمل میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی حضرت آصف تخت بلقیس کو کوسوں میل دور سے پل بھر میں لے آئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے آگے پیش کر دیا تو حضور علیہ السلام جو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بھی رسول ہیں ان کے امتی اگر ایسے کمالات دکھائیں تو کیا عجب ہے۔ بلکہ حضرت آصف کے کمال سے حضرت رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی اور زیادہ باکمال ہونے چاہئیں۔ جس قدر حضور تمام انبیاء میں ہر کمال میں شان خاص رکھتے ہیں ویسے ہی حضور کے امتی باکمال ہونے چاہئیں۔ اسی واسطے حضور نے ارشاد فرمایا ہے:۔

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔

میری امت کے عالم ایسے ہیں جیسے بنی اسرائیل کے نبی۔

پھر ارشاد فرمایا:۔

العلماء ورثة الانبیاء عالم انبیاء کے وارث ہیں۔

جیسے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام کمالات ظاہری و باطنی میں تمام مخلوق میں بہترین ہیں۔ اسی طرح حضور کے امتی بھی بمقابلہ اور امتوں کے ہر ایک کمال میں بہتر ہونے چاہئیں۔ لہٰذا سورۂ نمل میں حضرت آصف کا یہ کمال معلوم کرنے کے بعد عقل معاش اور ضعیف الایمان والوں کو بھی شبہ کی بالکل گنجائش نہیں رہتی۔ اب سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کا ذرا سی دیر میں ہزاروں کوس جا کر لڑکی کو لے آنا عقلاً اور نقلاً کوئی شبہ کی بات نہیں رہتی تو اب مسئلہ معراج میں بھی کسی کو کسی قسم کا شبہ کرنا عقلاً اور نقلاً جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جس ذات کے صدقے میں تمام اولیاء اور انبیاء کو اتنے بڑے بڑے کمالات خدائے پاک نے عطا فرما دیئے تو اس ذات کو اللہ نے کتنے کمال عطا کئے ہوں گے جن کا محاصرہ

بشر بلکہ اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ حضور کے غلام اگر آن کی آن میں لڑکی کو لے آئے تو حضور اگر شب معراج پل بھر میں چلے گئے۔ اور واپس بھی تشریف لے آئے۔ تو یہ کونسی تعجب کرنے کی بات ہے؟

(۴) حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کبھی حج بیت اللہ کو نہیں گئے لیکن آپ کو دہلی کے مسلمانوں نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور آپ کی زبان سے چند اشعار بھی سنے۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ حضرت مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ اپنے جسم عنصری کے ساتھ دہلی میں موجود تھے اور اسی جسم میں دہلی والوں نے آپ کو خانۂ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا۔ حضرت مذکور کا مع الجسم دو مقام پر ہونا ثابت ہے تو حضور آقائے نامدار کے اس معجزے پر تعجب کیوں؟

(۵) ایک روز رمضان شریف میں ایک شخص حضرت سید امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں آیا۔ اور عرض کیا کہ نماز مغرب کے بعد آپ میرے یہاں کھانا تناول فرمائیں آپ نے بھی اس سے وعدہ فرمالیا۔ اس کے بعد ایک دوسرا آدمی آیا۔ اور اس نے بھی یہی عرض کیا کہ حضور بعد مغرب میرے یہاں آپ کھانا تناول فرمائیں۔ آپ نے اس سے بھی وعدہ فرمالیا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے سات آدمیوں نے بعد مغرب کھانا تناول کرنے کو کہا اور آپ نے سب سے وعدہ فرمالیا۔

اس وقت حضرت کے ایک مرید مولوی بھی وہاں موجود تھے جو دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا کرنے لگے کہ ایک وقت حضرت نے سات آدمیوں سے وعدہ کرلیا ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے جب عشاء کی نماز میں سب موجود ہوئے تو کھانا کھلانے والے آپس میں جھگڑنے لگے کہ حضرت سید صاحب نے میرے یہاں کھایا ہے۔ یہ سن کر مولوی صاحب اور بھی شش و پنج میں پڑ گئے کہ رمضان کے دن ہیں اور یہ لوگ مسجد میں ہیں پھر یہ جھوٹ کیسے بول سکتے ہیں؟ یہ کیا معمہ ہے؟ تمام شب اس کو اس فکر میں نیند نہ آئی۔ صبح نماز اشراق کے بعد حضرت سید صاحب خود ہی مولوی صاحب کو پکڑ کے باہر لے گئے اور کہنے لگے مولوی صاحب! ہماری شکل کو دیکھو اور پھر اس درخت کو دیکھو۔ جب مولوی صاحب نے درخت کو دیکھا تو صد ہا

مقام ابراھیم

شکلیں اسی لباس میں اسی قد و قامت میں مولوی صاحب کو نظر آئیں اور مولوی صاحب کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور سارا معمہ کھل گیا۔

(واپس کے چند دلائل اور واقعات اس واسطے لکھے گئے ہیں کہ جو اولیاء اللہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خاکِ پا اپنی آنکھوں میں ڈالتے ہیں اور کحل الجواہر سے زیادہ بہتر اور صفائی قلب کے واسطے اور روز محشر نجات کا ذریعہ جانتے ہیں۔ جب اللہ نے ان میں ایسے ایسے کمالات عطا کئے ہیں" تو سلطان الرسل صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک ہی وقت میں ہزاروں کو اپنی زیارت سے مشرف فرمانا، اور لاکھوں قبروں میں سوال و جواب کے وقت پہنچ جانا کیا بعید ہے؟"

آج کل اس کی مثال موجود ہے کہ بجلی اپنی ایک ہی شکل ناری سے پاور ہاؤس میں موجود ہے اور وہی بجلی اس قوت صفت سے ہر لالٹین، ہر فانوس ہر بلب میں ہزاروں جگہ موجود ہے۔ اور جب بٹن دبایا جائے تو وہ روشن کر دیتی ہے۔ بلکہ بعض مقامات میں ٹرام اور ریل اس سے چلتی ہے۔ اور کارخانے بھی اس سے چلائے جاتے ہیں۔ اور کاریگری انسان کی ہے۔ تو کیا حضور علیہ السلام کی قوت صفت بجلی سے بھی کم ہے۔؟ اور بجلی بنانے والے انسان سے اللہ تعالیٰ کی صنعت کم ہے؟ (شکریہ ماہنامہ ماہ طیبہ)

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا عدالتی نظام

محمد عزیز اللہ

عدالت کو عربی زبان میں "قضا" کہتے ہیں۔ اور قضا کے لغوی معنیٰ "کسی چیز کو ختم کرنا، فارغ ہونا، پورا کرنا" اور شریعت میں حکم، یعنی ظالم کو کسی حکمت عملی سے ظلم سے روکنے کو قضا کہتے ہیں [1] اور جو فیصلہ کرے اسے "قاضی" (JUDGE) کہتے ہیں۔ اور جس جگہ فیصلہ کیا جائے اسے دار القضاء (COURT) کہتے ہیں۔ جس قانون کے تحت فیصلہ کریں اسے "دستور قضا" کہا جاتا ہے! اللہ جل مجدہٗ نے آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا میں ہر ظلم سے پاک وصاف معاشرہ قائم کرنے کے لئے دنیا میں مبعوث فرمایا۔ آپ نے دنیا کو وہ نظامِ عدل دیا جس کی نظیر نہیں یہ صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی فطرت مبارک میں ودیعت رکھی تھیں جس کی تکمیل عہدِ نبوت میں ہوئی۔ ان فطری صلاحیتوں کی بنا پر آپ نے قبل از نبوت قضاء کے فرائض اعزازی طور پر حلف الفضول میں انجام دیئے [2]

حلف الفضول میں آپ کا نمایاں کردار تھا۔ روض الانف میں سہیلی، طبقات ابن سعد میں ابن سعد اور امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں لکھتے ہیں کہ :-

" حلف الفضول میں آپ کا کام ہر مظلوم کو خواہ وہ مقامی ہو یا بیرونی۔ ہر ایک کی بلا فرق و امتیاز مدد فرمانا اور اس وقت تک چین نہ لینا جب تک مظلوم حق حاصل نہ کر لیں "

آنحضرت اس حلف الفضول میں گرمجوشانہ حصہ لیتے تھے بڑے بڑے سرکش اس سے گھبراتے تھے اس کا کوئی رکن مرنے تک معزول نہیں ہوتا تھا۔ بہرحال یہ اس زمانہ کا تذکرہ ہے جب کہ عرب میں اسلام کی داغ بیل نہیں پڑی تھی۔

آپ زمانۂ نبوت کے آغاز اور تقریبًا تیرہ برس تک مکہ مکرمہ میں رہے۔ یہاں پر اس دوران آپ نے دینِ متین کی تبلیغ کی۔ اور اخلاقی تربیت کا فریضہ انجام دیا۔ اس کے بعد آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر آپ نے ملت اسلامیہ کی تشکیل فرمائی۔ اور ایک اسلامی ریاست قائم کی۔ اللہ تعالےٰ نے اس اسلامی ریاست کا سربراہ آپ کو مقرر فرمایا۔ اور "عہدۂ قضا" بھی سپرد کیا گیا۔ جیسے اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے :-

فَاحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ۔

اللہ کے اتارے ہوئے (قرآن) کے مطابق فیصلے کریں۔

آئندہ اوراق میں آپ کی ریاست اسلامیہ میں عدلیہ کے انتظام کا بیان ملاحظہ فرمائیں :-

قال اللہ تبارک وتعالیٰ۔ ولقد کتبنا فی الزبور من بعد

---

[1] فتح القدیر شرح ہدایہ۔ مطبوعہ المطبعۃ الکبریٰ مصر الطبعۃ الاولیٰ ج ۵ ص ۴۵۲۔

[2] سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۸۵ تا ۸۶، روض الانف للسہیلی ج ص ۹۱ تا ۹۴

طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۴۲ مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۹۰۔

الذکر ۔ ان الارض یرثھا عبادی الصٰلحون ہم نے زبور میں لکھا تھا ذکر کے بعد (کہ) بیشک اس زمین کے مالک میرے صالحین بندے ہوں گے ۔

مومنوں کو حکم ہوا کہ اپنے تنازعات کا فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرائیں ۔ چنانچہ اللہ تعالے فرماتا ہے :-

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ۔

اے مومنو ! اگر تم کسی بات میں تنازع کرو تو اس کا حل اللہ اور اس کے رسول سے کراؤ ۔ یعنی قرآن و حدیث سے کرو ۔

پھر جب یہ حکم ہوا ، اس کے بعد مومنوں نے ہر تنازعہ کا فیصلہ آپ کی کورٹ سے کرایا ۔ اور جیسے آپ نے اس کا فیصلہ فرمایا اس پر عمل کیا جاتا تھا ۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے جسے ترمذی نے کتاب الاحکام ص۲۶ باب ما جاء فی الرجلین یکون احدھما اسفل من الاخر میں ذکر کیا ہے ۔ حدیث نمبر ۱۳۶۳ ۔

" ابن شہاب عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے عبد اللہ بن زبیر نے کہا کہ ایک شخص نے (انصار میں سے) زبیر سے جھگڑا کیا جس کا فیصلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کورٹ میں لایا گیا وہ جھگڑا پانی کے متعلق تھا جس سے کھجوروں کے باغ کو سیراب کرتے تھے (جھگڑا اس طرح ہوا کہ انصاری کا باغ زبیر کے باغ کے بعد میں نیچے تھا ۔) تو انصاری نے کہا ، پانی کو چھوڑ دو تاکہ میرے باغ میں بھی آجائے ۔ حضرت زبیر نے انکار کیا ۔ یہ مقدمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پیش ہوا ۔ آپ نے حضرت زبیر سے فرمایا ، اے زبیر ! تم پانی سینچنے کے بعد اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو ۔ اس فیصلہ پر انصاری کو غصہ آیا اور کہا یا رسول اللہ ! یہ فیصلہ اس لئے کیا کہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے ۔ اس اعتراض پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک غصہ کی وجہ سے متغیر ہو گیا ۔ پھر فرمایا ۔ اے زبیر ! سینچائی کر کے پانی روک لے ۔ یہاں تک کہ باغ کی دیواروں کو جا لگے ۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ، خدا کی قسم ! میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیت " مجھے تیرے رب کی قسم ، یہ ایمان والے نہیں ہوں گے جب تک تجھے اپنا حکم تسلیم نہ کریں ۔ اپنے جھگڑوں میں ، اور آپ جو فیصلہ فرمائیں اس کو دل سے قبول کریں ۔ اس میں مایوسی نہ دکھائیں ۔" اسی موقع پر نازل ہوئی ہے ۔

اس حدیث کی رو سے معلوم ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو تسلیم نہ کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی ۔ آپ کے فیصلہ کو دل سے نہ تسلیم کرنے والے کو قرآن حکیم نے دائرہ ایمان سے خارج کر دیا ۔ فرمایا گیا :-

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ

اے محبوب ! تیرے رب کی قسم ! ایمان والے نہیں ہیں ۔ جب تک تجھے حَکَم تسلیم نہیں کرتے ۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے فیصلے کو " سپریم کورٹ " کی حیثیت حاصل ہے ۔ اور آپ اس کورٹ کے چیف جسٹس (قاضی القضاۃ بلکہ اس سے بھی زیادہ حیثیت رکھتے تھے ۔

مرکزی نظام :-

شروع میں جب کہ ریاست کی بنیاد ڈالی گئی ۔ اس وقت تمام عہدے مثلاً سربراہی ریاست فوجی سپہ سالاری ، عدالت آپ بذات خود انجام دیتے ۔ مگر جس وقت اسلامی ریاست کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور انتظامی کام بڑھتے گئے ۔ تو آپ نے مدینہ منورہ میں چند قاضی مقرر فرمائے جو فیصلہ کیا کرتے تھے ۔ اور مدینہ منورہ کے گرد و نواح کے باشندے مدینہ میں اپنے تنازعات حل کرواتے ۔ مدینے کو دار الحکومت کا درجہ حاصل تھا ۔ اور پورے ملک کی کورٹوں کے خلاف آپ کے یہاں فیصلے ہوتے ۔

صوبائی انتظام

آپ کے زیر نگیں جتنے صوبے تھے ۔ آپ نے ان پر اپنا ایک حاکم (گورنر) مقرر کیا تھا ۔ اور وہی گورنر صوبائی کورٹ کا قاضی (JUDGE) ہوتا تھا ۔ چنانچہ یمن کے قاضی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالے عنہ مقرر کئے گئے ۔ جب کہ حاکم گورنر یمن بھی اس وقت آپ ہی تھے ۔ اور حضرت عتاب بن اسید ابن ابی العیص بن عبد الشمس اموی کو مکہ مکرمہ کا والی (گورنر) اور قاضی مقرر کر کے بھیجا ۔ اسی طرح عمرو بن حزم کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا گیا ۔ اگر کوئی مسئلہ صوبائی حکومت نے طے کیا ۔ لیکن فریقین میں سے کسی کو اس پر اعتراض

ہوتا تو "سپریم کورٹ" میں اپیل کی جاتی جو مدینے میں تھی. اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس مسئلہ کو قطعی طور پر حل فرمادیتے۔

دار القضاء

یہاں یہ بات بھی واضح کرنا مناسب ہے کہ عہد نبوی میں قاضی کے لئے دار القضاء یا قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے لئے کوئی خاص علیحدہ جگہ نہیں تھی۔ جہاں فیصلے کرتے۔ بلکہ کورٹ یا سپریم کورٹ مسجد یا منزل ہی ہوتی تھی۔ جہاں بیٹھ کر ہر طرح کے معاملات طے کئے جاتے تھے۔ اور مسلم وغیر مسلم سب کے لئے انصاف کے دروازے کھلے رہتے تھے۔ ہر ایک کو بلا کسی روک کے حق ملتا تھا۔

ہنگامی عدالت

بسا اوقات کسی خاص مسئلہ کے لئے کوئی خاص عدالت قائم کی جاتی۔ اس کو کلی اختیار ہوتا کہ فیصلہ کی اچھی چھان بین کرکے عدل سے فیصلہ کرے۔ جیسے مبسوط سرخسی میں ہے کہ آپ نے کسی خاص معاملہ میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ہنگامی طور پر قاضی (جج) بناکر مدینہ منورہ ہی میں فیصلہ کرنے کا حکم دیا تو اس پر حضرت عمرو بن العاص نے شرماتے ہوئے عرض کیا، کہ یارسول اللہ، کیا آپ کی موجودگی میں فیصلہ کروں؟ حضور نے فرمایا۔ ہاں۔ اس طور پر کہ اجتہاد کرو۔ اگر صحیح چیز پر پہنچو گے تو دو نیکیوں کا اجر ملے گا اور اگر اجتہاد میں خطا کرو گے تو ایک نیکی شمار ہوگی۔

فوجی عدالت:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر کہیں فوج بھیجتے تو اس فوج کا سپہ سالار فوج کی ہر قسم کی رہنمائی کرتا تھا۔ اور اگر مشکل قسم کے واقعات در پیش آتے تو ان سے نمٹنے کے لئے یا تو ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کیا جاتا یا فوجی سالار خود ہی اس قضیہ کو حل کرتا تھا. نتیجۃً وہی امام، وہی قاضی اور وہی سپہ سالار ہوتا تھا۔

فل بنچ

سپریم کورٹ کے حاکم اعلیٰ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم بعض اہم معاملات میں فل بنچ کو بٹھاتے اور مل کر مسئلہ کو حل کردینے اور فرماتے۔ جیسے مبسوط (للعلامہ شمس الدین السرخسی) میں ہے

وکان یشاورھم الاتری انہ شاورھم فی اسری بدر وشاور سعدین رضی اللہ عنہما یوم الاحزاب فی صلح بنی فزارۃ علی بعض ثمار المدینۃ واخذ بما اشارا بہ ۔

آپ مجلس بٹھا کر مشورہ فرماتے تھے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ نے بدر کے قیدیوں کے متعلق اصحاب کرام (اہل علم و دانش) سے مشورہ فرمایا۔ اور دونوں سعدوں سے احزاب کے دن، مشورہ کیا کہ بنی فزارہ کے ساتھ مدینہ کے بعض ثمار پر صلح کی جائے تو جیسے آپ کو مشورہ میں کہا گیا، آپ نے ویسا ہی کیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو یہ حکم بھی ہوا تھا:۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۔

کام میں ان کے ساتھ مشورہ کیجئے۔

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ اس وقت آج کل کی فل بنچ جیسی، شکل تھی. بلکہ اس کی صورت ایسی تھی کہ اسلامی ریاستیں اور ان کی کورٹیں جو فیصلے کرتی تھیں وہ کسی آئین اور دستور کے تحت تھے۔ دراصل یہ دستور اور آئین ہی ہے جس سے مسلم ریاست کی عدلیہ کو اور عدالتوں سے امتیاز ہے۔ دنیا کی عدالتیں آج بھی اگر اسلامی دستور کے مطابق فیصلے کریں تو پوری دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔ اس لئے کہ اسلامی تعزیرات انسانی کی اصلاح کے لئے نفسیاتی علاج ہیں۔ جس قانون کا بانی خود اللہ تعالیٰ جل مجدہ ہے۔ اور نافذ کرنے والے سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ہم بانگ دہل اعلان کرتے ہیں
ہم اقوام عالم کو دعوت دیتے ہیں!

کہ آئیے دستور اسلامی اپنی عدالتوں میں رائج کرکے سکون کی زندگی بسر کریں۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں یہودیوں نصرانیوں، مجوسیوں اور دیگر غیر مسلموں کو یقین تھا کہ ہمارے لئے انصاف ملنے اور حق پلنے کے لئے نبوی کورٹ ہی ہے

اس لئے وہ اپنے مذہب کے سرداروں کو چھوڑ کر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کورٹ میں مقدمے لاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں حق فیصلہ دیتے تھے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ

اگر آپ اے رسول! ان کے درمیان فیصلہ کریں تو اللہ کے اتارے ہوئے (قرآن) کے مطابق کریں۔ ان کی خواہشوں کا اتباع نہ کیجئے۔

آئین عدالت

اسلامی عدلیہ کا آئین وہی ہے جس پر عہد نبوی میں فیصلے ہوتے رہے۔ اور وہ قرآن، حدیث اور اجتہاد ہے۔

یہاں اس بات کی نشان دہی کرنا ضروری ہے کہ اسلامی آئین کا چوتھا ماخذ اجماع امت ہے۔ عہد نبوت میں اس کی ضرورت اس لئے نہیں ہوئی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں جو بھی نیا مسئلہ آتا، اس کا وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یا حضور خود حل فرماتے تھے۔

ماخذ اول، قرآن

اسلامی آئین کے پہلے ماخذ، قرآن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ

(مائدہ ۴۴) جو اللہ کے اتارے ہوئے (قرآن) سے فیصلے نہ کریں گے پس وہ کافر ہیں۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہوا کہ اسلامی ریاست کو اسلامی قانون نافذ کرنا چاہئے۔ اس کی انتظامیہ اور عدلیہ قرآن کے دئے ہوئے احکام کی پابند رہیں اگر ایسا نہ کیا گیا تو وہ ناانصاف اور بے شکر شمار کئے جائیں گے۔

(۲) یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین ان یکن غنیا او فقیرا فاللہ اولی بھما فلا تتبعوا الھوی ان تعدلوا وان تلوا او تعرضوا فان اللہ بما تعملون خبیرا o

اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کے لئے (انصاف کی) گواہی دینے والے بنے رہو۔ اگرچہ اپنی ہی ذات پر ہو یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں ہو، وہ امیر ہو، یا غریب ہو۔ اللہ دونوں کا زیادہ مالک ہے۔ سوتم خواہش نفس کی اتباع مت کرنا۔ کہ حق سے ہٹ جاؤ۔ اور اگر تم کج روی یا روگردانی کروگے تو بے شک اللہ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے۔

[illegible] لائبریری میں مخطوطہ قرآن کریم کے ایک صفحہ کا عکس

اس آیت میں انصاف پر رہنے کے لئے حکم دیا گیا۔ ساتھ ساتھ گواہی کو پوری طرح ادا کرنے پر بہت زور دیا گیا۔

ایک جگہ پر قرآن اور حدیث دونوں کی اتباع کرنے، اور ہر فیصلہ قرآن اور حدیث کے مطابق کرنے کے متعلق کہا گیا۔

(۳) فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول

اور اگر تم (اے ایمان والو) کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لے آؤ۔ (یعنی اس کا حل قرآن اور حدیث سے طلب کرو)

اگر کوئی مسئلہ ایسا ہو جس کا صراحۃً ذکر قرآن حکیم میں نہ ملے، تو حدیث سے اخذ کرو۔ اور اگر حدیث میں بھی نہ ملے تو اجتہاد سے کام لیا جائے۔

ماخذ ثانی حدیث

(۴) قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم o

فرمائیے اے حبیب! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو۔ پس میری اتباع کرو اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔ اور تمہارے گناہ معاف کرے گا۔ اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

(۵) ما آتٰکم الرّسول فخذوہ وما نھٰکم عنه فانتھوا

رسول جو تمہیں دیں لے لو۔ اور جس سے روکیں باز آجاؤ۔

ایک جگہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب ہو کر فرمایا :۔

(۶) فاحکم بینھم بما انزل اللہ۔ اے رسول! لوگوں کے درمیان ان احکام کے بموجب فیصلہ کرو۔ جو اللہ نے تم پر نازل کئے ہیں

اور ایک اور مقام پر مومنوں کو اللہ جل مجدہٗ نے مخاطب ہو کر فرمایا :۔

(۷) فلا وربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا ممّا قضیت ویسلموا تسلیما

اے رسول! تمہارے رب کی قسم! لوگ اس وقت تک مومن کہلانے کے مستحق نہ ہوں گے جب تک وہ اپنے باہمی تنازعات میں تم کو حکم نہ بنائیں۔ اور پھر تم جو فیصلہ کرو، اس پر اپنے دلوں میں کوئی بار محسوس نہ کریں اور تمہارے ہر حکم اور فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کریں۔

ماخذ ثالث، اجتہاد

مذکورہ آیات کا مطالعہ کرنے کے بعد بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمان اپنی ریاست میں وہ عدالتی نظام رائج و نافذ کرے جو قرآن و حدیث میں ہے۔ مگر بعض نئے مسائل ایسے رونما ہو گئے ہیں جن کے لئے اگر قرآن و حدیث خموش ہوں اس وقت اجتہاد سے کام لینا ہوتا ہے جیسے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا۔ اور بھیجتے وقت آپ حضرت معاذ سے امتحان لیتے ہوئے پوچھتے ہیں :۔

بم تقضی یا معاذ ؟ (الحدیث)

یعنی اے معاذ! تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذ نے جواب دیا۔ اللہ کی کتاب (قرآن) سے۔ پھر فرمایا۔ اگر وہ مسئلہ قرآن میں نہ پاؤ (تو پھر کیا کرو گے)؟ حضرت معاذ نے کہا۔ حدیث سے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر اس میں بھی نہ پاؤ (تو پھر) حضرت معاذ نے کہا میں عقل سے اجتہاد کروں گا۔ اس پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا:

سید احمد کی خطاطی کا شاندار نمونہ

الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سب تعریفیں اللہ کے لئے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو توفیق بخشی۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر مجتہد صحیح مقصد کو پہنچا۔ تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر غلطی کر گیا تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ وہ مجتہد ہو۔ یعنی اجتہاد کی صلاحیت، اور اس کے شرائط و لوازم سے آراستہ ہو۔

اسلامی عدلیہ کے ان تین ماخذ کے علاوہ ایک چوتھا ماخذ بھی ہے جسے "اجماع امت" کہتے ہیں۔ یہ چوتھا ماخذ "اجماع امت" عہد نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد وجود میں آیا۔ چونکہ ہمارا مقصود سیدنا محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کا عدالتی نظام بیان کرنا ہے۔ لہٰذا اجماعِ امت کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے۔ اس کی صرف نشاندہی کی گئی ہے۔

چونکہ عہدۂ قضا ایک نہایت اہم فریضہ ہے۔ اس کو صحیح طور پر اپنا لینے میں ملک و ملت کی بہتری ہے۔ اس لئے اس کی اصلاح پر توجہ دلاتے ہوئے اللہ جل مجدہٗ اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص ہدایات فرمائی ہیں۔

اسم سید محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

کی

معاشی تعلیمات

حضرت علامہ پیر سید محمد کرم شاہ

انسان نہ صرف روح کا نام ہے نہ فقط جسم کا بلکہ دونوں کے مجموعے کو انسان کہا جاتا ہے۔ اس لئے نوعِ انسانی کا عالمگیر اور ابدی دین وہی ہو سکتا ہے جو روح اور جسم دونوں کے تقاضوں کو پورا کرے۔ جو دونوں کی نشوونما اور بالیدگی کا ضامن ہو۔ دونوں میں باہمی کشمکش اور محاذ آرائی کو ختم کرے اور ان میں ایسی ہم آہنگی پیدا کر دے کہ دونوں ایک ہی راہ پر ایک ہی منزل کی طرف رواں دواں رہیں۔ مذہب کے نام پر جو نظامہائے حیات اس وقت موجود ہیں وہ مادی نظامہائے فکر سے مات کھا چکے ہیں۔ اب یا تو وہ نجی زندگی کی چار دیواری میں پناہ گزیں ہیں اور پناہ گزینوں کی طرح ایک بے اثر اور غیر آبرومندانہ زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں اور یا انہوں نے مادی نظاموں کے باطل افکار کے ساتھ مصالحت کر لی ہے۔ اپنے ماننے والوں سے اب وہ یہ تقاضا نہیں کر سکتے کہ وہ بے راہ روی کو چھوڑ دیں۔ ان کا مطالبہ صرف اتنا ہے کہ اس مذہب کا لیبل اپنے اوپر چسپاں کئے رکھیں اس کے بعد جو جی میں آئے کریں۔ شراب پئیں، جوا کھیلیں، قماربازی کے لئے عالیشان کازینو تعمیر کریں۔ شبینہ کلبوں میں داد عیش دیں۔ ننگے ناچ ناچیں حیوانی جذبات کی تسکین کے لئے بیشک وہ غیر انسانی طریقے اختیار کریں۔ حتیٰ کہ مرد، مرد کے ساتھ برملا شادیاں رچائیں، انہیں قانونی جواز اور عدالتی تحفظ میسر آجائے۔ وہ سُودی کاروبار کریں۔ جس طرح جی میں آئے ضرورتمندوں کا خون چوستے رہیں۔ مذہب کوئی مزاحمت نہ کریگا مغربی یورپ اور امریکہ وغیرہ میں عیسائیت کی بے بسی اور مجبوری کو دیکھ کر باشعور انسان کی آنکھوں سے خون کے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔

رہے موجودہ دور کے مادی نظام، تو ان کے علمبرداروں کے نزدیک انسان کے انسانی پہلو کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ انہوں نے اس کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ رہا انسان کا حیوانی پہلو تو اس میں بھی سرمایہ داری اور اشتراکیت کے نظاموں میں جو خوفناک تصادم برپا ہے۔ اس نے انسانیت کا حُلیہ بگاڑ دیا ہے بلکہ اس کی ہڈیاں پیس کر رکھ دی ہیں۔ دونوں فریق ایک دوسرے کو تہس نہس کرنے کے لئے اپنے جنگی ذخائر میں ہر آن مہلک ترین اسلحہ کا اضافہ کرتے جا رہے ہیں جب بھی کسی نے بٹن دبا یا، تو دنیا بھر میں ایک ایسا کہرام مچے گا جو مشرق و مغرب دونوں کو تباہ و برباد کر دے گا۔

نظام سرمایہ داری اگر انسان کی محنت اور عرق ریزی کو کوئی وقعت نہیں دیتا تو اشتراکی کیمپ انسان کی حریت ضمیر اور آزادی فکر کو برداشت نہیں کرتا اور اسے آہنی زنجیروں میں جکڑ دینے کے درپے ہے۔

اس ہنگامۂ دارو گیر میں کہیں اُمید کی کرن نظر آتی ہے تو وہ سرور کائنات فخر موجودات سیدنا محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین فطرت ہے جسے ہم اسلام کے نام سے پہچانتے ہیں۔ میں یہاں بڑے اختصار کے ساتھ ان خطوط کا اجمالی تذکرہ کروں گا جو اس دین حنیف نے انسانی زندگی کو متوازن، خوشحال، پاکیزہ اور بابرکت بنانے کیلئے پیش کئے ہیں۔

دیگر مذاہب کی طرح اسلام نے انسان کی جسمانی زندگی اس

کے تقاضوں اور اسکی مادی ضرورتوں کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا۔ یہ نہیں کہا کہ آخرت کی زندگی کو کامیاب بنانے کیلئے ترک دنیا ناگزیر ہے۔ اپنے ماننے والوں کو جنگلوں، پہاڑوں، ویران جزیروں میں بھاگ جانے کی ہرگز اجازت نہیں دی۔ اسلام کے نزدیک انسان میں مستور ممکنہ قوتیں فقط اسی وقت بیدار ہوتی ہیں جب وہ کشمکش حیات میں بھرپور حصہ لیتا ہے۔ اس کی توانائیوں کی آزمائش کے لئے حادثات سے ٹکرانا ضروری ہے۔ زندگی کی گراں باریوں سے نجات حاصل کرنے کیلئے کسی گوشۂ عافیت میں پناہ لینا مومن کے لئے جائز نہیں۔ اس کے ہادی برحق صلے اللہ علیہ وسلم نے وضاحت سے فرمایا۔

"لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ" (اسلام میں رہبانیت نہیں)

اس لئے قرآن کریم واحادیث نبوی میں بڑے شوق آفریں انداز میں کسب مال، اکتساب دولت اور حصول منفعت کی دعوت دی گئی ہے۔ ارشاد گرامی ہے۔

"فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (۱)

(یعنی جب نماز سے فارغ ہوجاؤ تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تبارک تعالیٰ کے فضل کو تلاش کرو۔)

چنانچہ اس آیت میں مال کو فضل الٰہی فرما کر اس کی عزت افزائی کی گئی ہے۔ اسی طرح سورۂ فاطر میں ہے۔

وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (۲)

(یعنی تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ پانی کو چیر کر جا رہی ہیں۔ تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم اس کا شکر ادا کرسکو۔)

یہاں بھی مال کو اپنا فضل فرمایا ہے۔ سورہ نساء میں مال کو زندگی کا سہارا کہا گیا ہے اور یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اپنے اموال احمقوں اور نادانوں کے سپرد نہ کرو تاکہ وہ سوءِ تصرف سے زندگی کے اس سہارے سے نہیں محروم نہ کردیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا (۳)

احادیث طیبہ میں بھی مسلمانوں کو کسب حلال کی رغبت دلائی گئی ہے۔ حضور کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

"طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ" (۴)

رزق حلال کی تلاش ہر مسلمان پر فرض ہے۔ عَنْ رَافِعِ بْنِ خُدَيْجٍ. قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ صلے الله عليه وسلم اي الكسب الطيب. قال عمل الرجل بيده وكل بيع مبرور (مسند احمد بن حنبل ج ۴: ۱۴۰)

(رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کونسی کمائی سب سے پاکیزہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ "آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر جائز تجارت")

ان آیات واحادیث سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو کسب حلال سے روکتا نہیں ہے بلکہ رغبت دلاتا ہے اور ان کی جدوجہد کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھتا ہے لیکن اسکے باوجود وہ مال کمانے کی کھلی اجازت نہیں دیتا بلکہ اکتساب مال کے بعض ذرائع کو جائز قرار دیتا ہے اور بعض کو ناجائز۔ وسائل معاش میں جائز اور ناجائز، حرام وحلال کی اساس یہ ہے کہ تمام وہ ذرائع جن میں دوسرے شخص کی ضرورت، مجبوری، سادہ لوحی یا ناتجربہ کاری سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہو یا دھوکہ دہی یا جبر سے کسی کا مال ہتھیا لیا گیا ہو وہ تمام وسائل شریعت میں ممنوع اور خلاف قانون ہیں۔ سود، جوا، ذخیرہ اندوزی، رشوت، بلیک مارکیٹنگ اور دیگر ہر قسم کی دھاندلیاں اسلام کے نزدیک حرام ہیں۔ ان ذرائع سے کمایا ہوا روپیہ اگر خدا کی راہ میں بھی خرچ کردیا جائے تو اس کی پذیرائی نہیں ہوتی۔ ایسے رزق سے جسم میں جو قطرہ خون بنتا ہے اور جو گوشت پوست کی صورت اختیار کرتا ہے۔ ارشاد مصطفوی کے مطابق وہ جہنم میں جلایا جائے گا۔

دولت کی کثرت اور فراوانی قلب وذہن میں بسا اوقات بڑے ناخوشگوار تاثرات پیدا کردیتی ہے۔ کم ظرف انسان دولت ہی کو شرف انسانی کا معیار سمجھنے لگتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو دولت میں ان سے فروتر ہو۔ ان کی نگاہوں میں گھٹیا اور حقیر دکھائی دینے لگتا ہے اور ہر وہ شخص جو ان سے زیادہ دولت مند ہوتا ہے وہ انہیں معظم ومحترم نظر آنے لگتا ہے۔ دولت کی حرص تیز تر ہوتی جاتی ہے وہ دولت پیدا کرنے والے ہاتھوں کو صحیح معاوضہ دینا بھی گوارا نہیں کرتا وہ اپنی دولت کے بل بوتے پر پاکدامن عورتوں کی عصمتوں کو داغ دار اور محترم حقوق کو زک پہنچانے سے باز نہیں آتا۔ وہ اپنے آپ کو سب

سے زیادہ زیرک اور دانشور شمار کرنے لگتا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ فتور پیدا ہو جاتا ہے کہ خدا کے نزدیک وہی برگزیدہ خلائق ہے اور وہ جو کچھ بھی کرتا ہے بارگاہ الٰہی سے اسے سند جواز حاصل ہے۔ وہ ملکی دولت کے سارے ستونوں کا رخ زور و جبر سے یا مکر و فریب سے اپنی طرف پھیرنے میں سرگرم ہو جاتا ہے۔ اس کی آتش جوع ہر دم بھڑکتی رہتی ہے۔ اس کی تشنہ لبی میں ثروت کی بے پناہ کثرت کے باوجود کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اسلام ایسے انسان کو اپنے معاشرہ میں ہرگز گوارا نہیں کرتا۔ وہ اپنے ماننے والوں کی ابتداء سے ہی ایسی تربیت کرتا ہے اور ان کو ایسی راہ پر گامزن کرتا ہے کہ اس کی زندگی میں ایسا کوئی مرحلہ نہ آئے جب وہ دوسرے انسانوں کی شرافت اور احترام کو صرف دولت کے معیار پر پرکھنے کا خوگر ہو جائے وہ تمام وسائل جن کی وجہ سے دولت کا بہاؤ کسی فرد واحد یا معاشرہ کے ایک مخصوص طبقہ کی طرف مڑ جاتا ہے اسلام نے ان کو ہمیشہ کیلئے بند کر دیا ہے۔ وہ ممالک جہاں سرمایہ داری کا عفریت اپنے ہم وطنوں کا خون چوس رہا ہے اور ضرورت مندوں کی ہڈیوں کو چبا رہا ہے اگر انکے حالات کو آپ بنظر غائر دیکھیں تو آپ کس نتیجہ پر پہنچیں گے؟ دولت کی اس غیر متوازن اور ظالمانہ تقسیم میں ان وسائل معاش کا ہی عمل دخل ہے جنہیں اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ جو قوم یا جس ملک کے باشندے اسلامی وسائل معاش کی اس تقسیم پر ایمان رکھتے ہیں اور حرام ذرائع سے ایک پائی کمانا بھی جرم تصور کرتے ہیں وہاں کے معاشرے میں دولت کی یہ ظالمانہ تقسیم آپ کو نظر نہیں آئے گی۔

دوسرے ازموں کے برعکس۔ اسلام کا انداز اصلاح یہ نہیں کہ پہلے غلاظت کے ڈھیروں کو جمع ہونے کی کھلی چھٹی دی جائے اور جب ان کی عفونت سے دماغ پھٹنے لگے۔ تو ان غلاظت کے ڈھیروں کو دور کرنے کی مجنونانہ مہم میں تخریب کاری کو روا رکھنا شروع کر دیا جائے۔ ابتداء میں مرض کا سدباب نہ کیا جب جسم کے ہر حصہ کو وہ متاثر کر چکیں تو پھر اس کے علاج کے لئے قطع و برید کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اسلام ان راستوں کو ہی بند کر دیتا ہے اور ان دروازوں کو ہی مسدود قرار دیتا ہے۔ جہاں سے اس قسم کی خرابیاں معاشرہ میں داخل ہوتی ہیں۔ اگر ایک سود کو کسی ملک میں حتمی طور پر بند کر دیا جائے تو وہاں چند دنوں کے اندر سرمایہ داری کا ظالمانہ نظام دم توڑ دے گا۔ اگر رشوت۔ جوا بازی۔ ذخیرہ اندوزی کی لعنتوں سے کوئی قوم اپنا دامن بچالے تو معاشی ناہمواریاں اور خوفناک نشیب و فراز کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔ اسلام نے وہ تمام راہیں بند کر دی ہیں جن کے ذریعے سرمایہ داری کو غذا پہنچتی ہے اور اس کا دیو انسانی شرافت کے مقدس اور نورانی میناروں کو پامال کرنے کی تدبیریں سوچنے لگتا ہے۔

حضور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب نازل ہوئی۔ اس میں بار بار سرمایہ دارانہ ذہن کی سفاکیوں۔ فتنہ انگیزیوں اور مفسدہ پردازیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

فَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا (۵)

(جب دولت مند اور متمول طبقہ فسق و فجور کا بازار گرم کر دیتا ہے تو ان پر نزول عذاب لازم ہو جاتا ہے اور ہم انہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں)

سورۂ سبا میں ہے کہ دولت کی فراوانی کے باعث ان کے امراء و اغنیاء کے ذہن اتنے بانجھ ہو گئے تھے کہ جو انبیاء اپنی صداقت کی روشن نشانیاں لے کر مبعوث کئے گئے تھے اور جن کی آمد کا مقصد صرف یہ تھا کہ انہیں ان بدکاریوں کے ہولناک انجام سے بروقت متنبہ کریں۔ انھوں نے ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور اپنی غلط فہمی کا برملا اظہار کر دیا کہ ان کے پاس دولت کی فراوانی ہے ان کے بیٹوں کی تعداد کافی ہے کوئی طاقت انہیں سزا نہیں دے سکتی۔ ارشاد خداوندی ہے

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ (۶)

(جب ہم کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجتے ہیں تو وہاں کا دولت مند طبقہ برملا کہہ دیتا ہے ہم تمہاری دعوت قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ ہمارے پاس دولت کے انبار ہیں اور اولاد کثیر ہے ہمیں کوئی عذاب نہیں دیا جا سکتا۔)

اس لئے اسلامی معاشرے میں سرمایہ داروں کے پنپنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسانی فطرت کے ساتھ برسر پیکار ہونے کی جو حماقت اشتراکیت نے کی ہے اسلام

کا دامن اس سے بھی یکسر منزہ ہے۔ روس میں اشتراکی انقلاب کو
برپا ہوئے پچاس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ انفرادی ملکیت کو
ختم کرنے کیلئے بڑے ہی پاپڑ بیلے گئے ہیں اور مظالم کی انتہا کر دی
گئی ہے۔ صرف روس میں نجی جائداد کو اپنے قبضے میں لینے کے لئے
کروڑوں روسیوں کا خون بہایا گیا۔ لیکن انسانی فطرت کو مسخ
کرنے یا بدلنے کی مہم میں انہیں کامیابی نہیں ہوئی۔ اسلام جس
طرح عقیدہ اور تقریر و تحریر کی آزادی کی ضمانت دیتا ہے اسی طرح
وہ انسان کی حریت عملی پر بھی بے جا پابندیاں لگانے کا قائل نہیں۔
جب تک کوئی شخص اسلام کی وضع کردہ حدود کو پامال نہیں کرتا
وہ اپنی تخلیقی اور تعمیری قوتوں کو بروئے کار لانے میں بالکل آزاد
ہے اور اسلام اس کو اس آزادی کی ضمانت دیتا ہے اور وہ اپنے
عمل سے جو جائز ثمرات حاصل کرے گا اس کی حفاظت کا اس سے
عہد کرتا ہے۔ اگر مملکت اسلامیہ کا کوئی شہری قواعد و ضوابط
کی پابندی کرتے ہوئے جائز اور حلال ذرائع سے دولت کماتا
ہے تو اسلام ایسے شخص کو معاشرہ کا بہترین فرد شمار کرتا ہے۔
لیکن اس طرح کی کمائی ہوئی دولت کو بھی ایسے حکیمانہ انداز سے
ایک ہاتھ سے لے کر متعدد اشخاص میں بانٹ دیتا ہے کہ دولت کی
فراوانی سے جن برے نتائج کے ظہور کا خطرہ ہوتا ہے ان کا سد باب
بھی ہو جاتا ہے اور کسی کی دل شکنی اور دل آزاری بھی نہیں ہوتی اور
کسی کے جوش عمل میں کوئی ضعف پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ہے اسلام کا
نظام وراثت و وصیت، جس میں متوفی کی متروکہ، منقولہ اور غیر منقولہ
دولت اس کے بیٹوں، بیٹیوں، بیوی، ماں باپ، اور بعض حالتوں
میں اسکے کئی دوسرے قریبی رشتہ داروں میں بٹ جاتی ہے۔ وصیت
کے ذریعے وہ اپنی متروکہ دولت کا ایک تہائی حصہ غیر وارثوں کو بھی
دے سکتا ہے۔ اسلام ہرگز یہ اجازت نہیں دیتا کہ صرف بڑا بیٹا
جدی جائیداد کا وارث ہو اور باقی اولاد کو محروم کر دیا جائے یا صرف
بیٹوں کو وراثت میں سے حصہ ملے اور بیٹیوں کو محروم کر دیا جائے یا
کوئی شخص کسی ترنگ میں آکر اپنے وارثوں کو محروم کر دے اور غیر وارث
کو ساری جائیداد کا مالک بنا دے، جس طرح یورپ کے نام نہاد
مہذب اور شائستہ لوگ ساری جائیداد اپنے کتوں اور بلیوں کے نام
وصیت کر جاتے ہیں اور اپنے وارثوں کو محروم کر دیتے ہیں۔

ہر ملک میں خواہ وہ معاشی طور پر ترقی یافتہ ہی کیوں نہ ہو، ایک
طبقہ ایسا ضرور ہوتا ہے جو بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر افلاس و تنگدستی
کا شکار رہتا ہے ایسے لوگوں کی کفالت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کے
صاحب حیثیت لوگوں پر ڈالی ہے، جہاں اپنی عبادت کا ذکر کیا ہے
وہاں حاجت مندوں کی اعانت کرنے کا حکم بھی دیا ہے اور متعدد
مقامات پر اس کی تصریح کر دی ہے کہ اسلام کی نظر میں صرف رسوم
عبادات کو ہی بجا لانا نیکی نہیں بلکہ صدق دل سے ایمان لانا اور اللہ
تعالیٰ کی محبت کیلئے اپنے رشتہ داروں یتیموں اور مسکینوں میں مال
تقسیم کرنا حقیقی نیکی ہے۔ فرمایا۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ
وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ
وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ۔ (۷)

(نیکی بس یہی نہیں کہ نماز میں تم اپنا رخ مشرق اور مغرب کی
طرف پھیر لو۔ بلکہ نیکی کا کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان لائے اللہ
پر، روز قیامت پر، اور فرشتوں اور کتاب پر، اور سب نبیوں
پر، اور اپنا مال اللہ تعالیٰ کی محبت کے باعث، رشتہ داروں۔
یتیموں۔ مسکینوں، مسافروں اور مانگنے والوں کو دے اور
غلاموں کو آزاد کرائے۔

سورہ مدثر میں بڑے مؤثر پیرائے میں اس حقیقت کو ایک
نئے انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ "اہل جنت اہل جہنم سے پوچھیں گے،
مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ (تمہیں کون سا جرم دوزخ میں لے گیا) تو وہ
جواب دینگے۔

قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ

(کہ ہم اس جرم کی پاداش میں دوزخ کا ایندھن بنا دیئے گئے کہ
ہم نہ تو نماز پڑھتے تھے اور نہ مسکین کو کھانا کھلاتے تھے۔)

گویا قرآن کریم کی نظر میں نماز ادا نہ کرنا اور کسی غریب کی ضروریات
زندگی کو بہم نہ پہنچانا دونوں یکساں نوعیت کے گناہ ہیں بلکہ
سورہ ماعون میں بڑی وضاحت سے بتا دیا کہ جو شخص یتیموں
کی توہین کرتا ہے ان کو اپنے ہاں سے دھکے دے کر نکال دیتا
ہے اور مساکین و غربا کی ضرورتوں کو بہم پہنچانے کی ترغیب نہیں

دلاتا۔ وہ قیامت پر یقین ہی نہیں رکھتا فرمایا۔

اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ (۸)

(جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق سے غریبوں کی امداد نہیں کرتے اور ان کی ضروریات کی بہم رسانی میں اپنا فرض ادا نہیں کرتے) ان کے بارے میں قرآن کریم کی دہلا دینے والے ارشادات سماعت فرمائیے۔ ارشاد ہے۔

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ، ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ، ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُکُوْهُ اِنَّهٗ کَانَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ (۹)

(اس کو پکڑ لو، اس کی گردن میں طوق ڈال دو، پھر اسے بھڑکتی آگ میں پھینک دو، پھر اسے ستر گز لمبے زنجیر میں جکڑ دو یہ (بدبخت) خداوند عظیم پر ایمان نہیں لایا تھا اور نہ ہی وہ غریبوں کو خوراک مہیا کرنے کی ترغیب دیتا تھا)

ان آیات میں جو رعب اور جلال ہے اس سے دل کانپ اٹھتا ہے اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایک منصف مزاج انسان کی مادی ضروریات کو انتہائی اہمیت دی ہے۔ اور جو شخص اپنے ضرورت مند بھائیوں کی امداد کی طرف متوجہ نہیں ہوتا وہ قیامت کا منکر ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہیں رکھتا اور اس کا ان برکتوں میں کوئی حصہ نہیں جو اسلام کے زیر سایہ انسان کو نصیب ہوتی ہیں۔ اسلام نے صرف پند و موعظت پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ قانونی طور پر ضرورت مند لوگوں کی کفالت کو اسلامی معاشرہ پر لازمی قرار دیا ہے جس کی ادائیگی ہر شخص پر حسب حیثیت لازم ہے۔ کہیں اس کے علاوہ مختلف دلنشیں اسالیب سے ضرورتمند لوگوں کی امداد کا دلوں میں شوق پیدا کر دیا کہیں فرمایا کہ ان لوگوں کی امداد کیلئے جو تم خرچ کرتے ہو وہ گویا تم اپنے پروردگار کو قرض دے رہے ہو۔ جو تمہیں یقیناً واپس ملے گا۔ کہیں فرمایا کہ اگر تم ضرورت مند بھائیوں کی امداد کیلئے ایک روپیہ خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض دس گنا تمہیں عنایت فرمائے گا اور زیادہ کوئی حد نہیں۔ ذرا اس آیت کو بھی گوش ہوش سے سماعت فرمائیے۔ اس آیت کو سننے کے بعد اور اس کو سمجھ لینے کے بعد دل میں

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ایسا ولولہ اٹھتا ہے کہ ہر چیز اپنے ضرورت مند بھائیوں کی امداد کیلئے لٹا دینے کو جی چاہتا ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (۱۰)

(یعنی ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک دانہ ہو جو اُگے اور اس میں سات خوشے لگیں اور ہر خوشہ میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ کر دیتا ہے جس کیلئے چاہتا ہے۔)

یہی وہ پاکیزہ تعلیمات تھیں۔ یہی وہ صحیح تربیت تھی، یہی وہ قرآن کا اعجاز تھا۔ اور یہی وہ اسلام کا روح پرور نظام تھا جس نے ان قوموں کی کایا پلٹ دی جنہوں نے اس کو قبول کیا اور ان ملکوں کو جنت نظیر بنا دیا جہاں اس کی برکتوں والا پرچم لہرایا۔

قرآن کریم کی اعجاز آفرینی آج بھی اپنے شباب پر ہے اسلام کی برکتوں اور سعادتوں کا یہ چشمہ شیریں آج بھی ابل رہا ہے۔ حضور نبی کریم کی ردائے رحمۃ للعالمینی اتنی وسیع ہے کہ ستم رسیدہ افلاس گزیدہ انسانیت کو اس کے ظل عاطفت میں پناہ مل سکتی ہے بشرطیکہ ہم منافقت کو ترک کر دیں، شک و ارتیاب کی دلدل سے اپنے آپ کو نکالیں، ایمان صادق، اور یقین محکم کے ساتھ ان تعلیمات کو اپنا لیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے ہمارے لئے بلکہ ساری دنیا کے انسانیت کیلئے نازل فرمائی ہیں۔

حوالہ جات

(۱) سورۂ جمعہ آیت نمبر ۱۰ (۲) سورۂ فاطر آیت نمبر ۱۲
(۳) سورۂ النساء آیت نمبر ۵ (۴) رواۃ البیہقی۔
(۵) سورۂ الاسراء آیت نمبر ۱۶ (۶) سورۂ سباء آیت نمبر ۳۴
(۷) سورۂ البقرۃ آیت نمبر ۱۷۷ (۸) سورۂ ماعون آیت نمبر ۱ تا ۳
(۹) سورۂ الحاقہ آیت نمبر ۳۰ تا ۳۴ (۱۰) سورۂ البقرۃ آیت نمبر ۲۶۱

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

محنت کشوں کے آقا

جناب عبدالحمید قیصر

واحسن منک لم ترقط عینی
خلقت مبرأ من کل عیب
واجمل منک لم تلد النساء
کانک قد خلقت کما تشاء

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم شروع ہی سے محنت اور جفاکشی کے عادی تھے جوانی میں بکریاں چرائیں تجارت کی۔ تجارت میں سفر کی تکلیفیں جھیلیں۔ بچپن تھا کہ کعبہ کی از سر نو تعمیر ہوئی اور اپنے بزرگوں اور ساتھیوں کے ساتھ سر پر پتھر اٹھا کر لائے۔ بھتیجے کی جفاکشی کو دیکھ کر چچا ابو طالب کو ترس آگیا اور بھتیجے کے سر پر کپڑا رکھ دیا۔ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو سب سے پہلے قبا کی مسجد میں قیام فرمایا اس بستی کو مہاجرین کی پہلی منزل بننے کا شرف حاصل ہوا اس بستی میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم چودہ دن مقیم رہے قیام کے زمانہ میں محبوب خدا نے اپنے مبارک ہاتھوں سے مسجد کی بنیاد رکھی۔

مسجد قبا کی تعمیر

خدا کی زمین پر خدا کا پہلا گھر بنایا جا رہا ہے خدا کے بندوں میں بڑا جوش و خروش ہے ایک ایک مسلمان مسجد کی تعمیر میں شریک ہے۔ مدنی آقا صلی اللہ علیہ وسلم آقا اور سردار ہو کر بھی آقاؤں کی طرح محض حکم ہی نہیں دے رہے ہیں۔ بلکہ ایک معمولی مزدور کی طرح خود بھی بھاری بھاری پتھر اٹھا رہے ہیں، بوجھ سے جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم نازک خم ہو جاتا ہے تو جاں نثار ساتھیوں سے رہا نہیں جاتا دوڑ کر آتے ہیں عرض کرتے ہیں۔

"ہمارے ماں باپ حضور پر قربان آپ تکلیف نہ کیجیے، خدام کافی ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم انکی درخواست قبول نہیں فرماتے اور دوسرا پتھر اٹھانے چلے جاتے ہیں یہ مسلمانوں کے ہاتھوں خدا کا پہلا گھر بنایا جا رہا ہے۔ خدا کے بندے آقا اور غلام خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ یہ راج بھی ہیں۔ مزدور بھی ہیں مل جل کر شانہ سے شانہ ملا کر کام کرتے جاتے ہیں۔ اور بڑے جادو بھرے ترنم میں بندگی کا ترانہ گاتے جاتے، ہیں آقا صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے ہیں۔

کیا عجب سماں ہوگا، کامیابی انسانی زندگی کے ان معماروں کی بلائیں لے رہی ہوگی۔ اس ترانے کے اشعار کا مطلب یہ ہے۔ 'کامیابی اس مسلمان کے لیے ہے۔ جو مسجدیں بنائے۔ خدا کے گھروں کی تعمیر کرے۔ اٹھتے۔ بیٹھتے قرآن پڑھے اور راتوں کو عبادت کے لیے جاگے"۔

زمیں پر جو خدا کا گھر بنائے
یقیناً وہ جگہ جنت میں پائے

اب یہ مسجد پتھروں اور گارے کی معمولی عمارت نہ تھی بلکہ خدا

کا وہ پاک گھر تھا جسکی تعریف میں خود اللہ تعالے نے ارشاد فرمایا۔
یہ مسجد پرہیز گاری کی بنیاد پر کھڑی کی گئی ہے"۔

مسجد نبوی کی تعمیر: - اب مسجد نبوی کی تعمیر کا منظر دیکھئے اسکی تعمیر میں بھی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ شریک ہیں گارا بھی اٹھا کر لارہے ہیں۔ اور پتھر بھی۔

ساتھی محبوب آقا کو ایک مزدور کی طرح کام کرتے دیکھ کر چلا اٹھتے ہیں اور کہتے ہیں۔ اگر خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مزدوروں کی طرح کام کرتے رہیں۔ اور ہم بیٹھے دیکھتے رہیں تو ہمارا اسلام کیا ہوا۔ یا غارت ہوا پھر ایک عجیب بات یہ بھی دیکھئے کہ غلاموں کو شرم آرہی ہے۔ کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم محنت کا کام کر رہے ہیں اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو ترس آرہا ہے۔ کہ غلام محنت کر رہے ہیں کیا محبت ہے۔ غلاموں کے دلوں میں آقا کی اور کیا شفقت ہے۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی غلاموں پر۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ ہم لوگ ایک ایک بار پتھر لارہے تھے۔ اور حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو دو پتھر لارہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر جو حضرت عمار رضی اللہ عنہ پر پڑی تو آپ کو حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محنت پر پیار آگیا۔ آپ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب پہنچے اپنے مبارک ہاتھوں سے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمر سے مٹی جھاڑی اور ان کی حق پرستی کی گواہی دیتے ہوئے ان کے انجام کے بارے میں فرمایا "عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمہیں خدائے تعالےٰ دین حق پر استقامت عطا فرمائے گا"۔

اس موقع پر بھی محنت کی گرماگرمی میں دل بہلانے کے لیے بیہودہ گوئی کا مظاہرہ نہیں ہے۔ گھٹیا قسم کا مذاق نہیں ہے بلکہ آخرت کی یاد ہے خدا سے دعائیں ہیں۔

آخرت کی ابدی زندگی ہی درحقیقت زندگی ہے۔ خدا وندا تو انصار و مہاجرین پر رحم فرما۔ حضرت آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ شعر اپنے جاں نثار ساتھیوں کے ساتھ آواز ملا کر پڑھتے جاتے ہیں۔ اب جفاکش آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو میدان جنگ میں دیکھئے۔ عرب کے تمام قبیلوں نے اپنی متحدہ طاقت سے مدینہ کی پرامن بستی پر دھاوا بول دیا ہے۔ سرور کونین جنگ کی تیاریوں

از: [illegible]

میں مصروف ہیں۔ مدینہ پاک سے باہر خندق کھودنے کے انتظامات ہو رہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی خندق کی حدیں قائم کیں دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم کر دی گئی ہے۔ پانچ گز گہری خندق کھودنی ہے۔ تین ہزار مجاہد مزدور بنے کھدائی کا کام کر رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی انکے ساتھ ایک مزدور کی طرح کھدائی کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ سردی کی راتیں ہیں۔ نہ کھانے کا ہوش ہے نہ پینے کا۔ اگر جاں نثار ساتھی فاقہ کے مارے پیٹ سے پتھر باندھے اپنے سرکار سے بھوک کی شکایت کرتے ہیں تو سرکار بھی اپنا پیٹ کھول کر دکھا دیتے ہیں جس پر تین پتھر باندھے ہوئے تھے۔ محبوب خدا جب مٹی کی ٹوکری سر پر رکھتے ہیں۔ تو اس میں سے مٹی چھن چھن کر آپ کے اوپر گرتی ہے۔ اور اس سے آپ کے سینۂ اقدس پر مقدس بالوں کی جو دھاری ہے وہ مٹی میں اٹ جاتی ہے۔ خندق کھودتے کھودتے اتفاق سے ایک پتھر کی چٹان آجاتی ہے۔ اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ زور آزمائی کرتے ہیں۔ لیکن کسی سے وہ چٹان نہیں ٹوٹتی۔ سرکار تشریف لاتے ہیں۔ کدال ہاتھ میں لیکر اس چٹان پر مارتے ہیں۔ آپ کی ایک ہی چوٹ سے چٹان کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب سرکار تین وقت کی بھوک سے نڈھال نظر آرہے تھے۔

اب گھریلو زندگی میں آپ کی محنت اور جفاکشی کا حال سنئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ حضرت اسود ابن زید نے پوچھا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا آقا اپنے گھر میں کیا کام کرتے تھے۔ تو فرماتی ہیں ام المومنین، سرکار اپنے گھر والوں کے کام کاج میں شریک رہا کرتے تھے۔ البتہ جب اذان کی آواز سنتے تھے۔ تو فوراً باہر تشریف لیجاتے۔

اللہ تعالیٰ نے محنت پسند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بھی جدوجہد کا پیغام دیا ہے۔ اور ارشاد فرمایا ہے۔" اور محنت کرو اللہ کے واسطے جیسی کہ چاہیے اس کے واسطے محنت اس نے تم کو پسند کیا۔" ٭٭٭

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات
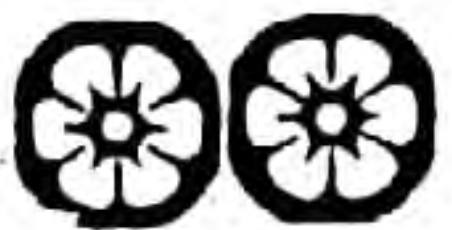
مولانا صابر القادری نسیم بستوی

حقیقت تو یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بزم ہستی میں سراپا معجزہ اور مجسم کمال وخوبی بن کر جلوہ افروز ہوئے عہد طفولیت سے لے کر حیات دنیوی کے آخری لمحوں تک آپ کی ہر ادا معجزہ تھی۔ جو شعور وادراک بشر سے ماورا ہے۔ اور اس کا زبان وقلم سے احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے دانشوروں، علم وفضل کے شہرۂ آفاق وما یۂ ناز شہنشاہو اور بلند پایہ ارباب فکر ونظر اس راہ میں چند قدم سے زیادہ نہیں چل سکے اور ان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توصیف وثنا اور مدح وستائش کی بزم میں ساری عمر نعت گوئی اور مدحت نگاری میں گزارنے کے باوجود بالآخر یہ اعتراف کرنا پڑا کہ

ع آں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اپنے الفاظ میں اس طرح رقم طراز ہیں ؎

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

دوسرے مقام پر یوں نغمہ سنج ہوئے ؎

یہی بولے سدرہ والے | چمن جہاں کے تھالے
سبھی ہم نے چھان ڈالے | ترے پائے کا نہ پایا!
تجھے اک نے اک بنایا | تجھے حمد ہے خدایا

فرش زمیں سے تا عرش بریں، مکاں سے لامکاں تک، آپ کے حسن وجمال کی شعائیں بادلوں کی طرح چھائی ہوئی ہیں۔ بلکہ ؎ بزم کونین آراستہ کی گئی کشور حسن کے تاجور کے لئے

آپ کے اقتدار رسالت واختیار نبوت کا پرچم رفعت وعظمت کی بلندیوں پر لہرا رہا ہے اور ہمیشہ پورے جاہ وجلال کے ساتھ لہراتا رہے گا۔ وقت کا کوئی زبردست سے زبردست طوفان اور حوادث روزگار کی سخت سی سخت پر آشوب آندھیاں اس پرچم عظمت کو سرنگوں کر سکی ہیں اور نہ کبھی کر پائیں گی۔ آپ کے حسن وجمال کے درخشاں آفتاب وماہتاب کو دیکھ کر جلیل القدر صحابہ کرام نے گواہی دی

مارایت شیئاً احسن منک

یعنی اے اللہ کے رسول میں نے آپ سے زیادہ حسین کوئی چیز نہیں دیکھی۔

کسی صحابی نے آپ کے حسن زیبا وجمال دل آرا کو دیکھ کر کہا کہ "اے خدا کے برگزیدہ نبی حضور کا روئے تاباں نور کا ایک سمندر معلوم ہوتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ آسمان کے چاند اور سورج، اس میں کشتی کی طرح تیر رہے ہیں ؎

رخ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب اور دوسرا آئینہ
نہ ہماری چشم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

ذیل میں حضور انور سید البشر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند مشہور وایمان افروز معجزات درج کئے جاتے ہیں جس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہے کہ آپ

مالک کونین سلطان دارین ہیں۔ دنیا کی ہر شے آپ کی تابع فرمان
زمین وآسمان، عرش وکرسی، لوح وقلم آپ کے زیر نگیں، اور
عناصر اربعہ آگ، پانی، ہوا، اور مٹی آپ کے تحت تصرف ہیں ؎

خالق کل نے آپ کو مالک کل بنا دیا
دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ واقتدار میں

اعجاز کلام الٰہی کلام الٰہی کا اعجاز دو طریقوں سے ہے:۔ اول فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام امی تھے اور عرب کے لوگ ایسے عظیم فصیح وبلیغ کہ فی البدیہہ بڑے بڑے قصیدے کہنا اور رفقید المثال خطبے تحریر کرنا ان کا روزمرہ کا عام مشغلہ تھا۔ آپ نے انا افصح العرب اور بعثت بجوامع الکلم کا اعلان، کرتے ہوئے عرب کے بڑے بڑے ناموراہل فصاحت، و بلاغت کے مجمع عام کو چیلنج فرمایا فأتوا بسورۃ من مثلہ (یعنی اس کی مثل کوئی سورۃ پیش کرو) مگر کوئی فصاحت وبلاغت کا مدعی زباں داں شاعر وادیب سورہ "انا اعطینٰک الکوثر" کے مثل اپنا کلام نہ پیش کرسکا۔

پیغمبر اسلام روحی فداہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ اب تک زندہ وتابندہ ہے اور صبح قیامت تک اسی شان وشوکت کے ساتھ تاباں ودرخشاں رہے گا۔ آپ کا یہ وہ بے مثال معجزہ ہے جو کسی اور نبی ورسول کو عطا نہ ہوا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اپنی ایک مشہور نعت میں اس حقیقت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے زمزمہ خواں ہیں ؎

فصحا عرب کے بڑے بڑے ترے آگے یوں ہیں دبے پڑے
کوئی سمجھے منھ میں زباں نہیں نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

حضرت قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے کتاب "الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ" میں تحریر فرمایا ہے:۔

"کلام اللہ میں باعتبار بلاغت سات ہزار سے کچھ زیادہ معجزے ہیں"۔ اور اپنے اس دعویٰ پر ایک واضح اور قوی دلیل بیان کی ہے یعنی محققین علماء نے تحریر کیا ہے کہ:۔

"کلام اللہ میں جس قدر کلام سورۂ انا اعطینا کے برابر ہے معجزہ ہے اور اس سورۃ میں دس کلمے ہیں۔ اور پورے قرآن پاک میں کچھ اور ستتر ہزار کلمات ہیں تو جب ستتر ہزار کو دس سے تقسیم کریں گے تو سات ہزار حاصل ہوں گے اور اس حساب سے قرآن مجید میں سات ہزار معجزے ہیں"۔

دوسرا اعجاز:۔ غیبی خبروں اور پیش گوئیوں کی حیثیت سے ہے کہ واقعات وحالات کے مطابق ظہور پذیر ہوئے۔ یعنی کلام اللہ نے جو بیان کیا ویسا ہی واقع ہوا۔ اہل کتاب اس کو پیش گوئی کہتے ہیں اور اس کو انبیائے کرام اعلیٰ ترین معجزات میں شمار کیا ہے۔

سچا خواب سورہ فتح (پارہ ۲۶ رکوع ۱۲) میں ارشاد خداوندی ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے:

"یعنی بیشک اللہ نے سچ کردیا اپنے رسول کا خواب بیشک تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے اگر اللہ چاہے امن وامان سے اپنے سروں کے بال منڈواتے یا ترشواتے بے خوف تو اسے جانا جو تمہیں معلوم نہیں۔ اس سے پہلے ایک نزدیک آنے والی فتح رکھی (کنز الایمان)

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے اصحاب کے ہمراہ مکہ تشریف لائے اور وہاں اطمینان وسکون کے ساتھ عمرہ کیا۔ یہ خواب اپنے اصحاب سے بیان فرمایا۔ ان لوگوں نے جو زیارت خانہ کعبہ کے بے حد مشتاق تھے روانگی کی تیاری کر دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تیار ہو گئے۔ جب مکہ معظمہ کے قریب پہونچے تو کفار قریش مزاحم و مانع ہوئے۔ حدیبیہ جو مکہ معظمہ کے متصل ایک کنواں ہے اسی کے قریب آپ نے قیام فرمایا تھا وہیں بیعت رضوان ہوئی بالآخر اسی مقام پر کفار مکہ سے مصالحت کے بعد یہ بات طے ہوئی کہ اس سال عمرہ نہ کریں۔ آئندہ سال آکر کریں گے صحابہ اس فیصلہ پر بہت رنجیدہ ہوئے۔ حدیبیہ سے واپسی میں سورۂ فتح نازل ہوئی اس میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی تسلی کے لئے یہ آیت بھی نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ:

"پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا خواب بیشک سچا ہے۔ اس میں کچھ اسی سال کی تعیین نہ تھی۔ سال آئندہ بیشک تم مکہ میں ضرور داخل ہوگے اور بفراغ خاطر عمرے کے سب ارکان بجالاؤ گے"۔

چنانچہ واقعہ ایسا ہی ظاہر ہوا یعنی آنے والے سال، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب مکہ مکرمہ تشریف لائے اور عمرہ ادا کیا۔ "فتح قریب" سے وہی فتح خیبر مراد ہے ارشاد ہوا کہ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے خیبر فتح ہو جائے گا تو ایسا ہی ہوا۔

دین حق

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ ط وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا (پ۲۶ سورۂ فتح)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی ہے۔ (ترجمۂ رضویہ)

اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ دین اسلام سب دینوں پر غالب ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس زمانے میں تمام اہل ادیان میں سب پر غالب تر فارس کے مجوسی تھے۔ اس کے بعد روم کے عیسائی لیکن بہت قلیل عرصہ میں اہل اسلام ان دونوں پر غالب آ گئے۔ فارس کی سلطنت تو چند روز میں بالکل تباہ و برباد ہو گئی۔ اس سلطنت کا نام و نشان بھی باقی نہ رہ گیا۔ اور روم کی حکومت بھی مغلوب ہو گئی۔ ان کے اکثر ممالک مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔ اور رفتہ رفتہ باقی اہل ادیان بھی مسلمانوں سے مغلوب ہو گئے۔

تبلیغ رسالت کا حکم

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔ "اے رسول پہونچا دو جو کچھ نازل ہوا تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ایسا نہ ہو کہ تم نے اس کا کوئی پیغام نہ پہونچایا اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا۔ لوگوں سے، بیشک اللہ کافروں کو راہ نہیں دیتا (ترجمۂ رضویہ پارہ ۶ سورۂ مائدہ ع ۱۰)

اس آیت کریمہ میں اللہ عز و جل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا کہ وہ آپ کو محفوظ و مامون رکھے گا اور اس نے خبر دی کہ آپ کا کوئی کچھ نہ کر سکے گا۔ چنانچہ یہ وعدۂ الٰہی پوری طرح صادق آیا۔ اور کوئی شخص آپ کو قتل نہ کر سکا حالانکہ لاکھوں اشخاص آپ کے جانی دشمن تھے۔ اور بہتوں نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا۔ لیکن وہ اپنے اس مجرمانہ مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

بخاری و مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک بار جہاد میں پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ حضور نجد کی جانب تشریف لے گئے تھے۔ راستہ طے کرتے ہوئے ایک دوپہر کے وقت ایک جنگل میں جس میں بہت سے خاردار درخت تھے۔ قیام کیا۔ سب جا بجا درختوں کے سائے میں ادھر ادھر ہو گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم درخت سمرہ کے نیچے اترے۔ اور اپنی تلوار اس درخت میں لٹکا دی۔ ہم لوگ بڑی دیر تک سوئے تھے کہ آپ نے ہم کو بلایا۔ ہم حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ ایک اعرابی آپ کے سامنے بیٹھا ہے۔ آپ نے بیان فرمایا:۔

"میں سو رہا تھا کہ اس نے میری تلوار نکال لی۔ میں بیدار ہو گیا دیکھا کہ ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں ہے اس نے مجھ سے کہا "مَن یعصمک منّی یا محمد"، یعنی اے محمد مجھ سے تم کو کون بچائے گا؟ میں نے جواب دیا" اللہ تعالیٰ"۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب آپ نے فرمایا "اللہ" تو آپ کے رعب و جلال سے تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی۔ آپ نے فوراً تلوار اپنے قبضہ میں کر لی اور اس سے فرمایا "اب تجھے کون بچائے گا"۔

اس نے کہا "اے محمد آپ مجھ کو بخش دیجئے"۔ نبی کریم، علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے بے پایاں اخلاق کریمانہ سے اس کافر دشمن کو معاف فرما دیا۔ وہ آپ کے حسن اخلاق سے بے حد متأثر ہوا۔ اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ جب وہاں سے اپنی قوم میں گیا تو کہا کہ "میں ایسے شخص کے پاس سے آ رہا ہوں جو سارے انسانوں سے بہتر و افضل ہے"۔

ترمذی شریف میں ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور کی عادت کریمہ تھی کہ سوتے وقت محافظت کا انتظام فرمایا کرتے تھے۔ لیکن جب آیت وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ نازل ہوئی، تو آپ نے خیمہ میں سے سر مبارک نکال کر پہرہ داروں سے فرمایا اب تم لوگ چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کا وعدہ فرما لیا ہے۔ اب پہرے کی ضرورت نہیں"۔

اقرأ باسم ربك الذي خلق

خلق الانسان من علق

غیب کی خبریں

بخاری ومسلم میں حضرت حذیفہ بن الیمان سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک وعظ میں قیامت تک ہونے والے تمام واقعات وحالات بیان فرمادیئے۔ جس نے یاد رکھا اسے یاد رہے اور جو بھول گئے، بھول گئے۔ میرے اصحاب کو اس بیان کا علم ہے اور بعض چیزیں اس میں سے ہوتی ہیں کہ میں اس کو بھول گیا تھا۔ پھر میں جب اسے دیکھتا ہوں تب مجھے یاد آجاتی ہیں۔ یعنی وہ خبر جب واقع ہوتی ہے تو میں پہچان جاتا ہوں کہ یہ وہی خبر ہے جس کی حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے خبر دی تھی جس طرح کسی شخص کی صورت آدمی کو یاد رہو اور وہ شخص غائب ہو جائے پھر اسے دیکھتا ہے تو پہچان جاتا ہے۔

جبل احد پر

امام بخاری حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جبل احد پر تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہم تھے۔ پہاڑ ہلنے لگا اور آپ کو ہلایا۔ آپ نے اس پر ٹھوکر مار کر فرمایا:۔

"اے کوہ احد اپنی جگہ پر ٹھہرا رہ تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔" (رضی اللہ تعالےٰ عنہم)

جنت کی خوشخبری

بخاری ومسلم نے ابو موسیٰ اشعری سے روایت کی ہے انھوں نے کہا کہ میں رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ کے باغوں میں سے ایک باغ میں تھا۔ ایک شخص دروازے پر آیا اور دروازہ کھلوایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ "دروازہ کھول آؤ اور اس آنے والے کو جنت کی خوشخبری دیدو۔" میں نے جاکر دروازہ کھولا تو آنے والے حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ) تھے۔ میں نے حضور کے ارشاد کے بموجب ان کو جنت کی خوشخبری سنائی وہ حمد الٰہی بجالائے۔ پھر ایک شخص نے آکر دروازہ کھلوایا۔ حضور نے فرمایا۔ "دروازہ کھولدو اور آنے والے کو جنت کی بشارت دو۔" میں نے دروازہ کھولا تو حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ) تھے۔ ان کو بحکم پیغمبر بہشت کی بشارت دی وہ بھی حمد الٰہی بجالائے۔ پھر ایک اور شخص نے دروازہ کھلوایا حضور نے ارشاد فرمایا کہ "کھول دو اور اس شخص کو جنت کی بشارت دو۔ ایک بلوے کے اوپر جو اس پر ہوگا۔" میں نے دروازہ کھولا تو وہ حضرت عثمان تھے۔ حضور کے حکم کی تعمیل میں میں نے ان کو بھی بشارت دی وہ بھی حمد خدا بجالائے۔ پھر انھوں نے کہا کہ "خدا کی مدد چاہیئے۔"

خزانہ کسریٰ کی فتح

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مسلمانوں کی ایک جماعت بادشاہ فارس کا خزانہ فتح کرے گی (وہ خزانہ سفید کوشک میں ہے) خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے زمانۂ خلافت میں ایسا ہی واقعہ رونما ہوا کہ شہر مدائن جو خاندان کسریٰ کا دار السلطنت تھا۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہٗ کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ اور یزدجرد جو اس زمانے میں خاندان کسریٰ کا بادشاہ تھا۔ شہر چھوڑ کر بھاگ گیا اور کوشک ابیض کا سب خزانہ اہل اسلام کے قبضہ وتصرف میں آگیا۔

کسریٰ کے کنگن

بیہقی نے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا نے سراقہ بن مالک سے فرمایا:

"تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔"

(نسیم الریاض)

چنانچہ جب خلافت فاروقی میں دونوں کنگن امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے پاس آئے تو انھوں نے سراقہ کے ہاتھوں میں پہنادیئے۔ اس کے بعد کہا کہ "شکر ہے اس خدا کا جس نے یہ کنگن کسریٰ کے ہاتھوں سے چھینے اور سراقہ کے ہاتھوں میں پہنادیئے۔"

سونے کے یہ کنگن بہت بیش قیمت تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیش گوئی کی تصدیق

کے لئے سراقہ کے ہاتھوں میں ڈال دیئے تھے۔ جوان کے کندھوں تک پہونچ گئے تھے۔ سراقہ اس کو ہمیشہ پہنے نہیں رہے جس سے اس شبہ کا ازالہ ہو گیا، کہ سونے کا استعمال مردوں کے لئے جائز نہیں تو امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے سراقہ کو سونے کے کنگن کیوں پہنائے۔

فتح مکہ کی خبر

بخاری نے سلیمان بن صرد سے روایت کی ہے کہ جب غزوۂ خندق میں کفار کا لشکر فرار ہو گیا اور مدینہ سے محاصرہ اٹھ گیا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے اور وہ ہم پر چڑھائی نہ کر سکیں گے۔ ہم ہی ان پر لشکر کشی کریں گے۔"

واقعہ اس خبر کے مطابق ہی ظاہر ہوا کہ غزوۂ خندق کے بعد کفار قریش مدینہ منورہ پر لشکر کشی نہ کر سکے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوۂ فتح میں ان پر لشکر لے گئے اور مکہ کو فتح کیا۔

تہتر فرقے

امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور حاکم نے روایت کی ہے کہ نبی غیب داں عالم ما یکون و ما کان صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"قریب ہے کہ میری امت میں تہتر فرقے ہو جائیں گے وہ سب کے سب جہنمی ہوں گے مگر ایک فرقہ۔"

صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ وہ نجات پانے والا جنتی فرقہ کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا "جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوگا۔"

حضرت جبریل کی اصل صورت

بیہقی نے "دلائل النبوۃ" اور ابن سعد نے طبقات میں عمار بن یاسر سے روایت کی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

"یا رسول اللہ مجھے جبریل کو ان کی اصل صورت میں دکھلا دیجئے"

آپ نے فرمایا تم جبریل کو نہ دیکھ سکو گے۔"

انھوں نے دوبارہ عرض کیا، حضور آپ دکھلا دیجئے۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بیٹھ جاؤ" وہ بیٹھ گئے اور حضرت جبریل علیہ السلام کعبہ پر اترے۔ آپ نے حضرت حمزہ سے فرمایا "نگاہ اٹھاؤ"۔ انھوں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا جسم زبرجد اخضر (ہرا) کی مانند ہے۔ وہ دیکھتے ہی تاب نہ لا سکے اور غش کھا کر گر گئے۔ (نسیم الریاض)

دولت ایمان

صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنی ماں کو اسلام کی دعوت دیتا تھا۔ وہ مشرکہ تھی۔ اس نے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں توہین و بے ادبی کا کلمہ کہا۔ مجھے بیحد ناگوار گزرا۔ اس صدمہ کا میرے اوپر گہرا اثر ہوا اور میں روتا ہوا بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور اس طرح عرض کیا:-

"اے اللہ کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) دعا فرمائیے کہ اللہ تعالےٰ میری ماں کو ہدایت فرمائے۔"

آپ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی اَللّٰھُمَّ اھْدِ اُمَّ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اے اللہ ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے۔

حضور کی زبان مبارک سے یہ دعا سن کر میں بہت خوش اور شاداں اپنے گھر آیا دیکھا دروازہ اندر سے بند ہے۔ میری ماں نے میرے قدموں کی آواز سن کر معلوم کر لیا کہ آنے والا میں ہی ہوں بولی:- "ابوہریرہ وہیں ٹھہرو۔" میں نے پانی گرنے کی آواز سنی۔ میری ماں غسل کر رہی تھی۔ اس نے نہا کر اور کپڑے بدل کر دروازہ کھولا۔ اور مجھ کو دیکھتے ہی کہا:

"اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ"

میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتی ہوں کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔"

یہ سن کر میں وفور مسرت و خوشی میں روتا ہوا پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوا۔ اور آپ کو اپنی ماں کے دولت ایمان سے مشرف ہونے کی خبر دی۔ حضور یہ خبر سن کر حمد الٰہی بجا لائے۔

زبردست قوت حافظہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ ابوہریرہ نے رسول خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے بہت روایتیں کی ہیں اور اللہ عزوجل جائے وعدہ ہے یعنی جس روز اللہ تعالیٰ کا

دیدار ہوگا اس روز اس وعدے کا ظہور ہوگا۔ میں ایک مرد مسکین تھا۔ تجارت و زراعت کی کچھ فکر نہیں رکھتا تھا۔ روٹی جو ملتی وہ کھا کر حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتا۔ ایک روز حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"جو کوئی اپنا کپڑا پھیلائے رہے جب تک میں یہ کلام پورا کروں اور اس کے بعد اس کپڑے کو اکٹھا کر کے اپنے سینے سے لگالے تو وہ شخص میری حدیث کبھی نہ بھولے گا۔"

ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی کملی پھیلادی اور جب حضور اس کلام کو پورا کر چکے تب میں نے آپ کے حسب ہدایت اسے اکٹھا کر کے اپنے سینے سے لگالیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو سچا دین دے کر بھیجا میں کبھی آپ کے کلام کو نہیں بھولا۔" (بخاری ومسلم)

مال میں برکت

بیہقی نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے لئے دعا فرمائی:۔ "اللہ تعالےٰ ان کے مال میں برکت دے۔"

عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ "حضور کی دعا کا اس قدر اثر ہوا کہ اگر میں پتھر بھی اٹھاتا تو مجھے امید ہوتی کہ حضور قاسم نعمت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت دعا سے اس کے نیچے سونا ملے گا۔" (نسیم الریاض)

حضرت عبدالرحمن حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے اتنے صاحب مال ہو گئے کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے عہد خلافت میں ان کا وصال ہوا تو پھاوڑوں سے سونا کھود کر ان کے وارثوں میں تقسیم کیا گیا۔ اور کھودنے والے کھودتے کھودتے تھک گئے تھے۔ ان کی چار بیویاں تھیں ان میں سے ایک کو جس کا نام تماضر تھا (جو بنی کلیب سے تھی حضرت عبدالرحمن نے مرض الموت میں اس کو طلاق دیدی تھی) اس کو حصہ حسب فرائض پہونچتا تھا۔ اس سے اور ورثہ نے اسی ہزار دینار سے زائد پر مصالحت کی تھی۔ اور پچاس ہزار دینار فی سبیل اللہ، خرچ کرنے کی انھوں نے وصیت فرمائی تھی۔ ایک باغ ازواج مطہرات کو دے کر انتقال فرمایا۔ اس باغ کی قیمت چار لاکھ تھی اس کے علاوہ انھوں نے لاکھوں روپے کے صدقات وخیرات کئے۔ اور یہ سب مال کی فراوانی اور دولت کی کثرت حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی برکت دعا سے حاصل ہوئی ؎

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا
موج بحر سماحت پہ لاکھوں سلام

ترجمان القرآن

بخاری ومسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی:۔

"الٰہی دین میں ان کو درست سمجھ عطا فرما اور ان کو تفسیر (قرآن) کا علم دے۔"

حضور محبوب کبریا علیہ التحیۃ والثنا کی دعا مقبول ہوئی اور اس کی برکت سے بہت علم عطا ہوا کہ "حبر امت" مشہور ہوئے۔ اور علم تفسیر میں ان کو ایسا کمال حاصل ہوا کہ "ترجمان القرآن" کہلائے۔ (نسیم الریاض) ؎

تم نے ذرہ کو اٹھایا اور صحرا کر دیا
تم نے قطرہ کو ملایا اور دریا کر دیا

موئے مبارک کا اعجاز

بیہقی نے روایت کی ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند موئے مبارک (بال شریف) تھے۔ وہ اس ٹوپی کو سر پر رکھ کر جس جہاد میں شریک ہوئے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو اس کی برکت سے فتح دی (نسیم الریاض)

جبہ شریف کی برکت

مسلم شریف میں اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک جبہ نکالا۔ اور کہا کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ ہم اس کو دھو کر اس کا پانی بیماروں کو پلاتے ہیں۔ اور بدن میں لگاتے ہیں جس سے ان کو شفا ہو جاتی ہے۔ (النسیم الریاض)

زبان پاک کی برکت

طبرانی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک بار حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیاس کی شدت سے رو رہے تھے۔ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے

زبان مبارک ان کے منہ میں دیدی۔ انھوں نے چوس لی۔ ان کی پیاس کو تسکین ہوئی اور رونا بند کر دیا (نسیم الریاض)

لعاب دہن شریف بیہقی نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن شیر خوار بچوں کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیتے۔ وہ دن بھر سیر رہتے تھے اور ان کو دودھ پینے کی حاجت نہ ہوتی۔ (نسیم الریاض)

آب دہن شریف کی خوشبو بیہقی نے دلائل النبوۃ اور ابن عبد البر نے استیعاب میں ام عاصم سے روایت کی ہے کہ ہم عتبہ کی تین بیویاں ہمیشہ عمدہ عمدہ خوشبو لگاتی تھیں مگر عتبہ بن فرقد کے جسم سے ایسی خوشبو آتی تھی، کہ ہماری خوشبو پر ہمیشہ غالب رہتی۔ ہم نے اس کا سبب پوچھا تو انھوں نے اس کی وجہ بتاتے ہوئے کہا:-

"ایک بار میں بیمار ہوا تھا تو حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے اپنے سامنے بٹھا کر میرے کپڑے اتروا کر اپنا اپنا لعاب دہن مبارک ہتھیلیوں میں لگا کر میری پیٹھ اور میرے پیٹ پر پھیر دیا تھا" (نسیم الریاض)

نابینا بینا ہو گیا عثمان بن حنیف راوی ہیں کہ ایک نابینا نے حضور پر نور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:-

"یارسول اللہ دعا فرمائیے کہ میری اندھی آنکھوں میں بینائی آجائے"۔

آپ نے ان سے فرمایا کہ (پہلے) اچھی طرح وضو کر و پھر دو رکعت نماز پڑھو۔ اس کے بعد یہ دعا پڑھو:-

اللّٰھُمَّ اِنّی اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ نَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنّی اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰی رَبِّكَ اَنْ یَكْشِفَ عَنْ بَصَرِی اَللّٰھُمَّ شَفِّعْهُ۔ "یا اللہ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ تیرے نبی رحمت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی برکت سے۔ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں حضور کی برکت و رحمت کے وسیلے سے آپ کے پروردگار کی جانب متوجہ ہوتا ہوں اس لئے میری بینائی کھول دے۔ الٰہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما"...... (ترمذی، نسائی وغیرہ)

حضور انور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اس نابینا نے وضو کر کے دو رکعتیں ادا کیں اور مذکورہ دعا پڑھی اسی وقت ان کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔

یہ حدیث پاک اکثر محدثین نے صحیح سندوں کے ساتھ نقل کی ہے جو مقصود و مطلوب کی تکمیل کے لئے بے حد آزمودہ اور مجرب ہے۔ اگر ان یکشف عن بصری کی جگہ اور روایتوں میں "فی حاجتی ھذہ لیقضی" وارد ہے کہ یہ عبارت ہر حاجت کو شامل ہے۔

حضرت عثمان بن حنیف اور ان کے بیٹے اس بابرکت دعا کو حل مشکلات و قضائے حاجات کے لئے تعلیم کیا کرتے تھے اس کے حیرت انگیز اثرات و برکات کے متعلق بہت سی حکایتیں منقول ہیں۔

زہر کا اثر جاتا رہا زرین نے روایت کی ہے کہ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سامنے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ذکر ہوا۔ اس پر وہ رونے لگے اور نہایت حسرت و یاس کے ساتھ کہنے لگے:-

"کاش میرے سارے اعمال حضرت ابوبکر صدیق کے ایک دن کے عمل اور ایک رات کے برابر ہوں۔ ان کی زندگی کی وہ اہم رات جس میں وہ پیغمبر اسلام صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور کی جانب گئے۔ غار میں پہونچ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا، حضور آپ غار کے اندر تشریف نہ لے جائیں۔ پہلے میں اس میں داخل ہوتا ہوں جس سے اگر غار کے اندر کوئی موذی ہو تو اس کا صدمہ مجھے پہونچے۔ حضور کو کچھ تکلیف و ایذا نہ ہو۔ ابوبکر صدیق غار میں جا کر اس میں جھاڑو دی اور اس کے تمام سوراخوں کو اپنی ازار پھاڑ کر اس کے ٹکڑوں سے بند کر دیا۔ دو سوراخ بند ہونے سے باقی رہ گئے تو ان میں انھوں نے اپنے دونوں پاؤں اڑا دیئے۔ پھر حضور سے عرض کیا "تشریف لائیے"۔ آپ ابوبکر کی گود میں سر رکھ کر آرام فرمانے لگے۔ اسی حالت میں ایک سوراخ سے سانپ نے ابوبکر صدیق کے پاؤں میں ڈس لیا مگر انھوں نے بپاس ادب اپنی جگہ سے جنبش نہ کی کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام میں کوئی خلل نہ واقع ہو۔ زہر کے صدمہ و تکلیف سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہ کر حضور کے چہرۂ مبارک

پر گرے جس سے آپ بیدار ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق سے ان کا حال دریافت فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے حضور جانِ مسیحا، دردمندوں کے ملجا و ماویٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں سانپ ڈس لیا تھا اس جگہ پر اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ اسی دم فوراً زہر کا اثر جاتا رہا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے دو مشہور معجزات کا اپنے الفاظ میں یوں منظوم تذکرہ کرتے ہیں ؎

مولیٰ علی نے واری تری نیند پر نماز ؛ وہ بھی نماز عصر جو اعلیٰ خطر کی ہے!
صدیق بلکہ غار میں جان اس پہ دے چکے ؛ اور حفظ جاں تو جان فروض غرر کی ہے

اس کے بعد ان دونوں واقعات سے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں وہ ہمارا عقیدہ و ایمان ہے ؎

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

پڑھنے لگے کلمہ شجر بھی

ایک روز حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں صحابۂ کرام سے فرمایا "تم میں جو جنوں کو دیکھنا چاہے وہ آج رات کو حاضر ہو۔"

ابن مسعود کا بیان ہے کہ میرے علاوہ کوئی حاضر نہ ہوا۔ حضور مجھ کو اپنے ساتھ لے کر چلے۔ یہاں تک کہ جب مکہ مکرمہ کی بلند جا پہونچے تو آپ نے اپنے پائے اقدس سے میرے لئے ایک خط کھینچا اور فرمایا "اسی میں بیٹھے رہنا"۔ یہ فرما کر آپ تشریف لے گئے اور ایک جگہ کھڑے ہو کر قرآن پاک پڑھنا شروع کیا۔ تو آپ کو ایک بڑی جماعت نے گھیر لیا اور وہ میرے اور آپ کے درمیان حائل ہو گئی۔ اتنے میں میں نے حضور کی آواز سنی۔ آپ نے فرمایا:۔ "کون گواہی دیتا ہے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں"۔ وہاں ایک درخت متصل تھا آپ نے فرمایا کہ "اگر یہ درخت میری شہادت دے تو تم مانو گے۔؟" انھوں نے جواب دیا "ہاں"۔ پھر آپ نے اس درخت کو بلایا اور اس نے آپ کی رسالت کی گواہی دی۔ تو وہ سب جن ایمان لے آئے۔ (نسیم الریاض)

جس وقت ہوئی تم کو گواہی کی ضرورت
بت بول اٹھے پڑھنے لگے کلمہ شجر بھی

نذرانۂ اسلام

ابن سعد نے جعد بن قیس مراری سے روایت کی ہے کہ ہم چار آدمی اپنے وطن سے بارادۂ حج روانہ ہوئے۔ راہ میں ملک یمن کے ایک جنگل سے گزر رہے تھے کہ اشعار پر مشتمل ایک آواز سنائی دی جس کا مضمون یہ تھا:۔

"اے جانیوالو سوار! جب تم زمزم اور حطیم پر پہونچنا تو حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہمارا نذرانۂ سلام پیش کرنا۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبری عطا فرمائی ہے۔ اور یہ عرض کر دینا کہ ہم تمہارے دین کے تابعدار ہیں۔ ہمیں اس بات کی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے وصیت کی تھی۔ (تفسیر عزیزی)

عناصر اربعہ میں معجزات کا ظہور

مٹی:۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ سراقہ بن مالک نے ہمارا تعاقب کیا۔ میں نے اس کو دیکھ کر کہا:۔

"یا رسول اللہ ہم کو ایک شخص نے آلیا"۔

حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا یعنی غم نہ کرو ہمارے ساتھ اللہ ہے۔

پھر آپ نے سراقہ کے لئے بد دعا کی۔ اس کا گھوڑا سخت زمین کے اندر پیٹ تک دھنس گیا۔ اس نے کہا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم دونوں نے میرے لئے بد دعا کی ہے۔ اب دعا کرو کہ میں اس سے نجات پاؤں۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ تمہارے تعاقب کرنے والوں کو واپس پھیر دوں گا"۔

حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اس کی رہائی کے لئے دعا کی اور وہ واپس چلا گیا۔ کئے ہوئے وعدہ کے مطابق راستے میں جو کوئی ملتا اس کو یہ کہہ کر واپس کر دیتا کہ "ادھر کوئی نہیں ہے"۔ (بخاری و مسلم)

پانی:۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ میں لوگ پیاسے ہوئے۔ حضور ساقیٔ کوثر، مالک بحر و بر صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے سامنے ایک لوٹا تھا۔ اس سے آپ نے وضو کیا۔ سب لوگوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارے لشکر میں پینے کے لئے پانی ہے اور نہ وضو

کے واسطے مگر اسی قدر کہ جتنا حضور کے لوٹے میں ہے۔" حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دست پاک کو لوٹے میں رکھا تو لوگوں نے اس ایمان افروز منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ پانی، آپ کی نورانی انگلیوں سے چشمہ کی طرح جوش مارنے لگا۔ اس پانی سے ہم لوگوں نے جی بھر کر پیا اور وضو کیا۔"

حضرت جابر سے پوچھا گیا، تم سب کتنے آدمی تھے؟ انھوں نے جواب دیا اگر ایک لاکھ ہوتے تو پانی کفایت کر جاتا۔ ہم کل، پندرہ سو آدمی تھے۔ (صواعق محرقہ)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ اس معجزہ کی طرف اپنے نعتیہ کلام میں اشارہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں ؎

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

آگ:۔ آگ سے متعلق ایک معجزہ مولانا روم علیہ الرحمہ نے اپنی مثنوی شریف میں بیان کیا ہے جس کا سلیس، بامحاورہ اردو ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ ایک شخص ان کے یہاں مہمان ہوا۔ اس نے بیان کیا کہ کھانے کے بعد حضرت انس نے دیکھا کہ دسترخوان میلا اور آلودہ ہو گیا ہے خادمہ سے کہا کہ اس کو تھوڑی دیر کے لئے تنور میں ڈال دے۔ اس نے آگ سے بھرے ہوئے تنور میں دسترخوان کو ڈال دیا۔ تمام مہمان اس واقعہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ وہ لوگ انتظار کر رہے تھے کہ ابھی تنور سے دسترخوان کے جلنے کا دھواں اٹھے گا (مگر ایسا نہ ہوا) اس کے بجائے جب ایک گھڑی گزرنے کے بعد دسترخوان کو تنور سے باہر نکالا گیا تو وہ دسترخوان میل سے صاف ستھرا ہو گیا تھا۔ قوم نے متعجب ہو کر پوچھا:

"اے عزیز صحابی دسترخوان تنور کی آگ میں کیوں نہیں جلا۔ اور جلنے کے بجائے اس کی کثافت دھل گئی۔ اور وہ صاف وشفاف ہو گیا۔؟"

حضرت انس نے جواب دیا کہ "آگ میں دسترخوان کے نہ جلنے کا سبب یہ ہے کہ حضور انور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے ایک مرتبہ اپنا دست پاک اور دہن (منھ) مبارک پونچھا تھا۔"

اس خیال افروز فکر انگیز واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کپڑے کا ایک ٹکڑا حضور لامع النور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے دست پاک اور دہن مبارک سے مس ہونے کی وجہ سے آگ میں جلنے سے محفوظ رہا تو جس دل میں یاد مصطفےٰ بسی ہوئی ہے اور جس کے سینے میں عشق محبوب کبریا علیہ التحیۃ والثنا کا چراغ روشن ہے اس کو دنیا وآخرت کی کوئی آگ کیونکر جلا سکتی ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ عشق رسول کی آگ کے متعلق فیصلہ کن انداز میں نواسنج ہیں ؎

اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھا دیگی وہ آگ لگائی ہے

ھوا:۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے (جس کا بامحاورہ سلیس اردو ترجمہ یہ ہے)

"اے ایمان والو یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر فرمایا جب آئیں تم پر موجیں (یعنی قریش، غطفان، یہود، قریظہ، بنی نضیر او رباره ہزار آدمی تم پر چڑھ آئے تھے) تو بھیجی ہم نے ان پر ٹھنڈی پروائی ہوا خوب کڑاکے کا جاڑا پڑا اور ہوا نے ان کو نہایت عاجز اور تنگ کر دیا بے شمار غبار ان کے منھ پر ڈالا۔ ان کی آگ بجھا دی اور ان کی ہانڈیاں الٹ دیں میخیں اکھاڑ دیں، خیمے گر پڑے گھوڑے کھل کر آپس میں لڑنے لگے۔ اور بھی بھیجے ان پر ایسے لشکر کہ ان کو تم نے نہیں دیکھا یعنی فرشتے کہ انھوں نے کافروں کے دلوں میں رعب ڈالا۔ اور ان کے دلوں میں اس قدر دہشت پھیلا دی کہ وہاں سے بھاگ گئے۔ اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے۔"

(پ ۲۲ ع ۱۸، احزاب)

حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معجزہ غزوۂ احزاب (دوسرا نام خندق بھی ہے) میں رونما ہوا۔ کفار کے مذکورہ قبائل ایک بھاری لشکر لے کر مدینہ منورہ پر چڑھ آئے تھے۔ آپ نے سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے سے گرد مدینہ خندق کھدوادی تھی۔ قریب ایک ماہ تک کافروں کی فوج وہاں ٹھہری رہی۔ اور فوج کے لوگ تیر اور پتھر سے جنگ کرتے رہے۔ اللہ تعالےٰ نے ایمان والوں کی غیبی مدد فرمائی۔ اور پروا ہوا اتنی سخت اور تباہ کن بھیجدی کہ وہ انتہائی تکلیف وپریشانی سے عاجز و درماندہ
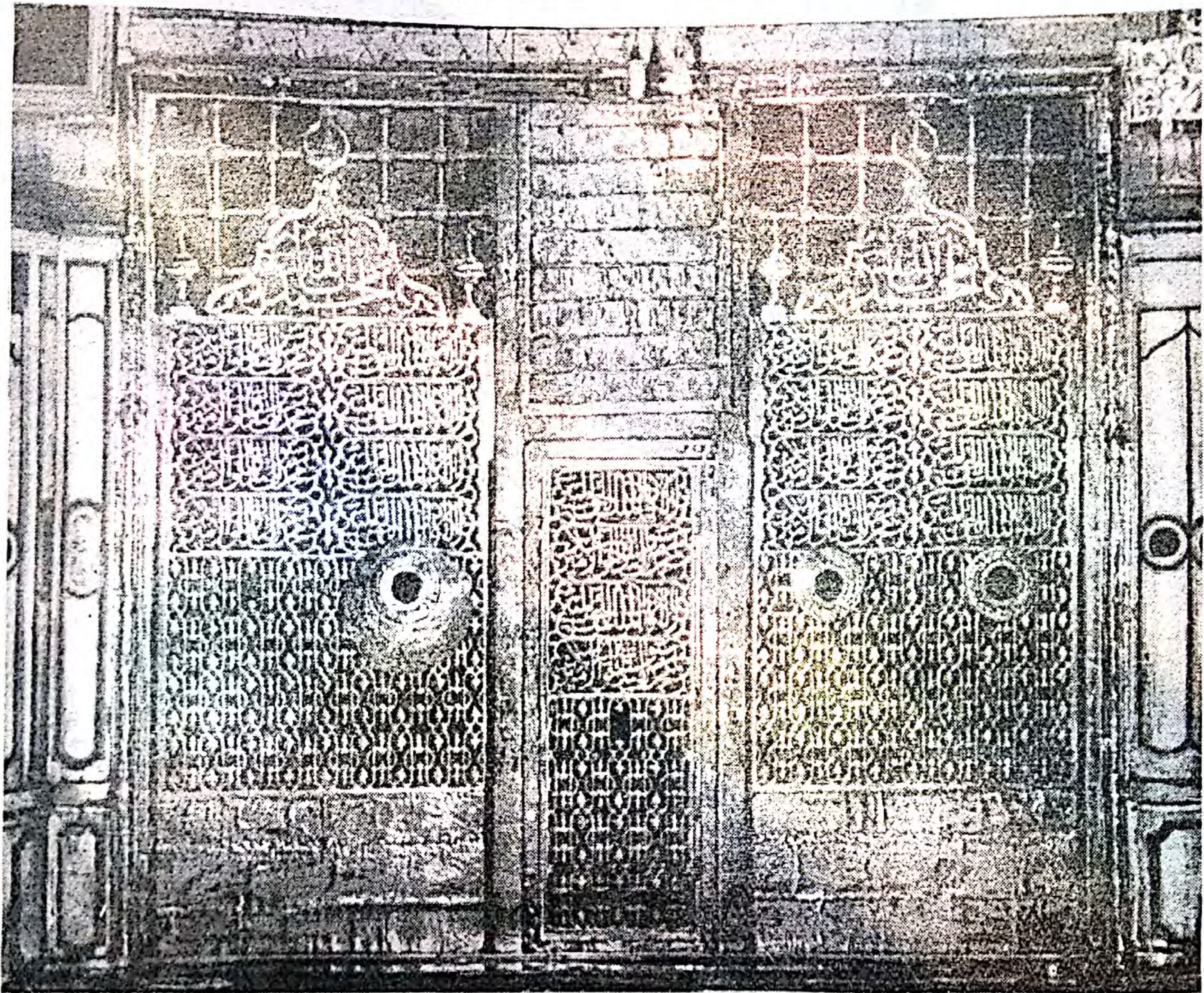
ہو کر بھاگ گئے۔ طلیحہ بن خویلد اسدی نے اس قہرناک ہوا کی تباہی اور اس کے نقصانات کو دیکھ کر کہا کہ :۔

"محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے تم پر جادو کر دیا ہے یہاں رکنا مناسب نہیں۔ جلدی سے بھاگ چلو۔"

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا نصرت بالصبا و اھلکت عادٌ بالدَّبُورِ (یعنی میری مدد پروائی ہوا سے ہوئی۔ کہ اس نے کافروں کو غزوۂ احزاب میں بھاگنے پر مجبور کر دیا اور قوم عاد پچھوا ہوا سے ہلاک کی گئی۔ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معجزہ حضرت ہود علیہ السلام کے معجزہ جیسا ہے۔ کہ غزوۂ خندق میں دشمن اسلام کفار کو پروا ہوا سے ذلت ناک شکست ہوئی۔ اسی طرح پچھوا ہوا کے عذاب سے قوم عاد صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو گئی۔ دونوں جگہ قہر الٰہی ہوا کی شکل میں نازل ہوا۔

اس مضمون میں جامع المعجزات صاحب آیات بیّنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیار رسالت، اقتدار نبوت، اور شان رحمت کی صرف کچھ جھلکیاں پیش کی جا سکی ہیں ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ

سر سے لے کر پیر تک تنویر ہی تنویر ہے
جیسے منھ سے بولتا قرآن وہ تقریر ہے
دیکھ کر حیران ہے دنیا جمال مصطفےٰ
وہ مصور کیسا ہو گا جس کی یہ تصویر ہے

انا سید

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

اور

شادیٔ شب اسریٰ
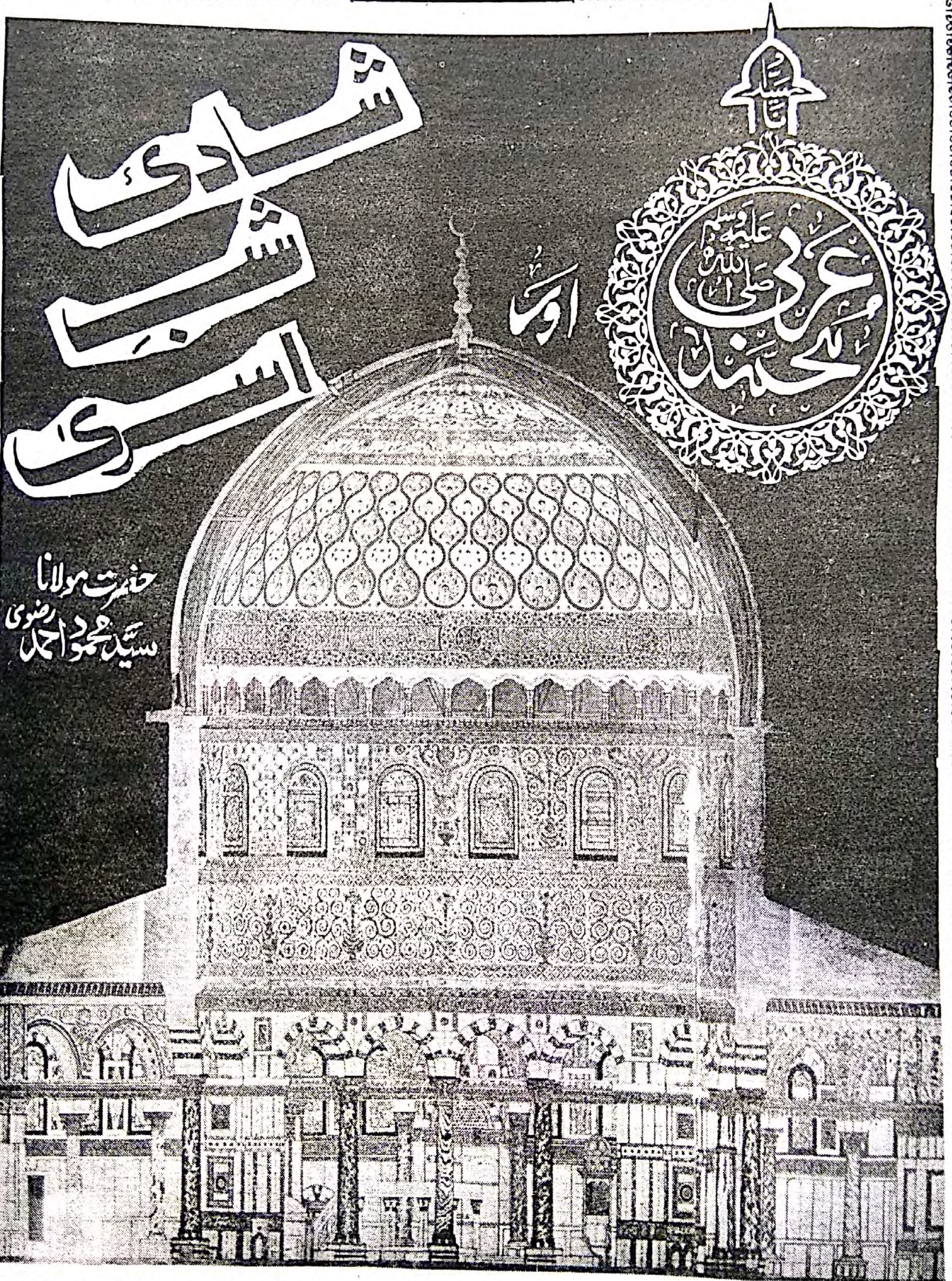
حضرت مولانا
سید محمود احمد رضوی

سورج غروب ہوا اور قمر نے اپنے نوری چہرہ سے نقاب اٹھایا اور وہ عزت وکرامت والی رات آئی اور اس رات میں وہ ساعت ہمایوں آئی جو دیوان قضا میں سیر سرور عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقرر تھی، سرور کشور رسالت، شہنشاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں۔ نصف شب گذر چکی ہے۔ عالم پر خاموشی طاری ہے مگر عالم بالا میں دھومیں مچ رہی ہیں۔ سماوات پر تشریف آوری سلطان کا غلغلہ بلند ہے۔ قدسی تمنائے دیدار میں سرشار ہیں۔ اور پیش گاہ الٰہی سے احکام خاص کا اجرا ہو رہا ہے ؎

یہاں زمیں میں وہاں فلک پہ رچی تھی شادی مچی تھیں دھومیں
اِدھر سے انوار ہنستے آتے اُدھر سے نفحات اٹھ رہے تھے

یہی سماں تھا کہ یکایک ہوا چلنے سے رکی، کواکب کی گردش ختم ہوئی، رضوان جنت نے جنت کی آئینہ بندی کی، در دوزخ بند ہوئے، جنت کے دروازے کھول دیئے گئے، عرش وکرسی کو لباس نور پہنایا گیا، میکائیل نے رزق کی تقسیم بند کی، عزرائیل نے قبض ارواح سے منہ موڑا، اور حوران مہ جبیں آراستہ و پیراستہ ہو کر ہاتھوں میں طبق زر و جواہر اٹھا کر غرف جنت میں صف بستہ کھڑی ہو گئیں کہ شاہد عالم آج مہمان بن کر آنے والے ہیں۔

جبرئیل کی حاضری اور براق

روح الامین کو پیغام پہنچا کہ وہ سواری جو بجلی سے زیادہ تیز گام اور روشنی سے زیادہ سُبک خرام ہے جو خطۂ لاہوت کے مسافروں کے لئے مخصوص ہے۔ حرم ابراہیم (کعبہ) میں لیکر حاضر ہوں۔ کارکنان عناصر کو حکم ہوا کہ مملکت آب و خاک کے تمام مادی احکام و قوانین معطل کر دیئے جائیں۔ اور زمان ومکان ہفر و اقامت، رویت و سماعت، تخاطب وکلام کی تمام طبعی پابندیاں اٹھا دی جائیں۔

صحیحین میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم مکہ میں جلوہ فرما تھے کہ گھر کی چھت پھٹی اور جبرئیل امین بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے انھوں نے پہلے سینۂ اقدس چاک کیا پھر اس کو آب زمزم سے دھویا اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان وحکمت سے بھر کر لائے جو سینۂ اقدس میں بھر کر بند کر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب جبریل حاضر ہوئے تو آسمانِ نبوت کا نیر اعظم آرام فرما تھا۔ جس کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل بیدار تھا۔ ملکوتیوں کے سردار اور مقربین کے شہنشاہ جبرئیل نے قدموں میں کھڑے ہو کر قبلہ گاہ ناز کو بصد ادب واحترام بیدار کیا۔ چشم حق نما کھلی اور جبریل کو نرالے ساز وسامان کے ساتھ موجود پایا۔

یہ بھی روایت ہے کہ جبرئیل کھڑے رہے اور چشم نرگسی کے کھلنے کے منتظر رہے حکم پہونچا قَبِّلْ قَدَمَیْہِ (یعنی جبرئیل! میرے محبوب کے قدم چوم لو) جبرئیل امین نے اپنے کافوری ہونٹ قدم پاک نبوی پر رکھ دیئے۔ اور کافور کی ٹھنڈک سے چشم دلنواز عجیب انداز سے کھلی۔

یہ بھی آیا ہے کہ جبرئیل کو حکم ہوا تم دور کھڑے رہو۔ ہم خود اپنے محبوب کو بہ لطف وکرم بیدار کریں گے اللہ عز وجل کا اپنے محبوب ذی وقار کو خود جگانا یا روح الامین کا اس ادب ولحاظ سے بیدار کرنا وہ اعزاز واحترام ہے جو حضور ہی کی خصوصیت ہے ؎

تاج روح القدس کے موتی جسے سجدہ کریں
رکھتی ہیں واللہ وہ پاکیزہ گوہر ایڑیاں!

پیغام وصل

جب حضور بیدار ہوئے جبرئیل نے پیغام وصل دیا اور کعبہ مقدس میں رونق افروزی کی التجا کی۔ قدم ناز اٹھا اور رحمت مجسم کعبۂ مقدس میں جلوہ ریز ہوئے نورانی رخساروں کی تابش سے کعبہ بجلی کی طرح چمکنے لگا کیونکہ کعبہ میں کعبے کے کعبہ نے نزول اجلال فرمایا ؎

نئی دلہن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے ایک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے

شق صدر

پھر حضور چاہِ زمزم کے قریب لائے گئے وہاں آپکے سینۂ اقدس کو چاک کیا گیا اور ایمان وحکمت سے بھر دیا گیا۔ شق صدر بھی عجب شان سے ہوا۔ نہ کسی نشتر کا استعمال ہوا، اور نہ کسی قسم کی تکلیف، یہ شق صدر سیر ملکوت اور دیدار باری کیلئے ایک قسم کا وضو تھا تاکہ حریم حق میں پہونچ کر حضور حق کا مشاہدہ بہ اطمینان کر سکیں۔ یہ منظر بھی بڑا پر کیف تھا۔ جبرئیل امین مع ستر ہزار ملائکہ کے نوری جلوس کے حاضر تھے ؎

خدا ہی دے صبر جاں پر غم دکھاؤں کیونکر تجھے وہ عالم

جب ان کو جھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دولہا بنا رہے تھے

براق پر سواری

اس کے بعد براق سواری کے لئے پیش ہوا۔ آپ نے براق پر سوار ہونے کا قصد فرمایا تو اس نے شوخی کی جبرئیل نے فرمایا کیوں شوخی کرتا ہے۔ تیری پشت پر حضور سے زیادہ خدا کے نزدیک کوئی دوسرا سوار نہیں ہوا یہ سنکر براق پسینہ پسینہ ہوگیا ؎

تجلیٔ حق کا سہرا سر پر صلوٰۃ و تسلیم کی نچھاور
دو رویہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کے واسطے تھے

براق گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا سفید رنگ کا ایک لمبا جانور تھا۔ اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ اس کا ہر قدم وہاں پڑتا تھا جہاں نگاہ کی آخری حد ہوتی ہے۔ (ترمذی، مسند احمد)

براق کی یہ شوخی دراصل سرکشی نہ تھی بلکہ خوشی و مسرت کا اظہار تھا مگر چونکہ یہ بظاہر شوخی پر مشتمل نظر آتا تھا اس لئے روح الامین نے اس طرح مسرت کے اظہار سے بھی ادباً منع فرما دیا ؎

ابھی نہ آئے تھے پشت زیں تک کہ سر ہوئی مغفرت کی شلک
صدائے شفاعت نے دی مبارک گناہ مستانہ جھومتے تھے

اب حضور سید المرسلین سوار ہوئے۔ جبرئیل نے رکاب تھامی، میکائیل نے لگام پکڑی۔ اسرافیل نے حاشیہ برداری اختیار کی، اور وہ لامکاں کا سیاح، اسریٰ کا دولھا، سلطان دارین، محبوب رب المشرقین والمغربین قاسم نعمۃ اللہ، امین ملکۃ اللہ، خلیفۃ اللہ الاعظم، نائب پروردگار عالم، حاکم کائنات، متصرف موجودات سید الانبیاء، امام الاصفیاء محمد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء ملائک کے نوری جلوس کے ہمراہ نہایت شان بان کے ساتھ عازم دار السلطنت ہوئے ؎

یہ جوت پڑتی تھی ان کے رخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی جگہ جگہ نصب آئینے تھے

مسجد اقصیٰ میں داخلہ

نورانی سواری چلی۔ حد نظر پر دوسرا قدم پڑ رہا ہے ؎

براق کے نقش سم کے صدقے وہ گل کھلائے کہ سارے رستے
مہکتے گلبن، لہکتے گلشن، ہرے بھرے لہلہا رہے تھے

اب مسجد اقصیٰ میں داخلہ ہوا۔ یہاں انبیاء کرام از آدم تا عیسیٰ علیہم السلام تمام استقبال کے لئے حاضر تھے، اور قدسیوں کے پرے کے پرے دو رویہ سلامی کے لئے کھڑے تھے۔ حضور سید عالم سواری سے اترے جبرئیل نے براق جنتی ریشمی رسے سے فنائے حرم میں باندھ دیا۔

آفتاب نبوت کی تابش سے بیت المقدس جگمگا اٹھا۔ نوری اجسام کے انوار آسمان تک پہونچے اور ان کے سامنے تاروں نے شرمندگی سے اپنے چہرے چھپائے ؎

آمد کر ان کے رخ کا صدقہ یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے

انبیاء و مرسلین کا یہ عظیم نورانی اجتماع محض پہلی مرتبہ بیت المقدس کو نصیب ہوا اس کا بخت خفتہ جاگا۔ نصیب کھلا یعنی حضور سرور انبیاء نے اپنی رحمت سے اسے بھی نوازا اور بیت المقدس خوشی کے مارے وجد کرنے لگا ؎

خوشی کے بادل امنڈ کے آئے دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمۂ نعت کا سماں تھا حرم کو خود وجد آ رہے تھے

امامت کبریٰ

سید المرسلین مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے۔ تارے جھکے۔ ملائکہ نے سلامی دی، مسجد اقصیٰ کی دیواریں بھی تعظیم بجالائیں۔ انبیاء کرام نے صلوٰۃ و سلام نچھاور کی اور حضور نے وہاں دو رکعت نماز ادا کی، یہ نماز بھی عظمت و محبوبیت پر مشتمل تھی۔ حضور امام تھے اور تمام انبیاء کرام مقتدی، حضور خطیب تھے اور اللہ کے مقرب انبیاء دست بستہ کھڑے تھے ؎

نماز اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہو معنیٔ اول آخر!
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

اس کے بعد جبرئیل نے شراب و دودھ کے دو پیالے پیش کئے حضور نے دودھ کا پیالہ اٹھالیا۔ جبرئیل نے عرض کی آپ نے فطرت کو پسند فرمایا۔ اگر آپ شراب کا پیالہ اٹھالیتے تو آپ کی امت گمراہ ہوجاتی!

مجمع انبیاء و ملائکہ میں حضور کا خطبہ

یہاں جبرئیل نے ملائکہ سے حضور کا تعارف کرایا۔ "یہ ہیں محمد رسول اللہ، خاتم النبیین" ملائکہ نے ثنا و تعظیم تہنیت کے کلمات عرض کئے۔ پھر ارواح انبیاء سے

ملاقات ہوئی اور سب نے اپنے رب کی ثنا کی۔

حضرت آدم علیہ السلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ بِیَدِہٖ وَاَسْجَدَ لِیْ مَلٰٓئِکَتَہٗ وَجَعَلَ الْاَنْبِیَاءَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ۔

ترجمہ:۔ سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے اپنے ید قدرت سے پیدا کیا اور اپنے فرشتوں سے میرے لئے سجدہ کرایا اور نبیوں کو میری ذریت سے بنایا۔

حضرت نوح علیہ السلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَجَابَ دَعْوَتِیْ فَنَجَّانِیْ مِنَ الْغَرَقِ بِالسَّفِیْنَۃِ وَفَضَّلَنِیْ بِالنُّبُوَّۃِ۔

ترجمہ:۔ سب تعریف اس اللہ کے لئے جس نے میری دعا سنی اور کشتی کے ذریعہ مجھے غرق سے نجات دی اور مجھے نبوت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی اتَّخَذَنِیْ خَلِیْلاً وَاَعْطَانِیْ مُلْکاً عَظِیْماً وَاصْطَفَانِیْ بِرِسَالَتِہٖ وَاَنْقَذَنِیْ مِنَ النَّارِ وَجَعَلَہَا عَلَیَّ بَرْداً وَسَلَاماً۔

ترجمہ:۔ سب تعریف اس اللہ کے لئے جس نے مجھے اپنا خلیل بنایا اور مجھے ملک عظیم عطا فرمایا اور اپنی رسالت کے ساتھ مجھے چن لیا۔ مجھے آگ سے بچایا اور اس آگ کو مجھ پر ٹھنڈا کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَلَّمَنِیْ تَکْلِیْماً وَاصْطَفَانِیْ بِرِسَالَتِہٖ وَاَنْزَلَ عَلَیَّ التَّوْرَاۃَ۔

ترجمہ:۔ سب تعریف اللہ کے لئے جس نے مجھ سے کلام فرمایا اور اپنی رسالت کے ساتھ مجھے چن لیا اور مجھ پر تورات نازل فرمائی

حضرت داؤد علیہ السلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیَّ الزَّبُوْرَ وَاَلَانَ لِیَ الْحَدِیْدَ

ترجمہ:۔ سب تعریف اس اللہ کے لئے جس نے مجھ پر زبور نازل فرمائی اور میرے لئے لوہے کو نرم کر دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ سَخَّرَ لِیَ الرِّیَاحَ وَالْجِنَّ وَالْاِنْسَ وَعَلَّمَنِیْ مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَاَعْطَانِیْ مُلْکاً لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ

ترجمہ:۔ سب تعریف اس اللہ کے لئے جس نے ہوا، جنوں انسانوں کو میرے لئے مسخر کر دیا اور مجھے پرندوں کی بولیوں کا علم دیا اور ایک بے مثل ملک مجھے عطا فرمایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَلَّمَنِی التَّوْرَاۃَ وَالْاِنْجِیْلَ وَجَعَلَنِیْ اُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِہٖ۔

ترجمہ:۔ سب تعریف اس اللہ کے لئے جس نے مجھے تورات وانجیل سکھلائی اور مجھے مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کر دینے والا اور مردوں کو اپنے اذن سے زندہ کر دینے والا بنایا۔

امام الانبیاء حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ

فَقَالَ کُلُّکُمْ اَثْنٰی عَلٰی رَبِّہٖ وَاَنَا اُثْنِیْ عَلٰی رَبِّیْ۔

ترجمہ:۔ ہمارے حضور نے فرمایا آپ سب (انبیاء) تو اپنے رب کی حمد وثنا بیان کر چکے ہیں۔ اب میں اپنے رب کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں۔ فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَرْسَلَنِیْ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ وَکَافَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْراً وَّنَذِیْراً وَّاَنْزَلَ عَلَیَّ الْفُرْقَانَ فِیْہِ تِبْیَانُ کُلِّ شَیْءٍ وَجَعَلَ اُمَّتِیْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ وَجَعَلَ اُمَّتِیْ اُمَّۃً وَّسَطاً وَجَعَلَ اُمَّتِیْ ہُمُ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ وَشَرَحَ لِیْ صَدْرِیْ وَوَضَعَ عَنِّیْ وِزْرِیْ وَرَفَعَ لِیْ ذِکْرِیْ وَجَعَلَنِیْ فَاتِحاً وَّخَاتِماً وَّسَمَّانِیْ رَؤُفاً وَّرَحِیْماً۔ (مواہب لدنیہ ج ۲ ص ۲۱، جواہر البحار)

ترجمہ:۔ اس خدا کی تعریف جس نے مجھے رحمۃ للعالمین بنا کر تمام جہان کے لوگوں کے لئے بشیر ونذیر رسول بنایا۔ اور مجھ پر وہ فرمان نازل کیا جس میں ہر شئی کا بیان واضح ہے اور میری امت کو تمام امتوں میں بہتر کیا اور میری امت کو امت وسط بنایا اور میری امت کو ایسا بنایا کہ وہی اول ہیں اور وہی آخر اور میرے لئے میرا شرح صدر فرمایا اور مجھ سے میرا بوجھ اتارا اور میرے لئے میرا ذکر بلند فرمایا اور مجھ کو فاتح وخاتم بنایا اور میرا نام رؤف ورحیم رکھا۔

سبحان اللہ! کیا عجیب وقت ہوگا۔ کیا سماں ہوگا۔ کیا لطف ہوگا۔ کیا کیف ہوگا۔ کیا حال ہوگا جس وقت انبیاء وملائکہ کا کثیر مجمع

بیت المقدس میں ہو، اور حضرات انبیاء و مرسلین نے اس مبارک مجمع اور مقدس مقام میں حضرت رب العزت عز و علا تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثنا میں اپنی حق بیان زبانیں کھولی ہوں اور یکے بعد دیگرے ہر ایک نے اپنی شان کے لائق نفیس و جلیل خطبے ارشاد کئے ہوں۔ ان سب کے بعد ان سب کے سید و سرور، نور مجسم، روح مصور، شافع محشر، ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم نے ملائکہ مقربین اور حضرات انبیاء و مرسلین کے پر عظمت و تمکین مجمع میں یہ خطبۂ جلیلہ ارشاد فرما کر اللہ تبارک و تعالیٰ کے احسان و کرم اور اپنے خصائص و کمالات کا اظہار فرمایا ہوگا۔ وہ لطف اندازہ سے باہر ہے اگرچہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے تو اس سے کہ ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد تمام انبیاء میں جو سب سے افضل ہیں حضرت ابراہیم خلیل اللہ بے ساختہ پکار اٹھے

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا فیصلہ

بھذا افضلکم محمد۔

ترجمہ:۔ کہ اے گروہ انبیاء و مرسلین اور اے ملائکہ مقربین ان خصائص و کمالات کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم سب سے افضل ہوئے۔ (مواہب لدنیہ ج ۲ ص۱)

مجمع انبیاء میں حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ الجلیل کا یہ آوازہ ان کے کس فرحت و طرب، کس بہجت و انبساط، کس سرور و جوش محبت کا پتہ دیتا ہے۔ اور اس مجمع میں حضور پر نور کی فضیلت کی شہادت کیسی شاندار شہادت ہے۔

اہل کمال کے مجمع میں کمال کا دعویٰ ہو اور وہ سب گردنیں جھکا دیں اور ان کا سردار اعتراف کی زبان سے فضل و شرف کی شہادت دے ۔ سبحان اللہ!

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ حضرت جبرئیل امین نے ملائکہ کو حضور کا تعارف کرایا تو اس میں حضور کے وصف خاتم النبیین کا ذکر کیا اور حضور انور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے خطبۂ مبارکہ میں اللہ رب العزت تبارک و تعالیٰ کے مخصوص احسانات و الطاف کا ذکر فرمایا تو اس میں ان نعمتوں کا ذکر فرمایا:۔

(۱) حضور کو تمام عالم کے لئے رحمت بنانا۔

(۲) آپ کی امت کو بہترین امت اور امت وسط بنانا۔ اور انھیں کو اول و آخر کرنا۔

(۳) حضور کو کافۃ الناس کے لئے رسول بشیر و نذیر کرنا۔

(۴) آپ پر ایسا فرمان نازل فرمانا جو ہر شئی کا بیان واضح ہو۔

(۵) آپ کا شرح صدر۔

(۶) آپ سے وضع وزر یعنی بار اٹھا دینا۔

(۷) آپ کا رفع ذکر۔

(۸) آپ کا فاتح و خاتم ہونا۔

یہ آپ کے مخصوص اوصاف و کمالات اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے وہ احسانات ہیں جن سے حضور نے مجمع انبیاء و ملائکہ میں اللہ تعالیٰ کی ثنا فرمائی اور انبیاء نے تسلیم فرمایا اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے حضور کے ان کمالات کو حضور کی افضلیت کی دلیل ٹھہرایا۔

مسلمان تو ان کمالات پر ایمان لاتے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کرتے اور اس آقائے صاحب کمال پر جانیں فدا کرتے ہیں۔ لیکن وہ بہت بدنصیب ہیں جن کا دل ان کمالات سے پھنکتا ہے اور طرح طرح کے حیلے بہانے نکال کر روسیاہ اور گمراہ ہوتے ہیں۔ حضور کی رفعت ذکر انھیں شاق ہے۔ رحمۃ للعالمین ہونا انھیں ناگوار، ختم نبوت میں انھیں کلام شرح صدر کے ثمرات اور قرآن پاک کے تبیان کل شئی ہونے میں انھیں عذر ہے۔ اللہ ہدایت دے۔

مسجد اقصیٰ سے روانگی

نماز و اقامت و خطبہ کے بعد حضور مسجد اقصیٰ سے باہر تشریف لائے، جبرئیل نے شراب اور دودھ کے پیالے پیش کئے حضور نے دودھ قبول فرمایا، پھر پرچم عظمت اٹھے، حمد کے پھریرے لہرائے اور ملائک کی مؤدب صفوں کے درمیان حضور آن کی آن میں آسمان اول پر پہونچے، آج افلاک پر عجیب چہل پہل ہے، ساکنان سماوات دیدار پرانوار و شوق قدمبوسی کے لئے بیتاب ہیں، حوران بہشتی کے نورانی چہرے خوشی و مسرت سے دمک رہے ہیں، پہلا آسمان آیا ـــــ دروازہ کھلا ـــــ سوال و جواب ہوئے ـــــ فرشتوں نے مرحبا و خوش آمدید کہا۔ تشنگان دیدار نے اپنی پیاس بجھائی ؎

جھلک سی اک قدسیوں پہ آئی ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی

سواری دولہا کی دور پہونچی برات میں ہوش ہی گئے تھے

انبیاء کرام سے ملاقات کا راز

آسمان اول پر سیدنا آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جنہوں نے نبی صالح اور فرزند صالح کہہ کر مرحبا کہا۔ اسی آسمان پر نہر کوثر ملاحظہ فرمائی۔ جس پر لولو زبرجد کا ایک محل تعمیر تھا اور اس کی زمین مشک اذفر کی تھی۔ اسی طرح ہر آسمان سے گزرتے گئے اور انبیاء کرام سے ملاقات ہوتی رہی۔

جنت کی سیر اور بیت المعمور

ساتویں آسمان پر شیخ الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جنہوں نے پیغمبر صالح اور فرزند صالح کہہ کر خطاب کیا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے۔ پھر جنت و دوزخ کے عجائب اور ملکوت کے غرائب کا مشاہدہ فرماتے ہوئے آپ سدرۃ المنتہیٰ پر جلوہ فرما ہوئے۔ یہاں حضور نے رنگ برنگ کے وہ نور ملاحظہ فرمائے جن کو الفاظ ادا نہیں کر سکتے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے چیزیں نیچے زمین پر اترتی ہیں اور زمین سے چڑھ کر اوپر وہاں جاتی ہیں۔ جہاں آپ کو قلم قدرت کے چلنے کی آواز آئی تھی۔ سدرہ ایک بیری کا درخت ہے جس کے بیر ہجر کے مٹکوں کے برابر اور پتے ہاتھی کے کانوں کے مانند تھے۔

جبرئیل تھک گئے

یہاں آکر شہباز سدرہ کے بازو تھک گئے اور انھوں نے زمین ادب چوم کر رخصت چاہی۔ حضور نے فرمایا جبرئیل ایسے مقام پر بھی کوئی محب اپنے محبوب کو چھوڑتا ہے؟ جبرئیل نے عرض کی:۔

لَوْ دَنَوْتُ اَنْمِلَةً اَحْتَرَقْتُ بِالنُّوْرِ (جواہر البحار ولفظ الزواب)

ترجمہ:۔ سرکار! انگلی کے ایک پورے کے برابر بھی آگے بڑھوں تو نور جلال سے جل کر خاکستر ہو جاؤں۔

اِنْ تَجَاوَزْتُ اَحْتَرَقْتُ بِالنُّوْرِ۔

اگر یکسر موئے برتر پرم ÷ فروغ تجلی بسوزد پرم

جبرئیل کا مقام

سدرۃ المنتہیٰ جبرئیل کا مقام ہے۔ اس جگہ سے آگے نہیں جا سکتے، اسی لئے انھوں نے عرض کی سرکار مَا مِنَّا اِلَّا وَلَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ۔ حضور ہمارے سب کے لئے ایک جگہ مقرر ہے جس کے آگے نہیں بڑھ سکتے

تھکے تھے روح الامیں کے بازو چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی امید ٹوٹی نگاہ حسرت کے ولولے تھے

اللہ اکبر! جبرئیل بھی آگے نہ بڑھ سکے۔ عرض کر دی۔ حضور! میری حد ختم ہو گئی۔ میرے بازو تھک گئے۔ معلوم ہوا کہ جہاں شہباز سدرہ کے بازو تھک جائیں اور روح الامین کی حد ختم ہو جائے وہاں سے حضور کی پرواز شروع ہوتی ہے اور آپ کی حد کی ابتدا ہوتی ہے۔ اسی لئے رومی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ؎

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر
بہر حق سوئے غریباں یک نظر

دریائے رحمت جوش میں آیا

سبحان اللہ! یہاں دریائے رحمت الٰہی جوش زن ہوا۔ فرمایا۔

يَا جِبْرَئِيْلُ هَلْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ۔ (مواہب لدنیہ ج ۲ ص ۲۹)

ترجمہ:۔ جبرئیل! کوئی حاجت ہو تو ہماری بارگاہ میں عرض کرو۔

اللہ اکبر! جبرئیل جو خلق کی حاجت روائی کرتے رہے حضور انور ان سے فرماتے ہیں کہ جبرئیل! تم دنیا کی حاجتیں روا کر سکتے ہو تمھاری حاجتیں ہم پوری کریں گے۔ اب یہ دیکھئے جبرئیل نے کیا حاجت پیش کی۔ بارگاہ نبوی سے کیا مانگا سرکار کے غلاموں کی آخری خدمت کا اذن جس کا لطف اہل محبت ہی اٹھا سکتے ہیں۔ عرض کی:۔

"سرکار! یہ مانگتا ہوں کہ قیامت کے دن پل صراط پر آپ کی امت کے لئے اپنے بازو پھیلا سکوں تاکہ حضور کا ایک ایک غلام آسانی سے پل صراط سے گزر جائے۔" ؎

پل سے اتارو راہ گزر کو خبر نہ ہو ÷ جبریل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو
اہل صراط روح امیں کو خبر کریں ÷ جاتی ہے امت نبوی فرش پر کریں

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبرئیل نے یہ کیوں مانگا کہ پل صراط پر امت نبوی کے لئے پر بچھا دوں، اس میں جبرئیل کا کیا فائدہ ہے تو اس میں راز یہ ہے کہ جبرئیل کا مقصد حضور کو خوش کرنا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ امت حضور کو بہت لاڈلی ہے اگر اس کو میں ایسے نازک وقت میں اپنے پروں پر پل صراط سے گزار دوں گا تو میری

اس خدمت سے حضور راضی ہوں گے، جب حضور راضی ہوجائیں گے تو خدا مل جائے گا۔ چنانچہ جبرئیل نے یہ مانگ کر عملی طور پر اپنے اس عقیدہ کا اظہار فرمایا ؎

منزل ملی، مراد ملی، مدعا ملا ٭ مل جائیں حضور تو سمجھو خدا ملا

الغرض۔ حضور آگے تشریف لے گئے، آپ کو نور میں غوطہ دیا گیا، آپ نے ستر ہزار حجابات کو طے فرمایا۔ اب حضور کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ اکیلے تھے کیونکہ یہ مقامات ہی ایسے تھے جہاں آپ کے سوا کسی کی رسائی نہ تھی بس یوں کہئے کہ ؎

جھکا تھا مجرے کو عرش اعلیٰ گری تھی سجدے کو بزم بالا!
یہ آنکھیں قدموں سے مل رہا تھا وہ گرد قربان ہو رہا تھا

حضور سرور انبیاء علیہ السلام عرش اور بالائے عرش تک پہونچے۔ خود فرماتے ہیں۔ یہاں مجھ سے ہر جن وانس کا حس منقطع ہوگیا۔ اس وقت مجھے وحشت سی لاحق ہوئی۔ یہی سماں تھا ؎

یہی سماں تھا کہ پیک رحمت خبر یہ لایا کہ چلئے حضرت
تمہاری خاطر کشادہ ہیں جو کلیم پر بند راستے تھے

فَعِنْدَ ذَالِكَ نَادَانِي مُنَادٍ بِلُغَةِ اَبِي بَكْرٍ قِفْ اِنَّ رَبَّكَ يُصَلِّي فَبَيْنَا اَنَا اَتَفَكَّرُ فَاَقُوْلُ هَلْ سَبَقَنِيْ اَبُوْبَكْرٍ فَاِذَا النِّدَاءُ مِنَ الْعَلِيِّ الْاَعْلٰى اُدْنُ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ اُدْنُ يَا مُحَمَّدُ اُدْنُ يَا اَحْمَدُ لِيَدْنُوَ الْحَبِيْبُ ۔ (مواہب لدنیہ ج ۲ ص ۲۹)

ترجمہ:۔ کسی آواز دینے والے نے ابوبکر کی زبان میں مجھے آواز دی۔ ٹھہریئے آپ کا رب صلوٰۃ فرما رہا ہے۔ میں اسی خیال میں تھا کہ ابوبکر نے کیا مجھ پر سبقت کی کہ علوا علیٰ سے ندا آئی۔ اے خیر البریہ قریب آئیے، اے احمد، اے محمد، قریب آئیے۔ حبیب کو نزدیک آنا چاہیئے۔

بڑھ اے محمد، قریں ہو احمد، قریب آ سرور ممجد
نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی، یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے

پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے پیغام دیئے اور آپ قرب خاص سے فائز ہوئے جن کی لطافت و نزاکت بار الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی ؎

اٹھے جو قصر دنی کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کہ وہ بھی نہ تھے ارے تھے

مقام قرب میں صدیق کی آواز

ابھی گذر چکا کہ حضور نے فرمایا کہ مجھے صدیق کی آواز میں یہ لفظ سنائی دیئے قف یا محمد جس سے امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر ہوئی اور یہ ثابت ہوا کہ صدیق اکبر سے حضور کو اتنا قرب اور انس تھا کہ مقام قرب میں حضور کی تسلی خاطر کے لئے انھیں کی آواز میں آواز آئی۔

شب معراج حضور کو اولین و آخرین کے علم کا وارث بنایا گیا!

جب حضور سید عالم کو قرب خاص کی منزل تک رسائی ہوئی اور محبوب و محب کے درمیان راز و نیاز کی گفتگو ہوئی تو حضور فرماتے ہیں:

وَسَأَلَنِيْ رَبِّيْ فَلَمْ اَسْتَطِعْ اَنْ اُجِيْبَهٗ فَوَضَعَ يَدَهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ بِلَا تَكْيِيْفٍ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَاَوْرَثَنِيْ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَعَلَّمَنِيْ عُلُوْمًا شَتّٰى فَعِلْمٌ اَخَذَ عَلَيَّ كِتْمَانَهٗ اِذْ عَلِمَ اَنَّهٗ لَا يَقْدِرُ عَلٰى حَمْلِهٖ اَحَدٌ غَيْرِيْ وَعِلْمٌ خَيَّرَنِيْ ۔ (مواہب لدنیہ ج ۲ ص ۲۹)

ترجمہ:۔ میرے رب نے کچھ سوال فرمایا جس کا میں جواب نہ دے سکا تو اللہ نے اپنا ید قدرت میرے شانوں کے درمیان رکھا میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کی تو اللہ نے مجھے اولین و آخرین کے علم کا وارث بنا دیا اور مختلف علوم تعلیم فرمائے ان میں ایک ایسا علم تھا جس کے چھپانے کا مجھ سے عہد لیا۔ کیونکہ اللہ ازل سے جانتا تھا کہ اس علم کے اٹھانے کی طاقت میرے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا کسی میں نہیں ہے اور ایک وہ علم جس کا مجھے اختیار دیا گیا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو وہ علوم بھی عطا فرمائے ہیں جن کے پوشیدہ رکھنے کا آپ سے عہد لیا گیا۔ گویا حضور کو دو قسم کے علوم عطا فرمائے ایک تو وہ ہے جو دین سے متعلق تھا اور اس کی تبلیغ واشاعت آپ کا فرض نبوت قرار دیا گیا اور جس کی تبلیغ کا اس آیۂ مبارکہ میں حکم ہے۔

بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ ۔ جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ فرما دیجئے۔

حضور نے دین سے تعلق رکھنے والی باتوں کی تبلیغ فرمادی۔

دوسری قسم وہ تھی جس کے اخفا کا آپ سے عہد لیا گیا جیسے علوم خمس وغیرہ یہ حضور کو عطا ہوئے مگر ان کے پوشیدہ رکھنے کا حکم تھا۔

شب معراج قرآن بھی دیا گیا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شب معراج مجھے وَعَلَّمَنِیَ الْقُرْآنَ فَکَانَ جِبْرَئِیْلُ یُذَکِّرُنِیْ بِہٖ وَعِلْمُہٗ اَمَرَنِیْ بِتَبْلِیْغِہٖ اِلَی الْعَامِ وَالْخَاصِ (مواہب لدنیہ ج۲ ص۲۹)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن بھی تعلیم دیا اور جو جبرئیل مجھ پر قرآن لے کر نازل ہوتے تھے تو وہ مجھے قرآن مجید یاد دلاتے تھے (جبرئیل نے مجھے قرآن نہیں سکھایا کیونکہ وہ تو اللہ نے مجھے پہلے ہی سکھا دیا تھا۔ جبرئیل کا کام تو صرف یہ تھا کہ مجھے قرآن مجید یاد دلا دیتے تھے) اور مجھے وہ علم بھی دیا جس کی تبلیغ میرے سپرد کی گئی۔

کیا حضور کو جبرئیل نے قرآن سکھایا

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جبرئیل نے حضور کو قرآن نہیں سکھایا۔ قرآن سکھانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور جبرئیل تو محض یاد دلانے کے لئے حاضر ہوتے تھے اور اس میں حکمت یہ تھی کہ جبرئیل کو خدمت نبوی میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہو جائے۔ اب خدمت نبوی میں کوئی تحفہ بھی تو ہو جس کو پیش کریں تو وہ تحفہ قرآن ہی کو قرار دیا گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے محبوب کے ساتھ قرآن کا دور کر دو اور اسی بہانے خدمت محبوب میں حاضر ہونے کا شرف حاصل کر دیہی وجہ تھی کہ بعض اوقات جبرئیل کے پڑھنے سے پہلے حضور قرآن پڑھ دیتے تھے اور جبرئیل حیران ہو جاتے تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ آیات مقطعات جب جبرئیل لے کر نازل ہوئے اور عرض کی: کٰھٰیٰعٓصٓ حضور نے جواب میں فرمایا عَلِمْتُ میں نے جان لیا۔ جبرئیل نے عرض کی کَیْفَ عَلِمْتَ مَالَمْ اَعْلَمْ "یا رسول اللہ آپ نے کیسے جان لیا جس کو میں نہیں جانتا۔" (روح البیان)

چنانچہ خود حضور پر نور سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ارشاد فرماتے ہیں۔

وَلَقَدْ عَاجَلْتُ جِبْرِیْلَ علیہ السلام فی آیۃ نَزَلَ بِھَا عَلَیَّ فَعَاتَبَنِیْ رَبِّیْ وَاَنْزَلَ عَلَیَّ لَاتَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰی اِلَیْکَ وَحْیُہٗ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ (مواہب ج۲ ص۲۹)

ترجمہ:۔ ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام ایک آیت لے کر آئے تو میں نے ان کی تلاوت سے پہلے وہ آیت پڑھ دی اس پر میرے رب نے محبانہ طور پر فرمایا اور یہ آیت نازل کی کہ محبوب! جب تک قرآن کی وحی پوری نہ کر دیں اس وقت تک آپ قرآن کے ساتھ جلدی نہ فرمائیں اور آپ یہ کہا کریں۔ اے میرے رب! میرا علم زیادہ کر۔

اس حدیث میں حضور نے بالکل واضح لفظوں میں ظاہر فرمادیا کہ جبرئیل کے وحی لانے سے قبل ہی مجھے قرآن کا علم ہوتا تھا۔ مگر میرے رب کی ہدایت یہ تھی کہ میں جبریل کی تلاوت سے پہلے قرآن نہ پڑھوں۔

بہر حال اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور کو جبریل نے قرآن نہیں سکھایا بلکہ خدا نے آپ کو پہلے ہی قرآن سکھا دیا تھا اور جبریل تو محض دور کرنے حاضر ہو جاتے تھے۔ نیز اس سے اس امر کی وضاحت بھی ہو گئی کہ بعض اوقات حضور کسی مسئلہ کے متعلق وحی کا جو انتظار فرماتے تھے تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اس مسئلہ کے متعلق جو وحی نازل ہوتی ہے اس کا علم حضور کو نہ ہوتا تھا بلکہ حضور کو علم تو پہلے ہی سے ہوتا تھا مگر مرضی الٰہی یہ تھی کہ وحی کی تبلیغ جبریل سے دور کے بعد کی جائے اس لئے حضور انتظار فرماتے تھے۔

چنانچہ اس کی مثال یہ ہے کہ جب ام المومنین حضرت عائشہ پر کفار نے تہمت لگائی۔ حضور نے ان کے متعلق وحی کا انتظار فرمایا مگر وحی کے نزول سے پہلے یہ بھی فرمادیا کہ میں عائشہ کو پاک دامن ہی پاتا ہوں۔ چنانچہ جو وحی بعد میں نازل ہوئی یعنی سورۂ نور، تو اس میں بھی اسی پاکدامنی کا ذکر ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ اس مسئلہ کے متعلق وحی کا فیصلہ حضور کو پہلے ہی سے معلوم تھا۔ اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جبریل سے وحی کا دور کرنے کے بعد اس کی تبلیغ کا کیوں حکم دیا گیا؟

تو اس میں صدہا حکمتیں تھیں۔ اب یہ حکمت بھی تھی کہ حضور کی امیت کا اظہار ہو اور یہ بھی کہ یہ نبی اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے یہ تو وحی الٰہی کے مطابق فیصلے کرتے ہیں یعنی عوام پر اس بات کا اظہار اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ وحی متلو سے متعلق مسائل کے

متعلق حضور وحی کا انتظار فرمائیں۔

جبریل کی حاجت منظور

اس کے بعد حضور فرماتے ہیں کہ پھر اللہ عزوجل نے فرمایا:- اَیْنَ حَاجَۃُ جِبْرِیْلَ (مواہب لدنیہ ص۲۹) محبوب! جبریل نے جو چیز آپ سے طلب کی تھی اس کا کیا ہوا؟ ۔ حضور نے عرض کی: اے رب تو خوب جانتا ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ محبوب جبریل کی فرمائش کو میں ان لوگوں کے حق میں پورا فرماتا ہوں۔

فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ قَدْ اَجَبْتُہٗ فِیْمَا سَئَلَ وَلٰکِنْ فِیْمَنْ اَحَبَّکَ وَصَحِبَکَ۔ (حوالہ مذکور)

ترجمہ:- جو تیرے شرف صحبت سے مشرف ہوئے ہوں اور وہ جو اپنے دلوں میں تیری محبت رکھنے والے ہوں۔

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قیامت کے دن جبریل پل صراط پر انھیں لوگوں کے کام آئیں گے جن کے دل میں حب نبوی ہے۔ لیکن وہ لوگ جن کے دل حب نبوی سے خالی ہیں ان کو یہ موقع حاصل نہ ہوگا۔

اس کے بعد حضور سرور عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں عرش تک پہونچا۔ وہاں میں نے وہ کچھ دیکھا جسکو زبان بیان نہیں کرسکتی۔ پھر ایک قطرہ زبان پر گرا۔ وہ قطرہ ایسا تھا کہ کسی چکھنے والے نے ایسی شیریں اور لذیذ چیز کبھی نہیں چکھی۔

فَاَنْبَانِیَ اللّٰہُ بِہَا نَبَأَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ۔

ترجمہ:- اس قطرہ کی وجہ سے اللہ نے مجھے اولین وآخرین کے علوم پر مطلع کردیا۔

پھر اس کے عرش کے نور نے مجھے ڈھانپ لیا اور اب مجھ پر وہ کیفیت طاری ہوئی کہ میں دل کی آنکھ سے دیکھنے لگا۔ بخاری میں ہے کہ حضور نے فرمایا۔ منازل طے ہونے کے بعد عزت والا جبار خدا مجھ سے قریب ہوا اور قرب میں اور اضافہ ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ میرے درمیان اور جلوۂ ربوبیت کے درمیان دو ہاتھ کا فاصلہ رہ گیا — جس کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے۔

ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔

اس مقام قرب میں پہونچکر بھی حضور مطمئن رہے۔ لبوں پر تبسم تھا اور آنکھ جو کچھ دیکھتی تھی دل اس کی تصدیق کرتا تھا۔

مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی۔

نظر اقدس سے جلوۂ ربوبیت کے دیکھنے میں پلک بھی نہ جھپکی۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔

بارگاہِ صمدی میں یہ کمال ادب دکھایا کہ نظر مبارک ادھر ادھر نہ ہوئی۔

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیَاتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی۔

حضور علیہ السلام نے اپنے رب کی عظیم وجلیل نشانیاں دیکھیں، پھر حضور باریاب محرم اسرار فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی ہوئے پھر اس دولت عظمیٰ ونعمت کبریٰ کے حصول کے بعد حریم خلوت گاہ قدس سے اسی شان وشوکت کے ساتھ خطۂ پاک پر جلوہ فرما ہوئے اور یہ تمام عالم کی سیر رات کے ایک حصہ میں ظہور پذیر ہوئی

خدا کی قدرت کہ چاند حق کے کروڑوں منزل میں جلوہ کرکے
ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی کہ نور کے تڑکے آلئے تھے

●●

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی

معراج جسمانی کا ثبوت

جناب شارق ایرایانی

عقل و مادیت کی موشگافیاں جب اپنے حدود سے متجاوز ہو جاتی ہیں اور ان لطائف کے اسرار جن کو صرف قوت مدرکہ معلوم و محسوس کر سکتی ہے. مادیت کے پیمانے سے ناپنے لگتی ہیں تو نتیجہ ناکامی و گمراہی برآمد ہوتا ہے. رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعۂ معراج ایک ایسا اہم واقعہ ہے جو انسانی فہم و فراست کو غرق حیرت کر دیتا ہے، فرش سے عرش تک رسائی، افلاک کی سیر، انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات، جنت و دوزخ کا معائنہ، اللہ تبارک و تعالیٰ کا دیدار اور پھر ایسی واپسی کہ بستر مبارک گرم، اور زنجیر در ہلتی ہوئی. کیسے یقین آئے کہ یہ واقعہ صحیح ہے۔

معراج کے متعلق اہل علم و عقل طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرتے رہتے ہیں انھیں یقین نہیں آتا کہ بشر اپنے مادی جسم کے ساتھ عرش پر پہونچ سکتا ہے. ؟ انھیں اعتبار نہیں ہوتا کہ فضا و خلا سے انسان گزر سکتا ہے اُن کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنا دور دراز سفر چشم زدن میں کیسے طے ہو گیا ان کی فہم سے دور ہے کہ ایک انسان آسمانوں سے کیسے گزر سکتا ہے. ؟

ان تمام باتوں کا جواب دینے کی ہمیں ضرورت نہیں ریڈیو کی ایجاد سے پہلے کون جانتا تھا کہ امریکہ کی آواز ہندوستان میں اسی وقت سنی جا سکتی ہے جس وقت وہ بلند ہو، انگلینڈ کے نغمے چین میں اسی ثانیہ سُنے جا سکیں گے جس ثانیہ وہ چھیڑے گئے ہوں، بیل گاڑی پر سفر کرنے والے یہ سمجھے بھی نہ رہے ہونگے کہ ریل، ہوائی جہاز اور راکٹ کی رفتار کیا ہوگی، روس کا مصنوعی چاند دنیا کے گرد ۴ ۹ گھنٹہ ۲ منٹ میں سفر کر لیگا، آج سے دو برس پہلے تم سے اگر یہ حقیقت بیان کی جاتی تو تم کہتے جھوٹ، دروغ، کذب، یہ کیسے ممکن ہے دنیا کے گرد اور ۴ ۹ گھنٹہ ۲ منٹ میں ایک چکر کبھی نہیں ہو سکتا لیکن آج جب تم نے سائنس جاننے والوں کے مضامین دیکھے۔ اخبارات میں خبریں پڑھیں تو یقین ہو گیا ہو سکتا ہے مستقبل قریب میں اس سے بھی زیادہ تیز رفتار چاند یا اسی قسم کی دوسری شے تیار ہو کر سامنے آجائے اور موجودہ چاند کی رفتار اُس کے سامنے بیل گاڑی کی رفتار ثابت ہو، یہی انسان چاند تک پہونچ جائے اور تمہارا انکار اقرار سے بدل جائے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے سائنس کی یہ ترقی جو آج ہم دیکھ رہے ہیں کل اس کا شمار ناممکنات میں تھا، آج وہی نا ممکن بات ممکن ہو چکی ہے جس سائنس کی روشنی میں تم واقعۂ معراج کی صحت سے انکار کرتے ہو۔ اسی سائنس کی ترقی بتاتی ہے کہ واقعۂ معراج ناممکنات سے نہیں، یہ جواب تو مادی نقطۂ نظر سے ہے اور ان لوگوں کے لئے ہے جو مادہ کے سوا کسی کے قایل نہیں. حضور نبی کریم کی معراج نتیجہ ہے قدرت کی عنایات خاص کا اور یہ عنایات خاص حضور اور صرف حضور کے لئے تھیں یہاں ان لوگوں سے مباحثہ منظور نہیں جو خدا، قدرت خدا، اور معراج کے منکر ہیں مخاطبہ اُن لوگوں سے ہے جو خدا، قدرت خدا

اور معراج کے قایل ہیں، مگر روحانی و جسمانی معراج کی بحث میں الجھے ہوئے ہیں، جو لوگ معراج کے قایل ہیں، وہ قدرت خدا کے ضرور قایل ہونگے ان کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ خدا قادر ہے اور اس کی قدرت سے یہ بعید نہیں کہ وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو فرش سے عرش پر بلا کر دوزخ و جنت کا مشاہدہ کرا دے یہ خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ وہ روحانی معراج سے مشرف کرے یا جسمانی معراج سے

اب بحث یہ رہ گئی کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج روحانی تھی یا جسمانی اسی کا فیصلہ قرآن کریم کی ان آیات سے ہو جاتا ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا۔

پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے عبد (بندے) کو مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک جس کے گرد برکت رکھی گئی ہے تاکہ آیات ربانی کا مشاہدہ ہو سکے۔ (القرآن)

اس آیت مبارک سے معراج جسمانی کا پورا پورا ثبوت ملتا ہے پاک ہے وہ ذات (یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ) جو لے گئی اپنے عبد (بندے) کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں۔ کون لے گیا۔ کس کو لے گیا، کون اللہ تعالیٰ جو قادر ہے قیوم ہے، ہر قسم کی کمزوری، نقص اور برائی سے پاک ہے۔ سبحان کے معنیٰ ہیں ہر قسم کی کمزوری، نقص اور برائی سے پاک اب یہ سوال ہی باقی نہیں رہتا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم افلاک سے گذر سکتے تھے یا نہیں جنت و دوزخ کا مشاہدہ کر سکتے تھے یا نہیں، اتنی جلد فرش سے عرش تک پہونچ کر واپس آسکتے تھے یا نہیں، جب اللہ تعالیٰ ہر طریقہ سے قادر مطلق ہے تو وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک کو افلاک سے گذرنے کی توفیق بھی دے سکتا تھا۔ ذرائع بھی پیدا کر سکتا تھا۔ عرش تک بلا بھی سکتا تھا۔ جنت دوزخ کی سیر بھی کرا سکتا تھا اور اپنے جمال کا مشاہدہ بھی کرا سکتا تھا اس لئے یہ شک و شبہ کہ انسان بقید جسم عرش پر کیسے پہونچا اور اتنی جلد کیسے واپس آیا ناقابل اعتنا ہے۔

دوسری بات جو قابل غور ہے وہ "عبد" کا لفظ ہے، عبد کہتے ہیں انسان مع الجسم والروح کو صرف روح کو "عبد" کہیں نہیں کہا گیا کلام مجید میں لفظ عبد بندہ کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے یا غلام کے معنیٰ میں. جہاں عبد کے معنیٰ بندے کے ہیں وہاں بشر مع الجسم والروح مراد ہے. مثال کیلئے ملاحظہ ہو۔

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ط (القرآن)

کیا تم اس کو نہیں دیکھتے جو بندے کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔

صرف روح کیلئے کہیں بھی عبد کا لفظ نہیں آیا، نہ کلام مجید میں اور نہ اہل زبان کی تقریر و تحریر میں جہاں بھی لفظ عبد آیا ہے وہاں انسان مع الجسم والروح کے لئے یا غلام کے معنوں میں، اس لئے یہ کہنا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج روحانی تھی، کسی طرح صحیح نہیں. اگر معراج روحانی ہوتی تو "عبد" کا لفظ نہ ہوتا "روح" کا لفظ ہوتا، جب روح کا لفظ نہیں "عبد" کا لفظ ہے تو پھر معراج روحانی کیسے کہی جا سکتی ہے۔

جسم انسانی افلاک سے گذر سکتا ہے اس کے متعلق کلام مجید کیا کہتا ہے. حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کہاں ہیں، کیا حضرت عیسیٰ کا جسم مبارک دنیا میں ہے اور روح فلک دوم پر اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ فلک دوم پر اٹھا لئے گئے تو فلک اول و دوم سے کیسے گذرے یہاں بھی کوئی تاویل پیش کر دو، نہیں پیش کر سکتے۔ معلوم یہ ہوا کہ افلاک سے اور بھی انبیائے کرام گذرے ہیں اور مع جسم گذرے ہیں اس لئے تمہارا یہ خیال کہ جسم انسانی افلاک سے نہیں گذر سکتا صحیح نہیں۔

دوسرا واقعہ ملاحظہ ہو حضرت ادریس علیہ السلام نے فرمایا میں جنت کی سیر کروں گا، حکم الٰہی سے جنت کی سیر کو تشریف لے گئے جنت میں قدم رکھنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ فرشتوں نے روک دیا۔ آپ جیتے جی جنت میں داخل نہیں ہو سکتے مرنے کے بعد ہی داخلہ ممکن ہے، فرمایا تو میری روح قبض کر لی جائے، روح قبض کر لی گئی جنت میں داخل ہو گئے، فرشتوں نے کہا اب سیر کر چکے تشریف لے چلئے فرمایا دنیا سے تو جنت میں آ گیا اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہے موت ایک ہی مرتبہ آتی ہے فرشتوں نے درگاہ باری تعالیٰ میں عرض کی اے پروردگار عالم حضرت ادریس تو جنت سے نکلنے پر تیار نہیں، حکم ہوا ادریس نے جو کچھ کہا صحیح کہا موت ہر ایک کے لئے ایک ہی مرتبہ ہے اس قانون کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ یہ واقعہ ہے چرخ چہارم

کا ثابت ہو گیا کہ ادریس علیہ السلام مع جسم افلاک سے گذر سکتے ایک نہ دو، چار آسمانوں سے۔

اب غور کرو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام تو مع جسم افلاک سے گذر سکتے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں گذر سکتے معلوم نہیں ایسے برخود غلط علماء کو کیا ہو گیا ہے رسول کی معراج جسمانی نہیں تھی روحانی تھی، یہ کیوں نہیں کہتے کہ ہم بصیرت سے محروم ہیں ہماری فہم محدود ہے۔ کلام الٰہی کے نکات ہماری سمجھ میں کم آتے ہیں اب بھی اگر رسول کے معراج جسمانی سے انکار ہے تو پھر ہم کو یہی کہنا پڑے گا۔ ختم اللہ علی قلوبھم (القرآن)

تم کہتے ہو رسول کی معراج روحانی تھی۔ میں کہتا ہوں معراج روحانی تو حضور کو ہر وقت اور ہمیشہ حاصل تھی معراج روحانی کا واقعہ سنو گے وہ بھی سن لو شاید اللہ تعالیٰ فہم و بصیرت عطا کر دے۔

معراج روحانی

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرے میں تنہا تشریف فرما ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دروازۂ حجرہ مبارک پر پہونچتی ہیں دستک دیتی ہیں حضور فرماتے ہیں کون ہے جواب دیتی ہیں عائشہ حضور دریافت کرتے ہیں کون عائشہ عرض کرتی ہیں ابوبکر کی بیٹی، آواز آتی ہے کون ابوبکر، پھر عرض کرتی ہیں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی، مکرر آواز آتی ہے کون محمد؟ حضرت عائشہ پر خوف غالب آجاتا ہے آج کیا بات ہے ایسا واقعہ تو کبھی نہیں ہوا واپس ہو جاتی ہیں جب حضور حجرے سے برآمد ہوتے ہیں تو حضرت عائشہ تمام واقعہ بیان کرتی ہیں جواب ملتا ہے دن بھر میں میرا ایک وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسا گزرتا ہے جہاں ملائکہ مقرب کا بھی گذر نہیں ہو سکتا۔ یہ تھی معراج روحانی۔ اور یہ معراج روحانی رسول سے ہر لحظہ قریب تھی ہمیشہ حاصل تھی اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ (الحدیث) کبھی پڑھا ہے مومنین کی نماز کیا ہے روحانی معراج، پھر مومن و رسول کے مدارج میں کچھ فرق ہے یا نہیں یقیناً فرق ہے۔ مومن کو بھی روحانی معراج اور رسول کو بھی روحانی معراج، تم معراج جسمانی کو عقل کے پیمانے سے ناپنے چلے ہو یہ حقائق کہیں عقل میں سما سکتے ہیں، تمہیں حیرت ہے اتنا سفر کیسے طے ہوا معلوم ہو کہ رسول نور تھے حدیث یاد کر لو۔

ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم

اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ وَکُلُّ الْخَلَائِقِ مِنْ نُوْرِیْ۔

رسول نور ہیں، جب معلوم ہو گیا کہ رسول کی بشریت نوری ہے تو پھر نور کی رفتار معلوم ہے؟ نہیں معلوم۔ زمین سے آسمان تک کتنا فاصلہ ہے یہ ستارے جو چمک رہے ہیں کتنی دور ہیں، جاؤ یہ فاصلہ سائنس سے دریافت کر لو، فرض کر لو پچاس برس کا راستہ ہے، اب نظر اٹھاؤ آسمان نظر آیا، ستارے دیکھے یہ فاصلہ نظر نے کتنی دیر میں طے کیا پلک جھپکنے سے پہلے تمہارے فرض کئے ہوئے پچاس برس کا فاصلہ کتنی دیر میں طے ہوا ایک سکنڈ سے بھی کم وقت میں۔ یہ ہے تمہارے آنکھ کے نور کی رفتار، مادی نور کی رفتار، اب ذرا نور مجرد کی رفتار کا اندازہ لگاؤ یقیناً نور مجرد کی رفتار مادی نور سے تیز ہوگی۔ تو تمہیں حیرت کیوں ہے۔ رسول نور مجسم تھے، لطیف و منزہ، اگر رسول کی نوری بشریت شب معراج میں عرش تک جا کر دوزخ و جنت کی سیر کر کے اتنی جلد واپس آگئی تو ناممکنات میں سے کیوں ہے نور کی رفتار ہی یہ ہے کبھی آسمان پر بجلی چمکتی دیکھی ہے، آسمان کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشے تک کتنی دیر میں پہونچتی ہے آسمان کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشے تک براق برق، براق مشتق ہے برق سے، اگر براق نے اتنا بڑا فاصلہ چشم زدن میں طے کر لیا تو نہ یہ بعید از فہم ہے نہ اسے ناممکنات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

واقعہ معراج اسرار و معجزات میں سے ہے۔ رسول کی معراج جسمانی تھی اور قطعی جسمانی تھی اسے عقل اس حد تک ہرگز نہیں سمجھ سکتی جو سمجھنے کا حق ہے ادراک پیدا کرو بصیرت حاصل کرو جبھی اس قابل ہو سکو گے کہ اس پر غور کر سکو معراج بھی رسول کا معجزہ ہے اور معجزہ اسی کو کہتے ہیں جو انسان کی عقل کو عاجز کر دے یہ بھی یاد رکھو کہ معجزہ خلاف عادت ہوا کرتا ہے خلاف فطرت نہیں

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

کا

مقدس دیارِ ولادت

کل اور آج

حضرت مولانا محمد کامل میاں سہسرامی مرحوم

جدہ، طائف، ریاض، دمام اور مکہ کی صاف ستھری چوڑی کشادہ اور چکنی سڑکوں پر دندناتی ہوئی صبا رفتار امپالا کاریں کاروں میں قیمتی قالینوں کے فرش، سڑکوں کے کنارے جدید طرز کے مکان، سربفلک ایرکنڈیشن عمارتیں، عمارتوں کے اندر ٹیلی ویژن ریفریجریٹر شاندار صوفے، ایرانی قالین اور آسائش و آرام

کشکول مقدس

کی تمام جدید چیزیں اس بات کا اعلان کر رہی ہیں کہ تیل کی بے اندازہ دولت نے ان عربوں کی زندگی اور رہائش کو بے حد شاہانہ اور شہروں کو بہت ہی ترقی یافتہ بنا دیا ہے۔ ایک سیاح جب ان سڑکوں سے گذرتا ہے تو کچھ دیر ٹھہر کر یہ ضرور سوچتا ہے کہ یہ ریگستان عرب کا کوئی حصہ ہے یا یورپ کے جدید ترین شہر کا کوئی خطہ۔

بے پناہ دولت کے مالک سعودی حکمراں جہاں اپنے ملک کی مادی ترقی اور عوام کے طرز معاشرت اور انداز زندگی کو مغربی ممالک کے دوش بدوش اور شانہ بشانہ کرنے کی جد و جہد میں پیہم مسلسل مصروف عمل ہیں وہیں یہ حکمراں موسم حج کی سہولت، زائرین کی راحت، اور ہر سال آنے والے حاجیوں کے آرام کے خیال سے بھی غافل نہیں۔ اونٹوں کے زمانہ کے سفر اور آج کے سفر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آج سفر حج کی تمام تر سہولتیں محض دولت ہی کی نہیں بلکہ حکمرانوں کی بھی رہین منت ہیں۔

جدہ میں وسیع ترین مدینۃ الحجاج کی تعمیر حکومت کی تیز رفتار کارکردگی، میٹھے پانی کی فراوانی، سواریوں کی سہولتیں، ہر قسم کی تیز رفتار گاڑیاں، پھر مکہ معظمہ میں حرم کعبہ کی توسیع جدید انداز کی بیحد خوبصورت اور پرشکوہ تعمیر، سہ منزلہ عمارت، بلند مینار، جا بجا قالینوں کے فرش، تیز روشنی کے ان گنت بلب، ہر لمحہ صفائی کا التزام تقریباً ہر دروازے کے قریب زمین دوز وضوخانے، انھیں سے متصل سیکڑوں استنجاخانے اور بیت انوار، صفا اور مروہ کے ربع ربع میل کے طویل راستہ پر کشادہ اور حسین ترین ہال کی تعمیر، آنے جانے کی الگ الگ راہیں پھر اسمیں ضعیف، کمزور اور مجبور حجاج کا جداگانہ راستہ، منیٰ اور عرفات تک جانے والے راستے میں متعدد کشادہ سڑکیں، قدم قدم پر شفاخانے، بارونق گلیاں، تابل

ویڈ بازار اور اس طرح کی دوسری بہت ساری سہولتوں اور حسنِ انتظام پر سعودی حکومت یقیناً لائقِ تحسین ہے۔ ہفتوں کا تھکا ہارا مسافر جب اپنے لئے اتنی ساری سہولتوں اور حرم کی جدید ترین تعمیر کو دیکھتا ہے تو سفر کی کلفتوں کو بھول جاتا ہے۔

زیارت بیت اللہ، طواف کعبہ، اور دیگر ارکان و زیارت سے شادکام ہونے والے خوش نصیب زائر کی نگاہ چمن زار عقیدت کو تلاش کرتی ہے۔ مشام روح خوشبوئے وفا کی جستجو کرتی ہے دل کی دنیا متاع گرانمایہ کے دیدار کی تمنا کرتی ہے۔ اور جذبۂ عشق یوسف گم گشتہ کا متلاشی ہوتا ہے۔ نگاہوں کی عقیدتیں اپنے اس انمول سرمائے کو کشادہ سڑکوں پر بارونق بازاروں میں حسین گلیوں میں سربفلک عمارتوں میں اور ایک ایک مقام پر ڈھونڈتی ہیں لیکن حیف صد حیف کہ تمام تر تلاش ساری جستجو اور غریب الوطن عقیدتوں کی آبلہ پائی کے باوجود وہ متاع گم گشتہ وہ سرمایۂ عقیدت وہ مرکز احترام جس کا براہ راست تعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے تھا۔ جسمانی آرام و آسائش کا اہتمام کرنے والی حکومت سے عقیدتیں ہر سال سوال کرتی ہیں اور قیامت تک سوال کریں گی کہ آخر وہ متاع عقیدت کہاں گئی۔ وہ سرمایۂ محبت کیا ہوا؟ کیا ہوا ان نایاب تبرکات کا؟ مولد النبی کہاں گیا، مولد فاطمہ کہاں گیا؟ دار ارقم کہاں گیا؟ باب ام ہانی کہاں گیا؟ قبہ خدیجۃ الکبریٰ کہاں گیا؟ تبرکات کی یہ دنیا کیسے ختم ہوگئی، کہاں غائب ہوگئی۔ اور کیسے مٹا دی گئی؟ مکہ کے بازارو! تم بتاؤ۔ بلند عمارتو! تم کچھ کہو۔ حرم کی دیوارو! تمہیں کوئی نشاندہی کرو۔ ذمہ دار حکمرانو تمہیں کچھ بولو۔ کہ عشق و ایمان کی امانتوں میں کس نے خیانت کی ہے؟ کس نے کی ہے یہ خیانت۔ ؟؟

لیکن افسوس کہ عقیدتوں کی پکار اور محبتوں کی دریافت پر خاموش مایوسیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ملتا۔

جانے والو خوش نصیب حاجیو! اگر ہو سکے تو اس یوسف گم شدہ کو تم بھی تلاش کرنا اور اگر کہیں مل جائے تو تشنہ کامان زیارت کی جانب سے عقیدتوں کی نذر اور محبتوں کا سلام پیش کرنا۔ لیکن پتہ بتانے کے باوجود یقین ہے کہ تمہاری تلاش و جستجو بھی کامیاب نہ ہو سکے گی۔

مولد النبی وہ مقدس مقام و بابرکت مکان جہاں فخر آدم تاجدار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ ہوئی تھی۔ جہاں فرشتے اور سید الملائکہ دست بستہ امین سلامی کو آئے تھے۔ جہاں حوران بہشتی خدمات پر مامور کی گئی تھیں۔ جہاں حضرت مریم، آسیہ، و ہاجرہ مبارک و سلامت کے لئے آئی تھیں۔ جہاں نبی کریم نے شیر خوارگی کے چند دن گذارے تھے۔ جہاں سے ان کے عہد طفولیت کی بہت ساری یادگاریں وابستہ ہیں۔ جس زمین نے بچپنے کے ننھے ننھے قدم پاک کو چومے، جن در و دیواروں نے اس کے دست کرم کے مساس کا شرف حاصل کیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ مقدس مکان شعب بنی عامر میں واقع تھا۔ جو حرم شریف سے دو سو قدم کے فاصلے پر واقع ہے تین کمروں پر مشتمل یہ مکان زمین سے ڈیڑھ میٹر کی بلندی پر واقع تھا جس میں چند زینوں پر چڑھ کر اندر داخل ہوا جاتا تھا۔ مکان کے ایک کمرے میں بطور نشان ایک قبہ اور کمرے کے وسط میں ذراسی گہرائی تھی۔ کہ یہی وہ مقام تھا جہاں آفتاب نبوت طلوع ہوا تھا۔ لیکن آج مولد پاک اور اس مقدس زیارت گاہ کے دیدار کے لئے ترستی ہوئی نگاہوں کو مایوسیوں کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اگر کوئی خوش بخت تلاش و جستجو اور رہبری و رہنمائی کے سہارے اس سرزمین تک پہنچنے میں کامیاب بھی ہوگیا تو وہاں کوڑے کرکٹ کے سوا اور کچھ نہیں ملتا۔

مولد فاطمہ:- یہ مکان حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ یہ وہ مقدس اور باعظمت مکان تھا جس میں نزول وحی کے بعد سب سے پہلے سرکار تشریف لائے تھے۔ اور کمبل اوڑھانے کی فرمائش کی تھی یہیں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ایک کمرے میں عبادت فرمایا کرتے تھے یہیں قرآن کی آیتیں نازل ہوتی تھیں یہیں جبریل امین سلامی کو حاضر ہوا کرتے تھے یہیں سیدہ خاتون جنت پیدا ہوئی تھیں یہیں ایک الماری میں ان کی چکی بطور تبرک کبھی موجود تھی۔ یہی گھر اسلام کی ابتدائی تبلیغ کا مرکز تھا سو سال پہلے کی تاریخ آج بھی پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ محلۂ دار الحجر کے نشیب میں چار کمروں پر مشتمل خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا بابرکت مکان مرجع اخلائق تھا جس کی دیوار پر سنگ مرمر کی لگی تختی پر مندرجہ ذیل عبارت کندہ تھی:-

حضرت فاطمہ زہرا بتول سیدۃ نساء العالمین الطاھرۃ بنت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر کا حکم سیدنا مولانا امام مفروض
امیر المومنین ناصر الدین نے اس کے منافع اور پیداوار کو پہلے
اس کے مصالح پر پھر اس مقام شریف نبوی کے مصالح پر
حسب رائے متولی ونگرانی کار خالصۃً لوجہ اللہ وقف کیا۔
جو شخص اس میں تغیر و تبدل کرے اس پر خدا کی لعنت
اور کرنے والوں کی لعنت قیامت تک ہو۔
۶۰۴ھ کتبہ (عربی عبارت کا ترجمہ)

اس عظیم تاریخی تبرک کو تلاش کرنے والے مکہ کی ایک ایک گلی میں تلاش کرتے ہیں لیکن اس بابرکت مکان کا ملنا تو کجا کوئی اس کا پتہ ونشان بتانے والا نہیں ملتا

دار ارقم: یہ محترم مکان حضرت ارقم مخزومی رضی اللہ عنہ کا تھا۔ جو تاریخی روایات کی بنیاد پر کوہ صفا کی بائیں جانب محلہ دار الخیزران کی ایک گلی میں واقع تھا۔ یہ وہ زیارت گاہ تھی جس میں کفاران مکہ کے مظالم سے تنگ آکر سرکار نے اقامت فرمائی تھی یہیں سے اسلام کی خموش تبلیغ کا کام ہوا کرتا تھا۔ یہی وہ زمین تھی جس پر بندگان خدا ظالموں کے شر سے چھپ کر خدائے برتر کا سجدہ کیا کرتے تھے۔ قتل رسول پر آمادہ عمر کو اسی مکان میں دولت ایمان کا لازوال خزانہ ملا تھا۔ (رضی اللہ عنہ)

اور یہیں سے اہل حق کا قافلہ خانۂ کعبہ کی زمین پر سجود نیاز کی نذر پیش کرنے گیا تھا۔ اور ڈنکے کی چوٹ پر نماز باجماعت کی ابتدا ہوئی تھی۔ اس مرکز عقیدت کو دریافت کرنے والوں کی زبان میں کانٹے پڑ جاتے ہیں لیکن کوئی رہنمائی کرنے والا نہیں ملتا۔ اور حد یہ ہے کہ مکہ کے جغرافیہ تک میں اس مکان کے وجود کا نشان نہیں ملتا۔ حالانکہ تاریخ کے صفحات پکار رہے ہیں کہ دار الخیزران میں حضرت ارقم کا وہ مکان تھا جس کی مشرقی دیوار پر مندرجہ ذیل عبارت کا کتبہ تھا:

> بسم اللہ . . . . . اون گھروں میں جن کے متعلق خدا نے یہ
> حکم دیا ہے کہ وہ بلند کئے جائیں۔ ان میں خدا کا نام لیا جائے
> اور صبح وشام ان میں خدا کی تسبیح پڑھی جائے۔ یہ رسول اللہ
> کے چھپنے کی جگہ اور خیزران کا مکان ہے۔ اسلام کی ابتدا
> یہیں سے ہوئی۔ اس کی تجدید عمارت کا حکم امین الملک مصلح
> نے خدا اور رسول کے ثواب حاصل کرنے کے لئے دیا۔
> اور خدا نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ (ترجمہ)

قبہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا۔ مکہ کا قبرستان جس کا نام جنۃ المعلیٰ ہے۔ اسی کے مشرقی دروازے کے قریب ام المومنین زوجہ سید المرسلین کی قبر انور اور قبر انور پر ایک مختصر لیکن خوبصورت سا قبہ تھا۔ ہم سارے مسلمانوں پر تو اسلام کا احسان ہے لیکن بلاشبہ اسلام پر سیدہ خدیجہ کا احسان ہے۔ یہ وہ طیبہ طاہرہ خاتون تھیں جن کی بیوگی کے باوجود میرے سرکار نے اپنی زوجیت کا شرف عطا فرمایا تھا۔ نزول وحی کے بعد جنھوں نے سب سے پہلے سرکار کی زیارت فرمائی۔ کمبل اوڑھایا اور تسکین کی باتیں کہیں۔ سب سے پہلے حضور کی رسالت پر ایمان لاکر عورتوں میں اولین اسلامی خاتون کا اعزاز حاصل کیا جن کی بے شمار دولت کی ایک ایک پائی تبلیغ اسلام کے لئے وقف ہوئی۔ اور جن کا سرمایہ آڑے وقتوں پر اسلام کے بے حد کام آیا۔

جن کے شوہر رسول خدا، جن کے داماد شیر خدا، جن کی صاحبزادی فاطمہ زہرا اور جن کے نواسے حسن مجتبیٰ اور حسین شہید کربلا تھے۔ حیف کہ آج ان کی مقدس قبر کا پتہ نشان نہیں ملتا جنۃ المعلیٰ کے مشرقی حصہ میں منہدم شدہ قبہ کا ڈھیر ملتا ہے۔ توڑ پھوڑ کا مزاج نظر آتا ہے عظمت وتقدیس کی دھجیاں بکھری دکھائی دیتی ہیں، لیکن اس عظیم المرتبت خاتون جن کے تلووں کی دھول مل جائے تو گنہگاروں کی نجات ہو جائے ان کی قبر کے نشانات نہیں ملتے۔ اور مشتاق زیارت، ترستی ہوئی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کے سایہ میں فاتحہ پڑھ کر زخمی جذبات کے ساتھ واپس ہونے پر مجبور ہوتا ہے۔

باب ام ہانی: رضی اللہ عنہا۔ دنیا جانتی ہے کہ معراج کی رات سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی کے گھر آرام فرما تھے یہیں جبریل امین نے حاضر بارگاہ ہو کر سلام کے بعد دیدار الٰہی یا معراج کا مژدہ سنایا اور چلنے کی درخواست کی حضور یہاں سے حرم شریف میں تشریف لائے۔ پھر شق صدر وغیرہ کے بعد حضور ستر ہزار فرشتوں کے جلوس میں حرم کعبہ سے مسجد اقصیٰ کے لئے روانہ ہوئے۔ خانۂ ام ہانی سے چل کر جس دروازے کے ذریعہ حضور نے حرم پاک میں قدم ناز رکھا اس دروازے کا نام اسی مناسبت سے باب

ایک نایاب تصویر
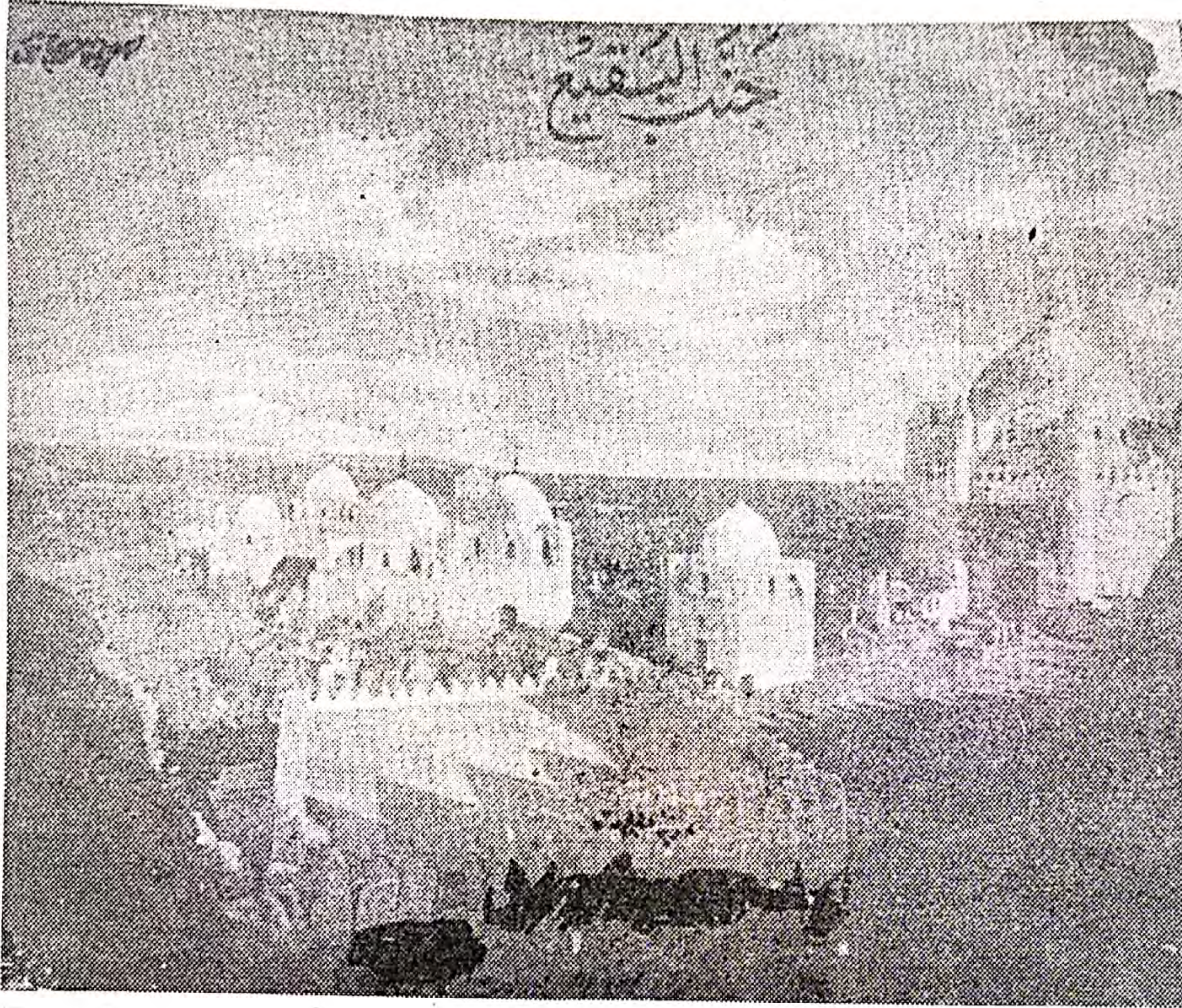
صحابہ کرام کے مزارات

جنہیں اب شقی قلب نجدیوں نے تباہ کر دیا ہے

مناسب انتظام کیوں نہیں کیا گیا؟ حرم کی توسیع پر کروڑوں اور اربوں ریال خرچ کرنے والوں سے کوئی دریافت کرے کہ وہ عمارتیں کیوں منہدم ہوئیں، وہ نشانیاں کیوں زمین بوس ہوئیں وہ مآثر کیوں بے نام ونشان ہوئے؟

کیا ان یادگاروں کا تحفظ ممکن نہ تھا۔ کیا ان کی خمیدہ دیواروں کو چند ریال کے سہارے کھڑا نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ کیا منہدم کھنڈرات کو چہار دیواریوں کے ذریعہ محفوظ نہیں رکھا جا سکتا تھا کیا چودہ سو سال پرانی دیواروں کی دھول مٹیوں کو دبیز شیشوں سے ڈھانک کر محافظت کا حق ادا کیا جا سکتا تھا؟

خدارا ارباب حکومت اور اصحاب دولت سے کوئی پوچھے کہ یہ نشانیاں آخر کیوں بے نام و نشان ہوئیں؟ کیوں بے نام و نشان ہوئیں یہ نشانیاں؟

کہیں ایسا تو نہیں کہ دولت کی فراوانی نے عقیدوں میں افلاس پیدا کر دیا ہے۔ شاہراہوں کی کشادگی نے دلوں میں تنگی پیدا کر دی ہے۔؟ عمارتوں کی بلندی نے عقیدتوں میں پستی پیدا کر دی ہے۔ ایئر کنڈیشنڈ مکانات کی اقامت نے ان مکانات کی عظمت و تقدیس ختم کر دی ہے؟ بجلیوں کے رنگین تیز بلب نے محبتوں کی دنیا کو تاریک کر دیا ہے۔ امپالا کاروں کی صبار فتاری نے ایمان کے جذبات کو سست کر دیا ہے اور وسعت حرم کی مہم نے صاحب حرم کی عظمت و محبت کو پس پشت ڈال دیا ہے اگر ایسا ہے تو دنیا کان کھول کر سن لے کہ ان کے گناہگار غلاموں کو پرشکوہ عمارت نہیں ان کے قدموں سے لگا ہوا کھنڈر چاہیئے۔ صاف شفاف سڑکیں نہیں ان کے قدموں کی دھول اور خاک رہگذر چاہیئے۔ صفا د مروہ کا سائبان نہیں اسلام کی اولین خاتون کے مزار اقدس کے قبۂ پاک کا سایہ چاہیئے۔ تیز بلب نہیں سیدہ طاہرہ کی مقدس چکی کا ٹکڑا چاہیئے۔ کوئی عبدالعزیز نہیں۔ ام ہانی کے نام کی عظمت چاہیئے خدا کے لئے اپنی تمام مادی آسائشیں و سہولتیں لے لو ہماری روحانی یادگاریں اور ایمانی نشانیاں دے دو ؎

وہ اندھیرا ہی بھلا تھا کہ قدم راہ پہ تھے
روشنی لائی ہے منزل سے بہت دور ہمیں

جنت المعلیٰ

ایک نایاب تصویر

صحابہ کرام کے مزارات

جنھیں اب شقی القلب نجدیوں نے تباہ کر دیا ہے

ام ہانی رکھ دیا گیا۔ تاکہ عقیدت مند کی نظر جب اس پر پڑے تو واقعۂ معراج کی یاد تازہ ہو۔ حضرت ام ہانی کی عظمت و تکریم سے دل معمور ہو۔ اور عقیدت و محبت کا چمن زار ایک نئی بہار سے ہم کنار ہو۔ لیکن نیاز مند کی آنکھیں حرم پاک کے ایک ایک دروازے کو دیکھتی ہیں اس پر لکھی عبارتوں کو بار بار پڑھتی ہیں۔ لیکن کسی دروازے پر باب ام ہانی لکھا نہیں ملتا۔ پیہم تلاش و جستجو اور دریافت کے بعد پتہ چلتا ہے کہ وہ دروازہ جس پر باب عبدالعزیز لکھا ہے وہی دراصل کبھی باب ام ہانی تھا۔

اگر انصاف دنیا سے ختم نہیں ہو گیا اور ضمیر مردہ نہیں ہو گیا تو میں پوچھنا چاہتا ہوں اور عوامی عدالت میں استغاثہ پیش کر کے فیصلہ طلب کرنا چاہتا ہوں کہ ایک زائر کا قدم جب حرم کی سرزمین پر پڑتا ہے تو اس کی نگاہ شوق عشق و ایمان کے مرکزوں کو تلاش کرتی ہے۔ اسلاف کی یادگاروں کو ڈھونڈتی ہے یا کسی عبدالعزیز کو؟

کاروانِ محبت ہر قدم پر اپنے مقدس محبوب کی نشانیوں کو تلاش کرتا ہے یا پھر ان کے چہیتوں کی یادگاروں کو۔ اور جب صورتِ حال یہ ہے تو پھر فیصلہ دیجئے کہ یہ سب کچھ آبا پرستی کی بدترین بدعت کے سوا کچھ نہیں۔

اس طرح کی اور بہت سی یادگاریں اور نشانیاں ہیں جو تاریخ کے صفحات پر تو ملتی ہیں لیکن مکہ معظمہ کی سرزمین پر ان کا نام و نشان نہیں ملتا۔

مکہ کے بارونق بازاروں میں دنیا کے ہر ملک کی چیزیں بکتی ہیں۔ ہر قسم کا سامان ملتا ہے لیکن نہیں ملتا تو مولد النبی نہیں ملتا۔ مولد فاطمہ نہیں ملتا۔ دار ارقم نہیں ملتا، قبہ خدیجہ نہیں ملتا۔ باب ام ہانی نہیں ملتا اور تہذیب کی چمک تمدن کی روشنی اور دولت کی فراوانی میں یہ یادگاریں اس طرح دبائی گئی ہیں جیسے واقعات کی دنیا میں ان کا کوئی وجود تھا ہی نہیں آج عقیدتوں کی دنیا سوالیہ نشان بنی ہوئی ہے کہ کیا مولد نبی کی دیواریں لائق توقیر نہ تھیں اس کی زمین محبتوں کی بوسہ گاہ نہ تھی۔ مولد فاطمہ کے بام و در قابل تکریم نہ تھے۔ خدا کے آخری نبی کا عبادت خانہ اور وحی الٰہی کا مقام نزول باعث عزت نہ تھا۔ کیا اسلام کی اولین خاتون اور ان کا قبہ قابل تکریم نہ تھا۔؟ کیا ام ہانی کا نام لائق التفات نہ تھا؟ اگر تھا اور یقیناً تھا تو ان مقامات مقدسہ کی بقا اور تحفظ کا معقول و

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز گفتگو

حضرت مولانا مفتی محمد مکرم احمد شاہ

لاکھوں لاکھ درود و سلام اس طرز گفتار پر جسکو اللہ رب العلمین نے اپنے حبیب صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے لئے پسند فرمایا۔ ہزارہا ہزار جان سے ہم قربان اس انداز گفتگو پر جس کو رحمت عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا۔

اے سیرت پاک کے جاں نثارو! آقائے دوجہاں، محبوب کبریا، سردار کل انبیا علیہم السلام، فخر موجودات، روحی فداہ حضرت احمد مجتبےٰ، محمد مصطفےٰ رسول خدا صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا انداز گفتگو جاننا چاہو تو پہلے شمس و قمر کی زبان سیکھو ارض و سما کے راز جانو، بحر و بر کی تابعداری دیکھو، شجر و حجر کی اطاعت گذاری کے بھید پہچانو۔ تاریخ شاہد ہے کہ صرف جن و انس ہی نہیں محبوب کبریا صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی، اطاعت کے لئے تو شمس و قمر، ارض و سما، بحر و بر، شجر و حجر کہسار و سبزہ زار سب ہی بسر و چشم تیار تھے۔ وہ محبوب رب خالق ارض و سماوات ہیں۔ ان کی ہر ادا پر کائنات نثار ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ و نوّر اللہ مرقدہ نے سیدنا محمد عربی صلے اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے انداز گفتگو کو کس قدر حسین اور جامع انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ؎

وہ زباں جسکو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

سچ ہے عاشق رسول صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے جو فرمایا اس سے انحراف ممکن ہی نہیں۔ نافذ حکومت کیوں نہ ہو۔ آقا تو ارشاد وہی فرماتے تھے جو ان کے رب حق جل مجدہٗ کی مرضی ہوتی۔ جیساکہ قرآن پاک میں صاف صاف ارشاد ہے

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (سورۃ النجم آیت ۳-۴)

اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو نہیں مگر وحی جو انھیں کی جاتی ہے۔

اسی مفہوم کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے فرمایا ؎

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا
چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام،

جس ذات عالی صفات کی حمد و ثنا میں خود کلامِ ربّانی ناطق ہے: وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ط (سورۃ القلم آیت ۴)

اور بے شک تمہاری خو بڑی شان کی ہے۔

جس ہستی کو مخاطب کرکے ارشاد ہوا:

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ط

برائی کو بھلائی سے ٹال۔ (سورہ حٰم السجدہ آیت ۳۴)

دوسری جگہ یوں مخاطب فرمایا گیا:۔

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ط (سورہ النحل آیت ۱۲۵)

اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔

ایسی پاک و برگزیدہ ہستی کے انداز گفتگو کو کیسے کما حقہ بیان کیا جا سکتا ہے :۔

آنحضور پرنور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ بیشک اخلاق کی خوبیاں پوری کرنے کے لئے میری بعثت ہوئی ۔

ذرا خیال تو کیجئے کہ جس ذات مقدسہ پر اخلاق کریمانہ کی تکمیل فرمادی گئی ہو اس کی تمام تر خوبیاں کیسے شمار کی جا سکتی ہیں، پھر بھی اس رب کریم کی مدد اور توفیق سے کمال ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے احادیث شریفہ کی روشنی میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز گفتگو کو پیش کرنے کی جرات کرتا ہوں ۔

وَمَا تَوْفِیْقِی اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ ۔

حضور اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے "جوامع الکلم" کا معجزہ عنایت فرمایا تھا جو عربوں کے دعوائے فصاحت و بلاغت کا مسکت جواب تھا۔

اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ ' میں جوامع الکلم دیا گیا ہوں۔

یعنی آنحضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مختصر بات فرمایا کرتے تھے جس کے حروف کم ہوتے لیکن مفہوم اور معانی کثیر ہوا کرتے تھے ۔جو مضامین دوسروں کے لئے سمجھانے مشکل ہوتے تھے بڑے بڑے فصحاء اور بلغا طول کی وجہ سے جسکی تفہیم سے عاجز آجاتے تھے، سیدنا محمد عربی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چند ہی کلمات میں حل فرما کر بیان فرما دیا کرتے تھے ۔ ایک طرف تو "جوامع الکلم" کا معجزہ دوسری طرف آپ کا دلکش انداز گفتگو جاہل سے جاہل قوم اور سرکش سے سرکش انسان کے دل کی گہرائیوں میں آپ کا کلام اتر کر اپنا کام کر جاتا تھا ۔

آنحضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حد درجہ متواضع، منکسر المزاج اور شاداں طبیعت کے مالک تھے ۔ مسکراتے تو دل کی کلیاں کھل اٹھتیں ۔ ؎

جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی
پھر دکھا دے وہ ادائے گل خنداں ہم کو (رضا)

یہ وہ تبسم ہے جو شاہ و وزیر، علماء و مشائخ، حاکم و افسر سب ہی کے لئے ایک درس عظیم ہے ۔

جو لوگ عظمت کا راز منہ بسورنے اور تیوری چڑھائے رکھنے میں سمجھتے ہیں وہ سیرت پاک سے ناواقف اور در حقیقت جاہل ہوتے ہیں عظمت تو یہ ہے کہ قدموں میں دنیا کی دولت ہو اور تکبر و غرور کا نام و نشان تک نہ ہو ۔

سرکار دو عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محفل میں ایسے شرمائے شرمائے بیٹھتے تھے کہ کوئی کیا بیٹھے گا ۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہ دیکھتے تھے ۔ گفتگو فرماتے تو صاف صاف، ٹھہر ٹھہر کر، آہستہ آہستہ ۔ اگر ضرورت ہوتی تو ہر بات کو تین دفعہ بھی فرما دیتے ۔ نہ ضرورت سے زیادہ گفتگو فرماتے اور نہ ضرورت سے کم۔

شمائل ترمذی میں "باب کیف کان کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے تحت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو لوگوں کی طرح لگاتار جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی بلکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جب گفتگو فرماتے صاف صاف اور ٹھہر ٹھہر کر، جو بھی خدمت مقدسہ میں بیٹھتا اس کو یاد کر لیتا۔

اسی باب کے ذیل میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے کلام کو تین مرتبہ دہراتے تھے ۔ تاکہ سننے والے اس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

ان دونوں روایتوں سے بخوبی واضح ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہایت سکون و اطمینان سے گفتگو فرماتے تھے ۔ جس کو محفل میں حاضر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بآسانی یاد کر لیتے تھے ۔ جلیمانہ اور غور و فکر سے بھرپور ارشادات سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے ۔

شفیق الامت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کچھ اس قدر حسین انداز میں گفتگو فرماتے تھے کہ اعلیٰ، ادنیٰ، اوسط ہر قسم کی عقل رکھنے والا مواعظ حسنہ سے خوب اچھی طرح مستفید و مستفیض ہو سکے ۔ احکام کو ذہن نشیں کر لے ۔ تین تین بار ایک ایک جملہ کو دہرانا اپنی امت پر کمال درجے کی شفقت سے تھا ۔

قربان جائیے ایسے انداز گفتگو پر اور قربان جائیے ایسی پاک شفقت پر ۔

اسی باب کے ذیل میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت ہے جس کا ترجمہ پیش ہے :

امام حسن بن علی رضی اللہ تعالے عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے جو کہ اکثر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کریمانہ بیان فرماتے تھے عرض کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کی کیفیت مجھ سے بیان کریں۔ انھوں نے فرمایا کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم اکثر محزون وغمگین رہتے۔ ہمیشہ متفکر رہتے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو آرام نہیں ملا۔ آپ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ تر خاموش رہتے۔ بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے۔ دوران گفتگو میں ابتدائے کلام سے انتہائے کلام تک پورے منھ مبارک کو استعمال فرماتے۔ گفتگو فرماتے وقت جامع کلمات کو استعمال فرماتے۔ گفتگو انتہائی صاف اور واضح ہوتی۔ ضرورت سے زیادہ نہ ہوتی۔ اور نہ ہی ادائیگی مقصود میں کوئی کمی آتی۔ نہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم جفا کرنے والے تھے اور نہ ہی حقیر وضعیف تھے۔ الی آخر الروایہ (طوالت کی وجہ سے پوری روایت کا ترجمہ نہیں دیا گیا)

اس روایت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ کی گفتگو صاف صاف ہوتی تھی۔ کوئی تذبذب اور پیچیدگی یا کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہوتا تھا۔ بلکہ سوائے سچائی، حقائق اور دلائل و براہین کے کچھ اور نہ ہوتا۔ حق کو حق، باطل کو باطل واضح فرماتے۔ ایسی گفتگو فرماتے کہ سننے والے کو تسلی ہو جاتی اور وہ تردد میں نہ پڑتا۔ آپ انتہائی نرم دل اور ملائم طبیعت کے تھے سخت مزاج اور تند خو نہ تھے۔

قرآن پاک، سورہ آل عمران میں ہے :-

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ	تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے
وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ	محبوب تم ان کے لئے نرم دل ہو۔
لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ	اور اگر تند مزاج اور سخت دل ہوتے
عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ	تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان
شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا	ہو جاتے تم انھیں معاف فرماؤ۔
عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ	اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ	میں ان سے مشورہ لو۔ اور جو کسی بات کا پکا ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔
(آیت ۱۵۹)	بیشک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں۔

اس قدر نرم مزاج اور رحمدل ہونے کے باوجود آپ کی شان عالی، عزت وجلال اور دبدبہ اس حد تک تھا کہ آپ کی ہیبت اور عظمت کے سامنے بادشاہ اور بڑے بڑے جابر ذلیل اور حقیر ہوتے نظر آتے تھے۔ اور حضور پاک کے رعب اور ہیبت کی وجہ سے لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔

سرکار کا مزاح آں حضور صلے اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کی دلجمعی کے لئے کبھی کبھی خوش مزاجی، بذلہ سنجی اور ظرافت کی باتیں بھی فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی ہر گفتگو موقع محل کے مطابق ہوتی اور مزاح میں کبھی کوئی بات غیر شرعی، وقار سے گری ہوئی یا دوسرے کو دکھ دینے والی نہیں ہوتی۔ آپ کا ارشاد عالی ہے :

اِنِّيْ لَاَمْزَحُ وَلَا اَقُوْلُ	بے شک میں مزاح کرتا ہوں لیکن
اِلَّا الْحَقَّ	سچ ہی کہتا ہوں۔

حضرت محدث کبیر الشیخ یوسف بن اسماعیل النبہانی رحمۃ اللہ علیہ "وسائل الوصول" میں تحریر فرماتے ہیں :

"آپ کے مزاح کی کیفیت یہ تھی کہ آپ اپنی ازواج کے ساتھ بچوں کے ساتھ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ مزاح کے طور پر کوئی بات کرتے تو اس میں جھوٹ کی آمیزش بالکل نہ ہوتی۔ بلکہ آپ کا مزاح سچ بات پر مشتمل ہوتا۔ بچوں کے ساتھ اکثر دل لگی فرماتے۔ مزاح کے وقت بھی آپ کی نظریں نیچی رہتیں۔ آپ بڑے شائستہ انداز میں مزاح فرماتے۔"

شمائل ترمذی سے آنحضور صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کے پاک وشائستہ مزاح کی دو مثالیں ملاحظہ ہوں :-

" ترجمہ :- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں سواری کے لئے عرض کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا بیشک میں تم کو ضرور اونٹنی کے بچہ پر سوار کروں گا۔ سائل نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اونٹنی کے بچہ کو کیا کروں گا (مجھے تو سواری کے لئے اونٹ چاہئے نہ کہ بچہ) حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ کیا کوئی اونٹ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو اونٹنی کے بغیر پیدا ہو سکتا ہے! یعنی ہر اونٹ، اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔"

دوسری روایت۔ ترجمہ:

"حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک بوڑھی عورت آنحضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ میرے لئے دعا فرمادیں کہ میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا۔ اے فلاں کی والدہ! اللہ تعالیٰ کسی بڑھیا کو جنت میں داخل نہیں فرمائے گا۔

خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ وہ بوڑھی عورت روتی ہوئی واپس چلی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ جاؤ اور اس کو خبر دیدو کہ ہر کوئی بوڑھی عورت بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہیں جائے گی۔ بلکہ جوان بن کر جائے گی۔"

گویا آپ نے اس حسین مزاح میں قرآن پاک کے اس ارشاد کی تفسیر فرمادی:-

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۙ عُرُبًا اَتْرَابًا ۙ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ؕ

بے شک ہم نے ان عورتوں کو اچھی اٹھان اٹھایا تو انھیں بنایا کنواریاں اپنے شوہر پر پیاریاں۔ انھیں پیار دلاتیاں۔ ایک عمر والیاں۔ دہنی طرف والوں کے لئے۔

آنحضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اشعار یاد تھے۔ جن کو دوران گفتگو میں فرماتے تھے۔ آپ اگرچہ امی تھے لیکن فصاحت و بلاغت کے موتی ہر وقت دہن مبارک سے جاری ساری رہتے۔ قرآن پاک کی تلاوت اور نصیحانہ وعظ و نصیحت کے ساتھ ساتھ دوران گفتگو میں جاہلی دور کے چند شعراء کے اشعار بھی ذکر فرماتے تھے جنہیں حکمت کی باتیں ہوتیں۔ اور وہ فضول و غیر شرعی باتوں سے خالی ہوتے۔

شمائل ترمذی میں باب "ماجاء فی صفۃ کلام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الشعر" کے تحت مذکور ہے:-

ترجمہ:- ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں ان سے پوچھا گیا کہ کیا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کسی شعر کو پڑھتے تھے تو انھوں نے فرمایا کہ کبھی عبداللہ بن رواحہ کے شعر پڑھتے تھے۔ اور کبھی یہ مصرع

ع وَيَاْتِيْكَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَّمْ تُزَوِّدٖ

(وہ تیرے پاس خبریں لائے گا جسے خبرگیری کے لئے تو نے توشہ دے کر بھی نہیں۔ یعنی دوسروں کے حالات خود تمہارے لئے درس عبرت ہوں گے) پڑھا کرتے۔ آپ نے خود کوئی شعر موزوں نہیں فرمایا۔

یہ شعر مذکور عرب کے ایک نامور شاعر طرفہ کا ہے۔ اس نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا۔ بعض شارحین نے حضور پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے اس شعر پڑھنے کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ آپ کسی اجرت اور معاوضہ کے بغیر جنت، دوزخ، قیامت، گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے حالات اور آئندہ ہونے والے واقعات، اچھے اور بڑے امور کے نتائج سے آگاہ فرماتے ہیں۔ پھر بھی یہ کافر مدد نہیں کرتے اور نہ یقین کرتے ہیں۔

'طرفہ' کا پورا شعر اس طرح ہے:

سَتُبْدِيْ لَكَ الْاَيَّامُ مَا كُنْتَ جَاهِلًا
وَيَاْتِيْكَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَّمْ تُزَوِّدٖ

پیکر رحمت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کا یہ پہلو خاص کر قابل ذکر ہے کہ آپ صحابہ کرام کی گفتگو بہت محبت سے سماعت فرماتے تھے۔ اور بڑی محبت سے اس کا جواب عنایت فرماتے تھے۔ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے طرفہ کا یہ مذکور شعر پڑھا تو اس شعر کے دونوں مصرعوں میں تقدیم و تاخیر فرمادی۔ پہلے مصرعہ کو بعد میں اور دوسرے مصرعہ کو پہلے پڑھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بکمال ادب عرض کیا:-

لَيْسَ هٰكَذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

یعنی یہ شعر اس طرح نہیں ہے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے ناراضگی نہیں فرمائی بلکہ ارشاد فرمایا "مَا اَنَا بِشَاعِرٍ" یعنی میں شاعر نہیں ہوں۔

سبحان اللہ سبحان اللہ یہ ہے محمد عربی کا انداز گفتگو۔ جس پر سارے عالم کے انداز نثار ہیں۔ ادب کا کوئی پہلو نہیں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار نہ فرمایا ہو۔

حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کی دلجوئی اور خاطر جمعی کا پورا پورا خیال فرماتے تھے۔ حکیمانہ انداز

المسجد الجامع القیروان

ص ۹

اختیار نہیں فرماتے تھے۔ بذلہ سنجی اور ظرافت مقدسہ کی مثالیں تو آپ نے پڑھیں۔ آنحضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات کی قصہ گوئی کو بھی بالکلیہ منع نہیں فرماتے تھے بشرطیکہ جھوٹ پر مبنی نہ ہو۔

شمائل ترمذی میں "باب ماجاء فی کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی السمر" کے تحت روایت ہے:-

"ترجمہ۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک رات اپنی ازواج مطہرات کو قصہ سنایا۔ امہات المومنین میں سے ایک محترمہ نے عرض کیا یہ قصہ تو "خرافہ" کے قصہ کی طرح ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم جانتی ہو کہ خرافہ کون تھا۔ خرافہ بنو عذرہ قبیلہ کا ایک فرد تھا جس کو زمانۂ جاہلیت میں جنوں نے قید کیا۔ اور اپنے ساتھ لے گئے۔ وہ شخص جنوں میں کافی عرصہ رہا۔ ایک زمانہ کے بعد جن اس کو آدمیوں میں چھوڑ گئے وہاں کے زمانۂ قیام کے وہ عجیب وغریب اور حیرت انگیز واقعات جو اس نے ان جنوں میں دیکھے تھے، جب وہ بیان کرتا تو لوگ حیران ہو جاتے۔ اس کے بعد ہر عجیب وغریب قصہ کو 'حدیث خرافہ' کہا جانے لگا۔

قارئین کرام! یہ ہے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا سلیس اور محبانہ انداز گفتگو۔ ہر بات کو بڑی محبت اور شفقت سے ذکر فرماتے۔ تند مزاجی اور ترش کلامی کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔

سبحان اللہ، سبحان اللہ! یہ ہیں اس سیرت پاک کے کچھ جواہر پارے جس کے کامل اور مکمل ہونے کی گواہی سارا عالم دے چکا ہے۔ یہی سیرت پاک سزاوار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے اس کا اتباع کیا جائے۔ رگ وریشہ میں اس کی ہر ہر پاک ادا کو سمویا جائے۔ اور گلہائے سیرت سے روح انسانیت کو معطر ومزین کیا جائے۔

اگر حضور پرنور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی یہ سیرت پاک نہ ہوتی تو آپ خود ہی بتائیے کہ یہ انسان کس کے سہارے جیتا۔ انسانیت کس کو اپنا مقتدا بناتی۔ کون اس کا پیشوا ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ اور تمام عالم کے لئے آپ کا اسوۂ حسنہ قابل اتباع بنایا۔ اسی وجہ سے اس کی حفاظت فرمائی۔ یہ سیرت پاک کا اعجاز ہے کہ چودہ سو سال سے زائد گذر جانے کے بعد بھی آپ کی ایک ایک بات اور ایک ایک ادا محفوظ ہے لاکھوں مضمون نگاروں اور راویوں نے اس کو ذکر کیا لیکن ہر ایک تشنہ ہی رہا۔

انسانیت کے سرتاج، آقائے دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم پر ان کے پروردگار کے لاکھوں درود وسلام مدام ہوں۔ اور ہم گناہ گار بھی سچے پیروکار اور متبعینِ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنیں۔

آمین یا ربّ العالمین وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط بادشاہوں کے نام

مولانا محمد عبد السلام خاں سلیم القادری بھاگلپوری
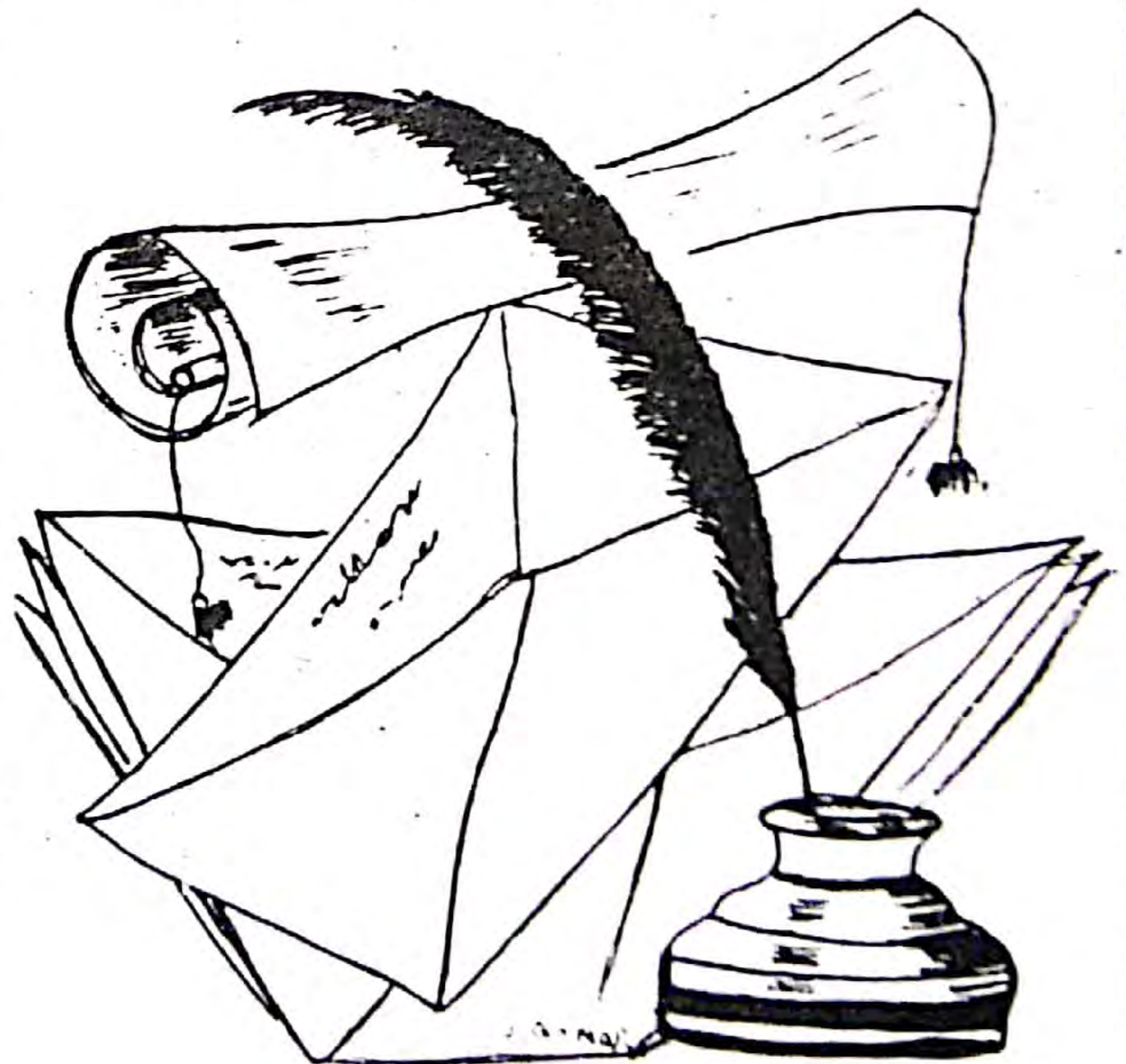
ماہ ذوقعدہ سنہ ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض اصحاب کا انتخاب فرمایا۔ جو ملک کے معاملات میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور ان سے اچھی طرح سے واقف تھے ان کو سلاطین عرب و عجم و روم کی طرف خطوط دے کر بغرض دعوت اسلام روانہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو قیصر روم کے پاس، شجاع بن وہب کو منذر بن حارث غسانی والیٔ دمشق کے پاس، حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس عزیز مصر کے پاس، عبد اللہ بن حذافہ سہمی کو کسریٰ شاہ فارس کے پاس، عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی شاہ حبش کے پاس، اور علا ابن حضرمی کو منذر بن ساوی شاہ بحرین کے پاس، جعفر و عبد بنی الجلندی شاہان عمان کے پاس اور ہوزہ بن علی کو شاہ یمامہ کے پاس روانہ فرمایا۔

بعض کتب تاریخ میں یہ بھی آیا ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک چاندی کی انگشتری بنوائی جس پر "محمد رسول اللہ" نقش کیا ہوا تھا۔ اسی مہر کے ذریعہ آپ نے اس زمانہ کے سلاطین کے پاس دعوت اسلام کے خطوط بھیجے۔

حضرت دحیہ کلبی جن کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ پہلے وہ بصرہ میں تشریف لے گئے، پھر وہاں سے حاکم بصرہ کے ذریعہ قیصر روم ہرقل کے دربار میں پہنچے۔ پھر اس کی خدمت میں مکتوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا۔

اس مکتوب کے اندر یہ عبارت درج تھی:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

من محمد رسول الله الی هرقل عظیم الروم

سلام علی من اتبع الهدیٰ ۔

اما بعد! ادعوک بدعایة الاسلام، اسلم، تسلم یؤتک الله اجرک مرتین۔ فان تولیت فان علیک اثم الاریسیین۔ و یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم۔ ان لا نعبد الا الله ولا نشرک به شیئا۔ ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون۔

یعنی (یہ خط ہے) محمد کی طرف سے جو اللہ کا رسول ہے، ہرقل کی طرف جو روم کا بادشاہ ہے۔ وہ لوگ سلامت رہیں جو خدا کی ہدایت کی پیروی کریں اس کے بعد میرا مطلب یہ ہے کہ میں تم کو اسلام کا بلاوا دیتا ہوں۔ اگر تم مسلمان ہو گئے تو تم دنیا و آخرت کی آفتوں سے سلامت رہوگے۔ اور تم کو دوگنا اجر ملے گا۔ اور اگر تم نے انکار کیا تو تمہاری رعایا کا گناہ بھی تم پر رہے گا۔ اے آسمانی کتاب کے ماننے والو تم ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ، جس بات کی خدا کی طرف سے ہمارے اور تمہارے لئے ٹھیک ٹھیک ایک ہی حکم ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ خدا کے سوا اور کسی کی پرستش نہ کریں۔ اور نہ اس کے کاموں میں کسی کو شریک کریں۔ اور ہم میں سے ایک دوسرے کو خدا نہ بنائے۔ اور اگر تم میری ان باتوں سے انکار کرو تو تم اس بات کے گواہ رہو کہ ہم خدا کے فرماں بردار ہیں۔"

ہرقل نے آپ کے مکتوب گرامی کو پڑھ کر اپنے سر آنکھوں پر رکھکر دریافت احوال کے لئے ان لوگوں کو بلایا جو آپ کی قوم کے اس کے ملک میں بغرض تجارت گئے تھے۔ چنانچہ غزہ سے ابوسفیان (جو بعد میں مسلمان ہوئے) اور ان کے ساتھیوں کو اپنے دربار میں حاضری کا حکم دیا مگر ہرقل نے ابوسفیان کے ساتھیوں کو ان کے پیچھے کھڑا کر دیا۔ اور کہا تم پر خدا کی مار ہو اگر ابوسفیان نے کوئی غلط بات کہی اور تم نے نہ روکا۔

اس کے بعد اس نے ابوسفیان سے پوچھا کیا اس شخص کے خاندان میں کوئی نبی بادشاہ گذرا ہے۔ ابوسفیان نے کہا نہیں کیا کبھی وہ دنیا دی معاملے میں جھوٹ بولا ہے۔ کہا نہیں۔

مصطفیٰ جانِ رحمت سے منسوب عہدنامہ مبارک کی نقل

قیصر روم نے کہا خدا کی قسم جو شخص دنیا کے لئے جھوٹا نہ ہو گیا وہ خدا کے اوپر جھوٹ باندھے گا۔؟ پھر قیصر نے کہا کہ اس پر غریب لوگ زیادہ ایمان لاتے ہیں یا امیر لوگ۔ ابوسفیان نے کہا غریب لوگ، قیصر نے کہا پیغمبروں کا ہمیشہ یہی حال رہا ہے پھر پوچھا کہ کیا اس کے پیروکار بڑھتے ہیں یا کم ہوتے ہیں۔ کہا روز بروز زیادہ ہو رہے ہیں تب قیصر نے کہا۔ اس شخص کا مذہب یہاں تک پہنچے گا، جہاں تم لوگ موجود ہو۔ جب قیصر کو ابوسفیان کی پوری بات سن کر اس کے جواب سے تشفی ہو گئی۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی اس نے تصدیق کی۔ اور ایک جلسہ میں نصاریٰ کو جمع کر کے اس معاملہ کو پیش کیا۔ سبھوں نے بالاتفاق انکار کیا۔ جلسہ درہم برہم ہو گیا۔ اس کے بعد قیصر نے مجلس کا رنگ بدلا اور لوگوں کو نرمی سے بلایا۔ ابن اسحاق سے روایت کی جاتی ہے کہ اس مجمع کے منتشر ہونے کے بعد قیصر نے اراکین دولت کو اپنے دربار میں بلا کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو جزیہ دینے کے باعث گفتگو پیش کی۔ سبھوں نے اس سے بھی انکار کر دیا۔

شاہ حبشہ نجاشی کی طرف عمرو بن امیہ ضمری رسول گرامی

وقار صلے اللہ علیہ وسلم کا مکتوب لے کر روانہ ہوئے تھے آپ نے اس کے دربار میں پہنچ کر نجاشی کو دعوت اسلام دی۔ اور حضور کے نامۂ مبارک کو ان کی خدمت میں پیش فرمایا۔ خط پڑھنے سے پہلے انھوں نے قاصد رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی کی۔ اور ان کا بہت زیادہ احترام کیا۔ اس کے بعد فرمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب کیا۔ اور آپ کی نبوت کی تصدیق کی۔ اور آپ پر ایمان لائے اور نور مجسم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں کچھ تحائف روانہ کئے۔

شاہ فارس کسریٰ کے پاس عبداللہ بن خدافہ سہمی جب تشریف لے گئے۔ تو اس نے آپ کی توہین کی۔ اور نامۂ مبارک کی بے حرمتی کر کے اس کو پھاڑ ڈالا۔ اور غصہ سے کہنے لگا کہ مجھ کو اور اس نے خط لکھا ہے۔ اور میرے نام سے پہلے اپنا نام تحریر کیا ہے۔ خط کے چاک کرنے کی خبر جب حضور تک پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ:۔

"اے اللہ اس ملک کو پارہ پارہ کر دے"

اس کے بعد کسریٰ نے باذان گورنر یمن کو لکھا کہ فوراً، دو آدمی کو بھیج کر اس عرب کے پیغمبر کو گرفتار کرا کے میرے پاس بھیج دے۔ چنانچہ باذان گورنر یمن نے بانویہ اور خرخسرہ کو روانہ کیا۔ بانویہ اور خرخسرہ چند دنوں کے بعد مدینہ پہنچے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہمارے شہنشاہ باذان نے تمہاری گرفتاری کا حکم دیا ہے۔ اور اس نے مجھ کو اس کام پر مقرر فرمایا ہے۔ مناسب ہے کہ میرے ساتھ چلو اس میں تمہاری، اور تمہاری قوم کی بھلائی ہے اور اگر تم انکار کر و گے تو تمہارے حق میں برا ہوگا۔ تم خود ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔ تمہاری قوم بھی خاک و خون میں غلطاں نظر آئے گی۔ تمہارا ملک لوٹ لیا جائے گا۔

حضور نے ان کی باتوں کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ ان کو قیام کرنے کا حکم صادر کیا۔ دوسرے دن غیب داں رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انھیں جواب دیا کہ جاؤ اللہ تعالےٰ نے کسریٰ پر اس کے لڑکے شیرویہ کو مسلط کر دیا ہے۔ اور شیرویہ نے کسریٰ کو شب کے وقت فلاں روز فلاں مہینے میں قتل ڈالا۔ دونوں تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہے پھر غور و فکر کرنے کے بعد بولے اگر یہ بات غلط ہوئی تو ہمارا شہنشاہ تم کو مع تمہاری قوم کے تباہ و برباد کر دے گا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس خیال و فکر میں نہ پڑو ملک باذان کو اس واقعہ سے اطلاع کر دو۔ اور میری طرف سے کہدو کہ جہاں تک کسریٰ کا سکہ چل رہا ہے وہاں تک میرے مذہب کا جھنڈا لہرانے والا ہے۔

خرخسرہ اور بانویہ جس وقت پیغام لے کر باذان کے پاس پہونچا اور اس نے ہو بہو اس کو بیان کر دیا۔ تو باذان نے کہا یہ کلام تو نبیوں کا معلوم ہوتا ہے باذان اسی غور و فکر میں تھا کہ شیرویہ کا قاصد اس کے پاس آیا۔ جس نے یہ پیغام بھیجا تھا کہ میں نے کسریٰ کو اس وجہ سے قتل کیا کہ وہ فارس پر ظلم و زیادتی کرتا تھا۔ جس وقت تم کو میرا یہ فرمان ملے۔ فوراً میری اطاعت و فرمانبرداری قبول کرو جیسا کہ تم ازیں قبل شاہ فارس کے مطیع تھے اور کسریٰ نے جس کی گرفتاری کا حکم دیا ہے تا صدور حکم ثانی کچھ تعرض نہ کرنا۔

باذان کو جس وقت شیرویہ کا یہ فرمان ملا۔ اس نے اسی
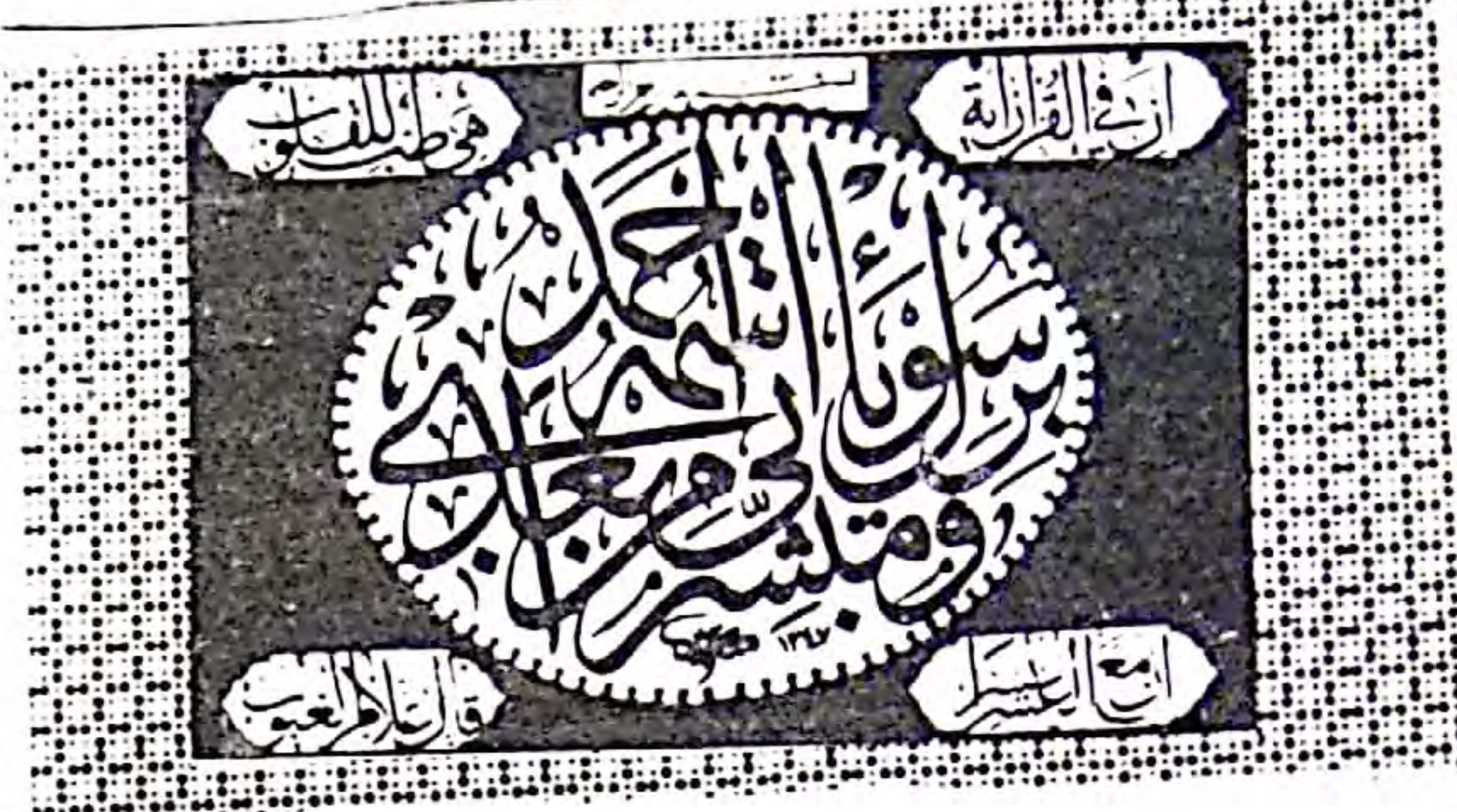
وقت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کی۔ اور ایمان کی دولت لازوال سے سرفراز ہو اس کے مسلمان ہوتے ہی انبار دار لے بھی مسلمان ہو گئے۔

مقوقس کے پاس جب قاصد رسول صلی اللہ علیہ وسلم حاطب بن ابی بلتعہ پہنچے تو اس نے فرمان رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا احترام کیا اور قاصد کی عزت کی اور ان کو ہر قسم کی سہولت دی۔ اور نامۂ رسول پڑھنے کے بعد اس نے اللہ کی وحدانیت اور رسول کی رسالت کا اقرار کیا۔ اور کلمۂ طیبہ پڑھ کر صدق دل سے مسلمان ہو گیا۔ بعد ازیں حبیب پروردگار صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیہ اور ایک کنیز جن کا نام نامی اسم گرامی ماریہ قبطیہ ہے بطور نذرانہ بھیجا۔ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس تحفہ کو قبول فرمایا۔ اور اسی کنیز سے (یعنی ماریہ قبطیہ) آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔

شجاع بن وہب کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے منذر بن حارث غسانی والیٔ دمشق کے پاس روانہ فرمایا۔ اس نے حضور کے مکتوب کو پڑھا بھی نہیں اور غرور شاہی میں آکر، قاصد رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کر ڈالا۔ اور تاجدار کائنات پر ایمان لانے سے انکار کیا۔

والیٔ دمشق کے اس سلوک کی خبر جب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچی تو آپ کو بہت زیادہ تکلیف ہوئی

فرمانِ رسول پر تعمیل حکم:- رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور خدا کی وحدانیت کی خبر کسی نے سنی تو خوشی سے مشرف بہ اسلام ہوا کسی نے

سلطان مقوقس، والیٔ قبط (مصر) کے نام یہ نامہ مبارک سن سات ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مہر مبارک ثبت کرکے روانہ فرمایا تھا۔
متحدہ قبطہ کے دوران ایک فرانسیسی سیاح کو یہ نامہ مبارک کسی قبطی راہب سے دستیاب ہوا تھا۔ اس نے ہدیتہً سلطان عبد المجید خاں، والیٔ دولت عثمانیہ کی خدمت میں پیش کیا جنھوں نے اس کو سلطنت عثمانیہ خزانۂ تبرکات نبوی میں بصد احترام وعقیدت شامل کیا

روگردانی کی۔ جو نور مجسم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اس کو اللہ نے اس دنیا میں بھی کامیابی و ترقی عطا فرمائی۔ ان میں سے شاہ بحرین منذر، اور شاہان عمان جعفر و عبد بنی الجلندی کا نام سرفہرست ہے۔ ان لوگوں کے پاس جب قاصد رسول پہنچے تو وہ فوراً صدق دل سے کلمۂ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ اور دنیوی و اخروی دولت سے مالامال ہو گئے۔

مالک لیل و نہار سے دعا ہے کہ ہر مسلمان کے دل میں اسلام کی محبت و الفت ہو اور مرتے دم تک ان کی زبان سے کلمۂ طیبہ کی صدائیں آتی رہیں۔
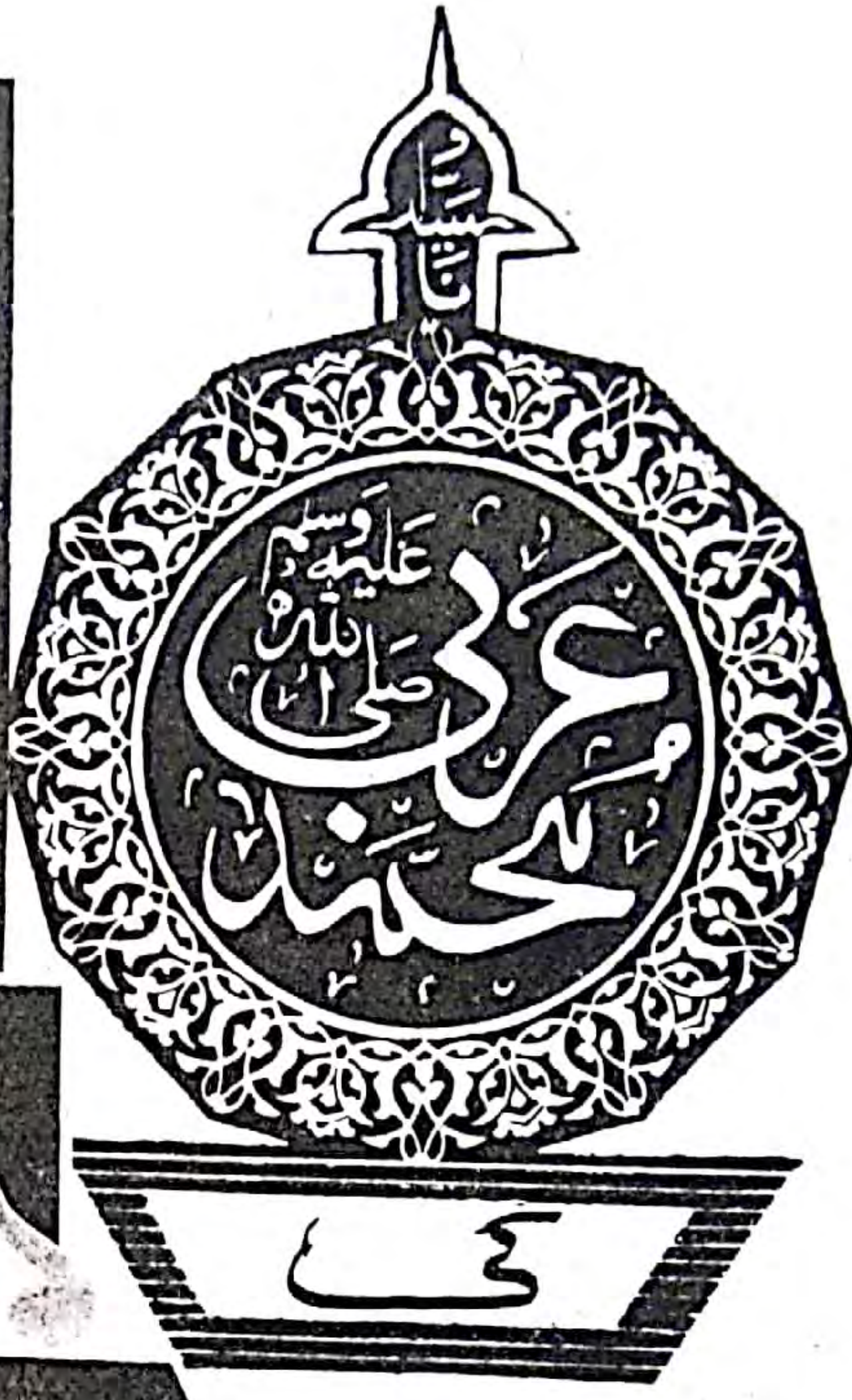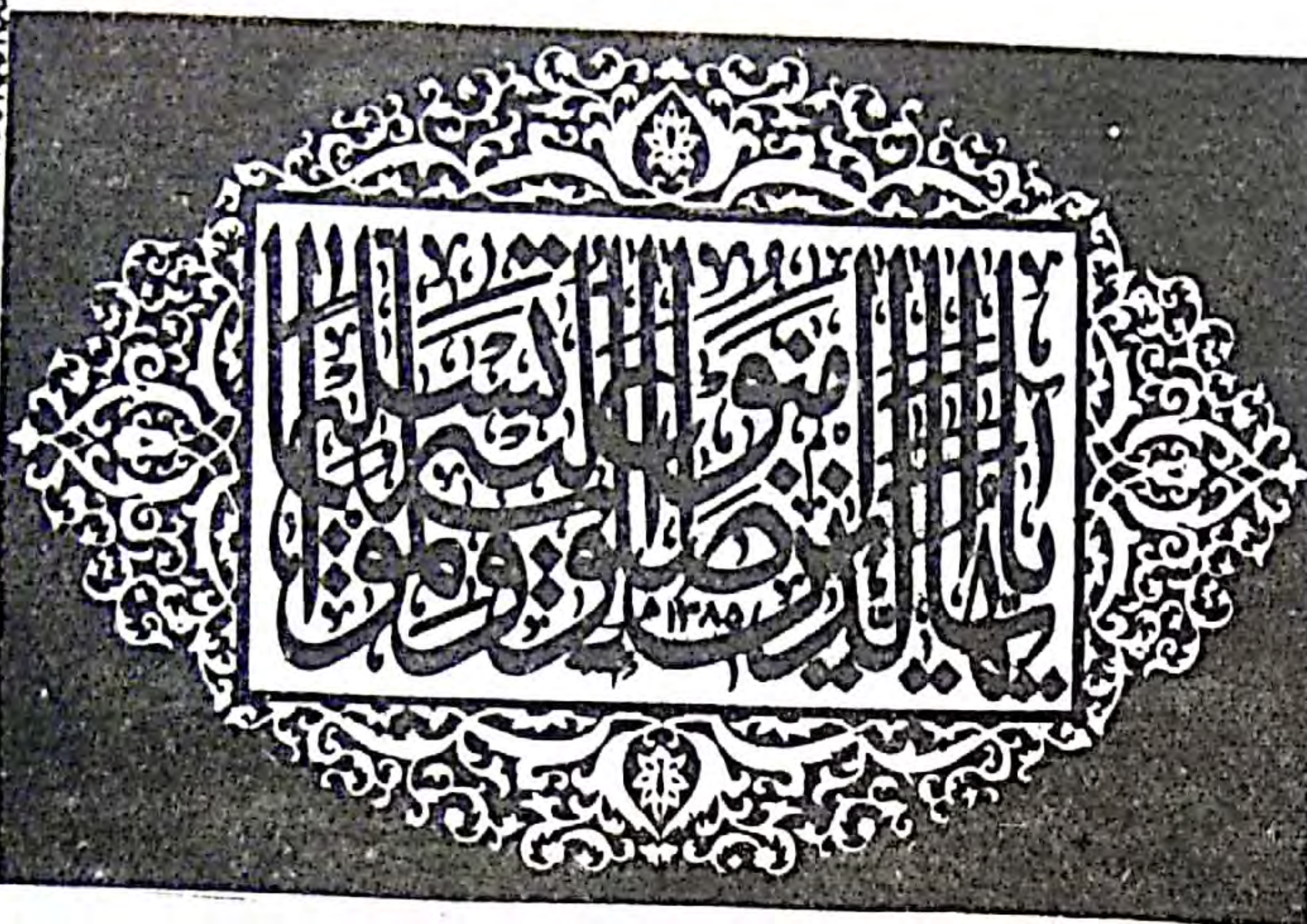
سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کاتبین کرام

عارف اقبال شیخ صدیقی

عربوں کا حافظہ مشہور ہے۔ ہزارہا اشعار، قصائد اور روایات ان کو زبانی یاد ہوتیں۔ ان کو اپنی قوت حافظہ پر فخر تھا۔ کسی چیز کو لکھ کر یاد کرنا وہ اپنے لئے کسر شان سمجھتے تھے مگر ان سب کے باوجود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا معاملہ صرف حفظ تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس کی کتابت کا بھی اہتمام فرمایا۔ جتنا قرآن نازل ہوتا اس کی کتابت ہو جاتی۔ چنانچہ قرآن کریم کے نزول کی تکمیل کے ساتھ اس کی کتابت بھی مکمل ہو گئی۔

ظہور اسلام کے وقت قریش کے سولہ، سترہ افراد کتابت سے واقف تھے۔ ان میں حضرات علی، عمر، عثمان، طلحہ، ابوسفیان اور معاویہ بھی شامل ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کتابت کے فروغ پر خصوصی توجہ فرمائی۔ غزدۂ بدر میں جب قریش کے کچھ ایسے افراد بھی گرفتار ہوئے جو کتابت سے آشنا تھے۔ تو ان میں سے ہر ایک کا فدیہ، یہ مقرر کیا گیا کہ وہ دس مسلمان لڑکوں کو لکھنا، سکھا دے۔ اس طرح کاتبوں کی ایک بڑی جماعت تیار ہو گئی. اور کتابت کو فروغ عام حاصل ہوا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کتابت سیکھی تھی

رجال وسیر کی کتابوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں کے نام ملتے ہیں شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کاتبان رسول کے نام اور مختصر حالات، مدارج النبوۃ میں بیان کئے ہیں۔ جن کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ:- حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے دو سال، چند ماہ بعد پیدا ہوئے۔ یہ ولادت ان کی مدت خلافت کے برابر ہے۔ جس سے ان کی عمر شریف کے ۶۳ سال پورے ہوتے ہیں۔ ان کے خصائص و مناقب بہت ہیں۔

۲۲ جمادی الآخر دوشنبہ کا دن گزار کر مغرب وعشاء کے درمیان وصال فرمایا۔

عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ:- عام الفیل کے ۱۳ سال بعد یکم محرم الحرام یکشنبہ کی رات میں

پیدا ہوئے۔ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد فاروق کا لقب پایا۔ دس سال چھ ماہ کی خلافت کے بعد ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو حضرت مغیرہ بن شعبہ کے مجوسی غلام ابو لؤلؤ کے ہاتھوں زخمی ہوئے۔ تیسرے دن جام شہادت نوش فرمایا۔ یکم محرم الحرام ۲۴ھ یکشنبہ کو مدفون ہوئے۔

عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:- عام الفیل کے چھٹے سال پیدا ہوئے۔ حضرت ابو بکر، علی اور زید بن حارثہ کے بعد سب سے پہلے اسلام لائے۔ مدت خلافت ۱۲ سال ہے۔ ۸۲ سال کی عمر میں ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ جمعہ کو شہادت پائی۔ اور مغرب و عشا کے درمیان مدفون ہوئے۔

علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:- سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں ہیں۔ اس وقت ان کی عمر شریف دس سال تھی۔ چار سال، سات ماہ اور چند دن کی خلافت کے بعد ۱۸ رمضان المبارک ۴۰ھ جمعہ کو صبح کے وقت ابن ملجم مرادی کے ہاتھوں زخمی ہو کر تین روز بعد ۲۱ رمضان المبارک کو ۶۳ سال کی عمر میں جام شہادت نوش فرمایا۔

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:- حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں۔ اپنے محترم چچا کے مقدس ہاتھوں پر مشرف بہ اسلام ہونے والے پانچ افراد میں شامل ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں بھی شامل ہیں۔ ۶۰ سال کی عمر میں جنگ جمل کے موقع پر ۲۰ جمادی الآخر ۳۶ھ پنجشنبہ کو وفات پائی۔

زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ:- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ کے بیٹے، حضرت ابو بکر صدیق کے داماد اور عشرہ مبشرہ میں ہیں۔ ۱۶ سال کی عمر میں حضرت ابو بکر صدیق کے دست اقدس پر اسلام لائے۔ ۶۴ سال کی عمر میں بروز جمل شہید ہوئے۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ:- عشرہ مبشرہ میں سب کے بعد وفات پانے والے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی بدولت مستجاب الدعوات تھے۔ ۱۷ سال کی عمر میں حضرت صدیق اکبر کے ہاتھ پر اسلام لائے۔

قرآن مجید کے ایک صفحہ کا عکس

جس میں حروف پر بجائے اعراب نقاط ہیں۔ یہ کلام اللہ مصر کے کتب خانے میں محفوظ ہے اور اس کو قرن اوّل کی یادگار تسلیم کیا گیا ہے۔
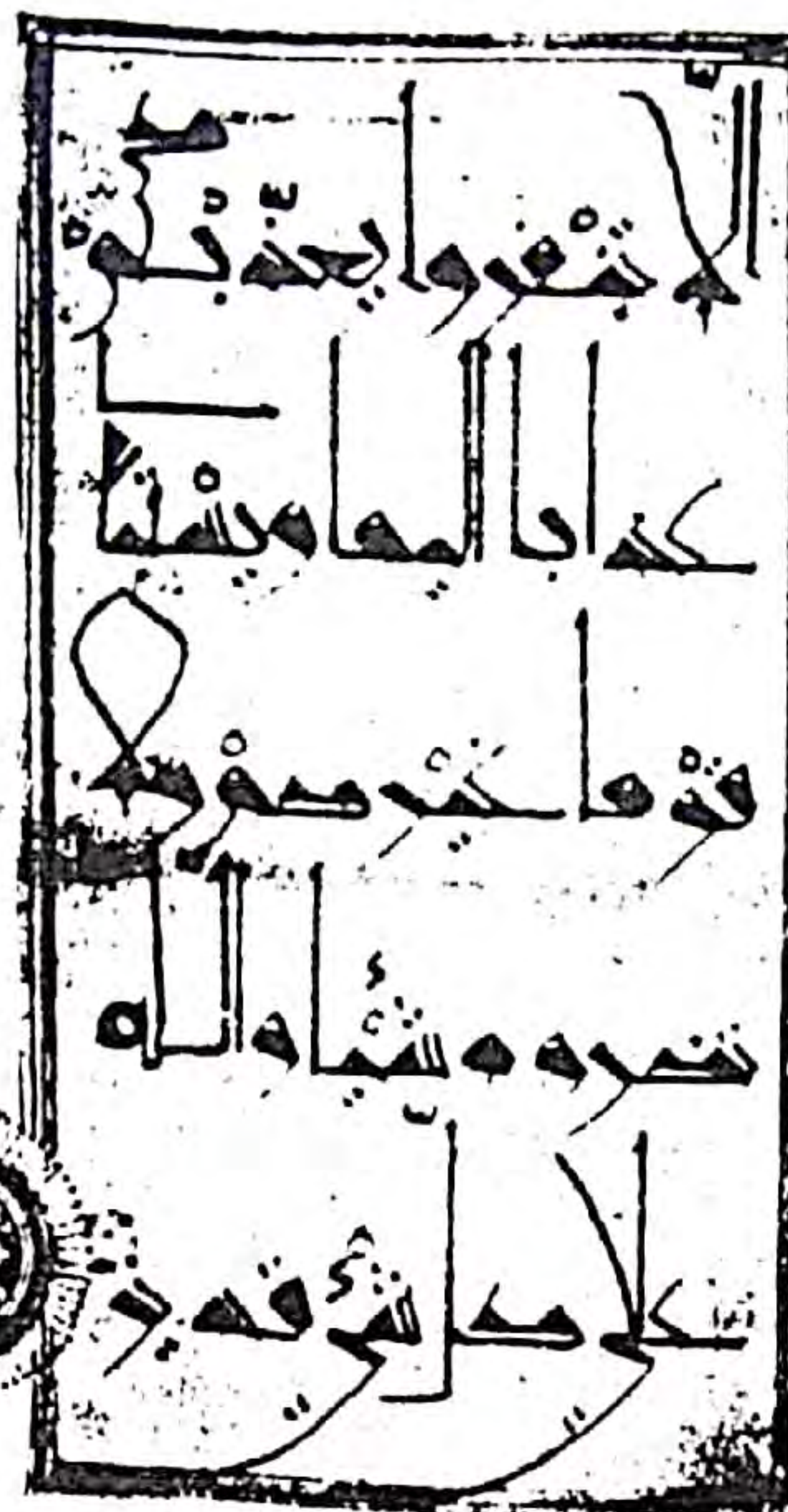
حضرت فاروق اعظم کے حکم سے شہر کوفہ تعمیر کیا۔ اور دور فاروقی میں اس کے والی رہے۔ ۷۳ سال کی عمر میں مدینہ منورہ سے دس میل دور واقع موضع عقیق میں اپنے دولت کدہ میں وفات پائی۔ بقیع میں دفن ہوئے۔

عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ:- حضرت صدیق اکبر کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ سفر ہجرت میں آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت ابو بکر صدیق کے ساتھ رہے۔ چالیس سال کی عمر میں سریۂ بیر معونہ کے موقع پر جام شہادت سے سیراب ہوئے۔

ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ:- انصار کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنی خداداد فصاحت بلاغت اور کمالِ خطابت سے قریش کو عاجز کر دینے پر بارگاہِ رسالت سے "خطیب رسول اللہ" کا لقب پایا۔ ۱۱ھ میں جنگ یمامہ کے موقع پر شہید ہوئے۔

خالد بن سعید رضی اللہ عنہ:- قدیم الاسلام ہیں۔ ہجرت حبشہ میں یہ بھی تھے۔ غزوۂ خیبر میں حضور کے پاس حاضر ہوئے۔ یوم مرج الصُفّر یا یوم اجنادین میں وفات پائی۔

ابان بن سعید رضی اللہ عنہ:- صلح حدیبیہ اور غزوۂ خیبر کے درمیان مسلمان ہوئے۔ حضور نے انھیں

سریۂ نجد میں بھیجا اور بحرین کا عامل بنایا۔ ارباب سیر نے ان کے بھائی خالد کو بھی کاتبین بارگاہِ رسالت میں شمار کیا ہے۔ تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔

حنظلہ بن الربیع رضی اللہ عنہ: کتابت وحی کی خدمت انجام دینے کی وجہ سے انھیں "حنظلۃ الکاتب" کہا جاتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اوائل عہد خلافت میں وفات پائی۔

ابوسفیان صخر بن حرب: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد ہیں۔ عام الفیل سے دس سال پہلے پیدا ہوئے۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ غزوۂ حنین میں شریک ہوئے۔ ۸۸ رسال کی عمر پاکر سنہ ۳۲ھ میں وفات پائی۔ اور بقیع میں مدفون ہوئے۔

یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ: حضرت ابوسفیان کے فرزندوں میں سب سے بہتر شمار کئے جاتے ہیں۔ فتح مکہ کے دن مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضور نے صدقات بنی عراس کی وصولی کا عامل بنایا۔ حضرت صدیق اکبر نے بھی سنہ ۱۲ھ میں انھیں عامل بنایا۔ دور فاروقی میں فلسطین کی

عکس مصحفِ مبارک قلمی حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

جانب جانے والی فوج کے عامل بنائے گئے۔ حضرت معاذ بن جبل کے بعد شام کے والی بنائے گئے۔ سنہ ۱۸ھ میں وفات پائی۔

معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ: عہد فاروقی میں اپنے بھائی یزید بن ابوسفیان کی وفات کے بعد شام کے حاکم ہوئے۔ سنہ ۴۱ھ میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے خلافت سپرد فرمادی تو ان کی حکومت مستحکم ہوگئی۔ ۷۸ رسال کی عمر میں ۸ رجب المرجب سنہ ۶۰ھ کو وصال فرمایا

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ: حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے، تو ان کی عمر گیارہ سال تھی۔ قرآن کریم کی ۱۷ سورتیں سیکھے ہوئے تھے۔ حضور کے حکم سے کتابت سیکھی۔ اور پھر "کاتب رسول" کہلائے۔ عہد صدیقی اور عثمانی میں "تدوین قرآن" کی خدمت انھیں کے سپرد تھی۔ سنہ ۴۵ھ میں وفات پائی۔

ان کے علاوہ شرجیل بن حسنہ، علا رحضرمی، خالد بن ولید، محمد بن مسلمہ انصاری، عبداللہ بن رواحہ، مغیرہ بن سعد، عمرو بن العاص، عبداللہ بن عبداللہ ابن ابی، جہیم بن سعد، جہیم بن الصلت، رقم بن ابی ارقم، عبداللہ بن زید، علار بن عقبہ، ابو ایوب انصاری، حذیفہ بن الیمان، بریدہ بن الحصیب مازنی، حصین بن نمیر، عبداللہ بن ابی سرح سعید، ابوسلمہ، حویطب، حاطب بن عمرو، ابن خطل، ابی بن کعب، عبداللہ بن ارقم۔ اور معیقیب بن ابی فاطمہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

اور

قیام تعظیمی

مولانا محمد سلیم قادری

حضرت ابو سعید خدری سے یہ حدیث روایت ہے (حدیث مشہور) کہ جب سعد بن معاذ حمار پر آئے بنی قریظہ کے فیصلے کیلئے تو جب مسجد کے قریب پہنچے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا قُومُوْا اِلیٰ سَیِّدِکُمْ کھڑے ہو جاؤ اپنے سید (سردار) کی طرف اس حدیث کی شرح میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے لکھا:-

بایں حدیث احتجاج کردہ اند بسیارے از علماء کرام اہل فضل را بقیام۔

ترجمہ:- یعنی اس حدیث سے بہت سے علماء کرام نے حجت پکڑی ہے کہ اہل فضل کے لئے قیام کیا جائے، مگر طیبی نے اختلاف کیا ہے اس اختلاف کو حجت بنا لیا اختلاف پیدا کرنے والوں نے، مگر یہاں طیبی کا قول مردود ہے سیدکم سے حضور نے کہا کھڑے ہو جاؤ، اپنے سید کی طرف اور سید کے معنی سردار ہیں اور سید معظم و مکرم ہوتا ہے اور قوموا کو مناسبت ہے سیدل سے، یعنی کھڑا ہوا جاتا ہے سید سردار کے لئے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے بھی لکھا اشعۃ اللمعات میں کہ

کہ حکمت در مراعات توقیر و اکرام سعد دریں مقام امر بہ تعظیم و تکریم دریں جا برائے آں باشد کہ او را برائے حکم کردن طلبیہ بودند پس اعلائے شان او دریں مقام اولیٰ دانستہ باشد تا باعث گردد بر اطاعت و قبول حکم وے۔

ترجمہ:- حکمت توقیر و اکرام سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ میں یہ ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حضور نے طلب فرمایا تھا کہ بنی قریظہ کا تصفیہ کر دیں تو سعد رضی اللہ عنہ کی تقریر توقیر و تکریم کے لئے اور ان کی رفعت کے لئے حکم دیا (کھڑے ہونے کا) یہی حکم مصلحت ہے تاکہ باعث ہو، ان کی اطاعت کا اور جو فیصلہ وہ کریں اسکو قبول کیا جائے۔

اس عبارت سے یہ ظاہر ہے کہ قیام اعلائے شان کیلئے ہوتا ہے، اور تعظیم و تکریم کے لئے ہوا کرتا ہے بس یہی فطرت وہابیت ہے کہ اعتراف علو شان محمدی کے لئے جو چیز ہوگی وہی نہیں کریں گے۔ علماء کے اختلاف کو بہانہ بنائیں گے طیبی نے اگرچہ اختلاف کیا ہے مگر جمہور علماء نے، امام بخاری امام مسلم نے یہی مانا ہے۔ کیا اچھا فرمایا ہے قرآن نے۔

ان دأو سبیل الرشد لا یتخذوہ سبیلا وان یرأو سبیل الغی یتخذوہ سبیلا

ترجمہ:- اگر رشد و ہدایت کی راہ دیکھیں تو اسکو نہ پکڑیں، اگر کجی کی راہ دیکھیں تو اس کو راستہ بنا لیں۔

اللھم صل علی نورك المنیر والا نور وعلیٰ آلہ وصحبہ واولیاء ٥ المصابیح الغرر وبارك وسلم۔

اسوۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

یہ ہے کہ اپنے آپ کے لئے قیام کو مکروہ کرتے تھے۔ تو یہ تو اسوۂ تھی رسالت مآب کی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسروں کے لئے خود قیام کرتے تھے۔

السوید
فنلدا
ایدیل أورال
سیبیریا
روسیا
وارسو
اوکرانیا
أستراخان
الاسود
البحر
القوقاز
منشوریا
منغولیا الخارجیة
منغولیا
الداخلیة
ترکیا
سوریا
العراق
ایران
افغانستان
کشمیر
باکستان
الجمهوریة
الصینیة
تبت
نیبال
جزیرة العرب
الهند
بورما
سیام
الهندی
المحیط

عظمتِ مصطفی پر نچھاور ہیں سب ❊ خسروانِ عجم ، سروران عرب !

جیساکہ روایت ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کیاہے ، عکرمہ بن ابی جہل کے لئے مکہ معظمہ میں ، جیساکہ روایت ہے حضرت عدی بن حاتم سے جیسے کہ ہم نقل کر رہے ہیں اشعۃ اللمعات سے ۔

گفت (عدی بن حاتم) نیامدم بر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز مگر آنکہ می ایستادے برائے من یا

می جنبد از مکان خود

ترجمہ :- خود حضرت عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ جب میں حضور اقدس میں جاتا تھا یہی حال ہوتا تھا رسولِ خدا میرے واسطے قیام کرتے تھے یا اپنی جگہ سے ہلتے تھے ۔

اگرچہ یہ روایت ضعیف ہے موضوع نہیں تو بھی دوسری

روایت سے مل کر اس میں قوت ہوگئی۔ کذا قال الطیبی۔ پوشیدہ
نماند کہ قیام آں حضرت مر فاطمہ را وقیام وے رضی اللہ عنہا مر آنحضرت را
مخفی نہ رہے آنحضرت خود قیام کرتے تھے
حضرت فاطمہ زہرا کیلئے اور وہ قیام کرتی تھیں، آنحضرت کے لئے۔ اس
قیام کی تاویل یہ کی ہے طیبی نے، کہ قیام محبت واقبال تھا نہ کہ قیام
واجلال، اس تاویل کے متعلق شیخ نے یہ لکھا کہ خالی از بعد ے
نیست یعنی یہ تاویل دور از کار ہے۔

اقول: ۔ قیام تعظیم قیام اجلال میں حرج ہی کیا ہے
کیونکہ تعظیم واجلال کا حکم قرآن میں موجود ہے اور حدیث میں بھی ہے
حضرت شیخ لکھتے ہیں وہم طیبی از طیبی محی السنۃ محی الدین امام نودی۔
رحمۃ اللہ علیہ۔

نقل کردہ اند جماہیر علماء بایں حدیث بر اکرام اہل فضل
از علم یا صلاح یا شرف قیام وامام محی الدین امام نودی
گفتہ اند کہ ایں قیام مر اہل فضل را وقت قدم آوردن
ایشاں مستحب است وا حادیث دریں باب ورود
یافتہ و در نہی از اں صریحا چیزے صحیح نشدہ۔

ترجمہ:۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ اشعۃ اللمعات
میں لکھتے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کہ طیبی نے بھی نقل
کیا ہے امام نودی سے، کہ جمہور علماء نے اجماع کیا ہے
اس حدیث سے (قوموا الی سیدکم) اہل فضل
کے اکرام وتعظیم کے لئے قیام جائز ہے اور لکھا ہے
امام نودی نے، کہ مستحب ہے قیام اہل فضل وعلم کے
آنے پر اور احادیث اس باب میں آئی ہیں اور ممانعت
میں صریحا کوئی چیز نہیں۔

حضرت شیخ نے لکھا کہ۔
قیام مکروہ بعینہٖ نیست بلکہ کردہ محبت قیام است،
ترجمہ:۔ کہ قیام فی نفسہٖ مکروہ نہیں ہے بلکہ مکروہ
یہ ہے کہ اسکو قیام محبوب ہو، جس کے لئے
قیام کریں۔
اگر محبت قیام ندارد قیام برائے وے مکروہ نبود۔
ترجمہ:۔ اگر وہ محبت قیام نہ رکھتا ہو تو اس کیلئے

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

قیام مکروہ نہیں ہے۔
ع۔ سخن شناس نۂ دلبرا خطا ایں جا است۔

اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ طیبی کو بھی اختلاف نہیں ہے
کیونکہ وہ خود جماہیر علماء کرام کا اجماع نقل کر رہے ہیں۔

حضرت شیخ علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا قول
(شفا) میں نقل کر رہے ہیں، قاضی عیاض مالکی اندلسی ۵۴۴ھ۔

گفتہ کہ قیام منہی عنہ در حق کسے است کہ نشستہ باشد
پیش وے مردم تا نشستن وے چنانچہ در حدیث
بیاید و در قیام تعظیم برائے اہل دنیا بجہت دنیائے
ایشاں وعید شدید وارد شدہ مکروہ است از غایت
کراہت۔

ترجمہ:۔ علامہ قاضی عیاض (صاحب شفا شریف ۵۴۴ھ)
نے کہا ہے کہ قیام ناجائز وہ ہے ایک شخص بیٹھا ہوا ہو،
اس کے لئے لوگ کھڑے ہوئے ہوں جب تک بیٹھا
رہے تو لوگ کھڑے رہیں تو وہ قیام ناجائز ہے، چنانچہ
احادیث میں یہ بھی آیا ہے لیکن قیام برائے تعظیم واکرام
اہل دنیا دنیوی شان وشوکت کے لئے وعید شدید آئی ہو
اور وہ انتہائی مکروہ۔

یہ سنت طریقہ ہے عقیدہ جماہیر اہل سنت کا یعنی کہ سنت ہے
جماعت کی اس لئے قرآن میں آیا۔

ومن یتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی
ترجمہ:۔ جس نے اتباع کی غیر سبیل المومنین کا یعنی سنت جماعت
کے خلاف چلا راہ سلوک کے علاوہ راہ اختیار کی،
اپنا مسلک راہ سلوک سے جدا بنایا تو ہم اسے پھیر دینگے
جدھر وہ پھر گیا اور داخل کریں گے اسکو جہنم میں۔

تو یہ رہی سنت مسلمین، سنت جماعت مسلک عرفاء حق جماہیر
اہل سنت کا طریقہ ______، اسے اہل باطل بدعتی
بدعت بتاتے ہیں الحیاء شعبۃ من الایمان حیا، وشرم شعبہ ہے
ایمان کا تو جسے ایمان سے حصہ ملا وہ حیا شرم سے محفوظ ہے

ناسلسلہ

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

پر

صحیفۂ ربانی کا نزول

حضرت مولانا سیّد محمد اشرف کلیم (ایم، اے)

الحمد للہ الرحمٰن الّذی نزّل علیٰ حبیبہٖ القرآن و علّمہُ البیان. والصّلوٰۃ والسّلام علی مہبطِ الفرقان اشرف الانس والجان وعلیٰ آلہ واصحابہ اولی العلم والتبیان. والفضل والاحسان ۔ امّا بعد

فاعوذ باللہِ من الشیطان الرّجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

وانّہ لتنزیلُ ربّ العالمین نزل بہ الرّوح الامین. علیٰ قلبکَ لِتکونَ مِنَ المنذرین . انزَلْنَا علیکَ الکتابَ تبیانًا لِکلِّ شئٍ ۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ القرآنِ مَاھُوَ شِفَاءٌ وَّ رحمۃ للمُؤمِنِیْن . شَہْرُ رَمَضَانَ الّذی اُنْزِلَ فِیْہِ القرآن ھُدًی لِلنّاس وبیّنَاتٍ مِّنَ الھُدیٰ والفُرقان

کلام اللہ بھی نامِ خدا کیا راحتِ جاں ہے
عصائے پیر ہے، تیغ جواں ہے، حرزِ طفلاں ہے

نورازلی نے اپنی معرفت اور ربوبیت کے اظہار کے لئے نورانی اور مادّی تخلیقات کا سلسلہ شروع فرمایا۔ ساری کائنات کے خالق نے اپنی سلطنت بیکراں کے اس عظیم حصہ زمین کو اشرفُ المخلوقات، انسان کے لئے منتخب فرمایا۔ انھیں عقل وتمیز عطا کی۔ فکر ونظر کی آزادی دی۔ شعور وتدبر کی اہلیت بخشی۔ تصرف کے اختیارات مرحمت فرمائے۔ اور اپنی نیابتِ عظمیٰ سے سرفراز فرمایا۔ ہدایت دی گئی کہ دنیا کی زندگی ایک امتحان گاہ ہے۔ کامیابی کی کنجی یہ ہے کہ مجھے واحد معبود اور حاکم مطلق تسلیم کرو۔ میرے فرستادہ نبیوں کی تعظیم وتوقیر کرو۔ ان کے توسط سے بھیجی گئی ہدایتوں پر عمل پیرا ہو اور ممنوعات سے باز رہو۔ تمہیں میری طرف واپس آنا ہے جہاں تمہارے اعمال کا جائزہ لیا جائے گا۔ میزان عدل سے گزرنا ہوگا، نامۂ اعمال تمہارے ہاتھ میں ہوگا اور عالم الغیب والشہادۃ قادر مطلق مالک یوم الدین سے تم کچھ بھی مخفی نہ رکھ سکوگے۔

امتثال امر کی صورت میں جس طرح دنیا کی زندگی میں تمہارے لئے آرام وآسائش کے اسباب مہیا کئے گئے، جنت میں بھی ابدی راحتوں اور لازوال نعمتوں سے ہمکنار کر دیئے جاؤگے۔ بصورتِ دیگر جس طرح دنیا میں خائب وخاسر رہے آخرت میں بھی آلام، و مصائب کے مہیب غار جہنم میں مبتلائے عذاب رہوگے۔

اس نوع اشرف کا آغاز آدم وحوّا علیہما السلام کی سربراہی میں ہوتا ہے۔ جیساکہ ارشاد فرمایا:۔

یاایُّھَاالنَّاسُ اتقُوا رَبّکمُ الّذِی خَلَقکمِ مِنْ نفسٍ واحدۃ وَخَلَقَ منھا زَوجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کثیرًا وَّ نِساءہ

اے انسانو! تقویٰ شعاری کی زندگی بسر کرو۔ اور اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں آدم وحوّا سے پیدا کیا۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو۔ بیشک اللہ تعالےٰ تم پر نگراں ہے۔ اور اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔ نہ جلوت نہ خلوت
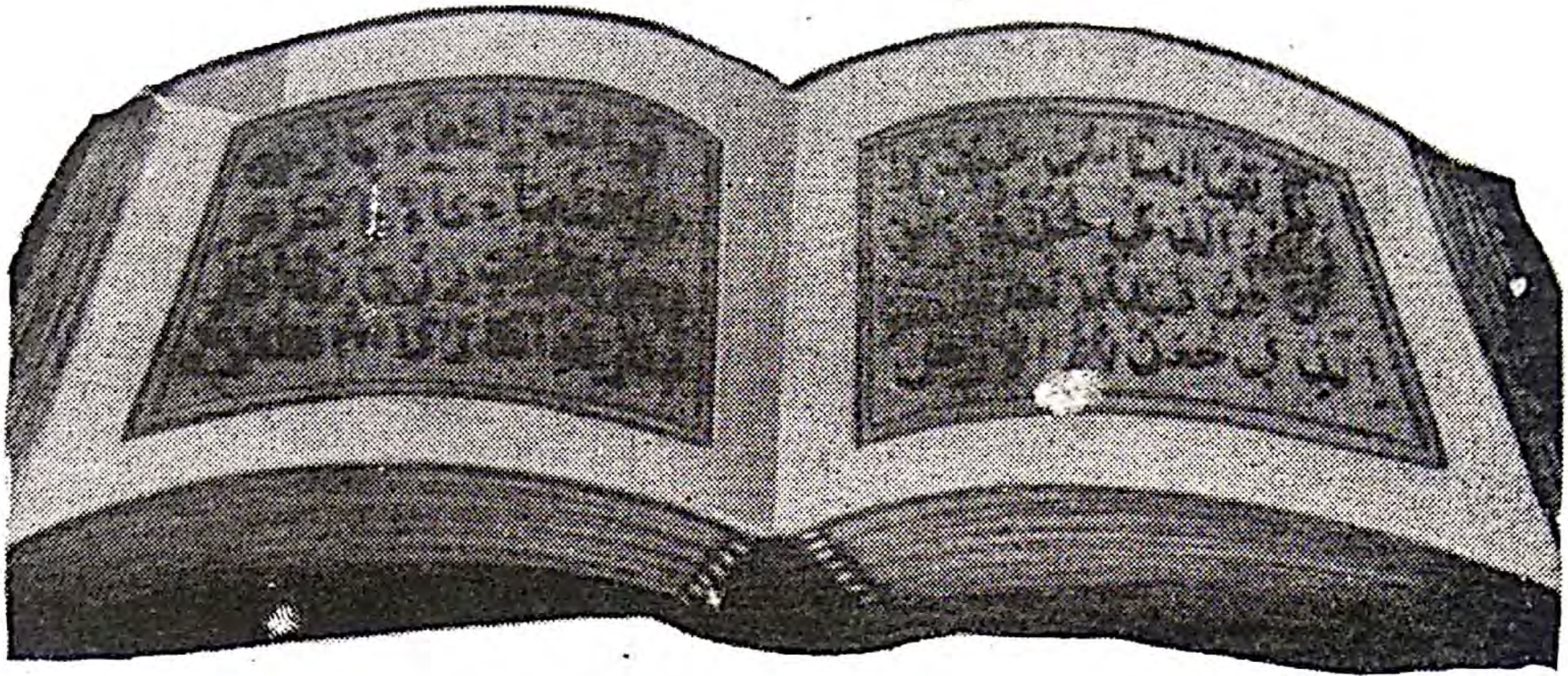
(ظاہر نہ باطن۔ ہدایت کی یہی روشنی اور خدا کے مقررہ عدل گسترانہ اصول اخلاق و تمدن کو لے کر دونوں اس عالم رنگ و بو میں آئے۔ اور اسی روشنی میں نسلیں پروان چڑھیں۔ مگر جیسے جیسے نسلی افزائش ہوتی رہی، عمرانی وسعتیں بڑھتی رہیں — انسان اس روشنی سے دور ہوتے رہے۔ صدیاں گذرتی رہیں اور رفتہ رفتہ انسان اس ضابطۂ حیات اور راہ حق سے منحرف ہوتے رہے۔

ظاہر ہے فرش و عرش میں مستقل رابطہ کیسے قائم رہتا۔ ایک طرف ذات خالق "نور" دوسری طرف ذوات مخلوق صرف "مادہ"، نور محض اور مادہ محض میں ارتباط و تعلق کیسے رہتا؟ ایک ایسے واسطے کی بہرحال ضرورت تھی جو حقیقت میں نور ہو کہ نور ازل سے اکتساب فیض کی استطاعت رکھے۔ اور بظاہر مادہ ہو جس سے اہل مادہ بھی مانوس ہوسکیں۔ چنانچہ جب اور جس خطۂ ارض کو کفر و سرکشی، شرک و معصیت کی تاریک گھٹائیں روشنی سے یکسر محروم کر دیتیں۔ ہدایت کی بجلی چمکتی اور اس لمعہ افشانی سے راہِ حق نظر آجاتی۔ یہ سلسلہ جاری رہا۔ مگر اب انسانیت کی صلاح و فلاح برق کی لحظاتی اور عارضی چمک نہیں، آفتاب کی مستقل اور مسلسل تابانی کی متقاضی تھی۔ سراج منیر کی ضیا ربادیوں اور دائمی کے رخِ تاباں کا مطالبہ کر رہی تھی۔ چنانچہ نور و بشر میں ربط دائمی قائم کرنے کے لئے وہ واسطۂ عظمیٰ اور برزخ کبریٰ عالم ظہور میں آیا۔ جسے خود رب کائنات نے

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ ۔ فرمایا اور اس کے ساتھ "وکتاب مبین"، کہہ کر اس کی بھی صراحت کر دی کہ ہدایت زبانی نہیں بلکہ "صحیفۂ ربانی" کی شکل میں منضبط، تحریری دستاویز اور محفوظ ہے۔ "قرآن مجید فی لوح محفوظ"

اسے یوں سمجھئے کہ آئین ربانی کا دستوری اور دستاویزی نمونہ قرآن اور عملی نمونہ حضور سرور کائنات، فخر موجودات، نبی رحمت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات سراپا برکات سرچشمۂ ہدایت ہے۔

چھٹی صدی عیسوی میں سارا عالم شرک اصنام پرستی کے طاغوتی شکنجے میں جکڑا ہوا تھا۔ وہ ممالک تو جہاں اصنام پرستی متوارث چلی آرہی تھی، علیحدہ رہے، جن مبارک خطوں کی فضا میں توحید کے نغمے بار بار گونجے تھے، صنم کدوں کے شورِ ناقوس و جرس میں اب نامسموع ہوگئے تھے۔ اور شرک کی خباثتوں میں ملوث تھے۔

اہل کتاب بھی اپنی بدنیتی، مادہ پرستی اور بد اعمالی کی وجہ سے صحائف ربانی سے محروم ہوگئے۔ حرص دنیا اور جاہ طلبی میں مقدس کتابیں تحریفِ مسلسل کا شکار ہوتے ہوتے معدوم ہوگئیں ساری دنیا پر شیطان کی بالادستی ہوگئی۔ کفر و شرک کی کالی گھٹائیں عالم پر محیط ہوگئیں۔ عرش سے رابطہ ٹوٹنا تھا کہ معصیت و طغیانی کا بازار گرم ہوگیا۔ انسانی اور اخلاقی قدریں پامال ہوگئیں۔ عفت و پاکدامنی کا دامن تار تار ہوگیا۔ کردار کی زبوں حالی اور اخلاقی پستی عام ہوگئی

اشرف مخلوق اپنی درندہ خصلتی، حیوانی خواہشات اور شرمناک حرکات سے جانوروں سے بھی زیادہ ارزل و ابتر ہو گئی۔ بے گناہ بچیاں زندہ درگور کی جانے لگیں۔ ماں کی حرمت کا بھی پاس نہ رہا۔ بیوہ عورتیں زندہ نذر آتش ہونے لگیں۔ شراب نوشی، قمار بازی، بے دینی بد دیانتی، جنگ وجدال، ظلم وستم، درندگی و بربریت، اور جبر واستبداد سے انسانی روح ماتم کناں تھی۔ زخم خوردہ روح انسانیت نالہ وفغاں بلند کر رہی تھی۔ اور حسرت سے اپنے مسیحا کی جستجو میں تھی۔ اس عالم گیر جہالت وگمرہی سے نجات کے لئے ایک عالم گیر انقلاب آفریں ہادی کی ضرورت تھی۔ ادھر انسانیت کا نجات دہندہ، محسن اعظم، مسیحائے کائنات وسط عالم مکہ مکرمہ میں ظہور فرما چکا تھا۔ اور انسانوں کی زبوں حالی سے بے قرار، اصلاح معاشرہ کے لئے فکر مند اور انسانیت کا درد سینے میں لئے غار حرا کی تنگی و تاریکی میں ہدایت کی روشنی اور فراخی طلب کرنے، خرابۂ جہاں کو کشت نجات بنانے، گمراہ بنی نوع انسان کو راہ حق پر چلانے، رب سے شکستہ رابطہ جوڑنے، پراگندہ حیات انسانی کو ضابطۂ حیات دینے، ظلم وطغیانی کی ظلمتوں میں عدل وانصاف کی شمع روشن کرنے، مظلوموں کی خلاصی، یتیموں کی پشت پناہی، بیواؤں کی اشک شوئی، غلاموں کی آزادی، محتاجوں کی حاجت روائی، پرچم توحید ورسالت لہرانے اور حق وصداقت کی حکمرانی کے لئے اپنے رب رفیق اعلیٰ سے مناجات کر رہا تھا، کہ —

انسانیت کا نجم مقدر عروج پر آ گیا۔ حریم قدس الٰہی کے باب اجابت میں جنبش ہوئی، انسانی پراگندہ زلفوں کے سنورنے کا وقت آ گیا۔ وہ لذت ذکر الٰہی میں محو تھا۔ انوار مولیٰ کی تابشیں اسے اپنے جلو میں لئے تھیں کہ روح القدس کی آواز آئی "اقرأ" لذت مشاہدۂ ذات میں استغراق کا وہ عالم تھا کہ ملکوتی آواز سماعت گزار تو ہوئی مگر آپ نے توجہ نہ دی۔ فرمایا کہ مجھ پر وہ سرشاری کی کیفیت ہے کہ کچھ پڑھنے کا کہاں موقع۔ مشاہدۂ حق کے وقت قیل وقال کیسا۔ میں تو نہیں پڑھتا۔ ما انا بقارئ مگر حضرت جبرئیل امین مامور تھے حضور نبی رحمت صلے اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر زور سے دبایا۔ اگر حضرت جبرئیل امین مامور تھے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم جلوۂ مشاہدۂ حق سے معمور تھے۔

چنانچہ ملکوتی قوت کے باوجود حضرت جبرئیل خود تھک گئے۔ اسی طرح دوبارہ اور قوت بھر کوشش کی مگر حضور نے نہ پڑھا۔ آخر کار حضرت جبرئیل نے رب کے نام کا واسطہ دیا تو حضور نے پڑھنا شروع کیا۔ جیسا کہ بخاری شریف میں تفصیل موجود ہے۔ (اقرأ باسم ربك۔ یہیں سے صحیفۂ ربانی کے نزول کا آغاز ہوا۔

یہ تقریباً اگست ۶۱۰ء میں رمضان کا واقعہ ہے — جیسا کہ خود صحیفۂ ربانی کا ارشاد ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هدى للناس و بينات من الهدى وَالْفُرْقَانِ ۔ ماہ رمضان میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

پھر صحیفۂ ربانی کے نزول کا سلسلہ شروع ہوا تو ۲۳ برس کی مدت تک جاری رہا۔ حتیٰ کہ نزول کی آخری آیت کریمہ واتقوا یوماً ترجعون فیه الی الله، ہے۔

مکی قیام کی مدت تقریباً ۱۳ سال میں ۹۰ سورتیں نازل ہوئیں۔ اور مدنی قیام کے دس سالہ دور میں ۲۴ سورتوں کا نزول ہوا۔

صحیفۂ ربانی کے نزول کی کیفیت کیا رہی۔ اس کی صراحت خود اس کی زبان سے ملاحظہ فرمائیں:- وقال الذین کفروا
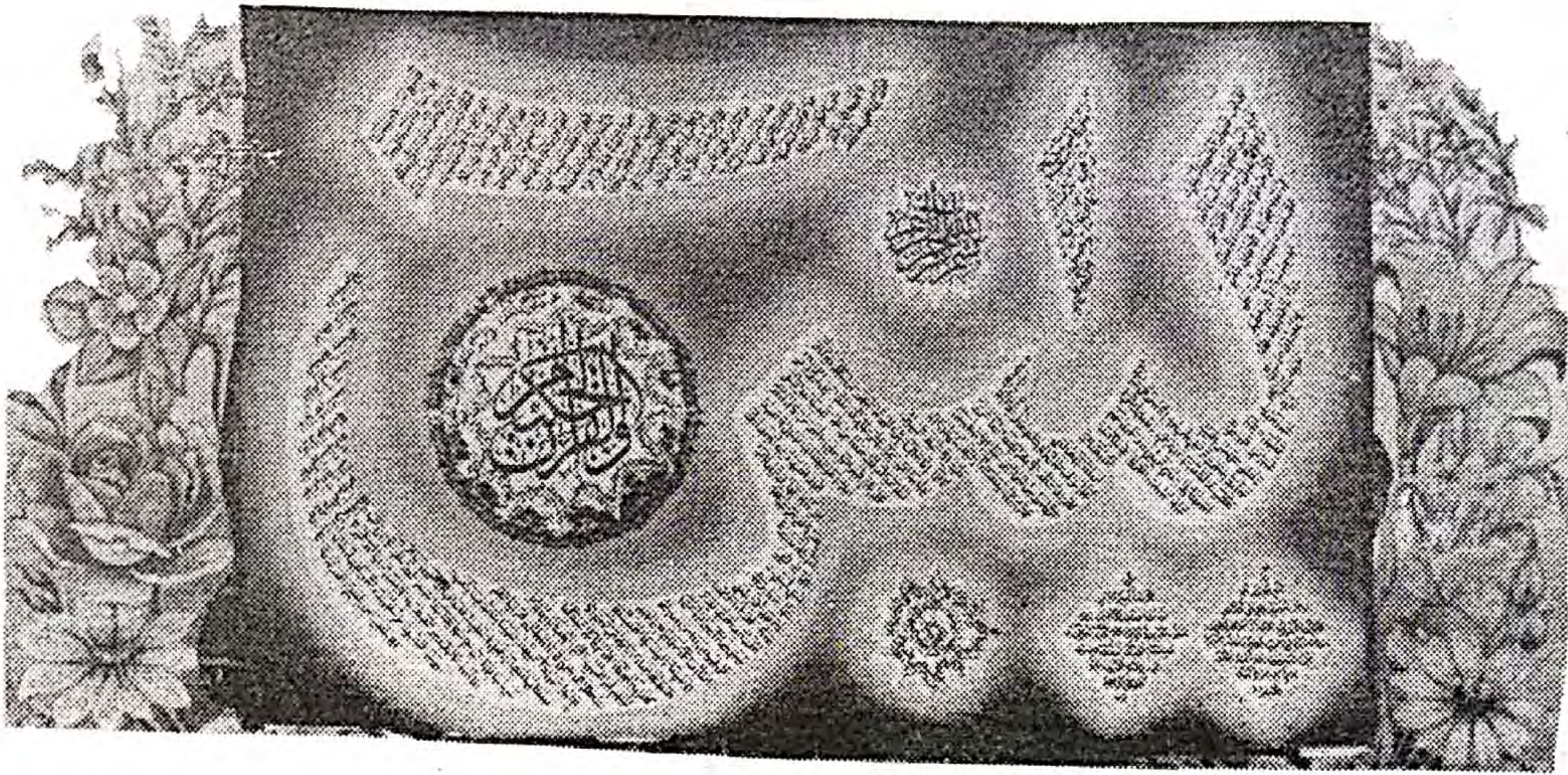
لولانزل علیه القرآن جملة واحدة كذالك لنثبت به فوادک ورتلنا ہ ترتیلا۔ اور کفار کہتے ہیں کہ ان کے اوپر قرآن بیک دفعہ کیوں نہ اتارا گیا۔ تو ہم اس طرح اتار رہے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ تمہارے قلب کو مضبوط و متحمل کرتے رہیں۔ اور ہم نے اسے پورے اہتمام کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر تھوڑا تھوڑا سنایا ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ قرآن عام تصانیف کی طرح نہیں۔ جن میں خالص علمی اور فنی انداز میں ایک خاص موضوع پر بحثیں ہوتی ہیں۔ بلکہ یہ صحیفۂ ربانی ہے۔ ایک منظم ہدایت نامہ ہے۔ ضابطۂ حیات ہے۔ آئین الہٰی ہے اور ایک ارتقائی دعوت ہے۔ جس کو مختلف حالات، مختلف مراحل سے سابقہ پڑا۔ چنانچہ کہیں تو انداز بیان میں شستگی، روانی، اثر آفرینی اور حلاوت کے جوہر دکھائے گئے، تو کہیں دریا کی روانی، سیلاب کا زور اور طوفان کی تندی نظر آتی ہے۔ چنانچہ یہ تو دعوت کا فطری تقاضا تھا کہ حالات کے مطابق ٹھہر ٹھہر کر موقع بہ موقع ہدایتیں آئیں۔ نزول کے دوران، مراحل دعوت کے مختصر حالات کا جائزہ اس موقع پر ضروری ہے۔

محسنِ اعظم، ہبطِ صحیفۂ ربانی محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا کوہ فاران سے اعلان نبوت کرنا تھا یاایها المدثر قم فانذر و ربك فكبر کے تحت اللہ کی توحید کی صدا بلند کرنی تھی اور اپنی رسالت کا اظہار کرنا تھا کہ قوم میں ایک ہیجان برپا ہو گیا۔ رد و انکار ہی نہیں غیظ و غضب کے شعلوں سے فضائے مکہ مشتعل ہو اٹھی۔ صداقت و امانت کے اقراری ضد اور ہٹ دھرمی پر کمربستہ ہو گئے۔ چند لوگوں کو سماع قبول کی توفیق ہوئی مگر عام ردعمل انکار و عناد کا تھا۔ اور یہ خلاف توقع نہ تھا۔

مشرکانہ عقائد، باطل نظریات، فاسد اعمال ان کے رگ و پے، قلب و دماغ میں سرایت کر چکے تھے۔ مسلسل اور متوارث بے قید لذت کوشی اور ہوس رانی کوئی پابندی کیسے گوارہ کرتی۔ ان سے دست برداری پر کیسے آمادہ ہوتے۔ مگر داعی الی اللہ نے اس سے مایوس ہو کر اپنی دعوت توحید و رسالت کو معرضِ التوا میں نہ ڈالا۔ بلکہ روح ہدایت سے محروم مردہ مشرکوں میں زندگی کی لہر، حرارت و حرکت دوڑانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ سلسلۂ تبلیغ و اشاعت رفتہ رفتہ رو بہ ترقی تھا۔ لوگ دامنِ اسلام سے وابستہ ہوتے رہے۔ لیکن دائرۂ اسلام کی نسیم سحر رفتار سے کہیں زیادہ کفر و شرک، عناد و غضب کی گرم دھارائیں تند و تیز تھیں۔ جو ظلم و بربریت کا روپ اختیار کرتی جا رہی تھیں۔ ایک طرف مسلمانوں کی بے سروسامانی تھی۔ اور دوسری طرف کفار کے پاس کون سا سرمایہ نہ تھا۔ طاقت و ثروت، دولت و کثرت، ساری قوتیں تھیں۔ ارکان اسلام کی اعلانیہ ادائیگی ممنوع تھی۔ آخر کار ایذا رسانیاں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (البقرة)

صدق اللہ العظیم

اپنی تمام تر مولناکیوں کے پیرہن میں آگئیں۔ قریش کے سارے قبیلوں نے اس نورانی رشتہ کو مادہ سے منقطع کرنے، اور حامل صحیفۂ ربانی کی شمع حیات و ہدایت گل کرنے کی سازش مکمل کرلی، مگر دانائے غیب کی خفیہ تدبیروں کا دست توانا ان کے مکر سے کہیں زیادہ مضبوط تھا۔ امن و راحت، جمال و لطافت رحمت و برکت، الفت و محبت، ہدایت و سعادت کی بستی کی طرف ہجرت کی ہدایت ہوئی۔ جیسے مدینۃ النبی اور دیار حبیب ہونے کا شرف حاصل ہونا تھا۔ اس طرح کفر و شرک کے سرغنوں کا سر خاک آلود ہو گیا۔ اور منصوبۂ شر خاک میں مل گیا۔

اہل ایمان کو مصائب سے تو اتنی نجات نہ ملی۔ ہاں انھیں آزاد ماحول میسر آگیا۔ صحیفۂ ربانی کے خطاب کا دائرہ وسیع ہوا۔ مشرکوں کے ساتھ اہل کتاب بھی مخاطب تھے۔ جہاں یہ تدریجی ارتقا ہوئی وہیں کفار اور اہل کتاب نے ایذا رسانی کی بھر اس نہ نکل سکنے پر اور اس نورانی، روحانی، عرفانی انقلاب آفریں تحریک پر پابندی نہ لگا سکنے پر آخر کار مشترکہ خفیہ سیاسی سازشیں شروع کیں۔ اسلامی معاشرہ میں ایمانی لباس زیب تن کئے جھوٹے مدعی بھی داخل ہو گئے۔ اس طرح اب محاذ کے دو رخ وجود میں آئے۔ داخلی اور خارجی ایک مشرکین و اہل کتاب دوسرے منافقین جنھوں نے عمارت اسلام کو مسمار کرنے کے لئے اسے اپنی کمین گاہ بنالی تھی۔ ادھر مشرکین مکہ نخل اسلام کی مسلسل بارآوری اور ثمر بخشی نیز پیہم ترقی سے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔

مدینہ کے کفار اور اہل کتاب سے رابطہ قائم کیا گیا۔ ابھی مدینہ طیبہ میں دو سال بھی نہیں گذرے تھے کہ جنگ کی گھٹائیں منڈلانے لگیں۔ ادھر سے مشرکین مکہ پیہم یورشیں کرتے رہے ادھر اہل کتاب نظریاتی فتنے برپا کرتے رہے اور منافقین الگ مسلسل اندرونی خطرہ بنے رہے مگر اسلام کی بنیادیں مضبوط ہو چکی تھیں، مخالف طاقتیں مرعوب و مغلوب ہونے لگیں۔ جنگ

کی جگہ اب صلح پر آمادہ ہونے لگیں۔ مگر سینے میں عناد کی آگ ابھی شعلہ زن تھی۔ انجام کار عہد شکنی کی۔ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اب پورے کروفر کے ساتھ فاتحانہ شان سے بلامقابلہ مکے میں داخل ہوتے ہیں۔ دشمنوں کو تعارض کی جرأت نہیں مرکزِ دین، کعبۂ مکرمہ کو شرک کی علامتوں سے پاک کرتے ہیں اب ایمانی کارواں کی حیثیت سیلِ رواں کی ہو جاتی ہے۔ جوق در جوق، قافلہ در قافلہ، قبیلہ در قبیلہ لوگ دامن اسلام سے وابستہ ہونے لگے۔ بیعت رشد و ہدایت لیتے رہے۔ اس طرح مسلم معاشرہ اب اپنے نشو و نما کے فطری، اور ضروری مرحلوں سے گذرتا ہوا ہر حیثیت سے ایک مکمل معاشرہ ایک مکمل دین ہو جاتا ہے۔ اور صحیفۂ ربانی کا اعلان ہوتا ہے

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ آج تمہارے لئے دین مکمل کر دیا۔ اپنی نعمتیں پوری کر دیں اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

یہ ہے دین حق اسلام کے ارتقائی سفر کی ہلکی سی جھلک ظاہر ہے کہ ایسی صورت حال میں حالات کے تقاضوں کے مطابق موقع بہ موقع جزء جزء کر کے ہی صحیفۂ ربانی کا نزول، ہونا تھا یعنی ابتدا میں بنیادی امور توحید و رسالت کی باتیں اس کی حقانیت کی دلیلیں، عقائد میں استحکام کی تاکیدیں، پھر کفار سے مقابلہ کی جرارت، حق کی فتح اور باطل کی شکست کی یقین دہانی پھر احکام کی تفصیل زندگی کے ہر شعبے کے لئے ضابطے۔ حالات کی سازگاری پر عرب کے گردونواح اور دور دراز ممالک کی قوموں تک دائرۂ تبلیغ و ہدایت کی وسعت۔

ظاہر ہے کہ جیسے جیسے مختلف طرز فکر و عمل رکھنے والی قوموں سے سابقہ پڑتا گیا صحیفۂ ربانی کے مضامین کا تنوع بڑھتا گیا۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری لمحات میں نزول وحی کا سلسلہ تیز تر ہو گیا۔ تاکہ پیغام کی تکمیل ہو جائے۔ جیساکہ حدیث شریف میں مذکور ہے:

ان اللہ تابع علی رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل وفاتہ حتی توفاہ اکثر ما کان الوحی۔

جیساکہ عرض کیا جا چکا کہ صحیفۂ ربانی کا نزول ایک ہی بار میں نہیں بلکہ ضرورتوں اور حالات کے تقاضوں کے پیش نظر ترتیلاً ہوا۔ چنانچہ ایک سورۃ کے مختلف اجزا مختلف وقتوں، میں نازل ہوئے۔ اور ان کے درمیان دوسری صورۃ کے بھی کچھ اجزا اترے۔ کبھی ایسا ہوا کہ ایک سورہ ابھی تکمیل کو بھی نہ پہونچی کہ دوسری سورہ کا آغاز ہو گیا۔ اور وہ اتمام کو پہونچ گئی جب کہ پہلی سورۃ ابھی ناتمام رہی۔ اور بعد میں مکمل ہوئی۔ یہ حالات کے تقاضے تھے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل علیہ السور ذوات العدد فکان اذا تنزل علیہ شی دعا بعض من کان یکتب فقال ضعوا ھولاء الایات فی السورۃ التی یذکر فیہا کذا وکذا حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر بیک زمانہ کئی سورتیں اترا کرتی تھیں۔ تو جس وقت کچھ نزول ہوتا اپنے کسی کاتب کو بلا کر آپ فرما دیتے کہ ان آیتوں کو فلاں سورۃ میں رکھو۔

صحیفۂ ربانی قرآن عظیم کی تدوین میں نزولی ترتیب کی رعایت نہیں رکھی گئی۔ کیونکہ ایک تو اس طرح ممکن نہ تھا جیساکہ عرض کیا گیا کہ بعض مرتبہ کئی سورتیں باہم متداخل نازل ہوئیں۔ حالات بھی تو ایسے تھے جنھیں حالات در حالات سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اب پورے سلسلۂ وحی کو مدون کرنے کے لئے وہ ترتیب کسی طرح موزوں نہ تھی۔ جو روزمرہ کی ضرورتوں اور حالات کے تقاضوں پر مبنی تھی۔ اب تو ایسی ترتیب درکار تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک رونما ہونے والے حالات پر مشتمل ہو۔ اور ان کے لئے مشعلِ ہدایت بن سکے۔

اگر اس نزولی ترتیب کا ہی خیال رکھا جاتا تو "صحیفۂ ربانی" وحی الٰہی کا ایک "مجری روز نامچہ" تو ضرور بن جاتا۔ مگر اس سے ہدایت کے چشمے نہ پھوٹ سکتے۔ اور اس کی بے شمار روح پرور حقیقتیں گم ہو کر رہ جاتیں۔ اور ابدی سرچشمۂ ہدایت اور غیر مبدل آئین الٰہی کی حیثیت قائم نہ رہ پاتی۔ کلام میں حسن تناسب، اور روانی کا جوہر بھی نہ رہ جاتا۔ جو کشش و جاذبیت کا اولین ذریعہ ہے۔

مگر یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ یہ موجودہ ترتیب انسانی نہیں بلکہ وہی الٰہی اور ربانی ترتیب ہے جو لوح محفوظ میں
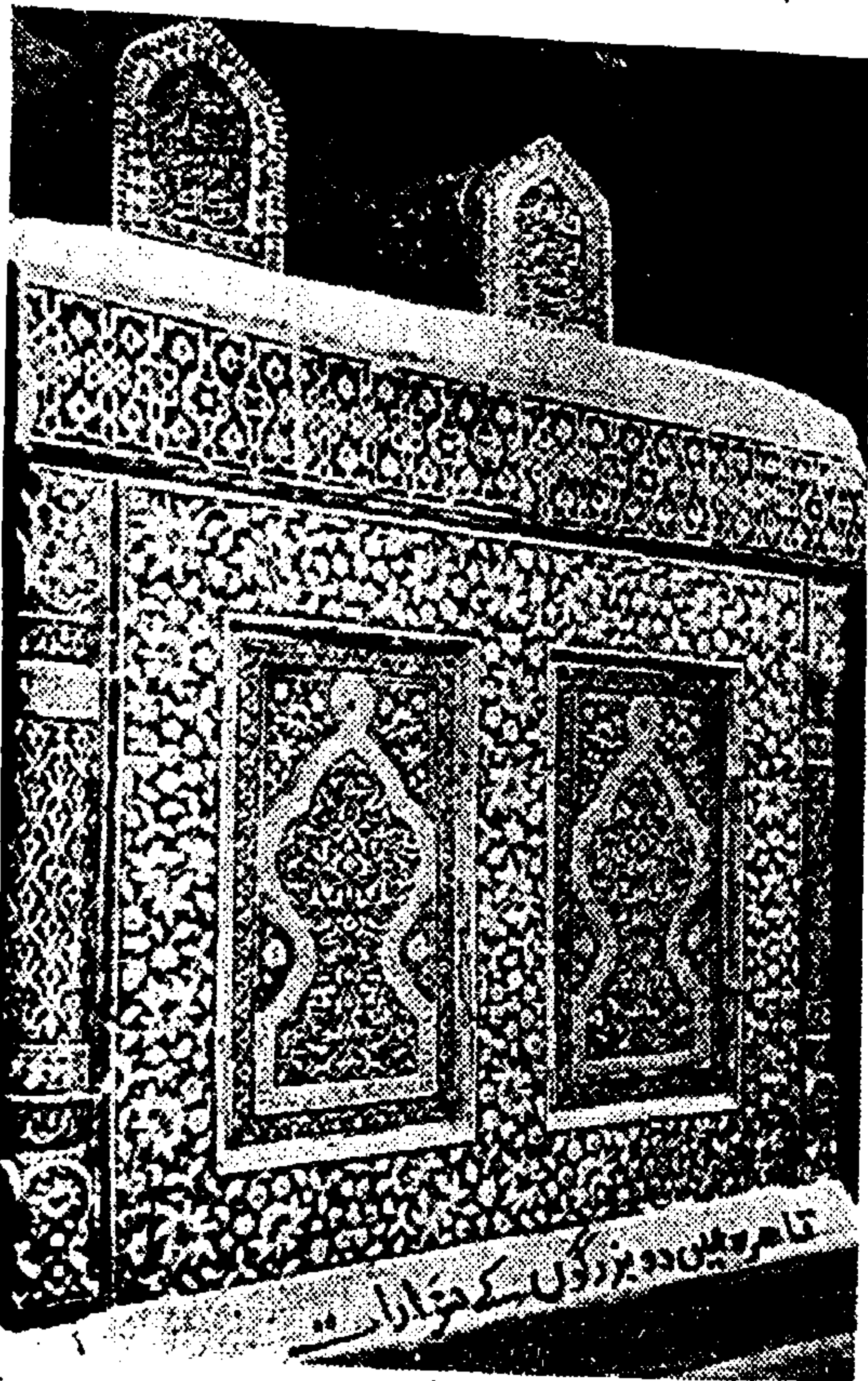
محفوظ ہے۔ قرآن مجید فی لوح محفوظ اللہ تعالےٰ کی ہدایت کے مطابق اس کے محبوب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے انجام پائی۔ جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث سے واضح ہو چکا ہے۔ اور جیسا کہ صحیفۂ ربانی کا خود ارشاد ہے ان علینا جمعہ وقرانہ فاذا قرانٰہ فاتبع قرانہ اے محبوب لوگ یقین رکھیں کہ قرآن کا جمع کرنا اور پڑھ کر سنانا ہمارے ذمۂ کرم پر ہے تو جب ہم اسے پڑھ کر سنا دیں تو اسی کے مطابق آپ بھی پڑھیں۔

مزید تائید ملاحظہ ہو۔

فضائل بخاری شریف "فضائل القرآن" میں ہے کان یعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم القرآن کل عام مرۃ فعرض علیہ مرتین فی العام الذی قبض۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور نبی رحمت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہر سال رمضان میں ایک بار پڑھ کر قرآن سنایا کرتے تھے۔ اور جس سال آپ کا وصال ہوا آپ کو دو بار پڑھ کر سنایا۔ ظاہر ہے کہ یہ سنانا ہو قرآن مجید فی لوح محفوظ کے مطابق ہی رہے گا۔

تاریخی شواہد سے اور احادیث کریمہ کی روشنی میں یہ قرآن صحیفۂ ربانی حضرت کی حیات طیبہ میں ہی حفاظ کے سینوں میں محفوظ اور نوشتوں میں قلم بند ہو چکا تھا۔ خلیفۂ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ارتداد کا طوفان اٹھا اور اسے فرو کرنے کے لئے صحابہ کرام کو خونریز جنگیں کرنی پڑیں۔ تو ان میں کثیر تعداد میں حفاظ شہید ہوئے۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیال آیا کہ الواح قلب پر محفوظ قرآن باقاعدہ الواح قرطاس پر بھی آجائیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی منظوری دے دی۔ اس طرح حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کاتب وحی کی سربراہی میں تمام منتشر اجزا جمع کئے گئے۔ حفاظ قرآن سے بھی مدد لی گئی۔ اس طرح "صحیفۂ ربانی" قرآن مجید، کا مستند نسخہ کمال تفحص و احتیاط کے بعد مرتب کر کے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا زوجۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھ دیا گیا۔ یہی سرکاری نسخہ تھا جس کی نقل کی عام اجازت تھی۔ مگر جیسے جیسے اسلامی حکومت کی وسعتیں عرب سے متجاوز ہو کر عجم کے علاقوں تک پھیل گئیں، تو عرب و عجم کے اختلاط سے عربی زبان متاثر ہوئی۔ صحیفۂ ربانی کے لئے یہ اختلاط فتنوں کا سامان بن سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے تمام ممالک اسلامیہ میں صحیفۂ ربانی کی نقلیں پورے اہتمام کے ساتھ بھجوا دیں۔

صحیفۂ ربانی کے تحفظ کی یہ ساری کوششیں تقاضہ تھیں اس اعلان الٰہی کا انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون چنانچہ عثمانی دور کے یہ نسخے آج بھی مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، دمشق، اور مراکش وغیرہ میں موجود ہیں The Bible The Quran and Science میں فرانسیسی مفکر ماریس بکیلے رقم طراز ہے:۔

Another fundamental difference in the scriptures of Christianity and Islam is the fact that christianity does not have a text which is both revealed and written down Islam however has the Quran which fits this description"

مورّی (پاکستان) کی ایک مسجد کا خوبصورت منظر

اسلام اور عیسائی صحائف میں دوسرا بنیادی فرق یہ ہے کہ عیسائیت کے پاس کوئی ایسا صحیفہ نہیں ہے جو منزل من اللہ اور منضبط ہو۔ جب کہ قرآن صحیفۂ ربانی کے اس معیار پر پورا اترتا ہے۔ کیونکہ مسیحی صحائف حضرت عیسیٰ کے صدیوں بعد لکھے گئے

''The Gospels were written decides after gesus''

مزید لکھتا ہے کہ منتخب چار صحیفوں کے مرتبیں ان واقعات کے عینی شاہد نہیں جو وہ بیان کرتے ہیں بخلاف صحیفۂ ربانی قرآن عظیم کے۔

The authars four canonic Gospels were not the witnesses of the events they relate''

''The Quran is the expression of the revelation made to Muhammad by the Archangel Gabriel which was immidiately taken down and was memorized and recited by the faithful in their prayers, specially during the month of Ramadan, Mohammad.

Himself arranged it into suras and these were collected soon.

قرآن بلاشبہ صحیفۂ ربانی ہے جس کا نزول محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت جبرئیل کے ذریعہ ہوا۔ اور فوراً ضبط تحریر میں حضور ہی کی ہدایت کردہ ترتیب کے مطابق سورتوں کی شکل میں آگیا۔ مومنین نے یاد کرلیا۔ اور رمضان میں نمازوں میں دور ہوتا رہا۔ اور فوراً ہی حضور کے وصال کے بعد صحیفہ کی شکل میں مدوّن ہوگیا۔ یہ بات اور صحائف کو میسر نہیں۔

قرآن کے صحیفۂ ربانی ہونے کا ثبوت اس کا وسیع کائنات، سائنسی حقائق و معلومات اور اعداد و شمار سے بحث ہے

'The Quran did not contain a single statement that was assailable from modern scientific point of view.''

قرآن میں ایک بیان بھی ایسا نہ ملے گا جس کی تائید جدید سائنسی نقطۂ فکر سے نہ ہو۔ جو مسیحی یہودی صحائف کو میسر نہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

نام نامی

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

کی

داعیانہ زندگی

مولانا حکیم محمد خلیل صاحب جائسی

تبلیغ کا لغوی معنی، پہونچانا یا پیغام پہونچانا ہے۔ شرعی اصطلاح میں رسول کا بہ طریق احسن اللہ تعالیٰ کے پیغام و احکام کو اس کے بندوں تک پہونچا دینا تبلیغ کہلاتا ہے۔

لفظ تبلیغ کے علاوہ قرآن پاک میں مذکور الفاظ انذار، بشارت دعوت، اور تذکیر بھی اسی مفہوم کو ادا کرتے ہیں۔

یہ حقیقت بھی ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ ائمہ کرام، علمائے عظام مجاہدین و سیاحین اور عامۂ مسلمین نے اسلام کی اشاعت میں جو بھی جدو جہد کی، کر رہے ہیں، یا کریں گے وہ سب اصلاً تبلیغ رسول ہی ہے۔ کیوں کہ آپ نے اکثر اہم خطبات کے آخر میں ہدایت فرمائی کہ حاضرین ان احکام کو غیر موجود لوگوں تک پہنچا دیں۔ اور یہ ہدایت دور اوّل سے تاقیام قیامت ہر فرد مسلم کے لئے ہے کہ دین کی جو باتیں اس تک پہونچیں وہ دوسروں تک پہونچاتا رہے۔ اس ارشاد نبوی کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ اشاعتِ دین کی ساری کوششیں حقیقت میں تبلیغ رسول ہی ہیں۔

تبلیغ کو اس کے وسیع معنی اور پس منظر میں دیکھا جائے۔ تو تربیت کے ان غیر مرئی مرحلوں سے قطع نظر کر کے جو ولادت کے قبل سے لے کر عہد طفولیت کے چند ابتدائی سالوں کے بعد جیسے ہی قوت فکر سرگرم ہوئی، تنہائی میں غور و فکر اور خدا کی ہر مخلوق پر تجسس کی نگاہ ڈالتے ہوئے اس کے پس منظر میں اس کے خالق و مالک اور مربی کو مرکز غور و فکر بنانا آپ کا محبوب مشغلہ بن گیا۔ شروع کا، تھوڑا عرصہ ضرور استغراق اور تنہائی و خاموشی میں گذرا لیکن جلد ہی اس فکری عمل سے حاصل ہونے والے عرفانی سرمایہ کی تقسیم و تنفیذ بھی شروع ہو گئی۔ اور اس طرح تربیت و تبلیغ دونوں آپ کی ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم سفر رہے اور اب وہ مرحلہ آن پہونچا کہ آپ کو منصب نبوت پر فائز کر کے یا ایّھا المدّثّر قم فانذر

اے پیارے چادر پوش آپ اٹھ کھڑے ہوں اور قوم کو ڈرائیں یا کے ذریعہ موقفِ نبوت (تبلیغ اسلام) کی جانب توجہ دلائی جائے۔

اے پیارے وہ کڑی منزل آن پہونچی جس کے لئے تربیت کے مختلف مراحل طے کرائے گئے تھے۔ اٹھئے اور پیغام خداوندی کو اس کے بندوں تک پہونچانے کے عمل کا آغاز کیجئے۔ پھر وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ شعراء (اپنے سب سے قریبی خاندان والوں کو ڈرائیے) کہہ کر یہ بتایا گیا کہ تبلیغ اپنے خاندان کے قریبی افراد سے شروع کی جائے۔

چنانچہ ہادیٔ اعظم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے منصبی فرض کو بروئے کار لاتے ہوئے دنیائے شرک وکفر کے ساختہ پرداختہ خداؤں کی خدائی کو پاش پاش کرنے والی پہلی انقلابی آواز بلند فرمائی۔ یعنی فاران کی چوٹی پر کھڑے ہوکر اپنے قریبی اعزاء اور سرداران قبائل کو پکارا۔ پھر ان کے جمع ہونے پر اپنے بارے میں ان کے نفسی تاثرات کا جائزہ لینے اور ان کو خود اپنے قول کا پابند بنانے کے لئے فرمایا کہ:۔

"اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک حملہ آور فوج چلی آرہی ہے تو کیا تم مجھ پر بھروسہ کروگے؟"

مجمع کی طرف سے جواب دیا گیا "بیشک ہم نے آپ کو ہمیشہ سچ بولتے پایا ہے۔" اور پھر آپ نے دنیائے تبلیغ کا وہ مختصر ترخطبہ ان الفاظ کے ساتھ تاریخ میں ہمیشہ کے لئے ثبت فرما دیا۔

"تو پھر میں یہ کہتا ہوں کہ خدا پر ایمان لاؤ اے بنو عبدالمطلب اے بنو عبد مناف، اے بنو زہرہ، اے بنو تمیم، اے بنو مخزوم، اے بنو اسد ورنہ تم پر سخت عذاب نازل ہوگا۔"

اس آوازِ حق کو سنتے ہی سارا مجمع طیش اور غصہ میں بھر گیا۔ اور وہی لوگ جو آپ کی صداقت اور امانت پر مہر تصدیق ثبت کر چکے تھے، تضحیک، تذلیل، بدزبانی، اور بداخلاقی کی اس پستی پر اتر آئے جو ہر گمراہ اپنی خود فریبی کے جال کو ٹوٹتا اور ہر اقتدار کا پجاری اپنے عیش وعشرت کے ضامن پیشہ کو خطرہ کی زد میں دیکھتا ہے۔ خصوصاً اکابر قریش اور بالخصوص ابولہب نے ذلت اور کمینگی کے دوسرے الفاظ کے علاوہ معاذ اللہ لفظ غارت بھی استعمال کیا اور کہا:

"آج ہی کے دن ایسی بات تھی جس کے لئے تم نے ہم کو جمع کیا؟"

دعوت وتبلیغ عام کے لئے دوسرے قدم کے طور پر سارے خاندان عبدالمطلب کو کھانے پر بلایا۔ مجمع میں حضرت حمزہ حضرت عباس اور ابوطالب بھی تھے۔ کھانے سے فراغت کے بعد آپ نے ایک مختصر تقریر میں فرمایا کہ:

"جس پیغام کو لے کر آیا ہوں یہ دین اور دنیا دونوں کا کفیل ہے۔ کون اس مہم میں میرا ساتھ دیتا ہے؟"

"سب ہی پر گہری خاموشی مسلط تھی کہ اچانک ۱۳ سال کے ایک لڑکے کی آواز اٹھی" اگرچہ میں آشوبِ چشم میں مبتلا ہوں، اگرچہ میری ٹانگیں پتلی ہیں اور اگرچہ میں ایک بچہ ہوں لیکن آپ کا ساتھ دینے کا عہد کرتا ہوں۔"

یہ ان کی آواز تھی جو آگے چل کر "اسد اللہ الغالب" کے لقب اور "کرم اللہ وجہہ" کے خصوصی کرم سے نوازے گئے۔

تیسرے مرحلے کے طور پر ایک دن آپ نے حرم کعبہ میں کھڑے ہوکر توحید کا اعلان فرمایا۔ مشرکین دوڑ پڑے۔ آپ کو گھیرے میں لے لیا۔ حارث بن ابی ہالہ شور سن کر دوڑتے ہوئے آئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بچاتے ہوئے شہید ہوگئے اسلام کی حمایت میں یہ پہلی شہادت تھی۔ اور اب باضابطہ محاذ قائم ہوگیا۔ آپ کے راستے میں کانٹے بکھیرنا، آپ کے اوپر گرد وغبار، کوڑے کرکٹ پھینکنا، اونٹ کی منوں بوجھل اوجھڑی آپ کی گردن مبارک پر ڈال دینا، کپڑے کا پھندا گردن مبارک میں ڈال کر کھینچنا، گالیوں، الزامات اور اتہامات کی بوچھار، شاعر، جادوگر، مجنوں، صابی، دولت، حکومت اور عورت کا پجاری۔ غرض جن جن گندگیوں اور برائیوں میں وہ ملوث تھے ان سب کو معاذ اللہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردیا تھا۔ اور ہر وہ حربہ جس سے معاذ اللہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت اور تکلیف پہونچے، اس کو عمل میں لانا انھوں نے اپنے اوپر ضروری قرار دے لیا تھا۔

قرآن پاک نے خود حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ (الفرقان) اور پھر فَضَلُّوْا کہہ کر ان کی گمراہی پر مہر لگادی۔

ان کے الزامات کا ترکش ابھی خالی نہیں ہوا تھا۔ کبھی وہ معاذ اللہ آپ کے اوپر جن کا اثر، کبھی کسی رومی یا نصرانی غلام سے پوشیدہ تعلق اور ساری تعلیمات کو ان کی طرف نسبت دینا، کبھی یمامہ کے عبدالرحمٰن نامی شخص کی طرف آپ کے تبلیغی مواد کو منسوب کرنا، کبھی کسی ایسی نشانی کا مطالبہ کرنا جو ایمان لانے پر مجبور کردے کبھی قرآن پاک کو آسمانی کتاب کہنے پر یہ مطالبہ کرنا کہ کتاب اسی طرح اترے۔ ______

______ کہ ہم اپنی آنکھوں سے اترتی ہوئی دیکھ کر ماننے پر مجبور ہو جائیں۔ کبھی یہ کہنا کہ کوئی فرشتہ یا معاذ اللہ، خود تمہارا خدا اتر کر کیوں نہیں آتا کہ سارا جھگڑا ہی ختم ہو جائے۔

غرض اذیت رسانی، تضحیک، مطالبات اور بیہودگی کے اس طوفان میں کبھی کبھی آپ سخت بے چینی، کرب اور مایوسی محسوس کرتے۔ اس حالت میں خدائے برتر کی طرف سے آپ کو صبر و ضبط کی تلقین کی جاتی۔ کما قال

خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاھلین (اعراف ۱۹۹)

(عفو و درگذر کیجئے، اچھی بات کا حکم دیجئے اور جاہلوں کو نظر انداز فرمائیے) کے مختصر اور جامع قول سے آپ کو تسکین دی جاتی۔ اور پھر بے شک آپ نے اس تلقین پر عمل درآمد کے شاندار ریکارڈ قائم کئے سخت سے سخت اذیت اور گھٹن کے باوجود ہدایات کی ان موتیوں کو پیش کرنے میں سرمو فرق نہ آنے دیا۔

آپ کے چچا ابوطالب سے بار بار مختلف انداز میں شکائتیں کی گئیں کہ کسی طرح آپ کی تبلیغی جد وجہد میں رکاوٹ حائل ہو جائے حتیٰ کہ آخری حربہ مختلف قسم کی لالچ کی صورت میں استعمال کیا گیا۔ لیکن نہ صرف اس کو ٹھکرا دینے بلکہ اگر چاند، اور سورج بھی ہاتھوں میں رکھ دیئے جائیں تو ان کو بھی رد کر دینے کے پرعزم جواب نے آخر کار چچا کو متاثر کیا اور انھوں نے کمال شفقت سے کہا کہ جائیے اور بلا جھجک جو چاہے کیجئے۔

"میں کسی چیز کی وجہ سے تم کو نہیں چھوڑوں گا"

ایک دوسرے موقع پر کفار نے ایک ایسا معاہدہ چاہا کہ نہ وہ میرے معاملات میں دخل دیں نہ ہم ان کے معاملات میں۔ چچا نے آپ کو بلایا۔ ساری بات عرض کی گئی۔ سن کر فرمایا! "اے قریش میرے اس کلمہ کو مان لو تو عرب و عجم سب تمہارے زیرنگیں ہوں گے۔" ابوجہل نے تنک کر کہا "ہاں آپ کے باپ کی قسم! ایک کیوں دس کلمے چلیں گے۔" دوسرے نے کہا "یہ شخص تو خدا کی قسم تمہاری مرضی کی کوئی بات ماننے والا نہیں۔"

اس گفتگو سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اس انقلاب کے داعی صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے چند انقلابی ساتھیوں نے انقلابی تحریک کے لئے وہ سازگار فضا بنائی تھی اور اپنی طاقت اور وزن کو اس حد تک منوا لیا تھا کہ قریش اقتدار کے سارے وسائل پر قابض ہوتے ہوئے اپنی بے بسی کو محسوس کرنے لگے تھے اس لئے اب وہ مقابلہ کی جگہ مصالحت کو ترجیح دینے لگے۔

محض رخنہ اندازی کے لئے یہ بھی کہا گیا کہ آپ گھٹیا لوگوں غلاموں اور لونڈوں سے اپنا ماحول پاک کریں تو ہم لوگ آپ کے ساتھ بیٹھنے اور آپ کی بات سننے کو تیار ہیں۔ قرآن پاک نے فوراً ان کے چہرہ سے مکاری کے غلاف کو چاک کر دیا کہ یہ وہی چال ہے جو دیگر انبیائے کرام کے ساتھ معاندین کرتے رہے ہیں۔ مثلاً

حضرت نوح علیہ السلام کے سامنے بھی ایسی ہی بات رکھی گئی تھی۔ (ہود ۔ ۲۷)

آپ ان ساتھیوں کو معاندین کی خوشنودی کے لئے اپنے قرب سے ہرگز محروم نہ کریں جو صبح و شام خدا تعالیٰ کا نام پکارنے والے ہیں۔ (انعام ۔ ۵۲) آپ ان مومنین کے لئے نرم ہو جائیں جنھوں نے آپ کی اتباع کی (الشعراء ۔ ۲۱۵)

بلکہ جب ایک بار ایک صاحب اثر مخالف سے گفتگو کے دوران آپ کے ایک جاں نثار ابن ام مکتوم (نابینا) کی آمد کچھ ناگوار لگی تو فوراً توجہ دلائی گئی (عبس ۔ ۱ تا ۱۰)

ایک بار قریش کی ایک جماعت اپنے مذہب کی دھجیاں اڑائے جانے کے مسئلہ پر غور و خوض کر رہی تھی۔ عتبہ بن ربیعہ نے پیش کش کی کہ اگر اجازت ہو تو میں بھی سامنے بیٹھے ہوئے شخص (صلے اللہ علیہ وسلم) سے مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کروں۔ اجازت دی گئی۔ وہ حاضر خدمت ہوا۔ بے حد تعریف

وتوصیف کی۔ پھر کہا کہ آپ نے قوم کو بڑی الجھن میں ڈال دیا ہے ان کے اکابر کو احمق، بتوں کو برا کہا ہے۔ اور سخت کش مکش کی فضا پیدا کر دی ہے۔ میں آپ کے سامنے کچھ پیش کش لایا ہوں اس پر غور فرمائیں اور ان میں سے جو بات پسند ہو قبول کریں آپ نے فرمایا کہو۔ میں سنوں گا اے ابوالولید۔

عتبہ نے کہا:۔

۱۔ اگر آپ کا منشا حصول دولت ہے تو میں اتنی دولت دینے کو تیار ہوں کہ سب سے بڑے مالدار بن جائیں۔

۲۔ اور اگر سرداری مطلوب ہے تو بالاتفاق سردار بنانے کے لئے ہم سب تیار ہیں۔

۳۔ بادشاہت چاہتے ہیں تو ہم خوشی سے بادشاہ بنا لینے پر آمادہ ہیں۔

۴۔ اور اگر (معاذ اللہ) جن کا اثر ہے تو ہم علاج کا انتظام کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کو اس مرض سے نجات مل جائے۔ یا ناکامی ہو تو معذور سمجھیں۔

پہلے ۳ نقاط کے ساتھ آخری نقطہ کا جوڑ ان کے اس فکری افق کی غمازی کرتا ہے کہ یا تو آپ کا ملک وقوم کے خلاف محاذ کسی اثر کا نتیجہ ہے۔ یا پھر آپ اقتدار کے خواہاں ہیں۔ اس سے آگے وہ اس تہذیب اور معاشرہ میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے جسمیں ہزاروں سال سے رچے بسے ہوئے تھے۔

آپ نے فرمایا: تم کہہ چکے؟ تو اب میری سنو! اور پھر آپ نے سورہ حٰمٓ کی آیات سنانی شروع کی۔

عتبہ متعجب اور مبہوت سن رہا تھا۔ پھر آپ نے آیت سجدہ پر سجدہ فرمایا۔ اور فرمایا: ابوالولید!

"تم نے سن لیا جو کچھ سن لیا۔ اب تو جانے اور یہ"

بدلے ہوئے رنگ کے ساتھ وہ ساتھیوں میں پہونچا۔ اور جو کچھ کہا اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

"ایسا کلام کبھی نہیں سنا۔ واللہ نہ وہ شعر ہے نہ جادو، نہ کہانت۔ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ کلام سے لگتا ہے، کہ کوئی بڑا مرحلہ سامنے آنے والا ہے۔ اگر لوگوں نے نپٹ لیا۔ تو تم بھی نجات پالوگے۔ اور اگر وہ غالب آئے تو ان کی حکومت تمہاری حکومت ہوگی۔ اور تم ان کے ذریعہ سب سے بڑے خوش نصیب ہو جاؤگے۔"

سب نے مذاق اڑایا کہ آخر ان کا جادو تم پر بھی چل گیا۔

اسی طرح کی دوسری کوشش بھی کی گئی۔ زعماء قریش بعد غروب حرم شریف میں جمع ہوئے۔ اور داعی اعظم صلے اللہ علیہ وسلم کو بلوا بھیجا۔ آپ اچھی توقعات کے ساتھ تشریف لائے تو پھر وہی مذکورہ بالا پیش کش دہرائی گئی۔ آپ نے فرمایا:۔

"تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو میرا معاملہ اس سے مختلف ہے جو دعوت میں لے رہا ہوں وہ اس لئے نہیں کہ دولت جمع کروں۔ یا سرداری یا بادشاہت حاصل کروں۔ مجھے خدا نے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے مجھ پر کتاب اتاری ہے اور مجھے تمہارے لئے بشیر و نذیر بننے کا حکم دیا ہے۔ تو میں نے خدا کی ہدایات تم تک پہونچا دی۔ اور تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔ اب جو میں تمہارے لئے لایا ہوں اسے قبول کرو۔ تو وہ دنیا و آخرت کی بھلائی کا ذریعہ ہے۔ اگر لوٹا دو تو میں خدا کے حکم کے انتظار میں صبر سے کام لوں گا۔ یہاں تک کہ خدائے پاک میرے اور تمہارے درمیان اپنا فیصلہ صادر فرمادے۔"

(سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۱۵،۱۶)

جب کوئی اور حیلہ نہ ملا تو وہ کٹ حجتی پر اتر آئے۔ کہ اگر آپ نبی ہیں تو ان پہاڑوں کو ہٹا دیجئے۔ دریا بہا دیجئے یا پھر ہمارے اجداد کو زندہ کر دیجئے کہ ہم ان سے آپ کی نبوت کی تصدیق کرلیں۔ اور اگر یہ سب نہ کریں تو پھر عذاب ہی لے آئیے۔ آپ ان سب باتوں کے جواب میں یہی فرماتے رہے مَا بِهٰذَا بُعِثْتُ (میں اس کے لئے نہیں بھیجا گیا)

طائف میں سخت اذیتیں اٹھانے کے بعد جب بنو کندہ اور بنو حنیفہ وغیرہ میں تبلیغ کرتے ہوئے قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ میں پہونچے تو اس کے سردار بن فراش کے سامنے دعوت رکھی۔ اس نے کہا کہ اگر ہم آپ کی دعوت کو قبول کرلیں تو غالب آنے کے بعد یہ ساری چیزیں ہم کو سونپ دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔؟

اس کے ان الفاظ میں صاف جھلکتا ہے کہ تحریک کی

اٹھان اس کے بانی کے کردار کی چمک اور اس کی کارکردگی کی شان کامیابی کی یقینی ضمانت ہے۔ اس لئے وہ پہلے ہی سے سودا بازی پر اتر آیا تھا۔ آپ نے فرمایا:۔

"یہ تو خدا کا معاملہ ہے جسے چاہے گا میرے بعد مقرر کرے گا۔"
سودا بازی کی زبان میں اس نے کہا کہ "خوب! عرب سے جان لڑانے کا کام ہم کریں اور جب آپ کا کام بن جائے تو نفع کسی اور کو ملے؟ جائیے ہم کو آپ کے معاملہ سے کوئی سروکار نہیں۔

تبلیغ کے تدریجی عمل کو آگے بڑھانے کے لئے ــ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا (تاکہ آپ مکہ اور آس پاس کے لوگوں کو ڈرائیں۔) کا پیغام دیا گیا۔ پھر کبھی بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ (شوریٰ۔۱) (آپ کی طرف جو اتارا گیا، اسے دوسروں تک پہونچا دیجئے۔) کبھی فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ (دعوت دیجئے اور اس پر مضبوطی سے قائم رہئے۔ جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا۔) کبھی فَذَكِّرْ اِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرٰی (سورۃ) (نصیحت کیجئے اگر نصیحت نفع دے) کبھی وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (ذاریات۔۳) (نصیحت کیجئے۔ بے شک نصیحت ایمان والوں کو فائدہ پہونچاتی ہے) کبھی فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ (اسے قرآن سے سمجھائیے جو میرے ڈرانے پر ڈرتا ہو)

اور پھر يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۔ (اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر اترا، اسے پہونچا دیجئے۔ اگر یہ نہ کیا تو اللہ کا حکم نہ پہونچایا۔ اللہ پاک آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔) فرما کر منصب تبلیغ کی اہمیت نیز اس پرخطر کام کے لئے کمربستہ ہونے والوں کے لئے حفاظتِ الٰہیہ میں لینے کی جانب متوجہ کیا گیا۔ تاکہ وہ اس مقصد بلند کے لئے جان پر کھیل جانے میں بھی تامل نہ کریں۔

آیت پاک کے جزء وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ کے در اصل اس منصب کی اہمیت اجاگر کرنا مطلوب ہے۔ اور خاص کر اُمّت میں عزم و استقلال پیدا کرنے کے لئے ڈھارس اور طمانیت پیدا کرنا مقصود۔ ورنہ معاذ اللہ رسولوں خصوصاً سید الرسل علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے اپنے منصب سے ادنیٰ کوتاہی کا خیال بھی ذہن میں لانا سخت کوتاہ نظری، اور انتہائی بدنصیبی ہے۔ دائرۂ تبلیغ کو وسیع سے وسیع تر کرتے رہنے کی جانب مذکورہ بالا نیز دیگر آیات میں توجہ دلاتے ہوئے اب آپ کے خصوصی منصب سے امت کی آگاہی کے لئے وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۔ (سبا۔۲) (اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف خوشخبری سنانے اور ڈرانے والا ہی بنا کر بھیجا) کا مژدہ سنایا گیا۔ تاکہ امت اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بین کائناتی مقام اور ان کے منصب تبلیغ کے کائناتی مرتبہ کے ساتھ ہی اپنے بھی امتیازی درجہ سے باخبر ہو۔ اور اپنے اس اعزاز پر جشن ہی نہ مناتی رہ جائے بلکہ عالمی تبلیغی ذمہ داریوں سے عہدہ برآں ہونے میں ادنیٰ کوتاہی کو بھی سخت بدنصیبی، سمجھے۔

مذکورہ بالا آیت پاک کے علاوہ اور بھی آیتیں ہیں جو برملا اعلان کرتی ہیں کہ ہمارے رسول صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کسی خطہ، قوم اور زمانہ کے ساتھ مقید اور محدود نہیں۔ بلکہ تمام عالموں اور مخلوقات پر آپ کی رسالت عام ہے۔

مثلاً ــ قرآن پاک بلسان سید الانس والجان فرماتا ہے
قُلْ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۔ آپ اعلان فرما دیں کہ لوگو! میں تم سب کی طرف پیغام الٰہی دے کر بھیجا گیا ہوں!

پھر کچے دلوں سے مایوسیوں کے غبار کو چھانٹتے، ہوئے اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۔ (قرآن تو تمام دنیاؤں کے لئے نصیحت ہے اور تم (اے لوگو) ایک زمانہ بعد اس سے باخبر ہوگے) کی بشارت دی گئی۔

اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کی تاریخ کو چھان لیجئے اپنے لئے بین عالمی تبلیغی مذہب تو کجا محض تبلیغی مذہب ہونے کا دعویٰ کسی مذہبی کتاب یا اس کے بانی کی مذہبی زندگی کے کسی

ایک متعین واقعہ سے بھی نہیں ملتا۔

آسمانی مذاہب میں صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ کیا حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل کے علاوہ کسی دوسری قوم کو دعوت دی۔؟ ان میں اپنے مبلغ بھیجے؟ جملہ انبیائے کرام کی تعلیمات کو پڑھ جائیے اپنی قوم اور خطہ کے علاوہ کسی دوسری قوم اور خطہ سے تبلیغی رشتہ قائم کرنے کا نہ دعویٰ کیا گیا ہے اور نہ کوئی عملی اقدام کیا گیا۔

غیر آسمانی مذاہب تو اس خیال سے بھی بہت دور اور خاموش ہیں۔ مثلاً۔ بودھ نے اپنی زندگی کے کسی مرحلہ میں ہندوؤں کے علاوہ کسی غیر قوم کو بھگتی کی طرف نہیں بلایا۔ نہ ہی اپنے اس موقف کا دعویٰ کیا۔ اس لیے حقیقت واضح ہے کہ یہ امتیاز محض اسلام کو حاصل ہے۔ جس کے بانی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دین کے تبلیغی اور عالمی تبلیغی مذہب ہونے کا قرآن اور خود اپنی زبان فیض ترجمان نیز اپنے عالمی کردار پاک کے ایک ایک جزئیہ سے ٹھوس اور کامل ثبوت فراہم فرمایا۔ جس کے خلاف آج تک کسی متعصب سے متعصب مستشرق کی زبان نہیں کھل سکی۔

قرآنی حکم اور تبلیغ کے فطری تقاضا کے مطابق اس کو قرابت داروں سے شروع کر کے قوم اور ملک میں آہستہ آہستہ پھیلایا۔ اور پھر مبلغین کے وفود اور تبلیغی دعوت نامے دنیا کی مشہور حکومتوں اور حاکموں کو بھیجے گئے۔

اس سلسلے میں آپ نے اور آپ کے جاں نثاروں نے ہنستے مسکراتے اپنوں اور غیروں سے جو جو اذیتیں اٹھائیں چودہ سو سال کی تاریخ اس کو اپنے سینے میں محفوظ کئے ہوئے ہے۔ چنانچہ صدہا سال سے اب تک مسلم اور غیر مسلم انصاف پسندوں کا جم غفیر جذبۂ عقیدت میں ڈوب کر جس فدویانہ انداز میں خراج عقیدت پیش کرتا رہا ہے اس پر بے شمار مضامین اور تحریریں صفحۂ قرطاس پر ثبت ہوتی رہی ہیں جس کے جمع و ترتیب پر ایک ضخیم کتاب مرتب کی جا سکتی ہے۔

بہر حال جب یہ آواز حق مہاجرین اور دیگر آنے جانے والوں کے ذریعہ حبشہ اور یمن وغیرہ پہونچی تو نصیبہ وروں کے وفود تفتیش و قبول کے جذبات کو لئے ہوئے نکل پڑے۔ داعیٔ حق صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے فدائی بھی بربریت کے طوفان کو خاطر میں لائے بغیر عشق و مستی اور سپردگی کی داستان اپنے خون سے لکھتے رہے۔ جو محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے خالق جل جلالہ سے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے محبوب آقا و مولیٰ اور ان کے ذریعہ اپنے مالک حقیقی سے پیدا کر لیا تھا۔

مستوں کی اسی چھوٹی سی جماعت نے عشق و محبت کو ہمیشہ کے لئے بندگی تا زندگی تا بندگی کا دائمی قانون اور بندگی کے ناپنے کا ہمیشہ جگمگاتا رہنے والا پیمانہ اور موت کو حیات جاودانی بنا دینے کا مطلب دنیا کو سمجھا دیا۔ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی مست آگیں آواز نے دنیا کے بتکدوں اور بت پرستوں میں وہ زلزلہ پیدا کر دیا کہ قریش اور سرزمین عرب پر بسنے والی دوسری قومیں (یہود و نصاریٰ وغیرہ) جو قومی استحصال اور مذہب فروشی کے بل پر داد عیش دے رہی تھیں، لہٰذا اٹھیں آخر ایک یتیم اور ان کی پاکباز جماعت کے خلاف سارا عرب بلکہ اس دور کی دنیا کی ان دونوں عظیم طاقتوں (روم اور فارس) نے جو اقتدار کے نشہ میں چور ہو رہی تھیں اس انقلابی ایمانی تحریک کو پہلے تحقیر آمیز مسکراہٹ کے ساتھ سنا۔ پھر کسمسائے جھجکے اور پھر چوکنا ہوئے۔ اور جب ذرا تنبیہ کرنے کے ارادہ سے نکلے اور اس چھوٹی سی وسائل جنگ سے بے نیاز بلکہ قوت لا یموت کے مسئلہ سے دوچار جماعت کے مقابل آئے تو تاریخ کے سینہ کو کھول کر دیکھ لیجئے کہ ایک اور دس سے لے کر ایک اور سو تک کے عددی فرق کے ساتھ اپنے دور کے جدید سے جدید ترین اسلحوں میں ڈوبے ہوئے فوجی سیلاب در سیلاب نشۂ غرور میں مست ایمان و یقین اور عزم و استقلال سے ٹکراتے ہی پاش پاش ہو گئے۔

مسلمانوں پر مسلط کی ہوئی اس جنگ کو ظلم و جور کے ایک نئے رنگ میں رنگ کر اپنے مظالم کو ان کی طرف موڑ دیا گیا۔ اور کہا گیا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ لیکن تاریخ

کا سچائی سے مطالعہ کرنے والے انصاف پسند صدہا سال سے اب تک زبان وقلم سے اعتراف کرتے آئے ہیں کہ جنگ جُو سخت مزاج اور خود دار عرب جو بات بات پر پشتہا پشت تک جنگ کو باقی رکھنے پر فخر کرتے تھے۔ جب اسلامی بھٹی میں تپ کر نکلے ہیں تو انھوں نے دنیا کو پہلی بار امن وسلامتی اور فلاح وبہبود بخشنے والی جنگ سے روشناس کیا۔ جیسا کہ بے شمار حق بیں اور حق گو مستشرقین اور غیر مسلموں نے تسلیم کیا کہ امن وسلامتی دینے والی جنگ بے شک اسلام کی دین ہے۔

اسلامی تاریخ میں ستاروں کی طرح چمکنے والے واقعات آج بھی دشمنان اسلام اور فتنہ وفساد پر اپنے اقتدار کی بنیاد رکھنے والوں کو للکارتے رہتے ہیں کہ آنکھیں روشنی سے اور دماغ فکر واخذ نتائج سے محروم نہ ہو تو اسلامی تاریخ کے اوراق پلٹ کر دیکھو کہ مفتوحہ قوم کی سلامتی اور آزادی کی ضمانت دینے والے مسلمان جب بعض مصلحتوں کی بناء پر ملک چھوڑ کر جانے لگے تو اس قوم نے یہ کہہ کر مسلمانوں کے قدم پکڑ لئے کہ

"ہم پہلی بار امن وسکون اور آزادی ومساوات کے پھل سے لذت یاب ہوئے ہیں۔ آپ ہرگز نہ جائیں ہم اپنی ظالم حکومت نہیں آپ کی عزت اور راحت دینے والی حکومت چاہتے ہیں۔"

اسلامی تاریخ کا یہ کوئی ایک ہی واقعہ نہیں ہے۔ شامی محاذ پر مذکورہ بالا واقعہ کے علاوہ فتح سندھ کے بعد بعض سیاسی اسباب سے محمد بن قاسم کی واپسی کے موقع پر بھی یہی سماں نظر آیا۔ ساری سندھی قوم امنڈ کر آ گئی اور بلک بلک کر روتے ہوئے واپسی کے ارادہ کو ترک کرنے پر اصرار کرنے لگی۔

کیا اسلام سے پہلے اور بعد دنیا کی جنگ وفتح کی تاریخ میں کسی اور قوم نے بھی مفتوح قوموں کے دلوں کو اس طرح جیتنے کے ریکارڈ بنائے۔؟ تعصب کی پٹی کھولو یہ حقیقت تمہارے سامنے اجاگر ہو جائے گی کہ اسلام ہی وہ نظام ہے جس نے دنیا کو پہلی مرتبہ جنگی آداب سکھائے مذہبی رہنماؤں، بوڑھوں، عورتوں، بچوں، بیماروں، کمزوروں اور ان تمام لوگوں کو جو مقابلہ سے دور رہیں سب کو امان دیا۔ کھیتوں، باغوں اور انسانی ضروریات رفع کرنے والی ہر چیز کو نقصان سے بچانے کی ہدایت دی۔ چنانچہ ان احکام پر عمل درآمد کے اتنے ہی واقعات تاریخ میں محفوظ ہیں جتنی جنگیں مسلمانوں کو مجبور ہو کر کرنی پڑیں۔

اصول تبلیغ:- ہادئ اعظم صلے اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کے ان اصول کو نہ صرف اختیار فرمایا اور اس کے ذریعہ اس کی تاثیرات میں روح ڈالی بلکہ اپنے پیروؤں کو بھی انھیں اصولوں پر تبلیغ کے اہم فریضہ کی انجام دہی کے لئے سختی سے عمل کرنے کی ہدایت فرمائی۔

یہ بات کہیں اور کہی جا چکی ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو اپنے پیروؤں کو تبلیغ کی ہدایت دیتا ہے۔ اور اس کے اصول وضابطے، طریقے اور آداب کی پوری تفصیل سے آگاہ فرماتا ہے۔ تبلیغ کا اصل الاصول یہ آیت پاک ہے:-

ادع الیٰ سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وَجَادِلهُم بالّتي هيَ اَحسَن (نحل-١٦) (اپنے رب کی راہ کی طرف دانائی اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے۔ اور بہتر طریقہ پر مناظرہ فرمائیے)

عقل وحکمت، موعظ حسنہ اور طریق احسن۔ تبلیغ کے یہ تین اصول اس آیت پاک سے متعین ہوئے۔ داعئ حق صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اصولوں پر تبلیغ کی بنیاد رکھی۔ اور ہمیشہ ہر موقع پر انھیں اصولوں کو مدار کار بنایا۔ لہٰذا آپ کے جاں نثاروں نے بھی صدر اول سے اب تک انھیں بنیادوں پر اپنی تبلیغی مہم کو چلایا۔ اور حیرت انگیز کامیابی حاصل کی۔

متکلمین کہتے ہیں کہ یہی تین اصول منطقی استدلال کے طور پر عمل میں لائے جاتے ہیں۔ یعنی برہانیات، خطابیات، اور جدلیات۔ کمال ملائمت اور خوش خلقی دراصل انھیں تینوں اصولوں میں شامل اور مبلغ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی کارناموں کی روح تھی۔ منافقین جیسی قسی القلب جماعت کے مقابل اسی کردار کی جانب قرآن پاک نے ارشاد فرمایا:-

فَاَعرِض عَنهُم وَعِظهُم وَقُل لَهُم فِي اَنفُسِهِم قَولاً

بَلِیۡغًا ۔ (النساء - ۹) (ان کو نظر انداز کیجئے، انھیں نصیحت فرمائیے اور بات اس طرح کیجئے کہ ان کے دلوں میں اتر جائے)

تبلیغ کے تین مزید اصول اس آیت سے مستنبط ہوئے

۱۔ دشمن کی ہر ایذا رسانی، سختی اور بد خلقی کو درگذر کرنا۔

۲۔ سمجھا کر مخاطب کی نفسیات کی روشنی میں نصیحت کرنا۔

۳۔ مؤثر ترین انداز تخاطب اختیار کرنا کہ دشمن بھی کھنچا چلا آئے۔ چنانچہ تبلیغ کی آبرو درود صلے اللہ علیہ وسلم ان اصولوں کے عملی نمونہ بنے رہے۔ دشمنوں کے بھیانک تشدد اور المناک جارحیت سے زخمی، نڈھال اور بے ہوشی کے باوجود جب آپ سے ان سفاکوں کے خلاف بد دعا کی درخواست کی گئی تو آپ نے اس کی جگہ اَللّٰھُمَّ اِھۡدِ قَوۡمِیۡ ھٰذَا فَاِنَّھُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ کے الفاظ میں دعائے ہدایت فرمائی۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی اس پیش کش پر کہ حکم فرمائیں، تو طائف کو اٹھا کر اوندھا پھینک دیا جائے۔ کہ دنیا میں اس کا نام ونشاں بھی باقی نہ رہے۔ یہی جواب رحمت لسانِ رحمت پر آیا۔ نہیں بالکل نہیں۔ یہ نہیں تو ان کی اولاد اسلام کے فیض سے مستفیض ہوگی۔

رفق ولطف کے انھیں اصولوں کی تعلیم مبلغین کی جماعتوں کو بھی ان کو رخصت کرتے وقت دی جاتی تھی۔ مثلاً حضرت معاذ بن جبل اور حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یمن کی جانب تبلیغی مشن پر بھیجتے ہوئے فرمایا یَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا۔ (دین پیش کرتے ہوئے سختی نہیں آسانی اختیار کرنا۔ اور گھبراہٹ میں ڈالنے کے بجائے خوشخبری سنانا)

تبلیغ کے یہ چھ کلی اصول ہیں۔ جن سے مناسب موقع ومحل پر ہزاروں جزئیات نکالے گئے۔ اور جن پر عملدرآمد کے حیرت خیز نتائج صحابہ کرام سے لے کر اب تک تاریخ میں ثبت رہے ہیں ـــــ مذکورہ بالا چھ اصولوں کے علاوہ حسب ذیل اصول بھی تبلیغ کو عام اور موثر بنانے کے لئے بروئے کار لائے جاتے رہے۔

۷۔ تدریج۔ یعنی دین اور اس کے تمام احکام کو ایک مجلس

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا

اور ایک وقت میں نہیں، بلکہ آہستہ آہستہ اور وقفہ وقفہ سے بدفعات پیش کرنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت معاذ کو یمن بھیجتے وقت علاوہ ان ہدایات کے جو اوپر گذریں تدریج کو پیش نظر رکھنے پر اس طرح زور دیا گیا :- " تم یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس جارہے ہو۔ ان کو پہلے اللہ پاک کی وحدانیت اور رسول کی رسالت کی دعوت دینا۔ جب یہ قبول کرلیں تو نماز پنجگانہ کی فرضیت کی تفصیل بتانا۔ جب اس کو بھی مان لیں تو زکوٰۃ کی فرضیت کی طرف توجہ دلانا جو دولت مندوں سے لے کر غریبوں کو دی جائے گی۔ جب اس پر بھی سر جھکا دیں تو خبردار صدقہ میں چن چن کر اچھا مال نہ لینا۔ اور دیکھو! مظلوم کی بد دعا سے ڈرتے رہنا کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۴۳)

۸۔ تالیفِ قلب۔ ارشاد باری ہے :- فالمولفۃ قلوبھم (توبہ - ۸)

یعنی نو مسلموں اور جنھیں اسلام کی دعوت دی جائے ان سے نہایت مہربانی، ہمدردی اور لطف وکرم کا برتاؤ کیا جائے۔ اور ہر طرح کی امداد واعانت سے ان کے دلوں کو جیتنے کی سعی کی جائے۔ کیونکہ یہی وہ اعجاز ہے جو دلوں کے زخموں کو بھرتا، ان کو یک جان دو قالب اور دشمن کو دوست بنا دیا کرتا ہے۔

رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین کا سارا مالِ غنیمت جن سے حاصل ہوا تھا انھیں میں تقسیم کر دیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ان سب کے دل بدل گئے۔ صفوان نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا جتنا دیا۔ مجھے ان سے سخت بغض تھا ان کے ان احسانات نے مجھے ایسا بدل دیا کہ اب میری نگاہ میں ان سے زیادہ کوئی پیارا نہیں (مسلم مصری جلد ۲ صفحہ ۲۹)

ایک بدوی نے عرض کیا " ان دونوں پہاڑوں کے درمیان بکریوں کے جتنے گلّے ہیں سب مجھے مرحمت فرمائے جائیں " آپ نے
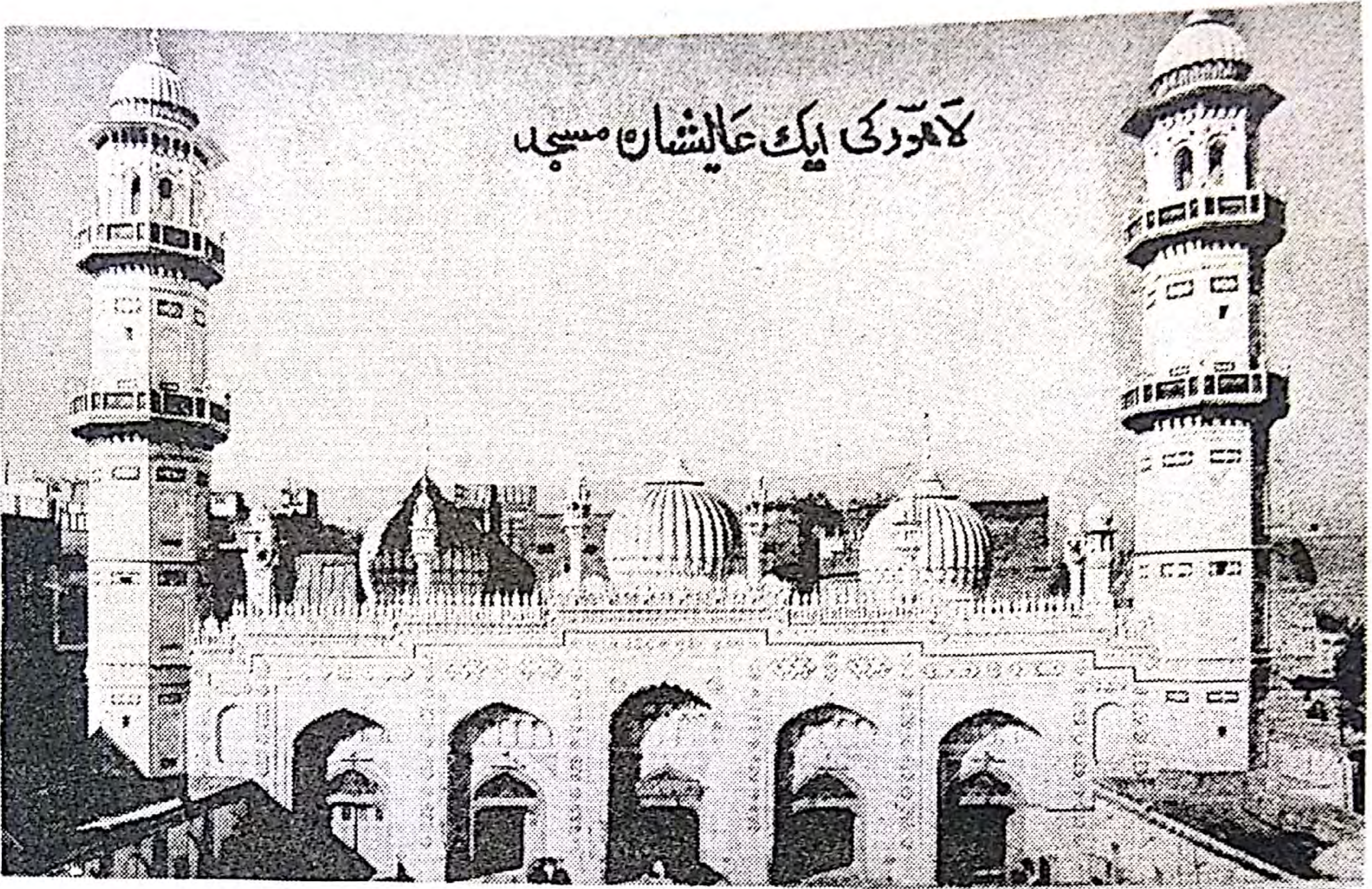
لاہور کی ایک عالیشان مسجد

سب بخش دیا۔ اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور پکار اٹھا:

"..... صلی اللہ علیہ وسلم اتنا دیتے ہیں کہ ان کو افلاس کا ڈر نہیں رہتا۔" (مسلم جلد ۲ صـ۲۹)

ایک یہودی لڑکا شرف خدمت سے مستفید ہوتا رہتا تھا۔ بیمار پڑا۔ عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور فرمایا: لڑکے اسلام لے آ۔ لڑکے نے باپ کی طرف سائلانہ دیکھا۔ باپ نے کہا ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات مان لو۔ وہ مسلمان ہوگیا۔ آپ یہ فرماتے ہوئے واپس ہوئے: "اس خدا کی تعریف ہے جس نے اس کو دوزخ سے بچالیا۔"

۹۔ دعوتِ فکر:- مذکورہ بالا اصولوں کی روشنی میں یہ حقیقت خود سامنے آجاتی ہے کہ اسلام ایک استدلالی، اور عقلی مذہب ہے۔ اور مدلل گفتگو ہی فکر و تدبر ہے۔

تاریخ مذاہب میں نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وہ پہلی آواز مبارک ہے جس نے بار بار غور و فکر اور فہم و تدبر کی دعوت دی۔ اور اپنی تعلیم کی حکمتوں، مصلحتوں اور خوبیوں کو خود بیان فرمایا۔ اور قرآن میں جگہ جگہ تفکر و تدبر پر آمادہ کیا گیا۔ بہت سی ایسی آیتوں میں سے چند بطور نمونہ پیش ہیں۔

۱۔ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ .. تا .. قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ (انعام ـ ۱۸) (فرما دیجئے کہ تمہارے پاس کوئی علم ہے؟ کہ اس کو پھر ظاہر کرو۔ تم تو گمان ہی کے پیچھے چلتے ہو اور اٹکل سے ہی کام لیتے ہو۔ فرما دیجئے کہ اللہ ہی کی دلیل پہونچی ہوئی ہے)

۲۔ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ .. تا .. وَإِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ (انفال ـ ۵) (تاکہ جو ہلاک ہو دلیل سے ہلاک ہو اور جو جیتا رہے وہ دلیل سے جئے۔ اور اللہ ہی سننے والا جاننے والا ہے۔)

۳۔ وَكَأَيِّنْ مِنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ (یوسف ـ ۱۲) (اور آسمان و زمین میں خدا کی توحید کی کتنی نشانیاں (دلیلیں) ہیں۔ جن پر وہ گذر جاتے ہیں اور غور نہیں کرتے۔)

۴۔ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْض ..... تا ... رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا (آل عمران ـ ۲۷) (اے رب تو نے یہ باطل نہیں پیدا کیا۔ الخ)

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور جود وسخا

مولانا سید اجمل حسین صاحب اشرفی کچھوچھوی

جود وسخا لغت میں ہم معنیٰ ہیں۔ اور یہ بالطبع خوبی ہے۔ جوّاد کا مطلب یہ ہے کہ بے غرض داد و دہش ہو۔ اور یہ صفت اللہ رب العزت کی ہے۔ کیوں کہ حق تبارک وتعالیٰ بغیر کسی غرض اور بدل، کے تمام ظاہری و باطنی نعمتیں حسیّ وعقلی کمالات مخلوق کو مرحمت فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد تمام جوادوں کے جواد اس کے محبوب بندے اور رسول حضور رحمۃ للعٰلمین صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جیسا کہ خود حدیث قدسی میں ارشاد فرماہیں: اَللّٰہُ اَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِیْ اٰدَم۔ اللہ سب سے بڑا جواد ہے۔ پھر میں بنی آدم میں سب سے بڑھ کر جواد ہوں۔"

احادیث صحیحہ شاہد ہیں کہ سارے صحابۂ کرام کا اس امر پر اتفاق تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ کریم، سب سے بڑھ کر سخی اور سب سے بڑھ کر جود والے تھے۔ خصوصاً رمضان المبارک میں تو آپ کا دریائے سخاوت انتہائی جوش پر ہوتا تھا۔ آپ سے کبھی کوئی ایسا سوال نہ کیا گیا اور نہ کوئی ایسی چیز مانگی گئی۔ جس کے جواب میں آپ نے لا یعنی نہیں فرمایا ہو۔

فرزدق نے کتنے پیارے الفاظ میں اس انداز کریمانہ کو نظم کیا ہے ؎

مَا قَالَ لَا قَطُّ اِلَّا فِیْ تَشَهُّدِهٖ
لَوْلَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَاءُهٗ نَعَمْ

کسی فارسی شاعر نے اس خیال کی ترجمانی سے عزت حاصل، کی ہے ؎

نرفت لا بزبان مبارکش ہرگز
مگر باشہدان لا الہ الّا اللہ،

اور فاضل بریلوی اپنے مخصوص انداز میں مدحت سرا ہیں ؎

واہ کیا جود وکرم ہے شہ بطحا تیرا
"نہیں" سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک بار سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ تو میں نے آپ کو مغموم دیکھا۔ میں نے سبب پوچھا تو ارشاد فرمایا کہ کل جو سات دینار آئے تھے ابھی تک پڑے ہیں۔

کوئٹہ (پاکستان) کی ایک شاندار مسجد

ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ بکریوں کا ریوڑ دور تک پھیلا ہوا ہے۔ سوالی ہوا تو میرے رسول نے تمام بکریاں اسے عطا فرمادیں۔ اس نے اپنے قبیلے والوں سے جاکر کہا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ایسے فیاض ہیں کہ انھیں اپنے مفلس ہونے کی بھی پرواہ نہیں۔

آپ کی خدمت میں نوّے ہزار درہم لائے گئے۔ آپ نے انھیں چٹائی پر رکھ کر تقسیم فرمانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ کچھ بھی نہ بچا۔ حنین کے دن تو رسول اعظم علیہ التحیۃ والثنا کا فیضان ایسا عام ہوا کہ ہر عربی کو سَو سَو اونٹ اور ہزار ہزار بکریاں تفویض فرماکر غنی فرمادیا۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہٗ آئے۔ اور عرض کیا:۔ یارسول اللہ! آج قریش میں سب سے زیادہ مالدار آپ ہی ہیں اس مال میں سے کچھ ہمیں بھی عطا فرمائیے۔ حضور نے متبسّم ہوکر حضرت بلال رضی اللہ عنہٗ سے ارشاد فرمایا کہ چالیس اوقیہ چاندی اور سَو اونٹ انھیں دیدو۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہٗ نے عرض کیا یارسول اللہ میرے بیٹے یزید کا حصّہ۔ حضور نے چالیس اوقیہ چاندی اور سَو اونٹ دوبارہ عنایت فرمائے۔ پھر انھوں نے عرض کیا یارسول اللہ میرے دوسرے بیٹے معاویہ کو بھی عنایت فرمائیے۔ حضور نے مزید چالیس اوقیہ چاندی اور سَو اونٹ عطا فرمادیا۔ تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہٗ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ خدا کی قسم آپ جنگ کے زمانے میں بھی کریم رہے اور امن کے زمانے میں بھی کریم ہیں۔

محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بحرین سے کچھ مال لایا گیا۔ آپ نے فرمایا اسے مسجد میں پھیلا دو۔ پھر آپ مسجد سے باہر تشریف لے گئے۔ اور اس مال کی طرف نظر نہ ڈالی۔ واپسی پر نماز سے فارغ ہوکر مال کی طرف توجہ فرمائی۔ اور پھر سب کا سب تقسیم فرمادیا۔ روایت میں ہے کہ یہ لاکھ درہم تھے

ایک عورت طباق میں ایسی کھجوریں لے کر آئی جن پر دھاریاں اور نرم روئیں تھے۔ ایسی کھجوریں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم بہت پسند فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے بحرین سے آئے ہوئے سونے کے زیورات سے اس کے دونوں ہاتھ بھر دیئے حبیب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کسی ضرورت مند کو ملاحظہ فرماتے تو اپنا کھانا تک عنایت فرمادیتے۔ حالانکہ اس کی آپ کو بھی ضرورت ہوتی۔ کسی کو ہبہ فرماتے۔ کسی کو حق دیتے۔ کسی کو بار قرض سے نجات عطا فرماتے۔ کسی کو ہدیے سے نوازتے۔ کبھی کپڑا خریدتے اور قیمت کی ادائیگی کے بعد کپڑے والے کو وہی کپڑا عطا فرمادیتے۔ کبھی قرض لیتے اور زیادہ عطا فرمادیتے۔ اور کبھی ہدیہ قبول فرماتے

اور اس سے کئی گنا زیادہ انعام عطا فرماتے۔ باوجود اس کے رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کی اپنی زندگی فقیرانہ طور پر گذرتی ایک ایک دو، دو ماہ گذر جاتے اور کاشانۂ اقدس میں آگ تک نہ جلتی بعض اوقات شکم مبارک پر دو دو پتھر بندھے ہوتے۔ لیکن یہ صورت حال کسی مجبوری اور نہ ہونے کی بنا پر نہ تھی بلکہ اس کا سبب جوادِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا زہد اور جود وسخا تھا۔

الغرض حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا جود وسخا حد و شمار اور اندازہ وقیاس سے باہر ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ کا یہ وصف جلیل کبھی علم ومال کی تقسیم تو کبھی بندوں کی ہدایت کے سلسلے میں کاوشِ پیہم اور جہد مسلسل سے ظاہر ہوا۔

میرے رسول کے جود وسخا کی یہ چند جھلکیاں ہیں جن کو بخاری مسلم اور ترمذی کے گہر پاروں سے اخذ کیا گیا ہے۔ مگر چونکہ نوازشات کے یہ مظاہر صرف مال ومتاع سے متعلق ہیں۔ اور میرے آقا کا کوئی بھی وصف عظیم اپنے رب کے فضل عمیم سے محدودیت کو مانع ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مصطفےٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بخشش وعطا، فیاضی وبندہ پروری کے ایسے نمونے پیش کئے جائیں۔ جو دونوں جہاں کی عظمتوں پر محیط ہوں۔

سب سے پہلے میں مشہور صحابیٔ رسول علیہ التحیۃ والثناء حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہٗ کے اس واقعہ کو پیش کرتا ہوں۔ جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان کے ساتھ ساتھ، آپ کے بے پایاں اختیار اور سخاوت وفیاضی کا بہترین مظہر ہے۔

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہٗ بوقت تہجد آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وضو کے لئے پانی پیش، کرنے کی خدمت سے سرفراز ہوا کرتے تھے۔ ایک بار جب حاضر دربار رسالت ہوئے تو قاسم نعمتہائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے شان فیاضی کا ایسا عظیم الشان مظاہرہ فرمایا جس کی نظیر دنیائے گیتی نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ حضور نے ارشاد فرمایا سَلْ مَا شِئْتَ یَا رَبِیْعَۃُ یہ سوال اپنے اندر خود دنیا جہان کی عظمتیں لئے ہوئے تھا۔ ارشادِ مطلق تھا۔ اے ربیعہ جو چاہو مانگ لو۔ جس قدر چاہو مانگ لو۔ عرش وفرش، لوح وقلم، زمین وزماں، مکین ومکاں، جاہ وحشم، دولت وثروت، تاج وتخت وحکومت، زہد وعبادت، علم وفضل وعمل، اتقا واستغنا، شہادت وشجاعت سخاوت وولایت، قربِ الٰہی وراحتِ خلد بریں، الغرض وہ کیا تھا جسے مختارِ کائنات نے اپنے غلام پر پیش نہ کیا ہو۔

بیسویں صدی کا کوئی نام نہاد نام لیوا ہوتا تو شاید نصیب کی محرومیاں اختیارات کی بحث میں مبتلا کر دیتیں۔ مگر بارگاہِ رسالت کے تربیت یافتہ حضرت ربیعہ نے حاجت روائے کل سے وہ مانگا۔ جس کے فرشی تو فرشی عرشی بھی ہمیشہ تمنائی رہے ہیں۔ اپنے ایمان وعقیدے کا عظیم الشان نمونہ پیش کرتے ہوئے حضرت ربیعہ عرض گذار ہوئے۔ اَسْئَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّۃِ غلامیٔ مصطفےٰ سے بڑی اور کون نعمت ہو سکتی ہے۔ جو انھوں نے فیاضِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے پالی تھی۔ مگر دریائے کرم تھا کہ نوازتا ہی جا رہا تھا۔ محبوب خدا کی جنت، محبوب خدا ہی نے اپنے غلام کو عطا کر دی تھی۔ اور پھر ارشاد ہوا اَوَ غَیْرَ ذَالِکَ یَا رَبِیْعَۃُ اے ربیعہ اور بھی چاہو لے لو۔ تو عرض کرتے ہیں کہ بس یا رسولَ اللہِ ھُوَ ذَالِکَ یَا رَسُوْلَ اللہ۔ میرے لئے یہی بہت کافی ہے۔

شب معراج سدرۃ المنتہیٰ پر سردار ملائکہ حضرت جبریل امین کو سوال سے پہلے ہی ھَلْ لَکَ حَاجَۃٌ یا جبرئیل کا مژدۂ جانفزا سنایا۔ اور جبرئیل امین نے دامن سخاوت سے جی بھر کے اپنا حصہ لیا۔

عرش اعظم پر معراج محبوبی سے سرفراز ہوئے تو رب

کریم نے سارے حجابات اٹھا دیئے۔ اور مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی کی شان سے اپنے دیدار کی نعمت عظمیٰ سے نوازا۔ اور السّلام عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کا مژدۂ جانفزا سنایا۔ تو رحمۃ للعالمین جوش پر آئی۔ اور بارگاہ ذوالجلال والاکرام میں عرض گذار ہوئے۔ السّلام عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْن اور اس طرح اپنی ساری امت کو مژدۂ سلامتی سنا دیا۔

میرے آقا کے جود و عطا نے یہیں پر بس نہیں فرمایا۔ بلکہ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْن کی بشارت دے کر سارے مومنین کو قیامت تک معراج زندگی کے ساتھ ساتھ معراج بندگی سے بہرآور فرما دیا۔

فتح مکہ کے موقع پر جب کہ سارا مکہ اپنے سابقہ دلدوز جرائم کے تصور سے خوف و ہراس میں مبتلا تھا۔ مشرکین میں سے کوئی کسی کا والی تھا نہ مددگار۔ دورِ جہالت کے مراسم کے پیش نظر ہر شخص اپنے بھیانک انجام کو سوچ سوچ کر لرز رہا تھا نفسی نفسی کے اس تکلیف دہ عالم میں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْم کی صورت میں اپنی ایسی بے مثل و بے مثال فیاضی سے اپنے دشمنوں کو نوازا۔ کہ تاریخِ انسانی ہمیشہ محتاجِ مثال رہے گی۔

ایک صحابی حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ، قیامت کب آئے گی۔ یہ سوال بارِ خاطر ہوا۔ اور چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ قیامت کو پوچھتے ہو۔ کیا قیامت کے لئے تمہارے پاس کوئی توشہ ہے تو عرض کیا یا رسول اللہ! قیامت کے لئے میرے پاس کچھ نہیں بس اتنا ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ (صحابیٔ رسول کا یہ جواب محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت کو نظر انداز کر کے اپنے عمل پر اعتماد کرنے والوں کے لئے جہاں درس عبرت ہے وہیں اہل محبت کے لئے، راحتِ قلب و جاں ہے) اتنا سننا تھا کہ قرار بے قرار ان کا رخسار انور مسرت سے گلنار ہو گیا۔ اور اپنے جاں نثار غلام کو وہ بشارتِ عظمیٰ عطا کی جس نے نہ صرف اہل مدینہ بلکہ سارے مسلمانان عالم کو عید جاوداں سے مالا مال فرما دیا۔ ارشاد ہوا کہ پھر تمہیں فکر کیوں ہے۔ جس سے محبت کرتے ہو میدان حشر میں بھی اسی کے ساتھ رہو گے۔ صحابۂ کرام کا بیان ہے کہ اس ارشاد کو سن کر ہم سب کو اتنی خوشی نصیب ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔

غزوۂ احد میں جب حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے اور رخسار مبارک میں دونوں طرف آہنی خود شریف کی زنجیر کی دو کڑیاں پیوست ہو گئیں تو حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر اجازت ہو تو یہ کڑیاں میں نکال دوں۔ اجازت ملی تو دیکھا کہ ان کڑیوں کو نکالنے کی ایسی کوئی سبیل نہیں جس سے زیادہ تکلیف نہ ہو۔ بالآخر اپنے دانتوں سے پکڑ کے نکالنے کی کوشش کی۔ کڑی تو نکل آئی۔ مگر حضرت مالک کا ایک دانت شہید ہو گیا۔ اپنی تکلیف کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دوسری کڑی نکالنے کی اجازت چاہی۔ نوازش ہوئی اور دوسری کڑی نکالنے میں کامیاب تو ہو گئے۔ لیکن دوسرا دانت بھی شہید ہو گیا۔ مگر سبحان اللہ! غلامی اور جاں نثاری کا وہ جذبہ کہ غلامی کی آبرو رکھ لی۔ یہ دیکھ کر بے چین ہو گئے کہ، زخموں سے خون رسنے لگا ہے۔ پھر عرض گذار ہوئے کہ یا رسول اللہ اگر اجازت ہو تو یہ رسنے والا خون میں پی جاؤں۔ اور اپنے قلب و زبان کی نازک رگ رگ سے خون بند کر دوں۔ خوش بختی کا ستارہ اوج پر تھا پھر اجازت مرحمت ہوئی۔ اور رسنے، والے خون کا جہاں سلسلہ بند کر دیا وہیں اپنے جسم و جاں کو معطر و معنبر بھی کر لیا۔

حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کی اس عقیدت و محبت اور جاں سپاری کو ملاحظہ فرما کر سخیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جسے جنتی دیکھنا ہو مالک بن سنان کو دیکھے۔

یہ چند واقعات آقائے کائنات محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جود و سخا کے ایسے عظیم نمونے ہیں جو آپ اپنی مثال ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ ان جیسا جواد و سخی نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہو گا۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ ونور عرشہ
محمد وّاٰلہ وصحبہ اجمعین۔

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

لا تحزن إن الله معنا

غارِ ثور سے میدانِ بدر تک

جناب احمد جاوید صدیقی
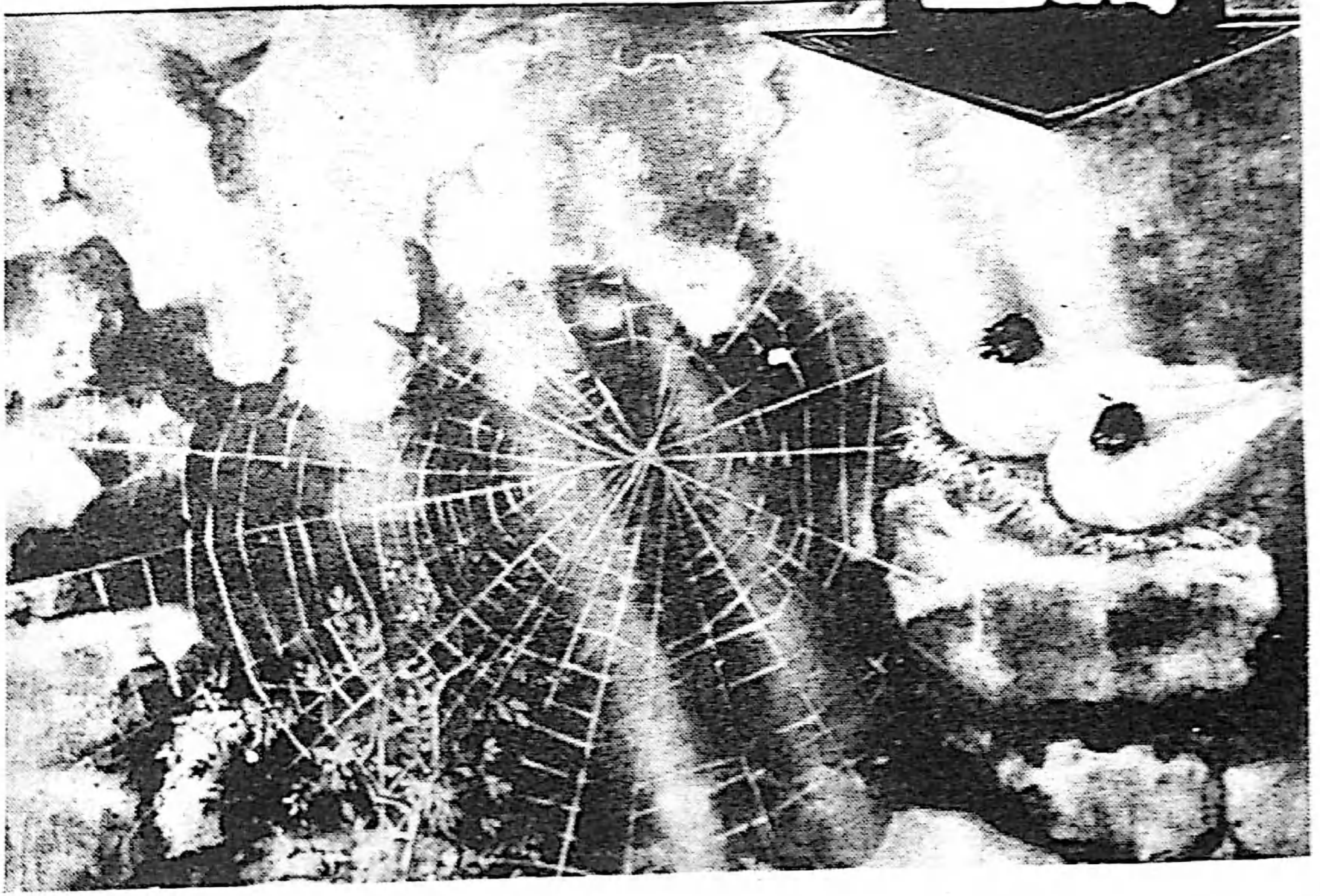
کبوتری بے فدا تو نثار بے مکڑی
کہ غارِ ثور کی تقدیر جگمگا اٹھی

حالات ماقبل ہجرت

حضرت مطعم بن عدی کے یہاں پناہ کے زمانہ ہی میں آپ نے مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کر کے چلے جانے کی اجازت دے دی تھی اور رفتہ رفتہ تمام ذی عزت اور ذی اقتدار مسلمان ہجرت کر چکے تھے کفار کو یہ بھی علم ہو چکا تھا کہ مدینہ میں اسلام روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ عمائد مسلمین کے چلے جانے سے انہیں اس امر کا شدید اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ اب حضور بھی مدینہ پہونچ جائیں گے اور وہاں اقتدار پا کر وہ یقینا انتقام کی بھی سعی کریں گے اور اسلام ایک خطرہ بن جائے گا۔ ان کے سینوں میں معاندت کی آگ تو بھڑک ہی رہی تھی انہوں نے دارالندوہ میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کر کے شمع مصطفوی کو ہمیشہ کے لئے بجھا کر رکھ دینے کا تہیہ کر لیا۔ رات ہی کو کاشانہ نبوی کا محاصرہ کر لیا لیکن خدا نے آپ کو بچا لیا کفار پر نیند طاری ہو گئی۔ آنکھیں بند ہو گئیں اور آپ راتوں رات حضرت صدیق اکبر کے ساتھ عازم مدینہ ہو گئے۔

مکہ کے حالات انتہائی نازک صورت اختیار کر چکے تھے، بچہ بچہ خون کا پیاسا تھا مسلمانوں کو رہ رہ کر غصہ آرہا تھا مگر آپ انہیں برابر روکتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کو اس خوف سے رات رات بھر نیند نہ آتی تھی کہ کہیں کفار اندھیرے میں نہ آپڑیں۔ اور حضور پر حملہ نہ کردیں۔ باہر کے ذی اثر مسلمان برابر اپنی خدمات پیش کر رہے تھے۔ قبیلۂ دوس ایک مضبوط اور مستحکم قلعہ کا مالک تھا جس کے سردار طفیل بن دوسی نے عرض کی آپ میرے پاس چلے آئیں میں جاں نثاری کے لئے تیار ہوں آپ برابر انکار کرتے رہے۔ کسی مخالفت و معاندت کی آپ کو پرواہ نہ تھی اور خوف وظلم کے اس متلاطم دریا میں آپ ایک چٹان کی طرح جمے کھڑے تھے اور وحیٔ الٰہی کے منتظر تھے، وحی کے

غار ثور میں قیام اور سراقہ کا تعاقب

نازل ہونے پر آپ نے حضرت صدیق اکبر کو جو آگاہ فرمایا تو بیتابانہ بولے تو کیا مجھے بھی شرف ہمرکابی حاصل ہوگا اثبات میں جواب پاکر بہت محظوظ ہوئے، دو تیز گام سانڈنیاں مہیا کیں اور دو تین روز کا کھانا تیار کرا کے رکھ لیا۔

اسی شب کو کفار کے بے خبر ہو جانے پر گھر سے نکل کر کعبہ شریف کے پاس کھڑے ہوئے اور آبدیدہ ہوکر فرمایا۔ مکہ! تو مجھے ساری دنیا سے عزیز ہے۔ مگر کیا کروں تیرے فرزند مجھے یہاں نہیں رہنے دیتے۔ قرار داد کے مطابق حضرت صدیق اکبر بھی ایک مقام پر کھڑے ہوئے ملے اور دونوں مکہ کو الوداع کہہ کر عازم مدینہ ہوئے تعاقب کا شدید اندیشہ تھا۔ اس لئے کچھ دور پہونچ کر دونوں غار ثور میں روپوش ہو گئے۔ جیسا کہ اندیشہ تھا قریش تعاقب کرتے ہوئے غار ثور کے عین کنارے جا کھڑے ہوئے حضرت صدیق اکبر کو خوف پیدا ہوا تو نہایت استقلال و سکون کے ساتھ فرمایا لاتحزن ان اللہ معنا چھے روز غار سے نکل کر پھر روانہ ہوئے قریش تلملا اٹھے تھے، انہوں نے مکہ میں فوراً اعلان کر دیا کہ جو گرفتار کر کے لائے گا اسے سو اونٹ انعام میں دئے جائیں گے لوگ چاروں طرف پھیل گئے کہ انعام کثیر تھا۔

سراقہ بن جعشم نے ایک منزل پر جا لیا قریب جاتے ہی گھوڑا ٹھوکر کھا کر گرا فال دیکھی خلاف نکلی۔ پھر بڑھے۔ اس مرتبہ گھوڑے کے پاؤں ٹخنوں تک زمین میں دھنس گئے مسخر تھے اس وقت تو تحریر امن لکھا کر واپس گئے بعد کو اسلام لے آئے۔ بڑی عمر پائی۔ فتح ایران کے بعد جب کسریٰ کے زیورات غنیمت کے طور پر مدینہ پہونچے تو حضرت فاروق اعظم نے انہیں سراقہ کو وہ زیورات پہنا کر نیرنگئ عالم کا تماشا دیکھا۔

مدینہ میں کوکبۂ نبوی کا شاندار استقبال

مکہ میں تو جوش و عناد کی آگ لگی ہوئی تھی لیکن مدینہ میں اشتیاق کا ایک سمندر تھا جو جوش مار رہا تھا۔ تمام شہر پیکر انتظار اور چشم براہ بنا ہوا تھا۔ کوکب نبوی مدینہ منورہ میں اس شان سے داخل ہوا ہے اور اس کا استقبال اس جوش کے ساتھ ہوا ہے جس کی کوئی نظیر بھی عرب کی تاریخ میں موجود نہ تھی۔ تین میل تک جاں نثاران اسلام کی دو رویہ صفیں پیکر اشتیاق بنی کھڑی تھیں۔

سینوں میں جوش کا ایک دریا موجزن تھا۔ قدم قدم پہ اللہ اکبر کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے اور کمسن بچوں کے چہروں پر بھی مسرت کی سرخی دوڑ رہی تھی اور وہ اچھلتے پھر رہے تھے مکانوں کی چھتیں، کوٹھے اور بالائی منزلیں عورتوں سے پٹی پڑی تھیں۔ دوشیزہ لڑکیاں غرفوں اور جھروکوں سے جھانک رہی تھیں راہ میں انصار کے خاندان آتے اور ہر قبیلہ سامنے حاضر ہوکر مؤدبانہ عرض کرتا حضور یہ گھر ہے یہ جان ہے یہ مال ہے آپ ہر ایک کو احسان پذیری کے ساتھ دعائے خیر دیتے جب کوکبۂ نبوی سامنے آیا ہے اس وقت پردگیان عفاف نے اپنی شیریں اور سریلی آواز میں نعت گانی شروع کر دی ہر شخص کی یہ آرزو تھی کہ آپ اسی کے یہاں قیام کریں لیکن یہ سعادت حضرت ابو ایوب انصاری کے مقدر میں تھی آپ انہیں کے یہاں سات ماہ تک مقیم رہے۔

مسلم افلاس کے ابتدائی دلدوز مناظر

اسی دوران قیام میں سب سے پہلے آپ نے مسجد نبوی تعمیر کی جس کے بنانے میں

آپ کا دست مبارک بھی شامل تھا اس کے بعد آپ نے ازواج مطہرات کے حجرے تعمیر کرائے جو خام اینٹوں کے تھے اور اس پر کھجور کی چھت پڑی ہوئی تھی۔ یہ حجرے دس دس ہاتھ طویل اور چھ چھ سات سات ہاتھ عریض تھے اور ان پر کمبل کے پردے پڑے رہتے تھے، انصار کرام میں حضرت سعد بن عبادہ، سعد بن معاذ، عمار بن حزم اور ابو ایوب دولت مند اور رئیس بزرگ تھے ان کے یہاں سے دودھ آجاتا تھا صرف اسی پر آپ کی گذر تھی۔ حضرت سعد بن عبادہ کا تو یہ معمول تھا کہ شام کو کھانے کے لئے ایک بڑا بادیہ بھر کر بھیج دیا کرتے تھے اس میں کبھی دودھ کبھی گھی اور کبھی سالن ہوتا تھا۔ اسی مسجد میں ایک خس پوش چبوترہ تھا جس اصحاب صفہ زیر تعلیم اور مصروف عبادت رہتے تھے۔

یہ گویا اسلام کی مقدس عظیم الشان مگر سادہ یونیورسٹی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس کے پرنسپل تھے اس سے دنیا کے بہترین مدبر گورنر اور سپہ سالار پیدا ہوئے اس وقت مسلمانوں پر عام غربت و افلاس کا دور طاری تھا۔ بالخصوص اصحاب صفہ کی حالت تو بہت ہی زار و نزار تھی فاقوں پر فاقے ہوتے تھے اتنے کہ بعض دفعہ تو عین نماز میں یہ بے ہوش ہو کر گر پڑتے تھے جو وقت ملتا جنگل جا کر لکڑیاں کاٹ لاتے انہیں فروخت کر کے نصف اپنے خرچ میں لاتے اور نصف خیرات کر دیتے ان کی تربیت و تعلیم کا بار تمام تر حضور نبی کریم ہی کے سپرد تھا اپنی اولاد سے زیادہ ان کا خیال تھا جہاں دعوت ہوتی ساتھ لے جاتے لیکن یہی وہ غریب فاقہ کش طبقہ تھا جس سے بہتر اس کے بعد دنیا پیدا نہ کر سکی اور نہ کر سکے گی تمام محاسن انسانی اور تعلیم اسلامی کے یہ ایک زندہ پیکر تھے اور ان کے اندر فیض صحبت نبوی سے وہ تمام اوصاف و محامد پیدا ہو چکے تھے جو افراد و اقوام کو دنیوی و روحانی ترقیات کے فلک الافلاک پر لے جانے کے ضامن ہوا کرتے ہیں۔

امت فخر انبیاء کی شان امتیازی

ابھی تک نماز میں وحدت اجتماع کی روح پیدا نہیں ہوئی تھی۔ جماعت کا کوئی اہتمام نہ تھا۔ جو جس وقت مسجد میں آتا نماز پڑھتا اور چلا جاتا لوگوں کو گھروں سے بلانے پر کچھ لوگ مامور تھے۔ بہت سی تجاویز پیش کی گئیں، جن میں حضرت فاروق اعظم کی اذان کی تجویز منظور ہوئی، اور اس ممتاز ترین اولین عبادت نے منظم صورت اختیار کر لی امت محمدی کو یہ شرف و افتخار حاصل ہے کہ اس نے اپنے پیشوائے اعظم کی اطاعت و انقیاد کے وہ شاندار اور عظیم الشان مظاہر دنیا کے سامنے پیش کئے جس کی کوئی ایک نظیر بھی دنیا کی کسی اور امت میں نہیں مل سکتی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام بڑے جلیل القدر پیغمبر گذرے ہیں جنکی عظمت کا شاہد خود قرآن مجید ہے لیکن بتایا جا چکا ہے کہ انکی امتوں نے قدم قدم پر سخت سے سخت نافرمانیاں کیں اپنے پیغمبروں کے دل دکھانے اور ستانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ کفار کا شکوہ نہیں کہ وہ کفار ہی تھے ان لوگوں نے جو ایمان لے آئے تھے اور جو مومنین کی جماعت میں شامل تھے اور جن پر کرم پر کرم تواتر کے ساتھ ہو رہے تھے انہیں اتنی مشکلات کا بھی سامنا نہ کرنا پڑا تھا۔ ان پر اتنے مصائب بھی نہ پڑے تھے اس کے باوجود ان کی طرف سے جواب صاف ملتے رہے لیکن حضور کے صحابۂ کرام کی تاریخ میں نافرمانی تو بڑی چیز ہے، ادنیٰ سستی اور سہل انگاری کا بھی کوئی ثبوت بتلاش بسیار بھی نہیں مل سکتا یہ ہر موقعہ پر پروانہ وار نثار ہوتے اور آپ کے اشارہ پر سر کٹانے کو تیار رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت نے اپنے پیشوائے امت کو صاف جواب دیدیا تھا کہ،

"جا تو اور تیرا خدا دشمنوں سے نپٹ لیں ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے"، یہ کتنا گستاخانہ جواب تھا اور اس کے اندر سرکشی اور عدوان کی روح کس شدت کے ساتھ کار فرما ہے۔ حضرت عیسیٰ کے پیرو عین نازک وقت میں ان کا ساتھ چھوڑ کر روپوش ہو گئے انہیں پر کیا منحصر ہے اگلی امتیں اس قسم کے مظاہر برابر پیش کرتی چلی آئیں لیکن حضور کے صحابۂ کرام ہر اڑے وقت میں آپ کے گرد جمع ہوئے۔ جانثاری کا پورا ثبوت قدم قدم پر پیش کیا

اس وقت بھی جب آپ پوری بے کسانہ زندگی بسر کر رہے تھے بڑے بڑے ذی مقدرت صحابہ غلاموں کی طرح آپ کا حکم مانتے اور آپ کے اشارۂ چشم وابرو پر رقص کرتے رہتے تھے مکہ کی زندگی کتنی مظلومانہ زندگی تھی پھر جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے ہیں اس وقت آپ کی اور آپ کے رفقاء کی حیثیت کیا تھی۔ یہ کہ نہ کھانے کو ٹکڑا تھا نہ رہنے کو جھونپڑا فاقوں پر فاقے ہوتے تھے انتہا یہ تھی کہ کفن کے لئے پورا کپڑا نصیب نہ ہوتا تھا پوری بیکسی اور افلاس تھا۔

انصار کا ایثار اور مہاجرین کی غیرت

اس وقت بھی بڑے بڑے رؤسائے مدینہ غلامانہ اطاعت وانقیاد کا اظہار کر رہے تھے وہ قوم جو اطاعت وفرماں برداری کے نام سے بھی آشنا نہ تھی وہ آپ کے ہر حکم پر سر جھکا رہی تھی اور آپ پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کے لئے تیار تھی مال اور اولاد دنیا کی بہترین محبوبات میں سے ہیں۔ جانتے ہو اس وقت کے احکام کیا تھے یہ کہ اپنی سادہ ضروریات کی تکمیل کے بعد تمہارے پاس جو کچھ بچے وہ سب خدا کی راہ میں دیدو۔ یہ سب کچھ حضور ہی کی زبان سے نکل رہا تھا۔ منافقین اور یہود انصار کرام کو برابر بھڑکاتے رہتے تھے کہ تم نے یہ کیا بلا اپنے سر مول لی ہے جس نے تمہاری ساری آسائشوں کا خاتمہ کر دیا۔ امیرانہ عیش کی زندگی چھوڑ کر غریبانہ اوقات بسری شروع کر دی کماؤ تم اور کھائیں مکہ کے نکالے ہوئے دولت یہ ساری کی ساری زکوٰۃ وصدقات کی صورت میں کھینچے لیتے ہیں۔ تمہاری جائدادوں مکانوں اور باغوں کے وارث یہ بن گئے۔ کیونکہ اس وقت یہ طریقہ رائج تھا کہ جب کوئی انصار مرتا تو اس کا ترکہ مہاجرین کو ملتا۔ اولاد جنگ وجدال کی نذر ہو رہی ہے۔ رہ گئیں جانیں وہ بھی خطرے میں پڑ گئی ہیں کہ قریش ویہود دشمن ہو چکے ہیں۔ مسلمان کیا ہوئے کہ تم نے انتہائی حماقت کی اور اپنا سب کچھ کھو کر فقیر بن گئے۔ لیکن آفریں ہے انصار کرام پر کہ ان میں سے کوئی بھی ان کے بھڑکانے سے نہ بھڑکا۔ کسی ایک قلب میں بھی کوئی خطرہ نہ گذرا کوئی ایک فرد بشر بھی جادۂ حق سے نہ ہلا بلکہ ان کی عقیدت اور بڑھتی ہی چلی گئی مہاجرین کرام چھپ چھپ کر مکہ سے نکلے تھے ساتھ کچھ لا ہی نہ سکے تھے اس لئے انصار کے گھر مہمان خانے بن گئے۔ یہ زندگی بھیر افراتفری کی زندگی تھی اور مہاجرین کی غیرت بھی اسے گوارا نہ کر سکتی تھی۔ کل پینتالیس مہاجرین تھے جن کو آپ نے انصار کے ساتھ سلک اتحاد میں منسلک کر دیا اس خوبی اور تدبر کے ساتھ کہ اس اخوت میں رتبہ ومذاق کا پورا خیال رکھا گیا جس مرتبہ ومذاق کے مہاجرین تھے انہیں اسی رتبہ ومذاق کے انصار کا بھائی بنا دیا۔ اس ایثار کی کوئی مثال کسی پیغمبر کی امت میں نہیں مل سکتی کہ جب انصار مجلس مقدس سے اٹھے ہیں تو اپنے اپنے مہاجرین بھائیوں کو ساتھ لیتے گئے اور ایک ایک چیز کا شمار کرا کے کہہ دیا کہ نصف مال آپ کا ہے۔ حضرت سعد نے نصف مال الگ کر کے کہا کہ میرے دو بیویاں ہیں ایک پسند کر لو میں طلاق دیکر اسے آپ کے حوالہ کر دوں گا۔ آپ کو کسی بات میں بھی تکلیف نہ ہونی چاہیئے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے جواب میں شکریہ کے بعد فرمایا کہ بھائی تمہارا مال تمہیں مبارک ہو مجھے تو ساتھ چل کر بازار بتا دو۔ چنانچہ بازار گئے غور سے دیکھا بھالا کچھ گھی اور پنیر خرید کر پھیری کی تجارت شروع کر دی کچھ ہی عرصہ میں کچھ روپیہ پاس ہو گیا تو شادی بھی کر لی۔ اس نیک نیتی کا یہ ثمرہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تجارت میں اتنی برکت دی کہ امیر الامراء ہو گئے۔

یہ اخوتی رشتہ بالکل حقیقی رشتہ کی صورت اختیار کر گیا تھا کچھ مہاجرین نے تجارت شروع کر دی تھی۔ انصار زراعت وباغبانی میں کمال رکھتے تھے ایثار کی انتہا یہ تھی کہ انہوں نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر استدعا کی کہ آپ باغات اور نخلستان بھی مہاجرین میں تقسیم کر دیجئے۔ حضور نے یہ کہہ کر خود ہی انکار کر دیا کہ مہاجرین تجارت پیشہ ہیں بھلا انصار کے جذبۂ ایثار کی اس سے کہاں تسکین ہو سکتی ہے۔ عرض کی آپ کچھ خیال نہ فرمائیں کام ہم خود ہی کر لیا کریں گے اور جو پیداوار ہوگی وہ نصف نصف تقسیم ہوتی رہے گی مہاجرین بھی سب کام میں لگ گئے تھے انہوں نے بازار میں اپنی دوکانیں کھول لی تھیں تمام مسلمانوں کی امداد تھی۔ سب انہیں دوکانوں سے سودا خریدتے تھے اس لئے ان کی

تجارتیں بھی جلد ترقی کر گئیں۔ پھر انہوں نے اپنے جداگانہ مکانات بھی تعمیر کر لئے۔ انصار کا یہ ایثار کہ انہوں نے اپنی ہر چیز اور اپنی نصف دولت ان کے سپرد کر دی اور مہاجرین کی یہ غیرت و خود داری کہ انہوں نے اس طرح پڑ کر بیکار رہ کر دوسروں کی کمائی کھانی گوارا نہ کی۔ اپنی روزی آپ پیدا کرنے کی سعی کی اور جیسے جیسے ان کی حالت سنبھلتی گئی وہ علٰحدہ ہوتے اور اپنا بار انصار پر سے کم کرتے گئے یہاں تک وہ بہت جلد اپنے پاؤں پر آپ کھڑے ہو گئے اس لئے کہ حضور کی تعلیم ہی یہی تھی۔ اس وقت کی تعلیم محض سننے سراہنے اور آج کی طرح فخر کرنے کے لئے نہ تھی بلکہ عمل کرنے کے لئے تھی قرآن میں جتنے احکام نازل ہوتے تھے حضور جو حکماً ارشاد فرماتے تھے اس پر تمام مسلمان بلا حیل و حجت عمل کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ ان کے اعمال و اخلاق تمام تر قرآنی سانچے میں ڈھل گئے تھے اور ان کے ہر کام ہر عمل میں برکت ہوتی تھی وہ برابر ترقی کرتے چلے جاتے تھے خدا ان سے خوش تھا، اور وہ خدا سے خوش تھے۔ کیا اور کسی پیغمبر کی امت میں آپ کو ڈھونڈھے بھی اس قسم کی مثالیں مل سکتی ہیں وہ اپنی نافرمانیوں سے خود کو برباد کرتی رہیں لیکن امت مسلمین نے اپنی اطاعت سے خود کو مستحق انعام بنالیا۔

تباہئ اسلام کیلئے دشمنوں کی باہمی سازشیں

مغربی مورخین اعلانیہ لکھتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ میں رہے فی الحقیقت ان کے پیغمبرانہ خد و خال نمایاں و درخشاں رہے۔ لیکن مدینہ میں یہ حالت باقی نہ رہی یہاں پہنچتے ہی فرماں روایانہ شان و شکوہ حاصل کر لی۔ تعصب کی آنکھ کو اس کے سوا اور نظر بھی کیا آسکتا ہے اس کی تو ایک چنگاری حقائق کے صدہا دفاتر کو نذر آتش کر دیتی ہے انہیں جو مرقع جور و ستم تیار کرنا تھا اس کے لئے آخر لہو کی بوندوں کی بھی ضرورت تھی اور وہ یہیں سے حاصل کی جاسکتی تھیں جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ مدینہ منورہ پہونچ کر اسلام کی مظلومی اور تکالیف تو ضرور دور ہو گئیں۔ سکون اور چین بھی نصیب ہوا اور جسمانی اذیتوں سے بھی نجات ملی لیکن یہاں دوسری قسم کے صدہا افکار و مصائب سوہان روح بن گئے مکہ میں مظلومانہ زندگی ضرور تھی۔ مصائب کی نوعیت تقریباً یکساں تھی ساتھ ہی یہ توقع بھی تھی کہ اگر قریش نے اسلام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تو اس کا اثر سارے عرب پر پڑے گا لیکن مدینہ کی یہ حالت نہ تھی اہل مدینہ کا اثر صرف مدینہ ہی تک محدود تھا۔ اور نہ مدینہ والوں کا اسلام دیگر قبائل کو متاثر کر سکتا تھا یہاں ایک کے بجائے دشمن بھی تین تھے جو قریش مکہ ہی کی طرح حضور کی جان و مال کے دشمن تھے۔

پھر مکہ والے جو سازشیں کرتے تھے ان کے اثرات دوسرے ہی دن مجسم شکل میں سامنے آجاتے تھے لیکن مدینہ میں آپ کے خلاف جو سازشیں شروع ہوئیں وہ اتنی وسیع اور اتنی گہری تھیں کہ ان کا پتہ ہی لگنا محال کیا غیر ممکن تھا۔ اور ہمہ وقت یہ خطرہ لاحق رہتا تھا کہ خدا جانے یہ لوگ کس وقت کیا کر بیٹھیں۔ منافقین تو اسلام کے اندر ہی موجود تھے اور مار آستین کسی صورت میں کم نہ تھے۔ بات بات پر جھگڑے پیدا کرنا اور انصار کو جو ان کے ہم قبیلہ ہی تھے ہر وقت بھڑکاتے رہنا ان کا ایک دلچسپ مشغلہ تھا۔ متعدد مرتبہ انہوں نے مہاجرین و انصار کو متصادم کرنے کی سعی کی اور حالات کو بے حد نازک بنا دیا وہ تو اللہ نے اپنا فضل کیا۔ مسلمان اس اندیشے سے رات رات بھر جاگتے رہتے تھے۔ یہی حالت یہود کی تھی یہ تو مشہور سازشی قوم تھی۔ اس وقت ان کے پاس دولت بھی تھی کاروبار بھی انھیں کے ہاتھوں میں تھا۔ سودی کام بھی کرتے تھے۔ ان میں تعلیم بھی تھی مضبوط قلعے بھی تھے جن میں ان کی دولت اور اسلحہ موجود تھے، اسلام کے ظہور سے پیشتر انصار پر ان کا بہت اثر تھا مسلمانوں کے آنے سے ان کے کاروبار و رسوخ پر سخت ضرب پڑی اور یہ استیصال اسلام کی سعی میں مشغول ہو گئے۔

ان میں ہر قسم کی بداخلاقیاں بھی پھیلی ہوئی تھیں سر راہ مسلم عورتوں کو چھیڑ دیتے تھے اور ہر وقت سازشیں کرتے رہتے تھے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بھی بڑا خوفناک اور بارسوخ سردار تھا تمام انصار اس کی سیادت تسلیم کرتے تھے اتنی کہ انہوں نے اس کی سرداری کی علامت کے طور پر اس کے لئے ایک تاج بھی بنوایا تھا جو اسلام کے منصہ شہود

پر ردنما ہونے سے نہ بہنایا جا سکا اور اس کی تمام توقعات آغشتۂ خاک وخون ہوکر رہ گئیں۔ قریش نے یہ سنکر کہ آپ مدینہ پہونچ گئے ہیں اسی عبداللہ کو خط لکھا کہ:۔

"تم نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دی ہے خدا کی قسم یا تو تم اسے نکال دو یا قتل کر ڈالو ورنہ ہم تم سے ضرور انتقام لیں گے اور تم پر حملہ کر کے تمہیں قتل کریں گے۔ اور تمہاری عورتوں کو اپنے تصرف میں لائیں گے" اس سے اس کے غرور کا پارہ اور چڑھ گیا تھا۔

ایک روز آپ خچر پر سوار ایک راستے سے گذر رہے تھے ایک جگہ کچھ مسلمان کچھ منافقین اور کچھ یہود بیٹھے ہوئے تھے۔ خچر کے چلنے سے گرد اڑنا معمولی بات تھی اس نے فوراً اپنے منہ پر کپڑا ڈال لیا اور آپ کو مخاطب کر کے مغرورانہ انداز میں کہا "اے شخص گرد نہ اڑا" حضور نبی کریم نے لوگوں کو سلام کر کے چند قرآنی آیات پڑھیں برافروختہ ہوگیا اتنا کہ چہرہ سرخ ہوگیا اور نہایت تحقیر کے ساتھ کہا کہ اے شخص مجھے یہ باتیں پسند نہیں۔ اگر یہ سچی بھی ہیں تو بھی تو ہماری صحبت میں آکر ہمیں پریشان نہ کیا کر۔ جو تیرے پاس پہونچ جائے اسے سنا دیا کر۔ جاں نثاران اسلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تو نہ تھے جو اس تحقیر کو گوارا کر لیتے دفعتاً مشتعل ہو گئے دو طرفہ تلواریں میان سے نکل آئیں حضور نے بدقت تمام دونوں کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا یہ باتیں اور شرارتیں عام تھیں۔ اسی طرح جب حضرت سعد بن معاذ رئیس اعظم انصار مکہ گئے ابوجہل کو ملے کہنے لگا تم نے ہمارے یہاں کے آدمی کو پناہ دی ہے اگر تم اس وقت امیہ بن خلف کے یہاں مہمان نہ ہوتے جو تمہارے قدیم دوست ہیں تو میں تمہیں آج ضرور قتل کر دیتا۔ لیکن تمہیں طواف تو ہرگز نہ کرنے دوں گا یہ بھی عرب ورئیس تھے۔ فرمایا ابوجہل حد سے آگے نہ بڑھو۔ اگر تم نے مجھے طواف سے روکا تو میں تمہارا شام کا راستہ بند کر دوں گا۔ قریش غافل نہ تھے وہ بھی مدینہ پر حملہ کی تیاریوں میں مصروف تھے جس کی خبریں برابر پہنچتی رہتی تھیں۔ ان کے شبخون مارنے کا شدید اندیشہ تھا۔

عجیب تشویشناک صورت تھی قریش حملہ وشبخون کا تہیہ کئے ہوئے تھے منافقین کی ہمدریاں انہوں نے حاصل ہی کرلی تھیں عبداللہ بن ابی نے لکھ دیا تھا کہ تمہارے کسی اقدام کی صورت میں انصار کو مہاجرین سے نہ ملنے دوں گا یہود قریش کے ہر بات کی تائید کرتے تھے اور ان کی طرف سے بھی قریش کو امداد کا یقین دلایا جا چکا تھا مکہ سے لے کر مدینہ تک راستے میں جتنے قبائل آباد تھے کچھ تو مذہبی سیادت اور کچھ پروپیگنڈے کے زیر اثر سب کے سب قریش کے ہمدرد وحامی تھے ان کے ساتھ دینے ہی کا یقین نہ تھا اس کا بھی اندیشہ تھا کہ کہیں قریش اپنے انہی زیر اثر قبائل میں سے کسی کو آگے نہ بڑھائیں اور وہ رات کے سناٹے میں حملہ کر دے ان اندیشوں اور مشکلات کے باعث مسلمانوں کی رات کی نیندیں حرام ہوگئی تھیں۔ تمام مہاجرین کرام مسلح حالت میں سوتے اور حضور نبی کریم کے حجرے پر رات بھر مسلح پہرہ دیتے رہتے تھے کہ وحی نازل ہوئی واللہ یعصمك اللہ تمھیں ان کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت سے پہرہ موقوف کر دیا۔

جنگ وجہاد کی ربانی اجازت

مغربی مورخین اعتراض کر دینے میں تو بہت بے باک ہیں لیکن اس صورت حالات کو نظر انداز کر دیتے ہیں:۔

مسلمانوں کو مسلسل تیرہ چودہ سال تو مصائب اٹھاتے ہوئے گزر چکے تھے اور معاندین کی شرانگیزیاں اور شرارتیں کم ہونے میں نہ آتی تھیں آخر اس صورت میں مسلمان کرتے تو کیا کرتے کیا وہ خود کو خاموشی کے ساتھ تباہ ہونے دیتے اور قریش ویہود ومنافقین کو خود یک بیک حملہ آور ہونے کی دعوت دیتے اور اپنے تحفظ کے لئے بھی تلوار ہاتھ میں نہ لیتے۔ پیغمبر بھی تو آخر انسان ہی ہوتا ہے۔ ضرور حضور کی دعا ہی سب کچھ کر سکتی ہے اور پیغمبروں نے واقعی ان حالات میں بددعا ہی سے کام لیا اور ان کی قومیں تباہ ہوکر رہ گئیں لیکن آپ نے سیدھا راستہ اختیار کیا کہ کفار کی طرف سے علانیہ طور پر آپ کی ہلاکت کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ تلوار

اٹھائی مگر انتہائی مجبورانہ صورت میں۔ اقتدار پاکر نہیں اس وقت جب کہ مسلمان مسلمہ طور پر بہت کمزور اور قلیل التعداد تھے فتح کرنے اور لوٹنے کے لئے نہیں۔ بلکہ اپنی مدافعت کے لئے۔ پڑھ چکے ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو کنعانیوں سے محض اس وجہ سے لڑنے اور جہاد کرنے پر آمادہ کر رہے تھے کہ وہ کافر ہیں اور ملک ایمانداروں کا حصہ ہے۔

دوسرے حملہ کے وقت ان کے پاس چھ لاکھ مسلح جوان تھے جن کے پاس فراعنہ کی تمام دولت اور تمام اسلحہ موجود تھے پھر بھی وہ لرز رہے تھے۔ اور انہوں نے صاف جواب بھی دیدیا تھا لیکن مسلمان اس حالت میں اٹھے ہیں کہ انکے پاس نہ زر ہے نہ زور نہ اسلحہ ہیں نہ آدمی۔ ظاہر ہے کہ کمزور قوی کے خلاف کھڑا ہوتا ہے۔ لیکن حضور پیغمبر تھے اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھا سکتے تھے۔ آخر ۱۲ صفر ۲ھ میں ایک سال بعد مسلمانوں کو جنگ وجہاد کی اجازت مل گئی اور یہ آیت نازل ہوئی اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا ان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر جن کے خلاف جنگ وجہاد کی تیاریاں ہو رہی ہیں انہیں بھی ان سے جنگ کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے۔ اور گو یہ کمزور ہیں مگر خدائے قدوس ان کی امداد پر قادر ہے۔ اجازت بھی ملی اور نصرت کا وعدہ بھی ہو گیا اب کیا تھا مسلمان بہت خوش ہو گئے اور انہوں نے بھی تیاریاں شروع کر دیں۔

حضور کی مدبرانہ تدابیر

حضور فخر انبیاء کی رسالت کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ہر اقدام کے لئے سیدھی اور عاقلانہ راہیں اختیار کیں اور دنیوی تدبر وسیاست کا بہترین مظاہرہ قدم قدم پر کرتے رہے۔ تاکہ مسلمانوں کے سامنے ایک راہ عمل پیش کر دیں اور وہ سمجھ لیں کہ دنیا دار الاسباب ہے اور انہیں اسباب مہیا کرنے کے بعد دعا سے کام لینا چاہیئے۔ انسان اس لئے پیدا نہیں ہوا کہ وہ محض توکل وتقدیر پر بھروسہ کئے بیٹھا رہے بلکہ حکم ہے کہ وہ عقل وتدبر اور سعی وجہد سے کام لے کر آگے بڑھے۔

حضور نبی کریم نے اجازت ملتے ہی ان تدابیر سے کام لیا جو ایسے مواقع پر بہتر سے بہتر اور لائق مدبرین کو بھی مشکل سوجھتی ہیں سب سے پہلے آپ نے جنگ کو ٹالنے اور قریش سے مصالحت کے لئے یہ کیا کہ ایک طرف تو قرب وجوار کے قبائل سے معاہدہ امن کی سعی کی اور دوسری طرف قریش کی مایۂ عزور تجارت شام کو روکنے کی تجاویز سوچیں چنانچہ حضور نے پچاس پچاس جوانوں کے دستے مکہ کی طرف بھیجنے شروع کر دئیے تاکہ وہ قریش کے کاروان تجارت کو ڈرائیں اس سے چھیڑ چھاڑ کریں اور لڑنے کی نوبت آجائے تو اس کے لئے بھی تیار رہیں۔

مورخین مغرب ان مہموں کو قتل وغارت گری کے نام سے موسوم کرتے ہیں حالانکہ ایک قافلہ بھی نہیں لٹتا اور لٹتا بھی تو آخر یہ انہی دشمنوں کا تو قافلہ تھا جو مسلمانوں کی جان ومال کے دشمن بنے ہوئے تھے۔ دوسری طرف آپ نے اسی اسی میل تک راہ میں بسنے والے قبائل سے معاہدات امن کر لئے، عرب میں معاہدات امن کی پاسداری انتہائی ضروری سمجھی جاتی تھی۔ قریش نے متنبہ ہونے کے بجائے کرز بن فہری کے زیر قیادت ایک دستہ بھیج کر مدینہ پر حملہ کر دیا اور وہ کچھ مویشی لوٹ کر واپس چلا گیا۔ اس کے بعد آپ نے ایک دستہ قریش کی نقل وحرکت کا پتہ لگانے کے لئے مامور کیا راہ میں قریش کے چند آدمی مال تجارت لئے ہوئے جاتے مل گئے رئیس قافلہ عبداللہ بن الحکم نے حملہ کر دیا جس میں ایک شخص عمرو بن الحضرمی قتل ہو گیا اور دو گرفتار ہو گئے۔

جب حضور کے سامنے مال غنیمت پیش کیا گیا تو حضور بہت ناراض ہوئے کہ میں نے تمہیں یہ حکم تو نہ دیا تھا۔ اس ایک واقعہ نے قریش میں آگ سی لگا دی۔

مکہ میں جنگ کیلئے ہیجان عظیم

مقتول کا باپ رئیس اعظم قریش حرب بن امیہ کا حلیف تھا اور جو دو شخص گرفتار ہوئے تھے وہ ایک بہت بڑے سردار مغیرہ کے پوتے تھے جس کا درجہ قریش میں حرب کے بعد سب سے بڑا سمجھا جاتا تھا ان کے نام نوفل و

عثمان تھے۔ جوش تو پھیلا ہی ہوا تھا۔ ہر طرف قیامت کا جوش پھیل گیا۔ چونکہ قریش پہلے ہی سے جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے اس لئے اس مرتبہ جو قافلہ تجارت شام کی طرف روانہ ہوا تھا وہ اس سر و سامان کے ساتھ روانہ ہوا تھا کہ مکہ والوں نے اپنی تمام پونجی اور سارا سرمایہ لگا دیا تھا اور یہ قرار پایا تھا کہ اس دفعہ جو نفع حاصل ہو سب کا سب مصارف جنگ کے لئے وقف کر دیا جائے انتہا یہ ہے کہ مکہ کی عورتوں نے بھی اس میں پورا حصہ لیا تھا۔ اس سے پیشتر کی سازشوں عبداللہ بن ابی کے نام ابوجہل وغیرہ کے خط کے متعلق پہلے صراحت کی جا چکی ہے۔ اس قافلہ کی روانگی کے بعد ہی ابن الحضرمی کے قتل کا واقعہ پیش آیا جو نہ بھی آتا تو بھی جنگ کی تیاریوں کا تو تہیہ ہو ہی چکا تھا۔ اس قتل نے مکہ والوں کی دیوانگی میں طوفان خیز اضافہ کر دیا اور جنگ کی صداؤں سے مکہ گونج اٹھا ضرور مکہ کا بچہ بچہ جوش انتقام سے لبریز اپنی اپنی جگہ مسلمانوں پر دانت پیس رہا تھا۔

تاہم اشرار کے مجامع میں کچھ نیک افراد بھی تھے جو دل سے اس جنگ کو ناپسند کرتے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ فضول قوم کا خون بہے۔ حکیم بن حزام اور عتبہ انہیں نیک دل اور امن پسند افراد میں تھے چنانچہ حکیم نے عتبہ سے جا کر کہا کہ:۔

اگر آپ چاہیں تو آج کا دن آپ کی نیک نامی کی ابدی یادگار رہ جائے۔ استفسار پر کہا ابن حضرمی آپ کا حلیف تھا آپ اس کا خون بہا اپنے پاس سے ادا کر کے اس سیلاب بلا کو روک سکتے ہیں۔ عتبہ اپنی نیک دلی کی بنا پر فوراً راضی ہو گیا۔ ولید بن مغیرہ سردار اعظم قریش کا بھتیجہ ہونے کی حیثیت سے ابوجہل نے بھی قریش میں بہت بڑی امتیازی حیثیت حاصل کر لی تھی۔ اس کا بھی اس امر میں متفق ہونا ضروری تھا اس کے پاس جو عتبہ کا پیغام پہونچا تو بیساختہ کہہ اٹھا۔

"جانتا ہوں عتبہ کی ہمت نے جواب دیدیا ہے۔ ان کا لڑکا ابوحذیفہ لشکر اسلام میں شامل ہے جی چراتے ہیں کہ جنگ میں اسے چشم زخم نہ پہنچے۔"

عتبہ کو یہ طعنہ کھا گیا اس کی غیرت نے بھی جوش مارا اور برہم ہو کر بولا کہ:۔

"میدان جنگ کی سرزمین خود دکھا دیگی کہ نامرادی کا داغ کس کی قسمت بننے والا ہے۔" اسی وقت سے عتبہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا کہ سپہ سالاری کا عہدہ اسی کو ملا ہوا تھا۔ ابوجہل کو کھٹکا تو ہو ہی چکا تھا اس نے حضرمی کے بھائی کو فوراً بلا کر کہا دیکھتے ہو تمہاری آنکھوں کے سامنے تمہارے بھائی کا خون نکلا جا رہا ہے اور عتبہ ارادہ کر رہا ہے اسے اندوہ و رنج تو تھا ہی اور صدمہ ہوا عرب کے طریقہ کے مطابق اس نے وہیں کپڑے پھاڑ ڈالے اور خاک اڑا اڑا کر واعمراہ" کے ولدوز نعرے لگانے شروع کر دئے اس سے تمام قریش کے قلوب میں انتقام کے خوفناک شعلے بھڑک اٹھے اور ایک عام جوش پھیل گیا۔

فدائیان رسالت کا والہانہ جوش

حضور نبی کریم کو برابر اطلاعات پہونچ رہی تھیں۔ اس جوش سے مطلع ہو کر آپ نے ایک جلسہ طلب فرمایا۔ مہاجرین نے بڑی پرجوش اور فداکارانہ تقریریں کیں۔ حضور برابر انصار کرام کی طرف نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے تھے اس پر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر ایک فدایانہ و پر خلوص تقریر کی جس کے دوران میں کہا۔

"حضور کا اشارہ ہماری طرف ہے۔ خدا کی قسم اگر آپ ہمیں حکم دیں تو ہم سمندروں میں بے تامل کو د پڑیں"۔ حضرت منذر رضی اللہ عنہ بولے ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح نہیں جو اس موقع پر یہ کہہ دیں کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں ہم لوگ لڑیں گے اور آپ کے آگے پیچھے اور داہنے بائیں سے لڑیں گے۔"

حضور کا چہرہ فرط مسرت سے چمک اٹھا ۱۲ ر رمضان ۲ھ کو مدینہ سے روانہ ہو کر آپ نے ایک میل کے فاصلہ پر قیام کیا جائزہ لیا تو اس وقت تین سو سے کچھ زیادہ فداکاران اسلام جلو میں تھے۔ ان میں سے جو کم عمر تھے انہیں واپس کر دیا اور آپ اپنے ساتھ ۳۱۳ فدائی بزرگوں کو

لیکر آگے بڑھے جن میں ۶۰ مہاجرین تھے۔ مدینہ بھی دشمنوں سے لبریز اور شرارت کا اندیشہ تھا اس لئے آپ نے یہاں کا بھی کافی انتظام کر کے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر کو مدینہ کا حاکم مامور کیا۔

پوری احتیاط اور خاموشی کے ساتھ گزرتے ہوئے آپ پانچویں روز نواح بدر میں پہونچ گئے قریش بھی چل کھڑے ہوئے تھے۔ یہاں اسلامی جاسوسوں نے اطلاع کی کہ قریش وادی کے دوسرے سرے تک پہونچ چکے ہیں اس لئے آپ وہیں خیمہ زن ہو گئے اور قریش کے سیلاب کے امنڈنے کا انتظار اور اپنی فوج کا انتظام کرنے لگے،

لشکر قریش کا مغرورانہ طمطراق

قریش کا لشکر بھی سامنے آگیا جس میں سو غرق آہن سواروں کا ایک دستہ تھا۔ اور ہزار پیادہ جوانوں کی جمعیت تھی۔ سب کے پاس ہتھیار تھے رسد کا یہ انتظام تھا کہ عباس، عتبہ، حرس بن عامر، نضر بن الحارث، امیہ بن خلف اور ابوجہل وغیرہ رؤسائے قریش باری باری روزانہ دس اونٹ فوج کے لئے ذبح کرتے تھے۔ تمام سرداران قریش اپنی پوری طاقت کے ساتھ میدان میں آگئے تھے ان ۱۲۰۰ مسلح اور ہر قسم کے آلات حرب سے آراستہ قریشی فوج کے مقابلہ میں صرف ۳۱۲ مسلمان تھے جن کے پاس پورے اسلحہ بھی نہ تھے اور نہ جرأت وشجاعت میں انہیں کوئی خاص امتیاز حاصل تھا البتہ یہ ضرور تھا کہ ان کے سینے نور ایمان سے روشن تھے یہ اللہ تعالیٰ کے لئے لڑ رہے تھے اور کفار باطل کے لئے مصروف کار تھے۔ چشمہ اور کنویں پر قریش کا قبضہ ہو چکا تھا۔ لیکن ایک طرف تو خدائے قدوس نے باران رحمت نازل کیا اور دوسری طرف چشمہ پر بھی قبضہ ہو گیا موقعہ تھا اور آپ دو تین ہی روز جنگ کو ٹال کر قریش کے لشکر کو پیاسا مار سکتے تھے لیکن ساقی کوثر کی مکرمت ومروت نے اسے گوارا نہ کیا اور قریش کو بھی پانی لینے کی اجازت دے دی۔

دوسرے دن صبح ہی آپ نے نماز کے بعد صفیں مرتب کیں اور تاکید کر دی کہ کوئی تل بھر بھی آگے پیچھے نہ ہونے پائے اور نہ اس کے منہ سے کوئی آواز نکلے۔

میدان جنگ میں ایفائے عہد

اسی اثنا میں ابوحذیفہ بن الیمان اور ابو واصل دو صحابی مکہ کی طرف سے حاضر ہوئے اور عرض کی کفار نے ہمیں راستے میں روک لیا تھا عدم شرکت جنگ کا وعدہ لے کر ہمیں آنے دیا ہے۔ فرمایا۔

"ہم ہر حالت میں ایفائے عہد کریں گے ہمیں صرف خدا کی مدد درکار ہے" اللہ تعالیٰ نے انہیں دونوں لشکروں کے متعلق یہ آیت نازل کی۔

قد کان لکم آیۃ فی فئتین التقتا فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ واخری کافرۃ

ان لڑنے والوں میں تمہارے لئے صاف عبرت موجود ہے کہ ایک فریق خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا منکر خدا تھا۔

بارگاہ ربانی میں پیغمبرانہ خضوع

صفوں کی ترتیب کے بعد آپ نے دونوں لشکروں پر ایک نظر ڈالی اور کچھ دور جا کر عبادت میں مصروف ہو گئے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شدید خضوع کا عالم طاری تھا رقت کی حالت تھی چشمان مبارک لبریز اشک تھیں ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعا مانگ رہے تھے کہ: "خدایا تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے آج پورا کر" محویت وازخود رفتگی کا یہ عالم تھا کہ ردائے مبارک شانہ ہائے مقدس سے سرک سرک جاتی تھی اور حضور کو احساس تک بھی نہ ہوتا تھا کبھی سربسجود ہو جاتے کبھی پھر اٹھاتے اور عرض کرتے۔

"خدایا اگر آج یہ چند نفوس مٹ گئے تو پھر قیامت تک نہ پوجا جائے گا"

یہ بیقراری یہ اضطراب یہ بےچینی اور یہ خضوع دیکھ کر بندگان خاص پر بھی رقت کا عالم طاری ہو گیا۔ حضرت صدیق اکبر نے تو عرض کی کہ حضور! ہراساں نہ ہوں اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ یہ خضوع وخشوع دریائے رحمت کو جوش میں

لے آیا: منگنے والا کچھ اس در سے مانگ رہا تھا اور کچھ اس شان بندگی کے ساتھ اٹھا ہوا تھا کہ وہ ہٹا اور اسی وقت ہٹا جب اسے وہیں سیھزم الجمع و یولون الدبر کے الفاظ میں بشارت مل گئی یہ تھا فخر انبیا کی رسالت و محبوبیت کا زندہ جاوید مظاہرہ۔"

دنیا میں اللہ کی راہ میں لڑنے والوں کی للہیت

بے شمار جنگیں لڑی گئیں اور لڑی جاتی رہیں گی لیکن اس جنگ سے زیادہ سبق آموز اور بصیرت افروز جنگ نہ کبھی اس سے پہلے ہوئی اور نہ بعد میں ہوگی۔ اس کے اندر بہت سی ایسی مثالیں بھی سامنے آگئیں جو قیامت تک مسلمانوں کے لئے مایۂ عبرت و موعظت بنی رہیں گی۔ جب دونوں حریف لشکر آمنے سامنے ہوئے ہیں تو ایک حیرت بار و حیرت انگیز منظر نگاہوں کے سامنے تھا دونوں مقابل صفوں اور حریف لشکروں میں ایک دوسرے کے عزیز اور لخت جگر موجود تھے اور دیکھ رہے تھے کہ ان کے باپ بیٹے دل و جان سے پیارے سامنے موجود ہیں۔

کوئی بھی ایسی جنگ بتا سکتے ہو جس میں باپ بیٹے کا سر قلم کرنے آگے بڑھا ہو اور بیٹا باپ کے جگر میں اپنا نیزہ اتارنے کے لئے جھپٹا ہو۔ مگر اس جنگ میں یہی ہوا اور اللہ کے لئے تمام خونی رشتے منقطع ہو گئے اور خوشنودی رب قدیر کے لئے فرزندان توحید نے اپنے جگر پاروں کے سر جرم انکار توحید میں خود کاٹے۔ عتبہ سپہ سالار قریش میدان جنگ میں جب نکلا تو سب سے پہلے اس کے فرزند جلیل حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ہی اس کے مقابلہ میں تلوار کھینچ کر سامنے آئے۔ حضرت صدیق اکبر کے بیٹے جو ابھی تک کافر تھے بڑھے اور سب سے پہلے اللہ کا یہ صدیق ہی ان کا سر ایک وار میں اڑانے کے لئے جھپٹا حضرت فاروق اعظم نے اپنے ماموں پر ایک تلا ہوا وار کیا۔ سیرت ابن ہشام میں یہ تمام واقعات تفصیل کے ساتھ درج ہیں لیکن قلت گنجائش کی وجہ سے ہم صرف اشارات ہی پر اکتفا کر رہے ہیں۔

عرب کے طریق جنگ کے مطابق پہلے مبارزطلبی کا سلسلہ جاری رہا یہ نظارہ کتنا موثر اور دلنشیں تھا کہ جب شیبہ کے ہاتھ سے حضرت عبیدہ مجروح ہوئے ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اسے ایک وار میں جہنم میں پہنچا کر حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو دوش مبارک پر اٹھا کر سامنے لائے ہیں تو عبیدہ رضی اللہ عنہ اپنے گہرے زخموں کو بھول جاتے ہیں اور بیتابانہ عرض کرتے ہیں۔ "یا رسول اللہ کیا میں منصب شہادت سے محروم رہا" فرماتے ہیں نہیں تم اس کے مستحق ہو گئے عرض کی آج ابو طالب زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ ان کے اس شعر کا مستحق میں ہوں۔

"ہم محمد کو اس وقت دشمنوں کے حوالے کریں گے جب ان کے گرد لڑ کر اور کٹ کر مر جائیں گے۔ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنے بھائیوں اپنے بیٹوں اور بیویوں کو بھول جاتے ہیں"

میدان بدر میں کفر و اسلام کی پہلی جنگ اسکے بعد

گھمسان کی جنگ شروع ہوئی تو زمین تھرا اٹھی۔ دیر تک میدان کارزار گرم رہا۔ فرزندان توحید پورے جوش و خروش کے ساتھ لڑ رہے تھے اور قریش نے بھی اظہار شجاعت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا۔ مسلمان تھوڑے تھے ان کی تعداد قریش کے مقابلہ میں چوتھائی بھی نہ تھی پھر بھی وہ بھاری پڑے اتنے بھاری کہ لشکر عظیم قریش کو تباہ کر کے رکھ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ قریش کے نامور سردار شیبہ، ابوجہل، عتبہ، امیہ بن خلف اور اس کا بہادر فرزند مارے گئے۔ یہی وہ تھے جو ارکان جنگ سمجھے جاتے تھے۔

ان کے قتل ہو جانے سے قریش کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ حوصلے سرد پڑ گئے۔ انہوں نے پھر لڑنا خودکشی کے مترادف سمجھا مسلمانوں کے دست و بازو دیکھ ہی چکے ان شیران بیشۂ اسلام سے مقابلہ آسان نہ رہا تھا۔ ہتھیار رکھ دئے۔ لشکر اسلام سے اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے

بلند ہوئے اور انہوں نے فوراً گرفتاری اور تعاقب شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے حضرت عباس، اسود بن عامر، حضرت عقیل اور زمعہ وغیرہ جیسے اکابر گرفتار ہو گئے۔

اس وقت پھر سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر خضوع کا عالم طاری ہو گیا یہ حالت تھی کہ احساس شکر وسپاس میں حضور کا فرق مقدس جھکا جاتا تھا یہ کوئی معمولی نہیں بہت بڑی بات تھی کہ وہ مظلوم مسلمان جو دس سال تک مکہ میں انتہائی اذیت واندوہ کی زندگی بسر کر چکے تھے جو کس مپرسی کے عالم میں اپنا گھر بار چھوڑ کر اور صرف اپنی جانیں لے کر مدینہ منورہ آئے تھے جن کے پاس نہ پہننے کو کپڑا تھا اور نہ کھانے کو ٹکڑا اور جنھیں قریش اپنی قوت وطمطراق سے نیست ونابود کرنے چلے تھے شکست ہوتی ہے اور قریش کو انہی کے ہاتھ سے ہوتی ہے یہ محض فضل الٰہی تھا۔ تائید غیبی تھی۔ جب کوئی اس کا بن جاتا ہے اس کے احکام پر چلتا ہے اس کا کہنا مانتا ہے اس کی راہ پر چلتا ہے۔ اپنی طرف سے پوری سعی وجہد اور تدبیر وعقل سے کام لے کر بعد کو اسی کی رحمت اور اسی کے فضل پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کی امداد ہوتی ہے اس وقت بھی ہوئی اور ضرور ہوئی۔

خود خدائے قدوس ہی فرماتا ہے یرونکم مثلیھم رای العین مسلمان کافروں کو اپنی تعداد سے دگنے نظر آرہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی خدا کی امداد وتائید کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتا۔ اسے اگر کچھ اختیار بھی ہے تو اتنا ہی کہ وہ اس کی دی ہوئی طاقتوں سے کام لے۔ لیکن کامیابی وکامرانی اسی کے ہاتھ ہے۔

سرداران قریش کی مکمل معدومیت

لشکر اسلام سے صرف چودہ بزرگ شہید ہوئے جن میں چھ مہاجرین تھے اور آٹھ انصار تھے۔ قریش کے ستر افراد قتل اور ستر ہی مجروح ہوئے۔ وہ تمام رؤسائے قریش جو شجاعت و دلیری میں نظیر نہ رکھتے تھے اور جنھیں سرداری وسالاری میں امتیازی رتبہ حاصل تھا اور جن کی ذات پر قریش کو بجا طور پر ناز تھا وہ سب کے سب بلا استثناء اس جنگ میں کھیت رہے۔

ابوجہل، شیبہ، امیہ بن خلف، عاص بن ہشام، عتبہ زمعہ بن الاسود، منبہ بن الحجاج، ابوالبختری قریش کے وہ نامور فرزند وسردار تھے جن پر قریش ہی کو نہیں سارے عرب کو ناز تھا۔ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچا۔ یہی وجہ ہے کہ قریش کی اصلی قوت بالکل ٹوٹ گئی۔ عقبہ اور نضر بن الحارث بھی مشہور سردار تھے اور یہ دونوں زندہ گرفتار ہو گئے تھے یہ اپنے شدید جرائم کی بنا پر قتل کر دئے گئے — یہ عقبہ وہی تھا جس نے عین سجدہ کی حالت میں حضور کی گردن پر اونٹ کا اوجھ لاکر رکھ دیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کنواں کھدوا کر مقتولین قریش کی لاشیں اس میں ڈلوا دیں امیہ کی لاش پھول گئی تھی اور تعفن پیدا ہو گیا تھا اس لئے اس پر وہیں مٹی ڈلوا دی گئی۔ یہ وہی امیہ ہے جس نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو انتہائی اذیت دی تھی اور ظلم وستم کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔

اسیران جنگ سے پیغمبرانہ برتاؤ

اسیران جنگ کے ساتھ عرب میں نہایت خوفناک سلوک روا رکھا جاتا تھا اور کم از کم دوامی غلامی کی ذلت تو انہیں برداشت ہی کرنی پڑتی تھی لیکن سردار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران بدر کے ساتھ جو سلوک روا رکھا وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے تاریخ میں اس کی کوئی ایک مثال بھی موجود نہیں۔ پھر اسیر بھی وہ اسیر جو اتفاق ومجبوری کی وجہ سے میدان جنگ میں نہیں آئے تھے بلکہ دس برس تک انتہائی اذیتیں پہنچاتے رہے تھے لیکن مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ خود بھوکے پڑے رہتے اور انہیں کھلاتے آپ کھجوریں کھا کر پڑ رہتے اور انہیں کھانا کھلاتے۔ سہیل بن عمرو کے دو دانت اس جرم میں اکھڑوائے کہ یہ مجامع عام میں حضور نبی کریم کی ہجو و توہین میں تقریریں کیا کرتا تھا۔

حضرت فاروق اعظم کی رائے تھی کہ ان سب کو قتل

کیا جائے اور وہ بھی اس طرح کہ ہر شخص اپنے عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ لیکن حضور نبی کریم نے سب کو چار چار ہزار درہم فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اور جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہ کر سکتے تھے انہیں ویسے ہی چھوڑ دیا گیا اور جو لکھنا جانتے تھے ان کے متعلق حکم ہوا کہ ایک ایک اسیر دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دے اور آزاد ہو جائے۔ حضرت زید بن ثابت نے ان اسیروں ہی سے لکھنا پڑھنا سیکھا تھا۔ انصاف و مساوات کا تو یہ عالم تھا کہ حضرت عباس پر ان کی دولت مندی کے باعث زیادہ فدیہ عاید کیا گیا اور محبت کا یہ عالم کہ وہ ہاتھ کس کر بندھے ہونے کے باعث کراہ رہے تھے دولت مند آدمی تھے تکلیف برداشت نہ ہوتی تھی، ان کی کراہ سے آپ کو نیند نہ آئی زبان سے کچھ نہ کہہ سکے آخر بندگان خاص نے اشارہ سمجھ کر بند ڈھیلے کر دیئے اس وقت نیند آئی خود حضور رسالت پناہ کے داماد ابو العاص بھی اسیران بدر میں شامل تھے ان کے پاس فدیہ ادا کرنے کے لئے کوئی رقم نہ تھی۔ آخر جگر گوشۂ رسول اکرم نے اپنا قیمتی ہار مکہ سے ان کی رہائی کے لئے بھیجا جو وہی تھا جسے حضرت خدیجہ نے حضرت زینب کو ان کے جہیز میں دیا تھا۔ نظر پڑتے ہی غمگسار بیوی یاد آگئیں آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ مسلمانوں سے فرمایا اس ہار کو دیکھ کر میرا دل دکھتا ہے یہ میری بیوی کی نشانی ہے، اگر تمہاری مرضی ہو تو میں بیٹی کو اس ماں کی یادگار واپس کر دوں

قریش کے اقتدار پر کاری ضرب

مکہ والے کچھ اور ہی خیال میں تھے مٹانے چلے تھے اسلام کو مٹ گئے خود ہی مکہ میں شکست و ہزیمت کی خبر سے ایک کہرام مچ گیا ہر گھر ماتم کدہ تھا شکست غیر متوقع بھی تھی اور بہت خوفناک تھی اس لئے قومی غیرت و رسوائی کے خیال سے اعلان عام کر دیا گیا تھا کہ کوئی شخص بلند آواز سے نہ رونے پائے۔ ایک شخص اسود کے تینوں جوان بیٹے اس جنگ میں قتل ہو گئے۔ ایک روز ایک عورت کا اونٹ گم ہو جانے پر روتے جو سنا تو یہ اشعار زبان پر جاری ہو گئے یہ عورت اونٹ گم ہو جانے پر روتی

إن الدين عند الله الإسلام

ہے اور رات کو اسے نیند نہیں آتی پھر میں بکر و عقیل و حارث کو کیونکر صبر کروں سچ یہ ہے کہ بدر میں قسمت نے کمی نہیں کی عمیر کا بیٹا وہاں قید تھا چھڑوا کر پوچھا کیوں آئے ہو۔ بولا بیٹے کو آزاد کرانے۔ پوچھا تلوار پاس کیوں ہے۔ بولا بدر میں بھی تو تلواریں پاس تھیں۔ انہوں نے کیا کام دیا۔ فرمایا کیا تم نے صفوان کے حجرے میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی اور اسی سلسلہ میں زہر میں بجھا ہوا خنجر لیکر میرے قتل کے ارادے سے نہیں نکلے۔ عمیر یہ سنکر سناٹے میں آگیا کہ حقیقت حال یہی تھی اور اس کا علم ان دونوں کے سوا اور کسی کو نہ تھا۔ عمیر اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ مکہ والے بشارت قتل کے منتظر تھے کہ صفوان نے کچھ دن کے بعد دور مسرت میں اس کا ذکر کر دیا تھا۔ خبر ملی تو عمیر کے اسلام کی ملی بھنا کر رہ گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ جنگ محض اسی اعتبار سے اہم جنگ نہ تھی کہ یہ کفر و اسلام کا پہلا معرکہ تھا جس میں کفر کو اپنی تمام قوتوں اور شوکتوں کے باوجود شکست ہوئی بلکہ اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس سے قریش کا اصلی زور ٹوٹ گیا۔

تمام بڑے بڑے وہ رؤساء جن میں سے ہر ایک ترقی اسلام میں سد آہن کی حیثیت رکھتا تھا قتل ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں شر انگیزی و شیطنت کاری کی مزید مہلت نہ دی چونکہ مکہ میں کوئی معزز رئیس باقی نہ رہا تھا اس لئے مکہ کی ریاست کا تاج ابو سفیان کے سر پر رکھا گیا۔ وہ تمام قبائل عرب بھی مرعوب ہو گئے جنہیں قریش نے اسلام کے خلاف مشتعل کر رکھا تھا عبد اللہ بن ابی بھی خوفزدہ ہو کر ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہو گیا۔ یہودیوں کی آتش حسد اور بھڑک اٹھی مگر بظاہر ان کی زبانیں بھی بند ہو گئیں اور مال غنیمت و زر فدیہ ہاتھ آنے سے مسلمانوں کی حالت بھی سنبھل گئی

قاہرہ میں ایک اللہ والے کی خانقاہ

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا پیغام عصر حاضر کے نام

ڈاکٹر سید عبد اللہ

موضوع کا عنوان تقاضا کرتا ہے کہ حضور کی سیرت پاک کے حوالے سے عصر حاضر (یعنی مغرب) کے فکری و معاشرتی احوال پر بھی کچھ گفتگو کی جائے اور یہ بتایا جائے کہ حضور کی تعلیمات سے مغرب کس طرح مستفید ہو سکتا ہے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ مغرب سائنس اور ٹیکنالوجی میں بڑی ترقیاں کر چکا ہے لیکن ان عظیم الشان ترقیات کے باوجود جیسا کہ ان کے ادب اور فکری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے وہاں کے افراد سخت بے اطمینانی میں مبتلا ہیں۔ ایسا نظر آتا ہے کہ ان کے بنیادی تصورات کسی حاکمیت کے عدم توازن کا شکار ہو چکے ہیں اور انھیں واقعی کسی ایسے پیغام کی ضرورت ہے جس سے ان کے معاشرے کا توازن بحال ہو جائے اور ہمارا یقین یہ ہے کہ وہ پیغام رحمت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات (قرآن مجید اور سیرت نبویہ) میں موجود ہے۔ چند مثالیں ہی کافی ہوں گی۔ آپ نے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ پر عمل کیا اور کرایا۔ آپ نے وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰی اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا پر عمل کیا اور کرایا۔ آپ نے فتح مکہ کے بعد فرمایا اِذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔ ان مثالوں کے علاوہ حضور کی جملہ تعلیمات میں تسلی، آسودگی، عدل اور روا داری جیسے شواہد رحمت پائے جاتے ہیں۔

سوال کیا جا سکتا ہے کہ مغرب سائنس اور ٹیکنالوجی میں ناقابل یقین کمال تک پہونچ چکا ہے تو اس صورت میں مغرب

کو کسی بیرونی پیغام کی ضرورت ہی کیا ہے ؟ یہ دعویٰ مغرب کے اکثر مفکر کرتے بھی ہیں لیکن خود مغربی ادب یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان سب مذکورہ ترقیات کے باوجود مغرب قلبی اطمینان سے محروم ہے اور امریکہ ویورپ کے معاشروں میں کج روی اور بے یقینی کے بحران بھی پیدا ہو گئے ہیں جو پریشانیوں کا موجب ہیں۔ اس لئے پیغام اور رہنمائی کی ضرورت واضح ہے۔

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ مغرب کی یہ پریشانیاں کیا ہیں (جن سے ان کے اپنے مصنفوں کے بیان کے مطابق بھی انکار نہیں کیا جاسکتا) تو میں عرض کروں گا کہ اس وقت مغرب کی بڑی اور مرکزی پریشانیاں دو ہیں جو باقی سب پر محیط ہیں۔

اول خوف یعنی کسی خوفناک عالمگیر جنگ کا مسلسل خوف اور اس کے ہمراہ وسائل زندگی کا تدریجی طور پر کم ہو کر ختم ہو جانے کا اندیشہ دوم قحط الفت ورفاقت ومحبت جو کرب تنہائی اور خود بیزاری (ALIENATION) پر منتج ہو رہا ہے۔

اب ان دونوں خوفوں کے اسباب کیا ہیں ؟۔

ٹوائن بی نے مغربی انتشار قلبی کی صرف دو علامتوں کا ذکر کر کے بات ختم کر دی ہے کہ مغرب کی صرف دو بڑی کمزوریاں ہیں ایک RACIAL DISCRIMINATION اور دوسری ALCOHOLISM اور سپنگلر نے تو اپنی دوری (CYCLIC) فلسفہ اقوام سے

زوال مغرب کی اصل بیماری کا ذکر گول ہی کر دیا ہے لیکن بات اتنی ہی نہیں۔ یہ کہانی طویل ہے ڈاکٹر اقبال کہہ گئے ہیں ؎

عجب آں نیست کہ اعجاز مسیحا داری
عجب آنست کہ بیمار تو بیمار تر است

دراصل مغربی بیماری کا آغاز اس تصور زندگی سے ہوا کہ دین اور دنیا دو الگ الگ حقیقتیں ہیں۔ رفتہ رفتہ مادی فلسفوں کی بدولت ماورائی روحانی سب سلسلوں کا انکار ہوتا گیا۔ ڈیکارٹ نے ہر وسیلہ علم وزندگی کو مسترد کر کے جزا وسزا اور عقبیٰ ورحمت کے چھپے ہوئے جملہ وسائل سے انسان کو مایوس ومحروم کر دیا اور اب آخری نقطہ نظر ہے AUTONOMY OF MAN اور خواہشات نفس کی بے روک تسکین۔ یہ دراصل انسان کا غرور نفس ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے۔

يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ قدرت نے مغرب کو ایک نعمت سے نوازا تھا جس کا نام سائنس ہے لیکن اس نے سائنس کو بے محور فلسفہ بنا کر اپنی خدائی کے دعوے شروع کر دئے۔ اور کہا کہ مذہب اور دین کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ سائنس ہر شی کے لئے کافی ہے۔ (فاضل محمد قطب نے اسے یوں ادا کیا ہے کہ خرابی کی انتہا یوں ہوئی کہ مغرب کے فلسفیوں نے سائنس کو MYTH بنا دیا۔ دیکھئے ان کا مضمون در کتاب THE CHALLENGE OF ISLAM ص ۲۱۴ جہاں ڈارون، فرائیڈ اور مارکس کے خیالات کا تجربہ کیا گیا ہے)

بہر حال جب تجربے سے ثابت ہوا کہ سائنس بر تو ہے لیکن صرف جزوی حقیقتوں کا ادراک کر سکتی ہے یعنی کلی حقیقتوں کا نہیں (جس کا احاطہ مذہب ہی کر سکتا ہے) تو اس تجربہ سے آہستہ آہستہ ضمیر دار اہل فکر کو محسوس ہوا کہ انسان ایک وسیع دنیا ہے۔ اس کے داخلی قلبی دکھوں کا علاج سائنس کے پاس نہیں تو مایوسی پھیلنے لگی۔ جان وتن کی تفریق بڑھتی گئی اور دل پژمردہ ہوتے گئے۔ اب قریب ہو کر آپ دلوں کو ٹٹولیں گے تو اکثر مغربی لوگ اندر سے دکھی نظر آئیں گے۔ (چنانچہ ۱۹۶۰ء تا ۱۹۸۰ء کا مغربی ادب واضطراب کا آئینہ دار ہے) معاشرتی ادب اور تخلیقی ادب کے آئینے میں یہ تصویر دیکھنی ہو تو ہارورڈ کے پروفیسر T.W.BELL کی کتاب۔ CULTURAL CON TRADICTIONS OF APITALISM تھیابالڈ کی کتاب BEYOND DESPAIR اور MAGEE کی کتاب RELIGION AND THE MODERN MIND کے اوراق پر نظر ڈالئے اور خود دیکھ لیجئے کہ پریشانی، کج روی اور تخریبی احساس کس حد تک بڑھ چکا ہے۔

غرض مغرب یا عصر حاضر کے دو بڑے بحران یہی ہیں۔ اول خوف جنگ اور اندیشہ قحط وسائل۔ دوم کرب تنہائی اور خاتمہ محبت ورفاقت۔ یہ سب مادی فلسفوں کے نتائج ہیں جن میں خدا کا سہارا ختم کر دیا گیا اور تن کی خواہشات کی تسکین اور عیش امروز ہی کو سب کچھ سمجھ لیا گیا۔ ایمان باللہ اور ایمانیات

سے انکار۔ دین اور دنیا کی جدائی مغرب کا سب سے بڑا المیہ ہے۔

سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بنیادی پیغام مغرب (عصر حاضر) کے نام عود الی الایمان (RETURN TO FAITH) ہے۔

ایمان (FAITH) کی اس ضرورت کا احساس دوسری جنگ عظیم کے فوراً بعد کی مغربی شعوریات میں بھی آہستہ آہستہ پیدا ہوتا گیا تھا جس کا ظہور کئی شکلوں میں ہوا ہے۔ اس کے علمبردار پال ٹلس جیسے مغربی مفکر بھی ہیں۔ اور داخلیت کے فلسفی بیو بر جیسے بھی ہیں ایک مذہبی مفکر J.B. MAGEE نے ایک مبسوط کتاب RELIGION AND THE MODERN MIND میں جدید ذہن کا شرح وبسط سے تجزیہ کرکے ایمان کو مغرب کی سب سے بڑی ضرورت قرار دیا ہے۔ اور ایک اور مصنف نے یورپ کو تنبیہ کی ہے کہ تباہی سے بچنا ہے تو خدا سے تعلق پیدا کرو۔ غرض ایمانیات کے حق میں آمادگی پائی جاتی ہے اور حضور کے پیغام کے لئے یہ وقت ہر طرح موزوں معلوم ہوتا ہے۔ کاش عصر حاضر دین اسلام اور سیرت رسول پاک پر ٹھنڈے دل اور بے تعصب سے نظر ڈال سکے۔

حضور کی تعلیم وتلقین TOTALITY کلیت (دین اور دنیا تن اور روح کی جامعیت) کی طرف واپس آنے کی دعوت دے رہی ہے تاکہ مغرب نے سخت محنت کے بعد جو مادی ترقی کی ہے وہ ضائع نہ ہو جائے۔

میں نے اوپر جس تفریق کا ذکر کیا ہے وہ صرف نظری معاملہ نہیں بلکہ اس کے عملی نتائج وثمرات نے ساری دنیا کو عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اسی تفریق کے تصور سے قومیت کا تصور پیدا ہوا ہے۔ جس نے نسل انسانی کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور اب ہر قومیت دوسری قومیت سے گرم یا سرد جنگ میں مبتلا ہے سرمایہ داری اور اشتراکی استبداد بھی اسی کے نتیجے ہیں۔ قرآن مجید کی تعلیمات میں شعوب وقبائل کی عصبیت اور ان کی باہمی جنگ کو (جن کی بنیاد پہ آج قومیں ابھر رہی ہیں) "آگ" قرار دیا گیا ہے اور الفت ورفاقت باہمی کو (جز بنائے وحدت انسانی) نعمت قرار دیا گیا ہے۔ آج بھی دنیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دی ہوئی اس نعمت کی بڑی شدت سے ضرورت مند ہے۔ آیت قرآنی یہ ہے۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا (آل عمران ۱۰۳)

ترجمہ:۔ اور اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پس تم اس کی مہربانی سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم جہنم کے کنارے پر پہونچ چکے تھے پھر اس نے تم کو اس سے بچالیا۔

اس مسئلے کا ایک پہلو اور بھی ہے اور وہ یہ کہ صرف تن اور حواس کی زندگی پر زور دینے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ اخلاقیات میں ABSOLUTES کا انکار کر دیا گیا ہے۔ لہذا اخلاقی اقدار ختم ہو گئی ہیں۔ جبلتوں اور نفسانی خواہشات پر کوئی کنٹرول نہیں رہا اسی سے وہ معاشرتی اور انفرادی انارکی نمودار ہوئی ہے جو مغرب میں عریانی، جنس پرستی اور "آنگری یوائے" اور "باربرک ڈراما" جیسی کج روی کو جنم دے رہی ہے۔ اب زندگی چونکہ تعیش کا دوسرا نام ہے۔ اس لئے دولت پرستی اور زر اندوزی (سرمایہ داری یا تکاثر) واحد مقصد حیات بن گیا ہے۔ چنانچہ اسی کے نتیجے میں استعمار واستحصال عام ہو کر اب دنیا رقابتوں کا مرکز ہے اور دنیا دو مستقل بلاکوں میں تقسیم ہو گئی ہے۔

قرآن مجید نے تکاثر، اسراف وترف کی سخت مذمت کی ہے اور اب بھی دنیا کو معاشرتی امن کی ضرورت ہوگی تو اسے تن پرستی اور تکاثر سے اجتناب کرکے توسط کی زندگی کو اپنانا ہوگا اور اقتصاد کو جس کے معنی ہی میانہ روی ہیں اقوام عالم کا ضروری معاشرتی معاشی رویہ بنانا پڑے گا۔

مقصد یہ ہے کہ حضور کی تعلیمات کی رو سے ایک متوسط معاشی نظام ہی دنیا کے معاشی ومعاشرتی مصائب کا علاج ہے۔ اسلام کے نزدیک مال ودولت یا مناسب سرمایہ کا حصول بری چیز نہیں لیکن سرمایہ داری فی الحقیقت بری ہے۔ اسی طرح

انسان کی آزادئ معاش کو سلب کر لینا بھی مذموم ہے۔ حضور کی معاشی تعلیم میانہ روی کی دعوت دیتی ہے اور مغرب کے ان دونوں دبستانوں کو حضور کی دعوت پر غور کرنا چاہیئے۔

لہٰذا اسلام اور حضور کی تعلیم اقتصاد کی طرف بلاتی ہے جس میں سرمایہ داری کے وہ ہولناک مظاہر بھی نہ ہوں جو یورپ اور امریکہ میں نمودار ہوئے ہیں۔ اور اجتماعی پیداوار کے نام سے فرد کی آزادی اور اس کی محنت کا جس طرح استعمال کیا جا رہا ہے وہ بھی نہ ہو۔

اس کے لئے حضور کے قائم کردہ نظام کو کیوں نہ دیکھ لیا جائے اس پر یقیناً ایک عادلانہ عالمگیر معاشی نظام تیار کیا جا سکتا ہے جس میں ہر کوئی خوش دلی سے کمائے اور بانٹ کر کھائے۔

میرا خیال ہے مغربی مفکرین نے اسلام کے خاندانی نظام کا بغور مطالعہ نہیں کیا ورنہ یہ محبت و تعاون کے علاوہ معاشی کفالت عمومی کی ایک عملی صورت ہے۔ اس کے علاوہ مغرب اگر اسلامی شورائی اصول کی روشنی میں اپنی جمہوریت کا بھی تجزیہ کرے تو وہ یقیناً اس نتیجے پر پہونچے گا کہ اقتدار کی پسند یا تقویٰ پر یا عقل پر ہونی چاہیئے۔ اکثریت کا اصول طفل تسلی سے کم نہیں۔ اس معاملے میں اسلام کا مطالعہ یقیناً زیادہ عملی اور منصفانہ نتائج پیدا کرے گا۔

اسلام کا ایک اہم عقیدہ وحدت نسل انسانی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً۔

(۴ النساء ۱)

حضور کی تعلیم اسی عظیم تصور پر زور دیتی ہے اور اس معاشرتی اشتراک کی روادار ہے جس میں کسی غیر مسلم معاشرہ سے بھی مشترک اصولوں کی بنیاد پر تعاون کیا جا سکتا ہے۔

اس کا ثبوت میثاق مدینہ ہے۔ (جس کے ذریعہ آپ نے یہودیوں کے ساتھ شہریت میں اشتراک کیا) اس کے علاوہ آپ نے معاصر سلاطین کے نام جو مکاتیب لکھے ان میں کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ کے اصول کو دہرایا۔

آپ نے قرآن مجید کی مشہور آیت کریمہ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ کے مضمون کے مطابق انسان کی اکرمیت کی بنیاد تقویٰ اور شرافت کو بنایا اور خطبۂ حجۃ الوداع میں تو صاف اعلان کیا کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی احمر کو اسود پر ترجیح حاصل نہیں صرف تقویٰ کی بنیاد پر کوئی شخص افضلیت حاصل کر سکتا ہے۔ محض رنگ و نسل وغیرہ کافی نہیں۔ اسلام کی تاریخ میں ہندوستان اور مصر کے غلام بھی سلاطین بنتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ اسی قرآنی تعلیم کا نتیجہ تھا۔

آج کے دور میں کبھی علی الاعلان کھلا اور کبھی کنایۃً سفید فام اقوام اپنے رنگ اور اوصاف کو وجہ تفاخر بناتی ہیں لیکن حضور کی تعلیم اسکے خلاف ہے اور آپ نے اپنی زندگی میں اس کے عملی ثبوت بھی پیش کئے ہیں۔

وحدت نسل انسانی کے تصور کے اندر سے مغرب کے بعض مفکر تمام عالم کی واحد ریاست کا تخیل پیش کرنے کے مدعی ہیں۔ اور حقوق عامہ کے معاملے میں سبقت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ واحد عالمی ریاست کے نصب العین کا سنگ بنیاد سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میثاق مدینہ کے علاوہ خصوصی طور سے خطبۂ حجۃ الوداع میں رکھا تھا۔ جن مثالوں کا ذکر اوپر آیا ہے وہ یا تو محدود تھیں یا ناقابل عمل تھیں کیونکہ ان کی بنیاد صرف مادی تھی اور وہ اس روحانی کشش سے خالی تھیں جو قلوب میں پائیدار الفت پیدا کر سکتی ہو، (کتاب UNIFICATION OF MANKIND کے آخری باب کے دلائل، اسلامی تعلیمات سے متاثر ہیں)

بالیقین حضور کی دعوت اور سیرت ہی ایک پائیدار دستور العمل ہے جو کسی واحد عالمی ریاست کے خواب کی عمل تشکیل کر سکتی ہے۔ کیونکہ یہ رب العالمین اور جمیع الناس کے اصول پر مبنی ہے۔

جس دن مغرب ان بنیادی اصولوں کو تسلیم کر لے گا اسکے جملہ اقتصادی، معاشرتی، معاشی اور تعزیراتی نظام خود بخود خدا ترسی، انصاف، عدل، رفاقت، مساوات اور توسط کے اصول پر چلنے لگیں گے، گویا زمین پر قانون الٰہی کی حاکمیت قائم ہو جائیگی

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے

اختیارات

چالیس احادیث کی روشنی میں

حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ

پر ہی بارش کی دعا فرمائی ابھی خطبہ ختم نہ ہوا تھا کہ بارش شروع ہو گئی۔ دوسرے جمعہ تک لگاتار بارش ہوتی رہی پھر انہیں صاحب نے عرض کیا کہ بارش بہت ہو چکی مکان گرے جا رہے ہیں۔ حضور نے منبر پر کھڑے انگلی کا اشارہ فرمایا۔ اشارہ سے بادل پھٹ گیا اور عرض کیا اے اللہ! ہم پر بارش نہ ہو۔ آس پاس برسے چنانچہ ایسا ہی ہوا اس سے معلوم ہوا کہ بادلوں پر بھی حکومت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ بلانے پر چلے آتے ہیں۔ اور اشارہ سے لوٹ جاتے ہیں نہ مانسون ہوا کی شرط ہے نہ موسم کی قید۔

الصلوٰۃ عماد الدین

نماز دین کا ستون ہے

(۱۶) اسی مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اڑیل گھوڑے پر ایک بار حضور نے سواری فرمائی تو وہ گھوڑا ہمیشہ کے لئے اچھا ہو گیا اور پھر کبھی نہ اڑا معلوم ہوا کہ عالم کے جانوروں پر بھی حضور علیہ السّلام کی سلطنت ہے۔

(۱۷) اسی مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ حضور نے اس کو فرمایا کہ داہنے ہاتھ سے کھا اس نے شرمندگی مٹانے کے لئے عرض کیا کہ میرا داہنا ہاتھ بیکار ہے فرمایا آج سے بیکار ہو گیا چنانچہ اس دن سے اس کا ہاتھ بیکار ہو گیا کہ پھر کبھی منہ تک نہ آسکا معلوم ہوا کہ انسان کے اعضا کو قوت و حرکت حضور علیہ السلام کے حکم میں ہے۔

(۱۸) اسی مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ حضور پر ابر سایہ کرتا تھا اور بحیرہ راہب کے ہاں جبکہ حضور دعوت میں پہنچے تو دعوت کا انتظام ایک درخت کے سایہ میں تھا اور وہ سایہ لوگوں سے بھر چکا تھا حضور تشریف لائے تو اس درخت نے جھک کر آپ پر سایہ کر لیا ہمارے یہاں کے امرا کو نوکر دھوپ میں چھتری لگاتے ہیں مگر اس بادشاہ کی سلطنت درختوں اور بادلوں پر بھی ہے کہ وہ اپنے اس مالک کو پہچان کر خدمت بجالاتے ہیں۔

(۱۹) مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے

ایک سوکھی بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگا کر اس سے اس قدر دودھ نکالا کہ تمام جماعت اس دودھ سے سیر ہوگئی مالک کے سارے برتن بھر گئے معلوم ہوا کہ حضور ایسے شہنشاہ ہیں کہ جس جگہ چاہیں اپنی ملکیت حاصل کرلیں ہر جگہ ان کا شاہی بنک قائم ہے۔

(۲۰) مشکوٰۃ باب الکرامات میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باغ میں ایک بار حضور تشریف لے گئے تو ان کا باغ سال بھر میں دوبار پھل دینے لگا۔

(۲۱) حاکم اور ابن عدی اور عساکر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے اشتری عثمان بن عفان عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجنۃ یوم رومۃ ویوم جیش العسرۃ یعنے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو موقعوں پر حضور علیہ السلام سے جنت خریدی ایک تو جبکہ مدینہ منورہ میں سوا رومہ کے کوئی کنواں نہ تھا۔ عثمان غنی نے اس کو خرید کر وقف کردیا دوسرے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جب کہ مسلمان غازی بے سروسامان تھے ان کو سامان دے دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سے رومہ کنویں کے بدلے جنت خریدی اور حضور نے بیچ دی اور جنت وہی بیچے گا جو کہ جنت کا مالک ہو یا مالک کا مختار۔

(۲۲) امام احمد اور ابونعیم اور ابن حبان نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور نے فرمایا اعطیت مقالید الدنیا علی فرس ابلق جاء نی بہا جبریل علیہ السلام علیہ قطیفۃ من سندس۔ یعنی مجھ کو دنیا کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام وہ کنجیاں چت کبرے گھوڑے پر میرے پاس لائے۔

(۲۳) ابونعیم نے بہ روایت ابن عباس حضرت آمنہ خاتون سے روایت کی آپ فرماتی ہیں کہ جب حضور علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ نے سجدہ فرمایا۔ پھر ایک سفید ابر نے حضور کو لیکر مجھ سے غائب کردیا۔ پھر کچھ دیر بعد آپ ظاہر ہوئے تو دیکھتی ہوں کہ حضور کے مبارک ہاتھ میں کنجیاں ہیں ۔ اور کوئی کہہ رہا ہے کہ فتحمندی اور نبوت کی کنجیوں پر حضور نے قبضہ فرمالیا۔ پھر دوسرا بادل آیا اور اس نے بھی حضور کو مجھ سے غائب کردیا پھر جو ظاہر ہوئے تو کوئی کہنے والا بولا بخ بخ قبض محمد علی الدنیا

اس کی اجازت کے بغیر لوگوں کو پلادیا حالانکہ اور لوگ کسی کے گھر بغیر اجازت کسی کو نہیں لے جاسکتے اور بغیر مالک کی اجازت اس کی چیز کسی کو نہیں کھلا سکتے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر شخص کے مالک ہیں اور ہر شخص ان کا غلام کیونکہ مالک کا حق ہے کہ اپنے غلام کا مال اس کے بغیر پوچھے خود کھائے اور دوسروں کو کھلائے — دوسرے اس طرح کہ غور تو کرو ان انگلیوں اور مشکیزے اور کنویں میں پانی کہاں سے آرہا ہے؟ دراصل اس کا اس وقت کنکشن کوثر وسلسبیل سے فرمادیا۔ اور دنیا ہی میں وہ پانی سب کو پلادیا۔ اسی لئے حضور کی انگلیوں کا یہ پانی آب زمزم سے افضل مانا گیا ہے معلوم ہوا کہ حضور کونین کی نعمتوں کے مالک ہیں کہ اپنے غلاموں کو جس جگہ چاہیں جنت کی نعمتیں کھلادیں۔

(۱۱) مشکوٰۃ شریف باب صلوٰۃ الخسوف میں ہے کہ حضور نے فرمایا اِنِّیْ رَأَیْتُ الْجَنَّۃَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْہَا عُنْقُوْدًا وَلَوْ اَخَذْتُہٗ لَاَکَلْتُمْ مِنْہُ مَا بَقِیَتِ الدُّنْیَا۔ یعنی ہم نے اس گرہن کی نماز میں جنت کو دیکھا اور اس کا خوشہ (گچھا) پکڑا اگر ہم وہ خوشہ توڑ لیتے تو تم اس کو قیامت تک کھاتے رہتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو اجازت تھی کہ وہ مدینہ پاک میں کھڑے ہوئے جنت کے خوشے توڑیں اور صحابۂ کرام کو عطا فرمادیں لیکن خود اپنے اختیار سے نہ توڑا جس سے ثابت ہوا کہ دنیا میں رہ کر جنت کی ہر چیز کے مالک ہیں۔

(۱۲ تا ۱۴) مشکوٰۃ باب المعجزات میں ہے کہ ایک میدان میں حضور نے استنجا فرمانے کا ارادہ فرمایا اس میدان میں دو درخت کھڑے ہوئے تھے پردہ کی غرض سے ان دونوں درختوں کو پکڑ کر ملادیا وہ درخت اونٹوں کی طرح حضور علیہ السلام کے پیچھے پیچھے چلے آئے اور ان کی آڑ میں حضور نے استنجا فرمایا۔

(۲) شامی باب المرتدین میں ہے حضور علیہ السلام کے ہاتھ مبارک پر مردے زندہ ہوکر اسلام لائے حتی کہ حضرت آمنہ خاتون اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما (اپنے والدین) کو بھی زندہ فرماکر شرف صحابیت سے نوازا۔

(۳) اسی شامی میں اسی جگہ ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے اپنی نماز عصر حضور کی نیند پر قربان کردی۔ قصہ یہ تھا کہ حضور نماز عصر پڑھ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ حضرت علی نے ابھی تک نماز نہ پڑھی تھی آفتاب ڈوبتا رہا اور حضرت علی خاموش بیٹھے رہے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اگر میں نماز کے لئے اٹھا تو حضور کے آرام میں خلل واقع ہوگا۔ آفتاب ڈوب گیا اور حضرت علی کی عصر قضا ہوگئی حضور نے بیدار ہو کر ڈوبے ہوئے سورج کو واپس لوٹایا گئے ہوئے دن کو عصر بنایا اور حضرت علی کی گئی ہوئی عصر ادا کے ساتھ پڑھا دی۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ حضور کونین کے مالک ہیں۔ دو وجہ سے ایک اس لئے کہ مرنے کے بعد کسی کا ایمان قبول نہیں ہوتا، اور وقت کے بعد نماز ادا نہیں ہو سکتی مگر اس سلطان کی حکومت کے صدقہ و قربان کہ اپنے ماں باپ کو ان کی وفات کے بعد انہیں صحابی بنا دیا، اور رب نے قبول فرمایا اور حضرت علی کی گئی ہوئی نماز ادا کرا دی اور پھر لطف یہ کہ حضرت علی کے سوا جن لوگوں نے نماز عصر پہلے پڑھ لی تھی ان سے اعادہ نہ کرایا گیا۔ یہ ایک ہی وقت حضرت علی کے لئے عصر ہے اور دوسروں کیلئے نہیں ھٰکذا فی الشامی فی ھٰذا المقام ؎

مصطفےٰ تیری شوکت پہ لاکھوں سلام

دوسرے اس لئے کہ آفتاب آسمان پر رہتا ہے اور مردوں کی روح عالم ارواح کی ایک چڑیا ہے، مگر حضور کی بادشاہت ان پر بھی جاری ہے کہ ادھر سے اشارہ ہوا ادھر سے اطاعت ہوئی کہ سورج ڈوبا ہوا لوٹا اور والدین کی ارواح اس عالم سے واپس آئیں ؎

اشارے سے چاند چیر دیا
چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا
گئے ہوئے دن کو عصر کیا
یہ تاب و تواں تمہارے لئے

معلوم ہوا کہ حضور مالک احکام بھی ہیں کہ نماز کے اوقات میں فرق فرما دیا۔ حضور علیہ السلام کے والدین کے ایمان کی بحث شانِ حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔

(۱۵) مشکوٰۃ شریف باب المعجزات میں ہے کہ ایک صحابی نے

جمعہ کے دن خطبے کے وقت قحط سالی کی شکایت کی حضور نے منبر

(۱) مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور مجھ کو سونپی گئیں۔ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضور کو تمام خزانہ ہائے زمین کی کنجیاں عطا فرمائیں اور کنجی مالک ہی کو دیجاتی ہے بھلا خیال تو کرو زمین کے خزانوں کی کوئی انتہا ہے جو کچھ زمین پہ ہے انسان حیوانات ہر قسم کے غلے ہر قسم کے پھل، سونا چاندی، موتی جواہرات، لعل زمرد وغیرہ یہ سب زمین کے خزانے ہیں اور حضور ان کے مالک۔

(۲) مشکوٰۃ شریف کے اسی باب میں اعطیتُ الکنزین الاحمر والابیض یعنی مجھ کو دو خزانے عطا فرمائے گئے ایک سرخ اور ایک سفید معلوم ہوا کہ حضور کو تمام سونا اور چاندی عطا فرما دیا گیا اور قبضہ بھی دے دیا گیا تاکہ ملکیت ثابت ہو جائے۔

(۳) مشکوٰۃ شریف باب اخلاق النبی میں ہے لو شئتُ لسارت معی جبال الذھب اگر ہم چاہیں تو ہمارے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کریں۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر طرح مالک و مختار ہیں مگر ظاہر کرنا منظور نہیں۔ مشکوٰۃ شریف کتاب العلم میں ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ انما انا قاسم واللہ یعطی یعنی اللہ دیتا ہے اور ہم بانٹتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز جب بھی کسی کو خدا دیتا ہے وہ حضور ہی کی تقسیم سے ملتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے دینے اور حضور کے تقسیم فرمانے کو بغیر قید بیان فرمایا گیا ہے نہ زمانہ کی قید ہے نہ چیز کی نہ لینے والی کی یعنی حضور علیہ السلام کیا بانٹتے ہیں وہ جو خدا دیتا ہے اور خدا ہر چیز دیتا ہے لہذا حضور ہر چیز بانٹتے ہیں اور ہر چیز بانٹے گا وہی جسے مالک نے ہر چیز دی ہو حضور کی ملکیت اور قبضہ ثابت ہوا۔

(۴) مشکوٰۃ باب السجود وفضلہ میں ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے حضرت ربیعہ بن ابی کعب اسلمی سے خوش ہو کر فرمایا سل کچھ مانگ لو انھوں نے عرض کیا اسئلک مرافقتک فی الجنۃ۔ یعنی میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔ ارشاد فرمایا اوغیر ذٰلک کچھ اور مانگتا ہے؟ عرض کیا بس یہی۔
اس حدیث سے تین طرح حضور کی بادشاہت ثابت ہوئی

اولاً اس طرح کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کچھ مانگو نہ یہ فرمایا کہ فلاں چیز مانگو اور یہ وہی کہہ سکتا ہے جس کے قبضہ میں سب کچھ ہو۔ پھر حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی خوب سوچ کر وہ چیز مانگی جو بے مثل ہے یعنی جنت اور جنت کا صدر مقام اعلیٰ علیین جہاں حضور کا قیام ہو۔ دوسرے اس طرح کہ حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اسئلک میں آپ سے مانگتا ہوں یہ نہ کہا میں خدا سے مانگتا ہوں اور حضور علیہ السلام نے بھی نہ فرمایا کہ تم مشرک ہو گئے اور ظاہر بات ہے کہ چیز مالک سے مانگی جاتی ہے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی ہر چیز کے مالک ہیں۔ تیسرے اس طرح کہ حضور نے اس کے جواب میں فرمایا کہ کچھ اور مانگ لو۔۔۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنت کے علاوہ کچھ اور دینے پر بھی قادر ہیں مگر حضرت ربیعہ نے سمجھ لیا تھا کہ جب اس باغ عالم کا پھول مل گیا تو پتوں کی کیا ضرورت ہے۔ غیر حضرت ربیعہ نے نہ مانگیں یہ ان کی خوشی دینے میں تو وہاں کوئی انکار نہیں ہے

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہئے

دینے والا ہے سچا ہمارا نبی

(۶ تا ۱۰) مشکوٰۃ شریف باب المعجزات میں چند احادیث ہیں

(۱) حضرت جابر کے گھر تھوڑے آٹے اور گوشت میں حضور علیہ السلام نے اپنا لعاب دہن شریف ڈال دیا تو وہ تھوڑا آٹا اور گوشت سیکڑوں آدمیوں نے کھالیا مگر نہ گوشت کم ہوا اور نہ روٹی پکانے والی بیوی کو پکانے سے کچھ تھکن محسوس ہوئی۔

(۲) ایک غزوہ میں ایک پیالہ پانی میں ہاتھ مبارک رکھ دیا تو انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے اور ۱۵ سو آدمیوں نے پانی سیر ہو کر پیا اور وضو کیا۔

(۳) حدیبیہ کے کنویں میں پانی کم تھا حضور نے اس میں ایک تیر ڈال دیا جس سے اس کنویں کا پانی زیادہ ہو گیا۔

(۴) ایک بوڑھی عورت کو بلا کر اس کے مشکیزے کا منہ صحابہ کرام کے لئے کھول دیا وہ پانی سب کو کافی ہوا سب نے اپنے برتن بھر لئے اور خوب پانی پی لیا مگر مشکیزہ اسی طرح بھرا رہا۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر چیز کے مالک ہیں دو وجہ سے اول تو یہ کہ حضرت جابر کے یہاں دعوت میں ان کی اجازت کے بغیر مہمان کو لے گئے اس بوڑھی عورت کا پانی کلہا لم یبق خلق من اھلہا الا وھو فی قبضتہ یعنی خوب خوب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا پر قبضہ فرمالیا دنیا کی کوئی مخلوق ایسی نہ بچی جو حضور کے قبضہ میں نہ آگئی ہو۔

اس روایت کی تائید بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے جو ہم بحوالہ مشکوٰۃ اس فصل کے شروع میں بیان کر چکے نیز یہ آیت انا فتحنا بھی ان کی تائید کر رہی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ساری خلقت الٰہی میں حضور کی بادشاہی ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ لیکن ایمان والوں کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

ان احادیث میں حضور علیہ السلام کی سلطنت دنیا کی چیزوں پر ہوئی اب وہ بھی احادیث سنئے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام احکام کے مالک ہیں جس کے لئے جو چاہیں حلال فرمائیں جس کو چاہیں حرام اور جس کے لئے چاہیں قرآنی احکام کو بدلیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۲۴) مشکوٰۃ شریف کتاب الحج کے شروع میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا کہ اے لوگو! تم پر حج کرنا فرض ہے لہٰذا حج کیا کرو کسی نے دریافت کیا یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے؟ فرمایا کہ ہم ابھی ہاں فرما دیتے تو ہر سال ہی فرض ہو جاتا۔ اور ہر شخص کو سال کے سال حج کرنا پڑتا معلوم ہوا کہ ان کی ہاں میں کچھ تاثیر ہے تمام تو قانون کے پابند ہیں۔ مگر قانون الٰہی حضور علیہ السلام کے لب پاک کی جنبش کا منتظر ہے کہ جو ان کے منہ سے نکلے وہ رب کا قانون بن جائے۔

(۲۵) مشکوٰۃ باب مناقب میں ہے کہ حضور سے ایک لونڈی نے عرض کیا کہ میں نے نذر مانی ہے کہ جب خداوند تعالیٰ آپ کو صحیح سلامت اس جنگ سے واپس لے آئے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں اور گاؤں، فرمایا اچھا بجالو۔ چنانچہ انھوں نے دف خاص بجائی۔ دیکھو گانا بجانا اور دل کے لئے برا ہے لیکن حضور نے ایک وقت میں اس لونڈی کو اجازت دے دی۔

(۲۶) مسند امام احمد ابن حنبل میں صحیح حدیث علی شرط مسلم میں ہے حدثنا محمد بن جعفر ثنا شعبة عن قتادة عن نصر

بن عامر عن رجل رضی اللہ عنہ انہ اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاسلم علی انہ لا یصلی الا صلوتین فقبل ذلک منہ یعنی ایک صاحب حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اس شرط پر ایمان لائے کہ میں صرف دو ہی نماز پڑھا کروں گا۔ حضور نے اس شرط کو قبول فرمالیا۔

دیکھو مسلمانوں پر پانچ نمازیں فرض ہیں مگر ان صاحب کو حضور نے تین نمازیں معاف فرمادیں (ماخوذ از الامن والعلیٰ) معلوم ہوا کہ حضور مالک احکام ہیں۔

(۲۸) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب مناقب اہل بیت میں ہے کہ حضرت علی نے چاہا کہ دوسرا نکاح کریں۔ حضور نے فرمایا علی کو اس کی اجازت نہیں ہاں اگر وہ یہ چاہتے ہیں تو فاطمہ کو طلاق دے دیں۔ پھر نکاح کریں۔ غور کرو کہ قرآن کریم فرماتا ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد کو چار بیویاں تک نکاح میں رکھنا جائز ہیں مگر حضرت علی کے لئے حضرت فاطمہ زہرا کی موجودگی میں دوسرا نکاح کرنے کا اختیار نہ رہا۔

اس جگہ مرقاۃ میں ہے فیہ تحریم ایذائہ علیہ السلام لکل حال وعلی کل وجہ وان تولد الایذاء مما کان اصلہ مباحا وھو من خصوصیتہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اس سے معلوم ہوا کہ ایذا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرام ہے اگرچہ کسی حلال فعل سے ہی پہونچے اور یہ حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے یہاں مرقاۃ میں ہے حضرت علی کو دوسرا نکاح حرام تھا۔

(۲۹) بخاری جلد اول کتاب الصلح کے شروع میں ہے کہ ایک بار حضور کسی جگہ مسلمانوں میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے نماز کا وقت آگیا۔ حضرت بلال نے اذان کہہ کر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ آپ نماز پڑھائیں۔ چنانچہ نماز کی جماعت قائم ہوگئی۔ عین نماز کی حالت میں حضور تشریف لے آئے مسلمان مقتدی نے تالی بجا کر حضرت صدیق اکبر کو حضور کی تشریف آوری کی خبر دی اسی وقت صدیق اکبر مقتدی ہو کر پیچھے آگئے اور حضور علیہ السلام امام ہوئے۔

آج اگر نماز میں کوئی بھی آجائے اس کو وہاں ہی کھڑا ہونا ہوگا جہاں جگہ مل جائے مگر میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو دیکھو کہ بیچ نماز کے تشریف لے آئیں تو اسی وقت سے موجودہ امام کی امامت منسوخ اور اب حضور ہی امام ہیں معلوم ہوا کہ مالک احکام ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳۰) بخاری جلد اول کتاب الجہاد باب فرض الخمس میں ایک طویل حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ نہ ہم کسی کے وارث ہوں اور نہ ہمارا کوئی وارث۔ حالانکہ میراث کی تقسیم قرآن سے ثابت ہے مگر اس میراث سے حضور نے اپنے کو مستثنیٰ فرمالیا اور پھر اس پر ایسا عمل ہوا کہ حضور کی میراث کسی کو نہ ملی۔ معلوم ہوا کہ حضور مالک احکام ہیں۔

(۳۱) بخاری شریف جلد دوم کتاب التفسیر سورۂ احزاب باب قولہ فمنھم من قضیٰ نحبہ میں ہے کہ حضور نے حضرت خزیمہ انصاری کی گواہی دو گواہیوں کے برابر قرار دی۔ واقعہ یہ تھا کہ حضور نے ایک شخص سوار بن حارث سے گھوڑا خرید فرمایا۔ مگر بعد میں اس اعرابی نے اس بیع سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے یہ گھوڑا آپ کے ہاتھ فروخت نہیں کیا اور عرض کیا کہ اگر آپ نے خریدا ہے تو کوئی گواہ لائیں۔

اللہ کی شان کہ یہ خرید و فروخت تنہائی میں ہوئی تھی حضرت خزیمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور نے یہ گھوڑا خریدا آپ سچے ہیں اور اعرابی جھوٹا۔ حضور نے پوچھا تم کیونکر گواہی دے رہے ہو تم نے تو اس تجارت کو دیکھا نہ تھا۔ عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے تو حضور کی زبان سے سنکر اللہ کی وحدانیت اور جنت و دوزخ اور قیامت وغیرہ تمام کی گواہی دی اور پڑھا ہے اشھد ان لا الہ الا اللہ تو کیا ایک گھوڑا ان چیزوں سے بھی زیادہ ہے میں حضور کی زبان سے سنکر گواہی دیتا ہوں ان کا یہ کلام بارگاہ نبوت میں ایسا قبول ہوا کہ ان کی گواہی دو گواہیوں کی طرح بنا دی گئی۔

غور کرو قرآن کا حکم ہے واشھدوا ذوی عدل منکم کہ تم دو گواہ بناؤ مگر ان کو اکیلے دو گواہوں کی طرح مان لیا گیا معلوم ہوا کہ حضور کو یہ بھی اختیار ہے کہ جس کسی کو چاہیں قرآن کے احکام سے علیحدہ کر دیں۔

(۳۲) بخاری میں اسی جگہ ترجی من تشاء کی تفسیر میں ہے

کہ حضرت عائشہ نے حضور سے عرض کیا اما ی ربك یسارعُ فی ھواك میں تو یہ دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش پوری کرنے میں جلدی فرماتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ اپنے محبوب کی خواہشات کو دینی قوانین قرار دیتا ہے۔

(۲۳) حضور علیہ السلام نے ام علیہ کو ایک بار نوحہ کرنے کی اجازت دی حالانکہ نوحہ یعنی مردہ کو پیٹنا شرعاً حرام ہے (مسلم)

(۲۴) حضرت علی کو اجازت دی کہ حضرت فاطمہ زہرا کو ان کی وفات کے بعد غسل دیں۔ حالانکہ شوہر اپنی مردہ بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔ کیونکہ عورت کی وفات کے بعد نکاح بالکل ٹوٹ گیا۔ (شامی)

(۲۵) حضرت صدیق اکبر کو اجازت دی کہ وہ جنابت کی حالت میں مسجد میں آجایا کریں۔ حالانکہ جنبی کو بغیر غسل کے مسجد میں آنا منع ہے۔

(۲۶) ایک صاحب کو کفارے کا صدقہ خود انکو ہی کھلا دیا۔

(۲۷) مسلم بخاری میں ہے کہ ایک بار حضور نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں نہ کانٹے توڑے جائیں نہ یہاں کے شکار کو بھڑکایا جائے — حضرت ابن عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ! اذخر کی اجازت دیدی جائے کہ یہ گھاس گھر کی چھتوں میں ڈالی جاتی ہے اور لوہاروں کی بھٹی میں بجائے کوئلہ کے ملائی جاتی ہے فرمایا اچھا اذخر کی اجازت ہے۔ اذخر کی گھاس مکہ مکرمہ کی زمین سے لی جایا کرے معلوم ہوا کہ زبان پاک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنبش رب کا قانون ہے

(۲۸) حضور نے ہجرت فرماتے ہوئے حضرت سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ میں تمہارے ہاتھ میں بادشاہ فارس (کسریٰ کے سونے کے کنگن دیکھتا ہوں) اس فرمان کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمانۂ فاروقی میں ملک فارس فتح ہوا اور کسریٰ کے طلائی کنگن حضرت سراقہ کو پہنائے گئے اور وہ کنگن آپ کے ہاتھ میں رہے۔ دیکھو مرد کو سونا پہننا حرام ہے مگر حضرت سراقہ کے لئے وہ کنگن جائز فرما دیئے۔

(۲۹) بخاری و مسلم میں قصۂ توبہ کعب میں ہے کہ جب حضرت کعب بن مالک پر سرکاری عتاب ہوا تو ان کی بیوی کو حکم دیا گیا کہ تمہارے شوہر تمہارے پاس نہ آنے پائیں کوئی مسلمان ان سے

من القرآن الكريم

وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة

کلام و سلام نہ کرے چنانچہ اس بائیکاٹ کے زمانہ میں حضرت کی بیوی منکوحہ حضور کے حکم سے اپنے شوہر پر کچھ عرصہ کے لئے حرام ہو گئیں۔ حالانکہ رب فرماتا ہے نِسَآءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ مگر اس حکم سے حضرت کعب اس وقت خارج کر دیئے گئے۔ قسم ہے رب کی اگر یہ عتاب اور ممانعت ہمیشہ رہتی تو کعب کی بیوی ان کی منکوحہ ہوتے ہوئے بھی ان پر ہمیشہ ہی حرام رہتیں۔

(۴۰) مشکوٰۃ باب المعجزات میں یہ روایت ہے، اور بخاری شریف میں ہے کہ ابو ہریرہ کے کمبل پر حضور نے کچھ پڑھ کر دم فرما دیا پھر وہ کمبل ابو ہریرہ نے اپنے سینے سے لگالیا اس کا اثر یہ ہوا کہ آپ کا حافظہ نہایت قوی ہو گیا کبھی کوئی بات بھولتے ہی نہ تھے اسی لئے آپ سے تقریباً ۲ لاکھ حدیثیں مروی ہیں۔ قوت حافظہ انسان کی اندرونی طاقت ہے، حضور کا قبضہ ظاہر و باطن پر ایسا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قوت حافظہ بخشدی۔

فقیر حقیر احمد یار خاں کی طرف سے یہ چہل حدیث ہے جو مسلمانوں کی خدمت میں پیش ہے چالیس حدیثیں جمع کرنے کے بڑے فضائل ہیں۔

میں نے اپنے آقا و مولیٰ معدنِ حدیث و قرآن محبوب رحمٰن صلی اللہ علیہ وسلم کے سلطنتِ اختیارات کی چہل حدیث جمع کر دیں۔ رب تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرمائیں آمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین

عرض کیا میں اور کیا میری قابلیت کہ اس شہنشاہ دو جہاں کے خداداد اختیارات بیان کر سکوں سمجھدار کیلئے اتنا کافی ہے۔ ۞

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمتِ عالم

مولانا رفیق عالم رضوی

رحمۃ للعالمین کی تشریح

اللہ کی شان رب العالمین "رب" کے معنی مالک اور پالنے والا" العالمین" کے معنی سارا جہاں یعنی اللہ کے ماسوی العالمین ہے تو رب العالمین کے معنی ہوئے سارے جہانوں کا مالک اور پالنہار حبیب کی شان "رحمۃ للعالمین" رحمت کے معنی مہربانی تو رحمۃ للعالمین کے معنی ہوئے سارے جہانوں کے لئے رحمت۔ گویا خدا یہ فرماتا ہے کہ اے بندو! میں رب العالمین ہوں اور میرا محبوب رحمۃ للعالمین ہے یعنی جہاں جہاں میری ربوبیت ہے وہاں وہاں میرے محبوب کی رحمت ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "جو اللہ اور روز جزا پر ایمان لایا اس کے لئے حضور دنیا و آخرت دونوں میں رحمت ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لایا تو آپ اس کے لئے صرف دنیا میں رحمت ہیں کیونکہ اس سے دنیا میں عذاب خسف (زمین میں دھنسانا) اور قذف (اوپر سے آگ یا پتھر برسانا) اُٹھا لئے گئے"

(تفسیر ابن جریر الطبری ج ۷ ا ص ۸۳، تفسیر کبیر ص ۲۳، تفسیر نعیمی)

مدارک التنزیل (ص ۲۷۹ بر ہامش خازن) میں بھی اسی آیت کے ماتحت ہے کہ "حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسلمانوں کے لئے دونوں جہان میں رحمت ہیں اور کافروں کے لئے صرف دنیا میں۔ اس لحاظ سے دنیا میں اُن کا عذاب اٹھا لیا گیا"

تفسیر روح البیان میں اسی کے ماتحت اکابر کا یہ قول درج ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ "ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت مطلقہ تامہ کاملہ عامہ شاملہ جامعہ محیطہ بہ جمیع مقیدات رحمت غیبیہ و شہادت علمیہ و عینیہ و وجودیہ و شہودیہ و سابقہ و لاحقہ وغیر ذالک تمام جہانوں کے لئے عالم ارواح ہوں یا عالم اجسام ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول سب کے لئے رحمت ہیں۔ اور جو سب کے لئے رحمت ہو لازم ہے کہ وہ تمام جہاں سے افضل ہو"

اعلیٰحضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "عالم ماسوی اللہ کو کہتے ہیں۔ جس میں انبیاء و ملائکہ سب داخل — لاجرم حضور پر نور سید المرسلین ان سب کے لئے رحمت رب الارباب ہوئے۔ اور وہ سب حضور کی سرکار عالم مدار سے بہرہ مند و فیضیاب اس لئے اولیائے کاملین و علمائے عاملین تصریحیں فرماتے ہیں کہ ازل سے ابد تک، ارض و سما میں، اولیٰ و آخرہ میں، دنیا و دیں میں، روح و جسم میں، چھوٹی یا بڑی، بہت یا تھوڑی، جو نعمت یا دولت کسی کو ملی یا ملتی ہے یا آئندہ ملے گی سب حضور کی بارگاہِ جہاں پناہ سے بٹی اور بٹتی ہے، اور ہمیشہ بٹے گی"۔ (تجلی الیقین ص ۱۸)

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمۃ للعالمین ہونا محولہ کتابوں کے علاوہ اور بھی معتبر کتابوں سے ثابت ہے۔ لفظ رحمۃ للعالمین حضور کی صفت خاصہ ہے۔ لیکن وہابیہ نے ایک عجب شگوفہ چھوڑا ہے کہ "لفظ رحمۃ للعالمین صفت خاصہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نہیں ہے بلکہ دیگر لوگوں کو بھی کہہ سکتے ہیں"

(فتاوی رشیدیہ کامل ص ۹۶)

نیز فرقہ وہابیہ یہ کہتا ہے کہ عالمین سے پورا عالم مراد نہیں بلکہ صرف مکلفین متبعین مراد ہیں۔ ذرا غور کیجئے گا۔ قرآن میں ہے عالمین اور اس سے مراد لیا جا رہا ہے صرف متبعین فرمایا گیا عالمین اور مراد لیا جا رہا ہے مومنین یہ کتنی ستم ظریفی کی بات ہے۔ اگر اسی طرح عالمین کے عموم و اطلاق پر قینچی چلانے کی سعی نامقبول کی گئی تو پھر بتایا جائے کہ رب العالمین پر کون سا نشتر استعمال کیا جائے گا۔ یہی نا کہ خدا صرف اپنے ماننے والوں کا رب ہے یا صرف اپنے جاننے والوں کا رب ہے (معاذ اللہ)۔ اس سے صاف ظاہر و باہر ہے کہ عالمین اپنے عموم و اطلاق پر جاری ہے اور مکلفین یا مومنین کے ساتھ تخصیص مقتضائے عموم کے خلاف ہے۔

ہر شے کے لئے رحمت

"حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر شئی کے لئے رحمت ہونا بعض کافروں کے قتل اور ان کے مال و اولاد سے تعرض کرنے کے منافی نہیں جیسا کہ بعض اعضاء مریض پر داغ لگانا بلکہ کاٹ دینا ڈاکٹر کی مہارت اور مریض پر اس کی شفقت کے منافی نہیں۔"

(تفسیر نیشا پوری برہامش تفسیر ابن جریر الطبری ص۶۲)

بارش ہر جگہ ہوتی ہے خواہ بلند زمین ہو یا پست۔ سخت ہو یا نرم مگر ہر جگہ بارش سے یکساں فائدہ نہیں ہوتا۔ کہیں زیادہ کہیں کچھ بھی نہیں۔ اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس میں بارش کا قصور ہے۔ نہیں بارش تو ہر جگہ یکساں ہوئی ہاں کسی زمین میں قبول کی صلاحیت کم ہوتی ہے کسی میں نہیں ہوتی۔ لہذا قصور زمین کا ہے۔ آگ ایک ہے لیکن لوہا آگ میں ڈالنے سے سرخ ہو جاتا ہے اور پتھر سیاہ ہو جاتا ہے کیونکہ لوہے کے اندر سرخ ہونے کی صلاحیت ہے اور پتھر میں سیاہ ہونے کی استعداد ہے۔ آگ تو وہی ہے اس میں کوئی نقص نہیں اسی طرح سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب کے لئے رحمت ہیں اگر مان لیا جائے کہ کوئی کافر، مشرک، دیوبندی، گستاخ رسول آپ کی بے پایاں رحمت سے فیضیاب نہیں ہوا تو رحمت کا قصور نہیں بلکہ ان میں قبول کی صلاحیت ہی نہیں ہے جو خود ان کی کم ظرفی اور قصور ہے۔ ذیل میں رحمت عامہ کے مناظر ملاحظہ فرمائیے

مسلمانوں پر رحمت

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں پر آپ کی رحمت ہی رحمت ہے۔ تاریخ انسانی کا ایک ایک ورق شاہد ہے کہ کسی نبی و رسول نے وہ رحمت و شفقت اپنی امت پر نہیں کی جو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ ولادت و وصال کا وہ لمحہ جس میں ہر انسان اپنوں اور بیگانوں کے غم سے یکسر بے نیاز ہوتا ہے۔ رحمت عالم نے اس وقت بھی اپنے گناہ گار و سیاہ کار امتیوں کو یاد فرمایا۔ قبر انور سے بھی رَبِّ هَبْ لِيْ اُمَّتِيْ کی صدا آئی۔ معراج میں بھی فراموش نہ فرمایا قیامت میں بھی امت عاصی کو اَنَا لَهَا سے یاد فرمائیں گے۔ مال غنیمت حلال فرما دیا۔ مسجد کے علاوہ دوسری جگہوں پر بھی نماز پڑھنا جائز فرما دیا۔ اگلی امتوں پر بر سر عام توبہ کرنا ضروری تھا۔ مگر ہم اپنے اللہ کے حضور صدق دلی اور احساس ندامت کے ساتھ گوشۂ تنہائی میں اگر توبہ کے دو آنسو بھی بہا دیں تو وہ اللہ کے یہاں شرف قبول پا لیں۔ الغرض حضور نے ہمیں ہر موڑ پہ یاد کیا۔ مؤمن کی ذرا سی زحمت رحمت عالم کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "بیشک تمہارے پاس تشریف لائے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے وہ تمہاری بھلائی کے چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان ہیں۔ (پ۱۱ ع۵)

دنیا و آخرت میں جو نعمت عظمیٰ اور رحمت کبریٰ میسر ہوئی حضور ہی کے صدقے میں ہوئی۔ خداوند قدوس نے ہمیں كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ کے شرف سے نوازا۔ ہمیں ساری امتوں سے اعلیٰ و افضل بلند و برتر منصب عطا فرمایا۔ اور جب قیامت آئے گی تو تمام انبیائے کرام کے آگے آگے دو نور چلیں گے اور ان کے امتیوں کے آگے آگے ایک نور چلے گا۔ مگر قربان جاؤ رحمت عالم کی خاص رحمت پر کہ آپ کے ہر مؤمن امتی کے آگے آگے دو نور دوڑتے ہوں گے رب قدیر نے ارشاد فرمایا کہ "ان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور داہنے" (پ۲۸ ع۲۰)

اور سب سے خاص رحمت یہ ہے کہ سب سے پہلے امتی کو دیدار الٰہی میسر ہوگا پہلے یہی امت داخل جنت ہوگی۔

کافروں پر رحمت

حضور کی رحمت کافروں پر بھی ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ "اور کتنی بستیاں ہم نے تباہ کر دیں کہ وہ ستم گار تھیں اور ان کے بعد دوسری قوم ان کی جگہ پیدا کر دی۔" (پ۱۷ ع۲) اگلی نافرمان امتوں پر عذاب الٰہی دنیا ہی میں نازل ہو جاتا تھا اور وہ بالکل ہلاک کر دی جاتی تھیں۔ قوم عاد کو ہوا اڑا لے گئی۔ قوم ثمود زلزلہ سے ہلاک ہو گئی۔ قوم لوط

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین

۱۳۷۸ھ

زمین میں دھنسا دی گئی۔ قوم نوح غرقاب کر دی گئی۔ نبی اسرائیل کی صورتیں سوئر بندر کی صورتوں میں تبدیل کر دی گئیں۔ مگر سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت کا جلوہ تو دیکھو کہ کافروں نے دعا کی۔ "یارب اگر قرآن و اسلام حق ہیں (اور ہم جھوٹے ہیں) تو ہم پر پتھر برسا یا ہم پر عذاب الیم لے آ" تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اللہ کی شان نہیں کہ انھیں عذاب دے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو" (پ۹ ع۱۸)۔ کافروں نے درخواست کی تھی مگر آپ کی رحمت نے بچا لیا حضرت نوح علیہ السلام نے کافروں کے خلاف یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ ان کافروں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ (پ۲۹ ع۹) تو انھیں بیخ و بن سے اکھاڑ دیا گیا۔ اور طوفان نوح نے انھیں پانی میں غرق کر دیا۔ مگر رحمت عالم کی رحمت پر نظر ڈالو کہ کافروں پر کس طرح شفیق و مہربان نظر آتے ہیں جنگ احد کا واقعہ ہے حضور اپنے جاں نثاروں کے ساتھ ہیں۔ کافروں نے سنگ باری سے آپ کے دندان مبارک شہید کر دیئے رخ انور سے خون رواں ہے۔ صحابہ پریشان ہیں اور عرض کرتے ہیں یارسول اللہ مشرکوں کے خلاف دعا فرمائیے۔ آپ نے فرمایا تو لو آمین کہو پھر لب جاں بخش کو جنبش ہوئی اور یوں گویا ہوئے۔ اے میرے رب انھیں معاف فرما ان کی غلطیوں کو شمار نہ کر صحابۂ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ ہلاکت کی دعا فرمایئے۔ تو رحمت عالم نے مسکراتے ہوئے فرمایا میں اس دہر میں قہر بن کر نہیں بھیجا گیا ہوں"۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۱۱) میں ہے کہ "میں لعنت بھیجنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں میں نور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

خون مبارک پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے کہ "اے پروردگار عالم میری قوم کو ہدایت دے یہ لوگ مجھے پہچانتے نہیں ہیں"۔
(مسلم شریف ج ۲ ص۱۰۸)

یہ رحمت و دعا ایسی کارگر ہوئی کہ وہ جو کبھی ہلاکت و قتل کے مستحق تھے دامن اسلام سے وابستہ ہو کر آخرت کے دائمی انعام و اکرام کے مستحق بن گئے۔ فتح مکہ میں ابوسفیان اور تمام پرانے دشمنان اسلام کے ساتھ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عفو و کرم اور آزادی کا عام اعلان سیرت رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ درخشاں باب ہے کہ تاریخ عالم جس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ جب آپ اسلامی فوجوں کو جہاد کے لئے روانہ کرتے تو نہایت سختی کے ساتھ ہدایت فرماتے کہ ہرگز ہرگز عبادت خانوں، گرجاؤں کے راہبوں اور بوڑھوں، اور عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرنا اور دشمنوں کے ہاتھ، ناک، کان، ہونٹ وغیرہ مت کاٹنا۔ اور ضعیفوں اور بیماروں کے ساتھ انتھک صلہ رحمی کرنا۔

وہابی پر رحمت

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص دھنسی ہوئی آنکھوں والا، تنگ پیشانی، کچی داڑھی، ابھرے گالوں والا سر منڈا حاضر ہوا اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے محمد! اللہ سے ڈرو۔ آپ نے فرمایا کہ "اللہ کی اطاعت کرنے والا کون ہوگا

جب میں ہی اس کا عاصی و نافرمان ہوں گا۔ غالباً حضرت خالد بن ولید نے قتل کی اجازت چاہی یا رسول اللہ اگر آپ حکم دیں تو میں اس کی گردن تن سے جدا کردوں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاف کردو پھر آپ نے فرمایا کہ یقیناً اس کی نسل میں ایسے لوگ جنم لیں گے جو قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلقوں سے نیچے نہ اترے گا اور مسلمانوں کو قتل کریں گے اور مشرکوں کو چھوڑ دیں گے ان سے یارانہ گانٹھیں گے۔

(امام احمد، بخاری، مسلم)

ابن عبدالوہاب نجدی کا ظہور ہوا مسلمانوں کا قتل اور ان کا مال لوٹنا حلال بنایا اور کرکے بھی دکھایا (الشہاب الثاقب۔ حسین احمد مدنی ٹانڈوی)

آج بھی اس کے متبعین کا یہی حال ہے۔ فدایان رسول کو ستانے اور ہلاک کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ مگر یہود و نصاریٰ اور بت پرستوں سے یارانہ رکھتے ہیں۔ قرآن پڑھتے ہیں مگر عظمت رسول کے قائل نہیں ہوتے بلکہ تعظیم رسول کو شرک کہتے ہیں۔ اور گستاخی رسول میں زمانۂ رسالت کے مذکورہ گستاخ سے بھی آگے بڑھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آل رسول اور صحابۂ رسول کے مقدس مزارات و مشاہد ڈھادئے اور سب پہ شرک کا فتویٰ لاگو کیا۔ مگر کھلے بے دینوں اور اسلام دشمنوں سے کوئی تعرض نہ کیا، ان سے کوئی جنگ نہ لڑی۔ ان کے مراسم و معابد پر ایک تیشہ نہ چلایا۔

لیکن ان ستمگاروں پر نہ آسمان سے آگ اور اولے برسائے جاتے ہیں نہ ان کو زمین میں دھنسایا جاتا ہے بلکہ یورپ کے ملحدوں کی طرح ان پر بھی عیش و عشرت اور دولت و حکومت کے سارے دروازے کھلے رکھے جاتے ہیں۔ یہ رحمت عالم ہی کا صدقہ ہے یہ ان کی آمد و بعثت کا صدقہ عام ہے کہ گذشتہ قوموں کی طرح عذاب الٰہی نازل نہیں ہوتا جیسا کہ فرمان باری گزر چکا۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ ہاں اُن کا اور ہر ظالم و گستاخ کا ایک وقت مقرر ہے۔ وہ بھی دور نہیں۔

حضرت جبرئیل پر رحمت

حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی آپ کی رحمت سے بہرہ ور ہوئے۔ ایک مرتبہ آپ نے حضرت جبرئیل سے فرمایا کہ اے جبرئیل تم کو میری رحمت سے کیا ملا۔ حضرت جبرئیل نے عرض کیا یارسول اللہ میں سارے انبیائے کرام کے پاس وحی لاتا رہا اور زندگی کا ہر لمحہ یاد الٰہی میں بسر کرتا رہا۔ مگر میں شیطان کا انجام دیکھ کر اپنے خاتمہ کی طرف سے مطمئن نہ تھا۔ جب آپ کے حضور وحی لے کر آنے لگا تو رب قدیر نے یہ پیغام مسرت سنایا "مالک عرش کے حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے (پ۳۰ ع ۶) (یعنی جبرئیل بارگاہ سبحانی میں صاحب مرتبہ ہیں مقتدار و امین ہیں)۔ یارسول اللہ اس کے بعد مجھے پورا اطمینان ہوگیا۔ اور میرے نزدیک یہ رحمت و نعمت دوسری رحمتوں اور نعمتوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔

بوڑھوں پر رحمت

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اگر بوڑھوں کے بڑھاپے اور بیماروں کی بیماری کا مجھے خیال نہ ہوتا تو میں عشا کی نماز تہائی رات تک مؤخر کردیتا۔

عورتوں اور بچوں پر رحمت

پوری دنیا میں عورتوں کی کوئی حقیقت نہ تھی کوئی مقام نہ تھا جانور سے بھی زیادہ بدتر سمجھی جاتی تھیں۔ ان کے ساتھ وحشیانہ برتاؤ کیا جاتا تھا۔ درندگی کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی کے گھر لڑکی جنم لے تو اسے زندہ درگور کردیا جاتا تھا مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس قید سے نکالا اور ان کی ذرا سی تکلیف حضور برداشت نہیں فرماتے آپ فرماتے ہیں کہ کبھی میں نماز شروع کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ طویل کروں لیکن بچے کی رونے کی آواز آتی ہے تو میں مختصر کردیتا ہوں۔ کیونکہ بچے کے رونے اور اس کی ماں کی بے چینی پر مجھے رحم

آجاتا ہے۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۸۸)

بیماروں پر رحمت

حضرت حبیب بن عدیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد بالکل نابینا ہو گئے تھے حدیث میں ہے کہ ایک دن وہ اپنے فرزند ارجمند کے ساتھ حضور کے پاس گئے۔ اپنی نابینائی کی شکایت کی کہ میری آنکھیں ٹھیک تھیں لیکن ایک سانپ کے انڈے پر پاؤں جا پڑا اسی وقت دونوں آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ آپ نے اپنا لعاب ان کی آنکھوں میں ڈالا وہ فوراً بینا ہو گئے۔
(حجۃ اللہ علی العالمین ص ۴۴۲)

ایک جنگ میں حضرت حارث بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر اور پیر میں بڑے بڑے زخم ہو گئے صحابہ کرام انھیں اٹھا کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لائے۔ حضور نے ان کے زخموں پر اپنا لعاب دہن ڈالا وہ فوراً اچھے ہو گئے۔ (حجۃ اللہ علی العالمین ص ۴۴۲)

جانوروں پر رحمت

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ایک مرتبہ رحمت عالم جنگل جا رہے تھے یا رسول اللہ کی صدا آئی۔ آپ نے پلٹ کر دیکھا کہ ایک ہرنی بندھی ہوئی ہے اور ایک اعرابی سو رہا ہے آپ سے ہرنی نے فریاد کی کہ مجھے اس اعرابی نے شکار کر لیا ہے میرے دو بچے اس پہاڑ پر رو رہے ہیں اگر تھوڑی مہلت مل جائے تو دودھ پلا آؤں ہرنی کو چھوڑ دیا۔ اعرابی بیدار ہو کر کہنے لگا کہ اگر میرا شکار واپس نہ آیا تو اچھا نہ ہوگا۔ اثنائے گفتگو ہرنی مع دونوں بچوں کے واپس آ گئی اعرابی حیران رہ گیا اور آپ کی یہ بے پایاں رحمت دیکھ کر فوراً کلمہ پڑھا اور ہرنی کو مع بچوں کے آزاد کر دیا۔ ہرنی اپنے دونوں بچوں کے ساتھ کلمہ پڑھتی اور کودتی اچھلتی چلی گئی۔
(شفا شریف ج ۱ ص ۲۶۷، طبرانی، بیہقی، حجۃ اللہ ص ۴۶۱)

ایک اونٹ نے آپ کو سجدہ کر کے روتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا مالک مجھ پر بہت بوجھ لادتا ہے اور چارہ کم دیتا ہے۔ آپ نے اس کے مالک کو بلا کر سفارش کر دی کہ اس پر بوجھ کم لادو اور پیٹ بھر چارہ دیا کرو۔ (حجۃ اللہ ص ۴۵۸)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ کے ساتھ ایک درخت کے قریب سے گزرے جس میں چڑیا کے دو بچے تھے ہم نے دونوں کو پکڑ لیا۔ ان بچوں کی ماں رحمت عالم کے قدموں پہ نثار ہونے لگی اور فریاد کرنے لگی۔ تو آپ نے فرمایا کہ ان بچوں کو اپنی جگہ پہنچا آؤ۔ (حجۃ اللہ ص ۴۶۶) اعلیٰحضرت عظیم البرکت فرماتے ہیں ؎

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد
ہاں یہیں چاہتی ہے ہرنی داد
اسی در پہ شتران ناشاد
گلۂ رنج و عنا کرتے ہیں
گرنے والوں کو چہ دوزخ سے
صاف الگ کھینچ لیا کرتے ہیں

وصال کے بعد رحمت

حضرت علی فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے تین روز بعد ایک اعرابی قبر انور کے پاس آکر کہنے لگا یا رسول اللہ جو کچھ آپ نے دنیا میں فرمایا میں نے سنا اور یہ آیت بھی سنی "جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں وہ آپ کے حضور حاضر ہوں" الخ (پ ۵ ع) یا رسول اللہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے شفاعت کے لیے آپ کے حضور آ پہنچا ہوں۔ قبر انور سے آواز آئی جاؤ اللہ نے تمھیں بخش دیا۔ (حجۃ اللہ ص)

حضرت شیخ ابو عبد اللہ نے قبر انور کے پاس ایک سخت بھوکے بزرگ کو سوتے دیکھا وہ بزرگ تھوڑی دیر بعد بیدار ہو کر مسکراتے ہوئے حضور پر سلام عرض کرنے لگے۔ ایک خادم نے مسکرانے کی وجہ دریافت کی تو بولے میں نے رحمت عالم سے بھوک کی شکایت کی انھوں نے مجھے ایک پیالہ دودھ عنایت فرمایا میں نے خوب پیا پھر بیدار ہوا تو بھوک کی آگ بالکل ٹھنڈی ہو چکی پھر اس بزرگ نے تھوک کر دکھایا تو واقعی دودھ کے آثار موجود تھے۔ (حجۃ اللہ)

حضرت ابو الخیر فرماتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ میں مدینہ منورہ پہنچا پانچ روز کا بھوکا تھا۔ روضہ اقدس پر سلام عرض کرتے ہوئے بھوک کی شکایت کی اور منبر کے پاس سو گیا۔ خواب میں حضور نے مجھے روٹی عنایت فرمائی ابھی آدھی روٹی ہی کھائی تھی کہ میری آنکھ کھل گئی۔ خدا کی قسم باقی آدھی روٹی ہاتھ ہی میں تھی (حجۃ اللہ ص ۸۰۵)

حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کو لاعلاج بیماری پیدا ہو گئی۔ سارے اطبا تھک گئے ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ معظمہ رہ کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم
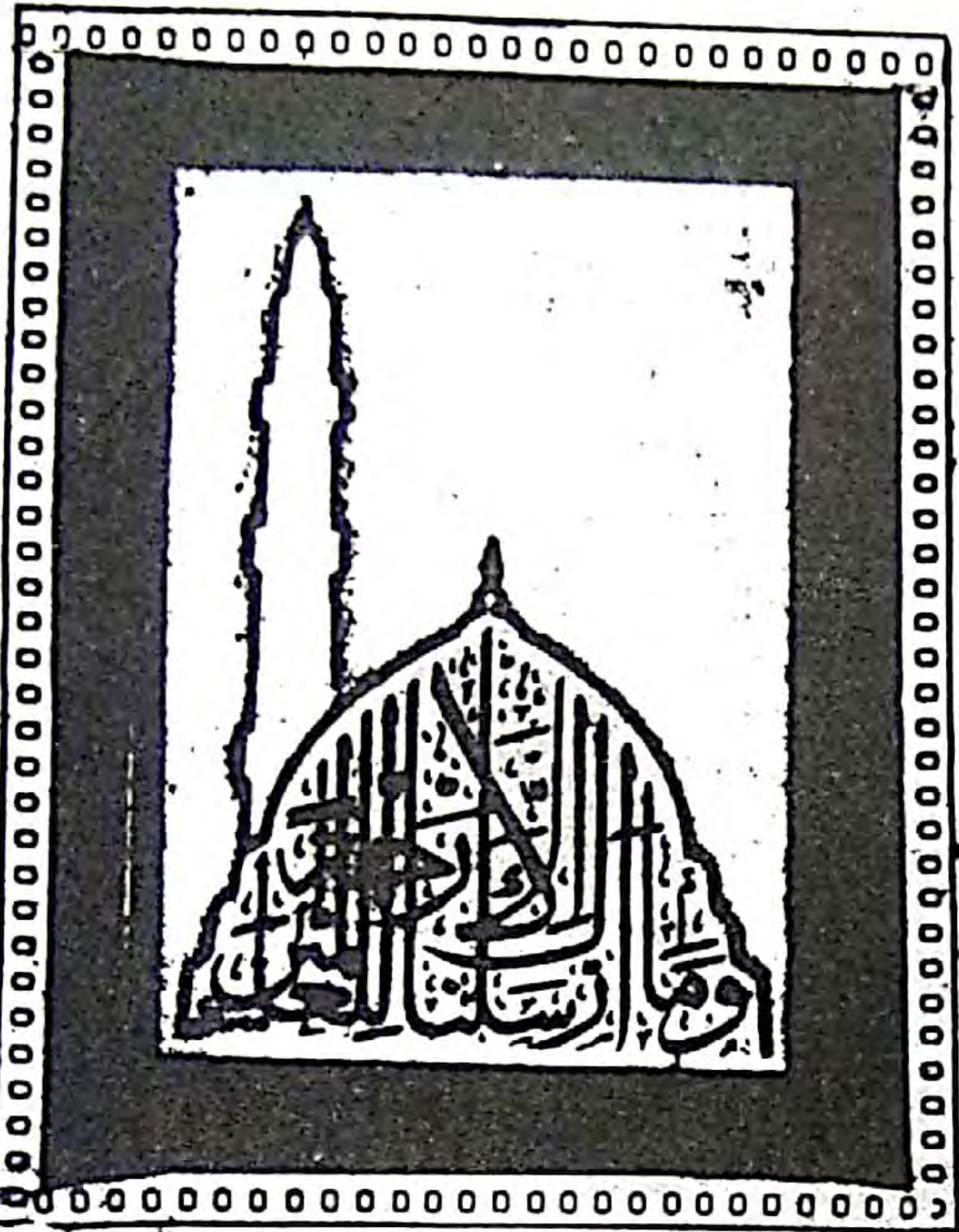
سے فریاد اور استعانت کی (دیکھئے مکہ سے مدینہ کتنی دور ہے) پھر میں سوگیا خواب میں ایک شخص کاغذ کا ٹکڑا لے کر آیا اس پر لکھا تھا "یہ احمد بن قسطلانی کے مرض کی دوا ہے۔ پھر میں جاگا تو خدا کی قسم اچھا ہو گیا۔ اور آپ کے صدقے مجھے شفائے کامل حاصل ہو گئی۔ (مواہب لدنیہ)

جلتی جانیں بجھاتے یہ ہیں
روتی آنکھیں ہنساتے یہ ہیں
لاکھوں بلائیں کروڑوں دشمن
کون بچائے؟ بچاتے یہ ہیں

درس رحمت

سرور عالم نے جہاں خود ساری دنیا کو رحمتوں سے نوازا ہے وہیں اپنے ماننے والوں کو بھی رحمت کا درس دیا ہے۔ جس سے ان کی رحمت کا دائرہ اور بھی عموم و کمال پا جاتا ہے۔ صالحین اسلام کے دل میں جو رحمت و مروّت کا مزہ ہے اور ان کے عمل میں رحمت و کرم کا جو جلوہ ہے وہ رحمت عالم ہی کا صدقہ ہے بلکہ بالواسطہ وہ رحمت عالم ہی کی رحمت ہے۔ اب دیکھیے وہ فرماتے ہیں۔ جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا ہے۔"

(مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۱)

اور ایک حدیث کا مفہوم اس طرح ہے۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

(مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۳)

کون نہیں جانتا کہ عرب بلکہ پوری دنیا میں لونڈی غلام کو حیوان سے بھی زیادہ ذلیل و خوار سمجھا جاتا تھا لیکن سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں بھی بارش رحمت سے سیراب فرمایا۔ فرماتے ہیں کہ یہ لونڈی غلام تمہارے بھائی ہیں جنھیں رب العالمین نے تمہارے ماتحت کر دیا ہے لہٰذا تم ان کے حقوق کا خیال رکھو تم جو کھاتے پیتے ہو انھیں بھی دو۔ انھیں کوئی ایسا کام کرنے کا حکم مت دو جسے وہ نہ کر سکیں۔ اگر حکم دو تو خود بھی ہاتھ بٹاؤ۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۹)

زید بن حارثہ حضور کے غلام تھے کچھ دنوں بعد حضور نے آزاد کر کے اپنا لخت جگر بنا لیا۔ ان کے فرزند اسامہ بن حارثہ سے بڑی محبت فرماتے بار رہا مجمع عام میں اس طرح تشریف لاتے کہ ایک شانے پر فرزند شیر خدا اور دوسرے پر فرزند زید بن حارثہ ہوتے۔ رحمت عالم کی نگاہ میں بیٹی کا بیٹا اور غلام کا بیٹا دونوں یکساں لطف و کرم سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔

جانوروں پر رحم سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ "بے زبان جانوروں پر ان کی قدرت سے زیادہ بوجھ ہرگز نہ لادو۔ اور نہ ہی بلا ضرورت مارو اگر مارنے ہی کی حاجت ہو تو ہرگز ہرگز چہرے پر نہ مارو۔ اور دانا پانی دینے میں سستی اور کوتاہی نہ کرو۔ کسی جانور کو بھوکا پیاسا ذبح نہ کرو۔ اور نہ کند چھری سے ذبح کرو۔ بلکہ ہر طرح سے ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ"

الحاصل سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت صرف اپنوں کے لیے محدود نہیں۔ ان کے فیضان کرم سے اپنے اور بیگانے گستاخ اور عقیدت مند، انسان اور جن، زمین اور آسمان بلکہ ساری کائنات حصہ پا رہی ہے۔ وہ رحمۃ للعالمین ہیں ان کا خالق و مالک رب العالمین ہے۔ ان کا دین بھی سراپا رحمت الساد ین ہے جس نے خدا و رسول کا اتنا وسیع تصور پیش کیا ہے اسے تنگ نظر وہی کہہ سکتا ہے جو خود ذہنی تنگ نظر ہو۔ دنیا اگر اس ربوبیت عام اور رحمت عام پر غور کرے اور تعلیمات رحمت و قوانین حکمت کو نگاہ انصاف سے دیکھے تو اسے تسلیم کرنا ہوگا کہ یقیناً اللہ رب العالمین، محمد رسول اللہ رحمۃ للعالمین۔ اور دین اسلام سب سے افضل دین ہے بلکہ یہی دین، دین ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام۔ واللہ الہادی الی سواء السبیل۔

ناسلسلہ
محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا نظام اخوت
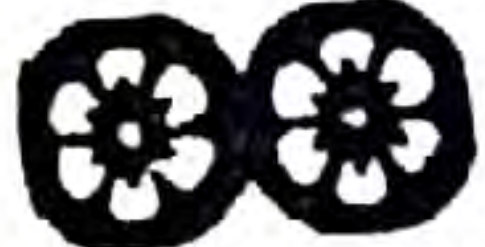
مولانا محمد عبد المبین نعمانی

حضور سرور کائنات، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس وقت اس کائنات ارضی پر جلوہ گری فرمائی، دنیا کا کیا نقشہ تھا تاریخ کا ادنیٰ مطالعہ کرنے والا بھی بخوبی واقف ہے کہ شرک وکفر ظلم و عدوان اور افتراق و تشتت کے اس مہیب و تاریک دور میں حضور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جسمیں دور دور تک شرافت وانسانیت کا پتہ نہ تھا اور اخوت ومساوات کا کوئی چراغ تو کیا چنگاری بھی نظر نہیں آتی تھی، ہر طرف گہرا سناٹا، اور مہیب تاریکی — مگر جب سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے، دنیا کا رنگ ہی بدل گیا، کفر وشرک کی آندھیاں ختم ہوگئیں، قتل وغارت گری کا بازار سرد پڑ گیا اور اجتماعیت واخوت کی متلاشی دنیا گوہر مقصود پاگئی، حضور نے کفر وشرک کے متوالوں کو صرف خدائے واحد کے در پر سجدہ ریز بنا کر ایمانی رشتے سے انھیں ایک دوسرے کا ایسا بھائی قرار دے دیا جو نسلی ونسبی بھائی سے کہیں زیادہ فوقیت رکھتا ہے، چنانچہ بزبانی قرآن اعلان فرمادیا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ (پ ۲۶ ع ۱۳ سورۃ حجرات) یعنی مسلمان مسلمان بھائی ہیں، لہٰذا آپس میں ہر مومن کو بھائی کا سا سلوک کرنا چاہیئے، اور کبھی ناچاقی ہوجائے، اختلاف و انتشار کی صورت سامنے آئے تو دوسرے مسلمانوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ اس اختلاف کو ہوا نہ دو بلکہ صلح کرادو، ارشاد ہوتا ہے فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ۔ یعنی اپنے دو بھائیوں میں صلح کرو، پھر حکم ہورہا ہے وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (ایضا) اور اللہ سے ڈرو کہ تم پر رحمت ہو — یعنی صلح وصفائی کے بعد خدا سے ڈرتے رہو تاکہ پھر نا اتفاقی واختلاف کی فضا نہ پیدا ہو کیوں کہ بالعموم اختلافات اسی وقت رونما ہوتے ہیں جبکہ حدود اللہ کا پاس ولحاظ ترک کر دیا جاتا ہے، اور دلوں سے خوف خدا ختم ہوجاتا ہے، اس آیت میں صلح کرانے کے بعد تقویٰ خداوندی کا حکم اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ اصلاح اور ملاپ کرانے والے فریقین میں کسی کی حق تلفی نہ کریں بلکہ ہر ایک کے حق کا پورا پورا خیال کریں اور یہ اسی وقت ہوگا جب کہ صلح کرانے والوں میں خوف خداوندی کا جذبہ باقی رہے —

یہ تھا نظام مصطفےٰ کی بنیادی کتاب قرآن حکیم کا نظام اخوت واصلاح جس پر آج عمل کیا جائے تو ہمارے معاشرے کی بہت سی لڑائیوں اور ناچاقیوں کا خاتمہ ہوسکتا ہے، اور ایک سنہرے معاشرے کی تشکیل عمل میں آسکتی ہے مگر افسوس کہ آج مسلمان عملی دنیا میں اس کے برخلاف نظر آتے ہیں اور جہاں دو مسلمانوں میں کسی وجہ سے اختلاف رونما ہوا فوراً اس کو دفع کرنے کے بجائے ہوا دینے والے افراد سامنے آجاتے ہیں نتیجۃً اختلافات کی خلیج پٹنے کے بجائے اور وسیع ہوجاتی ہے، جو ایک موجب لعنت عمل ہے فتنہ جگانے والے اور اس کو ہوا دینے والے پر حضور نے لعنت فرمائی ہے۔ الفتنۃ نائمۃ، لعن اللہ

من ایقظھا (کیمیائے سعادت، فتاویٰ رضویہ)
فتنہ خوابیدہ ہوتا ہے خدا کی لعنت ہو اس پر جو اسے بیدار کرے

حضور رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو صحابۂ کرام میں ایک ایسا نظام اخوت قائم فرما دیا تھا جس نے ان کے دلوں کو ایک دوسرے سے مربوط کر کے انھیں سیسہ پلائی دیوار کی طرح کر دیا تھا، اور عالم اسلام کے لئے یہ طرز اخوت و الفت ایسی عظیم نعمت ثابت ہوا کہ رب کائنات نے اس کو خاص طور سے یاد دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا پ۴ ع۲ (آل عمران)

ترجمہ: اور اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لو سب مل کر
اور آپس میں پھٹ نہ جانا، اور اللہ کا
احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم میں بیر تھا
تو اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو
اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے
(کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

اس آیت پاک میں مدینہ کے دو قبیلے اوس اور خزرج کے ملاپ کی طرف اشارہ ہے یہ دونوں جاہلیت کے زمانے میں آپس میں لڑتے رہے یہاں تک کہ ان کی لڑائی کا سلسلہ ایک سو بیس برس تک جاری رہا مگر جب انھیں اسلام کی دولت نصیب ہوئی اور حضور رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کا دامن ہاتھ آیا تو ان میں باہم قابل رشک حد تک دوستی اور یگانگت پیدا ہو گئی ـــ

ایک بار دونوں قبیلوں کے کچھ لوگ بیٹھے آپس میں خلوص و محبت کی باتیں کر رہے تھے، کہ شاش بن قیس یہودی جو بڑا دشمن اسلام تھا اس طرف سے گزرا تو ان کے باہمی ربط دیکھ کر جل اٹھا اور کہنے لگا جب یہ لوگ آپس میں اس طرح گھل مل گئے ہیں تو اب ہمارا کیا ٹھکانا، ایک نوجوان کو مقرر کیا کہ ان میں بیٹھ کر ان کی پچھلی لڑائیوں کا ذکر چھیڑے روز زمانہ جاہلیت میں دونوں ایک دوسرے کی برائی اور اپنی مدح میں جو اشعار لکھتے تھے ان کو پڑھ کر سنائے، چنانچہ اس شخص نے ایسا ہی کیا پھر کیا تھا جاہلیت کا زمانہ قریب تھا اس کی یادیں انگڑائیاں لینے لگیں، اور جوش و جذبے میں آ کر بعض افراد لڑنے کے لئے آمادہ ہو گئے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر ملی فوراً مہاجرین کی جماعت کے ساتھ تشریف لائے اور فرمایا۔ اے مسلمانو! یہ کیا جاہلیت کی حرکات ہیں میں تمہارے درمیان ہوں خدا نے تم کو اسلام کی عزت دی جاہلیت کی بلا سے نجات بخشی (صدیوں کی لڑائی کے بعد) تمہارے اندر الفت و محبت ڈالی کیا تم پھر زمانۂ کفر کی حالت پر جا رہے ہو۔ حضور کے ارشاد نے ان کے دلوں پر اثر ڈالا اور فوراً دلوں سے بغض و عداوت کا غبار دھل گیا اور انھوں نے سمجھ لیا کہ یہ شیطان کا فریب اور دشمن کا مکر تھا فوراً اپنے اپنے ہتھیار پھینک کر ایک دوسرے سے لپٹ کر رونے لگے، اور حضور کے ساتھ فرمانبردارانہ چلے آئے یہی واقعہ مذکورہ آیت اور اس سے پہلے کی آیت یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (پ۴ ع۲) کا شان نزول ہے، یعنی جب اللہ نے تم کو صدیوں کی لڑائیوں سے نجات دے کر اسلام کی دولت سے سرفراز فرمایا ہے، تو اب خدا سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان ـــ یعنی اسلام کی عزت کی موت چھوڑ کر جاہلیت کی ذلت کی موت نہ مرنا۔

یوں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ ہی میں صحابۂ کرام کے درمیان مواخات یعنی بھائی چارگی قائم فرما دی تھی مگر ہجرت مدینہ کے بعد حضور نے مہاجرین و انصار میں جو رشتہ مواخات قائم فرمایا تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

چونکہ مہاجرین مکہ سے بے سر و سامانی کے عالم میں محض حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم پر اپنے گھر بار چھوڑ کر ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تھے اس لئے ان کے اندر غریبت و بیگانگی کا احساس فطری امر تھا اگرچہ صحابۂ انصار نے ان کی خاطر مدارات اور نصرت و حمایت میں کوئی کسر نہیں باقی رکھی مگر مہاجرین زیادہ دنوں تک دوسرے کے سہارے رہنا پسند

نہیں کرتے تھے، اس لئے حضور نے خیال فرمایا کہ انصار و مہاجرین میں رشتۂ اخوت قائم کر کے ان کو بھائی بھائی بنا دیا جائے تاکہ مہاجرین کے دلوں سے اجنبیت اور تنہائی کا تصور یکلخت ختم ہو جائے اور معاشی طور سے بھی ہر ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں چنانچہ مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد ایک روز حضور سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں تمام انصار و مہاجرین کو جمع فرمایا، اس وقت تک مہاجرین کی تعداد تقریباً پچاس تھی حضور نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ مہاجرین تمہارے بھائی ہیں پھر مہاجرین و انصار میں سے دو دو شخص کو بلا کر فرماتے گئے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے فرماتے ہی یہ رشتۂ اخوت بالکل حقیقی بھائی جیسا بلکہ اس سے بھی زیادہ مضبوط رشتہ بن گیا پھر کیا تھا انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے کر اپنی تمام اشیاء نصف کر کے پیش کر دیں اور کہا کہ آپ چونکہ ہمارے بھائی ہیں اس لئے ہمارے تمام سامان کا آدھا حصہ آپ کا اور آدھا ہمارا ــــ حضرت سعد بن ربیع انصاری جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے بھائی قرار پائے تھے انھوں نے تو بالکل عجیب و غریب اور بے مثال نمونہ پیش کیا کہ ان کی دو بیویاں تھیں آپ نے اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا کہ میری ایک بیوی جسے آپ پسند کریں میں اس کو طلاق دے دوں اور آپ اس سے نکاح کر لیں، مگر آپ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا نہیں مجھے بازار کا راستہ بتا دو

یہ تو رہا حضور مدنی تاجدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تربیت سے انصار کا بے مثال طرز اخوت اب مہاجرین باوقار کا حسن سلوک بھی ملاحظہ ہو کہ انھوں نے ایسا نہیں کیا کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے اور اپنا سارا بار انصار پر ڈال دیا یا ان کا نصف مال لے کر چین کی زندگی گذارنے لگے بلکہ مہاجرین نے عرض کیا، اے انصار تمہارا یہ مال و متاع تم کو مبارک اور تمہاری یہ پیشکش ہمارے لئے باعث شکر، آپ لوگ ہمیں بازار کا راستہ بتا دیں چنانچہ اس کے بعد مہاجرین نے مدینہ کے مشہور بازار قینقاع کا راستہ لیا اور کسی نے کپڑے کی تجارت شروع کی کسی نے کھجور کا کاروبار شروع کیا اس طرح بہت جلد مہاجرین اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے، اور انصار پر بوجھ نہیں بنے رہے۔

یہ تھا رسول پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نظام مواخات اور اس کے اثرات کہ جس کی مثال تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی،

مذکورہ مواخات کا تعلق صحابۂ کرام کی ذات اور ان کے کردار سے تھا۔ اب ذیل میں حضور سرکار کائنات علیہ الصلاۃ والسلام کی تعلیمات و ارشادات ملاحظہ ہوں جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک مومن بھائی کو دوسرے مومن بھائی سے کیا سلوک کرنا چاہیئے اور مسلمان مسلمان میں کیسی ہم آہنگی ہونی چاہیئے اور ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان بھائی پر کیا کیا حقوق ہیں مسلمان ان ارشادات کو پڑھائیں اور عمل کی کوشش کریں۔

(۱) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر ظلم نہ کرے اور نہ اس کو ذلیل کرے اور جو اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری فرمائے گا اور جو کسی مسلمان سے کوئی مصیبت دور کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کی مصیبتوں میں سے اس کی کوئی مصیبت دور فرمائے گا اور جو کسی مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔
(بخاری شریف جلد ۰ ۳۳۰ ابواب المظالم)

(۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کر ظالم ہو خواہ مظلوم، صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ اپنے مظلوم بھائی کی تو ہم مدد کرتے ہیں اپنے ظالم بھائی کی مدد کس طرح کریں، حضور نے فرمایا (ظالم کی مدد یہ ہے کہ) اس کا ہاتھ پکڑ لو (تاکہ وہ ظلم سے باز آئے)۔ (بخاری ج ۱ ص ۳۳۱)

(۳) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

مومن مومن کے لئے عمارت کے مثل ہے جس کا بعض بعض کو مضبوط بناتا ہے (حضور نے یہ فرمایا) اور اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل فرمایا (بخاری ج ۲ ص ۱۳۳ یعنی مزید تفہیم و تشریح کے لئے حضور نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے میں ڈال کر دکھایا کہ دیکھو جس طرح یہ انگلیاں ایک دوسرے کے ساتھ گتھی ہوئی ہیں اسی طرح ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے مل جل کر رہنا چاہیئے اور ہر دکھ درد میں ایک بھائی کو دوسرے بھائی کا شریک ہونا چاہیئے عمارت سے تشبیہ کا بھی یہی مقصد ہے کہ جس طرح سے ایک اینٹ دوسرے کو باندھے ہوئے ہوتی ہے اور ایک میں تزلزل دوسرے میں تزلزل کا باعث ہوتا ہے، اسی طرح مسلمانوں کو آپس میں مل کر رہنا چاہیئے اور ایک کی پھوٹ کو پوری جماعت کے لئے انتشار و اختلاف کا سبب سمجھنا چاہیئے، لہٰذا ہمیشہ کوشش اس بات کی ہو کہ کوئی مسلمان جماعت سے علیحدگی نہ اختیار کرے اور یہ اس وقت ہوگا جب ہر ایک دوسرے کے حقوق کا پورا پورا خیال کرے۔ اور ہر ضرورت میں کام آئے۔

(۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ساتھ دو کھجوریں کھانے سے منع کیا ہے، مگر یہ کہ (اپنے ساتھ کھانے والے) بھائی سے اجازت لے لے ـــ (بخاری ج ا صـ ۳۳۲)

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن الاقران الا ان یستاذن الرجل منکم اخاہ (رواہ البخاری)

یعنی اگر چند آدمی ایک ساتھ کھانا کھا رہے ہوں تو ساتھ والے مسلمان بھائی کی اجازت کے بغیر ایک ساتھ دو کھجوریں نہ کھائے ہاں اگر ساتھ والوں سے اجازت حاصل کرکے ایسا کرے تو جائز ہے، یہی حکم دوسری ان اشیار کا بھی ہے، جو کھجور کی طرح ہیں ــــ اس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حقوق مسلم اور مساوات کے لحاظ کا جو درس دیا ہے وہ ایسا عظیم و بے مثال ہے کہ اقوام عالم اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتیں، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو رسول اپنے ماننے والوں کو ایسا انصاف پسند دیکھنا چاہتا ہو کہ ایک ساتھ کھانے میں بغیر اجازت کوئی دو کھجور نہیں اٹھا سکتا تو وہ دیگر معاملات میں مسلمانوں کو کس درجہ انصاف پسند، مساوات کا خوگر اور حقوق کا محافظ دیکھنا چاہتا ہے آج کل جو مسلمان رسول پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی دوسرے بھائیوں کی حق تلفی سے باز نہیں آتے وہ اس حدیث سے سبق حاصل کریں۔

(۵) حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور میں آپ سے اسلام پر بیعت کرنا چاہتا ہوں تو حضور نے اسلام کے ساتھ ہر مسلمان کے لئے خیر خواہی کی بھی شرط لگا دی پھر میں نے حضور سے اس پر بیعت کی اور اس مسجد کی قسم (یعنی کعبہ کی) میں ضرور تم سب کے لئے خیر خواہ ہوں (بخاری ج ا ص ۱۴)

اسلام پر بیعت کا مطلب یہ ہے کہ اسلام پر استقامت کا عہد کرنا حضرت جریر جب اس نیکی کے ارادے سے حضور کے پاس حاضر ہوئے تو حضور نے اس کے ساتھ ہر مسلمان بھائی کی خیر خواہی کی بھی شرط لگا دی کہ اس پر بھی بیعت کرنی ہوگی گویا کہ ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی سے پیش آنا بھی اسلام کے اہم امور اور مسلمانوں کے فرائض سے ہے، چنانچہ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ دین ہر مسلمان کی خیر خواہی ہے یعنی ہر دیندار کے لئے یہ ضروری ہے

اس کے بغیر کوئی اپنے کو صحیح معنوں میں دیندار نہیں بنا سکتا چونکہ عدم خیر خواہی کی بنا پر دنیا میں تمام فسادات رونما ہوتے ہیں کہ آدمی اپنے مال کو مال اور اپنی آبرو کو آبرو سمجھتا ہے، دوسرے کے مال اور آبرو کے ضائع ہونے کی فکر نہیں کرتا بلکہ اپنے مال اور اپنی عزت کی خاطر دوسرے کے مال و آبرو پر دست درازی کرتا ہے پھر ایک دوسرے میں آویزش کی نوبت آتی ہے اور قتل و قتال تک معاملہ پہنچ جاتا ہے اس لئے سرکار نے ہر مسلمان کی خیر خواہی کو شرط دین و اسلام قرار دیا کہ اس کے بغیر کسی کا دین و ایمان مکمل نہیں ہو سکتا ہے، چنانچہ

آج اسی کے فقدان کی وجہ سے خود غرضی کی وبا عام ہو رہی ہے اور ایک بھائی دوسرے بھائی کے حقوق کو پامال کرتا نظر آرہا ہے۔

صحیح بخاری میں دوسری جگہ یہ حدیث حضرت قیس بن ابی حازم سے اس طرح مروی ہے۔

قال بایعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علٰی اقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والنصح لکل مسلم (بخاری ۱/۳۷۵، کتاب الشروط)

یعنی جریر بن عبداللہ نے فرمایا، میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نماز قائم رکھنے، زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی پر بیعت کی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضور احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا — کہ ایک تاجر لوگوں سے قرض کا معاملہ کرتا تھا تو جب کسی کو تنگ دست پاتا اپنے خادموں سے کہتا اس کو مہلت دے دو شاید اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر فرمائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف فرمادیا (بخاری ۱/۲۷۹ کتاب البیوع)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض میں مہلت دینا اگر مدیون تنگ دست ہو تو یہ باعث مغفرت و رحمت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا کوئی کسی بیع پر بیع نہ کرے اور نہ اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر اپنا پیغام دے۔ الحدیث۔ (صحیح بخاری ۱/۲۸۷)

یعنی اگر کوئی مسلمان کسی مال کا سودا کر چکا ہے، تو دوسرے کے لئے روا نہیں ہے کہ اس کو کاٹ کر خود لے لے جب تک کہ پہلا شخص لینے سے انکار نہ کرے، اسی طرح اگر کسی مسلمان نے کسی عورت کو پیغام دیا ہے تو دوسرے کو جائز نہیں کہ اس کو اپنا پیغام دے، ہاں اگر اس نے کسی وجہ سے انکار کر دیا تو اب کوئی حرج نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے بچے رہیں۔ (بخاری ۱/۶ کتاب الایمان)

یعنی مسلمان کی شان یہ ہے کہ اس کی زبان سے اور ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو تکلیف و نقصان نہ پہنچے لہٰذا جو اس کا خیال نہیں کرتا وہ سچا مسلمان نہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اسلام کی کون سی بات سب سے بہتر ہے فرمایا وہ جس سے دوسرے مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہیں، (ایضاً)

یعنی جس مسلمان کی یہ شان ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہیں تو یہی اسلام کی سب سے پسندیدہ خصلت ہے، کیونکہ تمام فتنہ و فساد اور خرابیوں کی جڑ یہی دو اعضا ہیں۔ اگر ان دونوں پر کنٹرول کر لیا جائے تو معاشرہ تمام برائیوں سے پاک ہوسکتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی مومن (کامل) نہ ہوگا یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے (ایضاً ۱/۶)

حضور نے ایمانی رشتہ کی وجہ سے ایک دوسرے کو ایسا بھائی بھائی بنا دیا تھا۔ کہ غلام و آقا میں بھی امتیاز کرنا مشکل تھا، چنانچہ ایک بار کا واقعہ ہے، حضرت معرور بن سوید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر غفاری کو دیکھا کہ ان کے اوپر ایک حلّہ ہے اور آپ کے غلام کے اوپر بھی اسی طرح کا حلّہ ہے تو ہم نے اس کے بارے میں حضرت ابوذر سے پوچھا کہ ایسا کیوں تو فرمایا میں نے ایک بار ایک شخص کو نازیبا بات کہدی تو اس نے حضور سے شکایت کردی تو حضور نے مجھ سے فرمایا کیا تو نے اس کو ماں کی طرف سے عار دلایا ہے پھر ارشاد فرمایا — بے شک تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں اللہ نے ان کو تمہارے قابو میں دیا ہے تم جو کھاؤ ان کو بھی کھلاؤ اور جو پہنو ان کو بھی پہناؤ اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دو اور اگر ایسا ہو تو ان کی مدد کرو۔ (ایضاً ۱/۳۴۶ کتاب العتق)

وہ شخص جس کو حضرت ابوذر نے کچھ کہہ دیا تھا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے چونکہ آپ پہلے غلام تھے۔ اس لئے ان کی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت ابوذر نے ان کو کچھ کہہ دیا تھا جس پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سخت نوٹس لیا اور یہ فرمایا کہ غلام بھی تمہارے دینی بھائی ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کرو، اور جو کھاؤ انھیں بھی کھلاؤ، جو خود پہنو ان کو بھی پہناؤ، دین میں آقا و غلام کے درمیان کوئی فرق نہیں، فرق ہے تو دنیاوی کام کاج میں اور اس میں بھی حسن سلوک کی تاکید ہے، اور یہ بھی حکم اس کے لئے ہے جو واقعی کسی کا غلام ہو اور جو کسی کا غلام نہ ہو یا پہلے رہا ہو اس کو کسی ایسے لفظ سے یاد کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے جو اس کے لئے باعث عار ہو۔ اس لئے وہ لوگ سبق حاصل کریں جو کسی مسلمان بھائی کو اس کے نسب یا وطن کی وجہ سے تکلیف دہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور حقیر جانتے ہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا گمان سے بچو اس لئے کہ (بد) گمان بہت جھوٹی بات ہے اور لوگوں کی پوشیدہ باتوں کی کھوج نہ لگاؤ۔ اور ان کے خفیہ احوال کی تفتیش میں نہ پڑو اور آپس میں بغض نہ رکھو اور بھائی بھائی ہو جاؤ، اور کوئی مسلمان آدمی اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے یہاں تک کہ وہ نکاح کرے یا چھوڑ دے۔

(بخاری ۲/۷۷۲)

انھیں سے روایت ہے کہ ایک اعرابی (بدو) نماز میں اس طرح دعا کی اللھم ارحمنی ومحمدا ولا ترحم معنا احدا (اے اللہ مجھ پر رحم کر اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اور ہمارے ساتھ کسی پر رحم نہ کر) تو حضور نے سلام پھیر کر (اسلئے کہ نماز میں مشغول تھے) فرمایا تونے ایک کشادہ چیز کو تنگ کر دیا (ایضا ۲/۸۸۹)

یعنی سب کیلئے دعا کرنی چاہیئے تھی اپنے ہی کو خاص کرنا اور دوسرے بھائیوں کو چھوڑ دینا۔ خدا کی رحمت واسعہ کو تنگ کرنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب دعا کرے تو مناسب یہ ہے کہ اپنے ساتھ تمام مسلمان بھائیوں کو شامل کرلے۔

● حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بیواؤں اور مسکینوں کی مدد کرنے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے مثل ہے۔

(ایضا ۲/ ۸۸۸)

نعمان بن بشیر سے روایت ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مسلمانوں کے آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے اور ایک دوسرے سے محبت کرنے اور ایک دوسرے پر مہربانی سے پیش آنے کے بارے میں ایسا تصور کرو کہ وہ ایک جسم کے مانند ہیں جب ایک عضو بیمار ہوتا ہے تو وہ سارے بدن کو بے خوابی اور بخار میں شریک کر لیتا ہے۔

(ایضاً ۲/۸۸۹)

یعنی ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان بھائی کا اس کے دکھ درد میں اس طرح شریک ہونا چاہیئے جس طرح کہ ایک جسم کا کوئی عضو بیمار ہوتا ہے تو سب کو بیمار کر دیتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اے مسلمان عورتو! تم میں کوئی پڑوسن کسی پڑوسن کو حقیر نظر سے نہ دیکھے اگرچہ ایک کھر کی ہی وجہ ہے۔ (بخاری ا ص ۳۴۹ و ۲/۸۸۹)

یعنی اگر کوئی پڑوسن ایک کھر یا اس کے مثل کوئی حقیر چیز ہدیہ دے تو اس کو حقیر نہ تصور کرے کہ اس میں ہدیہ دینے والی عورت کی دل شکنی ہوگی جو کسی طرح جائز نہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ولو بظلف محرق کا لفظ آیا ہے یعنی اگرچہ کوئی جلا ہوا کھر ہی ہدیہ دے تو اس قدر معمولی چیز کو بھی حقیر نہ جانے۔

ایک مسلمان اگر کسی کے ساتھ نیکی کرے تو چاہیئے کہ جزاک اللہ خیرا کہہ کر اس کا شکریہ ادا کرے، اور جس نے ایسا کیا تو گویا اس نے محسن کا پورا حق ادا کر دیا ـــ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا، جس کے ساتھ کوئی بھلائی کی گئی پھر اس نے بھلائی کرنے

والے کے لئے جَزَاکَ اللہُ خَیرًا کہا تو اس نے ضرور پوری تعریف کردی۔ (مشکوٰۃ ص۲۶۱ بروایت ترمذی) یعنی اتنا کہہ دینے سے اس کا حق ادا ہوگیا، کیوں کہ خدا سے بڑھ کر بدلہ دینے والا کوئی نہیں ہوسکتا، یہ خود اس کا بدلہ دیتا تو کمی کا اندیشہ بھی تھا مگر جب خدا حوالہ کردیا تو وہ ضرور اس کو اس کی نیت کے مطابق پورا پورا بلکہ زیادہ اجر عطا فرمائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو بوقت احسان اس کلمۂ خیر سے غفلت نہیں کرنا چاہیئے۔

ایک مسلمان بھائی کا دوسرے بھائی پر یہ بھی حق ہے کہ احسان اور بھلائی پر شکریہ کا خیال رکھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جس نے لوگوں کا شکریہ نہ ادا کیا اس نے خدا کا شکریہ نہیں ادا کیا۔ (مشکوٰۃ ص۲۶۱ بروایت ترمذی)

یعنی اگر کسی آدمی سے کوئی نعمت ملے تو پہلے اس کا شکریہ ادا کرے پھر خدا کا جو منعم حقیقی ہے۔ بغیر اس کے اگر صرف خدا کا شکر ادا کیا تو صحیح نہیں کہ بندے کا حق اس سے متعلق ہے اور بندے کا حق ادا کرنا مقدم ہے، اس حدیث سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو محسن سے کہتے ہیں کہ آپ کا اس میں کیا احسان ہے جو کچھ ملا ہے وہ خدا ہی سے ملا ہے،، خدا ہی سے ملنا اپنی جگہ پر صحیح ہے مگر خدا نے جس کے ذریعہ سے کوئی نعمت دی ہے اس کو بھی شکر ے میں شامل کرنا ضروری ہے ایک عظیم نکتہ اور ہے وہ یہ کہ مسلمان کو دین و ایمان جو کچھ ملا ہے وہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ ملا ہے بلکہ پوری کائنات کو جو کچھ نعمت ملی ہے سرکار کے واسطہ سے ملی ہے بلکہ خود کائنات کی تخلیق میں بھی حضور ہی واسطہ ہیں تو ان کا حق ہر مسلمان بلکہ ہر انسان بلکہ ہر مخلوق پر کتنا عظیم ہوگا اگرچہ ہر نعمت کا دینے والا رب کریم ہی جس کو جو کچھ کسی ذریعہ و واسطہ سے بھی ملتا ہے دراصل دینے والا خدا ہی ہے لیکن اگر اُس ذریعہ کی قدر نہ کی اور اس کا حق ادا نہ کیا صرف خدا ہی کا شکر ادا کیا تو ارشاد ہے کہ اُس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہ کیا جب معمولی نعمتوں اور احسانات کا ذریعہ بننے والے انسانوں کے لئے یہ حکم ہے تو سب سے عظیم نعمت ایمان دینے والے کے حق کی عظمت کیا ہوگی اور جو پوری کائنات کے لئے وسیلۂ فیض و نعمت ہیں ان کا شکر اور ان کی ثنا کس قدر ضروری ہوگی؟ —

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ان احدکم مِرْاٰۃُ اَخِیْہِ فاذا راٰی بِہٖ اذی فَلْیُمِطْہُ عَنْہُ،

بیشک تم میں کا ایک (مسلمان) اپنے بھائی کا آئینہ ہے تو اگر اس میں کوئی تکلیف یا برائی کی چیز دیکھے تو چاہیئے کہ اس سے اس کو دور کردے۔ (ترمذی شریف ج ۲ / ۱۵

یعنی ایک مسلمان بھائی اگر اپنے کسی بھائی کے اندر کوئی نقصان یا عیب دیکھے تو اس کو ایسا سمجھنا چاہیئے کہ گویا یہ اسی کا عیب و نقصان ہے تو جس طرح وہ اپنی کمزوری پر پردہ ڈالتا ہے یا اس کو دور کرنے کی کوشش کرتا اسی طرح اپنے بھائی کے ساتھ بھی سلوک کرے، کہ اس کی برائی یا عیب پر پردہ ڈالے اور اس کو نیک راستے پر لگانے کی پوری پوری کوشش کرے۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان بھائی کو کسی تکلیف میں دیکھے تو اس کی تکلیف و مصیبت کو اپنی تکلیف اور مصیبت سمجھے۔ پھر جس طرح اپنی تکلیف دور کرنے کی کوشش کرتا ہے مسلمان بھائی کی تکلیف کو دور کرنے کی بھی ویسی ہی کوشش کرے، ایسا نہ ہو کہ خود غرضی کا ثبوت دیتے ہوئے کنارہ کشی اختیار کرے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا۔ جو اپنے بھائی کی عزت کو واپس لائے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے سے آگ کو دور فرمادے گا۔

(ترمذی ۲/۱۵)

یعنی جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی کی کھوئی ہوئی عزت کو بحال کردیا تو اللہ تعالے اس کے عوض قیامت کے دن جہنم کی آگ سے اس کو محفوظ رکھے گا۔

ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان بھائی پر یہ بھی حق
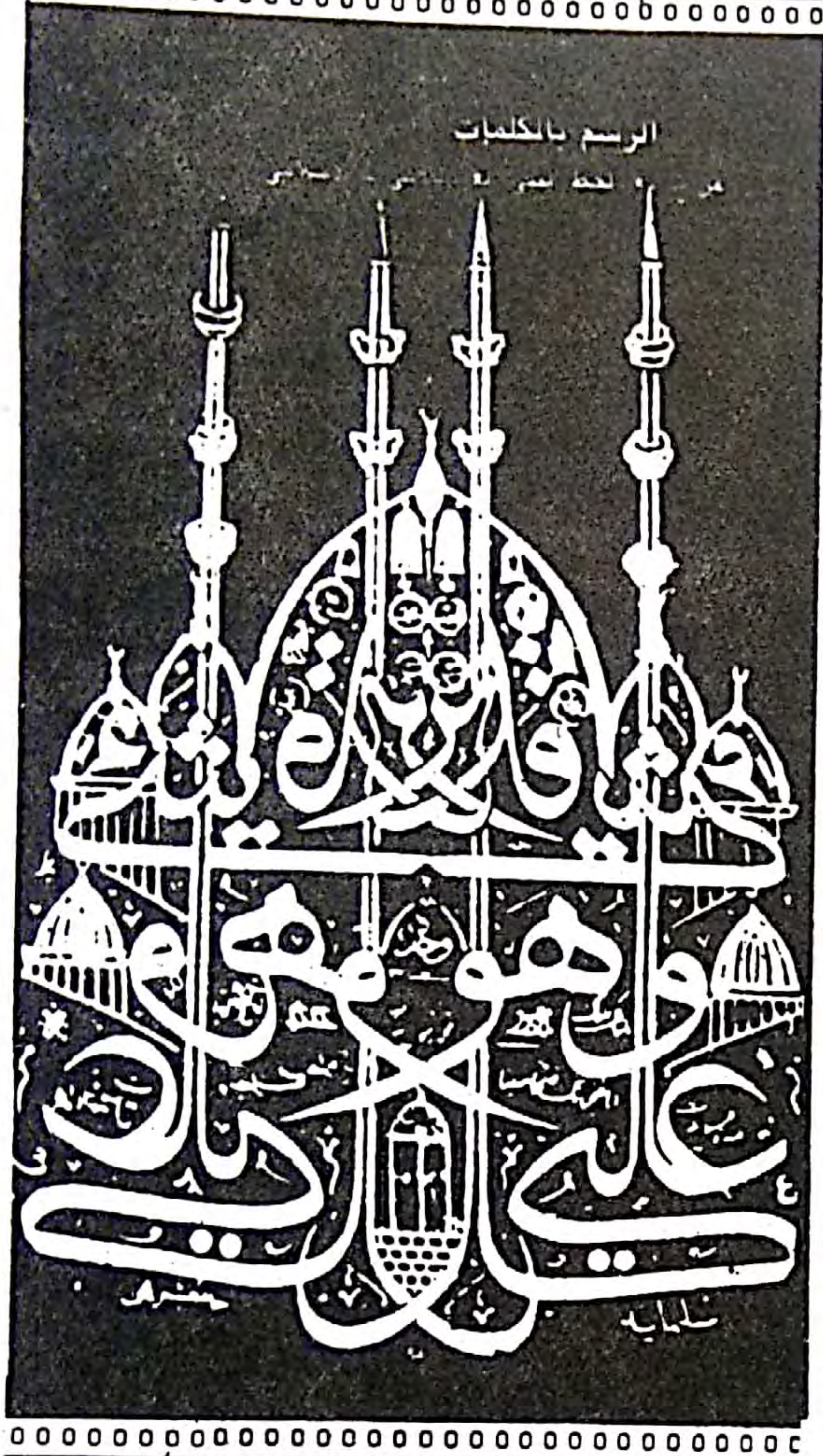
ہے کہ اس کی غیبت اور برائی میں نہ مشغول ہو! حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سے دریافت کیا گیا، غیبت کیا ہے۔ فرمایا اپنے بھائی کا اس چیز کے ساتھ ذکر کرنا جو اس کو ناپسند ہو، کہنے والے نے عرض کیا اگر اس کے اندر وہ بات ہو جو میں کہہ رہا ہوں۔ تو اس کے بارے میں کیا رائے ہے، حضور نے فرمایا، اگر وہ بات جو تو کہہ رہا ہے اس کے اندر ہو جبھی تو اس کی غیبت ہوئی اور اگر نہ ہو تو یقیناً اس پر تو نے بہتان باندھا۔ (ترمذی ۱۵/۲) اور بہتان غیبت سے بھی سخت تر ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا آپس میں قطع تعلق نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو پیٹھ دکھاؤ (یعنی ایک دوسرے سے روگردانی کا سلوک نہ کرو) اور نہ آپس میں بغض رکھو اور نہ حسد کرو اور سب خدا کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ اور کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے۔ (ترمذی ۱۵/۲)

حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ ہر نیکی صدقہ ہے اور یہ بھی نیکی سے ہے کہ تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملے اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں (پانی) ڈالدے! (ترمذی ۱۹/۲)

یعنی یہ چیزیں جن کو لوگ عام طور سے معمولی سمجھتے ہیں یہ بھی صدقہ اور نیکی میں سے ہیں۔

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کفر ہے۔

(ترمذی ۱۹/۲)

گالی دینا تو بہر حال فسق و گناہ ہے مگر مسلمان سے قتال کفر اس وقت ہے جب کہ اسے حلال جانے ورنہ گناہ کبیرہ ضرور ہے۔ اخوت و مساوات اور اپنے اسلامی بھائی کی حق شناسی کے باب پر سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے نظیر تعلیمات کا یہ ایک اجمالی منظر اور سرسری جائزہ ہے لیکن اس قدر مختصر جائزہ سے بھی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اخوت اور برادرانہ حقوق کے بارے میں کیسی کیسی جزئیات کو احادیث کریمہ نے سمیٹ لیا ہے جن پر صحابہ کرام اولیاء عظام اور صالح مسلمانوں نے عمل کر کے اخوت کی ایسی عظیم مثالیں قائم کی ہیں جو ساری اقوام کے لئے اسلام کی طرف کشش کا باعث ہوئیں آج اسی نظام اخوت کو کھو کر اسلامیانِ عالم اپنی کشش ضائع کر چکے ہیں" تاہم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات ان کا قائم کردہ نظام اخوت، ان کے بتائے ہوئے حقوق، اور ان کی دکھائی ہوئی شاہراہِ عمل ساری دنیا کی فلاح و بہبود کی ضامن ہے کاش آج کا عالم اسلام مکمل طور پر اسے خود اپنائے پھر ساری دنیا کو اس طرز پر زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھا کر تعلیمات نبوی اور نظام رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو عام سے عام تر کر سکے۔

یا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

آخری نبی

قرآن کی روشنی میں

حضرت مولانا مفتی شجاعت علی قادری

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شیء علیما۔

"نہیں ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں سے کسی مرد کے باپ اور لیکن آپ اللہ کے رسول اور تمام نبیوں میں آخری ہیں اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ اعزاز عطا فرمایا گیا جو کسی نبی اور رسول کو نہیں ملا تھا۔ اور یہ اعزاز "ختم نبوت" ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر کمال کو اس وصف ختم نبوت کے پس منظر میں دیکھا جائے تو ہر وصف اپنے کمال پر نظر آئے گا اور اگر معاذ اللہ اسی وصف کو الگ کر دیا جائے تو آپ کے اوصاف کی کمالی حیثیت ختم ہو کر رہ جائے گی۔

دو قرأتیں

قرآن لفظ اور معنی کے مجموعہ کا نام ہے اور چونکہ ایک ہی لفظ کئی طرح پڑھا جا سکتا ہے اس لئے قرآنی الفاظ کے پڑھنے کا صحیح معیار یہ ہے کہ زبان رسالت سے اس لفظ کو کس انداز سے ادا ہوتا ہوا سنا گیا ہے۔ اسی فن کا نام علم قرارت ہے جو صحابۂ کرام سے ہم تک پہنچا ہے۔ زیر بحث لفظ کو دو طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمایا ہے۔

۱۔ خاتَم، یعنی تاء کے فتح سے۔

۲۔ خاتِم، یعنی تاء کے کسرہ سے۔

خاتَم تاء کے فتح کے ساتھ صرف دو قاریوں کی روایت ہے اور ان کے علاوہ تمام قاریوں نے خاتِم بکسر تاء پڑھا ہے اور اسی کو مختار کہا ہے۔ (ابن جریر ص۱۱ ج ۲۲)

اصل بات یہ ہے کہ عام طور پر ایک لفظ کو ایک سے زائد طریقوں سے پڑھنے کی اجازت اسی وقت دی جاتی تھی جبکہ معنی ایک ہوں چنانچہ اس لفظ کا بھی یہی معاملہ ہے خواہ آپ اس کو خاتَم پڑھیں یا خاتِم پڑھیں معنی ایک ہی ہیں۔ یعنی "آخری نبی"۔

تفسیرات احمدیہ میں ہے:۔

والمآل علی کل توجیہ ھو المعنی الآخر ولذالک فسر صاحب المدارک قراءۃ عاصم بالآخر وصاحب البیضاوی کل القرائتین بالآخر۔

"اور نتیجہ بہر صورت آخر کے معنی کی صورت میں نکلتا ہے اسی لئے صاحب مدارک نے عاصم کی قرأت (جو فتح سے ہے) کے معنی آخر

کئے اور بیضاوی نے دونوں قراتوں کے معنیٰ آخر کے لئے۔

شریعت اسلامیہ کے اصول میں اصل اول قرآن ہے ہم نے اس مضمون میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کو قرآنی تصریحات سے پیش کیا ہے۔ خاتم النبیین کی آیت کو بنیاد بنا کر دوسری آیت کو بطور تائید پیش کیا ہے۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک آیت مستقلاً دلیل ہے آیت کی لغوی تحقیق سودہ سے نکال دی گئی ہے کیونکہ مضمون بہت طویل ہو گیا تھا اگرچہ تمام عربی لغات میں ختم کے وہی معنیٰ ہیں جو شروع سے امت مسلمہ کا عقیدہ رہے ہیں۔

مگر دنیا کا کوئی معقول انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ لغتیں کسی متکلم کی مراد بھی متعین کیا کرتی ہیں پس کلام الٰہی کی مراد کتب لغت سے متعین نہیں کی جائے گی ہاں صرف اتنا بتانے کے لئے لغوی تحقیق پیش کرنے میں حرج نہیں کہ مراد الٰہی مخالف لغت عرب نہیں ہے۔

مراد الٰہی کے معین کرنے کے دو ذرائع ہیں۔

۱:- خود قرآن

۲:- وہ کہ جس کے قلب پاک پر قرآن نازل ہوا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے معلم القرآن ہونے کی سند عطا فرمائی۔

اب ہم پہلے ذریعہ سے مراد الٰہی کا تعین پیش کرتے ہیں۔

آیت کی تفسیر بالقرآن

قرآن کریم کی متعدد آیات بڑی صراحت سے اس آیت کے معنی کو بیان کرتی ہیں۔ چند آیات یہ ہیں۔

آیت نمبر ۱ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔

(مائدہ پ ۶)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو مکمل کر دیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کے مکمل فرما دینے کا اعلان فرمایا ہے۔ پہلی چیز دین ہے۔ دوسری چیز "نعمت" ہے

جس کی تفسیر ذاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا نبوت یا وحی سے کی گئی ہے پس اب اسلام کے بعد کوئی نیا دین الٰہی قیامت تک نہ ہو گا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص نبی نہیں بنایا جائے گا۔ کیونکہ ایسا کرنا کلام الٰہی پر اعتبار نہ کرنے کے مترادف ہے جو صراحتہً کفر ہے۔

قادیانیوں کا ایک سفسطہ اور اسکا جواب

ایک مناظرے میں قادیانی مناظر نے مجھ سے کہا۔ "بتایئے نبوت نعمت ہے یا زحمت؟" میں نے کہا نعمت کہنے لگا بنی اسرائیل پر اللہ کی رحمت مسلسل برستی رہی ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اور اسی طرح پے در پے نبی آتے رہا کئے اور آپ اپنے آپ کو ختم نبوت کے عقیدہ کی وجہ سے خدا کی نعمت سے محروم کر رہے ہیں۔

میں نے جواب دیا "بنی اسرائیل پر اللہ نے اپنی نعمت کو مکمل نہیں فرمایا تھا، باقساط نازل ہوتی رہی مگر اللہ نے ہم پر اپنی نعمت کو مکمل فرما دیا اور اپنی نعمت کاملہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو عطا فرما دی اب اگر اس کے بعد بھی ہم اپنی طرف سے نبی بنانے لگے تو یہ قہر خداوندی کو دعوت دینے کے مترادف ہے تو گویا ہم نعمت خداوندی سے محرومی کے شکار نہیں بلکہ نعمتِ کاملہ سے مستفید ہونے کے باعث مسرور و شاداں ہیں۔ قل بفضل الله وبرحمته فبذالك فليفرحوا

آیت نمبر ۲ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ۔

"اور یاد کیجئے اس واقعہ کو جبکہ اللہ نے (تمام) نبیوں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب و حکمت دوں پھر آئے تمہارے پاس ایک رسول جو تصدیق کرنے والا ہو اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے

اور ضرور اس کی مدد کروگے۔"

تقریر مدعا یہ ہے کہ اس آیت میں خطاب ہر نبی کو ہے کیونکہ اگر بعض کو ہو اور بعض کو نہ ہو تو ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی پھر اس عقلی دلیل سے قطع نظر قواعد نحو کے مطابق بھی یہی معنیٰ ہیں کیونکہ جمع جب محلّٰی باللام ہوجائے تو مفید عموم ہو جاتی ہے۔ پھر تمام مفسرین سے بھی یہی منقول ہے لہٰذا تین دلائل سے اس کے مخاطب تمام نبی ہیں۔ اب آئیے لفظ "ثم" پر عربی زبان میں لفظ "ثم" "تراخی فی الزمان مع المهلة" کے لئے آتا ہے پس آیت کے معنیٰ یہ ہوئے کہ وہ رسول جس کی تائید ونصرت کا عہد تمام انبیاء سے لیا جارہا ہے۔ وہ تمام کے بعد آئے گا اور جتنے سچے نبی ہوں گے وہ اس سے پہلے ہوچکے ہوں گے اب اگر اس کے بعد کوئی نبی بننے کا دعویٰ کرے گا تو وہ جھوٹا ہوگا۔ کیوں کہ سچے نبی کے لئے اس آیت کے نص سے ضروری ہے کہ اس کی نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے قبل ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی یہی شکل ہے کیوں کہ انکی نبوت دنیا جانتی ہے کہ نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہے اور ان کا حضور کے بعد آنا یہ آیت کے منافی نہیں، بلکہ درحقیقت یہ اس آیت کی تصدیق ہے کہ ایک نبی جو اپنی نبوت کا اعلان دنیا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کر چکا ہے قرب قیامت میں وعدہ الٰہی کی تصدیق کے لئے نازل ہوگا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے گا اور ان کی تائید ونصرت کریگا۔

یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح شب معراج میں تمام رسل کرام وانبیاء عظام علیہم السلام اسی دنیا میں اپنے اجسام حقیقیہ کے ساتھ تشریف لائے اور حضور پر ایمان لانے کی سعادت حاصل کی اور عہد الٰہی کا ایفا کیا ان کم وبیش ایک لاکھ ۲۴ ہزار انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے میں فرق نہ آیا تو صرف ایک عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے کیوں فرق آنے لگا ہے؟ کیونکہ یہ سب کے سب نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان سے قبل اپنی نبوتوں کا اعلان کرچکے تھے پس لفظ "ثُمَّ" نے بتادیا کہ تمام نبیوں کے بعد صرف ایک ہی نبی ہوگا۔ اور ایک سے زائد نہ ہوگا اور یہی ختم نبوت ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اگر یہاں یہ شبہ وارد کیا جائے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام نبیوں کے بعد رسول تو فقط ایک ہی ہوگا مگر مرزا صاحب رسول نہیں بلکہ نبی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو رسول اور نبی میں فرق نہیں اگر ہے تو محض اعتباری ورنہ درحقیقت دونوں "موحیٰ من اللہ" ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ مرزا صاحب نے صرف نبوت کا نہیں بلکہ رسالت کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ جو ان کی کتابوں میں جابجا موجود ہے۔ چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

۱:۔ سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔ (دافع البلاء)

۲:۔ حق یہ ہے کہ خدا کی وہ پاک وحی جو میرے اوپر نازل ہوتی ہے اس میں ایسے لفظ رسول، مُرسل اور نبی کے موجود ہیں نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ۔ (براہین احمدیہ ص۴۹۸ اربعین ص۴/۷ ونزول مسیح ص۹۹ وحقیقۃ الوحی ص۱۵۲ وص۱۵۷ وانجام آتھم ص۶۲ وحقیقۃ النبی مرزا محمود ص۲۵۹ وص۲۱۴)

آیت نمبر ۳ قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔

" فرما دیجئے، لوگو! بلاشبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

آیت نمبر ۴ تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۔

" مبارک ہے وہ جسنے قرآن کو اپنے بندے پر نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہان کے لئے خدا کا ڈر سنانے والا ہو۔"

آیت نمبر ۵ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا۔ (نساء) ۔ اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

آیت نمبر ۶ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْ بَلَغَ۔ (انعام پ ۷)

"اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں اس سے تم کو ڈراؤں اور ان کو بھی جن تک یہ پہنچے۔"

آیت نمبر ۷ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ (انبیاء پ ۱۷)

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔"

آیت نمبر ۸ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا۔

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام لوگوں کے لئے بشارت دیتا اور ڈر سناتا ہوا۔"

یہ آیات اور اس قسم کی تمام آیات جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عام ہونا اور قیامت تک نافذ رہنا معلوم ہوتا ہے بڑی صراحت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر دلالت کرتی ہیں کیوں کہ آپ کی رسالت کا عام ہونا اور اس کا قیامت تک جاری رہنا آپ کی خصوصیات میں سے ہے اب اگر آپ کے بعد بھی نبی بنائے جاتے رہے تو آپ کی یہ خصوصیت جو نصوص قرآنیہ سے ظاہر ہے معاذ اللہ باطل ہو جاتی ہے۔

آیت نمبر ۹ ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ۔ (واقعہ پ ۲۷)

"اہل جنت گذشتہ لوگوں کی بڑی جماعت ہیں اور آخری لوگوں میں سے تھوڑے ہیں۔"

آیت نمبر ۱۰ ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَثُلَّۃٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ۔ (واقعہ پ ۲۷)

"دائیں بازو والے (جنتی) پہلوں میں سے بہت ہیں اور آخری امت میں سے بھی بہت ہیں۔"

تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں ہے کہ پہلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ امم سابقہ میں سے بہت لوگ جنت میں جائیں گے اور آخری امت میں سے کم جائیں گے تو یہ بات صحابہ رضی اللہ عنہم پر شاق گزری چنانچہ ان کی تسلی کے لئے دوسری آیت نازل ہوئی جس میں آخری امت کے اہل جنت کو امم سابقہ کے جنتیوں کے برابر قرار دیا گیا (ابن کثیر بروایت مرفوعہ عن عبداللہ بن مسعود ص ۹۸ ج ۷)

خلاصہ یہ کہ یہ امت آخری امت ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے رسول آخری رسول ہیں، مرزائی اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں اور اس طرح اس آخری امت کے بعد ایک امت اور تجویز کرتے ہیں۔ قرآن کی رو سے اس نئی امت کا کوئی جواز نہیں۔

آیت نمبر ۱۱ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْھٰرُ وَمَنْ یَّتَوَلَّ یُعَذِّبْہُ عَذَابًا اَلِیْمًا۔ (فتح پ ۲۶)

"اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگا تو وہ اسے ایسی جنتوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جو اعراض کریگا تو اسے وہ دردناک عذاب دیگا۔"

یہ آیت اور اسی مضمون کی سینکڑوں آیات قرآن عزیز میں موجود ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ آخرت کی کامیابیاں اور جنت کا حصول صرف دو شرطوں سے مشروط ہے ایک اللہ کی اطاعت اور دوسرے اس کے رسول کی اطاعت اب سوال یہ ہے۔

امت مرزائیہ کو چیلنج

کہ اگر مرزا غلام احمد اور اسی جیسے دوسرے جھوٹے نبی کا ماننا لازم ہوتا تو اللہ فرماتا کہ جو اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد میں نبوت کے جھوٹے دعویداروں کی اطاعت کریگا وہ مستحق جنت ٹھہریگا مگر یہاں کوئی ایسی شرط نہیں لگائی گئی ہے۔ اب ہم تمام امت مرزائیہ سے دریافت کرتے ہیں" کہ بتاؤ جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع کرے وہ نجات یافتہ ہے یا نہیں؟ اگر کہو نہیں تو خدا کو جھٹلا رہے ہو پس ایسے لوگ جو خدا ہی کو جھٹلا دیں ان سے

ہمارا کیا واسطہ؟ اور اگر کہو کہ وہ نجات یافتہ ہیں تو پھر تم ان نجات یافتہ مسلمانوں کو کیوں بہکاتے ہو؟

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

ایک مرزائی مناظر اس کا یہ جواب تیار کرکے لائے تھے کہ مفتی صاحب اگر ہم آپ کی بات مان لیں تو لازم آئیگا کہ "صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا کافی ہے اور آدم سے لے کر عیسیٰ تک کسی نبی پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں"۔

میں نے جواب دیا کہ "جناب سمجھ نہ سکے کہ درحقیقت آدم سے لیکر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام نبیوں پر ایمان لانا یہ بھی اطاعت رسول کے ضمن میں آگیا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سب پر ایمان لائے تھے۔ اور ہمیں ان پر ایمان لانے کا حکم دیا تھا۔

چنانچہ پہلے ہی پارے میں ہے۔

آیت نمبر ۱۲ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ۔

"(متقی وہ ہے) جو ایمان لائے اس پر (کتابوں پر) جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلوں پر نازل کیا گیا۔

اگر ذرا بھی انصاف کا جذبہ ہو تو یہی آیت تمام جھوٹی نبوتوں کی جڑ کاٹ دیتی ہے کیوں کہ اس آیت میں متقی اور پرہیزگار ان لوگوں کو بتایا گیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ کتاب پر اور آپ سے پہلے نازل شدہ کتابوں پر ایمان لے آئیں۔ یہ نہیں کہا گیا کہ جو آپ کے بعد نازل ہونے والی کتابوں پر بھی ایمان لائیں۔ اگر بعد میں بھی کسی چیز پر ایمان لانا ضروری ہوتا تو "ومن بعدک" کا لفظ بھی فرمایا جاتا۔ مگر ایسا نہ ہوا کیونکہ وحی الٰہی منقطع ہو چکی ہے۔ اس مضمون کی متعدد آیات قرآن میں موجود ہیں اور وہ تمام آیات جن میں نزول کتب، یا بعثت انبیاء کا ذکر موجود ہے اور وہ بھی اسی حقیقت کو آشکار کرتی ہیں، مثلاً یہ آیات:۔

آیت نمبر ۱۳ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ۔ (نساء)

"اے مومنو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی۔ اور اس کتاب پر جو پہلے نازل ہوئی"۔

اس آیت میں بھی نہ تو مرزا صاحب کا ذکر ہے اور نہ ان کی وحی کا۔

آیت نمبر ۱۴ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔ (الآیہ بقرہ)

اس میں بھی ایمان کامل کے لئے صرف اتنا کافی بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے پہلے لوگوں پر نازل شدہ کلام الٰہی پر ایمان رکھا جائے اور ان میں تفریق روا نہ رکھی جائے کہ بعض پر ایمان ہو اور بعض پر نہیں اگر کسی کو بعد میں نبوت ملنی تھی اور اس پر کلام الٰہی نازل ہونا تھا تو اس کا ذکر بھی یہاں ضرور ہوتا۔

آیت نمبر ۱۵ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ (بقرہ)

"اور ایمان لاؤ اس چیز پر جو میں نے نازل کی۔ درانحالیکہ وہ تصدیق کرتی ہے ان کتب کی جو تمہارے پاس ہیں۔

اس میں بھی کتب سابقہ کا ذکر ہے بعد میں کسی چیز کے نزول کا اتہ پتہ نہیں ہے اور نہ اس پر ایمان کا حکم ہے۔

آیت نمبر ۱۶ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰى وَعِیْسٰى وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (آل عمران)

"فرما دیجئے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور نازل کیا گیا ابراہیم

اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور سب نبیوں کو دیا گیا ان کے رب کی جانب سے ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔

اس آیت میں اجمال اور تفصیل دونوں ہی طریقوں پر واضح کر دیا گیا ہے کہ کون سے نبیوں پر اور کون سی کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے چنانچہ یہ دونوں لفظ قابل توجہ ہیں۔

(۱) "مَآ اُوْتِیَ" جو کچھ بھی دئے گئے یعنی خواہ کتب ہوں یا صحائف مگر شرط یہ ہے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبیوں کو دئے جا چکے ہوں کیونکہ ماضی کے صیغہ کا یہی مفہوم ہے۔

(۲) "اَلنَّبِیُّوْنَ" یہاں الف لام استغراق کا ہے اور چونکہ یہ اوتی کا نائب فاعل ہے اس لئے معنی یہ ہوتے کہ ان تمام چیزوں پر ایمان لازم ہے جو تمام نبیوں کو دی جا چکی ہیں، یعنی جو کچھ دیا جانا تھا وہ دیا جا چکا ہے اور جس کو دیا جانا تھا وہ بھی اس دنیا میں آچکا ہے اور اب کسی کے لئے کوئی موقع نہیں، اگر اس قسم کا کوئی امکان ہوتا تو آیت میں اس قسم کا جملہ ضروری تھا کہ۔

"وَمَا سَیُؤْتیٰ مِنْ بعدھم"

"یعنی اور اس پر بھی جو بعد والوں کو دیا جائیگا"۔

آیت نمبر ۱۷ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (شوریٰ)

"اسی طرح وحی فرماتا ہے آپ کی طرف اور ان کیطرف جو آپ سے پہلے ہو گزرے اللہ غالب حکمت والا۔

اگر آپ کے بعد کوئی نبی بنایا جاتا اور اس کی طرف وحی کی جاتی تو اس آیت میں اس کا بھی ذکر ہوتا یعنی من قبلك کے ساتھ ومن بعدك کا لفظ بھی ہوتا مگر ایسا نہیں ہے۔

یہ چند آیات وہ ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کو بیان کرتی ہیں اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جنہیں جگہ کی قلت کے باعث چھوڑا جاتا ہے۔ اب ان چند آیات کا ذکر کیا جاتا ہے جنکو منکرین ختم نبوت مسلمانوں کے دلوں میں شک و شبہ کے لئے پیش کرتے ہیں۔

آیت نمبر ۱ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ (نساء)

"اور جو لوگ بھی اطاعت کریں گے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ روز قیامت ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور نیکوں کے ساتھ اور یہ سب اچھے رفیق ہیں۔

مرزائی کہتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر انسان نبی بن سکتا ہے، استدلال اس طرح ہے کہ ہم نمازوں میں دعا کرتے ہیں "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" اے اللہ ہمیں ان لوگوں کی راہ پر چلا جن پر تو نے انعام کیا۔ پھر قرآن کی اس آیت میں اللہ نے خود ہی بتا دیا کہ انعام یافتہ لوگ چار قسم کے ہیں۔

اب یہ تو ممکن نہیں کہ اللہ کسی بھی بندے کی دعا کو قبول نہ کرے لہٰذا کسی کی دعا اس طرح قبول ہوتی ہے کہ اسے صالح بنا دیا جاتا ہے کسی کی اس طرح کہ اسے شہید بنا دیا جاتا ہے اور کسی کی اس طرح کہ اسے صدیق بنا دیا جاتا ہے اور کسی کی اس طرح کہ اسے (معاذاللہ) نبی بنا دیا جاتا ہے اور مذکورہ آیت میں "فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ" کا یہی مفہوم ہے۔

اس شبہ کے دو جواب ہیں۔

(۱) یہ تقریر درحقیقت قرآن میں ایسی تحریف ہے جس سے یہودی بھی شرما جائیں گے۔ اس آیت میں یہ کہاں کہا گیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنیوالے نبی بن جائیں گے اسمیں تو لفظ "مَعَ" ہے جس کا ترجمہ "ساتھ" ہے۔ پھر اسکی مزید تاکید آیت کے آخری جملہ سے

ہے کہ" وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا" اور یہ سب اچھے رفیق ہیں. تو آیت کا صریح مفہوم یہ ہے کہ خدا کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والوں کو چاروں منعم علیہم یا ان میں سے بعض کی رفاقت و معیت حاصل ہو جائے گی اور یقیناً یہ بڑا اعزاز ہے۔

ایک قادیانی مناظر نے مجھ سے کہا کہ مفتی صاحب اگر آپ کی تقریر درست تسلیم کرلی جائے تو معنی یہ نکلیں گے کہ جس طرح اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے کوئی شخص نبی نہیں بن سکتا اسی طرح صدیق اور شہید اور صالح بھی نہیں بن سکتا ہے بس صرف رفاقت کا اور معیت کا مستحق ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معنی کوئی بھی قبول نہیں کرے گا۔

میں نے کہا" درحقیقت اس آیت میں صرف رفاقت و معیت ہی کا ذکر ہے. صدیق شہید اور صالح بننے کا ذکر نہیں اب رہی یہ بات کہ کوئی شخص اطاعت خدا اور رسول کی بدولت صدیق شہید اور صالح بن سکتا ہے یا نہیں تو اس کے لئے قرآن میں بہت آیات موجود ہیں جو ہم آپ کی خدمت میں پیش کر سکتے ہیں اب آپ کے ذمہ یہ ہے کہ آپ قرآن کی کوئی ایسی آیت پیش فرمائیں جس میں کہا ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص دعا کرنے یا خدا اور رسول کی اطاعت کرنے سے نبوت و رسالت حاصل کر سکتا ہے۔

۲، اگر کسی کی راہ پر چلنے سے راہ چلنے والا لازمی طور پر وہی بن جاتا ہے جس کی راہ پر وہ چل رہا ہے. تب تو بڑی خرابیاں آئیں گی۔

۱:۔ آپ لوگ مرزا غلام احمد کی راہ پر اتنے عرصہ سے چل رہے ہیں تو آپ مرزا جی کیوں نہیں بنے؟ خود ان کے بیٹے اور خلیفے بھی مرزا جی نہ بنے۔

۲:۔ اور مرزا جی بننے کی ضرورت ہی کیا تھی آخر آپ لوگ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے راستے پر چل رہے ہیں (صراط اللہ العزیز الحمید) تو خدا ہی کیوں نہیں بن بیٹھتے ہیں۔

۳:۔ کیا کوئی عقلمند آپ کی اس منطق کو مان لیگا کہ انسان وزیر، سفیر یا بادشاہ کی راہ پر چل کر وزیر، سفیر یا بادشاہ بن جائے گا۔

آیت نمبر ۲ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. (جمعہ)

" وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں سے ایک رسول انہیں میں سے مبعوث کیا جو ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کرتا. ان کا تزکیہ کرتا اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اگرچہ وہ اس سے پہلے بلا شبہ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے اور انہیں میں سے دوسروں کے لئے جو ابھی تک ان سے ملے نہیں اور وہی غالب حکمت والا ہے۔

مرزائی کہتے ہیں کہ" وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ الخ کے معنی یہ ہیں کہ" اور دوسرے نبی بھی آئیں گے جو ابھی ان سے نہیں ملے"۔

یہ ایک ایسی لغو بات ہے جسے عربی سے واقف پہلی ہی نظر میں بھانپ لیتا ہے تاہم چند اشارات پیش کرتا ہوں۔

۱:۔ اگر آخرین سے" بجائے لوگوں کے معنی نبی لئے جائیں تب بھی حضور کے بعد نبی بنانے کا کوئی اشارہ نہ ہوگا کیونکہ لفظ" بَعَثَ" ماضی ہے اور بقول مرزائیوں کے اس کا عطف" رسولاً" پر ہوگا اس طرح یہ بَعَثَ کا مفعول ہوگا۔

۲:۔ منھم کی ضمیر اُمیین کی طرف لوٹتی ہے یعنی اصل عرب تو بقول مرزائیوں کے اگر آخرین سے مراد نبی ہوں تب ان نبیوں کو اہل عرب سے ہونا پڑیگا. اور اس طرح مرزا صاحب کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑیگا کیونکہ وہ منھم نہیں ہیں۔

۳:۔" آخرین" جمع ہے تو کیا چودہ سو سال میں صرف

ایک ہی آیا۔

غرضکہ یہ تاویل خرافات کا پلندہ ہے اور تحریف معنوی کا شاہکار ہے۔

آئیے اب اس کے معنی اسی زبان سے سنیں جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

سہیل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت کی پشت در پشت ایسے مرد اور ایسی عورتیں ہوں گی جو جنت میں بے حساب داخل ہوں گی پھر آپ نے یہ آیت پڑھی داٰخرین منھم لما یلحقوا بھم یعنی امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی ماندہ افراد (قیامت تک) ابن کثیر ص۳۴۹/۹۔

گویا اس آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے عموم کا بیان ہے جس کا دائرہ آپ کے زمانۂ اقدس کے لوگوں اور بعد کے لوگوں تک وسیع ہے۔

آیت نمبر ۳

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ط (پ۱۷ ع ۱۷ حج)

اور اللہ چن لیتا ہے فرشتوں سے پیغام پہنچانے والوں کو اور لوگوں سے۔

مرزائی کہتے ہیں کہ اس میں یصطفی فعل مضارع ہے جو حال و استقبال دونوں پر دلالت کرتا ہے پس ثابت ہوا کہ آئندہ بھی فعل اصطفاء جاری رہے گا، یعنی اللہ چنتا رہیگا اس کے دو جواب ہیں۔

۱:۔ تحقیقی جواب تو یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ مشرکین یہود اور نصاریٰ کے اس اعتراض کا جواب دے رہا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر نبی بن سکتے ہیں۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اللہ کی مرضی ہے کہ وہ انسانوں اور فرشتوں میں سے بعض کو اس شرف و کرامت کے لئے چن لیتا ہے اگر تم خدا کے اختیار و اقتدار کو تسلیم کرتے ہو تو اس کے اس فیصلے کو بھی تسلیم کرو، اب رہی یہ بات کہ مستقبل کے معنی یہاں کیوں نہیں لئے جاتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ختم نبوت کے سلسلے میں جتنی آیات صریحہ نازل ہوئی ہیں وہ ایسا کرنے سے مانع ہیں اور اگر آپ ایسا نہ کریں تو معاذاللہ قرآن میں تضاد ہوگا جو محال ہے۔

۲:۔ دوسرا جواب الزامی ہے اور وہ یہ کہ ہم تمام دنیا کے مرزائیوں سے دریافت کرتے ہیں، تم بھی مانتے ہو کہ تشریعی[1] نبوت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے اور آپ کے بعد کسی تشریعی نبی کا آنا ممکن نہیں ہے مگر آیت مذکورہ میں اگر تمہارے جائیں والے معنی لئے تو تشریعی نبوت اور تم نے نبوت کی جتنی قسمیں بنائی ہیں سب کا جاری رہنا ثابت ہو جائے گا جو تمہارے مدعا کے بھی خلاف ہے اب بولو کہ جواب کیا ہے؟ جو جواب تمہارا ہے وہی ہمارا ہے ظاہر ہے کہ تم جواب میں خاتم النبیین والی آیت کو پیش کرو گے بلکہ پیش کرتے چلے آتے ہو اور اس آیت سے تشریعی نبوت کے ختم ہونے پر استدلال کرتے ہوئے کہو گے کہ اس آیت کی بناء پر یصطفی میں استقبال کے معنی تشریعی نبوت کے حق میں نہیں لئے جائیں گے۔ بس بعینہٖ ہمارا یہی جواب ہے کیونکہ جو نبوت خدا کی طرف سے دی جاتی تھی وہ تو تشریعی ہی تھی، ظلی بروزی، حقیقی، مجازی وغیرہ کا ذکر قرآن و حدیث میں کہیں نہیں ہے۔ اگر ہے تو دکھاؤ آج تک دنیائے قادیانیت و مرزائیت اس اعتراض کا جواب نہیں دے سکی ہے اور انشاءاللہ العزیز کبھی نہ دے سکیگی۔ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرًا۔

---

[1] مرزا صاحب نے فرمایا "کیونکہ اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا" (تجلیات الٰہیہ طبع اول ص۲۵ ج۱) اگرچہ خود مرزا صاحب نے تشریعی نبوت کا دعویٰ داغ دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں "یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر و نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب شریعت ہوگیا .... میری وحی میں امر بھی ہے اور نہی بھی (اربعین) حقیقت یہ ہے کہ مرزا صاحب کا کلام تضاد بیانیوں اور تاویل در تاویل کا مجموعہ ہے۔

آیت نمبر ۴ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (انعام)

اور اللہ ہی جانتا ہے اس جگہ کو جہاں وہ رسالت کرتا ہے۔

اس آیت سے بھی مرزائی وہی استدلال کرتے ہیں جو گزرا کہ "یَجْعَلُ" فعل مضارع ہے جو حال و استقبال دونوں کے لئے آتا ہے اور اس کا جواب وہی ہے جو میں عرض کر چکا ہوں۔

آیت نمبر ۵ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (اعراف)

اے بنی آدم! اگر تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول آئیں جو تم پر میری آیتوں کی تلاوت کریں تو جو پرہیزگاری اختیار کرے گا اور اصلاح کریگا تو اس پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

مرزائی اس آیت پر بڑی اچھل کود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تم آدم کی اولاد ہو تو اس میں تمہیں مخاطب کرکے کہا گیا ہے کہ تم میں رسول آتے رہیں گے ہاں اگر تم اپنے آپ کو زمرۂ آدمیت سے خارج مان لو تو یہ خطاب بھی تمہاری طرف سے پھر جائے گا۔"

جو لوگ علوم قرآنی سے باخبر ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ قرآن میں جب خصوصی طور پر امت محمدیہ کو خطاب ہوتا ہے تو اس کے دو طریقے ہیں۔

۱: یٰٓاَیُّھَا النَّاس

۲: اور یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا!

اگر صرف یہودی مخاطب ہوں ان کے لئے۔ یا بنی اسرائیل ہے اور اگر تمام انسانیت جو آدم سے لیکر قیامت تک ہے مخاطب ہو تو اس کے لئے یا بنی آدم! **کا خطاب** ہے اور آیت مذکورہ میں بھی یہی انداز تخاطب ہے۔

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ یہ آیت حرف بہ حرف صحیح ہو چکی ہے اور اس کا مصداق دنیا میں آچکا ہے کیونکہ آدم نوح، موسیٰ، یعقوب، یوسف اور عیسیٰ علیہم وعلی جمیع الانبیاء صلوات اللہ وتسلیماتہ کی امتیں اس آیت کا مخاطب ہیں اور اگر ختم نبوت والی آیات نہ ہوتیں تو اس کا دائرہ کار آگے تک بڑھ جاتا۔

خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ فعل مضارع بیشک استقبال کے لئے آتا ہے مگر آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ استقبال مؤبد کے لئے آتا ہے اور یہ کہ اس کے آگے کوئی حد قائم نہیں ہو سکتی ہے علاوہ اس تحقیقی جواب کے۔ مرزائی صاحبان ہم پھر آپ سے سابق سوال کا اعادہ کرتے ہیں اور وہ یہ کہ اگر آیت جریان نبوت پر دال ہے تو مطلق نبوت جاری ہو جائیگی۔ پھر تشریعی نبوت کو کیسے بند کریں گے؟ جس طرح آپ تشریعی نبوت کو بند کریں گے اسی طرح ہم آپ کی بنائی ہوئی نبوت کو بھی بند کرکے دکھا دیں گے۔

ایک مغالطہ اور اس کا جواب

قادیانی کہتے ہیں کہ ہر امت اس خوش عقیدگی میں مبتلا رہی ہے کہ ہمارے نبی کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا مگر باوجود ان کی خوش اعتقادی کے نبی آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ اس خوش فہمی کی تردید فرمائی ہے چنانچہ قرآن کریم میں ہے یوسف علیہ السلام کی قوم کے بارے میں۔

آیت نمبر ۶: حَتّٰٓی اِذَا ھَلَکَ قُلْتُمْ لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰہُ مِنْۢ بَعْدِہٖ رَسُوْلًا۔ (مومن ۳۵)

"یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہا کہ ان کے بعد اللہ ہرگز کوئی رسول نہ بھیجے گا۔"

مگر ان کے بعد رسول اور نبی آتے رہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر امت مسلمہ کا عقیدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت ایسا ہی بے بنیاد تھا جیسا کہ قوم یوسف کا تو جس طرح اللہ تعالیٰ نے قوم یوسف کی تردید کی اسی طرح امت محمدیہ کی تردید فرما دیتا مگر ایسا نہ ہوا معاملہ برعکس ہوا اور وہ اس طرح کہ وہاں قوم یوسف

یوسف کو آخری نبی کہا اور یہاں خود اللہ تعالےٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی کہا۔ تو اے مرزائی صاحبان کیا آپ خدا کے بارے میں بھی یہی کہیں گے کہ خدا خوش عقیدگی میں مبتلا ہے؛ معاذاللہ۔ خدارا بندوں کے کلام اور خدا کے کلام میں فرق کیجئے۔ میں نے جب ایک مرزائی مناظر صاحب کو اس طرح سمجھایا تو بوکھلا گئے پھر سوچ کر کہنے لگے کہ خود اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ آپ کے بارے میں ایسا ہی عقیدہ رکھتی ہے جیسے پہلی امت کے لوگ اپنے نبیوں کے بارے میں رکھتے تھے چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔

وَاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا۔ (الجن ۷)

"اور بیشک ان لوگوں نے بھی تمہاری طرح گمان کیا کہ اللہ ہرگز کسی کو نہ بھیجے گا۔"

مرزائی کہتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے مسلمانوں سے فرمایا کہ ختم نبوت کا عقیدہ رکھنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ یہ عقیدہ اس طرح ہے جس طرح پہلی امتوں نے رکھا تھا۔ مگر ہم نے ان کے عقیدے کے برعکس رسول بھیجے۔

جواب میں مجھے اتنا عرض کرنا ہے کہ اس آیت کی یہ تقریر قادیانیوں کی طرف سے قرآن میں تحریف معنوی کرنے کی کھلی جسارت ہے۔ آیت میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے جو قادیانی کہتے ہیں۔ یہ آیت سورہ جن کی ساتویں آیت ہے۔ پچھلی آیات میں بتایا گیا ہے کہ "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی قوم کو وہ ایمان افروز گفتگو سنا دیجئے جو جنات نے قرآن سننے کے بعد اپنی قوم سے کی تاکہ قوم کی ہدایت کا موجب بنے چنانچہ یہ آیت جنات کی گفتگو کا ایک حصہ ہے جنوں نے اپنی قوم سے کہا کہ "پہلے لوگوں کو تمہاری طرح یہ خیال تھا کہ ان کے رسول کے بعد کوئی رسول نہ آئے گا۔ اب تم بھی یہ خیال کرتے ہو اور اسی خیال کی بنیاد پر تم نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہو حالانکہ یہ غلط ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت حق ہے چونکہ اس کے دلائل وشواہد ہم نے دیکھ لئے۔ پھر تفصیل سے نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر دلائل بیان کئے گئے ہیں۔

قاہرہ کی ایک خوبصورت شاہراہ

پس یہ آیت تو صرف ان لوگوں کے عقیدے کی تردید کرتی ہے جو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبیوں کو آخری نبی سمجھتے رہے تھے اور لن یبعث اللہ احدا کا مقصد صاف واضح ہے کہ غیر خاتم کو خاتم ماننا اسی طرح کفر ہے جس طرح خاتم کو غیر خاتم ماننا کفر ہے اور بعض تفاسیر میں "لن یبعث اللہ احدا" کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد کسی کو دوبارہ زندگی نہیں ملے گی" یہ خیال غلط ہے یہ تفسیر بھی قرآن کے عین مطابق ہے۔

یہ چند آیات کی تشریح ہے ان کے علاوہ بعض آیات جو صراحتہً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نازل ہوئیں مرزا صاحب نے ان کو اپنے حق میں کہدیا ہے۔ ان کا جواب دینے کی ضرورت نہیں یا انہوں نے اپنے کو محمد اور احمد کہدیا یا اللہ کہدیا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جو سوائے مالیخولیا کے مریض کے کسی اور سے متصور نہیں لہذا ان کا جواب بے سود ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

یا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عقلی ثبوت

حضرت علامہ ارشد القادری

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آسان اور واضح سے واضح بات بھاری بھرکم الفاظ کے نیچے کچھ اس طرح دب جاتی ہے کہ مدتوں ہم اس کی ہیبت سے مرعوب رہتے ہیں اور خواہ مخواہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ کوئی بہت باریک اور پیچیدہ بات ہے، کچھ ایسا ہی حال ہمارے ذہن کا اس مسئلے میں بھی ہے۔

ورنہ واقعہ یہ ہے کہ عقلِ سلیم کے لئے رسالتِ محمدی کا ثبوت دنیا کی سب سے واضح اور مانوس حقیقت ہے۔ زحمت نہ ہو تو چودہ سو برس پیچھے پلٹ کر دنیا کے اس "تاریک دور" میں قدم رکھیئے جب کہ خدائے واحد کا ایک بھی پرستار روئے زمین پر نہیں تھا۔

پھر انسانوں پر ابدی سعادتوں کا دروازہ کھلا، رحمتوں کا سویرا ہوا۔ روح کی بہاروں کا موسم آیا۔ گل قدس کی خوشبو اڑی اور بہزاراں جاہ و جلال فاران سے خورشیدِ رسالت کی پہلی کرن چمکی۔

صدیوں کے بعد پھر حرم کی سرزمین سجدوں سے آباد ہو گئی۔ کہاں تو روئے زمین پر ایک بھی خدا کا ماننے والا نہیں تھا اور اب صرف عرفات کے میدان میں ایک لاکھ فرزندان توحید اپنی پیشانیوں میں سجدہ بندگی کا اضطراب لئے کھڑے تھے اور خدا کا آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان پر رحمتوں کے پھول برسا رہا تھا۔

رسالتِ محمدی کو عقل کی کسوٹی پر جانچنے والے صرف اتنی بات "تاریخ" سے دریافت کرنے کی زحمت فرمائیں کہ ماننے والوں نے پہلے خدا کو مانا یا اس کے رسول کو؟

"تاریخ" واضح طور پر شہادت دے گی کہ پہلے سید عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے لوگوں کے دل جھکے۔ اس کے بعد ان کے سروں کو خدا کا سجدہ نصیب ہوا۔ ماننے والوں نے پہلے رسالتِ محمدی

کا اقرار کیا اس کے بعد توحید الٰہی کی شہادت سے سرفراز ہوئے۔

اب یہ بات محتاج ثبوت نہیں ہے کہ پہلے پہل جن لوگوں نے رسالت کا اقرار کیا حق کی شناخت کے لئے اُن کے پاس سوائے عقل سلیم کے اور کوئی مشعل نہیں تھی۔

اور یہ حقیقت بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ عقل کی ساری رہنمائی رسول کو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ماننے تک تھی۔ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مان لینے کے بعد عقل کو درمیان سے ہٹ جانا پڑا۔ اب ماننے والوں کے سامنے صرف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان تھی۔ وہ جب بھی حرکت میں آئی یقین کا سر جھک گیا۔ اس لئے یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ انسان کو رسالت محمدی کی شناخت سب سے پہلے عقل ہی کے ذریعہ ہوئی۔ عقل ہی کے مشورے پر دل جھکے اس کے بعد اعتراف حق کے لئے زبان کھلی۔

اب رہ گیا یہ سوال کہ عقل کے پاس وہ کون سا معیار ہے جس پر وہ رسالت و نبوت کا دعویٰ پرکھتی ہے اور پورا اترنے کے بعد دل کی ساری کائنات کو قدموں میں ڈال دیتی ہے، تو اس کی تشریح مفصل طور پر ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

عقل سلیم کا کہنا ہے کہ رسول کی صحیح شناخت تین باتوں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ ان تین باتوں کے ثابت ہوجانے کے بعد کسی دور کی عقل بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننے سے ہرگز انکار نہیں کر سکتی۔

رسول کی شناخت کا پہلا عقلی ذریعہ

یہ ہے کہ عام انسانی زندگیوں کے درمیان رسول کی زندگی ماحول کی تاثیرات سے اس درجہ بالاتر اور معصوم و ممتاز ہوتی ہے کہ اسے دیکھتے ہی دنیا کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ کسی معمولی انسان کی زندگی نہیں ہے اس کے پیچھے ضرور کوئی آسمانی طاقت ہے جو پس پردہ کارساز ہے۔

اس رُخ سے جب ہم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں، تو عقل دنگ رہ جاتی ہے ہوش اُڑنے لگتا ہے۔ اور عالم حیرت میں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔

زندگی کا پہلا رُخ

"تاریخ کی گہرائی میں اُترنے کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ ہونے والا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے خاندان میں جنم لیتا ہے جہاں ہر طرف بتوں کی فرماں روائی ہے۔ پجاریوں کی سیادت و افسری کا منصب ہی گھر کا پیشہ ہے۔ آنکھیں کھولتا ہے تو سارا ماحول اخلاقی رذائل، روحانی کثافت اور شر و فساد کی غلاظتوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ کہیں بھی قدم رکھنے کی کوئی صاف جگہ نظر نہیں آتی۔ بچپن ہی میں سر سے والدین کا سایہ اُٹھ چکا ہے۔ گرد و پیش شائستہ تربیت کا کوئی چشمۂ صافی نہیں ہے جہاں وہ اپنا حلق بھی تر کر سکے۔ کسی درس گاہ سے بھی اس کا کوئی تعلق نہیں ہے کہ اکتسابی علم کے ذریعے خیر و شر کے سمجھنے کی صلاحیت بیدار ہو۔

ایسے پُرآشوب بلاخیز اور تاریک ماحول میں وہ ایام طفلی کا معصوم دور گزارتا ہے۔ شعور کی منزل سے آشنا ہوتا ہے شباب کی خارزار وادی میں قدم رکھتا ہے۔

یہاں تک کہ چالیس سال کی طویل مدت وہ صحراؤں، غاروں اور ویرانوں کی بے خطر تنہائیوں میں نہیں، گمراہوں، غارت گروں، ستم شعاروں، مے نوشوں، بدکاروں، فتنہ پروروں اور جرائم پیشوں کی بھیڑ میں بسر کرتا ہے لیکن عقل اور تاریخ دونوں محو حیرت ہیں کہ پانی میں رہتے ہوئے بھی نہ اُس کا جسم بھیگتا ہے نہ جیب و دامن میں کہیں نمی نظر آتی ہے۔

نشست و برخاست، رفتار و گفتار سیرت و اطوار، اخلاق و عادات، افکار و خیالات اور عبادات و معاملات میں چالیس سال کی طویل صحبتوں کا اُس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لاکھوں زندگیوں کے بیچ میں وہ تنہا ایک نرالی، منفرد و بے مثل اور عام سطح سے بالاتر زندگی گزار کر لوگوں کو حیرت میں ڈال دیتا ہے رفتہ رفتہ اس کی اخلاقی برتری، کردار کی راستی اور معنوی تقدس کے آگے ماحول کی گردنیں جھکنے لگتی ہیں اور بالآخر ایک دن وہ سارے قبائل کی نگاہوں کا مرکز عقیدت بن جاتا ہے۔

یہاں تک کہ چالیس سال گزر جانے کے بعد اچانک ایک

پیغمبر کی حیثیت سے وہ اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے وہ لوگوں سے یہ نہیں کہتا کہ مجھے سجدہ کرو، میری عظمتوں کے آگے جھک جاؤ وہ بار بار صرف یہ کہتا ہے کہ پتھر کے تراشے ہوئے بت تمہارے خدا نہیں ہیں۔ خدا وہ ہے جو ان پتھروں، درختوں اور دریاؤں کا خالق ہے پرستش کا وہی مستحق ہے۔ پیشانی کے سجدے اُسی کو زیب دیتے ہیں۔ اپنی انسانیت کا سب سے اونچا اعزاز رزائل کے قدموں میں رائیگاں مت کرو۔

بس اتنی سی بات پر ہر طرف آگ لگ جاتی ہے۔ سارا ماحول سلگنے لگتا ہے جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ اب گھر سے نکلنا مشکل ہے۔ رات کی تنہائی کے سوا کوئی انیس زندگی نظر نہیں آتا

بس اتنی سی بات پر ہر طرف آگ لگ جاتی ہے تلواریں اُٹھتی ہیں وار خالی جاتا ہے، قتل کی سازش ہوتی ہے تار بکھر جاتے ہیں قید کرتے ہیں، زنجیریں ٹوٹ جاتی ہیں، ہزار مخالفت اور ہزار رکاوٹوں کے باوجود سیل نور کی طرح حقیقت کا دائرہ دن بدن وسیع ہوتا جاتا ہے۔

چڑھتے ہوئے سورج کا فروغ دیکھ کر جب مرعوب ہو جاتے ہیں تو کفر کے نمائندے خوشامد کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

"محمد؟ تم اپنی ذات سے سارے قبیلوں میں ہر دلعزیز ہو ہمارے معبودوں کے خلاف آواز اُٹھا کر اپنی ہر دلعزیزی کو صدمہ مت پہنچاؤ۔ تم اگر حکومت کا اقتدار چاہتے ہو تو سارا عرب تمہیں اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے۔ تمہیں اگر دولت کی خواہش ہے تو سارے قبائل کا سونا ہم تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دیں گے اور اگر تم اجازت دو تو عرب کی سب سے حسین اور زہرہ جمال دوشیزہ تمہارے حرم سرا کی زینت بنا دی جائے۔ محمد یہ سب کچھ ایک لمحہ میں ہو سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تم اپنے دعوی پیمبری سے دستبردار ہو جاؤ اور نئے دین کی تبلیغ بند کر دو

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ناقابلِ شکست عزم و یقین کے تیور میں جواب دیتے ہیں۔

"پیغمبر اپنے منصب کی دیانت کو کسی قیمت پر نہیں بیچتا۔ مجھے جادۂ حق سے ہٹانے کے لئے جو معاوضہ تم نے پیش کیا ہے اُس کی تو وقعت ہی کیا ہے تم اگر میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھ دو جب بھی میں دین حق کی تبلیغ اور اپنے منصب کے فرائض سے قدم پیچھے نہیں ہٹا سکتا۔ خدا میرے ساتھ ہے۔ میں اکیلا نہیں ہوں۔ میری آواز پر فتح پانا انسانوں کے بس کی بات نہیں ہے۔

چونکہ اس وقت میرا موضوع سخن تاریخ اسلام بیان کرنا نہیں ہے اس لئے آگے کے واقعات کسی دوسرے لمحہ فرصت پر چھوڑتا ہوں۔

اس وقت مجھے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اس پوری داستان

میں دراصل یہ نکتہ سب سے زیادہ قابل غور ہے کہ پیغمبر کی دعوت کو شکست دینے کے لئے اہل مکہ نے ایک سے ایک حربہ استعمال کیا بائیکاٹ کی مہم چلائی وطن سے بے وطن کیا، ایذائیں دیں، پتھر برسائے، جنگ کی، خون بہائے، خود بھی قتل ہوئے، دوسروں کو بھی شہید کیا، یہ سب کچھ ہوا۔ لیکن کسی مائی کے لال کو یہ جرأت نہ ہوسکی کہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھری مجلس میں کہہ دیتا۔

"محمد! تمہاری پیغمبری کا یہ ڈھونگ ملک شام، فارس اور اُن دور دراز علاقوں میں تو چل سکتا ہے جہاں لوگ تمہاری اخلاقی کمزوریوں، بشری فروگزاشتوں اور کردار کی خامیوں سے ناواقف ہیں۔

لیکن یہ مکہ ہے! یہاں تمہاری زندگی کا ایک ایک خدوخال نظر میں ہے ہم تمہاری اُن کمزوریوں سے پوری طرح باخبر ہیں جن کا پیوند ایک پیغمبر کی زندگی کے ساتھ کسی طرح نہیں جوڑا جا سکتا۔ ہم نہ بھی تمہیں جھٹلائیں جب بھی تمہاری زندگی کے سیاہ دھبے بجائے خود تمہاری تکذیب کے لئے کافی ہیں۔"

اور سُن لیا جائے کہ اعتراف صداقت کی یہ آخری منزل نہیں ہے۔ اس کے آگے ایک اور منزل بھی ہے جہاں جلالت حق کی ہیبت سے عقل کو پسینہ آنے لگتا ہے اور وہ یہ ہے کہ دشمنی میں انسان صحیح اور غلط الزام کا فرق اُٹھا دیتا ہے مانا کہ میرے سرکار کی زندگی ایک روشن آئینے کی طرح بالکل بے داغ و بے غبار تھی۔ اور یہ بھی تسلیم کہ بشری کمزوریوں کا کوئی واقعہ دشمنوں کے علم میں نہیں تھا لیکن اپنے حریف کو شکست دینے اور رُسوا کرنے کے لئے کیا واقعہ تراشا نہیں جاتا؟ کیا من گھڑت الزامات نہیں بیان کئے جاتے؟ اور خاص کر ایسی حالت میں جب کہ پیغمبر کو مجروح کرنے کے لئے الزام تراشنا تلوار اُٹھانے سے زیادہ آسان تھا۔ عرب کے سخنوروں کا سارا گروہ ہم زبان بھی تھا۔ آن کی آن میں پیغمبر کے خلاف فرضی داستانوں کا دفتر تصنیف ہوسکتا تھا لیکن عظمت خداداد کو عقیدوں کا خراج عقیدت پیش کرو کہ سید عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی طیّب وطاہر زندگی کا آفتاب اُس نقطۂ عروج پر تھا کہ سیاہی کا پیوند جوڑنے کے لئے کہیں سے بھی کوئی گھناؤنی ہوئی کرن اُنھیں نہیں مل سکی۔

ویسے اُڑانے کے لئے خاک اُڑا سکتے تھے لیکن دشمن اُس کے لئے کبھی تیار نہیں تھے کہ اپنی ہی آنکھیں غبار سے بھر جائیں

زندگی کا دوسرا رخ

سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک پہلو تو یہ ہے جو سپرد قلم ہوا۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ فطرت انسانی کے جس رُخ سے دیکھو، میرے سرکار کی زندگی اتنی جامع اور مکمل نظر آئے گی کہ ہر دور کے انسانوں کے لئے وہ بہترین نمونۂ عمل بن سکتی ہے۔

نہیں میں نے غلط کہا! بلکہ زندگی کی نجات کے لئے اُس کے سوا کوئی اور نمونہ ہی نہیں ہے۔

چودہ سو برس کی طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی انسانی زندگی کے لئے اس سے بہتر سانچہ نہ آج تک تیار ہوسکا ہے نہ آئندہ ہوسکتا ہے۔

اور حیرت انگیز تماشا یہ ہے کہ زمانہ کے انقلابات نے ہزاروں کروٹیں بدلیں طبیعتوں اور مزاجوں کے پیمانے بنتے اور بگڑتے رہے۔ خطۂ ارضی مختلف رنگ وروپ، مختلف تہذیب وتمدن اور مختلف انداز معاشرت میں تقسیم ہوتا رہا لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہا زندگی سب کو راس آئی۔ سب کی ضرورتوں کی کفیل ہوئی۔ سب کے لئے سازگار رہی اور اپنی رہنمائی میں سب کو زندگی کی منزل مقصود تک پہنچا آئی۔

ایک گدا سے لے کر بادشاہ تک سپاہی سے لے کر سالار تک۔ عورت سے لے کر مرد تک، بچے سے لے کر بوڑھے تک۔ غلام سے لے کر آقا تک، عربی سے لے کر عجمی تک، دیہاتی سے لے کر شہری تک اور چھوٹے سے لے کر بڑے تک سب ہی اپنی اپنی جگہ یہ سمجھتے رہے کہ زندگی کا یہ پیمانہ میرے ہی لئے تراشا گیا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یہ نقشہ سامنے رکھ کر اب میں عقل سلیم سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ایسی محیر العقول اور جامع وکامل زندگی کیا خدا کے رسول کے سوا کسی اور عام بشر کی ہوسکتی ہے۔؟

کیا عالمی تاریخ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کی ایسی زندگی پیش کی جا سکتی ہے؟
ع میں جانتا ہوں کیا وہ کہے گی جواب میں۔

رسول کی شناخت کا دوسرا عقلی ذریعہ

رسول کی شناخت کا دوسرا عقلی ذریعہ یہ ہے کہ خدا کے ساتھ اس کے تعلقات کی سطح عام انسانوں سے بہت اونچی ہوتی ہے وہ کائنات میں خدا کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے عام بندوں کی طرح بے اختیار نہیں ہوتا، بلکہ اس کارخانۂ قدرت میں تصرفات کی قدرت بھی اپنے ہمراہ لے کر آتا ہے۔

تصرفات کی قدرت سے مسلح ہو کر آنا رسول کے لئے دو وجہوں سے ضروری ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ اصول فطرت کے مطابق کوئی انسان اپنے برابر اور ہمسر کی اطاعت نہیں کرتا جس میں برتری اور بڑائی کی کوئی وجہ ہوتی ہے یا جسے وہ اپنا بڑا سمجھتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ رسول کو ایسے کمالات اور قدرت و اختیار سے مسلح کر کے بھیجا جائے کہ کوئی انسان اس کی ہمسری کا دعویٰ نہ کر سکے اور اسکے آگے جھک کر اس کی اطاعت کرنے میں اسے کوئی عار محسوس نہ ہو۔ اطاعت اسی کی کرتا ہے

دوسری وجہ یہ ہے کہ خدا شناسی کی راہ میں سب سے بڑا حجاب مادی طاقتوں سے مرعوبیت کا ہے کیونکہ دنیا میں پہلے پہل انسان کی نظر انھیں طاقتوں سے روشناس ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر آنکھ کھولتے ہی انسان نے سورج کو دیکھا، چاند کو دیکھا دریاؤں کی قیامت خیز لہروں کو دیکھا، پہاڑوں کی ہیبت ناک چوٹیوں کو دیکھا پتھروں کی سخت چٹانوں کو دیکھا، قد آور اور گھنے درختوں کو دیکھا، آگ کے ہولناک شعلوں کو دیکھا، بادشاہوں کے جلال و جبروت کو دیکھا اور ہیبت سے مرعوب ہو گیا۔ احساس کمتری میں انہیں طاقتوں کو کائنات کی اصل سمجھ بیٹھا اور بالآخر انہی کے آگے اپنا ماتھا ٹیک دیا۔

حالانکہ یہ تمام طاقتیں جس طاقت کا کرشمہ تھیں وہ حجابات کے پیچھے تھی لیکن چونکہ وہ پیکر محسوس میں نہیں تھی اس لئے انسان کی نظر اسے نہیں دیکھ سکی۔

ان حالات میں خدا کا رسول آتا ہے۔ آمد کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو ان مادی طاقتوں کی پرستش سے روک دے اور اس کا سر اس طاقت کے آگے جھک جائے جو پس پردہ ان تمام طاقتوں کی خالق اور پروردگار ہے۔

عقل کہتی ہے کہ جب تک ذہن کی غیر واقعی ہیبت اور دلوں کی غلط گرویدگی کا طلسم نہیں ٹوٹ جاتا پیشانیوں کا کسی مانوس آستانۂ عقیدت سے ہٹانا آسان کام نہیں ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ ایک رسول اپنے ساتھ ایسی کائنات گیر قدرت لے کر آئے جس کے ذریعہ وہ ان مصنوعی خداؤں کی طاقت کا بھانڈا پھوڑ دے جب چاہے ان کا طبعی نظام بدل دے ان کی قوت تاثیر سلب کر لے اور انہیں اپنی مرضی غلام بنا کر رکھے۔

پرستار بھی اپنے خداؤں کی بے چارگی، بے بسی و بے طاقتی اور گھٹنا ٹیک فرماں برداری کا تماشا دیکھ کر یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ جب رسول کی قدرت و طاقت کا یہ حال ہے تو اس کے بھیجنے والے کی کیا شان ہو گی؟

اس لئے دراصل پرستش کے قابل وہی طاقت ہے جس کی نمائندگی رسول کر رہا ہے۔ مغلوب طاقت پوجنے کے قابل نہیں ہو سکتی۔

زندگی کا تیسرا رُخ

انہی تمہید کے بعد یہ حقیقت ہم ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ اس رخ سے بھی جب سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہم جائزہ لیتے ہیں تو آپ کی پیمبرانہ طاقت و قدرت کے نہایت حیرت انگیز اور دلربا مناظر سامنے آتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے اشارے پر ساری کائنات گردش کر رہی ہے نگاہ اٹھ جاتی ہے تو مادی طاقتوں کو پسینہ آ جاتا ہے کرۂ زمین پر کھڑے ہو کر انگلی کا اشارہ کرتے ہیں تو آسمان کا سیارہ دو ٹکڑے ہو جاتا ہے لبوں کو جنبش دیتے ہیں تو ڈوبا ہوا سورج منزل سے پلٹ آتا ہے، راہوں سے گزرتے ہیں تو پتھروں

کی بے جان دنیا درود و سلام کا خراج عقیدت پیش کرتی ہے۔
درختوں کو آواز دیتے ہیں تو وہ ایک اطاعت شعار خادم کی طرح دوڑے ہوئے چلے آتے ہیں اشارہ کر دیتے ہیں تو واپس ہو جاتے ہیں چٹانوں پہ قدم رکھ دیتے ہیں تو کف پا کا نقش اُتر آتا ہے پہاڑوں پر تشریف لے جاتے ہیں تو کہسار کا دل خوشی سے جھومنے لگتا ہے زمین کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو وہ حملہ آور کے لئے پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہے۔ کھارے کنوئیں میں لعاب دہن ڈال دیتے ہیں، تو ہمیشہ کے لئے وہ چشمۂ شیریں بن جاتا ہے سنگریزوں کو ہاتھ لگا دیتے ہیں، تو جان پڑ جاتی ہے، اشارہ فرما دیتے ہیں تو کلمہ پڑھنے لگتے ہیں۔
کبھی برہم ہو کر مشت غبار اُڑا دیتے ہیں، تو ہر طرف طوفان اُمنڈنے لگتا ہے اور جب کبھی مائل بہ کرم ہوتے ہیں تو ایک قطرۂ آب چشمۂ سیال بن جاتا ہے۔
مسکراتے ہیں تو نور کی کرن پھوٹتی ہے، چلتے ہیں تو راستوں میں عطر برستا ہے۔ کسی کو چھو دیتے ہیں مہکنے لگتا ہے، ہاتھ رکھ دیتے ہیں تو شفا ہو جاتی ہے۔
نظر پڑ جاتی ہے تو دلوں کے آئینے چمک اُٹھتے ہیں زبان حرکت میں آتی ہے، تو غیب کے اسرار کھلتے ہیں، رُخ پھیر لیتے ہیں، تو پیٹھ پیچھے کی خبر رکھتے ہیں، جو چاہتے ہیں ہو جاتا ہے، جو سوچتے ہیں ڈھل جاتا ہے، جو کہہ دیتے ہیں، مہر لگ جاتی ہے، جو کہہ دیتے ہیں دستور بن جاتا ہے، ادا ادا سے، بات بات سے ایک کائنات گیر اقتدار، ایک آسمانی بادشاہت، ایک با اختیار نمائندگی اور ایک محبوب و دلآویز شخصیت کا جلال و جمال برستا ہے۔

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ

رسول عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات کی یہ نا تمام فہرست جو ہم نے پیش کی ہے، ان کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ روایات ہیں اور روایات کا واقعہ کے مطابق ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔
اس سلسلے میں ہم صرف اتنا کہیں گے کہ عقل انسانی کے پاس اگر کوئی کسوٹی ہے جس پر وہ روایات کو پرکھتی ہے اور پورا اترنے کے بعد صحت کا حکم لگاتی ہے تو ہم یہ مرحلے طے کرنے کے لئے بھی نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ تیار ہیں۔ عقل پرکھے اور حکم لگائے۔
ہمیں فخر ہے کہ جن وسائل و ذرائع سے ہم تک یہ روایات پہنچی ہیں ان سے زیادہ قابل اعتماد اور ثقہ ذرائع آج تک دنیا کی کسی روایت یا کسی واقعہ کو میسر نہیں ہیں لیکن یہ دعویٰ بہرحال اپنی جگہ پر ناقابل تردید ہے کہ ان واقعات سے اور روایات کو صحیح مان لینے کے بعد عقل یہ تسلیم کر لینے پر مجبور ہو گی کہ اس "نشان کا آدمی" سوائے رسول کے کوئی عام انسان ہرگز نہیں ہو سکتا۔

رسول کی شناخت کا تیسرا عقلی ذریعہ

رسول کی شناخت کا تیسرا عقلی ذریعہ یہ ہے کہ اُس کے ساتھ خدا کی کوئی "آسمانی کتاب" ہوتی ہے۔ رسول کے ساتھ آسمانی کتاب کا ہونا دو وجہوں سے ضروری ہے۔
پہلی وجہ یہ ہے کہ رسول، خدا کی طرف سے بندوں کی ہدایت کے لئے آتا ہے اس لئے ظاہر ہے کہ اُس کے پاس ایک ہدایت نامے کا ہونا ضروری ہے جس کے مطابق وہ بندوں کی رہنمائی کرے اُنہیں راہ راست پر چلائے اور خدا کے احکامات اور اُس کی مرضی سے اُنہیں روشناس کرائے۔
عقل کہتی ہے کہ آسمان سے نازل شدہ کسی بھی الہامی کتاب میں درج ذیل امور کا ہونا ضروری ہے۔
کیوں ضروری ہے؟" یہ ایک مستقل موضوع بحث ہے لیکن آنے والے مباحث کی روشنی میں ذرا بھی ذہن پر زور دیا جائے تو کیوں کا جواب خود بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

ان امور کی نشاندہی جن کا کسی بھی الہامی کتاب میں ہونا ضروری ہے

۱۔ عبادات اور جملہ شعبہ ہائے زندگی سے متعلق احکام و قوانین اور مفید ہدایات جن کا تعلق عمل اور جوارح سے ہے۔
۲۔ عقائد، اصول اور ایمانیات جن کا تعلق قلبی تصدیق سے ہے۔ ۳۔ خدا کی ذات و صفات سے متعلق واضح بیانات۔
۴۔ عالم آخرت اور جزا و سزا کی تفصیلات

۵۔ گزشتہ نبیوں، رسولوں، اُن کی کتابوں اور قوموں کے تذکرے۔

۶۔ جس رسول پر کتاب نازل ہوئی اُس کے متعلق ہدایات

۷۔ خود اُس نازل شدہ آسمانی کتاب کے متعلق تذکرہ۔

۸۔ جس دور میں وہ کتاب نازل ہوئی اُس دور اور اُس دور کے لوگوں کے متعلق تذکرہ۔

۹۔ آئندہ کے واقعات اور اسرار غیب کی اطلاع۔

۱۰۔ کائنات کی تخلیق آفرینش کی حکمت و مصلحت، آغاز وانجام اور درمیانی مراحل کا بیان۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اس ظاہری دنیا میں موجود نہ رہے جب بھی بندوں کو ایک مستند ذریعے سے اپنے متعلق خدا کی مرضی اور اُس کی ہدایت و احکامات کا علم ہوتا رہے۔ اور خداشناسی کے لئے بیک واسطہ اس کی ایک زندہ نشانی کائنات کے ہر دور میں انسانوں کے درمیان موجود رہے۔

اتنی تمہید کے بعد مدعائے نگارش یہ ہے کہ اس رُخ سے جب بھی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ان کے ہمراہ قرآن نامی ایک الہامی کتاب نظر آتی ہے۔

ایک جامع اور مکمل آسمانی کتاب کیلئے عقل جن امور کی نشاندہی کرتی ہے وہ سارے امور قرآن میں واضح طور پر موجود ہیں۔

اُن امور میں سے بعض امور تو وہ ہیں جو ہدایات و قانون کی کسی بھی کتاب کے لازمی اجزا کی حیثیت سے ضروری ہیں اور جن کے بغیر اس موضوع کی کوئی بھی کتاب جامع اور مکمل نہیں کہی جاسکتی۔

اور بعض اُمور وہ ہیں جو سوائے خدا کی کتاب کے کسی بھی انسانی کتاب میں نہیں مل سکتے اور جہاں کسی طرح بھی انسانی عقل کی رسائی ناممکن ہے مثال کے طور پر آئندہ واقعات کی اطلاع اور اسرار غیب کی نقاب کشائی زمانہ ماقبل تاریخ کیطرح تخمینی نہیں، چشم دید تیرہیں۔ کائنات کی کیفیت تخلیق آفرینش کے رموز و اسرار اور عالم ہستی کے آغاز و انجام کی تفصیلات۔ خدا کی ذات و صفات کے متعلق واضح اطلاعات۔ عالم آخرت کی مفصل نشاندہی۔ قدرتی بنادٹوں کی طرح قرآن کا انداز بیان۔

یہ ہیں وہ اُمور جو انسان کی دسترس سے باہر ہیں اور جن کا کسی انسانی کتاب میں ہونا تو درکنار اُس کے علم ہی کا انسان کے پاس، سوائے خدا کے اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

واضح رہے کہ یہی وہ منزل تھی جہاں سخنوران عرب کو پسینہ آگیا اور وہ سب مل کر بھی قرآن کی ایک مختصر سی مختصر سورت کی مثال پیش کرنے سے قطعاً عاجز و قاصر رہے۔

قرآن انہیں چیلنج یہ چیلنج دیتا رہا کہ اگر تمہارا یہ گمان صحیح ہے کہ میں خدائے برتر کی کتاب نہیں کسی انسان کی بنائی ہوئی کتاب ہوں
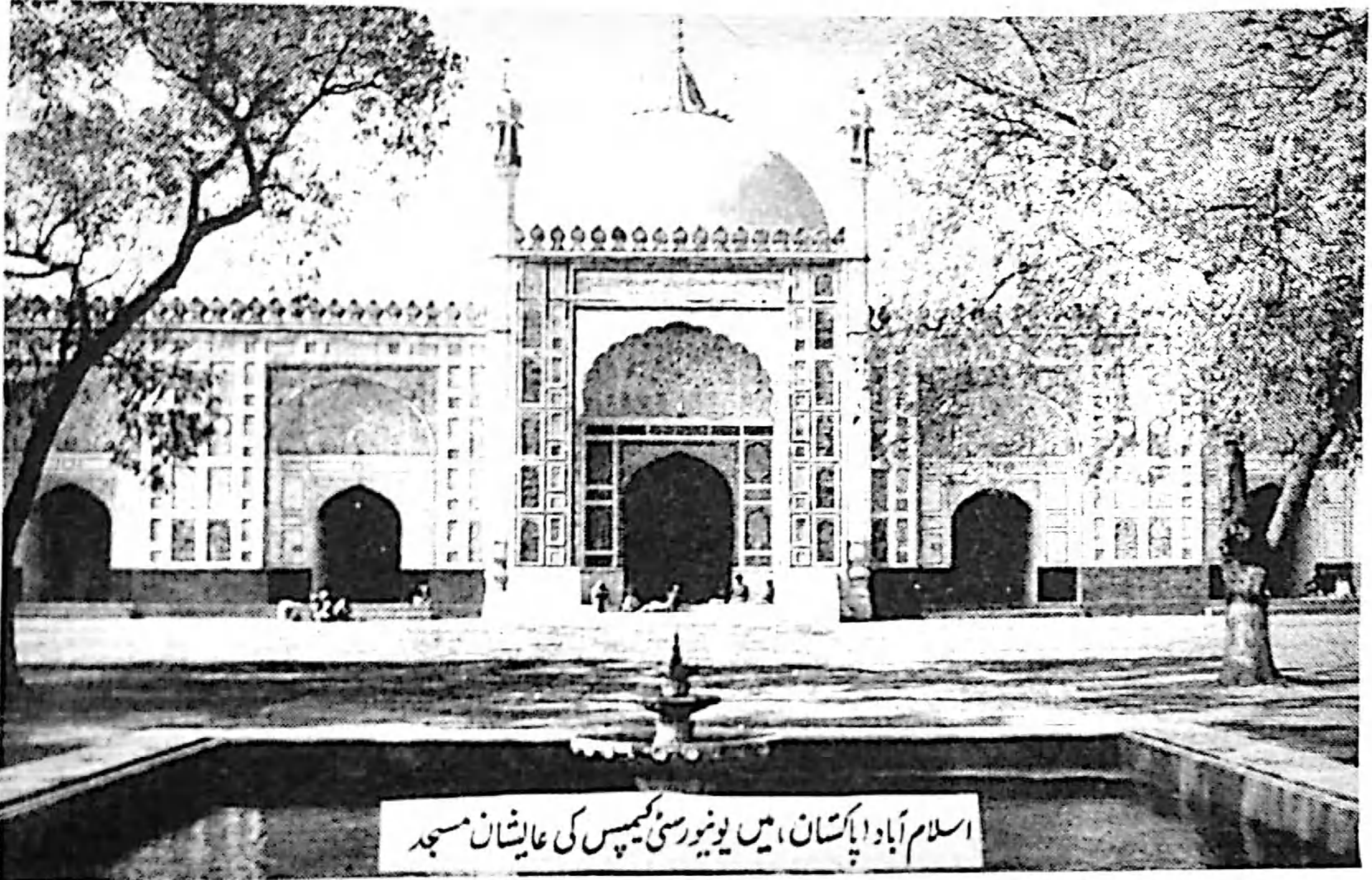
اسلام آباد (پاکستان) میں یونیورسٹی کیمپس کی عالیشان مسجد

تو تم بھی انسان ہو، میری زبان بھی وہی ہے جس میں تم بہت بڑے ادیب اور مانے ہوئے سخنور ہو۔ بنا لاؤ میری آیتوں کی طرح کوئی بھی عربی عبارت۔

انسان خدائی بناوٹوں کی نقل نہیں اتار سکتا۔ انسانی بناوٹوں کی نقل اتارنا اس کے لئے کیا مشکل ہے؟۔

لیکن تاریخ شاہد ہے کہ نہ اُس وقت کے سخنورانِ عالم اس چیلنج کا جواب دے سکے نہ چودہ سو برس کی طویل مدت میں "ربع مسکون" پر کوئی جواب دینے والا پیدا ہوا اور پھر نہ صرف یہ کہ "قرآن ثانی" پیش کرنے سے دنیا عاجز رہی بلکہ قرآن کے حرم میں کہیں سے نقب لگانے کی بھی کوئی گنجائش نہیں مل سکی کیونکہ قرآن صرف سفینوں میں نہیں سینوں میں بھی محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔

ہزار محاسن، ہزار اوصاف اور ہزار معجزانہ کمالات کے باوجود یہ عین ممکن ہے کہ کوئی قرآن پر ایمان نہ لائے لیکن یہ قطعًا ناممکن ہے کہ اس کے معجزانہ کمالات معجزانہ محاسن اور معجزانہ اوصاف کی موجودگی میں کوئی اس کے خدا کی کتاب ہونے سے انکار کردے۔

اسی طرح از روئے عقل یہ بھی ذہن وفکر کا کھلا ہوا تضاد ہے کہ اتنی بات تسلیم کرلی جائے کہ دنیا کو خدا کی یہ کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملی، لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول تسلیم کرنے سے انکار کردیا جائے۔ حالانکہ دونوں باتیں قطعاً ایک ہیں صاحبِ کتاب ہونے اور رسول ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

پھر میں ایک بات کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں کہ عقلِ انسانی کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار آسان نہیں ہے۔

یا تو وہ ثابت کرے کہ قرآن جیسی کتاب انسان تصنیف کرسکتا ہے، یا یہ ثابت کرے کہ معاذ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کتاب نازل ہی نہیں ہوئی ہے، لیکن ہمیں یقین ہے کہ عقل نہ وہ ثابت کرسکتی ہے نہ یہ ثابت کرسکتی ہے، وہ اگر کچھ کرسکتی ہے تو صرف یہ کہ رسالتِ محمدی کی روشن حقیقت کے آگے اپنا سر نیاز خم کردے۔

صحابۂ کرام

مولانا عارف اللہ مصباحی
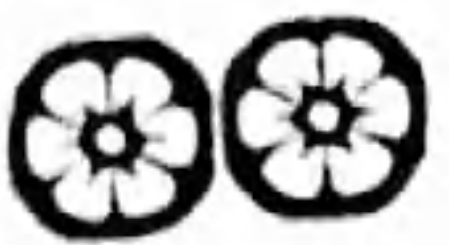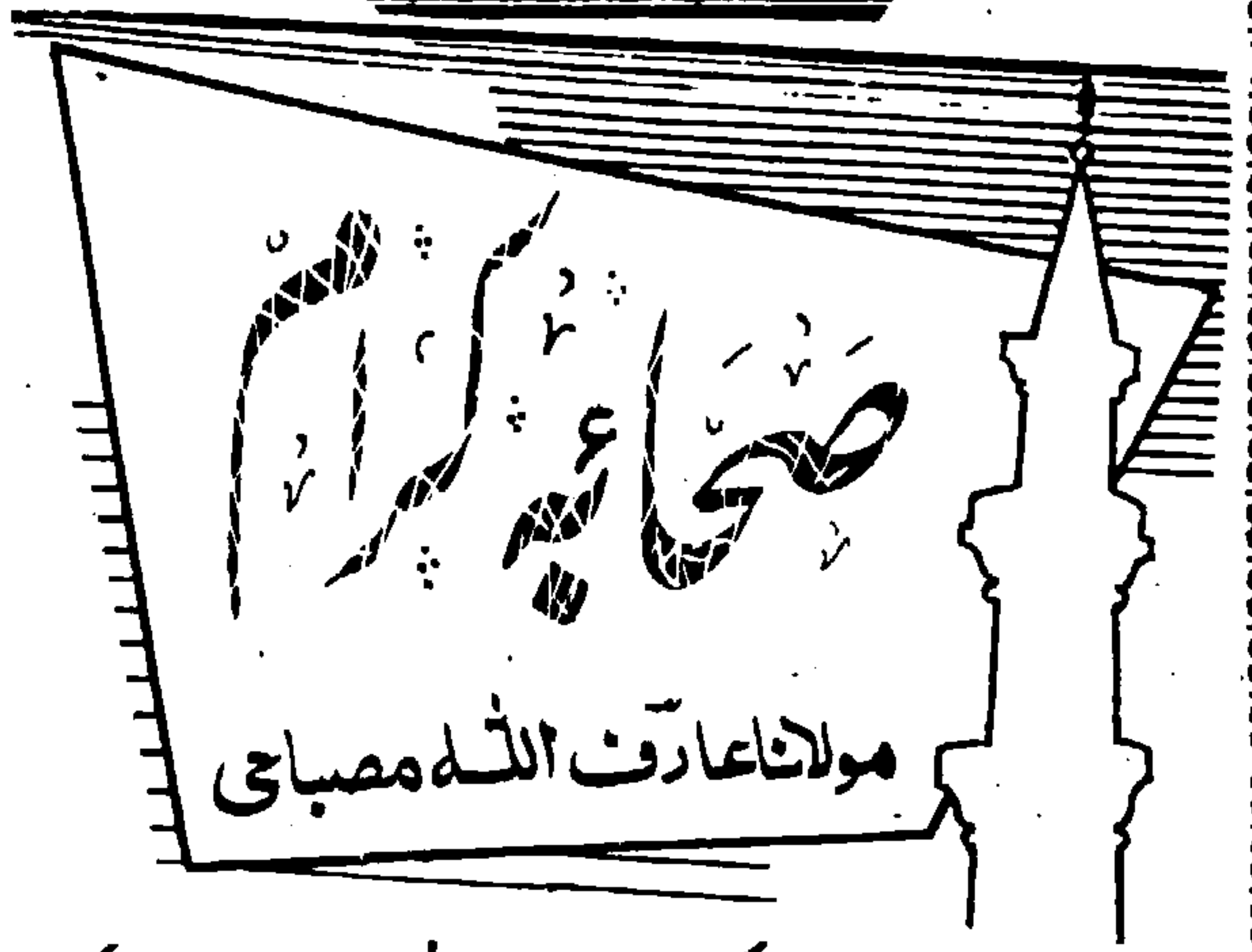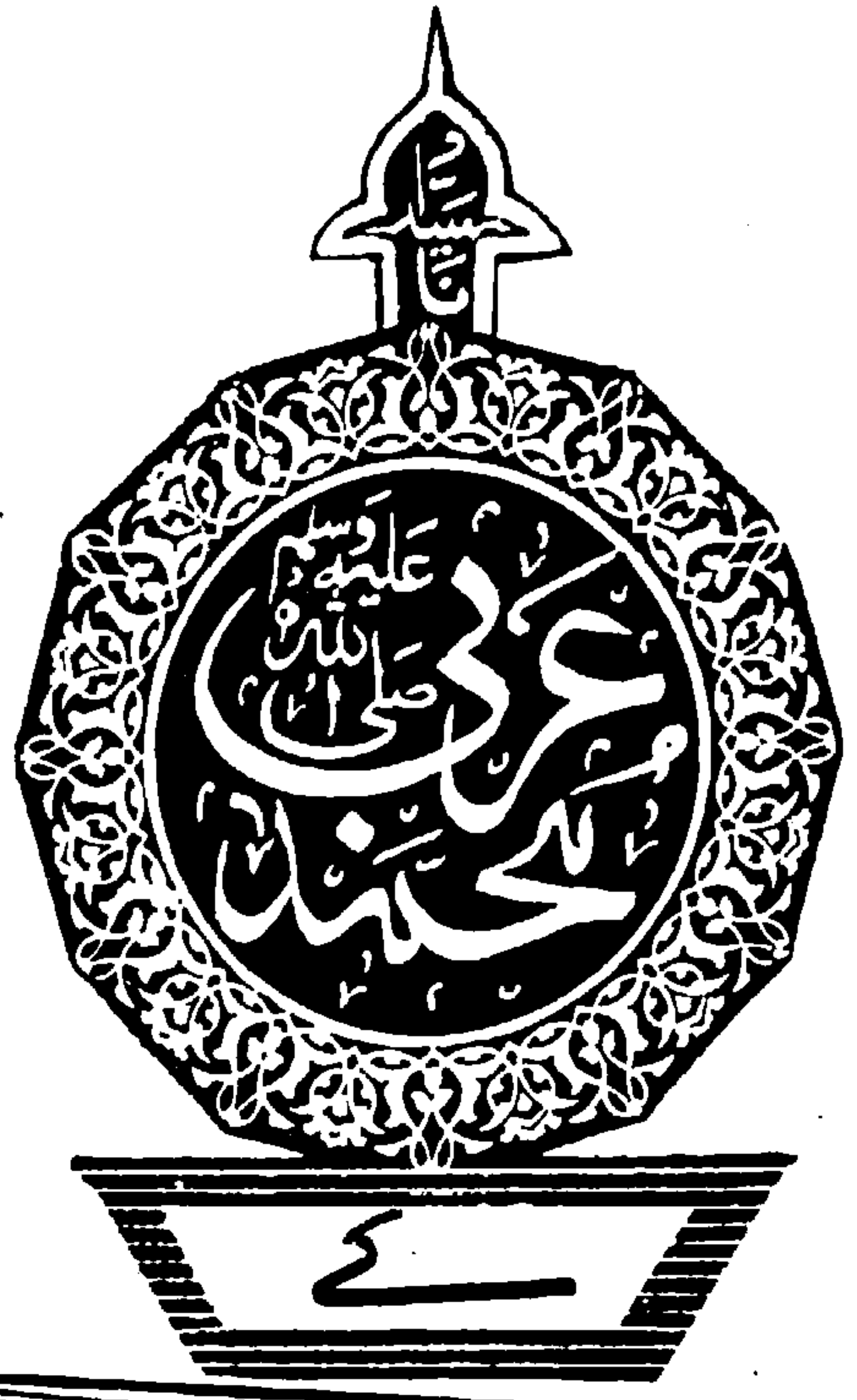
عالم عرب میں کفر وضلالت اور شقاوت بہیمیت کی تیرہ وتار فضاؤں میں جب افق نبوت پر آفتاب ہدایت جلوہ گستر ہوا اور اس نے اپنی خیرہ کن روشنی سے ظلم وستم، جبر واستبداد اور شرک وبت پرستی کی کالی کالی گھٹاؤں کو پارہ پارہ کرنا شروع کیا اور خدائے ارض وسما کی الوہیت وحدانیت کا غلغلہ بلند ہونے لگا تو جو خوش قسمت اور سعادت مند اکتساب نور کے لئے کشاں کشاں اس مرکز نور کی طرف لپکے اور اپنے دلوں کی دبیز ظلمتوں کو اس سے مستفیض ومستنیر ہو کر زائل کرنے لگے وہی صحابۂ کرام کے معزز لقب سے نوازے گئے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرک وبت پرستی کی نجاستوں کو دور کر کے ان کے قلوب کو عقیدۂ توحید و رسالت کی آماجگاہ بنا دیا ان مقدس و پاکباز ہستیوں نے بھی اپنی گفتار وکردار، عادات واطوار اور نشست وبرخاست غرض ہر شعبۂ زندگی میں حیات نبوی کو نمونۂ عمل اور خضر راہ بنایا۔ انھوں نے جو قدم بھی اٹھایا اس میں رضاء خدا ورسول ایک جزو لاینفک کی حیثیت رکھتا تھا — ان کی سماجی ومعاشرتی زندگی کہیں بھی ان خطوط سے تجاوز نہیں کرتی جنھیں رسول گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لئے مقرر فرما دیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان اصحاب سے انتہائی محبت تھی۔ آپ ان کی دعوتوں میں بہ نفس نفیس تشریف لے جاتے ان کے رنج وغم میں برابر کے شریک رہتے۔ شادی بیاہ کی تقریبات میں جا کر ان کی خوشیوں کو دوبالا کرتے اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی ودل بستگی فرماتے۔ کبھی کبھی ان سے مزاح بھی فرماتے۔

قرآن حکیم واحادیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے تقویٰ وطہارت، خلوص وللّٰہیت، فضل وشرف، اور ان کے ایثار وقربانی کے جذبات دروں کی شہادت دے رہی ہیں۔ ہم سب سے پہلے ایسی چند آیات کریمہ پیش کر رہے ہیں جو بارگاہ نبوی کے ان تربیت یافتوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔

(۱) — قرآن کریم ان کی آپسی نرم دلی وملاطفت باہمی اتحاد واتفاق اور دشمنان اسلام کے ساتھ ان کی غلظت و سختی کا بیان اس طرح فرماتا ہے۔

"محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھی کافروں پر بڑے سخت اور آپس میں انتہائی نرم دل ہیں۔" (پ ۲۶۔ رکوع ۱۲۔ آیت ۲۹)

گویا وہ اس شعر کے مصداق ہیں۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق وباطل ہو تو فولاد ہے مومن

(۲) — ارشاد خداوندی ہے۔

"تم سب سے بہتر امت ہو جو لوگوں میں ظاہر کی گئی، نیکیوں کا حکم دیتے ہو، برائیوں سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان لاتے ہو۔ (پ ۴۔ رکوع ۲۔ آیت ۱۱۰)

اس فرمان والا شان کے اوّلین مخاطب یہی حضرات ہیں۔

(۳) ــــ صحابۂ کرام کو اپنے خدا سے کس قدر محبت اور قلبی وابستگی تھی اور خود خداوند قدوس کو اپنی اس مبارک و محبوب جماعت سے کس قدر محبت ہے اس کا تذکرہ اس طرح زینتِ قرآن بنا ہوا ہے۔

"جلد ہی اللہ ایسے لوگوں کو لائے گا جن سے وہ محبت فرماتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں جو مومنوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہیں۔" (پ ۶۔ رکوع ۱۲۔ آیت ۵۴)

(۴) ــــ صحابۂ کرام نے خلوص نیت اور صفائی قلب کے ساتھ راہ خدا میں جو شاندار اور قابل فخر کارنامے پیش کئے ہیں اور اسلام کی نشر و اشاعت کے جو عظیم اعمال اُن کی حیات سے وابستہ ہیں ان کی طرف اس آیتِ کریمہ میں کتنا لطیف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

"یہ ان کی صفت توریت و انجیل میں ہے جیسے ایک کھیتی کہ اس نے اپنا پودا اگایا پھر اسے قوت دی جس سے وہ بڑھ کر تنا ور ہوا پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہوا کسانوں کو بھلا لگتا ہے تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں۔" (پ ۲۶۔ رکوع ۱۲۔ آیت ۲۹)

اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں جنہوں نے آپ کی تائید و حمایت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور آپ کو قوت و مدد پہنچائی جس سے اسلام کو استحکام ملا اس کے اصول مبادی ہر طرف پھیلے، دوستوں کو دیکھ دیکھ کر خوشی حاصل ہوتی اور دشمن دیکھ کر غضبناک ہوتے ہیں۔

حضرت امام مالک نے اسی مذکورہ بالا آیت کریمہ سے ان روافض کی تکفیر کا مسئلہ استخراج فرمایا ہے جو صحابۂ کرام سے بغض و حسد رکھتے اور انھیں اپنے سب و شتم کا نشانہ بناتے ہیں۔

(۵) ــــ اللہ تعالیٰ نے ایمان سے محبت، کفر و فسق اور خدائے تعالیٰ کی نافرمانی سے نفرت ان کے دلوں میں جاگزیں فرمادی ہے ــــ یہ آیت کریمہ اس پر شاہد عدل ہے۔

"اللہ نے تمھارے دلوں میں ایمان کی محبت پیدا کی اور اسے تمھارے دلوں میں آراستہ کر دیا، اور کفر و فسق اور خدا کی نافرمانی سے تمھارے دلوں میں نفرت پیدا کر دی۔"

(پ ۲۶۔ رکوع ۱۳۔ آیت ۷۔)

(۶) ــــ پھر اپنی رضا اور ان کی رضا کا اعلان ان الفاظ میں فرماتا ہے۔

"رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔

احادیث نبوی ان کے فضائل و مناقب میں بکثرت وارد ہیں۔ اختصار کے پیش نظر چند احادیث کے ذکر پر ہی اکتفا کیا جارہا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے۔ کہتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں ان کی ایک جماعت غزوہ کرے گی۔ اس جماعت سے دریافت کیا جائے گا کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی ہو۔ وہ کہیں گے ہاں! ہم میں ایسا شخص ہے جس نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہے۔ تو ان لوگوں کو حضور کے صحابی کی برکت و شوکت سے فتح و نصرت حاصل ہوگی پھر لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا۔ جس میں ایک جماعت غزوہ کرے گی اس غزوہ کرنے والی جماعت سے پوچھا جائے گا کیا تم میں ایسا شخص بھی ہے جس نے اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی ہو وہ کہیں گے ہاں ہم میں ایسا شخص ہے جس نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب کی صحبت پائی ہے تو انھیں بھی اس کی برکت سے فتح و نصرت ملے گی۔ پھر لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں ان کی ایک جماعت غزوہ کرے گی اس سے پوچھا جائے گا کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے اصحاب رسول کی صحبت پانے والوں کی صحبت اختیار کی ہو وہ کہیں گے ہاں ہم میں ایسا شخص ہے جس نے اصحاب رسول کی صحبت اختیار

کرنے والوں کی صحبت پائی ہے تو انھیں بھی فتح و نصرت عطا ہوگی۔
(مشکوۃ شریف باب مناقب الصحابہ ص ۵۵۲)

حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے۔ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میری سب سے بہترین امت میرے اصحاب ہیں۔ ان کے بعد خیر امت وہ لوگ ہیں جن کا زمانہ میرے اصحاب سے متصل ہے۔ پھر وہ لوگ ہیں جن کا زمانہ میرے اصحاب کے اصحاب سے متصل ہے۔ ان کے بعد ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو طلب شہادت سے پہلے ہی گواہی دیں گے، خیانت کریں گے جس کی بنا پر ان سے اعتماد اٹھ جائے گا خداوند تعالیٰ سے عہد و پیمان کریں گے لیکن اسے پورا نہ کریں گے اور ان میں فربہی یعنی تکبر بیجا اور دعویٰ شرف و کمال کا ظہور ہوگا۔ (مشکوۃ شریف باب مناقب الصحابہ ص ۵۵۲)

حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں۔ میں نے حضور کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ "میں نے اپنے بعد اپنے اصحاب کی حالت کے بارے میں اپنے رب سے پوچھا تو اس نے میری طرف وحی نازل فرمائی کہ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تمھارے اصحاب میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں کہ ان میں سے بعض روشنی میں بعض سے طاقتور ہیں لیکن روشنی سب کے اندر ہے اس لیے اجتہادی مسائل میں جو شخص بھی ان کے کسی حکم کو اپنائے گا وہ میرے نزدیک راہ راست پر ہوگا۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ حضور نے فرمایا ہے۔
میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے تم جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤ گے۔"
(مشکوۃ شریف باب مناقب الصحابہ ص ۵۵۴)

ابو یعلی حضرت انس سے روایت کرتے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا "میرے صحابہ کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کھانے میں نمک کہ کھانا بغیر نمک اچھا نہیں لگتا۔"
(الصواعق المحرقہ ص۔ ۶۔)

حضرت عبد اللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ میرا جو بھی صحابی جس زمین میں بھی وفات پائے گا کل قیامت کے دن وہ وہاں کے لوگوں کے لیے قائد و نور بنا کر اٹھایا جائے گا۔
(مشکوۃ ص ۵۵۴ باب مناقب الصحابہ)

طبری اور حاکم عبد اللہ بن بسر سے روایت کرتے ہیں۔ وہ سعادت و خیر سے سرفراز ہوا جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا یا مجھے دیکھنے والوں کو دیکھا یا مجھے دیکھنے والوں کے دیکھنے والوں کو دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔ ایسے لوگوں کے لیے سعادت و خیر سے سرفرازی ہے اور انھیں حسن عاقبت کی خوشخبری۔ (الصواعق المحرقہ ص ۶۔)

دار قطنی روایت کرتے ہیں۔ جو میرے اصحاب کے بارے میں مجھے محفوظ رکھے وہ بروز قیامت حوض کوثر پر وارد ہوگا اور جو میرے اصحاب کے بارے میں مجھے محفوظ نہ رکھے وہ حوض کوثر پر وارد نہ ہوگا اور نہ اسے میری زیارت نصیب ہوگی۔ (الصواعق المحرقہ ص۔ ۶۔)

امام دیلمی حضرت انس سے روایت کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ میری امت کے کسی آدمی کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے دل میں میرے اصحاب کی محبت ڈال دیتا ہے۔
(الصواعق المحرقہ ص۔ ۶۔)

ابن عساکر حضرت حسن سے مرسلاً راوی ہیں۔ حضور فرماتے ہیں۔ تمھارا اور میرے اصحاب کا کیا معاملہ! میرے واسطے میرے اصحاب سے تعرض نہ کرو۔ اس لیے کہ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں کوئی احد کے برابر بھی سونا خرچ کر دے تو وہ ثواب میں ان میں سے کسی کے ایک دن کے عمل کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔
(الصواعق المحرقہ۔ ص ۵۔)

حضرت ابو ہریرہ و حضرت ابو سعید خدری سے مروی ایک دوسری حدیث میں ہے۔
"میرے اصحاب کو گالیاں نہ دو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم میں کوئی شخص اگر احد کے مانند بھی سونا خرچ کر ڈالے تو اس کا ثواب ان میں سے کسی کے مد (ایک سیر) برابر بھی نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے نصف کے مساوی بھی نہیں ہو سکتا۔

(الصواعق المحرقہ ص ۵ مشکوٰۃ باب مناقب الصحابہ ۵۵۲)

ابوداؤد و ترمذی حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں۔ "کوئی میرے اصحاب کے متعلق میرے پاس ہرگز کچھ نہ پہنچائے اس لیے کہ مجھے پسند ہے کہ میں تمہاری طرف صفاء قلب کے ساتھ نکلوں۔ (الصواعق المحرقہ ص ۵۔)

محاملی، طبرانی اور حاکم حضرت عویم بن ساعدہ سے روایت کرتے ہیں حضور نے ارشاد فرمایا اللہ نے مجھے منتخب فرمایا اور میرے لیے میرے اصحاب منتخب فرمائے، پھر ان میں سے میرے لیے وزراء انصار و اعوان اور خسرو داماد بنائے تو جو انھیں گالیاں دے اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی عبادتیں، اس کے صدقات و خیرات اور اس کا فدیہ قبول نہ فرمائے گا۔

(الصواعق المحرقہ ص ۵۔)

حضرت انس کی روایت میں ہے۔ جس نے مجھے ان کے بارے میں محفوظ رکھا اللہ اس کو محفوظ رکھے گا اور جس نے ان کے سلسلے میں مجھے ایذا دی اللہ اسے تکلیف میں مبتلا فرمائے گا۔

(الصواعق المحرقہ ص ۴۔)

حضرت انس ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے۔ کچھ ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو میرے اصحاب کو گالیاں دیں گے ان کی تنقیص شان کریں گے لہٰذا اگر تم ایسے لوگوں کا زمانہ پاؤ تو ان کے ساتھ نشست و برخاست نہ رکھو، ان کے ساتھ پانی نہ پیو، ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ اور نہ اُن سے باہمی ازدواجی رشتے قائم کرو۔

(الصواعق المحرقہ ص ۴۔)

حضرت ابن عباس سے مروی ایک حدیث مرفوع میں ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ پچھلے زمانہ میں کچھ ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جنھیں رافضی کہا جائے گا وہ اسلام کا انکار کریں گے۔ لہٰذا اگر تم ان کا زمانہ پاؤ تو انھیں قتل کر دو کیونکہ وہ مشرک ہیں۔

(الصواعق المحرقہ ص ۵۔)

اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت علی ہی سے مروی ایک دوسری حدیث میں ایسے لوگوں کی علامت دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا۔ اے علی وہ تیری طرف ایسی خوبیاں منسوب کریں گے جو تجھ میں نہیں اور سلف پر طعن و تشنیع کریں گے۔

(الصواعق ص ۵)

ایک دوسرے طریق سے مروی اسی حدیث میں اس کا اضافہ ہے۔

"وہ ہم اہل بیت کی محبت کی جھوٹی نسبت ظاہر کریں گے حالانکہ حقیقت حال اس کے برعکس ہوگی ان کی علامت یہ ہے کہ وہ ابوبکر و عمر کو گالیاں دیں گے (رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

(الصواعق المحرقہ ص ۵۔)

طبرانی میں حضرت علی سے مروی ایک اور حدیث میں ہے۔ جو انبیاء کو گالی دے قتل کیا جائے گا اور جو میرے اصحاب کو گالی دے اسے کوڑے لگائے جائیں گے۔

(الصواعق المحرقہ ص ۵۔)

ترمذی حضرت عبداللہ بن مغفل سے روایت کرتے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں۔ میرے اصحاب کے سلسلے میں اللہ سے خوف کرو۔ میرے بعد انھیں اپنی بدکلامی کا نشانہ نہ بنالو ہاں جو ان سے محبت رکھے گا وہ مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ہی ان سے محبت رکھے گا اور جو ان سے نفرت و دشمنی رکھے گا وہ مجھ سے نفرت و دشمنی رکھنے کی وجہ سے ہی دشمنی کرے گا۔ جس نے انھیں اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جس نے اللہ کو اذیت دی تو قریب ہے کہ اللہ اس کی گرفت فرمائے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۴۔ باب مناقب الصحابہ)

خطیب حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں۔ سرکار کا ارشاد ہے "جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے اصحاب کو گالیاں دیتے ہیں تو کہو تمہارے اوپر اللہ کی لعنت ہو۔

(الصواعق المحرقہ ۵۔)

خطیب حضرت جابر سے اور دارقطنی افراد میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں سرکار نے فرمایا:۔

لوگ بڑھیں گے اور میرے اصحاب کم ہوں گے لہٰذا تم میرے اصحاب کو گالیاں نہ دو کیونکہ جو انھیں گالیاں دے اس پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔

(الصواعق المحرقہ ۵۔)

حضرت ابوبردہ اپنے والد حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھایا اور حضور اکثر انتظارِ وحی اور عالمِ علوی کی جانب متوجہ ہونے کی غرض سے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے۔ پھر فرمایا۔ ستارے آسمان کے لئے سببِ امن ہیں جب وہ ختم ہو جائیں گے تو آسمان میں پھٹن اور شگاف رونما ہوگا جو اس کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے۔ میں اپنے اصحاب کے لئے سببِ امن ہوں اس لئے جب میں یہاں سے چلا جاؤں گا تو میرے اصحاب کو وہ فتنے اور جنگیں پیش آئیں گی جو ان کے لیے مقدر کر دی گئی ہیں۔ میرے اصحاب میری امت کے لیے سببِ امن ہیں اس لئے جب وہ اس دنیائے فانی سے کوچ کر جائیں گے تو میری امت کو وہ بدعات و حوادث پیش آئیں گے جو ان کے لئے مقدر کر دئے گئے ہیں۔

(مشکوٰۃ شریف باب مناقب الصحابۃ، ص ۵۵۲
واشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد رابع ص ۶۲۹)

مندرجہ بالا فرمودات قرآنی اور ارشادات نبوی سے صحابۂ کرام کی فضیلت و بزرگی اور خدا و رسول کی بارگاہوں میں حاصل ان کی قدر و منزلت آفتاب نیم روز کی طرح آشکارا ہو رہی ہے۔

اسی طرح اگر ان کی متحرک و فعال زندگیوں کی طرف نظر دوڑائیے تو کیا یہ امر ان کی عظمت و برتری کی دلیل نہیں کہ اسلام کو سربلند کرنے کے لئے ایثار و قربانی کی لازوال داستانیں ان کی حیات زریں سے وابستہ ہیں وہ جہاں گئے اسلامی تعلیمات کو اپنے گلے سے لگائے ہوئے گئے۔ دشت و جبل ہو یا صحرا و کہسار میدان رزم ہو یا بزم طرب ہر جگہ انھیں اسلام کی نشر و اشاعت اور اس کے فروغ و استحکام کی فکر دامن گیر رہی۔ اسلامی پیغام کو وسعت

اناطولیہ کی ایک عظیم اسلامی درسگاہ

دینے کے لئے انھوں نے افریقہ و ایشیا کے پرخطر اور دور دراز علاقوں پر بھی کمندِ عزم و ہمت ڈالی۔ تمام مفتوحہ علاقوں میں قرآنی احکام اور فرامینِ رسول کو از روئے قانون فطرت نافذ کیا۔ اپنی نیک نیتی، حسنِ سلوک، خوش معاملگی، عدل و انصاف، مساوات و رعایا پروری، حق پسندی و حق گوئی اور فراخدلی و اعلیٰ ظرفی کی وجہ سے انھوں نے غیر مسلم اقوام کو اسلام کا سچا شیدائی بنایا۔ اور محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قیادت میں وہ عظیم الشان و لازوال کارنامہ انجام دیا جس کے لئے صدیاں درکار ہوتی ہیں اس طرح انھوں نے اپنے بے پناہ جذبۂ ایمانی کا نقشِ جمیل تاریخ کے صفحات پر ثبت کر کے خود کو زندۂ جاوید بنا دیا۔ اور آج بھی ان کے نقوشِ عمل سے آواز آ رہی ہے۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

انھوں نے محبت رسول کی وجہ سے اپنے خاندانوں، قبیلوں

بال بچوں اور آبادیوں کو خیر باد کہا۔ اپنے گھروں، چشموں، کھیتوں، درختوں اور نہروں سے دستبردار ہوئے۔ ذاتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے نفوس پر ترجیح دی، ان کی محبت کو اپنی، اپنے مال و دولت اور اپنی اولاد کی محبتوں پر فوقیت دی۔

اسی لئے تو حضرت علی سے مروی ایک حدیث میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

"جو شخص مجھ پر ایمان لایا اس پر ممنوع ہے کہ وہ میرے اصحاب کے بارے میں کوئی بری بات کہے۔ ہاں! میرے اصحاب کے بارے میں مجھے محفوظ رکھو کیونکہ مجھے ان کی سب سے زیادہ فکر ہے اس لیے کہ لوگوں نے مجھے بھگایا انھوں نے مجھے ملایا، لوگوں نے میری تکذیب کی، انھوں نے میری تصدیق کی، لوگوں نے مجھ سے جنگیں کیں انھوں نے مجھے مدد دی۔ (کنز العمال ص ۱۲۶۔ الجزء الرابع عشر)

یہی وہ خوش نصیب ہیں جو شرف صحبت سے سرفراز ہوئے، حضور کے ساتھ رہ کر نبوی برکتوں سے شادکام ہوئے وحیٔ الٰہی کا نظارہ کیا، فرشتۂ خدا جبریل امین کی حاضری کے شرف سے نوازے گئے، خوارق و معجزات انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے، ان کا غیب شہود اور ان کا علم عینی تھا۔ انھیں وہ یقین عطا ہوا جو ان کے بعد کسی کو نہ ملا، ان میں سے جس کسی کو ایکبار بھی صحبت رسول میسر آگئی وہ باقی امت محمدیہ پر افضل ٹھہرا۔ چنانچہ حضرت وحشی بن حرب جنھوں نے حضرت امیر حمزہ کو شہید کیا تھا۔ اور اسلام لانے کے بعد مسیلمہ کذاب کو قتل کیا تھا ایک مرتبہ صحبت رسول سے مشرف ہوجانے کے بعد سید التابعین حضرت اویس قرنی سے افضل ٹھہرے۔[1]

(مکتوبات امام ربانی دفتر دوم ص ۸۹)

اب ہم حضرت عبداللہ بن مبارک کے حقیقت و عقیدت سے لبریز ایک قول پر اس مضمون کو ختم کرتے ہیں جو افضلیت صحابہ پر بہترین دلیل ہے۔

آپ سے دریافت کیا گیا حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز میں کون افضل ہیں؟ جواب میں ارشاد فرمایا۔

"وہ غبار جو حضرت امیر معاویہ کے گھوڑے کی ناک میں رسول گرامی کی ہمراہی کے وقت داخل ہوا عمر بن عبدالعزیز سے کئی مراتب بہتر ہے۔

(مکتوبات امام ربانی ص ۱۵۲۔ دفتر اول)

اللہ اکبر ــــ وہ عمر بن عبدالعزیز جن کے عہدِ حکومت کو اصحاب سیر و تاریخ خلافت راشدہ قرار دیں، جنھیں علم و فضل، تقویٰ و دیانت، عدل و انصاف، خدا ترسی و خدا شناسی اور احکام شرعیہ کی تنفیذ میں خلفائے راشدین کا جانشین کہیں وہ عمر بن عبدالعزیز ایک صحابیٔ رسول کے گھوڑے کی ناک کی دھول بھی نہ بن سکیں تو بتایئے کہ خود اس صحابی کے مرتبہ تک وہ کیسے پہنچ سکتے ہیں۔

خداوندا! ان بیکران خلوص و محبت اور فدایانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرما اور ہمارے دلوں میں پھر انھیں کا جوش و ولولہ پیدا کردے جو دشمنوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہو اور ہم پھر سربلند ہوکر یہ نعرۂ مستانہ لگا سکیں۔

قسمت عالم کا مسلم کوکبِ تابندہ ہے
چاندنی جس کے غبار راہ سے شرمندہ ہے

[1] عن عمر رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان خیر التابعین رجل یقال لہٗ اویس

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ــــ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ تابعین میں سب سے بہتر ایک آدمی ہیں جن کو اویس کہا جاتا ہے۔

(مسلم شریف بحوالہ حاشیہ بر مکتوبات دفتر اول ص ۱۵۲)

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی
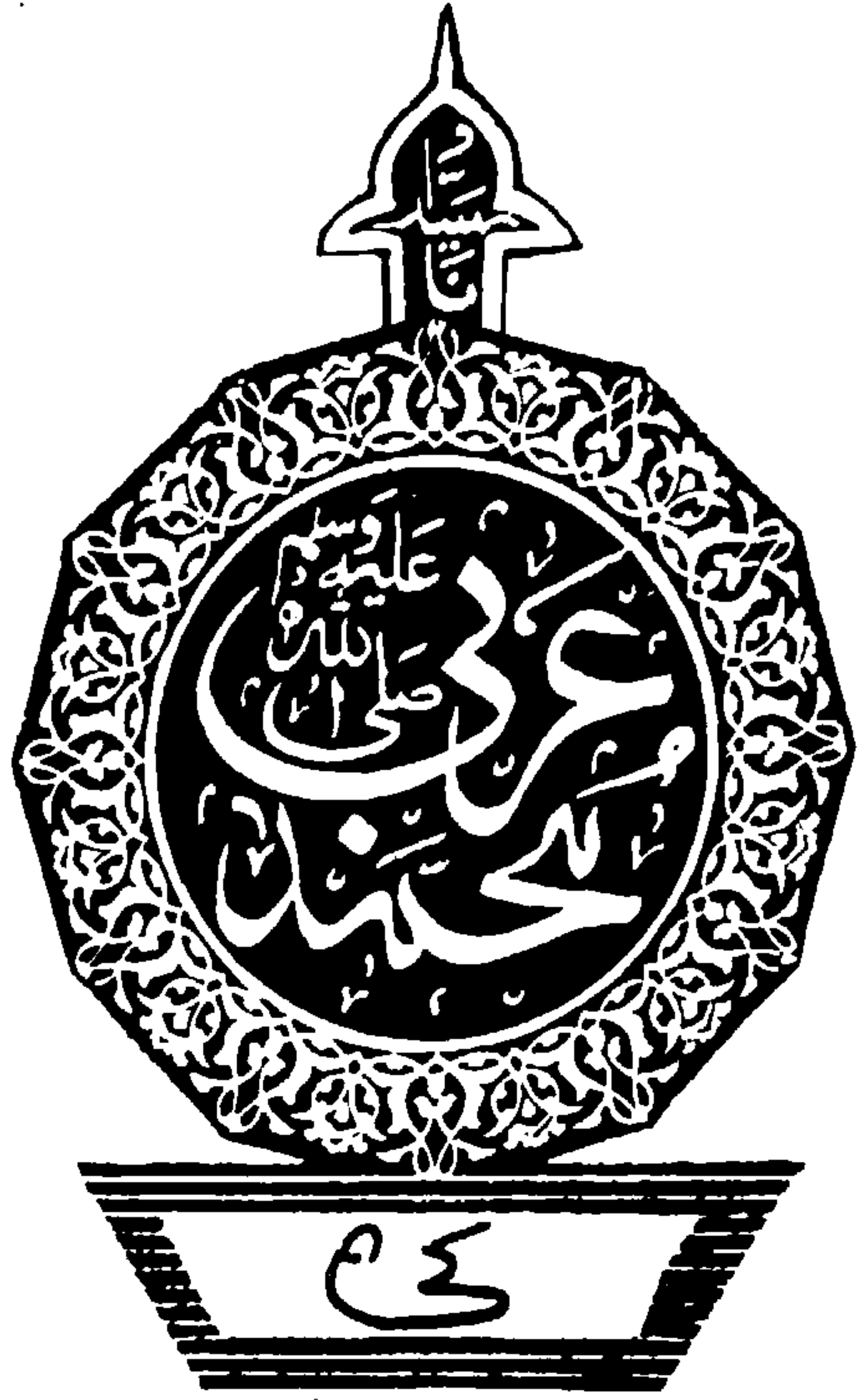
ازواج مطہرات اور اہلبیت اطہار

مولانا امجد علی قادری

متفق علیہ قول کے مطابق ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجموعی تعداد "گیارہ" ہے۔ جن میں چھ بیبیاں ایسی تھیں جن کا تعلق قبیلۂ قریش سے تھا۔ بقیہ چار عربیۃ النسل تھیں مگر قریشیہ نہ تھیں۔ اور ایک غیر عربیہ تھیں۔

سرکار جب اس دار فانی سے رخصت ہوئے تو بلا اختلاف اس وقت نو بیبیاں باحیات تھیں اور دو آپ کی حیات انور ہی میں انتقال کر چکی تھیں۔

ام المومنین سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا :- آپ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی بی بی ہیں۔ آپ کا پہلا عقد ابو ہالہ بن زرارہ سے ہوا تھا۔ پھر آپ کی شادی عتیق بن عائذ سے ہوئی بعدہٗ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں عقد کے وقت سرکار کی عمر شریف پچیس برس کی تھی اور خدیجہ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ سیدنا ابراہیم کے علاوہ سرکار کی سبھی اولاد حضرت خدیجہ سے ہیں۔

جب تک آپ باحیات رہیں سرکار نے کسی عورت سے عقد نہ فرمایا۔ حضرت خدیجہ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ آپ مردوزن میں سب سے پہلے دولت ایمان سے مالا مال ہوئیں۔ ہجرت سے تین سال قبل آپ نے مکہ شریف میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ انتقال کے وقت زمانۂ نبوت کے دس سال گزر چکے تھے۔ اندازہ کے مطابق آپ پینسٹھ سال تک زندگی کے نشیب و فراز سے دوچار رہیں۔ جس میں پچیس سالہ زندگی سرکار کے فیضان کرم اور دامن رحمت میں بسر ہوئی اس وقت جب کہ اسلام کا آغاز تھا یہ اپنی عظیم جانی و مالی خدمات سے اسلام کی مددگار اور سرکار کے تبلیغی مصائب میں ان کی غمگسار رہیں۔

ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے پیشتر آپ اپنے چچا کے فرزند سکران بن عمرو کے عقد میں تھیں۔ آپ اپنے سابقہ شوہر سکران کے ساتھ بہت پہلے دولت ایمان سے سرفراز ہو چکی تھیں۔ سکران کی موت کے بعد ان کے نصیب نے کروٹ لی، اور سیدہ خدیجہ کے انتقال کے بعد رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا۔

مدینہ شریف کی طرف ہجرت کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو طلاق دینے کا ارادہ فرما لیا تھا۔ تو سیدہ سودہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں التجا کی کہ آپ براہ کرم مجھ کو طلاق نہ دیں، میں اپنی باری کا دن حضرت عائشہ کو دے رہی ہوں، بس میری تمنا اتنی ہے کہ کل میں حشر میں آپ کی ازواج میں شمار کی جاؤں۔

کتب متداولہ میں حضرت سودہ سے پانچ روایتیں ملتی ہیں ان میں ایک بخاری شریف میں باقی سنن اربعہ میں مرقوم ہیں۔ ان کی وفات ماہ شوال سنہ ۵۴ھ میں واقع ہوئی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا :- آپ خلیفۂ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں آپ کی والدہ کا نام ام رومان

ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو پیغام عقد بھیجا جب کہ ان کی عمر چھ برس کی تھی اور بعثت کے دسویں سال ہجرت سے تین سال قبل مکہ شریف میں سرکار نے حضرت عائشہ کو اپنے عقد میں داخل فرماکر ہمیشہ کے لیئے طہارت وصداقت کی انمول دولت سے شہرۂ آفاق بنادیا۔ ماہ شوال ۲ھ میں آپ کی رخصتی عمل میں آئی،

آپ ہمارے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی چہیتی اور محبوب ترین بی بی ہیں، آپ نو سال تک سرکار کے دامنِ رحمت سے وابستہ رہیں، سرکار کے وصال کے وقت آپ کی عمر شریف اٹھارہ سال کی تھی آپ دورِ امیر معاویہ ۵۸ھ میں، ۱۷ رمضان سہ شنبہ کی رات کو مدینہ میں فوت ہوئیں۔ رحلت کے وقت آپ کی عمر چھیاسٹھ سال کی تھی، آپ کی وصیت کے مطابق بقیع میں سپردِ خاک کیا گیا، نمازِ جنازہ حضرت ابوہریرہ جیسے جلیل القدر صحابیٔ رسول نے پڑھائی صحابہ اور تابعین کی جماعت کثیرہ نے ان سے روایتیں کی ہیں، حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے معانیٔ قرآن احکام حلال وحرام واشعار عرب اور علم انساب میں حضرت صدیقہ سے بڑھ کر کسی کو عالم نہ پایا۔

ام المومنین سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالی عنہ:۔ یہ بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں اپنے پہلے شوہر خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالی عنہ کے انتقال کے بعد ۳ھ میں داخل ہوئیں روایت کے مطابق سرکار نے ان کو طلاق دے دی۔ تو حضرت جبرئیل حاضر بارگاہ ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سیدہ حفصہ سے رجوع فرمالیں، کیونکہ وہ دن میں روزہ رکھتی ہیں اور رات میں جاگ کر عبادت کرتی ہیں، نیز وہ آپ کی جنتی بی بی ہیں تو سرکار نے رجعت کرلی۔ آپ نے اپنے بھائی عبداللہ ابن عمر کو وصیت کی تھی کہ میرا اتنا مال میرے بعد راہ خدا میں خیرات کردینا شعبان ۴۵ھ میں آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ ہلالیہ رضی اللہ تعالی عنہا:۔ ہجرت کے تیسرے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنے حبالۂ عقد میں داخل فرمایا۔ شادی کے بعد دو یا تین مہینے تک باحیات رہ سکیں آپ سرکار کی زندگیٔ پاک ہی میں رحلت فرماگئیں

عہد جاہلیت میں آپ کو ام المساکین سے پکارا جاتا تھا، کیونکہ آپ غربأ ومساکین پر مہربانی اور شفقت فرماتیں، بھوکوں کو کھانا کھلاتیں

صاحب مواہب لدنیہ کے قول کے مطابق آپ پہلے عبداللہ بن جحش کے عقد میں تھیں، عبداللہ غزوۂ احد میں شہید ہوگئے، تو سرکار کے حرم میں داخل ہوئیں۔

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالی عنہا:۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیہ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں، پہلے آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ کی زوجیت میں تھیں، حضرت زید نے کسی بات پر آپ کو طلاق دیدی تو ۵ھ میں حضور سے ان کا عقد ہوا۔ آپ ہی وہ بی بی ہیں وصال اقدس کے بعد ازواج مطہرات میں سب بیبیوں سے پہلے اس دار فانی کو چھوڑ کر دار قرار کی طرف رخصت ہوئیں۔

جیسا کہ سرکار نے فرمایا تھا کہ میری بیبیوں میں سب سے پہلے وہی بی بی مجھ سے ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہیں (یعنی جو سخی ہے) ان کے عقد کا معاملہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جب سرکار نے ان کو پیغام عقد دیا تو آپ نے برجستہ فرمایا کہ میں اپنے رب سے پوچھ کر جواب دوں گی، پھر وضو فرماکر نماز میں مشغول ہوئیں۔ بعد نماز حضورِ قلب سے دعا کی تو ربِ کائنات نے بذریعہ وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ ہم نے ان کا نکاح آپ سے کردیا قرآن میں ہے۔ "فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا"۔ اسی خصوص کے تحت آپ اکثر ازواج مطہرات پر فخر کرتیں اور فرماتیں کہ تمہارا نکاح تمہارے والدین نے کیا اور میرا عقد رب کائنات نے فرمایا، کہتے ہیں کہ پردہ کا حکم آپ ہی کی شادی میں نازل ہوا آپ بڑی فیاض باہنر اور دست کار تھیں اپنی ذاتی آمدنی سے خیرات کرتیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت زینب سے اچھی کوئی عورت نہ دیکھی، دیندار خدارسیدہ، صادق القول، خدا کی راہ میں خیرات کرنے والی، اللہ سے ڈرنے والی رشتے داروں سے اچھا سلوک رکھنے والی تھیں، مدینہ شریف کے اندر ۲۰ یا ۲۱ھ میں واصل بحق ہوئیں فاروق اعظم نے نماز جنازہ پڑھائی۔

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا:۔ آپ کا نام ہندہ بنت امیہ مخزومی تھا اور ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ تھا۔ سیدہ ام سلمہ پہلے ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد کے عقد میں تھیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب کے فرزند ہیں۔ کہتے ہیں کہ

سیدہ ام سلمہ وہ پہلی عورت ہیں جو ہودج میں سوار ہوکر مدینہ طیبہ میں بغرض ہجرت داخل ہوئیں۔ آپ کے شوہر ابوسلمہ غزوۂ احد میں شدید زخمی ہوئے، پھر زخم مندمل ہو گیا۔ دوبارہ کسی جنگ میں شرکت کی تو واپسی میں زخم ہرا ہوگیا۔ انھیں زخموں کی بنا پر ۴ھ میں واصل بحق ہوئے۔ شوہر کے انتقال کے بعد سیدہ ام سلمہ بارگاہ رب الصمد میں دعا کرتی رہتی تھیں کہ اے اللہ میری مصیبت میں میرا اجر قائم رکھ، اور اس سے بہتر میرے لیے اس کا قائم مقام بنا چنانچہ دعا بارگاہِ الٰہی میں مستجاب ہوئی۔ اور سرکار نے ان کو پیغام عقد دیا۔ پیغام پاتے ہی آپ نے مرحباً برسول اللہ فرمایا مگر اس کے بعد فرمایا، لیکن میں طویل العمر اور غیرت مند ہوں اور آپ عورتوں کو جمع فرمائیں گے نیز میرے ساتھ یتیم بچے بھی ہیں، رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری عمر تمہاری عمر سے زیادہ ہے تمہارے یتیموں کی پرورش خدا اور رسول خدا کے ذمہ ہے اور جو تم غیرت مند ہونے کی بات کرتی ہو تو میں دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ تم سے یہ چیز دور فرما دے۔ اس کے بعد سرکار نے ماہ شوال ۴ھ میں ان کو اپنی زوجیت میں داخل فرمالیا آپ کی وفات ۶۲ھ میں عہد یزید بن معاویہ میں واقع ہوئی۔ ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ دنوں تک زندہ رہیں، آپ سے کل تین سو اٹھہتر حدیثیں مروی ہیں۔

ام المومنین سیدہ جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا:- آپ کا پہلا نام برہ تھا سرکار نے بدل کر جویریہ رکھا غزوہ مریسیع کے بعد (جو ماہ شعبان ۵ھ یا ۶ھ میں واقع ہوا تھا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے حرم میں داخل فرمایا، آپ نہایت شیریں کلام ملیح اور صاحب حسن و جمال تھیں، غنائم کی تقسیم میں آپ ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں انھوں نے سیدہ جویریہ کو مکاتبہ بنا دیا سیدہ جویریہ ایک دن سرکار کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مجھ کو ثابت بن قیس نے اتنی رقم پر مکاتبہ بنا دیا ہے میں اتنی رقم ادا کرنے سے قاصر ہوں امید کہ سرکار میری اعانت فرمائیں گے تاکہ میں مقررہ رقم ادا کر کے آزاد ہو جاؤں سرکار نے فرمایا کیا تمہیں منظور ہے کہ رقم ادا کر کے تمہارے ساتھ سے اچھا سلوک کروں؟ عرض کیا کہ اس سے اچھا سلوک کیا ہوگا سرکار نے فرمایا کہ تم کو اپنی زوجیت کا شرف بخشوں گا۔ انھوں نے قبول کیا، پھر آپ نے کتابت کی رقم ادا فرما دی اور ان کو اپنے حبالۂ عقد میں داخل فرمالیا صحابہ نے یہ سنا اور دیکھا تو اپنے حصے کے سارے قیدیوں کو آزاد کر دیا اور کہا یہ (بنی مصطلق) تو حضور کے سسرالی رشتے والے ہیں، سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نہیں جانتی کہ ازواج مطہرات میں سیدہ جویریہ سے بڑھ کر اپنی قوم کے لیے کوئی خیر و برکت والی خاتون ہو جن کے سبب سے بنی مصطلق کے سو گھرانوں کے لوگ آزاد ہوئے آپ بڑی عبادت گزار اور ذاکرہ تھیں۔

آپ فرماتی ہیں کہ بارگاہ مصطفےٰ میں حاضر ہونے سے قبل میں نے اپنے قبیلے میں ایک شب خواب دیکھا تھا کہ یثرب (مدینہ) کی جانب سے ایک چاند اپنے جلوے سمیٹے ہوئے میری سمت بڑھتا آرہا ہے، حتیٰ کہ وہ میری آغوش میں اتر آیا، میں نے یہ خواب کسی سے بیان نہیں کیا، خود ہی اس کی تعبیر سوچ لی جو بحمداللہ پوری ہوئی۔ وقت عقد بیس سال کی عمر تھی۔ آپ پینسٹھ سال کی عمر شریف میں ۵۰ھ میں واصل بحق ہوئیں۔ مروان نے نماز جنازہ پڑھی جو امیر معاویہ کی طرف سے حاکم مدینہ تھا۔ ان سے کل سات حدیثیں مروی ہیں۔ بخاری و مسلم میں دو دو حدیثیں ملتی ہیں باقی دوسری کتابوں میں۔

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا:- اصل نام رملہ ہے آپ ابوسفیان بن حرب کی صاحبزادی تھیں اور عبداللہ بن جحش کی زوجیت میں تھیں اس کے ساتھ حبشہ ہجرت کر کے گئیں مگر عبداللہ مرتد و نصرانی ہوکر وہیں فوت ہوگیا یہ اسلام پر قائم رہیں۔ اس کے بعد سیدہ حبیبہ نے خواب دیکھا کہ کوئی ان کو ام المومنین کہہ کر مخاطب کر رہا ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں سمجھ گئی کہ سرکار مجھ کو اپنے حرم میں داخل فرمائیں گے۔ خواب کے کچھ ہی دنوں بعد سرکار نے عمرو بن امیہ ضمری کو پیغام عقد دے کر نجاشی کے دربار میں حبشہ روانہ فرمایا تاکہ نجاشی شاہ حبشہ ان کو میرا پیغام عقد دے۔ سیدہ ام حبیبہ فرماتی ہیں کہ میں نے مہاجرین حبشہ میں سے خالد بن سعید کو اپنا وکیل منتخب کیا، سارے مہاجرین اس پرمسرت موقع پر جمع ہوئے تو نجاشی نے خطبہ پڑھ کر عقد کیا۔

آپ پاکیزہ ذات، پسندیدہ صفات وفیاض، بلند ہمت
تھیں ان کی وفات بقول صحیح ۳۴ھ میں مدینہ شریف کے
اندر واقع ہوئی، آپ سے کل پینسٹھ حدیثیں مروی ہیں۔

ام المومنین سیدہ صفیہ بنت حُیّی بن اخطب رضی اللہ عنہا:-
فتح خیبر کے بعد اسیران جنگ میں آپ بھی شامل تھیں۔ سرکار نے
ان کو آزاد فرما کر اپنے حرم پاک میں داخل فرما لیا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ سرکار ام المومنین سیدہ صفیہ کے پاس
تشریف لے گئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ آپ اشک بار ہیں، سرکار
نے رونے کا سبب دریافت فرمایا تو آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس عائشہ وحفصہ آکر یہ طعنہ دیتی ہیں
کہ ہم صفیہ سے افضل ہیں کیونکہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
قبیلہ ونسب کی برتری حاصل ہے، آپ نے سیدہ صفیہ کی دلدہی
کرتے ہوئے فرمایا۔ صفیہ تم نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ تم کیسے
مجھ سے افضل ہو جبکہ میرے باپ ہارون علیہ السلام اور چچا
حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ واضح رہے کہ سیدہ صفیہ بنی اسرائیل
سے سبط ہارون بن عمران قبیلہ نضیر سے تعلق رکھتی تھیں۔
آپ کی وفات ایک قول کے مطابق ۵۲ھ میں واقع ہوئی
ان سے دس حدیثیں مروی ہیں (مدارج النبوۃ)

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا :- آپ حارث ہلالیہ
عامریہ کی صاحبزادی ہیں۔ آپ کا نام بھی برہ تھا۔ سرکار نے نام تبدیل
فرما کر میمونہ رکھا۔ ام المومنین زینب بنت خزیمہ ان کی اخیافی
(مادری) بہن تھیں دونوں کی والدہ ہند بنت عوف قبیلہ حمیر سے
تھیں۔ سیدہ میمونہ زمانہ جاہلیت میں مسعود بن عمرو ثقفی کی زوجیت
میں تھیں۔ باہمی ناچاقی کی بنا پر طلاق ہو گئی تھی، پھر آپ ابورہم
سے منسوب ہوئیں ابورہم کی موت کے بعد حضور نے ماہ
ذی قعدہ ۷ھ میں عمرۃ القضا کے موقع پر آپ کو شرف
زوجیت سے نوازا۔ عجیب بات ہے کہ آپ کا زفاف اور
وفات دونوں مقام سرف واقع ہوئے جو مکہ سے دس میل
کے فاصلہ پر واقع ہے۔ آپ کا مدفن بھی وہیں ہے۔ آپ کی
وفات مشہور قول کے مطابق ۵۱ھ میں واقع ہوئی۔
حضرت ابن عباس نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ سرکار
کی آخری بی بی ہیں ان کے بعد آپ نے پھر کسی عورت سے
عقد نہیں فرمایا، ایک جماعت نے آپ سے روایت کی ہے
جس میں عبداللہ بن عباس شامل ہیں۔ ابن عباس آپ کے
بھانجے ہوتے ہیں کیونکہ آپ سیدہ ام الفضل زوجہ عباس کی
بہن تھیں۔ مدارج النبوۃ میں ہے کہ میمونہ کی والدہ ہند ایسے
داماد رکھتی تھیں جو کسی اور کو میسر نہیں، ایک داماد تو رحمت
عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں دوسرے داماد حضرت عباس رضی اللہ
عنہ تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد

متفق علیہ قول کے مطابق اولاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کی مجموعی تعداد صاحب مدارج النبوۃ نے چھ تحریر فرمائی ہے۔
جس میں دو فرزند سید قاسم اور سید ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہما،
اور چار صاحبزادیاں سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم
اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہن ہیں۔ ان کے
علاوہ بعض نے طیب وطاہر کو بھی شمار کیا ہے۔ راجح یہ ہے کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور صاحبزادے عبداللہ
تھے، طاہر ان ہی کا لقب ہے۔ سید قاسم ابن رسول اللہ
کے ماسوا تمام اولاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین سیدہ
خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن مقدس سے عالم رنگ و بو میں
ظاہر ہوئیں اور سید ابراہیم بن رسول اللہ سرکار کی کنیز ماریہ
قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تولد ہوئے۔

سید قاسم بن رسول اللہ: آپ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے سب سے پہلے فرزند ہیں جو قبل اعلان نبوت پیدا ہوئے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم انہیں کے نام سے
مشہور ہوئی۔ آپ کی عمر میں علماء کا اختلاف ہے بعض دو سال کے
قائل ہیں اور بعض کے نزدیک آپ کی عمر سترہ مہینے کی تھی اہل سیر
اسی قول کو درست کہتے ہیں اولاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں
سب سے پہلے آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

سید عبداللہ بن رسول اللہ (طیب وطاہر) آپ مکہ مکرمہ میں
ظہور اسلام کے بعد عالم وجود میں رونق افروز ہوئے۔ نیز عہد

طفولیت ہی میں موت سے ہمکنار ہو گئے۔ جب عاص بن وائل کو سید عبد اللہ کے انتقال کی خبر پہنچی تو اس نے کہا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرزندوں کا انتقال ہو گیا اور آپ منقطع النسل ہو گئے تو اس وقت آیت کریمہ ان شانئک ھو الابتر نازل ہوئی۔ یعنی بیشک آپ کا عیب کنندہ ہی منقطع النسل ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ آپ ہی کا لقب طیب و طاہر بھی تھا۔

سید ابراہیم بن رسول اللہ۔ آپ کی ولادت مدینہ طیبہ میں ماہ ذی الحجہ ۸ھ میں سرکار کی کنیز حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن مبارک سے ہوئی۔ سلمیٰ زوجہ ابو رافع آپ کی دایہ تھیں جب ابو رافع نے حضرت ابراہیم کے تولد کی خوش خبری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تو سرکار نے اس مژدہ کے پہنچانے پر ابو رافع کو ایک غلام عطا فرمایا۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل امین تشریف لائے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو ابراہیم کی کنیت سے مخاطب فرمایا۔ عقیقہ کے بعد حضرت نے ام سیف رضی اللہ عنہا کو جو ابو سیف آہنگر کی بیوی تھیں ابراہیم کو دودھ پلانے کے لیے منتخب فرمایا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم برابر حضرت ابراہیم کی دیکھ ریکھ کے لیے ابو سیف کے گھر تشریف لے جاتے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم کے عالم نزع میں ہونے کی اطلاع ملی۔ تو سرکار نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ہمراہ لے کر روانہ ہوئے۔ قریب جا کر ملاحظہ فرمایا کہ آپ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں یہ منظر دیکھ کر سرکار نے اپنی آغوش رحمت میں اٹھا کر لٹا لیا فرط غم میں آپ کی چشم مبارک سے اشک رواں ہو گئے۔ فرمایا اے ابراہیم! ہم تیری جدائی میں غمگین ہیں ہماری آنکھیں روتی ہیں اور دل جلتا ہے۔ ابن داؤد کے قول کے مطابق آپ کی عمر انتقال کے وقت ۷۰ دن کی تھی اور دوسری روایت کے پیش نظر آپ سولہ ماہ آٹھ دن کے تھے او کما قالوا (مدارج النبوۃ) آپ کو بقیع میں دفن کیا گیا اور سرکار نے بعد دفن آپ کی قبر پہ پانی چھڑکا اسلام میں یہ پہلی قبر تھی جس پہ پانی چھڑکا گیا آج بھی یہ سنت بالعموم مسلمانوں میں جاری ہے۔ دسویں محرم الحرام یا ایک روایت کے مطابق دسویں ربیع الاول کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

آپ کی وفات کے دن سورج کو گہن لگا تھا۔ لوگوں کو خیال ہوا کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی موت کی وجہ سے سورج گہنایا ہے۔ اس پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آفتاب و ماہتاب اللہ جل شانہٗ کی دو نشانیاں ہیں انہیں کسی کے مرنے جینے سے گہن نہیں لگتا۔

دختران سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا:۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی ہیں آپ ۳۰ سنہ (واقعہ فیل) میں تولد ہوئیں۔ آپ کا پہلا عقد آپ کی خالہ کے فرزند ابو العاص بن ربیع سے ہوا، ابو العاص کے داخل اسلام ہونے سے پہلے ہی حضرت زینب نے ہجرت مدینہ فرمائی۔ کچھ ہی دنوں کے بعد ابو العاص بھی شرک کی نجاستوں سے پاک و صاف ہو کر دائرہ اسلام میں آ گئے۔

سیدہ زینب کے یہاں ابو العاص سے ایک فرزند علی نام کے اور ایک دختر امامہ نام کی عالم وجود میں آئیں جنہیں سیدہ امامہ بنت ابو العاص سے سرکار کو بے پناہ پیار تھا۔ شہزادی اسلام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد حضرت علی شیر خدا نے ان کی وصیت کے مطابق حضرت امامہ سے نکاح فرمایا۔

سیدہ زینب ۸ھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور حیات ہی میں واصل بحق ہوئیں۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا: آپ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی ہیں آپ واقعہ فیل ۳۳ سنہ میں تولد ہوئیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا عقد ثانی خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کیا، غزوۂ بدر کے موقع پر آپ صاحب فراش تھیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان سے فرمایا کہ آپ مدینہ میں رہ کر میری نور چشم سیدہ رقیہ کی عیادت کریں۔ آپ کو جہاد کا ثواب ملے گا چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ بلکہ سیدہ کی عیادت میں مصروف رہے ابھی

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے واپس بھی نہ ہوئے تھے کہ سیدہ رقیہ نے جان جاں آفریں کو سپرد کر دی تقسیم غنائم کے وقت آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو بھی غازیان بدر کے ساتھ حصہ عطا فرمایا۔

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا:۔ آپ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی ہیں۔ سیدہ رقیہ کے انتقال کے بعد آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا دوسرا عقد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرما دیا۔ اس طرح سرکار نے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیوں کو حضرت عثمان کے حبالۂ عقد میں داخل فرما کر ان کو ذوالنورین کے منفرد لقب سے ہمیشہ کے لیے سرفراز فرمایا۔ یہ عقد ۳ھ میں ہوا۔

۹ھ میں آپ راہیٔ ملک بقا ہوئیں، ان کی وفات کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان سے فرمایا کہ اگر میرے پاس کوئی تیسری صاحبزادی ہوتی تو اسے بھی تمہارے عقد میں دے دیتا (مدارج النبوۃ)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا:۔ آپ رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی صاحبزادی ہیں آپ کی پیدائش ۴۱ھ (میلاد نبوی) یا بالقول علامہ ابن جوزی اعلان نبوت کے پانچ سال پہلے ہے۔ سیدہ فاطمہ عمر میں سب بہنوں سے چھوٹی مگر مرتبہ میں سب سے ارفع و اعلیٰ ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صورت و سیرت کلام و روش میں بہت مشابہ تھیں۔ سرکار کی عادت کریمہ تھی کہ جب سیدہ سامنے آتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے اور پیار سے ان کا ہاتھ تھام لیتے، پیشانی کا بوسہ دیتے، اور اپنی مقدس جگہ ان کو بیٹھنے کا شرف عطا کرتے۔ اسی طرح سرکار جب کاشانۂ فاطمہ پر تشریف لے جاتے تو سیدہ فاطمہ فرط انبساط میں آگے بڑھ کر خدمات بجا لاتیں، سرکار کا دست مبارک تھام کر نہایت عزت و احترام کے ساتھ بٹھاتیں۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا عقد غزوہ بدر سے واپسی پر حضرت علی شیر خدا سے چار سو مثقال چاندی کے عوض فرمایا۔ آپ کے بطن سے علی الترتیب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تین فرزند، حضرت امام حسن، حضرت امام حسین اور حضرت محسن رضی اللہ عنہم تولد ہوئے اور تین صاحبزادیاں حضرت زینب، حضرت ام کلثوم، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہن پیدا ہوئیں۔ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ سیدہ فاطمہ جنتی عورتوں کی اور حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں، دوسری جگہ ارشاد نبوی ہے کہ فاطمہ میری جگر گوشہ ہے جس نے فاطمہ کو ستایا اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات شب سہ شنبہ ۳ رمضان ۱۱ھ میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد واقع ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ نے مجھ سے وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ رات میں سپرد خاک کرنا تاکہ نامحرموں کی نظروں سے محفوظ رہے (مدارج النبوۃ) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن بطن عرش سے ایک منادی ندا دے گا کہ اے اہل محشر اپنے سروں کو جھکا لو اور اپنی آنکھوں کو بند کر لو کہ خاتون جنت پل صراط سے گذر رہی ہیں۔ پھر آپ برق رفتار ستر ہزار حور باندیوں کے ساتھ پل صراط سے گذر جائیں گی دیکھا شہزادیٔ اسلام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے موت و حیات دونوں میں پردے کا اہتمام فرمایا تو رب اکبر بھی محشر میں آپ کے پردے کا اس طرح اعلان فرما رہا ہے کہ سارے اہل محشر ان کی عظمت و برتری کی تاب نہ لا کر اپنی اپنی آنکھیں بند کر لیں گے۔ اخبار و آثار کے مطابق فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بقیع کے اندر قبہ عباس میں دفن کیا گیا جہاں تمام خانوادۂ رسول سپرد ہوا ہے، جہاں کا ذرہ ذرہ پارۂ الماس کی طرح جگمگا رہا ہے۔ زائر کا دل جس مقام پر پہونچ کر محبت اہل بیت کے کیف آور نغموں میں جھومنے لگتا ہے مگر افسوس کہ نجدی حکومت نے یہ سارے آثار ڈھا دئے۔

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم:۔ آپ خلفائے راشدین میں چوتھے خلیفہ ہیں آپ کی کنیت ابو الحسن

اور ابو تراب قریشی ہے۔ اکثر صحابۂ کرام اور علمائے حق اس بات پر متفق ہیں کہ آپ مردوں میں سب سے پہلے ایمان کی دولتِ لازوال سے بہرہ مند ہوئے۔ ہاں ایمان لانے کے وقت آپ کی عمر کیا تھی اس میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ آپ کی عمر شریف اس وقت پندرہ سال کی تھی اور بعض نے سولہ سال تحریر کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ آپ صغر سنی میں قبل بلوغ ایمان لے آئے اور عمر مبارک آٹھ یا دس سال تھی، ابو یعلیٰ کی روایت ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کو مبعوث ہوئے اور میں دوشنبہ ہی کو دولتِ ایمان سے سرفراز بھی ہوا۔ (مدارج النبوۃ)

صحابہ کی ایک جماعت اس بات پر متفق ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ تطبیق یہ ہے کہ سیدنا علی نے دعوتِ اسلام پہلے سنی اور پہلے اسلام لائے مگر بچپن کی عمر تھی باپ کا خوف دامن گیر تھا۔ فوراً اعلان نہ کر سکے۔ اور صدیق اکبر نے دعوت سنتے ہی اسلام لانے کے ساتھ اپنے اسلام کا اعلان بھی کیا جس کے باعث کچھ لوگوں نے یہی جانا کہ سب سے پہلے یہی ایمان لائے واللہ اعلم۔

ابن سعد نے حسن بن زید سے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے اپنے بچپن میں بھی کسی بت کی پوجا نہ کی یہ شرف صدیق اکبر کو بھی حاصل ہے۔ آپ سرکار کے ساتھ ہر غزوہ میں شریک رہے مگر تبوک کے موقع پر رسول اکرم نے فرمایا کہ تم مدینہ میں میرے خلیفہ بن کر رہو کیونکہ تم اس وقت حضرت ہارون کی طرح ہو کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ تھے اور تم میرے خلیفہ ہو۔ اس حدیث سے آپ کے بلند مقام کی نشان دہی ہوتی ہے۔ جنگ احد میں آپ کو سولہ زخم لگے تھے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر جنگوں میں آپ کو علم عطا فرمایا۔ خاص کر جنگ خیبر میں حضور نے حضرت علی کو علم دیکر فرمایا کہ خیبر انھیں کے ہاتھوں فتح ہوگا۔ حضرت علی جنگ کرتے کرتے جب درِ خیبر پر پہنچے تو آپ نے درِ خیبر اکھاڑ کر پھینک دیا دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے درِ خیبر اکھاڑ کر ہاتھ میں ڈھال کی طرح لے لیا اور خیبر فتح ہونے تک آپ نے اس کو ڈھال کی جگہ استعمال فرمایا۔ اور جنگ کرتے رہے۔ اختتام جنگ پر آپ نے اس کو پھینک دیا پھر آٹھ مردوں نے مل کر اسے اٹھانا چاہا مگر اٹھا نہ سکے (الصواعق المحرقہ)

اپنی خلافت کے پانچویں سال خلافت راشدہ کی مدت تکمیل کے ابتدائی سال میں شب جمعہ ۱۷ رمضان المبارک سنہ ۴۰ھ بوقت صبح عبدالرحمٰن بن ملجم نے آپ پر قاتلانہ حملہ کر کے سخت زخمی کیا۔ زخموں کی شدت میں تیسرے دن آپ واصل بحق ہوئے۔ حضرات حسنین اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم نے مل کر آپ کو غسل دیا۔ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسن مجتبیٰ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی رحلت کے وقت ایک قول کے مطابق آپ کی عمر ترسٹھ سال کی تھی۔ خلاصہ میں ہے کہ آپ سے کل پانچ سو تراسی حدیثیں مروی ہیں آپ نے چار سال نو مہینے تک خلافت فرمائی۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما:۔ آپ کا اسم گرامی حسن کنیت ابو محمد، لقب شبیہ رسول تھا۔ آپ کے والد معظم حضرت علی شیر خدا اور والدہ محترمہ سیدہ فاطمۃ الزہراء جگر گوشۂ رسول ہیں سن ہجری کے تیسرے سال ماہ رمضان المبارک میں ولادت باسعادت ہوئی۔ خبر پاتے ہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس گوہر شب چراغ کو دیکھنے کی غرض سے کاشانۂ فاطمہ پر تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے بچے کو دکھاؤ، کیا نام رکھا گیا ہے، کسی نے کہا کہ حرب آپ نے فرمایا کہ حرب نہیں اس کا نام حسن رہے گا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بے پناہ محبت تھی آغوشِ رسالت میں بڑے ناز و نعم کے ساتھ پروان چڑھے۔ سرکار حضرت حسن کو روزانہ دیکھنے کی غرض سے کاشانۂ فاطمہ پر تشریف لاتے آغوش محبت میں لے کر پیار کرتے دعائیں دیتے۔

زہر دیئے جانے کے تیسرے دن سنہ ۴۹ھ یا سنہ ۵۰ھ
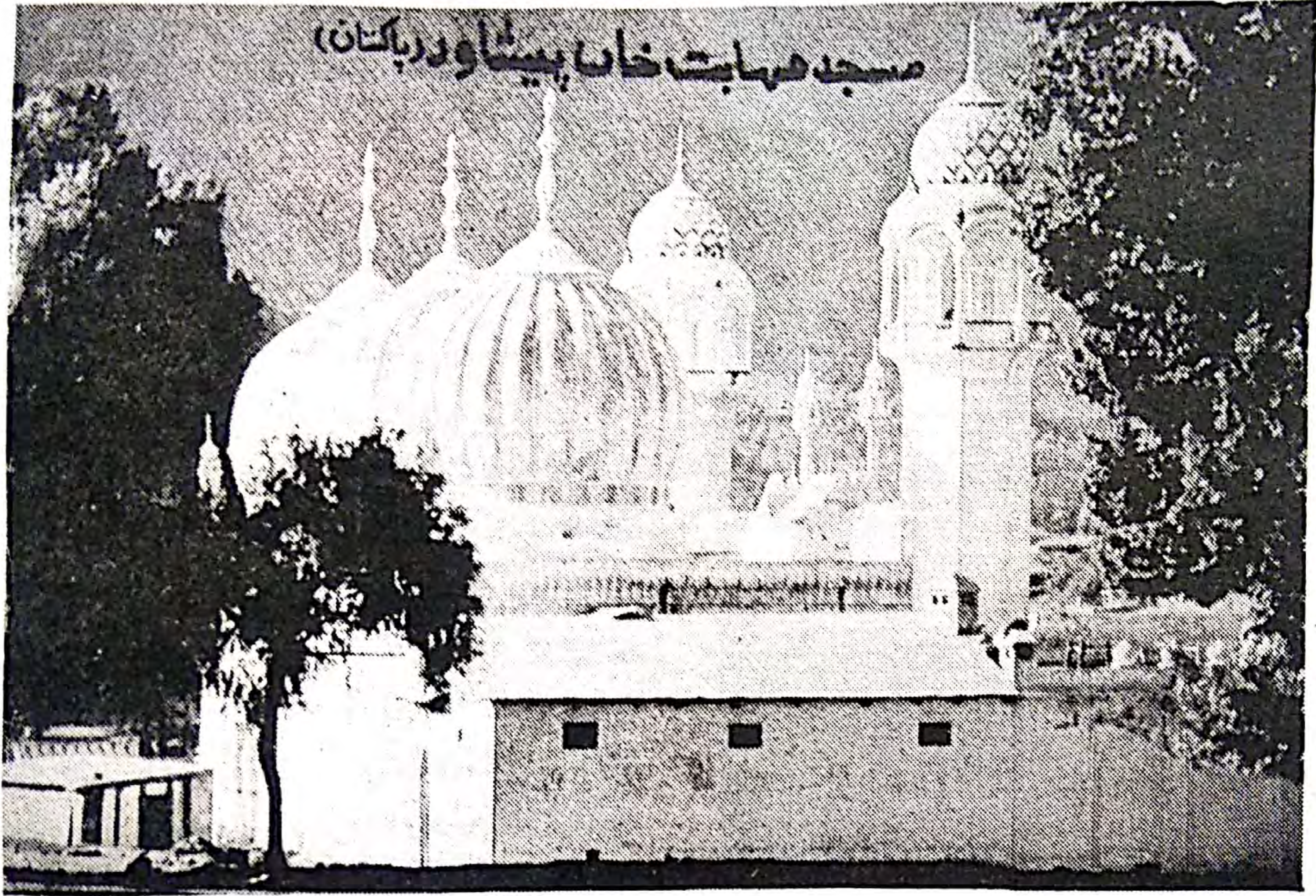
مسجد مہابت خان پشاور (پاکستان)

میں جگر گوشہ بتول نے داعیٔ اجل کو گلے لگایا بوقت شہادت آپ کی عمر باختلاف روایت سینتالیس یا اڑتالیس سال کی تھی

حضرت امام حسین ابن علی رضی اللہ عنہما:۔ امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ امام حسن مجتبیٰ کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ، سید شباب اہل الجنہ ملقب تھا۔ ماہ شعبان ۴ھ کو امام حسین کی ولادت باسعادت سے کاشانۂ علی رشک گلزار و باغ و بہار بنا۔

سرکار نے علی کے لال جگر گوشۂ بتول کو منگا کر کانوں میں اذان دی اور حسین نام رکھا۔ ام الفضل فرماتی ہیں ایک دن میں شہزادہ حسین کو لے کر دربار نبوت میں حاضر ہوئی اور شہزادے کو آغوش رسالت میں رکھ کر کسی دوسری سمت متوجہ ہوگئی، اچانک کیا دیکھتی ہوں کہ سرکار کی چشمان مبارک سے سیل اشک درد پنہاں کی ترجمانی کرتے ہوئے جاری ہیں، میں نے عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کے رونے کا سبب کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ حضرت جبرئیل نے مجھ کو خبر دی ہے کہ عنقریب آپ کی امت آپ کے اس لاڈلے کو قتل کر دے گی، میں نے ازراہ تعجب دریافت کیا اس لال کو قتل کر دیا جائے گا، حضرت جبرئیل نے دوبارہ فرمایا ہاں اسی لال کو، پھر جبرئیل نے مقتل حسین کی سرخ مٹی بھی مجھ کو دی (اشعۃ اللمعات)

میدان کربلا میں بے یار و مددگار اپنے اعوان و انصار اور جگر پاروں کی شہادت کے بعد دس محرم الحرام ۶۱ھ بروز جمعہ خانوادۂ رسالت کا نیر تاباں ہمیشہ کے لیے روپوش ہوگیا۔ ایک روایت کے مطابق سنان ابن انس نے امام ہمام کے سرناز کو جو بوسہ گاہ نبی تھا تن سے جدا کیا۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر اٹھاون سال کی تھی۔

فضائل حسنین رضی اللہ عنہما:۔ کتاب الفضائل میں عموماً ان دونوں جگر پاروں کے فضائل مشترک ملتے ہیں اکثر زبان رسالت سے نکلے ہوئے کلمات مقدسہ ساتھ ہی ساتھ ان دونوں حضرات کی عظمت و برتری کے آئینہ دار ہیں چند ارشادات
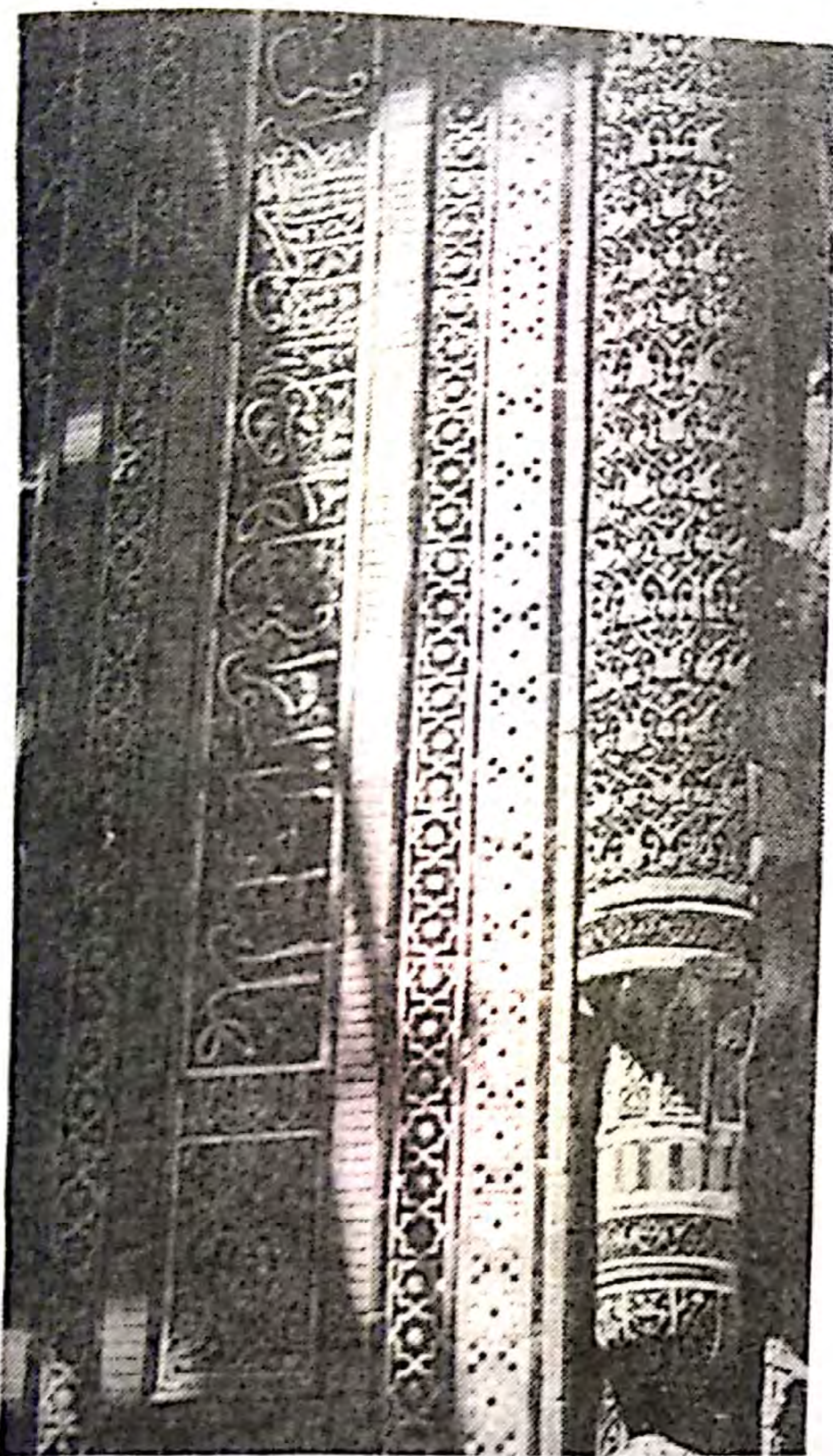
لکھے جاتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما جوانانِ اہلِ جنت کے سردار ہیں، طبرانی نے شہزادی اسلام حضرت فاطمہ سے روایت کی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسن کو میری ہیبت و سیادت دی گئی اور حسین کو میری جرأت و سخاوت دی گئی۔ ترمذی نے ابن عمر و سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسن و حسین میری دنیا کے دو پھول ہیں، ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے حسن و حسین سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی جس نے ان دونوں سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی (الصواعق المحرقہ)

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سرکار کے ساتھ بازار قینقاع سے واپس ہوا تو سرکار کاشانۂ فاطمہ پر تشریف لے گئے اور سیدہ فاطمہ سے دریافت فرمایا حسنین کہاں ہیں اتنے میں دونوں صاحبزادے دوڑتے ہوئے حاضر بارگاہ نبوت ہوئے۔ اور سرکار کے جسد پاک سے چمٹ گئے سرکار نے فرط محبت میں فرمایا خدایا میں ان دونوں جگر پاروں کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی انھیں اپنی مقدس محبت سے نواز۔ اور انھیں بھی نواز جو ان سے محبت رکھیں۔

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک حضرات حسنین رضی اللہ تعالےٰ عنہما سرخ جوڑوں میں ملبوس خراماں خراماں قدم بڑھاتے ہوئے نظر آئے، ان شہزادوں کو اپنی سمت بڑھتا دیکھ کر، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے اتر آئے اور دونوں نونہالوں کو پیار و محبت سے اپنے سامنے بٹھالیا۔ اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا، رب کائنات نے سچ فرمایا ہے کہ تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں ان دونوں جگر پاروں کو آتا دیکھ کر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا (ترمذی شریف)

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز مغرب اور نماز عشا ادا کی بعد

سمرقند میں ایک شاہی محل کے کھنڈرات اور دروازے

نماز عشا جب سرکار مسجد سے باہر قدم رنجہ ہوئے تو میں بھی آپ کے پیچھے ہو گیا۔ سرکار نے مجھے پہچان کر فرمایا، کون؟ حذیفہ! میں نے عرض کیا جی، آپ نے فرمایا حذیفہ اللہ تعالیٰ تم کو اور تمہاری والدہ کو بخش دے۔ کیا کوئی حاجت ہے دیکھو میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ نازل ہوا جو اس رات سے قبل روئے زمین پر کبھی نازل نہیں ہوا تھا۔ اس کو رب کائنات نے اجازت دی ہے کہ مجھ پر سلام پڑھے اور مجھ کو بشارت دے کہ فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار اور ان کے دونوں لال جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں (ترمذی شریف)

مندرجہ بالا فرامین نبوی کی روشنی میں اہل نظر غور فرمائیں گے، تو حضرات حسنین کی ذات، تقدس و برتری کے بلند درجہ پر دکھائی دے گی۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

اور

اصحاب صفہ

حافظ محمد سعد اللہ

حافظ ابو نعیم اصبہانی (المتوفی ۴۳۰ ھ) کہتے ہیں ہم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے ایک ایسی جماعت کا ذکر خیر کر رہے ہیں جو انتہائی عابد و زاہد ہمہ وقت اپنے معبودِ حقیقی کی یاد میں مگن اور اسی ذاتِ واحد کے ساتھ شغف ان کا مشغلہ تھا۔ وہ عارفانِ حقیقت، سالکانِ طریقت کے لئے بہت بڑے پیشوا اور مقتدا ہیں اور ان دنیا والوں کے لئے ایک حجت ہیں جنہیں اس فانی دنیا نے پاگل اور دیوانہ بنا رکھا ہے

اب ہم اللہ تعالیٰ سے امداد چاہتے ہوئے ان اہل صُفہ کی شان، ان کے اخلاقِ عالیہ، حالاتِ طیبہ اور وجہ تسمیہ کو بیان کرتے ہیں اس بیان میں ہماری بنیاد مشہور اسانید اور معروف دلائل پر ہوگی۔

اصحاب صفہ صحابہ کرام میں ایک ایسا گروہ تھا جسے حق تعالیٰ نے مال و متاعِ دنیا کی طرف مائل ہونے اور مال و دولت کے فتنہ میں پڑ کر فرائض دینی سے غافل ہونے سے بچائے رکھا اللہ تعالیٰ نے انہیں ان لوگوں کے واسطے ایک بہترین نمونہ بنایا جو فارغ ہو کر اپنے رب کی عبادت کرنا چاہتے ہیں وہ اہل و عیال اور مال و اسباب کو مدعا نہیں بناتے تھے خرید و فروخت یا کوئی دوسری مصروفیت اللہ کی یاد سے انہیں غافل نہیں کر سکتی تھی دنیا کے ہاتھ سے جانے اور فوت ہونے پر کبھی انہیں غم نہ ہوا۔ وہ اسی بات پر راضی تھے کہ ان کے مالک ازلی نے انہیں آخرت سنوارنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ ان کی خوشی اپنے معبود کی یاد میں اور غم اس کی یاد سے غفلت میں تھا وہ وہی بلند مرتبہ لوگ تھے جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے۔ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ۔ یعنی کوئی تجارت یا کسی بھی قسم کی خرید و فروخت انہیں اللہ کی یاد سے غافل نہیں کر سکتی۔ دنیا کے فوت ہو جانے پر انہیں کوئی افسوس نہ ہوا اور دنیا کے مل جانے پر انہیں کوئی خوشی نہ ہوئی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں منہمک ہو جانے اور دولت کی فراوانی سے ان کی حفاظت فرمائی تاکہ وہ تاثیر دنیا کی وجہ سے بغاوت اور سرکشی پر نہ آمادہ ہوں۔ کسی چیز کے فوت ہو جانے، چلے جانے پراگندہ ہو جانے اور بالیدہ ہونے پر انہیں قطعاً کوئی ملال نہ تھا۔

مشہور راوی ابو ہانی کہتے ہیں میں نے عمرو بن حریث اور دیگر کئی لوگوں سے سنا کہ یہ آیت اصحاب صُفہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ:۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں

پر رزق کو پھیلا دے تو وہ زمین میں بغاوت پر اتر آئیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک موقع پر انھوں نے دنیا کے حصول کی تمنا کی تھی۔ ابونعیم کہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے بچاؤ کی خاطر دنیا کو ان سے دور رکھا کہ کہیں بغاوت نہ کر دیں۔ چنانچہ وہ دنیا کے تمام مشغلوں سے محفوظ ہو کر اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آگئے۔ اموالِ دنیا انہیں غافل نہ کر سکے اور حالاتِ زمانہ انہیں متغیر نہ کر سکے

عبدالرحمٰن بن ابی بکر روایت کرتے ہیں کہ اصحاب صُفہ کچھ فقیر لوگ تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہے وہ ان اصحاب صفہ میں سے ایک تیسرے آدمی کو لے کر جائے جس آدمی کے پاس چار آدمیوں کا کھانا موجود ہو وہ ایک پانچویں کو بھی ساتھ ملا لے علیٰ ہٰذا القیاس چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق اصحاب صُفہ میں سے تین اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دس آدمیوں کو لے گئے۔ یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ یعنی بخاری ومسلم کی تخریج کردہ ہے

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور فرمایا۔ اے ابوہریرہ! میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ! فرمایا اہل صُفہ کو جا کر بلا لاؤ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وضاحتاً فرماتے ہیں کہ اہل صُفہ اسلام کے مہمان تھے اہل وعیال اور کاروبار مال کو چھوڑ کر ہر وقت مسجد نبوی میں پڑے رہتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی صدقہ کی چیز آتی تو اہل صُفہ کے ہاں بھجوا دیتے اور خود اس میں سے ذرہ بھر نہ لیتے اور جب کوئی ہدیہ یا تحفہ کی شئی آتی تو خود بھی لیتے اور اہل صُفہ کی طرف بھی بھیجتے اور اس چیز میں ان کو بھی شریک کرتے۔ (متفق علیہ)

طلحہ بن عمرو کہتے ہیں جو شخص باہر سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ مدینہ منورہ میں اگر کوئی اس کا جاننے والا ہوتا تو ادھر چلا جاتا ورنہ اہل صُفہ کے ہاں ٹھہرا دیا جاتا۔ طلحہ بتاتے ہیں میں انہی لوگوں میں تھا جنہیں اہل صُفہ کے ہاں ٹھہرایا گیا۔ میں نے دیکھا کہ روزانہ ایک آدمی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اہل صُفہ میں ایک مد کھجور (تقریباً آدھ سیر) ایک پاؤ فی کس کے حساب سے تقسیم کر جاتا۔

ابو رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ جب حضرت امام حسین کی ولادت ہوئی تو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں اپنے بیٹے کا عقیقہ کر دوں؟ فرمایا نہیں۔ البتہ یہ کرو کہ بچے کے سر کے بال اترواکر ان کے وزن کے برابر چاندی یا سونا اوفاض میں صدقہ کرو۔ اوفاض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اہل صُفہ تھے۔

فضالہ بن عبید کہتے ہیں جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھاتے تو کئی لوگ افلاس و تنگی اور بھوک کی وجہ سے قیام میں کھڑے نہ ہو سکتے اور گر پڑتے یہ لوگ اہل صفہ تھے جن کے متعلق اعرابی کہتے کہ یہ مجنوں ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اہل صفہ میں ستر آدمی ایسے تھے جن میں سے کسی ایک کے پاس چادر تک نہ تھی حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں میں اہل صُفہ میں تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف عمدہ قسم کی کھجور بھیجی بھوک کی شدت کی وجہ سے ہم نے دو دو کھجوریں ملاکر کھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں ایسا کرو۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اہل صُفہ کی طرف تشریف لائے اور دریافت فرمایا۔ کَیفَ اَصْبَحْتُم؟ تم کیسے ہو، انھوں نے عرض کیا ہر طرح کی خیر وبھلائی ہے آپ نے فرمایا واقعی تم آج خیر وبھلائی میں ہو عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب تم میں سے ہر ایک کے پاس کھانے کے بڑے پیالے کے علاوہ دیگر کئی آسائش کی چیزیں ہوں گی تمہارے گھروں میں اس طرح کے پردے ڈالے جائیں گے جس طرح کہ کعبہ شریف پر پردہ ڈالے جاتے ہیں۔ (یعنی تم اپنے گھروں

کی دیوار کو مزین اراستہ منقش بناؤ گے) انہوں نے استعجاباً عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم ایسا کریں گے جبکہ ہم اپنے دین پر بھی ہوں؟ فرمایا ہاں عرض کرنے لگے پھر تو ہم صدقہ وخیرات کریں گے غلاموں کو آزاد کرائیں گے۔ آپ نے فرمایا اس وقت تم ایسا نہیں کروگے جیسا کہ تمہارا خیال ہے بلکہ ہوگا یہ کہ تم ایکدوسرے کے ساتھ حسد کروگے ایک دوسرے کے ساتھ قطع تعلقی اور بغض وعناد میں پڑ جاؤگے۔

ایک تابعی سنان حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کرتے ہیں۔ ضعفاء مسلمانوں کے واسطے ایک چبوترا تعمیر کیا گیا تمام مسلمان مقدور بھر ان کے ساتھ بھلائی اور تعاون کرتے حضور ان کے پاس تشریف لاتے اور السّلام علیکم کہتے وہ بھی سلام کا جواب دیتے پھر آپ پوچھتے تم کیسے ہو؟ وہ عرض کرتے بہتر ہیں آپ فرماتے۔ واقعی تم اس وقت سے بہتر ہو۔ جبکہ مختلف نعمتوں کی تمہارے اوپر بھرمار ہوجائے گی۔ تم صبح کو ایک اور شام کو دوسرا لباس زیب تن کروگے تم اپنے گھروں کو اس طرح ڈھانپوگے جس طرح خانہ کعبہ کو ڈھانپا جاتا ہے۔ اہل صفہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ تو اور اچھا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی عطاؤں پر شکر بجا لائیں گے۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ اب تم جس حال میں ہو یہ بہتر ہے۔

ابو نعیم کہتے ہیں مختلف اوقات اور مختلف حالات میں صفہ میں مقیم لوگوں کی تعداد بھی بدلتی رہتی رات کو آنے والے مہمان اور مسافر جب چلے جاتے تو تعداد کم ہوجاتی اور جب باہر سے وارد ہونے والوں اور وفود کا اجتماع ہوتا تو تعداد بڑھ جاتی مگر اکثر حالات میں ان پر فقر کا غلبہ رہتا بلکہ وہ خود قلت وافلاس کو ترجیح دیتے تھے ان کے پاس کبھی دو کپڑے جمع نہ ہوئے اور نہ کبھی دو قسم کا کھانا کھایا۔ اس چیز پر حضرت ابوہریرہ کی وہ روایت دلالت کرتی ہے جس میں آپ نے فرمایا

میں نے ستر ایسے اہل صفہ کو دیکھا جو ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھا کرتے وہ کپڑا بعض کے گھٹنوں تک اور بعض کے اس سے کچھ نیچے تک پہونچتا تھا ان میں سے جب کوئی رکوع میں جاتا تو کپڑے کو اپنے اوپر سمیٹ لیتا کہ کہیں قابل ستر جگہ ننگی نہ ہوجائے۔ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اہل صفہ میں سے تھا۔ ہم میں سے کسی کے پاس پورا لباس نہ ہوتا تھا پسینہ کی وجہ سے ہمارے کپڑوں میں میل اور غبار اٹا ہوا ہوتا۔ محمدّ بن سیرین کہتے ہیں جب شام ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل صفہ کو صحابہ کے درمیان تقسیم فرما دیتے۔ کوئی ایک کوئی دو کو، کوئی تین کو اور بعض صحابہ دس تک کو لے جاتے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہر رات آٹھ اہل صفہ کو گھر لاتے اور ان کے ٹھہرانے کا بند وبست فرماتے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہم اہل صفہ کی طرف تشریف لائے اور پوچھا تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ ہر روز "بطحان" اور "عقیق" (بازاروں کے نام ہیں) کی طرف جائے اور بغیر کسی گناہ اور قطع رحمی کے دو موٹی تازی اونٹنیاں لائے؟ ہم نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! یہ بات تو ہم میں سے ہر ایک کو پسند ہے فرمایا تو وہ کیوں نہیں مسجد کی طرف جاتا اور قرآن کریم کی دو آیات سیکھتا یا پڑھتا کیونکہ قرآن مجید کی دو آیات سیکھنا یا پڑھنا دو اونٹنیوں سے تین آیتیں سیکھنا تین اونٹنیوں سے چار آیتیں سیکھنا چار اونٹنیوں سے بدرجہا بہتر ہے۔

ابو نعیم فرماتے ہیں عقبہ بن عامر کی یہ روایت اس چیز کی صراحت کرتی ہے کہ اہل صفہ کے دلوں میں جب کبھی طلب دنیا کا داعیہ پیدا ہوتا حضور تشریف لاکر ان کے مناسب حال ذکر واذکار بتاکر یا وعظ و نصیحت فرماکر اس داعیہ کا رد فرما دیتے چنانچہ اس طرح وہ دنیا کے مہلکات اور خطرات سے محفوظ اور نفوس

ہیں خفیہ آرزوؤں کے وار د ہونے سے مامون رہے۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں ایک دن ابو طلحہ رضی اللہ عنہ آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اہل صفہ کو پڑھا رہے تھے بھوک کی شدت کی وجہ سے آپ کے بطن مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ جو آپ کی کمر کو سیدھا کئے ہوئے تھا اہل صفہ کا شغل ہمہ وقت قرآن کو پڑھنا اور سمجھنا اور خواہش ہمیشہ یہی تھی کہ ان کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے شیریں خطاب سے ان کی روحوں کو بار بار تازہ کرتے رہیں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہم ضعفاء مسلمان یعنی اہل صفہ کے پاس تشریف لائے اتفاق سے ایک آدمی اس وقت ہمیں قرآن پڑھ کر سنا رہا تھا اور ہمارے لئے دعا کر رہا تھا لباس کی قلت کی وجہ سے ہم ایک دوسرے کے ساتھ متصل بیٹھ کر ستر پوشی کر رہے تھے۔ آپ نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا کہ حلقہ کی صورت میں بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ آپ کے اردگرد حلقہ میں سب لوگ بیٹھ گئے۔ آپ نے دریافت فرمایا تم کیا کر رہے تھے، انھوں نے عرض کیا کہ یہ شخص ہمیں قرآن پڑھ کر سنا رہا تھا اور ہمارے لئے دعا کر رہا تھا آپ نے فرمایا تم میرے کام میں دوبارہ مشغول ہو جاؤ۔ بعد ازیں آپ اپنے خالق و مالک حقیقی کا اس نعمت پر شکر بجا لائے کہ اس نے آپ کی امت میں ایک ایسا گروہ اور جماعت پیدا کر دی ہے جن کے ساتھ آپ کو بیٹھنے کا حکم ہوا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فقراء مسلمانوں کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا۔ تمہیں خوشخبری سناتا ہوں اس بات کی کہ تم روزِ قیامت امراء سے پانچ سو سال قبل جنت میں داخل ہوگے۔ تم لوگ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوگے جب کہ یہ امراء کا طبقہ ابھی حساب کتاب میں پھنسا ہوگا۔

ثابت بنانی روایت کرتے ہیں کہ حضرت سلمان ایک ایسی جماعت میں موجود تھے جو ذکر الٰہی میں مشغول تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پاس سے گزرے تو وہ ذکر سے رُک گئے۔ آپ نے پوچھا تم کیا کر رہے تھے انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اللہ کا ذکر کر رہے تھے آپ نے فرمایا تم ذکر جاری رکھو میں نے تمہارے اوپر اللہ کی رحمت نازل ہوتے دیکھی ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ میں بھی اس رحمت میں تمہارے ساتھ شریک ہو جاؤں۔ پھر فرمایا اس ذات الٰہی کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایک ایسا گروہ بھی بنایا ہے جن کے ساتھ مجھے اپنے آپ کو روک رکھنے کا حکم ہوا ہے۔

ابو نعیم فرماتے ہیں اصحاب صفہ اور تا قیامت ان کے پیروکاروں کی علامت فقر ہے۔ سچائی ان کی شہرت ہے۔ اور ان کے باطن مشاہدۂ حق سے ہمیشہ آباد ہیں کیونکہ ان کا محافظ و نگراں حق تعالیٰ ہے اور معلم و مؤدب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جس شخص نے مال اور اس کے غرور و دھوکہ دہی سے اعراض کر لیا آخرت سنوارنے اور اخروی نعمتوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ زائل اور فانی دنیا سے اپنے آپ کو دور رکھا مال و متاع دنیا اور رقص و سرود کی چیزوں سے دور ہو گیا۔ واحد حقیقی اور ہمیشہ باقی رہنے والی ذات کے کارخانۂ قدرت کے مشاہدہ میں غرق ہو گیا دائمی اخروی زندگی اور اس کی تر و تازگی ہمیشہ اس سے لطف اندوز ہونے، ملاء اعلیٰ کی حاضری اور سب سے بڑھ کر اپنے معبود کے دیدار پر راضی ہو گیا ایسے شخص کے لئے لازم ہے کہ اس کے معبود نے جو فقر و تنگ دستی اس کے لئے مقدر کی ہے اس پر دل و جان سے راضی رہے مال و متاع اور اسباب دنیا کے مفقود ہونے پر غم نہ کرے باری تعالیٰ کے نزدیک جو افعال پسندیدہ ہیں ان کے لئے سعی کرے اور اپنے دل میں پیدا ہونے والے شیطانی وسوسوں اور خطرات کی نگرانی رکھے تاکہ وہ پاک ضعفاء مساکین کے

زمرہ میں شامل ہوسکے اور مقربین بارگاہِ الٰہی کے نزدیک ہوسکے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ہر لمحۂ زندگی کو غنیمت جانے، غلط لوگوں کی مجلس میں بیٹھنے سے گریز کرے اللہ تعالےٰ کے معاملات میں جد وجہد کرے اور تمام احوال میں سید المرسلین کی اقتدار کرے

شیخ ابو نعیم مزید فرماتے ہیں اہل صُفہ نے مسجد نبوی کے چبوترہ (صُفہ) کو اپنا وطن بنایا تو باری تعالیٰ نے ان کے باطن کو پاک وصاف فرمایا اغیار سے ان کی حفاظت فرمائی۔ نفسانی خواہشات اور نفس کے حملوں سے بچایا۔ ابرار کی صف میں شامل فرمایا جنت کے باغات میں نازل فرمایا اور جنت کے خاص چشموں سے پانی پلایا۔

ابو نعیم فرماتے ہیں اہل صُفہ مختلف قبائل اور متعدد اطراف واکناف کے بہترین لوگ تھے انہوں نے انوار الٰہی کا لباس پہنا۔ ذکر الٰہی ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا باری تعالےٰ نے انھیں جو اپنی رضا اور عطافرما رکھی تھیں ان سے ان کے باطن روشن تھے انھوں نے دنیا پر فریفتہ لوگوں سے مُنہ موڑ لیا تھا اور دنیا کے فانی اور ہلاک ہونے والے مال واسباب کو جمع کرنے والوں سے علیحدگی اختیار کر لی تھی دشمن اور حاسد یعنی شیطان لعین کی مصلحت سے دور بھاگ گئے تھے جیسا کہ ایک محتاط آدمی بچا کرتا ہے۔ اللہ کی محبت اور اس کی رضا ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو وہ مرتبہ ومقام عطا فرمایا کہ ملائکہ بھی ان کی زیارت اور محبت کی خواہش کرنے لگے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ ان کے ساتھ گفتگو اور مجالست اختیار کریں۔

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ اقرع بن حابس تمیمی۔ عیینہ بن حصین الفزاری وغیرہ رئیسانِ قریش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ اس وقت ضعفائے مومنین یعنی بلال، عمار، صہیب اور خباب کے ساتھ بیٹھے تھے۔ جب انھوں نے ان ضعیف ومساکینِ صحابہ کو آپ کے پاس بیٹھے دیکھا تو حقارت کی نظر سے ان کے پاس نہ بیٹھے۔ علیحدگی میں انھوں نے حضور سے کہا۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے واسطے ایک الگ مجلس تشکیل دیں۔ ہماری موجودگی میں یہ غرباء ومساکین نہ ہوں۔ کیونکہ آپ کے پاس عرب کے مختلف وفود آتے ہیں اور ہم ان کے سامنے اس بات سے شرم محسوس کرتے ہیں کہ ان غلاموں کے ساتھ مل کر بیٹھیں۔ جب ہم فارغ ہوکر چلے جایا کریں تو آپ جن کے پاس جی چاہے بیٹھیں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے رئیسانِ قریش نے کہا۔ آپ ہمیں یہ چیز لکھ کر دیں۔ آپ نے کاغذ قلم منگوایا اور حضرت علی المرتضیٰ سے فرمایا لکھ دو حضرت خباب بیان کرتے ہیں ہم لوگ ایک کونے میں بیٹھے تھے اور یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے حضرت علی المرتضیٰ نے لکھنے کا ابھی ارادہ ہی فرمایا کہ جبریل امین وحی لے کر نازل ہوگئے۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ مَا عَلَیْکَ مِنْ حِسَابِھِمْ مِنْ شَیْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِکَ عَلَیْھِمْ مِنْ شَیْءٍ فَتَطْرُدَھُمْ فَتَکُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ٥ وَکَذٰلِکَ فَتَنَّا بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لِّیَقُوْلُوْا اَھٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنْ بَیْنِنَا اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ ٥ وَاِذَا جَآءَکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ (سورہ الانعام : ۵۲ تا ۵۴)

ترجمہ:۔ اور اے پیغمبر! جو لوگ صبح وشام اپنے پروردگار کی طرف لو لگا کر اس سے دعائیں مانگتے ہیں ان کو اپنے پاس سے مت نکالو۔ نہ تو ان کے اعمال کی جوابدہی کسی طرح تمہارے ذمے ہے اور نہ تمہاری جوابدہی کسی طرح ان کے ذمے ہے۔ پھر انہیں تم دور کرو یہ تو کام انصاف سے بعید ہے۔ اور اسی طرح اختلاف حالت سے ہم نے

بعض لوگوں کو بعض سے آزمایا کہ مقدور والے غریبوں کو دیکھ کر کہنے لگیں کہ کیا یہی ذلیل لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے اسلام کی توفیق دے کر اپنا فضل کیا ہے۔ ان کو اتنا تو سمجھنا چاہئے تھا کہ کیا اللہ تعالیٰ شکر گذار بندوں کے حال سے بخوبی واقف نہیں اور اے پیغمبر! جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جب تمہارے پاس آیا کریں تو تم ان کی دل دہی کرو اور کہو کہ خدا کی طرف سے تم کو سلامتی کی خوشخبری ہو اور تمہارے پروردگار نے بندوں پر مہربانی کرنا از خود اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کاغذ قلم پھینک دیا اور ہمیں بلایا ہم حاضر ہوئے تو فرمانے لگے سلام علیکم ہم آپ کے اتنے قریب بیٹھے کہ ہمارے گھٹنے آپ کے گھٹنوں سے لگنے لگے۔ اس کے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ بیٹھا کرتے اور جب جانے کا ارادہ ہوتا تو ہمیں چھوڑ کر تشریف لے جاتے پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا۔

(الکھف : ۲۸)

اور اے پیغمبر! جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو یاد کرتے اور اسی کی رضامندی چاہتے ہیں۔ ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے پر اپنے نفس کو مجبور کر و اور تمہاری نظر التفات ان پر سے ہٹنے نہ پائے کہ تم دنیا کی زندگی کے ساز و سامان کا پاس کرنے اور ایسے شخص کا کہا ہرگز نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑا ہے اور اس کی دنیا داری حد سے بڑھ گئی ہے جن کے دل کو اللہ تعالیٰ نے غافل کر دیا

بغداد کی ایک خوبصورت مسجد کے محراب و در

تھا وعلینیہ بن حصین اور اقرع تھے اور فُرُطًا کا مطلب ہلاکت ہے۔ اس کے بعد کی آیات میں باری تعالیٰ نے دو آدمیوں کی اور دنیا کی مثال بیان فرمائی ہے حضرت خباب کہتے ہیں اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہو گیا تھا کہ ہم آپ کے ساتھ بیٹھے رہتے جب آپ کے اٹھنے کا وقت ہوتا تو پہلے ہم آپ کو چھوڑ کر اٹھ جاتے بعد میں آپ تشریف لے جاتے جب تک ہم نہ اٹھ جاتے آپ ہمیشہ ہمارے ساتھ بیٹھے رہتے۔

حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ مؤلفۃ القلوب (جن کی حضور تالیف قلب فرماتے) علینیہ بن حصین اور اقرع وغیرہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کتنا ہی اچھا ہو کہ آپ مسجد کے درمیان میں تشریف رکھا کریں اور ان لوگوں کو ان کے لباس کی بو کو ہم سے دور کر دیں (ان لوگوں سے ان کی مراد حضرت ابوذر غفاری، سلمان فارسی وغیرہ ضعفاء

مسلمان تھے ان کے جسموں پر اُون کے لباس ہوتے جن سے بوجہ پسینہ بو آتی تھی کیونکہ ان کے پاس ایک جوڑے سے زیادہ کپڑے نہ ہوتے تھے تاہم آپ کے پاس بیٹھا کریں گے اور دین سیکھا کریں گے۔ تو باری تعالےٰ نے مذکورہ آیت کریمہ نازل فرمادی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوراً ان ضعفا مسلمانوں کی تلاش میں اُٹھے اور مسجد کے ایک کونے میں ان کو پایا کہ ذکر الٰہی میں مشغول تھے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری اُمت میں کچھ ایسے لوگ پیدا کئے ہیں جن کے ساتھ مجھے بیٹھنے کا حکم فرمایا گیا میری موت اور زندگی ان ہی لوگوں کے ساتھ ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ مذکورہ آیت چھ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حق میں نازل ہوئی جن میں سے ایک حضرت عبداللہ بن مسعود ہیں۔ حضرت سعد کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھنے کی خاطر ہم ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر قریش کہنے لگے۔ یارسول اللہ آپ ہماری نسبت ان کو زیادہ قریب بٹھاتے ہیں؟ آپ نے ابھی کچھ خیال کیا ہی تھا کہ آیت وَلَا تَطْرُدِ الَّذِینَ الخ نازل ہوگئی۔ انہی سعد بن ابی وقاص سے ایک دوسری روایت یوں منقول ہے۔

ہم چھ آدمی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے مشرکین نے کہا ان لوگوں کو ہٹا دیجئے یہ ایسے ویسے ہیں سعد کہتے ہیں ان چھ آدمیوں میں عبداللہ بن مسعود قبیلہ ہذیل کا ایک آدمی، بلال اور دو آدمی دیگر تھے جن کا نام میں بھول گیا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں بھی کچھ خیال پیدا ہوا کہ اگر اس طرح مشرکین ایمان لائیں تو کوئی مضائقہ کی بات نہیں یہ سوچا ہی تھا کہ مندرجہ بالا آیت نازل ہوگئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یوں روایت کرتے ہیں کہ سردارانِ قریش کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزری اس وقت آپ کے پاس صہیب رومی، بلال حبشی، خباب بن الارت عمار بن یاسر اور اس قسم کے دوسرے ضعفاء مسلمان موجود تھے سردارانِ قریش نے کہا۔ یارسول اللہ کیا آپ کو اپنی قوم میں سے یہی لوگ پسند آئے ہیں؟ کیا ہم ان کے تابع ہوکر رہیں کیا انہی لوگوں پر اللہ نے احسان کیا ہے؟ اگر آپ ان لوگوں کو اپنے پاس سے دور کردیں تو شاید ہم آپ کی اتباع کریں جب انھوں نے ایسا کہا تو فوراً جبریلؑ امین سورہ انعام کی آیت نمبر ۵۱ اور نمبر ۵۲ لے کر نازل ہوگئے اور آپ کو ایسا کرنے سے سختی سے منع فرما دیا گیا۔

حضرت عائذ بن عمرو کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابوسفیان سلمان فارسی، صہیب اور بلال کے پاس سے گزرا ان لوگوں نے ابوسفیان کو دیکھ کر کہا۔ ابھی تلواریں اللہ کے دشمن ابوسفیان کی گردن کو نہیں پہونچیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ کلمہ سنا تو کہنے لگے تم نے قریش مکہ کے بزرگ اور سردار کے حق میں ایسا کلمہ کہہ دیا یعنی ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا اس کے بعد حضرت ابوبکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ نے پوچھا اے ابوبکر! تو نے ان کو ایسا کہہ کر ناراض تو نہیں کردیا خدا کی قسم اگر تو نے ان کو ناراض کیا ہے تو گویا اپنے رب کو ناراض کیا ہے حضرت ابوبکر اسی وقت ان کے پاس دوبارہ گئے اور کہنے لگے بھائیو! میری بات پر تم ناراض تو نہیں ہوگئے؟ وہ کہنے لگے۔ اے ابوبکر اللہ تعالےٰ آپ کی مغفرت فرمائے اس میں کون سی ناخوشی کی بات ہے۔

حضرت انس حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالےٰ اس علم
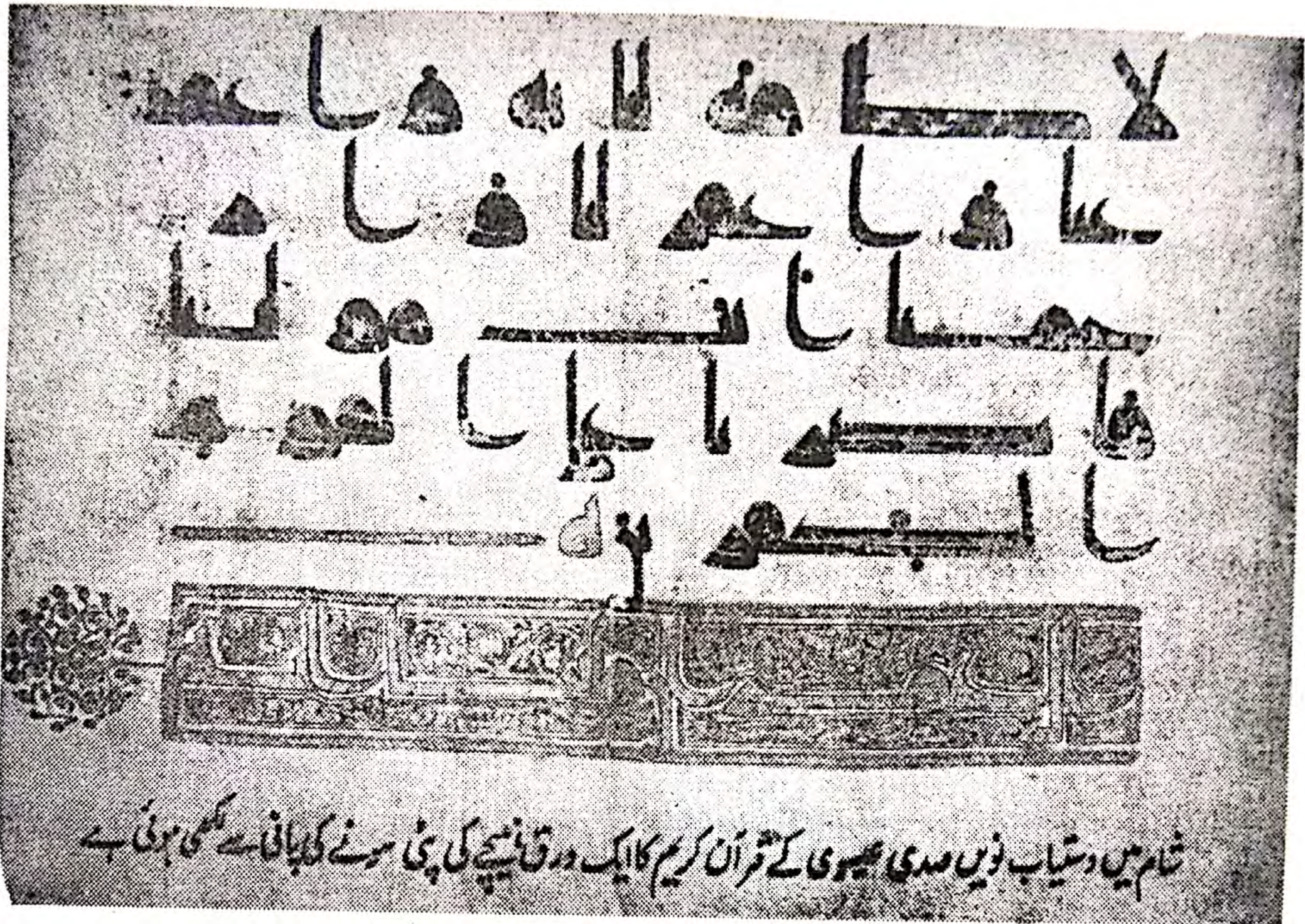
شام میں دستیاب نویں صدی عیسوی کے قرآن کریم کا ایک ورق نیچے کی پٹی سونے کے پانی سے لکھی ہوئی ہے

(علم دین) کے ذریعہ بعض لوگوں کو رفعت و بلندی عطا فرماتا ہے۔ حتی کہ وہ امام و پیشوا بن جاتے ہیں۔ خیر کے امور میں ان کی اقتدا کی جاتی ہے ان کے نقش قدم پر چلا جاتا ہے اور ان کے اعمال کو بنظر عقیدت دیکھا جاتا ہے۔ ملائکہ ان کی دوستی کی رغبت کرتے اور ان کے پاؤں کے نیچے پر بچھاتے ہیں . . . . . . عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے دریافت فرمایا جانتے ہو جنت میں پہلے کون داخل ہوگا؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ فقرائے مہاجرین داخل ہوں گے جنہیں ہمیشہ متعدد مشکلات اور فقر و تنگدستی درپیش رہی حتی کہ بہت ساری خواہشات اور آرزوئیں وہ سینوں میں ہی لے کر راہی آخرت ہوئے اور زندگی میں ان کو پورا نہ کر سکے۔ ملائکہ بارگاہِ الٰہی میں کہیں گے کہ الہ العالمین! ہم تیرے ملائکہ تیرے خزانچی اور آسمانوں پر رہنے والی مخلوق ہیں اس ارضی مخلوق کو ہم سے قبل جنت میں داخل نہیں ہونا چاہئے اللہ تعالے فرمائے گا یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے میرے ساتھ کبھی کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا فقر و تنگ دستی کے باوجود راضی بقضا رہے بہت ساری نامکمل آرزوئیں سینوں میں ہی لے کر آخرت کو سدھارے جنت میں پہلے داخل ہونے کے یہی حقدار ہیں اس وقت ان پر جنت کے ہر دروازے (وا) ہوں گے اور کہیں گے۔ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ہ

حضرت علی المرتضٰی نے فرمایا۔ آیت: اولٰئک یجزون الغرفۃ بما صبروا۔ جنت کے بالاخانے انہیں صلہ میں دیئے جائیں گے۔ اس صبر کے بدلے جو انھوں نے دنیا میں اختیار کیا) میں جن لوگوں کا ذکر ہے وہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں فقر و تنگ دستی پر صبر کیا۔ اب ذیل میں اصحاب صُفہ کے اسمائے گرامی پیش کئے جا رہے ہیں۔

(ورق الٹیے)

اسمائے گرامی اصحاب صُفّہ

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ

۱ - اوس بن اوس الثقفی
۲ - اسماء بن حارثہ
۳ - الاعزاعزنی
۴ - بلال بن ریاح
۵ - البراء بن مالک
۶ - ثوبان مولیٰ
۷ - ثابت بن ضحاک
۸ - ثابت بن ودیعہ
۹ - ثقیف بن عمرو
۱۰ - ابوذر غفاری (جندب بن جنادہ)
۱۱ - جرہد بن خویلد
۱۲ - جویل بن سراقہ
۱۳ - جاریہ بن جمیل
۱۴ - حذیفہ بن الیمان
۱۵ - حذیفہ بن اسید
۱۶ - حبیب بن زید
۱۷ - حارثہ بن نعمان
۱۸ - حازم بن حرملہ
۱۹ حنظلہ بن ابی عامر
۲۰ حجاج بن عمر
۲۱ حجاج بن عمیر
۲۲ حرملہ بن ایاس
۲۳ خباب بن الارت
۲۴ خنیس بن خذافہ
۲۵ خالد بن زید (ابو ایوب انصاری)
۲۶ خریم بن فاتک
۲۷ خریم بن اوس
۲۸ خبیب بن یساف
۲۹ رکین بن سعید
۳۰ ذوالبجادین
۳۱ رفاعہ ابولبابہ
۳۲ ابو رزین
۳۳ زید بن خطاب
۳۴ سلمان فارسی
۳۵ سعد بن ابی وقاص
۳۶ سعید بن عامر
۳۷ سفینہ ابوعبدالرحمٰن
۳۸ سعد بن مالک (ابوسعید الخدری)
۳۹ سالم مولیٰ ابوحذیفہ
۴۰ سالم بن عبید الاشجعی
۴۱ سالم بن عمیر
۴۲ سائب بن خلاد
۴۳ شقران مولیٰ
۴۴ شداد بن اسید
۴۵ صہیب بن سنان
۴۶ صفوان بن بیضاء
۴۷ طخفہ بن قیس
۴۸ طلحہ بن عمرو
۴۹ الطفاوی الدوسی
۵۰ عبداللہ بن مسعود
۵۱ ابوہریرہ (عبدالرحمٰن بن صخر الدوسی)
۵۲ عبداللہ بن عبد الاسد المخزومی
۵۳ عبداللہ بن حوالۃ الازدی
۵۴ عبداللہ بن ام مکتوم
۵۵ عبداللہ بن عمرو
۵۶ عبداللہ بن انیس
۵۷ عبداللہ بن زید الجہنی
۵۸ عبداللہ بن الحارث بن جزء الزبیدی
۵۹ عبداللہ بن عمر ابن الخطاب
۶۰ عبدالرحمٰن بن قرط
۶۱ عبدالرحمٰن بن جبر بن عمرو
۶۲ عتبہ بن غزوان
۶۳ عمار بن یاسر
۶۴ عثمان بن مظعون
۶۵ عویمر ابوالدرداء
۶۶ عامر بن عبداللہ (ابوعبیدہ ابن الجراح)
۶۷ عقبہ بن عامر الجہنی
۶۸ عباد بن خالد الغفاری
۶۹ عمرو بن عوف المزنی
۷۰ عمرو بن تغلب
۷۱ عویم بن ساعدہ الانصاری
۷۲ عبید مولیٰ
۷۳ عکاشہ بن محصن الاسدی
۷۴ العرباض بن ساریہ
۷۵ عبداللہ بن الحشتمی
۷۶ عتبہ بن عبد السلمی
۷۷ عتبہ بن الندر السلمی
۷۸ عمرو بن عبسہ السلمی
۷۹ عبادہ بن قرص
۸۰ عیاض بن حمار المجاشعی
۸۱ فضالہ بن عبدالانصاری
۸۲ خرامت بن حیّان العجلی
۸۳ ابوفراس الاسلمی
۸۴ ترہ بن ایاس اعزنی
۸۵ کناز بن الحصین
۸۶ کعب بن عمرو
۸۷ ابوکبشہ
۸۸ مصعب بن عمرالداری
۸۹ المقداد بن الاسود
۹۰ مسطح بن اثاثہ ابوعباد
۹۱ مسعود بن ربیع القاری
۹۲ معاذ ابوحلیمۃ القاری
۹۳ واثلہ بن الاسقع
۹۴ وابصہ بن معبد الجہنی
۹۵ حلال مولیٰ المغیرہ بن شعبہ
۹۶ یسار ابوفکیہہ

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام جھرمٹ میں

مولانا غلام ربانی فائق اعظمی

صحابہ کے جھرمٹ میں ماہِ رسالت
ستاروں کو گرد قمر دیکھتے ہیں!

یہاں جھرمٹ میں بزرگ ہستی کون ہے؟ یہ مجمع کیسا ہے؟ یہ بھیڑ کیوں لگی ہے؟ یہ ہجوم واژدحام کس لئے ہے؟ یہ بچے، بوڑھے مرد و عورت یہاں کیوں آئے ہیں؟ یہاں محفل میں صرف حجازی ہی نہیں ہیں۔ یہاں تو بصری و یمنی بھی ہیں عراقی اور شامی بھی ہیں۔ ان میں رومی اور حبشی بھی ہیں۔

ع حسن ز بصرہ، بلال از حبش، صہیب از روم

اس دربار میں عربی و عجمی اور ملکی و غیر ملکی سبھی نظر آرہے ہیں یہ لوگ مختلف زبان والے ہیں ان کے لب ولہجہ اور اصطلاح و لغت میں بھی اختلاف ہے۔ طرز معاشرت بھی ایک دوسرے سے جداگانہ رکھتے ہیں۔ اس ہجوم میں سرداران قبائل بھی ہیں۔ ان میں جاہ وجلال والے بھی ہیں اور دنیوی فضل وکمال کے مالک بھی۔ ان میں تلوار کے دھنی بھی ہیں اور نجران کے نامور ادبا و شعرا بھی۔ ان میں ایسے خطبا بھی ہیں جن کی طلاقت لسانی و سحر بیانی دنیائے عرب میں ضرب المثل ہے۔ یہ سب لوگ یہاں کیوں آئے ہیں؟ کیا دیکھنے آئے ہیں؟ کیا لینے آئے ہیں۔ کس جذبہ وکشش نے ان کو یہاں پہونچایا ہے؟ ان کے جھرمٹ میں جو ایک بزرگ شخصیت جلوہ گر ہے کیا وہ مافوق البشر قوت وطاقت کی مالک ہے؟ کیا اس کے پاس ایسا کوئی علم وکمال ہے جسے انسانوں کی آبادی میں کوئی نہیں جانتا؟ کیا اس کے کلام جیسا کسی کا کلام نہیں؟ کیا اس کی قوت نگاہ عام نگاہوں سے ماوراء اور جداگانہ ہے؟ کیا اس کا چہرۂ حقیقت عنوان حیات ہے؟ کیا اس کی زبان "کن" کی کنجی ہے؟ کیا اس سے وابستگی سے خلاق کائنات کا پتہ چلتا ہے؟ کیا اس کی خوشنودی دارین کی فوز وفلاح کی ضمانت ہے؟ کیا اس کے پاس ہر درد وغم کا مداوا ہے؟ بے شک ہے اور یقیناً ہے۔ اسی لئے تو سب یہاں دیوانہ وار کشاں کشاں چلے آتے ہیں۔ ایک شمع رسالت محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور اس کے ارد گرد چاند کے ہالہ کی شکل میں لاکھوں لاکھ صحابۂ کرام کا پروانہ وار عظیم و کثیر مجمع ہے ——— یہ سارا مجمع وہجوم محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف خدائے تعالیٰ کا قاصد اور پیغام رساں ہی سمجھ کر نہیں آیا ہے بلکہ اس ایمان وعقیدہ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا ہے کہ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سارے عالم کے لئے مطاع وہادی ہیں۔

مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (پ۵ ع)

اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ (ترجمۂ رضویہ)

امام اور مربی ہیں اور مبشر ونذیر ہیں۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا (پ ۲۲ ع ۲)

بیشک ہم نے تمہیں بھیجا گر حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف بلاتا اور چمکنے والا آفتاب۔ (ترجمہ رضویہ)

ہر حال میں حاکم اعلیٰ اور آمر مقتدر ہیں۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (پ ۵ ع ۶)

اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں (ترجمہ رضویہ)

صاحب مقام محمود ہیں۔ شارح احکام ربانی ہیں۔ آمر و ناہی ہیں۔ معلم کائنات و محسن انسانیت ہیں۔ صاحب طاقت و اختیار ہیں۔ رحمۃ للعٰلمین ہیں۔ برکات دارین کا مرکز ہیں۔ قاسم نعمت و کوثر ہیں۔ خاتم النبیین ہیں۔ حبیب رب العٰلمین ہیں۔ شفیع یوم الجزا ہیں مہبط وحی خدا ہیں گویا کہ ؎ ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

انھیں امور پر عقیدہ و ایمان کے ساتھ لاکھوں جاں نثار صحابۂ کرام نے پروانوں کی طرح شمع نبوت کو اپنے جھرمٹ میں لے رکھا ہے اور ہر ایک صحابی نشۂ محبت و فرط عقیدت میں سرشار ہو کر فداکاری، جاں نثاری، غلامی، وفاداری کا بے مثال مخلصانہ ثبوت پیش کر رہا ہے۔ کوئی بارگاہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک لمحہ کی غیر حاضری پر دل کا کیف و سرور بدل جانے پر شکستہ خاطر و رنجیدہ دل نظر آ رہا ہے تو کوئی مہر بہ لب ہو کر چہرۂ نبوت ہی کو برابر دیکھے جا رہا ہے کوئی ان کے خداداد حسن و جمال کی رعنائیوں میں گم ہو کر تاب نظارہ ہی کھو بیٹھا ہے، کوئی راتوں کے ہولناک سناٹوں میں کاشانۂ نبوت کی پہریداری و نگہبانی کی خدمت انجام دے کر اپنی عاقبت کو تابناک بنانے میں مشغول ہے، کوئی رزمگاہ حق و باطل میں دشمنان حق کے تیر و سنان اور شمشیر و خنجر کے لرزہ خیز سایے میں مسکراتے ہوئے سر بکف و سینہ سپر ہو کر اپنی آخرت کے لیے سند آزادی و پروانۂ نجات حاصل کرنے میں کوشاں ہے۔۔۔ بارگاہِ رسول اکرم سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جتنے بھی حلقہ بگوش و پیروکار صحابہ ہیں وہ دنیا کے ہر اندیشۂ سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر وفاداری و غلامی مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کا ایسا ایمان افروز و نیازمندانہ مظاہرہ کر رہے ہیں کہ جس پر سارا عالم ملکوت وجد میں آ جاتا ہے ؎

نبی کا حکم ہو تو کود جائیں ہم سمندر میں
زمیں کو محو کر دیں نعرۂ اللہ اکبر میں
اشارہ ہو اگر ان کا تو ہم شیروں سے لڑ جائیں
سنانِ نیزہ بن کر سینۂ اعدا میں گڑ جائیں

حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام تھے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو جب آزاد فرمایا تو وہ رونے لگے اور ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ لوگوں نے اس گریۂ بے اختیار کی وجہ پوچھی آپ نے فرمایا کہ "آج ایک اجر جاتا رہا"

وہ آزاد ہو جانے کے باوجود بھی خود کو زندگی بھر حضور کا غلام ہی تصور کرتے رہے۔ اس قانونی آزادی کے بعد بھی خدمت گذاری کا شرف اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ چنانچہ سفر میں ہمیشہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ اور خیمہ ہی نصب کیا کرتے۔ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت غلامی ان کی نظر میں اس قدر محبوب و پسندیدہ تھی کہ ہمیشہ خود کو رسول دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کا غلام کہتے ہوئے وفور فخر و مسرت سے جھوم جھوم جاتے (مسلم ج ۲ ص ۲۵۸)

صحابۂ کرام کا سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کیا عقیدہ و ایمان تھا۔ اور جس چیز کو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت کا شرف مل جاتا ان کی نگاہ میں اس چیز کی قدر و قیمت کتنی بلند ہو جاتی اسے حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ کی روایت میں ملاحظہ فرمایئے۔

"وَاِذَا تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلٰى وَضُوْئِهٖ"

"یعنی جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وضو فرماتے تو آپ کے وضو کے پانی کے حصول کے لئے لوگ لڑنے پر مستعد و آمادہ ہو جاتے"

حضرت ابن سیرین راوی ہیں کہ انھوں نے حضرت عبیدہ سے کہا کہ ہمارے پاس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ موئے مبارک ہیں جو ہمیں حضرت انس یا ان کے گھر والوں کی وساطت سے ملے ہیں۔ حضرت عبیدہ نے فرمایا کہ "اگر ان میں سے ایک بال شریف بھی میرے پاس ہو تو وہ مجھے تمام دنیا سے زیادہ محبوب و عزیز ہے۔"

"عن ابن سیرین قال قلت لعبیدۃ عندنا من شعر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اصبناہ من قبل انس او من قبل اھل انس فقال لان تکون عندی شعرۃ منہ احب الی من الدنیا وما فیھا۔" (بخاری شریف ج۱)

صحابۂ کرام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آثار شریفہ و تبرکات عالیہ مثلاً موئے مبارک نیز آپ کے زیب تن فرمائے ہوئے لباسوں کو مُعَظّم و متبرک سمجھتے اور اس سے فیوض و برکات حاصل کرتے ـــــ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جبۂ مبارک تھا جس کے غسالہ کو وہ بیماروں کو پلاتی تھیں جس سے شفاء و صحت حاصل ہوتی تھی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنی ٹوپی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک کو بطور تبرک رکھتے تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ "ہر معرکۂ جنگ میں فتح و نصرت مجھے انھیں مقدس بالوں کی برکت سے حاصل ہوتی۔" حضرت ام سُلیم کے پاس حضور کے موئے مبارک تھے جنھیں وہ عطر میں ڈالے رکھتی تھیں (فیوض الباری للسید محمود رضوی)

اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جلجل میں حضور کے موئے مبارک رکھ چھوڑے تھے جب کوئی بیمار ہوتا تو اس کا غسالہ (دھلا ہوا پانی) مریض کو دیا جاتا جس سے شفا حاصل ہوتی (بخاری)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ جملہ آثار مبارکہ جن کو آپ سے نسبت حاصل ہے ان کا ادب و احترام کرنا واجب ہے اور ان کو حفاظت سے رکھنا، ان کے وسیلہ سے شفا چاہنا جائز اور سنت صحابہ ہے۔

حضرت علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے "شفا شریف" میں تحریر فرمایا ہے کہ "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسجد نبوی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر شریف کے اس مقام پر جہاں محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلوہ فرما ہوتے تھے اپنا ہاتھ لگاتے پھر اسکو بوسہ دیتے۔"

علامہ خفاجی علیہ الرحمہ نے "نسیم الریاض" میں اس کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ۔

"ھذا یدل علی جواز التبرک بالانبیاء والصّٰلحین و اٰثارھم وما یتعلق بھم۔"

یعنی یہ بات انبیاء کرام و صالحین عظام کے آثار شریف اور ان چیزوں سے جن کو ان کے ساتھ نسبت ہے برکت حاصل کرنے کے جواز پر دلیل ہے (فیوض الباری للسید محمود رضوی)

عہد رسالت میں صحابہ اس پاکیزہ عقیدہ کے ساتھ بھی حاضر بارگاہ ہوتے کہ اگر محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی بیمار کے لئے دعا فرمادیں گے تو وہ یقینی طور پر شفایاب ہو جائے گا چنانچہ حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ (میں بیمار تھا) میری خالہ مجھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں اور عرض کیا کہ "یارسول اللہ میرا بھانجا بیمار ہے۔" آپ نے سر پر دست رحمت پھیرا اور برکت کی دعا فرمائی۔ پھر آپ نے وضو فرمایا تو میں نے وضو کا بچا ہوا پانی پی لیا (مجھے اسی وقت شفا ہو گئی۔"

"عن الجعد قال سمعت السائب بن یزید یقول ذھبت بی خالتی الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقالت یارسول اللہ ان ابن اختی وقع فمسح راسی ودعالی بالبرکۃ ثم توضأ فشربت من وضوئہ۔" (بخاری ج۱)

اسی طرح ابو موسیٰ اشعری نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانی کا ایک پیالہ طلب فرمایا اور اپنا چہرہ اور ہاتھ دھویا پھر اسی میں کلی فرمائی پھر حضرت بلال اور ابو موسیٰ سے فرمایا کہ اس میں سے تم دونوں پی لو اور چہرہ اور سینہ پر مل لو۔"

"قال ابو موسیٰ دعا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقدح فیہ ماء فغسل یدیہ ووجھہ فیہ ومج فیہ ثم قال لھما اشربا منہ وافرغا علی وجوھکما ونحورکما۔" (بخاری ج۱)

صحابۂ کرام حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جہاں دینی تعلیمات حاصل کرتے تھے وہیں اپنے دنیوی مسائل و معاملات بھی آپ کی خدمت میں پیش کیا کرتے اور تمام حاجتیں اور تمنائیں

اس عقیدہ کے ساتھ بیان کرتے کہ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاجتیں ضرور پوری فرمادیں گے۔ اگر رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت حاجت روائی اور مقصد برآری کا عقیدہ نہ ہوتا تو صحابہ رسول گرامی کی بارگاہ میں اپنی مشکلات پیش نہ کرتے یا اگر یہ عقیدہ غیر شرعی ہوتا تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے مسائل کو پیش کرنے سے منع فرما دیتے۔ اس روایت سے معلوم ہو گیا کہ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاجت روا مشکل کشا، بے کسوں کے چارہ ساز، اور غمزدوں کے ہمدرد و دل نواز ہیں۔ بیشک یہ عقیدہ اسلامی عقیدہ ہے جو صحابہ کے طرز عمل سے ظاہر و آشکارا ہے ۔

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد اسی در پر شتران ناشاد
گلہ رنج و عنا کرتے ہیں

(اعلیحضرت بریلوی قدس سرہ)

چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری کا بیان ہے کہ مدینہ میں ایک یہودی رہتا تھا جس سے میں قرض لیا کرتا تھا ایک سال کھجوریں نہیں پھلیں اور قرض ادا نہ کر سکا اس پر پورا ایک سال گذر گیا کھجوروں کا پھر جب موسم آیا تو یہودی نے تقاضا شروع کر دیا۔ (اتفاق سے) اب کے برس بھی پھل اتنے کم مقدار میں آئے کہ جس سے قرض ادا نہ ہو سکتا تھا۔ میں نے یہودی سے آئندہ فصل تک کے لئے مہلت مانگی تو اس نے مزید موقع و مہلت دینے سے انکار کر دیا (جس کے سبب سے میں سخت پریشان ہو گیا) میں نے اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنی اس پریشانی کا واقعہ عرض کیا تو آپ صحابہ کو ساتھ لے کر اس یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو سمجھایا کہ مہلت دیدو! مگر اس نے کہا۔ "اے ابو القاسم میں جابر کو ہرگز مہلت نہ دوں گا" پھر آپ میرے کھجوروں کے باغ میں تشریف لائے اور باغ کا ایک چکر لگایا۔ پھر (دوبارہ) یہودی سے اس معاملہ میں گفتگو فرمائی مگر وہ کسی طرح بھی مہلت دینے پر رضامند نہ ہوا۔ پھر آپ نے مجھے حکم دیا کہ "چبوترہ پر فرش بچھا دو"۔ آپ اس پر آرام فرما ہو گئے اور سو گئے۔ جب بیدار ہوئے تو پھر یہودی سے مہلت کے لئے بات چیت فرمائی لیکن وہ بد نصیب برابر انکار ہی کرتا رہا ——— اب آپ درختوں کے جھرمٹ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ "اے جابر چلو کھجوریں توڑ دو"۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کھجوریں توڑ کر ایک جگہ ڈھیر لگائی پھر اس سے یہودی کا تمام قرض ادا کر دیا اس کے باوجود میرے پاس کھجوروں کا ایک کثیر حصہ بچ رہا۔

(بخاری شریف باب الرطب والتمر)

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس کچھ کھجوریں (جنکی تعداد اکیس تھی) لایا اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ اس میں برکت کی دعا فرما دیجئے"۔ آپ نے ان کھجوروں کو اپنے قریب رکھا اور میرے لئے اس میں برکت دعا فرما دی۔ اور مجھے حکم دیا کہ لو ان کو توشہ دان میں رکھ لو اور جب جب تم اس میں سے نکالنا چاہو تو ہاتھ ڈال کر نکال لینا اور دیکھو اے ابو ہریرہ انھیں بکھیرنا نہیں"!

اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے اس میں سے اتنے اتنے وسق (پیمانہ) کھجور خدا کی راہ میں خیرات بھی کئے اس میں سے ہم کھاتے بھی رہے اور لوگوں کو کھلاتے بھی رہے۔ میں اس توشہ دان کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا اسے اپنی کمر سے جدا نہ کرتا" پھر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے دن وہ توشہ دان گم ہو گیا تو حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ سب لوگوں کو آج کے دن ایک غم ہے۔ لیکن مجھے دو غم ہے ——— ایک شہادت حضرت عثمان غنی کا غم، دوسرا توشہ دان گم ہو جانے کا" (اشعۃ اللمعات)

تمام صحابہ سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ بھی رکھتے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے آخری اور برگزیدہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیگر بہت سے فضل و کمال عطا فرمانے کے ساتھ ہی ان کو علم غیب کی دولت سے بھی مالا مال فرمایا ہے۔ صحابہ کو آپ کی اس قوت "اخبار عن الغیب" پر اس درجہ پختہ اور راسخ یقین و عقیدہ تھا کہ جب تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا میں حیات ظاہری کے ساتھ جلوہ گر رہے صحابہ کو اپنے ہر ایک قول و عمل کے سلسلہ میں خوف و اندیشہ لگا رہتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خداوند قدوس آپ پر ہمارے اقوال و اعمال کے بارے میں وحی نازل فرما دے۔ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے زمانے میں ہم

اپنی بیویوں سے کھل کر ملنے سے ڈرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ ہماری نسبت قرآن مجید میں کچھ نازل ہو جائے تو رسوائی ہو۔" (سیرۃ النبی)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پروردگار عالم نے علم غیب کی اتنی عظیم و وسیع دولت کا مالک بنا دیا تھا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ آپ پر روشن اور منکشف تھا ——— حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ محترمہ نے ایک دن اپنے بیٹے پر غصہ کرتے ہوئے فرمایا کہ۔ "اتنے دن گذر گئے تم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں کیوں نہیں گئے؟" انھوں نے ادب سے معذرت کی اور کہا۔ "آج جا کر حضور سے اپنی اور آپ کی مغفرت کے لئے دعا کراؤں گا۔" چنانچہ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مغرب میں حاضر ہوئے اور عشاء کی نماز کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واپس ہوئے تو حذیفہ بھی پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کون حذیفہ؟ "اللہ تعالیٰ تمھاری اور تمھاری والدہ کی مغفرت فرمائے۔" گویا عرض و سوال سے پہلے ہی حضرت حذیفہ کی آواز درخواست سرکار کے گوش اقدس تک پہونچ چکی تھی۔

اسی طرح نجاشی شاہ حبش جس کے سایۂ حکومت میں ہجرت کر کے مسلمانوں نے پناہ لی تھی اور اس نے آپ کے پیغمبرانہ محاسن و کمال اور جامع اوصاف سیرت پر مطلع ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا تھا۔ وہی شاہ حبش نجاشی نے جس دن ملک حبش (افریقہ) میں وفات پائی تو اسی دن اسی لمحہ سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سرزمین حجاز پہ بیٹھ کر صحابہ کو اس کے انتقال کی خبر دی اس کے بعد آپ نے اس کی نماز غائبانہ ادا فرمائی۔

(بخاری کتاب الجنائز)

اسی طرح ایک مرتبہ جب کہ سیکڑوں صحابہ کا مجمع تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبۂ وعظ فرما رہے تھے کہ کچھ لوگوں نے ناپسندیدہ سوالات کئے تو سرکار نے پورے جلال نبوت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ۔

سلونی عما شئتم! سلونی عما شئتم! یعنی پوچھو مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو؟۔ ایک صاحب نے عرض کیا میرے والد کا نام کیا ہے؟ فرمایا حذیفہ! ایک دوسرے شخص نے کہا میرے والد کا نام کیا ہے؟۔ فرمایا سالم (غلام شیبہ) اور بار بار فرماتے جاتے پوچھو مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟۔ یہ نازک صورت حال دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ رضینا باللہ ربا و بمحمد رسولا و بالاسلام دینا!۔

(بخاری کتاب العلم باب الوعظ والتعلیم)

یعنی اے اللہ کے رسول ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت اور اسلام کے دین برحق ہونے پر (بطیب خاطر) ایمان و عقیدہ رکھتے ہیں۔ ہمارا اس بات پر عقیدہ و ایمان ہے کہ آپ کی نگاہ نبوت کی گرفت سے کائنات کا کوئی ذرہ باہر نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کا عقیدہ رکھتے تھے ——

ایک مرتبہ حضرت سعد انصاری نے دوران گفتگو میں فرمایا کہ "اے ابو صفوان بس تم طرفداری کی باتیں رہنے دو میں نے مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تم عنقریب مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے۔" ابو صفوان نے پوچھا کیا وہ لوگ یہاں (مکہ) آکر مجھے ماریں گے؟" حضرت سعد نے فرمایا کہ یہ تفصیل تو مجھے نہیں معلوم!۔" یہ سنکر ابو صفوان کے جسم پر رعشہ طاری ہو گیا گو ابو صفوان کافر تھا لیکن اسے بھی پورا یقین تھا کہ زبان رسالت سے نکلی ہوئی بات آج تک غلط نہیں ہوئی ہے (اس لئے یہ واقعہ ہو کر رہے گا) اس کے بعد جنگ کا موقع آیا تو ابو صفوان کو امیہ بن خلف کی بیوی نے جنگ میں جانے سے روکا اور سعد کے حوالہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد غیبی کو یاد دلایا۔ ابو صفوان نے خائف ہو کر جنگ میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ لیکن ابو جہل اس کو سمجھا بجھا کر میدان بدر میں لے گیا اور حضور عالم ماکان و مایکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ سے ذلت کی موت مارا گیا۔ (بخاری شریف کتاب المغازی)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک کن کی کنجی ہے جو زبان وحی ترجمان سے نکل گیا وہ پتھر کے نقوش سے زیادہ مستحکم ہو گیا۔ بارگاہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ادنیٰ سی

گستاخی وبے ادبی دین و دنیا کی تباہی وبربادی کا سبب ہے اسی لئے حضرات صحابہ آپ کی بارگاہ عظمت میں مؤدب، خوش گوش اور گوش بر آواز ہو کر بیٹھتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ داہنے ہاتھ سے کھانا کھاؤ۔" اس نے ازراہ تکبر کہا کہ "میں اس سے نہیں کھا سکتا۔" آپ نے فرمایا خدا کرے ایسا ہی ہو۔" اس کے بعد اس کا داہنا ہاتھ ایسا شل ہو گیا کہ وہ اپنے داہنے ہاتھ کو اٹھا کر منھ تک بھی نہ لے جا سکتا تھا۔

(مسلم شریف باب آداب الطعام والشراب)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ ایک شخص جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے وحی کی کتابت کیا کرتا تھا جب وہ اپنی بدنصیبی وشقاوت سے مرتد ہو گیا اور معاذ اللہ اسلام سے منھ موڑ کر مشرکین وکفار کے گروہ میں مل گیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّ الْاَرْضَ لَاتقبله "یعنی (مرنے کے بعد) زمین اسکو قبول نہ کرے گی۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ نے ہمیں بتایا کہ وہ خود اس جگہ گئے جہاں اس مرتد کو موت آئی تھی دیکھا کہ ایک نعش قبر سے باہر پڑی ہے۔ دریافت کرنے پر لوگوں نے بتایا کہ انھوں نے متعدد مرتبہ اسے زمین میں دفن کیا مگر ہر مرتبہ زمین نے اسے باہر پھینک دیا۔ (مشکوٰۃ شریف، اشعۃ اللمعات)

تمام صحابہ کا طرز عمل اس حقیقت پر روشن دلیل ہے کہ ان کی خود کوئی پسند نہ تھی بلکہ ان کی پسند وناپسند حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پسند وناپسند پر موقوف تھی۔ ان کی تمام مسرت و خوشی رسول گرامی وقار، حبیب پروردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا اور خوشنودی سے وابستہ تھی۔ اپنے وطن سے کس کو محبت اور دل لگاؤ نہیں ہوتا حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مولد وموطن مکہ معظمہ تھا مگر جب رسول کی محبت میں مکہ چھوڑ دیا اور مدینہ منورہ آکر آباد ہو گئے تو مدینہ طیبہ سے اتنی زیادہ محبت ہو گئی کہ اب ان کو مکہ میں وفات پانا بھی پسند نہ تھا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر جب اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب حضور سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ مکہ آئے تو بیمار ہو گئے اور جب بیماری نے زیادہ طول کھینچا تو رونے لگے۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی مزاج پرسی کے لئے تشریف لائے تو پوچھا کہ اے سعد روتے کیوں ہو؟" عرض کیا کہ "جس سرزمین کو اللہ عزوجل کی محبت میں چھوڑا تھا معلوم ہوتا ہے کہ اُسی سرزمین کی خاک میں سونا نصیب ہوگا۔" حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دیتے ہوئے ان کے سینے پر اپنا دست مبارک رکھا اور تین باریوں دعا فرمائی۔

۔اللھم اشف سعداً، اللھم اشف سعداً، اللھم اشف سعداً"

یعنی اے اللہ سعد کو صحت وشفا بخش دے۔

ادھر لبہائے مبارک سے یہ دعائیہ کلمات نکل رہے تھے ادھر بستر مرگ پر مریض کے مرجھائے ہوئے چہرے پر بہار زندگی کی تازگی وشگفتگی قربان ہو رہی تھی۔ ان کی حیات ایک بار پھر جان مسیحا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جنبش لب کا اشارہ پا کر مسکرا اٹھی تھی ؎ جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا
اس نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام

مونس بے کساں چارہ ساز درد منداں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو مژدۂ جاں بخش سناتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ سعد ابھی تمھاری موت نہیں آئے گی جب تک کہ تم سے ایک قوم کو نقصان اور ایک قوم کو عظیم فائدہ حاصل نہ ہو جائیگا۔" (مسلم شریف)

اس کے بعد دنیا نے دیکھ لیا کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقریباً پندرہ برس تک زندہ رہے اور عہد فاروقی میں لشکر عراق کے امیر مقرر ہوئے پھر انھیں کی سرکردگی میں ایران کے آخری بادشاہ کسریٰ کی ہزیمت وشکست اور مسلمانوں کی کامرانی وفتح مبین کی شکل میں حضور دانائے غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ خوشخبری رونما ہوئی ——— صحابہ دربار رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام میں انتہائی ادب واحترام کے ساتھ حاضر ہوتے اور جب تک موجود رہتے نہایت خموش وہمہ تن گوش رہتے اور ذہن وفکر کی مکمل توجہ اور پوری حضوری کے ساتھ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے ارشادات عالیہ سنتے رہتے اور انھیں دل کی گہرائیوں میں محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہے

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و با یزید ایں جا

مشہور صحابی حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی عالم تھا کہ رسول گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ کو سنکر اسے یاد رکھنے کی کامل جدوجہد کرتے مگر جب کبھی اتفاق سے کوئی بات بھول جاتے تو نہایت افسردہ خاطر اور بہت غمگین ہو جاتے۔ چہرہ کا رنگ اڑ جاتا۔ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں رنجیدہ اور غمگین دیکھا تو پوچھا کہ "اے طلحہ تمھارا کیا حال ہے؟۔ اداس کیوں ہو؟۔ کسی سے جھگڑا تو نہیں ہوا ہے؟" عرض کیا کہ میں نے رسول دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ اگر کوئی بندہ موت کے وقت ایک کلمہ زبان پر جاری کرلے تو نزع کی تکلیف دور ہو جائے گی اور چہرہ پر رونق و تازگی آجائے گی مجھ کو وہ کلمہ پہلے یاد تھا مگر اس وقت یاد نہیں رہ گیا ہے اس وجہ سے میرا چہرہ تمھیں اداس دکھائی دے رہا ہے۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا کلمہ لا الہ الا اللہ سے بھی زیادہ اثر انگیز اور باعظمت کوئی کلمہ تم جانتے ہو جس کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا" اتنا سنتے ہی حضرت طلحہ اچھل پڑے اور کہا کہ بخدا یہی وہ کلمہ ہے جسے میں بھول گیا تھا۔ اس سے احادیث مبارکہ کے ساتھ صحابہ کے قلبی لگاؤ اور دلچسپی کا یقین ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ صحابہ احادیث کو یاد رکھنے اور ان کو محفوظ رکھنے کا کس قدر التزام رکھتے تھے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دلوں میں رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو تعظیم و توقیر اور محبت و وارفتگی تھی وہ ارشاد رسول کے مطابق تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین "

یعنی تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن کامل نہ ہوگا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں "

صحابۂ کرام حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے مجسم نمونہ اور سراپا تصویر بن گئے تھے یہی سبب ہے کہ ان کی محبت رسول تمام دنیا و مافیہا کی محبتوں پر غالب تھی وہ اس حقیقت کو پوری طرح جانتے اور اس پر دل سے یقین رکھتے تھے

محمد ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا
پدر، مادر، برادر، جان و مال اولاد سے پیارا

حضرت عثمان بن طلحہ خانۂ کعبہ کے کلید بردار تھے اور غزوۂ فتح میں آپ بھی شریک تھے۔ خانۂ کعبہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلو میں داخل ہوئے آپ نے جس وقت خانۂ کعبہ کی کنجی طلب فرمائی تو حضرت عثمان گھر گئے اور ماں سے کنجی مانگی۔ ماں نے کنجی دینے سے انکار کیا تو بولے کہ اے ماں کنجی میرے حوالہ کر دو ورنہ خدا کی قسم یہ تلوار تمھاری پیٹھ میں اتار دونگا" پھر اپنی ماں سے کنجی لے کر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی اور خانۂ کعبہ کے اندر حضور کے ساتھ داخل ہوئے دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا۔ کعبہ کی تطہیر کے بعد جب حضور باہر تشریف لائے تو وہ کنجی انھیں واپس فرمادی۔ اور ارشاد فرمایا کہ "آج کے بعد جو تم سے زبردستی کنجی چھینے گا وہ ظالم ہے۔ (مسلم شریف ج ۱)

معلوم ہوا کہ رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی تکمیل کی راہ میں ماں باپ رکاوٹ کی دیوار کھڑی کردیں تو اس دیوار کو ڈھا دینا ضروری ہے۔ محبت و اطاعت کی یہی وہ منزل ہے جہاں ایک عاشق رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے محبوب کے خلاف ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں کرتا۔ اس کے دل میں رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ماں باپ کی محبت پر غالب رہتی ہے ——— اسی طرح حضرت سعد بن وقاص کی ماں نے جب یہ خبر سنی کہ وہ ایمان لے آئے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلقہ بگوش غلام ہو گئے ہیں تو انکی ماں کو اتنا شدید رنج و غم ہوا کہ اس نے کھانا پینا اور لوگوں سے بول چال سب کچھ ترک کر دیا۔ حضرت سعد چونکہ اپنی ماں کے حد درجہ فرماں بردار تھے اس لئے ان کے حق میں سخت کشمکش اور

آزمائش کا موقع تھا لیکن جو دل رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت وشیفتگی سے آشنا ہو چکا ہو وہ پھر کفر وشرک کے باطل مذہب کی جانب کیونکر واپس آسکتا ہے ع

بلندی معرفت کی مل گئی ہے گر نہیں سکتے

ان کی والدہ مسلسل تین روز تک بھوکی پیاسی رہیں کہ سعد اس سے متاثر ہو کر دین محمدی سے پھر جائیں مگر ان کو کیا خبر تھی کہ ع یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی آتار دے۔

حضرت سعد کی جبین استقامت پر کوئی شکن تک نہ ابھری اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادائے استقامت اور جادۂ حق پر ثبات قدمی بہت ہی مقبول ومحبوب ہوئی کہ تمام مسلمانوں کے لئے معصیت الٰہی میں والدین کی عدم اطاعت کا ایک عام قانون آیت قرآنی ودحی الٰہی کی شکل میں نازل ہو گیا۔ (مسلم شریف ج ۲)

وان جاهدك لتشرك بي ما ليس لك به علم فلا تطعهما الآية (پ ۲۱ ع ۱۱)

(ترجمہ:۔ اور اگر دونوں تجھ سے کوشش کریں کہ میرا شریک ٹھہرائے ایسی چیز کو جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان)

۳ھ میں جب غزوہ اُحد پیش آیا تو اس جنگ میں تیر اندازوں کی غفلت کی وجہ سے مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی۔ کافروں کے اچانک حملہ سے اکثر وبیشتر مجاہدین اور بہادروں کے قدم اکھڑ گئے۔ میدان جنگ میں صرف دس بارہ صحابہ رہ گئے تھے جو بدستور ثابت قدم تھے۔ لیکن وہ بھی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ فاصلہ پر تھے ایسے نازک موقع پر جب کفار نے شمع رسالت کو نرغہ میں لے لیا تھا۔ حضرت سعد تیر اندازی میں بے پایاں کمال ومہارت رکھتے تھے۔ رسول دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کو اپنے ترکش سے تیر دیتے جاتے اور فرماتے جاتے کہ یا سعد ارم فداك ابي وامي یعنی اے سعد تیر چلاؤ میرے ماں باپ تم پر قربان! (بخاری شریف کتاب المغازی)

اثنائے جنگ میں ایک مشرک سامنے آیا جس نے اپنے نہایت زبردست حملوں سے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو نشانہ بنانے کا حکم دیا۔ لیکن اس وقت ترکش میں کوئی تیر نہ تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم کی تعمیل میں ایک تیر اٹھا کر جس میں پھل نہ تھا تاک کر اتنی صفائی کے ساتھ اس کی پیشانی پر مارا کہ وہ بدحواسی میں برہنہ ہو کر گر گیا ـــــــ اس جنگ میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شمع رسالت کے لئے پروانہ وار جانثاری وفداکاری کا جوہر دکھا رہے تھے۔ ہر طرف سے کفار کی لرزہ خیز یورش تھی۔ تیروں کی بارش ہو رہی تھی ایسی نازک گھڑی میں ماہتاب نبوت کا یہ فدائی وجانباز ہالہ بن کر رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کبھی داہنے اور کبھی بائیں کبھی آگے اور کبھی پیچھے ہر طرف سے دشمنوں کا دفاع کر رہا تھا۔ حضرت سعد کبھی تیروں کی بوچھار کو ہتھیلی پر روک لیتے تھے اور کبھی تلوار اور بھالے کے سامنے اپنے سینے کو سپر بنا لیتے پھر اسی حال میں کفار کا نرغہ اور زیادہ ہو جاتا تو شیروں کی طرح تڑپ کر دشمن پر حملہ کر کے ان کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتے اسی عالم میں ایک کافر نے ذات اقدس پر تلوار کا وار کیا اس خطرناک منظر کو دیکھتے ہی جانثار غلام حضرت طلحہ نے فوراً اس وار کو اپنے ہاتھ پر روک لیا جس سے آپ کی انگلیاں شہید ہو گئیں۔ تو ان کی زبان سے بیساختہ یہ جملہ نکل پڑا۔ "حَسَنٌ" اچھا ہوا۔ الغرض بارگاہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جتنے بھی صحابہ تھے ان کی وارفتگی اور شیفتگی کا ہر عالم عجیب وغریب ہوتا تھا ؎

دوعالم سے بے گانہ کرتی ہے دل کو\
عجب چیز ہے لذت آشنائی!

مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دربار رسالت سے گہری وابستگی کی یہ کیفیت تھی کہ ایک لمحہ کے لئے بھی ان کو بارگاہ رسالت سے جدائی گوارا نہ تھی۔ آپ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں نہایت ادب واحترام اور ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھتے اور حضور سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روئے تاباں اور جمال جہاں آرا کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھتے رہتے ـــــــ ایک بار وفور محبت وفرط عقیدت میں سرشار ہو کر رسول گرامی وقار سے عرض کرنے لگے۔ کہ یا رسول اللہ! آپ کا دیدار میری روح کے لئے سرمایۂ حیات اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔"

اسی طرح نامور صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تو یہ عالم تھا کہ جس چیز کو سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت کا شرف اور اعزاز مل جاتا اس کا بھی غایت درجہ ادب و احترام کرنا لازم سمجھتے تھے ـــــــ ایک بار رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے کچھ دیر کے لئے تشریف فرما ہوئے تھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس درخت کو ہمیشہ پانی سے سیراب کیا کرتے تھے کہ کہیں وہ خشک نہ ہو جائے آپ کا ذات رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق خاطر کا یہ حال تھا کہ حضور کی رحلت مبارکہ کے بعد جب بھی آپ کا ذکر جمیل آجاتا تو گریۂ بے اختیار سے نڈھال ہو جاتے اور وہ جب کبھی سفر سے مدینہ طیبہ حاضر ہوتے تو سب سے پہلے آستانہ رسول گنبد خضرا پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ محبت و ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ۔ (سیر النبی ، طبقات ابن سعد)

پس جس نے بحالت ایمان رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کا ایک بار دیدار کر لیا اور آپ کی صحبت و رفاقت سے شرف یاب ہو گیا پھر ایمان پر اس کا خاتمہ بھی ہوا تو اب وہ فضیلت کی اس بلندی پر پہونچ گیا کہ جس کی اقتدا ہدایت یابی اور سعادت اخروی کی بے داغ سند ضمانت و پروانۂ نجات ہے "اصحابی کالنجوم بایّھم اقتدیتم اھتدیتم"۔

جس وقت رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس ظاہری دنیا سے پردہ فرمایا اس وقت بروایت مختلفہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابۂ کرام کی عظیم الشان مقدس جماعت موجود تھی ـــــــ ان تمام صحابہ کے حالات اور عمل و کردار سے اس بات پر یقین مستحکم ہو جاتا ہے کہ صحابہ اس حقیقت پر پختہ عقیدہ و ایمان رکھتے رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دانائے غیوب ہیں ۔ عالم ماکان و مایکون ہیں ، شارع اسلام ہیں ، صاحب اختیار و اقتدار ہیں ، مطاع عالم ہیں ، ہادی کل ہیں ، شافع روز محشر ہیں ، مشکل کشا ہیں حاجت روا ہیں اور رحمۃ للعالمین ہیں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

یہ صحابہ کی وہ مقدس جماعت ہے جس نے نزول قرآن اور جبریل امین کے اترنے کا مبارک زمانہ پایا ہے جس نے بارگاہِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اپنی غلامی پیش کر کے ممالک عرب و عجم مسخر و زیر نگین کر لیا ۔ جس نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگشت مبارک سے پانی کے چشمے ابلتے دیکھے ہیں ۔ اسی مقدس جماعت میں سے بعض وہ خوش نصیب بھی ہیں جو زبان رسالت سے اپنے لئے جنت کی بشارت سنکر آخرت کے لئے سند آزادی سے سرفراز کئے گئے ۔ ان میں وہ مقدر والے بھی ہیں جنھوں نے چاند کے دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے ۔ اسی نورانی جھرمٹ میں وہ بھی ہیں جن کے کانوں نے درختوں اور پتھروں سے "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" کے ملکوتی نغمہ کی دل نواز و جاں بخش صدا بھی سنی ہے

اسی مبارک ہجوم صحابہ میں وہ بزرگ بھی ہیں جنھوں نے اپنے دل کے رازوں پر رسول گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلع یا باخبر پاکر کلمہ پڑھا ہے ـــــــ الغرض وہ تمام مافوق البشر قوتیں ، وہ حیرت انگیز اعجاز کی جلوہ آفرینیاں اور وہ تمام حسن و خوبی و فضل و کمال جو جملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے الگ الگ پائے تھے وہ تمام کی تمام (خوبیاں) پوری آب و تاب کے ساتھ رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک ذات گرامی میں نظر آرہی ہیں ۔ یہاں خلت ابراہیمی کا جلوہ بھی ہے ، حسنِ یوسف کی رعنائیاں بھی ، ضرب کلیم کی دھمک بھی ہے اور ید بیضا کی چمک بھی ؎

حسن یوسف ، دم عیسیٰ ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس بے مثال و لاجواب حسن و خوبی کی ہمہ گیری اور آفاقیت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ جان رحمت ، پیکر رافت ، سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گرد صرف ایک قبیلہ یا محض ایک قوم ہی کے لوگ جمع نہ ہوں بلکہ بعثت "الیٰ کافۃ الخلق" کے مطابق ہر خاندان اور ہر ملک بلکہ تمام اقوام عالم کے کثیر افراد فوج در فوج رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل ہو جائیں ۔ چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد یہ حال ہوا کہ عرب و عجم کا گوشہ گوشہ توحید و رسالت کے پیغام سے گونج اٹھا اور کائنات ہستی کے ذرہ ذرہ سے صدا آنے لگی ؎

حسینوں میں حسین ایسے کہ محبوب خدا ٹھہرے
رسولوں میں رسول ایسے کہ ختم الانبیاء ٹھہرے

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانۂ نور

غیاث الدین خاں کانپوری

یہ کسی فقیہ کا اجتہاد نہیں جس پر رد و قدح کی گنجائش ہو کسی بزرگ کا کشف نہیں جس میں غلطی اور دھوکے کا احتمال ہو کوئی روایتِ حدیث نہیں جس کے اسناد میں گفتگو ہو سکے خدائے پاک کے کلام کی ایک آیت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے جس وقت اپنے اوپر ظلم کئے تھے۔ اے پیغمبر! اگر تمہارے پاس آ گئے ہوتے اور اللہ سے اپنے قصور کی معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے حق میں معافی چاہتے تو پاتے اللہ کو معاف کرنے والا۔ مہربان گویا گناہ گاروں اور تباہ کاروں کو یہ حکم ملا ہے۔ کہ اپنے پروردگار سے معافی طلب کریں لیکن تنہا اپنے گھروں پر بیٹھے ہوئے نہیں بلکہ رسول کی خدمت میں حاضر ہو کر اور ان سے بھی اپنے حق میں دعا کرا کر ظاہر ہے کہ حکم کا براہ راست تعلق کسی ایسے گروہ سے ہے جو حضور انور کے زمانہ میں موجود تھا خوش نصیب تھے وہ افراد جنہیں اس حکم پر عمل کی توفیق نصیب ہوئی جو رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے جنہوں نے اللہ سے گڑگڑا گڑگڑا کر معافی مانگی۔ اور رسول نے جن کے حق میں سفارش فرمائی۔ لیکن آج اس چودھویں کا کوئی فاسق فاجر بدعمل و نامہ سیاہ امتی اگر حکم جاؤک کی تعمیل کرنا چاہے تو کیا اس سعادت و ہدایت کا دروازہ خدا نخواستہ قیامت تک کے لئے بالکل بند ہو چکا ہے اور اس کی قسمت میں بجز مایوسی کے کچھ نہیں؟ اگر چہ اللہ کے رسول ہر مومن کے قلب میں موجود ہیں؟

موسم گل جب چمن سے رخصت ہو چکتا ہے اور کوئی بوئے گل کا متوالا آ نکلتا ہے تو عرقِ گلاب کے شیشوں اور قرابوں کو غنیمت سمجھتا ہے پھر آج اگر کوئی بوئے حبیب کا متوالا جاؤک کی تعمیل میں اپنے کو ہزاروں میل کے فاصلے سے دیارِ حبیب تک پہونچانا ہے۔ اور اپنے مظالم نفس کی تلافی و عذر خواہی کے لئے اپنے ایمان اور اپنی بیعت کی تجدید کے لئے اپنی تباہ کاریوں پر پشیمانی و اشک افشانی کے لئے حبیب تک نہ سہی آستانِ حبیب

تک گرنا پڑتا جا پہونچتا ہے تو کیا اس پر بدعت و شرک کا فتوے لگایا جائے گا؟ جہاں اللہ کے اس سب سے بڑے پرستار نے نمازوں پر نمازیں پڑھیں اور آخری نمازیں پڑھیں۔ جہاں عبد و معبود کے راز و نیاز حیات ناسوتی کی آخری سانس تک جاری رہے۔ جہاں ہیبت و خشیت سے لرزتے ہوئے گھٹنے خدا معلوم کتنی بار رکوع میں جھکے جہاں ذوق و شوق سے دمکتی ہوئی پیشانی بار بار سجدہ میں گری۔ جہاں اُمت کے گنہگاروں اور سیہ کاروں کے حق میں دردبھری دعاؤں کے لئے ہاتھ اُٹھے اور لپٹ ملے۔ جہاں ٹوٹی ہوئی آس والوں کی بے شمار مرتبہ تشفی کرائی گئی جہاں آج وہ جسد اطہر آرام فرما ہے جس کے طفیل میں عرش بھی وجود میں آیا اور کوثر و سلسبیل بھی اس عظمت و جلالت والی اس برکت اور نورانیت والی زمین پر مقدس مکین کے مقدس مکان پر بھی جبین نیاز کو خم کرنا اگر شرک ہے بدعت ہے تو خدا معلوم کسی مقام اور کسی مکان پر بھی حاضر ہونا کسی آئینِ توحید و سنت کے مُطابق ہو سکتا ہے۔

حافظ ابن کثیر دمشقی تیرہویں اور چودہویں صدی کے بتدع نہ تھے۔ ساتویں اور آٹھویں صدی کے محدّث تھے اپنی تفسیر میں عتبی کی زبانی نقل فرماتے ہیں کہ میں رسول کی تربت پاک کے قریب بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور عرض کی یارسول اللہ میں نے سُنا ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ولو انهم اذ ظلموا۔ پس میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں اپنے گناہوں پر مغفرت طلب کرتا ہوا اور اپنے پروردگار کے حضور میں آپ سے شفاعت کی درخواست کرتا ہوا اس کے بعد نعت میں دو شعر پڑھے۔ عتبی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اعرابی تو وہاں سے ہٹ گیا۔ اور مجھے نیند آگئی۔ خواب میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اس اعرابی سے جاکر مل اور اسے بشارت پہونچا دے کہ اللہ نے اس کی مغفرت کر دی۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۵۰۶ مطبوعہ المنار مصر ۱۳۴۳ھ)

اور اسی سے ملتی جلتی ایک دوسری روایت ابو حیّان اندلسی نے بھی اپنی تفسیر بحر المحیط میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے سے نقل کی ہے۔

(جلد ۳ صفحہ ۶۹۳ مطبوعہ مصر ۱۳۲۹ھ)

اس کے بعد اب اس بحث میں کیوں اُلجھئے کہ نیت روضہ اقدس کی زیارت کی رکھنی چاہئے۔ یا مسجد نبوی کی جدال پسند فطرت ہر سیدھی بات ٹیڑھی بنا دیتی ہے۔ صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ مقصود خود حضور انور کی زیارت ہونی چاہئے۔ ظاہر ہے کہ مادی آنکھوں سے اس کا امکان نہیں اس لئے مکان کے جس حصّے کو مکین سے جس قدر زیادہ تعلق، جس قدر زیادہ نسبت جس قدر زیادہ قرب ہوگا۔ اسی قدر اس کی زیارت اہم تر و محبوب تر ہوگی۔ حجرہ عائشہ صدّیقہ ہو یا مصلّے و منبر جس شئے کو بھی امتیاز و افتخار حاصل ہوا اسی بنا پر حاصل ہوا کہ حضور کی ذات سے اس کا تعلق تھا۔ اس میں نہ کسی کو نزاع ہے اور نہ کوئی وجہ نزاع ہے اس کے آگے جو کچھ اختلاف ہے وہ کسی اصول یا عقیدہ کا اختلاف نہیں اپنے اپنے ذوقِ طبعی کا اختلاف ہے بعض کی نظر زمین کے ان ٹکڑوں کی عظمت و تقدیس پر گئی۔ جو سید الانبیاء کے رکوع و سجود کے لئے مخصوص تھے۔ اور اس لئے انھوں نے نیتِ زیارت میں مسجد نبوی کے احترام کو سب پر مقدم و بالا رکھا۔ اور بعض نے یہ خیال کیا کہ وہ شہیدوں اور صدیقوں کا سردار جب اپنی حیاتِ طیبہ کے ساتھ اس وقت بھی زندہ قائم ہے تو قدرۃً سب سے زیادہ شرف و احترام مٹی کی اس لحد کو حاصل ہے۔ جس کے اندر جسدِ اطہر آرام فرما ہے اور اس لئے سفر کا اعلیٰ مقصود اس تربتِ پاک ہی کی زیارت ہے۔ تو بہتر ہے۔ اور فقہائے حنفیہ نے غایتِ انصاف اور اصابت رائے کے ساتھ یہ فیصلہ فرما دیا ہے کہ زیارت تربت مُبارک کے ساتھ ہی ساتھ زیارت مسجد نبوی کی نیت کو بھی جمع کر لیا جائے۔

وزيارة قبره الشريف مندوبة بل قيل واجبة لمن له سعة ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

قبر شریف کی زیارت مستحب بلکہ بقول بعض علماء واجب ہے جس کو استطاعت ہو۔

ولینو معہ زیارۃ مسجدہ الشریف۔ (در مختار)

فاذا نوی زیارۃ القبر فلینو معہ زیارۃ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (عالمگیری)

اور قبر شریف کی زیارت کے ساتھ چاہیئے کہ مسجد شریف کی زیارت کی بھی نیت کرے۔

مسجد نبوی اور روضہ مبارک الگ الگ عمارتوں کے نام ہیں ہاں ایک دوسرے سے جُدا نہیں۔ مسجد کی عمارت بہت وسیع شاندار اور عاشقان مصطفٰے کیلئے بہت ہی حسین وجمیل ہے۔ اس مسجد سے بڑی بعض مسجدیں ہندوستان کے اندر موجود ہیں اور دوسرے ملکوں میں بھی یقیناً ہوں گی لیکن حسن وجمال کے لحاظ سے خوبی ومحبوبی کے لحاظ سے زیبائی ودلکشی کے لحاظ سے پردۂ زمین پر اس مسجد کا جواب نہیں۔ بس دل یہ چاہتا تھا کہ ہر وقت صحن میں بیٹھے ہوئے عمارت مسجد کی طرف برابر ٹکٹکی لگی رہے اللہ اللہ یہ کس محبوب کی مسجد ہے! کیسے محبوبوں نے یہاں ماتھے ٹیکے ہیں۔ اینٹ اور پتھر مٹی اور چونہ تک پر محبوبیت نچھاور ہو رہی ہے۔ مسجد کی پیمائش کا دماغ کس کو اور طول وعرض کے جائزہ لینے کا ہوش کسے لیکن بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ موجودہ مسجد کا طول ۶۰۰ سو فٹ اور عرض ۸۰ ۴ فٹ ہے۔ قبلہ جنوب کے رُخ پر ہے۔ آگے پیچھے دس گیارہ دالان بنے ہوئے ہیں جو بہترین نقش ونگار سے آراستہ اور حسن زیبائش میں ایک سے ایک بڑھے ہوئے اس کے وسیع صحن۔ صحن کے داہنے اور بائیں دونوں جانب صحن ہی کے برابر لانبے لانبے دالان بائیں جانب والے دالان میں عورتوں کے لئے جگہ مخصوص کلام پاک کی آیات بعض احادیث کے ٹکڑے۔ اسمائے الٰہی اسمائے رسول، اسمائے صحابۂ کبار سب موقع موقع سے در ودیوار پر کندہ، بڑی محراب محراب عثمانی کے نام سے موسوم۔ حضرت خلیفہ ثالث کا تعمیر کرایا ہوا منبر ٹھیک اسی جگہ پر رکھا ہوا۔ جہاں عہد نبوّت میں تھا۔ اسی منبر اور روضۂ مبارک (حجرہ عائشہ صدیقہ) کا درمیانی حصّہ روضۂ جنّت کے نام سے حدیث صحیح کی بنا پر موسوم۔ اتنے رقبہ میں کوئی ڈھائی تین سو نمازیوں کی جگہ ہوگی۔ اسی حصّہ میں محراب النبی اور مصلّٰے نبی یعنی وہ مقام جہاں سرکار خود کھڑے ہوکر امامت فرمایا کرتے تھے۔ اصل مصلّٰے دیوار سے چھپا دیا گیا ہے صرف اتنا حصّہ کھلا ہوا ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک ہوتے تھے اس طرح اب جو قسمت کا دھنی وہاں کھڑے ہوکر نماز پڑھتا ہے۔ اس کا سر قدرۃً واضطراراً حضور کے آثار قدم پر جاکر پڑتا ہے۔ اللہ اکبر! کیا شان جمال کیا دست کرم ہے خدا جانے کتنوں کی نجات اسی بہانے سے ہوتی ہے

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت سیاسی مفکر

ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی

ہادیٔ برحق جس نے عقائد و افکار کی دنیا میں انقلاب برپا کیا، مصلح اعظم جس نے خستہ حال معاشرے کو صحت مند اور خوش حال معاشرے میں بدل دیا، جس نے نظام معیشت کو صالح بنیادوں پر استوار کیا، جس نے سیاست و قانون کو نفاق سے نکال کر اخلاق کی اعلیٰ و ارفع اساس عطا فرمائی۔ مفکر اعظم جس نے اذہان و قلوب کی دنیا بدل ڈالی۔ وہ ہمہ پہلو عظیم شخصیت جو سربراہ مملکت بھی ہے، سپہ سالار بھی، مقنن بھی ہے، قاضی و منصف بھی اور مدبر و منتظم بھی وہ حامل خلق عظیم جو دوسرے ادیان، دوسری اقوام اور دوسرے ممالک کے ساتھ معاملات و تعلقات کو بھی اخلاقی بنیادوں پر قائم کرنے کا ایک ایسا معیار پیش کرتا ہے کہ پوری تاریخ ادیان عالم بلکہ پوری تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ وہ شہنشاہ کونین کہ گدا سے سلطان تک اس کے در کے بھکاری ہیں۔ وہ عظیم تاریخی شخصیت کہ چار ہزار برس کی معلوم تاریخ میں (KNOWN HISTORY) کسی بھی شخص پر اس سے زیادہ کتابیں نہیں لکھی گئیں وہ عدیم النظیر پر عظمت شخصیت جس کی علمی فکری، ذہنی اور روحانی تربیت کسی دنیوی دانشگاہ یا کائنات ارضی میں بسنے والے کسی معلم کی مرہون منت نہیں۔ بلکہ اس وسیع و بیکراں کائنات کے خالق و مالک نے اس کی ہمہ پہلو تربیت کا خود اہتمام فرمایا: "حضور بحیثیت سیاسی مفکر"۔

ایسے موضوع پر کچھ عرض کرنے سے پہلے ایک عام غلط فہمی کا، جو مغربی افکار کی بکثرت اشاعت اور ان سے مرعوبیت کے نتیجے پر پیدا ہو گئی ہے، ازالہ ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ سیاسی مفکر سے عام طور پر ایک ایسی شخصیت تصور میں ابھرتی ہے جس میں سیاست کا جوہر تو پورے کمال پر نظر آتا ہے۔ لیکن اس کی زندگی کے دوسرے پہلو چنداں قابل ذکر نہیں ہوتے ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محض سیاسی مفکر کا نام ہرگز نہیں دے سکتے۔ کیونکہ اولاً ایک سیاستداں کی عقل و بصیرت بیسیوں معاملات میں ٹھوکر کھا سکتی ہے۔ لیکن انبیاء کرام کے معصوم عن الخطاء کو براہ راست ہدایت ربانی سے مستفیض و مستنیر کیا جاتا ہے (واللہ یعصمک من الناس) (انک باعیننا) (وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ) کی آیات قرآنی اس پر شاہد عدل ہیں۔ ثانیاً سیاست داں کے پیش نظر ذاتی یا محض قومی گروہی مفادات ہوتے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس طرح کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جس کے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیا جائے تو اپنے آقا و مولیٰ کے مشن کی تکمیل کے لئے اس کے پائے ثبات کو لغزش نہ آئے وہ رحمۃ للعالمین جو سارے جہانوں کے لئے رحمت ہو جو فرزندان توحید کے لئے عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم کی نوید مسرت لے کر آیا ہو جو بالمومنین رؤف رحیم

اَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾

ہو۔ وہ سوائے رضوان من اللہ اور امت مسلمہ کی فلاح و بہبود کے کچھ اور سوچ بھی نہیں سکتا۔ زیادہ سے زیادہ ہم ان امور کا ذکر کر سکتے ہیں جنھیں دور حاضر میں سیاسی بصیرت کا نام دیا جا سکتا ہے۔

ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ ایک اچھے سیاستداں کا معیار کیا ہے؟ تاریخ کے آئینے میں اس کا جواب یہ ہے کہ ایک اچھا سیاسی مفکر وہ ہو سکتا ہے جس کے تنظیمی اصول و ضوابط اس قدر عمدہ اور جس کی سیاست خارجہ اس قدر کامیاب ہو کہ وہ ایک عظیم اور ایسی ریاست کی تشکیل کرے جو طویل عرصہ تک مستحکم اور قائم رہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ آپ نے جب مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کی تشکیل کی اس وقت دو سپر پاورز، دو عظیم سلطنتیں[1] موجود تھیں۔ حضور کسی سپر پاور کے سامنے نہیں جھکے نہ کسی سپر پاور کے سامنے حصول تعاون کے لئے دست سوال دراز کیا (البتہ وہاں تبلیغی وفود بھجوائے) بلکہ اسلامی بلاک کو اس قدر مستحکم کیا کہ تھوڑے ہی عرصے بعد دونوں سپر پاورز اسلامی بلاک کے زیر نگین آ گئے۔ یہ حقیقت کس سے مخفی ہے کہ خود آپ کے دور میں سلطنت اسلامی کا رقبہ تقریباً دس لاکھ مربع میل ہو گیا اور چند برسوں کے بعد ہی آپ کے خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق کے عہد میں سلطنت اسلامی کا رقبہ ۲۲ لاکھ مربع میل تک وسیع ہو گیا اور آج دنیا پر ایک ارب فرزندان توحید آپ کے حضور

ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے ورفعنالک ذکرک کے ارشاد خداوندی کی عملی تفسیر ہیں پوری تاریخ عالم اس امر پر شاہد ہے کہ رسول عربی نے وہ سیاسی اصول و ضوابط عالم انسانیت کو مرحمت فرمائے جن کی نظیر زمانۂ قدیم یا عصر حاضر کی کوئی تہذیب یا کوئی قوم پیش نہ کر سکی۔ جہاں تک ان اصول و ضوابط کی کامیابی یا انکے بہترین نتائج و ثمرات کا تعلق ہے تو آج آپ کی اس عظمت کا لوہا اغیار بھی مانتے ہیں اور مستشرقین جن کی آنکھوں میں اسلام کا مکمل شاداب کانٹے کی طرح چبھتا ہے وہ بھی مشاہیر عالم میں آپکو سرفہرست رکھنے پر مجبور ہیں۔ ہم رسول عربی کی کامیابی کو جس نظر سے بھی دیکھیں مستشرقین اسے بہرکیف آپ کی سیاسی بصیرت کا ثمرہ قرار دیتے ہیں۔ شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں "محمد" کے آرٹیکل میں ان کا اعتراف موجود ہے کہ حضور کی کامیابی کا اصل راز ان کی سیاسی اور عسکری بصیرت تھی۔

..... and with his eminent political gift late in Madina. We do of course find instances in the battle of Badr or the agreement of Hudaibyya.

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے تو اس غلط فہمی کا ازالہ کیا کہ دین اور سیاست دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ بقول حکیم الامت ؎

جدا ہو دیں سے سیاست تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

حضور نے سیاست کی زبان میں جو اعلیٰ اور عمدہ اصول

[1] ایران اور روم

مسجد شہداء لاہور (پاکستان)

عطا فرمائے ان میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اعلان کیا اقتدار کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ فی الارض کے لئے ایک امانت قرار دیا۔ سیاسی امور کے فیصلوں کی بنیاد امرہم شوریٰ بینہم کے اصول یعنی مشاورت پر رکھی، رائے کی آزادی بخشی، بنیادی حقوق انسانی کے تحفظ کی ضمانت دی، ذمی رعایا کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کا یقین دلایا۔ عدل وانصاف کا وہ اعلیٰ اصول دیا جو مسلم وغیر مسلم اور شاہ و گدا کے لئے مساوی ہو۔ عوام کو رزق کے یکساں مواقع عطا فرمائے۔ اخوت اور حریت و مساوات کے اعلیٰ اصول کو اپنایا۔ آخر میں ایک غلط فہمی کا ازالہ کرنا بیحد ضروری سمجھتا ہوں یہ غلط فہمی مغربی تہذیب کے زیر اثر ہمارے ہاں بھی پھیل گئی ہے کہ سیاست کا اخلاق سے کوئی تعلق نہیں۔ میں نے یہ بات مفروضے یا ذاتی تاثر کے طور پر نہیں کہی۔ چند برس پہلے نیویارک سے طبع ہو کر آنے والی ایک کتاب کا عنوان ہی یہی ہے Politics has no morals جس میں مغربی سیاست کے اخلاق سے بیگانہ ہونے کا رونا رویا گیا ہے اس کا باب سوم کا عنوان To hell with the country; ہشتم کا عنوان let us win the elections ہے کتاب کا مصنف Morals on the shelf Normal Beasley لکھتا ہے کہ اس کی حکومت لوگوں بھوک اور فاقہ کشی سے بچانے کے لئے نئے ٹیکس لگانے کا جواز پیش کرتی ہے۔ عوام بخوشی یہ بوجھ قبول کر لیتے ہیں اور ہوتا یہ ہے کہ

The tax laws were revised so the Administration could get more money to keep people from starving. Billions of dollars were collected, and spent for other purposes

مصنف نے دل کی گہرائیوں سے اٹھنے والی فریاد ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

You and I will lose what remains of our individual freedom unless, as a people, we are stronger, morally and spiritually

آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ عصر حاضر کے متمدن ملک کے دانشور ابھی تک وہاں پہونچنے کی کوشش کر رہے ہیں جہاں رسول عربی نے ہمیں چودہ سو برس پہلے لا کھڑا کیا تھا۔

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

کے

غلاموں کی فرماں روائی

مولانا سید غازی ربانی باندوی

حقیقی فرماں روا تو اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کی فرماں روائی ذاتی ازلی، ابدی، حقیقی، دائمی اور مستقل بالذات ہے اور ایسی لامحدود ہے کہ جس کی وسعتوں کا حصر ہر مخلوق کی طاقت سے باہر ہے۔

مالک الملک لاشریک لہ

وحدہٗ لا الٰہ الا ھو

خدا کیسا فرماں روا ہے قرآن میں خود ارشاد فرماتا ہے۔ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون (سورۂ یٰسین پ ۲۳) جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے یہ فرمادیتا ہے کہ ہو جا پس وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے۔ یہ حقیقی شان فرماں روائی ہے کہ جو چاہا۔ جب چاہا فرمان جاری ہوتے ہی تعمیل ارشاد ہوگئی۔ یہ شان اللہ تعالیٰ کو کسی نے عطا نہیں کی یہ اس کی اپنی ذاتی صفت لازوال ہے۔ حضور رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوقات میں سب سے افضل و اعلیٰ اور اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ کے سب سے بڑے مظہر اتم ہیں۔ چنانچہ صفت فرماں روائی کی بھی سب سے بڑی مظہر یہی ذات ہے۔ البتہ ان کی فرماں روائی خدا کی عطا کردہ ہے۔ جس کے دلائل بے شمار معجزات رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

---

(۱) اذا ارادشیئا صفت والے خدا کے مظہر اتم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا اور اشارہ کیا تو چاند دو ٹکڑے ہو گئے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۔ (قرآن کریم)

(۲) ارادہ کیا کہ ڈوبا ہوا سورج پلٹ آئے تو فوراً پلٹ آیا۔ (طحاوی او طبرانی شریف)

(۳) ارادہ کیا کہ ابوجہل کی مٹھیوں کے اندر کی کنکریاں کلمہ پڑھ کر سنا دیں تو کنکریوں نے فوراً کلمہ پڑھ کر سنایا۔

(۴) رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان جاری ہوا تو درخت اپنی جگہ سے اکھڑ کر خود بخود حاضر خدمت ہو کر تعمیل ارشاد میں توحید و رسالت کی تصدیق کر کے اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ (بخاری ومسلم عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

(۵) جنگ بدر کے موقعہ پر ایک لکڑی کے لئے رسول عربی نے چاہا کہ عکاشہ صحابی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں وہ لوہے کی تلوار کا کام کرے تو وہ لکڑی تلوار بن گئی۔ اور ایسی تلوار بنی کہ بعد میں بھی تلوار ہی رہی (بیہقی)

(۶) حکم بن ابی العاص جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کا مذاق اڑانے کی نیت سے منہ ٹیڑھا کر کے منافقوں کو آنکھ کا اشارہ کیا کرتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ حرکت دیکھ کر فرمایا کُنْ کَذَالِکَ (ایسا ہی ہو جا) چنانچہ مرتے دم تک وہ ایسا ہی منہ پھرکاتا رہا (بیہقی)

(۷) کبھی فرماں روا اپنے احکامات کسی معتمد کے ذریعے بھیج کر تعمیل احکام کراتا ہے چنانچہ بیہقی اور ابویعلی نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے ایک سفر میں مجھ سے فرمایا دیکھو قضائے حاجت کے لئے کہیں کوئی جگہ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اس میدان میں اتنے آدمی ہیں کہ کہیں پردے کی جگہ نہیں ہے۔ حضور نے فرمایا اچھا دیکھو کہیں درخت یا پتھر ہیں میں نے کہا ہاں کچھ درخت پاس پاس نظر آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جا کر ان درختوں سے کہدو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے تم اکٹھے ہو جاؤ اور پتھروں سے بھی اکٹھے ہونے کو کہو۔ میں نے درختوں اور پتھروں سے یہ بات جا کر کہی تو خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ درخت اکٹھے ہو کر آپس میں مل گئے اور پتھر باہم مل کر دیوار بن گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انھیں کی آڑ میں بیٹھ کر قضائے حاجت سے فارغ ہوئے بعد فراغت مجھ سے فرمایا کہ ان سے کہدو کہ علیحدہ ہو جائیں۔ میں نے کہہ دیا تو خدا کی قسم میں نے اپنی آنکھوں سے درختوں اور پتھروں کو علیحدہ ہو کر اپنی اپنی جگہ جاتے ہوئے دیکھا۔ (بیہقی)

صحیح فرماں روائی تو یہی ہے کہ فرماں روا جو فرمان جاری کرے وہ نافذ و جاری ہو کر ہی رہے۔ یہ فرماں روائی تو فرماں روائی نہیں کہ فرماں روا فرمان پر فرمان جاری کئے جائے مگر تعمیل ارشاد کی صورت نظر نہ آئے۔ مثلاً فرمان جاری ہوا کہ فیکٹریوں میں سب مزدور کام جاری رکھیں مگر مزدور ہڑتال کر کے گھر چلے گئے ______ موجودہ دور میں یہ ناکام فرماں روائی کی معمولی سی مثال ہے۔

حقیقی فرماں روائی اور اصطلاحی فرماں روائی میں ایک بڑا فرق ہے۔ اصطلاحی فرماں روائی تو دنیوی بادشاہوں کے لئے عرف عام میں جاری وساری ہے۔ اس اعتبار سے دنیوی سلطنت کامل جانا کسی ملک و قوم پر قبضہ کر لینا انسان کو فرماں روا کہلوا دیتا ہے! مگر یہ محدود فرماں روائی صرف چند حیثیتوں سے جاری و نافذ ہوتی ہے جس میں کسی مخصوص رقبۂ زمین پر قبضہ اور وہاں کے ملکی اور مالی منافع پر کنٹرول وغیرہ کو اقتدار اعلیٰ سمجھا جاتا ہے۔ یہ دنیاوی فرماں روائی آتی جاتی دھوپ چھاؤں کی طرح ہر قسم کے انسانوں کو گاہے گاہے ملتی اور چھنتی رہتی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں ایسے لاکھوں فرماں روا پیدا ہوئے اور ختم ہو گئے اور جب تک دنیا میں انسانوں کی آبادی رہے گی یہ فرماں روائی مختلف ناموں سے چلتی اور مٹتی رہے گی۔ اس فرماں روائی کے حصول کے لئے اعلیٰ انسانیت عقل سلیم حقیقی شرافت و نجابت صحیح علم و یقین اعمال حسنہ کے اعلیٰ صفات کی کوئی شرط لازم نہیں بلکہ اس موجودہ دور میں تو جو جتنا بڑا ابن الوقت چالاک چت کو پٹ اور پٹ کو چت ثابت کر دینے والا ہو وہی فرماں روا بن سکتا ہے آج کے دور میں کتنے فلمی ایکٹر عیاش شرابی کبابی وغیرہ فرماں روا موجود ہیں۔ تو یہ دنیوی فرماں روائی کوئی معیار صداقت و شرافت یا انسانی اعلیٰ کمالات کی دلیل نہیں تاریخ انسانی میں حجاج ابن یوسف، یزید ابن معاویہ، چنگیز، ہلاکو، نادرشاہ درانی وغیرہ وہ

مشہور فرماں روا ہیں جن کی ظلم و زیادتی جبر و تشدد، عیاشی و سفاکی سے بھری فرماں روائی کی دستاویزیں تاریخ کے آئینہ میں بدنما دھبوں کی طرح موجود ہیں۔ اور موجود رہیں گی۔ اسلئے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی فرماں روائی میں اسکے حصول کو اعلیٰ محاسن کی صف میں ذکر کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ تعارف کے عنوانات کے لائق نہیں۔ بلکہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ فرماں روائی کے سچے وارثوں کا دنیوی حکومت کو بھی عدل و مساوات، تقویٰ و طہارت، اور دیانت و امانت اور سچی خدمت خلق کے ساتھ چلاکر دکھلا دینا (خلافت راشدہ) وہ عظیم کارنامہ ہے کہ جس کو ان کے بعد دنیا کے ہزاروں فرماں رواؤں میں سے کوئی ایک بھی فرماں روا آج تک ان کی طرح کر کے نہ دکھا سکا۔ لیکن پھر بھی ملکی و مالی فتوحات کے اعتبار سے اگر غلامانِ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاوی فرماں روائی کا جائزہ لیا جائے تو مختصر مدت میں کثیر فتوحات اور پائدار امن و مساوات کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہیں۔ انسان جسم و روح کا مجموعہ ہے تو فرماں روائی کو بھی مادی و روحانی ظاہری و باطنی حصوں میں تقسیم کر کے واضح کیا جا سکتا ہے اس لئے پہلے ہم غلامان رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری فرماں روائی کا ایک مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری و باطنی فیضان تعلیم و تربیت کا کچھ اندازہ کرنا آسان ہو سکے۔ عرب کی وہ قوم جس کی نااہلیت نے بعثت رسول سے قبل فرماں روائی کو قبیلوں کی چودھراہٹ تک پیچھے ڈھکیل دیا تھا۔ اور عربوں کی عام جہالت نے پورے ملک میں خانہ جنگی اور جس کی لاٹھی اسی کی بھینس کی لاقانونیت کو اک عادت جاریہ میں بدل کر رکھ دیا تھا اور ان کے طاقتور گروہ بکریوں کی گلہ بانی میلوں میں کشتیاں لڑنا خانہ کعبہ کے طواف میں برہنگی کو اپنے قومی کردار کی حیثیت دے بیٹھے تھے۔ مسافر کی روٹی چھین لینا۔ بیکس یتیموں اور بیواؤں کو لونڈی غلام بنا کر ان سے جانوروں سے بدتر سلوک کرنا۔ یہ صفات بھی فرماں روائی کے ایک غلط مکروہ جذبہ کی آئینہ دار بن کر رہ گئیں تھیں۔ ایسی جہالت و بربریت میں ڈوبی ہوئی قوم کو ایسی اعلیٰ تربیت کرنا کہ جن کو چند سو بکریوں پر بقول (فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) کنٹرول کرنا نہیں آتا تھا وہ عرب میں رہ کر ایران و روم کے کروڑوں انسانوں پر بہترین کنٹرول کرنے والے مقبول فرماں روا بن گئے اور ان کے فرامین کی تعمیل کرنا حل و حرم عرب و عجم کے عقلائے زمانہ اپنے لئے باعث فخر و ناز سمجھنے لگے۔ یہ اس رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ تعلیم کا وہ لافانی ثبوت ہے جس کی نظیر اقوام عالم کی تاریخ کا کوئی دور بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔

کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ضعیف العمر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اول خلیفۃ المسلمین منتخب ہوئے آپ نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میری طرف دیکھو تم نے مجھے اپنا امیر منتخب کیا ہے میں اپنے کو تم سب سے اچھا نہیں سمجھتا مجھے تم سب کے مشورے اور مدد کی ضرورت ہے۔ اگر میں صحیح کام کروں تو میری تائید کرنا غلطی کروں تو مجھے صحیح مشورہ دینا جس شخص کے سپرد حکومت کا کام ہو اس کو سچی بات بتانا ایمان کے مطابق ہے اور سچی بات کو چھپانا بغاوت ہے میری نگاہ میں طاقتور اور کمزور برابر ہیں میں دونوں کے بارے میں انصاف کروں گا۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا رہوں تب تک تم میری اطاعت کرنا اگر میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے خلاف کروں تو پھر تم پر میری اطاعت لازم نہیں — سچ ہے ؎

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

شمالی سرحد پر امن قائم رکھنے کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلامی فوج کو روانہ کرتے وقت فوج کے کمانڈر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے خطاب کرتے ہوئے جو فرامین جاری کئے وہ اس طرح تھے۔

(۱) دیکھو تم اپنے آپ کو ناقابل اعتبار ہونے سے بچانا کسی حالت میں بھی سچائی کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دینا۔
(۲) کسی شخص کے ہاتھ پاؤں نہ کاٹنا۔

(۳) بچوں اور بوڑھوں پر تلوار نہ اٹھانا۔

(۴) پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا نہ انھیں آگ لگانا کسی ایسے درخت کو نہ کاٹنا جو انسان یا حیوان کی خوراک مہیا کرتا ہو۔

(۵) اپنی ضرورت سے زیادہ حلال جانوروں کو بھی نہ مارنا۔

(۶) مذہبی پیشوا عیسائی راہب اگر تمھاری اطاعت کرلیں تو انھیں تکلیف دیئے بغیر چھوڑ دینا۔ اب اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو وہی تمھارا محافظ و ناصر ہے۔

یہ اس بوڑھے صحابی رسول کا طرز فرماں روائی ہے۔ جو نہ کسی کالج و یونیورسٹی کا تعلیم یافتہ ڈگری ہولڈر تھا۔ اور نہ موروثی شاہی خاندان کا فرد تھا۔ اور نہ سیاسی تمدنی مادی علوم کے وسائل کا تربیت یافتہ تھا۔ اس کے تقریباً ڈھائی سالہ دور حکومت میں ایک طرف منافقین مدینہ کا سازشی گروہ بغلی گھونسہ بنا ہوا تھا دوسری طرف نبوت کے جھوٹے دعویدار مسیلمہ کذاب کے عظیم لشکر کا مقابلہ تھا۔ تیسری طرف مانعین زکوٰۃ کے خطرناک فتنے کا دباؤ تھا۔ چوتھی طرف ایران و روم کے شہنشاہوں کی مہیب فوجی نقل و حرکت کی اطلاعات تھیں۔ پانچویں سمت جدائی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید روح فرسا غم والم تھا۔ مگر ان تمام مشکلات کے باوجود صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان فرمانروائی کا کامیاب مدبرانہ استقلال اور حسن تدبیر اور یقین محکم کے اجالے میں ہر ہر محاذ پر مستقل کامیابیاں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی اعلیٰ تعلیم و تربیت کا شاہکار ہیں جس کی مثال روئے زمین پر آج تک کوئی پیش نہ کرسکا۔

بھٹکے ہوؤں پہ کی نظر رشک خضر بنادیا
سلجھا ہوا تھا کس قدر تیرا دماغ رہبری (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑے نرم دل مگر مستقل مزاج تھے۔ غریبوں، ضعیفوں، محتاجوں کا کام خود کردیا کرتے تھے۔ آپ نے خلیفہ ہوجانے کے بعد اپنی بیشتر توانائیوں کو اسلامی سلطنت کے استحکام میں صرف کردیا۔ اور مملکت کے نظم و نسق، عوام کی بھلائی پر پوری توجہ منعطف فرمادی رات کے وقت غریب بیکسوں، غمزدہ لوگوں کی مدد کے لئے آپ مدینہ کی گلی کوچوں کا گشت کیا کرتے تھے۔ امیر المومنین بن جانے کے بعد کچھ عرصہ تک آپ اپنی ذاتی آمدنی سے اپنا اور اپنے بال بچوں کا خرچ چلاتے رہے۔ مگر جب سلطنت کے کاموں کی شدید مصروفیت کے سبب آپ اپنی تجارت کو جاری نہ رکھ سکے تو آپ نے مسلمانوں کے مشورہ اور اصرار پر بیت المال سے چھ ہزار درہم سالانہ لینا منظور کرلیا۔ مگر انتقال سے قبل آپ کو بیت المال سے اپنے گذارہ کی رقم لینے کا اتنا ملال ہوا کہ آپ نے اپنی جائداد کے ایک حصے کو فروخت کرنے کا حکم دیا تاکہ اس کی رقم سے وہ کل رقم جو آپ بیت المال سے لے چکے تھے پوری کی پوری ادا کردی جائے چنانچہ اس پر عمل کیا گیا ــــــ یہ تھا اس فرماں روا کا بے مثال تقویٰ اور مکمل ایثار آپنے اپنے جانشین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس خلافت کے ترکہ میں ایک حبشی غلام جو مجاہدوں کی تلواروں پر صیقل کرتا تھا۔ (۲) ایک چادر (۳) ایک پانی بھرنے والی اونٹنی بھجوادی۔ دوران خلافت آپ کے ذاتی مال میں بس انھیں تین چیزوں کا اضافہ ہوا تھا۔ یہ وہ سامان تھا جس سے آپ امور خلافت کی انجام دہی میں مدد لیا کرتے تھے۔ جب یہ چیزیں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہونچائی گئیں تو آپ رونے لگے اور کہا خدا ابوبکر پر اپنا فضل و کرم فرمائے وہ اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو بڑا زبردست سبق دیکر جارہے ہیں۔
(بیان مفہوم)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ میرے کفن میں تین کپڑے دیئے جائیں دو چادریں تو یہی جو اس وقت میرے بدن پر ہیں اور ایک نئی چادر اور شامل کردی جائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ کو خلیفہ ہوئے ۱۴ھ میں دمشق، حمص، بعلبک، بصرہ، ایلہ، فتح ہوئے۔ ۱۵ھ میں اردن، طبریہ صلح سے فتح ہوئے اور جنگ یرموک و قادسیہ کا معرکہ پیش آیا۔ اور آپ ہی کے حکم سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کوفہ شہر کو آباد کیا۔ اور مجاہدین اسلام کو جاگیریں عطا ہوئیں اور تنخواہیں مقرر فرمائیں۔ ۱۶ھ میں مدائن، اہواز فتح ہوئے۔ حلب، قنسرین، تکریت وغیرہ بھی فتح ہوئے اسی سال جب خود حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

تشریف لے گئے تو بیت المقدس بھی فتح ہوگیا۔ ۱۸ھ میں جند حلوان، نیشاپور، نصیبین، حرّان وغیرہ فتح ہوئے ۱۹ھ میں قیساریہ کو لشکر اسلام نے لڑ کر فتح کیا ۲۰ھ میں تسر کا مشہور قلعہ فتح ہوگیا اور مصر بھی فتح ہوا ۲۱ھ میں اسکندریہ، نہاوند فتح ہوئے ۲۲ھ میں آذر بائیجان، ہمدان، دینور، الغرب، طرابلس، عسکر، رے وغیرہ فتح ہوئے ۲۳ھ میں کرمان، سجستان، مکران کے پہاڑی علاقوں اور اصفہان وغیرہ پر بذریعہ لشکر اسلام فتح ہوئی اور اسی سال حضرت عمر نے شہادت پائی۔

گویا وقت شہادت تک فتوحات کا سلسلہ جاری رہا۔ اور یہ بھی مشہور روایت ہے کہ آپ کے زمانے میں چھوٹے بڑے ایک ہزار چھتیس شہر فتح ہوئے۔ ساڑھے بارہ کرور سے زیادہ سالانہ خراج آتا تھا ــــــ تو غلامان مصطفیٰ کی فرماں روائی پر اگر اس زاویۂ نظر سے غور کیا جائے تو بجائے خود اِن ممالک کا مفتوح ہوکر زیر فرمان آجانا عظیم تاریخی کارنامہ ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ غلامانِ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرف توجہ فرمائی کامیابیوں کی بے مثال تاریخ تیار ہوگئی۔

ع جس سمت آ گئے ہیں سکے بٹھا دیئے ہیں

دور فاروقی کی فتوحات کا ہلکا سا نقشہ آپ کے سامنے بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کیا گیا۔

اسلامی تاریخ کی فتوحات کی ہزار سال سے زیادہ تاریخ کی تفصیلات پر اگر نظر ڈالی جائے تو سیکڑوں دفتر اس بات کے دستاویزی ثبوت فراہم کریں گے کہ کسی نبی رسول کی امت یا کسی شاہی خاندان یا بہادروں کے قبیلے وہ کر کے نہ دکھا سکے جو سلطانی مختصر مدت میں غلامان رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کر کے دکھا گئے۔ انسانی محاسن و کمالات کے وہ کون سے میدان ہیں جہاں غلامان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہسواری کے پرچم عظمت نہ لہرا رہے ہوں۔ مگر بایں ہمہ کمالات انسانی غلامان مصطفیٰ کی فرماں روائی کچھ ایسی خصوصیات کی آئینہ دار ہے جس کی مثال اقوام عالم کی مجموعی تاریخ بھی پیش کرنے سے قاصر ہے اور ہمیشہ قاصر رہے گی اس لئے کہ صحیح فرماں روائی جو حقیقی شان ہے وہ صرف حقیقی فرماں روا اللہ تعالیٰ کے قرب ہی سے ملتی ہے اس کا عطا کرنے والا المعطی مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور تقسیم کرنے والے قاسم مطلق صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں واللہ یعطی وانما انا قاسم (بخاری شریف) تو جو جتنا سچے خدا اور سچے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہوگا وہ اسی قدر فرماں روائے حقیقی کی مطلق عطا اور قاسم مطلق کی سچی تقسیم سے مستفیض ہوگا۔ آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ظاہری فرماں روائی کا اجمالی خاکہ پڑھا جس میں عرب سے یمن شام، عراق، ایران، روم کے دور دراز علاقوں تک آپ کی مکمل فرماں روائی کا مختصر ذکر ہوا۔ اور اگر آپ کے حیرت انگیز نظم و ضبط عمال حکومت کے عزل و نصب، رعایا کی خبرگیری، عدل و مساوات کے سیکڑوں واقعات میں سے صرف چند کا ذکر کیا جائے تو مضمون طویل تر ہو جائے گا۔ اس لئے بات کو یہیں ناتمام چھوڑ کر اب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی باطنی فرماں روائی کا مختصر سا تعارف پیش خدمت ہے۔

باطنی فرمان روائی عناصر اربعہ پانی، آگ، ہوا، مٹی پر غلامِ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں روائی کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں

آگ پر فرماں روائی

خلافت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک بار ایک خوفناک پہاڑی آگ ظاہر ہوئی جو لمحہ بلمحہ بڑھتی ہی جا رہی تھی اور قوی اندیشہ تھا کہ اس آگ سے سیکڑوں آبادیاں جل کر ویرانہ میں بدل جائیں گی۔ اس موقع پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت تمیم داری یا حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو فوراً اپنی چادر عطا فرمائی اور کہا کہ اس چادر کو آگ کے سامنے کر دو تاکہ میری چادر اور آگ کا آمنا سامنا ہو جائے۔ حکم کی فوراً تعمیل کی گئی صحابہ کا بیان ہے کہ وہ آگ فوراً سمٹ کر پہاڑ کے دامن میں غائب ہوگئی اور ایسی غائب ہوئی کہ پہاڑ کے غاروں میں بھی اس کا پتہ نہ تھا (ماخوذ از ازالۃ الخفاء جلد دوم)

دور فاروقی ہی میں یہ بھی ہوا کہ اسود ابن قیس کاذب مدعی

نبوت نے جب یمن میں اپنی (جھوٹی) نبوت کا اعلان کیا اور ایک مشہور تابعی حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ سے اپنی نبوت کی تصدیق کرانا چاہی تو آپ نے بڑی جرأتِ ایمانی کے ساتھ اسکی بات کو ٹھکرا دیا اس پر اسود بن قیس نے غصہ میں آکر ایک زبردست آگ جلوائی اور جب وہ خوب بھڑک اٹھی تو اس میں حضرت مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کو پھینک دیا تاکہ وہ جل کر خاک ہو جائیں۔ اور انکار نبوت کی سزا پائیں۔ مگر ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے آگ میں اس طرح چہل قدمی فرمانے لگے کہ آگ بجھ کر راکھ ہو گئی اور آپ کا جسم تو جسم ہے کپڑے بھی نہ جل سکے۔ اسود بن قیس حیرت سے منہ تکتا رہ گیا اور آپ کو یمن سے نکال دیا ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ چلے آئے۔

جب امیر المومنین عمر فاروق نے آپ کو دیکھا تو فرط مسرت میں فرمایا۔ الحمد للہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اس وقت تک زندہ رکھا کہ میں نے اپنے آقا رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ایک ایسے فرد کی زیارت کر لی جس کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح آگ میں ڈالا گیا اور وہ زندہ سلامت رہا۔ (حوالہ کتاب تہذیب التہذیب)

پانی پر فرماں روائی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت ہی میں مصر فتح ہوا تھا مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک مرتبہ مصری لوگ حاضر ہوئے اور کہا دریائے نیل خشک ہو گیا ہے اور قدیمی دستور یہ رہا ہے کہ جب کبھی دریائے نیل خشک ہو جاتا تھا تو ہم لوگ اپنے عقیدے کے مطابق ایک جوان کنواری لڑکی دریائے نیل پر بھینٹ چڑھاتے تھے ایسا کرنے سے دریائے نیل کا پانی جاری ہو جایا کرتا تھا اب آپ کی اجازت ہو تو ہم اپنے دستور کے مطابق کریں گورنر مصر نے فرمایا اسلام ایسے ظالمانہ عمل کی اجازت نہیں دیتا تم لوگ ٹھہرو میں امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں دریافت کرتا ہوں جیسا جواب آئے گا مطلع کروں گا۔ چنانچہ مصر کے گورنر نے مدینہ طیبہ مراسلت کی قاصد مدینہ پہونچا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب میں یہ خط روانہ کرا دیا۔

الیٰ نیل مصر من عبد اللہ بن عمر بن الخطاب۔ اما بعد فان کنت تجری بنفسك فلاحاجة لنا الیك وان کنت تجری بامر اللہ فاجر علیٰ اسم اللہ۔ (ازالۃ الخفا جلد دوم)

یعنی یہ خط مصر کے دریائے نیل کے نام ہے اللہ کے بندے عمر بن خطاب کی طرف سے کہ اے دریا اگر تو اپنی ذاتی قوت سے جاری ہوا کرتا ہے تو ہم کو تجھ سے کچھ حاجت نہیں اور اگر تو اللہ کے حکم سے جاری ہوتا ہے تو پھر اللہ کے نام پر جاری ہو جا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خط کو لفافہ میں بند کر کے قاصد کے حوالہ کیا اور فرمایا اس کو دریائے نیل میں ڈال دیا جائے چنانچہ قاصد مصر آیا اور ہزاروں انسانوں کو بارگاہِ خلافت کے فرمان کی خبر ہوئی اور فلما اُلقی کتابہ فی النیل جریٰ ولم یعد یقف یعنی خط کے ڈالتے ہی دریا جاری ہوا اور پانی کی روانی ایسی بڑھی کہ پھر وہ کبھی خشک نہ ہوا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت ہی میں ایران کے شہر مدائن کی فتح کے لئے جب لشکر اسلامی دریا کے کنارے پہونچا تو دریا پار کرنے کے لئے کسی کشتی یا جہاز کا انتظام نہ تھا۔ امیر لشکر حضرت سعد بن ابی وقاص اور فوجی کمانڈر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہما تھے۔ ایرانی دریا کے اس پار بڑے مطمئن تھے کہ بغیر کشتی دریائے دجلہ پار کر کے مسلمانوں کا آنا کیسے ہو سکے گا اس موقع پر دونوں حضرات یعنی سعد بن ابی وقاص اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما آگے بڑھے اور دریا سے فرمایا یا بحر انک تجری بامر اللہ بحرمة محمد صلی اللہ علیہ وسلم وبعدل عمر خلیفة رسول صلی اللہ علیہ وسلم اَلاَّ خَلَّیتَنا والعبور۔ یعنی اے دریا تو اللہ کے حکم سے بہتا ہے ہم تجھ کو حضور محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور خلیفۂ رسول امیر المومنین عمر فاروق کے عدل کا واسطہ دیتے ہیں تو ہمیں دریا پار کرنے کا راستہ کیوں نہیں دیتا یہ کہکر دونوں حضرات پہلے خود دریا میں بڑھے اور نتیجہ میں سارا لشکر اسلامی اپنے ان دونوں بزرگوں کے نقش قدم پر دریا میں داخل ہو گیا۔ چنانچہ نعبر الجیش بخیلہ وجمالہ ورجالہ الی المدائن ولم تبتل حوافرھا (ازالۃ الخفا جلد دوم) چنانچہ یہ لشکر اپنے گھوڑوں اور اونٹوں اور آدمیوں کے ساتھ دریا پار

کرکے مدائن پہونچ گیا اور کسی سواری کے جانور کا کھر بھی پانی سے تر نہیں ہوا تھا ؎

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے
اقبال

ہوا پر فرماں روائی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ نے حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو لشکر اسلامی کا امیر بنا کر مقام نہاوند کی جنگ میں روانہ فرمایا تھا۔ حضرت ساریہ نہاوند کے میدان میں مصروف جنگ تھے ادھر اسی موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کی مسجد نبوی میں منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ بالکل اچانک آپ نے باآواز بلند فرمایا یا ساریۃ الجبل یا ساریۃ الجبل یعنی اے ساریہ پہاڑ کی طرف اے ساریہ پہاڑ کی طرف۔ مسجد نبوی کے حاضرین کو بڑا تعجب ہوا۔ کہ یہ خطبہ دیتے دیتے حضرت ساریہ کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پکارا کیوں اور پہاڑ کی طرف توجہ دلانے کا کیا مطلب؟ سب لوگ اس واقعہ پر متعجب اور فکر مند ہی تھے کہ نہاوند سے حضرت ساریہ کا قاصد آیا۔ اور اس نے بتایا کہ جیسے ہی دشمنوں سے ہمارا مقابلہ ہوا تو ہم کو شکست ہونے لگی ایسے نازک موقع پر اچانک ایک چیخنے والے کی آواز آئی جو بلند آواز سے کہہ رہا تھا کہ اے ساریہ پہاڑ کا خیال کرو چنانچہ جب ہم نے پہاڑ کی طرف اپنی پشت کرکے صف بندی کی اور پھر جہاد کیا تو خدا نے ہم کو فتح عظیم عطا فرمائی۔
(مشکوٰۃ شریف)

مٹی پر فرماں روائی

علامہ عبدالوہاب سبکی نے طبقات الشافعیہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ایک بار شدید زلزلہ آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ دیر خدا کی حمد وثنا کی اور پھر آپ پر ایک جلالی کیفیت طاری ہوئی اور آپ نے اپنا درہ زمین پر مار کر فرمایا۔ اقِرّی الم اعدل علیك فاستقرّت من وقتھا (ازالۃ الخفاء جلد دوم) یعنی اے زمین ٹھہر جا کیا میں نے تجھ پر انصاف نہیں کیا یہ فرماتے ہی زمین کا زلزلہ جاتا رہا اور وہ ساکن ہوگئی اور آج تک ساکن ہے ؎

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

سیدنا رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لاکھوں غلاموں میں سے ایک کی فرماں روائی کا یہ ہلکا سا مختصر تعارف ہے اگر تاریخ کے اوراق میں بکھری ہوئی تفصیلات جمع کرنے کی کوشش کی جائے تو غلامانِ رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری و باطنی فرماں روائی کے ہزاروں ایسے زندۂ جاوید ثبوت ملیں گے۔ جن کو اگر قلمبند کیا جائے تو دفتر کے دفتر بھی ناکافی ثابت ہوں گے بنو امیہ، بنو عباس کے فرماں رواؤں کی عظیم سلطنتیں اور حیرت انگیز فتوحات۔ بنو امیہ کے فرماں روا مروان ——— عبدالملک، ولید اول، سلیمان بن عبدالملک، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز (رحمۃ اللہ علیہ) یزید بن عبدالملک، ولید دوم کی فرمارروائیاں۔ خصوصاً جب ہشام بن عبدالملک نے ۱۲۵ھ میں وفات پائی اس وقت غلامان رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی وسیع تر سلطنت کا تصور کیجئے جو عرب و عجم میں اتنی عظیم ہو چکی تھی کہ یورپ میں جنوبی فرانس، ہسپانیہ، اور پرتگال تک، اور بحیرۂ روم کے بہت سے جزائر، قبرص اور سسلی تک، یونانی ٹاپو منڈل کے کئی مشہور ٹاپوؤں پر قبضے کے علاوہ شمالی افریقہ میں جبل الطارق سے خاکنائے نہر سوئیز تک اور ایشیا میں صحرا سینا سے منگولیا کے وسیع میدانوں تک اسکی سرحدیں قائم ہو چکی تھیں۔ اللہ اکبر اللہ اکبر

محمد کی غلامی بادشاہی ہے زمانہ کی (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور پھر خلفاء بنو عباس کا دور فرماں روائی دیکھئے جن میں قابل ذکر خلیفہ ہارون رشید کا زمانہ حکومت ہے جو ۱۸۶ھ سے شروع ہو کر ۱۹۳ھ تک رہا جس میں ملکی فتوحات کے علاوہ دینی و دنیاوی علوم و فنون، سائنس، آرٹ وغیرہ کی بڑی زبردست ترقیاں ہوئیں۔ اسی کے دور حکومت میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ حنفی کی تدوین شروع کی اور دیگر زبانوں کے علوم کی کتب کے کثیر تراجم ہوئے۔ اسی فرماں روا کے دور میں ممتاز علماء فضلاء میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عبداللہ بن ادریس

عیسیٰ بن یونس، اور ابراہیم موصلی جیسی عالمگیر شہرت رکھنے والی ہستیاں گذری ہیں۔ خلیفہ ہارون رشید نے شارلمین کو جو تحائف بھیجے تھے اس میں وہ گھڑی بھی شامل تھی جو آرٹ کا نادر نمونہ تھی۔

ہارون رشید کے بعد امین، مامون، معتصم باللہ، واثق باللہ، متوکل، قائم باللہ، اور پھر خاندان غزنوی میں سلطان محمود کی بلند اقبال فرماں روائیاں پھر آل سلجوق، حسن بن صباح، عماد الدین زنگی بالخصوص سلطان صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس جس کا انتقال دمشق ہی میں ہوا۔ اور جب قاصد اس کی موت کی خبر لے کر بغداد کے دار الخلافہ پہونچا تو اس کے پاس ایک زرہ بکتر، ایک گھوڑا، ایک دینار، اور چھتیس درہم تھے جو سلطان مرحوم کا ترکہ تھا۔ ادھر حضرت محمد بن قاسم فاتح سندھ کا تصور کیجئے اور سلطنت مغلیہ کے تاجداروں کا کروفر، فتوحات، رعایا پروری، عدل و مساوات، عظمت و ہیبت سے مملو دور اقتدار کی تفصیلات اگر مختصر سے مختصر بھی تبصرے ہوں۔ تب بھی مضمون طویل سے طویل تر ہو جائے گا۔ آج بھی دنیا میں چھوٹی بڑی اسلامی سلطنتوں کے نام کئی درجن سے زیادہ ہیں۔ جہاں غلامان رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا غلبہ اور اقتدار اعلیٰ ہے۔

یہ ظاہری فرماں روائی کا تسلسل ہے جو فتح مکہ کے بعد سے آج تک جاری و ساری ہے۔ اور باطنی فرماں روائی کا سلسلہ بھی معجزات رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہو کر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے تصرفات باطنی کے حیرت انگیز واقعات، اولیاء کرام۔ حضرت حسن بصری۔ جنید بغدادی، عارف رومی، بایزید بسطامی، ابوالحسن خرقانی، غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی، غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، سید احمد کبیر رفاعی، خواجہ نقشبند، خواجہ سہروردی، سید علاء الدین صابر کلیری، مخدوم جہانیاں جہاں گشت، بو علی شاہ قلندر، مجدد الف ثانی خواجہ محبوب الٰہی، بلکہ جمیع سلاسل روحانی کے لاکھوں کروڑوں تاجداران ولایت کی زندہ کرامات کی صورت میں آج بھی جاری و ساری ہے (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

سکوں ہے بس غلامانِ محمد کی غلامی میں
پریشاں حال دنیا کو خلافت کی ضرورت ہے

اقوام عالم کے بے شمار مذاہب میں صرف مذہب اسلام کے فرقہ ناجیہ اہلسنت و جماعت ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ امت مصطفےٰ کے تہتّر فرقوں میں صرف اسی ایک فرقہ کے مسلک پر چلنے والوں میں ولی، غوث، قطب، ابدال و خواجہ، مخدوم و قلندر، شہداء و صالحین، ایسے ایسے باکمال ہیں جن کی زندہ کرامات کی بناء پر ان کے مزارات پر خلق خدا کا ہجوم اپنے کثیر منافع حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ نظر آتا رہتا ہے۔ اور۔ ان بزرگوں کا پس مرگ بھی سلطانی و فرماں روائی کرنا۔ اس مسلک کے حق ہونے کا وہ عظیم ثبوت ہے جسکے سامنے اسلام کے بہتر فرقے اور دنیا کے بے شمار مذاہب اپنے ہسپتالوں، کالجوں، اور روٹی کپڑا تقسیم کرنے والے ہزاروں مشنوں کے باوجود۔ بے کس و بے بس لاچار و شکست خوردہ نظر آتے ہیں۔ کیونکہ وہ انسان کی پیاسی روح اور بے قرار دل کو وہ راحت و سکون دینے سے مجبور نظر آتے ہیں۔ جوان باطنی فرماں رواؤں کے آستانوں سے صبح شام لاکھوں انسانوں کو سورج کی شعاعوں۔ اور دریاؤں کی روانی کیطرح نصیب ہوتا رہتا ہے۔ دنیا میں کسی بھی نبی محترم رسول معظم (علیہم السلام) کے ماننے والوں کو فرماں روائے حقیقی رب کریم نے وہ شان فرماں روائی عطا نہ فرمائی جو سیدنا رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو بخشی ہے گویا انکی باطنی فرماں روائی بھی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال فرماں روائی کی لافانی دلیلیں بن گئی ہیں۔ جنکو امتداد زمانہ کے لاکھوں حادثات بھی ملکر نہ مٹا سکے۔
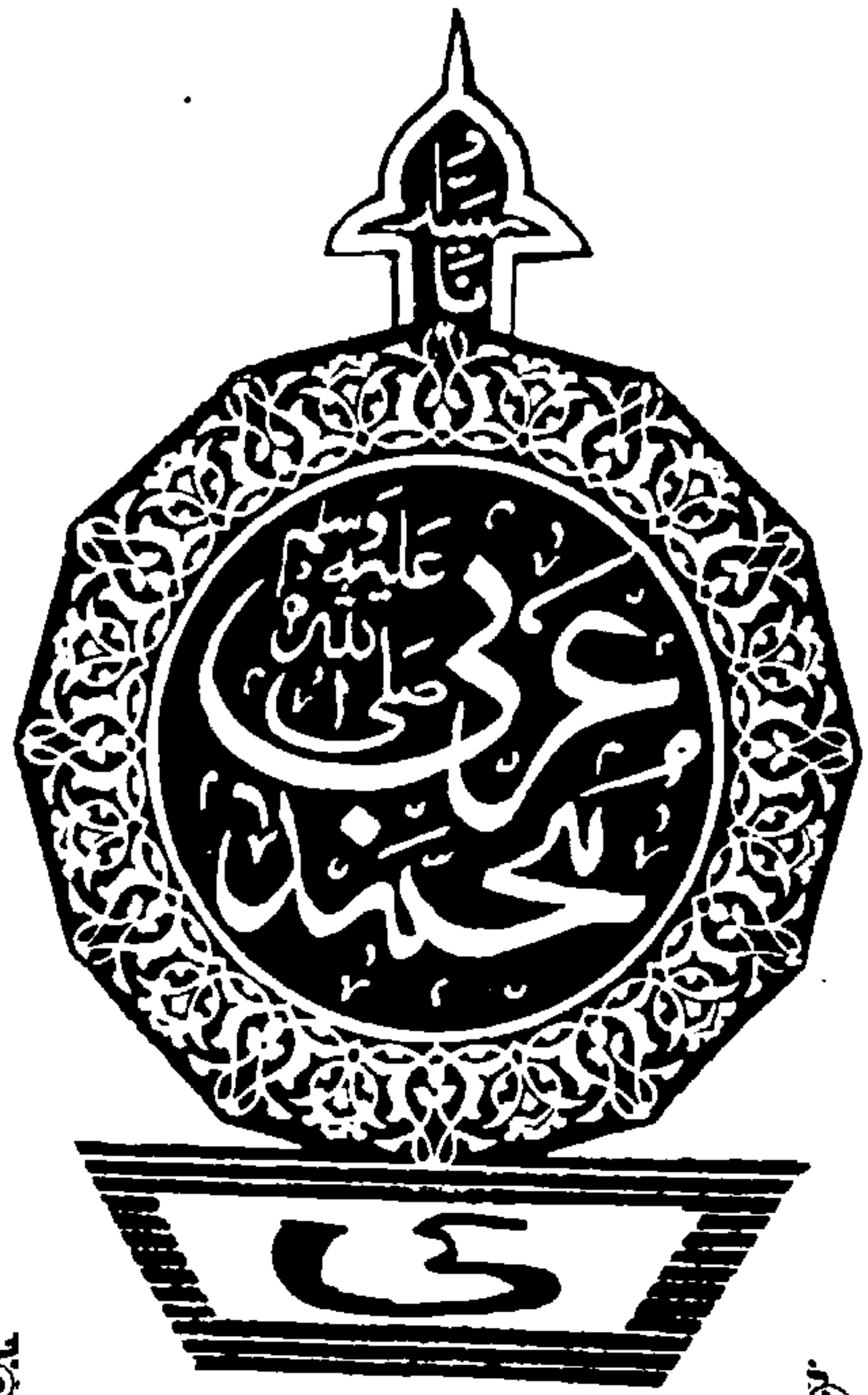
محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا اعزاز و اکرام

مولانا معراج مسعودی باقوی

موجودات عالم اور اسی کرۂ ارض پر بے راہ رو اور بھٹکی ہوئی انسانیت کی رشد وہدایت اور اسے قعر مذلت سے نکالنے کی خاطر قادر مطلق نے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ومرسلین مبعوث فرمائے ہر ایک نبی ورسول کسی خاص مقام یا قوم یا خطہ کے لئے مقرر کئے جاتے رہے اور ہر نبی ورسول اپنے فرائض منصبی کو ادا کرتے ہوئے خدا کی حقانیت وحدانیت اور اپنی رسالت ونبوت کا اعلان کرکے اپنی قوم کو افعال حسنہ کی تعلیم وتربیت دیتے اور منہیات سے باز رہنے کا حکم فرماتے یہ ان کی قومی اصلاح کا ردعمل ہوتا۔ ہر نبی ورسول کی ماتحت قوم ان کی امت کہلاتی لیکن جس طرح کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ومرسلین میں بعض کو بعض پر فضیلت وبرتری حاصل رہی بلا تشبیہ وتمثیل اسی طرح بعض امت کو بعض پر فوقیت وبلندی رفعت بزرگی حاصل رہی۔ چنانچہ جس طرح نبیوں ورسولوں میں سب سے اعلیٰ وافضل مقام ہمارے آقا مولیٰ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو میسّر ہوا۔ بالکل اسی طرح تمام نبیوں کی امّت میں سب سے اعلیٰ مقام امّتِ محمّدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا۔ اور قرآنِ عظیم میں خداوند قدوس نے کُنتم خیر امّۃ کے لفظ سے نوازا۔ اور حدیث پاک میں آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ بنا بریں حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے امّتِ محمّدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے اور امّتِ محمّدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل ہونے کی خواہش ظاہر فرمائی اور یہی نہیں بلکہ اللہ کے برگزیدہ نبی اور ہمارے آقا مولیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی امّتِ محمّدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز میں ان کی ضیافت کرنے کی بارگاہ خداوندی میں خواہش ظاہر کی اور رب کائنات نے ان کی خواہش ومراد پوری فرمادی۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ایک مرتبہ بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے رب کریم میری دلی تمنا وخواہش ہے کہیں امت محمّدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کروں اور مہمان نوازی کے لئے جو شی منتخب کروں وہ ایسی ہو کہ اس کے ذریعہ قیامت تک امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میری طرف سے ضیافت ہوتی رہے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی اس عرض ومعروض پر قادرِ مطلق نے ارشاد فرمایا اے ابراہیم (علیہ السلام) تم اس بات پر قادر نہیں ہو کہ قیامت تک امّتِ محمّدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمانی کرسکو۔ لہٰذا تم اس خیال کو دل سے نکال دو۔ اس

ارشادِ خداوندی پر حضرت خلیل نے عرض کی۔ اے میرے پروردگار تو میرے حال وقال سے بخوبی واقف ہے۔ اس لئے کہ تو علام الغیوب ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ میں تو ضرور اس بات پر قدرت نہیں رکھتا مگر تو تو میری دعا کو قبول کرنے کی بدرجۂ اتم قدرت رکھتا ہے لہذا اے بارِ الٰہ تو اپنی قدرت کاملہ اور فضلِ عظیم سے نواز کر میرے قرطاسِ قلب پر تمنا وآرزو کے اُبھرے ہوئے حروف کو مٹنے سے بچالے اور اپنے بابِ کرم سے مجھ گدائے بے نوا کو محروم نہ فرما میری آرزو برلا حضرت خلیل کے اس اندازِ عاجزانہ پر رحمتِ خداوندی جھوم اٹھی اور اس عجز وانکسار نے بابِ اجابت کی زنجیر کو آخر ہلا ہی دیا۔ اور قادرِ مطلق کو ان کی عاجزی پسند آگئی اور خداوندِ قدوس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عرض کو شرفِ قبولیت سے نواز کر جبرئیل امین کو حکم فرمایا کہ وہ جنت سے مٹھی میں کچھ کافور لائیں اور جبل ابی قبیس پر چڑھ کر اس کو فضا میں پھونک دیں۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی کی تعمیل کرتے ہوئے جبرئیل امین نے اُسے فضا میں پھونک دیا۔ ان کے پھونکتے ہی وہ پورے روئے زمین پر پھیل گیا۔ اور جہاں جہاں وہ واقع ہوا تو سارا کا سارا نمک ہوگیا۔ اس طرح امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ضیافتِ ابراہیمی کا دروازہ قیامت تک کے لئے وا ہوگیا اور آج بھی جو ہم نمک کھارہے ہیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پرخلوص ضیافت کا ثمرہ ہے۔ حقیقۃً کارسازِ حقیقی نے بھی حضرت خلیل کی جانب سے ضیافت امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسی چیز منتخب فرمائی جس کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبتِ خاص حاصل ہے۔ جیسا کہ آقا کا ارشاد گرامی ہے کہ میرے بھائی یوسف کا حسن حسنِ صبیح ہے اور میرا حُسن حسنِ ملیح اور ملیح کو صبیح پر بدرجہ اتم فوقیت حاصل ہے۔ صبیح سے انسان سیر ہوجاتا ہے لیکن ملیح سے کبھی سیری نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن سے سیر ہوکر انگشت

لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین

زناں کٹنے کا واقعہ زلیخا کے دربار ہی تک محدود رہا مگر ہمارے آقا کے حُسنِ ملیح سے نہ سیری ہوئی نہ ہوسکتی ہے نہ ہوگی اگر آپ کے شیدائی آپ کی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں آپ کی اطاعت وفرمانبرداری میں اپنی جانیں قربان کرتے تھے تو آج تک کرتے چلے آرہے ہیں اور صبح قیامت تک حُسن ملیح کے شیدائی وفدائی اس جذبۂ عشق پر گامزن رہیں گے۔

میرے محبوب نظر کی جو زیارت کرلے
★ حُسنِ یوسف کو زلیخا نہ دوبارہ ڈھونڈے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضیافتِ ابراہیمی کا لحاظ فرماتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب تم کھانا شروع کرو تو نمک سے اور جب ختم کرو تو نمک پر نمک ہی ایسی شئی ہے جسے ہر امیر وغریب شاہ وگدا اور ہر خاص وعام بآسانی استعمال کرسکتا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعوتِ عام ہے اس سے کوئی مستثنےٰ نہیں چاہے وہ امت اجابت ہو یا امتِ دعوت اس میں سبھی شامل ہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت چونکہ آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نمک خوار ہے اور نمک خوار پر کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں لہذا ان کی نمک خواری کا فرض ادا کرنے کے لئے آج بھی اُمّتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سال میں ایک مرتبہ صاحب استطاعت پر قربانی واجب ہے جسے محمدؐ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت صبح قیامت تک ادا کرنے میں مشغول رہے گی۔ اور اپنے اعزاز بخشنے والے محسنوں کی یاد مناتی رہے گی۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحت عامہ
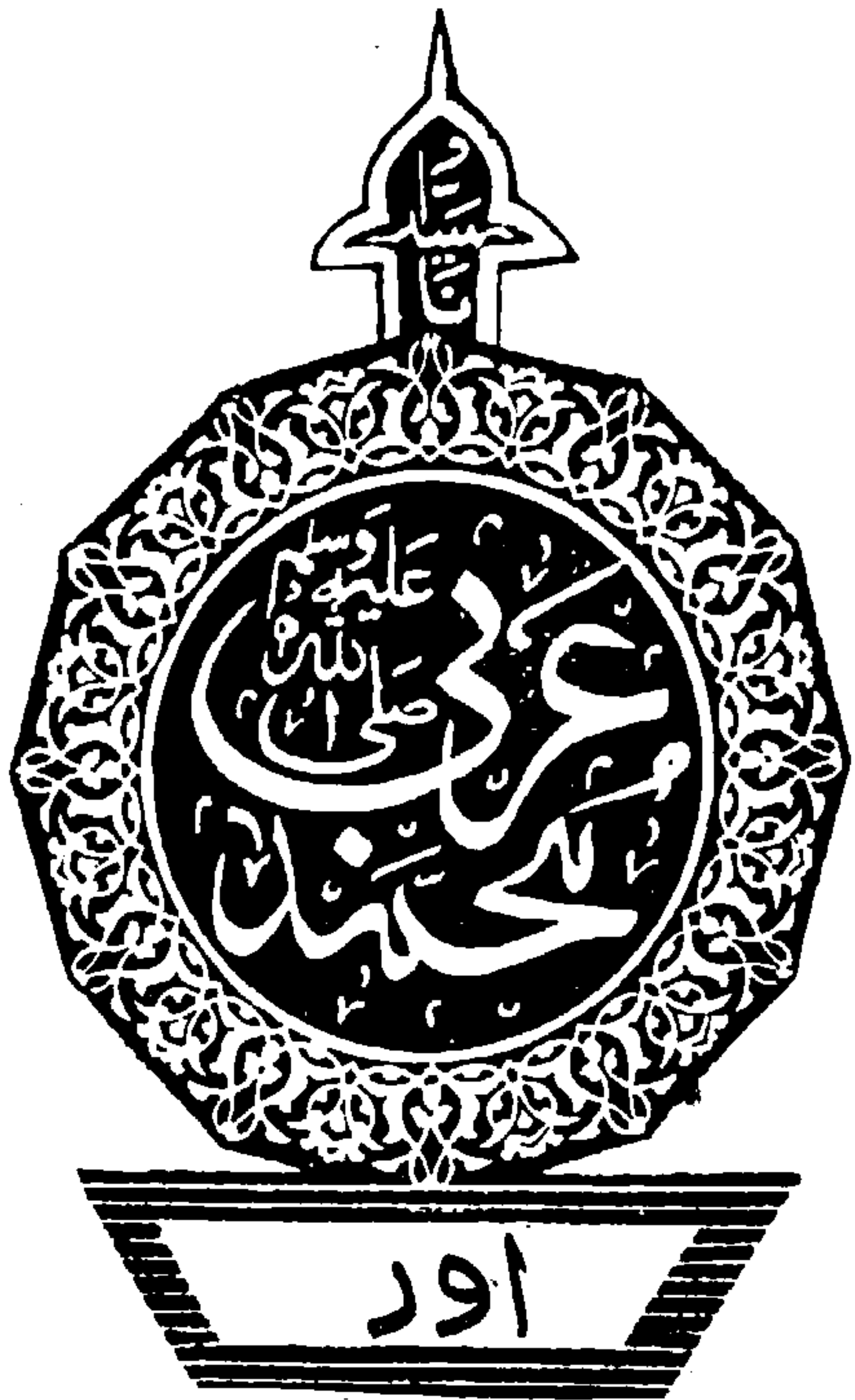
حکیم محمد عمر حیدرآبادی

صحت خدا کی عظیم نعمت بھی ہے اور عظیم امانت بھی۔

صحت کی قدر کیجئے اور اس کی حفاظت میں کبھی لاپرواہی نہ برتئے۔ ایک بار جب صحت بگڑ جاتی ہے تو پھر بڑی مشکل سے بنتی ہے۔ جس طرح ننھی حقیر دیمک بڑے بڑے کارخانوں کو چاٹ کر تباہ کر ڈالتی ہے اسی طرح کے معاملے میں معمولی خیانت اور حقیر بیماری زندگی کو تباہ کر ڈالتی ہے۔ صحت کے تقاضوں سے غفلت برتنا اور صحت کی حفاظت میں کوتاہی کرنا عبرتناک بے حسی بھی ہے اور مہربان خدا کی ناشکری بھی۔

انسانی زندگی کا اصل جوہر عقل و اخلاق و شعور ہے اور ایمان کی صحت کا دارومدار بڑی حد تک جسمانی صحت پر ہے۔ عقل و دماغ کی نشوونما، فضائل اخلاق کے تقاضے اور دینی فرائض کو ادا کرنے کے لیے جسمانی صحت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ کمزور اور مریض جسم میں عقل و دماغ بھی مریض اور کمزور ہوتے ہیں۔ اور ان کی کارگزاری بھی انتہائی حوصلہ شکن ہوتی ہے اور جب زندگی امنگوں ولولوں، اور حوصلوں سے محروم ہو، ارادے کمزور ہوں جذبات سرد اور مضمحل ہوں تو ایسی بے رونق زندگی جسم ناتواں کے لیے وبال جان بن جاتی ہے۔

زندگی میں مومن کو جو اعلیٰ کارنامے انجام دینے ہیں اور خلافت کی جس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ جسم میں جان ہو، عقل و دماغ میں قوت ہو، ارادوں میں مضبوطی ہو، حوصلوں میں بلندی ہو اور زندگی ولولوں، امنگوں اور اعلیٰ ستھرے جذبات سے بھرپور ہو۔ صحت مند اور زندہ دل افراد سے زندہ اور انقلابی قومیں کارگاہ حیات میں حیرت انگیز قربانیاں دیکر تاریخ بناتی ہیں اور دنیا کو زندگی کی حقیقی قدر و عظمت سمجھاتی ہیں۔

۲۔ ہمیشہ خوش و خرم، ہشاش بشاش اور چاق و چوبند رہیے۔ خوش باشی، خوش اخلاقی مسکراہٹ اور زندہ دلی سے زندگی کو آراستہ، پرکشش اور صحت مند رکھیے۔ غم و غصہ رنج و فکر، حسد، جلن، بدحواسی، تنگ نظری، مردہ دلی اور دماغی الجھنوں سے دور رہیئے۔ یہ اخلاقی بیماریاں اور ذہنی الجھنیں معدے کو بری طرح متاثر کرتی ہیں، اور معدے کا فساد صحت کا بدترین دشمن ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "سیدھے سادے رہو، میانہ روی اختیار کرو، اور ہشاش بشاش رہو۔" (مشکوٰۃ)

ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا کہ اپنے دو بیٹوں کا سہارا لیئے ہوئے ان کے درمیان گھسٹتا ہوا جا رہا تھا۔ آپ نے پوچھا۔ "اس بوڑھے کو کیا ہو گیا ہے؟" بتایا گیا کہ اس نے بیت اللہ تک

پیدل جانے کی نذر مانی تھی۔ نبی نے فرمایا، خدا اس سے بے نیاز ہے کہ یہ بوڑھا خود کو عذاب میں مبتلا رکھے۔" اور اس بوڑھے کو حکم دیا کہ سوار ہو کر اپنا سفر پورا کرو۔"

حضرت عمرؓ نے ایک بار جوان آدمی کو دیکھا کہ وہ مریل چال چل رہا ہے۔ آپ نے اس کو روکا اور پوچھا "تمھیں کیا بیماری ہے۔" اس نے کہا، کوئی بیماری نہیں ہے، آپ نے اپنا درّہ اٹھایا اور اس کو دھمکاتے ہوئے کہا راستے پر پوری قوت کے ساتھ چلو۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب راستے پر چلتے تو نہایت جمے ہوئے قدم رکھتے، اور اس طرح قوت کے ساتھ چلتے کہ جیسے کسی نشیب میں اتر رہے ہوں۔ حضرت عبداللہ بن حارث کہتے ہیں۔ "میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مسکرانے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری میں رہتا تھا۔ اور میں کثرت سے آپ کو دعا مانگتے سنا کرتا تھا:۔

۳۔ اپنے جسم پر برداشت سے باہر بوجھ نہ ڈالیے۔ جسمانی قوتوں کو ضائع نہ کیجئے۔ جسمانی قوتوں کا یہ حق ہے کہ ان کی حفاظت کی جائے اور ان سے ان کی برداشت کے مطابق اعتدال کے ساتھ کام لیا جائے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اتنا ہی عمل کرو جتنا کر سکنے کی تمھارے اندر طاقت ہے اس لیے کہ خدا نہیں اُکتاتا، یہاں تک کہ تم خود ہی اُکتا جاؤ۔" (ترمذی)

حضرت ابو قیس فرماتے ہیں کہ وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ نبی خطبہ دے رہے تھے۔ حضرت ابو قیس دھوپ میں کھڑے ہو گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ دھوپ میں سے ہٹ جاؤ، تو وہ سائے کی طرف ہٹ گئے (آداب المفرد) اور آپ نے اس سے بھی منع فرمایا کہ آدمی کے جسم کا کچھ حصہ دھوپ میں رہے اور کچھ حصہ سائے میں۔"

قبیلہ باہلہ کی ایک خاتون حضرت مجیبہ بیان کرتی ہیں کہ ایک بار میرے آقا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے یہاں دین کا علم حاصل کرنے کے لیے گئے۔ اور (دین کی کچھ باتیں سیکھ کر) گھر واپس آ گئے۔ پھر ایک سال بعد دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے (تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بالکل نہ پہچان سکے) تو انھوں نے پوچھا "یا رسول اللہ! کیا آپ نے مجھے پہچانا نہیں؟" نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں میں نے تو تمھیں نہیں پہچانا، اپنا تعارف کراؤ۔" انھوں نے کہا، میں قبیلہ باہلہ کا ایک فرد ہوں۔ پچھلے سال بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ تمہاری کیا حالت ہو رہی ہے؟ پچھلے سال جب تم آئے تھے تب تو تمھاری شکل و صورت اور حالت بڑی اچھی تھی۔" انھوں نے بتایا کہ جب سے میں آپ کے یہاں سے گیا ہوں اس وقت سے اب تک برابر روزے رکھ رہا ہوں۔ صرف رات میں کھانا کھاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ "تم نے خواہ مخواہ اپنے آپ کو عذاب میں ڈالا۔" (اور اپنی صحت برباد کر ڈالی) پھر آپ نے ہدایت فرمائی کہ رمضان میں مہینے بھر کے روزے رکھو اور اس کے علاوہ ہر مہینہ میں ایک روزہ رکھ لیا کرو۔" انھوں نے کہا حضور ایک دن سے زیادہ کی اجازت دیجئے۔" ارشاد فرمایا "اچھا ہر مہینہ میں دو دن روزہ رکھ لیا کرو۔" انھوں نے پھر کہا حضور! کچھ اور زیادہ کی اجازت دیجئے" آپ نے فرمایا "اچھا ہر مہینے میں تین دن۔" انھوں نے کہا "حضور کچھ اور اضافہ فرمائیے۔" آپ نے فرمایا "اچھا ہر سال محترم مہینوں میں روزے رکھو اور چھوڑ دو، ایسا ہی ہر سال کرو۔" یہ ارشاد فرماتے ہوئے آپ نے اپنی تین انگلیوں سے اشارہ فرمایا، ان کو باہم ملایا پھر چھوڑ دیا۔

اور آپ کا ارشاد ہے" اور مومن کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔" لوگوں نے پوچھا "مومن بھلا کیسے اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے؟" ارشاد فرمایا "وہ اپنے آپ کو ناقابل برداشت آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔" (ترمذی)

۴۔ ہمیشہ سخت کوشی، جفاکشی، محنت، مشقت اور بہادری کی زندگی گزاریے۔ ہر طرح کی سختیاں جھیلنے اور سخت سے سخت حالات کا مقابلہ کرنے کی عادت ڈالیے۔ اور سخت جان بن کر سادہ اور مجاہدانہ زندگی گزارنے کا اہتمام کیجیے، آرام طلب، سہل انگار، نزاکت پسند، عیش کوش، پست ہمت اور دنیا پرست نہ رہیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجنے لگے تو ہدایت فرمائی کہ معاذ اپنے کو عیش کوشی سے بچائے رکھنا، اس لیے کہ خدا کے بندے عیش کوش نہیں ہوتے۔ (مشکوٰۃ)

اور حضرت ابوامامہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سادہ زندگی گزارنا ایمان کی علامت ہے۔" (ابوداؤد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ سادہ اور مجاہدانہ زندگی گزارتے تھے۔ اور ہمیشہ اپنی مجاہدانہ قوت کو محفوظ رکھنے اور بڑھانے کی کوشش فرماتے تھے۔ آپ تیرنے سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ اس لیے کہ تیرنے سے جسم کی بہترین ورزش ہوتی ہے۔ ایک بار ایک تالاب میں آپ اور آپ کے چند صحابی تیر رہے تھے۔ آپ نے تیرنے والوں میں سے ہر ایک آدمی کی جوڑی مقرر فرمادی کہ ہر آدمی اپنے جوڑ کی طرف تیر کر پہنچے! چنانچہ آپ کے ساتھی حضرت ابوبکر صدیق قرار پائے۔ آپ تیرتے ہوئے ان تک پہنچے اور جاکر ان کی گردن پکڑلی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری کے لیے گھوڑا بہت پسند تھا۔ آپ اپنے گھوڑے کی خود خدمت فرماتے، اپنی آستین سے اس کا منہ پونچھتے، اور صاف کرتے۔ اس کی ایال کے بالوں کو اپنی انگلیوں سے بٹتے۔ اور فرماتے۔ بھلائی اس کی پیشانی سے قیامت تک کے لیے وابستہ ہے۔" (بخاری، مسلم)

حضرت عقبہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "تیر چلانا سیکھو، گھوڑے کی سواری کیا کرو، تیراندازی کرنے والے مجھے گھوڑے کی سواری کرنے والوں سے بھی زیادہ پسند ہیں۔ اور جس نے تیراندازی سیکھ کر چھوڑ دی، اس نے خدا کی نعمت کی ناقدری کی۔" (ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جس۔ خطرے کے موقع پر مجاہدین کی پاسبانی کی اس کی یہ رات شب قدر سے زیادہ افضل ہے۔" (حاکم)

ایک موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا "میری امت پر وہ وقت آنے والا ہے جب دوسری قومیں اس پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کھانے والے دسترخوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔" کسی نے پوچھا "یا رسول اللہ کیا اس زمانے میں ہماری تعداد اتنی کم ہوگی کہ ہمیں نگل لینے کے لیے قومیں متحد ہو کر ہم پر ٹوٹ پڑیں گی؟" ارشاد فرمایا، نہیں، اس وقت تمہاری تعداد کم نہ ہوگی، بلکہ تم بہت بڑی تعداد میں ہوگے۔ البتہ تم سیلاب میں بہنے والے تنکوں کی طرح بے وزن ہوگے اور تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب نکل جائیگا۔ اور تمہارے دلوں میں کم ہمتی گھر کرے گی۔" اس پر ایک آدمی نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ پست ہمتی کس وجہ سے آجائے گی؟" آپ نے فرمایا۔" اس وجہ سے کہ تم دنیا سے محبت کرنے لگو گے اور موت سے نفرت کرنے لگو گے۔" (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو اپنے گھوڑے کی باگیں پکڑے ہوئے خدا کی راہ میں اس کو اڑاتا پھرتا ہے جہاں کسی خطرے کی خبر سنی، گھوڑے پر بیٹھ کر دوڑ گیا۔ قتل اور موت سے ایسا بے خوف ہے گویا اس کی تلاش میں ہے۔" (مسلم)

۵۔ خواتین بھی سخت کوشی اور محنت و مشقت کی زندگی گذاریں گھر کا کام کاج اپنے ہاتھوں سے کریں۔ چلنے پھرنے اور تکلیف برداشت کرنے کی عادت ڈالیں۔ آرام طلبی، سستی اور عیش کوشی سے پرہیز کریں۔ اور اولاد کو بھی شروع سے سخت کوش جفاکش اور سخت جان بنانے کی کوشش کریں۔ گھر میں ملازم ہوں تب بھی اولاد کو بات بات میں ملازم کا سہارا لینے سے منع کریں اور عادت ڈلوائیں کہ بچے اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کریں صحابیہ عورتیں اپنے گھروں کا کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ باورچی خانے کا کام خود کرتیں، چکی پیستیں، پانی بھر کر لاتیں، کپڑے دھوتیں سینے پرونے کا کام کرتیں اور محنت و مشقت کی زندگی گذارتیں۔ ضرورت پڑنے پر میدان جنگ میں زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے اور

پانی پلانے کا نظم بھی سنبھال لیتیں۔ اس سے خواتین کی صحت بھی بہتر رہتی ہے، اخلاق بھی صحت مند رہتے ہیں اور بچوں پر بھی اس کے اچھے اثرات پڑتے ہیں۔ اسلام کی نظر میں پسندیدہ بیوی وہی ہے جو گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی ہو اور شب و روز اس طرح اپنی گھریلو ذمہ داریوں میں لگی رہتی ہو کہ اس کے چہرے بشرے سے محنت کی تکان بھی نمایاں رہے اور باورچی خانے کی سیاہی اور دھوئیں کا ملگجا پن بھی ظاہر ہو رہا ہو۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"میں اور ملگجے بالوں والی عورت قیامت کے روز اس طرح ہوں گے۔" آپ نے شہادت کی انگلی اور بیچ والی انگلی کو ملاتے ہوئے کہا۔

۶۔ سحر خیزی کی عادت ڈالیے، سونے میں اعتدال سے کام لیجئے۔ نہ کم سوئیے کہ جسم کو پوری طرح آرام اور سکون نہ مل سکے۔ اور اعضاء میں تکان اور شکستگی باقی رہے اور نہ اتنا زیادہ سوئیے کہ سستی اور کاہلی پیدا ہو۔ رات کو جلد سونے اور صبح کو جلد اٹھنے کی عادت ڈالیے۔

صبح اٹھ کر خدا کی بندگی بجا لائے اور چمن یا میدان میں ٹہلنے اور تفریح کرنے کے لیے نکل جائیے۔ صبح کی تازہ ہوا صحت پر بہت اچھا اثر ڈالتی ہے۔ روزانہ اپنی جسمانی قوت کے لحاظ سے ہلکی پھلکی ورزش کا بھی اہتمام کیجئے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم باغ کی تفریح کو پسند فرماتے تھے۔ اور کبھی کبھی خود بھی باغوں میں تشریف لے جاتے تھے۔ آپ نے عشاء کے بعد جاگنے اور گفتگو کرنے کی ممانعت فرمائی اور فرمایا "عشاء کے بعد وہی شخص جاگ سکتا ہے جس کو کوئی دینی گفتگو کرنی ہو۔ یا پھر گھر والوں سے ضرورت کی بات چیت کرنی ہو۔"

۷۔ ضبط نفس کی عادت ڈالیے، اپنے جذبات، خیالات، اور خواہشات پر قابو رکھیے۔ اپنے دل کو بہکنے، خیالات کو منتشر ہونے اور نگاہ کو آوارہ ہونے سے بچائیے۔ خواہشات کی بے راہ روی اور نظر کی آوارگی سے دل و دماغ سکون و عافیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے چہرے جوانی کے حسن و جمال، ملاحت و کشش اور مردانہ صفات کی دلکشی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اور پھر وہ زندگی کے ہر میدان میں پست ہمت، پست حوصلہ اور بزدل ثابت ہوتے ہیں۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"آنکھوں کا زنا بد نگاہی ہے اور زبان کا زنا بے حیائی کی گفتگو ہے۔ نفس تقاضے کرتا ہے اور شرمگاہ یا تو اس کی تصدیق کرتی ہے۔ یا تکذیب۔"

کسی حکیم و دانا نے کہا ہے:

"مسلمانو! بدکاری کے قریب نہ بھٹکو، اس کی چھ خرابیاں ہیں۔ تین خرابیاں تو دنیا کی ہیں اور تین خرابیاں آخرت کی دنیا کی تین خرابیاں تو یہ ہیں کہ اس سے۔

- آدمی کے چہرے کی رونق اور کشش جاتی رہتی ہے۔
- آدمی پر فقر و افلاس کی مصیبت نازل ہوتی ہے۔
- اور اس کی عمر کوتاہ ہو جاتی ہے۔

۸۔ نشہ آور چیزوں سے بچئے۔ نشہ آور چیزیں دماغ کو بھی متاثر کرتی ہیں اور معدے کو بھی۔ شراب تو خیر حرام ہے ہی اس کے علاوہ بھی جو نشہ لانے والی چیزیں ہیں ان سے بھی پرہیز کیجئے۔

۹۔ ہر کام میں اعتدال اور سادگی کا لحاظ رکھیے۔ جسمانی محنت میں دماغی کاوش میں، ازدواجی تعلق میں، کھانے پینے میں، سونے اور آرام کرنے میں، فکر مند رہنے اور ہنسنے میں، تفریح میں اور عبادت میں، رفتار و گفتار میں، غرض ہر چیز میں میانہ روی اختیار کیجئے۔ اور اس کو خیر و خوبی کا سرچشمہ تصور کیجئے۔

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "خوشحالی میں میانہ روی کیا ہی خوب ہے، ناداری میں اعتدال کی روش کیا ہی بھلی ہے، اور عبادت میں درمیانی روش کیا ہی بہتر ہے۔" (مسند بزار، کنزالعمال)

۱۰۔ کھانا ہمیشہ وقت پر کھائیے، پُر خوری سے بچئے۔ ہر وقت منہ چلاتے رہنے سے پرہیز کیجئے۔ کھانا بھوک لگنے پر ہی کھائیے اور جب کچھ بھوک باقی ہو تو اٹھ جائیے۔ بھوک سے زیادہ تو ہرگز نہ کھائیے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔"

صحت کا دارومدار معدے کی صحت مندی پر ہے۔ اور زیادہ کھانے سے معدہ خراب ہو جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تمثیل میں اس کو یوں واضح فرمایا ہے:

"معدہ بدن کے لیے حوض کی مانند ہے اور رگیں اس حوض سے سیراب ہونے والی ہیں۔ پس اگر معدہ صحیح اور تندرست ہے تو رگیں بھی صحت سے سیراب ہو کر لوٹیں گی اور اگر معدہ ہی خراب اور بیمار ہے تو رگیں بیماری چوس کر لوٹیں گی۔ (بیہقی)

کم خوری کی ترغیب دیتے ہوئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔ "ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لیے کافی ہے۔"

۱۱۔ ہمیشہ سادہ کھانا کھائیے۔ بغیر چھنے ہوئے آٹے کی روٹی کھائیے۔ زیادہ گرم کھانا کھانے سے پرہیز کیجئے۔ مسالوں چٹخاروں اور ضرورت سے زیادہ لذت طلبی سے پرہیز کیجئے ایسی غذاؤں کا اہتمام کیجئے جو زود ہضم اور سادہ ہوں اور جن سے جسم کو صحت اور توانائی ملے۔ محض لذت طلبی اور زبان کے چٹخاروں کے پیچھے نہ پڑئے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم بغیر چھنے آٹے کی روٹی پسند فرماتے تھے۔ زیادہ پتلی اور میدے کی چپاتی پسند نہ فرماتے۔ بہت زیادہ گرم کھانا جس میں سے بھاپ نکلتی ہوتی، نہ کھاتے، بلکہ ٹھنڈا ہونے کا انتظار فرماتے۔ گرم کھانے کے بارے میں کبھی فرماتے: "خدا نے ہم کو آگ نہیں کھلائی ہے" اور کبھی ارشاد فرماتے۔ "گرم کھانے میں برکت نہیں ہوتی۔" آپ گوشت پسند فرماتے، خاص طور پر دست، گردن، اور پیٹھ کا گوشت رغبت سے کھاتے۔ درحقیقت جسم کو قوت بخشنے اور مجاہدانہ مزاج بنانے کے لیے گوشت ایک اہم اور لازمی غذا ہے۔ اور مومن کا سینہ ہمیشہ مجاہدانہ جذبات سے آباد رہنا چاہیے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ جو شخص خدا کی راہ میں جہاد کیے بغیر مر گیا اور اس کے دل میں اس کی آرزو بھی نہیں تھی، وہ نفاق کی ایک کیفیت میں مرا۔ (صحیح مسلم)

۱۲۔ کھانا نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ خوب چبا چبا کر کھائیے۔ غم و غصہ، رنج اور گھبراہٹ کی حالت میں کھانے سے پرہیز کیجئے۔ خوشی اور ذہنی سکون کی حالت میں اطمینان کے ساتھ جو کھانا نگلا جاتا ہے وہ جسم میں قوت پہنچاتا ہے، اور رنج و فکر اور گھبراہٹ میں جو کھانا نگلا جاتا ہے وہ معدے پر بُرا اثر ڈالتا ہے اور اس سے جسم کو خاطر خواہ قوت نہیں مل پاتی۔ دسترخوان پر نہ تو بالکل خاموش، فسردہ اور غمزدہ ہو کر بیٹھئے اور نہ حد سے بڑھی ہوئی خوش طبعی کا مظاہرہ کیجئے کہ دسترخوان پر قہقہے بلند ہونے لگیں۔ کھانے کے دوران قہقہے لگانا بعض اوقات جان کے لیے خطرے کا باعث بن جاتا ہے۔ دسترخوان پر اعتدال کے ساتھ کھانا کھائیے اور خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کیجئے ام منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے۔ ہمارے یہاں کھجور کے خوشے لٹک رہے تھے۔ حضور ان میں سے تناول فرمانے لگے حضرت علی بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ وہ بھی نوش فرمانے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روک دیا کہ تم ابھی بیماری سے اٹھے ہو، تم ابھی مت کھاؤ۔ چنانچہ حضرت علی رُک گئے۔ اور نبی کھاتے رہے۔ ام منذر کہتی ہیں کہ پھر میں نے تھوڑے سے جَو اور چقندر لے کر پکائے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا، "علی! یہ کھاؤ۔ یہ تمھارے لیے بہت مناسب ہے۔" (شمائل ترمذی)

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر جب کوئی مہمان ہوتا تو آپ بار بار اس سے فرماتے کھائیے اور کھائیے۔ جب مہمان خوب سیر ہو جاتا اور بےحد انکار کرنے لگتا تب آپ اپنے اصرار سے باز آتے۔ یعنی نہایت خوش گوار فضا اور خوشی کے ماحول میں مناسب گفتگو کرتے ہوئے کھانا تناول فرماتے۔

۱۳۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر قیلولہ کیجئے۔ اور رات کا کھانا کھانے کے فوراً بعد کوئی سخت قسم کا دماغی یا جسمانی کام ہرگز نہ کیجئے۔

۱۴۔ آنکھوں کی حفاظت کا پورا پورا اہتمام کیجئے۔ تیز روشنی سے آنکھیں نہ لڑائیے۔ سورج کی طرف نگاہ جما کر نہ دیکھیے۔ زیادہ مدھم یا زیادہ تیز روشنی میں نہ پڑھیے۔ ہمیشہ صاف اور معتدل روشنی میں مطالعہ کیجئے۔ زیادہ جاگنے سے بھی پرہیز کیجئے۔ دھول غبار سے آنکھوں کی حفاظت کیجئے۔ آنکھوں میں سرمہ لگائیے۔ اور ہمیشہ آنکھیں صاف کرنے کی کوشش کیجئے۔ کھیتوں، باغوں، سبزہ زاروں میں سیر و تفریح کیجئے۔ سبزہ دیکھنے سے نگاہوں پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ آنکھوں کو بدنگاہی سے بھی بچائیے۔ اس سے آنکھیں بے رونق ہو جاتی

ہیں اور صحت پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "تم آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے۔"

مومن کا فرض ہے کہ وہ خدا کی نعمت کی قدر کرے۔ اس کو خدا کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ اس کی حفاظت اور صفائی کا اہتمام کرے اور وہ ساری تدبیریں اختیار کرے جن سے آنکھوں کو نقصان نہ پہونچتا ہو۔

اسی طرح جسم کے دوسرے اعضاء اور قوئی کی حفاظت کا بھی خیال رکھیے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "لوگو! آنکھوں میں سرمہ لگا لیا کرو۔ سرمہ آنکھ کے میل کو دور کرتا ہے اور بالوں کو اُگاتا ہے۔" (ترمذی)

(۱۵) دانتوں کی صفائی اور حفاظت کا بھی اہتمام کیجئے۔

دانتوں کو صاف رکھنے سے فرحت حاصل ہوتی ہے اور ہاضمے پر اچھا اثر پڑتا ہے اور دانت بیماریوں سے محفوظ اور مضبوط بھی رہتے ہیں۔ مسواک کی عادت ڈالیے، منجن وغیرہ کا بھی استعمال رکھیے۔ پان اور تمباکو وغیرہ کی کثرت سے دانتوں کو خراب نہ کیجئے۔ کھانے کے بعد بھی دانتوں کو اچھی طرح صاف کر لیا کیجئے۔

دانت گندے رہنے سے طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی لیے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب نیند سے بیدار ہوتے تو مسواک سے اپنے دانت صاف فرماتے۔ (متفق علیہ) اور آپ جب بھی باہر سے گھر میں تشریف لاتے تو مسواک کرتے اور فرماتے کہ جس وقت بھی میرے پاس جبریل آتے ہیں مسواک کی تاکید فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ مجھے یہ اندیشہ ہونے لگتا ہے کہ کہیں اُمت پر مسواک فرض نہ ہو جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے وضو کا پانی اور مسواک تیار رکھتے تھے۔ جس وقت بھی خدا کا حکم ہوتا آپ اُٹھ بیٹھتے اور پھر وضو کر کے نماز ادا فرماتے تھے۔ (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تم لوگوں کو مسواک کرنے کے بارے میں بہت تاکید کر چکا ہوں۔" (بخاری)

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مسواک منہ کو صاف کرنے والی اور خدا کو راضی کرنے والی ہے۔" (نسائی)

آپ کا ارشاد ہے۔ "اگر میں اپنی اُمت کے لیے شاق نہ سمجھتا تو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔" (ابو داؤد)

ایک بار آپ سے ملنے کے لیے کچھ مسلمان خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُن کے دانت صاف نہ ہونے کی وجہ سے پیلے ہو رہے تھے۔ آپ کی نظر پڑی تو فرمایا: "تمھارے دانت پیلے پیلے کیوں نظر آرہے ہیں؟ مسواک کیا کرو۔" (مسند احمد)

۱۶۔ بول و براز کی حاجت ہو تو فوراً حاجت پوری کیجئے۔ ان ضرورتوں کو روکنے سے معدے اور دماغ پر نہایت برے اثرات ہوتے ہیں۔

۱۷۔ پانی کی طہارت اور نظافت کا پورا پورا اہتمام کیجئے۔ قرآن حکیم میں ہے۔ "خدا ان لوگوں کو اپنا محبوب بناتا ہے جو بہت زیادہ پاک و صاف رہتے ہیں۔" (التوبہ)

اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "صفائی اور پاکیزگی آدھا ایمان ہے۔" صفائی اور پاکیزگی کی اسی اہمیت کے پیش نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طہارت کے تفصیلی احکام دئے ہیں اور ہر معاملے میں طہارت و نظافت کی تاکید کی ہے۔ کھانے پینے کی چیزوں کو ڈھانپ کر رکھیے، انہیں گندہ ہونے سے بچائیے۔ مکھیوں سے حفاظت کیجئے۔ برتنوں کو صاف ستھرا رکھیے۔ لباس اور لیٹنے بیٹھنے کے بستروں کو پاک صاف رکھیے۔ اُٹھنے بیٹھنے کی جگہوں کو صاف ستھرا رکھیے۔ جسم کی صفائی اور پاکیزگی کے لیے وضو اور غسل کا پابندی سے اہتمام کیجئے۔ جسم اور لباس اور ضرورت کی ساری چیزوں کی صفائی اور پاکیزگی سے روح کو بھی سرور اور نشاط حاصل ہوتا ہے اور جسم کو بھی فرحت اور تازگی ملتی ہے۔ اور بحیثیت مجموعی صحت پر اس کا نہایت خوشگوار اثر پڑتا ہے۔

حضرت عدی بن حاتم فرماتے ہیں: "جب سے میں اسلام لایا ہوں ہر نماز کے لیے باوضو رہتا ہوں۔"

ایک مرتبہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے پوچھا: "کل تم مجھ سے پہلے جنت میں داخل کیسے ہو گئے؟"

بولے۔ یا رسول اللہ! میں جب بھی اذان کہتا ہوں تو دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہوں اور جس وقت بھی وضو ٹوٹتا ہے۔ فوراً نیا وضو کر کے ہمیشہ با وضو رہنے کی کوشش کرتا ہوں۔"
حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان پر خدا کا یہ حق ہے کہ ہر ہفتے میں ایک دن غسل کیا کرے۔ اور اپنے سر اور بدن کو دھویا کرے (بخاری)
اور حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔" جب بھی کوئی جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے آئے تو غسل کر کے آئے۔" (بخاری، مسلم)

مشہور معالج ڈاکٹر خالد غزنوی نے اپنے ایک مضمون میں بجا طور پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ ارشادات نبویؐ پر عمل کرنے والا شخص کبھی بیمار نہیں ہوسکتا۔ ڈاکٹر صاحب کے مضمون کا خلاصہ درج ذیل ہے۔
جالینوس ان علماء میں سے تھا جنہوں نے زمین پر طب اور علاج کے علم کی ابتدا کی۔ اس کے بعد افلاطون، سقراط اور ارسطو کو تحقیقی کاموں سے شہرت دوام ملی لقمان اجل حکیم بھی تھے اور اللہ تعالےٰ کے نبی بھی قرآن مجید نے متعدد مقامات پر اللہ کی اس نعمت کا ذکر کیا ہے جو اس نے اپنے بندے اور پیغمبر لقمان کو عطا کی۔
آج کل ہمیں یہ شوق ہے کہ ہم علوم وفنون کے بارے میں یہ ثابت کریں کہ ان میں سے اکثر کی موجودہ ہیئت اسلامی اقدار کے تحت ہوئی اور اس سلسلے میں جب مسلمانوں کی علمی کاوشوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس میں ابن اسحاق، ماسویہ صغیر وغیرہ کا ذکر بڑے فخر سے کیا جاتا ہے لیکن جس نے علم طب کو جلا بخشی اُسے فراموش کر دیا گیا۔ جالینوس نے دماغ کے دوران خون پر تحقیق کی اور ایک وریدآج بھی اس کے نام سے موسوم ہے۔ ارسطو نے تشریح الاعضاء پر توجہ دی اور بچے کی تخلیق کو سمجھنے کے لئے جانوروں پر مشاہدات کئے مگر جس نے بتایا کہ معدہ ایک حوض کے مانند ہے جس سے نالیاں جسم کو جاتی ہیں خراب ہوں تو نالیاں بھی خراب ہوں گی۔ اُسے ہم بھول گئے۔
جالینوس نے معدہ کے بارے میں تحقیقی کام کیا ہے لیکن وہ اس حد تک نہ جان سکا کہ اگر نظام انہضام میں کوئی خرابی واقع ہو جائے تو وہ پورے جسم کو متاثر کرتی ہے۔
بیسوی صدی کے نصف تک سائنس داں بخار کے مریض کو بھوکا رکھتے تھے۔ یقین کیا جاتا تھا کہ تپ محرقہ کے مریض کو اگر کھانے کو دیا گیا تو آنتیں پھٹ جائیں گی لیکن اسی سرکار (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ارشاد ہوا اپنے مریضوں کو بھوکا نہ رکھا کرو اگر کسی مریض کو بھوک لگے تو کھائے۔
(عقبہ بن عامر الجہنی ترمذی ابن ماجہ)
ڈاکٹروں کو یہ احساس اب ہوا ہے کہ مریض کو بھوکا رکھنے سے اس کی قوت مدافعت میں مزید کمی آجاتی ہے اس لئے مریض کی توانائی کو برقرار رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مناسب غذا کھائے۔
ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ہمارے گھر جب کوئی بیمار ہوتا تو تبینہ کی ہنڈیا چولہے پر چڑھا دی جاتی اور یہ اس وقت تک چڑھی رہتی جب تک یا تو وہ ٹھیک ہو جاتا یا وفات پا جاتا۔' (بخاری)
اس برگزیدہ ہستی نے جب ارشاد فرمایا تبینہ مریض کے دل کو طاقت دیتا اور اس کے غم کو دور کرتا ہے تو خود اُسے اپنے گھر میں استعمال کر کے مثال قائم کی۔ بو علی سینا اگرچہ قولنج کے علاج میں عالمی شہرت رکھتے تھے۔ لیکن ان کا مرض اس لئے بگڑ گیا کہ بقول شمس الاطباء حکیم جیلانی وہ اپنا علاج ہمیشہ خود کر کے اپنی بیماری کو خراب کر لیتے تھے۔
طب جدید آج بھی اس امر سے آشنا نہیں کہ کوڑھ کی بیماری کسی کو کب لاحق ہوتی ہے اور اس سے بچنے کی ترکیب کیا ہے۔ یہ درست ہے کہ اب DIASONE SOCLIUM کے نام سے ایک دوائی اس بیماری

کو پھیلنے نہیں دیتی مگر بیماری کے اسباب ابھی تک جراثیم سے لے کر ان کی حساسیت کے درمیان حالت غیر یقینی انجام سے دوچار ہیں۔ مسند طیالسی اور مسند ابو یعلیٰ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ناک کے بال کوڑھ سے محفوظ رکھتے ہیں دوسری روایت میں یہ بتایا گیا کہ کوڑھ ایک متعدی بیماری ہے۔ مریض سے اسطرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔ یہ بیماری کیسے لگتی ہے؟ اس کی تشریح ملاحظہ فرمائیں ابن انس اور ابو نعیم عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوڑھی سے جب بات کرو تو اس کے اور اپنے درمیان کم از کم ایک سے دو تیر کا فاصلہ رکھ لیا کرو۔ یہ بات طب جدید کو بیسویں صدی میں معلوم ہوئی کہ مریض جب بات کرتا ہے تو منہ سے نکلنے والی ہوا جراثیم سے لبریز ہوتی ہے یہ جراثیم مریض کے منہ سے نکل کر سامنے بیٹھے ہوئے افراد کی سانس کی نالیوں میں داخل ہو کر بیماری پیدا کرتے ہیں انفلوئنزا، زکام، چیچک۔ خناق، پولیو، اور سانس کی بیشتر بیماریاں اس طریقہ سے پھیلتی ہیں اور بیماری کے پھیلاؤ کے اس طریقہ کو DROPLET INFECTION کہتے ہیں۔ مریض کے منہ سے نکلنے والے جراثیم سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ بات کرتے وقت مریض سے کم از کم چار فٹ کا فاصلہ رکھا جائے اس جدید انکشاف کو جب عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی حدیث کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو افسوس ہوتا ہے کہ ہم نے ارسطو کے کارناموں پر تو سر دھنا۔ بو علی سینا کے نام لیتے لیتے ہماری زبان سوکھتی رہی۔ مگر اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے ہی شرم آتی ہے کہ انھوں نے طب اور سائنس کے میدان میں کسی محقق اور دانشور سے زیادہ کام کیا ہے۔ اور ان کے ارشادات گرامی صحت و تندرستی کے میدان میں اتنے جامع اور مکمل ہیں کہ ان پر عمل کرنے والا کوئی شخص کبھی بیمار نہیں ہو سکتا۔

متعدی بیماریوں کے پھیلاؤ کے اسباب پر جو ارشادات بارگاہ رسالت سے صادر ہوئے وہ اتنے مکمل ہیں کہ علوم جدید اب بھی اُن تک نہیں پہونچ سکے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت کے مسئلہ کو ایک ہی صورت میں نہیں بلکہ انہوں نے اسے علیحدہ علیحدہ بیان کر کے کسی بھی صنف کو تشنہ نہیں رکھا۔ چھوت کی بیماریاں مریض سے قریب جانے اس سے بات کرنے اور غلاظت سے پھیلتی ہیں۔ تندرست افراد جب گندا پانی پیتے ہیں تو بیمار ہو جاتے ہیں۔ مکھیاں جراثیم کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں۔ اس لئے چھوت کی وبائی بیماریوں سے بچنے کا اصول یہ ہے کہ گندا پانی پینے سے احتراز کیا جائے۔ جس کھانے پر مکھی بیٹھی ہو وہ بیماری پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" کہ وہ پانی جس کا رنگ یا بو ذائقہ متاثرہ نہ ہو وہ پاک ہے۔ مکھیوں کے بارے میں بخاری، مسلم، ابن حبان اور دارمی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ مکھی اگر کھانے میں گر جائے تو اسے غوطہ دے دیا کرو کہ اس کے ایک پر میں شفا ہے اور دوسرے میں بیماری"۔ تقریباً یہی الفاظ ابو سعید خدری سے ابن ماجہ نے اور ابن النجار نے حضرت علی سے روایت کئے ہیں۔

مکھیوں کو بیماری پھیلانے سے روکنے کی ایک دوسری ترکیب یہ ہے:۔

ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ پیش کیا گیا آپ نے فرمایا کہ اسے ڈھانپ کر کیوں نہ رکھا گیا؟ دوسری احادیث میں بار بار اس امر کی تاکید ملتی ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کو ڈھانپ کر رکھا جائے۔ پینے والے آدمی کو آلودگی سے محفوظ رکھنے کے لئے احادیث میں کم از کم ایک سو

ہدایات موجود ہیں۔ تپ محرقہ ہیضہ اور ہیضہ کے کچھ مریض ایسے ہوتے ہیں جو خود تو بیمار نہیں ہوتے لیکن ان کے پیٹ سے بیماری کے جراثیم خارج ہوتے رہتے ہیں۔ جب یہ لوگ فراغت کے بعد طہارت کرتے ہیں تو جراثیم ان کے ہاتھوں سے چپک کر اشیائے خوردنی میں داخل ہو جاتے ہیں اس صورتحال سے بچاؤ کے لئے پہلی ترکیب یہ بتائی گئی کہ ناخن تراش کر رکھے جائیں پھر ہاتھ اچھی طرح دھوئے جائیں اور بایاں ہاتھ ہمیشہ طہارت کے لئے مخصوص رہے اور یہ ہاتھ کھانے میں استعمال نہ ہو جبکہ دایاں ہاتھ طہارت میں استعمال نہ ہو برتن ڈھانپ کر رکھے جائیں رات کو مشکیزوں کے منہ بند کر دیں مشک سے منہ لگا کر پانی نہ پیا جائے کیونکہ اس طرح آدمی کو پانی کی رنگت اور بو دیکھنے کا موقع نہیں ملے گا۔

طب جدید نے حال ہی میں یہ انکشاف کیا ہے کہ بیماری کا مقابلہ کرنے کے لئے انسان کے جسم میں قوتِ مدافعت پائی جاتی ہے جسے IMMUNITY کہتے ہیں اگر اس میں کمی کی جائے تو بیماری غلبہ پالیتی ہے۔

دار قطنی نے انس بن مالک ابو نعیم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ابو یعلیٰ ابن عساکر نے ابی رہیل سے عقیلی نے ابی الدرداء سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہر بیماری کی اصلیت ٹھنڈک ہے۔" ٹھنڈک سے موسمی ٹھنڈک مراد نہیں لی جاسکتی کیونکہ بیماریاں موسم گرما میں بھی ہوتی ہیں اس لئے ٹھنڈک سے مراد جسم کی اندرونی ٹھنڈک یعنی قوتِ مدافعت کا کم ہو جانا ہے۔

چھوت کی بیماریں اور مدافعت کا تصور رسول اللہ نے پیش فرمایا

بیماریوں کو ایک ملک سے دوسرے ملک تک پھیلنے سے روکنے کے لئے قرنطینہ کا طریقہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ایجاد ہے۔

حضرت اسامہ بن زید اور عبد الرحمٰن بن عوف روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جب تم کسی بستی میں طاعون کی وبا کا سنو تو وہاں مت جاؤ اور اگر تم اس وقت اس بستی میں موجود ہو تو پھر وہاں سے باہر مت نکلو۔ (بخاری، مسلم، مسند احمد، نسائی۔ ابوداؤد)

دانتوں کو تندرست رکھنے کے لئے مسواک کی

تاکید کے ساتھ ساتھ ایسے حالات پیدا کئے گئے کہ ایک مسلمان کا منہ دن میں کم از کم ۳۳ مرتبہ صاف ہوتا ہے۔ اس کے بعد دانتوں میں کبھی کوئی بیماری پیدا نہیں ہوسکتی۔ تحفظ بصارت کے لئے سرمہ کی تجویز فرمائی گئی ہے اور جسم کو صحت مند رکھنے کے لئے غسل صاف لباس کنگھی اور ختنہ مقرر کیا۔

آج دنیا میں سب سے اہم مسئلہ خوراک کا ہے وہ غذا جس سے جسم کو اپنے افعال میں مدد ملے اور تندرستی برقرار رہے اس کا انتخاب اچھی خاصی مصیبت ہے پھر اوقاتِ غذا کیا ہوں اور کھانے کے بعد کیا کیا جائے اس کا جواب بھی بارگاہ رسالت سے ہر صورت میں میسر ہے۔ رات کو کھانا جلدی کھائیں۔ رات کو بھوکے رہنا بڑھاپے کو جلد لاتا ہے بہترین ناشتہ وہ ہے جو صبح جلدی کیا جائے۔

ان چند مثالوں سے میرا یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امراض کی روک تھام کے علم پر پوری طرح دسترس رکھتے تھے اور انھوں نے صحت اور تندرستی کی بقا کے لئے جو ارشادات عطا کئے ہیں وہ اتنے کافی اور جامع ہیں کہ ان پر عمل کرنے کے بعد بیمار ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔ گفتگو مکمل نہ ہوگی اگر ہم علاج کا ذکر نہ کریں۔ انھوں نے علاج کے لئے سب سے پہلی شرط یہ عائد فرمائی ہے کہ غیر مستند طبیب علاج نہ کرے بیمار کو اطمینان اور سکون مہیا کریں اور پھر دوا کرنے کے بعد اللہ سے فضل و کرم کی استدعا کریں۔

بیماریوں کے علاج میں کلونجی، شہد، سنا، ذریرہ، قسط، بحری، عود الہندی، ورس، ایشخ، مکی، زیتون، انجیر اور کھجور وغیرہ کا ذکر ملتا ہے ہم نے ان میں سے ہر چیز کو ذاتی طور پر آزمایا ہے اور پھر ہر ایک کو مرض کی مختلف حالتوں میں آزمایا گیا ہے۔ اور لاجواب پایا گیا۔ امراض قلب میں کھجور اور اس کی گٹھلی کے سفوف کا تذکرہ سعد بن ابی وقاص کی روایت سے ابوداؤد میں ملتا ہے۔ یہ علاج اب تک امراض قلب کے ۔۔ہم مریضوں پر آزمایا جا چکا ہے۔ اور تین سال کے عرصہ میں ایک بھی مریض نہیں مرا ہم نے دمہ اور امراض بطن کے سیکڑوں مریضوں کا علاج نبی صلی اللہ علیہ کے طریقہ پر کیا اور کبھی مایوسی نہیں ہوئی ضرورت اس امر کی ہے کہ آج اس کوشش کا ارادہ کرلیں کہ ہم سرکار دو عالم کے ان ارشادات کو جمع کریں اور ان سے ایک مرقع ترتیب دیں کہ آئندہ نسلیں بھی اپنی صحت اور سلامتی کی بقا کے لئے ان سے مستفیض ہوں۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر آخرت
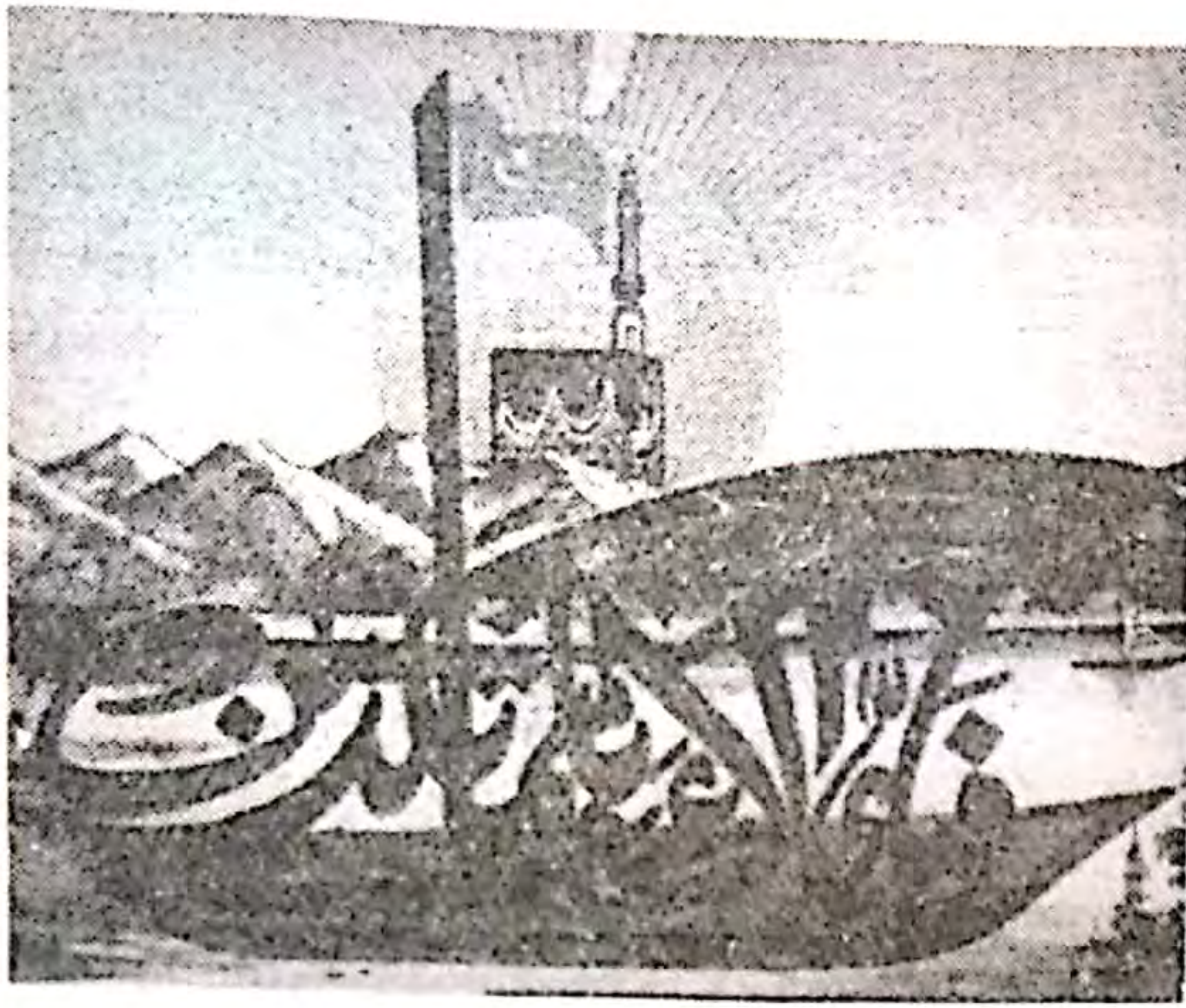
حضرت مولانا مفتی جلال الدین امجدی

جب کوئی شخص کسی مقصد سے اپنا مرکز چھوڑ کر دوسرے مقام پر جاتا ہے تو مقصد پورا ہو جانے کے بعد اپنے مرکز کی طرف واپس ہو جاتا ہے۔ سرکار اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے کا مقصد دین اسلام کے احکام خدا کے بندوں تک پہنچانا اور ان کو توحید پرست بنا کر ان کے نفوس کا مکمل تزکیہ فرمانا تھا۔

خبر ارتحال

جب آپ کا مقصد پورا ہو گیا اور خدائے عزوجل نے آپ کے دین کو کامل کر دیا۔ یہاں تک کہ اپنی نعمتیں آپ پر پوری فرما دیں تو آپ کے اپنے مرکز اصلی مقام قدس کی طرف جانے کا وقت قریب آ گیا جس کا علم آپ کو بہت پہلے سے تھا۔ اسی لئے حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ:

"شاید اس کے بعد میں تمہارے ساتھ حج نہ کر سکوں۔"

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب سورہ "اذا جاء نصر الله والفتح" نازل ہوئی تو رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ مجھ کو میرے سفر آخرت کی خبر دی گئی ہے۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ رونے لگیں۔ حضور نے فرمایا روؤ نہیں۔ میرے اہل بیت میں تم ہی سب سے پہلے مجھ سے ملاقات کرو گی۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ ہنسنے لگیں۔ یہ دیکھ کر ازواج مطہرات میں سے بعض بیویوں نے حضرت فاطمہ سے دریافت کیا کہ پہلے ہم نے آپ کو روتے دیکھا۔ اور پھر ہنستے دیکھا۔ اس کا مطلب کیا ہے؟ حضرت فاطمہ نے کہا کہ حضور نے مجھ کو بتایا کہ آپ کو آپ کے سفر آخرت کی خبر دی گئی ہے یہ سن کر میں رونے لگی۔ آپ نے فرمایا۔ روؤ نہیں۔ میرے اہلبیت میں سب سے پہلے تو ہی مجھ سے ملے گی۔ یہ سن کر میں ہنسنے لگی۔

اور دارمی کی حدیث ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اپنی اس بیماری میں، جس میں آپ نے سفر آخرت فرمایا گھر سے باہر تشریف لائے۔

اس حال میں کہ تکلیف کے سبب اپنے سر پر رومال باندھے ہوئے تھے۔ ہم لوگ اس وقت مسجد میں تھے۔ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہو کر منبر کی طرف تشریف لے گئے۔ اور اس پر رونق افروز ہوئے۔ پھر آپ نے ایک خطبہ دیا اور فرمایا:-

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ میں اس منبر پر بیٹھے ہوئے حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر فرمایا خدا کا ایک بندہ جس کے سامنے دنیا اور دنیا کی زینت پیش کی گئی، مگر اس نے آخرت کو اختیار کر لیا۔"

حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے کہ حضور کے اس ارشاد کو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ اور کوئی نہ سمجھ سکا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ آپ پر قربان ہو جائیں۔

صحابۂ کرام حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بات کو سن کر بہت متعجب ہوئے۔ کہ وہ ایسا کیوں فرما رہے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے کہا اس بوڑھے کو دیکھو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ایک بندہ کا حال بیان فرما رہے ہیں کہ جس کو خدا نے دنیا کی ترو تازگی اور آخرت کے درمیان اختیار دیا ہے اور وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم اور ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں۔ یعنی یہ لوگ نہیں سمجھے مگر رازدار نبوت فوراً سمجھ گیا کہ وہ بندہ خود حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

اور بخاری و مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہدائے احد پر آٹھ برس کے بعد نماز جنازہ پڑھی۔ گویا آپ زندوں، اور مردوں کو رخصت فرما رہے ہیں۔ شہدائے احد کو اپنی زیارت سے مشرف فرمانے کے بعد لوٹے تو منبر پر رونق افروز ہوئے۔ اور فرمایا:-

"میں تم سے پہلے جا رہا ہوں۔ میں تم لوگوں کے دعوت اسلام قبول کرنے اور اطاعت و فرمانبرداری کے بجا لانے پر گواہ ہوں اور تم سے ہماری ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے۔ اور میں اس جگہ سے بیٹھے ہوئے حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔ اور بیشک مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔

مزاج اقدس کی ناسازی

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب ماہ صفر کے ختم ہونے میں ایک یا دو روز باقی رہ گئے تھے تب حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مزاج اقدس ناساز ہوا یعنی سر میں درد پیدا ہوا۔ اور حضرت سلیمان تیمی جو کہ ثقہ لوگوں میں سے ہیں انھوں نے اس بات پر جزم کیا ہے کہ ۲۲ صفر کو مزاج مبارک ناساز ہوا۔ (اشعۃ اللمعات)

مزاج اقدس کی ناسازی کے زمانہ میں بھی آپ پانچ دن تک از راہ عدل باری باری ایک ایک زوجۂ محترمہ کے حجرہ میں تشریف لے جاتے رہے۔ جب مرض میں بہت شدت پیدا ہو گئی تو ازواج مطہرات کی اجازت سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں قیام فرمایا۔ اور جب تک طاقت رہی آپ خود مسجد نبوی میں نمازیں پڑھانے کے لئے تشریف لاتے رہے۔

امامت صدیق اکبر

بخاری و مسلم کی حدیث ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مرض نے جب غلبہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ ابو بکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! وہ نرم دل آدمی ہیں۔ آپ کی جگہ کھڑے ہو کر نماز

نہیں پڑھا سکیں گے ۔ دوبارہ فرمایا ۔ ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں حضرت صدیقہ نے پھر وہی عذر پیش کیا ۔ تو حضرت نے تیسری بار پھر وہی حکم بتاکید فرمایا ۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ نے نماز پڑھائی ۔ حضور کی حیات ظاہری میں انھوں نے کل سترہ نمازیں پڑھائیں ۔

علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں بہت واضح دلالت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ مطلقاً تمام صحابہ سے افضل اور خلافت و امامت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں ۔

حدیث قرطاس

بخاری اور مسلم میں ہے کہ وفات سے چار دن پہلے جمعرات کو جب سرکار اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا مزاج اقدس زیادہ ناساز ہوگیا ، تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس شانہ کی ہڈی لاؤ ۔ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں ۔ تاکہ اس کے بعد تم نہ بہکو ۔ تو صحابہ میں اختلاف ہوگیا ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ نے کہا کہ اس وقت حضور کو بیماری کی تکلیف زیادہ ہے ۔ تمہارے پاس قرآن ہے ۔ وہی اللہ کی کتاب تمہارے لئے کافی ہے ۔

بعض لوگ کہتے تھے حضور کے پاس لکھنے کا سامان رکھ دو ۔ اور کچھ لوگوں نے کہا مَاشَانُہٗ اَھَجَرَ اِسْتَفْھِمُوْہُ ۔ یعنی حضور کا کیا حال ہے ۔ کیا جدائی کا وقت قریب آگیا ہے ؟ آپ سے دریافت کر و ۔ بعض صحابہ نے لکھنے کے بارے میں آپ سے دریافت کرنا شروع کیا تو جواب میں آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو ۔ اس لئے کہ میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے کہ جس کی طرف تم بلا رہے ہو ۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ، خلافت کا معاملہ لکھنا چاہتے تھے مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کے روک دینے سے یہ اہم معاملہ رہ گیا ۔

تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ خلافت کا معاملہ لکھنا ہرگز منظور نہ تھا ۔ اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کی خلافت کے متعلق حضور نے اسی مرض میں ارادہ فرمایا تھا ۔ جیسا کہ مسلم شریف جلد دوم ص۲۷۳ میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلاؤ ۔ تاکہ میں ان کے لئے وصیت نامہ لکھ دوں ۔ اس لئے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کوئی آرزو کرنے والا آرزو کرے ۔ یا کوئی کہنے والا کہے کہ میں افضل ہوں ۔ حالانکہ خدا اور مؤمنین علاوہ ابوبکر کے کسی کو قبول نہ کریں گے مگر ایسا ارادہ فرمانے کے بعد پھر حضرت عمر یا کسی دوسرے کی ممانعت کے بغیر حضور نے خود بخود لکھنا موقوف کر دیا ۔ اور پھر اگر خلافت کے لئے وصیت ہی کرنی تھی تو اس کے لئے لکھنا ضروری نہ تھا ۔ بلکہ جو لوگ حجرۂ مبارکہ میں موجود تھے ان کے سامنے زبانی وصیت کر دینا ہی کافی تھا ۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ ایک دن ظہر کی نماز کے وقت آپ کو کچھ افاقہ ہوا ۔ تو آپ کھڑے ہوئے ۔ اور حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سہارے مسجد میں تشریف لائے ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ نماز پڑھا رہے تھے ۔ جب انھوں نے آپ کی آہٹ محسوس کی تو پیچھے ہٹنے لگے ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں اشارہ فرمایا کہ نہ ہٹو ۔ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کی بائیں جانب بیٹھ گئے ۔ یعنی ان کو اپنے داہنے کیا ۔ اور اس طرح بیٹھ کر نماز پڑھائی ۔ آپ کو دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو دیکھ کر دوسرے لوگ نماز کے ارکان ادا کرتے رہے ۔ نماز کے بعد آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں آپ نے صحابۂ کرام کو بہت سی وصیتیں فرمائیں ۔

اسی حالت میں جب کہ آپ کی بیماری بہت سخت ہو چکی تھی آپ کو یاد آیا کہ میری ملکیت میں چھ سات اشرفیاں ہیں ۔ آپ نے

محمد رسول اللہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حکم فرمایا کہ اسے خیرات کر دیں۔ مگر وہ مشغولیت کے سبب خیرات نہ کر سکیں۔ تو حضور نے خود ان اشرفیوں کو منگا کر خیرات کر دیا۔ اور فرمایا کہ اللہ کا نبی خدائے تعالیٰ سے اس حال میں ملے کہ اشرفیاں اس کے قبضہ میں ہوں۔ یہ مقام نبوت کے منافی ہے۔ (اشعۃ اللمعات)

سفر آخرت

مرض میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی۔ دوشنبہ کے روز جس دن آپ کی وفات ہوئی۔ صبح کے وقت آپ کی طبیعت بظاہر پرسکون تھی۔ مگر دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا۔ آپ پر بار بار غشی طاری ہوتی تھی۔ اور پھر افاقہ ہو جاتا تھا۔

بخاری شریف میں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ وفات سے کچھ پہلے حضور میرے سینے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ میرے بھائی عبدالرحمٰن بن ابو بکر اس حالت میں آئے۔ کہ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ میں نے دیکھا کہ حضور عبدالرحمٰن کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ میں جانتی تھی کہ آپ کو مسواک بہت پسند ہے میں نے عرض کیا، کیا عبدالرحمٰن سے میں آپ کے لئے مسواک لے لوں۔ آپ نے سر کے اشارہ سے فرمایا کہ ہاں لے لو۔ عبدالرحمٰن سے مسواک لے کر میں نے آپ کو دیدی۔ مگر آپ کو اس وقت مسواک کا چبانا دشوار معلوم ہوا۔ اس لئے کہ وہ سخت تھی۔ میں نے عرض کیا کیا میں مسواک کو نرم کر دوں۔ آپ نے اجازت دیدی۔ تو میں نے مسواک کو نرم کر دیا۔ اور آپ نے اس کو اپنے دانتوں پر پھیرا۔

آپ کے سفر آخرت کا وقت قریب آرہا تھا۔ سانس کی گھرگھراہٹ سینہ میں محسوس ہوتی تھی۔ اسی درمیان میں لب مبارک ہلے۔ تو لوگوں نے یہ الفاظ سنے:۔

اَلصَّلٰوۃُ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔

یعنی نماز اور غلام و باندی۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ وفات کے دن حضرت جبریل علیہ السلام آئے تو ان کے ساتھ ایک فرشتہ اور تھا۔ جو ایک لاکھ فرشتوں کا افسر تھا جن میں سے ایک فرشتہ ایک ایک لاکھ فرشتوں کا افسر تھا۔ اس فرشتہ نے حاضری کی اجازت طلب کی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبریل سے اس کے بارے میں پوچھا۔ حضرت جبریل نے عرض کیا کہ یہ موت کا فرشتہ ہے حاضری کی اجازت چاہتا ہے۔ آج سے پہلے نہ تو اس نے کسی سے اجازت طلب کی ہے اور نہ آئندہ اس کے بعد کسی آدمی سے اجازت طلب کرے گا۔ آپ نے فرمایا اس کو بلا لو۔ تو حضرت جبریل نے اسے بلا لیا۔ اس نے حاضر ہو کر سلام کیا۔ اور پھر عرض کیا یا رسول اللہ! خدائے تعالیٰ نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ اگر آپ حکم دیں گے تو میں آپ کی روح قبض کر دوں گا۔ ورنہ چھوڑ دوں گا۔

سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو میری مرضی کے مطابق عمل کرے گا۔ موت کے فرشتہ نے عرض کیا ہاں مجھ کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ جو کچھ آپ فرمائیں میں اسی کے مطابق عمل کروں۔"

راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کی طرف دیکھا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا:۔ یارسول اللہ! خدائے عزوجل آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے۔ تو حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موت کے فرشتہ کو حکم دیا، کہ جس بات کا تجھ کو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کر۔

بخاری و مسلم میں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، فرماتی ہیں کہ جب موت کا فرشتہ حاضر ہوا۔ اس وقت حضور کا سر مبارک میری ران پر تھا۔ آپ پر غشی طاری ہوئی۔ پھر ہوش آیا۔ تو آپ چھت کی طرف دیکھنے لگے۔ اور قریب میں پانی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا۔ آپ اس پانی میں ہاتھ ڈالتے اور ان کو چہرے پر پھیر لیتے۔ اور فرماتے تھے:۔

لا الٰہ الا اللہ اور موت کے وقت سختیاں ہیں۔ پھر حضور نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھایا۔ اور فرمانے لگے فی الرَّفِیقِ الاَعلٰی یعنی اے اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ میں کردے۔ یا یہ مطلب تھا کہ میں رفیق اعلیٰ میں آنا چاہتا ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا اِخْتَرْتُ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی یعنی میں نے رفیق اعلیٰ کو اختیار کیا۔ (اشعۃ اللمعات)

یہی کہتے کہتے ہاتھ لٹک گئے اور روح قدسی عالم قدس میں پہنچ گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وبارک وسلم۔

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے
مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
بس اسی آن کے بعد ان کی حیات
مثل سابق وہی جسمانی ہے

(اعلیٰ حضرت قدس سرہ)

بعد وصال

سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات، حسرت آیات سے اہلبیت اور صحابۂ کرام کو جو صدمۂ جانکاہ پہنچا وہ بیان تحریر سے باہر ہے۔ لوگ حضور کی محبت میں ہوش وحواس کھو بیٹھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا، کہ اب کیا کریں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حالت ہوگئی کہ وہ اِدھر اُدھر بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔ مگر کسی سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال ہوا کہ وہ ننگی تلوار لے کر مدینہ شریف کی گلیوں میں گھومتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو کہے گا کہ حضور کی وفات ہوگئی میں اسی تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ منظر دیکھا تو مسجد میں تشریف لائے۔ اس وقت حضرت عمر مسجد میں موجود تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا۔ اے عمر بیٹھ جاؤ۔ انھوں نے بیٹھنے سے انکار کر دیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں چھوڑ دیا۔ اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ دینا شروع کیا:۔

" اے لوگو! کان کھول کر سن لو کہ جو شخص محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ ان کا وصال ہوگیا۔ اور جو خدائے تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو وہ سن لے کہ خدا زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔ پھر آپ نے پارۂ چہارم رکوع ۶ کی آیت کریمہ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْل الخ کی تلاوت کی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تو ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے اور رسول ہو چکے۔ تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا تو وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا۔ اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو صلہ عطا فرمائے گا۔"

یعنی جو اپنے دین پر ثابت رہیں گے اور نہیں پھریں گے۔ وہ گروہ شاکرین میں سے ہیں۔ خدائے تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس آیت کریمہ کی تلاوت کرنے سے لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا اس آیت کریمہ کو کوئی جانتا ہی نہ تھا۔ ان سے سن کر اب اسی آیت کریمہ کو ہر شخص پڑھنے لگا۔ جس سے لوگوں کو کچھ سکون حاصل ہوگیا۔ لیکن اب اتنا وقت باقی نہیں رہ گیا تھا کہ اسی روز تجہیز و تکفین ہوسکے۔ اس لئے دوسرے روز سہ شنبہ یعنی منگل کو یہ کام انجام پایا

حضرت علی، حضرت عباس، حضرت فضل بن عباس، حضرت قثم بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے مل جل کر آپ کو غسل دیا۔ اور حضرت اوس بن خولی انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے تھے۔ غسل کے بعد تین سوتی سفید کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ (اشعۃ اللمعات)

سرکار اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو کہاں دفن کیا جائے اس کے متعلق صحابہ میں اختلاف ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم، سے یہ سنا ہے کہ ہر نبی اپنی وفات کے بعد اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے کہ جہاں اس کی وفات ہوتی ہے۔ تو اس حدیث کو سن کر تمام صحابۂ کرام حجرۂ عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا میں حضور اکرم کو دفن کرنے پر متفق ہو گئے۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ شریف میں دو آدمی قبر کھودا کرتے تھے۔ ایک ان میں سے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ تھے جو مدینہ شریف کے عام رواج کے مطابق لحد یعنی بغلی قبر کھودا کرتے تھے۔ اور دوسرے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالےٰ عنہ تھے جو بغلی نہیں کھودتے تھے بلکہ شق یعنی صندوقی قبر بناتے تھے۔ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال پر صحابہ میں اختلاف ہوا کہ کس طرح کی قبر کھودی جائے۔ تو لوگوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجا جائے۔ جو ان میں سے پہلے آئے گا۔ وہ اپنا کام کرے گا۔ تو پہلے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے جو لحد کھودا کرتے تھے۔ تو انھوں نے سرکار اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے لئے بغلی قبر تیار کی۔

حضور کی نماز جنازہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جنازۂ اقدس پر نماز کے بارے میں فقہائے کرام کی رائیں مختلف ہیں۔ بہت سے علماء عام لوگوں کی نماز جنازہ کی طرح مانتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست حق پرست پر جب تک بیعت نہ ہوئی تھی لوگ فوج در فوج حجرۂ مبارکہ میں آتے اور جنازۂ اقدس پر نماز پڑھتے جاتے۔ جب بیعت ہو گئی تو ولیٔ شرع حضرت ابوبکر صدیق ہوئے۔ انھوں نے جنازۂ مبارکہ پر نماز پڑھی پھر ان کے بعد کسی نے نہیں پڑھی کہ ولی کے پڑھنے کے بعد پھر کسی کو نماز جنازہ پڑھنے کا اختیار نہیں ہوتا۔

اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس طرح نماز جنازہ عام طور پر ہوتی ہے حضور کی نماز جنازہ اس طرح نہیں ہوئی بلکہ لوگ گروہ در گروہ حاضر ہوتے اور صلاۃ وسلام عرض کرتے جس کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔ بیہقی اور طبرانی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میرے غسل وکفن سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے نعش مبارک پر رکھ کر باہر چلے جاؤ۔ سب سے پہلے جبریل مجھ پر صلاۃ کریں گے۔ پھر میکائیل، پھر اسرافیل پھر ملک الموت اپنے سارے لشکروں کے ساتھ۔ پھر گروہ در گروہ میرے پاس حاضر ہو کر مجھ پر درود وسلام عرض کرتے جاؤ۔

بہرحال درود وسلام یا نماز جنازہ سب لوگ جب پڑھ چکے تو حضرت علی، حضرت عباس، حضرت فضل بن عباس اور حضرت قثم بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے آپ کے جسم اقدس کو قبر انور میں اتار کر قبلہ رو داہنے پہلو پر لٹایا۔

اور بعض حدیث شریف کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسامہ بن زید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالےٰ عنہما بھی آپ کی قبر مبارک میں اترے تھے۔

اشعۃ اللمعات میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا وصال دوشنبہ مبارکہ یعنی پیر کو ہوا۔ اور سہ شنبہ یعنی منگل کا دن گذر کر رات میں صحابۂ کرام آپ کی تجہیز وتکفین سے فارغ ہوئے۔

اس طرح سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سفر آخرت تمام ہوا۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دفن کر دیا گیا تو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اے انس! اور اے صحابہ! تم کو یہ کیسے گوارا ہوا کہ تم رسول خدا پر مٹی ڈال دو۔۔؟

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ واھل بیتہ اجمعین۔

بلغ العلیٰ بکمالہٖ
کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ
صلّوا علیہ وآلہٖ

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

محمد صلی اللہ علیہ وسلم
محمد ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ سید آل رسول حسنین میاں قادری برکاتی مارہروی

"محمد" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وہ مبارک نام ہے جو قرآن عظیم میں چار مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ وہ نام نامی جو صدیوں سے ان گنت انسانوں کے لبوں پر چلا آرہا ہے۔ چودہ سو برس سے کرورہا دل اس اسم گرامی کے ساتھ دھڑک رہے ہیں۔ یہ وہ نام ہے جو رہتی دنیا تک اور پھر کارزار محشر میں بھی بے شمار دلوں کی تسلی کا سامان بنے گا۔ روزانہ جب رات کی سیاہی صبح کے اجالے میں بدلتی ہے۔ اور موذن، لوگوں کو رب کائنات کی عبادت کیلئے بلاتا ہے۔ تو ذکر مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا بھی ساتھ ساتھ چلتا ہے کوئی نماز اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول پر درود وسلام نہ بھیجا جائے۔ فضائل و مراتب تو ہر نبی ہر رسول کو عطا کئے گئے مگر یہ عظمت صرف رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی کہ ساق عرش پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کیساتھ اپنے محبوب کا نام تحریر فرمایا۔

اللہ میں چار حروف ہیں۔ "محمد" بھی چار حروف کا مرکب ہے۔ جس طرح لفظ اللہ میں نقطہ نہیں ہے۔ اسی طرح محمد بھی بے نقطہ ہے۔ کیونکہ نقطہ مکھی سے مشابہ ہوتا ہے۔ اور مکھی آلودگی کی علامت ہوتی ہے۔ رب تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کے پیارے نام کو آلودگی کی مشابہت تک سے پاک رکھا۔

رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب حیات کا ایک ایک ورق قرآن عظیم کے مندرجات کی تفسیر ہے رسول کا پہلا کام اپنی امت کے سامنے تلاوت آیات

ہوتا ہے یعنی اللہ کا کلام پہونچانا۔ گویا رسول کی حیثیت
مبلغ اعظم کی ہوئی رسول کا کام محض تبلیغ اور پیام
رسانی پر ختم نہیں ہوجاتا۔ اس کا کام کتاب الٰہی کی
تبلیغ کے بعد اس کی تعلیم کا بھی ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ۔ اس تعلیم کے اندر کتاب کی شرح
ترجمانی، تعمیم میں تخصیص، تخصیص میں تعمیم سب کچھ آگئی
اور یہیں سے ان کج فہموں کی تردید بھی ہوگئی۔ جو
رسول کا منصب معاذاللہ صرف ڈاکیئے قاصد کا سمجھے ہوئے
ہیں۔ گویا رسول کی دوسری حیثیت معلم اعظم کی ہوئی
پھر رسول تعلیم محض کتاب ہی کی نہ دیں گے۔ بلکہ
حکمت و دانائی کی تلقین بھی امت کو کریں گے، احکام
ومسائل، دین کے قاعدے اور آداب عوام وخواص سب
کو سکھائیں گے اور خواص کی رہ نمائی اسرار ورموز میں
بھی کریں گے۔ گویا رسول کی تیسری حیثیت مرشد اعظم کی
ہوئی۔ رسول کا کام محض الفاظ اور احکام ظاہری کی تشریح
تک محدود نہیں رہے گا۔ بلکہ وہ اخلاق کی پاکیزگی اور
نیتوں کے اخلاص کے بھی فرائض انجام دیں گے۔ رسول
کی یہ چوتھی حیثیت مصلح اعظم کی ہوئی۔ کن کن صفات
کا ذکر کیا جائے۔ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب
زندگی کی ایک ایک سطر خود معجزہ ہے آپ کے فضائل و
کمالات کا احاطہ طاقت بشری سے خارج ہے۔

امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۹۴ھ)
اپنے قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں (منظوم ترجمہ)

چھوڑ کر دعویٰ وہ جس کے ہیں نصاریٰ مدعی
جا ہو جو مانو اسے زیبا ہے اللہ کی قسم
جو شرف چاہو کرو منسوب اسکی ذات سے
کوئی عظمت کیوں نہ ہو ہے منزلت اسکی کم
حد نہیں رکھتی فضیلت کچھ رسول اللہ کی
لب کشائی کیا کریں اہل عرب اہل عجم

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوت
میں یوں فرماتے ہیں۔

ہر رتبہ کہ بود در امکاں بروست ختم
ہر نعمتے کہ داشت خدا شد برو تمام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس حسن
اخلاق کے تمام انواع کی جامع تھی۔ فضائل وکمال صفات
شرف وفضائل جو انبیائے سابقین صلوات اللہ علیہم اجمعین
میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے وہ تمام آپکی ذات
شریف میں جمع تھے۔ حلم وسخاوت ابراہیم، صدق وعدہ
اسمٰعیل، شکر داؤد وسلیمان، صبر ایوب، معجزات قاہرہ موسیٰ،
مناجات زکریا، تضرع یحییٰ، حسن یوسف دم عیسیٰ وغیرہ
سب آپ میں موجود تھے۔ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات
صاحب قصیدہ بردہ شریف فرماتے ہیں (ترجمہ)

لے گیا فوق انبیاء پر خلق میں اور خلق میں
کس میں تھا اسکا سا علم اور کس میں اسکا سا کرم

آپ سوچتے ہوں گے کہ ہم اپنے موضوع سے الگ
ہوگئے ہیں۔ آیئے پچھلی کڑیوں کو پھر سے جوڑلیں حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آپ کے جد مکرم حضرت
عبدالمطلب نے "محمد" رکھا۔ دادا نے پوتے کے اندر وہ
نیک آثار دیکھ لیئے تھے کہ آگے چل کر یہ مولود سعید مجموعۂ
محامد اور مرجع خلائق بنے گا۔ ارباب تصوف کی پرواز
تخیل اتنی بڑھی کہ بول اٹھے کہ لفظ محمد خدا کے نام
احد سے مشتق ہے۔

اگرچہ عام طور ہر نام کی ضرورت چند چیزوں میں
باہم امتیاز رکھنے کیلئے پڑتی ہے لیکن نام کی صحیح اور حقیقی
غرض یہ ہے کہ اسم کو اپنے مسمّٰی کے صفات، خواص اور
حالات کا آئینہ ہونا چاہیئے۔ افراد کے نام رکھنے میں تو
اس کا کم لحاظ کیا جاتا ہے لیکن عموماً انواع واجناس کے
نام اسی مقصد کو پورا کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم سے پہلے عرب میں کہیں اس نام کا پتہ نہیں چلتا
مورخین اکثر لکھتے ہیں۔ ولم یکن العرب ھذا الاسم۔ ان
حالات کو تسلیم کرتے ہوئے دیکھا جائے تو اتفاقی طور
سے نام مبارک "محمد" کا دادا عبدالمطلب کے ذہن میں آنا

منشار خداوندی معلوم ہوتا ہے کہ جب اس نام کا محل کامل دنیا کو اپنے وجود گرامی سے مشرف کر چکا تو پھر اسم بھی فطری طور سے نام رکھنے والے کے ذہن میں وارد ہوا۔

نام مبارک "محمد" کا عام اور سادہ ترجمہ یہی کیا جاتا ہے کہ وہ ذات جس کی تعریف کی گئی۔ ترجمہ کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن اس جامعیت کبریٰ، برزخ کامل اور مقصود آفریں کے فضائل و کمالات اس سے کہیں بلند و بالا ہیں خدا کے تمام نبی اس کے نزدیک موجب توصیف ہیں۔ دنیا کے حکمار علمار اور فاتحین عام انسانوں کی نظر میں لائق مدح و ستائش ہیں۔ اسلئے اس ترجمے کی صحت کو پورے طور پر تسلیم کرتے ہوئے۔ تفحص کو اور زیادہ وسعت دیجائے۔ صاحب المفردات ابوالقاسم حسین بن الفضل راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۲ھ) "محمد" کے معنی لکھتے ہیں: الذی اجمعت فیہ الخصال المحمودۃ یعنی مختصر لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ لفظ محمد کے معنی مجموعہ خوبی کے ہیں۔ قدرت نے تخلیق انواع کیلئے ایک معیار مقرر کیا ہے۔ مخلوقات کی ہر نوع کا ایک درجۂ کمال ہے۔ کہ جس کے آگے اس کا قدم نہیں بڑھتا۔ آج انسان کی شکل و شباہت اس کے اعضار و جوارح اس کا ڈھانچہ جسمانی ساخت ٹھیک وہی ہے سب چیزیں وہی ہیں جو دنیا کے پہلے انسان کی تھیں۔ لیکن دماغی کیفیتوں کا حال اُن سے جداگانہ ہے۔ اب اگر غور کیا جائے تو ارتقائے دماغی کی آخر ترین سرحد اگر کوئی معلوم ہوسکتی ہے تو وہ ذات قدسی صفات آقائے نامدار رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

حمد کے ایک معنی قضاءُ الحق کے بھی آئے ہیں

اس صورت میں لفظ محمد کے ایک معنی یہ بھی ہوئے کہ وہ جس کا حق پورا کر دیا گیا ہو۔ یعنی قدرت کی جانب سے نوع انسان کو جس سرحد کمال تک پہنچانا مقصود تھا اور انسان کا اپنے خالق پر جو حق تخلیق مقرر تھا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا کر دیا گیا۔ علم و عمل، خلق و خلق، دماغ اور کردار ارتقائے ذہنی و ارتقائے عملی یہی دو چیزیں انسان کا خلاصہ اور اس کی کائناتِ تخلیق کا لب لباب ہیں۔ عمل علم پر کردار دماغ پر، خلق خلق پر قائم ہے۔ ایک کا کمال دوسرے کے کمال کی علامت اور ایک کا نقصان دوسرے کے نقصان کی نشانی ہے۔

تاریخی طور پر یہ امر ثابت ہے کہ کردار اور اخلاق کی جملہ شاخوں کی پختگی، اور تکمیل کا جو نمونہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک نے پیش کیا۔ عالم انسانی اس کی نظیر سے عاجز ہے۔ حتیٰ کہ خود دشمنوں کے اقرار سے اسکو فرما دیا انکَ لعلیٰ خلق عظیم۔ اور خود حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (موطا امام مالک) یعنی میں محاسن اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں۔ محاوراتِ عرب سے حمد کے یہ بھی معنی معلوم ہوتے ہیں کہ کسی کام کو اپنی قدرت کے مطابق انجام دینا۔ اس معنی کو سامنے رکھتے ہوئے بے تامل کہا جاسکتا ہے۔ کہ لفظ محمد کے معنی مخلوق کامل کے بھی ہیں۔ منجملہ دیگر کمالات نبوت و معجزات رسالت کے ایک معجزہ گرامی حضور اقدس کا نام نامی بھی ہے صاحب قاموس مجدالدین فیروزآبادی (متوفی ۸۱۰ھ) نے لکھا ہے کہ محمد الذی یحمد مرۃ بعد مرۃ۔ جس کی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو۔ تعریف کے بعد تعریف اور توصیف پر توصیف ہوتی رہے۔ زمانہ جوں جوں بڑھتا جاتا ہے۔ رسول عربی کے کمالات سے پردہ اٹھتا جاتا ہے یورپ کے علمار و فضلار کی اکثریت تاریخ اسلام کے ماتحت اپنا مطالعہ جس قدر گہرا کرتی جاتی ہے۔ انہیں اسی راہ کی طرف آنا پڑتا ہے۔ اور زبان اعتراف کھولنی پڑتی ہے۔ کہ بلاشبہ رسول عربی کے قانون دنیا کی ضرورتوں کے کفیل اور ان کی زندگی عالم انسانی کیلئے ایک بہترین نمونہ ہے اہل ایشیا کا رجحان طبعی جتنا روحانیت اور سادگی کیطرف بڑھ رہا ہے۔ اسی قدر وہ سرکار دو عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

لاہور (پاکستان) کی بادشاہی مسجد کا دلکش نظارہ

قریب تر ہوتا جا رہا ہے. یہ دنیا کا واحد معجزہ ہے کہ چودہ سو برس پہلے سے نام مبارک اس آنے والی حالت کا پتہ دے رہا ہے کہ مستقبل میں دنیا کی عمر جتنی دراز ہو گی اسے کمالات نبوت کے اعتراف سے چارہ نہ ہوگا. اس حیثیت سے نام مبارک محمد کا ترجمہ سلسلۂ اوصاف و محامد ہوگا.

ایک اور عجیب امر یہ ہے کہ نام مبارک حضور کے نہ صرف نبی بلکہ خاتم النبیین ہونے کی دلیل بھی ہے لفظ محمد کے معنیٰ مجموعۂ خوبی اور مخلوق کامل کے جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں. اس کے آگے کوئی نقطہ ہی نہیں ہے. اسی حالت پر کمالِ کلی کی انتہا اور معارف کا اختتام ہے. جس کے بعد نہ کسی نبی کی حاجت نہ کسی نبی کا وجود ممکن ہے. مستشرقین یورپ میں سے جن لوگوں نے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیلئے تنقیص کی ہزار کوششوں کے باوجود اعترافِ کمال پر مجبور ہوئے. سر ولیم میور لور مارگولیٹ جیسے سخت لوگوں کو بھی کھلے اور چھپے لفظوں میں اس کا اقرار کرنا پڑا کہ پیغمبر اسلام کی تعلیم انتہائی سچائی اور حقیقی صداقت پر مبنی نظر آتی ہے. عہد نبوت میں بھی اس قسم کے واقعات پیش آچکے ہیں. کہ بعض سخت ترین منکر ایک نگاہِ اقدس کی تاب نہ لا سکے. عبداللہ بن سلام جو نامور علماء یہود میں سے تھے وہ جس طرح اسلام لائے معلوم ہے بعثت کے حالات، سیرت طیبہ تعلیم و تلقین اپنے اندر کچھ ایسی کشش رکھتی ہے کہ مخالف سے مخالف اور سخت سے سخت حریف اعتراف پر مجبور ہو جاتا ہے. اسی خاصیت اور بے اختیارانہ کشش کو نام مبارک میں بیان کیا گیا

لفظ محمد کے ایک معنیٰ یہ بیان کئے گئے ہیں کہ وہ جس کا جزو جزو قابل تعریف ہے. اصلاح نفس تدبیر منزل کی وہ کونسی شاخ ہے جس کا عملی نمونہ ذات قدسی صفات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش نہیں کر دیا. انبیاء علیہم السلام کا تمام تر سلسلہ عالم میں ایک خاص ترتیب و نظام کے ساتھ آیا. اور ہر

ایک اپنے اندر کوئی نہ کوئی کمال لایا۔ یہ بابرکت سلسلہ جب اپنی حد و نہایت کو پہنچا تو ضرورت ہوئی کہ عالم انسانی کے سامنے ایک ایسا نمونۂ کامل پیش کیا جائے۔ جو ان تمام صفات اور فضائل کا آئینہ ہو جس کی زندگی کو سامنے رکھنے سے موسیٰ کی مستی، عیسیٰ کا اخلاق اور ابراہیم کی محبت بیک وقت نظر کے سامنے آجائے۔ علیٰ نبینا علیہم الصلاۃ والسلام۔ اور پھر ان تمام اوصاف میں وہ اپنے متقدمین سے بالاتر ہو۔

خوش تدبیری اور حسن اسلوب کے موقع پر بھی حمد کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس طرح لفظ محمد کے ایک معنیٰ یہ بھی قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ کہ وہ جس کے ہاتھ خوش تدبیری نے ترقی کی۔ آپ کی تعلیم کی اشاعت، آپ کا لایا ہوا دین خدا کی خاص مرضی اور خاص تدبیر سے عالم میں پھیل گیا جس کی سرعت اور بغیر جد و جہد رفتار ترقی پر آج بھی دنیا انگشت بدنداں ہے۔

غرض یہ ہے کہ اسلام کی تمام معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ پیغمبر اسلام کا نام مبارک بھی اپنے معانی کے لحاظ سے مختلف خوبیوں کا مرقع متعدد فضائل کا خلاصہ ہے ایک طرف وہ اپنے مستی کے کام اور کام کے انجام کی پیش گوئی ہے دوسری طرف اس کے کاموں کی تاریخ اور اس کی تعلیم کا لب لباب ہے۔ پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے نبی کا ایسا پاک نام رکھا اور وہ پاکیزہ ہے نبی جسے اس کے معبود نے ایسی فضیلتوں سے آراستہ کیا۔

حضرت امام الائمہ ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں یوں فرماتے ہیں

(ترجمہ) آپ کی وہ مقدس ذات ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو ہرگز کوئی آدمی نہ پیدا ہوتا۔ اور نہ کوئی مخلوق پیدا ہوتی اگر آپ نہ ہوتے۔ آپ وہ ہیں کہ آپ کے نور سے چاند کو روشنی ہے اور سورج آپ ہی کے نور زیبا سے چمک رہا ہے آپ وہ کہ جب آدم نے لغزش کے سبب سے آپ کا وسیلہ پکڑا۔ تو وہ کامیاب ہو گئے حالانکہ وہ آپ کے باپ ہیں۔ آپ ہی کے وسیلہ سے خلیل نے دعا مانگی تو آپ کے روشن نور سے آگ ان پر ٹھنڈی ہوگئی۔ اور یحییٰ اور ایوب آپ ہی کی بشارت اور آپ ہی کی صفات حسنہ کی خبر دیتے اور آپ ہی کی مدح کرتے ہوئے آئے اسی طرح موسیٰ آپ کا وسیلہ پکڑنے والے قیامت میں آپ کے سبزہ زار میں پناہ لینے والے رہے اور انبیاء اور مخلوقات میں سے ہر مخلوق اور پیغمبر اور فرشتے آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے

مولینا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں۔

وصلی اللہ علیٰ نور کز و شد نورہا پیدا
زمیں از حب او ساکن فلک در عشق او شیدا
محمد احمد و محمود وے را خالقش بستود
کز و شد بود ہر موجود زو شد دیدہا بینا
اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ، نہ نوح از غرق نجینا
نہ ایوب از بلا راحت نہ یوسف حشمت و جاہت
نہ عیسیٰ آں مسیحا دم نہ موسیٰ آں ید بیضا

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت رکھتے ہیں۔ اور آپ کی اطاعت کرتے ہیں۔ آپ کے دوستوں کو اپنا دوست اور آپ کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انسان قیامت کے دن ان لوگوں کے زمرے میں اٹھے گا۔ جن سے وہ محبت رکھتا تھا۔ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ باب الحب فی اللہ ومن اللہ)

اے رب کائنات، اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی خوشبو ہماری روحوں میں بسا دے۔ آپ کے نام نامی کو ہمارا حرز جاں بنا دے۔ اسم پاک محمد کی برکت سے ہمیں اس دنیا میں شاد و بامراد رکھ اور عقبیٰ میں لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون کا مصداق بنا دے۔ آمین یا رب العلمین بوسیلۃ محمد النبی الکریم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلاۃ والتسلیم۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

علامہ سید آل رسول حسنین میاں نادری برکاتی مارہروی

★ کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ سفید مٹی لاؤ۔ حضرت جبریل بہشت کے فرشتوں کے ساتھ اترے اور حضور کی قبر شریف کی جگہ سے مٹھی بھر خاک سفید چمکتی دمکتی اٹھا لائے۔ پھر وہ مشت خاک سفید بہشت کے چشمۂ تسنیم کے پانی سے گوندھی گئی یہاں تک کہ سفید موتی کی مانند ہوگئی جس کی بڑی شعاع تھی بعد ازاں فرشتے اسے لیکر عرش و کرسی کے گرد اور آسمانوں اور زمین میں پھرے یہاں تک کہ تمام فرشتوں نے آپ (روح نور و مادۂ اطہر) کو آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے پہچان لیا۔

(وفا الوفا فی فضائل المصطفیٰ از علامہ ابن الجوزی)

★ کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے شیاطین آسمانوں پر چلے جاتے اور کاہنوں کو بعض مغیبات کی خبر دے دیتے تھے۔ اور کاہن لوگوں کو کچھ اپنی طرف سے ملا کر بتا دیا کرتے تھے۔ ولادت اقدس کے بعد آسمانوں میں ان کا آنا جانا بند کر دیا گیا اور آسمانوں کی حفاظت شہاب ثاقب سے کر دی گئی۔

★ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر چار مرتبہ ہوا۔ پہلا اس وقت جب دائی حلیمہ نے آپ کا دودھ چھڑایا۔ یہ اس واسطے تھا کہ حضور انور شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہیں اور بچپن ہی سے اخلاق حمیدہ پر پرورش پائیں۔ دوسری مرتبہ دس برس کی عمر میں ہوا تا کہ آپ کامل ترین اوصاف پر جوان ہوں۔ تیسری مرتبہ غارِ حرا میں بعثت کے وقت ہوا تا کہ آپ وحی کے بوجھ کو برداشت کر سکیں۔ چوتھی مرتبہ شب معراج میں ہوا تا کہ آپ مناجات الٰہی کیلئے تیار ہو جائیں۔

★ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ میں سے تقریباً ستر نام وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہیں۔

★ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز بعد عصر مباح تھی، دوسروں کیلئے ممنوع۔

★ کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت اسرافیل علیہ السلام نازل ہوئے۔ جو آپ سے پہلے کسی اور نبی پر نازل نہیں ہوئے تھے۔

★ کہ جب ملک الموت حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو اجازت طلب کی۔ آپ سے پہلے اس نے کسی نبی سے اذن طلب نہیں کیا تھا۔

★ کہ قیامت کے دن ہر ایک نسب و سبب منقطع ہوگا یعنی سود مند نہ ہوگا۔ مگر حضور اقدس کا نسب و سبب منقطع نہ ہوگا۔ اسی واسطے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت فاطمہ زہرا سے نکاح کیا تھا

★ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے بہشت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ خازن جنت پوچھے گا کون ہیں۔ آپ فرمائیں گے میں محمد ہوں۔ وہ عرض کرے گا۔ کہ میں اٹھ کر کھولتا ہوں۔ میں آپ سے پہلے کسی کے لئے نہیں اٹھا اور نہ آپ کے بعد کسی کیلئے اٹھوں گا۔ پھر آپ سب سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔

★ کہ جنت میں سوائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب قرآن کریم کے کوئی اور کتاب نہ پڑھی جائے گی۔ اور نہ سوائے حضور کی زبان کے کسی اور زبان میں کوئی تکلم کرے گا۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی ضرورت

مولانا انتخاب قدیر صاحب مرادآبادی

ساری کائنات میں کفر و شرک ظلم و ستم۔ لالچ۔ خود غرضی نفرت و کدورت۔ بغض و حسد، جنگ و جدل۔ لوٹ مار۔ قتل و غارت گری۔ جُوا شراب نوشی کا بازار گرم تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کیلئے سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو بشان رحمۃ للعالمین دنیا میں مبعوث فرمایا۔ سسکتی ہوئی انسانیت کو زندگی کا کیف ملا۔ تڑپتی ہوئی شرافت کو امن و سکون میسر آیا۔ بگڑتے ہوئے انسانوں کی حالت یکسر سدھرتی چلی گئی ؎

سسک رہی تھی یہ انسانیت خدا شاہد
مرے حضور کی سیرت نے زندگی بخشی

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کی بلندی کا یہ عالم تھا کہ جس نے بھی بصارت و بصیرت سے ان کی سیرت طیبہ کا مطالعہ فرمایا وہ ان کا گرویدہ بن گیا۔ اور ایسا گرویدہ بنا کہ لالچ اور ظلم کی پروا کئے بغیر ان کے اتباع کو دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی کا واحد ذریعہ یقین کیا۔ اور پھر ان کو متاع دو جہاں جان کر ان پر سب کچھ نثار کرنے لگا۔ آپ سے پہلے انسانوں کو غلام بنایا جاتا تھا۔ انسان بیچے جاتے تھے۔ جانوروں کی طرح ان کے بھی بازار لگتے تھے سودے بازی ہوتی تھی۔ آپ نے انسانیت پر یہ احسانِ عظیم فرمایا کہ انسانوں کی پینٹھ بند ہوگئی۔ انسانوں کا نیلام بند ہوا انسانوں کی خرید فروخت بند ہوئی۔ غلامی کی زنجیریں ٹوٹیں اور ہر انسان کو آزادی ملی حضور کے اس اہم کردار سے متاثر ہو کر بے شمار انسانوں نے ان کے دامن کرم میں پناہ لی۔ اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ حضور سے پہلے دشمنی و عداوت کا دور دورہ تھا۔ اگر کسی کے پردادا نے کوئی ظلم کیا تھا تو مظلوم کے پرپوتے پر یہ لازم تھا کہ وہ اپنے پردادا کا بدلہ لے۔ اسطرح یہ عداوت نسلاً بعد نسل پشت در پشت چلتی تھی۔ اور ہر باپ اپنے بیٹے کو بدلہ لینے کی وصیت کرتا تھا۔ اور عفو و درگزری کا کوئی ماحول نہیں تھا۔ چشم پوشی کیا ہے کوئی جانتا نہ تھا۔ بس بدلہ لینا ہے انتقام انکا نشان ہے۔ آپ نے انسانوں کو بردباری حلم و برداشت عفو و درگزری کا درس دیا۔ اور عمل کرکے دکھایا۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ انسانوں میں بردباری کی فضا قائم ہوئی معاف کرنے کا ماحول بنا اور پرانی نفرتیں محبتوں سے بدل گئیں۔ گھٹیا مزاج ______ بڑھیا ہوگئے۔ اس پاکیزہ تعلیم نے اہل عقل و دانائی کو اپنے دامن میں پناہ لینے پر مجبور کردیا۔ اور لوگ جوق در جوق دامنِ عفو و غفران میں داخل ہونے لگے۔ اور آج تک آپکی مقدس تعلیمات کا یہ اثر ہے کہ لوگ مشرف باسلام ہو رہے ہیں۔

حضور سے پہلے انسانوں میں اونچ نیچ کا ایسا ماحول تھا۔ کہ کوئی فرعون زمانہ تھا تو کوئی قارون وقت اور کوئی نمرود عہد بنا ہوا تھا۔ سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونچ نیچ ذات پات کے جھگڑے کو دفن کر دیا۔ اور یہ ذہن و مزاج عنایت فرمایا کے گورے کو کالے پر عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں تم سب ایک ماں باپ کی اولاد ہو چنانچہ آپ کی اس مقدس تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ جن سر میں بڑائی کا غرور بھرا ہوا تھا۔ وہ اپنے زیر دستوں اور کمزوروں سے پیار کرنے لگے۔ انہیں اپنے برابر بٹھانے لگے چنانچہ آج بھی سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مقدس تعلیم کا اثر دیکھا جاتا ہے کہ ایک ہی صف میں اگر غریب بیٹھا ہے تو اسی صف میں ایک مالدار بیٹھا ہے اگر اگلی صف میں مزدور بیٹھا ہے تو پچھلی صف میں ایک سیٹھ بیٹھا ہے اقبال نے اس مقدس تعلیم کی تصویر اسطرح کھینچی ہے ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہونچے تو سبھی ایک ہوئے

چنانچہ بعض علاقوں میں بھی آج کچھ مسلمان صرف جاروب کشی کا کام کرتے ہیں۔ مگر انہیں مسلم سماج میں وہی برادرانہ ومساویانہ مقام حاصل ہے۔ نہ انکی مسجدیں الگ ہیں نہ انکی خانقاہیں الگ اور نہ ان کے ہوٹل الگ ہیں بلکہ وہ عام مسلمانوں کے ہم نوالہ و ہم پیالہ ہیں۔ سرور کائنات نے یہ مزاج دیا ہے کہ کسی مسلمان کو کسی کمزور پیشہ کی وجہ سے مسلم سماج سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ وہ اپنے اسلام کی وجہ سے باعزت و آبرو ہے اور ایمان و اسلام میں وہ اچھے پیشے والے کے برابر ہے بلکہ اسلام تو یہ کہتا ہے کہ بزرگی وعظمت کا معیار تقویٰ و پرہیزگاری اور اچھے کام ہیں۔ انسان بزرگی و عظمت کا مستحق اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ اچھے کام کرے عبادت میں زیادہ سے زیادہ وقت گذارے اور اپنی پوری زندگی حضور کے مقدس اصول پر گذارے اس "مساوات" کی تعلیم نے بیشمار انسانوں کے دل جیت لئے اور وہ اس "مساوات" سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپنے پرانے دھرم کا بوسیدہ و گندہ چولہ اتار پھینکا اور اتباع نبوی کی قبا زیب تن کر لی۔ آپ کی ہمہ گیری میں اس بات کو بھی کافی دخل ہے کہ آپکی سیرت طیبہ صرف قول و قوانین تک کی بات نہیں ہے بلکہ جو کہا اس پر عمل کر کے دکھایا یہی وہ مقام ہے جہاں اکثر مذاہب کے پیشوا عملی طور پر صفر ہیں وہ گفتار کے غازی نظر آئیں گے۔ کردار کا افلاس نظر آئیگا۔ سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی کہ اے مسلمانو وہ بات ہرگز نہ کہو جس پر خود عمل نہ کرسکو کیونکہ آدمی ایسی باتیں کرتا ہے جن پر وہ خود عمل نہیں کرتا تو اس کا انسانی ذہن و مزاج پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ چنانچہ آپ نے جن باتوں کا حکم فرمایا تو پہلے انہیں کرکے دکھایا تاکہ قول و عمل میں تضاد نہ رہے جو فرمایا وہ کر کے دکھایا ایسا نہیں کہ کہنا کچھ ہے اور کرنا کچھ ہے۔ بلکہ قول و عمل کی یکسانیت نے ہی اغیار کو حضور کا مطیع و فرمانبردار بنا دیا۔ آپ سے پہلے چھوت چھات و نفرت کا ایسا بیج بو دیا گیا تھا۔ جسکی جڑیں اتنی مضبوط ہو چکی تھیں جنہیں اکھاڑنا ہرکس وناکس کے بس کی بات نہ تھی آدمی آدمی سے گھبراتا اور وحشت محسوس کرتا تھا۔ نفرتیں اس عروج پر تھیں کہ دو انسان ایک پلیٹ فارم پر جمع نہیں ہو سکتے تھے۔ ایک گلاس سے دو انسان پانی نہیں پی سکتے تھے بلکہ وہ اسے بڑی حقارت سے دیکھتا تھا۔ ہر انسان کا برتن الگ پلیٹ الگ بلکہ نفرتیں اتنی بڑھی ہوئی تھیں کہ خود انسان اپنے آپ سے نفرت کرنے لگا کہ خود اپنے برتن کو منھ سے لگانے میں کراہت محسوس کرنے لگا اور انداز یہ ہو گیا کہ اس نے اپنا منھ آسمان کیطرف کر دیا اور گلاس یا لوٹے سے منھ میں پانی ٹپکانا شروع کر دیا۔ بھلا بتایئے نفرتوں کی کوئی حد ہے کہ انسان اپنا برتن اپنے منھ سے نہیں لگا سکتا۔ اس سے زیادہ اور کیا گھناؤنی روش ہو سکتی ہے۔ سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک تعلیمات نے اس چھوت چھات نفرت پسند مزاج کو بالکل

باطل قرار دیدیا اور نہ صرف یہ کہ آدمی اپنے برتن سے منھ لگا کر پی سکتا ہے بلکہ ایک گلاس اور ایک لوٹے سے جتنے مسلمان چاہیں پانی پی سکتے ہیں اور ایک پلیٹ ایک تھالی میں جتنے مسلمان کا کھانا ممکن ہے کھا سکتے ہیں۔ اس سے محبت و مودت اور پریم کی فضا قائم ہوتی ہے آپ نے اس پر عمل کر کے بھی دکھایا جیسا کہ ایک مرتبہ ایک مسلمان نے آپ سے اپنی بھوک اور پیاس کا ذکر کیا۔ تو حضور انہیں اپنے گھر لیگئے اور بہت سے دوسرے مسلمانوں کو بلایا۔ گھر پر ایک پیالہ تھا۔ ایک پیالہ دودھ کو پہلے ان تمام آنے والے مسلمانوں کو پلایا۔ اور اس کے بعد ان کو پلایا۔ جنہوں نے بھوک کیلئے عرض کیا تھا۔ اور باصرار کئی مرتبہ پلایا اور اس پیالے سے اسی پیالے کے باقی ماندہ دودھ کو خود سیدنا محمد عربی نے نوش فرمایا۔ ہر سمجھدار غور کر سکتا ہے کہ یہ تمام مسلمان حضور کے جاں نثار امتی ہیں۔ اور ان کے عقیدتمند اور نیازکیش ہیں مگر ظاہر ہو گیا کہ تعلیمات نبوی صرف قانون و قول تک نہیں بلکہ اس پر عمل کرنیوالے خود سیدنا محمد عربی ہیں۔ اور قول و عمل کے اس اتحاد نے یہ جذبہ بخشا کہ آج بھی تحریر کیا جا سکتا ہے کہ "غیر مسلم پیاؤ" پر ادکھاے پینے کا رواج ہے یا پھر منھ اوپر کر کے ٹپکانے کا طریقہ "بخلاف" "مسلم سبیل" کے کہ اگر وہاں چند گھڑے رکھے ہیں۔ یا پانی کی ٹنکی رکھی ہے یا ہینڈ پائپ لگا ہوا ہے تو وہیں ایک گلاس رکھا ہوا یا لٹکا ہوا ہے اور ہر مسلمان خواہ غریب ہو یا مالدار بچہ ہو کہ جوان۔ ادھیڑ ہو کہ بوڑھا مزدور ہو کہ سیٹھ اسی ایک گلاس سے پانی پی رہا ہے اس میں نہ کسی پیشے کی رعایت ہے اور نہ کسی برادری کی بلکہ ہر مسلمان بخوشی اس ایک گلاس سے پانی پی لیتا ہے۔ اس سے یگانگت و مساوات سکھائی جا رہی ہے۔ محبت کی تعلیم کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے سیدنا محمد عربی کی اس محبت بھری تعلیم نے آج بھی انسانوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا ہے اور ہر انسان بخوبی جانتا ہے کہ اگر انسان کو اسکا صحیح مقام حاصل ہے تو وہ صرف

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں مل سکتا ہے عالمی سطح پر مسلمان مخالفتوں سے دوچار ہیں اسلام دشمن طاقتیں اپنی بھرپور طاقت کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتی ہیں اور اس کیلئے ہر ممکن اقدام کر رہی ہیں مگر اسلام ہے کہ فروغ پا رہا ہے جبکہ مسلمانوں کے پاس مادی طاقت ہے اور نہ عالمی سطح پر کوئی ایسا مشن ہے جو اسلام کو پھیلانے میں سرگرم عمل ہو کر تعلیم نبوی کا تقدس اور اسکا عالمی مزاج سنجیدہ ذہنوں کو جھنجھوڑ رہا ہے اور انسانوں کے دلوں میں خود اپنا گھر بنا لیتا ہے چنانچہ سیدنا صدر الافاضل مراد آبادی سے ایک غیر مسلم مناظر نے کہا کہ مولانا صاحب میں قرآن کے پندرہ پاروں کا حافظ ہوں گویا مجھے آپکا آدھا قرآن شریف یاد ہے۔ آپ یہ بتائیے کہ آپ کو ہمارے دھرم کی کتاب کتنی یاد ہے حضرت صدر الافاضل نے فرمایا یہ تو قرآن ہے جس نے آپ کے دل میں بھی گھر کر لیا ہے آپ پہلے یہ بتائیے کہ خود آپ کو اپنے دھرم کی کتاب کتنی یاد ہے نگاہیں جھک گئیں لب خموش جبینپ سوار پیشانی عرق آلود، گویا کہ غیر مسلم مناظر حضرت صدر الافاضل کے سامنے فبہت الذی کفر کی تصویر بنا ہوا تھا۔ حضرت صدر الافاضل نے فرمایا کہ جو کتاب اپنے ماننے والوں اور اپنے حمائتیوں کے گلے کے نیچے نہ اتر سکے۔ اسکا ہمارے دل میں اترنے کا کیا سوال پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ تو اسلام اور قرآن کی حقانیت ہے کہ اپنے تو اپنے غیروں کے دلوں میں بھی یہ اپنا مقام کر لیتے ہیں۔ غیر مسلم مناظر بغلیں جھانکنے لگے میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ حضور کے پیغام کی ترویج و اشاعت میں نہ روپے پیسے کا دخل ہے اور نہ مادی طاقت و قوت کا اور نہ دھونس دباؤ کا بلکہ آپ کی سیرت طیبہ اپنے محاسن اور خوبیوں کی بنیاد پر ہر انسان کے دل میں اپنی جگہ کر لیتی ہے اگر دل کی آنکھوں پر تعصب کے دبیز پردے نہ پڑے ہوں تو ہر ذی شعور انسان کو حضور کی اتباع میں قطعاً جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ آپ نے جن اعلیٰ اصولوں کا اعلان فرمایا ان پر عمل کر کے ساری کائنات کے انسانوں کی ذہنی

دنیا میں ہیجان برپا کر دیا۔ اور ہر صاحب بصیرت نے اس کا یقین کر لیا ہے دونوں جہان کی کامیابی و کامرانی کا راز اتباع نبوی میں مضمر ہے اور آپ کا دین اپنی گوناگوں خوبیوں اور آپ کی سیرت پاک اپنی جالعیت وافادیت کی وجہ سے ترقی پذیر ہے زمانۂ جاہلیت میں لڑکیوں کا پیدا ہونا خاندان کیلئے باعث ننگ و عار سمجھا جاتا تھا۔ لڑکیاں زندہ دفن کر دی جاتی تھیں۔ اور یہ کام غیر نہیں باپ کیا کرتا تھا۔ خاندان والے لسے بڑی شرافت کا کام سمجھتے تھے مگر قربان جائیے۔ سیدنا محمد عربی کے کہ آپ نے اس ظلم و ستم جبر و بربریت کے ننگے ناچ کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دفن فرما دیا۔ اور آپ نے اپنی اعلیٰ تعلیمات کے ذریعہ یہ ذہن و مزاج یکسر بدل ڈالا کہ لڑکی کی پیدائش ذلت و خواری کا سبب ہے بلکہ آپ کی تعلیمات کا یہ اثر ہوا کہ اگر کسی بچی کو اسکے والدین یتیم چھوڑ جاتے اور ان کا سایہ سر سے اٹھ جاتا تو حضور کی دعوت قبول کرنیوالے اس بات کی پرزور کوشش کرتے کہ اس بچی کو پالنے کی خدمت ہمارے سپرد کر دی جائے اور یتیم پروری کا اجر و ثواب ہمیں ملے۔ سیدنا محمد عربی کی سیرت طیبہ کا یہ ایک سنہرا باب ہے چنانچہ ایک صحابی نے آپ کے دامن کرم میں آنے سے پہلے کی ایک آپ بیتی سنائی کہ یارسول اللہ آپکی تعلیمات سے پہلے یہ دل ہلا دینے والی کہانی پلکوں پر اشکوں کے چراغ روشن کرنے کے بعد ہی سنی جا سکتی ہے۔ بڑے رقت آمیز لہجے میں انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک باہر گیا ہوا تھا میرے پیچھے میرے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی عرصے کے بعد جب واپس آیا تو میری اہلیہ نے مجھ سے اس حقیقت کو چھپا لیا کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے مگر معاملہ ایسا تھا کہ کب تک چھپتا آخر کار وہ بچی ایک دن میری نظر میں پڑ گئی میں نے دریافت کیا کہ تو ماں نے بھیگی پلکوں کے ساتھ مجھے بتایا کہ مالک نے آپ کو ایک لڑکی کا باپ بنا دیا ہے بس اتنا سننا تھا کہ میرے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اور میں نے اسی وقت عزم مصمم کر لیا کہ بہت جلد اسکو درگور کر دونگا چنانچہ ایک دن ایک بہانے سے لڑکی کو ساتھ لیا۔ اور جنگل کیطرف نکل گیا راستے میں ایک پھاوڑا رکھ دیا تھا۔ سنسان جنگل میں پہونچ کر گڑھا کھودنا شروع کر دیا گرد و غبار اڑا باپ کے کپڑوں سے بچی گرد و غبار کو صاف کرتی اور ننھی منی زبان سے کہتی اباجان آپ یہ کیا کر رہے ہیں آپ کا دامن خاک آلود ہو رہا ہے۔ لیکن یارسول اللہ میں نے اس ننی سی بچی کی ایک نہ سنی مجھ پر جہالت کا عفریت سوار تھا شفقت و ہمدردی مجھ سے کوسوں دور تھی۔ میرا دل ذرا نہ پگھلا اور میں نے بڑی سفاکی سے اسکو زندہ دفن کر دیا اور مسرور و شاداں لوٹ آیا۔ لیکن آپ کی تعلیمات نے ذہن و مزاج کو بدل ڈالا۔ سخت دلوں کو نرم بنا دیا۔ ظالموں کو رحم و کرم کا خوگر بنا دیا۔

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شعبۂ حیات کو اپنی سیرت طیبہ کے انوار سے جگمگایا۔ اور دنیا میں امن و شانتی کی جوت جگائی۔ بھائی چارگی کی فضا بنائی۔ نفرتوں کی جگہ الفتوں نے پائی۔ آج بھی دنیا میں امن و سکون عافیت و خیریت۔ مؤدت و حمیت۔ مساوات و شرافت امانت و دیانتداری۔ اور عروج و ارتقار کیلئے سیدنا محمد عربی کے اتباع کی ضرورت ہے۔

قبر کے سوالات

علامہ سید وجود القادری ربانی

اور

صَلَّی اللہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَآلِہٖ صَلَّی اللہُ علیہ وَسَلَّمَ صلوٰۃً وَّسلامًا عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہِ ہادیٔ برحق جانِ رحمت سیّدِ عالم محمد عربی رُوحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی اور مدد فرمائی کی حاجت اور ضرورت مسلمانانِ اہلسنت کو تمام عمر بلکہ مہد مادر سے آغوشِ قبر تک ہر ہر قدم پر پوری شدت کے ساتھ رہتی ہے اسکی تعلیم پیدائش کے وقت ہی کلمہ شہادت اذان و اقامت کی صورت میں بچہ کے کانوں میں ڈال کر توحید و رسالت کی تعلیم دیکر اسلام کی بنیاد رکھدی جاتی ہے جسکی تکمیل و تصدیق قبر کے سوالات و جوابات کی صحت پر ہوتی ہے اگر زندگی کی درسگاہ میں ساری عمر سُنّت و شریعت کی مقدس تعلیم جاری رہی ایمان و عمل صالح اخلاص و عقیدت کے ساتھ سچی عبادت و اطاعت خداوند قدوس جل جلالہٗ اور بدرجۂ کمال حسن عقیدت بصد اخلاص بہزار تعظیم و تکریم پیروی سُنّتِ نبی کریم رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم دل و دماغ جسم و جان میں رُوح رواں بنکر رگ رگ میں سمائی اور اٹھتے بیٹھتے صلوٰۃ سلام اور یارسول اللہ یا نبی اللہ کہنے کی نورانی عادت پڑگئی تو اس عالم فانی سے انتقال کے بعد بھی عالم برزخ بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ قبر و حشر کی ہر منزل پر کامیابی و فائز المرامی کا اعلاترین ذریعہ اور بخشش و نجاۃ کا وسیلہ ثابت ہوگی۔ حجابات کے اٹھتے ہی عقل و خرد ہوش و حواس پر ایکبارگی برق جلال گرتی ہے۔ ایسے ہولناک و ہوشربا وحشتناک وقت پر صرف سید عالم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وابستگیٔ خاص اور والہانہ جذبۂ عقیدت و محبت ہی کام آئے گا۔ سچی تعظیم و توقیر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ہمیشہ صلوٰۃ و سلام تعظیمی کی مبارک و مسعود عادت قبر کی وحشتناک تنہائی اور بے بسی کی اس تیرہ و تاریک منزل میں سنی صحیح العقیدہ مسلمان کی صحیح رہنمائی کریگی۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ بے ساختہ زبان پر کلمہ طیبہ اور صلوٰۃ و سلام جاری ہوجائے گا۔ سوالاتِ قبر بھی اِس دیندار ایماندار سچے سنی صحیح العقیدہ مسلمان پر بفضلہٖ تعالیٰ نہایت

اقرأ باسم ربك الذي خلق

اسمِ الٰہی

آسان ہو جائیں گے۔ اور قبر میں جمال جہاں آرائے سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری تابانی و درخشانی سے تیرہ و تاریک حجرۂ قبر روشن و منور و کشش شبستانِ خلد بریں تبدیل ہو جائے گی۔ اور نغمۂ روح افزا مژدۂ جاں افروز نَمْ کَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ سے وحشت قبر فرحت و سرور میں بدل جائیگی۔ حضور کے عاشقانِ صادق درود و سلام کے شائق پر قبر کے سوالات کیونکر دشوار ہو سکتے ہیں۔ جسکی ساری زندگی کا محبوب ترین مشغلہ صلوٰۃ و سلام تعظیم و تکریم حضور علیہ السّلام بھی رہا ہو اُسے تو سوالات قبر کے جوابات سکھانے سمجھانے کی بھی حاجت نہ ہوگی زندگی بھر اٹھتے بیٹھتے یا رسول اللہ یا رسول اللہ کے نعرے لگانے والا بھلا قبر کی منزل میں کیونکر خاموش رہے گا اُسکے ہاتھ ساتھ تو قبر کا ذرہ ذرہ درود و سلام پڑھنے لگے گا۔ فضل مولیٰ تعالیٰ سے ایسی بھی امید ہے آخر فطرت کا کا تقاضا بھی تو کوئی چیز ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ عاشقان رسول پاک تو موت کا بصد شوق تمنائے دیدار حبیب انتظار ہی کرتے رہتے ہیں اور قبر کی پہلی منزل کو اپنے عشق و محبت کی معراج تصور کرتے ہیں۔ جہاں اُنکو اپنی زندگی بھر کی عقیدت و محبت عشق و محبت تعظیم و توقیر درود و سلام کا انعام بصورت دیدار حضور علیہ السلام ملنے کا یقین کامل ہے جس دیدار پُر انوار کیلئے دل بے تاب زندگی بھر مچلتا رہا ہے اُس محبوب پاک صاحب لولاک کی جلوہ گری تیرہ و تار حجرۂ قبر کو قصر انوار و تجلیات اور بقعۂ نور بنانے والی ہے کیا خوف اور کیسی تاریکی ذرا عاشقانِ حبیب پاک سے پوچھئے کیا فرماتے ہیں حضرت آسی سکندر پوری علیہ الرحمہ ؎

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی
قبر کی رات ہے اُس گل سے ملاقات کی رات

اور اِس ایمان و یقین کے قربان جائیے کہ امام اہلسنت مجدد مأۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ اعلی حضرت عظیم البرکۃ شیخ الاسلام والمسلمین سید العاشقین محبوب المومنین فاضل بریلوی سیدی امام احمد رضا رضی اللہ عنہ نے بتاکید خاص وصیت فرمائی کہ عزیز و میری قبر بہت گہری رکھنا تاکہ قبر میں مصطفےٰ جانِ رحمت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری کے کے وقت میں کھڑے ہوکر قیام تعظیم کے ساتھ مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام عرض کر سکوں۔ سبحان اللہ سبحان اللہ اور ایک عاشقان رسول پاک اپنے ایمان ویقین کا اِس طرح اظہار فرماتے ہیں۔ ؎

خدا کا شکر ہے دل کو نہیں خوف تاریکی
جلالی جلوہ گر ہے قبر میں صورت محمد کی

لسان العصر اکبر الہ آبادی کا حسن عقیدت یوں کہتا ہے

قبر میں آئی تجلی روئے جاناں کی مجھے
موت سمجھا تھا جسے وہ شربت دیدار تھا

مرنے کے بعد قبر میں سوال و جواب ہونے کے مسئلہ میں کسی مسلمان کو انکار نہیں اور اسکی اہمیت و شکلات پر بھی نظر ہے اور اس امتحان میں کامیابی کیلئے کم و بیش ہر مسلمان صحیح العقیدہ صاحب ایمان دعائیں بھی مانگتا ہے احادیث صحیحہ کی روشنی میں سوالات و جوابات قبر بھی واضح ہیں روشن ہیں۔ مگر اُس وقت ہوش و حواس کا قائم رہنا اور صحیح جوابات کا زبان سے ادا ہونا بھی فکر سے خالی نہیں ہے اور توفیق الٰہی اور رحمۃ للعالمین علیہ السّلام کی کرم فرمائی کے بغیر کامیابی و کامرانی ممکن نہیں ہے اور پھر سوالات قبر مَنْ رَّبُّكَ وَمَا دِيْنُكَ کے جوابات کی تکمیل

وتصدیق تو مَاکنت تَقُولُ فِی ھٰذا الرَّجُلْ کے صحیح جواب پر ہوگی۔ اور نَمْ کَنَوْمَۃِ الْعَرُوْس کا مژدۂ جانفزا و فرحت افزا بھی اسی پہچان پر نصیب ہونے کی امید ہے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ومطلوب سید عالم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت وعنایت کی ضرورت ہے۔ مسلمانان اہلسنت کی زندگی بھی تک موقوف نہیں ہے۔ بلکہ حیات فانیِ زندگیٔ جاودانی کے ہر مرحلہ پر قبر وحشر پل صراط ومیزان عمل پر ہر جگہ اُنکے الطاف کریمانہ ہی سے بیڑہ پار ہوگا۔ وہ رحمۃ للعالمین بھی ہیں شفیع المذنبین بھی ہیں ایک سچے اہلسنت مسلمان کا تو یہی ایمان ویہی عقیدہ ہے کیونکہ مقصد حیات ومنشاء تخلیق بھی خالص عبادت رب العالمین واطاعت رحمۃ للعالمین ہے فلاح دارین کیلئے رضائے الٰہی ورضائے مصطفیٰ ضروری بلکہ اشد ضروری ہے پھر لطف پر لطف تو یہ ہے کہ ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا رضائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

(کلام امام احمد رضا علیہ الرحمہ)

ایک صالح وسعید خوش عقیدہ سُنی مسلمان کا تو یہی ایمان و یقین ہونا چاہیئے ——— جیسا کہ اعلیحضرت عظیم البرکت امام اہلسنت سیدی احمد رضا علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؎

دہن میں زباں تمہارے لئے بدن میں ہے جاں تمہارے لئے
ہم آئے یہاں تمہارے لئے اٹھیں بھی وہاں تمہارے لئے

قبر کے سوال وجواب میں یاددہانی کیلئے دفن کے فوراً بعد قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر اذان پکارنا بھی مفید ترین میت کی مدد ہے کیونکہ کلمات اذان میں سوالات قبر کا مکمل جواب موجود ہے۔ رہی یہ بات کہ میت کا کلمات اذان سننا تو یہ بات صحیح احادیث پاک سے ثابت ہے یہاں تک کہ جب مسلمان میت کو سیکڑوں من مٹی کے نیچے دفن کرکے قبر سے واپس ہوتے ہیں اپنی قبر سے واپس جانیوالوں کو دیکھتی ہے بلکہ جانیوالوں کی جوتیوں کی ہلکی سی ہلکی سرسراہٹ کی آواز کو اچھی طرح سنتی ہے ظاہر ہے کہ جب قبر میں میت کی قوۃ سماعت اسقدر تیز تر ہو جاتی ہے تو پھر قبر کے سرہانے دیجانے والی اذان کے کلمات تو بدرجۂ اولیٰ سُن سکتی ہے اور قبر میں منکر نکیر کے سوالات کے جوابات کلمات اذان سنکر باآسانی جواب دے سکتی ہے اور اس طرح تنگ وتاریک قبر کے ہولناک ماحول میں فرشتوں کے ہیبتناک چہروں اور گرجدار آواز سے متاثر ہوئے بغیر رسول پاک کا چاہنے والا اللہ پاک کا ماننے والا با اطمینان صحیح جوابات دیکر اِس خطرناک عظیم تر منزل منزل پر کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے ؎

لب پہ ہو ذکر خدا دل میں تری یاد رہے
یا نبی قبر میں شیدا ترا دلشاد رہے

بندۂ مومن قبر میں سوالات کی کڑی منزل سے کامیاب وکامراں ہو کر جب دیدار محبوب کردگار شفیع روز شمار سید ابرار احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے مشرف ہوگا اور دیدار نجاۃ آثار سے فیضیاب ہو کر کیف وسرور سے مخمور ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کرے گا۔ اور بفضل الٰہی اسے مژدہ روح پرور نَمْ کَنَوْمَۃِ الْعَرُوْسِ میں ملے گا اور قبر جنت کے پھولوں کی خواب آور سیج بنائی جائے گی۔ تو یہ عاشق صادق صبح قیامت تک کیلئے میٹھی نیند میں محو خواب ہو جائے گا۔ اور پھر انشاء اللہ تعالیٰ قیامت ہی کے دن اِس خواب شیریں سے بیدار ہوگا۔ مولیٰ تعالیٰ جل شانہٗ اپنے فضل وکرم سے ہر سچے صحیح العقیدہ سنی مسلمان کو سید عالم نور مجسّم رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم رحمت وشفقت لطف وعنایت سے قبر کے سوالات و جوابات میں آسانی وکامیابی وکامرانی فائز المرامی عطا فرمائے

یا الٰہی گور تیرہ کی جب آئے سخت رات
اُنکے پیارے منھ کی صبح جانفزا کا ساتھ ہو
یا الٰہی جب رضا خواب گراں سے سر اٹھائے
دولت عشق بیدار مصطفیٰ کا ساتھ ہو

معجزات اور عقلیت

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے

مولانا غلام یحییٰ انجم

اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لئے انبیاء اور رسولوں کو بھیجا تاکہ ان برگزیدہ ہستیوں کے توسط سے بندوں تک اپنے احکام پہونچائے اور الست بربکم کا بھولا ہوا وعدہ انہیں یاد دلائے اور اپنی حجت ان پر تمام کرے لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل تاکہ حضرات انبیاء کرام کی تبلیغ کے بعد مخلوق کو اطاعت خداوندی میں کوئی عذر باقی نہ رہے۔

انسانوں کے رسول و نبی چونکہ انسان ہوتے ہیں اور ان کی صورت انسانوں جیسی ہوتی ہے اس لئے حق تعالیٰ نے ان کو معجزات عطا فرمائے جو ان کی صداقت کی دلیل اور برہان ہوا کرتے ہیں۔

ان معجزات کی حقیقت عوام الناس ہی نہیں بلکہ دانشوران روزگار کے فہم و ادراک سے بھی بالاتر ہوا کرتی ہے اور وہ کبھی اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ ان کا تصور یہ ہوتا ہے کہ معجزہ وہم انسانی کی تسکین کا ساز و سامان ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں یہ اس وجہ سے ہے کہ نہ انہوں نے مقام نبوت کو سمجھا ہے نہ شان رحمت کو اور نہ ہی نبوت اور رحمت الٰہی کے درمیان لطیف و جاوداں رشتے کو، اسی لئے ان کی دو اور دو کو چار کہنے والی عقل لطائف حقائق کی اس سطح تک نہیں اٹھ پاتی جہاں اعداد کی کمیت مٹ جاتی ہے صرف کیفیت باقی رہ جاتی ہے۔ جب تک عقل اتنی بلند نہ ہو سکے وہ کمال نبوت کا ادراک نہیں کر سکتی۔

ہمارے قابل احترام علمائے سلف نے انبیاء بالخصوص سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر گفتگو کرتے ہوئے معجزات کی تعداد ان کی نوعیت اور پیمبرانہ مشن میں ان کے مقام اور اہمیت پر تفصیلی بحث کی ہے اور اس میں شک نہیں کہ ان کی یہ تصریحات علمی نکتہ وری کے شاندار نمونے ہیں لیکن حقیقت کلی یہی ہے کہ نبوت تمام تر معجزہ ہے۔

انسانی سینہ اگر جہل و تعصب سے پاک، علم و انصاف سے لبریز، قبول حق اور ایمان بالغیب کے لئے آمادہ ہو تو کسی خارق عادت کا کیا ذکر خود نبی کی آواز اور شکل و صورت اس کے لئے معجزہ اور دلیل و بینہ ہے۔ ابو جہل اپنے عناد و تعصب کے سبب شق قمر دیکھ کر بھی منکر کا منکر ہی رہا لیکن عبداللہ بن سلام صرف چہرہ دیکھ کر پکار اٹھے "یقیناً یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں" اور تصدیق کی دولت سے سرفراز ہوئے۔

معجزہ اور عقلیت

معجزہ عقلی طور سے ممکن ہے اور عالم واقعہ میں تو یہ موجود ہے

قرآن کریم کا معجزہ ہونا تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ خود قرآن نے ایسے انبیاء کے قصے سنائے ہیں جو اس کے ذریعہ اپنی قوم کے چیلنجوں کا جواب دیتے رہے ہیں اور انہیں معجزات سے انہوں نے اپنی رسالت کو ثابت کیا ہے اگر معجزات نہ ہوتے تو یہ اثبات ممکن نہ ہوتا۔

عقلائے روزگار نے معجزے کے سلسلے میں مختلف نظریئے قائم کئے ہیں۔ بعض اپنی عقل کی نارسائی کی بناء پر معجزات کے وجود ہی سے انکار کر بیٹھے ہیں۔ اور بعض نے کچھ کو ممکن اور کچھ کو غیر ممکن قرار دیا ہے۔ شیخ محمد مصطفیٰ المراغی شیخ الازہر تو قرآن کے سوا کسی معجزہ کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ اسی طرح ابن تیمیہ اور محمد عبدہ نے بھی اپنے نظریئے کا اظہار کیا ہے۔ اس کی تقریب فہم کے لئے عقلی اعتبار سے ہم تجزیہ کریں اور یہ دیکھیں کہ معجزہ واقعی ممکن الوقوع ہے یا نہیں ہے۔ اولاً ہم معجزات کو انہیں دو حصوں کی طرف پہلے منقسم کرتے ہیں جن کا اجمالی تذکرہ گزر چکا ہے۔ ایک علمی۔ دوسرا عملی۔

معجزۂ علمی مدعی نبوت سے ایسے علوم و معارف ظاہر ہوں کہ ساری دنیا اس کے معارضہ اور مقابلہ یعنی اس کا مثل لانے سے عاجز و درماندہ ہو۔

معجزۂ عملی مدعی نبوت کے ہاتھوں ایسا عمل یا کام ظاہر ہو کہ اس جیسا کام کرنے سے عوام الناس عاجز آجائیں۔

معجزات کی ایک دوسری تقسیم عقل و حس کے اعتبار سے بھی کی جا سکتی ہے۔

معجزۂ عقلی وہ معجزے ہیں جن کے سمجھنے میں عقل کی ضرورت ہوتی ہے اور اس قسم کے معجزات کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو دانشمند اور ذی فہم ہوتے ہیں بہت سے معجزات ایسے ہوتے ہیں جن کا تعلق صرف عقل سے ہے مثلاً خود محمد عربی کی ذات گرامی اور اخلاق فاضلہ یہ ایسا معجزہ ہے کہ ایک عقل والا دیکھتے ہی محمد عربی کو اللہ کا رسول ماننے کے لئے تیار ہوتا ہے اور دوسرا عقلی معجزہ قرآن مقدس ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی معجز نما کتاب کا ایک امی شخص کی زبان سے ظاہر ہونا جس نے نہ کبھی استاد سے پڑھا ہو نہ کسی مکتب کا دروازہ ہی جھانکا ہو نہ کسی عالم اور حکیم کی صحبت اٹھائی ہو انتہائی تعجب خیز ہے۔ معجزہ کی اس قسم کو معجزہ معنوی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

معجزۂ حسّی وہ خارق عادات امور ہیں جن کا ادراک حواس سے ہوتا ہے ایسے معجزات کے طلبگار اکثر وہی لوگ ہوتے ہیں جن کو عقلی اصول سمجھنے کا سلیقہ نہیں ہوتا ہے یا ضدی اور عنادی ہوتے ہیں۔

کفار مکہ کی درخواست پر چاند کے دو ٹکڑے کرنا۔ انگلی کی گھائیوں سے پانی کا پھوٹ پڑنا۔ جانوروں کو پانی پلانا تھوڑے سے طعام کا ایک لشکر عظیم کی سیری کے لئے کافی ہو جانا شجر و حجر کا سلام کرنا دعوت پر درختوں کا حاضر ہونا۔ زہر آلود بھنی ہوئی بکری کے دست کا دسترخوان پر بول دینا۔ ان تمام معجزات اور اس طرح دوسرے معجزات کا تعلق معجزات حسیہ ہی سے ہے۔

معجزہ چونکہ خرق عادات کا نام ہے اس لئے خرق عادت کے طور پر بھی تنقیح مبحث کیلئے تقسیم ضروری ہے۔

ا۔ کبھی نفس واقعہ خارق عادت ہوتا ہے جیسے عصا کا سانپ بن جانا۔ چاند کا دو ٹکڑے ہونا۔ انگلیوں سے چشمہ کا ابلنا۔ مردہ کا زندہ کرنا۔

۲۔ کبھی نفس واقعہ خلاف عادت نہیں ہوتا۔ مگر اس کا اس وقت خاص پر رونما ہونا خرق عادات ہو جاتا ہے۔ مثلاً طوفان آنا۔ آندھی آنا۔ زلزلہ آنا۔ کفار کا باوجود کثرت تعداد کے بے یار و مددگار اہل حق سے خوف کھانا۔ تمام تائیدات الٰہی اس قسم میں داخل ہیں۔

۳۔ ایک صورت یہ ہے کہ نفس واقعہ اور اس کے ظہور کا وقت خاص تو عادت جاریہ کے خلاف نہیں ہوتا۔ مگر اس کا طریقۂ ظہور خلاف عادت ہوتا ہے۔ مثلاً انبیاء کرام کی دعاؤں سے پانی کا برسنا۔ بیمار کا اچھا ہونا۔ آفتوں کا ٹل جانا کہ نہ تو بیمار کا اچھا ہونا پانی کا برسنا یا کسی آئی ہوئی آفت کا ٹل جانا خلاف عادت ہے اور اس کے ظہور کا کوئی خاص وقت ہے۔ لیکن جس طریقہ اور جن اسباب و علل سے یہ معجزات ظاہر ہوتے ہیں وہ خارق عادات ہیں۔ استجابت دعا

اسی قسم میں داخل ہے۔

۴۔ نہ کبھی تو خارق عادت ہوتا ہے اور نہ اس کا طریقۂ ظہور خارق عادت ہوتا ہے بلکہ اس کا قبل از وقت علم خارق عادت ہوتا ہے۔ مثلاً انبیاء کی پیشین گوئیاں۔ ایک دفعہ زور سے آندھی چلی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر تھے آپ نے فرمایا کہ یہ آندھی ایک منافق کی موت کے لئے چلی ہے۔ چنانچہ جب لوگ مدینہ پہونچے تو معلوم ہوا کہ مدینہ میں ایک منافق اس آندھی سے مرگیا۔ اس معجزہ میں نہ تو آندھی کا چلنا خرق عادت ہے نہ آدمی کا آندھی کے صدمے سے مرجانا خلاف اسباب ہے۔ بلکہ واقعہ کا قبل از وقت علم خارق عادت ہے

خوارق کی مزید وضاحت کے لئے ہم اس کے ان تمام اقسام کو بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو خوارق کے ضمن میں آتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واضح کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ معجزہ اور خوارق میں کیا فرق ہے تاکہ معجزہ کا صحیح مفہوم کھل کر سامنے آجائے اور بحث ومباحثہ میں سہولت ہو۔ یہ یاد رہے کہ کرامت سے لے کر ایجادات تک سب کا شمار خوارق میں ہوتا ہے۔

معجزہ معجزہ ایک ایسی نادر وعجیب چیز ہوتی ہے جو مدعی نبوت کے ہاتھوں ظاہر ہوتی ہے (یہ معجزہ کی سب سے مختصر تعریف ہے۔

کرامت وہ خارق عادت شئی ہے جو کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے۔ وہ نبوت کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ کسی نبی کا امتی ہوتا ہے۔

معونت ایک ایسی خارق عادت چیز ہے جو کسی ایسے مومن کے ہاتھ پر ظاہر ہو جو نہ ولی ہو نہ فاسق۔

اہانت جو کسی کافر یا فاسق کے ہاتھوں اس کے مطلوب کے خلاف ظاہر ہو جیسے مسیلمہ کے ساتھ ہوا۔

استدراج وہ خارق عادت شئی جو کسی کافر یا فاسق کے ہاتھ پر اس کے مطلوب کے موافق ظاہر ہو جیسے کہ دجال کے ہاتھوں اسی طرح کی چیزیں رونما ہوں گی

ارہاص کسی نبی کی بعثت سے پہلے ظاہر ہونے والی کوئی خارق عادت چیز جیسے سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن میں بدلیوں کا آپ پر سایہ فگن ہوجانا اور دوسرے خوارق

جادو ایسے قواعد جن کے ذریعہ ناواقف اور جاہل لوگوں کے سامنے عجیب وغریب حرکتیں دکھائی جائیں اور جنھیں تعلیم وتعلم سے حاصل کیا جاسکے۔

شعبدہ بازی ہاتھ کی صفائی۔ جس کے ذریعہ اشیاء ایسی شکلوں میں دکھائی جاتی ہیں جو فی الواقع نہیں ہوتیں جیسے بازی گر کرتے ہیں۔

ایجادات مادہ کی خصوصیات اور کائنات کے اسرار ورموز کی معرفت کے ذریعہ عمل میں آنے والی نت نئی چیزیں مثلاً ریڈیو ٹیلی ویژن راکٹ وغیرہ۔

ان توضیحات کی روشنی میں یہ اچھی طرح عیاں ہوگیا ہوگا کہ معجزہ کیا ہے؟ اور دیگر خوارق کیا ہیں؟ اب معجزہ کی صحیح تعریف معلوم ہوجانے کے بعد امکان وقوع پر غور کریں اور سنجیدگی سے سوچیں کہ آخر عقل پرست لوگوں نے معجزہ کو تسلیم کرنے سے کیوں انکار کیا وہ اسباب وعلل کیا ہیں۔

منکرین معجزہ کہتے ہیں کہ "عالم کائنات ایک نظام پر قائم ہے۔ ہر شئی کی ایک علت اور ہر حادثہ کا ایک سبب ہوتا ہے اس کے بغیر کوئی امر ناممکن ہے سبب کا وجود نہ ہو علت نہ پائی جاتے اور معلول کا وجود ہوجاتے یہ بظاہر قیاس مستبعد ہے۔ اگر اس کے خلاف کچھ ہوتا ہے مثلاً یہی کہ آگ کا کام جلانا ہے اور وہ جلاتی نہیں۔ برف کا کام ٹھنڈک پہونچانا ہے اور وہ ٹھنڈک نہیں پہونچاتی تو ہماری عقل اسے تسلیم نہیں کرتی"

اب سوال یہ ہے کہ جب کائنات کا نظام اس قدر

مستحکم اور ٹھوس ہے توکیا اس میں تغیر اور تبدل ہو سکتا ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں مختلف رائیں ہیں۔ فلاسفہ اور حکماء کے ایک گروہ کے نزدیک یہ نظام یہ سلسلہ یہ اصول ناقابل شکست اور ناقابل تغیر ہیں۔ حکمائے اسلام مثلاً فارابی ابن سینا اور ابن مسکویہ اس بات کے قائل ہیں کہ یہ تو مسلم ہے کہ نظام عالم اور سلسلہ علل واسباب میں تغیر نہیں ہو سکتا لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ معجزات اس نظام و سلسلہ سے الگ ہیں اور وہ فطرت کی قانون شکنی کرتے ہیں۔ بلکہ وہ علل واسباب طبعی کے نتائج ہیں زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم ان علل واسباب کے احاطہ سے اب تک قاصر ہیں

معتزلہ کہتے ہیں کہ دنیا کے اندر ایک خاص نظام فطرت ہے اور موجودات میں سلسلہ علل ومعلولات ہے۔ لیکن ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ان میں اس درجہ ہمہ گیری ہے اور یہ کسی حال میں کسی طریقے سے ٹوٹ نہیں سکتے آج نباتات کا دانہ سے اور پرندے کا انڈے سے پیدا ہونا ظاہر ہے مگر یہ بھی ممکن ہے کہ اس توسط اور وسائط کے بغیر دفعتہً وہ وجود میں آجائیں۔

اشاعرہ کا کہنا ہے کہ تو عالم کے اندر حقیقۃً قوانین فطرت ہیں اور نہ خود اشیاء کے اندر خواص ہیں بلکہ ہر شئی سے جو فعل صادر ہوتا ہے اسے درحقیقت اللہ تعالیٰ اس کے اندر اسی وقت پیدا کرتا ہے۔

فلاسفہ اور حکماء کا جو قول اوپر گزرا ہے اس کے بارے میں امام رازی فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ یہ جماعت قوانین فطرت کے ناقابل شکست ہونے کا یقین رکھتی ہے جس کے سبب وہ معجزات سے انکار کرتی ہے مگر اس ضابطہ کے پیش نظر کچھ ایسے اصول سامنے آئیں گے جن میں انھیں خوارق فطرت کو تسلیم کرنا پڑیگا۔

امکان معجزہ کے دلائل حکمائے اسلام نے اس کی وضاحت کی ہے اور امکان معجزہ پر مندرجہ ذیل دلائل دیتے ہیں۔

تاثیرات فلکیہ اولاً فلاسفہ معجزہ کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ وہ اشیاء میں مادی علت کے قائل ہیں جب کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جس میں علت مادی نہیں مثلاً گردش نجوم اور گردش افلاک جس کے دنیا کے حوادث پر بڑا اثر ہے اس کے اسباب مادی نہیں ہیں تو کیا سماوی اور فلکی بھی نہیں ہو سکتے۔

علل خفیہ ہم یہ مانتے ہیں کہ تمام حوادثات کسی نہ کسی طبعی اسباب کی بناء پر ہوتے ہیں مگر ان اسباب کا علم وفہم میں ہونا ضروری نہیں۔ دنیا کے بیشتر اسرار قدرت اسی قبیل سے ہیں۔ یہیں معجزے کا امکان پیدا ہوتا ہے۔

قوت کمالیہ اس دنیا میں جتنے انسان ہیں ان کی نفسیاتی خصوصیات بھی اتنی ہی مختلف ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص علم کا عاشق اور دوسرا اس کا دشمن ایک کو معقولات کا چسکا اور دوسرے کو منقولات سے دلچسپی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نفوس انسانی کے اتحاد ماہیت کے باوجود اختلاف کیوں؟ اس کے صرف دو جواب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ ہر نفس کی جوہریت ایک دوسرے سے مختلف ہے اس لئے خصائص اور توجہات میں اختلاف ہے دوسرے یہ کہ ہر جسم کی ترکیب عنصری میں ایک دوسرے سے اختلاف مزاج ہے جس کے سبب ایک دوسرے کی خصوصیات نہیں ملتیں بہر حال جو بھی تسلیم کریں یہ ماننا پڑے گا کہ ممکن ہے کہ بعض نفوس ایسے ہوں جن کی روحانی یا جسمانی قوت میں ایسی بات ہو جو عوام الناس سے بالاتر ہو۔ جن نفوس میں یہ معجزانہ قوت ہوتی ہے۔ ان سے کسی امر کا اظہار نادر الوقوع ہوتا ہے اس لئے اس پر تعجب یا استبعاد معمول سے بڑھنے لگتا ہے۔

قوت نفسیہ ہر انسان اپنے عضو کو جس طرح چاہتا ہے حرکت دیتا ہے گویا ایک قوت ہے جو اس کے تمام قالب جسمانی پر مسلط ہے یہ نفس انسانی جسم کے اندر اسی وجہ سے تصرف وعمل کرتا ہے لیکن جو نفوس ان سے زیادہ طاقتور ہوتے ہیں۔ وہ اپنے جسمانی قالب کے علاوہ دوسرے نفوس اور

اجسام کو بھی اپنا مطیع بنا لیتے ہیں ان نفوس میں جن کو معجزانہ کمال کا حصہ ملا ہے ان کے لئے عالم ایک مادی جسم کی طرح ہے جس میں وہ حسب منشا تصرف کرتے ہیں۔

تاثیرات نفسانیہ نفس انسانی میں جو جذباتی تغیرات پیدا ہوتے ہیں وہ اس کے جسم مادی کو متاثر کر دیتے ہیں جیسے غصہ سے چہرہ کا سرخ اور شرمندگی سے زرد ہو جانا یا کسی ہیبت ناک شئی کا تصور کر کے گھبرا اٹھنا یا بے ہوش ہو کر گر پڑنا مگر یہ ان نفوس کا حال ہے جو کمزور ہوتے ہیں لیکن جو ارباب نفوس قدسیہ ہیں وہ اپنے نفسانی اثرات سے دوسرے اجسام کو متاثر کر دیتے ہیں اور ان میں عجیب عجیب تغیرات کرتے ہیں جنھیں ہم شریعت کی زبان میں معجزہ کہتے ہیں۔ ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ معجزہ عقل کے اعتبار سے مستبعد اور ناممکن الوقوع نہیں۔

اشاعرہ اور معتزلہ دونوں فطرت شکنی اور خرق عادات کے قائل ہیں۔ مگر ان میں اختلاف صرف نظریئے کا ہے جس سے نفس خرق عادات اور معجزہ کے ثبوت پر اثر نہیں پڑتا طوالت کی وجہ سے وجوہ اختلاف کے بیان سے احتراز کرتا ہوں البتہ تقریب فہم کے لئے امکان وقوع معجزات کے سلسلے میں حسی معجزات میں انشقاق قمر کا تحلیلی جائزہ پیش کرتا ہوں۔

قدیم زمانہ میں اجرام فلکی کے خرق والتیام کے سلسلے میں دو مذاہب تھے ایک فلاسفہ قدیم کا دوسرے متکلمین کا فلاسفہ قدیم کا کہنا تھا کہ اجرام فلکی میں خرق والتیام اور شکست وریخت محال ہے اس لئے شق قمر کا معجزہ محال ہے۔ اور متکلمین چونکہ اجرام فلکی میں شکست وریخت کے قائل تھے اس لئے ان کے نزدیک انشقاق قمر کا معجزہ بالکل حق و درست تھا۔ مابعد کے ادوار میں معجزہ شق قمر کے منکرین اس کے وقوع پر دو طرح کے سوالات وارد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ممکن نہیں کہ چاند جیسے عظیم کرہ کے دو ٹکڑے پھٹ کر الگ ہو جائیں اور سینکڑوں میل کے فاصلے تک ایک دوسرے سے دور جانے کے بعد پھر باہم جڑ جائیں۔ دوسرا سوال یہ کرتے ہیں کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو یہ واقعہ دنیا بھر میں مشہور ہو جاتا تاریخوں میں اس کا ذکر آتا اور علم نجوم کی کتابوں میں اسے بیان کیا جاتا۔ یہ دونوں اعتراضات کچھ وجوہات کی بنیاد پر بے بنیاد اور ناقابل فہم ہیں۔

اول تو اس لئے کہ موجودہ زمانہ میں سائنس کی ترقی روز مرہ کی نئی ایجادات آسمانی حوادث اور ستاروں کی شکست و وریخت سے امکان انشقاق قمر بالکل عیاں ہے یہ ممکن ہے کہ ایک کرہ اپنے اندر کی آتش فشاں کے باعث پھٹ جائے اور اس زبردست انفجار سے اس کے ٹکڑے دور تک چلے جائیں اور پھر اپنے مرکز کی مقناطیسی طاقت کے سبب ایک دوسرے سے باہم مل جائیں۔ ٹھیک اگر یہی صورت حال قمر کے اندر پیش آئی ہو تو کیا تعجب ہے؟ ہاں اس سوال کا جواب اس وقت ناممکن ہو سکتا تھا۔ جب کہ سائنسی ایجادات کی اتنی بھرمار نہ تھی اور اس کے فارمولے اس قدر نقطہ عروج پر نہ تھے۔

اور دوسرے اعتراض میں جو معترض نے یہ کہا ہے کہ یہ واقعہ ضرور مشہور ہوتا علم نجوم کی کتابوں میں اسے بیان کیا جاتا۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ پوری دنیا کو شق قمر کی کیفیت اس وقت نظر آتی جب یہ انشقاق آسمان کی طبعی حالت کی بنا پر ہوتا مگر چونکہ اعجاز رسول کی بنیاد پر انشقاق قمر وجود میں آیا تھا اس لئے کوئی ضروری نہیں کہ تمام دنیا کے باشندوں اور ملک عرب میں بسنے والوں کی نگاہیں اس سے ٹکرائیں۔ جہاں تک رہا علم نجوم کی کتابوں میں ذکر نہ ہونے کا سوال تو صرف اس لئے کہ اس کا ذکر اس وقت ضروری ہوتا جب اس انشقاق سے اس کی رفتار اس کی گردش کے راستے اور اس کے طلوع و غروب کے اوقات میں کوئی فرق ہوا ہوتا۔ یہ صورت چونکہ پیش نہیں آئی اس لئے قدیم زمانہ کے اہل تنجیم کی توجہ اس کی طرف منعطف نہیں ہوئی۔ اس زمانہ میں رصد گاہیں اس حد تک ترقی یافتہ نہ تھیں کہ افلاک میں پیش آنے والے ہر واقعہ کا نوٹس لیتیں اور اسے ریکارڈ کے طور پر محفوظ کرتیں۔

علامہ بدرالدین عینی صاحب عمدۃ القاری فی شرح

البخاری نے معجزہ شق قمر کے منکرین کے خیالات کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ "القمر مخلوق من مخلوقات اللہ یفعل فیہ مایشاء کما یفنیہ ویکورہ فی آخر امرہ"[1]

منکرین معجزات نے مختلف جہتوں سے معجزات کا انکار کیا ہے "ہیوم" کی حیثیت اس میں سربراہ کی سی ہے وہ معجزات کا ازسرنو انکار کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ ہر اعتبار سے یہ معجزہ ناممکن الوقوع ہے وہ خارق عادات امر کو معجزہ کا نام دینے کے بجائے قانون فطرت کے خرق کو معجزہ کہتا ہے۔ اس کی کتاب فہم انسانی باب معجزات میں ہے۔

"معجزہ نام ہے قوانین فطرت کے خرق کا اور چونکہ یہ قوانین مستحکم اور اٹل تجربہ پر مبنی ہوتے ہیں اس لئے معجزہ خود اپنے خلاف اتنا زبردست ثبوت ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی تجربی ثبوت کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔"

پروفیسر ہکسلے اکثر مسائل میں ہیوم کے ساتھ ہیں مگر معجزات سے متعلق انہوں نے ہیوم کے اس نظریہ "کہ معجزہ نام ہے خرق عادات کا" کی تغلیط کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ معجزات کے معنی زیادہ سے زیادہ انتہائی حیرت انگیز واقعات کے ہو سکتے ہیں وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"معجزہ کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ کسی تناقض کو مستلزم نہیں ہے لہذا خود ہیوم ہی کے اس دعوی کے مطابق معجزہ کو کسی برہان ودلیل سے غلط ثابت کیا جا سکتا۔"

مگر تعجب ہے معجزہ کے اس زبردست منکر پر کہ ان تمام کے باوجود خود ہیوم نے اپنے ہی اصول کے خلاف اور بالکل متناقض ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ مردہ کا زندہ ہو جانا معجزہ ہے۔ کیونکہ ایسا پہلے کبھی کسی زمانے میں اور کسی ملک میں نہیں ہوا۔

مسٹر ہیوم نے اپنی تحریر میں جو قانون فطرت کے خرق کو معجزہ بتایا ہے ان کے اس مذکورہ بالا قول کی روشنی میں اس کا مطلب قانون عادت کے لیا جا سکتا ہے اور یہاں وہی مراد بھی ہے۔ اب اس صورت میں اس کی توضیح اس طرح ہوگی کہ کسی شخص کے بارے میں یہ کہنا فلاں شخص فلاں عمر میں مر جائے گا ایسا ممکن ہے البتہ اتنا اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے کہ اس جماعت کے افراد ضرور اتنے فیصد چالیس سال کی عمر میں مر جائیں گے۔ مذہب کی زبان میں اسی قانون عادت کو عادۃ اللہ کہا جاتا ہے جس کی بناء پر عمل فطرت کی یکساں یا قوانین فطرت کے نفس وجود کا انکار لازم نہیں آتا البتہ ان قوانین کا منشاء اندھے بہرے بے علم و اختیار مادہ کا اٹل وجوب ولزوم نہیں بلکہ ایک علم و اختیار والی ذات (اللہ تعالیٰ) کی عادت جاریہ سے ہے۔ جو کسی حکمت و مشیت کے تحت کبھی کبھی اس عادت جاریہ کے کبھی کر سکتی ہے اور کرتی ہے یہی معجزہ ہے۔

مشہور سائنس داں کالیبٹر کو یہ بات تسلیم کرنے میں کوئی عقلی دشواری نہیں پیش آتی ہے کہ خالق فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قانون کے ماوراء بھی کر سکتا ہے اور اس کے علاوہ معجزات کے خلاف سائنس کا کوئی ایسا قول نہیں جو معتبر شہادت کی موجودگی میں ان کے قبول سے مانع ہو۔

اوپر دئے ہوئے قول اور دوسرے سائنسدانوں کے بیانات کی روشنی میں یہ بات پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ خود سائنس کی رو سے [illegible] بہت پہلو [illegible]

بحث [illegible] کے طور پر تو بہت [illegible] سکتا ہے اور صفحات کے صفحات سیاہ ہو سکتے ہیں لیکن جہاں کہیں بھی یقین اور یقینیات کی گفتگو ہو وہاں آخر عارف رومی کے قول کو اہمیت دینی پڑتی ہے جس میں کہا تھا۔

گر باستدلال کار دیں بدے فخر رازی رازدار دیں بدے

گویا ایسے امور جو یقینی باتوں سے تعلق رکھتے ہیں ان کی گرفت کے لئے وہ شعور درکار ہے جو عقل کی منزلوں سے گذر کر اذعان بن جائے۔ جہاں قانون قدرت کسی ذات پر رضائے الہی سے ہم آہنگ ہو کر عین حقیقت بن جائے وہی معجزہ ہے مقام نبوت ہے۔

---

[1] علامہ بدرالدین عینی: عمدۃ القاری ج ۸ ص ۶۹

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی

معراج جسمانی اور رویتِ باری

مولانا احمد القادری بھیروی

سیدنا رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کے دو عظیم پہلو ہیں۔

اوّل :۔ بندوں سے ملا ہوا اور تقاضائے بشریت کے عین مطابق ہے۔

دوم :۔ خدا سے ملا ہوا اور عقلِ بشریت کے ماوراء ہے۔

معراج جسمانی اور رویتِ باری کا تعلق بھی اسی دوسرے پہلو سے ہے ۔ اعلانِ نبوت کا بارھواں سال[1] اور مکہ کی سرزمین ہے کفار و مشرکین کی کثرت اور فدایان جمالِ مصطفےٰ کی قلت ہے ۔ ہر طرف دشمنانِ اسلام کا دَور دَورہ ہے ۔ نبوت و رسالت سے انکار کی آوازیں چار سو گونج رہی ہیں ۔ ایک بشر سے غیب کی باتیں سن کر مذاق اڑایا جارہا ہے اور اپنی ہی طرح بلکہ اس سے بھی کمتر سمجھ کر توھینِ رسالت کی جارہی ہے ۔ غم گسار حضرت خدیجہ اور ابوطالب کا سایہ بھی سر سے اٹھ چکا ہے ۔ عین اس ماحول میں ربِّ جلیل وقدیر نے اپنے اس خاص بندے کو جس کے لئے ساری کائنات پیدا کی اپنے پاس بلاکر رحمتِ خاصّہ سے نوازا ۔ انوار و تجلیات سے ہمکنار کیا ۔ دیدار ذات سے آپ کی جسمانی آنکھوں کو سرور بخشا اور ایسا قرب عطا کر دو کمانوں کا فاصلہ بھی نہ رہا[2] ۔ کوہِ طور پر نہیں خاص عرشِ عظیم بلکہ لامکاں کی رفعتوں پر ہمکلامی کا شرف بخشا ۔ کیا گفتگو ہوئی تو رویت کیطرح بیان کرکے بندوں کو روشناس نہیں کرایا گیا بلکہ فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی[2] کے پردہ میں پوشیدہ رکھی گئی ۔ اور یہ سب تمام سیر مکان ولامکان رات کے ایک مختصر سے حصّے میں مکمل کرادی گئی ۔ یہ ایسی انوکھی باتیں ہیں جو انسان نے نہ اس سے پہلے کبھی سنی تھیں نہ بعد میں اب تک سنیں اور نہ قیامت تک سن سکے گا ۔ اگر اس ماحول میں صاف صاف انھیں بیان کیا گیا ہوتا تو عقل وخرد پر بھروسہ کرنے والا انسان فوراً ہی انکار کر دیتا اور دلیل کا طلبگار ہوتا ۔ آسمانی دلائل وبراہین پیش کیے جاتے تو اس کی عقلِ ناقص کی سمجھ سے بالاتر ہوتے اس لئے پروردگار عالم نے عظمت والے قرآن میں وہیں تک سیر کی واضح آیت کریمہ نازل فرمائی جس کے دلائل وبراہین منکرین کو آسانی سے خاموش کر دیں ۔ ارشاد ہوتا ہے ۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ پ۱۵ ۱۔

پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجد اقصا تک لے گیا جس کے ارد گرد ہم نے برکت رکھی تاکہ ہم

---

[1] :۔ تفسیر خزائن العرفان پارہ ۱۵ ر ۱ ۔ [2] :۔ اس آیت کریمہ میں اسی طرف اشارہ ہے ۔ ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی ۔ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی پ۲۷ ۵ ترجمہ : پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ بھی نہ رہا ۔ بلکہ اس سے بھی کم (کنز الایمان)

اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے۔
(کنز الایمان)

اس آیت کریمہ میں پروردگار عالم نے حبیب سبحانی، صاحب معراج جسمانی، ناظر انوار ربانی صلے اللہ علیہ وسلم کو رات کے ایک مختصر سے حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصا تک سیر کرانیکا خود ذکر فرمایا ہے تاکہ لوگوں کو رب قدیر کی عظمت وکبریائی اور بارگاہ ذو الجلال میں محبوب کی قدر و منزلت کا کچھ اندازہ ہوسکے۔ قادر قیوم وہ طاقت و قدرت رکھتا ہے کہ اس نے اپنے بندۂ خاص کو جب اپنی عظیم نشانیاں دکھانا اور اسے سیر کرانا چاہا تو رات کے مختصر سے وقت میں سیر کرادی اور ایسی تفصیلی سیر کہ لوگوں نے اسکا امتحان لینا چاہا! تو آقائے نامدار مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم نے منزل ہی نہیں بلکہ راہِ منزل کی ہر بات کی تفصیل بتادی۔ اور ایسی تفصیل کہ اگر ہم ہزار بار بھی کسی راہ سے گزریں تو وہ تفصیل نہ پیش کرسکیں آخر کار کفار و مشرکین کو لاجواب ہوکر خاموش ہونا پڑا اور مسلمانوں کا ایمان تازہ ہوگیا۔ پھر جب سرکارِ دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے آسمان و لامکاں جنت و دوزخ اور بے کیف دیدارِ الٰہی کا بیان فرمایا تو اہلِ اسلام نے فوراً سرِ تسلیم خم کردیا کیونکہ ان کے سامنے بیت المقدس کے عینی مشاہدات آئینے کی طرح جلوہ گر ہوچکے تھے۔ جن کے پیشِ نظر کفار و مشرکین کو بھی سکوت ولاجوابی کے سوا چارۂ کار نہ تھا۔

وہ امینِ صادق صلے اللہ علیہ وسلم اب سیرِ لامکاں کی تفصیل بیان فرمارہے ہیں۔ کیوں نہ ہر مومن کا دل اس کے سامنے جھک جاتے۔ لیکن یہ ایک بہت بڑی آزمائش تھی۔ کتنے اس امتحان میں ناکام ہوتے اور دامنِ رسالت سے جدا ہوگئے۔ اور بہت سے بندے اس امتحان میں کامیاب ہوتے اور ایمان کی تازگی و پختگی پائی۔ کسی نے تو اس کامیابی میں اول درجہ حاصل کرکے صدیق کا لقب بھی پالیا۔ غرضیکہ اس زمانہ میں بھی دو گروہ تھے ایک کفار و مشرکین کا جنھوں نے انکار و اختلاف کا کوئی گوشہ باقی نہ چھوڑا۔ اور دوسرا صحابہ و عاشقانِ رسول کا جنھوں نے اس واقعہ کی عینی حقیقت تسلیم کرکے خداوند کریم کی بارگاہ میں عظیم رتبہ حاصل کیا۔ بعض ایسے بھی نام نہاد مسلمان تھے جو اسراء کا انکار کرکے ضلالت و گمرہی کے غار میں گر گئے۔

ان تمام تاریخی حقائق و مشاہدات کے ہوتے ہوئے اب بھی کوئی معراج مبارک کو خواب و خیال قرار دے تو کتنی بڑی نادانی ہے۔ قسم ہے خدائے وحدہ لاشریک کی جس کے دست قدرت میں ساری کائنات ہے اگر معراج جسمانی نہ ہوتی محض منامی یا روحانی ہوتی اور اس کے سارے بیانات و مشاہدات عینی نہ ہوتے تو کفار و مشرکین انہیں سن کر ہرگز انکار نہ کرتے اور کچھ افراد اسلام سے پھر کر مرتد و بے دین نہ ہوتے۔ کیونکہ خواب تو ایسی حقیقت ہے جس سے قریباً ہر انسان دوچار ہوتا ہے۔ خواب کے اندر دور دراز شہروں میں سیر و تفریح کیلئے پہونچ جانا جس کی مسافت مہینوں کی ہو ایسے افعال کا صدور ہوجانا جو سالوں میں بھی نہ ہوسکیں (مثلاً خواب میں لاولد کو کئی کئی اولادوں کا ہوجانا، سیاروں کا سجدہ کرنا، میدانِ حشر کا قائم ہوجانا) اگر کوئی خواب دیکھنے والا بیان کرے تو ایسی شدت سے کوئی اسکا منکر نہیں ہوتا۔ معراج کے اتنے منکرین ہوجانا خود اس کے جسمانی ہونے کی دلیل ہے۔ خواب تو اگر کسی محال چیز کا بھی ہو تو اس کا انکار نہیں کیا جاتا۔ کیا حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب نہیں دیکھا تھا؟ مجھے چاند سورج اور گیارہ ستارے سجدہ کر رہے ہیں۔ ان سیاروں کا کسی انسان کو سجدہ کرنا کیا ممکن ہے؟ خارجی واقعہ ہو تو عقل اس پر بھی اعتراض کرسکتی ہے۔ چاند، سورج اور ستاروں نے یکبارگی سجدہ کیا تھا یا جدا جدا؟ اگر یکبارگی سجدہ کیا تھا اس نیر اعظم کے سامنے انہیں ستارے کیسے نظر آئے اور اگر جدا جدا تو یہ ایک خواب کا ذکر ہے کب سورج نے کیا، کب چاند نے اور کب ستاروں کو سجدہ کا موقع ملا، کیونکہ ہر ایک کی منزلیں جدا جدا ہیں۔ جس وقت وہ نیر اعظم سجدہ میں مشغول تھا۔ ساکن تھا یا متحرک، اگر ساکن تھا تو سجدہ کیلئے حرکت ضروری ہے اور اگر متحرک تھا جب بھی سجدہ کی حالت میں سکون ضروری ہے۔ غرضیکہ عقل اس کے انکار کی بہت سی راہیں نکال سکتی ہے لیکن چونکہ وہ خواب ہے اس لئے مان لیا گیا اور عام عادت نے عقل کو باور کرادیا کہ خواب میں محالات کا وقوع جائز ہے اور اس پر کسی کا اعتراض نہیں ہے۔

آج تو سیاروں کی خاک چھاننے والوں کے سامنے تھوڑے سے وقت میں آسمان کی سیر قطعاً محال نہیں جس کا انکار کیا جائے۔ آنیوالے دلائل و براہین عقل والوں کے لئے ہیں۔ اس دیدۂ کور کا

کوئی علاج نہیں جو عناداً انکاری ہو یا انتہائے بلادت کی وجہ سے
اسکے دماغ میں یہ عظیم نشانیاں سمانہ سکتی ہوں۔

خداوندکریم نے بیشمار مخلوق پیدا کی۔ ان میں سے ہر ایک کے الگ الگ مراتب و درجات رکھے ہیں۔ کوئی مخلوق اپنی حد سے تجاوز کرنا چاہے تو نہیں کرسکتی مثلاً کنکر، پتھر اگر درختوں کی طرح بڑھنا چاہیں تو نہیں بڑھ سکتے۔ درخت، جانوروں کی طرح چلنا پھرنا چاہیں تو نہیں چل پھر سکتے جانور اگر منطق و فلسفہ پڑھنا چاہیں تو نہیں پڑھ سکتے۔ انسان اگر خداوندکریم کی ذات وصفات کی حقیقت کو سمجھنا چاہے تو یہ اس کے بس سے باہر ہے۔ فرشتے تمام تر خدا کے معصوم بندے ہونیکے باوجود بھی حقیقت ذات کے ادراک سے قاصر ہیں۔

مولانا رومی علیہ الرحمہ مثنوی میں فرماتے ہیں۔

گر بدیدے حس حیواں شاہ را　　　پس بدیدے گاؤ خر اللہ را

اگر حیوان اپنے احساس سے سرکار کا مرتبہ پہچان لیتا تو بیل اور گدھے بھی خدا کا دیدار کر سکتے۔

اس تمثیل کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کوئی مخلوق اپنی طاقت وقوت کی حد سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے تو یہ اس کے لئے ناممکن ہے۔ اسی طرح عقلِ انسانی کی بھی ایک حد ہے۔ جہاں سے وہ تجاوز کرنا چاہے تو نہیں کرسکتی خود انسانوں کے درمیان بھی بڑا امتیاز ہے۔ ایک بات ہزار کوشش کے بعد بھی کسی انسان کے سمجھ میں نہیں آتی اور دوسرا آدمی چشم زدن میں حل کرلیتا ہے۔ ایک جاہل گنوار آج بھی سائنسی ترقیاں دیکھتا یا سنتا ہے تو متحیر رہ جاتا ہے اور اس کے اسباب وعلل اس کی سمجھ میں نہیں آتے۔ جبکہ ایک دوسرا انسان صرف انکا نکتہ داں ہی نہیں بلکہ موجد وصانع بھی ہے۔

یوں ہی جہاں حکماء انسان کی عقلوں کی انتہا ہے وہیں سے عقل نبوت کی ابتدا ہے۔ وہ باتیں جو ایک حکیم وفیلسوف عمرِ خضر لگا کر بھی حل نہیں کرسکتا ایک نبی برابر ان کی عقدہ کشائی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

اسی فرق مراتب کو مولانا رومی نے کتنی عمدہ تشبیہات کے ذریعہ بیان کیا ہے ؎

ہر دو گوں آہو گیاہ خورد و آب　　　زیں یکے سرگیں شد و زاں مشک ناب

ایں خورد زاید ہمہ بخل وحسد　　　واں خورد آید ہمہ نور احد

دونوں قسم کے ہرن ایک ہی گھاس کھاتے اور ایک ہی پانی پیتے ہیں مگر اس سے مینگنی اور اس سے خالص مشک پیدا ہوتا ہے۔ ایک آدمی غذا کھاتا ہے تو اس سے بخل وحسد پیدا ہوتا ہے اور دوسرا وہی غذا کھاتا ہے تو اس سے خدائی نور پیدا ہوتا ہے۔

اس لئے ہر فن کے ماہرین کی باتیں اس فن سے نابلد افراد ضرورت کے وقت بلاچوں وچرا تسلیم کرتے ہیں۔ مثلاً دواؤں کے خواص مریض کے تجربہ میں اگرچہ نہ آئے ہوں مگر اس کے ماہرین کی باتوں پر اعتماد کرکے استعمال کرلیتا ہے۔ اور قطعاً اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ ممکن ہے طبیب دھوکہ سے زہر کھلا رہا ہو۔ اسی طرح غیر نبی کے لئے ضروری ہے کہ نبی کی بات پر یقین لائے خواہ اس کے ادراک سے قاصر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ جہاں علم نبی کی ابتداء ہے وہیں تک اس کے فہم وخرد کی انتہا ہے۔

ہم مومن ہیں اپنے نبی کی نبوت کا یقین ہمارے دلوں اور جسم کی رگ رگ میں پیوست ہے ہمارے نزدیک ان کی ہر بات مرتبۂ یقین واذعان سے بھی زیادہ صحیح ہے۔ ان کی ہر بات تسلیم ہے چاہے وہ ہماری عقل ناقص میں آئے یا نہ آئے۔ زمین وآسمان، جنت ودوزخ قبر وبرزخ، حشر ونشر، میزان وصراط، غرضیکہ کتنی باتیں ہیں جنہیں ہم اپنی عقل کی بنیاد پر سمجھنا چاہیں تو ہر گز نہیں سمجھ سکتے لیکن ہمارے نبی نے فرمادیا اس لئے ہمیں تسلیم ہیں۔ واقعہ معراج بھی چونکہ قیاس واستنباط اور عقلِ انسانی کے فہم وادراک سے ماورا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس باب میں بھی دیکھا جائے کہ خدا ورسول جل وعلا وصلے اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے ہیں تاکہ اس پر اعتماد کیا جائے اور اسی کے آگے سر تسلیم خم ہو۔

معراج جسمانی کے دلائل　قرآن وحدیث کی روشنی میں

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔　قرآن کریم پ۱۵ ا

پاک ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔[1]

اس آیت کریمہ سے معراج کے جسمانی ہونیکا پتہ چلتا ہے۔

---

[1] :- کنز الایمان از امام احمد رضا فاضل بریلوی

کیونکہ "عبد" تنہا روح کے لئے نہیں بولا جاتا۔ بلکہ روح مع جسم کے لئے مستعمل ہے۔ قرآن و حدیث یا کلامِ عرب میں ایسی کوئی مثال موجود نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ کسی کو دنیاوی زندگی میں "عبد" کہا گیا ہو اور لفظِ عبد سے مراد صرف روح ہو۔ اس میں کسی اہلِ زبان کا اختلاف نہیں۔ سه

(۲) وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ۔ پ۱۵ ع۶۔

اور ہم نے نہ کیا وہ دکھاوا جو تمہیں دکھایا مگر لوگوں کی آزمائش۔ (کنزالایمان)

"رُؤیا" لفظ مشترک ہے دیدارِ عینی اور دیدارِ منامی دونوں لئے مستعمل ہے۔ اسی لئے جو معراجِ منامی کے قائل ہیں اس آیت کو معراجِ منامی پر محمول کرتے ہیں اور جو جسمانی کے قائل ہیں وہ اسکو معراج جسمانی پر محمول کرتے ہیں۔

لفظِ مشترک کے کسی ایک معنی کی تعیین قیاس (جو قرآن و حدیث یا اجماعِ امت سے مستنبط ہو) یا نص سے ترجیح کے بغیر ممکن نہیں۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ جب دلائل سے ایک معنی متعین ہو جائے تو دوسرے کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے۔ لہ

قیاس: رؤیا کے دیدارِ عینی ہونے کے لئے "فتنۃ" (آزمائش) "للناس" قرینہ ہے۔ اس طرح کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے ایک مختصر حصہ میں زمین و آسمان کے سیر کرنے کی حقیقت بیان کریں گے تو یہ لوگوں کے امتحان و آزمائش کا باعث ہوگا۔ تو وہ لوگ جو آپ کی ہر بات پر سرِ تسلیم خم کرنیوالے ہیں وہ اسے بھی حقیقت مان کر امتحان میں کامیاب ہو جائیں گے اور جن کے دلوں میں کجی ہے اسے امرِ عادی کے خلاف سمجھ کر منکر بن جائیں گے اور یہ ان کے امتحان میں ناکامی کی دلیل ہوگی ـــ تاریخ گواہ ہے کہ معراج اقدس کے معاملے میں مکہ ہی میں مصدقین و منکرین کے دو گروہ پیدا ہوئے۔ مصدقین کو کامیاب اور منکرین کو گمراہ کہا گیا ـــ اگر اس رؤیا کو دیدارِ عینی کے بجائے خواب پر محمول کیا جائے تو کسی کے لئے امتحان و آزمائش کا باعث نہیں ہوگا۔ کیونکہ دونوں گروہ اسے تسلیم کر لیں گے اس لئے کہ چند ساعت میں عظیم سیر نا ممکن اور خلافِ عادت نہیں جسکا کوئی عاقل انکار کرے۔

نص اب دیکھئے اس آیت کی تفسیر میں نصوص کیا ہیں۔

سید المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ۔ (بخاری شریف ج۱ ص۵۵۰، ج۲ ص۶۸۶)

وہ دیدارِ عینی تھا جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو شب اسرار دکھایا گیا۔

سید المفسرین ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر کے بعد جسے سید المحدثین حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نے کلامِ الٰہی کے بعد سب سے صحیح ترین کتاب میں تخریج فرمایا۔ دیدارِ عینی کے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

امام بخاری کے علاوہ امام ترمذی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں بعینہ وہی بات لکھی ہے۔ ٢ه

(۳) مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى۔ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى۔ (قرآن کریم پ۲۷ ع۵)

آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی بے شک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔ (کنزالایمان)

لفظ البصر دیدارِ عینی کے لئے آتا ہے۔ اور رویت بھی جب مطلق ہو تو اس سے دیدارِ عینی ہی مراد ہوتا ہے۔ خواب نہیں مراد لیا جا سکتا، جب تک کہ قرینہ واضحہ نہ ہو۔

اس آیت کی تفسیر میں امام بخاری فرماتے ہیں۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ، بَصَرُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بِمَا رَاٰهُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ) (بخاری شریف ج۱ ص۵۴۹)

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کسی طرف نہ پھری اس سے جسے شبِ معراج دیکھا۔

قرآن مقدس کی یہ تین آیتیں معراجِ جسمانی کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔ تاہم چند احادیث بھی ذیل میں درج کیجا رہی ہیں۔

احادیث و سیر میں اس واقعہ کو کثیر صحابہ کرام نے بیان کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے ۲۶ اور ۴۵ صحابہ کو نام بنام گنایا ہے۔

لہ اصول الشاشی مطبع مجیدی کانپور ص۱۳۔ ٢ه: ترمذی شریف جلد۲ ص۱۴۱

٢ه: بخاری ج۱ ص۵۵۰ و ج۲ ص۶۸۶ ترمذی ج۲ ص۱۴۹۔

صحاحِ ستہ میں معراج کا واقعہ مذکور ہے۔ بخاری و مسلم نے اس واقعہ کو حضرت ابوذر، حضرت مالک ابن صعصعہ، حضرت انس بن مالک حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت ابوہریرہ، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سات اکابر صحابہ سے روایت کیا ہے۔

احادیث

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث ابھی بخاری و ترمذی کے حوالہ سے گزری جس میں فرمایا گیا۔

وہ دیدارِ عینی تھا جسے شبِ اسرار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا۔ [1]

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ اسرار بیت المقدس لایا گیا تھا دو پیالے شراب اور دودھ پیش کئے گئے۔ آپ نے دونوں کی طرف دیکھا اور دودھ والا پیالہ اٹھالیا۔ بخاری شریف جلد ا ص ۵۴۹۔

اس حدیث میں صاف صاف نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس لے جانیکا ذکر ہے۔

(۶) نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر ایک سفید چوپایہ لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا۔ اس پر مجھ کو سوار کیا گیا پھر مجھے جبرئیل لیکر چلے یہاں تک کہ آسمانِ دنیا تک آئے۔ اس کے بعد واقعۂ معراج ہے (بخاری شریف جلد ا ص ۵۴۹)

اس حدیث مبارک میں جسمِ مبارک کے سوار کرانے اور لیکر جانیکی صراحت ملتی ہے۔

(۷) مسند امام احمد بن حنبل میں ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے بیداری کی حالت میں اپنی آنکھ سے دیکھا یہی مرقاۃ میں بھی ہے [1]

(۸) بخاری و مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ نسائی، مشکوٰۃ بیہقی، مسند امام احمد وغیرہ نے کثیر صحابہ سے واقعۂ معراج لا روایت کی ہے جس میں اکثر مطلق رویت کا ذکر ملتا ہے اور جب مطلق رویت بولا جائے تو اس سے مراد دیدارِ عینی ہوتا ہے۔ یہی اہلِ زبان کی اصطلاح ہے۔

اقوالِ سلف

(۹) ان احادیث کی روشنی میں امام نووی علیہ الرحمہ نے شرح مسلم میں لکھا۔ حق یہی ہے جس پر سلفِ صالحین کا بڑا حصہ اور عامۂ متاخرین میں سے فقہاء اور محدثین و متکلمین سب اس بات پر متفق ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو جسم کے ساتھ معراج ہوئی۔ اور جو شخص تمام آثار و احادیث کا مطالعہ اور تحقیق کرے گا اس پر یہ حق واضح ہوجائیگا۔ [2]

(۱۰) حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں۔ آپ کو معراج میں مسجدِ اقصا تک لے جایا گیا۔ پھر سدرۃ المنتہیٰ تک پھر جہاں تک اللہ نے چاہا۔ یہ تمام جسمِ مبارک کے لئے بیداری کی حالت میں واقع ہوا۔ [3]

۱۱۔ درس نظامی کی مشہور کتاب عقائدِ نسفیہ میں ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی معراج بیداری کی حالت میں اپنے جسم کے ساتھ آسمان تک پھر وہاں سے جہاں تک اللہ نے چاہا حق ہے۔ [4]

۱۲۔ حاشیۂ بخاری میں مولانا احمد علی محدث سہارنپوری فرماتے ہیں۔ اسرار دو بار ہوا ایک مرتبہ روح کیساتھ خواب میں اور ایک مرتبہ روح و بدن کے ساتھ بیداری میں۔ اسی پر جمہور سلف اور خلف ہیں کہ اسرار روح و بدن کے ساتھ ہے۔ [5]

۱۳۔ قاضی عیاض علیہ الرحمہ شفا میں فرماتے ہیں۔ بڑے بڑے اسلافِ کرام کا یہی قول ہے کہ اسرار جسد کے ساتھ بحالتِ بیداری واقع ہوا یہی حق ہے اور یہی ابن عباس، جابر، انس، حذیفہ، عمر، ابوہریرۃ، مالک بن صعصعہ، ابوحبہ بدری، ابن مسعود، ضحاک، سعید بن جبیر، قتادۃ، ابن مسیب، ابن شہاب، ابن زید، حسن، ابراہیم، مسروق، مجاہد، عکرمہ، ابن جریج، رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے۔ یہی طبری، ابن حنبل اور مسلمانوں کی عظیم جماعت کا مذہب ہے۔ اور یہی اکثر متاخرین فقہاء و محدثین، متکلمین و مفسرین کا ارشاد ہے۔ [6]

معراج جسمانی کے دلائل کثیر ہیں لیکن ہم نے ان میں چند پر

[1]: بحوالہ حاشیہ نبراس مطبوعہ عبدالحق اکیڈمی، پاکستان ص ۴۶۹۔

[2]: شرح مسلم از امام نووی مطبوعہ رشیدیہ دہلی ص ۹۱، ج ا۔

[3]: حجۃ اللہ البالغۃ از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ

[4]: عقائد نسفی از علامہ ابوالفضل محمد بن محمد نسفی (۶۸۶ھ) ص ۱۰۴۔

[5]: حاشیہ بخاری از مولانا احمد علی محدث سہانپوری ص ۵۰ ج ا

[6]: شفا از قاضی عیاض علیہ الرحمہ (م ۵۴۴ھ)

اکتفا کیا، جو بڑے مضبوط، ٹھوس اور ناقابلِ انکار ہیں۔ قرآن مقدس کی آیتوں کے بارے میں تو کہنا ہی کیا ہے، جو احادیث پیش کی گئی ہیں وہ بھی محدثین کی کسوٹی پر کھری اور بالکل صحیح اترتی ہیں۔ ان میں سے اکثر وہ ہیں جن کی بخاری و مسلم نے تخریج کی جو بالاتفاق کُتُبِ حدیث میں سب سے زیادہ صحیح کتابیں ہیں۔ اسلاف میں بھی انہیں کے اقوال پیش کئے گئے ہیں جو مسلمانوں کے سبھی مکاتب خیال کے مسلّم پیشوا ہیں، اثبات معراج جسمانی کی اتنی گواہیاں گزر جانے کے بعد ناظرین کے لئے فیصلہ کرنا دشوار نہیں رہ جاتا حقیقت پسند اور عناد سے خالی ذہن معراج جسمانی کے اقرار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

آج بھی مسلمانوں کے قریباً سبھی فرقے معراجِ جسمانی کے قائل ہیں جو منکر ہیں وہ یقیناً اس باب میں در پردہ معتزلہ اور فلاسفہ کے مقلد ہیں اور انہیں کی کمزور و ناقابل اعتناد دلیلوں پر ان کے انکار وخیالات کی بنیاد قائم ہے۔

رویت باری

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی معراجِ مبارک جسمانی ہونے میں تو جمہور کا اتفاق ہے۔ لیکن اس رات دیدار الٰہی ہونے کے بارے میں شدید اختلاف ہے۔ رویت کے چار مذاہب ہیں

پہلا مذہب مطلق انکار۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے۔ اور یہی حضرت ابن مسعود و حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ استدلال اس آیت کریمہ سے ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (قرآن کریم پ ۱۹)

آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرتیں اور وہ سب آنکھوں کا ادراک کرنیوالا ہے۔ اور وہی ہے باطن پورا خبردار۔

انکی قوی تر دلیل یہی ہے کہ باری تعالیٰ کو نگاہیں دیکھ نہیں سکتیں۔

اس کا متکلمین اور دوسرے علماء نے یوں جواب دیا ہے کہ ادراک کے معنی احاطہ ہیں اس طرح کہ دیکھنے میں نگاہیں ہر چہار جانب سے گھیر لیں جیسے ہتھیلی پر رائی کا دانہ۔ اس آیت سے مطلق دیدار کی نفی نہیں ہوتی اور ہم مطلق دیدار ہی کے قائل ہیں احاطہ کے نہیں۔ جیسے چاند یا آسمان ہم دیکھتے ہیں لیکن ہماری نگاہیں ہر چہار جانب سے انکا احاطہ نہیں کر پاتیں۔[2]

یہ تاویل اس لئے بھی ضروری ہے کو خود قرآن مقدس میں وارد ہے۔

وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (قرآن کریم پ ۲۹، ۱)

کچھ منہ اس دن تر و تازہ ہونگے اپنے رب کو دیکھتے۔

یہاں مطلق رویت کا اثبات ہے اگر وہاں مطلق رویت کا سلب مان لیا جائے تو دونوں آیتوں کے درمیان تضاد لازم آئیگا اور کلام باری میں یہ ممکن نہیں۔

حدیث میں بھی اثبات رویت وارد ہے۔

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ۔

(بخاری ومسلم بحوالہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۰۰)

جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے انہوں نے کہا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب تم اپنے رب کو آنکھ سے دیکھو گے۔ اور ایک روایت میں ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے تو حضور نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا پھر فرمایا عنقریب تم اپنے رب کو دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھتے ہو اس کی رویت میں کوئی چیز حائل نہیں ہوگی۔

اس حدیث میں عام مومنین کے لئے آخرت میں رویت باری ثابت ہے۔ تو جس طرح لا تدرکہ الابصار کے ہوتے ہوئے عام مومنین کے لئے رویتِ باری جائز ہے اگر دنیا میں جان مومنین حبیب رب العالمین علیہ الصلاۃ والتسلیم کے لئے بطور معجزہ ہو تو کون سی قباحت ہے؟ اور جو تاویل آخرت میں دیدار باری کی ہوگی وہی تاویل یہاں بھی کی جا سکتی ہے۔

---

[1] "نبراس" شرح عقائد ص ۲۷۵ [2] شرح عقائد نسفی از علامہ سعد الدین تفتازانی (م ۷۹۱ھ)

منکرین رویت کی دوسری دلیل:۔ اگر اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہوتا تو جب موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی "رَبِّ اَرِنِیْ" تو اس کے جواب میں (ہرگز نہ دیکھوگے) نہ فرمایا جاتا۔

اس کے جواب میں شرح مسلم میں امام نووی قاضی عیاض سے نقل فرماتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا رویت کے لئے سوال کرنا اس کے جواز کی دلیل ہے۔ کیونکہ کوئی نبی اس بات سے بے خبر نہیں ہوتا کہ اس کے رب کے لئے کیا ممکن ہے اور کیا محال ہے۔ اس سے دنیا میں رویت باری کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

دوسرا جواب:۔ خداوند کریم نے لَنْ تَرَانِیْ کے بعد وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوْفَ تَرَانِیْ سے استدراک فرمایا اس میں اپنے دیدار کی شرط استقرار جبل پر رکھی۔ اور استقرار جبل ممکن ہے تو جو اور کسی ممکن سے مشروط ہو یقیناً وہ بھی ممکن ہوگا لہٰذا یہ آیت کریمہ دنیا میں امکانِ دیدار الٰہی کی خود دلیل بن گئی

دوسرا مذہب رویت قلبی کا اثبات ۔۔۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

۱۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَاٰہُ بِقَلْبِہٖ (مسلم شریف ص۹۸)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کو اپنے دل سے دیکھا۔

۲۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی لہ۔ قَالَ رَاٰہُ بِفُؤَادِہٖ مَرَّتَیْنِ۔

(مسلم ج۱ ص۹۸)

حضرت ابن عباس سے ماکذب الفواد۔ الآیۃ کی تفسیر میں مروی ہے انہوں نے کہا سرکار نے رب کو اپنے دل سے دوبار دیکھا۔

یہ حضرت ابن عباس کی روایت ہے لیکن ان کا قول اور فتویٰ اس کے برخلاف ہے۔ اور انہوں نے رویت عینی کے اثبات کا فتویٰ دیا ہے۔ جو عنقریب مذہب سوم میں آرہا ہے۔ اور جب راوی اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دے تو اس کی روایت موؤل ہوگی کیونکہ فتویٰ بلا وجہ اپنی روایت کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ ورنہ راوی ساقط الاعتبار ہوجائے گا اور یہ کسی صحابی کے لئے ممکن نہیں۔

تیسرا مذہب رویت عینی کا اثبات۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول اور ان کی روایت مشہور ہے۔ اسی پر امام اہلسنت شیخ ابوالحسن اشعری اور شارح مسلم امام نووی وغیرہ ہیں اور یہی جمہور صحابہ اور اکثر علماء کا مذہب ہے۔

اب ذیل میں قائلینِ رویت عینی کے دلائل پیش کئے جارہے ہیں۔

۱ وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبارہ دیکھا (قرآن پ۲۷)

اس کی تفسیر میں صاحب روح المعانی نے لکھا ہے۔

اس میں ضمیر منصوب اللہ کی طرف ہے کیونکہ حسن علیہ الرحمہ قسم کھاکر فرماتے تھے کہ بیشک محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دیکھا ہے۔

احادیث

۲۔ امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے راوی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔

۳۔ ترمذی شریف میں ابن عباس سے مروی۔ فرمایا ہم بنی ہاشم (اہلبیت رسول اللہ) کہتے ہیں بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔

۴:۔ ابوالفتح رازی اور ابواللیث سمرقندی نے حضرت کعب کی حکایت بیان کی۔ ابن عباس اور کعب جمع ہوئے تو ابن عباس نے کہا ہم بنو ہاشم تو کہتے ہیں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دوبار دیکھا تو حضرت کعب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ یہاں تک کہ پہاڑوں سے آوازِ بازگشت آئی اور کہا کہ اللہ نے اپنی رویت اور کلام۔ محمد اور موسیٰ علیہما السلام کے درمیان تقسیم فرمادیا۔ تو حضرت موسیٰ نے اللہ سے کلام کیا اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے دیدار کیا۔

۵۔ طبرانی او رمعجم اوسط میں۔ مروی ہے عبداللہ بن عباس نے فرمایا محمد نے اپنے رب کو دوبارہ دیکھا۔ عکرمہ (ان کے شاگرد) کہتے ہیں میں نے عرض کیا کیا اللہ نہیں فرماتا ہے لَاتُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ۔ فرمایا۔۔۔۔ بے شک محمد نے اپنے رب کو دوبار دیکھا۔

۶۔ طبرانی معجم اوسط میں راوی ابن عباس نے فرمایا بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار اپنے رب کو دیکھا۔ ایک بار اس آنکھ سے اور ایکبار دل کی آنکھ سے۔

۷ ۔ ابن عساکر، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے راوی حضور سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو دولت کلام بخشی اور مجھے اپنا دیدار عطا فرمایا اور مجھ کو شفاعت کبریٰ وحوض کوثر سے فضیلت بخشی ہے۔

۸ ۔ ابن عساکر حضرت عبداللہ بن مسعود سے راوی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھ سے میرے رب عزوجل نے فرمایا میں نے ابراہیم کو اپنی دوستی دی اور موسیٰ سے کلام فرمایا اور تمہیں اے محمد مواجہہ بخشا (کہ بے پردہ وحجاب تم نے میرا جمال دیکھا)

۹ ۔ ابن مردویہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا سے راوی کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سدرۃ المنتہیٰ کا وصف بیان کرتے ہوئے سنا۔۔۔۔ تو میں نے عرض کی یارسول اللہ! حضور نے اس کے پاس کیا دیکھا۔ فرمایا مجھے اس کے پاس (اپنے رب) کا دیدار ہوا

۱۰ ۔ ابن اسحاق عبداللہ ابن سلمہ سے راوی کہ عبداللہ بن عمر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کرا بھیجا۔ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں۔

۱۱ ۔ محمد بن اسحاق کی حدیث میں ہے کہ مروان نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ فرمایا۔ ہاں۔ (شفا ج ۱ ص ۱۹۷)

۱۲ ۔ امام الائمہ ابن خزیمہ امام بزار حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے راوی بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔ (منبہ المنیہ ص۱)

۱۳ ۔ عبداللہ بن شقیق سے مروی۔ کہا میں نے حضرت ابوذر سے کہا۔ اگر میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پاتا تو ان سے کچھ پوچھتا۔ فرمایا کیا پوچھتے؟ تو میں نے کہا کہ پوچھتا کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تو حضرت ابوذر نے کہا میں نے حضور سے پوچھا تھا تو فرمایا ایک نور تھا جسے میں نے دیکھا۔

(ترمذی شریف ج ۲۔ ص ۱۶۱)

۱۴ ۔ یہ کئی طرق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو کلام سے اور ابراہیم کو خلت سے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رویت سے امتیاز بخشا اور انہوں نے باری تعالیٰ کے ارشاد ماکذب الفؤاد ما رأی ۔ افتمارونہ علی ما یریٰ ۔ ولقد رآہ نزلۃ اخریٰ سے استدلال فرمایا۔ (شفا ج ۱ ص ۱۹۶)

اقوال اسلاف وائمہ

۱۵ ۔ شرح مسلم میں امام نووی فرماتے ہیں دیدار الٰہی دنیا میں ہوسکتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا رویت کے لئے سوال کرنا اس کے جواز کی دلیل ہے کیونکہ کوئی نبی اس بات سے بے خبر نہیں ہوتا کہ رب کے لئے کیا ممکن ہے اور کیا محال ہے ۔ رویت باری کے ثبوت میں اگرچہ بہت سی دلیلیں ہیں لیکن ہم ان میں سے قوی ترین دلائل سے استدلال کرتے ہیں جن کی اسناد میں کوئی نقص نہیں۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۹۷)

۱۶ ۔ امام نسائی، امام ابن خزیمہ، حاکم اور بیہقی کی روایت میں ہے۔ کیا ابراہیم کے لئے دوستی اور موسیٰ کے لئے کلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دیدار ہونے میں تمہیں اچنبا ہے (منبہ المنیہ ص۷)

۱۷ ۔ اخبار التابعین مصنف عبدالرزاق میں ہے امام حسن بصری قسم کھاکر فرمایا کرتے یقیناً محمد نے اپنے رب کو دیکھا۔

۱۸ ۔ امام ابن خزیمہ حضرت عروہ بن زبیر سے (جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی کے بیٹے ہیں اور صدیق اکبر کے نواسے ہیں) راوی ہیں کہ حضرت سرور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو شب معراج دیدار الٰہی ہونا مانتے ہیں اور ان پر اس کا انکار سخت گراں گزرتا ہے۔

۱۹ ۔ امام خلال کتاب السنہ میں اسحٰق بن مروزی سے راوی حضرت امام احمد بن حنبل رویت کو ثابت مانتے اور اس کی دلیل ہیں فرماتے کہ نبی کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا۔ (منبہ المنیہ ص۲)

۲۰ ۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ میں حدیث ابن عباس کا معتقد ہوں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اسی آنکھ سے دیکھا۔ دیکھا دیکھا یہاں تک فرماتے رہے کہ امام احمد کی سانس ٹوٹ گئی۔

(شفا ج ۱ ص ۱۹۷)

۲۱ ۔ حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں حق یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور جمہور صحابہ اسی پر ہیں ورنہ دل کی آنکھ سے دیدار تو تمام حالتوں میں تھا۔ حالت معراج کے ساتھ خاص نہیں (میزان العقائد ص۱۰۵)
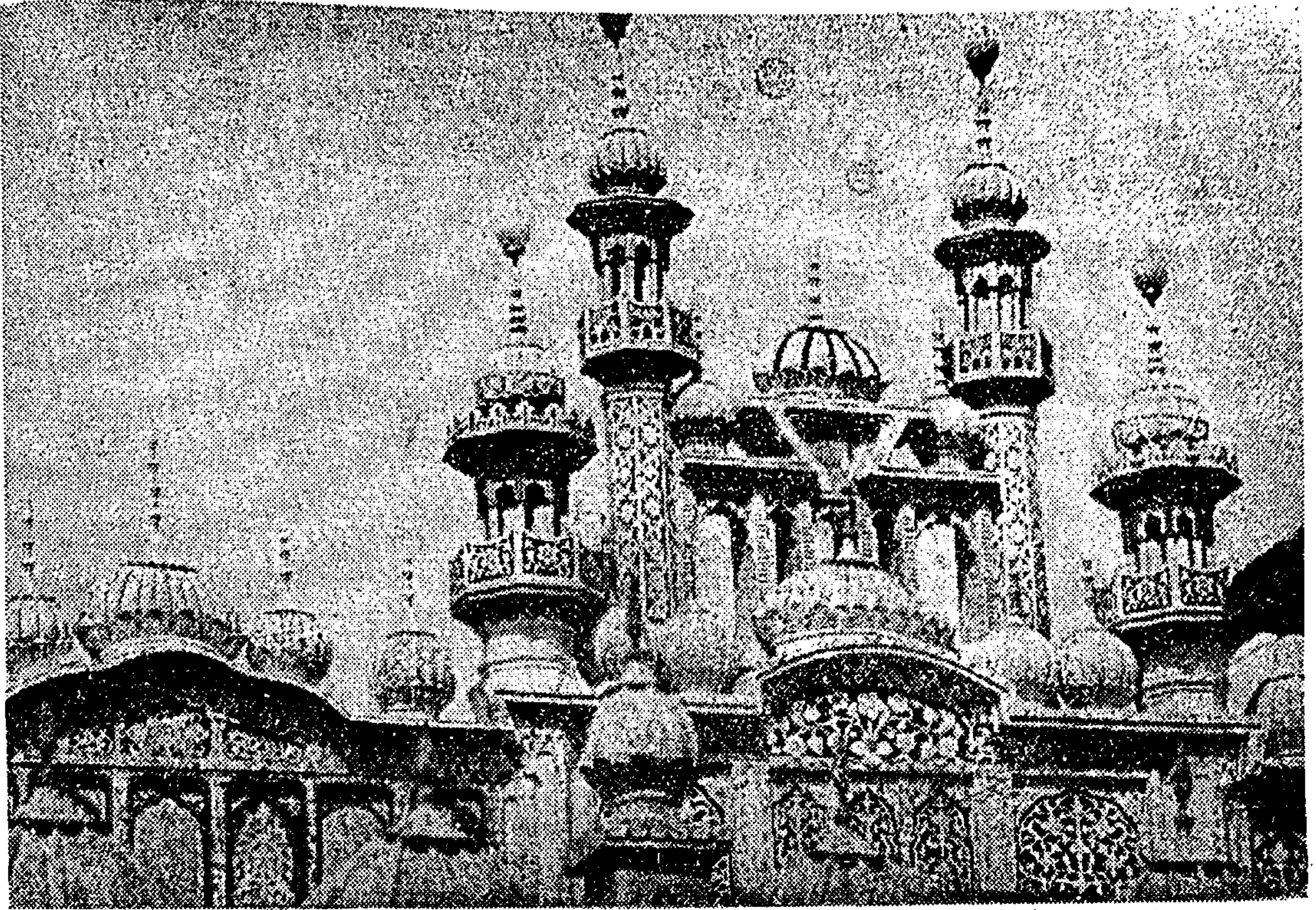
چترال (پاکستان) کی عالیشان جامع مسجد کا خوبصورت منظر

مذہب چہارم۔ توقف۔ یہ سعید بن رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

فیصلہ

رویت عینی سے متعلق امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف نوادی (۶۳۱ھ - ۶۷۶ھ) کا قولِ فیصل اس طرح ہے۔ اصل اس باب میں حضرت ابن عباس کی حدیث ہے۔ وہ حبرامت ہیں اور مشکل مسائل میں مرجع۔ حضرت ابن عمر نے اس مسئلہ میں ان سے گفت وشنید کرتے ہوئے پوچھا کہ کیا سرکار نے اپنے رب کو دیکھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں حضور نے اپنے رب کو دیکھا۔ جب اثباتِ رویت میں حضرت ابن عباس سے منقول روایتیں درجۂ صحت کو پہونچی ہوئی ہیں تو اثباتِ رویت کی طرف رجوع لازم ہے۔ کیونکہ یہ ایسی بات نہیں جس کا عقل سے ادراک ہوجائے اور ظن سے اخذ کی جائے تو یہ سماع سے حاصل ہونیوالا مسئلہ ہے اور کوئی بھی حضرت ابن عباس کے ساتھ یہ گمان کرنا روا نہ رکھے گا کہ انہوں نے اس مسئلہ میں ظن واجتہاد سے کلام لیا ہے۔ حضرت معمر بن راشد کے سامنے جب حضرت عائشہ و ابن عباس کا اختلاف ذکر کیا گیا تو انہوں نے کہا "مَا عَائِشَةُ عِنْدَنَا بِأَعْلَمَ مِنَ ابْنِ عَبَّاسٍ" (ہمارے نزدیک حضرت عائشہ ابن عباس سے زیادہ علم والی نہیں ہیں) علاوہ ازیں حضرت ابنِ عباس نے ایک ایسے امر کا اثبات کیا ہے جس کی دوسرے نے نفی کی ہے اور اثبات کرنیوالا نفی کرنے والے پر مقدم ہوتا ہے (کیونکہ نافی عدمِ علم کے باعث نفی کرتا ہے۔ اور مثبت اپنے علم کی وجہ سے اثبات کرتا ہے۔ ہٰذا کلام صَاحِبِ التحریر۔

حاصل یہ ہوا کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو شبِ معراج سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ دلیل حضرت ابن عباس کی مذکورہ احادیث ہیں۔ یقیناً ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی رویت کا اثبات کیا ہے اس میں شک نہیں ہونا چاہیئے۔

(شرح مسلم شریف جلد نمبر ۱ صفحہ ۹۷)

فن خطاطی کا ایک نادر نمونہ

امر بناء هذا المسجد المنصان بالمسجد الفقير العبد الضعيف الحسن بن محمد حاجی احمد

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

اور

ہمہ گیر انقلاب

حضرت علامہ ارشد القادری

عقل حیران ہے کہ مکہ کے تیرہ سال قید و بند اور مصائب و آلام کی صعوبتوں میں گزرے اور مدینہ کے دس سال قتل و خون کے معرکوں میں بسر ہوئے لیکن انہی مختصر گنے ایام میں دُنیا کا اتنا بڑا انقلاب برپا ہوا کہ پوری تاریخ انسانی میں اتنا محیط، اتنا جامع، اتنا ہمہ گیر اور اتنا ہمہ جہت انقلاب نہ کبھی چشم فلک نے دیکھا ہے اور نہ عقل اس کا تصور کر سکتی ہے۔

ایسا انقلاب جس نے زمین کا جغرافیہ بدل دیا، ریاستوں کے نقشے بدل دئے، قوموں کا ذہن بدل دیا، اخلاق کی قدریں بدل دیں، مجد و شرف کا معیار بدل دیا، فکر کے زاوئے بدل دئے، دلوں کے تقاضے بدل دئے، طبیعتوں کی سرشت بدل دی، معاشرے کا ڈھانچہ بدل دیا، زندگی کے قافلوں کی سمتیں بدل دیں، لذت و مسرت اور تکلیف و آرام کے احساسات بدل دئے، یہاں تک کہ چشم زدن میں صدیوں کے بگڑے ہوئے انسانوں کو ایسا بدل دیا کہ وہ اپنے ظاہر سے بھی بدل گئے اور باطن سے بھی وہ اپنے اندر سے بھی بدل گئے اور باہر سے بھی۔ بدلنے والے اس شان سے بدلے کہ جسے دیکھ لیا وہ بھی بدل گیا۔ جسے چھو دیا وہ مٹی تھا تو سونا ہوگیا، قطرہ تھا تو دریا ہوگیا۔ ذرّہ تھا تو سورج کی طرح چمکنے لگا۔ جس آبادی سے گزر گئے وہ ایمان و یقین کی خوشبو سے معطر ہوگئی، جس ویرانے میں قدم رکھ دیا وہ لہلہانے لگی۔

اور انقلاب کی گہرائی میں اترئیے تو اتنا ہمہ گیر اور رنگا رنگ انقلاب کہ بیک وقت اسے مذہبی انقلاب بھی کہئے اور زرعی

ایک صدی نہیں، آدھی صدی نہیں، چوتھائی صدی سے بھی کم، صرف ۲۳ برس کی مدت میں روئے زمین پر اتنا بڑا روحانی اور مذہبی انقلاب برپا ہوا کہ آج تک اس کی برکتیں آسمان کے بادل کی طرح برس رہی ہیں، سورج کی کرنوں کی طرح چمک رہی ہیں اور ہمیشہ شگفتہ رہنے والے پھولوں کی طرح مہک رہی ہیں۔ رسالت محمدی کے دریائے ناپیدا کنار سے اٹھنے والی ان نورانی لہروں کو آپ گنتے رہئے۔ قیامت کی صبح ہو جائے اور گنتی پوری نہ ہو۔

انقلاب بھی، اسے خاندانی انقلاب بھی کہئے اور رنگ و نسل کا
انقلاب بھی، اسے علم و فکر کا انقلاب بھی کہئے اور آئین و دستور
کا انقلاب بھی، اسے تمدنی اور تہذیبی انقلاب بھی کہئے اور انفرادی
و اجتماعی انقلاب بھی، اسے علاقائی انقلاب بھی کہئے اور عالمی
انقلاب بھی، اسے دنیوی و اخروی انقلاب بھی کہئے اور ابدی
و سرمدی انقلاب بھی۔

عقل حیران ہے کہ اتنا بڑا انقلاب جو حیات انسانی کے
ہر شعبے پر حاوی ہو تنہا ایک امی انسان کی ذات سے کیونکر
وجود میں آگیا۔ اتنا عظیم انقلاب جو دنیا سے لے کر محشر تک
سارے بنی نوع انسان پر ابدی سعادتوں کے دروازے کھولتا
ہو اور جو دنیوی زندگی کی کامرانی کا بھی ضامن ہو اور اخروی
نجات کا بھی پروانہ عطا کرتا ہو ایک ایسے یتیم کے ہاتھ سے
کیونکر سرانجام پایا جس کا خدا کے سوا اس دنیا میں نہ کوئی
معلم تھا نہ مربی نہ کوئی محافظ تھا نہ نگہبان۔ سارا خاندان جس
سے ناشاکی، جس کا قبیلہ جس سے منحرف، سارا مکہ جس کے خون
کا پیاسا اور سارا عرب جس کا دشمن۔

اور حیرت بالائے حیرت یہ امر ہے کہ ایک مختصر عرصہ
میں برپا ہونے والا یہ انقلاب دو چار سال، سو پچاس برس،
یا دو چار صدی کے لئے نہیں تھا بلکہ چلانے والے نے اس
اعلان کے ساتھ اپنا سکہ چلایا تھا کہ وہ ایک ہی نرخ پر قیامت
تک چلتا رہے گا۔ دنیا بدلتی رہے گی، نسلیں پھولتی رہیں گی،
پھلتی رہیں گی، انسان آتے رہیں گے جاتے رہیں گے، آبادیوں
کا نقشہ بنتا رہے گا بگڑتا رہے گا، قوموں کی کشتی ڈوبتی رہے گی
ابھرتی رہے گی لیکن اسلام کا سکہ ہر دور میں چلے گا، ہر ملک
میں چلے گا، ہر قوم میں چلے گا، ہر حال میں چلے گا اور ایک ہی
نرخ پر ہمیشہ چلتا رہے گا۔

اور تاریخ کے جھروکے سے عقل کا یہ مشاہدہ بھی جھٹلانے
کے قابل نہیں ہے کہ بسانے والے نے اسلام کا گھر اس شان
سے بسایا کہ اقوام عالم کے درمیان اسلام کو مذہبی، سیاسی،
روحانی، علمی، اخلاقی، معاشی، تمدنی، اور فکری بالادستی
کے لئے جس ساز و سامان کی ضرورت تھی اس کا انتظام بھی
اسی قلیل مدت میں کردیا۔

چنانچہ عقل نے جب رسالت محمدی کے دریائے ناپیدا
کنار سے اٹھتی ہوئی ان لہروں کا جائزہ لیا جو پیغمبر اعظم کے جلو میں
مچل رہی تھیں تو وہ یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اسلام کو قیامت
تک زندہ و پائندہ رکھنے کے لئے اگر ایک طرف کشور کشا مجاہدین
کا امنڈتا ہوا لشکر ہے تو دوسری طرف خلافت ارض کا کاروبار
سنبھالنے والے فرماں رواؤں کا گروہ ہے۔ اگر ایک طرف
اسلامی نظام حیات کا دستور اور شریعت محمدی کے قوانین
مرتب کرنے والے فقہاء و مجتہدین ہیں تو دوسری طرف قانون
کا نفاذ اور حقوق کے تحفظ کرنے والے قاضیوں کا طبقہ ہے۔

اگر ایک طرف معاشرہ کو اسلامی اخلاق و احکام کے
سانچے میں ڈھالنے والے مصلحین ہیں تو دوسری طرف قلوب و
ارواح کو تجلیات الٰہی کا گہوارہ بنانے والے اصحاب سلوک و
احسان کا مقدس گروہ ہے۔

اگر ایک طرف کلمہ اسلام کو زمین کے کناروں تک پہنچانے
والے مبلغین کا دستہ ہے تو دوسری طرف اسلام کے اندرونی
نظام اعتقاد و عمل کو غیر اسلامی عناصر کی آمیزش سے پاک
کرنے والے مجددین کی جماعت ہے۔

اگر ایک طرف باطنی دنیا کا کاروبار سنبھالنے والے
اولیاء، اغواث، اقطاب، ابدال، اوتاد، نقباء اور نجباء
کے نورانی طبقات ہیں تو دوسری طرف ظاہری احوال کو درست
رکھنے والے نائبین رسول کا مقدس گروہ ہے۔

اگر ایک طرف قرآن کریم کو سینوں کے تہ خانوں میں
محفوظ کرنے والے حفاظ کا طبقہ ہے تو دوسری طرف قرآن کے
حروف و کلمات کو صحیح تلفظ اور ترتیل و تجوید کے ساتھ پڑھنے
والے قاریوں کا گروہ ہے۔

اگر ایک طرف قرآن حکیم کے مفاہیم و مطالب اور اس
کے علوم و معارف سے قلوب و اذہان کو منور کرنے والے مفسرین
کرام ہیں تو دوسری طرف قرآن حکیم کے دلائل و براہین کے
انوار سے عقول انسانی کو چراغ دکھانے والے محققین کا طبقہ ہے۔

اگر ایک طرف پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو امت کے افراد تک پہنچانے والے راویوں کا گروہ ہے تو دوسری طرف رجال حدیث کے احوال زندگی اور ان کے سلسلۂ روایت کا ریکارڈ رکھنے والے محدثین کا طبقہ ہے۔

اگر ایک طرف اصول روایت و درایت کی کسوٹی پر حدیثوں کے جانچنے والے ناقدین ہیں تو دوسری طرف اسلام کے تواریخ و واقعات سے دنیا کو باخبر کرنے والے مؤرخین کی جماعت ہے۔

اگر ایک طرف قرآن کی فقید المثال فصاحت و بلاغت کو ادبی اور فنی بنیادوں پر دنیا کے سامنے پیش کرنے والے اہل معانی کا گروہ ہے تو دوسری طرف قرآن کے انداز بیان اور محاورات کی تفہیم کے لئے عرب کی قدیم زبان و ادب اور لغات و اشعار کے ماہرین کا طبقہ ہے۔

اگر ایک طرف رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و سیر اور معجزات و خصائص کی تفصیلات سے افراد امت کو سرشار کرنے والے اصحاب سیر ہیں تو دوسری طرف قلوب مومنین میں حب رسول کی شمع روشن کرنے والے نعت گو شعراء اور میلاد خوانوں کا گروہ ہے۔

اگر ایک طرف دینی علوم کو آنے والی نسلوں میں منتقل کرنے والے اصحاب درس و تدریس ہیں تو دوسری طرف عقل و حکمت کے دلائل سے عقائد اسلام کو مسلح کرنے والے حکماء و متکلمین کا گروہ ہے۔

اگر ایک طرف نبوت کے علوم و معارف کے ذخائر کو تحریر کے ذریعے محفوظ کرنے والے مصنفین ہیں تو دوسری طرف بحث و استدلال کے میدان میں اسلام کی طرف سے دفاع کرنے والے مناظرین کا طبقہ ہے۔

اگر ایک طرف مساجد میں اجتماعی نظام عبادت کی قیادت کرنے والے ائمہ کرام کی جماعت ہے تو دوسری طرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دینے والے واعظین کا دستہ ہے۔

عقل حیران ہے کہ ایک جہان نو کی تخلیق کی طرح اسلام کی اشاعت و بقا کے یہ سارے انتظامات اتنی قلیل مدت میں کیونکر وجود میں آگئے۔ سینکڑوں انواع و اصناف کے خانوں میں تقسیم ہونے والے ان طبقات کا گہرا مطالعہ کیجئے تو آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ ایک نظام سلطنت کی طرح یہ سارا ساز و سامان صرف اس لئے وجود میں آیا تاکہ دنیا میں اسلام کو ہمیشہ بالادستی حاصل رہے۔

اسباب و علل کی بنیاد پر واقعات کو جانچنے والی عقل کیا اس گتھی کو سلجھا سکتی ہے کہ وہ عرب جو صدیوں سے کفر و شرک، فواحش و منکرات اور طرح طرح کی وحشت و درندگی میں ڈوبا ہوا تھا، وہ پلک جھپکتے اندر سے باہر تک کیونکر بدل گیا۔

اخلاقی برائیوں سے کسی فرد یا جماعت کا تائب ہو جانا کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے اس طرح کے واقعات آئے دن پیش آتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ بات معجزہ کی حد تک ضرور حیرت انگیز ہے کہ ملک کا ملک اپنا آبائی مذہب بدل دے۔ قبیلے کا قبیلہ اپنے خاندانی روایات سے منحرف ہو جائے۔ قوم کی قوم اپنے اس عقیدے سے تائب ہو جائے جس پر وہ پیدا ہوئی تھی اور جسے اپنے آباؤ اجداد سے اس نے ورثے میں پایا تھا — اور تبدیلی کا رد عمل بھی اس بیکراں جذبے کے ساتھ کہ پرانے دین کا ایک ایک نشان جب تک مٹ نہیں گیا قرار نہیں ملا۔

اور کیا انسانی تاریخ میں اس واقعہ کی کوئی مثال مل سکتی ہے کہ ایک معصوم پیغمبر لگاتار تیرہ سال تک کفار مکہ کے لرزہ خیز مظالم کا سامنا کرتا ہے یہاں تک کہ ایک دن تنگ آکر وہ مدینے کی طرف ہجرت کر جاتا ہے اور ابھی آٹھ سال بھی نہیں گزرنے پائے کہ وہی پیغمبر بارہ ہزار کا جرار لشکر اپنے جلو میں لئے ہوئے شاہانہ سطوت و جلال اور فاتحانہ کر و فر کے ساتھ مکہ میں داخل ہوتا ہے۔ مکے کے وہی باشندے جو ہجرت کی رات میں ننگی تلواریں لئے ہوئے اس کے قتل کا منصوبہ بنا کر آئے تھے اور جو ساری زندگی اس پر مظالم کے پہاڑ توڑتے رہے آج اس کے سامنے سر جھکائے ہوئے ایک شرمسار مجرم کی طرح عفو و درگزر کی بھیک مانگ رہے ہیں۔

عقل اس سوال پر دم بخود ہے کہ جانے والا تو مکہ سے اکیلا ہی گیا تھا۔ صرف سات سال میں یہ بارہ ہزار کا لشکر جرار اس کے پاس کہاں سے آگیا۔ آخر یہ کون لوگ تھے جو توحید کا پرچم اٹھائے ہوئے اس مکہ میں داخل ہو رہے تھے جہاں لا الٰہ الا اللہ کہنا سماج کا سب سے بڑا جرم تھا۔ کیا یہ کوئی آسمانی مخلوق تھی جو بادلوں کے راستے سے فرش خاک پر اتر آئی تھی، یا زمین نے دفینے کے بجائے آدمیوں کا لشکر اُگل دیا تھا — آخر عشاق کی طرح اشارۂ ابرو پہ کٹ مرنے والے یہ دیوانے کہاں سے آگئے تھے۔

اور انسانی فطرت کی یہ عجوبہ کاری تو دیکھنے والوں کو انگشت بدنداں کر دیتی ہے کہ وہی مکہ جہاں بتوں کے خلاف وعظ تک برداشت نہیں تھا، آج وہیں بتوں پر ہتھوڑے چل رہے تھے اور سارا مکہ خاموش تماشائی تھا۔ جن لوگوں نے اپنے باطل معبودوں کی حمایت میں مسلمانوں کا خون بہایا تھا، ظلم کے پہاڑ توڑے تھے۔ پیغمبر کو زخمی کیا تھا حق پرستوں کو گھر سے بے گھر کیا تھا آج وہی لوگ خانۂ کعبہ کے اندر سے اپنے فرضی خداؤں کی لاش اٹھا اٹھا کر باہر پھینک رہے تھے۔ اور اس قصے میں سر دھننے کی بات تو یہ ہے کہ صدیوں تک قلوب و ارواح کی سرزمین پر حکمرانی کرنے والے مرکز عقیدت کو توڑتے ہوئے انھیں ذرا بھی قلق نہیں تھا۔ بلکہ ان کے سینے جوش مسرت سے لبریز تھے کہ آج خدائے وحدہٗ لاشریک کے حرم کو انھوں نے معبودان باطل کی آلائش سے پاک کر دیا تھا۔

عقل کہتی ہے کہ یہ تلواروں کا برپا کیا ہوا انقلاب ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ فکر و ذہن کا انقلاب تھا۔ یہ فطرت انسانی کے اندر چھپی ہوئی قوتوں کا انقلاب تھا۔ یہ عقیدۂ توحید کے ساتھ روحوں کی گرویدگی اور دلوں کی نیازمندی کا انقلاب تھا۔

پھر دیکھنے والوں نے یہ بھی دیکھا کہ فتح مکہ کے بعد سارے جزیرۂ عرب سے بتوں کی مصنوعی ہیبت اور فرضی خدائی کا جنازہ اس دھوم دھام سے اُٹھا کہ تلوار اٹھانا تو بڑی بات ہے کوئی آنسو بہانے والا بھی نہیں تھا۔ اب عرب کے نئے جغرافیہ میں نہ بتوں کے لئے کوئی جگہ رہ گئی تھی اور نہ بتوں کے پرستاروں کے لئے — سارا عرب نعرۂ توحید کے غلغلے سے گونج رہا تھا۔ قبول حق کے لئے دلوں کے دروازے اس طرح کھل گئے تھے کہ قلب و روح کی پوری بشاشت کے ساتھ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ اور اتنا ہی نہیں بلکہ عہد رسالت کے ۲۳ سال پورے ہو چکنے کے بعد جب پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمایا تو نہ صرف یہ کہ سارا جزیرۂ عرب کفر و شرک کی نجاستوں سے پاک ہو چکا تھا بلکہ کئی لاکھ مربع میل وسعتوں میں پھیلی ہوئی اسلام کی ایک خود مختار، اور مستحکم ریاست کا قیام بھی وجود میں آچکا تھا۔

اور اس کے بعد اسلام کا سیل رواں زمین کے طول و عرض میں اس تیزی کے ساتھ پھیلتا گیا کہ خلفائے راشدین کے عہد میمون میں اسلامی اقتدار کا سورج خط نصف النہار پر چمکنے لگا۔ اور ابھی ایک صدی بھی گزرنے نہیں پائی تھی کہ اس کی دھوپ ایشیا، یورپ اور افریقہ کے صحراؤں، پہاڑوں، ریگ زاروں، اور سارے بحر و بر اور خشک و تر پہ پڑنے لگی۔

دلوں کو پگھلا دینے والی، فکر کو جگا دینے والی اور عقل کو لرزا دینے والی یہی وہ منزل ہے جہاں ہم اپنا قلم روک کر دنیا کے دانشوروں کے سامنے ایک سوال رکھنا چاہتے ہیں وہ سنجیدگی کے ساتھ غور فرمائیں کہ کیا دنیا میں اس سے پہلے بھی اس طرح کا کوئی روحانی، اخلاقی، اور سیاسی انقلاب انھوں نے دیکھا ہے۔ طاقت کے ذریعے زمینوں، آبادیوں اور ملکوں پر قبضہ کرنے والے ایک سے ایک کشورکشا ہم نے دیکھے ہیں لیکن تاریخ میں ایک بھی ایسا فاتح ہماری نظر سے نہیں گزرا جس نے آبادیوں پر قبضہ کرنے سے پہلے دلوں کی سرزمین فتح کرلی ہو جس نے قلعوں کی فصیلوں اور برجیوں پہ اپنا جھنڈا گاڑنے سے پہلے دلوں کی سرزمین پر اپنا جھنڈا نصب کر دیا ہو۔ جس نے آب و گل کی دنیا میں اپنا سکہ رائج

کرنے سے پہلے دلوں کی اقلیم میں اپنی عقیدت و محبت کا سکہ چلا دیا ہو۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کی طاقت سے پھیلا ہے انھیں اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے پہلے مکہ میں آنا چاہئے۔ وہاں تلوار پیغمبر کے ہاتھ میں نہیں تھی، کفار مکہ کے ہاتھوں میں تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہاں تلواریں بھی چلیں، نیزے بھی اٹھے، تیر بھی برسے اور طاقت بھی استعمال ہوئی لیکن اسلام کو پھیلانے کے لئے نہیں اسلام کی پیش قدمی روکنے کے لئے، اسلام قبول کرنے والوں کا کلیجہ دہلانے کے لئے، پیغمبر کی آواز کو کچلنے کے لئے، اور اپنے بتوں کا نعرہ بلند کرکے توحید کے پرچم کا مذاق اڑانے کے لئے۔

لیکن اس کے باوجود دنیا نے پہلی بار عشق و عقیدت اور ایمان و یقین کی گرویدگی کا یہ حیرت انگیز تماشا دیکھا کہ لوگ تلواروں کی ضرب سے گھائل ہوتے رہے، پتھروں کی چوٹ پہ چوٹ کھاتے رہے، انگاروں پہ لوٹتے رہے، پگھلتے رہے، گرم گرم چٹانوں پر جلتے رہے اور قید و بند کی دردناک آزمائشوں میں سلگتے رہے لیکن کلمۂ حق کے ساتھ والہانہ عقیدت کا نشہ تھا کہ اترنے کے بجائے چڑھتا ہی رہا۔

رسالت محمدی کی تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت انسانی فطرت کا یہ تقاضا اگر نظر میں رکھا جائے تو اسلام کی حقانیت کا احساس دوچند ہو جائے گا اور وہ یہ کہ آدمی دل کی رغبت کے ساتھ وہیں قدم رکھتا ہے جہاں کوئی خطرہ نہ ہو یا جہاں آرام اور منفعت کی کوئی امید ہو۔

سب جانتے ہیں کہ مکہ میں آسائش و منفعت کے سارے وسائل صنادید قریش اور کفار مکہ کے ہاتھوں میں تھے۔ رسول کے قریب آنے والوں کے لئے سوائے قید و بند، سوائے دار و رسن، اور سوائے اذیت و نقصان کے مادی آسائش و منفعت کی کون سی توقع تھی۔ لوگ دن رات اپنی آنکھوں سے یہ تماشا دیکھتے کہ جس نے بھی رسول کا کلمہ پڑھا اس کا جینا دوبھر ہو گیا۔ مکہ کی پوری آبادی در پئے آزار ہو گئی۔ اب وہ ستایا جا رہا ہے تو کوئی اس کی حمایت میں کھڑا ہونے والا نہیں۔ خون کے رشتہ داروں سے کچھ توقع تھی تو وہ بھی قاتلوں، سفاکوں اور درندوں کی صف میں ہیں۔

اب عقلائے عالم ہی فیصلہ کریں کہ ان حالات میں فطرت انسانی کا تقاضا کیا ہونا چاہئے تھا۔ کیوں ایسا نہیں ہوا کہ لوگ کلمہ پڑھنے والوں کا حشر دیکھ کر عبرت پکڑتے اور ہرگز ایسے اقدام کا ارادہ نہ کرتے جس کے نتیجے میں ان کی اچھی خاصی زندگی طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا کر دی جائے۔

آخر نبی کی آواز میں وہ کون سی کشش تھی جس نے ان کی فطرت کو ہر طرح کے احساس زیاں سے بے نیاز کر دیا تھا۔ اور پھر آخر وہ کون سا جذبۂ شوق تھا جس نے پروانوں کی طرح جل مرنے کی آرزو ان کے سینوں میں پیدا کر دی تھی اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ اظہار عشق کا انجام کیا ہوگا وہ بے محابا اپنے مقتل کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

ٹھیک ہی کہا ہے کہنے والوں نے کہ لذت اور آسائش کا مفہوم سب کے حق میں یکساں نہیں ہوتا۔ کوئی پھولوں کی سیج پر راحت محسوس کرتا ہے اور کچھ ایسے بھی وارفتگان محبت ہیں جنھیں کانٹوں کی نوک سے گھائل ہونے میں مزہ ملتا ہے۔

یہی حال مکہ کے ان فیروز بختوں کا تھا جن کے دلوں میں اچانک یقین کی شمع روشن ہوئی اور وہ آن واحد میں بے حجاب جلووں کے تماشائی بن گئے۔ انھوں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ کونین کی ارجمندی نبی کے قدموں میں مچل رہی ہے۔ والہانہ جذبۂ شوق میں اٹھے اور نبی کے قدموں کے نیچے اپنے دل بچھا دے۔

نبی کے چہرے میں خدائے ذوالجلال کی تجلیوں کا نظارہ کرنے والوں نے جلتی ہوئی چٹانوں پر اخلاص و وفا

کا نقش ثبت کر کے دُنیا کو بتا دیا کہ اسلام تلواروں کا مذہب نہیں عشق و وارفتگی کا مذہب ہے۔ اسلام طاقت کا مذہب نہیں، سپردگی کا مذہب ہے۔ اسلام جارحیت کا مذہب نہیں صبر و ضبط کا مذہب ہے۔ اسلام جبر و اکراہ کا مذہب نہیں محبت و دل رُبائی کا مذہب ہے۔ اسلام زر، زن، اور زمین کی رشوتوں کا مذہب نہیں، نبی کے اخلاق کی کشش، نبی کے چہرۂ پُر نور کی طلعتِ زیبا، نبی کے کردار کے تقدس، سیرت کی پاکیزگی اور نبی کے لائے ہوئے دین کی سچائیوں کا مذہب ہے۔

مکہ کی سرزمین پر شہیدانِ عشق و وفا کے لہو کا ہر قطرہ پکارتا ہے کہ پیغمبر نے تلوار چلا کر نہیں، قرآن سُنا کر اسلام پھیلایا ہے۔ اور مکہ کی گلیوں اور بازاروں میں پتھروں کی چوٹ سے گھائل ہونے والے مظلوموں کا ہر زخم آواز دیتا ہے کہ قبول کرنے والوں نے خوف سے نہیں شوق سے اسلام قبول کیا ہے۔ دل پہلے مومن ہوا اس کے بعد زبان نے کلمہ پڑھا۔ قہر و جبر سے گردن جھکائی جا سکتی ہے پر دل نہیں جھکائے جا سکتے۔ دل کے جھکانے کے لئے جلوؤں کی کشش چاہئے، شخصیت کی دل رُبائی چاہئے اور سیرت کے تقدس کا جمال چاہئے۔ یہ راز تو وارفتگانِ شوق ہی بتائیں گے کہ حسنِ ازل کی کس تجلی سے ان کے قلوب گھائل ہوئے، اور آنکھوں کی پتلیوں میں خدائے واحد و قدیر کا کون سا جلوہ انھوں نے دیکھا تھا کہ ایک نگاہ بندہ نواز پر متاعِ زندگی تک انھوں نے نثار کر دیا۔ اور عشق و عقیدت کا نقطۂ عروج تو یہ ہے کہ دم نکل رہا ہے لیکن قدموں میں مچلنے کی آرزو پوری بشاشت کے ساتھ زندہ ہے۔

جو لوگ بدر و احد کے معرکوں کو سامنے رکھ کر اسلام پر تلوار اُٹھانے کا الزام رکھتے ہیں وہ مکہ کے مقتل کا معائنہ کیوں نہیں کرتے، وہ غار ثور میں جھانک کر حق کی مظلومی کا رقت انگیز منظر کیوں نہیں دیکھتے وہ شعب ابی طالب قیدیوں کی بے قرار اور سوگوار راتیں کیوں نہیں دیکھتے۔ وہ تاریخ سے یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ مکہ میں اسلام کے پھیلنے کی ابتدا کس طرح ہوئی تھی۔ کس کے قہر و جبر سے لوگ اندھیری راتوں اور پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپ چھپ کر اسلام قبول کرتے تھے۔

مکہ کے نہتے اور کمزور مسلمانوں نے کس کے مظالم سے تنگ آ کر اپنا پیدائشی وطن چھوڑ دینا گوارا کر لیا لیکن اپنے نبی کو وہ نہیں چھوڑ سکے۔

وہ یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ مکہ میں اسلام اُس وقت سے پھیل رہا تھا جب بدر و احد کے معرکے کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھے۔ مکہ میں اسلام اس وقت سے پھیل رہا تھا جب تلوار اسلام کے ہاتھ میں نہیں اسلام کے دشمنوں کے ہاتھ میں تھی۔

اس لئے تاریخ کی اس سچائی کے سامنے ہر شخص کو سرِ تسلیم خم کر دینا چاہئے کہ اسلام دنیا میں اس لئے پھیلا کہ اسلام ہی انسان کا فطری مذہب ہے۔ جس نے بھی اسلام قبول کیا اس نے جبر کا نہیں اپنی فطرت کا تقاضا پورا کیا۔ مکہ ہی میں نہیں دنیا کے جس خطے میں بھی اسلام کی دعوت پہنچی اس کی پذیرائی کے لئے صرف سلیم فطرت کی ضرورت تھی۔ بالکل اسی طرح جس طرح ایک پیاسا پانی پر ٹوٹتا ہے، اسلام کے چشمۂ صافی پر بھی سلیم الفطرت انسانوں کی پیاسی روحیں بے تحاشا ٹوٹ پڑیں۔ پیاسے کو پانی پینے کے لئے رشوت نہیں دینی پڑتی، جبر نہیں کرنا پڑتا۔ پیاسا ہونا ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ جب تک پیاس نہیں بجھے گی وہ پانی کی تلاش میں سرگرداں رہے گا۔

کچھ اسی طرح کا معاملہ اسلام کے ساتھ بھی پیش آیا۔ سعید روحیں صدیوں سے کسی چشمۂ صافی کی تلاش میں تھیں جیسے ہی یہ خبر پھیلی کہ عرب میں رسالت کی سرزمین سے رحمت و نور کا ایک چشمہ پھوٹا ہے تشنگانِ شوقِ معرفت بے ساختہ
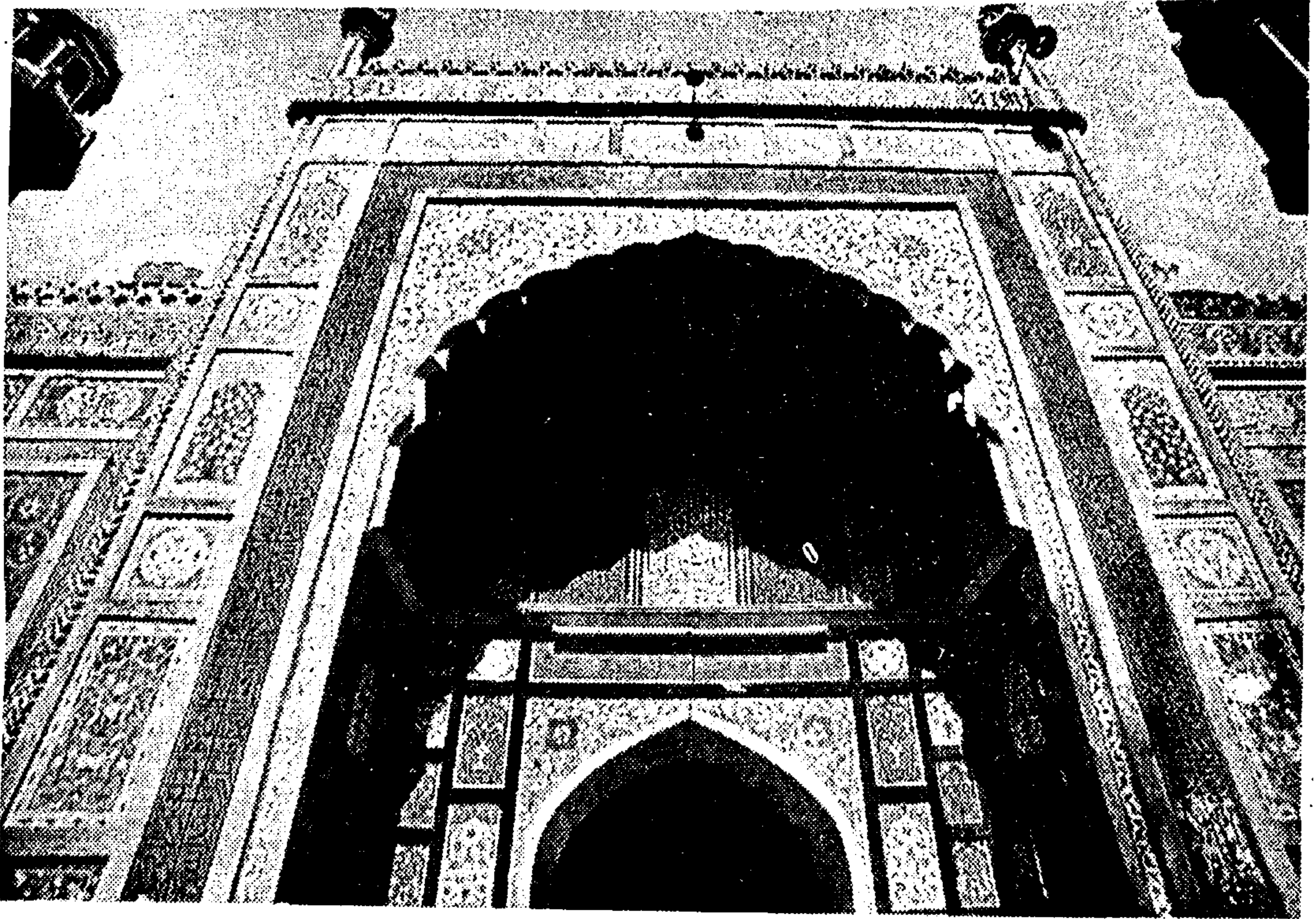
کراچی (پاکستان) میں ڈیفنس سوسائیٹی کی مسجد

اپنے اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ راہِ طلب میں دُنیا نے بڑی رُکاوٹیں کھڑی کیں لیکن گزرنے والے کانٹوں سے نہیں برچھیوں کی نوک پہ قدم رکھ کر گزر گئے۔ آخر ایک دن فیروز بختیوں کی سحر طلوع ہوئی اور جذبۂ طلب کے اخلاص نے رسولِ کونین کی جلوہ گاہ میں انھیں پہنچا دیا۔ صدیوں کی پیاسی روح بادۂ توحید سے اس طرح سیراب ہوئی کہ حوضِ کوثر ہی پر وہ دوسرے جام کی تمنا کرے گی۔

پس درود و سلام کی لگاتار بارش ہو اُس جانِ رحمت پر جس کے تلوؤں کے دھوون سے آبِ حیات کو حیاتِ جاوداں ملی۔ درود و سلام کے مہکتے ہوئے پھولوں سے معطر رہے خوابگاہ اُس زینتِ کون و مکاں کی جس نے اسلام کا گھر اس خوبی سے بسایا کہ ایک چراغ سے ہزاروں چراغ جلے۔ ایک قطرہ اتنا پھیلا کہ دریاؤں کو بہا لے گیا۔ ایک ذرّہ اتنا بلند ہوا کہ آسمان کی رفعتوں تک ہو گا۔ ایک پھول کی خوشبو اس طرح پھیلی کہ چمن چمن مہک اٹھے۔

عقل حیران ہے کہ اُس پیکرِ زیبا کے کس کس جلوہ کا تماشا دیکھے اور اس کے فضل و جمال کے کن کن نگار خانوں کا نظارہ کرے۔ یہاں تو عالم یہ ہے کہ جدھر دیکھیے اسی کے فیض کے چشمے لہرا رہے ہیں۔ جس طرف نظر اُٹھائیے ایک ہی تجلی ہزاروں رنگ میں بکھری ہوئی ہے۔ جہاں جائیے پروانوں کا ہجوم، جس صحرا میں قدم رکھئے دیوانوں کا شور۔

عرش پہ تازہ چھیڑ چھاڑ فرش پہ طرفہ دھوم دھام
کان جدھر لگائیے تیری ہی داستان ہے

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت سپہ سالار

مولانا وارث جمال قادری مصباحی

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زنان
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

جنگ انسانی فطرت کا ایک خاصہ بھی ہے اور ایک معاشرتی ضرورت بھی، جس سے انکار ممکن نہیں جو ہر زمانے میں دنیا پر کسی نہ کسی انداز میں مسلط رہی۔

مذہب کے نام پر حق کے لئے، ضرورت کے تحت، دفاع کی خاطر، شہرت و ناموری کے لئے فاتح عالم بننے کے جنون میں، ہوس ملک گیری کے تحت۔

انسانی تاریخ جہاں داستان بزم آرائی سے مالا مال ہے وہیں داستان رزم سے بھی اس کی زلفیں سنواری گئیں۔ دنیا نے فاتحین عالم کو بڑی عزت دی اور فخر سے انکے کارناموں کو پیش کیا۔ دارا و سکندر، کسریٰ و قیصر، نپولین، ہنسیال، ہٹلر، مسولینی، رچرڈ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں دنیا جنگ وجدال، حرب و ضرب کا ماہر سمجھتی ہے۔

طویل فوجی تربیت بے کراں مادی وسائل، بے پناہ اسباب و ذرائع اور بے حد و حساب سپاہ کی کثرت کی بدولت یہ فاتح بنے۔ انھوں نے ایک وسیع خطے کو اپنی جارحانہ یلغار سے روندا۔ خلق کو تہ و بالا کیا۔ ایشیا و یورپ کو تہس نہس کیا۔ ان کی عسکری قیادت مسلّم۔ حرب و ضرب کی بالادستی تسلیم۔ جنگی صلاحیت کی حیرت انگیزی سر آنکھوں پر۔ ان کے اٹل جنگی اصول فوجی اسکولوں میں داخل نصاب یہ سب کچھ اپنی جگہ پر صحیح۔

مگر کیا یہ مکمل جرنیل تھے ؟

ہم فاتحین و سپہ سالار کی طویل فہرست سامنے رکھ کر ان کی فوجی زندگی کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان میں کوئی ایسا نہیں جس کی عسکری قیادت اور حربی سیادت پر انگلی نہ اٹھی ہو۔ عسکری زندگی کے نمایاں گوشے داغدار نہ ہوئے ہوں، شکست کی ذلتوں سے دو چار نہ ہوتے ہوں۔ دارا ہوں یا سکندر، ہنسیال ہوں یا رچرڈ، نپولین ہوں یا ہٹلر ان میں کوئی خودکشی کر کے مرا۔ کسی نے شکست یاب ہو کر قید و بند کی حالت میں جان دی اور کوئی عظیم اور تاریخی شکست کے غم میں دنیا سے گیا۔

لیکن آج سے چودہ سو ۱۴۰۰ سال پہلے انسانی فضل و کمال، جاہ وجلال کا ایسا پیکر مجسم تشریف لایا جو اپنی گوناگوں تہ در تہ ہمہ صفت، ہمہ جہت اور جامع الصفات خوبیوں کے ساتھ ایسا کامل و اکمل مکمل جرنیل تھا کہ روئے زمین پر جس کی عسکری قیادت، جنگی صلاحیت اور حربی امامت کی مثال ہی ممکن نہیں جس نے نہ تو کسی فوجی مکتب میں کمیشن لیا۔ نہ ہی عملی طور پر کسی جنگ میں حصہ

لیا۔کبھی کسی جنگی مشق کے قریب نہیں گیا۔ نہ ہی کسی سپہ سالار کی زندگی دیکھی۔کسی میجر جنرل کے گھر میں پیدا بھی نہیں ہوا۔کسی استاد کی شکل بھی نہیں دیکھی کہ عسکری قیادت کا کتابی علم ہی حاصل ہو جائے۔

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سولہ سال کی عمر میں حرب الفجار کے موقع پر اپنے چچا حضرت زبیر کے ساتھ تیر لیکر گئے تھے۔ دوران جنگ آپ اپنے چچا کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے بس)۔ نہ تو سپاہ کی کثرت، نہ اسباب کی فراوانی۔ افراد کی قلت اور ذرائع کی بے سروسامانی کا یہ عالم کہ جب ملک عرب کی سب سے بڑی طاقت یعنی قریش مکہ سے اس کا پہلا معرکہ ہوا تو جنگی ساز سامان سے آراستہ دشمن کے مقابلے میں اس کے پاس صرف ۳۱۳ سپاہی اور پوری فوج میں صرف دو گھوڑے تھے، وہ بھی عمر کے اس حصے میں جب انسانی قویٰ مضمحل، اعصاب کشیدہ اور ہمتیں پست ہو جاتی ہیں۔ اختلاف روایت کی بنیاد پر ۱۹ سے ۲۹ جنگوں میں بہ نفس نفیس سپہ سالاری کے فرائض انجام دیتے۔ ۷۴ جنگی مہمیں بھیجیں۔ ۹ جنگوں میں گھمسان کا رن پڑا۔ ہر جنگ میں فتح و کامرانی نے قدم چومے۔ عمر کے آخری ۱۰ سال کے اندر اندر پورے ملک عرب کو فتح کیا۔ ملک کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک پورے جزیرۃ العرب میں کوئی سر ایسا نہیں رہ گیا جو اس کے مقابل اٹھ سکے۔ مفتوحہ علاقوں کو اگر سالوں اور دنوں پر تقسیم کیا جاتے تو دس سال میں دس لاکھ مربع میل اور یومیہ ۲۷۴ مربع میل پر قبضہ کیا۔ اپنے جانی نقصان کا تناسب مہینے میں ایک اور دشمن کا ایک سو پچاس۔

جب سے اس روئے زمین پر انسانی وجود کا نمود ہوا تاریخ حرب وضرب اور داستان جنگ و جدل میں کوئی مثال اس طرح کے عسکری قیادت اور فوجی لیڈرشپ کی ہے؟

جنہیں تلوار پکڑنے کا سلیقہ نہیں تھا ان بے سلیقوں، اونٹوں کے چرانے والوں، کافور پر نمک کا دھوکہ کھانے والوں کو ایسے خطوط پر فوجی تربیت دی کہ ان خطوط پر چل کر انھوں نے وقت کی جابر ترین حکومتوں کو اپنے پاؤں تلے روند دیا۔ ایشیا، یورپ، افریقہ، ہند، سندھ، روم، شام پر حیرت ناک طور پر فاتحانہ قبضہ کیا اور فاتحین عالم کی فہرست میں سرِ فہرست اپنا نام لکھوایا۔ خالد بن ولید، ابوعبیدہ، مثنی بن حارثہ، سعد بن ابی وقاص، عمرو بن عاص، یزید بن ابی سفیان، معاویہ، محمد بن قاسم، موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد، عتیبہ بن مسلم، عبدالرحمٰن بن الداخل، محمود غزنوی، شہاب الدین غوری، صلاح الدین ایوبی، بایزید یلدرم، محمد فاتح، امیر تیمور لنگ۔ یہ وہ فاتحین عالم سپہ سالاران عساکر اور نامور ترین جرنیل ہیں جن کی عسکری قیادت، جنگی مہارت اور شجاعانہ کارناموں کا غلغلہ اور ان کی ناموری کا شہرہ شرق سے غرب، شمال سے جنوب اور یورپ سے ایشیا تک پھیلا ہوا ہے۔

ہند و سندھ، روم و ایران، ہسپانیہ، ایشیائے کوچک، افریقہ و یورپ ہر جگہ اپنی فتح و ظفر اور بے مثال عسکری قیادت کا جھنڈا لہراتے ہوتے اس منفرد و بے مثل سپہ سالاران عساکر کی عام سطح سے بالاتر اس سپہ سالار اعظم کا خطبہ پڑھتے رہے جو شکم مادر میں ہی یتیم ہو چکا تھا۔ آغوش مادر میں آپ کے ابتدائی سالوں ہی میں ممتا کی شفقتوں کی ٹھنڈی چھاؤں سے بھی ہمیشہ کے لئے محروم ہو گیا۔ شعور کی آنکھیں کھلیں تو سارا ماحول بداخلاقی، بدتری، روحانی ابتری اور شر وفساد کی پستی میں ڈوبا ہوا نظر آیا۔ گرد و پیش نظر ڈالنے پر شرک و بت پرستی، جہالت و بربریت، حیوانیت و بہیمیت کا نقطۂ عروج نظر آیا۔ شباب کی خار دار وادی میں پہنچا تو نور و نکہت، حسن و عشق، شراب و شباب کی سرمستیوں نے اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ اسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا مگر وہ ہر طرح کی آلائشوں سے اپنے دامن کو بچاتے ہوئے عمدہ خصائل، پاکیزہ اطوار، بلند کردار، اخلاقی برتری اور معنوی تقدس کے ساتھ جوانی کی دہلیز کو اس انداز میں پار کر گیا کہ گرد و پیش کا سارا ماحول انگشت بدنداں ہو کر رہ گیا۔ نتیجۃً اکڑی ہوئی سرکش گردنیں احترام وعقیدت میں اس کے حضور جھک گئیں۔ ہر ایک اپنے دل کے دروازے کو وا کئے رہا کہ وہ جب چاہے اپنے قدم ناز سے ہمارے دلوں کے فرش کو عزت بخشے ؎

حسن کی جب داستاں پھیلی تو لا محدود تھی
اور جب سمٹی تو تیرا نام ہو کر رہ گئی

(صلی اللہ علیہ وسلم)

حرمت و اکرام، عقیدت و احترام، شفقت و محبت اور سر بلندی و عزیزی کا یہ وقفہ بہت غیر معمولی تھا۔ دس بیس برس نہیں بلکہ چالیس برس کی عمر تک اہل مکہ اپنے سروں پر بٹھاتے پلکوں پر سجائے اور دل کی دھڑکنوں

میں جگہ دیتے اس کی عظمتوں کا خطبہ پڑھتے رہے کہ اچانک اس نے فاران کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اپنی قوم کو خطاب فرمایا۔ خدا نے تمہاری فلاح و نجات اور رشد و ہدایت کے لئے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ یہ چاند، سورج، ستارے، کہکشاں، پہاڑ، دریا، طوفان اور پتھر کے تراشے ہوئے بت تمہارے خدا نہیں۔ یہ قدرت کے مظاہر ہیں۔ قدرت نہیں۔ چاند کی چاندنی، سورج کی تابانی، دریا کی روانی، آبشاروں کا ترنم مخلوق ہیں خالق نہیں۔ انسانیت کی طرف سے سب سے بڑی تعظیم و تکریم (سجدۂ عبادت) خالق ہی کے لئے ہو سکتی ہے مخلوق کے لئے نہیں۔ تم میں کوئی بڑا نہیں کوئی چھوٹا نہیں۔ بڑا وہ ہے جسے خدا نے عظمت دی ہے اور جس کا تقویٰ بڑا ہے جو خشیت الٰہی سے جو محروم ہے وہ چھوٹا ہے۔ تم سب آدم ہی کی اولاد ہو۔ اور آدم مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ انسان افضل و اعلیٰ اپنے کردار و عمل اور تقویٰ و پرہیزگاری سے ہے۔ حسب و نسب مال و دولت کی بدولت نہیں۔

بس اتنی سی بات تھی کہ ہر طرف آگ لگ گئی۔ سارا ماحول سلگنے لگا۔ حالات کی برہمی اس نقطۂ عروج پر پہنچی کہ اسے جان بچانے کے لئے وطن سے بڑی بے سروسامانی کے عالم میں بے وطن ہونا پڑا۔

مسلسل تیرہ برس تک قریش مکہ کی اذیتیں سہنے، دکھ اور صدمے اٹھاتے توہین و تذلیل برداشت کرنے کا جفا کاران قریش نے معاوضہ یہ دیا کہ آپ کے قتل کا بڑی خاموشی کے ساتھ پلان بنا کر اس پر فوری عمل درآمد کا فیصلہ کر لیا۔ اور جب آپ کا قتل یقینی ہو گیا تو سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کے حکم سے یثرب کو اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے ایک نیا دفاعی میدان عمل منتخب کیا۔ چنانچہ آپ مکہ سے ہجرت کر کے یثرب نامی شہر آ گئے۔ قدم رنجہ فرمانے کے ساتھ ہی وہ یثرب مدینۃ النبی بن گیا جو آگے چل کر مدینہ سے مشہور ہوا۔ اور اسے یثرب کہنا ممنوع ہوا۔

اپنی مستقل سکونت کے لئے مدینہ کا انتخاب ہی خداداد فوجی بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ آپ کو اس کا بخوبی احساس تھا کہ قریش مکہ اللہ کے نام لیواؤں کو آرام بیٹھنے نہیں دیں گے۔ اسلام کا نظام مساوات و اخوت انھیں چین لینے نہیں دے گا۔ اور مسلمانوں کو ہمہ وقت ان کی جارحیت کے نشانے پر رہنا پڑے گا۔ اس خطرے کے پیش نظر مسلمانوں کے تحفظ کا خاطر خواہ انتظام بہت ضروری تھا۔ آپ کی باریک اور دوربین نگاہوں سے مدینہ کی جغرافیائی حیثیت اور محل وقوع اوجھل نہیں تھا۔

مدینہ کا محل وقوع اور اس کی دفاعی حیثیت

مدینہ اپنے محل وقوع اور جغرافیائی حیثیت کے اعتبار سے اپنے دامن میں بسنے والوں کے لئے قدرتی دفاع مہیا کرتا ہے۔ اس کے آس پاس طویل پہاڑی سلسلہ، جہاں حملہ آوروں کے لئے دشوار گذار ہے وہاں دفاع کرنے والوں کے لئے انتہائی کارآمد ہے۔ کیونکہ پہاڑیوں کی آڑ سے پیش قدمی کرنے والوں پر حملہ کر کے انھیں سخت نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔

مدینہ اُس وقت آج کے مدینہ سے مختلف تھا۔ اس وقت وہاں نہ عالیشان عمارتیں تھیں اور نہ ہی گھنی آبادیاں۔ مختلف مذاہب کے لوگ تھوڑی تھوڑی دور پر چھوٹی چھوٹی بستیوں میں رہتے تھے۔ گویا مدینہ چھوٹی چھوٹی بستیوں کے اس مجموعے کا نام تھا جس میں یہودی، بت پرست اور مسلمان سب آباد تھے۔ جو جوف مدینہ کے دس میل لمبے اور دس میل چوڑے میدان میں پھیلے ہوتے تھے اور اس میدان کو چاروں طرف سے پہاڑوں نے گھیر رکھا ہے۔ شمال میں جبل ثور اور جنوب میں جبل عیر ہے۔ مدینہ کی آبادی جبل ثور سے جبل عیر تک پھیلی ہوئی تھی۔ پہاڑوں سے گھرے ہوئے اس لمبے چوڑے میدان کو حضور سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لا کر حرم مدینہ قرار دے دیا۔

مدینہ کے حدود متعین کر کے اسے حرم قرار دے دینا سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاعی منصوبے کی ایک کڑی تھی جس کی حیثیت سیاسی بھی تھی اور مذہبی بھی۔ حرم کا یہ اصول کوئی نیا نہیں تھا۔ اسلام سے پہلے اور بعد میں عرب و عجم دونوں جگہ اس کا رواج تھا۔ پہلی جنگ عظیم میں برطانیہ اور ٹرکی نے بیت المقدس کو حرم قرار دے دیا تھا۔ زمانہ موجودہ روم کا شہر جو پاپائے روم کے زیر اقتدار ہے حرم کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں اپنے ہندوستان میں

غالبًا سکھوں کا گولڈن ٹیمپل (جو آج سکھ سیاست کا مرجع بنا ہوا ہے) جسے سکھ مقدس گورو دوارہ کہتے ہیں۔ جو سکھ انتہا پسندوں کا مامن و مسکن بنا ہوا ہے حکومت ہند کے خیال میں مقدس گورو دوارے کی تقدیس کا سکھ ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ حکومت کے ناپسندیدہ عناصر وہاں پناہ لئے ہوتے ہیں۔ مگر حکومت ہند وہاں اپنے سپاہی بھیج کر اس کی تلاشی اور کشت و خون کا جواز نہیں پا رہی ہے۔ کیونکہ جو جگہ کسی مذہبی تقدیس سے منسوب ہو جاتی ہے وہاں کسی طرح کی خوں ریزی و ایذا رسانی نہیں ہوتی حتیٰ کہ بڑا سے بڑا مجرم جب تک اس میں رہتا ہے محفوظ و مامون رہتا ہے۔

حرم مکہ جس کی تقدیس کا یہ عالم ہے کہ انسان تو انسان جانور بلکہ پیڑ پودے بھی محفوظ رکھنے کا حکم ہے۔ ان کی کاٹ چھانٹ نہیں ہو سکتی۔ باپ کا قاتل بھی اگر اس میں پناہ گزیں ہے تو بھی اس پر انگلی نہیں اٹھائی جا سکتی۔ حرم مکہ کے تقدیس و احترام کا سیاسی فائدہ قریش اٹھاتے تھے۔ کیونکہ براہ راست ان کا اس پر کنٹرول تھا۔ سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حرم مکہ کے متوازی مدینہ کو حرم قرار دے کر اہل مدینہ کو وہی حیثیت دے دی جو اہل مکہ کو حاصل تھی۔ اہل مدینہ، مدینہ میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو اسی طرح سے محفوظ سمجھنے لگے جس طرح اہل مکہ اپنے آپ کو سمجھتے تھے۔ واضح لفظوں میں اس کا مطلب یہ تھا کہ مکہ والے حرم کی تقدیس کا سیاسی فائدہ کما حقہ اسی وقت تک اٹھا سکتے تھے جب تک کہ وہ حرم مدینہ کی تقدیس کا احترام کریں۔ آپ نے حرم مدینہ کے جو واضح حدود متعین کئے تھے اس کے آثار اب تک ہیں بہت دفاعی حیثیت سے یہ حرم مدینہ ایسے دور رس اثرات کا حامل ثابت ہوا جو مسلمانوں کے لئے مدینہ کی حفاظت کے پیش نظر افرادی قوت کی قلت میں معاون ثابت ہوا۔ ادھر قریش کو بھی من مانی دھاندلی کے لئے کافی محتاط بنا دیا۔

حرم مدینہ کے چاروں طرف ایک دوسرے سے ملے ہوئے پہاڑیوں کا سلسلہ بہت دور تک چلا گیا ہے جس کی وجہ سے آمد و رفت کے راستے بہت تنگ اور پُر پیچ ہو گئے ہیں۔ اور پھر حرم مدینہ کے میدان بھی ہموار نہیں بلکہ اس میں بھی جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں جو جنگ کے وقت دفاعی نقطۂ نظر سے بہت اہم ہیں۔ پھر مکہ سے باہر ملکوں یعنی شام، عراق، فارس وغیرہ جانے کے لئے آسان ترین گذرگاہ مدینہ ہو کر ہی تھی۔

اس زمانے میں قافلوں کے گذرنے کے لئے آسان ترین اور مشہور صرف تین راستے تھے۔ ان میں ایک بحر متوسط، دوسرا شام اور تیسرا مصر سے آتا تھا۔ اس طرح ایک راستہ شام سے دومۃ الجندل اور پھر وہاں سے عراق کی طرف نکل جاتا تھا۔ دوسرا دومۃ الجندل سے ہوتا ہوا مکہ کی طرف جاتا تھا۔ پھر یہ راستے عراق اور خلیج فارس وغیرہ ہوتے ہوئے بہت آگے نکل جاتے تھے۔ انھیں راستوں سے ایشیا، یورپ اور مصر وغیرہ کے تجارتی قافلے گذرتے تھے۔ ان کے علاوہ ملک کا باقی حصہ جان لیوا، بے آب و گیاہ صحرا تھا۔ پُر پیچ اور گہری وادیاں اس قدر دشوار گذار تھیں کہ ان سے گذرنے کا تصور ہی لرزہ خیز تھا۔ صحرا کے خونی بگولے الگ سے دشمن جاں تھے۔ ایسے دشوار گذار راستوں، ہلاکت خیز قیامتوں سے گذرتا ہوا قافلہ جب نخلستان مدینہ کی ٹھنڈی چھاؤں میں پہنچتا تو جھلسا دینے والی ہواؤں کے تھپیڑوں کی جگہ ٹھنڈی ہوائیں، ٹھنڈے میٹھے پانی کے ذخیرے، سرسبز و شاداب ماحول پا کر وہ جیتے جی جنت بداماں پہنچنا محسوس کرتے۔

مصر سے کشتیوں کے ذریعے مکہ پہنچنے کا راستہ مدینہ ہو کر ہی تھا۔ رومی حکومت نے بھی ۲۴ سنہ قبل مسیح ان راستوں پر قبضہ کرنے کی پوری کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ کیونکہ مدینہ کا محل وقوع اپنی تمام تر جغرافیائی حیثیتوں کے ساتھ۔ مدینہ والوں کے لئے قدرتی دفاع مہیا کرنے میں بڑا معاون ثابت ہو رہا تھا۔

نبوت کے تیرھویں سال بیعت عقبۂ ثانیہ کے موقع پر منیٰ کی گھاٹی میں خفیہ طور پر مدینہ کے ۷۲ مسلمان عرب و عجم سے بیک وقت اعلان جنگ پر بیعت کرتے ہوئے انتہائی خلوص و محبت سے عرض کر رہے تھے کہ یا رسول اللہ آپ ہمارے یہاں تشریف لے آئیں ہم آپ کی حفاظت و نصرت میں اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔

پردے کے پیچھے دیکھنے والی نگاہ نبوت ان کے شدید اصرار کے پیچھے جذبہ خلوص و عقیدت کے ساتھ ساتھ مدینہ کی پوری دفاعی

اہمیت اور جغرافیائی حیثیت ملاحظہ فرما رہی تھی۔ بہت کچھ سوچ کر اپنے رب کی مرضی سے مدینہ کو اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لئے صدر مقام منتخب فرمایا تھا۔

چنانچہ آپ مکہ چھوڑ کر مستقل سکونت کے لئے مدینہ تشریف لے آئے۔ آپ سے پہلے آپ ہی کی اجازت سے مکی مسلمان ہجرت کر کے مدینہ پہنچ چکے تھے۔

اور جب آپ مدینہ تشریف لے آئے تو مدینہ والوں نے اپنی دینی اور دنیوی قیادت دونوں آپ کے سپرد کر دی۔ گویا کہ مدینہ والوں نے اپنی دینی، مذہبی، سیاسی، معاشی، اخلاقی غرض کہ ہر طرح کی سربراہی آپ کے ذمہ کرم پر ڈال دی۔

مدینہ پہنچ کر اور مدینہ والوں کی دینی و دنیاوی سربراہی قبول فرما کر سرکار مطمئن ہو کر بیٹھ نہیں رہے۔ آپ کو پختہ یقین تھا کہ تین سو ساٹھ خداؤں کے خلاف ایک خدا کی حکمرانی اور اسلام کا نظام مساوات و اخوت خون کے پیاسوں کو خاموش نہیں رہنے دے گا۔ کسی بھی لمحہ وہ مدینہ پر چڑھائی کر سکتے ہیں۔

چنانچہ ہجرت کے بعد قریش مکہ نے عبداللہ بن ابی[1] (منافق) رئیس انصار کے پاس دھمکیوں بھرا خط بھیجا

"تم نے ہمارے آدمی یعنی سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تم ان کو قتل کر دو یا انھیں اپنے یہاں سے نکال دو ورنہ ہم سب تم پر حملہ کر کے تمہارے تمام لڑنے والے مردوں کو قتل کر کے ان کی عورتوں کو اپنے تصرف میں لائیں گے۔"

(ابو داؤد شریف جلد ۲ ص ۶۷)

سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب قریش کے ان دھمکیوں بھرے خط کی اطلاع ہوئی تو آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو قتل کرو گے (یعنی انصار کو جو مسلمان ہو گئے تھے) ابن ابی اس نکتہ کو سمجھ گیا۔ اور قریش کے منصوبے پر عمل نہیں کیا۔

ہجرت کے ابتدائی سالوں میں سرکار کو مکہ والوں کی طرف سے انتقامی حملے کا خدشہ اتنا شدید تھا کہ لوگ راتوں کو جاگ جاگ کر پہرہ دیا کرتے تھے۔ ایک رات آرام کرنے کی خواہش ہوئی تو فرمایا کہ آج کوئی قابل آدمی میری جگہ پر پہرہ دے تو میں آرام کر لوں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کھڑے ہوتے۔ زرہ پہن کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ آرام فرمائیں۔ میں آپ کی جگہ پہرہ دیتا رہوں گا۔ انھیں ایام میں جب مدینہ والے دن نکلنے پر اپنے کھیتوں پر جاتے تو احتیاطاً اپنے ہتھیار ساتھ رکھتے۔ جب حالات اس قدر سنگین تھے تو آپ مطمئن ہو کر کیسے بیٹھ جاتے۔

مدینہ کی دفاعی تیاریاں

چنانچہ آپ نے مدینہ کی دفاعی تیاریاں شروع کر دیں۔ سب سے پہلے آپ نے مدینہ کو تحریری دستور العمل یعنی آئین مملکت عطا کیا جسے میثاق مدینہ کہا گیا جس پر تمام قبیلوں نے اتفاق کیا۔ جس کی خاص خاص دفعات یہ تھیں۔

۱۔ خون بہا اور فدیہ کا طریقہ جو پہلے سے چلا آ رہا تھا وہی رہیگا
۲۔ یہودیوں کو مذہبی آزادی رہے گی۔ ان کے مذہبی رسوم میں کسی طرح کی کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔
۳۔ یہودی اور مسلمان دونوں آپس میں باہمی برتاؤ رکھیں گے۔
۴۔ یہودیوں یا مسلمانوں کو اگر کسی دوسرے سے لڑائی پیش آ جائے تو ہر ایک فریق ایک دوسرے کی مدد کرے گا۔
۵۔ اگر مدینہ پر کوئی حملہ ہوا تو دونوں فریق مل کر حملہ آور کا دفاع کریں گے۔
۶۔ کوئی فریق قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ نہیں دے گا۔
۷۔ کوئی فریق اگر کسی دشمن سے مصالحت کر لے تو دوسرا فریق بھی اس مصالحت میں شامل مانا جائے گا۔ البتہ مذہبی

---

[1] عبداللہ بن ابی یہ وہ شخص ہے جس کو مدینہ والے اپنا بادشاہ بنانا چاہتے تھے جس کی تیاریاں بھی ہو چکی تھیں کہ اسی درمیان سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ مدینہ والوں نے دینی و دنیوی قیادت آپ کے سپرد کر دی اس طرح وہ بادشاہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ اس جلن میں وہ زندگی بھر اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی رکھتا رہا۔ بظاہر مسلمان بن کر زندگی بھر اسلام کے خلاف نبرد آزما رہا۔

لڑائیاں اس سے مستثنٰی رہیں گی۔

۸۔ سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر کوئی فریق اعلانِ جنگ نہیں کرے گا۔

۹۔ اختلاف کی صورت میں معاملہ اللہ اور رسول کے سامنے پیش ہوگا۔

میثاقِ مدینہ کے ان دفعات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد مدینہ کو ایک آزاد اسلامی مملکت کی شکل دے دی گئی۔ اور اس تحریری دستاویز کے ذریعے باہر کے لوگوں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ اب وہ یثرب نہیں رہ گیا جو متفرق طور پر الگ الگ چھوٹی چھوٹی آبادیوں پر مشتمل تھا بلکہ سرکارِ دو عالم حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم ناز کی برکت سے اب وہ مدینۃ النبی کی شکل میں باقاعدہ ایک آزاد اسلامی ریاست ہے جس کا اپنا ذاتی آئین، قانون، دستور العمل اور اس کی اپنی الگ حیثیت ہے۔

ہجرت کے بعد ایک سال تک حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی مذہبی، اخلاقی، روحانی تربیت اور دفاعی تیاریوں میں لگے رہے۔ اس عرصہ میں قریش کی دشمنیاں، ریشہ دوانیاں، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نت نئی سازشیں کرتی رہیں اور انھیں مٹا دینے کا منصوبہ ہر آن ان کے پیش نظر رہا۔

مسلمانوں کو بے سروسامانی کی حالت میں وطن سے بے وطن کر کے قریش مکہ کو چاہئے تو یہ تھا کہ خاموش ہو جاتے مگر وہ تو خدائے واحد کے تصور اور اپنے فرسودہ نظام کہن کی تبدیلی سے اس قدر خوف زدہ تھے کہ انھیں کسی پہلو قرار نہ تھا۔

مسلسل تیرہ برس تک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے جاں نثار صحابہ پر ظلم و ستم، تحقیر و تذلیل کی قیامتیں توڑتے رہے اور مسلمان کوہ استقامت بنے ان کا ہر ظلم برداشت کرتے رہے۔ حد یہ کہ اپنا مال و متاع، گھر بار، سب چھوڑ کر صرف اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے مدینہ میں پناہ لے لی۔ مگر اس پر ظالموں کا جوش انتقام فرو نہیں ہوا۔ بلکہ مسلمانوں کے مدینہ چلے جانے کے بعد ان کے خلاف قریش مکہ نے کئی محاذ کھول دیئے۔

۱۔ مدینہ کے اندر جو یہودی آباد تھے انھیں مسلمانوں کے خلاف مسلسل بھڑکاتے رکھنا تاکہ مسلمانوں کا اندرونی امن و سکون غارت رہے۔

۲۔ عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھی دیگر منافقین جو اسلام اور مسلمانوں کے بدترین دشمن تھے انھیں مسلمانوں کی شکل و صورت میں کلمہ و نماز کی بیساکھی کے ساتھ مسلمانوں کے شہ رگ پر بٹھا کر ان کے ذریعے نت نئی سازشوں سے مسلمانوں کو تنگ کئے رہنا۔

۳۔ قبائل عرب خصوصاً وہ قبیلے جن کی سرحدیں مدینہ سے ملی ہوئی تھیں ان کو مدینہ کے خلاف مستعد کر کے مسلمانوں کی زندگی اجیرن کر دینا۔

۴۔ جب مسلمان اندرونی طور پر کمزور ہو جائیں تو ایک بار پوری طاقت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کے نام و نشان کو مٹا دینا۔

چنانچہ جنگ بدر سے پہلے مکہ والوں کا وہ قافلہ جو ملک شام تجارت کے لئے گیا تھا اسی کی واپسی کا انتظار تھا کہ جیسے وہ قافلہ واپس آئے پوری طاقت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کا وجود ختم کر دیا جائے۔

سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ضروری تھا کہ آپ دشمن کے ہر حملے کا دفاع فرماتے۔

منصب نبوت و رسالت کے ساتھ ہی ساتھ۔ ایک بے سروسامان، تہی دست، اسباب و ذرائع سے عاری، مختصر سی غیر تربیت یافتہ فوج کی قیادت اور اس کی سپہ سالاری کا فریضہ بھی آپ ہی کو انجام دینا تھا۔

انھیں سب وجوہ کی بنا پر سرکار دو عالم نے حفاظت خود اختیاری اور دفاع مدینہ کے پیش نظر سردست دو تدبیروں پر فوری عمل درآمد کا فیصلہ کر لیا۔

اول یہ کہ قریش مکہ کی شامی تجارت کا وہ راستہ جس پر ان کی معاشی زندگی کا دار و مدار تھا اسے ان کے لئے غیر محفوظ کر دیا جائے تاکہ بدلے ہوئے حالات کے تحت وہ مدینہ پر حملہ کا منصوبہ ترک کر کے مسلمانوں سے صلح پر مجبور ہو جائیں۔

۲۔ دوم یہ کہ مدینہ کے اطراف وجوانب میں جو قبائل آباد ہیں ان سے امن وامان کا معاہدہ ہو جائے تاکہ قریش مکہ حملہ کرنے کی ہمت نہ کر سکیں اور اگر کریں بھی تو کچھ قبائل کی ہمدردیاں اور عملی تعاون حاصل رہے اور جو قبیلے عملی تعاون نہ دے سکیں وہ کم از کم مدنی ٹکراؤ کی صورت میں غیر جانبدار رہیں۔

چنانچہ محسن انسانیت سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دو تدبیروں کے پیش نظر اپنے صحابہ کو چھوٹے چھوٹے دستوں کے ساتھ مدینہ کے اطراف میں بھیجنا شروع کر دیا اور کبھی کسی دستے کے ساتھ خود بھی تشریف لے جاتے۔

صحابہ کے یہ چھوٹے چھوٹے دستے کبھی کسی قبیلے سے معاہدۂ امن کے لئے کبھی قریش مکہ کی فوجی نقل وحرکت کا پتہ لگانے کے لئے اور کبھی ان کی شامی تجارت کے راستے کو مخدوش وغیر محفوظ کرنے کے لئے جاتے۔ اسی سلسلے میں قریش مکہ اور ان کے حلیفوں کے ساتھ مسلمانوں کا ٹکراؤ ہونا شروع ہوا۔ جس کو اسلامی تاریخ وسیر میں غزوات وسرایا کہا گیا۔

اختلاف روایات کی بنیاد پر غزوات کی تعداد ۱۹ سے لے کر ۲۹ تک اور سرایا کی تعداد سینتالیس[47] سے لے کر چھپن[56] تک آئی ہے۔ حضرت امام بخاری نے حضرت زید بن ارقم سے ۱۹ غزوے کی تعداد نقل فرمائی ہے جو کم سے کم تعداد ہے۔ غزوے کی تعداد ۲۹ کے بجائے انیس[19] اور سرایا کی تعداد چھپن کے بجائے سینتالیس[47] ہی مان لی جائے تو گویا نو[9] سال کے اندر اندر سرور دوجہاں مونس انس وجاں صلی اللہ علیہ وسلم کو چھیاسٹھ[66] لڑائیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انیس جنگوں میں سپہ سالاری کا فریضہ بہ نفس نفیس انجام دیا۔ یہ سب لڑائیاں ہجرت کے بعد عمر کے اس حصے میں پیش آئیں جب انسانی قویٰ مضمحل، اعصاب کشیدہ، حوصلے پست اور ارادے کمزور ہو جاتے ہیں۔ پہلا غزوہ ودّان ہے جو سنہ ۲ ھ میں پیش آیا اور آخری تبوک ہے جو سنہ ۹ ھ میں پیش آیا۔ اُن انیس[19] غزوات میں صرف نو[9] غزوے ایسے ہیں جن میں باقاعدہ جنگ ہوئی۔

صرف دو غزوے اُحد اور خندق کے علاوہ بقیہ ساری جنگوں میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش بندی کے طور پر دفاعی حملہ کیا۔ باقی ۹ جنگوں کے علاوہ غزوے میں سپہ سالار لشکر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے تدبر، فوجی بصیرت، عسکری قیادت اور نئی نئی جنگی تدبیروں نے لشکر کفار کو ایسا حواس باختہ اور پست حوصلہ کر دیا کہ بغیر لڑے بھڑے بھاگ گئے۔ حالانکہ ان تمام جنگوں میں اسلحہ، اسباب، ذرائع اور افرادی قوت کی برتری ہمیشہ کفار مکہ ہی کی تھی۔

مسلسل تیرہ برس تک کفار مکہ کا ظلم وستم حضور اور ان کے صحابہ نے برداشت کیا۔ یہاں تک کہ گھر در سب دے کر صرف ایمان اور جان بچانے کے لئے وطن سے بے وطن ہونے پر بھی جان بچتی ہوئی نظر نہیں آئی۔ قریش کی مسلسل شرارتیں، زیادتیاں، چیرہ دستیاں اپنے نقطۂ عروج کی طرف بڑھتی رہیں۔ مسلمانوں کا صبر وضبط اور قوت برداشت بھی آخری اسٹیج پر پہنچ رہا تھا۔ مگر ابھی تک انھوں نے اپنی دفاع کے لئے تلوار نہیں اٹھائی۔ کیونکہ تلوار اٹھانے کا کوئی واضح حکم رب العلمین کی طرف سے مسلمانوں کو اس وقت تک ملا نہیں تھا۔ ان صبر آزما اور نازک حالات میں خدائے ذوالجلال کو اپنے مخلص بندوں پر رحم آیا۔ رب العلمین نے پہلی بار مسلمانوں کو اپنے دفاع میں تلوار اٹھانے کی اجازت دی۔ ۱۲ صفر المظفر سنہ ۲ ھ کا دن اسلامی تاریخ میں وہ عظیم اور یادگار دن ہے جس میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُۨ

جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) ان کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ (مسلمان) مظلوم ہیں اور خدا ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔

دوسری جگہ یوں فرماتا ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ

خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔

چنانچہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سنہ ۲ ھ میں دو سو آدمیوں کا دستہ لیکر ابوا اور ودّان کی جانب تشریف لے گئے۔ وہ علاقہ قریش کے تجارتی قافلوں کی گذرگاہ تھی۔ اس مہم کا مقصد صرف اتنا تھا کہ اہل مکہ کو یہ احساس ہو جائے اور ان کے دل میں یہ ڈر پیدا ہو جائے کہ اگر انھوں نے اپنی روش نہیں بدلی تو ان کے قافلوں پر حملہ کر کے ان کی تجارت کی شہ رگ کاٹ دی جائے گی۔

ملکوں اور قوموں کی توانائی ان کے اقتصادی اور معاشی

توانائی میں مضمر ہے۔ کسی بھی ملک یا طاقت یا قوم کو کمزور کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کی معاشی طاقت پر کاری ضرب لگا کر انھیں تجارتی بحران میں مبتلا کر دیا جائے۔ فی زمانہ بھی یہی صورت حال ہے کہ جس ملک کو تجارتی فروغ حاصل ہے وہی فوجی اعتبار سے بھی توانا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سابقہ جن لوگوں سے پڑا تھا وہ مالی اعتبار سے بڑے خوشحال اور تجارت پیشہ تھے۔ ان کے مال بردار قافلے بڑی پابندی کے ساتھ عرب سے باہر غیر ملکوں میں آیا جایا کرتے تھے۔

حضور نے اپنے وسیع تر فوجی تدبیر کے تحت انھیں خائف و ہراساں کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا بخوبی علم تھا بلکہ عملی تجربہ بھی تھا کہ مکہ والوں کی زندگی کا سارا دارومدار ان کی باہر سے تجارت ہی پر موقوف ہے۔ اگر ان کے تجارتی نظام کو درہم برہم کر دیا جائے تو مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے سے پہلے انھیں اپنی تجارت کو بچانے کی فکر لاحق ہوگی اور مسلمانوں کے خلاف زیادہ تیزی دکھانے سے پہلے وہ کئی بار سوچنے پر مجبور ہوں گے۔ اسی کے پیش نظر آپ نے چند سفر اختیار فرمائے جن کا شمار غزوات النبی کی فہرست میں آتا ہے۔ ان غزوات میں سرفہرست ابوا اور ودّان ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں جا کر ان لوگوں سے ایک دفاعی معاہدہ کیا جس کی رو سے انھیں آئندہ قریش اور مسلمانوں کے تصادم کی صورت میں بالکل غیر جانبدار رہنا ہوگا۔ یہ ایک بڑی سیاسی فتح بھی تھی اور ایک اہم دفاعی تدبیر بھی۔ ۲ھ میں آپ نے غزوۂ بواط اور غزوۂ ذوالعشیرہ کیلئے پیش رفت فرمائی جس کا مقصد وہی قریش کی گذرگاہوں کو پرخطر اور مخدوش بنا دینا۔ اور ان کے تجارتی قافلے کی ناکہ بندی کا احساس دلا کر مسلمانوں کیساتھ انہیں نرم رویہ اور صلح جوئی پر مجبور کرنا تھا ذوالعشیرہ مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے وہاں بنو مدلج اور بنو ضمرہ آباد تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں ایک ماہ قیام فرما کر ان سے دوستی کا معاہدہ فرمایا۔ گویا جن مقاصد کے پیش نظر یہ سفر اختیار فرمایا تھا وہ پورے ہو گئے۔

قریش کے تجارتی قافلوں کو دہشت زدہ کرنا اس علاقے کے قبائل سے تعلقات استوار کرنا اس کے علاوہ ان غزوات کے دوران اطراف کے میدانوں اور پہاڑیوں کا جنگی نقطۂ نظر سے جائزہ لینے کا موقع بھی مل گیا۔ جوانوں کی جنگی مشق بھی ہو گئی۔ اور ۲ھ ہی میں وہ عظیم ترین معرکہ بھی پیش آ گیا جس کا ذکر فرش سے عرش، شرق سے غرب، جنوب سے شمال تک پھیل گیا۔ جس کی گونج ہر زمانے میں سنی گئی جس کی دھمک ایوان باطل میں آج بھی محسوس کی جا رہی ہے۔ ابدالآباد تک جس کا غلغلہ بلند ہوتا رہے گا۔ یہی وہ جنگ تھی جس نے باب فتح نبوی کو ایسا وا کیا کہ پھر کبھی بند نہ ہوا۔ پہلی بار آپ کی عسکری قیادت، فوجی بصیرت، بے پناہ عزم و استقلال اور زبردست قوت ارادہ کا مظاہرہ ہوا۔ وہ جنگ ایسی نتیجہ خیز اور دوررس اثرات کی حامل ثابت ہوئی کہ عرب کی تاریخ بدل دی۔ بہتے ہوئے دھارے کا رخ موڑ دیا۔ طاقت کے توازن کا یک طرفہ جھکاؤ ختم کر دیا۔ پہلی بار ملک عرب میں ایک نئی ابھرتی ہوئی طاقت (اسلام) کا احساس سیاسی سطح پر اہل عرب کو ہوا۔ یہ معرکہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اس کا نام ہی کئی سو صفحات پر مشتمل تعارف پر بھاری ہے۔ یعنی غزوۂ بدر کبریٰ (جنگ بدر) جس میں صرف ۳۱۳ مسلمانوں نے سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر قیادت بے سروسامانی کے عالم میں اپنے سے تین گنا زائد، سامان حرب سے آراستہ دشمن کو ایسی شکستِ فاش دی کہ آج بھی تاریخ کی آنکھیں حالت حیرت میں پھٹی ہوئی ہیں اور اسباب و علل کا جویا ذہن انگشت بدنداں نظر آتا ہے۔ جس میں ستر بڑے بڑے سردار اور صناديد مارے گئے اور اتنی ہی تعداد میں قید کر کے مدینہ لائے گئے۔

آر۔ وی۔ سی۔ باڈلے جو پہلی جنگ عظیم میں برطانیہ کی طرف سے فوجی خدمات انجام دینے کے سبب لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے تک پہنچا جو ماہر حرب و ضرب ہونے کے ساتھ ایک صاحب قلم بھی ہے جس کے نوک قلم سے ڈیڑھ درجن سے زائد کتابیں نکلیں اس کی ایک اہم تالیف THE MESSENGER اردو ترجمہ "محمد رسول اللہ" مترجم سید امین زیدی (مکتبہ عالیہ لاہور) کے چند پیراگراف ملاحظہ ہوں۔

یہ قریش ہی تو تھے جن کے سبب آج آپ ہر طرح سے قلاش، بے خانماں اور بے یار و مددگار بن کر رہ گئے تھے۔ یہ بات بالکل عیاں تھی اور یہ بھی روز روشن کی طرح واضح تھا کہ اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ یہ کہ اب قریش کو اپنی حد سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔ انھوں نے صلح جوئی کی ہر تجویز

کو ٹھکرا دیا تھا۔ اس لئے یہ دیکھنا اب خالی از دلچسپی نہ تھا کہ اگر ادھر سے بھی جارحانہ رویہ اختیار کیا جائے تو ان کا ردعمل کیا ہوگا۔

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دفاعی اقدام کے کچھ اور بھی اسباب تھے۔ آپ کو ایک قومی خزانہ (بیت المال) قائم کرنے کا بھی بندوبست کرنا تھا۔ نہ آپ کے پاس اتنا سرمایہ تھا اور نہ ہی آپ کے کسی خوشحال مہاجر کے پاس۔ کیونکہ ان لوگوں کی تجارت، ان کے جانوروں کے گلے، ان کے مکانات، ان کی جائیدادیں سب اہل مکہ نے ضبط کر لئے تھے۔ دوسرے یہ کہ اسلام کو فروغ دینے اور لوگوں کو طمانیت پہنچانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ انھیں کچھ رقم بھی دی جائے۔ اور خوراک مہیا کرنے کے علاوہ انھیں مصروف بھی رکھا جائے۔ اِن مہمات نے دونوں مسئلے حل کر دیئے۔

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طاقت استعمال کرنے کا ایک سبب خود قریش تھے۔ آپ کے خلاف ابوجہل کی دشمنی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ مسلسل حملہ آور جماعتیں بھیج رہا تھا جو مسلمانوں کی چھوٹی اور بکھری ہوئی جماعتوں پر چھپ کر حملہ کرتے تھے۔ اس نے چند اچانک حملے مدینہ کے قرب وجوار میں بھی کئے اور کھیتوں اور باغات کو نقصان پہنچایا۔ اس کا مقصد حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر یہ واضح کر دینا تھا کہ آپ کے متعلق اس کے خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور اس کے ارادے اب بھی اتنے ہی خونی اور قاتلانہ تھے۔ دونوں فریقوں کی نظر میں اس کا ایک ہی حل تھا یعنی لڑ کر فیصلہ کر لیا جائے۔

حقیقت میں جنگ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے ناگزیر اور مصلحت کا تقاضا تھی جو بعد میں سودمند بھی ثابت ہوئی۔ لیکن آپ ان عرب حملہ آوروں کی طرح نہ تھے (کہ) جنگ کرنا، خون بہانا جن کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ اور اگر قریش آپ کو اپنے دین کی تبلیغ کے لئے تھوڑا سا بھی موقع دیدیتے تو لڑائی کا خیال آپ کے دل میں نہ آتا۔

اس وقت تک حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نہ کسی سے لڑے تھے یہاں تک کہ کسی سے ہاتھا پائی بھی نہیں کی تھی اور نہ آپ نے کبھی فوج کی سالاری کی تھی، نہ ہی فن لشکر کشی میں تربیت حاصل کی تھی۔ لے دے کر اس ضمن میں آپ کا تجربہ صرف اتنا تھا کہ سولہ سال کی عمر میں ایک دفعہ ایک قبائلی جنگ میں آپ اپنے چچا کے تیر لیکر ان کے ساتھ گئے تھے۔ (یہ اشارہ حرب الفجار کی طرف ہے جو چار سال تک جاری تھی اور آپ اپنے چچا حضرت زبیر کے ساتھ کئی مرتبہ شرکت فرمائی۔ اس جنگ میں آپ اپنے چچا کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے۔) نہ آپ کے پاس مسلح جنگ آزمودہ سپاہی تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ جانتے تھے کہ اپنے آپ اور اپنے دین کو زندہ رکھنا ہے تو آپ کو لازمی طور پر لڑائی کے لئے تیار رہنا ہوگا اور یہ بھی کہ قریش نے مدینہ پر اگر حملہ کیا اور وہ کامیاب ہوگئے تو اسلام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔

چنانچہ آپ نے چھاپہ مار دستے بھیجنا شروع کر دیئے جس نے مسلمانوں میں جنگ کا حوصلہ پیدا کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی انھیں ہتھیاروں کے استعمال کا عادی اور مشاق بنا دیا۔ کبھی یہ چھاپہ مار دستے حضرت حمزہ یا ابوعبیدہ کی سرکردگی میں جاتے اور کبھی خود حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سالار ہوتے۔

لیکن قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فوجی معاملات کا کوئی تجربہ نہ رکھنے کے باوجود ہر چھوٹی بڑی جھڑپ اور لڑائی جن میں حصہ لیا۔ ایک جنرل ہونے کی اعلیٰ ترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ آپ بہادر بھی تھے اور عمر رسیدہ ہونے کے باوجود اپنے نوجوان سے نوجوان سپاہیوں کے ساتھ ہر صعوبت اور تکلیف برداشت کرنے کا حوصلہ بھی رکھتے تھے۔

THE MESSENGER 260/61/62/64/65

محمد رسول اللہ، کرنل آر وی سی باڈلے، ص ۲۶۰/۶۱/۶۲/۶۴/۶۵

عصر قدیم کے ایک جرنیل سن زو (SUNZU) نے ایک کامیاب ترین سپہ سالار اور بہترین جرنیل کی خصوصیات یہ بیان کی ہیں۔

برتر و کمتر درجے کی فوجوں کو لڑانے کی ہنر سے واقفیت، دشمن کی طاقت کا صحیح اندازہ لگانے کی خوبی، مشکلات، خطرات اور فاصلوں کے صحیح اندازہ لگانے کی بصیرت۔ اپنے فوجیوں، سپاہیوں اور جوانوں سے اپنی اولاد کی طرح محبت، نازک ترین حالات میں شجاعت کے اعلیٰ ترین مظاہرے کی صلاحیت۔

اور عصر جدید کے ماہرین دفاع کے نزدیک ایک لائق

ترین سپہ سالار کے جوہر ذاتی اور اس کے اوصاف کا خلاصہ یہ ہے۔

انسانیت کا علم اور اس سے خصوصی لگاؤ، فتح کا عزم محکم، شجاعت، تدبر، تحمل، دانش مندی، حوصلہ مندی، خود اعتمادی، اور دوسروں میں اعتماد پیدا کرنے کی صلاحیت، ایسی شخصیت جو جوانوں کے لئے منبع فیض ہو۔ بلند خیالی، فراخ دلی، ذہنی و جسمانی چستی و توانائی، انتظامی مہارت، اپنے اور دشمن کے فوجوں کی صلاحیت اور حالات کا وسیع علم، جوانوں کو فوجی تربیت دینے کی صلاحیت اور جذبۂ عفو و کرم۔ (رسول اللہ کا حرب و ضرب از میجر جنرل افضل مقیم)

عصر قدیم و جدید کے ماہرین حرب کے ان آراء کو سامنے رکھ کر سید العرب والعجم حضور روحی فداہ سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ خصوصاً آپ کے حرب و ضرب اور دفاعی یلغار کو سامنے رکھ کر تجزیہ کیجئے کہ ایک جنگی ماہر اور سپہ سالار کی حیثیت سے آپ اس معیار پر پورے اترتے ہیں یا یہ کہ یہ معیار ہی آپ کی ذات جامع الصفات سے فروتر دکھائی دیتا ہے۔

بے مثالی کی ہے مثال وہ حسن
جلوۂ یار کا جواب کہاں

یوں تو حضور سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر غزوہ، ہر لڑائی، ہر جنگ آپ کی فوجی بصیرت، جنگی مہارت اور زیر دست عسکری قیادت کی انفرادیت اور بے مثالی کی آئینہ دار ہے۔ فاتح بدر و حنین نے ہر محاذ پر اپنی خداداد عسکری قیادت کی عبقریت کا خراج اہل عرب سے لیا جن کے ذکر سے تاریخ کے صفحات فروزاں ہیں۔

جی تو یہ چاہتا تھا کہ دو چار جنگوں کے قدرے تفصیلی حالات پیش کر کے اس کے اہم گوشوں پر جنگی نقطۂ نظر سے گفتگو کی جائے۔ مگر میری بے پناہ مصروفیات کے ساتھ استقامت کے زیر عنوان صفحات کی قلت آرزوئے شوق کی تکمیل میں دیوار بنی ہوئی ہے۔ اس لئے اب ہم صرف ایک جنگ پر اکتفا کرتے ہوئے قدرے تفصیل سے اس پر گفتگو کر کے اپنی بات ختم کریں گے۔

ہجرت کے بعد باقاعدہ تصادم کے ابتدائی دور میں لڑی جانے والی یہ جنگ اسلامی تاریخ میں ایک عظیم اور یادگار اہمیت کی حامل ہے جس کی عظمت کی یادگاروں پر زمانے کا کوئی انقلاب اثر انداز نہ ہو سکا۔

۳ھ نبوی میں لڑی جانے والی یہ جنگ کہ جس میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعلیٰ ترین جرنیل کی حیثیت سے انسانی تاریخ کے افق پر نمایاں نظر آرہے ہیں۔ اور آپ کی عسکری قیادت کا نقطۂ عروج تاریخ حرب و ضرب کو انگشت بدنداں کئے ہوئے ہے۔ یہ جنگ تاریخ میں "جنگ احد" کے نام سے "بدر" ہی کی طرح بہت مشہور ہے۔ ہجرت کے تیسرے سال یعنی جنگ بدر سے ایک سال بعد اہل مکہ بظاہر بدر کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے پوری تیاریوں کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں بالخصوص پیغمبر امن و امان صلی اللہ علیہ وسلم کو نیست و نابود کرنے کے لئے مدینہ پر چڑھائی کے لئے چل پڑے۔ اگرچہ مکہ میں کچھ اہل محبت سرکار دو عالم کے اشارے پر کفار مکہ کی ہر آن منصوبہ بندیوں کی آگہی کے لئے رہ گئے تھے مگر خلاف معمول اس بار غیر معمولی تاخیر ہوئی۔

یوں تو اصحاب سیر و مغازی نے ہر غزوہ کا الگ الگ کوئی نہ کوئی سبب لکھا ہے۔ مگر دراصل تقریباً ہر غزوے کا ایک ہی بنیادی سبب تھا، یعنی دین نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کو روئے زمین سے نیست و نابود کر دینا۔ مشرکین عرب اور کفار قریش کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر حال اور ہر آن جنگ لڑنی تھی ہر لڑائی کے لئے الگ الگ معمولی سبب۔ یہ تو گرنے کو ٹھیلنے کا بہانہ تھا۔

سرکار دو جہاں مسجد قبا میں تشریف فرما تھے کہ مکہ سے بذریعہ خط یہ خبر وحشت اثر ملی کہ کفار مکہ تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدینہ پہنچنے ہی والے ہیں۔ یہ اطلاع سرکار نے اپنے ہی حد تک محدود رکھی تاکہ شہر میں خوف و ہراس نہ پھیل جائے۔

عبداللہ بن ابی منافق ہی صرف اس خط کے مضمون سے آگاہ تھا مگر سرکار نے اسے سختی کے ساتھ تاکید کر دی تھی کہ یہ خبر اپنے ہی تک محدود رکھنا۔ دوسرے دن آپ نے مسلمانوں کو مشورہ طلب کرنے کی غرض اکٹھا کیا کہ دشمن کا مقابلہ اور مدینہ کا دفاع کس طرح کیا جائے۔ حضور خود شہر بند ہو کر لڑنا چاہتے تھے۔ عمر رسیدہ اور تجربہ کار لوگوں کا بھی یہی مشورہ تھا۔ خود ابن ابی (منافق) کی بھی یہی رائے تھی کہ دشمن کی

تعداد اور اچانک حملے کے پیش نظر شہر کے اندر رہ کر دفاع کیا جائے۔ مگر نوجوان طبقہ خصوصًا وہ لوگ جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ جنھیں جوش زیادہ ہوش کم تھا، ان کے اسرار پر اہل الرائے کی اکثریت نے فیصلہ نوجوانوں کے حق میں دے دیا۔ البتہ منافقین کا سردار ابن ابی آخر وقت تک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم خیال رہا کہ شہر بند ہو کر ہی دفاع کیا جائے۔ لیکن وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کے مطابق اکثریت کے فیصلے کا لحاظ کرتے ہوئے آپ حجرے کے اندر تشریف لے گئے اور جنگی لباس زیب تن فرمایا۔ سینے اور پشت پر چار آئینہ لگایا۔ بائیں طرف چمڑے کی پیٹی میں تلوار لٹکائی۔ ہاتھ میں کمان۔ سر پہ لمبی نوک کا خود اور اس کے گرد سیاہ عمامہ باندھا۔ شانے سے لٹکتی ہوئی ڈھال نے اسلحے کی تکمیل کر دی۔ پورے جنگی لباس میں جب آپ باہر تشریف لائے تو صحابہ کو احساس ہوا کہ شاید ہمارا شہر سے باہر نکل کر لڑنے کا فیصلہ خاطر اقدس کو ناگوار ہوا۔ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان جو مرضی مبارک ہو اسی پر عمل کیا جائے ہم ہر حال میں راضی برضا ہیں۔

سید العرب والعجم مالک رقاب امم حضور پر نور روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"پیغمبر کے لئے یہ زیبا نہیں کہ ہتھیار پہن کر اتار دے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ کر دے۔ اگر تم لوگوں نے میدان جنگ میں صبر سے کام لیا تو ضرور تمہاری ہی فتح ہوگی۔"

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینہ سے باہر نکلے تو آپ کے ساتھ ایک ہزار کا لشکر تھا۔ جس میں یہودی، منافقین اور مشرکین عرب کی بھی ایک مختصر تعداد تھی۔ سرکار نے مسلمانوں کے علاوہ اور کسی کو اس جنگ میں شرکت کی اجازت نہ دی۔ یہودی اور مشرکین عرب کے ساتھ عبداللہ بن ابی منافق بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر یہ کہتا ہوا نکل گیا۔ چونکہ شہر بند ہو کر لڑنے کی میری بات نہیں مانی گئی لہٰذا میں بے فائدہ اپنے آدمیوں کو نہیں کٹوانا چاہتا۔

اب مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو رہ گئی، جب کہ قریش مکہ کی جمعیت تین ۳ ہزار تھی جس میں سات سو صرف زرہ پوش تھے جن کے پاس دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے۔ مزید براں تقریبًا ڈیڑھ درجن پر مشتمل مکہ کی اعلیٰ سوسائٹی کی حمیت انگیز اور غیرت خیز حسین خواتین رجزیہ اشعار پڑھ پڑھ کر نوجوانوں کو آمادۂ قتال رکھنے کے لئے سرگرم تھیں۔

نحن بنات طارق	نمشی علی النمارق
ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں	ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں
ان تقبلوا نعانق	ان تدبروا نفارق
اگر تم بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گے	اور اگر پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گے

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوجوں کے ساتھ پہلے سیدھے مشرق کا رخ کیا۔ پھر تھوڑا سا بائیں مڑ کر کوہ احد کے جنوب مشرقی کونے کی چھوٹی سی گھاٹی سے داخل ہو کر احد کے میدان میں باربرداری کا اونٹ چھوڑتے ہوئے احد کے جنوب کی گھاٹی سے نکل کر مغربی کونے پر صف آرا ہوئے جہاں سے مکی لشکر سامنے نظر آ رہا تھا۔ آپ کی صفوں کا داہنا کنارہ احد سے ملا ہوا تھا اور بایاں کنارہ وادی قناۃ تک پھیلا ہوا تھا۔ اس طرح صف آرائی میں آپ کی فوجوں کا رخ مغرب اور جنوب مغرب کی جانب تھا اور مدینہ قدرے بائیں طرف اور احد آپ کے داہنے ہاتھ پر تھا۔ احد کا وہ میدان جس میں اب عمارتیں بن گئی ہیں عقب میں تھا۔ بائیں اور پیچھے جبل عینین (جسے اب جبل رماۃ کہا جاتا ہے) تھا۔ اس دو گنبدی پہاڑی پر آپ نے پچاس مشاق اور نشانہ باز تیر اندازوں کا دستہ متعین فرمایا تاکہ اگر وادی قناۃ کے راستے سے ہوتا ہوا دشمن کا کوئی دستہ حملہ آور ہو تو اسے تیروں کی بوچھاروں سے روکا جا سکے۔ آپ نے دونوں پہلوؤں کو اس حسن تدبیر سے محفوظ کر لیا کہ دشمن کا مضبوط ترین ساز و سامان سے آراستہ لشکر بے بس ہو کر رہ گیا۔ احد کی عمودی چٹان آپ کے پشت کی طرف سے دفاع کا بہترین فریضہ انجام دے رہی تھی۔ اپنے سے تین گنا زائد دشمن کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے احد کے میدان کا یہ انتخاب آپ کی بے پناہ عسکری قابلیت کی آئینہ دار ہے۔

جبل رماۃ پر اپنے تیر اندازوں کو مقرر فرماتے وقت بار بار ہدایت دیتے رہنا کہ دیکھو چاہے ہم جنگ ہاریں یا جیتیں خبردار خبردار تم اپنی جگہ سے ہرگز ہرگز نہ ہٹنا۔ فوج کے سپہ سالار کی حیثیت سے آپ کی تیز اور باریک نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ یہ پہاڑی جس پر تیر انداز

مقرر کئے جا رہے ہیں یہی ایک راستہ ہے جو قطعاً غیر محفوظ ہے۔ یہی وہ راستہ ہے کہ ہر وقت لشکر اسلام دشمن کی زد پر رہے گا۔ آپ نے خالد بن ولید کے تیزی کے ساتھ حرکت کرنے والے دستے کا خطرہ محسوس کر لیا تھا۔ اسی لئے آپ ان تیر اندازوں کو بار بار تاکید فرماتے تھے۔ بعض روایتوں میں یہاں تک آیا ہے کہ تم ہمارے جسموں کو دیکھو کہ گدھ نوچ رہے ہیں پھر بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔

دشمن کی کثرت تعداد اور اپنی قلت و بے سرو سامانی کے باوجود دفاعی تدبیروں اور خدائے ذوالجلال کی تائید و نصرت اور لشکریوں کے بڑھے ہوئے حوصلوں کو دیکھتے ہوئے امر یقینی تھا کہ اگر ہدایات پر پوری طرح عمل کیا گیا تو مسلمانوں کی فتح ہو کے رہے گی۔

چنانچہ ہوا بھی یہی۔ جس وقت آپ مسلمانوں کو صف آرا کر رہے تھے، قریشی لشکر بھی نیچے میدان میں پہنچ چکا تھا۔ دونوں طرف کی فوجوں نے آمنے سامنے مورچے جمالئے اور عربی طرز کی لڑائی کا پہلا مرحلہ شروع ہوا۔ قریشی لشکر کا موروثی پرچم بردار طلحہ سب سے آگے بڑھا اور مبارزت کے لئے مسلمانوں کو للکارا۔ لشکر اسلام سے حضرت زبیر یا حیدر کرار علی شیر خدا نکلے۔ حالانکہ طلحہ اور علی کا کوئی جوڑ نہیں تھا۔ فیل پیکر طلحہ کے مدمقابل ایک نوخیز نوجوان کھڑا ہوا تھا حیرت تو دوست اور دشمن دونوں کو تھی۔ مگر جب شاہِ مرداں، شیر یزداں، قوتِ پروردگار کی تلوار لہرائی۔ ایک بجلی کوندی آنکھیں جھپکیں اور جب حیرت کا طلسم ٹوٹا تو دشمن کے علمبردار کا سر اس کے شانوں سے اچھل کر دور تک لڑھکتا ہوا دیکھا گیا۔ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ مسلمانوں نے اس کا جواب دیا تو احد کی پہاڑیوں کی گونج سے باطل نے اپنے سینے میں اس کی دھمک محسوس کی۔ طلحہ کے بعد اس کا بھائی ابو طلحہ آیا وہ پلک جھپکتے جہنم رسید ہوا یہاں تک آٹھ شہسواران قریش وصنادید عرب جوش انتقام میں بھرپور اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لئے آگے بڑھتے رہے۔ اسلام کی تلوار لہراتی رہی، بجلی چمکتی رہی۔ سروں کے فیصلے ہوتے رہے۔ ہر بار احد مسلمانوں کے نعروں سے گونجتا رہا۔ لشکر قریش کا سردار ابو سفیان اس منظر کی تاب نہ لاسکا اور عام حملے کا حکم دے دیا۔ ادھر مسلمان مجاہدین بھی اپنی صفوں میں بے چین تھے۔ ان کے بہادروں کے ابتدائی کارناموں نے ایک اور بدر کا نقشہ جما دیا تھا۔ دونوں فوجیں ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں۔ مسلمانوں کے جوش وخروش، عزم وحوصلہ اور بڑھے ہوئے فاتحانہ جذبوں کی یلغار نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اہل مکہ کے قدم اکھڑ گئے۔ فوجیں تتر بتر ہونے لگیں۔ مسلمانوں کی جانبازی اور مجاہدانہ خروش کے آگے افرادی قوت، تعداد کی کثرت اور اسلحہ کی برتری کچھ کام نہ آئی۔ خالد بن ولید کا طوفانی دستہ بھی ناکام رہا وہ جب بھی پشت سے حملے کے لئے آگے بڑھتا، ماہرانہ انداز میں متعین شدہ تیر انداز انھیں چھید کر رکھ دیتے۔ حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت عمر، حضرت زبیر جیسے بہادران اسلام اپنی ہلاکت خیز تلوار کے ساتھ ہر جگہ موجود رہتے۔

تعداد کی قلت اور بے سرو سامانی کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عسکری قیادت کا جلوہ پورے عروج پر تھا۔ کفار حوصلہ ہار بیٹھے۔ شکست وریخت کے آثار ظاہر ہونے لگے اور دیکھتے دیکھتے ان کے قدم میدان جنگ سے اکھڑ گئے۔ ان میں بھگدڑ ایسی مچی کہ اپنے پڑاؤ سے بھی پیچھے ہٹ گئے۔

کفار قریش کی اس کھلی ہوئی بدترین شکست پر مسلمان ان کا تعاقب کر کے انھیں گرفتار یا قتل کرنے کے بجائے مال غنیمت لوٹنے میں لگ گئے۔ جبل رماۃ پر متعین شدہ تیر اندازوں نے دیکھا کہ لڑائی ختم ہوگئی ہے اور ہمارے مسلمان بھائی مال غنیمت حاصل کرنے میں لگے ہوتے ہیں تو وہ بھی اپنے آپ کو روک نہ سکے۔ حالانکہ ان کے افسر عبداللہ بن جبیر نے بہت روکا۔ حضور کا بار بار تاکیدی فرمان یاد دلایا۔ مگر نیچے منظر ہی ایسا تھا کہ ایک عام عرب (وہ بھی ہجرت کے ابتدائی دور کا مختصر سا فیض صحبت اٹھایا ہوا) اسے دیکھ کر رک ہی نہیں سکتا۔ دستے کے کمانڈر حضرت عبداللہ بن جبیر اور ان کے صرف چند ساتھیوں کو چھوڑ کر باقی سب لوگ پیچھے دیکھے بغیر نہایت بے ترتیبی کے ساتھ نیچے میدان کی طرف دوڑے اور دم لئے بغیر مال غنیمت کے لوٹنے میں بھڑ گئے۔

خالد بن ولید جس نے اگرچہ فوجی تربیت حاصل نہیں کی تھی مگر اس شخص کے اندر فوجی قیادت کی ایک فطری صلاحیت تھی۔ وہ فطرۃً جنگجو اور دلیر شہسوار تھے۔ نیزے اور تلوار کو اسی مہارت سے چلا سکتے تھے جس مہارت سے وہ اپنی فوج کو لڑا سکتے تھے۔ دوران جنگ ان کی نظر ہر وقت تیر اندازوں پر رہی۔ وہ جب بھی ان کی طرف سے تساہل دیکھتے فوراً اپنے دستے کے ساتھ ان کی طرف چڑھ دوڑتے۔ یہ الگ بات ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ تیر انداز تیروں کی بارش کرکے ان کی ہر کوشش ناکام کردیتے۔

میدان احد میں سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس انداز میں اپنی صفوں کو ترتیب دیا تھا۔ اس سے بہتر ترتیب ممکن ہی نہیں تھی۔ اس انداز صف آرائی پر دشمن بھی خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور تھا۔ اور ہر وہ انسان جس کو حرب وضرب میں ذرا بھی شدھ بدھ ہے غزوۂ احد کی پیش بندی پر عش عش کرتے ہوئے اس بے سروسامان فوج کے سپہ سالار کو خراج عقیدت پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جبل رماۃ پہ تیر اندازوں کا متعین فرمانا آپ کی خداداد فطری عسکری قیادت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

بالفرض جبل رماۃ پر اگر تیر انداز دستہ نہ ہوتا تو کیا خالد بن ولید کا طوفانی رسالہ جنگ کا فیصلہ اتنی جلدی اور وہ بھی مسلمانوں کے حق میں کر دیتا ؟

چنانچہ خالد بن ولید نے جب دیکھا کہ تیر اندازوں نے اپنی جگہ چھوڑدی ہے اور اب اس کے بازو اور عقب کا راستہ کھل گیا ہے تو وہ اپنے طوفانی دستے کو لے کر فوراً پلٹے۔ اور مسلمانوں کی غیر منظم صفوں پر ٹوٹ پڑے۔ یہ حملہ اس قدر اچانک اتنا شدید، حیران کن، طوفانی اور جان لیوا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے لڑائی کا نقشہ ہی بدل گیا۔ مسلمان فتح کی خوشی میں مگن ہوکر مال غنیمت اور اسلحہ کے حصول میں اس قدر منہمک تھے کہ گردوپیش سے بے خبر ہوگئے تھے جنہیں خالد کے نیزہ بازوں نے اپنے نیزوں کی باڑھ پر رکھ لیا۔

مکہ کی شکست خوردہ فوج نے جب دیکھا کہ خالد نے جنگ کا پانسہ ہی پلٹ دیا ہے تو وہ بھی واپس ہوگئی۔ اب مسلمانوں پر دوطرفہ حملہ ہوگیا۔ گویا مسلمان دوچکی کے پاٹ میں پھنس گئے۔ باربار تاکیدی فرمان کے باوجود تیر اندازوں کی اس بھیانک غلطی نے جیتی ہوئی جنگ کا رخ بدل دیا۔ اچانک طوفانی حملے نے مسلمانوں کو حواس باختہ کردیا۔ ذہنی طور پر غیر حاضر ہوکر لڑ رہے تھے۔ اس لئے وہ قتل کرنے کے بجائے شہید زیادہ ہو رہے تھے۔

اسلامی لشکر کے سپہ سالار سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ مسلمانوں پر حملہ دوطرفہ ہوگیا تو آپ نے اپنے لشکر کی دوبارہ تنظیم شروع کردی۔ گھمسان کی رن میں وہ بھی نازک ترین حالات میں گھری اور پلٹتی ہوئی فوج کو دشمن کے نرغے سے نکال کر انہیں الگ سے دوسرے محاذ پر قائم کرنا یہ معمولی کارنامہ نہیں۔ جب کہ لوگ بے ترتیب ہوکر ادھر ادھر بکھرے تھے اور کچھ دشمن کے تعاقب میں دور تک نکل گئے تھے۔

آپ نے بلند آواز سے پکار کر دوبارہ فوج کو اپنے گرد جمع ہونے کا حکم دیا۔ ارشاد فرمایا۔

یہاں ہوں میں اللہ کا رسول۔ یہاں آؤ۔ میرے پاس لوٹ آؤ۔ اے فلاں۔ اے فلاں۔ آؤ میری طرف۔
میں یہاں ہوں اللہ کا رسول۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا محافظ دستہ جو سات انصار اور سات مہاجر کل چودہ آدمیوں پر مشتمل تھا آپ کے ساتھ ہی موجود تھا۔ دشمن کا زور بھی آپ ہی کی طرف زیادہ تھا۔ وہ تو آپ کو مارنے کے لئے سَو بار مرنے کو تیار تھے۔ وہ تو چاہتے یہی تھے کہ شمع نبوت جلد گل ہو۔ مگر آپ کے جاں نثاروں، شمع نبوت کے پروانوں نے بھی آپ کے گرد اپنے جسموں کا بڑا مضبوط حصار قائم کردیا۔ انسانی تاریخ میں ایسے جاں نثاروں کی مثال دور دور تک نہیں ملتی۔ ایسا تو بہت ہوا ہے کہ اپنے سردار، اپنے سپہ سالار، اپنے بادشاہ کو بچانے کے لئے بہتوں نے جان دی ہے۔ ان دیکھے حملے اور اندھیرے کی تیر نے ان کی جان کو ممدوح کے قدموں میں ڈال دی۔ مگر کیا ایسا بھی ہوا ہے کہ ماتھے کی آنکھیں سنسناتے تیر، چمکتے نیزے، لہراتی تلواریں، اور فضا کی کوندتی بجلیاں دیکھ رہی ہیں اور محبوب تک پہنچنے سے پہلے ہی اپنی چھاتیوں، سینوں، پشتوں کو ان کے درمیان حائل کردیا ہو؟ ؎

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

چشم فلک نے بھی اتنا حیرت زا اور اثر آفریں منظر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہوگا۔ تاریخ ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ بڑے بڑے بہادران اسلام اور نامور صحابہ اس جنگ میں شہید ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامور شفیق اور مہربان چچا حضرت حمزہ، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت زیاد بن مسکن وغیرہ۔ نشتر نفوس قدسیہ نے اسلام کی ڈوبتی ابھرتی نیم جاں رگوں میں اپنا گرم ابلتا ہوا تازہ لہو ڈال کر اسلام کو حیات نو کی تازگی بخشی۔

جب اللہ کے مقدس رسول اور مدنی لشکر کے سپہ سالار نے بلند آواز سے پکارا کہ میں یہاں ہوں تو آپ کی آواز سن کر کچھ لوگ آپ کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے۔ آپ ان کو دوبارہ منظم کرکے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے اور دشمن کے پے درپے حملے روکتے رہے۔ دشمن کا دباؤ آپ کی ذات پر اتنا شدید تھا کہ آپ زخمی ہو گئے۔ دندان مبارک شہید ہوگئے۔ اور چہرۂ اقدس پر خود کی کڑیاں پیوست ہوگئیں۔ اپنی اور سارے مسلمانوں کی تمام تر خستہ حالی کے باوجود اپنی کامیاب دفاع کرتے ہوئے کوہ احد کے جنوبی حصے کی بلندی پر پہنچ گئے جس سے دشمن ناکام ہو کر رہ گیا۔ بائیں جانب سے قریش کے ایک دستے نے برابر کی بلندی سے حملے کی کوشش کی مگر حضور نے حضرت عمر کو چند مہاجر دے کر دشمن کو بھگا دیا۔

اسی درمیان یہ افواہ اڑ گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے اور یہ غلط خبر مدینہ تک پہنچ گئی۔ وہاں سے حضرت فاطمہ الزہراء، عائشہ صدیقہ اور بہت ساری عورتیں میدان جنگ میں پہنچیں جن میں انصار مدینہ کی ایک ایسی خاتون بھی تھیں جن کے باپ، بھائی، شوہر تینوں شہید ہو گئے تھے۔ انھوں نے آتے ہی پوچھنا شروع کیا کہ رسول اللہ کا کیا حال ہے؟ ان سے کہا گیا۔ تمہارا باپ شہید ہو گیا۔ بولیں کوئی بات نہیں۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ میرے رسول کا کیا حال ہے؟ انھیں بتایا گیا کہ تمہارا شوہر بھی شہید ہو گیا۔ کہنے لگیں مجھے اس کی بھی فکر نہیں۔ صرف یہ بتاؤ کہ میرے آقا و مولیٰ اللہ کے مقدس اور آخری رسول کیسے ہیں؟ انھیں پھر بتایا گیا کہ تمہارا بھائی بھی شہید ہو گیا۔ فرمانے لگیں۔ خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ بس ہمیں اللہ کے رسول کی خیریت سب سے پہلے چاہئے۔ جب انھیں بتایا گیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حفظ و امان میں ہیں تو انھوں نے خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ جب سرکار موجود ہیں تو پھر اس خوشی کے آگے سارے جہان کا غم کچھ بھی نہیں۔

حضرت فاطمہ الزہرا نے آتے ہی سرکار کا زخم دھونا شروع کر دیا۔ عائشۂ پاک نے فوجیوں کو پانی پلایا۔ حضور کے زخموں کی جراحی اور مرہم پٹی جوں ہی ختم ہوئی آپ نے ایک نیا خود سر پر رکھا اور نیچے کی طرف دیکھنے لگے کہ کیا ہو رہا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی مسلمان شہدا کی لاشوں کو بہت غور سے دیکھ رہے ہیں۔ غالباً وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ قتل ہونے والوں میں خاص خاص چہرہ کون سا ہے۔ لیکن حضرت حمزہ اور مصعب بن عمیر کے علاوہ مزید کسی خاص الخاص صحابی کی نعش دستیاب نہ ہو سکی۔

کچھ دیر تک ابوسفیان ڈھلتی دھوپ میں احد کے چمکتی اطراف پر نظر دوڑاتا رہا۔ ایک چٹانی شگاف کے پاس چند لوگوں کو دیکھ کر ہانک لگائی۔

کیا تم میں محمد ہیں؟ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جواب میں سرکار نے خاموش رہنے کا اشارہ فرمایا۔

پھر چلایا۔ کیا تم میں ابوبکر ہیں؟ سرکار کی مرضی کے مطابق مسلمان پھر خاموش رہے۔

پھر الاپا۔ کیا تم میں عمر ہیں؟ صحابہ خاموش رہے۔ اور جب ادھر سے کوئی جواب نہ ملا تو اس نے کہا چلو اچھا ہوا کہ یہ سب کے سب مر گئے۔ (معاذ اللہ رب العلمین)۔

عمر فاروق اعظم اس طعنے کو برداشت نہ کر سکے۔ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور بلند آواز میں جواب دیا۔ او دشمن خدا ہم میں سے ہر ایک زندہ ہے اور تم سے لڑنے کے لئے ہر دم تیار۔ مگر ابوسفیان نے جوابی حملہ کے بجائے یہ جواب دیا کہ آج ہم نے بدر کا بدلہ لے لیا ہے۔

یہ ہبل کی کرامت ہے۔ ہبل ہمارا ہے تمہارا نہیں۔

حضرت عمر نے جواب دیا۔ اللہ ہمارا ہے تمہارا نہیں۔

ابوسفیان نے نعرہ لگایا اُعْلُ هُبَلْ اُعْلُ هُبَلْ اے ہبل تو سربلند ہوجا۔ اے ہبل تو سربلند ہوجا۔

حضور کے اشارے پر مسلمانوں نے نعرہ لگایا اَللّٰهُ اَعْلٰی وَاَجَلّ اللہ بلند تر اور بزرگ تر ہے۔

ابوسفیان نے کہا لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ ہمارے لئے عزیٰ (بت) ہے اور تمہارے لئے کوئی عزیٰ نہیں ہے۔

حضور کے سکھانے پر صحابہ نے جواب دیا اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

اس مکالمہ کے بعد ابوسفیان نے اپنے لشکر کو جمع کیا اور مکہ کی طرف کوچ کر گیا۔ جوں ہی قریشی لشکر کا آخری سپاہی نظروں سے اوجھل ہوا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بڑی احتیاط کے ساتھ اپنے حفاظتی دستہ کو لیکر پہاڑ سے نیچے اترے کہ یہ کہیں دشمن کی کوئی جنگی چال نہ ہو۔ مگر شہداء کو دیکھنے اور ان کی تکفین و تدفین کی فکر بھی دامنگیر تھی۔

آپ اپنے محبوب چچا حضرت حمزہ کی اعضاء بریدہ نعش اور مصعب جیسے وفا پیشہ بہادر سردار اور دیگر جاں نثاروں کی لاشوں کو دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے۔

آپ نے حکم دیا کہ جو جہاں ہے اسے وہیں دفن کر دیا جائے تاکہ یہ رہتی دنیا تک زبان حال سے اپنی وفاداری اور اسلام کی صداقت کی شہادت دیتے رہیں۔

میدان احد میں ستر سے زیادہ قبریں اسلام کی صداقت اور مصطفےٰ جان رحمت کی ذات والاصفات سے شدید وابستگی، حب رسول اور اپنے جذبۂ عشق و وفاداری کی شہادت دے رہی ہیں۔

ع۔ ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

لاکھوں کروڑوں سلام اور خدا کی بے پناہ رحمتیں ہوں۔ اے غازیان احد تم پر کہ تمہارے خون کی سرخی سے آج بھی اسلام کی بہاروں کا سہاگ قائم ہے۔ خدائے غافر وقدیر تمہاری تربتوں پر صبح وشام انوار کی بارش فرمائے۔

شہداء کی تجہیز وتکفین کے بعد اپنی بچی کھچی مختصر سی فوج لیکر آپ مدینہ واپس آگئے۔ آپ کو خدشہ تھا کہ کہیں ابوسفیان مدینہ پر حملہ نہ کر دے۔ اگر ایسا ہوا تو اسے خدا کی ذات کے سوا کوئی روک نہیں سکتا۔ آپ اپنے گھر تشریف لائے جہاں ازواج مطہرات بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار فرما رہی تھیں۔ انھوں نے کپڑے بدلوائے۔ کھانا پیش کیا۔ آپ کھانا تناول فرما کر آرام فرما ہوئے۔ آپ کافی تھکے ہوئے تھے اور بڑی تکلیف بھی محسوس کر رہے تھے۔ لیکن آپ بددل اور مایوس ہرگز نہیں تھے۔ مناسب وقت تک آرام فرمانے کے بعد آپ نے تازہ دم ہوکر دوبارہ ہتھیار لگائے اور حضرت بلال کو حکم دیا کہ لوگوں کو جمع ہونے کے لئے اذان دیں۔ مسجد میں سب لوگوں کے جمع ہو جانے کے بعد آپ نے نماز پڑھی اور اعلان کیا کہ ہم فوری طور پر قریش کے تعاقب کے لئے نکل رہے ہیں۔ ابھی حیرانی کا وقفہ طویل بھی نہیں ہوا تھا کہ آپ لب کشا ہوئے۔ "اس تعاقب میں صرف وہی لوگ شریک ہو سکتے ہیں جو کل جنگ میں شریک تھے۔"

یہ فرمان جاری فرما کر آپ اپنے تھکے ماندے زخمی سپاہیوں کو لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ سپہ سالار عساکر سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے خیالات بہت صحیح تھے۔ کیونکہ ابوسفیان مدینہ سے آٹھ دس میل دور روحاء کے مقام پر ٹھہر کر مدینہ پر حملہ کی تیاریوں میں مصروف ہوگیا تھا۔

اگر آپ کے تعاقب اور مسلمانوں کے جوش وجذبہ غم وغصہ اور قہر وجلال کی خبر سے ہیبت زدہ اور مرعوب نہ ہو جاتا تو اس کا بے خبری میں پلٹ کر حملہ یقینی تھا۔

کرنل آر وی سی باڈلے (انگریز مورخ) کا اس جنگ پر ایک پیراگراف ملاحظہ ہو۔ اپنی تصنیف THE MESSENGER میں رقمطراز ہے۔

جنگ کے دوسرے دن رات کا اندھیرا ہوتے ہی اسلامی لشکر نے قریش کی فوج کو جالیا۔ (ابن جریر طبری کے مطابق آپ حمراء الاسد (جو مدینہ سے آٹھ میل دور ہے) تک تعاقب فرمایا اور تین روز تک وہاں قیام فرمایا۔ کیونکہ ابوسفیان تھوڑی ہی دور روحاء کے مقام پر ٹھہر کر دوبارہ مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا۔ لیکن جب اسے معبد الخزاعی سے (جو در اصل حضور ہی کے فرستادہ تھے، اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر سرکار کے حلیف اور دلی طور پر آپ کی بہتری کے خواہاں تھے) مسلمانوں کے تعاقب کی خبر ملی تو ان کے عزم وحوصلہ سے مرعوب اور خوفزدہ ہو کر بھاگ گیا۔) آپ نے قریش کے لشکر سے کچھ فاصلے پر ٹھہرنے کا حکم دیا۔ اور رات کو پڑاؤ کیا۔ جب تاریکی پھیل گئی تو آپ کے حکم سے دشمن کے کیمپ کے متوازی اونچی ٹکڑیوں پر سیکڑوں جگہ پڑاؤ کی آگ روشن کی گئی۔ (طبقات ابن سعد کے مطابق پانچ سو جگہ پہ آگ روشن کی گئی۔) نتیجہ بالکل آپ کے منشاء کے مطابق نکلا۔ (ابوسفیان سپہ سالار عساکر قریش) نے یہ سمجھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ سے مزید فوج اکٹھا کی ہے۔ چنانچہ وہ ڈیرا ڈنڈا سنبھالا کے جنوب کی سمت تیزی سے روانہ ہوگیا اور جب تک مکہ پہنچ کر فصیل کے اندر داخل نہ ہوگیا اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھا۔ جب آپ مطمئن ہوگئے کہ آپ کی چال

پوری طرح کامیاب ہو گئی تو آپ پلٹے اور تیزی سے مدینہ واپس آگئے اور لوگوں کو باور کرایا کہ اہل قریش اب بھی اتنے ہی بزدل ہیں جتنے کہ بدر میں تھے۔ غالباً یہ کارنامہ حضرت محمد کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ تھا۔ آپ نے یہ قدم اٹھا کر یہ ظاہر کر دیا کہ آپ کو انسانی نفسیات سمجھنے اور اس کے مطابق لوگوں سے کام لینے کا کتنا زبردست ملکہ حاصل تھا۔ حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو احد میں بڑی ہزیمت اٹھانی پڑی تھی۔ گو اس میں ان کی اپنی کوئی غلطی نہیں تھی اور یہ آپ کے احکام کی نافرمانی کا نتیجہ تھا (یعنی جبل رماۃ پر تیر اندازوں کا بغیر اجازت اپنی جگہ چھوڑ دینا۔) لیکن بہر صورت آپ ہار گئے تھے۔ اور لوگوں کی نظروں میں بحیثیت پیغمبر آپ کا وقار کچھ گر گیا تھا اور اگر آپ شکست تسلیم کر لیتے تو مزید گرنے کا احتمال تھا۔ چنانچہ آپ نے شکست تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس سے پہلے کہ عورتیں سپاہیوں کے گرد جمع ہو کر بے سروپا باتیں بنائیں آپ نے ان کو صف آرائی کا حکم دے دیا۔ حالانکہ آپ زخمی تھے۔ جسم میں اکڑاؤ تھا۔ بہت تھکے ہوئے تھے اور آپ کی عمر بھی پچپن سال کی ہو چکی تھی۔ لیکن آپ فوراً گھوڑے پر سوار ہو گئے اور اس طرح روانہ ہوئے گویا کہ آپ کسی ہارے ہوئے اور پست دشمن کے تعاقب میں جا رہے ہیں۔ یہ ایک بے مثال جنگی تدبر اور شاندار نفسیاتی اقدام تھا۔ جو ایک تباہ شدہ فوج کا حوصلہ بحال کرنے کے لئے کسی بڑے سے بڑے جرنل کے ذہن میں شاید ہی کبھی آیا ہو۔

چنانچہ جب آپ مدینہ لوٹے تو نہ آپ نے آرام کیا اور نہ ہی کسی شکست خوردگی کا مظاہرہ کیا بلکہ اس کے برخلاف آپ نے ایک تحکمانہ اور تہدید آمیز رویہ اختیار کیا۔ شکرانے کی نماز پڑھاتے ہی آپ منبر پر تشریف لے گئے اور تقریر کی۔ آپ نے لوگوں کو بتایا کہ احد میں جو کچھ ہوا اس کا سبب یہ ہے کہ ابھی آپ نے اللہ کے رسول کی اطاعت کرنا نہیں سیکھا۔ اگر آپ یہ سمجھ لیتے کہ میرے احکام اللہ تعالیٰ کے احکام تھے اور اگر آپ ان کی پوری تعمیل کرتے تو یقینی طور پر فتح آپ ہی کی ہوتی بالکل اسی طرح جیسے بدر میں۔ (محمد رسول اللہ ص ۳۲۱/۲۲۔ کرنل آر وی سی باڈلے۔ اردو ترجمہ)

خط کشیدہ الفاظ سے کسی طرح کی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ یہ ایک غیر مسلم عیسائی مصنف کے احساسات ہیں جس سے صرف اسی طبقے کے لوگ متاثر ہوں تو ہوں لیکن عام انسان خصوصاً مسلمان نہیں۔ جنگ احد میں سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی طرح کی ہزیمت نہیں ہوئی۔ اس لئے شکست تسلیم کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ نے جنگ نہیں ہاری بلکہ ایک مورچے پر پسپا ہوئے۔ وہ بھی عارضی وقتی طور پر۔ مجموعی طور پر میدان آپ ہی کے ہاتھ رہا۔ وہ اس طرح پر کہ اول اول جب اسلام اور کفر متصادم ہوئے تو مسلمانوں نے اپنی تمام تر بے سرو سامانی اور افرادی قلت کے باوجود اپنے سے تین گنا زائد سامان جنگ سے آراستہ دشمن کو بدترین شکست کی ذلتوں سے ہم کنار کیا۔ کیوں کہ نصرت ربانی کے تحت اس کی کمان ایک ایسے جنرل کے ہاتھ میں تھی جس سے بڑا جنرل روئے زمین پر پیدا ہی نہیں ہوا" فن حرب وضرب" میں ان کی مہارت تامہ کسی انسان کا رہین منت نہیں تھی بلکہ براہ راست پروردگار عالم کی طرف سے ان کی فطرت میں ودیعت فرمائی گئی تھی۔ اسی لئے جب تک وہ اپنے جرنیل کی ہدایت پر سختی سے عمل پیرا رہے کشتوں کے پشتے لگا دئے اور دیکھتے دیکھتے اپنے دشمن کو زمین چاٹنے پر مجبور کر دیا۔ اور جوں ہی ایک تاکیدی ہدایت سے غفلت برتی تو قدرت کی طرف سے اس کی زبردست اور کڑی سزا پوری قوم کو ملی۔

لیکن جب تیر اندازوں کی غفلت اس پر خالد کی تیزی نے جنگ کا پانسہ پلٹا اور قتل وخون کا ایک ہنگامہ محشر برپا ہوا۔ مسلمان زیادہ تعداد میں شہید ہونے لگے تو مسلمانوں کے سپہ سالار نے حالات سے بددل اور خوف زدہ ہو کر میدان نہیں چھوڑا بلکہ ایسے نازک ترین حالات میں انتہائی ذہانت اور فطری دلیری کے ساتھ دفاعی جنگ لڑتے ہوئے اپنی بچی کچی فوج کو لے کر پہاڑ کی ایک بلند چوٹی کو اپنا مستقر بنایا۔ اور وہیں سے دفاع فرماتے رہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ لڑائی بند ہو

جانے کے بعد سردار قریش ابوسفیان کے طعنے کا جواب فاروق اعظم دے رہے ہیں۔ آپس میں مکالمہ بازی بھی ہو رہی ہے مگر ابوسفیان عزم و حوصلہ سے بھرپور فوجیوں کے ساتھ مسلمانوں کی مختصر سی فوج پر حملہ کرنے کی ہمت نہیں پا رہا ہے۔ مکالمہ بازی ہی تک کیوں محدود رہا۔ آگے بڑھ کر ایک ہی ہلّے میں اسلام کے وجود کو مٹا کیوں نہیں دیا؟

قریش کے دشمن جان وایمان ان کے باطل خداؤں کا کس بل نکالنے والے ان کے اسلاف کے نظام کہن کو پاؤں سے روندنے والے۔ اسلام کے نظام مساوات واخوت کا جھنڈا بلند کرنے والے خدائے واحد کی عظمتوں کا پرچم لہرانے والے عرب کی صدیوں پرانی روایات کے باغی ان کے فرسودہ معاشرے کے مجرم۔ ان کی رات کا چین دن کا سکون حرام کرنے والے۔ بڑے بڑے صحابہ یہ ابوبکر، یہ عمر، یہ عثمان، یہ علی، یہ سعد سبھی تو موجود ہیں اور سب پر مستزاد تو خود مصطفےٰ جان رحمت کی ذات والاصفات کہ جن کے قتل کے لئے ایک قریشی کافر ستر ستر بار قتل ہونے اور مرنے کے لئے ہمہ وقت تیار۔ ایسے شدید دشمن پر ابوسفیان اپنی افرادی کثرت کی قوت اور اسلحہ کی برتری کے باوجود رحم کھا گیا؟ نہیں ہرگز نہیں حاشا وکلاّ۔ پھر ایک بھی مسلمان کا قید یا گرفتار نہ ہونا۔ شکست اسی کا نام ہے؟ پھر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی فوج کے ساتھ اپنے محاذ پر اس وقت تک جمے رہ جانا جب تک کہ دشمن کا ایک بھی فرد میدان سے نہ چلا گیا ہو۔ کیا شکست اسی کو کہتے ہیں؟ پھر حملہ آور فوج کا ایک بھی مقصد حاصل نہ کر سکنا۔ مثلاً مدینہ کو لوٹنا۔ مسلمانوں کو قتل کر کے ان کی عورتوں، بچوں پر قبضہ کر کے انھیں باندی غلام بنانا۔ وغیرہ وغیرہ ان مقاصد میں سے کسی میں وہ کامیاب ہوئے؟ ہرگز نہیں۔ ہاں اتنا ہوا کہ اس جنگ میں مسلمانوں کا جانی نقصان زیادہ ہوا۔ خصوصاً انصارِ مدینہ کا جو غیر تربیت یافتہ تھے۔ اس سے شکست کہاں لازم آئی۔ جنگ میں کبھی کسی فریق کا جانی مالی نقصان کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ۔ ہاں شکست کی ذلت اس کا مقدر ہوتی ہے جو مقصد حاصل کئے بغیر میدان پہلے چھوڑ دے۔ اس نقطۂ نظر سے اس جنگ میں بھی شکست قریش مکہ ہی کو ہوئی تھی۔ قریش مکہ نے مسلمانوں کے خلاف ایک محاذ جیتا تھا۔ جنگ نہیں جیتی تھی۔ یہ عجیب بات ہے کہ جس نے ایک مورچے پر کامیابی حاصل کی اسے فاتح مانا جائے اور جو اول وآخر دونوں محاذ پر فاتح اور ثابت قدم رہا اسے شکست خوردہ اور ہزیمت زدہ قرار دیا جائے۔

ع :۔ ناطقہ سربگریباں ہے اسے کیا کہئے

واضح دوٹوک لہجے میں روایت ودرایت تاریخ وحقائق کا فیصلہ یہ ہے کہ احد کی جنگ قریش مکہ نے نہیں بلکہ مسلمانوں نے جیتی۔ اول اول حیران کن فتح مسلمانوں کی ہوئی۔ یعنی جنگ کا پہلا دور مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ تیراندازوں کی واضح غفلت نے جنگ کا نقشہ بدلا۔ نتیجے میں دوسرا دور قریش کے ہاتھ رہا۔ اور اس دور میں مسلمانوں کو شدید جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ تیسرا اور آخری دور (یعنی پہاڑی کی چوٹی کو اپنا مستقر اور دوسرا محاذ بنا کر مسلمانوں کا آخری دم تک ڈٹے رہنا) مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ اور دشمن کے میدان چھوڑ دینے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی فوج کے ساتھ مدینہ واپس آ کر آٹھ میل تک قریش کا ایک کامیاب تعاقب فرما کر انھیں حیران وہیبت زدہ کر کے بھاگم بھاگ مکہ پہنچنے پر مجبور کر دینا کیا شکست اور درماندگی کی دلیل ہے؟

؎ جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اس طویل گفتگو سے یہ بات واضح ہو گئی کہ آپ کی صفت جامعیت کا یہ پہلو بھی انتہائی روشن اور نمایاں ہے۔

؎ حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ ہمہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

فتوحات کے اعتبار سے بھی آپ ایک کامیاب ترین جرنل اور بے مثال سپہ سالار تھے۔ فاتحوں سپہ سالاروں اور جرنیلوں کی طویل فہرست میں آپ سر فہرست نظر آتے ہیں اور ان کے بے پناہ ہجوم میں ایک عجیب انفرادیت لئے اتنے قدآور نظر آ رہے ہیں کہ دور سے دیکھنے والا پہچان لے کہ وہ ہے دنیا کا سب سے بڑا فاتح ؎

کیا حسن ہے، جمال ہے، کیا رنگ و روپ ہے
وہ بھیڑ میں بھی جائے تو تنہا دکھائی دے

بے سروسامانی کے عالم میں اپنی جان بچا کر وطن سے بے وطن ہونے والا۔ ملک کی سب سے بڑی طاقت یعنی قریش مکہ کے مقابلے
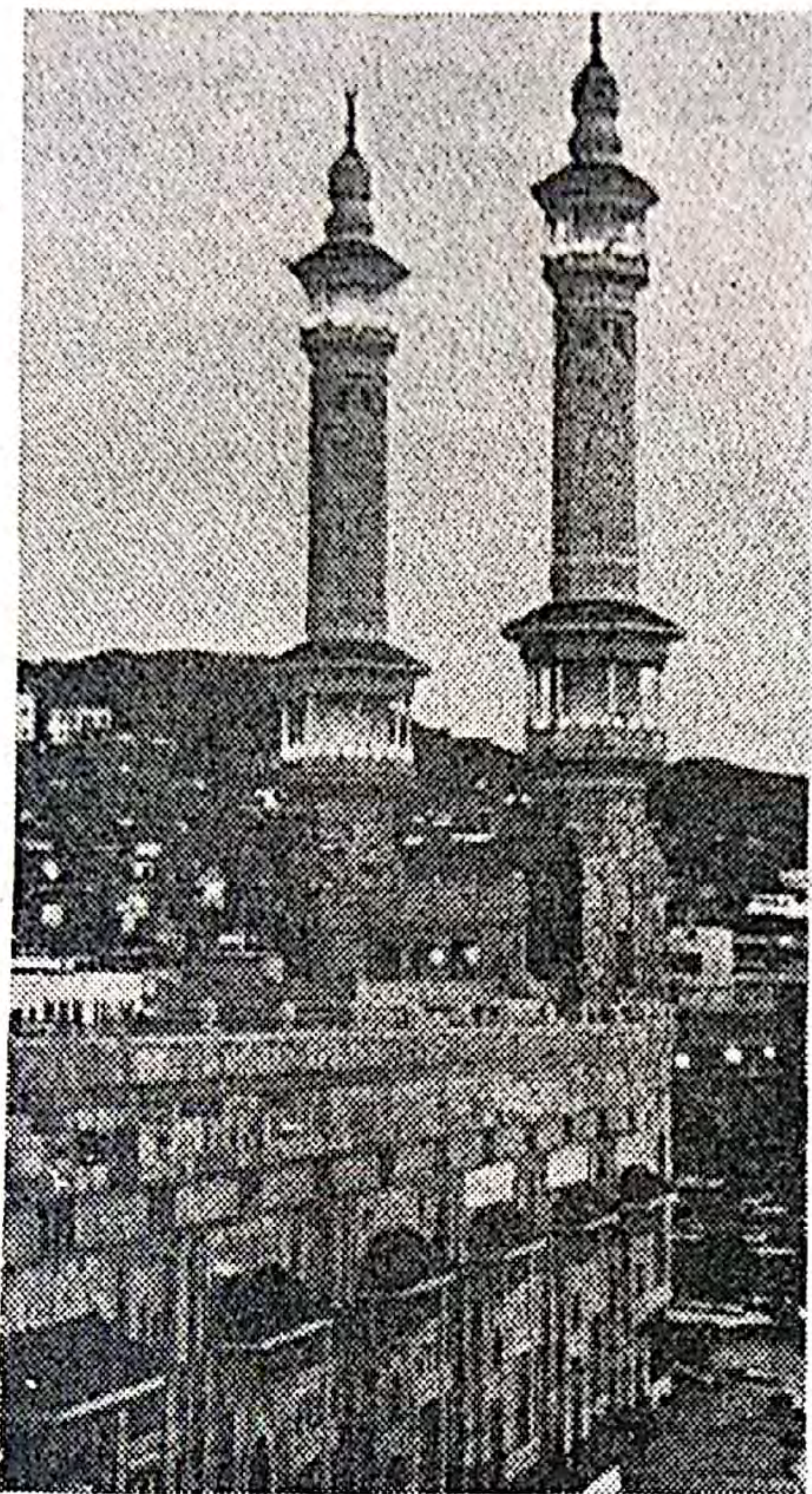
میں مٹھی بھر (۳۱۳) اسباب و ذرائع سے عاری مگر عزم و حوصلہ سے بھرپور جوانوں کو لے کر اٹھا تو ایسا اٹھا کہ دس سال کے اندر اندر پورے ملک پر اس کا فاتحانہ قبضہ ہو گیا۔ اس کے سامنے ہر اٹھا ہوا سر جھک گیا۔ ہر تنی ہوئی گردن ڈھیلی ہو گئی۔ ہر اکڑی ہوئی طاقت سرنگوں ہو گئی۔ جان کے دشمن، قاتل، خون کے پیاسے ایسے بے دام کے بندے ہوئے کہ آگے پیچھے دائیں بائیں سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے ہمہ وقت اس پر قربان ہونے کے لئے تیار ہے

تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسان عجم
تیرے بے دام کے بندی ہیں ہزاران عرب

حد یہ کہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت سلطنت روما کی سرحدوں پر یلغار کرکے وہاں ہلچل مچا دینا۔ اور عرب سے باہر کی دنیا کو عملی طور پر یہ بتا دینا کہ ہم اپنی سرحدوں کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ کیا یہ عسکری تاریخ میں معمولی کارنامہ کہا جائے گا؟ پھر فاتح بدر و حنین کا اپنے سے کئی گنا زیادہ دشمنوں کو جنگ کے ہر نئے محاذ پر ایک نئی تکنیک اور نئی صورت حال سے دوچار کرتے رہنا یہ ایک ایسی صفت اختراعی تھی کہ آپ کے دشمن جسے سوچ بھی نہیں سکتے تھے مثلاً بدر میں صفوں کی ترتیب اور اپنے پسند کی زمین پر دشمن کو لڑنے پر مجبور کر دینا۔ احد میں جنگ لڑنے کے لئے جگہ اور اس کے محل و قوع کا انتخاب۔ غزوہ احزاب میں غیر متوقع طور پر خندق کھود کر اس میں محصور ہو جانا۔ انھیں عرب کی عادت کے خلاف ایک عجیب و نادر صورت حال سے دوچار کرکے حیرت زدہ کر دینا۔ رسد کے ذخیرے کو قریش کے فوجیوں تک نہ پہنچنے دینا۔ پھر "اَلحَربُ خُدعَۃٌ" کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کے حلیفوں میں انتشار ڈال کر غنیم کو طویل محاصرہ اٹھا کر بھاگ جانے پر مجبور کر دینا۔ نامعلوم راستے سے مکہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر پہنچ کر ایک بے حد دور رس معاہدے پر دشمن کو صلح کے لئے مجبور کر دینا۔ حنین میں لشکر اسلام کی غیر منظم ابتدائی پسپائی کے وقت تنہا دس بارہ افراد کے ساتھ خوفناک دشمن کے مقابلے میں کھڑے ہو کر انہیں للکارنا۔ پھر اسی للکار سے جاں نثاروں کی غیرت کو بیدار کرکے مکمل فتح حاصل کرنا۔ فتح مکہ کے وقت انتہائی خاموش اور بے پناہ رازداری کے ساتھ اچانک پورے جاہ و جلال اور عسکری توانائی کے ساتھ ان کے سروں پر نمودار ہو کر ان کے ہاتھ پاؤں کو پھلا دینا اور پھر بغیر لڑے بھڑے دنیا کے اس باعظمت مقدس اور روئے زمین کے سب سے قدیم پہلے اور متبرک شہر پر نہایت آسانی کے ساتھ قبضہ کر لینا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے پورے عرب کا مالک و مختار ہو کر قاتلوں ظالموں خون کے پیاسے دشمنوں حد یہ کہ بے حد عزیز چچا کے کلیجے کو چبانے والی تک کو معاف کر دینا۔ یہ عسکری تاریخ میں ایسی روشن تابناک اور محیر العقول روایات ہیں کہ انسانی وجود کے نمود سے لے کر آج تک جس کی مثال ممکن ہی نہیں ہے

تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
کہہ لے گی سب کچھ ان کے ثنا خواں کی خامشی
چپ ہو رہا ہوں کہہ کے میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

بحیثیت سربراہ مملکت

شفیق بریلوی

آپ میدان جہاد میں فاتح عدالت میں منصف اور سیاسی معاملات میں دور اندیش رہنما تھے۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کمال رحمت کی بنا پر ہر قوم اور ملک میں اپنے صالح بندوں میں سے ایک دو کو منتخب فرما کر انہیں ہدایت ور رہنمائی کا چراغ دے کر مبعوث فرمایا یہ بزرگ دنیا کے دوسرے انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی کو ظاہر فرماتے رہے ان کے بگڑے ہوئے افکار و اعمال کی اصلاح فرماتے رہے ذہنوں کی درستگی اور قلوب کا تزکیہ فرمانے کے ساتھ ساتھ ان کی انفرادی و اجتماعی زندگیوں کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق بنانے کی سعی جمیل فرماتے رہے انہیں اصطلاح دین میں نبی یا پیغمبر یعنی اللہ کی مرضی اور اس کی پسندیدگی کی خبر دینے والا کہا جاتا ہے۔

یہ سلسلہ اولین انسان حضرت آدم علیہ السلام جن کو خلائے کائنات نے اس سرزمین پر اپنی ذات اقدس کا جانشین بنا کر بھیجا تھا یہ تھے پہلے انسان اور پہلے نبی ان سے شروع ہو کر حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا ان کو قیامت تک کے لئے اور تمام انسانوں کے لئے بغیر کسی تحدید زمانی و مکانی کے بشیر و نذیر بنا کر سلسلہ نبوت کی تکمیل کی گئی نہ ان کے بعد اب رہتی دنیا تک کوئی دوسرا نبی مبعوث ہوگا اور نہ ان پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید کے بعد اب اور کوئی کتاب نازل ہوگی۔

چونکہ نبی کا فریضہ ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کے افکار و اعمال کی اصلاح کر کے انہیں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق پسندیدہ بندہ بنائے اسی لئے ہر نبی کی آمد کے بعد انسانوں کی دنیا دو گروہوں میں تقسیم ہو گئی ایک وہ لوگ جنہوں نے حق کو قبول کیا اور دوسرا وہ گروہ جس نے نبی کے لائے ہوئے پیغام حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حق و باطل سے وابستہ ان دونوں قسموں کے مابین کشمکش اور مخاصمت کا پیدا ہونا بھی لازم تھا اس لئے حق و باطل کے مابین پیکار اور قبول و انکار کے مابین آویزش ضروری تھی۔ اس صورت حال کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر انبیاء کرام کو انفرادی زندگی کی اصلاح و درستگی کے ساتھ ہی مومنین کے گروہ کی سرداری و سربراہی کا فریضہ انجام دینا پڑا۔

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آپ کے دائرۂ عمل میں ساری دنیائے انسانیت بلا تحدید زمانہ قیامت تک کے لئے داخل ہے۔ اس لئے دنیائے انسانیت کی آخری اور دوامی تقسیم پیدا ہو گئی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کو مومنین اور مسلمین کا نام دیا گیا۔ اور انکار کرنے والوں کو منکرین و کافرین کہا گیا اور اب یہ تقسیم قیامت تک کے لئے قائم ہے۔

یہ صحیح ہے کہ یہ تقسیم بلکہ یہ نام بھی ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے قائم ہے لیکن چونکہ اس وقت سے اب تک دائرۂ کار کے اختلاف کی وجہ سے محدود دائرہ مکانی یا دائرۂ نسلی میں یہ تقسیم چلی آ رہی تھی اس لئے اس تقسیم کا دائرہ بھی ساری دنیائے انسانیت پر محیط نہیں ہوا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے گروہ کے سردار اور امام تو تھے مگر

انہوں نے کوئی ریاستی تنظیم نہیں قائم کی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف اولاد حضرت یعقوب علیہ السلام کی تنظیم فرمائی۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے سچے نبی اور جلیل القدر بادشاہ تھے وہ نبی تو سارے عالم کے لئے تھے اور بادشاہ صرف ساڑھے چار ہزار مربع میل رقبہ اور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے تھے۔

نبی آخرالزماں حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائرہ عمل، نسل، وطن اور زمانہ تینوں کے حدود سے وسیع تر تھا اس لئے آپ کو سردار اور سربراہ مملکت کی حیثیت سے بھی بہت سے کام کرنے پڑے آپ کی سربراہ مملکت کی حیثیت سے آپ کی نبوت سے الگ کوئی حیثیت نہ تھی آپ نبی آخر الزماں ہونے کی ہی حیثیت سے اور حکم خداوندی کے ہی ماتحت وہ تمام فرائض بھی انجام دیتے تھے جو آپ نے سربراہ مملکت یا حکم عدلیہ یا قائد افواج مجاہدین کی صورت میں انجام دیتے سب سے پہلی اسلامی ریاست مدینہ میں قائم ہوئی۔ اور اس اسلامی ریاست کے پہلے سربراہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ آپ کے ذمہ جو کام تھا اس کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ آپ طہارت صفائی کے معمولی اور چھوٹے درجہ کے مسائل بھی لوگوں کو سکھاتیں اور شاہی و شہنشاہی کے آداب کی تعلیم بھی لوگوں کو دیں آپ یہ بھی بتائیں کہ ایک مسلمان کو اپنی بیوی بچوں، بہن بھائیوں اور دیگر عزیز واقارب کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے۔ اور اس کا طریقہ سکھائیں کہ بین الاقوامی تعلقات کس طرح قائم کئے جاتیں۔ آپ یہ بھی بتاتیں کہ ایک مسلمان پر اس کے ہمسائے کے حقوق کیا ہیں۔ اور یہ بھی فرمائیں کہ ایک فاتح سپہ سالار پر مفتوح کی طرف سے کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور یہ بھی بتائیں کہ ایک حاکم کو رعایا کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے۔

تاریخ شاہد ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہر جہتی اصلاح اور تزکیہ کے فریضے کو کس قدر وضاحت اور کیسی خوبی کے ساتھ انجام دیئے۔ آپ نے سترہ غزوات میں سالار لشکر کے فرائض انجام دیئے۔ آپ نے ۹ لاکھ ۲۷ ہزار مربع میل پر پھیلی ہوئی مملکت کی شاندار سربراہی بھی کی۔ آپ نے حاکم عادل کی حیثیت سے منصفانہ فیصلے بھی کئے۔ اور آپ نے ایک دور اندیش سردار قوم کے انداز میں معاہدے اور صلح نامے بھی کئے۔ اور اس سے کوئی منصف مزاج انکار نہیں کرسکتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گوناگوں امور پر بے مثال کامیابی حاصل کی۔ میدان جہاد میں فاتح۔ عدالت میں منصف۔ سرداری میں ذہین اور فرض شناس سربراہ اور سیاسی معاہدات میں نہایت دور اندیش رہنما ثابت ہوئے۔ آپ کی سیرت طیبہ کے ایک ایک رخ پر ہزاروں کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جارہی ہیں نیز قیامت تک لکھی جاتی رہیں گی۔ محفلیں مذاکرات اور تقریریں ہوتی رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی اور بلاشبہ انسانیت کی بھلائی محسن انسانیت کے بار بار ذکر و مذاکرہ ہی میں مضمر ہے ؎

محمد قرار دل بیکساں (صلی اللہ علیہ وسلم)
کہ نام محمد ہے آرام جاں (صلی اللہ علیہ وسلم)

اس وقت ختمی مرتبت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرداری سربراہی کا ایک مختصر سا ذکر مقصود ہے نامکمل اور مختصر۔ مگر مفید و رہنما۔ اس پہلو سے جب ہم سردار کونین اور سید الثقلین کی حیات طیبہ کو دیکھتے ہیں تو سب سے پہلے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کیطرح نسلی روابط میں مربوط کوئی بنی بنائی قوم نہیں ملی تھی بلکہ جواہرات اور سنگریزوں کا ایک مخلوط بکھرا ہوا ذخیرہ ملا تھا انہی میں سے آپ کو صدیق فاروق جیسے جواہر پاروں کو چننا تھا ابوجہل ابولہب جیسے سنگریزوں کو علیحدہ کرنا تھا آپ کو خود ہی روابط کی استواری کرکے ایک قوم پیدا کرنی تھی۔ اوس و خزرج جیسے ازلی دشمنوں کو ملاکر اور عدنانی و قحطانی کی صدیوں پرانی تقسیم کو ختم کرکے ایک نئی قوم کو وجود میں لانا تھا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے یہ کام کس قدر کامیابی سے انجام دیا۔ ایک قحطانی خزرجی اور ایک عدنانی قریشی کے مابین حقیقی مواخاۃ بھائی چارہ اور برادری قائم ہو جائے۔ کتنا بڑا کارنامہ ہے دو ہزار سے زیادہ مدت میں بھی۔ دراوڑی۔ شودر اور آریائی برہمن کے مابین بھائی چارہ کوئی رہنما پیدا نہ کرسکا۔ عیسائیت

کا بیڑا پار کرنے والے انیس سو سال کی مدت میں کالے گورے کا فرق ابھی تک مٹا نہیں سکے۔ لیکن ہجرت نبوی کے بعد مدینہ میں مہاجرین اور انصار کے مابین رشتہ مواخاۃ ایسا قائم ہوگیا جس کی دنیا میں مثال نہیں ملتی۔ قریشی نوجوان عبدالرحمٰن بن عوف کی شادی بنی اوس کے قبیلے کی ایک بیوہ سے ہوگئی۔ مولانا الطاف حسین حالی نے خوب کہا ہے۔

قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
مفاسد کو زیر و زبر کرنے والا

نبوت کے تیرھویں سال ۸ ربیع الاول ۱ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء میں مدینہ منورہ میں نبوت محمدی کا دوسرا دور شروع ہوا۔ اور سب سے پہلا عظیم الشان کارنامہ مہاجرین و انصار میں باہمی مواخاۃ کا انجام دیا گیا۔ دوسرا بے مثال کارنامہ وہ ہے جو غیر مسلم قبائل خصوصاً یہودی قبائل کے بنی قریظہ بنی قینقاع اور بنی نضیر کو شامل کر کے قیام امن اور مشترکہ یہود کا ہوا۔ خود یہ معاہدہ سرداری سربراہی کا ایسا عظیم کارنامہ ہے جسے ایک بہت ہی عظیم سردار بلکہ ایک نبی برحق ہی انجام دے سکتا ہے۔ محض ہزار بارہ سو مسلمان مہاجرین و انصار کا سردار پوری آبادی سے اپنا یہ حق منوا لے کہ متنازعہ معاملات میں اس کا فیصلہ آخری اور ناطق ہوگا ایسا معاہدہ تو آج تک کہیں کسی اکثریت کا سردار بھی قلیل اقلیت سے بھی نہیں کرا سکا تاریخ عالم ایسی کوئی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے کہ باہر سے آنے والی ایک چھوٹی سی اقلیت اپنا کوئی حق اکثریت سے منوا لے لیکن مدینہ کے سردار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا معاہدہ کیا اور اسے نافذ کر کے دنیا کو دکھا دیا کہ ایک دانشمند سردار یہ بھی کر سکتا ہے۔

تیسرا دور رس اور عظیم کارنامہ آپ کی وہ مساعی جمیلہ ہیں جو آپ نے مدینہ کی راہ کارواں کو پرامن اور محفوظ بنانے کے لئے کیں۔ ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ عرب کا نظام نسلی اور قبائلی تھا۔ مسلمان نہ کوئی نسلی گروہ تھے اور نہ کوئی ایک قبیلہ تھے یہ تو مختلف قبائل کے اہل ایمان کا ایک جذبہ پیدا شدہ گروہ تھا اسے قبائل عرب سے ایک مستقل گروہ کی حیثیت سے تسلیم کرا لینا ہی کہاں آسان تھا چہ جائیکہ اس کے لئے امن کا معاہدہ اور ان کے واسطے راہ امن کی ضمانت حاصل کرنا۔ لیکن سردار مدینہ نبی برحق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جانب پوری توجہ فرمائی — اور ہجرت مدینہ کے چھ ماہ کے اندر راستہ کے قبائل سے معاہدات کئے معاہدۃ الابواء۔ سریہ سعد بن ابی وقاص۔ اور معاہدہ ذی الحلیفہ اس کے بہترین کامیاب نمونے ہیں اس طرح کے معاہدوں کے ذریعہ آپ نے مدینہ کی جدید قائم شدہ ریاست کو نہ صرف تسلیم کرا لیا بلکہ مدینہ کے لئے درآمد کی راہیں بھی محفوظ کرا لیں۔ بنی غطفان آخر تک نہیں تو کم از کم ۶ سنہ نبوی تک مخالف رہے مگر ان کی ایک نہ چلی۔ مدینہ کی اسلامی ریاست روز بروز قوی سے قوی تر ہوتی رہی اور گرد و پیش کے قبائل معاہدات کے ذریعہ اس کے حلیف بنتے رہے۔ اس طرح کے کارنامہ سے ہجرت کے ابتدائی دس سال بھرے ہوتے ہیں اور سیاست نبوی اور سرداری کا دور رس کارنامہ جو ۶ سنہ نبوی کے آخر میں صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے وہ تو سیاست نبوی کا ایسا بے مثال کارنامہ ہے کہ خود خالق کائنات نے بھی قرآن پاک میں اس معاہدہ کو فتح مبین قرار دیا ہے اور آسمان و زمین نے اپنی آنکھوں سے اس معاہدہ کے نتائج کو ۸ سنہ نبوی کے رمضان المبارک میں فتح مکہ کی شکل میں دیکھ بھی لیا۔

کسی قوم کا سردار اور کسی مملکت کا سربراہ وہی ہے جو وقت کے تقاضے اور موقع کی مناسبت کے اعتبار سے بروقت فیصلے کرے۔ اور اس کو نافذ کر کے اپنی قوم کو قوی تر بنا دے۔ اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سرداری ایک مثالی سربراہی ہے جو اپنی آپ ہی نظیر ہے۔

ہزاروں درود اور ہزاروں سلام اس پر جو مکمل ترین عبد اور کامل ترین انسان بھی تھا۔ جو اللہ کا رسول بھی تھا قوم کا سردار بھی تھا۔ سربراہ مملکت بھی تھا۔ عدالت و صداقت کا مکمل ترین نمونہ بھی تھا۔ بہترین سپہ سالار بھی تھا۔ اور ہر اس گرہ کو جو آدم علیہ السلام سے اب تک ناحل چلی آرہی ہے انہوں نے اسے اپنے ناخن تدبیر سے کھول کر رکھ دیا۔

شاہنشہ اصفیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
تاج سر انبیاء محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ زندگی

مولانا محمد الیاس مصباحی

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دعویٰ نبوت کی سب سے بڑی دلیل نبی کی زندگی ہوتی ہے۔ تاکہ اس کا نتیجہ براہ راست مخاطب کو تسلیم دعویٰ پر مجبور کردے۔ ایک شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ہدایت و ارشاد کی ایک الٰہی قوت لیکر آیا ہے باوجودیکہ وہ اسی قوم اور معاشرہ کا ایک فرد ہے تاہم اس کے اندر ایک قوت ہے جس کے ذریعہ وہ انسانوں کے اعمال وافعال، نظریات ومعتقدات کی دنیا بدل دے گا۔ اور ایک بڑی خوشگوار اور خوش آئند تبدیلی پیدا کردے گا۔ اسلئے ضروری ہے کہ نبی اس تبدیلی کا اولین نمونہ خود اپنی زندگی کو ثابت کر دکھائے۔ اور نفس وشیطان کے جس تسلط سے مخلوق الٰہی کو وہ آزاد کرانے کیلئے آیا ہے اپنے عمل وکردار سے وہ ثابت کردے کہ وہ خود بھی اس کے تسلط سے آزاد ہے۔ ان اخلاق مذمومہ سے جن کو وہ حرف غلط کی طرح مٹانے کا مدعی ہے۔ خود بھی پوری طرح بری ہو۔ وہ اوصاف حمیدہ وخصائل محمودہ میں صفات الٰہیہ کا مظہر قدسی ہو۔ اور اپنے رفتار وگفتار میں عام انسانوں کی سطح سے بالاتر ہوکر ایک جلوۂ حق نمار کھتا ہو۔

مختصر یہ کہ جملہ قوائے بشریہ جن کی اصلاح کا وہ پیغام لایا ہو خود اس کی زندگی بھی اس پیغام کی شہادت بن گئی ہو کون ایسا انسان ہے جس کے ہاتھ میں دولت ہو اور تمام ضروریات دنیوی کو حاصل کرنیکی اسمیں قوت وطاقت ہو۔ اور پھر وہ اپنے عیش وآرام اور آسائش کی فکر نہ کرتا ہو اور اپنے ہم جنسوں میں اپنی فوقیت وبرتری کا خواہاں نہ ہو۔ لیکن قربان جائیے رسول کریم۔ رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زندگی پاک پر گو کہ وہ شہنشاہ کونین تھے۔ مالک کون ومکاں تھے۔ اور ساتھ ہی آپکی عزت وعظمت صحابۂ کرام کی نگاہ میں اس حد تک پہونچی ہوئی تھی کہ اس سے زیادہ عقیدتمندی دنیا میں ممکن نہیں۔ دنیا کے سلاطین آپکے رعب وجلال سے کانپتے تھے۔ قیصر کفش برداری کا متمنی تھا۔ نجاشی غسالہ پا پینے کا آرزومند تھا۔ شاہِ مصر آپکے خوف سے لرزہ براندام تھا کسریٰ آپکے رعب سے مرعوب تھا۔ چنانچہ نجاشی شاہ

حبش کے دربار میں خود ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو جبکہ وہ ایمان سے ناآشنا اور حضور کے سخت ترین مخالفوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ یہ اعتراف تھا کہ اپنی رعایا میں کسریٰ و قیصر تک کو یہ شاہانہ جلال نصیب نہیں ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام رہبانیت کی اجازت نہیں دیتا۔ لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ۔ اس بنا پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کے جائز حظوظ دنیوی سے متمتع ہونا جائز رکھتے تھے۔ اور خود بھی کبھی کبھی ان چیزوں سے تمتع اٹھاتے تھے تاہم نازونعمت، تکلف وعیش پرستی کو ناپسند فرماتے اور اوروں کو بھی اس سے روکتے۔ تواضع اور خاکساری کی راہ سے اکثر معمولی کپڑے استعمال فرماتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تھا کہ جمعہ و عیدین میں یا سفراء کے ورود کے موقع پر آپ شان وتجمل کے کپڑے زیب تن فرمائیں۔ اتفاق سے ایکبار راستہ میں ایک ریشمی کپڑا بک رہا تھا۔ حضرت عمر نے موقع پاکر عرض کیا۔ یارسول اللہ! یہ کپڑا حضور خرید لیں اور جمعہ میں اور سفراء کی آمد کے موقع پر ملبوس فرمائیں۔ ارشاد فرمایا کہ "یہ وہ پہنے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں" اکثر موٹے جھوٹے اور بھیڑ کے بال کے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ اور انہیں کپڑوں میں وفات پائی۔ چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ وسلم کی وفات کے بعد ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پیوند لگی ہوئی ایک چادر اور ایک موٹا تہبند نکال کر فرمایا۔ انہیں دو کپڑوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کی گئی ہے"۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لباس میں بالکل تکلف نہیں فرماتے تھے کبھی کبھی آپ نے بیان جواز کیلئے تحدیث نعمت کے طور پر نفیس اور قیمتی کپڑا بھی پہنا ہے لیکن پہننے کے فوراً بعد ہی کسی کو بخشدیا۔ اسی لیے نفیس کپڑا پہننے کی عادت بنا لینی خلاف سنت ہے۔

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بہشت میں ایسا شخص ہرگز داخل نہ ہوگا۔ جس کے دلمیں ایک ذرہ کے برابر بھی غرور اور گھمنڈ ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ! ہر ایک آدمی اچھے کپڑے اور اچھے لباس کو پسند کرتا ہے تو پھر کیا حال ہوگا۔ آپ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

"إِنَّ اللهَ جَمِيلٌ وَيُحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ" (مسلم شریف)

خدا جمیل ہے اور جمال وپاکیزگی کو پسند فرماتا ہے غرور تو حق کو باطل کرنا، واجبی بات کا انکار کرنا۔ اور لوگوں کو ذلیل وحقیر جاننے کا نام ہے۔ (مطلب یہ ہے کہ اچھا لباس خدا کے یہاں ناپسندیدہ نہیں)

خورد ونوش کے بارے میں آپکی حرم محترم عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فقر وفاقہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں۔ کہ آل محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کی روٹی سے بھی پے درپے دو دن تک پیٹ نہیں بھرا۔ یہاںتک کہ آپ نے وفات پائی۔ یہی ام المومنین دوسری جگہ فرماتی ہیں کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا ہے۔ تو میرے پاس جو کا آٹا تھوڑا سا اور نصف وسق جو تھے اس کے سوا کوئی شئی کھانے کی یا روپیہ پیسہ نہیں..... اور حضور کی حیات میں یہ عالم تھا کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مہینہ مہینہ بھر گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ کیونکہ ہمارے پاس پکانے کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔

دوسری حدیث میں حضرت سوید بن نعمان کہتے ہیں۔ کہ جنگ خیبر کے دوران نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پاس سوائے ستو کے کچھ نہ تھا چنانچہ ہم نے اسی کو گھولا اور ہم سب نے بشمول حضور علیہ السلام اسی کو پیا۔

بستر کمبل کا تھا اور کبھی چمڑے کا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی۔ اور کبھی معمولی کپڑے کا ہوتا تھا۔ جو دوہرا کر دیا جاتا تھا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے ہاں حضور کیسے بستر پر استراحت فرماتے تھے تو آپ نے جواب دیا۔ ایک ٹاٹ تھا۔ جسے ہم دوہرا کرکے بچھا دیا کرتے تھے۔ ایک شب کو میں نے اس کی چار تہہ کرکے بچھایا۔ کہ ذرا نرم ہو جائے صبح اٹھ کر آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا۔ رات کو تم نے میرے نیچے کیا بچھا دیا تھا۔ میں نے عرض کیا وہی ٹاٹ ہے جو روز

بچھایا جاتا تھا۔ البتہ کل رات کو میں نے اسکی چار تہیں کردی تھیں تاکہ ذرا ملائم ہو جائے آپ نے ارشاد فرمایا اسے ویسا ہی کردو جیسا پہلے تھا۔ کیونکہ اسکی نرمی نے رات کو میری نماز میں ڈھیل ڈال دی۔ (شمائل ترمذی)

ایک دن ایک انصاری عورت حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس آئی اور گھر میں صرف ایک دوہری چادر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بطور بستر استعمال ہوتی دیکھی تو اسے بہت افسوس ہوا۔ گھر سے اٹھ کر سیدھی وہ اپنے گھر پہنچی۔ اور وہاں سے ایک عمدہ بستر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھیجا۔ جسمیں اون بھری ہوئی تھی۔ انہوں نے بستر کو لیکر خوشی سے اپنے گھر میں رکھ لیا جب آپ گھر میں تشریف لائے تو دریافت فرمایا عائشہ! آج یہ نئی چیز تمہارے یہاں کیا رکھی ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا حضورؐ! فلاں انصاری خاتون نے آپکے لئے یہ بستر بھیجا ہے۔ آپ نے حکم دیا اسی وقت اس بستر کو واپس کردو۔ یہ ہم بندوں کیلئے مناسب نہیں ہے۔ خدا کی قسم اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ۔ سونے چاندی کے پہاڑ چلتے!

اگر کہیں آپ باہر تشریف لیجاتے تو آپکے پاس جو عبا تھی اسی کو دوہری کرکے اپنے نیچے بچھا لیتے تھے۔ اور یوں تو آپ اکثر چٹائی ہی پر سوتے تھے۔ جبکہ اس چٹائی کے علاوہ آپکے نیچے اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اور بعض دفعہ آپ کے جسم مبارک پر چٹائیوں کے گہرے نشانات پڑ جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں۔ بعض دفعہ اس چٹائی کے نشان آپ کی پشت پر دیکھ کر مجھے رونا آتا تھا"

ایک دفعہ ایک بورے پر آرام فرما رہے تھے۔ اٹھے تو لوگوں نے دیکھا کہ پہلوئے مبارک پر نشان پڑ گئے ہیں عرض کی یا رسول اللہ! کیا ہم لوگ کوئی گدا بنوا کر حاضر کریں ارشاد ہوا کہ مجھکو دنیا سے کیا غرض، مجھکو دنیا سے اس قدر تعلق ہے جسقدر اس سوار کو جو تھوڑی دیر کیلئے راہ میں کسی درخت کے سائے میں بیٹھ جاتا ہے پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے پھر فرماتے کہ گھر میں ایک بستر اپنے لئے ایک بیوی کیلئے ایک مہمان کیلئے کافی ہے چوتھا شیطان کا حصہ ہے۔

ایک مرتبہ کسی غزوہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ رہ گئیں۔ لڑائی سے واپس تشریف لائے۔ اور حضرت عائشہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ گھر میں چھت گیر لگی ہوئی ہے۔ اسی وقت پھاڑ ڈالی اور فرمایا۔ کہ خدا نے ہم کو دولت اس لئے نہیں دی ہے کہ اینٹ پتھر کو کپڑا پہنائیں۔

ایلار کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ جب مشربہ میں جو اسباب کی کوٹھری تھی۔ حاضر ہوئے تو ان کو نظر آیا۔ کہ سرور عالم کے بیت اقدس میں دنیاوی ساز و سامان کی کیا کیفیت ہے؟ جسم مبارک پر صرف ایک تہبند ہے ایک کھرّی چارپائی بچھی ہوئی ہے سرہانے ایک تکیہ پڑا ہے۔ جسمیں خرمے کی چھال بھری ہے۔ ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں۔ ایک کونے میں پائے مبارک کے پاس کسی جانور کی کھال پڑی ہے۔ کچھ مشکیزہ کی کھالیں سر کے پاس کھونٹی پر لٹک رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر کہتے ہیں کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب دریافت فرمایا۔ عرض کی یا رسول اللہ! میں کیوں نہ روؤں۔ چارپائی کے بان سے جسم اقدس میں بدھیاں پڑ گئی ہیں۔ یہ آپ کے اسباب کی کوٹھری ہے اس میں جو سامان ہے وہ نظر آرہا ہے قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹیں۔ اور آپ خدا کے پیغمبر اور برگزیدہ ہو کر آپ کے سامانِ خانہ کی یہ کیفیت ہو۔ ارشاد ہوا "اے ابن خطاب! تم کو یہ پسند نہیں کہ وہ دنیا لیں اور ہم آخرت!"

جس طرح آپ خود سادگی پسند فرماتے تھے۔ اسی طرح آپؐ یہ بھی چاہتے تھے کہ آپ کے اہل و عیال بھی سادہ زندگی بسر کریں۔ اور تکلف و تنعم سے پاک رہیں۔ عورتوں کو شریعت میں سونے کے زیور کا استعمال مباح ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت کرام کیلئے اس بات کو خلاف اولیٰ تصور فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت فاطمہ کے گلے میں سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا۔ کہ تم کو یہ ناگوار نہ ہوگا جب لوگ کہیں گے کہ پیغمبر کی لڑکی کے گلے میں آگ کا ہار ہے" یونہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھے فرمایا کہ اگر اس کو اتار کر ورس کے کنگن کو زعفران سے

رنگ کر پہن لیتیں تو بہتر ہوتا۔"

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی دعوت کی اور کھانا پکوا کر گھر بھیج دیا۔ حضرت فاطمہ زہرا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لاتے۔ اور ہمارے ساتھ کھاتے تو خوب ہوتا۔ حضرت علی گئے اور آپ سے جا کر عرض کی۔ آپ تشریف لائے۔ لیکن دروازہ پر پہونچے تو یہ دیکھ کر کہ گھر میں دیواروں پر پردے لٹکے ہوئے ہیں۔ واپس چلے گئے۔ حضرت علی نے واپسی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا۔ پیغمبر کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی زیب و زینت کے مکان میں داخل ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فقر و توکل اس درجہ پسند تھا کہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ یا اللہ! جب میں بھوکا ہوتا ہوں تب بھی تجھی سے عاجزی کرتا ہوں۔ اور تجھے یاد کرتا ہوں۔ اور جب شکم سیر ہوتا ہوں تب بھی تیری ہی حمد کرتا ہوں۔ اور تیرا ہی شکر ادا کرتا ہوں۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ ازواج مطہرات نے آپ سے تنگدستی کی شکایت کی۔ تو آپ نے بحکم الٰہی یہ جواب دیا کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کے ساز و سامان کی طلبگار ہو تو آؤ ہم تمہیں (کچھ) دے دلا کر خوش اسلوبی سے رخصت کر دیں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور عاقبت کے گھر کی خواہاں ہو تو تم میں سے جو نیکو کار ہیں۔ ان کیلئے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے یہ متوکلانہ جواب سن کر عرض کیا کہ ہم دنیا کی زندگی اور اس کے ساز و سامان کی طلبگار نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ ہم کو رسول کی ازواج بنایا۔ یہ شرف تھوڑا نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت میں اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

یہ نقشہ ہے شہنشاہ کون و مکاں کی حیات اور ازواج مطہرات کی زندگی کا۔ چنانچہ ایک موقع پر حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس وقت جب نبی کریم رؤف و رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حالتِ نزع میں تھے۔ چراغ جلانے کیلئے ایک پڑوسی سے ہم نے تیل قرض لیا تھا۔" گویا غریب سے غریب انسان کی

خطاطی کا ایک نادر نمونہ

زندگی جیسی ہوتی ہے ویسی ہی زندگی آپ بسر فرماتے تھے۔ مثلاً آپ مجلس میں جہاں کہیں خالی جگہ ہوتی تھی۔ وہیں بیٹھ جاتے تھے۔ اپنے جوتے کو خود گانٹھ لیتے تھے۔ اپنے کپڑے میں خود پیوند لگا لیتے تھے۔ بکری کا دودھ خود دوہ لیتے تھے۔ اونٹ کو خود ہی باندھ دیتے تھے۔ اور مویشی کو خود ہی چارہ ڈالدیتے تھے۔ وغیرہ

الحاصل، آپ کی سادگی اور بے نفسی۔ امارت پسندی سے اجتناب اور غریبانہ گذر اوقات درویشانہ بود و باش اور فقیرانہ طرز زندگی سے کون ایسا سنگدل انسان ہے جو اس نتیجہ پر نہ پہونچے کہ آپ دنیا کی طمع اور جاہ و منصب کے خواہاں نہ تھے۔ بلکہ اس طریقۂ زندگی کو دیکھ کر ہر شخص یہی یقین کرے گا۔ کہ آپ کی پوری زندگی سرتاپا خلوص تھی' اپنے آرام و عیش کے بجائے مخلوق الٰہی کو عیش و آرام پہونچانا، آپ کی حیات طیبہ کا مطمح نظر تھا۔ اور ساری جد و جہد کا مقصد بھی یہ تھا۔ کہ ہر مخلوق الٰہی دنیا و آخرت کے رنج و غم اور درد و کرب سے نجات حاصل کرلے۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا

طریقۂ اصلاح و ہدایت

مولانا حضور احمد منظری

دنیا آج بھی اس بات پر حیرت زدہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے تیئیس سالہ دورِ نبوت میں کیسے ایک عالم گیر انقلاب لے آئے ـــــ اور اس قدر قلیل مدت میں آپ نے سماج و معاشرہ کا نقشہ کیسے بدل ڈالا۔ نیز آپ نے ایک خوگر ظلم وستم قوم کو انسانیت کا علمبردار کیسے بنا دیا۔

آج سے چودہ صدی قبل کے سماجی و معاشرتی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے دنیا کی حیرانی بالکل درست ہے کیوں کہ اس وقت کے نفرت انگیز اور اخلاقی قدروں سے عاری ماحول کو زیور انسانیت سے آراستہ و پیراستہ کرنے کیلئے ایک عرصہ درکار تھا لیکن جب ایک امی لقب نے محض چند سال کی مدت میں یہ مشکل کام کر ڈالا تو دنیا حیرت زدہ رہ گئی۔ اور اسکی یہ حیرت آج بھی برقرار ہے اور وہ جاننے سے قاصر ہے کہ آخر ایک امی لقب کے ہاتھوں کیوں کر اتنا بڑا کام انجام پا گیا۔ لیکن اگر ہم اپنے ذہن کے دریچوں کو کھول کر بہ نظر غائر آپکی تعلیم و تبلیغ کے انداز کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ آپ نے کس طور پر قوم کی اصلاح کا کام کیا تو بڑی حد تک یہ حیرت دور ہو سکتی ہے۔ یہ ایک امر مسلم ہے کہ کسی قوم کے اندر سے ان برائیوں کا ختم کرنا اور ان منکرات و فواحش کی بیخکنی کرنا، جنہیں خود قوم برا جانتی ہو اور ان کو اپنے حق میں مضرت رساں اور نقصان دہ سمجھتی ہو کوئی مشکل کام نہیں لیکن وہ برائیاں جنہیں قوم کے لوگ اپنے حق میں سود مند اور نفع بخش سمجھتے ہوں اور ان سے ان کی معاشی و اقتصادی منفعت بھی وابستہ ہو۔ ایسی صورتِ حال میں ان برائیوں کا ختم کرنا تو بعید بات ہے ان کے خلاف آواز اٹھانی بھی لوہے کے چنے چبانے کے مترادف ہے۔

غور کیجئے! آج سے چودہ صدی پیشتر اہل عرب کی حالت کیا تھی۔ وہ کون سی برائی اور خرابی تھی جو ان کے اندر موجود نہ تھی۔ ان کا پورا ماحول اگر ایک طرف کفر و شرک کی آلائشوں سے آلودہ تھا تو دوسری طرف جہالت اور آخری حد تک پہنچی ہوئی سماجی برائیوں کا بہترین عکاس بھی تھا۔ ان کی جہالت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی نوخیز و نورسیدہ بچیوں کو مفلسی اور ننگ و عار کے خوف سے پیوند خاک کر دیا کرتے تھے۔ کوئی باپ کتنا ہی ظالم کیوں نہ ہو لیکن وہ اپنے ہی جگر پارے کو اسطرح پیوند خاک کرنے کی ہرگز اپنے اندر ہمت نہ پائے گا۔ وہ جب
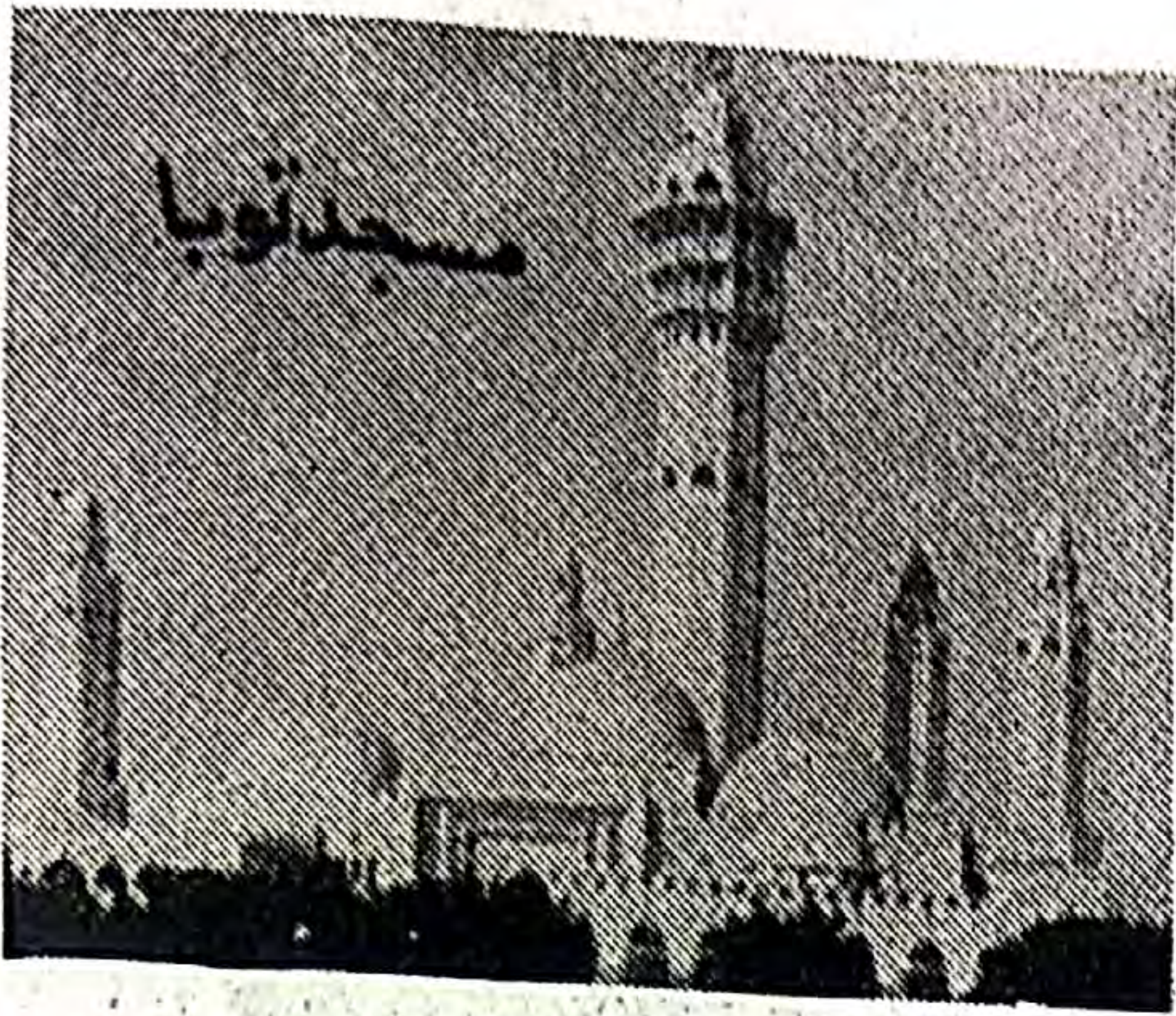
ایسا ارادہ کرے گا۔ پدرانہ شفقت ومحبت ضرور آڑے آجائے گی مگر اہل عرب اس کے مرتکب تھے۔ اور علی الاعلان اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ اور خود ہی اپنی نسل کشی کا موجب بنتے تھے۔ یہ واقعہ ان کی جہالت اور خلقی و ذہنی افلاس کا بین ثبوت ہے۔ اہل عرب اس طرح کے بیشمار خلاف فطرت اور انسانیت کش مظالم ومنکرات کے جامع تھے۔ منجملہ ایک شراب نوشی بھی تھی۔ شراب نوشی اس حد تک عام تھی کہ تقریباً ہر گھر میں اسکی کشید ہوتی تھی۔ اور گھر کا ہر فرد بلا کسی امتیاز ولحاظ کے شراب پیتا تھا۔ اور اسکی تجارت بھی کرتا تھا۔ گویا یہ فعل ان کی نگاہ میں نہ مذموم تھا اور نہ ہی غیر محمود بلکہ یہ ان کی سوسائٹی کا ایک فیشن اور ان کی تہذیب کا ایک عمدہ نمونہ تھا یہی نہیں بلکہ شراب سے ان کی مالی منفعت وابستہ ہونے کے باعث شراب پینا پلانا اور بیچنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

شراب پی کر دھینگا مشتی، بیہودہ گوئی اور شرمناک حرکتیں کرنا ان کی معاشرتی تہذیب کا ایک واضح نشان بن چکا تھا۔ خلاصۂ کلام یہ کہ وہ مے خواری اور رندی وسرمستی کے دیوانے اور رسیا تھے اور ان کیلئے ترک شراب نوشی ایک امر محال تھا۔ ایسے تاریک ترین ماحول میں جب آفتاب اسلام طلوع ہوا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ورسالت کا منصب عطا کیا گیا۔ اور آپ نے حکم خداوندی کے مطابق قوم میں اصلاح وتبلیغ کا کام شروع کیا تو آپ نے یکبارگی اپنی قوم سے منکرات وخبائث کے ترک کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ ہی رب العزت نے انہیں اسکا حکم دیا۔ کیونکہ یہ فطرت انسانی ہے کہ جب کوئی فعل انسان زندگی کا جزو لاینفک بن جاتا ہے اور انسان اس کے نہ کرنے پر ایک کمی محسوس کرنے لگتا ہے تو پھر اس کیلئے اس کا بہ آسانی ترک کر دینا نہایت مشکل ہوتا ہے اور اس کے نقصانات کو جاننے کے باوجود وہ اسے چھوڑنے

مسجد توبا

پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اسکی چھوٹی سی مثال آج کے دور میں سگریٹ نوشی کی دی جاسکتی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ سگریٹ کی ہر پیکٹ پر لکھا رہتا ہے۔ کہ "سگریٹ نوشی صحت کیلئے مضر ہے" لیکن اسکے باوجود لوگ ذوق وشوق کے ساتھ سگریٹ پیتے اور پلاتے ہیں۔ کوئی بزم اور مجلس آپکو سگریٹ سے خالی نہ ملے گی وجہ صرف یہ ھیکہ چونکہ آجکے دور میں سگریٹ نوشی لوگوں کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے اور وہ اسے اپنے حق میں بجائے نقصان دہ تصور کرنے کے مفید، نافع اور اپنے ماڈرن وترقی یافتہ ہونے کی علامت تصور کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر سگریٹ نوشی پر پابندی عائد کر دیجائے تو کیا نتائج برآمد ہوں گے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ایک ایسی قوم کو راہ راست پر لانا تھا جو برسہا برس سے منکرات وخبائث کے دل دل میں پھنسی ہوئی تھی۔ اور خاص کر شراب نوشی ان کے رگ وپے میں سرائت کئے ہوئے تھے لہذا آپ کے لئے اصلاح کا یہ کام ازحد دشوار اور صبر آزما تھا لیکن چونکہ آپ ایک اولوالعزم پیغمبر زمانے بھر کے مصلح اور محسن انسانیت بنکر تشریف لائے تھے اور رب کائنات آپ کا معین ومددگار تھا اس لئے آپ ذرا بھی نہ گھبرائے اور وفا نا آشنا قوم کے مظالم کے باوجود آپکے پائے استقامت میں تزلزل
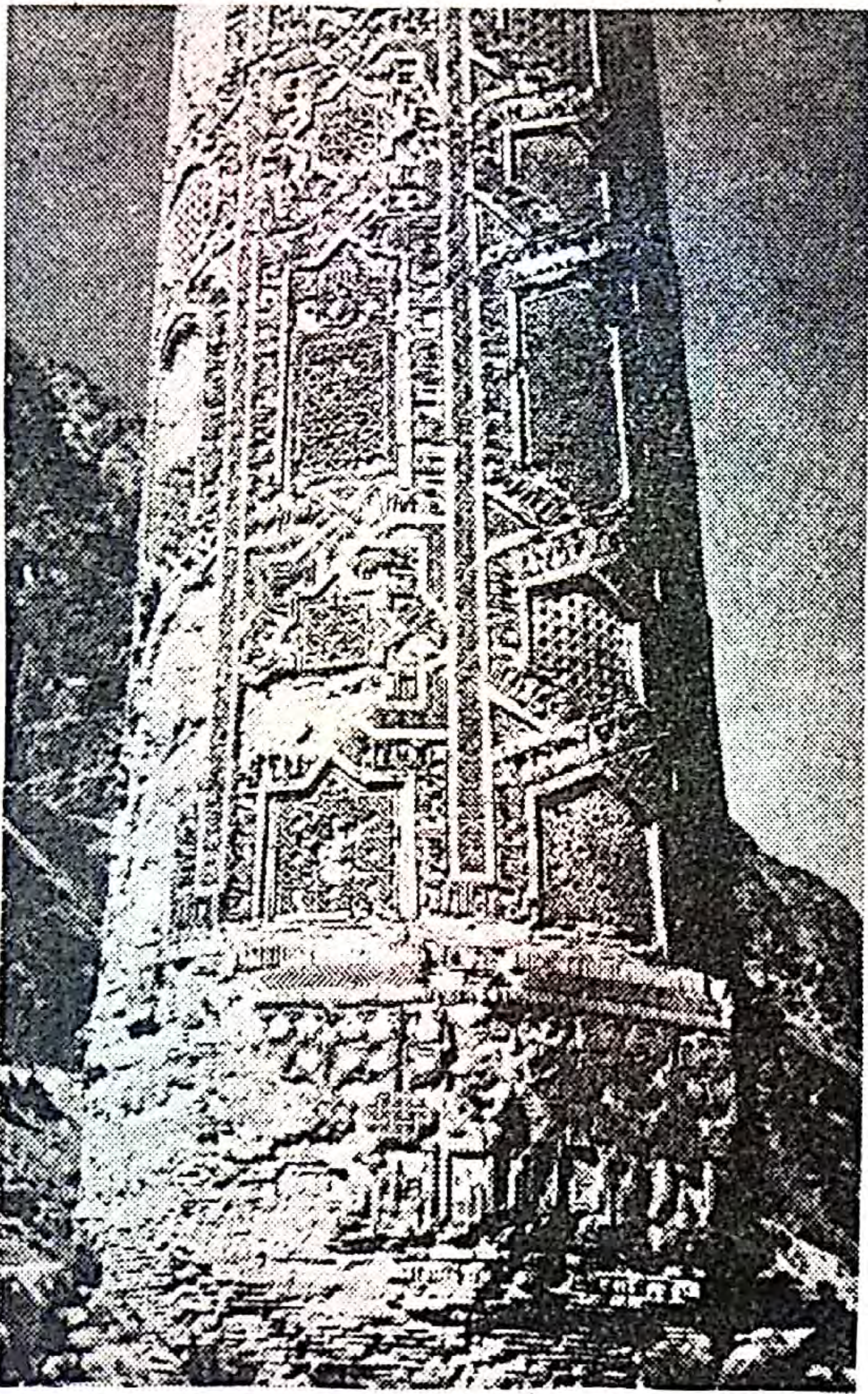
پیدا نہ ہوا۔ اور پھر دنیا نے دیکھا کہ آپ نے چند سال کی مدت میں اہل عرب کی کایا پلٹ کر رکھدی، اور وہی عرب جو اجڈ گنوار اور وفا نا آشنا تھے۔ پیکر اخلاص و محبت مجسم شرافت اور حسن اخلاق کی جیتی جاگتی تصویر بن گئے۔ حتیٰ کہ شراب نوشی کو بھی کلی طور پر ترک کر دیا۔ آپ سوچ رہے ہوں گے۔ کہ جب مے نوشی اہل عرب کی گھٹی میں داخل ہو چکی تھی تو پھر وہ اسے کیسے چھوڑ بیٹھے؟

سنیئے! یہ صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی تعلیم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز اصلاح اور طریقہ کار کا اعجاز تھا۔ چونکہ آپ فطرت انسانی سے واقف تھے اسلیئے آپ نے لوگوں کو یکبارگی شراب نوشی سے منع نہیں کیا۔ بلکہ انہیں بتدریج اس عادت قبیحہ سے دور کرنے کی حکمت عملی اپنائی۔

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ آفتاب اسلام کے طلوع کے بعد بھی لوگ شراب نوشی میں لگے ہوئے تھے یہاں تک کہ جو لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے وہ بھی اس علت میں گرفتار تھے۔ لیکن چونکہ انہوں نے بابیدی کی زندگی ترک کر کے پاکیزگی اختیار کر لی تھی اسلیئے بعض مسلمان شراب نوشی کو نہایت قبیح سمجھتے تھے کیوں کہ وہ دیکھتے تھے کہ لوگ شراب پیکر مدہوش ہو جاتے ہیں اور مدہوشی کی حالت میں طرح طرح کی شرمناک حرکتیں کرتے ہیں۔ اسلیئے ایکبار حضرت عمر اور حضرت معاذ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت کے ساتھ بارگاہ رسالت میں تشریف لائے اور عرض کیا "أَفْتِنَا يَا رَسُولَ اللهِ فِي الْخَمْرِ فَإِنَّهَا مُذْهِبَةٌ لِلْعَقْلِ مُسْلِبَةٌ لِلْمَالِ" یعنی یا رسول اللہ آپ ہمیں شراب کے بارے میں فتویٰ دیجئے کہ بیشک اسمیں بہت زیادہ نقصان عقل اور ضیاع مال ہے۔ صحابۂ کرام نے حضور سے شراب کے متعلق فتویٰ دریافت ہی کیا تھا کہ فوراً جبریل علیہ السلام درج ذیل آیت لیکر نازل ہوئے کہ يَسْئَلُونَكَ عَنِ

افغانستان کا ایک خوبصورت منقش مینار

الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا" پ ۲ یعنی لوگ تم سے شراب اور جوے کا حکم پوچھتے ہیں تم فرما دو ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کیلئے کچھ دنیوی نفع بھی اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام نہیں فرمایا بلکہ اپنے محبوب کو صرف اتنی تعلیم دی کہ وہ لوگوں کو شراب اور جوے کے بارے میں بتا دیں کہ وہ گناہ ہے اور ان میں لوگوں کیلئے جو نفع ہے ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے۔ اس آیت کے نزول کا یہ اثر ہوا کہ ایک جماعت نے شراب کو ترک کر دیا اور ایک جماعت
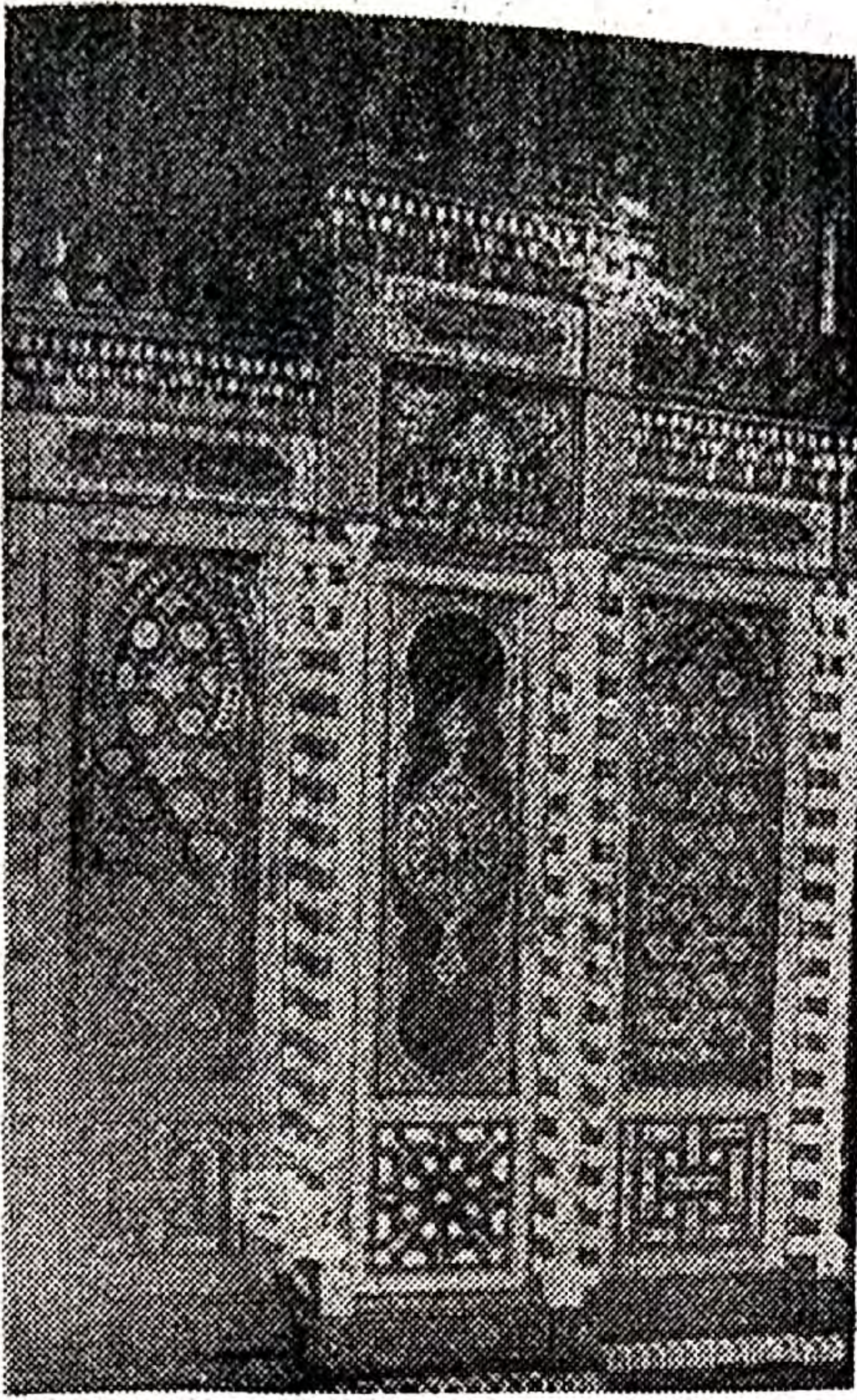
نے کم کر دیا۔ اسطرح شراب نوشی کا رواج بڑی حد تک کم ہوگیا۔ یہ سلسلہ کچھ دنوں قائم رہا۔ پھر ایکدن حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت صحابہ کی دعوت کی اس میں کھانے کے ساتھ شراب بھی پیش کی گئی۔ لوگوں نے پی اور ان پر نشہ طاری ہوگیا اسی میں مغرب کی نماز کا وقت آگیا۔ ایک صحابی رسول نے امامت کی اور انہوں نے قرارت میں سورہ کافرون کی تلاوت کی اور نشہ میں قل یا ایھا الکافرون اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَ اَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا اَعْبُدُ پڑھ گئے اس آیت میں دونوں جگہ لا ترک کردیا اور نشہ میں خبر نہ ہوئی اور معنیٰ فاسد ہوگئے۔ اس پر مندرجہ ذیل آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنْتُمْ سُکَارٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ۵ یعنی اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ جبتک اتنا ہوش نہو کہ جو کہو اسے سمجھو۔ اس آیت مبارکہ میں بھی شراب حرام نہ قرار دی گئی صرف اتنی تاکید کی کی گئی کہ نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ۔ گویا صرف نماز کے اوقات میں شراب کو ممنوع ٹھہرایا گیا۔ اس آیت کے نزول کے بعد لوگوں نے اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ نشہ میں ہوں اور نماز کا وقت نکل جائے۔ شراب نوشی کم کردی۔ اب وقتاً فوقتاً جب کبھی کوئی تقریب ہوتی یا کسی دعوت کا اہتمام ہوتا تو لوگ پی لیا کرتے تھے۔

ایسے ہی ایک مرتبہ عتبان بن مالک نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ اپنے یہاں مدعو کیا۔ دسترخوان پر جہاں انواع و اقسام کے کھانے کا انتظام تھا۔ وہیں شراب و کباب کا بھی انتظام تھا۔ چنانچہ خوب شراب و کباب کا دور چلا حتیٰ کہ وہ مست و بےخود ہوگئے۔ اور ہوش و خرد سے بیگانہ ہوکر فخریہ اشعار پڑھنے لگے۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص نے بھی ایک شعر پڑھا۔ جسمیں انصار کی ہجو تھی۔ ایک انصاری

مکہ معظمہ کا ایک کتب خانہ

ہجو سنکر طیش میں آگئے اور انہوں نے انہیں اونٹ کے جبڑے سے زد و کوب کیا جس سے وہ زخمی ہوگئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انصاری کی شکایت کی۔ ایسا اتفاق کہ جس وقت بارگاہ رسالت میں یہ مقدمہ پیش ہوا۔ تو حضرت عمر موجود تھے انہوں نے بارگاہ رب العزت میں حضورِ قلب کے ساتھ دعا کی کہ اَللّٰھُمَّ بَیِّنْ لَنَا فِی الْخَمْرِ بَیَانًا شَافِیًا یعنی اے اللہ تو ہمارے لئے شراب کے بارے میں خوب واضح حکم نازل فرمادے۔ حضرت عمر کی دعا مقبول بارگاہ ہوئی اور فوراً شراب کی حرمت کا قطعی حکم لیکر حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے کہ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۵ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ

فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ ہ یعنی اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں۔ شیطانی کام تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ . شیطان یہی چاہتا ہیکہ تم میں بیر اور دشمنی ڈلوا دے شراب اور جوے کے ذریعے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے۔ ٹ

اس آیت میں اگرچہ حرام کا لفظ استعمال نہیں ہوا مگر اسکے بجائے جو الفاظ استعمال کیئے گئے ہیں وہ انکی حرمت پر نص قطعی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سب سے پہلے "رجسٌ" کا لفظ لایا گیا۔ جس کے معنے گندگی اور پلیدی کے ہیں۔ پھر ان چیزوں کو شیطانی کام بتایا گیا اور بعدہٗ "اجتنبو" صیغۂ امر لایا گیا جو وجوب کا معنی دیتا ہے "رجس"، "عمل شیطان اور "اجتنبوہ" کے کلمات لاکر اللہ تعالیٰ نے ایک طرف شراب، جوا، بت اور پانسے کی زبردست مذمت بھی فرما دی۔ اور دوسری طرف ان سے احتراز کو تمام مسلمانوں کیلئے واجب و لازم بھی قرار دے دیا۔ اگر صرف حرام کا لفظ ان کیلئے استعمال ہوتا تو ان کی اصلیت کا کما حقہٗ پتہ نہ چلتا اور نہ ہی ان کی مذمت ہو پاتی۔

شراب سے متعلق اس حکم قطعی کے نزول کے بعد تمام مسلمانوں نے کلی طور پر شراب کو ترک کر دیا مٹکے پھوڑ ڈالے۔ شراب کشید کرنے کے جملہ آلات نیست و نابود کر دئے۔ اور چشم عالم نے شراب کو نالیوں میں برسات کے پانی کیطرح بہتے ہوئے دیکھا۔ اور اس طرح شراب سے پیدا ہونے والی تمام سماجی اور اخلاقی برائیوں کا قلع قمع ہو گیا۔ اس بحث سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ شراب جیسی نجس چیز کو تعلیم خداوندی کے مطابق مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے یکبارگی حرام نہیں فرمایا بلکہ بتدریج اہل عرب کو اس گندگی اور پلیدی سے دور فرمایا۔ پہلے آپ نے ان کو بتایا کہ یہ گناہ ہے پھر دوسری منزل میں شراب کی حالت میں نماز کے

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

قریب جانے سے منع فرمایا۔ پھر آخر میں ان سے صاف صاف اس کی حرمت کو بیان فرما دیا گیا۔ کیوں کہ اگر وہ یکبارگی اسکی حرمت بیان فرما دیتے تو لوگوں پر یہ اثر نہایت شاق گذرتا اور وہ اصلاح کو اسطرح بآسانی قبول نہ کر لیتے کیوں کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ شراب سے ان کو غایت درجہ لگاؤ تھا مزید برآں اس سے ان کا معاشی و اقتصادی مفاد بھی وابستہ تھا۔

معلوم ہوا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اسی تعلیم خداوندی کے مطابق تاحیات قوم کے اندر اصلاح و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کہ اُدْعُ اِلیٰ سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ یعنی اے محبوب! تم اپنے رب کے راستے کیطرف بلاؤ۔ حکمت اور موعظ حسنہ کے ساتھ اور ان سے عمدہ طریقہ پر جدال کرو۔ کے مطابق ہی آپ دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیتے رہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ناقابل اصلاح قوم کی اصلاح و تربیت میں جو تاریخ ساز کامیابی حاصل ہوئی اس کا سبب آپ کا یہی انداز اصلاح اور طریق کار تھا۔ اور تا قیام قیامت آپکی حیات طیبہ کا یہ گوشہ نہ صرف نوع آدم کیلئے مشعل راہ بنا رہیگا۔ اور امت مسلمہ ہی نہیں بلکہ دنیا کی ہر قوم آپ کو مصلح اعظم کے لقب سے یاد کرتی رہے گی۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

بحیثیت

رحمۃ للعالمین

ڈاکٹر حسن رضا خاں

رحمت اس جذبہ کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسری ہستی کے ساتھ محبت و شفقت، لطف و کرم، فضل و احسان کا داعیہ غالب آجائے۔ لہذا رحمت کا مزاج یہ ہوتا ہے۔ شور و ماتم کی جگہ نغمہ و نشاط۔ اضطراب کی جگہ عیش و سلامتی موت کی جگہ زندگی، نوحہ خوانی کی جگہ زمزمہ سنجی، بحر خونین کی جگہ زندگی کے لالہ زار قائم ہو جائیں۔ رحمت کا غالب عنصر وہ سکون ہے جس سے قلب انسانی دکھ سے نجات پاکر اطمینان حاصل کرسکے اور قلوب میں شادابی پیدا ہو جائے۔ اعلیٰ حضرت نے عروس رحمت کے جلوہ کو کس حسن ادا سے بے نقاب کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

مجرموں کو ڈھونڈتی پھرتی ہے رحمت کی گھٹا
طالع برگشتہ تیری سازگاری واہ واہ

رحمت صرف گناہ کو معاف کرنے کی بشارت ہی نہیں دیتی ہے بلکہ گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کرتی ہے۔ اس لئے رحمت گنہگاروں سے محبت کرتی ہے اور گناہوں سے نفرت کرتی ہے، مریض سے محبت کرتی ہے اور مرض سے نفرت کرتی ہے، رحمت گمراہوں سے محبت کرتی ہے اور گمراہی سے نفرت کرتی ہے ؎

جب آگئی ہیں جوش رحمت پہ ان کی آنکھیں
جلتے بجھا دیئے ہیں روتے ہنسا دیئے ہیں

چھٹی صدی عیسوی کا وہ ایسا تاریک ترین عہد تھا کہ جس میں فطری پاکیزگی اور انسانیت کا نام تک نہیں تھا۔ فسق و فجور کا بازار گرم تھا۔ انسانی ضمیر کی روشنی ظلمت و معصیت میں دبی ہوئی تھی۔ فطرت کے حسن پر بداعمالیوں اور سیاہ کاریوں کے پردے ڈال دیئے گئے تھے۔ طغیان و سرکشی کے سیلاب میں دنیا والے بہے جارہے تھے ان کی فطری صلاحتیں خود ستائی اور دوسری قوموں کی تحقیر و تذلیل میں مصروف تھیں اپنے انسانیت سوز کارناموں کو مشتہر کرنے میں زبان کی ساری طاقتیں صرف کر دینا ہی کمال سمجھا جاتا تھا شرافت نسل کے دعویدار عرب بڑی دلیری اور فخر سے اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ پوری دنیا پر گمرہی کا بادل چھایا ہوا تھا۔ عرب کا خطہ سارے عالم میں گمراہیوں کا مسکن تھا۔ وہ ممالک جو اپنے کو متمدن کہتے تھے۔ ان کے یہاں بھی کسی ناتواں کو زندگی کی سانس لینے کی اجازت نہ تھی۔ اگر تندرست بچے پیدا ہوتے تو ان کی پرورش کرتے

مسجد نبوی سو برس پہلے ایسی تھی۔
اس وقت مسجد کے صحن میں نہ فوارہ تھا نہ محراب نہیں ہے۔

ورنہ پہاڑ کی بلندی سے اس بچے کو جو زندگی لے کر آیا تھا موت کے عمیق غار میں پھینک کر اپنی پستی کا اعلان کرتے تھے عورتیں گناہ کی ماں اور بدی کی جڑ قرار دی جا رہی تھی کہیں گناہوں کا سرچشمہ اور جہنم کا دروازہ کہی جا رہی تھیں۔ دنیا جہنم زار بنی ہوئی تھی۔ مخلوق خدا اپنے پروردگار کی بارگاہ میں دھڑکتے دل کے ساتھ، اشک بار آنکھوں کیساتھ اور لرزتے ہاتھوں کے ساتھ فریادی ہے۔ پروردگار کو اپنی مخلوق کی ابتری پر رحم آیا اور اس نے ساری کائنات کیلئے سراپا رحمت بنا کر مصطفےٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجدیا۔

اس خاکدان گیتی پر ہر نبی رحمت بن کر آیا۔ چونکہ نبوت سراسر رحمت ہے۔ لیکن ہر انبیاء کا دائرہ متعین قبیلہ متعین، مخصوص خطۂ ارض تک محدود۔ مگر رحمت للعلمین کا شرف صرف اور صرف آقائے نامدار احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے وما ارسلنٰک الا رحمت للعلمین) آپ کی رحمت زمان و مکان پر چھائی ہوئی ہے ازل و ابد پر محیط ہے۔ آپ کا ہر قول و فعل، ہر حرکت و سکون ہر نظریہ و فکر، غرض زندگی کا ہر جزو کل رحمت ہی رحمت ہے۔ آقائے کائنات کی صرف ذات ہی رحمت نہیں ہے بلکہ آپ کی دی ہوئی شریعت، آپکی لائی ہوئی کتاب، آپکا لایا ہوا دین اور اس کا ہر ہر حکم رحمت ہے

جب اس خاکدان گیتی پر جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو جو پست تھا اسے بلندی کی معراج عطا کر دی، جو ضعیف تھا اسے توانا کر دیا۔ جو بے قرار تھا اسے قرار پہنچا دیا۔ جو کچھ نہیں تھا اسے سب کچھ بنا دیا

تم نے ہر ذرہ میں برپا کر دیا طوفانِ شوق
اک تبسم اس قدر جلوؤں کی طغیانی کیساتھ

چھٹی صدی عیسوی میں بیواؤں کو دنیا ذلیل سمجھتی تھی مگر جب رحمت للعلمین نے اپنی پہلی شادی ایک بیوہ سے فرمائی۔ تو رحمتِ عالم کا مزاج بول پڑا۔ لوگ تو کنواریوں کو سہاگن بناتے ہیں۔ مگر رحمت بیواؤں کو سہاگن بنا رہی ہے۔ دنیا والے جن غریب لوگوں کو ذلیل سمجھتے تھے۔ مگر بلال حبشی جب جان رحمت کے قدموں میں آ گئے تو دنیائے روحانیت کا ہلال بن گئے۔ دنیا غلاموں کو ذلیل سمجھتی تھی مگر جانِ رحمت نے وہ آقائی غلاموں کو عطا فرمائی کہ ان کے قدموں میں اپنے وقت کے شہنشاہ دفن ہونا جنت سمجھ رہے ہیں۔ زبان رسالت سے وحی الٰہی سنائی جا رہی ہے (ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم) ہر فرد کیلئے حصول عظمت کا برابر موقع ہے۔ مکہ و مدینہ کا رہنے والا ہو یا پریاگ کا، افریقہ کا سیاہ فام ہو یا یورپ کا سفید فام، مرد ہو یا عورت، ضعیف ہو یا توانا، عظمت کا مدار تقویٰ ہے۔

حضورؐ غیر مسلموں کیلئے بھی رحمت ہیں

اللہ کے رسولؐ ایک روز خانۂ کعبہ میں نماز ادا فرما رہے ہیں۔ ایک شقی القلب نے آقائے کائنات کے گلوئے مبارک میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچا کہ آپکی آنکھیں اُبل آئیں۔ حضرت سیدہ فاطمہ بھی بچپنے کی معصومیت میں پروان چڑھ رہی تھیں۔ دوڑیں، گلوئے مبارک سے چادر ہٹائی اور خفا ہوئیں۔ تب آقا نے اپنی انگلی ان کے ہونٹوں پر رکھدی۔ اور فرمایا۔ وہ مریض ہے۔ ہلاکت کی دعا نہ کرو۔ وہ نہیں جانتا ہے۔ میں رحمت ہوں اور رحمت مریض سے محبت کرتی ہے۔ مرض سے نفرت کرتی ہے۔

بدر کے میدان کے قیدی رات کے سناٹے میں کراہ رہے ہیں۔ آقائے کائنات اپنے حجرۂ مبارک میں آرام فرما رہے ہیں۔ صحابہ نے سوچا اب آقا کو نیند آگئی ہو گی۔ مگر جب پردہ ہٹا کر دیکھا تو جانِ رحمت بے چین ہیں عرض کیا یا رسول اللہ فداک ابی و امی۔ اللہ نے آپ کو فتح مبین عطا کی ہے۔ آپ کے دشمنوں ذلیل و رسوا کیا۔ آخر بے قراری و بے چینی کی کیا وجہ ہے جانِ رحمت نے فرمایا۔ قیدیوں کے کراہنے کی آواز سے دل بے چین ہے صحابہ نے ان کی مشکیں ڈھیلی کر دیں۔ جب قیدیوں کے کراہنے کی آواز معدوم ہو گئی۔ تب جانِ رحمت کو سکون ملا۔

فتح مکہ کے دن جب اسلامی لشکر مکہ میں داخل ہو گیا۔ سیف اللہ کا لقب جنہیں مصطفٰے جانِ رحمت نے عطا فرمایا وہ خالد بن ولید ہیں۔ فرطِ جوش میں آگئے۔ اور ایک نعرہ بلند کیا۔ فضا گونج اٹھی الیوم یوم الملحمہ الیوم یوم الملحمہ آج کا دن بدلے کا دن ہے۔ آج کا دن جم کر لڑنے کا دن ہے۔ کہ دفعتہً فضا میں رحمت کی راگنی تیرنے لگی۔ رحمت عالم نے فرمایا۔ الیوم یوم المرحمہ الیوم یوم المرحمہ آج کا دن مہربانی کا دن ہے۔ آج کا دن مہربانی کا دن ہے ظلم کا جواب ظلم سے ساری دنیا دیتی ہے مگر مختار کونین ظلم کا جواب رحمت سے عطا فرماتے ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جنات

مولانا سید محمد حسینی اشرفی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی تخلیق سے پہلے جنات کی تخلیق فرمائی، جب جنات نے مقصد تخلیق الٰہی کو بھلا دیا۔ تو حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر اپنی خلافت کا اعزاز حضرت انسان کو بخشا، حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ انسان کیطرح جنات بھی شرعی احکام کے مکلف ہیں۔ بعض جنات اگلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب نبی آخر الزماں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپکی تبلیغ وہدایت کا دائرہ صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ جن وانس دونوں کیلئے تھا۔ جتنے فرقے اور قسمیں انسانوں میں ہیں اتنے فرقے و قسمیں جنات میں بھی ہیں۔

جب نزول قرآن ہوا تو انسانوں کو ہدایت کی دعوت دی گئی۔ انسانوں میں سے جنہیں توفیق ہوئی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کو لبیک کہہ کر دامن رسول کو تھام لیا اور مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح جنات کو بھی دعوت

دی گئی ان میں بعض جنوں کے طبقات نے دعوت اسلام کو قبول کیا۔ اسکا ذکر قرآن و حدیث میں موجود ہے ذیل میں آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جنات کا حاضر ہونے اور دعوت اسلام کو قبول کرنیکے بھی واقعات ملاحظہ فرمائیں

علامہ قسطلانی تحریر فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دس دن طائف میں تشریف فرما رہے۔ اسکے بعد مکہ مکرمہ کا قصد فرمایا اور حضرات آپکے ہم سفر تھے آپکے چہرہ مقدس سے کچھ اضمحلال کے آثار نمایاں تھے۔ عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کا ایک باغ ملا۔ اس باغ میں حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا۔ وہاں عتبہ اور شیبہ بھی موجود تھے۔ ان دونوں نے آپکو مضمحل دیکھ کر قرابت داری کی خاطر عداس نامی ایک نصرانی کے ہاتھ سے ایک طبق خوشہ انگور کا حضور کی خدمت میں بھیجا' حضور نے ان انگوروں کو بسم اللہ کہہ کر تناول فرمایا عداس نے کہا میں نے یہ کلمہ آج تک کبھی کسی سے نہیں سنا آپ کون ہیں' حضور نے ارشاد فرمایا میں مکہ کا رہنے والا ہوں' حضور نے پوچھا تو کہاں کا رہنے والا ہے ۔اور کس دین سے تعلق رکھتا ہے اس نے کہا کہ میں شہر نینوا کا رہنے والا ہوں۔ اور نصرانی ہوں' حضور نے فرمایا تو یونس بن متی کے گاؤں کا رہنے والا ہے۔ اس نے کہا کہ آپ نے یونس بن متی کو کیسے پہچانا' حضور نے فرمایا یونس میرے بھائی تھے اور تمام انبیاء علیہم السلام میرے علاتی بھائی ہیں۔ عداس نے پوچھا کہ آپ کا اسم شریف کیا ہے۔ سرکار نے فرمایا میرا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے عداس نے کہا کہ میں ایک طویل مدت سے آپکے اوصاف انجیل مقدس میں پڑھتا آیا ہوں۔ اور میں نے توریت میں بھی آپ کے اوصاف پڑھے ہیں۔ اس نے کہا کہ خدا تم کو پیغمبر بنا کر بھیجے گا۔ مگر تمہاری قوم کے لوگ تمہیں ایذائیں دیں گے آخرکار خداوند قدوس کی تائید و نصرت تمہارے ساتھ ہوگی۔ اور پوری زمین آپ کے دین سے منور ہوگی۔ آخر کار عداس حضور اقدس کی نورانیت اور انداز تکلم کی صداقت کو دیکھ کر ایمان لایا اور قدمبوس ہو گیا۔ عتبہ اور شیبہ نے دور سے اس منظر کو دیکھا جب عداس عتبہ و شیبہ کے پاس واپس گئے تو انہوں نے کہا عداس انہوں نے "میں پیغمبر ہوں" کہہ کر (معاذ اللہ) تجھے فریب دیا ہے لیکن اسکا عداس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ راستے میں بطن نخلہ نامی ایک باغ ملا آپ نے وہیں قیام فرمایا۔ آدھی رات کو جب آپ نماز پڑھنے لگے اس وقت سات جن اور ایک روایت کی بنیاد پر ۹ جن حاضر بارگاہ نبوت ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کو سنکر جنوں نے آپکو پہچان لیا۔ نماز سے فراغت کے بعد وہ جن ایمان لائے اور اور اپنی قوم میں جا کر اسکا چرچا کیا۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بازار طائف میں تشریف لائے' اس بازار میں اکثر مختلف قسم کے بڑے بڑے تاجر جمع ہوتے تھے آپ وہاں بیس شوال سے دس ذوقعدہ تک قیام فرماتے تھے اس درمیان چند لوگ حضور کی خدمت میں شامل ہو گئے۔ ان کے ساتھ حضور نے ایک مقام میں رات گزاری جب صبح ہوئی تو حضور اپنے اصحاب سمیت نماز پڑھنے لگے نماز سے فراغت کے بعد سرداران جن وہاں سے اس طرح گذرے کہ انہوں نے حضور کی قرات کو سنا' حضور کی تلاوت کو سنکر یہ سردار جن اپنی قوم میں واپس آکر تبلیغ اسلام کا سلسلہ شروع کیا۔ یاقومنا انا سمعنا کتابا انزل من بعد موسی مصدقا لما بین یدیہ الآیہ یھدی الی الحق والی طریق مستقیم یاقومنا اجیبوا داعی اللہ و آمنوا بہ یغفر لکم من ذنوبکم ویجرکم من عذاب الیم ومن لا یجب داعی اللہ فلیس اللہ بمعجز فی الارض ولیس من دونہا اولیاء اولئک فی ضلال مبین ہ

ترجمہ۔ بولے اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب سنی کہ موسیٰ کے بعد اتاری گئی اگلی کتاب کی تصدیق فرمائی اور سیدھی راہ دکھائی اے ہماری قوم اللہ کی منادی کی بات مانو اور اس پر ایمان لاؤ کہ وہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے۔ اور تمہیں دردناک عذاب سے بچالے اور جو اللہ

کی منادی کی بات نہ مانے وہ زمین میں قابو سے نکل کر جانیوالا نہیں۔ اور اللہ کے سامنے اسکا کوئی مددگار نہیں وہ کھلی گمراہی میں ہیں۔ (ترجمہ رضویہ)

جب یہ آیت کریمہ قوم جن نے سنی تو بہت سے جن ایمان لائے۔ اس قسم کے بہت سے واقعات احادیث میں موجود ہیں۔

فتح مکہ کے بعد جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں واپس تشریف لائے۔ چند ماہ کے بعد شہر نصیبین و نینوا کے لوٹنے جن اپنے تاجدار جنوں کیساتھ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک رولعہ نامی جن نے آکر عرض کیا یارسول اللہ جنوں کی ایک جماعت آپکی خدمت میں حاضری چاہتی ہے، حضور نے فرمایا کہ شعب الحجون میں جمع ہوں اگر یہ جن یہاں آجائیں تو لوگ ڈر جائیں گے، چنانچہ رولعہ نامی جن اسی مقام پر شب میں اپنی جماعت کے ساتھ حاضر ہوا نماز عشاء کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضور وہاں۔ تشریف لے گئے تو حضور نے جنوں کی ایک فوج کو ملاحظہ فرمایا۔ حضور نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو شعب حجون کے دروازے پر کھڑا کر دیا آپکے ارد گرد ایک گول دائرہ کھینچا اور ارشاد فرمایا تم اسی مقام پر رہو اور حضور اس سے متصل ایک پہاڑ کے درے میں داخل ہوئے اور جن حضور کے دیدار کیلئے بیحد مشتاق اور تیمتی سے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ بعض جن گدھ کی صورت میں اور بعض عجیب عجیب شکل و صورت میں سب جن برہنہ سر اور برہنہ پاؤں تھے اور ایک کپڑے کا ٹکڑا اپنی ستر عورت پر باندھے ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صبح تک ان کی ہدایت و تبلیغ میں مصروف رہے جب یہ قوم رخصت ہونے لگی تو کہنے لگی یارسول اللہ ہمکو کچھ تبرک عنایت فرمائیں۔ حضور نے فرمایا میں تمکو ایسا تبرک دیتا ہوں۔ جو تمہاری اولاد اور اولاد کی اولاد کے کام

میں آجائے۔ یعنی جس جگہ خالی ہڈی یا اونٹ یا بکری و بھیڑ وغیرہ کی مینگنی اور کوئلہ وغیرہ ملے وہ تمہاری اور تمہارے جانوروں کی غذا ہے۔ جنوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنی آدم ان کو ناپاک کریں گے۔ اسکے بعد حضور نے اپنی امت کو ان چیزوں سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جزیرۂ موصل کے بارہ ہزار جن ایک روایت کے مطابق چھ لاکھ جن کوہ حراء جسکو اب جبل نور کہتے ہیں جمع ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا وہاں تشریف لے گئے تمام شب آپ نے وہیں قیام فرمایا صبح کے وقت صحابہ کرام نے جنوں کے نشانات کو ملاحظہ فرمایا جو کچھ اپنے اسباب و آلات سے چھوڑ گئے تھے سب دیکھے اور حضور نے بھی خود ان اسباب کو ملاحظہ فرمایا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفے میں قوم زط کو دیکھ کر دریافت فرماتے تھے کہ یہ جن ہیں۔ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا وہ یہ کہتے کہ یہ آدمی ہیں تب آپکا خوف جاتا تھا ورنہ وہ یہی جانتے تھے کہ یہ جنات ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا حضور جسطرح انسانوں پر مبعوث ہوئے اسی طرح جنات پر بھی۔ حدیث پاک سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ الرحمن علم القرآن قوم جن پر تلاوت فرمائی تو اس قوم نے نہایت ادب و احترام سے سنا اور فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ سن کر عرض کرنے لگی کہ اے پروردگار ہم کسی نعمت کی ناشکری نہیں کریں گے۔ جب حضور نے اعلان نبوت فرمایا تو آپکی وحی کا شور سارے عالم میں برپا ہو گیا۔ اور آپکا ذکر چہار سو پھیل گیا۔ اور شیاطین و جنات کا بالکل آسمان دنیا تک جانا بند ہو گیا۔ اس لئے کہ وہ وہاں سے کچھ خبریں لا کر اپنے خاص بندگان ہوا و ہوس یعنی کفار و مشرکین کو بتاتے اسطرح یہ انسان اپنی انکل سے دوسرے انسانوں کو گمراہ کرتے شیاطین کا یہ سلسلہ بند ہو گیا وہاں جانے پر فرشتے ستاروں

سے مارتے ہیں۔ فرشتوں کے پہرے بٹھا دیئے گئے۔ اب جن حیران و پریشان ہو گئے کہ ہم کیسے آسمانوں میں جاکر کچھ غیبی باتیں اپنے خاص بندوں کو سنائیں اور وہ ان غیبی خبروں کو دوسرے انسانوں کو سنا کر انہیں گمراہ کریں تب جنوں نے پورے روئے زمین کی سیر کی اور دیکھا کہ روئے زمین پر کیا ہو رہا ہے انہیں جنات میں بعض جنوں کا گذر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتا آپ کے مقدس کلمات سن کر وہ آپکی بارگاہ میں حاضر ہوتے چنانچہ شہر نصیبین میں وادئ تہامہ کے جنوں کی ایک جماعت گھومتی پھرتی ہوئی وادئ نخلہ میں پہنچی اور وہاں حضور کا قرآن مجید پڑھنا سنا تو انہیں یقین ہو گیا کہ یہ کلام یقیناً خالق کائنات کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ جس پر یہ کلام نازل ہوا ہے وہ یقیناً نبی ہے۔ چنانچہ ان جنوں نے واپس جاکر اپنی جماعت میں حضور کا تذکرہ کیا اسکے بعد ہی فوراً ایک بڑی جماعت آپکی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ایمان لائی۔ ان جنوں نے اپنی قوم میں جاکر یہ اعلان کیا کہ اے قوم جن اب آسمانوں پر جانے اور وہاں سے غیبی خبروں کے لانے کا سلسلہ بند ہو گیا۔ اسلئے نبی آخر الزماں ظاہر ہو چکے ہیں سب کے سب چل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو اور ان پر ایمان لاؤ چنانچہ اکثر جنات جو جزائر عرب میں رہتے تھے یہی طریقہ اختیار کیا کہ خود حاضر ہو کر ایمان لاتے تھے۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں ایکدن اپنے بتوں کے پاس بیٹھا تھا اس وقت ایک شخص گائے کا بچہ لایا اور نذر کے واسطے ذبح کیا ایک بت کے پیٹ سے بہت سخت آواز نکلی کہ ایسی آواز میں نے کبھی نہ سنی تھی ہر کسی نے اس آواز کو سنا وہ کہتا تھا۔ یاجلیح امر نجیح رجل یصیح بقول لا الٰہ الا اللہ یعنی اے زور آور آدمی ایک کام کی بات ہے ایک شخص پکار کر کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ جتنے لوگ وہاں تھے سب بھاگ گئے لیکن میں کھڑا رہا کہ دیکھوں یہ کس کی آواز ہے چنانچہ میں نے دوسری تیسری بار وہی آواز سنی مجھکو بہت حیرانی ہوئی کچھ مدت نہ گذری تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کی خبر ملی اور سنا کہ لا الٰہ الا اللہ کی تلقین فرماتے ہیں اور اسی طرح ایک بوڑھے آدمی سے حضرت مجاہد روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتا تھا کہ ایک دن میں گائے ہانکنے کیلئے جا رہا تھا اچانک میں نے ایک آواز سنی یاالذریح قول فصیح رجل یصیح ان لا الٰہ الا اللہ اے ذریح (قوم جن) یہ بات ابھی ظاہر ہوئی ہے ایک شخص پکار کر کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ پھر میں مکہ آیا وہاں سنا کہ ایک پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں۔ اور وہ فرماتے ہیں کہ لا الٰہ الا اللہ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دیکھا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ سے نکاح فرمانے کے بعد حضور نے مدینہ منورہ میں مقام موضع العرقد میں ایک مرتبہ درہ جحوں میں اور دوسری مرتبہ لیلۃ الجن میں اپنی آنکھوں سے میں نے یہ واقعہ دیکھا کہ اس مرتبہ جنات اس کثرت سے حضور کیخدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ اس سے پہلے میں نے کبھی اتنی بڑی تعداد جنوں کی نہیں دیکھی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک مرتبہ حضور کو جنات کے ہمراہ دیکھا اور ان کے کلام کو سنا چنانچہ دلائل النبوۃ میں اس قسم کے کئی واقعات مذکور ہیں ابونعیم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک بار جنات کے کئی گروہ حضور کیخدمت میں حاضر ہوئے۔ اور چند دن قیام کرنے کے بعد اپنے مقام کو واپس ہوئے۔

امام احمد اور ابویعلیٰ و بیہقی وغیرہ محدثین بلال بن حارث سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سفر میں حضور کے ہمراہ تھا۔ حضور نے مقام عرج میں قیام فرمایا۔ میں اپنے خیمے سے حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے نکلا تو دیکھا کہ حضور خیمے سے دور جنگل میں تشریف فرما ہیں۔ میں نے چاہا کہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوں۔ جب قریب پہنچا تو ایک خوب زور شور کی آواز میرے کان میں پہنچی میں نے کچھ دیر توقف کیا۔ کہ شاید حضور کی خدمت میں کچھ غیب کے لوگ حاضر ہوئے ہیں اس وقت وہاں جانا مناسب نہیں سمجھا یہاں تک حضور مسکراتے
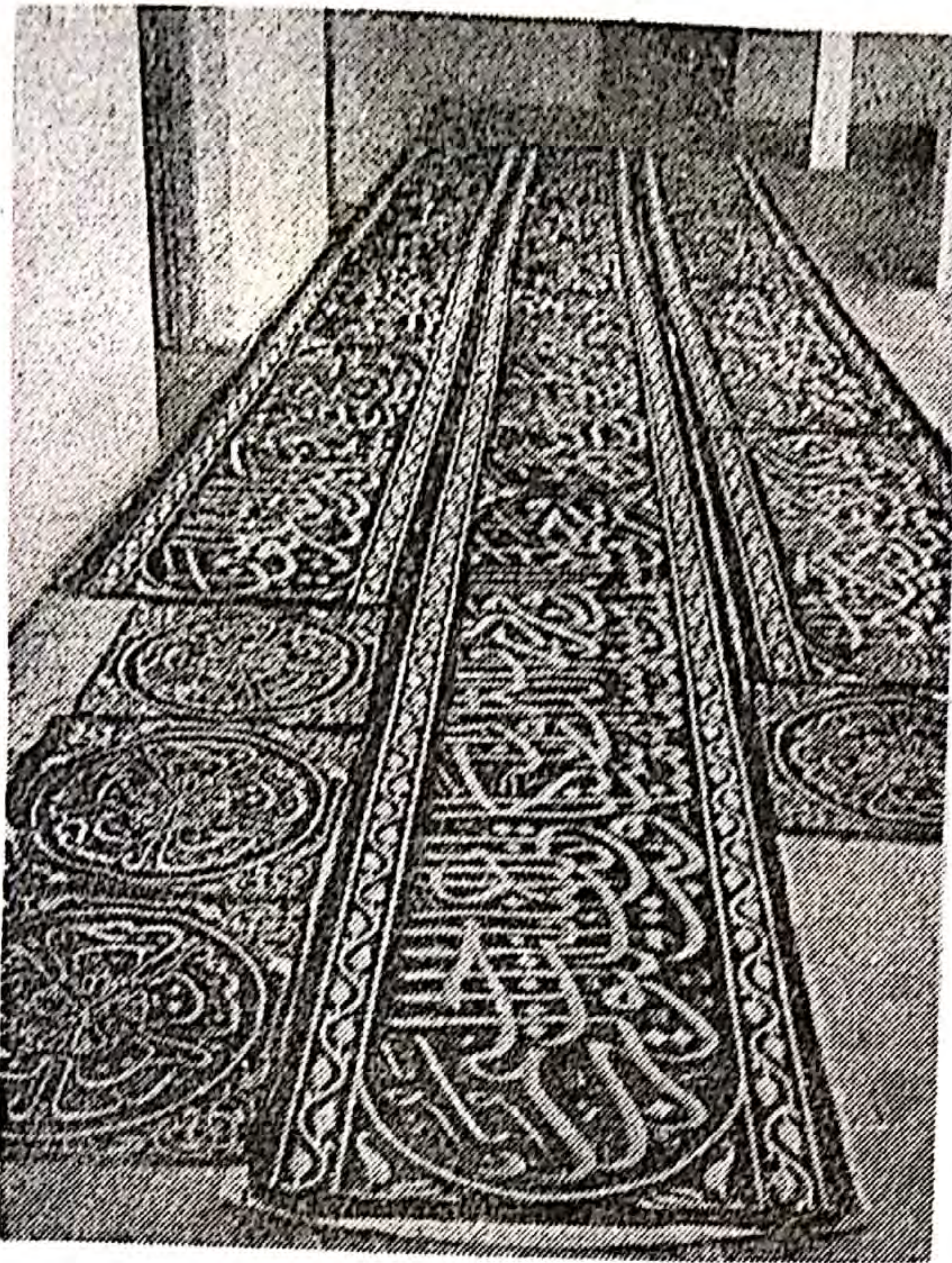
ہوئے تشریف لائے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیسا شور وغل تھا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان جن اور کافر جن آپس میں جھگڑا کر رہے تھے۔ اور فیصلے کے واسطے میرے پاس آئے تھے۔ میں نے فیصلہ کر دیا کہ مسلمان جن مقام جلیس میں رہیں اور کافر غور رہیں اور دونوں آپس میں نہ ملیں۔

ابو نعیم نے حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں ایکدن ایک پہاڑ پر حضور کی خدمت میں حاضر تھا۔ اچانک ایک بوڑھا لاٹھی لئے ہوئے حاضر ہوا سلام کیا۔ حضور نے جواب دیا حضور نے ارشاد فرمایا۔ کہ اسکی آواز جنوں کی آواز ہے حضور نے پوچھا تو کون ہے۔ اس نے کہا کہ میں ہامہ بن ہیم بن مدقیس بن ابلیس ہوں۔ حضور نے فرمایا تجھے ابلیس سے دو پشتوں کا فصل ہے۔ تیری عمر کتنی ہے اس نے کہا یا رسول اللہ میری عمر دنیا کے برابر ہے جب کہ قصۂ ہابیل وقابیل دنیا میں پیش آیا۔ اس وقت میں لڑکا تھا۔ مگر بات سمجھتا تھا۔ اور پہاڑوں پر جاکر غلہ چراتا تھا۔ اور آدمی کے دلوں میں بدسلوکی کے جذبات پیدا کرتا تھا۔ حضور نے فرمایا تو شریر ہے اس نے کہا یا رسول اللہ میں توبہ کیلئے آیا ہوں۔ یا رسول اللہ میں نے حضرت نوح علیہ السلام سے ملاقات کی اور ان کے ساتھ مسجد میں رہا اور ان کے ہاتھ پر بھی میں نے توبہ کی پھر حضرت ہود۔ حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی میں نے ملاقات کی اور میں نے توریت سیکھی اور ان کا سلام میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہنچایا اور حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ اگر تیری محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات ہو تو میرا سلام کہنا تو میں وہ امانت پہنچانے آیا ہوں۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ حضور مجھے قرآن مجید سکھلائیں گے۔ حضور نے سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلات، عم تیسارلون، واذا الشمس کورت اور معوذتین اور قل ھو اللہ سات سورتیں سکھلائیں اور ارشاد فرمایا کہ اے ہامہ تجھکو کوئی حاجت ہو تو میرے پاس آنا۔

(تفریح الاذکیا)

حضور کے بعد جنوں میں تبلیغ وہدایت کا کام حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے انجام دیا یہ سلسلہ برابر جاری ہے اس امت کے اولیار کرام نے اس فریضہ کو انجام دیا۔ کثرت سے اولیار کرام قدست اسرارہم کے پاس جنوں کے حاضر ہونیکے واقعات ملتے ہیں۔ بالخصوص غوث صمدانی محبوب سبحانی شیخ الجن والانس حضرت سید شاہ عبدالقادر غوث اعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی خدمت عالی میں جن کا حاضر ہونا۔ اور دعوت ایمان کو قبول کرنا مذکور ہے۔ بعض علمار کرام کی خدمات میں بھی جنات حاضر ہوئے ہیں۔ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ ہم نے بزرگوں سے سنا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنوں کو فن کتابت نہیں عطا فرمایا اسلئے وہ انسانوں کے محتاج ہیں کتابیں وہ قوم میں لیجاتے ہیں۔ ان کے مبلغین اپنی قوم میں۔ تبلیغ کا کام انجام دیتے ہیں۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ واھل بیتہ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین۔

سونے کے دھاگوں سے غلاف کعبہ کی تیاری
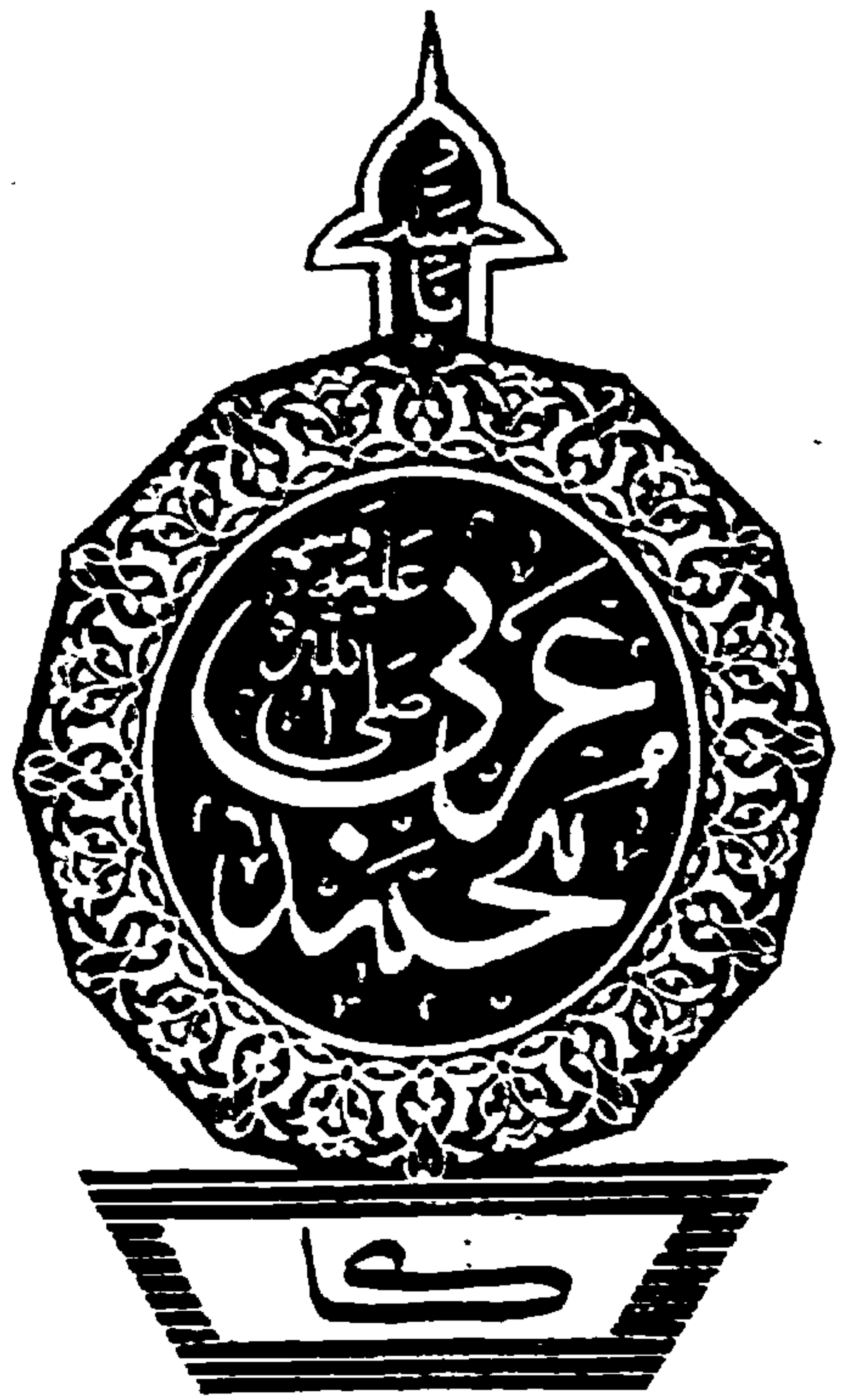
سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور پُر نور

اسلام الدین خان

طلوعِ روشنی جیسے نشانِ شہ کی آمد کا!
ظہورِ حق کی حجت ہے جہاں میں نور احمد کا

ساعاتِ انتظار ختم ہوا اور نورِ نبوت درجہ بدرجہ منتقل ہوتا ہوا سیدنا عبدالمطلب کی پیشانی اقدس میں جلوہ گر ہوا۔ حضرت عبدالمطلب کی پیشانی چمکنے لگی اور آپ کے جسم سے مشک وعنبر کی خوشبو مہکنے لگی جب اہل مکہ پر کوئی مصیبت ومشکل آتی تو لوگ جمع ہو کر حضرت عبدالمطلب کو پہاڑ پر لے جاتے ان کے وسیلے سے دعا مانگتے نورِ نبوی کی برکت سے مشکلیں آسان مصیبتیں دور اور قحط دفع ہو جاتا تھا۔

(۱) ابرہہ یمن سے اپنے لشکر جرار اور سفید ہاتھیوں کے ساتھ خانہ کعبہ ڈھانے کے لئے آیا اور قریش کے اونٹ ہنکا لے گیا۔ حضرت عبدالمطلب پہاڑ پر تشریف لے گئے وہاں نورِ نبوی ان کی پیشانی میں شکلِ ہلال چمکا اور اس کی جہانگیر روشنی سے بیت اللہ جگمگا گیا۔ حضرت عبدالمطلب نے ایک سفید ہاتھی کو طلب کیا جب ہاتھی سامنے لایا گیا اور اس کی نظر عبدالمطلب کی پیشانی پر پڑی تو ہاتھی سجدے میں گر پڑا اور پکار اٹھا کہ:۔

"اے عبدالمطلب سلام ہو اس نورِ مقدس پر جو تمہاری پیشانی میں چمک رہا ہے"

پس اللہ عزوجل نے ابابیلیں بھیجیں جو مسور کی دال کے برابر تین کنکریاں لائیں اور لشکر ابرہہ کو تہ وبالا کر گئیں، قرآن حکیم میں اسی واقعہ کو بیان کیا گیا ہے:۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ
بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ

محبوب! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے اصحاب فیل کے ساتھ کیا کیا؟

سبحان اللہ۔ لفظ اَلَمْ تَرَ یہ بتا رہا ہے کہ نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لانے سے قبل بھی حالاتِ عالم کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔

عالم میں کیا ہے جس کی تجھ کو خبر — نہیں
ذرہ ہے کونسا تری جس پر نظر نہیں

(۲) ایک روز حضرت عبدالمطلب آرام فرما رہے تھے قسمت جاگی اور آپ نے خواب دیکھا کہ ایک درخت سرسبز وشاداب زمین سے نمودار ہوا اور چشم زدن میں اتنا بلند ہوا کہ اس کی شاخیں مشرق ومغرب میں پھیل گئیں اور اس سے ایک نور عظیم چمکا کہ ضیائے آفتاب سے ستر حصہ زیادہ روشن اور عرب وعجم کو اس کے حضور سجدہ ریز دیکھا

کاہنوں سے خواب کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ تمہارے صلب سے وہ نیر رسالت و نبوت طلوع ہوگا کہ جس ـ کی رسالت و نبوت، حکومت و شوکت، جاہ و منزلت، اقدار اور رفعت کا ڈنکا عالم میں بجے گا۔ القصہ نور نبوت پیشانی عبدالمطلب سے حضرت عبداللہ میں جلوہ گر ہوا ۔ حضرت عبداللہ حسن و جمال میں یکتا تھے نور محمدی نے ان کی قسمت کو جگا دیا

(۳) حضرت عبداللہ بت خانہ سے گذرتے تو بتوں سے آواز آتی ۔ اے عبداللہ والد رسول اللہ! ہمارے قریب نہ آنا کیونکہ نور محمدی تمہاری پیشانی میں جلوہ گر ہے جو ہماری تباہی و بربادی کا باعث ہوگا ۔ آپ جب جانوروں کو شکار کرنا چاہتے تو جانور خود آپ کے پاس آجاتے اور صاف کہتے کہ اے عبداللہ! تمہاری پیشانی میں جو نور نبوت چمک رہا ہے ہم تو خود اس کے شکار ہیں حضرت عبداللہ جس سوکھے درخت کے نیچے بیٹھ جاتے وہ درخت ہرا ہو جاتا۔ خشک جنگلوں سے گذرتے تو نور نبوی کی برکت سے وہ جنگل سرسبز و شاداب ہو جاتا۔

(۴) حضرت عبداللہ کے حسن کا یہ عالم تھا کہ قریشی عورتیں آپ پر فریفتہ ہوگئیں راہ میں کھڑے ہوکر آپ کا انتظار کیا کرتیں ۔ اور اپنے دام میں پھنسانے کی تدبیریں کرتیں مگر اللہ نے ان کو نور نبوی کی برکت سے محفوظ رکھا۔ بعض لوگ اہل کتاب سے یہ بات معلوم کرکے کہ پیغمبر آخرالزماں کا ظہور حضرت عبداللہ سے ہوگا ۔ آپ کے دشمن ہوگئے اور قتل کی تدبیر سوچنے لگے ۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ جنگل میں تن تنہا تھے ۔ دشمنوں نے گھیر لیا ۔ قتل کا ارادہ کیا کہ یکایک غیب سے چند سوار نمودار ہوئے جنہوں نے دشمنوں کو فی النار کردیا ۔ اس واقعہ کو وہب زہری یعنی حضرت آمنہ کے والد دیکھ رہے تھے اپنی بی بی سے کہا ۔ کہ میں نے عبداللہ سے عجب آثار دیکھے ہیں میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیٹی آمنہ کا نکاح عبداللہ سے کردوں

(۵) المختصر! طرفین کی رضامندی سے نکاح ہوگیا۔ جس رات نور نبوی آپ کی والدہ کو ملا اس شب ملکوت میں پکار دیا گیا کہ عالم کو انوار قدس سے روشن کردیا جائے ۔ رضوان کو حکم ہوا کہ جنت کی آئینہ بندی کی جائے ۔ دریائے بہشت کھول دئے جائیں اور تمام عالم کو خوشبو سے معطر کردیا جائے حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے حمل مبارک کی نشانیوں سے یہ تھا کہ :-

كل دابة لقريش نطقت تلك الليلة وقالت حمل رسول الله صلى الله عليه وسلم ورب الكعبة وهو امان الدنيا وسراج اهلها

اس رات قریش کے تمام چوپاؤں نے کلام کیا اور کہا کہ رب کعبہ کی قسم آسمان نبوت کا مہر تاباں حمل میں تشریف فرما ہوا وہ تمام دنیا کے لئے پناہ اور جہان والوں ـ کا سورج ہے۔

تو ہے خورشید رسالت پیارے
چھپ گئے تیری ضیاء میں تارے
انبیاء اور ہیں سب مہ پارے
تجھ سے ہی نور لیا کرتے ہیں

(۶) آمنہ پاک فرماتی ہیں مجھ کو کوئی آثار حمل معلوم نہ ہوئے۔ جب چھ مہینے گذرے تو خواب میں کہا گیا تیرے حمل میں بہتر بن اولاد آدم جلوہ گر ہے اسی طرح ہر ماہ انبیاء کرام کے مقدس گروہ آپ کی والدہ ماجدہ کو ظہور قدسی کی بشارت سناتے رہے۔ جب ماہ ربیع الاول شروع ہوا تو عالم انوار آسمانی سے منور ہوگیا اور ساتویں رات سیدنا ابراہیم نے اور گیارہویں شب ایک منادی نے ندا کی ۔ آمنہ تیرے بطن سے مولود کریم کا ظہور ہوگا ان کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھنا جب آثار شروع ہوئے میں تنہا تھی ۔ ایک خوفناک آواز میں نے سنی جس سے میں کانپ گئی ۔ پھر ایک فرشتہ بہ شکل مرغ سفید آیا ۔ جس نے اپنے پر میرے سینہ پر ملے اور میرا خوف جاتا رہا ۔ پھر ایک پیالہ شربت کا پایا جس کو میں نے سیر ہوکر پیا ۔ میں نے دیکھا ۔ کہ

عبد مناف کی بیٹیاں میرے گرد کھڑی ہیں ۔ میں حیران ہوگئی ۔ اتنے میں ان عورتوں میں سے ایک نے کہا میں آسیہ فرعون کی عورت، اور میں مریم بنت عمران ہوں ہم سب بحکم خدا جنت سے تمہاری خدمت کے لئے آئی ہیں

یارب صلِّ وسلم دائمًا ابدًا
علیٰ حبیبک من زانت بہ العُصُر

تولد سے قبل اور بعد کے بعض عجائب

روایتوں سے ثابت ہے کہ آپ کی ولادت کے وقت بعض حیرت انگیز کرشمہ ہائے قدرت ظاہر ہوئے ۔ چنانچہ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ جب آپ اپنی والدہ محترمہ کے بطن مبارک میں بصورت حمل مستقر ہوئے تو کسی نے خواب میں آکر سیدہ آمنہ سے کہا کہ تم اس امت کے پیغمبر سے حاملہ ہوئی ہو، جب یہ بچہ پیدا ہو تو یوں کہنا ۔

اُعِیذُہٗ بِالْوَاحِدِ مِنْ شَرِّ کُلِّ حَاسِدٍ ۔

ترجمہ: میں اس مولود مسعود کو ہر حاسد کے شر سے خدائے واحد کی پناہ میں دیتی ہوں ۔

اور بتایا کہ اس بچہ کے ساتھ ایک نور نکلے گا جو مشرق و مغرب کو روشن کردے گا ۔ (سیرۃ ابن ہشام)

شام تک کے محلات کا جگمگا اٹھنا

حضرت ابن عباس نے محترمہ آمنہ خاتون کا یہ قول نقل کیا ہے میرا حمل نہایت سبک اور سہل تھا ۔ میں نے ایام حمل میں یا وضع حمل کے وقت کوئی تکلیف نہیں اٹھائی اور نہ دوسری حاملہ عورتوں کی طرح کوئی گرانی محسوس کی ۔ اور جب آپ شکم مادر سے سطح ارضی پر قدوم فرما ہوئے تو آپ کے ساتھ ایک نور برآمد ہوا جس سے شام تک کے محلات اور گلی کوچے جگمگا اٹھے ۔ یہاں تک کہ بصریٰ (واقع شام) کے اونٹوں کی گردنیں نظر آنے لگیں ۔ (تاریخ ابن کثیر)

غرض جو کچھ محترمہ آمنہ خاتون نے خواب میں دیکھا تھا وہی بعد میں عیانًا بھی دیکھ لیا ۔

ان بیانات کی تائید خود حضرت مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے بھی ہوتی ہے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جب میں ابھی شکم مادر ہی میں تھا تو میری والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور نکلا جس سے شام تک کے محل روشن ہو گئے ۔

اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں، بغوی نے شرح السنہ میں، ابن سعد نے طبقات میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کی تصحیح کی ہے ۔

اس نور کے ظہور میں اس حقیقت کا اظہار تھا کہ آپ کی وساطت سے خلق خدا کو نور ہدایت نصیب ہوگا اور کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہونگی اس نور کے شام اور بصریٰ تک کو روشن کرنے میں اس طرف اشارہ تھا کہ شام کی سرزمین آپ کے حیطۂ اقتدار میں آئے گی ۔ مولانا جامی نے اس مطلع انوار صلے اللہ علیہ وسلم کی نور افشانیوں پر کیا خوب کہا ہے ؎

وصلے اللہ علے نورٍ کزو شد نورہا پیدا
زمین از حُبِّ او ساکن فلک در عشقِ او شیدا
از و در ہر تنے ذوقے، وز و در ہر دلے شوقے
وز و بر ہر زبان ذکرے، وز و در ہر سرے سودا
اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم!
نہ آدم یافتے توبہ، نہ نوح از غرق نجینا!
ز سر سینہ اش جامی، الم نشرح لک برخواں
ز معراجش چہ می پرسی، کہ سبحان الذی اسریٰ

ستاروں کا زمین سے قریب ہوکر دکھائی دینا

عثمان بن ابو العاص کا بیان ہے کہ میری والدہ فاطمہ بنت عبداللہ نے بیان کیا کہ جب خواجہ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو میں اس رات آمنہ خاتون کے پاس تھی ۔ اس وقت در و دیوار اور گھر کی کوئی چیز نہ تھی جو منور نہ ہو آسمان کے ستارے بچے کی طرف جھکے اور زمین سے قریب دکھائی دیتے تھے ۔ یہاں تک کہ مجھے یہ خوف ہوا کہ کہیں مجھ پر نہ گر پڑیں ۔ (تاریخ ابن کثیر)

آپ کی والدہ محترمہ فرماتی ہیں کہ جب آپ متولد ہوئے تو آپ کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بند تھیں اور سبابہ سے اشارہ کر رہے تھے ۔ گویا اس سے تسبیح پڑھ رہے ہیں (الروض الانف)

پیدائش کے وقت سر مبارک آسمان کی طرف اٹھا ہوا تھا۔
(طبقات ابن سعد)

یہ آپ کے علو ہمت اور عظمت شان اور آسمان سے وحی حاصل کرنے کی طرف اشارہ تھا۔ ایک علامت خصوصی یہ تھی کہ پیدائش کے بعد فوراً ہی گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے۔ (تاریخ ابن کثیر)

اور یہ فعل شاید اس امر پر دلالت کرتا تھا کہ آپ عالم سفلی میں پہونچتے ہی اپنے خالق کردگار عز وجل کے سامنے مؤدب ہو بیٹھے۔

عبد المطلب کا آپ کو کعبۃ اللہ لیجانا

تولد کے بعد محترمہ آمنہ خاتون نے حضرت عبد المطلب کے پاس ولادت فرزند کی بشارت کہلا بھیجی اور پیغام دیا کہ آکر اپنے پوتے کو دیکھ جائیے۔ عبد المطلب فی الفور پہونچے اور آپ کو دیکھ کر نہایت مسرور و محظوظ ہوئے۔ (عیون الاثر)

آپ کو اٹھا کر حصول برکت کے لئے بیت اللہ تشریف لے گئے اور آپ کے سود و بہبود کے لیے درگاہ رب العزت میں دعا مانگتے رہے۔ اس کے بعد خدائے منعم کا شکر ادا کرتے ہوئے آپ کو آپ کی والدہ محترمہ کے پاس واپس لے آئے۔ (سہیلی)

حسب روایت بیہقی قریش میں دستور تھا کہ جب کسی کے ہاں فرزند متولد ہوتا تو وہ اس غرض سے اپنی قوم کی عورتوں کے حوالے کر دیتا کہ اس کی نال کاٹ دیں۔ حسب معمول آپ کی ولادت کے بعد عبد المطلب نے عورتوں کو بلا بھیجا لیکن جب وہ صبح کے وقت آپ کو لے جانے کے لئے آئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ نال کٹی ہے اور آپ آنکھیں کھول کر آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں خواتین عبد المطلب کے پاس گئیں اور انہیں بتایا کہ ہم نے آج تک ایسا بچہ کبھی نہ دیکھا تھا عبد المطلب نے کہا مجھے کامل یقین ہے کہ یہ بچہ کوئی بہت عظیم الشان ہستی ہے

ولادت نبوی کا اثر باطل پر

اس رات انوار زمین اور آسمان تاباں اور ستارے مائل بہ زمین ہوئے۔ فارس کا آتش کدہ سرد ہو گیا نوشیرواں کے محل کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ ملائکہ زمین پر اترے۔ جبرائیل و اسرافیل حاضر ہوئے ایک علم مشرق میں ایک مغرب میں ایک کعبہ کی چھت پر نصب کیا گیا۔ عرش وجد میں جھوم اٹھا۔ کعبہ سجدہ میں گرا روئے زمین کے بت اوندھے گر گئے۔ تخت شیاطین الٹ گئے ابلیس لعین مع اپنی جماعت کے کوہ بوقبیس پر اپنا سر ٹکرا کر آہ و نالہ کرنے لگا۔ الغرض دھومیں مچیں۔ آرزومندان جمال کی چشم تمنا وا ہوئی۔ نرگس منتظر کا فرش بچھا۔ رحمت الٰہی کا شامیانہ تنا گلشن تمنا میں باد مراد چلی۔ بام کعبہ پر علم سبز نصب ہوا۔ کونین کے تاجدار کی آمد کا غلغلہ مچا۔ جہاں نور سے معمور ہوا فرح و طرب نے عالم پر قبضہ کیا۔ شب غم نے بستر اٹھایا صبح امید نے چہرہ دکھایا اور ۲۰، اپریل ۵۷۱ء مطابق ۱۲، ربیع الاول کو صبح صادق کے وقت "صبح صادق" نے طلوع فرمایا۔ مکہ مکرمہ میں عبد المطلب کے گھر عبد اللہ کے فرزند۔ خلیل اللہ کے نور نظر کونین کے سردار دارین کے تاجدار نے بہ ہزاراں، ہزار جاہ و جلال پہلوئے آمنہ سے صحن عالم میں قدم رکھا۔ سلامی تسلیمیں سر ہوئیں تشنگان جمال شراب دیدار سے سیراب ہوئے آفتاب حق طالع ہوا۔ نور الٰہی نے جلوہ فرمایا۔ موجودات نے مرحبا کہا۔
(خصائص کبریٰ)

طلوع اجلال

آمنہ پاک فرماتی ہیں کہ جب سرکار دو عالم نے میرے شکم سے طلوع اجلال فرمایا میں نے دیکھا کہ حضور سجدہ میں پڑے ہیں پھر ایک سفید ابر نے آکر آپ کو ڈھانپ لیا اور آپ میری نظروں سے غائب ہو گئے۔ پھر وہ ہٹا تو کیا دیکھتی ہوں کہ حضور ایک اونی سفید کپڑے میں لپیٹے ہوئے ہیں اور سبز ریشمیں بچھونا بچھا ہے اور گوہر شاداب کی کنجیاں حضور کی مٹھی میں ہیں اور ایک منادی پکار کر کہہ رہا ہے۔

قبض محمد علی مفاتیح الریح ومفاتیح النبوۃ۔

نصرت کی کنجیاں۔ نفع کی کنجیاں۔ اور نبوت کی کنجیاں سب پر محمد رسول اللہ نے قبضہ فرمایا۔

یہ ہے جنت کی پیاری پیاری کیاری واہ واہ

اس طرف روضہ کا نور اُس سمت منبر کی بہار

پھر ایک ابر آیا بڑے آکر حضور کو ڈھانپ لیا کہ آپ میری نگاہ سے غائب ہو گئے پھر روشن ہوئے تو کیا دیکھتی ہوں کہ سبز ریشم کا لپٹا ہوا کپڑا حضور کی مٹھی میں ہے۔"
اور کوئی منادی پکار کر کہہ رہا ہے۔

بَخٍ بَخٍ قَبَضَ مُحَمَّدٌ عَلَى الدُّنْيَا كُلِّهَا۔

واہ واہ! ساری دنیا محمد رسول اللہ کی مٹھی میں آئی زمین و آسمان کی کوئی مخلوق ایسی نہ رہی جو ان کے قبضہ میں نہ آئی ہوئے

وہ ماہ عرب آج کعبہ میں چمکا
جو مالک ہے سارے عرب و عجم کا

ولادت کی خوشی منانا

بخاری شریف میں ہے کہ:-
"مشہور عدو رسالت ابولہب بن عبد المطلب جو سردار دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا۔ اس کو آپکی ولادت کی اتنی خوشی ہوئی تھی کہ اس نے اپنی وہ لونڈی جس نے آکر اسے یہ مژدہ سنایا تھا فی الفور آزاد کر دیا۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب اس کی لونڈی ثویبہ نے آکر اس کو بتا دیا کہ تمہارے مرحوم بھائی عبد اللہ کے گھر خدا نے فرزند عطا فرمایا ہے تو اس نے عالم مسرت میں لونڈی سے کہا کہ:-

"جا! میں تجھے آزاد کرتا ہوں"

مرنے کے بعد حضرت عباس نے ابولہب کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ جہنم میں تمہارا کیا حال ہے؟ بولا میں نے ثویبہ کو جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم، کی ولادت کا مژدہ سن کر آزاد کیا تھا۔ اس کی وجہ سے دوشنبہ کے دن میرے عذاب میں تخفیف ہو جایا کرتی ہے"

(بخاری شریف وغیرہ)

غور فرمائیے! ایک کافر جب حضور کی ولادت کی خوشی مناتا ہے تو اس کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔ اگر مسلمان حضور نور مجسم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں عید میلاد النبی کے جلسے اور جلوس قائم کریں تو ان کو کتنا ثواب ملے گا۔

علامہ ابن الجزری، شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی اور دیگر علماء اکابر نے اس موقع پر عید میلاد منانے کا جواز و استحسان بڑے عشق اور پر مسرت انداز میں بیان فرمایا ہے۔

خونِ انسانی کا احترام

(مولانا اسلم بستوی بلرامپور)

انسان "کُن" کے امرِ ربی سے وجود میں آنے والی تمام کائنات کے تخلیقی عمل سے بالکل جدا قادرِ مطلق کی ایک علیحدہ اور خصوصی تخلیق ہے۔ اسے دیگر تمام مخلوقات کے مقابلے میں بہترین نقشے پر بنایا گیا ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم اور اسے ساری مخلوقات پر بزرگی اور فضیلت بخشی گئی ہے۔ لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَم یہ شرف و فضیلت اور عظمت انسان کو محض انسان ہونے کی بنا پر حاصل ہے۔ اس میں کالے، گورے عربی، عجمی، شرقی، غربی اونچے نیچے کا کوئی امتیاز نہیں کیونکہ سب نفس واحدہ سے پیدا ہوئے ہیں۔

کلکم بنی آدم و آدم من تراب۔

جب یہ بات مسلّم ہو گئی کہ جملہ انسان نفسِ واحدہ سے پیدا ہوئے ہیں تو اپنی جگہ یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ سارے انسانوں کا خون بھی یکساں ہے اور ان کا رنگ بھی ایک ہے۔ انسان تمام مخلوقات میں سب سے محترم ہے تو اس کا خون بھی محترم ہے۔ لہٰذا قتل و غارت گری یا کسی بھی ذریعہ سے انسانی خون بہانا اور اسکی حرمت کو بلا وجہ پامال کرنا کسی بھی طرح جائز نہیں یہی وجہ ہے کہ محمد عربی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے احترام خونِ انسانیت پر غیر معمولی زور دیا ہے چنانچہ ایک بار طواف کے دوران خانۂ کعبہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"کتنا پاکیزہ ہے تو، اور کیسی خوشگوار ہے تیری فضا، کتنا عظیم ہے تو، اور کتنا محترم ہے تیرا مقام، مگر اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے۔ ایک مسلمان کے جان و مال اور خون کا احترام اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے زیادہ ہے" (ابنِ ماجہ)

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر انسانی خون کی حرمت کے سلسلے میں اپنے بلیغ خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"لوگو! تمہارے خون و مال اور عزتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئیں ہمیشہ کیلئے ان چیزوں کی حرمت ایسی ہی ہے جیسی آج تمہارے اس دن کی اور اس ماہ مبارک (ذوالحجہ) کی حُرمت اس شہر (مکہ) میں ہے۔ خبردار! ایسا نہ ہو کہ تم میرے بعد ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو اور کفار کے زمرے میں شامل ہو جاؤ۔"

(بخاری، ابوداؤد۔ نسائی، مسند احمد)

بعد ازاں آپ نے اپنی اس نصیحت پر عمل کی اولین مثال پیش

کرتے ہوئے فرمایا۔

"زمانہ جاہلیت کے سارے خون اب کالعدم ہیں پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں میرے اپنے خاندان کا ہے، ربیعہ ابن الحارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون جسے بنی ہذیل نے مار ڈالا اب میں معاف کرتا ہوں۔" (بخاری، ابوداؤد، نسائی، مسند احمد)

اسی طرح ایک بار آپ نے انسانی خون بالخصوص خونِ مسلم کی اہمیت وعظمت کو اس طرح بیان فرمایا۔

"کسی مسلمان کے قتل کے مقابلے میں پوری دنیا کا زوال خدا کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا" (مسلم)

پیغمبر اسلام کے نزدیک صرف مسلمان ہی کا خون محترم نہیں بلکہ خدا کے ہر بندے کا خون محترم ہے چنانچہ کسی مسلمان کے ہاتھ سے اگر کسی ذمی (کافر) کا خونِ ناحق بالقصد ہو جائے تو اس پر جنت حرام ہے ارشاد فرماتے ہیں۔

"جس نے کسی ذمی کو قتل کیا اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دی" (نسائی)

"جس نے کسی معاہد غیر مسلم کو قتل کیا وہ کبھی جنت کی خوشبو نہ سونگھ سکے گا" (بخاری)

ایک مرتبہ کسی غزوہ میں مشرکین کے چند بچے زد میں آکر ہلاک ہو گئے۔ آپ کو سخت رنج ہوا بعض صحابہ نے عرض کیا یہ تو مشرکین کے بچے تھے اس پر آپ نے فرمایا۔

"خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو، خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوئی ہے" (مسند احمد)

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ عہد نبوی میں ایک شخص کی لاش ملی مگر اس کے قاتل کا پتہ نہ چلا اس پر آپ نے سخت ناراضگی کے عالم میں خطبہ ارشاد فرمایا۔

"اے لوگو! کیا بات ہے؟ میرے ہوتے ہوئے آدمی قتل کیا جاتا ہے اور اس کے قاتل کا پتہ نہیں چلتا ایک آدمی کے قتل پر اگر آسمان وزمین کی تمام مخلوق بھی متفق ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو سزا دیئے بغیر نہ چھوڑے گا۔" (طبرانی)

ایک غزوہ میں ایک عورت ہلاک ہو گئی اس کی لاش دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا۔

اوہ! یہ تم نے کیا کر ڈالا؟ یہ تو جنگ کرنے والوں میں شامل نہ تھی، جاؤ! خالد سے کہہ دو کہ ذریت (عورتوں اور بچوں) اور معذوروں کو قتل نہ کرو۔"

پیغمبر اسلام کے نزدیک انسانی خون کی حرمت کا اندازہ ہمیں فتح مکہ کے موقع پر عفو عام کے واقعے سے بھی بخوبی ہوتا ہے۔ مکہ حضور کے جانی دشمنوں اور اسلام کے کٹر مخالفوں کا گڑھ تھا۔ یہاں وہ لوگ آباد تھے۔ جنہوں نے قدم قدم پر آپ کی راہ میں کانٹے بچھائے، آپ کو اور آپ کے ساتھیوں طرح طرح کی اذیتیں دیں آپ کو تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رکھا، آپ کے قتل کے منصوبے بنائے اور جب آپ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو یہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ مدینہ پر بار بار حملہ آور ہوئے۔ جنگ بدر جنگ اُحد اور جنگ احزاب برپا کی، آپ کے متعدد جانثاروں کو شہید کر دیا اور آپ کو بھی زخمی کیا۔ آپ کے جو ساتھی مکہ سے ہجرت کر کے یمن شام اور حبش گئے وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ کے چچا حضرت حمزہ کا قاتل وحشی، ان کا کلیجہ چبانے والی ہندہ اور عکرمہ ابن ابوجہل، صفوان بن امیہ کعب بن زہیر اور ان ہی جیسے سینکڑوں دشمنانِ اسلام، شہر میں موجود تھے، حضور آج اُن سے ایک ایک بدی کا بدلہ چکانے پر قادر تھے لیکن آپ نے قدرتِ انتقام کے باوجود کی جاں بخشی کیلئے اسلامی فوج کو حسب ذیل احکام جاری کئے

۱۔ جو شخص ہتھیار پھینک دے اُسے قتل نہ کیا جائے۔
۲۔ جو شخص خانۂ کعبہ کے اندر پہنچ جائے اُسے قتل نہ کیا جائے۔
۳۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اُسے قتل نہ کیا جائے
۴۔ جو شخص حکیم ابن حزام کے گھر میں پہنچ جائے اُسے قتل نہ کیا جائے
۵۔ جو شخص اپنے گھر میں بیٹھ رہے اُسے قتل نہ کیا جائے۔
۶۔ بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔
۷۔ زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔

فتح مکہ کے بعد جب خانۂ کعبہ کے سامنے لوگوں کا اجتماع

عام ہوا تو آپ نے اُن سے خطاب کر کے فرمایا۔

"جانتے ہو! میں آج تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں؟"

مجمع سے آواز آئی "آپ شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں"

حضور نے جواباً فرمایا "تم پر آج کوئی گرفت نہیں، جاؤ آج تم سب آزاد ہو"
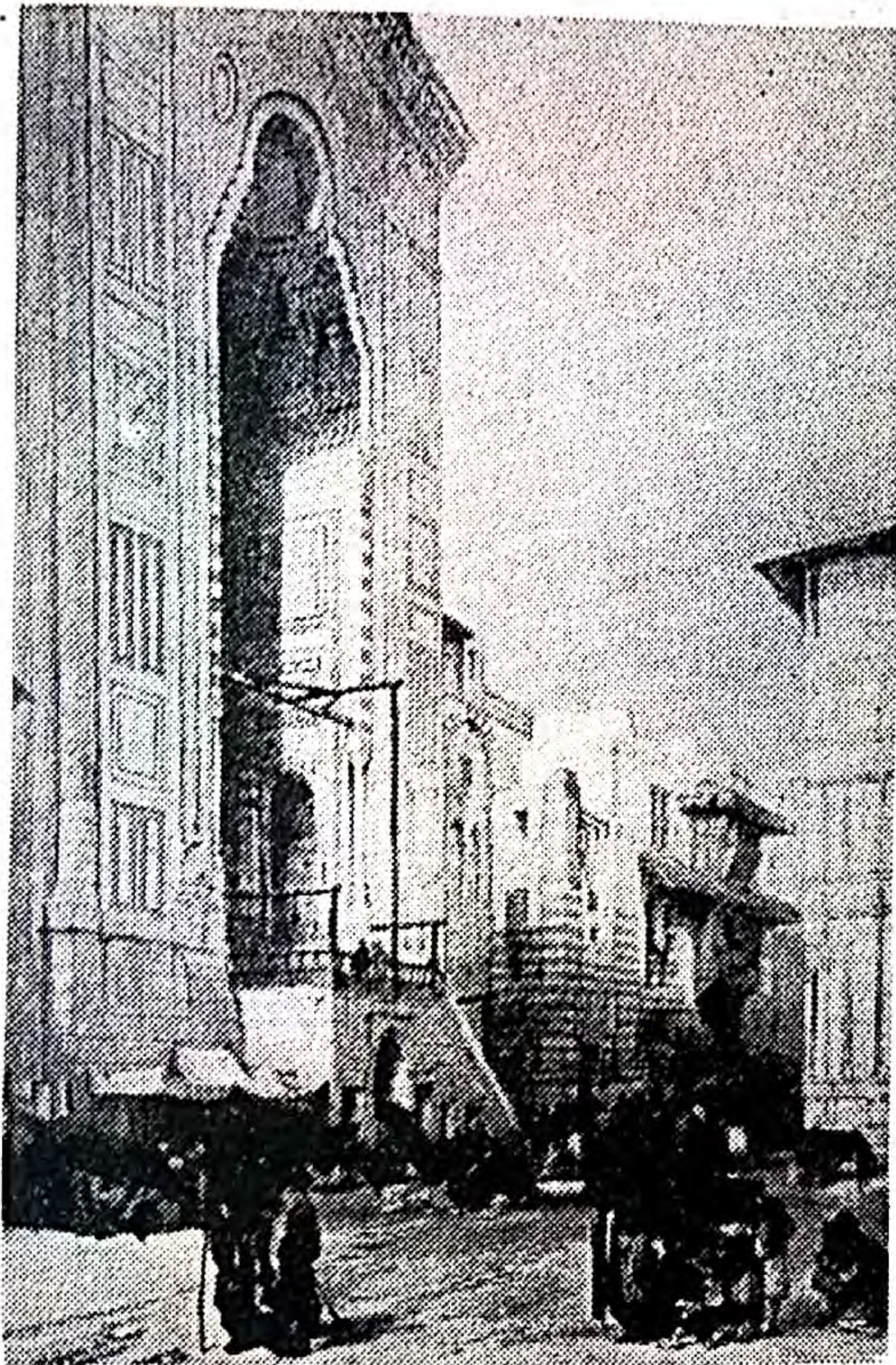
مکہ میں پیغمبر اسلام نے جو اس رحمت و مہربانی عفو و احسان کی عظیم مثال قائم کی وہ بعد کو اسلام کے قانونِ جنگ کا ایک اہم باب بن گئی اور خلفائے راشدین کے دور میں شام، عراق، مصر، ایران اور روم وغیرہ کی فتوحات میں فتح کے بعد قتل و خونریزی سے اسی طرح گریز کیا گیا۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی نے اپنے اپنے کمانڈروں اور گورنروں کو اس سلسلے میں جو ہدایات جاری کیں انکی تفصیلات پر نگاہ ڈالنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ ان سب پر فتح مکہ کے عفو عام کا گہرا اثر موجود ہے۔

پیغمبر اسلام محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کا اندازِ فکر تعزیرات اور سزاؤں کے سلسلے میں بالخصوص سزائے موت کے سلسلے میں ہمیشہ یہ رہا ہے کہ اس ابتدائی سزا سے حتی الوسع مجرم کو بچانے کی راہ تلاش کی جائے اور اسباب و شواہد سزا کے لئے نہیں بلکہ برائت کے لئے ڈھونڈے جائیں۔ چنانچہ ارشاد گرامی ہے۔

"جس حد تک ممکن ہو مسلمانوں کو سزا سے بچاؤ کوئی گنجائش بھی نکلتی ہو تو انہیں چھوڑ دو۔ یہ بات کہ امام (حاکم) کسی شخص کو چھوڑ دینے میں غلطی کر جائے اس بات سے بہتر ہے کہ وہ اس کو سزا دینے میں غلطی کر جائے۔" (ترمذی)

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"جب تک بچانے کی کوئی راہ مل رہی ہو اس وقت تک لوگوں کو سزا سے بچاؤ"، (ابن ماجہ)

آپ کے اس اندازِ فکر کی نمایاں جھلک ہمیں حضرت ماعز بن مالک کے واقعے میں ملتی ہے۔ حضرت ماعز بن مالک زنا کے مرتکب ہوئے تو حضور کی خدمت میں خود حاضر ہوئے

(قاہرہ (مصر) کی ایک پرشکوہ درسگاہ)

اور عرض کیا۔

یارسول (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے پاک کر دیجئے۔ میں نے زنا کیا ہے انکی یہ بات سُنکر پہلے تو حضور نے منھ پھیر لیا پھر ارشاد فرمایا۔

"ارے چلا جا! اور اللہ سے توبہ و استغفار کر۔" انہوں نے سامنے آکر پھر وہی بات دہرائی اور آپ نے منھ پھیر لیا۔ انہوں نے تیسری بار سامنے آکر وہی بات کہی اور آپ نے منھ پھیر لیا تو حضرت ابوبکر نے انہیں متنبہ کیا "دیکھو اگر چوتھی بار تم نے اقرار کیا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں رجم (سنگسار) کروا دیں گے" مگر وہ نہ مانے اپنی بات پھر دہرائی اب حضور ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

"شاید تو نے بوس و کنار کیا ہوگا۔ یا چھیڑ چھاڑ کی ہوگی یا نظرِ بد ڈالی ہوگی۔؟"

انہوں نے کہا "نہیں۔!" ۔آپ نے پوچھا "کیا اس سے ہم بستر ہوا؟" انہوں نے کہا "ہاں!" ۔پھر دریافت فرمایا "کیا تو نے اس سے مباشرت کی؟" انہوں نے کہا "ہاں!" ۔پھر پوچھا کیا تو نے اس سے مجامعت کی۔؟" انہوں نے کہا "ہاں!" اسی طرح مزید تین سوالوں کے جواب میں انہوں نے "ہاں" کہا بالآخر آپ نے دریافت فرمایا "کیا تو جانتا ہے زنا کسے کہتے ہیں۔؟"

انہوں نے کہا "جی ہاں! میں نے اس کے ساتھ حرام طریقے سے وہ کام کیا جو شوہر حلال طریقے سے اپنی بیوی کے ساتھ کرتا ہے۔" آپ نے پوچھا۔

"کیا تیری شادی ہو چکی ہے۔؟" انہوں نے کہا۔ "جی ہاں!" ۔آپ نے پوچھا "تو نے شراب تو نہیں پی لی ہے؟" انہوں نے کہا "نہیں!" ایک شخص نے اٹھ کر ان کا منھ سونگھا اور تصدیق کی پھر آپ نے ان کے محلے والوں سے دریافت کیا "یہ دیوانہ تو نہیں ہے۔؟"

محلے والوں نے کہا "ہم نے اس کی عقل میں کوئی خرابی نہیں دیکھی۔"

آپ نے حضرت ہزال بن نعیم سے (جنہوں نے ماعز بن مالک کی پرورش کی تھی۔ اور حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر دعائے مغفرت کرانے کا مشورہ دیا تھا) فرمایا "کاش! تم نے اس کا پردہ ڈھانک دیا ہوتا تو تمہارے لئے اچھا تھا" پھر آپ نے ماعز کو رجم کرنے کا فیصلہ صادر فرما دیا۔ اور انہیں شہر سے باہر لے جا کر سنگسار کر دیا گیا۔ جب پتھر لگنے شروع ہوئے تو ماعز بھاگے اور کہا۔

"لوگو! مجھے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو میرے قبیلہ کے لوگوں نے مجھے مروا دیا انہوں نے مجھے دھوکہ دیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے قتل نہیں کرائیں گے۔" مگر پتھر مارنے والوں نے انہیں ہلاک کر دیا۔ ماعز کی اس آخری خواہش کی اطلاع جب حضور کو دی گئی۔ تو نہایت افسوس کے ساتھ ارشاد فرمایا۔

"تم لوگوں نے اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا (اس کی خواہش کے مطابق) میرے پاس لے آئے ہوتے شاید وہ توبہ کرتا اور اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا۔"

اس واقعے میں حضور کا ایک ایک سوال صاف بتا رہا ہے کہ ماعز کو رجم سے بچا لینے کی ہر ممکن کوشش فرما رہے تھے ان کے اپنے بیان یا محلے والوں کی شہادت سے شک کا کوئی ایسا پہلو تلاش کر رہے تھے جس کا فائدہ پہنچا کر ماعز کی جان بچائی جا سکے، آپ نے نشہ یا فتورِ عقل کا شبہہ بھی ڈھونڈا لیکن جب بچاؤ کی کوئی صورت نہ رہی اور جرم کے ثابت ہو جانے میں کوئی شک و شبہہ نہ رہا تب جا کر فیصلہ صادر فرمایا تاہم ماعز کی جان جانے کا آپ کو قلق بھی ہوا۔ اس واقعے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فیصلہ صادر کرتے وقت بالخصوص کسی کو سزائے موت کا فیصلہ دیتے وقت معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کیلئے کس حد تک تحقیق ضروری ہے

اسی سے ملتا جلتا واقعہ غامدیہ نامی ایک عورت کا ہے۔ وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر چار بار زنا کا اقرار کرتے ہوئے کہتی ہے "یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوا ہے اور میں حاملہ ہوں مجھے سنگسار کر کے پاک کر دیجئے۔!" اس پر حضور نے ارشاد فرمایا۔

"جا! وضعِ حمل کے بعد (بچہ پیدا ہونے کے بعد) آنا"

وہ وضعِ حمل کے بعد بچے کو گود میں لے کر آتی ہے اور پھر درخواست کرتی ہے "مجھے پاک کر دیجئے۔"

آپ نے ارشاد فرمایا "جا! اور اس کو دودھ پلا۔ دودھ چھوٹنے کے بعد آنا"

وہ دودھ چھڑانے کے بعد آتی ہے تو ساتھ ہی روٹی کا ایک ٹکڑا بھی لے آتی ہے اس نے بچے کو روٹی کا ٹکڑا کھلا کر حضور کو دکھایا اور عرض کیا۔

"یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اب اس کا دودھ چھوٹ گیا ہے۔ اور دیکھئے یہ روٹی کھانے لگا ہے۔" تب آپ نے بچے کو پرورش کیلئے ایک شخص کے حوالے کیا۔ اور اس کے رجم (سنگسار) کا حکم دیا۔"

انسانی خون کی حرمت یا تحفظ جان کے سلسلے میں ایک اہم
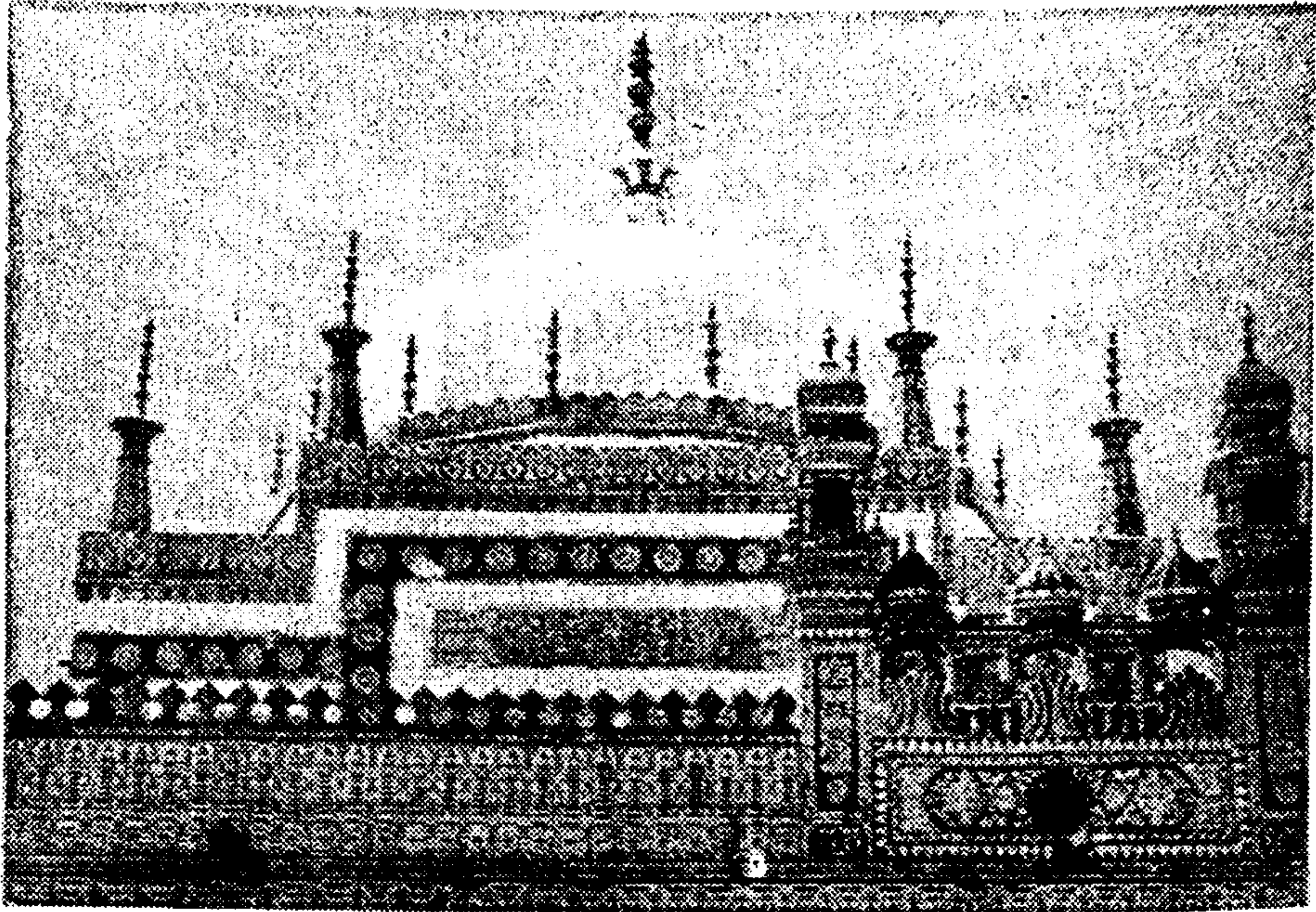
سندھ پاکستان میں حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کا مقبرہ

سوال یہ ہے کہ اس کا اطلاق کب سے ہوگا۔؟

دنیا کے عام قوانین تحفظ جان کو بعد از ولادت قابل اطلاق قرار دیتے ہیں۔ لیکن پیغمبر اسلام محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے استقرارِ حمل سے ہی قابل اطلاق قرار دیا ہے، چنانچہ اسی واقعے میں عورت کے صریح اقرارِ زنا کے باوجود آپ نے اسے رجم (سنگسار) کی سزا نہیں دی کیونکہ اس نے اپنے بیان میں یہ بھی بتایا تھا کہ وہ حاملہ ہے اس لئے اسے بچے کی ولادت اور مدت رضاعت پوری ہونے کے بعد سزا دی اگر یہی سزا فوری طور پر نافذ کردی ہوتی تو بچے کا خون ناحق ہوتا۔ اسی طرح ایام رضاعت میں سزا دی جاتی تو بچے کی ہلاکت کا اندیشہ تھا۔

فقہاء اسلام نے تحفظِ جان کے حق کو استقرارِ حمل کے ایک سو ۲۰ دن کے بعد قابل اطلاق قرار دیا ہے کیونکہ اس عرصے میں جنین گوشت کے لوتھڑے سے تبدیل ہوکر انسانی شکل و صورت میں ڈھلنے لگتا ہے اور اس پر انسان ہونے کا حکم لگایا جاسکتا ہے

ہمارے فقہاء کی اس رائے کو اب صدیوں بعد جدید میڈیکل سائنس نے بھی تسلیم کرلیا ہے۔ چنانچہ امریکی سپریم کورٹ نے رو بنام ویڈ کے مشہور مقدمہ میں جدید طبی تحقیقات کے حوالے سے فیصلہ دیا ہے کہ رحم مادر میں "انسانی وجود" کو حمل کے تین ماہ بعد قانوناً تسلیم کرلیا جائے گا۔

یہ ہیں پیغمبر اسلام محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انسانی خون کی حرمت سے متعلق فرامین و فیصلے جنہیں آج مذہب اسلام میں پورے طور پر قانون کا درجہ حاصل ہے اور تحفظِ جان کے سلسلے میں چودہ سو سال سے بھی بیشتر پرانا فیصلہ جس کی رُو سے انسانی جان کے تحفظ کی ضمانت، جو نہ صرف انسان کے اس عالم رنگ و بو میں آنے پر حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ اسے شکم مادر ہی سے حاصل ہوجاتی ہے جسے اس ترقی یافتہ عہد کی جدید میڈیکل سائنس بھی اپنی تمام تر تحقیق کی روشنی میں آج ماننے پر مجبور ہے۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا

دین کامل

مولانا رضوان احمد مصباحی

محمد کی محبت دین حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

دین کیا ہے

لغت میں دین کے مختلف معانی ہیں۔ کبھی تو جزا کے معنیٰ میں آتا ہے۔ چنانچہ مالک یوم الدین۔ میں دین اسی معنیٰ میں آیا ہے اور دیوان حماسہ کے شعر فلم یبق سوی العدوان دناھم کما دانوا، میں دنا دین بمعنی جزا ہی سے مشتق ہے اور کبھی دین بمعنی فرمانبرداری ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے قوم دین (یعنی فرمانبردار لوگ) اور حضرت ورقہ ابن نوفل اسدی نے اپنے شعر ولا سلیمان اذ دان الشعوب له، والجن والانس تجری بینها البرد، میں دین سے مشتق دان کو فرمانبرداری ہی کے معنیٰ میں استعمال کیا ہے۔ اور کبھی دین عقیدہ کے معنیٰ میں آتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کی زبان وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین له الدین (اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا ہے کہ اللہ کی بندگی کریں نرے اسی پر عقیدہ لاتے ہیں)، دین عقیدہ ہی کے معنیٰ میں ہے۔ اور کبھی ملت و شریعت کے معنیٰ میں ہوتا ہے، اور ملت و شریعت عقائد اور اعمال کے مجموعہ کا نام ہے۔ اسی لیے دین عقائد و اعمال کے مجموعہ کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ القاموس المحیط میں دین کا ایک معنیٰ یہ بھی ہے اسم لجمیع ما یتعبد اللہ عز وجل به یعنی ان تمام چیزوں کے مجموعہ کو دین کہتے ہیں جنکے ذریعہ اللہ عز وجل کی عبادت و فرمانبرداری کی جاتی ہے) اور بلاشبہ دین کے اس معنیٰ میں عقائد و اعمال دونوں شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام و ایمان کے مجموعہ کو دین کہا جاتا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الایمان کی پہلی حدیث میں الاسلام ان تشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ کی شرح کرتے ہوئے شیخ محقق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پس اسلام ظاہر اعمال است و ایمان تام باطن اعتقاد و دین عبارت از مجموعہ اسلام و ایمان است، اور کتاب الایمان کی اس حدیث سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ دین اسلام و ایمان کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ اس لیے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بصورت بشر بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ اور اسلام ایمان احسان وغیرہ کے بارے میں سوالات کیے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابات مرحمت فرمائے۔ اس کے بعد جب حضرت جبرئیل واپس تشریف لے گئے تو تھوڑی دیر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ اے عمر کیا تم جانتے ہو کہ یہ سوالات کرنے

والے کون ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ فانہ جبرئیل اتاکم یعلمکم دینکم یعنی یہ جبرئیل ہیں جو تمہیں تمہارے دین کی تعلیم دینے کے لیے آئے تھے۔ سرکار نے اسلام، ایمان واحسان وغیرہ کی تعلیم کو دین کی تعلیم فرمایا۔ اسی لیے حدیث شریف کے مذکورہ ٹکڑے کی شرح کرتے ہوئے شیخ موصوف اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں "ازینجا معلوم شد کہ دین عبارت از مجموعہ اسلام وایمان واحسان است وشریعت نام ایں مجموعہ است وگاہ دین برائے اسلام مخصوصہ نیز اطلاق یافتہ چنانکہ ان الدین عند اللہ الاسلام۔ الغرض مذکورہ باتوں سے معلوم ہوا کہ دین عقائد واعمال کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ اور دین کامل میں دین سے یہی معنیٰ مراد ہیں۔

چنانچہ دنیا میں بسنے والے مختلف ادیان کے ماننے والے ہیں۔ لہٰذا فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا تمام ادیان برحق ہیں، یا ان میں سے کوئی ایک۔ اور پھر جو دین برحق ہے وہ قیامت تک کے انسانوں کے لیے کافی ہے یا کسی اور دین کی ضرورت پیش آئے گی۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں ان کی وضاحت کر دی جائے۔

دین برحق

چونکہ دین اختیار کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس دنیا میں دین کے عقائد، اصول اور ضابطۂ حیات کے تحت زندگی بسر کی جائے۔ تاکہ قلبی سکون کے بعد خالق کونین کی خوشنودی حاصل ہو۔ اور عالم آخرت میں آرام وراحت نصیب ہو۔ اس لیے یہ مقصد اسی دین سے حاصل ہو سکتا ہے جس کے عقائد طرز عمل ضابطۂ زندگی مسائل حیات کے حل، مالک حقیقی کی عبادت اور پرستش کے طریقے، نیکی اور خدا ترسی کے تصورات اور فلاح وبہبودی کے وہ ذرائع جنہیں انسان کو اختیار کرنا ہے۔ سب اسی حاکم حقیقی کے بتائے ہوئے ہوں۔ جس کی ذات وصفات میں کوئی شریک نہیں، جو کائنات کا مالک حقیقی ہے، جس نے ساری مخلوق کو پیدا کیا۔ اس لیے کہ اس کے بتائے ہوئے عقائد اور دستور حیات کے مطابق زندگی گذار کر اس کی خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اور عالم آخرت میں اس کی رحمتوں کا امیدوار ہوا جا سکتا ہے۔ لہٰذا جس دین میں ایسے اصول عقائد اور اعمال ہوں، وہی دین "دین برحق" ہے۔ یعنی جو دین اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ پوری کائنات کا صانع ایک ہے۔ وہی سارے جہان کا پالن ہار ہے۔ وہی منعم حقیقی ہے۔ انسان یا دوسری مخلوق کو جو کچھ ملا ہے اسی کا دیا ہوا ہے۔ وہی روز جزا کا مالک ہے اور صرف وہی عبادت کا مستحق ہے۔ اس کا کوئی شریک اور ساتھی نہیں ہے، وہ جسم وجسمانیات، زمان و زمانیات اور مکان ومکانیات سے منزہ اور پاک ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا ہے نہ اس کو کسی نے جنا ہے، وہی قادر مطلق ہے اسی کی مشیت سے سارا نظام قائم ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور اس کے پیغامات وارشادات برحق ہیں اور یہی ذریعہ نجات ہے۔

تو یقیناً ایسا دین دین برحق ہے اور جو دین ان تمام عقائد کے خلاف یا بعض کے خلاف تعلیم دیتا ہے تو وہ دین باطل ہے مثلاً عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور خدا کہا۔ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دور کے کفار ومشرکین نے ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہہ کر خدا کو صاحب اولاد مانا۔ حالانکہ خداوند قدوس اولاد سے پاک ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے ما اتخذ اللہ من ولد نہ اس (اللہ) نے (کسی کو) جنا ہے اور نہ اسے (کسی نے) جنا ہے۔ اور خدا کو صاحب اولاد ماننا اس کی مذکورہ صفات سے انکار کرنا ہے۔ اس لیے جو صاحب اولاد ہوگا وہ بے نیاز اور قادر مطلق نہ ہوگا، بلکہ محتاج ہوگا۔ حالانکہ اللہ بے نیاز اور قادر مطلق ہے۔ ارشاد ہے: (اللہ الصمد) (اللہ بے نیاز ہے) اور ان اللہ علی کل شئ قدیر بلاشبہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے، اور جو بے نیاز اور قادر مطلق نہیں ہوگا وہ عبادت کا مستحق نہیں ہوگا۔ حالانکہ اللہ ہی عبادت کا مستحق ہے چنانچہ فرماتا ہے: لا الٰہ الا ھو کوئی عبادت کے لائق نہیں (مگر وہی اللہ) اور (وقضی ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ (اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس)

کے سوا کسی کو نہ پوجو) اور جو صاحب اولاد ہوگا، وہ جسم جسمانیات مکان و مکانیات سے منزہ نہیں ہوگا، بلکہ جسم، زمان اور مکان والا ہوگا۔ اور جو صاحب اولاد ہوگا وہ بے مثل نہیں ہوسکتا بلکہ اس کا ہمسر اور مثل ہونا ضروری ہے حالانکہ رب کائنات بے مثل ہے۔ ارشاد ہے لم یکن لہ کفواً احد (اس کا کوئی ہمسر نہیں) اور جو بے مثل نہیں ہوگا اس کا ساجھی اور شریک ضرور ہوگا۔ حالانکہ خلاق کائنات اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا ساجھی اور شریک ہو چنانچہ ارشاد ہے قل الحمد للہ الذی لم یتخذ ولداً ولم یکن لہ شریک فی الملک و لم یکن لہ ولی من الذل وکبرہ تکبیراً۔ (اور فرمادو۔ سب خوبیاں اللہ کو جس نے بچہ اختیار نہیں فرمایا اور بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں اور کمزوری سے اس کا حمایتی نہیں اور اس کی بڑائی بولنے کو تکبیر کہو) مذکورہ باتوں سے معلوم ہوا کہ جس دین میں عقیدۂ توحید کے خلاف تعلیم دی جاتی ہے اور اس کے اصول و قوانین بندوں کے خود ساختہ ہیں تو یقیناً وہ دین باطل ہے اور جس دین میں عقیدۂ توحید کی تعلیم دی جاتی ہے اور زندگی گذارنے کے طریقے خالق کائنات کے بنائے ہوئے ہیں تو وہی دین، "دین برحق ہے" اور وہ صرف خدا کا دین ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ مختلف شریعتوں کی شکل میں آغاز انسانیت سے لے کر نزول قرآن تک انسان کی فلاح و بہبود کے لیے آتا رہا ہے۔ ان ظاہری صورتوں اور تفصیلات میں تو جغرافیائی، تمدنی، نسلی اور قومی حالات اور زمانے کے تقاضوں کے اختلاف کی بنا پر فرق ضرور ہے مگر ان کی روح اور ان کے اصول و مبادی میں کسی قسم کا فرق نہیں ہے۔ سب نے عقیدۂ توحید اور اطاعت خدا ہی کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ رب کائنات ارشاد فرماتا ہے :

شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحاً والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ

(تمھارے لیے دین کی راہ ڈالی جس کا حکم اس نے نوح کو دیا اور جو ہم نے تمھاری طرف وحی کی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم و موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا۔) اس کی تفسیر میں علامہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

ای شرع لکم من الدین دین نوح و محمد علیہما الصلاۃ والسلام ومن بینھما من ارباب الشرائع وھو الاصل المشترک فیما بینھم المفسر بقولہ" ان اقیموا الدین" وھو الایمان بما یجب تصدیقہ و طاعۃ فی احکام اللہ۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے آپ تک اے محبوب جتنے انبیاء پیدا ہوئے ہیں سب کے لیے ہم نے دین کی ایک ہی راہ مقرر کی ہے جس میں وہ سب متفق ہیں اور وہ راہ یہ ہے کہ دین ٹھیک کرو۔ اور دین ٹھیک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں پر ایمان لانا واجب اور ضروری ہے۔ ان پر ایمان لانا اور اللہ کے احکام کی فرمانبرداری کرنا اس سے معلوم ہوا کہ ضروریات دین پر ایمان لانے اور اطاعت خدا کی تعلیم ہر نبی نے دی ہے۔ مگر شریعتیں قومی حالات اور زمانے کے تقاضوں کے اختلاف کی بنا پر مختلف رہی ہیں۔ چنانچہ خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے : بکل جعلنا منکم شرعۃ و منھاجاً

(ہم نے تم سب کے لیے ایک ایک شریعت اور ایک ایک راستہ رکھا) یعنی فروغ اعمال ہر ایک کے خاص ہیں اور اصلی دین سب کا ایک ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایمان حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے یہی ہے کہ لا الہ الا اللہ کی شہادت اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اس کا اقرار کرنا اور شریعت و طریق ہر امت کا خاص ہے۔

دین موسوی اور دین عیسوی کے احکام جداگانہ تھے۔

دین موسوی کے احکام بہت سخت تھے۔ توریت میں مجرم کو قتل کیا جاتا تھا۔ ناپاک کپڑا کاٹا جاتا تھا اور جانوروں کی چربی حرام تھی۔ اور یہ سختی اسرائیلیوں کی سرکشی کی وجہ سے تھی۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے :

فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم

طیبت احلت لھم۔
(تو یہودیوں کے بڑے ظلم ہی کے سبب ہم نے وہ بعض ستھری چیزیں جو ان کے لیے حلال تھیں ان پر حرام فرما دیں۔) اور دین عیسوی میں نہایت نرمی تھی حتیٰ کہ شراب بھی حلال تھی اور کسی پر جہاد فرض نہیں تھا۔ چونکہ یہ احکام حالات کے تحت عارضی طور پر تھے۔ اسی لیے جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم دین اسلام لیکر تشریف لائے تو وہ تمام احکام اور شریعتیں جو حالات کے تحت عارضی تھیں منسوخ ہوگئیں اور چونکہ اسلام دین فطرت ہے لہٰذا وہ احکام جو فطرت کے مطابق تھے۔ وہ اب بھی دین اور اسلام میں محفوظ ہیں۔ جیسے دین ابراہیم علیہ السلام کے احکام فطرت کے مطابق تھے اور خداوند قدوس کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دین ابراہیم علیہ السلام کو قیامت تک باقی رکھنا تھا۔ اسی لیے حضور کو ملت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

ثم اوحینا الیک ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا

لہٰذا آج بھی وہ احکام دین محمدی میں محفوظ اور موجود ہیں۔

یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب دین ابراہیم علیہ السلام دین فطرت تھا اور اسے خداوند قدوس کو قیامت تک باقی رکھنا تھا تو ایسی صورت میں دین اسلام کے ساتھ نبی کریم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں مبعوث فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت عام نہیں تھی۔ آپ ہر قوم ہر رنگ و نسل کے لیے نبی نہیں تھے اور آپ کا دین اگرچہ دین فطرت تھا، مگر کامل دین نہیں تھا۔

دین کامل: دین کے کامل ہونے کے لیے تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ دین کے احکام اور اس کی تعلیمات و ہدایات کی ہمہ گیری یعنی دین وہی کامل ہو سکتا ہے جو مکمل ضابطۂ زندگی اور دستور حیات ہو۔ جس کے اندر زندگی کے ہر گوشے کے لیے احکام و ہدایات ہوں۔ مہد سے لیکر لحد تک زندگی کے ہر ہر شعبہ سے متعلق تعلیمات موجود ہوں، دینی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل کا حل موجود ہو تاکہ انسان زندگی کے کسی مرحلے میں اصول وضوابط اور ہدایات کے سلسلے میں دوسرے کا دست نگر نہ ہو کہ اسے احساس ہو کہ معلوم نہیں کہ یہ مرحلۂ زندگی رب کائنات کی مرضی کے مطابق گذر رہا ہے یا نہیں اور ساتھ ہی ساتھ وہ احکام فطرت کے مطابق ہوں تاکہ ان پر عمل درآمد کے سلسلہ میں انسان مجبور و معذور نہ ہو۔

۲۔ وہ دین ایسے نبی کا لایا ہوا ہو جو خاتم پیغمبراں ہو اس لیے کہ آخری پیغمبر نہ ہونا اور ان کے بعد کسی پیغمبر کا مبعوث ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دین کامل نہیں ہے اگر کامل ہوتا تو دوسرے نبی کو نئی شریعت کے ساتھ مبعوث نہ فرمایا جاتا۔

۳۔ دین لانے والے نبی کی نبوت عام ہو یعنی وہ ہر رنگ و نسل اور ہر قوم و ملک اور زمانۂ بعثت سے لیکر قیامت تک کے لوگوں کے لیے نبی ہوں۔ اس لیے کہ اگر کسی خاص قوم یا ملک اور کسی خاص زمانہ کے لیے نبی ہوں تو دوسری قوموں اور زمانوں کے لیے دوسرے نبی کی ضرورت پیش آئے گی۔ لہٰذا اس اعتبار سے وہ دین کامل کہلانے کا مستحق نہ ہوگا۔

اور اہل علم پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے انبیاء رسل تشریف لائے ان میں سے کسی کی تعلیمات ہمہ گیر نہ تھیں۔ ان میں کوئی خاتم پیغمبراں نہیں اور نہ ہی کسی کی نبوت عام تھی۔ ہر نبی کسی خاص قوم و ملک اور خاص زمانہ کے لیے مبعوث ہوتے رہے چنانچہ حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد کی طرف حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود کی طرف اور حضرت شعیب علیہ السلام مدین کی طرف مبعوث ہوئے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: والی عاد اخاھم ھودا (اور عاد کی طرف ان کے ہم قوم ہود کو) والی ثمود اخاھم صالحا (اور ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو) والی مدین اخاھم شعیبا (اور مدین کی طرف ان کے ہم قوم شعیب کو) الغرض ان میں سے کسی نبی کی نبوت عام نہیں تھی۔ مگر سید الانبیاء والمرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اسلام میں مذکورہ باتیں بدرجہ تم موجود تھیں جنھیں اختصار کے ساتھ ذیل میں بیان کیا

جا رہا ہے۔

احکام و تعلیمات کی ہمہ گیری

دین اسلام کے احکام و ہدایات زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی اور فطرت کے مطابق ہیں۔ مہد کی زندگی سے لے کر لحد کے سارے احکام بالتفصیل موجود ہیں۔ مالک حقیقی کے عبادت کے طریقے کسب حلال کے اصول سیاست کرنے کے انداز نزاعات و مقدمات کے فیصلے، قوانین اور وراثت کے احکام اکل و شرب کے آداب نشست و برخاست چلنے پھرنے سونے اور جاگنے کے طریقے، غرض عقائد ہوں کہ عبادات اخلاق ہوں کہ آداب تمدن خانگی معاملات ہوں یا لین دین کے کاروبار، انسانوں کے ساتھ معاملہ ہو یا خدا کے ساتھ سب کے متعلق اسلام میں احکام اور ہدایتیں موجود ہیں۔ حتی کے قضائے حاجت، طہارت حاصل کرنے کے طریقے بھی۔ یہی وجہ تھی کہ بعض مشرکین نے حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ، سے مذاقاً کہا تھا کہ تمھارے پیغمبر تم کو پاخانہ کرنا بھی سکھاتے ہیں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہاں یہ سچ ہے آپ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ ایسی حالت میں قبلہ رُخ نہ بیٹھیں، نہ اپنے داہنے ہاتھ سے طہارت کریں اور تین ڈھیلوں سے استنجا کریں۔ ان میں کوئی ہڈی اور گوبر نہ ہو۔ (جامع ترمذی)

تعلیمات اسلام کی یہ ہمہ گیری اس کی تکمیل کی دلیل ہے۔

اسلام یہ احکام اور تعلیمات اسی طرح موجود ہیں جس طرح صدیوں پیشتر موجود تھیں اسلام آج بھی پست سے پست اور غیر متمدن سے غیر متمدن اقوام سے لیکر بلند سے بلند اور متمدن سے متمدن قوموں کے لیے یکساں احکام و ہدایات رکھتا ہے۔ دین اسلام میں پست کو بلند اور بلند کو بلند تر بناتے کی برابر کی ہدایت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ افریقہ کے وحشیوں میں اسلام دینی تعلیمات و ہدایات کے ساتھ تنہا جاتا ہے اور ان کو متمدن اور مہذب بنانے کے لیے دوسرے ادیان کی طرح اسلام سے باہر کسی تعلیم کی ان کو ضرورت پیش نہیں آتی مثلاً عیسوی مذہب کو (چند اختلافات چھوڑ کر جن کا ماخذ انجیل ہے) عقائد پادریوں کی کونسلوں سے عبادات کلیساؤں کے حکمرانوں سے اور تہذیب و تمدن کی تعلیمات یورپ کے بے دینوں ملحدوں سے حاصل کرنی پڑتی ہے۔ مگر یہ اسلام کی خصوصیت ہے کہ انسانی زندگی کے کسی مرحلہ اور کسی شعبے کے لیے احکام و ہدایات کے سلسلہ میں دوسرے کا دست نگر نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں دین اسلام کو مکمل کرنے کی بشارت ان الفاظ میں دی گئی ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم۔ یعنی اے محبوب آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں صاحب مدارک التنزیل نے جو تحریر فرمایا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ امور تکلیفیہ کے احکام قرآن و حدیث میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ اگر کسی چیز کے سلسلے میں قرآن و حدیث کا حکم موجود نہیں ہے تو خدا وند قدوس نے قیاس کے اصول و قوانین کی معرفت کرا دی ہے۔ تاکہ قیاس کے ذریعہ حکم معلوم ہو جائے اس میں قیاس کے منکرین کا رد بھی ہے۔ حالانکہ قیاس اصول شرع میں سے ہے اور اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند بھی فرمایا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت ان سے دریافت فرمایا کہ جب تمھارے سامنے کوئی قضیہ آئے تو فیصلہ کیسے کرو گے؟ اور کس چیز سے کرو گے تو عرض کیا کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو؟ عرض کیا، سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے، فرمایا اگر سنت رسول اللہ میں نہ پاؤ؟ عرض کیا اجتہد برأی میں اپنی رائے اور عقل سے اجتہاد کروں گا اور طلب صواب میں کوتاہی نہ کروں گا۔ تو پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے پر ہاتھ مارا اور ارشاد فرمایا: الحمد للہ الذی وفق رسول اللہ لما یرضیٰ بہ رسول اللہ۔

حمد ہے اس خدا کے لیے جس نے رسول خدا کے فرستادہ کو اس کی توفیق عنایت فرمائی جس سے اللہ کا رسول خوش اور راضی ہے۔ (مشکوٰۃ باب العمل فی القضاء والخوف منہ) حضرت شیخ محقق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں قیاس اور اجتہاد کی شرعیت پر دلیل ہے۔ بخلاف اصحاب ظواہر کے جو قیاس کے منکر ہیں۔ الغرض دین اسلام وہ دین ہے جو احکام
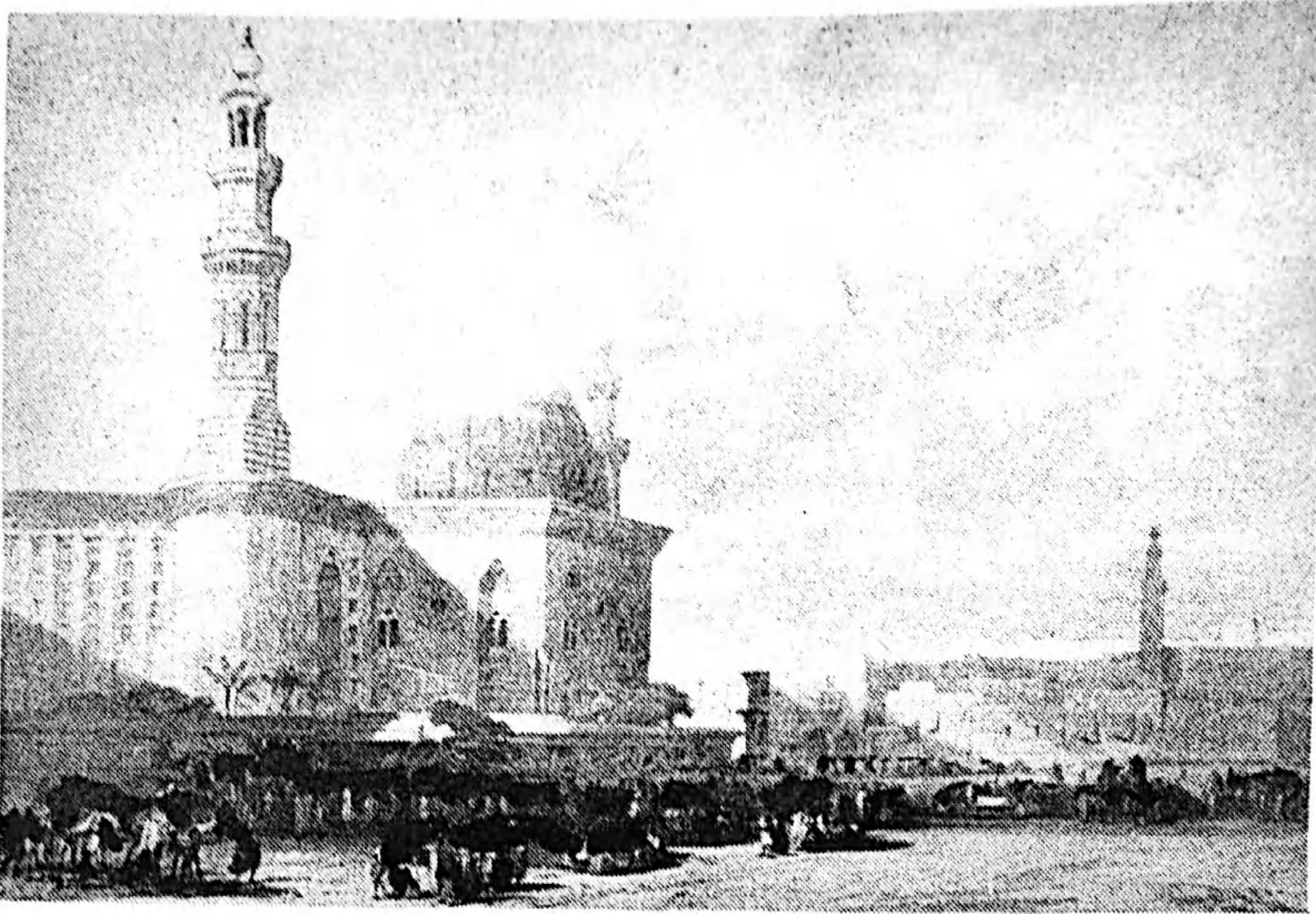
اور تعلیمات کے سلسلہ میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔

انا نسمع احادیث من یہود تعجبنا افتریٰ ان نکتب بعضہا۔

یعنی اے اللہ کے رسول ہم یہود سے ایسی باتیں سنتے ہیں جو ہمیں اچھی لگتی ہیں۔ کیا آپ ان میں سے بعض باتوں کے لکھنے کی اجازت فرماتے ہیں تو سرکار نے زجر و انکار کے طور پر ارشاد فرمایا:

امتھوکون انتم کما لمحوکت الیہود و النصاریٰ۔

کیا تم لوگ حیرت رشک اور شبہ میں ہو جس طرح یہود و نصاریٰ حیرت اور شک و شبہ میں مبتلا ہوئے۔ میں ملت اسلام کو سفید اور روشن و صاف لایا ہوں اور اگر موسیٰ علیہ السلام ہوتے تو انہیں میرا ہی اتباع کرنا ہوتا۔

مشکوٰۃ المصابیح مرقاۃ اشعۃ اللمعات میں امتھوکون انتم کما تمتھوکت الیہود والنصاریٰ کی شرح یہ بیان کی گئی ہے کہ کیا دین اسلام کے کامل اور تمام ہونے کے سلسلہ میں تمہیں حیرت اور شک و شبہ ہے کہ اپنی کتاب اور نبی کے غیر سے علم حاصل کر رہے ہو۔ جس طرح یہود و نصاریٰ نے حیرت شک و شبہ میں پڑ کر اللہ کی کتاب پس پشت ڈال دی اور اپنے راہبوں اور پادریوں کی خواہشات کا اتباع کیا گویا سرکار نے اس بات کی تعلیم فرمائی کہ اسلام دین کامل ہے۔ اس کی موجودگی میں کسی دوسرے دین کے احکام کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی ان پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو اقوال و اعمال میں میرا ہی اتباع کرتے۔

اور چونکہ اسلام کے احکام فطرت کے مطابق ہیں اس لیے ہر رنگ و نسل اور ہر قوم و ملک کے لوگوں کے لیے ان پر عمل کرنا ممکن بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے احکام بتاتے ہوئے اس کے عملی نمونے بھی پیش فرمائے

جارڈن میں قصر ال خرانہ کا اُمیہ قلعہ

آپ نے خداوند قدوس کی عبادت و پرستش کی تعلیم دی تو سب سے پہلے خود ہی نمونہ بھی پیش فرمایا۔ آپ نے غریبوں، مسکینوں اور یتیموں کی اعانت کی تعلیم دی تو سب سے پہلے آپ نے اعانت فرماکر دکھائی۔ جہاد فی سبیل اللہ کی تعلیم دی تو جہاد فرماکر اس کا نمونہ بھی پیش فرمایا اور عفو و درگذر کی تعلیم دی تو فتح مکہ کے موقع پر مکہ والوں کو یہ کہہ کر معاف کر دیا۔ لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا انتم الطلقاء۔

یعنی آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو تاکہ لوگوں پر واضح ہو جائے کہ تعلیمات اسلام ناقابلِ عمل اور غیر فطری نہیں ہیں۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔

تمھارے لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ ثابت ہوا کہ اسلام کی تعلیمات اور اس کے احکام ہمہ گیر اور قابلِ عمل ہیں۔

ختم نبوّت: دین اسلام لانے والے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم بلاشبہ خاتم پیغمبراں ہیں۔ آپ کے ختم نبوت کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ خداوند قدوس نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔

محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے) اور خود سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ میری مثال اور مجھ سے قبل انبیاء کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے حسین و جمیل گھر تیار کیا مگر کسی گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی تو لوگ اس گھر کا طواف کرنے لگے اور تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ھلا وضعت ھذہ اللبنۃ۔ اس اینٹ کو کیوں نہیں رکھ دیا گیا۔ یعنی یہ جگہ کیوں نہیں پُر کر دی گئی۔ تو سرکار فرماتے ہیں۔ نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ میں ہوں و انا خاتم النبیین۔

اور میں خاتم پیغمبراں ہوں۔

آپ کی ختم نبوت سے متعلق بخاری و ترمذی مشکوٰۃ المصابیح وغیرہا میں بہت سی احادیث مقدسہ مروی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو خاتم النبیین نہ ماننا قرآن و حدیث کا انکار کرنا ہے اور یہ بالاتفاق کفر ہے۔ اور صحابہ سے آج تک امت اسلامیہ کا اس پر اجماع صریح قائم ہے۔

عموم نبوت و رسالت

اس سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے قبل جتنے انبیاء و رسل تشریف لائے وہ کسی خاص قوم اور کسی خاص زمانے کے لیے نبی تھے۔ مگر ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کسی خاص قوم و ملک کے لیے اور کسی خاص زمانے کے لیے نبی نہیں، بلکہ آپ کی نبوت عام ہے۔ آپ ہر رنگ و نسل اور ہر قوم و ملک کے لیے نبی ہیں اور زمانۂ بعثت سے لے کر قیامت تک کے لوگوں کے لیے نبی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے

قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السموٰت والارض۔

میدانِ جنگ میں

سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فوجی سپہ سالار کی حیثیت سے بھی تدبیر و تدبر، فہم و فراست اور حکمت عملی کا وہ شاندار مظاہرہ فرمایا ہے کہ جن سے آج کے فوجی ماہرین بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ حضور کی لڑائیوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اُن میں جانی نقصان بہت کم ہوا ہے۔ ابن ہشام کے قول کے مطابق حضور ۲۷ بار مدینے سے جنگ کے لئے نکلے مگر جنگ صرف ۹ بار ہی ہوئی جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

جنگ کا نام	دشمن کی فوج کی تعداد	دشمن کے مقتولوں کی تعداد	مسلمانوں کی فوج کی تعداد	شہداء کی تعداد
بدر	۹۵۰	۷۰	۳۱۳	۱۴
اُحد	۳٬۰۰۰	۲۲	۷۰۰	۷۰
مصطلق	۲۰۰ (؟)	۱۰	۳۰ (؟)	۱
خندق	۱۲۰۰۰	۸	۳۰۰۰	۶
خیبر	۲۰٬۰۰۰	۹۳	۱٬۵۰۰	۱۵
مُوتہ	۱۰۰٬۰۰۰	(؟)	۳۰۰۰	۱۳
مکّہ	(؟)	۱۳	۱۰٬۰۰۰	۳
حنین	(؟)	(؟)	۱۲٬۰۰۰	۴
طائف	(؟)	(؟)	۱۲٬۰۰۰	۱۲
		۲۱۶		۱۳۸

گویا حضور نے دس لاکھ مربع میل کی حکومت دشمن کے صرف ۲۱۶ آدمی قتل کر کے حاصل کر لی۔ مسلمانوں کے شہداء کا اوسط ایک شہید فی ماہ رہا۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔ مگر اس میں حضور کی جنگی مہارت کا دخل ہے۔ مثلاً جنگ بدر کے موقع پر حضور نے بدر پہنچتے ہی سب سے پہلے پانی کی سپلائی پر قبضہ کر لیا۔ اور بہتے پانی کو روکنے کے لئے بڑے بڑے گڑھے کھدوا دئے تاکہ پانی دشمن کی طرف نہ جا سکے۔ آپنے میدان میں ایسے حصّہ کا انتخاب کیا جہاں صبح کے وقت سُورج کی چمک آنکھوں پر نہ پڑے۔ عرب میں لڑائیاں صبح سے شروع ہوا کرتی تھیں اس لئے اس معمولی سی بات پر نظر رکھنا بڑی زبر دست جنگی مہارت کا ثبوت تھا۔

جنگ کی صبح کو حضور نے اپنے ۳۱۳ آدمیوں کو صفوں میں کھڑا کیا بعض لوگوں کو ایک دوسرے کے پیچھے فائل میں کھڑا کیا، فوج کو مہاجر، اوس اور خزرج میں تقسیم کیا۔ ہر حصّہ کا کمان

دار مقرر فرمایا۔ ہر حصّہ کو ایک جھنڈا دیا گیا اور ہر حصّہ کو جُدا جُدا جنگی نعرے دئے گئے۔ وہ نعرے یہ تھے۔

عام فوج کے لئے۔

"یا منصور امت"

گھوڑ سواروں کے لئے۔

"احد، احد"

مہاجرین کے لئے۔

"یا ابو عبدالرحمان"

انصار کے لئے۔

"یا بنو عبیداللہ"

ان نعروں کو عربی میں شعار کہتے ہیں۔ یہ شناخت کے لئے استعمال کئے گئے تھے۔

اس کے بعد حضور نے ہدایات دیں کہ:-

"صفوں کو بکھرنے نہ دینا، جب تک میں حکم نہ دوں جنگ شروع نہ کرنا، جب تک دشمن تمہارے تیروں کی زد میں نہ آئے تیر ضائع مت کرنا، جب تم دشمن کو قریب آتا پاؤ تو پہلے پتھر برسانا جب وہ اور قریب آجائیں تو برچھے اور بھالے استعمال کئے جائیں، تلوار کا استعمال صرف دست بدست لڑائی میں کیا جائے مقصد یہ تھا کہ لڑائی میں لوگ کم سے کم مریں۔"

ان ہدایات کے بموجب ہر مسلمان نے پتھروں کا ایک ڈھیر جمع کر رکھا تھا۔ قریش کو یہ موقع حاصل نہ تھا کیونکہ وہ بڑھ کر حملہ کرنے والے تھے وہ زیادہ سے زیادہ دو پتھر فی کس لے کر آسکتے تھے۔

حضور کے زمانے میں یونیفارم کا رواج نہ تھا۔ مگر حضور نے اپنے اور دشمن کے فوجیوں میں تمیز رکھنے کے لئے یہ مشورہ دیا، ہر شخص اُون کا ایک پھندنا اپنی پگڑی یا کلاہ میں لگالے۔ حضور نے عریش کی حفاظت کے لئے ایک چھوٹا سا منتخب دستہ مقرر کیا اور ۳ تیز دوڑنے والی سانڈنیاں تیار کر رکھیں تاکہ حالتِ جنگ میں پیغام بھیجنے میں آسانی ہو۔

حضور نے حکم دیا کہ اللہ نے ہر معاملے میں اچھے سلوک کا حکم دیا ہے اس لئے قتل بھی کرو تو بہتر طریقے پر کرو۔ اور مثلہ (لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا یا اعضاء کی بے حرمتی کرنا) نہ کیا جائے۔

ان سب ہدایات اور اللہ کی مہربانی سے فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہوا ۱۴ مسلمان شہید ہوئے ستّر قریش مارے گئے۔ اور ستّر آدمی گرفتار ہوئے۔ حضور نے ان قیدیوں کے ساتھ مثالی سلوک فرمایا۔

اپنی اس ہار کا بدلہ لینے کے لئے قریش نے اگلے سال حملہ کیا۔ حضور اُن کی ہر حرکت کی خبر رکھ رہے تھے۔ چنانچہ جب قریش ذوالحلیفہ پہنچے تو حضور کے جاسوس اُن میں مِل گئے اور حضور کو خبریں پہنچاتے رہے حضور کا خیال تھا کہ یہ جنگ شہر میں محصور ہو کر لڑی جائے۔ مگر کثرتِ رائے حضور کی اس رائے کے خلاف تھی۔ اس لئے طے ہوا کہ اُحد کے میدان ہی میں مقابلہ ہو گا۔ اس لئے حضور نے شہر کی حفاظت کے لئے دستے مقرر کر دئے بالآخر دستے اُحد کے میدان میں پہنچ گئے۔ دشمن کے احد میں پہنچنے کے بعد حضور نے رات ایک کھلے کیمپ میں بسر کی۔ کیمپ کی حفاظت کے لئے ابن مسلمہ کی قیادت میں پچاس آدمیوں کا ایک دستہ مقرر کیا۔

اگلی صبح کو حضور نے میدانِ اُحد میں پہنچ کر پوزیشن لے لی آپ نے پہاڑوں سے گھرے ہوئے ایک درّے کو اپنا کیمپ مقرر کیا اور فیصلہ کیا کہ جنگ باہری پہاڑی گھاٹی میں لڑی جائے گی۔ اگرچہ دُشمن کے ۳۰۰۰ فوجیوں کے مقابلے میں مسلمان صرف ۷۰۰ تھے مگر اُن کے حوصلے بلند اور فوجی تدبیر محکم تھی۔

عینین نامی پہاڑی پر ایک پچاس نفری دستہ مقرر کر دیا گیا تاکہ وہ زبیر کے گھوڑ سواروں کے تعاون سے اُحد اور عینین کے درمیانی راستے سے دُشمن کو آگے نہ بڑھنے دے مسلمانوں کی فوج کا رُخ مغرب کی طرف تھا۔ تیر انداز نہ صرف مسلمان فوج کے عقب کی حفاظت کر رہے تھے بلکہ وہ مدینہ جانے والی راہ پر بھی نظر رکھ سکتے تھے تاکہ قریش مدینے پر نہ چڑھ دوڑیں۔ اس پس منظر میں حضور کا یہ حکم کتنا اہم اور دُور اندیشانہ تھا کہ اگر

تم یہ دیکھو کہ ہماری لاشوں کو چیلیں اور گدھ کھا رہے ہیں تب بھی عینین سے نہ ہٹنا۔ اس سے حضور کی جنگی مہارت کا پتہ چلتا ہے۔

حضور کی ماہرانہ کمانداری کا نتیجہ تھا کہ مسلمان شروع میں پوری طرح کامیاب ہوئے مگر جب مسلمانوں کی تیر اندازی کی بڑی تعداد نے کوہ عینین کو چھوڑ دیا تو خالد کے دستوں نے دس کلومیٹر کا کاوا کاٹ کر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ ۸۰ تیر انداز جو وہاں رہ گئے تھے انہیں نہ روک سکے اور خالد اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گئے۔ ۲۲ دشمنوں کے مقابلے میں ستر مسلمان شہید ہوئے۔ خود رسول کریم زخمی ہوئے دشمنوں کے کھودے ہوئے ایک گڑھے میں گر گئے۔

جنگ کے آخری مرحلے میں قریش نے بھاگتے ہوئے مسلمانوں پر پتھر برسائے جس سے سب مسلمانوں کو چوٹیں لگیں۔ ان ہی پتھروں میں کا ایک پتھر حضور کے چہرے پر لگا۔ بہر حال اپنے وفادار ساتھیوں کی مدد سے آپ نے اُحد کے ایک اُتھلے غار میں پناہ لی۔

مسلمان پیچھے ہٹ گئے اور قریش نے اسی پر بس کر کے مکّہ کی راہ لی۔ لیکن حضور سمجھ گئے کہ وہ لوٹنا اور اچانک پھر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے آپ نے زخموں سے چُور مسلمان فوجیوں کو ایک بار پھر منظم کیا اور دفاع کے لئے تیار ہو گئے مگر دشمن بیچ بچ لوٹ چکا تھا۔

غزوۂ خندق مسلمانوں کے خلاف سب سے بڑی سازش تھی۔ مدینے کے اطراف کے سارے ہی قبیلے مدینے پر چڑھ آئے تھے۔

اس لئے سلمان فارسی کے مشورہ کو قبول کرتے ہوئے حضور نے شہر کے تین طرف اس شکل کی ایک خندق کھدوا دی اس وجہ سے قریش شہر پر حملہ نہ کر سکے۔ مگر شہر گھر کر رہ گیا جب محاصرہ طویل ہو گیا تو قریش نے مدینہ کے قریب کے یہودیوں کی مدد سے مسلمانوں کو کچلنا چاہا۔ انہوں نے یہودیوں کو مسلمانوں کے کیمپ پر شب خون مارنے کے لئے آمادہ کیا حضور کے حکم سے مسلمان ساری رات اللہ اکبر کے نعرے لگاتے رہے اس لئے یہودیوں کو حملے کی ہمت نہ ہوئی۔ مگر محاصرہ اتنا سخت ہوتا جا رہا تھا کہ ایک دن تو مسلمان ظہر عصر، مغرب اور عشا، سب نمازیں رات میں پڑھنے پر مجبور ہو گئے۔ محاصرہ ایک ماہ کے قریب رہا مگر حالات ایسے تھے کہ فوری کارروائی قرینِ مصلحت نہ تھی۔

اب حضور نے سرد جنگ شروع کی۔ آپ نے نعیم ابن مسعود کو جن کا مسلمان ہونا لوگوں کو معلوم نہ تھا دشمن میں پھوٹ ڈلوانے کی اجازت دیدی۔ اُن کی کوشش کامیاب ہوئی اور قریش اور اُن کے حلیف ناکام واپسی پر مجبور ہوئے اس طرح یہودیوں اور قریش کی یہ سازش بے اثر ہو گئی۔

حضور کی جنگی پالیسی ہمیشہ یہ رہی کہ دشمن پر غالب آئیں۔ اور حُسنِ سلوک سے اُس کی دشمنی کو ختم کر دیں۔ آپ دشمن کا قلع قمع کرنے کے قائل نہ تھے، بلکہ دِلوں کو جیتنے کے قائل تھے فتح مکّہ کے موقع پر اس پالیسی کا بہترین مظاہرہ ہوا ہے۔

جب قریش نے صلح حدیبیہ کا پاس نہ کیا اور حضور کے حلیف قبیلوں پر ظلم کرنے لگے تو حضور نے دس ہزار مسلمانوں کا لشکر تیار کیا۔ لیکن یہ بات کسی کے علم میں نہ تھی کہ حضور کے ارادے کیا ہیں۔ حد یہ ہے کہ حضور کے گھر والوں اور حضرت ابوبکر صدیق جیسے ساتھیوں تک کو علم نہ تھا۔ آپ نے ان والینٹروں کو اپنے قبائل میں بھیج دیا۔ اور حکم دیا کہ جب ہم تمہارے قبیلوں کے ٹھکانوں کے سامنے سے گزریں تو تم ہم میں مل جانا۔ مطلب یہ تھا کہ دشمن یہ پتہ نہ لگا سکے کہ حضور کے ساتھ کتنے آدمی ہیں۔ پھر جب فوج کشی کا ارادہ فرمایا تو حضرت ابوقتادہ کو دو سو سپاہیوں کے ساتھ مدینے کے شمال کی طرف بھیجا حالانکہ آپ کو جنوب کی طرف جانا تھا۔

ان ترکیبوں سے حضور مکّے کی دیواروں کے نیچے پہنچ گئے اور دشمن کو پتہ تک نہ چلا۔ وہاں حضور نے ایک اور تدبیر فرمائی۔ آپ نے دس ہزار الاؤ جلانے کا حکم دیا تاکہ مکّہ والے سمجھیں کہ کم سے کم پچاس ہزار آدمی چڑھ آئے ہیں۔ کیونکہ ہر الاؤ پر کچھ نہیں تو ۵ آدمیوں کا کھانا تو پک ہی سکتا ہے۔

ابوسفیان حالات کا اندازہ لگانے کیلئے نکلے تو مسلم اسکاؤٹوں کے ہتھے چڑھ گئے اس طرح مکہ والے صحیح صورتِ

حال سے بالکل ناواقف رہے۔ رات کو حضور نے ابوسفیان کو واپس نہیں آنے دیا، حالانکہ وہ اسلام قبول کر چکے تھے۔ یہ ایک حفاظتی تدبیر تھی۔ صبح کو جب مسلمانوں نے چاروں طرف سے شہر میں گھسنا شروع کیا۔ حضور نے ابوسفیان کو آزاد کر کے اجازت دی کہ وہ لوگوں سے کہہ دیں کہ جو لوگ گھروں سے باہر نہ نکلیں گے وہ محفوظ رہیں گے، جو ہتھیار ڈال دیں گے محفوظ رہیں گے جو کعبہ یا ابوسفیان کے گھر میں پناہ لیں گے محفوظ رہیں گے۔

اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ بغیر کسی مزاحمت کے فتح ہوگیا۔

یہ حضور کی جنگی تدبیر کا ہی نتیجہ تھا۔

حضور نے تبوک کی جنگ کے علاوہ ہر جنگ میں بڑی رازداری برتی ہے وہ ہمیشہ گھوم پھر کر اپنے ہدف پر پہنچتے تھے۔ اور حملے کے آخری مرحلے تک اس بات کی کوشش میں رہتے تھے کہ دشمن کو آپ کی نقل و حرکت کے بارے میں صحیح علم نہ ہونے پائے۔ چنانچہ غزوۂ حنین کے موقع پر آپ مکہ سے شمال کی جانب روانہ ہوئے اور پھر شمال مشرق کی طرف گھوم کر ایک نصف دائرہ طے کر کے دشمن سے حنین میں مقابل ہوئے۔ یہاں حنین والوں کی گھات لگانے سے شروع میں کچھ افراتفری مچی مگر حضور کی شخصی جرأت اور جنگی حوصلے سے بگڑی بات بن گئی اور بنو ہوازن ہارے، قیدیوں اور مالِ غنیمت کو جعرانہ کے مقام پر بھیج کر آپ طائف کے جنوب مشرق کی طرف آگے بڑھتے رہے، لیہ کے قلعہ کو توڑا اور جھپٹ کر طائف کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرہ میں حضور نے خیبر کے تجربے سے فائدہ اٹھایا اور گھرے ہوئے شہر کو ہار ماننے پر مجبور کرنے کے لئے منجنیقوں (توپوں) سے پتھر برسائے۔ یہ منجنیق حضرت سلمان فارسی نے بنائی تھی۔ اس کے علاوہ اس جنگ میں ہاتھ سے ڈھکیلی جانے والی ٹینک نما گاڑیوں کو بھی استعمال کیا گیا۔ انہیں دبابہ کہتے ہیں۔

جب محاصرہ نے طول کھینچا تو حضور نے طائف والوں پر اقتصادی دباؤ ڈالا اور انہیں دھمکی دی کہ اگر وہ ہار نہ مانے تو ان کے انگوروں کے باغ تباہ کر دئے جائیں گے۔

لیکن جب طائف والوں نے ۴۰ دن تک بھی ہار نہ مانی تو حضور نے محاصرہ اٹھا لیا اور طائف والوں کو سیاسی شکست دینے کا فیصلہ کر کے مکہ کی طرف لوٹ پڑے۔ اس دوران بنو ہوازن نے اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ جعرانہ میں جمع ہو گئے تھے۔ وہاں رحمتِ عالم نے اپنے تدبر سے ان کے مال اسباب اور بیوی بچے سب واپس کرا دئے اس طرح طائف کے حلیف بنو ہوازن مسلمانوں کے کیمپ میں آ گئے۔ چنانچہ ایک سال سے بھی کم عرصہ میں وہ اسلام کے حلقہ میں آ گئے۔ اور حضور کو ان کی وفاداری مل گئی۔

ان لڑائیوں میں جن میں حریف یہودی تھے۔ سب سے پہلا ٹکراؤ بنو قینقاع سے ہوا یہ لوگ سنار تھے اور مدینہ کی بین الملی تجارت پر ان ہی کا کنٹرول تھا۔ ان لوگوں نے مسلمانوں سے بد عہدی کی۔ چنانچہ حضور نے انہیں ادب سکھانے کے لئے ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا اور جب انہوں نے ہار مان لی تو انہیں مدینے سے نکال دیا۔

اگلے سال بنو نضیر نے بغاوت کی۔ ان کو بھی سبق سکھانے کے لئے حضور نے ان کے نخلستانوں کا محاصرہ کر لیا۔ بالآخر وہ ہار مان گئے اور اپنا مال اسباب لے کر وہاں سے کوچ کر گئے اور خیبر میں جا بسے۔

بنو قریظہ کے یہودیوں نے خندق کی لڑائی کے زمانے میں مسلمانوں سے بڑی غداری کی تھی اس لئے لڑائی سے نمٹنے کے بعد حضور نے ادھر کا رخ کیا۔ چند ہفتوں گھرے رہنے کے بعد وہ ایک پنچ کی بات ماننے پر راضی ہو گئے مگر انہی کے مقرر کئے ہوئے پنچ نے ان کے لئے وہ سزا تجویز کی جو تورات خدا کے دشمنوں کے لئے تجویز کرتی ہے۔

جنگِ خندق کے معرکہ میں حضور نے سابقہ معاہدے کے مطابق خیبر والوں سے مدد چاہی تھی اور کہا تھا کہ اگر وہ مدد کریں گے تو مدینے کی کھجوروں کی آدھی پیداوار انہیں پیش کر دی جائے گی اس وقت تو انہوں نے انکار کر دیا مگر جنگ
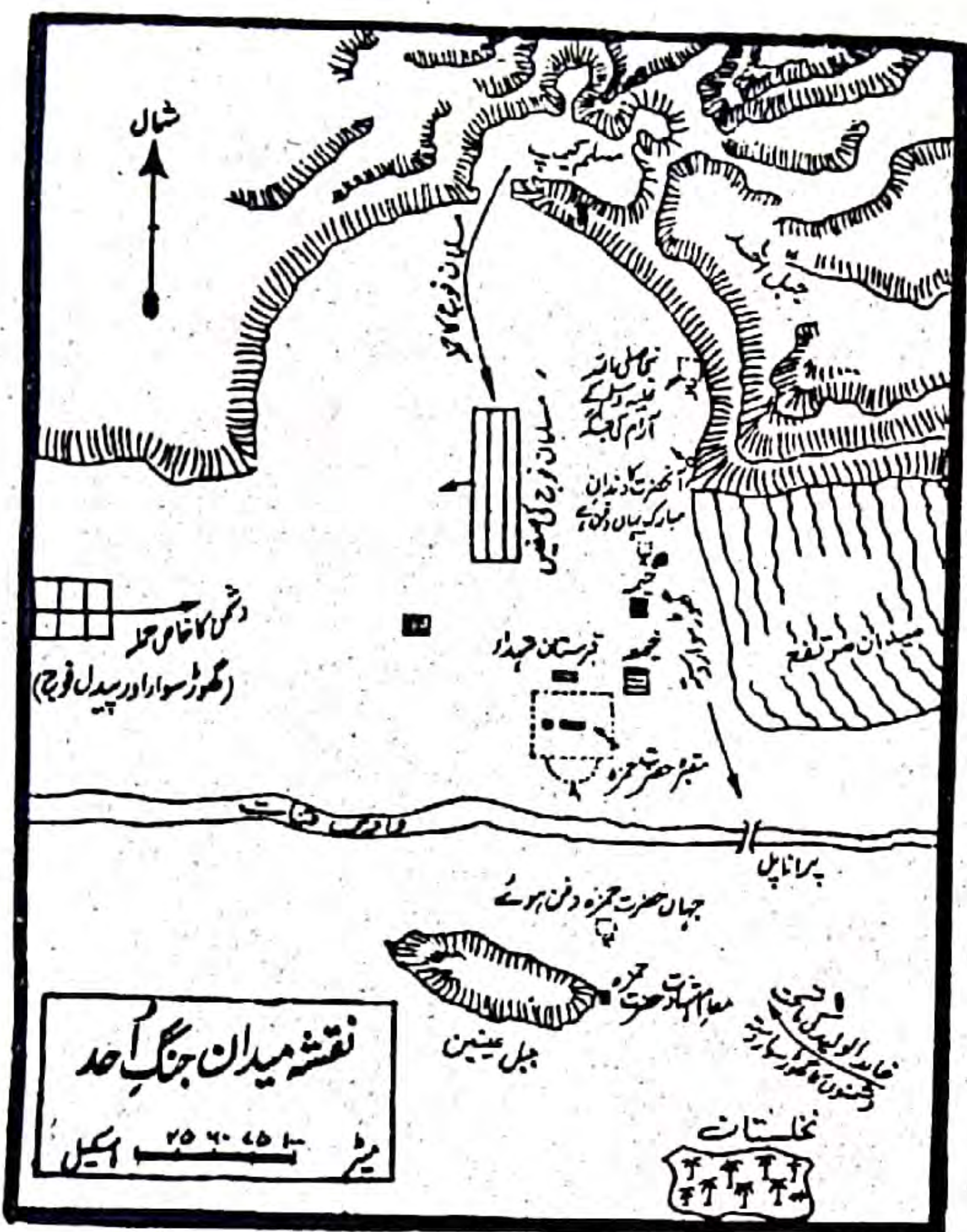
کے بعد حضور سے کھجوریں مانگنے آ گئے۔ حضور نے انہیں مناسب جواب دیا اور جلد ہی خیبر پر حملہ کر دیا۔ خیبر کے علاقے میں بہت سے قلعے تھے۔ ناعم نامی قلعہ سب سے پہلے فتح ہوا۔ پھر قاموس کی باری تھی۔ اس کے بعد قصر مرحب پر قبضہ کیا گیا، پھر وحیدۃ العصب اور بالآخر خیبر کا قلعہ فتح ہوا۔ تیمہ، وادی القرا اور فدک بغیر جنگ کے فتح ہو گئے۔

دو سال بعد یہودیوں کے کچھ اور قلعے فتح کر لئے گئے۔ اس طرح سرزمینِ عرب سے یہودیوں کی عظمت کا خاتمہ ہو گیا۔

حضور کی ان بے مثال جنگی کامیابیوں کا راز یہ ہے کہ حضور اپنی جنگوں کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دیتے تھے۔ حضور لوگوں کے دلوں کو جیت لیتے تھے تبھی تو دس سال کے مختصر عرصہ میں مدینہ کی شہری ریاست وسیع ہو کر دس لاکھ مربع میل سے بھی زیادہ رقبہ والی ایک پُرامن ریاست بن گئی۔

اس عجیب و غریب فتح میں حضور کے نظامِ جاسوسی کا بھی ہاتھ رہا ہے۔ دیکھئے نا اسلامی ریاست کی بنیاد عقبہ کے تیسرے معاہدے سے پڑتی ہے۔ اس معاہدے کے بعد کم و بیش سارے مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے بڑی تعداد میں مدینہ آ گئے مگر حضور ابھی مکہ ہی میں رہے اس صورتِ حال سے پریشان ہو کر مکہ والوں نے حضور کو قتل کرنے کی سازش کی۔ یہ اسلام کے خلاف ایک طرح کا اعلانِ جنگ تھا۔ آپ کی پھوپھی حضرت رقیقہ بنت ابی صیفی نے ایک دوپہر کو حضور کو بتایا کہ لوگ آج کی رات آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے اس بات سے آگاہ ہوتے ہی حضرت ابوبکر سے ملاقات کی اور طے کیا کہ آج کی رات شہر سے ہجرت کر جانا ہے۔ تین دن غارِ ثور میں چھپے رہنا ہے اور چوتھے دن جب قریش کا جوش و خروش کم ہو جائے تو مدینہ کی راہ لینی ہے۔ یہ بات طے کر کے آپ نے اجرت پر ایک بھروسہ کے قابل گائڈ کی خدمات حاصل کیں جو آپ کو کسی غیر معروف راستے سے مدینہ پہنچا دے یہ سب معاملات طے کر کے آپ گھر لوٹ آئے۔ رات کو دیر تک گھر رہے اور پھر حضرت علی کو اپنے بستر پر سُلا کر رات کی تاریکی میں گھر سے رخصت ہوئے اور دشمنوں کا محاصرہ توڑ کر غارِ ثور پہنچ گئے۔ وہاں حضرت ابوبکر کے صاحبزادے روزانہ حضور اور اپنے والد کو مکے کے حالات بتا جاتے تھے اور حضرت ابوبکر کی صاحبزادی اسماؓ کھانا وغیرہ دے آتی تھیں۔

نقشہ میدان جنگِ اُحد

پھر جب حضور مدینہ آ گئے تو بھی حضور کے چچا عباس مکہ ہی رہے اور آپ کو مسلسل حالات سے باخبر رکھتے رہے چنانچہ جب قریش کا تجارتی سیر بآگیا تو حضور کو اس کی اطلاع مل گئی آپ نے فوراً طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید کو کارواں کے ساتھ روانہ ہونے اور خبریں پہنچانے کا کام سپرد کر دیا۔ لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ یہ دونوں آدمی جب کارواں کی واپسی کی خبر لے کر آئے تو معلوم ہوا کہ حضور کارواں کی نقل و حرکت سے پہلے سے واقف ہو چکے تھے اور کارواں کی راہ روکنے کے ارادے سے شہر سے روانہ ہو چکے ہیں۔ پھر ایک اور بات بڑی دلچسپ ہے حضور کارواں کا راستہ روکنے کے لئے شمال کی طرف نہیں بڑھے بلکہ جنوب کی سمت گئے جہاں بدر میں اُن کی راہ روکنا یقینی تھا۔

لیکن ابوسفیان بھی بہت چالاک تھا۔ وہ حالات کا پتہ

زیارت (پاکستان) کی ایک عالیشان مسجد
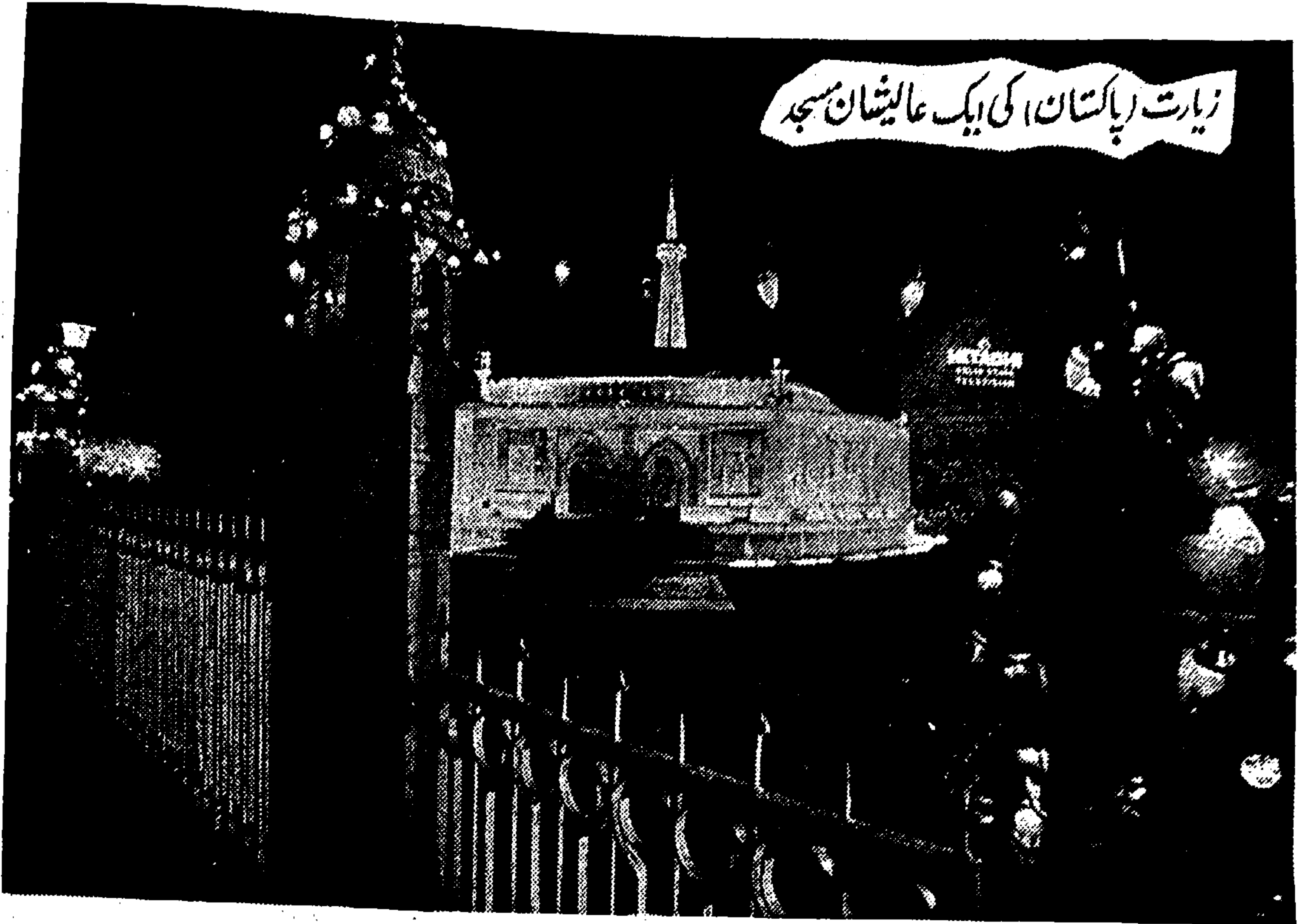
لگانے کے لئے اکیلا بدر آیا۔ وہاں اُسے معلوم ہوا کہ ابھی کچھ دیر پہلے دو اونٹ سوار پانی پینے آئے تھے اور جنوب کی طرف گئے ہیں۔ ابوسفیان اس طرف دوڑا۔ راہ میں اُسے اونٹ کی مینگنیاں دکھائی دیں۔ اُس نے ایک مینگنی کو توڑا تو اُس میں کھجور کی گٹھلی نکلی۔ بس پھر کیا تھا وہ چیخ اُٹھا "خدا کی قسم یہ اونٹ سوار محمد کے جاسوس تھے"۔

وہ بھاگ کر کارواں میں پہنچا اور کارواں کو ہدایت کی کہ بدر کی راہ کاٹ کر نکل جائیں جب کارواں نکل گیا تو حضور بدر آئے تاکہ اپنے حلیفوں سے ملاقاتیں کر لیں۔ یہاں آپ کو پتہ چلا کہ قریش کا ایک لشکر آ رہا ہے بس آپ نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ ان سے یہیں لوہا لینا ہے۔ بدر کی جنگ ہوئی اور مسلمان فتحیاب ہوئے

اس طرح جنگ اُحد، غزوہ ذات الرقاع اور بنو المصطلق سے بہت سی ایسی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ حضور دشمنوں کی نقل و حرکت پر کس طرح نظر رکھتے تھے۔ غزوہ خندق کے موقع پر نعیم بن مسعود کی جاسوسی کی کوشش کا ذکر پہلے ہی آچکا ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان جاسوسوں کے کارنامے اور غزوہ خیبر کے موقع پر اُن کی کارکردگی بھی قابل ذکر ہے۔

ابن ہشام اور مشکوٰۃ سے عیاں ہے کہ مسلمان جاسوسوں نے ہمیشہ اپنی آنکھیں کھُلی رکھیں۔

حضور کے زمانے میں کوئی مستقل فوج نہ تھی۔ بلکہ غزوات کے موقع پر جنگجو نوجوانوں کو بھرتی کر لیا جاتا تھا۔ اور اُن کو مالِ غنیمت میں سے حصہ دیکر مالا مال کر دیا جاتا تھا۔ امن کے زمانے میں فوجی تربیت کی جاتی تھی اور اچھے سے اچھے اسلحے حاصل کرنے کا شوق دلایا جاتا تھا۔ فوج کے کمانڈر تجربے اور پختگی کی بنیاد پر چنے جاتے تھے اور دورانِ جنگ میں پروپیگنڈہ مشینری سے خوب کام لیا جاتا تھا۔ (ماخوذ)

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ

مولوی عبد النبی سرگجوی

ناموں کی کثرت سے نام والے کی عظمت ظاہر ہوتی ہے خصوصًا جبکہ وہ بہتر و بلند معانی پر مشتمل ہوں۔

رسولِ گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ بہت زیادہ ہیں جو قرآن مجید اور دوسری آسمانی کتابوں میں مذکور ہیں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبانوں پر کثرت سے جاری رہے ہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں بھی وارد ہیں۔ آپ کے اسمائے مبارکہ میں سے افضل ترنام۔ نام "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ذکر ہے کہ پروردگار عالم نے کائنات کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے آپ کا نام مبارک "محمد" رکھا اور گھر میں آپ کا یہ نام مبارک آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے رکھا۔ ان سے کہا گیا کہ آپ نے ان کا نام محمد کیوں رکھا باوجودیکہ اس نام کا آپ کے قبیلہ میں کوئی آدمی نہیں تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا کہ یہ نام میں نے اس لئے رکھا کہ اہل زمین کی زبان پر انکی تعریف وتوصیف جاری رہے اور ایک دوسری روایت میں ہے اس لئے کہ خدا آسمان میں تعریف کرے گا اور لوگ زمین پر تعریف کریں گے۔

ابو طالب نے بیان کیا کہ ان کا نام محمد رکھنا خواب کی وجہ سے ہے حضرت عبدالمطلب نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ میری پشت سے ایک چاندی کی زنجیر نکلی جس کا ایک سرا آسمان میں ہے اور ایک سرا زمین میں اور ایک سرا مشرق میں اور ایک سرا مغرب میں ہے پھر وہ زنجیر ایک درخت کی شکل میں تبدیل ہوگئی اور اس کے ہر پتے پر ایک نور ہے اور اہلِ مشرق و مغرب اس درخت سے لپٹے ہوتے ہیں۔ جب حضرت عبدالمطلب نے اس زمانے کے تعبیر گویوں سے اس خواب کی تعبیر دریافت کی تو تعبیر گویوں نے بتایا کہ ان کی پشت سے ایک بابرکت لڑکا پیدا ہوگا جس کی مشرق و مغرب والے پیروی کریں گے اور آسمان و زمین والے اس کی تعریف و توصیف بیان کریں گے (زرقانی جلد ۳)

علماء بیان کرتے ہیں کہ آپ سے پہلے کسی کا نام محمد نہیں رکھا گیا لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کا زمانہ قریب ہوا تو اس وقت کے اہلِ کتاب نے لوگوں کو خوشخبری دی کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ قریب آچکا اور ان کا نام پاک محمد ہوگا۔ یہ سنکر کچھ قبیلے والوں نے اپنے بچوں کا محمد نام رکھنا شروع کر دیا۔ اس امید پر کہ شاید یہی وہ ہو جائے جس کے متعلق خوش خبری دی گئی لیکن اہلِ تحقیق کی چھان بین کے بعد اس

نام والے ۱۵ ہی تک منحصر رہے اس سے زیادہ نام نہیں ملتے وہ پندرہ اشخاص جو اس نام سے موسوم ہوتے درج ذیل ہیں۔
(۱) محمد بن اُحَیحہ ابن الجُلاح الاوسی صحابی (۲) محمد بن مَسْلَمَۃ الانصاری (بدری صحابی) (۳) محمد بن بَرّاء البکری (۴) محمد بن سفیان بن مجاشع (۵) محمد بن حُمران الجعفی (۶) محمد بن خزاعی السّلمی (۷) محمد بن عدی بن ربیعۃ المقری (۸) محمد بن عثمان السعدی (۹) محمد الاسیدی (۱۰) محمد الفقیمی (۱۱) محمد بن عتوارۃ اللیثی (۱۲) محمد بن حرمان العمری (۱۳) محمد بن خولی الھمدانی (۱۴) محمد بن یزید بن ربیعۃ (۱۵) محمد بن اسامۃ بن مالک۔

پہلے چھ نام علامہ قاضی عیاض اندلسی (۴۷۶ھ/۵۴۴ھ) نے "الشفا بتعریف حقوق المصطفٰے" میں ذکر کرکے فرمایا "لاسابع لہم" ان کا ساتواں نہیں ۔ مگر علامہ احمد بن محمد بن محمد شُمنّی (۸۰۱ھ/۸۷۲ھ) نے اس کے حاشیہ "مزیل الخفاء عن الفاظ الشفاء" میں سیرت مُغلطائی کے حوالہ سے بقیہ نام گنائے ۷-۸ کے بارے میں مغلطائی نے کہا میرے خیال میں دونوں ایک ہی ہیں ۔ اور محمد بن مسلمہ انصاری کے (قبل ولادت سید عالم اس نام سے موسوم ہونے کو) محل نظر بتایا۔ محمد بن براء کے صحابی ہونے کو ابو نعیم اور ابو موسیٰ نے مختلف فیہ کہا۔ (شفا مع مزیل الخفاء ص ۲۳۰ ج ۲ طبع قاہرہ، مصر)

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں چونکہ یہ نام حضور ہی سے متعلق خوشخبری کے نتیجہ میں رکھے گئے اس لئے تقدم اور اولیت سرکار ہی کو حاصل رہی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تخلیق کائنات سے دو ہزار برس پہلے آپ کا نام محمد رکھا۔ ابن عساکر نے کعب الاحبار رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے شیث علیہ السلام سے فرمایا کہ اے میرے بیٹے تم میرے بعد میرے خلیفہ ہو تقویٰ اور پرہیزگاری کو اختیار کرلو اور جب بھی تم کو خدا کے ذکر کی توفیق ملے، اس کے ساتھ "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی ضرور لینا۔ کیونکہ میں نے ان کا نام مبارک عرش الٰہی کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا ہے اور میں نے تمام آسمان کی سیر کی لیکن کوئی جگہ ایسی نظر نہیں آئی جس میں محمد لکھا ہوا نہ ہو اور میرے خدا نے مجھے جنت میں رکھا وہاں میں نے کوئی محل اور کوئی حجرہ کا ایسا نہ دیکھا جس پر نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہو میں نے نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم حوروں کے سینوں پر جنتی درختوں اور سدرۃ المنتہی کے پتوں پر پردوں کے کونوں پر اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا مشاہدہ کیا لہٰذا ان کی یاد کثرت سے کرنا اس لئے کہ فرشتے ہر آن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

خداوند قدوس نے قرآن مجید میں کئی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نام ذکر فرمایا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام "احمد" کے نام سے اپنی پوری زندگی آپ کے ذکر جمیل کا ڈنکا بجاتے رہے چنانچہ قرآن عظیم میں آیا ہے وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (پارہ ۲۸ رکوع ۹ آیت نمبر ۶ سورۂ صف)

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ خوش خبری سناتے ہوئے تشریف لائے کہ میرے بعد ایک رسول مبعوث ہونے والا ہے جس کا نام احمد ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ نام احمد مشہور ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی نام مبارک سے یاد کیا کرتے تھے اور کتب سابقہ میں یہی مشہور ہے اور قرآن کریم میں دونوں نام مذکور ہیں لیکن حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کثرت تعظیم ملحوظ رکھتے ہوئے نام احمد سے یاد کیا کرتے تھے کیونکہ یہ صیغہ اسم تفضیل کا ہے۔

محمد اور احمد نام رکھنے کی فضیلت

۱۔ امام احمد، ابو داؤد نے ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تم کو تمہارے نام اور تمہارے

باپوں کے نام سے بلایا جائے گا لہٰذا اچھے نام رکھو۔

۲۔ ابن عساکر و ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور وہ میری محبت اور میرے نام سے برکت حاصل کرنے کے لئے اس کا نام محمد رکھے تو وہ اور اس کا لڑکا دونوں جنت میں جائیں گے۔

۳۔ ابونعیم نے حلیہ میں بنیط بن شریط رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم جس کا نام تمہارے نام پر ہوگا اسے عذاب نہ دوں گا۔

۴۔ طبرانی کبیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے تین بیٹے ہوں اور وہ ان میں سے کسی کا نام محمد نہ رکھے وہ ضرور جاہل ہے۔

۵۔ حاکم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب لڑکے کا نام محمد رکھو تو اس کی عزت کرو اور مجلس میں اس کے لئے جگہ کشادہ کرو اور اسے کسی برائی کی طرف نسبت نہ کرو۔

(بہارِ شریعت ج ۱۶)

قسطلانی مواہب میں اور باجوری حاشیۃ الشمائل میں کعب احبار سے نقل کرتے ہیں کہ جنت والوں کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی عبدالکریم ہے اور دوزخ والوں کے نزدیک عبدالجبار ہے اور اہلِ عرش کے نزدیک عبدالحمید اور تمام فرشتوں کے نزدیک عبدالمجید جنوں کے نزدیک عبدالرحیم انبیاء کرام کے نزدیک عبدالوہاب شیطانوں کے نزدیک عبدالقہار، پہاڑوں میں عبدالخالق صحراؤں میں عبدالقادر سمندروں میں عبدالمہیمن زندوں کے نزدیک عبدالقدوس درندوں میں عبدالسلام جنگلی جانوروں میں عبدالرزاق پرندوں میں عبدالغفار چوپایوں میں عبدالمؤمن ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی نے البہجۃ السنیہ فی الاسماء النبویہ کے عنوان سے ایک رسالہ تالیف کیا جس کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچسو اسماء مبارکہ شمار کئے ہیں مواہب میں قاضی ابو بکر بن العربی کی احکام قرآن کے حوالے سے لکھا ہے کہ خداوند قدوس کے ایک ہزار اسماء حسنیٰ ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ایک ہزار اسماء مبارکہ ہیں۔

حافظ سخاوی نے القول البدیع میں قاضی عیاض نے شفا میں اور ابن العربی نے القبس والاحکام میں چار سو سے زائد اسمائے مبارکہ ذکر کئے ہیں اور انہیں حروف ہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے ان چار سو سے زائد اسماء مبارکہ میں سے دوسو ایک اسماء امام محمد بن سلیمان جزولی (م ۸۷۰ھ) نے دلائل الخیرات شریف میں ذکر کئے ہیں۔

"مطالع المسرات بجلاء دلائل الخیرات" میں امام محمد المہدی بن احمد فاسی علیہ الرحمہ نے لفظی تحقیق کرتے ہوئے قرآن وحدیث اور شرع مطہر سے ان اسماء کا ماخذ اور ان کے دلائل وشواہد بھی بیان کر دئے ہیں مناسب تو یہ تھا کہ اس پورے حصہ کا ترجمہ پیش کر کے قارئین کے علم وعشق میں گرانقدر اضافہ کیا جائے۔ مگر صفحات کی قلت مانع ہے لہٰذا یہ گناہگار بندہ بقصد حصولِ برکت مطالع المسرات سے صرف اسماء مبارکہ کے شمار پر اکتفا کرتا ہے۔ آپ حضرات دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیں۔

۱۔ محمد
۲۔ احمد
۳۔ حامد
۴۔ محمود
۵۔ احید
۶۔ وَحید
۷۔ ماحی
۸۔ حاشر
۹۔ خاتم النبیین
۱۰۔ عاقب
۱۱۔ طٰہٰ
۱۲۔ یٰسٓ
۱۳۔ طاہر
۱۴۔ مُطَہَّر
۱۵۔ طیّب
۱۶۔ سیّد
۱۷۔ رسول
۱۸۔ نبی
۱۹۔ رسول الرحمہ
۲۰۔ قَیِّم
۲۱۔ جامع
۲۲۔ مُقتفِیٰ

۲۳۔ مُقَفّیٰ
۲۴۔ رسول الملاحم
۲۵۔ رسول الراحۃ
۲۶۔ کامل
۲۷۔ اِکلیل
۲۸۔ مُدَثِّر
۲۹۔ مُزَمِّل
۳۰۔ عبداللہ
۳۱۔ حبیب اللہ
۳۲۔ صَفِیُّ اللہ
۳۳۔ نَجِیُّ اللہ
۳۴۔ کلیم اللہ
۳۵۔ خاتم الانبیاء
۳۶۔ مُحْیِی
۳۷۔ مُنَجّی
۳۸۔ مُذَکِّر
۳۹۔ ناصر
۴۰۔ منصور
۴۱۔ نبی الرحمۃ
۴۲۔ نبی التوبۃ
۴۳۔ حریصٌ علیکم
۴۴۔ معلوم
۴۵۔ شہیر
۴۶۔ شاہد
۴۷۔ شہید
۴۸۔ مشہود
۴۹۔ بشیر
۵۰۔ مُبَشِّر
۵۱۔ نذیر
۵۲۔ مُنذِر
۵۳۔ نور
۵۴۔ سراج
۵۵۔ مصباح
۵۶۔ ھدیٰ
۵۷۔ مَہدی
۵۸۔ منیر
۵۹۔ داعی
۶۰۔ مدعو
۶۱۔ مجیب
۶۲۔ مُجاب
۶۳۔ حَفِی
۶۴۔ عَفُوّ
۶۵۔ وَلِی
۶۶۔ حَق
۶۷۔ قَوِی
۶۸۔ امین
۶۹۔ مامون
۷۰۔ کریم
۷۱۔ مُکَرَّم
۷۲۔ مکین
۷۳۔ متین
۷۴۔ مُبین
۷۵۔ مُؤَمِّل
۷۶۔ وَصُول
۷۷۔ ذو قوۃ
۷۸۔ ذو حُرمۃ
۷۹۔ ذو مکانۃ
۸۰۔ ذو عِز
۸۱۔ ذو فضل
۸۲۔ مُطاع
۸۳۔ مُطیع
۸۴۔ قدمِ صدق

۸۵۔ رحمۃ
۸۶۔ بُشریٰ
۸۷۔ غوث
۸۸۔ غَیث
۸۹۔ غیاث
۹۰۔ نعمت اللہ
۹۱۔ ہدیۃ اللہ
۹۲۔ عروۃ وثقیٰ
۹۳۔ صراط اللہ
۹۴۔ صراط مستقیم
۹۵۔ ذکر اللہ
۹۶۔ سیف اللہ
۹۷۔ حزب اللہ
۹۸۔ النجم الثاقب
۹۹۔ مصطفیٰ
۱۰۰۔ مجتبیٰ
۱۰۱۔ مُنتقیٰ
۱۰۲۔ اُمّی
۱۰۳۔ مختار
۱۰۴۔ اَجیر
۱۰۵۔ اَجبار

کُنِیّۃ چار ہے (۱۰۶ تا ۱۰۹)

۱۰۶۔ ابو القاسم
۱۰۷۔ ابو الطاہر
۱۰۸۔ ابو الطیب
۱۰۹۔ ابو ابراہیم
۱۱۰۔ مُشَفَّع
۱۱۱۔ شفیع
۱۱۲۔ صالح
۱۱۳۔ مُصلح
۱۱۴۔ مُہَیمِن
۱۱۵۔ صادق
۱۱۶۔ مُصَدِّق
۱۱۷۔ صِدق
۱۱۸۔ سید المرسلین
۱۱۹۔ امام المتقین
۱۲۰۔ قائد الغر المحجلین
۱۲۱۔ خلیل الرحمٰن
۱۲۲۔ بَرّ
۱۲۳۔ مَبَرّ
۱۲۴۔ وجیہ
۱۲۵۔ نصیح
۱۲۶۔ ناصح
۱۲۷۔ وکیل
۱۲۸۔ متوکل
۱۲۹۔ کفیل
۱۳۰۔ شفیق
۱۳۱۔ مُقیم السُّنّۃ
۱۳۲۔ مُقَدَّس
۱۳۳۔ روح القدس
۱۳۴۔ روح الحق
۱۳۵۔ روح القسط
۱۳۶۔ کافی
۱۳۷۔ مُکتفی
۱۳۸۔ بالغ
۱۳۹۔ مُبَلِّغ
۱۴۰۔ شافی
۱۴۱۔ واصل
۱۴۲۔ موصول
۱۴۳۔ سابق
۱۴۴۔ سائق
۱۴۵۔ ہادی

ترکی کا ایک شاندار قلعہ

۱۴۶۔ مُہدِی
۱۴۷۔ مُقَدَّم
۱۴۸۔ عزیز
۱۴۹۔ فاضل
۱۵۰۔ مُفَضَّل
۱۵۱۔ فاتح
۱۵۲۔ مِفتاح
۱۵۳۔ مِفتاح الرحمۃ
۱۵۴۔ مِفتاح الجنّۃ
۱۵۵۔ عَلَمُ الایمان
۱۵۶۔ عَلَمُ الیقین
۱۵۷۔ دلیل الخیرات
۱۵۸۔ مُصَحِّحُ الحسنات
۱۵۹۔ مُقِیلُ العثرات
۱۶۰۔ صفوحٌ عن الزلّات
۱۶۱۔ صاحب الشفاعۃ
۱۶۲۔ صَاحِبُ المَقام
۱۶۳۔ صاحبُ القَدَم
۱۶۴۔ مخصوص بالعِزّ
۱۶۵۔ مخصوص بالمجد
۱۶۶۔ مخصوص بالشرف
۱۶۷۔ صاحب الوسیلہ
۱۶۸۔ صاحب السیف
۱۶۹۔ صاحب الفضیلۃ
۱۷۰۔ صاحب الإزار
۱۷۱۔ صاحب الحُجَّۃ
۱۷۲۔ صاحب السُّلطان
۱۷۳۔ صاحب الرِّداء
۱۷۴۔ صاحب الدرجۃ الرفیعۃ
۱۷۵۔ صاحب التاج
۱۷۶۔ صاحب المِغفَر
۱۷۷۔ صاحب اللّواء
۱۷۸۔ صاحب المعراج
۱۷۹۔ صاحب القَضِیب
۱۸۰۔ صاحب البراق
۱۸۱۔ صاحب الخاتم
۱۸۲۔ صاحب العَلامۃ
۱۸۳۔ صاحب البرهان
۱۸۴۔ صاحب البیان
۱۸۵۔ فصیح اللّسان
۱۸۶۔ مُطَهَّرُ الجَنان
۱۸۷۔ رؤف
۱۸۸۔ رحیم
۱۸۹۔ اُذُنُ خَیر
۱۹۰۔ صحیح الاسلام
۱۹۱۔ سید الکونین
۱۹۲۔ عینُ النعیم
۱۹۳۔ عَیْنُ الغُرّ (العِزّ)
۱۹۴۔ سَعْدُ اللہ
۱۹۵۔ سَعْدُ الخلق
۱۹۶۔ خطیبُ الاُمم
۱۹۷۔ عَلَمُ الہدیٰ
۱۹۸۔ کاشف الکُرَب
۱۹۹۔ رافعُ الرُّتَب
۲۰۰۔ عِزُّ العرب
۲۰۱۔ (نسخوں میں اختلاف ہے)

صاحب الفرج ۔ کریم المخرج ۔ رفیع الدَّرَج ۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم وشرف وکرم ومجد وعظم صلاۃ دائمۃ الیٰ ابد الابد ۔

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بندگی

مولوی محمد علیم الدین رضوی
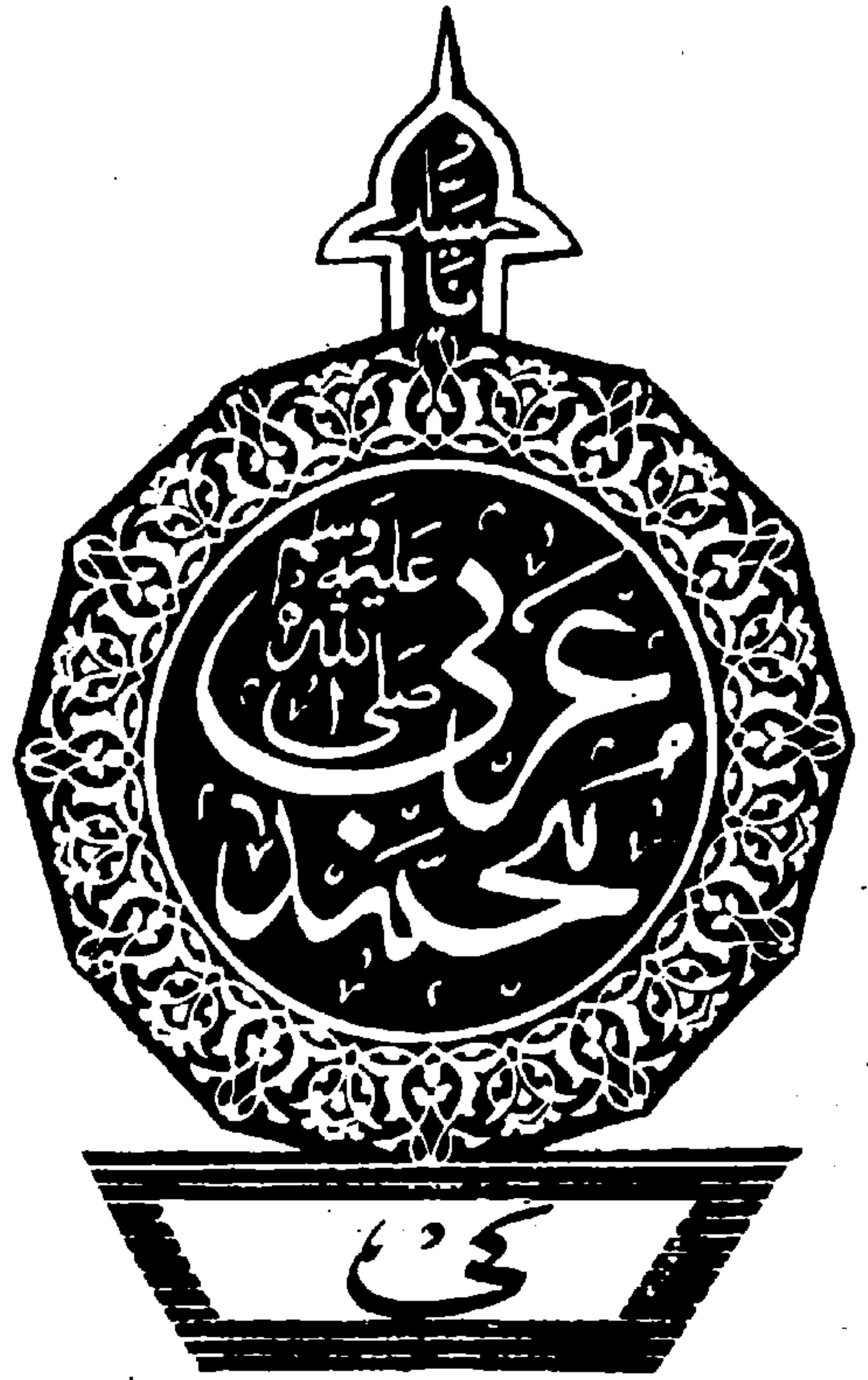
جب انسانی قلوب کفر و سرکشی کے ماحول میں رچ بس چکے تھے اور ضلالت و گمراہی ترقی کی منزلیں طے کر رہی تھی۔ عبادتِ حق کی نورانی کرنوں سے سب نابلد اور ناآشنا ہو چکے تھے۔ اس وقت خالق کائنات نے اس وحشیانہ ماحول میں اپنی عبادت و معرفت سے لذت آشنا کرنے کے لیے اپنے پیارے حبیب سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو جلوہ گر فرمایا۔ اللہ اللہ! ایسی ذات جو مظہر ذات ربانی ہے، اس کے اذکار و عبادات بلاکیف وکم پرتوِ تجلیٔ رحمانی اور اس کے اشغال و اعمال خاص انوار یزدانی ہیں۔

جس ذات گرامی نے اپنے مقدس رب کے پیغامات کی ضیا باری و ضوفشانی سے پہلے ہی اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے اس طرح پیش فرمایا کہ مادرِ گیتی اس کا ثانی اپنے آغوش میں لانے سے عاجز و درماندہ رہ گئی۔ راتوں رات جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ یادِ الٰہی اور رب قدیر کی بندگی میں گزرتا رہا۔ اور خلوت نشینی میں عابد و معبود سے ہم کلامی ہوتی رہی۔ معبود حقیقی کے عابد صادق سیدنا محمد عربی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعلان نبوت سے قبل خلوص و صداقت کے جلو میں خلوت اختیار فرما کر قیام و مراقبہ میں مہینوں گذار دیتے۔ نہ جانے اس تنہائی میں کون سی لذت تھی۔ شاید غالب کے لفظوں میں اس کی عقدہ کشائی ہو سکے۔

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کیے ہوئے

یہ تو وحی ربانی سے پہلے کے شب و روز تھے وہ وقت بھی آیا کہ حق نے فرمایا! "اے میرے محبوب! اپنے رب کا نام یاد کرو اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو (مزمل) اب دیکھیے شانِ بندگی کی تابندگی کیا ہے۔

بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہا میں سیدنا مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قیام شب کی حالت کا انکشاف یوں فرماتے ہیں کہ جب قیام فرماتے تو دونوں قدم نازنیں ورم آجاتا۔ سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ حضور اس طرح آپ کے قیام فرمانے میں کیا راز پنہاں ہے۔ حالانکہ حضور تو معصوم ہیں؟ ارشاد گرامی ہوا افلا اکون عبدا شکورا "کیا میں خدائے عز و جل کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

(مشکوٰۃ ص۱۰۸، ص۱۰۹)

تاجدار عرب و عجم سرور عالم سیدنا محمد عربی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے ہر لمحہ کو اس طرح عبادت کے محور میں ڈھالا کہ جبین نیاز پر تامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم کا داغ نہ آنے دیا۔ آپ کی حیات مقدسہ کا سراغ لگانے والوں نے پتہ لگایا کہ وہ ذات جس کے دامنِ

کرم میں ساری کائنات ہے وہ روزانہ ستّر بار معبود برحق کی شان غفاری کی طرف رجوع فرماتی ہے۔ بلکہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول گرامی وقار مدنی تاجدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خدا وند قدوس سے ضرور مغفرت طلب کرتا ہوں اور روزانہ ستّر بار سے زیادہ اس کی طرف رجوع لاتا ہوں۔ (مشکوٰۃ ص ۲۰۳)
یعنی سب کچھ کرنے کے بعد بھی نیاز عبودیت کا جذبہ بیکراں یہی سرگوشی کرتا ہے۔ ع: حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
یہاں تک کہ خود مسجود جبین محبوب کا خطاب لطف کرم آواز دیتا ہے طٰہٰ مَا انزلنا علیک القراٰن لتشقی پیارے! ہم نے تم پر قرآن اس لیے نہ اتارا کہ تم مشقت میں پڑو۔

توبہ واستغفار کا فائدہ

سطح ذہن پر سوال ابھر سکتا ہے کہ جب انسان کوئی کام کرتا ہے تو قابل قدر فائدہ ہی کے لیے کرتا ہے۔ ہماری توبہ استغفار کا فائدہ کیا ہے۔ تو سنو خود سیدنا مدنی محمد عربی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "مومن جب کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے قلب و جگر میں ایک کالا اثر ہو جاتا ہے۔ پھر جب وہ توبہ واستغفار کرتا ہے تو اس کے دل کی صفائی ہو جاتی ہے اور جب کثرت گناہ سے ملوث ہو جاتا ہے تو وہ کالا اثر بڑھتا جاتا ہے حتیٰ کہ پورے دل کو ڈھک لیتا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۰۴)
رسول گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ والسلام کو رب ذوالجلال نے جب گناہ وعصیاں سے پاک رکھا۔ معصومیت کا سہرا ان کے گلے میں ڈالا۔ محبوبیت سے انہیں نوازا۔ اللہ اللہ! پھر یہ کہ دن میں توبہ استغفار اور رات میں آنکھیں اشکبار۔ ہاں! اس لیے کہ آقا کو غلاموں کی فکر ہے، گنہگاروں کے لیے تعلیم توبہ و عبادت بھی ہے اور ان کی مغفرت کا بندوبست بھی اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فاضل بریلوی فرماتے ہیں ؎

اشک شب بھر انتظار عفو امت میں بہیں
میں فدا چاند اور یوں اختر شماری! واہ واہ

خم زلف نبی ساجد ہے محراب دو ابرو میں
کہ یارب تو ہی والی ہے سیہ کاران امت کا

حقیقت یہ ہے کہ ان کی آہ سحر گاہی نے سیہ کاروں کی ستاری کا جلوہ عام کیا، ان کے استغفار نے گناہگاروں کی لاج رکھ لی ان کی عبادتوں نے بندگی کا درس دیا۔ ان کی شب زندہ داری نے عارفوں کو محبوب حقیقی کی تجلیوں سے سرفرازی کی راہ دکھادی ان کی توبہ وانابت نے پندار عبادت اور غرور تقویٰ کا سر کچل کے رکھ دیا۔
ہاں ـــ فرمان ربانی بھی تو تھا (اے محبوب) تم اپنے رب کے حکم پر صابر رہو اور ان میں کسی گناہگار یا ناشکرے کی بات نہ سنو اور اپنے رب کا نام صبح وشام یاد رکھو اور کچھ رات میں اسے سجدہ کرو اور بڑی رات تک اس کی پاکی بولو۔
(پ ۲۹ ع دہر)
یہی تو وجہ ہے کہ محمد عربی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قلب مبارک خشیت الٰہی اور عشق ربانی کا گنج گرانمایہ بن گیا تھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کے اندر محبت خدا جل وعلا کا وہ جوہر نہاں تھا جس کے سبب لوگوں کے قلوب میں عقیدت و محبت الٰہی کے دیے فروزاں ہوئے اور ان میں نور کی کرنیں پھوٹیں۔ پھر رب کائنات کی رحمت کا نزول ہوا تو ارشاد فرمایا: "بیشک ڈر والوں کو کامیابی کی جگہ ہے، باغ ہیں، انگور ہیں اور اٹھتے جوبن والیاں ایک عمر کی اور چھلکتا جام، جس میں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں نہ جھٹلانا۔" (پ ۳۰ ع ۲)
طائر علم و دانش بھی اس وقت محو حیرت ہوگا کہ اس لذت کے میوے کہاں سے آئے جن کی لذت سے دنیاوی زندگی میں ناآشنا رہا۔ اس خوبی کے قدام کہ پہلے آنکھوں نے نہ دیکھا نہ کانوں نے سنا اسی طرح شراب کا چھلکتا جام۔
نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جذبات واحساسات سے مزین ہوکر عبادت وریاضت میں راتیں بتا کر اپنی لاثانی سیرت طیبہ چھوڑی اور اپنی حیات ظاہری میں دشمنوں کے قلوب کی کشور کشائی کی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ رب جل وعلا نے سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فطرت میں عبادات

الٰہی واذکار ربانی کی ایسی عظیم قوتیں ودیعت فرمادی تھیں جو دیگر حضرات انسان میں مفقود ہیں۔

نبیٔ عظیم، رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی عبادت ربانی واطاعت یزدانی کا عجیب انداز ہے کہ عقل انسانی کبھی کبھی سوچنے پر بھی مجبور ہو جاتی ہے کہ جب رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی راتیں عبادت میں بیت جاتیں تو دوسرے کو بھی یہی حکم دیتے ہوں گے کہ عبادت الٰہی میں تطویل ضروری ہے۔ لیکن قربان جائیے محسن کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر۔ فرماتے ہیں کہ "جب کوئی نماز پڑھائے تو اختصار کرے، کیونکہ اس کے پیچھے بچے، جوان بوڑھے سبھی ہوتے ہیں اور ہر ایک کا لحاظ رکھے۔"

چنانچہ ابو داؤد، نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی پس تشریف نہ لائے۔ حتیٰ کہ تقریباً آدھی رات بیت گئی۔ پھر فرمایا، اپنی جگہ بیٹھے رہو، چنانچہ ہم اپنی جگہ بیٹھے رہے پھر فرمایا کہ لوگ نماز پڑھ چکے اور اپنے بستروں پر چلے گئے اور تم نماز ہی میں رہے جب تک کہ نماز کا انتظار کرتے رہے اور اگر کمزوروں کی کمزوری اور بیماروں کی بیماری نہ ہوتی تو میں اس نماز کو آدھی رات تک موخر کر دیتا۔

(مشکوٰۃ ص۶۲)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ رحم و کرم ہی تو ہے کہ کمزوروں کی کمزوری اور بیماروں کی بیماری، بڈھوں کی پیری وغیرہ وغیرہ کا لحاظ فرماتے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو کہ جب یادِ الٰہی میں، ذکرِ ربانی میں، عشق یزدانی میں، طمانیت قلبی نہ ہو تو وہ یادِ الٰہی کہاں، ذکر ربانی کہاں، عشق یزدانی کہاں۔ خود حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ "حضور قلب کے بغیر نماز کامل کا وجود ہی نہیں ہوتا۔"

اس حدیث پاک کی عکاسی کرتے ہوئے علامہ رومی معنوی قدس سرہ القوی نے یہ صدا بلند کی ہے ؎

زباں در ذکر، دل در فکر خانہ
چہ حاصل زیں نماز پنجگانہ

مقصود نماز

محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لاثانی نمازیں قائم کر کے اپنی امت کو بھی حکم دیا۔ اس میں ضرور کوئی راز مضمر ہے۔ کوئی بھید پنہاں ہے۔ سنیئے نماز کا اہم مقصود توبہ وانابت پشیمانی و شرمندگی، اطاعت و بندگی، اپنی عاجزی و درماندگی اور خدا تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اظہار اور دل و دماغ، نفس و روح کو صفائی و پاکیزگی اور طہارت سے ہمکنار کرنا ہے۔ کیونکہ جب بندہ حالت نماز میں اپنے رب کے حضور ہاتھ باندھ کر نگاہیں جھکا کر قیام کرتا ہے اور اپنی دعائیں، التجائیں کو رب قدیر کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے تو اس کا اثر اس بندہ کی باطنی کیفیت پر پڑتا ہے جس سے اس میں روحانی فیوض و برکات کی صلاحیت واستعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رب جلّ وعلا نے اپنے برگزیدہ بندے پیارے مصطفےٰ علیہ التحیۃ والتسلیم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا:

"اے محبوب تمہارا ڈر سنانا انہیں کو کام دیتا ہے جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور جو ستھرا ہوا تو اپنے ہی بھلے کو ستھرا ہوا اور اللہ ہی کی طرف پھرنا ہے۔" (پ۲۲ ع ۱۵)

بخاری، مسلم، مسند امام احمد اور دیگر کتب احادیث میں ہے کہ ایک روز سرکار رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص نے سائل کی صورت میں آکر اسلام و ایمان کا معنی دریافت کیا۔ آپ نے اس کی تشریح فرما دی۔ پھر پوچھا، یا رسول اللہ احسان کیا ہے؟

فرمایا کہ "اپنے پروردگار کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے دیکھ نہیں رہے ہو تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔"

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے کہ محبوب

رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آداب نماز بیان کرتے ہوئے فرمایا:

نماز کی حالت میں کوئی سامنے نہ تھوکے کیونکہ اس وقت وہ اپنے رب کے ساتھ راز و نیاز کی باتوں میں مصروف ہوتا ہے۔ (بخاری، کتاب الصلوٰۃ باب البزاق فی المسجد مسلم باب المساجد) بندہ جب ذہنی شورش، قلبی اضطراب دلی بے چینی اور طرح طرح کی مصیبتوں میں گھر جاتا ہے، پھر بارگاہِ ربانی میں عجز و نیاز کے ساتھ جبیں سائی کرتا ہے تو اس کی رگوں میں طمانیت کی لہر دوڑ جاتی ہے اور دل سکون و قرار کا مظہر بن جاتا ہے جس کا ذکر خالقِ کائنات نے بھی کیا ہے وہ فرماتا ہے:

"سن لو اللہ کی یاد میں ہی دلوں کا چین ہے۔"
(پ ۱۳ ع ۱۰، رعد)

یہی وجہ ہے کہ سیدنا تمیم داری ایک رات تہجد کے لیے کھڑے ہوئے تو صرف ایک آیت کی تلاوت میں صبح کردی۔ بار بار اس آیت مبارکہ کو زبان پر لاتے اور اس کی لذت سے مستفید ہوتے تھے۔ (اسد الغابہ)

اسی طرح خلیفۃ اللہ الاعظم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یار غار سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب نماز ادا کرنے کے لیے قیام فرماتے تو ان پر اس شدت سے رقت طاری ہوتی کہ کافر عورتوں اور بچوں پر بھی اس کا اثر ہوتا تھا۔
(بخاری باب الصلوٰۃ اذا بکی الامام فی الصلوٰۃ)

ابو داؤد میں دو مجاہد صحابی کا واقعہ بایں طور ہے کہ ایک رات میدان جنگ میں ایک پہاڑی پر دونوں پہرہ دینے کے لیے متعین ہوئے۔ ان دونوں کا انداز پاسبانی اور طرز شب بیداری پر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ان میں سے ایک سو جاتے ہیں اور دوسرے نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں دشمن مصلے کو نشانہ بنا کر تیر چلاتا ہے تو وہ جسم سے پیوست ہو جاتا ہے اور کپڑے خون آلود ہو جاتے ہیں۔ مگر نماز میں استغراق کا یہ عالم ہے کہ جنبش بھی نہیں ہو پائی پھر وہ صحابی تکمیل نماز کے بعد اپنے رفیق کو بیدار کرکے واقعہ بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں آپ نے اس وقت بیدار کیوں نہ کیا؟ جواب ملتا ہے۔ میں نے ایک پیاری سورت کی تلاوت شروع کردی تھی، پسند نہیں آیا کہ اس کی تکمیل کے بغیر نماز توڑ دوں۔ (کتاب الطہارۃ (باب الوضوء من الدم))

اس طرح کے واقعات کتب معتبرہ میں ایک دو نہیں سیکڑوں ہیں جنہیں صحابۂ کرام نے شارع اسلام برگزیدہ انام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیض صحبت میں رہ کر سیکھے اور اپنی جانوں کی کچھ پرواہ نہ کی۔ خود رسول گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میدان کارزار میں کئی بار صلوٰۃ الخوف ادا کی۔ یاد الٰہی میں وہ لذت کہ پیاری جان جان آفریں کے حوالے کرکے کھڑے ہو جاتے اور نماز و عبادات میں وہ ہولناک اوقات بسر کرتے لیکن آپ کی نگاہ و دل بلکہ تمام اعضاء میں فضل ربانی سرایت کیا ہوا تھا کہ ہر ہر عضو عبادت یزدانی میں اپنا فرض منصبی ادا کرتا رہتا جیسا کہ مشکوٰۃ المصابیح میں بحوالہ مسلم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے وہ فرماتے ہیں۔

کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو نماز پڑھائی تو جب سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پوری کرلی تو ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "اے لوگو! بے شک میں تم لوگوں کا امام ہوں تو رکوع اور سجدہ کرنے میں مجھ پر سبقت نہ کرو نہ قیام میں نہ نماز سے فارغ ہونے میں اس لیے کہ میں تم لوگوں کو اپنے سامنے اور پیچھے دیکھتا ہوں۔ (مشکوٰۃ ص ۱۰۱)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سید الانبیا علیہ التحیۃ والثنا نے ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! اپنی صفوں کو نماز میں درست اور راست رکھو اور ایک دوسرے سے خوب مل کر کھڑے ہو کیونکہ میں تم لوگوں کو اپنی پیٹھ کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں"

ان دو حدیثوں سے جہاں محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان بندگی کا ظہور ہوتا ہے۔ وہیں ان کی

تورت معاینہ ومشاہدہ کا بھی پتہ چلتا ہے کہ امامت کی حالت میں بھی مقتدیوں کے حالات وکیفیات کی خبر رکھتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم۔

رب قدیر نے محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو درجات ومراتب، مناقب ومناصب ازل ہی سے عالی عنایت کیے۔ ان کی نبوت ورسالت کا دار ومدار عبادت الٰہی کی بجا آوری پر نہیں بلکہ رب جل وعلا کے خاص فضل وکرم پر یہ عظیم ذمہ داری آپ کے سر تفویض ہوئی۔ کیونکہ آپ رب ذوالجلال کی وحدت کا پرتو ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ القوی فرماتے ہیں :-

محمد مظہر کامل ہے حق کی شان عزت کا،
نظر آتا ہے اس کثرت میں اک انداز وحدت کا

پھر بھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حق جل مجدہٗ کی ذات وصفات میں فنا کے اس مقام پر پہنچے کہ اپنا کچھ باقی نہ رہا۔ تجلیات ربانی کا یہ استیلاء تام ہوا کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں۔ وہ وحی الٰہی ہوتی ہے صلے اللہ علیہ وسلم

حضور پُر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارگاہ ربانی میں کس طرح سے حاضر ہوتے اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو کہتے کہ میں عظمت والے اللہ کی پناہ لیتا ہوں اس کی ذات کریم اور اس کے غلبہ قدیم کے ذریعہ مردود شیطان سے (مشکوٰۃ بحوالہ ابو داؤد)

کامل خشوع وخضوع والے پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واردات قلب میں کبھی عوارض بشریت کا ظہور ہوتا تو شیطان لعین سے خدائے عزوجل کی پناہ لیتے اور جب نورانیت کی جلوہ گری ہوتی تو جبریل امین جیسے معصوم فرشتے بھی قصر دنیٰ میں تشریف لے جاتے سے معذرت طلب کرتے نظر آئے۔

غرض کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی گنہگار امت کی خاطر بارگاہ ربانی میں وہ فریاد وبکا وہ آہ ونالہ، وہ گریہ وزاری ودعا کی ہے کہ اگر سنگدل انسان ذرا بھی غور کرے تو اس کا قالب موم کی طرح پگھلنے لگے گا۔ کیا ایسا نہیں؟ کہ وہ رؤف ورحیم سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شکم مادر سے جدا ہو کر سجدہ میں گرے ہیں اور نرم ونازک حزیں آوازیں "رَبِّ اُمَّتِیْ رَبِّ اُمَّتِیْ" کی صدا بلند کی ہے۔ کیا ایسا نہیں؟ کہ جب مرقد انور میں اتارے جا رہے ہیں۔ لب ہائے مبارک جنبش کرتے ہیں۔ بفضل یا قثم بن عباس کان لگا کر سن رہے ہیں۔ آہستہ آہستہ آواز آرہی ہے۔ ربّ امتی رب امتی زبان اقدس پر جاری ہے اللہ اللہ! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امت کتنی پیاری ہے؟ کہ جلوہ نمائی کے لمحات میں اور کفن پوشی کے اوقات میں بھی گنہگار امت کی بخشش کے لیے اس طرح بے قراری ہے۔ نہیں معلوم کہ جوانی وپیری انھوں نے کس کس طرح گزاری ہے۔ عاشق رسول امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ القوی نے کتنی اچھی بات کہی ہے

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا،
رو رو کے مصطفےٰ نے دریا بہا دئے ہیں

یقیناً رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تشریف آوری گنہگار امت کی خطا پوشی رحمت ومغفرت کی خوشخبری اور لطف الٰہی کی کارسازی کا سبب ہے۔ اللہ رب العزت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور تقریر پر عمل کرنے کی ہمیں توفیق بخشے۔ آمین۔ بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

بطور اختصار محمد عربی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان بندگی واطاعت خداوندی کے ایک ہی پہلو کی تھوڑی سی جھلک پیش ہوئی۔ خدا ہر لمحہ اپنی عبادت اور ان کی یاد میں جینا نصیب کرے۔ آمین۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی پر ایک نظر

مولانا جلال الدین احمد خالص پوری

سنہ ۱ ہجری کے واقعات

(۱) مسجد قبا کی تعمیر یہ وہ پہلی مسجد ہے جو اسلام میں تعمیر کی گئی اور یہ وہ پہلی مسجد ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کی جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔

(۲) مسجد نبوی شریف کی تعمیر

(۳) عبد اللہ بن سلام مسلمان ہوئے۔

(۴) حالت اقامت میں نمازوں کا اضافہ ہوا۔

(۵) یوم عاشورہ یعنی دسویں محرم کے دن صحابہ کو روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔

(۶) حضرت عمر کی رائے سے اذان کا طریقہ رائج ہوا

(۷) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہوئے۔

(۸) وفات حضرت کلثوم بن ہدم اور حضرت سعد بن زرارہ

(۹) ولادت عبد اللہ بن زبیر۔

(۱۰) ہلاک ولید بن مغیرہ اور ہلاک عاص بن وائل

(۱۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات قائم فرمانا۔

(۱۲) مدینہ کے یہودیوں سے معاہدہ فرمانا۔

(۱۳) اسی سال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت کو زید بن حارثہ اور ابو رافع کے ذریعہ مدینہ منورہ بلوایا۔

سنہ ۲ ہجری کے واقعات

(الف) ہجرت کے دوسرے سال مسجد حرام مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا۔

(ب) اسی سال مندرجہ ذیل غزوات و سرایا واقع ہوئے

(۱) غزوہ ابواء، روضۃ الاحباب میں ہے کہ یہ غزوہ دوسرے سال کے شروع میں یا پہلے سال کے آخر میں واقع ہوا۔

(۲) غزوہ بواط، باہ ربیع الاول اور ہجرت کے تیرھویں مہینہ کے شروع میں واقع ہوا۔

(۳) غزوہ عشیرہ، باہ جمادی الاولیٰ۔

(۴) غزوۂ بدر اولیٰ یا صفوان، بماہ جمادی الآخرۃ۔

(۵) غزوۂ بدر کبریٰ، بماہ رمضان المبارک

(۶) غزوۂ قرقرۃ الکدر۔

(۷) غزوہ بنی قینقاع، یہ غزوۂ ہجرت کے بیسویں مہینہ کے شروع میں نصف شوال کو ایک ماہ بعد واقع ہوا۔

(۸) غزوۂ سویق، ماہ ذوالحجہ کی پانچ راتیں گذرنے کے بعد واقع ہوا۔

(۹) غزوۂ انمارہ کرز علی سرح المدینہ

(۱۰) سریہ عبد اللہ بن جحش۔

(۱۱) سریہ دار ارقم۔

(۱۲) سریہ سالم بن عمیر۔

(۱۳) سریہ عمیر بن عدی۔

(۱۴) بعثت سعد بن ابی وقاص۔

(ج) اسی سال مندرجہ ذیل احکام نازل ہوئے۔

(۱) ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے۔

(۲) عید الفطر کی نماز عیدگاہ میں ادا کی گئی۔

(۳) صدقۂ فطر کی ادائیگی لازم قرار پائی۔

(۴) زکوٰۃ کی فرضیت ہوئی۔

(۵) غزوۂ قنیقاع سے واپسی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید قربان ادا کی اور اغنیاء صحابہ کے ساتھ قربانی کی۔

(د)(۱) اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت علی کے ساتھ کیا۔

۳ھ ہجری کے واقعات

(۱) غزوۂ غطفان، بتاریخ بارہ ربیع الاول۔

(۲) غزوۂ نجران اس کا دوسرا نام غزوہ بنی سلیم ہے۔

(۳) غزوۂ احد، ماہ شوال کی گیارہ راتیں یا سات راتیں گذرنے کے بعد واقع ہوا۔

(۴) سریہ قروہ ہجرت کے اٹھائیسویں مہینہ جمادی الاخرہ کی پہلی تاریخ کو۔

(۵) سریہ رجیع، بماہ صفر۔

(۶) سریہ ابوسلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد مخزومی ہجرت کے پینتیسویں مہینہ میں۔

(۷) سریہ عبد اللہ بن انیس۔

(۸) اسی سال ۱۵/ رمضان المبارک کو امام حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

(۹) سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی شہزادی حضرت ام کلثوم کا عقد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا۔

(۱۰) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ اور زینب بنت خزیمہ کو اپنے عقد میں لائے۔

(۱۱) کعب بن اشرف یہودی چودہ ربیع الاول کو رات میں قتل ہوا۔

(۱۲) اس کے بعد تاجر حجاز ابو رافع کا قتل ہوا۔

(۱۳) اسی سال سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احد میں شہادت پائی۔

(۱۴) وراثت کا قانون بھی اسی سال نازل ہوا، اب تک وراثت میں ذوی الارحام کا کوئی حصہ نہ تھا ان کے حقوق کی بھی تفصیل کی گئی۔

(۱۵) مشرکہ کا نکاح مسلمان سے اب تک جائز تھا اس سال اس کی بھی تحریم نازل ہوئی۔

۴ھ ہجری کے واقعات

(۱) غزوہ بنی نضیر۔

(۲) غزوۂ ذات الرقاع۔

(۳) اسی سال وہ غزوہ بدر واقع ہوا جس
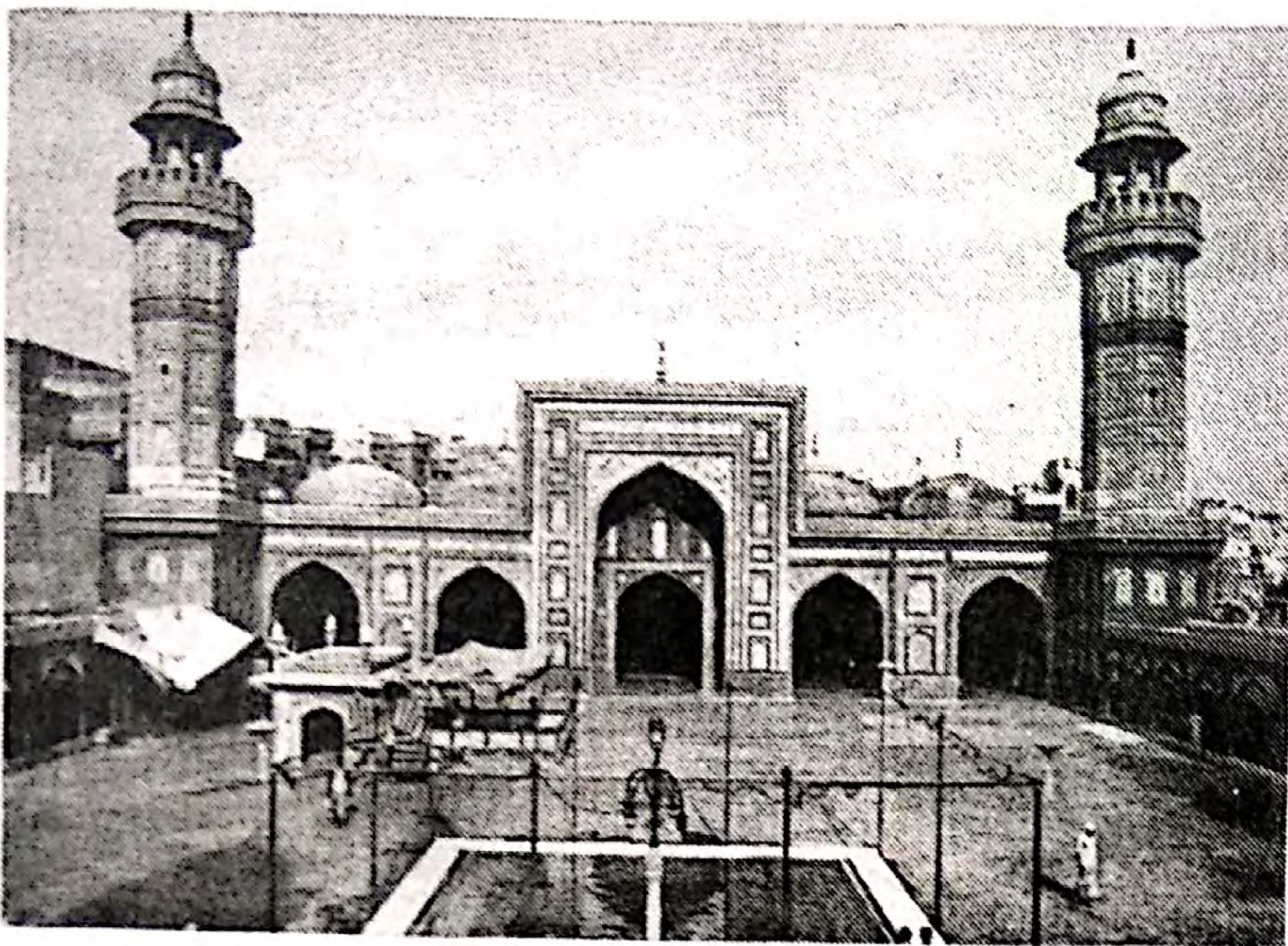
لاہور پاکستان کی ایک خوبصورت مسجد

کا ابو سفیان نے غزوہ احد سے واپسی کے وقت وعدہ کیا تھا اسے بدر صغریٰ اور بدر ثانیہ بھی کہتے ہیں۔

(۴) سریہ ابو سلمہ بماہ محرم۔

(۵) سریہ عبد اللہ بن انیس۔

(۶) سریہ بیر معونہ بماہ صفر۔

(۷) واقعہ رجیع۔

(۸) اسی سال شعبان میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے

(۹) ازواج مطہرات میں سے حضرت زینب بنت خزیمہ نے انتقال فرمایا۔ جن سے اسی سال نکاح بھی ہوا تھا۔

(۱۰) حضرت عبد اللہ فرزند حضرت عثمان بن عفان نواسہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہوئی

(۱۱) شوال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ سے نکاح فرمایا۔

(۱۲) رجم کا حکم اور چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے کی سزا مقرر ہوئی۔

(۱۳) بقول مشہور اسی سال شراب حرام کی گئی

۵ھ ہجری کے واقعات

الف۔(۱) غزوہ مریسیع اس کا دوسرا نام غزوہ بنی مصطلق ہے، یہ غزوہ بروز دوشنبہ ماہ شعبان میں واقع ہوا۔

(۲) غزوہ خندق اس کا دوسرا نام غزوہ احزاب ہے اس غزوہ کی تاریخ وقوع میں ارباب سیر کا اختلاف ہے۔ چنانچہ موسیٰ بن عقبہ نے کہا کہ اس کا وقوع سال چہارم کے ماہ شوال میں ہوا اور ابن اسحٰق نے کہا کہ سال پنجم میں ہوا۔

(۳) غزوۂ بنو قریظہ، یہ غزوہ، غزوہ خندق سے

متصل ہی واقع ہوا۔

(۴) غزوۂ دومۃ الجندل، بماہ ربیع الاول۔

(۵) سریہ ابو عبید بن جراح بجانب سیف البحر بماہ ذی الحجہ

(۶) اور غزوۂ مریسیع کے موقع پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار مدینہ سے قریب ہی مقام صلصل میں گم ہوگیا جس کی وجہ سے قضیۂ افک پیش آیا تھا

(۷) بلال بن حارث مزنی اپنے قبیلۂ مزینہ کے چار سو افراد کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوئے۔

(ب) اس سال درج ذیل احکام نازل ہوئے۔

(۱) آیۂ تیمم نازل ہوئی اور پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی اجازت ملی۔

(۲) پردہ کا حکم نازل ہوا۔

(۳) منہ بولے لڑکے کی بیوی سے جاہلیت میں نکاح ناجائز تھا اس رسم کی بھی تردید اسی سال ہوئی۔

(۴) حد زنا سو کوڑے کی آیت نازل ہوئی۔

(۵) عفیف عورتوں پر الزام لگانے والوں کے لیے قذف جاری کی گئی۔

(۶) لعان کا طریقہ جاری ہوا

(۷) صلوٰۃ الخوف کا حکم نازل ہوا۔

(۸) عرب میں ایک قسم کی طلاق جاری تھی جس کو ظہار کہتے ہیں اس سال اس قسم کی طلاق غیر مؤثر قرار دے دی گئی۔

(۹) اسی سال چاند گرہن واقع ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خسوف پڑھی یہاں تک کی چاند روشن ہوگیا۔

۶ھ ہجری کے واقعات

(الف) اس سال درج ذیل غزوات و سرایا پیش آئے۔

(۱) غزوۂ ذات الرقاع۔

(۲) غزوۂ بنو لحیان۔ ماہ ربیع الاول۔

(۳) غزوہ قرد، اس غزوہ کا وقوع حدیبیہ سے پہلے ہے اس پر اہل سیر کا اتفاق ہے۔

(۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے ارادے سے ماہ ذیقعدہ دوشنبہ کے دن حدیبیہ تشریف لے گئے

(۵) اسی وقت صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان واقع ہوئی۔

(۶) سریہ محمد بن مسلمہ، برسر بنی کلاب بماہ ربیع الاول

(۷) سریہ محمد بن مسلمہ برسر بنی ثعلبہ۔

(۸) سریہ محمد بن مسلمہ بجانب نجد۔

(۹) سریہ عکاشہ بن محصن برسر بنی اسد۔

(۱۰) سریہ زید بن حارثہ الی بنی سلیم بماہ ربیع الاول

(۱۱) سریہ زید بن حارثہ بر موضع جموم۔

(۱۲) سریہ زید بن حارثہ بر موضع عیص بماہ جمادی الاولیٰ۔

(۱۳) سریہ زید بن حارثہ بوادی القریٰ۔

(۱۴) سریہ زید بن حارثہ بجانب ام قرفہ بماہ رمضان المبارک۔

(۱۵) سریہ زید بن حارثہ بجانب طرف

(۱۶) سریہ زید بن حارثہ بجانب جشمی، بماہ جمادی لآخرہ۔

(۱۷) سریہ عبد الرحمٰن بن عوف بجانب بنی کعب

(۱۸) سریہ علی مرتضیٰ بجانب فدک۔

(۱۹) سریہ عبد اللہ بن رواحہ بجانب اسیر بن رزم یہودی۔

(۲۰) سریہ زید بن حارثہ بار دیگر بجانب وادی

القریٰ۔

(۲۱) سریہ کرز بن جابر بجانب عرنیین۔

(ب۔۲۲) اسی سال حج فرض ہوا، اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ حج نویں ہجری میں فرض ہوا۔

(۲۳) اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب باراں فرمائی اور نماز استسقاء پڑھی۔

۷ھ ہجری کے واقعات

(الف) اس سال درج ذیل واقعات پیش آئے

(۱) غزوۂ خیبر، بماہ محرم الحرام۔

(۲) غزوۂ وادی القریٰ

(۳) فدک فتح ہوا۔

(۴) سریہ عمر بن خطاب بجانب تربنہ۔

(۵) سریہ بشیر بن سعد یمن کی طرف۔

(۶) سریہ ابی العوجا بنی سلیم کی طرف۔

(۷) اس سال ماہ ذیقعدہ میں عمرۃ القضا جو صلح حدیبیہ میں طے پایا تھا واقع ہوا۔

(۸) اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔

(۹) ام رومان والدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی۔

(الف) غزوۂ خیبر میں درج ذیل احکام نازل ہوئے۔

(۱) گھریلو گدھوں کو حرام قرار دیا گیا۔

(۲) درندے جانور اور پنجہ والے پرندے حرام ہوئے۔

(۳) تقسیم سے پہلے غنائم کی فروخت کی حرمت واقع ہوئی۔

(ب) غزوۂ خیبر میں پیش شدہ واقعات۔

(۱) ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح۔

(۲) اہل خیبر نے حضور کو زہر دیا تھا

(۳) مقام صہبا میں حضرت علی کی نماز قضا ہوگئی تھی جس کی وجہ سے حضور نے سورج کو پلٹایا تھا

(۴) لیلۃ التعریس کا قصہ پیش آیا تھا۔

(۵) ایک شخص نے خود کشی کرلی تھی۔

(ج) اس سال درج ذیل احکام نازل ہوئے۔

(۱) چاندی سونے کا تبادلہ بتفاضل حرام قرار پایا۔

(۲) لونڈیوں سے تمتع کے لئے استبراء یعنی چند دنوں تک توقف کی شرط لگائی گئی اور عورتوں سے متعہ کرنے سے منع فرمایا گیا۔

۸ھ ہجری کے واقعات

(الف) اس سال مندرجہ ذیل غزوات وسرایا پیش آئے

(۱) غزوۂ حنین۔ ماہ شوال مطابق جنوری و فروری ۶۳۰ء۔

(۲) سریہ غالب بن عبد اللہ لیثی بر قبیلہ بنی الملوح۔

(۳) سریہ عمرو بن عاص سلاسل کی جانب بماہ جمادی الآخرہ

(۴) سریہ فدک۔

(۵) سریہ موتہ۔

(۶) سریہ ابو عبیدہ بن جراح الی سیف البحر

(۷) سریہ خالد بن ولید بنی جذیمہ کی طرف

(۸) سریہ عمرو بن عاص بجانب سواع صنم

(ب) چند متفرق واقعات۔

(۱) رمضان المبارک ۸ھ ہجری مطابق جنوری ۶۳۰ء میں مکہ مکرمہ فتح ہوا۔

(۲) مسجد نبوی شریف میں منبر بنایا گیا۔

(۳) حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ علیہما السلام سیدہ ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے

(۴) سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوجہ ابو العاص بن ربیع نے وفات پائی۔

سنہ ۹ ہجری کے واقعات

(۱) غزوۂ تبوک . بلا اختلاف روایت روز پنجشنبہ ماہ رجب سنہ ۹ ہجری میں واقع ہوا۔

(۲) اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ ذیقعدہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امارت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نقابت میں تین سو حجاج کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے حج کے لئے روانہ فرمایا۔

قرآن نے اس حج کو حج اکبر کہا ہے اس لئے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ سنت ابراہیمی کے مطابق حج کے ارکان ادا ہوئے اور خانۂ خدا میں عہد جاہلیت کے اختتام اور حکومت اسلام کے آغاز کا اعلان کیا گیا اور زمانہ جاہلیت کی تمام رسمیں باطل قرار پائیں۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک ماہ تک ایلاء کیا اور ان کے پاس نہ گئے پھر اس کے بعد آپ نے اپنی تمام مقدس بیویوں کو طلاق حاصل کرنے کا اختیار بھی سونپ دیا اور انہوں نے حضور کو اختیار کیا۔

(۴) اس سال پورے ملک میں امن و امان کی فضا پیدا ہو گئی اور محرم کے مہینے میں تحصیل زکوٰۃ کے لئے قبائل میں عمال مقرر ہوئے

(۵) اسلام کے سایہ میں جو غیر مسلم رہ گئے تھے ان پر جزیہ مقرر کیا گیا۔

(۶) سود کی تحریم اسی سال ہوئی۔

(۷) نجاشی بادشاہ حبشہ جن کا نام حضرت اصحمہ تھا ان کی وفات ہو گئی

(۸) اس سال منافقوں کا سردار عبد اللہ بن اُبی مرا۔

سنہ ۱۰ ہجری کے واقعات

(۱) اس سال حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ بنی حارث بن کعب کی جانب بھیجا گیا۔

(۲) یمن کے حاکم باذان نے وفات پائی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کی خبر ملی تو اس کی مملکت کو اس کے بیٹوں کے درمیان تقسیم فرمایا

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی سال ذیقعدہ میں جبکہ اس مہینہ کی پانچ راتیں باقی تھیں خلق کثیر کے ساتھ حجۃ الوداع کے لئے روانگی فرمائی

(۴) اسی سال حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔

سنہ ۱۱ ہجری کے واقعات

(۱) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس آئے تو سنہ ۱۱ ہجری میں (۱) مسلیمہ بن ثمامہ (۲) اسود بن کعب عنسی (۳) طلیحہ بن خویلد اسدی (۴) سجاح بنت الحارث نے نبوت کا دعویٰ کیا۔

(۲) ۲۶/ صفر بروز پیر سریہ زید بن اسامہ پیش آیا، غزوات و سرایا میں یہ سب سے آخری سریہ ہے۔

(۳) ۱۲/ ربیع الاول بروز دوشنبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک ہوا۔

مولانا سید محمد قائم صاحب تقیل دانا پوری

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا
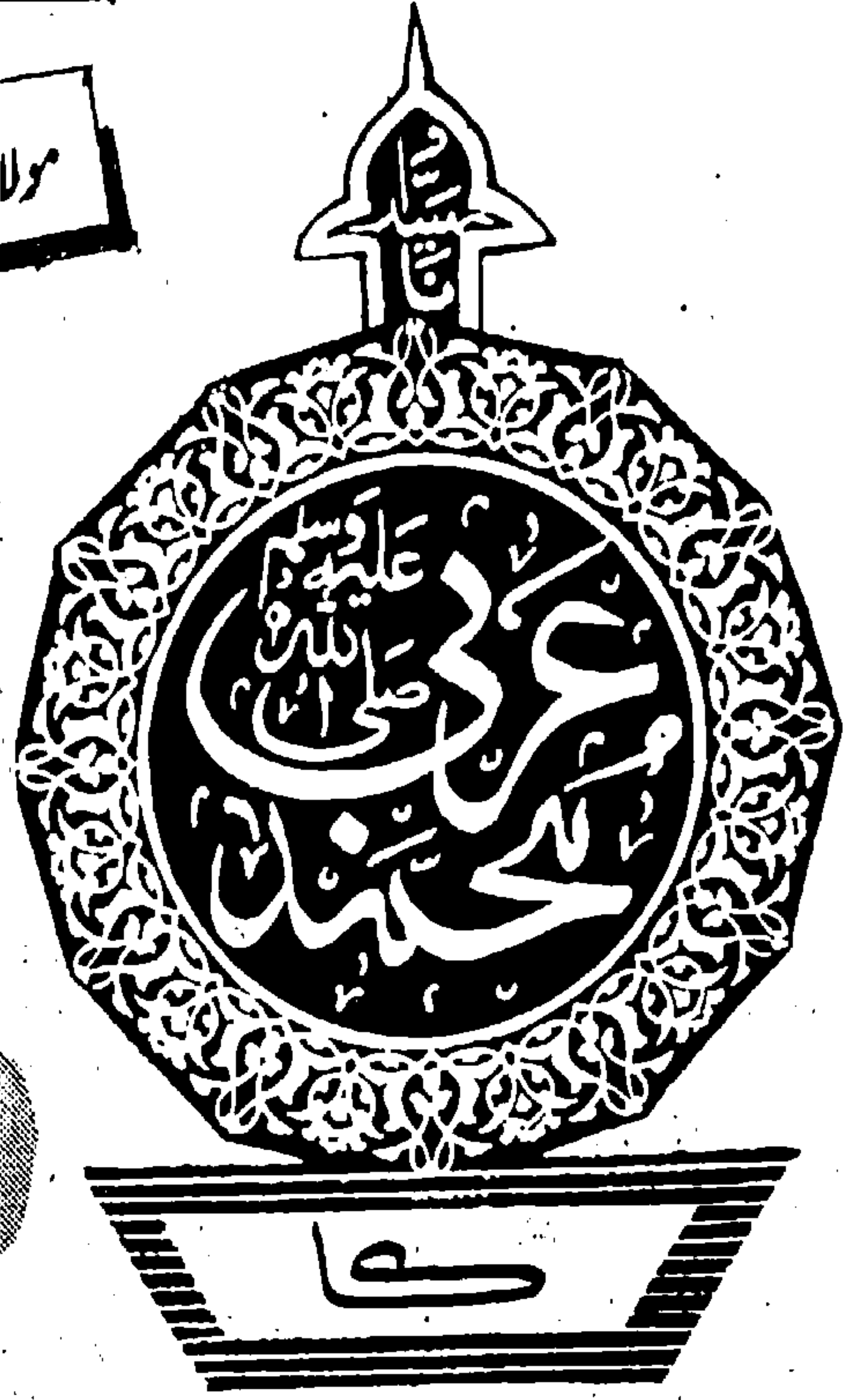
نورانی تذکرہ آسمانی صحائف میں

فخر اہل سنت حضرت مولانا محمد قائم صاحب تقیل دانا پوری علوم شرق و غرب کے بہترین فاضل ہیں توریت وانجیل زبور اور دیگر صحائف آسمانی پر آپ کی نظر نہایت گہری اور مطالعہ بہت وسیع ہے۔ آپ نے اپنے اس محققانہ مضمون میں سرکار خاتم پیغمبراں صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر نبوت، شان سیادت، عقیدۂ خاتمیت، حیات النبی، معراج، ہجرت، مقام ولادت، سالِ ظہور، قرآن، نور، علم غیب، فتح مکہ وغیرہ یہ سارے اہم مسائل نہایت صراحت سے کتب آسمانی سے ثابت کئے ہیں۔ یہ علمی مقالہ نہایت گہری توجہ سے پڑھنے کے قابل ہے ——— (مدیر)

وہ آسمانی رابطہ جس کے ذریعہ ہم یقینی طور پر خدائے کائنات کی مرضی اور اس کے احکام و ہدایات معلوم کرتے ہیں اسے شریعت کی اصطلاح میں رسالت و نبوت کہا جاتا ہے — اور ان مقربین کو جو اس منصب پر فائز ہوتے ہیں ہم نبی و رسول کہتے ہیں اور ان کے بیانات و احکام کو جو ان کے واسطے سے ملتا ہے، کتاب و شریعت کہتے ہیں۔ ایسے مقربین کی تعداد کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار بتلائی جاتی ہے۔ آسمانی کتابیں اور صحیفے اب بھی پچاس ساٹھ کے قریب موجود ہیں۔ جن میں چار کتابیں قرآن عظیم

انجیل شریف، زبور پاک و توریت مقدس کتاب کہلاتی ہیں ـــ باقی صحیفے ان مقربین میں سب سے پہلے بھی اور سب سے پیچھے بھی تاجدار مدینہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ہاں البتہ ظہور میں سب سے پہلے حضرت آدم اور سب سے پیچھے محمد عربی ہیں ـــ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

آسمانی بشارتیں

ان آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی تلاوت سے ظاہر ہوتا ہے کہ سارے انبیاء تا سیدنا مسیح علیہ السلام لوکل پروفٹس (مقامی انبیاء) تھے۔ جن کا رقبۂ نبوت و رسالت محدود، امت محدود، شریعت محدود، تبلیغ محدود، زمانہ محدود، مگر صرف ایک نبی یعنی سب سے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنٹرل و یونیورسل نبی و رسول ہیں یعنی حضور کی نبوت و رسالت پوری کائنات کو محیط ہے (للعٰلمین نذیرا) اس لئے سارے انبیائے ماقبل اپنی اپنی امت کو آپ کی تشریف آوری، آپ کے مدارج، مناقب، محامد، کمالات، مقامات وغیرہ سے مطلع کرتے رہے اور خود اپنی حیثیت، اپنے مقام، اپنے دین، اپنی شریعت وغیرہ سے بھی اطلاع دیتے اور منادی کرتے آئے۔ چنانچہ سب سے پچھلے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو ہمارے نبی کریم حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تشریف لائے وہ سارے انبیاء کی نمائندگی فرماتے ہوئے بصیغۂ جمع یوں ارشاد فرماتے ہیں:۔

انجیل شریف

ہم لوگوں کا علم ناقص ہے اور ہم لوگوں کی نبوت ناتمام لیکن جب کامل آجائے گا تو ناقص جاتا رہے گا۔" کرنتھین: ۱۳ - ۹

انجیل کی اس مقدس آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام تک نہ کتاب مکمل ہوئی تھی نہ شریعت، نہ دین مکمل تھا نہ نبوت، مگر خبر دی جارہی ہے کہ میرے (مسیح) بعد ایک نبی آئیگا جو کامل ہوگا اور جب وہ آجائے گا تو کتاب دین، شریعت، نبوت رسالت پایۂ تکمیل کو پہونچ جائے گی اور سارے ادیانِ سابقہ منسوخ اور ساری آسمانی کتابیں مرفوع ہوجائیں گی چنانچہ جب وہ کامل و اکمل تشریف لایا تو آسمانی ندا یوں آئی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِی الخ"

آسمانی کتابیں دو عہد پر منقسم ہیں۔ (۱) کتب عہد عتیق (۲) کتب عہد جدید، چنانچہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری دونوں عہد کی کتابوں میں بکثرت موجود اجمال و تفصیل دونوں کے ساتھ، اور بعض موقع پر اشتباہ کے طور پر بھی حضور کی بشارت دی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:۔

توریت مقدس

اے بنی اسرائیل کے گھرانے دیکھ میں ایک قوم کو دور سے تجھ پر چڑھا لاؤں گا، خداوند فرماتا ہے وہ زبردست قوم ہے۔ وہ قدیم قوم ہے۔ وہ ایسی قوم ہے جس کی زبان تو نہیں جانتا اور ان کی بات کو تو نہیں سمجھتا، ان کے ترکش کھلی قبریں ہیں وہ بہت بہادر ہیں الخ" یرمیاہ: ۵ - ۵ و ۱۶،

اس آیت میں عربوں کی طرف کھلا اشارہ ہے جن کی شجاعت و بہادری، جن کی قدامت ظاہر ہے، جن کی قوت و طاقت کا لوہا دنیا نے مان لیا ہے، جن کی زبان سے یورپ و امریکہ آج بھی ناواقف ہیں، اب چند اور بشارتیں کتب عہد عتیق سے ملاحظہ ہوں۔

آیت ذیل میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرماتا ہے۔

توریت مقدس

(۱) میں ان کے (بنی اسرائیل) کے لئے ان ہی کے بھائیوں (بنو اسمٰعیل) میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اس کے منھ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرے نام سے کہے گا نہ سنے تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔" استثناء: ۱۸ - ۱۸ تا ۱۹

انجیل شریف

(۱) اسی آیت کو انجیل شریف نے بھی بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے دہرایا ہے وَ ہُوَ ھٰذا۔

چنانچہ موسیٰ نے حق فرمایا کہ تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ پر ایک نبی پیدا کرے گا، جو کچھ وہ کہے اس کی سننا اور یہ ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنے گا وہ امت میں سے نیست و نابود کردیا جائے گا۔ بلکہ سموئیل سے لے کر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے

باتیں کہیں سبھوں نے اس کی خبریں دیں" اعمال: ۳ - ۲۲ تا ۲۴

ان آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد ایک نبی آئے گا جو نبی کل و نبی عالمی ہوگا مگر وہ بنی اسرائیل سے نہ ہوگا بلکہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہوگا۔ اس پر ایمان لانا فرض ہوگا۔ جو اس پر ایمان نہ لائے گا وہ جہنم داخل ہوگا وہ نبی خود سے نہ بولے گا بلکہ وحی الٰہی اس کی زبان پر ہوگی یعنی اللہ تعالیٰ اس کی زبان پر بولے گا (ماینطق عن الھویٰ الخ) اور سموئیل سے لے کر آج تک جتنے نبی آئے ان سب نے اس نبی کی بشارت دی، چنانچہ چند بشارتیں اور ملاحظہ ہوں :-

(۱) **توریت** "خداوند سینا سے آیا، سعیر سے ان پر آشکار ہوا، وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا" استثناء: ۳۳-۲

اس آیت شریف سے صاف ظاہر ہے کہ آفتاب رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جبل فاران سے طلوع فرما کر پوری کائنات کو اپنے جلووں سے منور کر دے گا۔

(۲) **یسعیاہ** "اس نے سوار دیکھے جو دو دو آئے تھے، پہلے گھوڑوں، دوسرے گدھوں، تیسرے اونٹوں پر" یسعیاہ: ۲۱ - ۷

اس آیت شریف سے بھی ظاہر ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ملک عرب سے ظاہر ہوں گے اور اونٹ سواری میں ہوگا اس لئے کہ اونٹ عرب کی ملک ہے اور اونٹوں کو عرب سے ایک خاص نسبت ہے۔

(۳) **ذکریا** "دیکھ خداوند کا دن آتا ہے جب تیرا مال لوٹ کر تیرے اندر بانٹا جائے گا" ذکریا: ۱۴ - ۱

حضرت سیدنا ذکریا و یحییٰ ابن ذکریا و حضرت مسیح علیہم السلام یہ تینوں ایک ہی گھر کے اور ایک ہی وقت میں تھے۔ اس لئے آیت بالا صریحاً حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے کہ آپ آں حضرت کے بعد تشریف لائے اور میدان جہاد سامنے آگیا۔

(۴) **حزقی ایل** "میں اسے (بیت المقدس) الٹ دوں گا، الٹ دوں گا، الٹ دوں گا، الٹ دوں گا، پر یوں بھی نہ رہے گا اور وہ آئے گا جس کا یہ حق ہے اور یہ میں اسے دیدوں گا" حزقی ایل: ۲۱ - ۲۷

(۵) **حبقوق** "خدا تیما سے آیا اور قدوس کوہ فاران سے (سلاہ) اس کا جلال آسمان پر چھا گیا اور یہ زمین اس کی حمد سے معمور ہو گئی" حبقوق: ۳ - ۳

(۶) **حجّی** "رب الافواج فرماتا ہے کہ میں ساری قوموں کو ہلا دونگا اور ساری قوموں کا محبوب آجائے گا اور میں اس کے گھر کو جلال سے معمور کر دوں گا" حجّی: ۲ - ۷

(۷) **ملاکی** "دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے راہ درست کرے گا اور خداوند جس کے تم طالب ہو ناگہاں اپنی ہیکل میں آموجود ہوگا، ہاں عہد کا رسول جس کے تم منتظر ہو آئے گا" ملاکی: ۳ - ۱

اس آیت شریف میں عہد کے رسول سے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جن کی اطاعت کا سارے انبیاء عہد و اقرار کر چکے اور حلف وفاداری اٹھا چکے ہیں۔ (واذ اخذ اللہ میثاق النبیین الخ)

(۸) **صفنیاہ** "تم خداوند کے حضور خاموش رہو کیونکہ خداوند کا دن نزدیک ہے" صفنیاہ: ۱ - ۷

سیدنا مسیح علیہ السلام کی بشارت

اسی طرح اگر بشارتوں کی طرف اشارہ کرتا چلا جاؤں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے اب رہیں کتب عہد جدید کی بشارتیں، اس کی تو کوئی حد ہی نہیں ہے۔ انشاء اللہ انھیں موقع موقع پیش کروں گا۔ سر دست اس جگہ کتب عہد جدید سے چند بشارتیں پیش کرتا ہوں خود حضرت سیدنا مسیح علیہ السلام نے مختلف موقعوں پر ارشاد فرمایا ہے۔

(۱) یسوع نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔"
متی: ۱۵ - ۲۴

(۲) "ان بارہ حواریوں کو یسوع نے بلا بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی ملک میں داخل نہ ہونا، بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس اور چلتے چلتے منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی" متی: ۱۰ - ۵ تا ۷،

(۳) اس وقت یسوع نے منادی کرنی اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آگئی "متی: ۴ - ۱۷

(۴) پھر یوحنا کے پکڑوائے جانے کے بعد یسوع نے گلیل میں آکر خدا کی خوشخبری کی منادی کی اور کہا کہ وقت پورا ہو گیا اور خدا کی بادشاہت نزدیک آگئی "توبہ کرو اور خوشخبری کو مانو"

مرقس: ۱ - ۱۵

خود حضرت مسیح کے پیر و مرشد حضرت یحییٰ علیہما السلام کا اعلان ملاحظہ ہو۔

(۵) ان دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں منادی کرنے لگا کہ توبہ کرو آسمان کی بادشاہت بہت نزدیک آگئی ہے "متی: ۳ - ۱

خود حضرت سیدنا مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں۔

(۶) اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ اب جہاں کا سردار (شاہزادۂ عالم) آتا ہے "یوحنا: ۱۴ - ۳۰

مکہ معظمہ کی نشاندہی

یہ تمام آیتیں جو مذکور ہوئیں اسمیں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بار بار خبر دی گئی ہے کہ لوکل پروفٹ شپ ختم ہوتی ہے اور عالم گیر نبوت آرہی ہے۔ یعنی اب وہ نبی آتا ہے جو عالمین پر فرماں روائی فرمائے گا اور ان کی سلطنت حکومت، نبوت و رسالت سے عالمین میں نہ کوئی ذرہ نہ کوئی قطرہ باہر ہوگا اور اس کے ظہور کا مقام فاران ہے یعنی کہ معظمہ پس وہ نبی آخر الزماں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا دار السلطنت مکہ معظمہ ہوگا اسکے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت اسمٰعیل اسی مکہ معظمہ کے ریگستانوں میں اپنی اہلیہ کے ساتھ رہتے تھے جن کے بیٹے قیدار اور پر پوتے بہت تھے اور یہ اجداد حضور میں ہیں جیسا کہ خود توریت شریف میں ارشاد ہے۔

"خدا اس لڑکے (اسمٰعیل) کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا اور فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملک مصر سے اسکے لئے بیوی لی"

پیدائش: ۲۱ - ۲۰ و ۲۱

واضح ہو کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ مصر کی رہنے والی اور بادشاہ مصر رقیوں کی بیٹی تھیں ان تمام آیتوں سے مقام کا پتہ صاف مل گیا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور فاران یعنی کہ معظمہ سے ہوگا۔

آسمانی کتابوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی بھی موجود ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحیفے غزل الغزلات میں حضور کا نام نامی محمدیم ہے۔ عبرانی زبان میں یم، اظہار تعظیم واحترام کے لئے لگائے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کو عبرانی زبان میں آلوہیم، اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو محمدیم، کہتے ہیں۔

عصبیت کا برا ہو، پادری صاحبان نے محمدیم" کا ترجمہ کہیں عشق انگیز" کہیں تشفی بخش" لکھا ہے۔ ان کے تعصب نے اسم معرفہ کا بھی ترجمہ کر دیا۔ عبارت غزل الغزلات ملاحظہ ہو۔

غزل الغزلات

میرا محبوب سرخ ہیئت وہ دس ہزار میں ممتاز ہے۔ اس کا سر خالص سونا ہے خوبی میں رشک سرو ہے اس کا منہ از بس شیریں ہے، ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے یروشلم کی بیٹیو" غزل الغزلات: ۵ - ۱۰ تا ۱۶

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف انجیل میں احمد ہے مگر اس کا بھی ترجمہ ہو گیا۔

جائے ولادت کا تعین

جائے ولادت کا تعین بھی آسمانی کتابوں میں موجود ہے چونکہ حضرت آدم تا مسیح علیہم السلام کوئی نبی مکہ معظمہ میں پیدا ہی نہ ہوا اس لئے مکہ معظمہ کو آسمانی کتابوں نے بانجھ کہہ کے مخاطب کیا ہے مگر چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا وہیں لاکر چھوڑی گئی تھیں اور آپ ہی کی نسل میں حضرت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں ہی پیدا ہوئے اس لئے آسمانی کتابیں مکہ معظمہ کو مبارک بادیاں پیش کر رہی ہیں،

یسعیاہ

اے بانجھ تو بے اولاد تھی نغمہ سرائی کر تو جس نے ولادت کا درد برداشت نہیں کیا خوشی سے گا، اور زور سے چلا کیونکہ خداوند فرماتا ہے کہ بیکس چھوڑی ہوئی کی اولاد شوہر والی کی اولاد سے زیادہ ہے، اپنی خیمہ گاہ کو وسیع کردے، ہاں اپنے مسکنوں کے پردے پھیلا، دریغ نہ کر اپنی ڈوریاں لمبی اور اپنی میخیں مضبوط کر، اس لئے کہ تو داہنے اور

بائیں بڑھے گی اور تیری نسل قوموں کی وارث ہوگی الخ۔

یسعیاہ، ۵۴ - ۲ تا ۴

اس مبارک یاد کو تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا کے ساتھ ملاکر پڑھئے تو معنی اور بھی زیادہ واضح ہو جائینگے ناظرین یقینی آگاہ ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے وقت دعا فرمائی تھی جو قرآن عظیم میں بھی مذکور ہے اور توریت میں بھی، اس دعا کی قبولیت کی بشارت توریت میں یوں دی گئی ہے۔

توریت میں نے تیری دعا اسمٰعیل کے حق میں قبول کی دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے بہرہ مند کرونگا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ شہزادے پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا الخ" پیدائش: ۱۷ - ۲۰

آیات بالا کی مبارک باد میں بیکس چھوڑی ہوئی سے حضرت ہاجرہ مراد ہیں اور شوہر والی سے حضرت سارہ، خیمہ گاہ وسیع کر، مسکنوں کے پردے پھیلا، ڈوریاں لمبی، میخیں مضبوط کر، داہنے اور بائیں بڑھے گی۔ ان تمام باتوں کا مفہوم یہی ہے کہ لوکل پرونشل یعنی مقامی نبوت ختم ہوگی اور آسمانی بادشاہت کا فرمان روا آ رہا ہے جو پوری کائنات پر حکمراں ہوگا (للعالمین نذیراً) اب ذرا دوسری مبارکباد ملاحظہ ہو۔

یسعیاہ "بیابان اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں، سلع کے بسنے والے گیت گائیں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں، وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں الخ"

یسعیاہ: ۴۲ - ۱۱

قیدار حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے صاحبزادے کا نام ہے جو اپنے والد ماجد کے ساتھ فاران یعنی مکہ میں رہتے تھے، توریت نے یہ بھی بشارت دی ہے کہ قیدار اور قیدار کے پوتے بنت کی اولاد میں حضرت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا خیر مقدم کریں گی اور ایمان لائیں گی۔ آیت ملاحظہ ہو۔

توریت قیدار کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔۔۔ بنا بوت (بنت) کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے" یسعیاہ: ۶۰ - ۷

ان تمام آیتوں سے جو اوپر بیان ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں بڑی جاہ و جلال کے ساتھ رزق افروز ہوں گے۔ حضور کے سال ولادت کی خبر صحیفہ حضرت دانیال علیہ السلام میں موجود ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک بار حضرت دانیال علیہ السلام عالم واقعہ میں بطور مکاشفہ بیت المقدس کی تباہی و بربادی، قتل و قتال دیکھ رہے تھے جو بادشاہ طرطوس اور اس کے باپ کے ہاتھ سے ۸۰ء میں ظاہر ہوا۔ چنانچہ حضرت دانیال علیہ السلام کو اس مقدس شہر کے حال پر نہایت قلق و صدمہ ہوا۔ مختصراً صحیفۂ دانیال میں اسطرح ہے۔

دانیال "ہاں میں (دانیال) دعا میں یہ کہہ رہا تھا کہ وہی شخص جبرئیل نے مجھے چھوا اور کہا .... تیرے لوگوں اور تیرے مقدس شہر کے لئے ستر ہفتے مقرر کئے گئے کہ خطاکاری اور گناہ کا خاتمہ ہو جائے، بدکرداری کا کفارہ دیا جائے، ابدی راست بازی قائم ہو، رویا اور نبوت پر مہر ہو ......"

دانیال: ۹ - ۲۱ تا ۲۴

ان آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ دانیال علیہ السلام اپنے شہر کی تباہی و ہلاکت مکاشفے میں دیکھ کر رو دیئے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کی معرفت انھیں خبر دی کہ آج سے ستر ہفتے کے بعد فاتح بیت المقدس پیدا ہوگا جو یہاں کی بداعمالیوں اور خرابیوں کو دور کرے گا۔ راست بازی قائم کرے گا اور اسی پر وحی الٰہی اور نبوت کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا۔ واضح ہو کہ توریت و انجیل کے ہفتے سات سال کے ہوتے ہیں۔ اس لئے ستر ہفتے کے معنیٰ ۴۹۰ سال ہوئے اور ۸۰ء کا واقعہ ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۸۰ + ۴۹۰ یعنی ۵۷۰ء ہوئے اور یہی حضور کی ولادت شریف کا سال ہے، اور حضور ہی پر وحی الٰہی کا سلسلہ بھی تمام ہو گیا اور نبوت بھی ختم ہو گئی۔

حضور کی سیادت کا اعتراف

چونکہ سارے انبیاء علیہم السلام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبریں دی تھیں اور چونکہ خود مسیح علیہ السلام کے بعد کفر و شرک عام ہو گیا تھا حتیٰ کہ بیت المقدس میں تین بُت اور بیت اللہ شریف میں تین سو ساٹھ بت

رکھے گئے۔ چاند سورج، پانی پتھر، آگ، درخت، جانور وغیرہ پوجے جانے لگے۔ اس لئے لوگ بہت بے چینی سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے اور اس وقت کے انبیاء بڑے شد و مد سے حضور کی خبریں دینے لگے چنانچہ حضرت یحیٰی فرماتے ہیں۔

انجیل شریف میرے بعد وہ شخص آنے والا ہے جو مجھ سے زور آور ہے، میں اس لائق نہیں کہ جھک کر اسکی جوتیوں کا تسمہ کھولوں۔" مرقس: ۱-۷

انجیل شریف جب لوگ منتظر تھے اور سب اپنے دل میں یوحنا (یحیٰی) کی بات سوچتے تھے کہ آیا وہ مسیح ہے یا نہیں تو یوحنا نے ان سے جواب میں کہا...... جو مجھ سے زور آور ہے وہ آنے والا ہے میں اس کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے لائق نہیں۔" لوقا: ۳-۱۵ و ۱۶

خود حضرت یحیٰی علیہ السلام کے مرید و مسترشد حضرت مسیح علیہ السلام جنھوں نے یحیٰی علیہ السلام سے بپتسمہ لیا تھا یوں اس نبی کی خبر دیتے ہیں۔

انجیل شریف: اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار (شہزادۂ عالم) آتا ہے۔ اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔"

یوحنا: ۱۴-۳۰

مجھ میں اس کا کچھ نہیں، ایک انگریزی محاورے کا لفظی ترجمہ ہے۔ جس کا بامحاورہ ترجمہ یہ ہے۔ "میں اس کے پاسنگ کے قابل نہیں۔" آسمانی کتابوں نے بھی حضور کو سید الانبیاء لکھا ہے آیت ملاحظہ ہو۔

انجیل شریف" اور جب سردار گلہ بان ظاہر ہوگا تو تم کو جلال کا ایک سہرا ملے گا جو مرجھائے گا نہیں۔"

۱- پطرس ۵-۴

توریت اور انجیل میں بھیڑی سے مراد امت ہے اور گلہ بان سے انبیاء سردار گلہ بان یعنی سید الانبیاء۔

نور کا ذکر قرآن عظیم و احادیث نبوی میں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم "نور" مذکور ہیں۔ اگلی آسمانی کتابوں میں بھی حضور نور ہی نور ہیں آیت ملاحظہ ہو۔

انجیل شریف: " ایک آدمی یوحنا (حضرت یحیٰی) نام آموجود ہوا۔ جو خداوند کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ یہ گواہی کے لیے آیا تھا۔ کہ نور کی گواہی دے تاکہ اس کے وسیلے سے ایمان لادیں۔ وہ (یحیٰی) خود تو نور نہ تھا مگر نور کی گواہی دینے کو آیا تھا۔ حقیقی نور جو ہر آدمی کو روشن کرتا ہے دنیا میں آنے کو تھا۔"

یوحنا: ۱-۶ تا ۹

یوحنا یعنی حضرت یحیٰی نبی ہیں مگر انجیل کہتی ہے کہ وہ خود نور نہیں ہیں بلکہ آنے والے نور کی جو حقیقی نور ہے گواہی دینے کو آئے تھے (انا من نور اللہ)

زبور مقدس:" اپنے نور اور اپنی سچائی کو بھیج دہی میری رہبری کریں۔" زبور - ۴۳-۳

زبور مقدس:" کیونکہ زندگی کا سرچشمہ تیرے پاس ہے تیرے نور کی بدولت ہم روشنی دیکھیں گے۔"

زبور: ۳۶-۹

توریت شریف۔" وہ کوہ فاراں سے جلوہ گر ہوا۔"

استثنا: ۳-۱

انگریزی انجیل میں "شائنڈ" ہے یعنی چمکا اور یہ صرف نور ہی کے لئے کہہ سکتے ہیں۔

آسمانی کتابوں میں بھی حضور سارے عالم کے لیے نبی مذکور ہیں آیت ملاحظہ ہو۔

انجیل شریف:" اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے۔"

یوحنا: ۱۴-۳۰

انجیل شریف:" جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سننا اور یہ ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنے گا امت میں سے نیست نابود کردیا جائے گا۔" اعمال: ۳-۲۳ و ۲۴

توریت مقدس:" میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لیکر کہے گا نہ سنے تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔

استثنا: ۱۸ — ۱۸

زبور شریف:۔" وہ آرہا ہے۔ وہ زمین کی عدالت کرنے کو آرہا ہے۔ وہ صداقت سے جہاں کی اور اپنی سچائی سے قوموں کی عدالت کرے گا۔" زبور: ۹۶-۱۳

زبور شریف:۔" اس کی بجلیوں نے جہاں کو روشن کردیا، زمین نے دیکھا اور کانپ گئی۔" زبور: ۹۷ - ۴

علم غیب کا ذکر

آسمانی کتابوں سے حضور کا علم غیب بھی ظاہر ہے حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں۔

انجیل شریف:۔"جب وہ سچائی کی روح آئے گا۔ تو وہ تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔" یوحنا: ۱۶ - ۱۳

قرآن عظیم بھی فرماتا ہے "وماھو علی الغیب"

مثل قرآن عظیم کے انجیل مقدس کا بھی یہی ارشاد ہے کہ میرے حضور عرشی ہیں فرشی نہیں (قد جاءکم من اللہ نور الخ)

انجیل شریف:۔"یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ ساری چیزیں اس کے وسیلے سے پیدا ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوئی ہیں۔ اس میں سے کوئی چیز بھی اس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی۔ اس میں زندگی تھی۔ اور وہ زندگی آدمیوں کا نور تھا" یوحنا: ۲-۴

حیات النبی کا ذکر

آسمانی کتابوں میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی بڑے شاندار الفاظ میں مذکور ہے آیت ملاحظہ ہو:۔

انجیل مقدس:" اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا۔ تو وہ دوسرا مددگار (نبی) بخشے گا۔ کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔" یوحنا: ۱۴- ۱۵ و ۱۶

آسمانی کتابوں میں معراج شریف کا بھی ذکر موجود ہے

انجیل شریف:۔" وہ بیٹا جنی یعنی وہ لڑکا جو لوہے کے عصا سے سب قوموں پر حکومت کرے گا۔ اور اس کا بچہ یکایک خدا اور اس کے تخت کے سامنے پہونچا دیا گیا۔ مکاشفہ: ۱۲-۵ (سبحان الذی اسری بعبدہ)

ہجرت کا ذکر

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا ذکر بھی آسمانی کتابوں میں درج ہے۔ آیتیں ملاحظہ ہو۔

زبور مقدس:۔" صادق خوشی منائیں۔ وہ خدا کے نزدیک شادماں ہوں۔ دیکھ وہ خوشی سے پھولے نہ سمائیں "صحرا کے سوار کیلئے شاہراہ تیار کرو۔ بسن کا پہاڑ خدا کا پہاڑ بسن کا پہاڑ اونچا پہاڑ ہے۔ اے اونچے پہاڑو تم اس پہاڑ کو کیوں تاکتے ہو۔ جسے خدا نے اپنی سکونت کے لئے پسند کیا ہے۔ بلکہ خداوند اسمیں ابتک رہے گا۔"
زبور: ۶۸ - ۳ تا ۱۶

بسن مدینہ طیبہ کا ایک پہاڑ ہے جسے باشان بھی کہتے ہیں۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ کوئی صادق اس ہجرت میں حضور کا رفیق ہوگا۔ شب ہجرت دشمنوں کا حملہ کرنا دشمنوں کی پسپائی و ناکامی اور حضور کا دشمنوں سے نکل جانا بھی مذکور ہے۔

زبور مقدس:۔" اس سے عداوت رکھنے والے اس کے سامنے سے بھاگ جائیں جیسے دھواں اڑ جاتا ہے ویسے ہی تو انکو اڑا دے۔ جیسے موم آگ کے سامنے پگھل جاتا ہے۔" زبور: ۱ - ۱ و ۲

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ طیبہ پہونچنا حضور کا استقبال، عورتیں، لڑکیاں، ان کا دف لیکر گانا خوش آمدید کہنا سب مذکور ہے ملاحظہ ہو۔

زبور مقدس:۔" اے خدا لوگوں نے تیری آمد دیکھی، مقدس میں میرے خدا میرے بادشاہ کی آمد۔ گانے والے آگے آگے اور بجانے والے پیچھے پیچھے چلے، دف بجانے والی جوان لڑکیاں بیچ میں۔" زبور: ۶۸ - ۲۴ و ۲۵

عورتیں اور لڑکیاں جو نغمہ گا رہی تھیں ملاحظہ ہو

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہ حضور کو ہجرت کے بعد فاتح ہونے کی حیثیت سے دوبارہ مکہ معظمہ میں لاؤں گا اور وہ لوگ جو جنگ کے خوف سے مکہ چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے ہونگے انہیں پھر لاکر مکہ میں بسایا جائے گا۔ آسمانی کتابوں میں مذکور ہے۔

زبور مقدس:۔ "خداوند نے فرمایا کہ میں ان کو بسن (جبل مدینہ) پر لاؤں گا۔ لوگوں کو سمندر کی تہہ سے نکال لاؤں گا۔" زبور: ۶۸ - ۲۲

چنانچہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم دس ہزار صحابہ کرام کے ساتھ ۸ھ میں فاتحانہ داخل مکہ ہوئے جس کا تین آسمانی کتابوں میں اشارہ ہے دیکھو ذرا۔

(۱) غزل الغزلات:۔ "میرا محبوب سرخ و سفید ہے وہ دس ہزار میں ممتاز ہے الخ" غزل الغزلات: ۵-۱۰ و ۱۱

(۲) توریت:" وہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ اسکے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشی شریعت ہے" استثنا: ۳۳ - ۲

(۳) نامۂ یہوداہ:۔ " ان کے بارے میں حنوک نے بھی جو آدم سے ساتویں پشت میں تھا یہ پیش گوئی کی تھی کہ دیکھو خداوند اپنے دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا۔" یہوداہ کا پہلا خط: ۱ - ۱۴

ان تینوں کتابوں میں دس ہزار قدوسیوں کی خبر دی گئی ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ فتح مکہ میں حضور کے ساتھ گئے ہوئے دس ہزار صحابۂ کرام تھے۔ نہ ایک کم نہ ایک زیادہ پورے دس ہزار۔

آسمانی کتابوں میں یہ بھی خبر ہے کہ فتح مکہ کے بعد سے پھر بیت المقدس میں کبھی نہ بت پرستی ہوگی نہ بتوں کا نام و نشان باقی رہے گا۔

انجیل مقدس:"یسوع نے اس سے کہا کہ اے عورت میری بات کا یقین کر کہ وہ وقت آتا ہے کہ تم نہ تو اس پہاڑ پر باپ کی پرستش کروگی نہ بیت المقدس میں" یوحنا: ۴ - ۲۱

انجیل مقدس:" ہمارے خداوند یسوع مسیح کے بتانے کے موافق مجھے معلوم ہے کہ میرے خیمے گرائے جانے کا وقت جلد آنے والا ہے" پطرس کا دوسرا خط: ۱-۱۴

اعلانِ طہارت مریم

جب یہود حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف متوجہ ہونے لگے بلکہ ایمان لانے لگے تو یہودیوں نے عیسائیوں پر سختی کرنی شروع کی اور آپ کی والدہ ماجدہ پر بطور طعنہ اتہام باندھنے لگے چنانچہ ان لوگوں نے یہ بات حضرت مسیح کی خدمت اقدس میں پیش کی حضرت مسیح نے جوابًا فرمایا۔

انجیل شریف:۔ " جب وہ سچائی کی روح آئے گا... ... تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ اور مجھے پاک و صاف باعظمت کردے گا۔" یوحنا: ۱۶ - ۱۴

اس پر یہودیوں نے بھی سختی شروع کی کہ ایسا شخص تو نبی ہو ہی نہیں سکتا۔ اس وقت حضرت مسیح نے فرمایا۔

انجیل شریف:۔جب وہ مددگار آئے گا۔ جس کو میں تمہارے پاس باپ کیطرف سے بھیجوں گا۔ یعنی سچائی کی روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔" یوحنا: ۱۵ - ۲۶

ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ حضور انور تاجدار مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی صفات وہ ہے جس سے حضرت مریم علیہا السلام کے بہتان و الزام کا ازالہ ہو جائے گا۔ اور حضور ہی کی گواہی پر رسالت مسیحی موقوف و منحصر ہوگی۔ اور حقیقتًہ ایسا ہی ہوا بھی کہ قرآن عظیم نے اس پوزیشن کو صاف کردیا اور مسکت جواب دیا۔

قرآن کریم

آسمانی کتابوں میں ہمارے قرآن عظیم کا ذکر بڑی شان سے آیا ہے۔

(۱) توریت مقدس:۔" وہ کوہ فاراں سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اس کے داہنے ہاتھ پر اس کیلئے آتشی شریعت تھی۔" استثنا: ۳۳-۲

(۲) زبور پاک:۔"خداوند کی شریعت کامل ہے

..... خداوند کے قوانین راحت ہیں..... خداوند کا حکم بے عیب ہے الخ" زبور : ۱۹ ـ ۷ تا ۹

(۳) انجیل شریف:" اور جو تخت پر بیٹھا تھا میں نے اس کے داہنے ہاتھ میں ایک کتاب دیکھی جو اندر سے اور باہر سے لکھی ہوئی تھی اور اسے سات مہریں لگا کر بند کیا گیا تھا۔" مکاشفہ : ۵ ـ ۱

(۴) توریت مقدس:۔ میں ان نبی اسرائیل کیلئے انہیں کے بھائیوں (بنی اسمٰعیل) میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے مُنہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔" استثنا : ۱۸ ـ ۱۸

(۵) زبور شریف:۔" خداوند کا کلام پاک ہے اس چاندی کے مانند جو بھٹی پر تپائی گئی۔ اور سات بار صاف کی گئی ہو تو ہی اے خداوند ان کی حفاظت کرے گا۔ تو ہی انکو اس پشت سے ہمیشہ تک بچائے رکھے گا۔ الخ" زبور : ۱۲ ـ ۶ و ۷

(۶) زبور شریف:۔" خداوند کی حمد کرو، خداوند کے حضور نیا گیت گاؤ اور مقدسوں کے مجمع میں اسکی مدح سرائی کرو۔" زبور: ۱۴۹ ـ ۱

(۷) یسعیاہ:۔" اے سمندر پر گزرنے والو اور اس میں بسنے والو، اے جزیرو اور اس کے باشندو خداوند کے لیئے نیا گیت گاؤ زمین پر سرتاسر اسکی ستائیش کرو الخ" یسعیاہ : ۴۲ ـ ۱۰

ان آیتوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ نبی خاتم الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت آتشیں ہوگی۔ آپ کی کتاب اللہ تعالیٰ کی زبان میں ہوگی۔ اس میں ایک لفظ بھی حضور پر نور کا نہ ہوگا۔ جو آیت ہوگی چاندی کیطرح خالص تپائی ہوئی ہوگی۔ اس پر سات مہریں یعنی سات آیتوں والی سورہ فاتحہ ہوگی ہمیشہ مقدسوں کے مجمع یعنی نماز کی ہر رکعت میں قرآن عظیم کی تلاوت اسی میں شروع کی جائے گی۔ وہ کتاب مکمل اس کا دین کامل اسکے نبی کی نبوت عالمین پر محیط ہے وہ اک نیا گیت ہے اور حمد سے شروع ہے یعنی وحی الٰہی کے لئے یہ ایک نئی زبان ہوگی (عربی)

نسخ شرائع سابقہ اس کے علاوہ اگلی کل کتابیں ناکمل، کل نبوتیں ناتمام جو ظہور حضور صلی اللہ علیہ وسلم و نزول قرآن کے بعد منسوخ و مرفوع ہیں جیسا کہ خود انجیل کا ارشاد ہے۔

انجیل شریف:۔" ہم لوگوں کا علم ناقص ہے اور ہم لوگوں کی نبوت ناتمام لیکن جب کامل آئے گا تو ناقص جاتا رہے گا۔" ا۔کرنتھین : ۱۳ ـ ۹ و ۱۰

انجیل مقدس کی اس خبر سے صاف ظاہر ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تک نبوتیں ناتمام و شریعتیں ناقص نامکمل تھیں۔ پس جب نبی برحق محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ کیطرف سے اعلان ہوا۔ "الیوم اکملت لکم دینکم" تو دین شریعت قانون، کتاب نبوت، رسالت مکمل ہو کر تمام کو پہنچ گئیں اور اس وقت سارے ادیان منسوخ اور ساری کتابیں مرفوع ہوگئیں اور اب میرے رسول کی ڈیوڑھی کے سوا کہیں ٹھکانہ نہیں۔

بہ مصطفٰے برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

اس لیئے آج ساری دنیا اپنے مذہب کی کمی میرے قرآن عظیم سے قوانین لیکر پورا کر رہی ہے مثلاً (۱) مسئلہ طلاق (۲) کثرت ازدواج (۳) مسئلہ انتقام (۴) ترکہ دختری (۵) عقد بیوگان وغیرہ وغیرہ میرے قرآن شریف سے لیکر اپنے مذہب میں داخل کر رہی ہے اسلیئے کہ اسکی کتابوں میں ان قوانین کا الٹا ہے اور ان قوانین سے انکی مذہبی کتابوں کا سخت تصادم اختلاف ہے مگر چونکہ دنیا بغیر قرآن کے اب جی نہیں سکتی میرا قرآن عظیم ہی دنیا کی ضرورتوں کو پورا کر رہا ہے

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے

روضۂ طاہرہ کی زیارت کا شرعی حکم

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ

استفتاء:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زیارت شریف حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے اور باوجود قدرت اس کا تارک یا مانع و منکر فضل شرعاً کیسا ہے بینوا توجروا۔

الجواب: زیارت سراپا طہارت حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم بالقطع والیقین باجماع مسلمین افضل قربات و اعظم حسنات سے ہے جس کی فضیلت و خوبی کا انکار نہ کریگا مگر گمراہ بد دین یا کوئی سخت جاہل سفیہ غافل مسخرۂ شیاطین والعیاذ باللہ رب العالمین۔ اسا قدر پر تو اجماع قطعی قائم، اور کیوں نہ ہو خود قرآن عظیم اس طرف بلاتا اور مسلمانوں کو رغبت دلاتا ہے۔

قال المولیٰ سبحانہٗ وتعالیٰ

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔ (پ ع ٦ سورہ النساء)

(یعنی اگر ایسا ہو کہ وہ جب اپنی جانوں پر ظلم یعنی گناہ و جرم کریں۔ تیری بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہوں پھر خدا سے اپنی مغفرت مانگیں اور مغفرت چاہے ان کے لئے رسول تو بے شک اللہ عزوجل کو توبہ قبول کرنیوالا مہربان پائیں)

امام سبکی شفاء السقام اور شیخ محقق جذب القلوب میں فرماتے ہیں ”علماء نے آیت سے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے حالِ حیات و حالِ وفات دونوں حالتوں کو شامل سمجھا اور ہر مذہب کے ائمہ مصنفین مناسک نے وقتِ حاضری مزار پر انوار اس آیت کی تلاوت کو آداب زیارت سے گنا۔ علامہ سمہودی شافعی وفاء الوفاء میں فرماتے ہیں۔ ”حنفیہ زیارت شریف کو قریب بہ واجب کہتے ہیں اور اسی طرح مالکیہ و حنبلیہ نے تصریح کی“

ہماری کتب مذہب میں (۱) مناسک فارسی ۲۔ و طرابلسی ۳۔ و کرمانی ۴۔ و اختیار شرح مختار ۵۔ و فتاوےٰ ظہیریہ ۶۔ و فتح القدیر ۷۔ و خزانۃ المفتین ۸۔ و منسک متوسط ۹۔ و مسلک متقسط ۱۰۔ و منح الغفار ۱۱۔ و مراقی الفلاح ۱۲۔ و حاشیہ طحطاوی ۱۳۔ و مجمع الانہر ۱۴۔ و سنن الہدیٰ ۱۵۔ و عالمگیری وغیرہا میں اس کے قریب بہ واجب ہونے کی تصریح و تقریر بلکہ خود صاحب مذہب سیدنا امام اعظم سے اس پر نص منقول جذب القلوب میں ہے۔ ”زیارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نزد ابی حنیفہ از افضل مندوبات و اوکد مستحبات است قریب درجۂ واجبات۔“ اور بعض ائمہ مالکیہ و شافعیہ تو صاف صاف واجب کہتے ہیں اور یہی مذہب ظاہریہ سے منقول۔ امام ابن الحاج مکی مالکی مدخل اور امام سبکی شافعی تہذیب الطالب میں امام عبدالحق بن محمد سے نقل فرماتے ہیں۔ امام ابو عمران فاسی مالکی نے فرمایا۔ قبر شریف حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت واجب ہے۔ امام قاضی عیاض مالکی شفا شریف میں امام ابو عمرو سے یوں ناقل۔ قبر اقدس حضور والا صلی اللہ وسلم کی طرف سفر کر کے جانا واجب ہے۔ اسی طرف امام قسطلانی

اعلیحضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ
کا مزارِ مبارک (بریلی شریف)

شارح صحیح بخاری شافعی و امام ابن حجر مکی شافعی و علامہ ملا علی قاری حنفی وغیرہم علماء کا میلان ہے بلکہ بعض کلمات امام سبکی بھی اسیطرح ناظر۔ شفا شریف میں فرمایا۔ زیارتِ قبر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم واجب اسی طرح مواہب اللدنیہ شریف میں ہے اور شک نہیں کہ ظاہر دلیل اسی کو مقتضی۔ ابن عدی وغیرہ کی حدیث میں ہے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

مَنْ حَجَّ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ۔

جو حج کرے اور میری زیارت کو حاضر نہ ہو بیشک اس نے مجھ پر جفا کی

علامہ علی قاری شرح لباب میں اس کی سند کو حسن اور دہی شرح شفا و درہ مضیۃ اور امام ابن حجر جوہر منظم میں مجتمع بہ فرماتے ہیں انہیں دونوں کتابوں میں فرمایا۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی جفا حرام ہے تو زیارت نہ کرنا کہ متضمن جفا ہے حرام ہوا۔ جذب القلوب میں ہے۔

"صاحب مواہب گفتہ ایں ظاہر است در حرمت ترک زیارت زیرا کہ دریں جفا و ایذائے اوست و جفاء و ایذائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حرام است با جماع پس واجب باشد ازالہ جفا و آں بزیارت خواہر بود پس زیارت واجب شد"

ترجمہ:۔ مواہب اللدنیہ میں امام قسطلانی فرماتے ہیں۔ یہ حدیث ترک زیارت کی حرمت میں ظاہر ہے اسلئے کہ زیارت کے ترک میں حضور کو تکلیف اور آپ کے ساتھ جفا ہے اور حضور کے ساتھ تکلیف و جفا کا سلوک حرام ہے اجماعی طور پر تو حضور کی تکلیف اور ان سے جفا کو دور کرنا واجب ہے بنا بریں زیارت واجب ہے۔ (نعمانی)

امام قسطلانی اس عبارت کے بعد فرماتے ہیں" بالجملہ جو باوجود قدرت ترکِ زیارت کرے اس نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم پر جفا کی اور حضور کا ہم پر یہ حق نہ تھا"

اسی طرح ترکِ زیارت کے موجب جفا ہونے میں متعدد حدیثیں آئیں کہ حضرت والد علام قدس سرہٗ نے جواہر البیان شریف میں ذکر فرمائیں اور شک نہیں کہ افراد میں اگرچہ کلام ہو مجموعہ حسن تک

مترقی اور حسن اگرچہ لغیرہ ہو مثل احتجاج میں کافی اور اسی کے مناسب قصۂ بلال ہے امام ابن عساکر وغیرہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور امام سبکی نے شفا اور علامہ سمہودی نے وفاء اور امام ابن حجر نے جوہر میں اس کی سند کو جید کہا کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شام میں سکونت اختیار فرمائی خواب میں حضور پرنور سید المحبوبین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے شرفیاب ہوئے کہ ارشاد فرماتے ہیں۔

مَا هٰذِہِ الْجَفْوَةُ يَا بِلَالُ اَمَا آنَ لَكَ اَنْ تَزُوْرَنِيْ يَا بِلَالُ۔ "اے بلال یہ کیا جفا ہے۔ اے بلال کیا ابھی تجھے وہ وقت نہ آیا کہ میری زیارت کو حاضر ہو۔"

بلال غمگین اور ترساں وہراساں بیدار ہوئے اور فوراً بقصد مزار پرانوار جانب مدینہ شد الرحال فرمایا۔ جب شرف حضور پایا، قبر انور کے حضور رونا اور منہ اس خاک پاک پر ملنا شروع کر دیا۔ دونوں صاحبزادے حضرت حسن و حسین صلی اللہ تعالیٰ علی جدھما وعلیہما وبارک وسلم تشریف لائے بلال رضی اللہ عنہ انہیں گلے لگا کر پیار کرنے لگے شہزادوں نے فرمایا ہم تمہاری اذان کے مشتاق ہیں یہ سقف مسجد انور پر جہاں زمانہ اقدس میں اذان دیتے تھے گئے جس وقت اللہ اکبر۔ اللہ اکبر کہا۔ تمام مدینہ میں لرزہ پڑ گیا۔ جب اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا مدینہ کا لرزہ دوبالا ہوا جب اس لفظ پر پہنچے کہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کنواری نوجوان لڑکیاں پردوں سے نکل آئیں اور لوگوں میں غل پڑ گیا کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم مزار پرانوار سے باہر تشریف لے آئے انتقال حضور محبوب ذی الجلال صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دن مدینہ منورہ کے مرد و زن میں وہ رونا نہ پڑا تھا جو اس دن ہوا۔ ؎

در نمازم خم ابروے تو بر یاد آمد
حالتے رفت کہ محراب بفریاد آمد

مَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ اُمَّتِيْ لَهٗ سَعَةٌ ثُمَّ لَمْ يَزُرْنِيْ فَلَيْسَ لَهٗ عُذْرٌ۔

میرا جو امتی باوصف قدرت میری زیارت نہ کرے اس کیلئے کوئی عذر نہیں۔ حتی کہ بعض ائمہ شافعیہ زیارت شریفہ کو مثل حج فرض بتاتے ہیں۔ علامہ عبد الغنی بن احمد بن شاہ عبد القدوس چشتی گنگوہی قدس سرہٗ شاگرد امام علامہ ابن حجر مکی رحمہم اللہ تعالیٰ "سنن الہدیٰ" میں فرماتے ہیں۔

میں نے اپنے استاذ ابن حجر اَيَّدَهُ اللّٰهُ الْاِسْلَامَ بِبَقَائِهٖ کو فرماتے سنا کہ زیارت شریفہ ہمارے بعض اصحاب شافعیہ کے نزدیک مثل حج واجب ہے اور ان کے نزدیک واجب اور فرض میں کچھ فرق نہیں۔

بالجملہ قول وجوب من حیث الدلیل اظہر و بنظر ایمانی بیں احب و ازہر ہے۔ اور قریب وجوب کہ علمائے مذاہب اربعہ بلکہ خود امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منصوص اس کے قریب اور کلما متقارب اور قول سنت اس کے منافی نہیں نقہا واجب کو بھی۔

حدیث سے ثابت ہو سنت بولتے ہیں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے نماز عید کو کہ حنفیہ کے نزدیک واجب ہے سنت کہا بلکہ اطلاق ائمہ میں مستحب و مندوب بھی واجبات کو شامل کہ فرض و واجب جبکہ حکم عمل و اثم تارک میں مشارک اور شافعیہ کے یہاں فرق اصطلاح نہیں تو ان کے نزدیک واجب پر اطلاق فرض اور حج سے تمثیل بعید نہیں اس تقریر پر سب اقوال متفق ہو جائیں گے اور بہ تصریح علماء مثل علامہ شامی وغیرہ اندائے وفاق القائے خلاف سے اولیٰ اور بیشک وجوب و قرب وجوب کہ جمہور ائمہ مذاہب جس کی تصریح کرتے ہیں تارک کے اثم (گناہ) پر یکساں زباں۔ بہرحال جزم کیا جاتا ہے کہ باوجود قدرت تارک زیارت قطعاً محروم و ملوم و بدبخت و مشوم و آثم و گنہگار و ظالم و جفا کار ہے۔ والعیاذ باللہ منہا لابد منا۔

لاجرم سلفاً و خلفاً علمائے دین و ائمہ معتمدین تارک زیارت پر طعن شدید و تشنیع مدید کرتے آئے کہ ترک مستحب پر ہرگز نہیں ہو سکتی۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ الرحمہ تلمیذ امام ابن ہمام نے لباب میں فرمایا۔ ترک زیارت بڑی غفلت اور سخت بے ادبی ہے۔ اور امام ابن حجر مکی قدس سرہٗ الملکی نے تو جوہر منظم میں تارک زیارت پر قیامت کبریٰ قائم فرمائی۔ فرماتے ہیں رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ خبردار ہو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے تجھے ترک زیارت سے حد درجہ ڈرایا اور اس کی آفتوں سے وہ کچھ بیان فرمایا کہ اگر تو اسے غور سے سمجھے تو اپنے اوپر ہلاک و بدانجامی کا خوف کرے حضور نے صاف فرما دیا کہ ترک زیارت جفا ہے اور یہی ہیں صحیح حدیث میں آیا کہ میرا ذکر سنکر مجھ پر درود نہ پڑھنا جفا ہے اس سے ثابت ہوا کہ باوجود قدرت ترک زیارت اور ذکر اقدس سن کر ترک درود دونوں یکساں ہیں کہ دونوں جفا ہیں تو تارک زیارت پر ان سب عذابوں شناعتوں کا خوف ہے جو تارک درود کے لئے حدیثوں میں آئیں کہ • شقی نامراد • ذلیل و خوار • مستحق نار • خدا اور رسول سے دور ہے • اس پر ان سب عذابوں اور نیز • مردود بارگاہ ہونے کی دعا جبریل امین و حضور سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی وہ راہ جنت

بھول گیا۔ حاسد بھی کا بخیل، ملعون، بے دین ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدار جمال جہاں آرا سے محروم رہیگا والعیاذ باللہ تبارک وتعالیٰ۔

ان باتوں کو یاد کر کے اسے خبر دے جس نے باوصف قدرت براہ سستی وکسل زیارت شریف نہ کی شاید سن کران برائیوں سے توبہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع لائے اپنے اس نبی پر جفا نہ کرے جو اس کا اور تمام جہان کا اللہ عزوجل کی طرف وسیلہ ہیں اور ہم نے بہت تارکان زیارت بحال قدرت کو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں پر صریح محسوس تاریکی ظاہر کر دی اور نیکیوں میں انہیں ایسا سست کر دیا کہ عبادت چھوڑ کر دنیا میں پڑ گئے اور مرتے دم تک اسی حال پر رہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ وسبحانہ۔

اس کے بعد امام نے دو سخت ہولناک واقعے لکھے جنہیں سن کر مسلمان کا دل کانپ اٹھے اللہ تعالیٰ اپنی امان میں رکھے صدقہ اپنے پیارے حبیب قریب مجیب صلے اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کا آمین۔

مسلمان غور کرے جب تارکِ زیارت کا یہ حال اس کے مانع یا منکر فضیلت کا کیا حال ہوگا آفتاب سے زیادہ روشن کہ ایسا شخص گمراہ بددین خارق اجماع مسلمین مستحق وعید شدید (ہم اسے اپنے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔ ترجمہ نولہٖ نولّہٖ ما تولّٰی ونصلہٖ جہنّم وسآءت مصیراً۔ پ۵ رکوع ۱۴) ہے۔

امام ابن حجر افضل القریٰ میں فرماتے ہیں جو اس کی خوبی میں نزاع کریگا اسکا نزاع کرنا دنیا وآخرت میں اس کی تباہی وروسیاہی کا باعث ہوگا۔

امام سبکی شفاء السقام میں فرماتے ہیں "نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت واطرافِ عالم سے اس کی طرف سفرِ اعظم قربات الٰہی ہے جیسا کہ مدتوں سے شرق وغرب کے مسلمانوں میں معروف ہے آج کل بعض مردود (یعنی ابن تیمیہ اور اس کے ہواخواہ) شیطان کے سکھانے سے اس میں شک ڈالنے لگے مگر ہیہات مسلمانوں کے دل میں کہاں جگہ پاتی۔ یہ تو ایک مردود کی فتنہ پردازی ہے جسکا وبال اسی پر پڑے گا۔

امام احمد قسطلانی مواہب شریف میں فرماتے ہیں "قبر مبارک کی زیارت بہت بڑی قربت اور بڑی امید کی طاعت اور نہایت بلند درجوں کی طرف راہ ہے جو اس کے خلاف اعتقاد کرے اس نے رسن (رسی) اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا۔ اور خدا ورسول وجماعت مشاہیر ائمہ کا خلاف کیا"

یہاں تک کہ بعض علماء صراحۃً زیارت شریف کے قربت ہونے

تلبیہ

لَبَّیْكَ ۝ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ

میں حاضر ہوں۔ اے میرے رب میں حاضر ہوں

لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ ۝

حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں

اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَ

بے شک سا۔ خوبیاں اور نعمتیں تیرے ہی لئے ہیں اور

الْمُلْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ ۝

ساری بادشاہی بھی۔ تیرا کوئی شریک نہیں

کو ضروریات دین سے اور اس کے منکر کو کافر بتاتے ہیں "مورد مغنیہ" مولانا علی قاری میں ہے "بعض فضلا نے مبالغہ کیا کہ فرماتے ہیں زیارت شریفہ کا قربت ہونا دین سے ضرورۃً معلوم ہے اور اس کے منکر پر کفر کا حکم"

علامہ شہاب الدین خفاجی مصری نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض میں فرماتے ہیں "قبرِ اکرم سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور اس کی طرف سفر کو ابن تیمیہ اور اس کے اتباع مثل ابن قیم نے منع کیا اور یہ اس کا وہ کلام شنیع ہے جس کے سبب علماء نے اس کی تکفیر کی اور امام سبکی نے اس میں مستقل کتاب لکھی۔

اقول قول تکفیر کی نفیس تقریر وعمدہ توجیہ مع جواب وجیہ فقیر غفر اللہ تعالیٰ نے بتوفیقِ اللہ تعالیٰ اصل فتویٰ میں ذکر کی یہاں اسی قدر کافی ہے مولیٰ تعالیٰ صدقہ اپنے حبیب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا ان کی سچی محبت اور سچا ادب بخشے اور انہیں کی محبت وتعظیم وادب وتکریم پر دنیا سے اٹھائے اور اپنے کرم عمیم وفضل عظیم سے دنیا وآخرت میں ان کی زیارت سے مشرف وبہرہ مند فرمائے آمین آمین یا ارحم الراحمین وصلے اللہ تعالیٰ علیٰ سید المرسلین محمد والہٖ وصحبہٖ اجمعین آمین واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

کتبہ عبدالمذنب **احمد رضا** البریلوی عفی عنہ
بمحمدن المصطفےٰ النبی الامی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(از ص ۵۰ – ۵۵۔ النیرۃ الوضیہ ۱۲۹۵ھ
مکتبہ قادریہ لاہور بار دوم ۱۳۹۴ھ)

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد
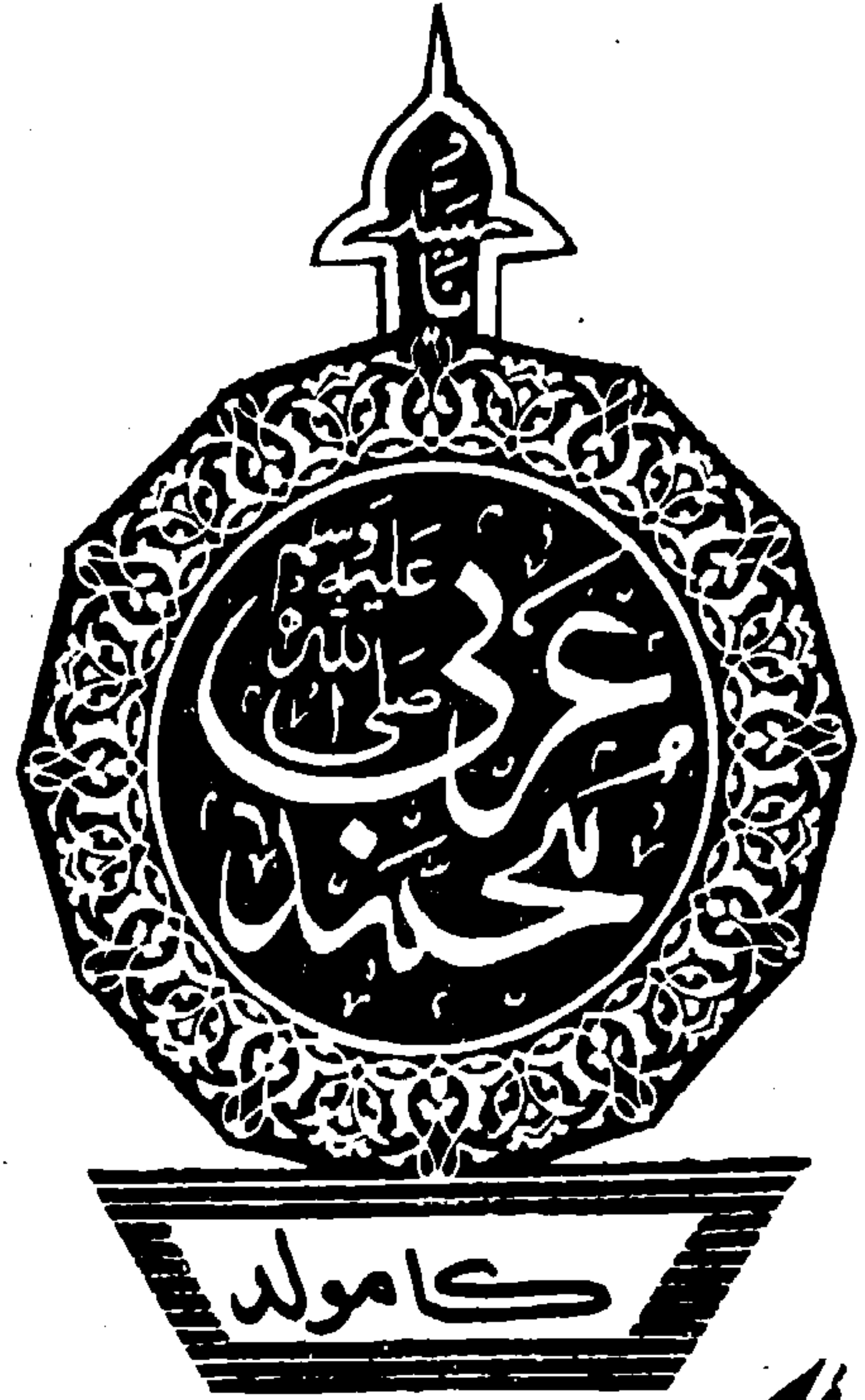
مکہ معظمہ کی قدیم تاریخ

جناب محمد اسلم ملک

مکۃ المکرمہ دنیا کا واحد قدیم ترین شہر ہے جو آج تک آباد چلا آتا ہے۔ یہ امر کم وبیش متفق علیہ ہے کہ شہر کی بنیاد آج سے تقریباً چار ہزار سال پیشتر ۲۲۰۰ قبل مسیح[1] میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے رکھی تھی۔ تاہم بعض عرب مؤرخین نے شہر کے زیادہ قدیم ہونے کا دعوےٰ بھی کیا ہے۔ بکری[2] کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شہر مکہ کے عبادتخانہ کو چوتھی مرتبہ تعمیر کیا تھا۔ اس سے قبل تین دفعہ یہ عبادت خانہ بنا مگر زمانے کی دست وبرد کے ہاتھوں محفوظ نہ رہ سکا۔ زیادہ محتاط مؤرخین[3] نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آمد سے قبل وہاں آبادی کے امکانات کا اظہار کیا ہے اور اکثر مستشرقین[4] نے بھی عموماً اسی رائے کو ترجیح دی ہے کہ قبیلہ بنی جرہم جس کے ساتھ حضرت اسمعیل علیہ السلام کا ازدواجی رشتہ قائم ہوا اس جگہ پہلے سے آباد تھا — گو وادیوں اور پہاڑیوں پر منتشر بدویانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ پانی کی دریافت کے بعد چشمہ (زمزم) کے گرد ایک جگہ پر جمع ہو کر اس نے حضری زندگی کا آغاز کیا۔ تقدم وتاخر کی اس بحث سے قطع نظر، یہ بات کم وبیش طے شدہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر آج تک یہ شہر متواتر آباد چلا آرہا ہے اور اسے مذہبی سیاسی یا تجارتی لحاظ سے اہمیت اور مرکزیت ہر زمانے میں حاصل رہی ہے۔

مکۃ المکرمہ کے بارے میں مزید کچھ لکھنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سرسری طور پر عرب کی قدیم تاریخ اور قدیم اقوام اور احوال کے متعلق بیان کر دیا جائے تاکہ مابعد کے واقعات سمجھنے میں آسانی ہو۔

ح۱ : ارض القرآن جلد دوم ص۱۹۸۔ نیز دیکھئے ——— ETHICS ENCYCLO DIA & RELIGION جلد ہشتم ص۵۱۱۔ تحت لفظ مکہ "یہ تصور کہ خانہ کعبہ حضرت ابراہیم کا تعمیر کردہ ہے۔ ظہور اسلام کے بعد پیدا ہوا۔ اصل میں یہ حضرت ابراہیم کا تعمیر کیا ہوا نہیں"۔ یہ رائے تاریخی شواہد اور نظائر کے صریحاً خلاف ہے جس پر کوئی بحث کرنا فضول ہے۔ تاہم مصنف موصوف کی اختلافی رائے یہاں اس لیے درج کر دی ہے تاکہ معلوم ہو کہ مغرب میں تحقیق کے نام پر کیسی مضحکہ خیز اور افترا انگیز باتیں گھڑی جاتی ہیں۔

ح۲۔ بکری الدلائۃ المکللۃ فی فتح مکۃ المشرف المبجلۃ (طبع مصر) ص۳۳۔ نیز مولوی عبد الشکور پھلواری: تاریخ مسجد حرام ص۳۔ تاہم یہ کہنا کہ حضرت ابراہیم نے خانہ کعبہ کو چوتھی مرتبہ تعمیر کیا اور یہ کہ اس کی پہلی تعمیر فرشتوں کے ہاتھوں ہوئی جیسا کہ مصنف کا خیال ہے کسی صورت قابل قبول نہیں۔

ح۳ حسنین ہیکل حیات محمد

ح۴ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (گب) تحت لفظ مکہ

امم سامیہ کا مسکن اول جزیرہ نما عرب تھا۔ یہیں سے یہ لوگ نکل کر اوقاتِ مختلف میں کنعان، بابل، حبشہ اور مصر میں پہنچے اور وہاں عظیم الشان تمدنوں کی داغ بیل ڈال۔ تاریخ میں ان کی چار ہجرتوں کا ذکر ملتا ہے۔ پہلی ہجرت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اڑھائی ہزار سال قبل ہوئی جبکہ یہ لوگ عرب سے نقل مکانی کر کے مصر، فینقیا، بابل اور سریا تک پھیل گئے (ان کی آخری ہجرت ظہور قدسی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئی) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعلق بھی سامی نسل سے تھا اور جن اقوام میں وہ تبلیغ کرتے، سریا، فلسطین، مصر سے ہوتے ہوئے عرب میں پہنچے ان سب کا تعلق بھی اسی نسل سے تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کی آمد سے قبل نواحِ وادئ مکہ میں بنی جرہم کا جو قبیلہ آباد تھا۔ اس کے متعلق مختلف قیاسات کیے گئے ہیں۔ مثلاً یہ کہا گیا ہے کہ یہ قبیلہ قحطانی تھا اور اس کا ابراہیم علیہ السلام سے کوئی نسلی تعلق نہیں تھا۔ مگر یہ قیاس صحیح نہیں ہے قبیلہ بنی جرہم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں ایک ہی نسل امم سامیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ دونوں کے نسلی رشتہ کو سمجھنے کے لیے درج ذیل شجرۂ نسب کا مطالعہ ضروری ہے جو توریت کے حوالہ سے مرتب کیا گیا ہے۔

تاہم حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بنی جرہم کی زبانیں مختلف تھیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی زبان آرامی تھی اور بنی جرہم کی زبان عربی تھی اگرچہ ظہور اسلام کے زمانہ کی عربی سے مختلف تھی۔ زمان و مکان کے فاصلوں نے دونوں کی زبانیں مختلف سانچوں میں ڈھال کر ایک دوسرے سے جدا کر دی تھیں۔ تاہم دونوں میں زیادہ تفاوت نہیں تھا۔ کیونکہ مخزن اور مخرج دونوں کا ایک تھا اور دونوں زبانیں

نوح

سام — حام — یافث

ارم — لود — ارفخشد — اشور (اسیریا) — عیلام (مجوس) — اصحاب کہف

عاد

ہود

صالح — جدلیس — طسم — معین — جرہم — ثمود

جرہم

سلح

فلج — قحطان (سبا، تبع، حبش)

تارخ۔آذر — غازان

لوط

ابراہیم

اسمٰعیل — اسحاق — بنو قطورا

قیدار — نابسط — یعقوب — قیداؤ

قریش — اصحاب الحجر — بنی اسرائیل

مدین — اصحاب الایکہ — شعیب
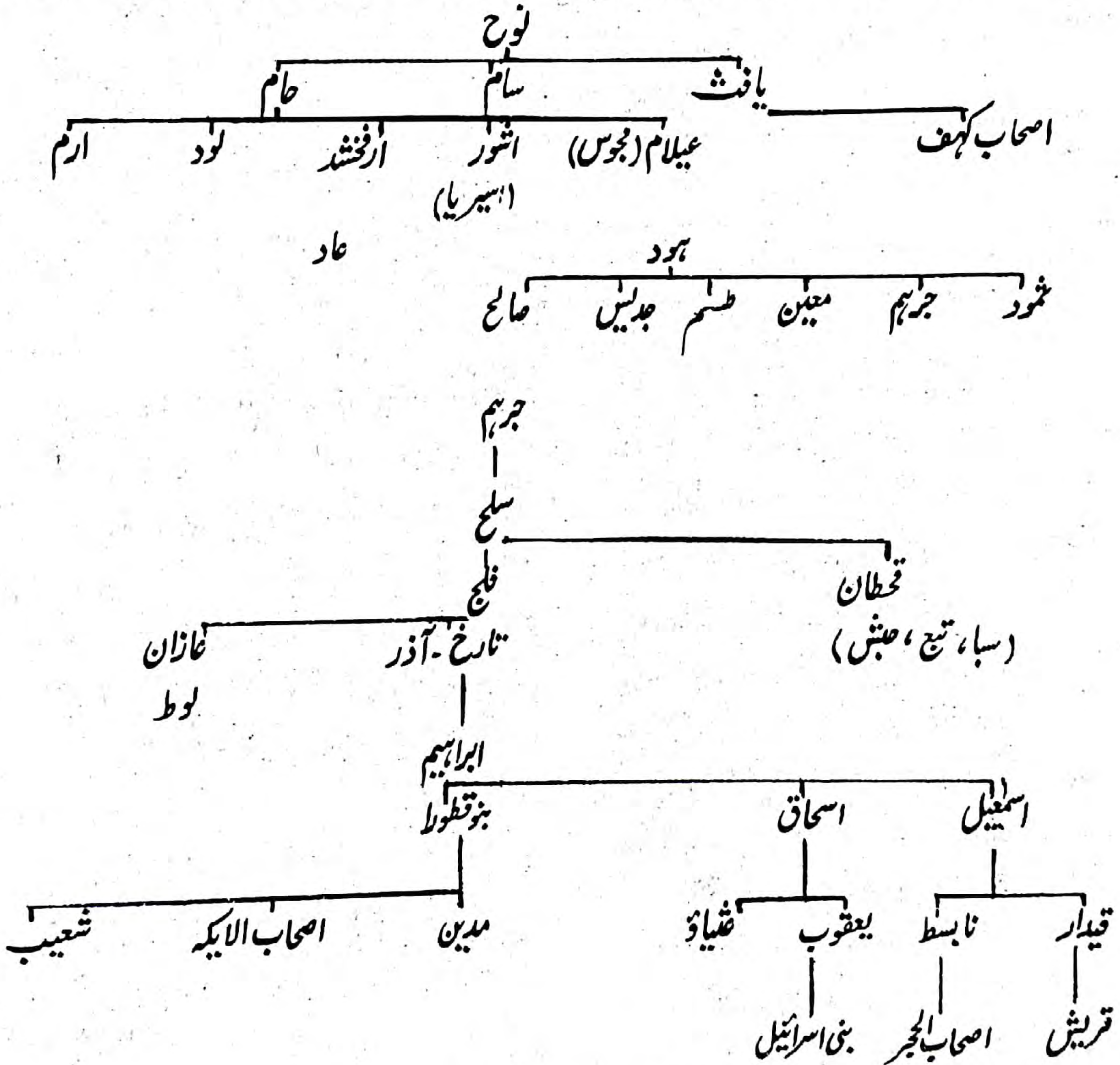
سامی الاصل تھیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے بنی جرہم ہی سے عربی زبان سیکھی۔ (صحیح بخاری)

عربی سیکھ کر عربی طور طریقے اختیار کرنے کی وجہ سے حضرت اسمٰعیل اور ان کی اولاد کو عرب مستعربہ کہا گیا ہے۔ اگر بنظر عمیق جائزہ لیں تو یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔

عام طور پر عبرانی کو امم سامیہ کی قدیم ترین زبان سمجھا گیا ہے۔ عبرانی کو امم سامیہ کی قدیم ترین زبان سمجھنا غلط ہے۔ ان کی قدیم زبان آرامی تھی اور یہی حضرت ابراہیم کی زبان تھی، بائدہ ثمود اور دیگر اقوام سامیہ اولی کی زبان بھی آرامی تھی۔ کتبات بھی اسی زبان میں لکھے ہوئے ملتے ہیں۔ اور ماہرین لسانیات اس زبان کو ابتدائی عربی (PROTO ARABIC) گردانتے ہیں۔ سامی زبانوں کے حلقہ کو سمجھنے کے لیے نیچے دیئے گئے خاکہ کو نگاہ میں رکھنا چاہیے۔

سامی زبانوں کا حلقہ

شنامی: عبرانی، فنیقی، آرامی

بابلی: سریانی، کلدانی، آرامی

آرامی، ثمودی، مدیانی، نبطی، عدیانی، سبائی، حمیری، حبشی

I، II، III، IV، V، VI، VII، VIII
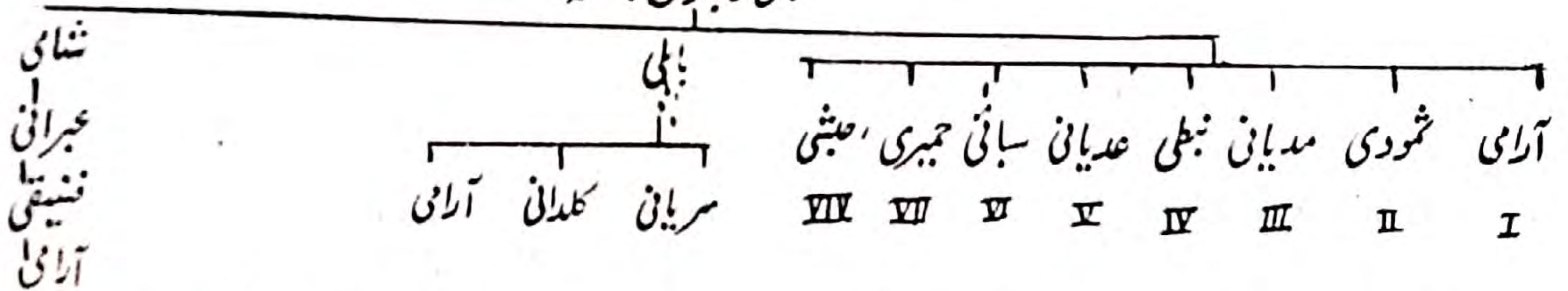
یہ ایک حقیقت ہے کہ عربی زبان اگر اَلسنہ سامیہ کی ماں نہیں تو اسے ماں کے قریب ہونے کا درجہ ضرور حاصل ہے مگر لفظ عرب زیادہ قدیم نہیں۔ پہلے پہل یہ لفظ ایک ہزار سال قبل مسیح میں سننے میں آیا۔ عبرانی میں اسے عَرَبا (17 Z 23) یعنی بیابان صحرا، میدان کہتے ہیں۔ قرآن میں اس کے لیے واد غیر ذی زرع کے جو الفاظ وارد ہوئے ہیں وہ "عرب" کا لفظی ترجمہ ہیں۔ ۸۰۰ ق م میں عربی میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ عرب کے نام سے مشہور ہونے سے قبل اس کا نام مدبار تھا، توریت میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے وطن کو اسی نام سے یاد کیا گیا ہے۔ مدبار کے معنی بھی غیر آباد ہونے کے ہیں۔ توریت میں عام طور پر عربستان کا ذکر پورب کی سرزمین اور بعد ازاں پچھم کی سرزمین کہہ کر کیا گیا ہے۔

اسی ملک عرب کے صوبہ حجاز میں جسے توریت میں فاران کہا گیا ہے مکہ کا شہر آباد ہوا۔

مکہ کی قدیم تاریخ پردۂ اخفا میں ہے اور ہماری معلومات اس قدر ناقص، مبہم اور متضاد ہیں کہ کوئی مربوط تاریخ بیان کرنا کم و بیش ناممکن ہے۔ شہر مکہ کے آباد ہونے سے بہت پہلے اس علاقہ میں عمالیق پھیلے ہوئے تھے۔ بعد ازاں وہاں قبیلہ بنی جرہم آباد ہوگیا[1]۔ مگر اس قبیلہ کو وہاں اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لیے کئی لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ جب یمن سے مختلف قبائل نکل کر مشرق اور شمال کی طرف آئے تو اس وقت یمن کا مشہور قبیلہ بنی اُزد (جسے بنی عک نے شکست دے کر نکال دیا تھا) مکہ کی ایک وادی بطن مہر میں آکر ٹھہرا۔ ان کے سردار ثعلبہ بن عمرو نے جرہم سے مطالبہ کیا کہ میدان ان کے سپرد کر دیا جائے۔ جرہم کے انکار پر خون ریز لڑائی ہوئی اور ثعلبہ نے میدان پر زبردستی قبضہ جما لیا۔ مگر بعد ازاں یہ دیکھ کر کہ یہاں وسائل معیشت کی تنگی کے سبب گزراں مشکل ہے نقل مکانی کر کے یثرب چلا گیا۔ یہ میدان شاید وہی ہے جہاں حجاج حج کے لیے خانہ کعبہ کی عمارت کے بالمقابل جمع ہوتے تھے۔ (عرفات میں اجتماع بعد میں شروع ہوا۔ ورنہ قصی سے قبل وادی مکہ میں ہی حجاج جمع ہوتے تھے۔) جب حضرت اسماعیل وادی مکہ میں اترے تو اس وقت یہاں بنی جرہم کا قبیلہ قرب و جوار کی وادیوں اور پہاڑیوں پر آباد تھا۔ اسی خاندان میں حضرت اسمعیل نے شادی کی اور ان کی نسل بڑھی اور پھیلی پھولی۔ مگر بنی جرہم آہستہ آہستہ معدوم ہو گئے اور عہد رسالت

---

[1]: عمالیق، عملوق کی جمع ہے اور یہ لفظ عم اور ملوق سے مل کر بنا ہے۔ عم عبری زبان میں قوم کو کہتے ہیں۔ عربی میں لفظ امۃ اسی سے ماخوذ ہے اور ملوق کے معنی عام وادی کے ہوتے ہیں ۲½ ہزار سال ق م میں یہ لوگ مصر کے حکمران تھے بعد میں وہاں سے ان کا اخراج ہوا اور یہ ادھر ادھر بکھر گئے۔

تاب صلی اللہ علیہ وسلم میں اس خاندان کا صرف ایک مرد عبید بن شریہ جرہمی یمن میں موجود تھا۔ جسے امیر معاویہ نے تاریخ لکھنے کا حکم دیا۔ اس کے برعکس خاندان اسماعیل علیہ السلام حجاز، نجد اور حدود عراق تک پھیل گیا۔ اس بات کی تصدیق یونانی مورخ یوسیفوس نے ۱۰۰ء میں کی کہ حجاز سے لے کر عراق تک اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کا قبضہ ہے اور یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکالنے والے بھی اسماعیلی تاجر تھے جو سامان لے کر مصر جا رہے تھے۔

پہلی بیوی کو طلاق دینے کے بعد حضرت اسماعیل نے جرہم کے سردار مضاض کی بیٹی سے شادی کی۔ جس کے بطن سے بارہ لڑکے پیدا ہوئے۔ ان میں قیدار اور نابت نے شہرت اور ناموری حاصل کی۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے باپ کے ساتھ مل کر خانہ خدا کی بنیاد رکھی اور مکہ کا شہر بسایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین میں مستقل طور پر قیام پذیر رہے۔ البتہ مکہ میں وہ تین مرتبہ آئے تیسری مرتبہ انھوں نے لوگوں کو حج کی دعوت دی۔ بنی جرہم سمیت گرد و نواح کے قبائل نے اس دعوت کو قبول کیا۔ پھر ہر سال زائرین طواف کے لیے بیت اللہ میں آنے لگے۔

خانۂ خدا کی مجاورت اور خدمت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کے ہاں رہی۔ مگر بعد میں تولیت کا منصب بنی جرہم میں منتقل ہو گیا۔ انتقال تولیت کی اصل وجوہ کا علم نہیں تاہم ایک روایت ہم تک پہنچی۔ ہے کہ کثرت اولاد کی وجہ سے آل اسمٰعیل کی تعداد بڑھ گئی، وسائل اتنے نہیں تھے کہ وہاں گزر اوقات ہو سکتی ان کی کثیر تعداد نقل مکانی کر کے وہاں سے چلی گئی۔ بقیہ اولاد صغیر السن تھی، لہٰذا بنی جرہم تولیت خانہ خدا پر قابض ہو گئے تاہم یہ قبضہ پر امن طور پر ہوا۔ اگرچہ یہ بات معلوم ہے کہ آل اسمٰعیل علیہ السلام مکہ سے نکل کر دور دراز علاقوں میں چلی گئی مگر اس سبب سے بنی جرہم کے پاس مجاورت کا منصب منتقل ہو جانا کچھ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ مزید برآں یہ امر بھی واضح نہیں کہ کس زمانہ میں بنی جرہم کے پاس یہ منصب منتقل ہوا۔ ابن ہشام کی روایت کو اگر درست تسلیم کر لیا جائے تو یہ واقعہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے انتقال کے فوراً بعد ظہور میں آیا۔ کیوں کہ ابن ہشام کے بقول اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد صغیر السن تھی اور ننھیال کے ساتھ خوش گوار تعلقات کی وجہ سے وہ انتقال تولیت پر خاموش رہے۔ یہ واقعہ چاہے حضرت اسماعیل کی وفات کے فوراً بعد ہوا ہو یا بعد میں کسی وقت ظہور میں آیا ہو۔ اور اس کی وجوہات خواہ کچھ بھی بیان کی جائیں جدید عہد کا مورخ پس پردہ ان سیاسی محرکات کو نظر انداز نہیں کر سکتا جو اس تبدیلی میں کام کر رہے تھے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام خدا کے جلیل القدر پیغمبر تھے ان کا خاندان قابل عزت و احترام تھا۔ تاہم ان کے خاندان کو عرب میں سیاسی حیثیت حاصل نہ تھی۔ بنی جرہم کے ساتھ ننھیالی رشتہ قائم ہو جانے کے بعد ہی آل اسمٰعیل کو عصبیت حاصل ہوئی۔ تاہم جب بنی جرہم نے دیکھا کہ خدا کے گھر کی رکھوالی کرنے والوں کا کتنا اعزاز و احترام ہے تو فطری طور پر ان کے دل میں بھی یہ خواہش انگڑائیاں لینے لگی کہ کیوں نہ وہ خود اس منصب پر قبضہ جما لیں۔ اس بات کی تصدیق بلاذری کے بیان کردہ اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ بنی جرہم کے سردار مضاض اور سمیدع عمالقی میں جنگ تولیت کعبہ کے تنازعہ پر ہوئی جس میں مضاض نے شکست کھائی۔ سمیدع کو بنی جرہم کا اعزاز دیکھ کر حسد پیدا ہوا تھا۔ یہ مضاض وہ نہیں جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے سسر تھے بلکہ یہ غالباً بعد میں کوئی جرہمی سردار گزرے ہوں گے۔ نہیں معلوم بلاذری کی روایت کس حد تک صحیح ہے۔ تاہم اس واقعہ سے یہ ضرور پتا چلتا ہے کہ تولیت کے منصب نے حسد و رقابت کے جذبات پیدا کر دیئے اور اس غرض کے لیے سیاسی کش مکش شروع ہو گئی تھی۔ منصب تولیت سے محرومیت کے باوجود حضرت اسمٰعیل کی اولاد کی عزت و تکریم میں کوئی فرق نہ آیا اور عہد اسلام تک قریش پورے عرب میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ یہ بات یہاں نظر انداز نہیں کرنی چاہیے کہ قریش کے احترام اور وقار کو قصی نے آکر دوبارہ بحال کیا۔ ورنہ قصی سے پہلے قریش منتشر اور پراگندہ تھے۔ تولیت خانہ کعبہ سے محروم ہونے کے بعد آل اسمٰعیل علیہ السلام مکہ میں مقیم رہی اور ننھیال کے ساتھ ان کے تعلقات خوش گوار رہے مگر اولاد اسمٰعیل کو مکہ کی اجتماعی زندگی میں کیا مقام اور رتبہ حاصل تھا یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ

کی رائے ہے کہ بنی جرہم اور قطورا (اولاد اسمٰعیل علیہ السلام) کی مکہ پر مشترکہ یا وفاقی حکومت قایم رہی۔ جو کاروان جس قبیلہ کی طرف سے گزرتا اس کا محصول وہی قبیلہ وصول کرنے کا حق رکھتا تھا۔ فطری طور پر یہاں یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ کہ تولیت خانہ خدا کا منصب کیا خالصتہً مذہبی قسم کا تھا یا اس کی نوعیت سیاسی بھی تھی۔ یعنی کیا شہر کی سیاسی بالادستی اس شخص یا خاندان کو از خود حاصل ہو جاتی تھی جو اس مقام پر فائز ہوتا یا یہ کہ اجتماعی زندگی میں اسے صرف ایک بااثر فرد یا گروہ کی حیثیت حاصل ہوتی؟ واضح شواہد و نظائر کے فقدان کے پیش نظر کوئی قطعی بات کہنا دشوار ہے تاہم صحیح بخاری کی ایک روایت قابل غور ہے کہ حضرت ہاجرہ نے قبیلہ بنی جرہم کو مکہ میں سکونت رکھنے کی اجازت دے دی مگر کہا کہ پانی میں تمہارا کوئی حصہ نہیں محولہ بالا روایت سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ خاندان اسمٰعیل کو مذہبی تقدس کی بنا پر سیاسی تغلب حاصل ہو گیا تھا اور وادی مکہ کا میدان جس کے لیے ماضی میں جرہم واز دیں لڑائی ہوئی تھی اب بلا شرکت غیرے خاندان اسمٰعیل علیہ السلام کے تصرف اور تسلط میں تھا۔ دوسرے مکہ کی سیادت کے لیے ہم نے ابن ہشام طبقات ابن سعد اور بلاذری کے حوالوں سے اوپر جن غیر مربوط قسم کے واقعات کا تذکرہ کیا ہے، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی تقدس اور خانہ کعبہ کی مجاورت کے ساتھ سیاسی غلبہ و تسلط اس طرح وابستہ تھا کہ ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ تیسرے تمام قدیم شہروں میں عام طور پر مذہبی اور سیاسی قیادت یکجا رہی ہے خصوصاً جو شہر کسی عبادت خانہ کی وجہ سے آباد ہوئے[1]۔ اور سوشیالوجسٹ کی جدید تحقیقات[2] بھی اس امر کی تصدیق کرتی ہیں کہ انسانی معاشرے کے ارتقائی مراحل میں ایک وقت ایسا بھی آیا جب کہ سیاسی اور مذہبی مناصب ایک ذات میں جمع تھے۔

اتنی بات واضح ہے کہ خاندان اسمٰعیل علیہ السلام کچھ دیر کے لیے بلا شرکت غیرے خانہ خدا کا متولی رہا اور اس وجہ سے سیاسی طور پر بھی مکہ کی سیادت اس کے ہاتھ میں رہی۔ بعد ازاں یہ منصب بنی جرہم کے ہاں منتقل ہو گیا اور ممکن ہے کہ مکمل انتقال سے پیشتر جیسا کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی رائے ہے کچھ عرصہ کے لیے مکہ پر مشترکہ کنٹرول آل اسمٰعیل علیہ السلام اور بنی جرہم کا رہا ہو۔ بعد ازاں بنی جرہم کو بنی بکر اور بنی عیشان نے یمن کی طرف بھگا دیا اور تولیت ایک مرتبہ پھر آل اسمعیل علیہ السلام میں آگئی۔ جو اس خاندان کے مشہور فرد عدنان کے زمانے تک اسی خاندان میں رہی۔ جرہم کی شکست سے پہلے مورخین نے جرہم کے مظالم کا ذکر کیا ہے۔ ان مظالم کی وجہ سے لوگ تنگ آ گئے۔ بنی بکر اور عیشان کون تھے؟ اور انھوں نے جرہم کو شکست دے کر مکہ کی سیادت اور کعبہ کی تولیت خاندانِ اسمعیل علیہ السلام کو کیوں سپرد کر دی؟ ان سوالات کا کوئی ٹھوس جواب موجود نہیں۔ تاہم عدنان کے زمانہ تک مکہ پر مذہبی اور سیاسی تسلط آل اسماعیل علیہ السلام کا تھا۔ اور بخت نصر نے حملہ کیا تو اس کے مقابلہ پر عدنان اور اس کا خاندان ہی نکلا۔ بخت نصر کا حملہ ۵۶۲ ق م میں ہوا۔ اس حملہ میں عدنان مارا گیا مگر اس کا لڑکا بچ گیا[3] اور فرار ہو گیا۔ پورا خاندان منتشر ہو گیا۔ یہ مکہ کی تاریخ کا پہلا دور ہے قریش کا جدِ اعلیٰ فہر جس کے نام کی وجہ سے یہ خاندان مشہور و معروف ہوا اسی زمانہ جلاوطنی میں پیدا ہوا۔ اور خاندان قریش کا دوسرا اہم فرد قصی جس نے قریش کو خانہ کعبہ کی تولیت اور شہر مکہ کی حاکمیت پر بحال کیا اسی اخراج کے دور میں پیدا ہوا۔ عدنان سے لے کر قصی کے زمانہ تک خاندان اسماعیل علیہ السلام اپنے جد امجد کے بسائے ہوئے شہر سے باہر ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہا۔ مگر یہ کہنا کہ یہ پورا دور اس خاندان کے لیے مصیبت و ابتلا کا دور تھا صحیح نہیں۔ تاہم قصی نے بزور شمشیر شہر مکہ کو فتح کر کے خانہ کعبہ کی تولیت پر قبضہ کر لیا اور اپنے خاندان کے منتشر افراد کو مکہ اور اس کے گرد و نواح میں جمع کیا۔ اس لیے اس کا نام "مجمع" پڑ گیا۔ یہ سن ۲۲۰ عیسوی[4] کا واقعہ ہے اور اس واقعہ سے مکہ کی تاریخ کے نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔

---

[1] و [2]: ۲۹/۲۸۔ انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنسز تحت لفظ "ٹاؤن پلاننگ" شہر

[3] ارض القرآن ص ۹۴ ج ۲

[4] RULERS OF MECCA : GEVAL DE GAURY صفحہ ۳۸ نے ۴۸۰ عیسوی لکھا ہے، جو کسی طرح قابل قبول نہیں۔ دیکھیے ڈاکٹر حمید اللہ سیاسی زندگی صفحہ ۴

تاہم جس زمانی ترتیب سے ہم نے مکہ کی قدیم تاریخ کے واقعات اوپر بیان کئے ہیں یہ قطعی نہیں ہیں۔ سنوں کے بارے میں زبردست اختلاف سے قطع نظر یہ بھی صحیح طور پر معلوم نہیں کہ کون کون سے قبائل مکہ کی سیادت اور کعبہ کی تولیت کرتے رہے خصوصاً جبکہ خاندان اسماعیل اور قریش جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے مکہ کے حکمران[1] کتاب کا مصنف جرہم کی شکست اور اخراج کا سال ۲۰۷ عیسوی تسلیم کرتا ہے اور اکثر یورپین مورخین نے یہی سن لکھا ہے۔ مصنف موصوف کے خیال کے مطابق اس کے بعد بنی خزاعہ کا شہر پر قبضہ ہوگیا۔ مکہ کی تاریخ کا پہلا دور یہاں پر ختم ہوا۔ اور دوسرے دور کا آغاز اس وقت ہوا جبکہ پانچویں صدی عیسوی میں جنوبی عرب سے تاجر مکہ میں آکر آباد ہوئے اور یہ شہر تجارتی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا[2]۔ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ مستشرقین شہر مکہ کی قدامت کو تسلیم نہیں کرتے۔ لہٰذا ان کے دیئے گئے سن کو تسلیم کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ ان کی رائے کس حد تک متعصبانہ ہے۔

یہاں یہ سوال دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ قصی کے مکہ پر قبضہ جمانے سے پہلے مکہ پر "حکمران" قبائل کی حکومت کی نوعیت کیا تھی؟ کیا پورا قبیلہ بحیثیت مجموعی حکمران ہوتا تھا یا اس قبیلہ کے سردار ہی کو حکومت کے تمام فرائض تفویض تھے۔ اور حکمران قبیلہ کی حیثیت سردار کے سامنے محض رعایا کی نہ تھی؟ یا یہ کہ یہ حکومت شخصی طرز کی تھی جس میں قبیلہ کی رائے کو کوئی اہمیت اور عمل دخل حاصل نہ تھا؟ حکومت کرنے کا طریقہ کیا تھا؟ خانہ خدا کی تولیت کا کیا انتظام تھا؟ حجاج اور زائرین کی خدمت کا کیا بندوبست کیا جاتا تھا؟ ان سوالات کا جواب معلوم کرنا اس لیے ضروری ہے تاکہ قصی کے زمانہ حکمرانی کی اصلاحات کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ کیا جاسکے اور معلوم کیا جاسکے کہ قصی نے جو اصلاحات جاری کیں وہ کس حد تک اس کے اپنے ذہن کی اختراع تھیں اور کس حد تک مروجہ طرز حکمرانی کا عکس اور پرتو تھیں۔

جیرالڈ ڈی گاری نے قصی سے پیشتر مکہ کے حکمرانوں کی فہرست اپنی کتاب میں دی ہے۔ جس سے یہی نظر آتا ہے کہ مصنف موصوف تسلیم کرتے ہیں کہ مکہ میں شخصی حکمرانی کا دور دورہ تھا اور یہ کہ ملوکیت موروثی ہوتی تھی، ان کی دی گئی فہرست حسب ذیل ہے[2]۔

	نام	از	تا
۱۔	جرہم بن جہلا	از ۴۷۴ ق م	تا ۴۴۴ ق م
۲۔	ابوبلیل بن جرہم	از ۴۴۴ ق م	تا ۱۴۴ ق م
۳۔	جرہم بن ابوبلیل	از ۱۴۴ ق م	تا ۱۶اعیسوی سن
۴۔	عبدالمنان بن جرہم	از ۱۶اعیسوی	تا ۴۲ء
۵۔	بقیلہ بن عبدالمنان	از ۴۶ء	تا ۷۶ء
۶۔	عبدالمسیح بن بقیلہ	؟	(اس کا اصل نام عمرو تھا)
۷۔	مواحدہ اکبر (MOHADA) بن عبدالمسیح	از ۱۰۶ء	تا ۱۳۶ء
۸۔	عمرو بن معاذ	از ۱۳۶ء	تا ۱۷۰ء
۹۔	حارث بن مواحدہ		
۱۰۔	عمرو بن حارث	از ۱۷۰ء	تا ۲۰۶ء
۱۱۔	بشر بن حارث		
۱۲۔	معدالاصغر بن عمرو بن معد		

۲۰۷ء میں جرہم کو نکال کر خزاعہ نے مکہ پر قبضہ کرلیا۔ خزاعہ کا سردار عمرو بن لحی تھا۔ یہی وہ شخص ہے جس نے مکہ میں بت پرستی کو رواج دیا[3]۔ خزاعہ کا آخری حکمران حلیل تھا۔ قصی بن کلاب نے اسی سے حکومت حاصل کی[4]۔

قصی کے پیش رو حکمرانوں کی حیثیت اور ان کی حکمرانی کی نوعیت بادشاہانہ اور مطلق العنان ہرگز نہیں تھی جیسا کہ جیرالڈ کا خیال ہے۔ حکمران اپنے قبیلے کا سردار اعلیٰ ہوتا تاہم اس کے اختیار وسیع ہوتے ٹیکس وصول کرنے اور زائرین کی خدمت گزاری اس کا فرض منصبی تھا۔ سرداری کا عہدہ وراثۃً منتقل ہوتا تھا تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منصب سرداری "شہنشاہیت" کا روپ اختیار کرتا جارہا ہے۔ مگر ہم ان قبائلی سرداروں کو "حکمران"

۱؎ RULLERS OF MECCA: GEVALDE GAURY صفحہ ۲۸

۲؎ "مکہ کے حکمران" صفحہ ۳۳

۳؎ صحیح بخاری

۴؎ سیرت ابن ہشام جلد ۱

نہیں قرار دے سکتے اور نہ ہی ان کے اختیارات حتمی اور فیصلہ کن حیثیت رکھتے تھے۔ باوجودیکہ حلیل نے اپنے داماد قصی کو تولیت کعبہ کے فرائض اور محاصل کی ادائیگی کے اختیارات لکھ دیئے تھے مگر قصی کو سیادت حاصل کرنے کے لیے (حلیل کے بعد) خون ریز لڑائیاں لڑنا پڑیں۔ کیونکہ دیگر سرداران بنی خزاعہ نے حلیل کی تحریر کو قانونی سیاسی دستاویز کے طور پر فیصلہ کن تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ قصی نے اپنی دولت اور قوت کے بل بوتے پر مکہ پر قبضہ کیا تھا مگر اس نے بھی مطلق العنان حکمران بننے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس اشراف کے تعاون سے مکہ کا نظم و نسق چلانے کا بندوبست کیا۔ قصی کی حیثیت مرکزی تھی اور اس کا مقام و مرتبہ انتہائی اہم تھا۔ تاہم اسے مکہ کا فرمانروا نہیں کہا جا سکتا۔ مکہ یک حکمرانی کے تصور سے ابھی تک ناآشنا تھا بلکہ بعثت نبویؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پہلے چند ایک طالع آزماؤں نے یک حکمرانی کا منصب حاصل کرنے کی جب کوشش کی تو اہل مکہ نے ان کی کوششیں ناکام بنا دیں۔ کیونکہ مکہ کا مزاج اور ماحول اسے ابھی قبول کرنے کو تیار ہی نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عثمان بن الحویرث مکہ میں زبردست مقبولیت رکھنے کے باوجود جب (رومی حکمرانوں کے بالواسطہ تعاون سے) مکہ میں "حکمرانی" کا ارادہ ظاہر کرتا ہے تو اس کو بے پناہ مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے حتیٰ کہ اس کا اپنا خاندان اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے[1]۔ رومیوں سے نفرت کا جذبہ بھی کارفرما تھا مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی تھی کہ مکہ ابھی کسی بادشاہ ... کے تسلط کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہ تھا۔ چھٹی صدی عیسوی میں جب صورتِ حالات یہ تھی تو قبل مسیح میں "مکہ کے حکمرانوں" کی فہرست تیار کرنا بڑی زیادتی ہے۔

قصی بن کلاب بن مرہ کی ماں فاطمہ بنت سہل کا پہلا نکاح کلاب سے ہوا اور قصی اور زہرہ دو لڑکے پیدا ہوئے۔ بعدازاں دوسرا نکاح ربیعہ بن حرام سے ہوا۔ ربیعہ شام کا باشندہ تھا جو عرب میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد اپنے وطن شام واپس چلا گیا۔ اور بیوی اور قصی اور زہرہ کو بھی اپنے ہمراہ لے گیا۔ قصی کو بڑے ہو کر جب اپنے حسب و نسب کا علم ہوا تو مکہ واپس آیا اور تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ خوب دولت کمائی اور شہرت حاصل کی مکہ کے سردار حلیل بن حبشیہ کی لڑکی حبی سے نکاح کیا۔ حلیل کے مرنے کے بعد کلید کعبہ اور سیادت مکہ پر قصی نے قبضہ جما لیا[2]۔ روایات متضاد اور مبہم ہیں۔ تاہم خلاصہ یہ ہے کہ حلیل اہل عرب سے محصول لیتا تھا قصی نے خرید کر لیا[3]۔ آیا حلیل نے اقتصادی طور پر دیوالیہ ہونے پر[4] تحصیل محاصل کا پروانہ لکھ دیا تھا یا دھوکہ[5] سے یہ پروانہ حاصل کیا گیا تھا؟ آیا حلیل کو فروختگی کا اختیار حاصل تھا یا نہیں اور قانونی طور پر شراء و بیع کے اس معاہدہ کی کیا حیثیت تھی اور یہ کہ حلیل نے اتنے سستے داموں (شراب کے مٹکے کے عوض[6]) محاصل کیوں فروخت کیے۔ یہ سارے سوالات تشنہ جواب ہیں اور تاریخی واقعات ان پر کوئی روشنی نہیں ڈالتے۔ یہ بات بھی واضح نہیں ہے کہ آیا یہ سودا قصی کو فرزندی میں قبول کرنے کے بعد حلیل نے کیا یا پہلے؟ یوں معلوم ہوتا ہے کہ قصی نے ایک کامیاب تاجر کے طور پر دولت اور شہرت کی حاصل حلیل جو عیاش طبع انسان تھا، قصی کا مقروض ہو گیا تو قصی نے اسے مجبور کیا کہ محصول چنگی وصول کرنے کا اختیار اسے لکھ دیا جائے۔ بعدازاں اس کی لڑکی سے نکاح کیا قصی کی طاقت اور عصبیت بڑھ گئی۔ حلیل جب مرا تو خانہ کعبہ کی تولیت قصی کو لکھ کر دے گیا۔ ممکن ہے کہ حلیل کو محصول چنگی لینے کا اختیار اپنے قبیلے والوں نے سپرد کیا ہو اور دوسرے سرداروں کے سپرد اور فرائض ہوں۔ مکہ میں اس وقت وفاقی یا مشترک حکومت تھی، قبائل بنی خزاعہ، بنی بکر اور بنی صوفہ مل کر کاروبار چلاتے تھے۔ ممکن ہے کچھ اور قبائل بھی نظم و نسق چلانے میں شریک ہوں۔ ہر ایک کے سپرد علیحدہ علیحدہ فرائض تھے۔ مثلاً بنی صوفہ کے بارے میں واضح طور پر اطلاع ہم تک پہنچی ہے کہ وہ مناسک حج ادا کرنے کے ذمہ دار تھے[7] عین ممکن ہے کہ

---

[1] محمد حمید اللہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی۔

[2] ابن ہشام، جلد ۱ ص ۱۲۲

[3] طبقات ابن سعد

[4] حسنین ہیکل

[5] تاریخ طبری

[6] حسنین ہیکل

[7] ابن ہشام جلد ۱ ص ۲-۱۲۱

تحصیل جنگی کا اختیار قبیلہ بنی خزاعہ کے سپرد رہو۔ اور اس طرح حلیل نے جب محاصل وصول کرنے کا اختیار منتقل کیا تو کسی نے اس کی قانونی حیثیت کو چیلنج نہ کیا ہو؟ تاہم یہ امر واقعہ ہے کہ حلیل کے مرنے کے بعد مکہ کی سیادت کے لیے زبردست کش مکش کا آغاز ہوگیا۔ قصی نے منتشر قریشی قبائل کو اپنی قیادت میں جمع کیا، بنی قضاعہ سے بھی مدد مانگی اور شام میں اپنے ماں جائے بھائیوں ازرخ وغیرہ سے بھی امداد طلب کی۔ کئی معرکے ہوئے ہوئے قصی کو السطح میں فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی۔ خزاعہ اور ان کے حلیف بنی بکر شکست کھا گئے [ص۱]۔ شکست خوردہ گروہ میں قبیلہ بنی صوفہ بھی شامل تھا جس کے سپرد مناسک حج کی ذمہ داری تھی۔ قصی نے مکہ اور تولیت کعبہ پر قبضہ کر لیا۔ تاہم یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قصی نے فیصلہ کن فتح حاصل کر کے دشمن قبائل کی قوت کو نیست و نابود کر دیا تھا کیونکہ اس کشمکش کا اختتام صلح نامہ پر ہوا جس کی رو سے خزاعہ و بکر کو مکہ چھوڑنا پڑا۔ دیگر شرائط صلح کے بارے میں اگرچہ روایات کا اختلاف و تضاد پایا جاتا ہے۔ تاہم یہ شرائط بھی قصی کے حق میں تھیں کم از کم اس زمانے کے اصول کے مطابق ان شرائط میں بھی قصی کی جیت جھلکتی تھی [ص۲]۔ ابن سعد کے مطابق خزاعہ و بکر کے مقتولین کا خون بہا نہ دلایا گیا جبکہ قریش کے مقتولین کا خون بہا دلایا گیا اور چونکہ جنگ میں قصی کو بالادستی حاصل ہوئی تھی، اس لیے مکہ پر اس کا قبضہ تسلیم کر لیا گیا۔ یہ صلح یعمر بن عوف نے کرائی۔ اس کا نام شداخ پڑ گیا [ص۳]۔ کیونکہ اس نے اپنی فہم اور تدبر سے برسرِ جنگ فریقین کے سلسلہ قتال کو توڑا (شداخ) تھا۔ اس واقعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابھی جنگ و جدال کا خطرہ ٹلا نہیں تھا۔ اور یعمر نے جب اس سلسلہ جنگ کو ختم کروا دیا تو اس کا نام شداخ مشہور ہو گیا۔ دوسرے بکری نے نواح کعبہ میں قصی کے آبسنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان سکنتم حول البیت
ھابتکم الناس ولم نستحل نتالکم والھجت علیکم [ص۱] معلوم ہوتا ہے کہ السطح کے معرکہ کے بعد بھی خطرۂ جنگ باقی تھا اور مکہ پر زبردستی قبضہ کر لینے کے باوجود احتمال تھا کہ شکست خوردہ قبائل کہیں مکہ پر دوبارہ حملہ نہ کر دیں اور یہی سبب ہے کہ قصی نے جنگ کو دشمن کی فیصلہ کن شکست تک طول دینے کی بجائے دشمن کی طاقت کم زور کرنے اور مکہ پر زبردستی قبضہ جمانے کے بعد معاہدہ امن کے ذریعے مخالفین کو بیش بہا رقم بعنوان خون بہا ادا کرنے پر فوری رضامندی ظاہر کر کے حاکمیت مکہ اور تولیت کعبہ پر اپنے قبضہ کو قانونی حیثیت دینے کو ترجیح دی۔

قصی نے مکہ پر قبضہ ۴۲۵ء میں کیا۔ کعبہ کو از سر نو تعمیر کرایا اور پرانے شہر مکہ میں اپنے خاندان کے افراد کو بسانے کی بجائے خانہ خدا کے گرد چار طرف انھیں آباد کر کے نئے شہر کی بنیاد رکھی [ص۲]۔ اپنا مکان بھی وہیں تعمیر کیا۔ یہی مکان بعد میں دارالندوہ کے نام سے مشہور ٹھہرا۔ یہ دراصل دارالامارت تھا۔ اور یہی مقام اور حیثیت اس مکان کو قصی کے زمانہ میں بھی حاصل ہو گئی تھی مکہ میں داخل ہونے والوں سے عشر وصول کیا [ص۴]۔ حاجیوں کی دیکھ بھال اور بہتری کے لیے انتظامات کیے۔ شہری ریاست مکہ کی داغ بیل رکھی اور نظم و نسق چلانے کے لیے عسکری، عدالتی مذہبی حصوں میں منقسم چودہ محکمہ جات بنائے اور قریش کے ۱۰ خاندانوں میں ان عہدوں کو بانٹ دیا۔

ا۔ عسکری				
i۔ نام عہدہ:	عقاب	قبہ	اعنہ	سفارت
ii۔ نوعیت:	(علم)	(فوجی کیمپ)	(سپہ سالاری)	(مراسلت)
iii۔ کس خاندان کے سپرد ہوا:	بنی امیہ	بنی مخزوم	بنی مخزوم	بنی عدی

ب۔ عدالتی		
i۔ نام عہدہ:	حکومت	اشناق
ii۔ نوعیت:	(مقدمات کی سماعت اور فیصلہ)	(جرمانہ یا خون بہا تاوان کی نگرانی)
iii۔ کس خاندان کے سپرد ہوا۔	بنی سہم	بنی تیم

ص۱ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۲۲۔
ص۲ طبقات ابن سعد جلد ۱۔ نیز ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۲۲
ص۳ ابن ہشام ص ۱۲۲

ص۱ مکہ کے حکمران ص ۳۸ ص۲ بکری: الدرۃ المکللۃ ص۷۸
ص۳ ابن ہشام جلد ۱ ص ۱۲۳
ص۴ طبقات ابن سعد۔

ج۔ مذہبی i۔ نام عہدہ: سقایہ احوال المجرہ رفادہ
ii۔ نوعیت : پانی پلانا۔ اوقاف چڑھاوے خورد ونوش
iii کس خاندان کے سپرد ہوا: بنی ہاشم بنی سہم بنی ہاشم

لاوارث کا مال قصی کو مل جاتا[1]۔ عام طور پر کتب تاریخ میں یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ حکومت کا انتظام چلانے کے لیے عہدوں کا قیام اور دیگر انتظامات قصی کے اپنے ذہن رسا کی پیداوار ہیں قصی کی بے پایاں عسکری اور انتظامی صلاحیتوں سے انکار ممکن نہیں مگر محولہ بالا بیان کی صداقت کو تسلیم کرنے سے پہلے مختلف پہلوؤں پر غور کرنا ضروری ہے۔ قصی شام سے حجاز آیا۔ اس کے خاندان کے لوگ ابھی تک بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور صحراؤں اور پہاڑوں پر منتشر تھے۔ جبکہ شام کا ملک تہذیبی طور پر بہت ترقی یافتہ تھا۔ مزید برآں قصی نے فتح مکہ کے لیے شام سے عسکری امداد بھی حاصل کی تھی۔ قصی کی تعلیم اور تربیت شام کے متمدن ملک میں ہوئی تھی۔ لہٰذا بدوی قریشی قبائل کو تمدن کا درس قصی نے دیا اور یہ رائے بہت حد تک درست معلوم ہوتی ہے کہ مکہ کے نئے تمدنی دور کا جب آغاز ہوا تو اس پر شام کے تمدن کی چھاپ گہری تھی[2]۔ ظاہر ہے کہ شہری ریاست کے انتظام و انصرام کے لیے بہت سی چیزیں شامی طرزِ حکومت سے اخذ کی گئی ہوں قصی کے عہد میں شام اور حجاز کے تعلقات سمجھنے کے لیے حدود ملک شام میں ملنے والے اس کتبہ کا ذکر یہاں بے جا نہ ہوگا۔ اس کتبہ پر قصی مالک کا نام درج ہے۔ یہ نام عدنانی الاصل ہے۔ شام میں یہ نام مروج نہیں رہا مورخین اور ماہرین اثریات نے امکان ظاہر کیا ہے کہ یہ قصی رئیس قریش کے نام کا کتبہ ہے[3]۔ شام سے اکتساب کرنے کے علاوہ مکہ کی روایات

خبر گیری عمارہ سدانہ الساد ندوہ
(الگ الگ شعبوں کے) (کلید کعبہ
نظام کا چارج)
بنی نوفل بنی ہاشم بنی غدار بنی جمع بنی اسد

سے بھی قصی نے بہت سی چیزیں مستعار لیں۔ مثلاً جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے قصی سے قبل مشترکہ قسم کی حکومت مکہ میں قایم تھی اور مختلف خاندانوں کو مختلف کام سپرد کئے ہوئے تھے۔ بنی سوفہ کے ذمہ خانہ کعبہ کی نگرانی اور فرائض حج کی دیکھ بھال تھی۔ بنی خزاعہ محاصل وصول کرتے تھے۔ شاید بنی بکر عسکری خدمت انجام دینے پر مامور ہوں۔ حجاز اور شام کے امتزاج سے قصی نے ایسا نظم ونسق قایم کیا کہ بہت جلد اس کے خاندان قریش کو پورے عرب میں اہمیت حاصل ہوگئی اور مکہ کے شہر کو شرق اوسط میں مرکزیت نصیب ہوئی۔

قصی کا انتقال ۴۸۰ء میں ہوا[4]۔

قصی کے انتقال سے بعثتِ نبوی تک کے واقعات چونکہ مشہور و معروف ہیں اس لیے یہاں ان کا اعادہ کرنا ہم ضروری نہیں سمجھتے۔ گو اس دور کے واقعات کی تحقیق اور جانچ پڑتال کرنے کی ضرورت ہے مگر خوف طوالت سے ہم انھیں نظر انداز کرتے ہیں۔

اب شہر مکہ کے بارے میں بیان کیا جائے گا کہ یہ شہر کب آباد ہوا اس کا تعمیری منصوبہ کیا تھا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ہے کہ مکہ دنیا کا قدیم ترین شہر ہے جو آج تک آباد چلا آرہا ہے۔ اس کی قدامت کا بڑا ثبوت اس کے نام کی قدامت ہے۔ ہزاروں برس گزرنے کے باوجود اس کا نام وہی چلا آتا ہے جو اس کے بانی اور معمار اوّل حضرت ابراہیم نے تجویز کیا تھا۔ قرآنی شہادت کے مطابق یہ نام بکہ تھا[5]۔ جو بعد ازاں مکہ کے نام سے مشہور ہوا۔ تاہم بکہ کا نام بھی عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور نزول وحی تک مقامی طور پر مستعمل ہوگا۔ ورنہ قرآن کو متروک لفظ استعمال کرکے مطالب قرآنی کو چیستان بنانے کی ضرورت نہیں تھی۔

ص۱ محمد حمید اللہ: سیاسی زندگی ص۳۹
ص۲ ارض القرآن جلد ۲ ص۱۰۲
ص۳ ارض القرآن جلد ۲ ص۱۰۴
ص۴ مکہ کے حکمران: ص۳۱ میں سن ۴۹۰ء دیا ہے مگر جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے یہ بات قابل قبول نہیں ہے
ص۵ القرآن۔

توریت میں مکہ کو "مشا" کہا گیا ہے جو نوریت ہی کی دی گئی اطلاع کے بموجب بنی قحطان کی آخری آبادی تھی[1]۔ البتہ یہ بات واضح نہیں کہ آیا "مشا" مکہ یا بکہ کی تحریف شدہ صورت ہے یا اس کا تعلق (توریت ہی کے بیان کے مطابق) حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے "مسا" سے ہے[2]۔ مشہور رومی مورخ بٹالمی دوسری صدی عیسوی میں اس شہر کو مکاربا (MACARBA) کہتا ہے[3]۔ یہ امر تشریح طلب ہے کہ بٹالمی نے "مکاربا" کا نام کیوں استعمال کیا۔ ایک رائے یہ ہے کہ مکاربا کے معنی عبادت خانہ (SANCTUARY) کے ہوتے ہیں۔ اور چونکہ مکہ میں خانہ خدا موجود تھا اس مناسبت سے بٹالمی نے اسے مکاربا کہا[4]۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ لفظ مکاربا دراصل مکہ اور ربہ سے مل کر بنا ہے۔ ربہ کے معنیٰ اعظم کے ہوتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ بٹالمی نے مکہ کی بین الاقوامی شہرت، جغرافیائی اہمیت اور تجارتی مرکزیت کی وجہ سے اسے "مکہ کا عظیم شہر کہا ہو۔ ہمارے خیال میں یہ دوسری رائے صحیح اور قرین قیاس ہے۔

یہاں یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ شہر کا نام بکہ کیوں پڑا۔ اور یہ کہ آیا یہ نام خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنا تجویز کردہ تھا یا بعد میں شہر اس نام سے منسوب و معروف ہوا۔ ابن ہشام نے اس ضمن میں مختلف روایات بیان کی ہیں ان کا خلاصہ یہاں دیا جاتا ہے۔

۱۔ کوئی بادشاہ مکہ کی بے حرمتی کا ارادہ کرتا تو فوراً برباد ہو جاتا اور یہ نام اس لیے مشہور ہوا کہ وہ ان سرکشوں کی گردنیں توڑ دیتا تھا جو اس میں کسی برائی کی داغ بیل ڈالتے۔ بک کے معنی گردن توڑ دینا کے ہیں اور دوسرے معنی ہجوم کے بھی ہوتے ہیں۔

۲۔ بحوالہ ابو عبید) مکہ کے اندر بکہ نام کی وادی ہے اور چونکہ وہاں لوگوں کا بہت زیادہ ہجوم ہوتا تھا اس لیے اسے بکہ کہنے لگے

۳۔ (بحوالہ ابو عبید) بکہ بالخصوص کعبۃ اللہ کی جگہ اور مسجد ہی کو کہا جاتا ہے[5]۔

پہلی روایت کے بموجب بکہ صفاتی نام تھا اور اگر اس روایت کو درست مان لیا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ بکہ کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تجویز نہیں کیا تھا بلکہ بعد ازاں شہر کی خاص صفت کی وجہ سے مشہور ہو گیا۔ مگر اس رائے کے قبول کرنے سے پہلے درج ذیل امور پر غور کرنا ضروری ہے۔

اولاً۔ ابن ہشام نے صفحہ مذکور پر ہی لکھا ہے کہ "زمانہ جاہلیت میں مکہ میں جو شخص سرکشی کرتا مکہ اسے اپنے اندر سے نکال دیتا اور جو ظلم و زیادتی کرتا وہ وہاں رہ نہیں سکتا تھا اس لیے اس کا نام ناسّہ مشہور ہوا"۔ نس کے معنی ہانکنا اور ڈانٹنا ہیں"۔ اس طرح یہ روایت اور روایت ع۱ متضاد اور متناقض ہیں

ثانیاً۔ بکہ اور اس کے معنی کے متعلق ابن ہشام نے جو روایت (محولہ بالا ع۱) درج کی ہے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ صرف سنی سنائی بات بیان کردی ہے۔ اس لیے اس روایت کی اہمیت کم ہے۔ اب ایک صفت کی وجہ سے دو مختلف نام مشہور ہوئے تو اس روایت کو قبول کرنے میں ہمیں تامل ہے جو سند کے اعتبار سے کم تر درجے کی ہے۔

آگے چل کر ابن ہشام نے سند میں جو اشعار پیش کئے ہیں اس میں بکہ کے معنی "ہجوم" کے ہوتے ہیں اور ہمارے خیال میں "سرکشی" کی بجائے بکہ کے یہی معنی زیادہ قرین قیاس اور صحیح ترین مکہ کی دفاعی پوزیشن اور مکہ کے سرکش اور جابر حکمرانوں کے پے در پے اخراج کی وجہ سے ناسّہ کا صفاتی نام بعد میں مشہور ہو گیا اور خود ابن ہشام کی اپنی تحقیق بھی یہی ہے اس لیے انھوں نے اپنی رائے پہلے پیش کردی اور بعد میں غیر تصدیق شدہ بات کو بھی جو بازاری گپ شپ کے بطور مشہور تھی لکھ دیا۔

ثالثاً۔ قرآن میں "ببکۃ مبارکۃ" کے الفاظ سے اس قیاس کو تقویت ملتی ہے کہ بکہ کا نام شہر کے موسس اول نے

---

[1] ارض القرآن جلد ۲ صـ ۹۷

[2] ایضاً ص ۹۷ نیز دیکھئے ابن ہشام جلد ا صـ۲، ابن اسحاق کے حوالے سے ابن ہشام نے ایک بیٹے کا نام "مشا" لکھا ہے تاہم مسا اور مشا میں کوئی معنوی یا صوتی فرق نہیں۔

[3] ارض القرآن جلد ا صـ۱۱۳

[4] مکہ کے حکمران صـ ۲۴۔

[5] سیرت ابن ہشام جلد ا ص ۱۱۲

تجویز کیا تھا یا کم از کم ابتداً یہی نام مشہور رہا۔ ابن ہشام کی (محولہ بالا) تیسری روایت بھی اس کی تصدیق کرتی ہے۔ یعنی وہ خاص جگہ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عبادت خانہ تعمیر کیا اسی جگہ کے لیے "بکہ" کا لفظ مخصوص تھا۔

دراصل بکہ جمع ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں[۱]۔ ابتدا میں یہ نام صرف خانہ خدا کے لیے مختص تھا۔ شاید اس وجہ سے کہ ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار اور مقلدین حج اور قربانی کی رسومات ادا کرنے کے لیے وہاں جمع ہوتے تھے۔ اس میدان میں جو بیت اللہ کے سامنے واقع ہے۔ یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ میدان عرفات میں حجاج کا اجتماع بہت بعد کی اختراع ہے[۲]۔ ورنہ قصی کے زمانہ تک یہ اجتماع عین مسجد اور حرم مقدس کے سامنے ہوتا تھا۔ ابن ہشام کی (محولہ بالا) دوسری روایت کہ وہاں زائرین کا اتنا بڑا ہجوم ہوتا تھا کہ وادی کا نام بکہ پڑ گیا ہمارے خیال کو مزید تقویت پہنچاتی ہے۔ سالانہ حج کے اجتماع کے علاوہ سیاسی اور مذہبی لحاظ سے عربوں کو جو وحدت اور مرکزیت خانہ خدا کی تعمیر سے حاصل ہوئی اس کے لیے بکہ سے بہتر کوئی اور نام نہیں دیا جا سکتا تھا۔ آہستہ آہستہ یہ نام پوری وادی کے لیے بلکہ اس شہری آبادی کے لیے بھی استعمال ہونے لگا جو مسجد سے الگ کچھ فاصلے پر قایم ہوگئی تھی۔

گمان غالب ہے کہ اس شہری نوآبادی میں ہی حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا سکونتی مکان واقع ہوگا۔ کیونکہ خانہ خدا کے متصل یا نزدیک رہائش رکھنے کی اجازت اپنے خاندان کے لوگوں کو عطا کی اس بنا پر کہ وہ مقدس خاندان کے لوگ ہیں اور انھیں کعبۃ اللہ کے نزدیک رہنے کا حق پہنچتا ہے[۳]۔ حالاں کہ قبل ازیں حدود حرم کے اندر رہائش رکھنا اور مکان بنا کر رہنا تقدس اور احترام کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ عجب نہیں کہ اس خرابے میں اللہ کے گھر کے بعد تعمیر ہونے والا پہلا سکونتی مکان خدا پرست اور خدا شناس اسماعیل علیہ السلام کا ہو۔ بعد میں اردگرد کی وادیوں میں اور پہاڑیوں پر پھیلے ہوئے قبیلہ بنی جرہم کے بدو اس جگہ مستقل طور پر رہائش پذیر ہو گئے۔ پانی کی بہم رسانی زائرین کے قافلوں اور تجارتی کارواں کی آمد و رفت کی بدولت حضری زندگی کے کم و بیش تمام اسباب فراہم ہو گئے۔ قرآن کی درج ذیل آیات پر اگر گہری نظر سے غور کریں تو واضح ہوتا ہے کہ نو تعمیر شہر میں نہ صرف دور و نزدیک سے آنے والے قافلہ حجاج کا تانتا بندھ گیا بلکہ تجارتی سرگرمیوں کو بھی بہت فروغ ملا۔ واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق لیشھدوا منافع لھم[۴]۔ (اور لوگوں کو حج کے لیے اذن عام دے دو تاکہ وہ تمہارے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں ان کے لیے رکھے گئے ہیں) معلوم ہوتا ہے کہ شہر کی رونق اور اسی مناسبت سے اس کی آبادی بڑی سرعت کے ساتھ بڑھنے لگی اور جلد ہی یہ شہر ایک بین الملی حیثیت اختیار کر گیا جہاں بنی جرہم کے علاوہ بھی افراد اور قبائل آکر رہنے بسنے لگے۔

سورۃ الحج کی ان آیات سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ نو تعمیر شہر مکہ میں نو وارد لوگوں کی آمد سے جو مسائل پیدا ہو رہے تھے، انھیں نمٹانے کے لیے ایک اصول طے کر دیا گیا کہ مقامی اور باہر سے آنے والے لوگوں کے حقوق وہاں برابر ہیں۔ زیارت بیت اللہ کے علاوہ سکونت کے لیے ایک اصول طے کر دیا گیا کہ مقامی اور باہر سے آنے والے لوگوں کے حقوق وہاں برابر ہیں۔ زیارت بیت اللہ کے علاوہ سکونت کے لیے بھی یہی اصول کار فرما تھا۔ ان الذین کفروا ویصدون عن سبیل اللہ والمسجد الحرام الذی جعلنہ للناس سواء ن العاکف فیہ والباد ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم[۵]۔ (جن لوگوں نے کفر کیا اور جو (آج) اللہ کے راستہ سے روک رہے ہیں اور اس مسجد حرام کی زیارت میں مانع ہیں جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے بنایا

۱۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد ۳ تحت لفظ مسجد
۲۔ شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ ج ۲۔ ص ۳۱-۳۳۰)
۳۔ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۱۳
۴، ۵۔ القرآن الحج آیت ۲۸-۲۷

ہے جس میں مقامی باشندوں اور باہر سے آنے والوں کے حقوق برابر ہیں (اور ان کی روش یقیناً سزا کی مستحق ہے) اس (مسجد حرام) میں جو بھی راستی سے ہٹ کر ظلم کا طریقہ اختیار کرے گا ہم اسے دردناک عذاب کا مزا چکھائیں گے)

ہمارے خیال کی تائید رسول اللہ کے ان الفاظ سے بھی ہو سکتی ہے"...... حرمها الله لا يحل بيع رباعها ولا اجارة بيوتها۔

مکہ کو اللہ نے حرم قرار دیا ہے۔ اس کی زمینوں کا بیچنا اور اس کے مکانوں کا کرایہ وصول کرنا حلال نہیں ہے اور ایک دوسری روایت کہ عہد عثمان تک مکہ کی زمینیں سوائب (افتادہ یا شاملات) جس کو ضرورت ہوتی وہاں رہتا تھا اور جب ضرورت نہ رہتی دوسرے کو ٹھہرا دیتا۔

اسی اصول کے مطابق حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے صحیح بخاری کی روایت کے مطابق بنی جرہم کو مکہ میں رہائش رکھنے کی عام اجازت عطا کردی۔ ان دلائل اور تشریحات سے واضح ہوتا ہے کہ شہری منصوبہ بندی (TOWN PLANNING) کے متعلق بیان کردہ متذکرہ صدر اصول حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زندگی ہی میں طے پاچکے تھے۔ لہٰذا عارضی یا مستقل سکونت رکھنے والوں کے لیے وافر شاملات کی بآسانی دستیابی، عاکف وباد کے لیے مساوی حقوق شہریت (CIVIL RIGHT AND LIBERTIES) اور بلد امن کا روح افزا ماحول، ظاہر ہے آبادکاروں کے لیے بے پناہ کشش رکھتا تھا۔ لہٰذا شہر نہ صرف مذہبی اعتبار ہی سے نہیں بلکہ آبادکاری کے لحاظ سے بھی "جمع ہونے کی جگہ" (بکہ) بن گیا۔ ہمارے خیال میں بکہ کے اصطلاحی معنی "آبادی" کے ہیں اور ممکن ہے یہ لفظ سابقہ یا لاحقہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے جس طرح بکہ اسماعیل علیہ السلام (یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بسایا ہوا شہر، اسماعیل کا گاؤں اور آبادی)۔ تاہم اس ضمن میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا البتہ یہ بات کم وبیش ثابت شدہ ہے کہ موجودہ نام حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا اپنا تجویز کردہ ہے یا اسی زمانے میں یہ نام معروف ومشہور ہو چکا تھا۔

یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دنیا کے سب سے بڑے آبادکار تھے۔ ہزاروں میل کی مسافت طے کرکے انھوں نے کئی اقوام وملل تک پیغام خداوندی پہنچایا اور اسی وجہ سے ان کا نام ابراہیم قوموں کا باپ پڑ گیا۔ وہ کئی نوآبادیوں کی نیو پہلے بھی ڈال چکے تھے۔ مکہ کی طرح ان کی بسائی ہوئی رملہ اور ایلیا کی بستیاں بھی آج تک موجود ہیں۔ اشاعت پیغام خداوندی کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اب کی مرتبہ جس جگہ کا انتخاب کیا وہ اپنے محل وقوع سیاسی اہمیت اور دفاعی نقطۂ نظر سے پہلے انتخابوں کے مقابلے میں بہت بہتر ثابت ہوئی۔ یہ کہنا کہ چونکہ اتفاقاً وادی مکہ میں چشمہ آب ابل پڑا اس لئے وہاں شہر بسایا گیا کچھ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ ہمارے خیال میں جگہ کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا اور شہر کی تعمیر کے وقت باقاعدہ نقشہ ذہن میں رکھا گیا تھا۔ اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں کیونکہ حضرت ابراہیم کا تعلق اپنے عہد کی سب سے زیادہ متمدن قوم سے تھا وہ جس شہر میں پیدا ہوئے وہ تعمیر اور منصوبہ بندی کے لحاظ سے بہت منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ وہ نو آبادیاں قائم کرنے کا وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ مکہ کے صفاتی نام کئی ہیں۔ بلد امین۔ باسہ، ام رحم، الحاطمہ، معطشہ، عرش صلاح، بطحاء، ام القریٰ، مقدسہ، قادسیہ، قریۃ النمل، معاد، ملیبہ۔ عروض وغیرہ۔ یہ نام بعد میں کسی خاص صفت کی وجہ سے مشہور ہوئے۔

وادی مکہ شمالاً جنوباً دو میل لمبی ہے اور اس کا عرض کوہ جیاد سے کوہ قعیقعان تک ایک میل ہے۔ آج کل شہر کا ممتاز حصہ وہاں آباد ہے جہاں وادی کی چوڑائی زیادہ ہے۔ باقی تنگ حصہ وادی میں ایک دیہی کے طور پر سلسلہ آبادی بخط مستقیم چلا گیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے میں شہری آبادی شمال مشرق کی سمت کوہ قعیقعان کے نزدیک واقع تھی کیونکہ خانہ خدا اور اس کے اطراف میں رہائش رکھنا معیوب سمجھا جاتا تھا اور جس جگہ اب آبادی ہے اس کا بیشتر حصہ "حرم" سمجھا جاتا تھا خصوصاً بیت اللہ شریف کے نواح میں۔ اور یہ صرف قربانی حج، طواف اور صلوات کی رسوم وفرائض کی ادائیگی

انڈونیشیا کی ایک خوبصورت مسجد
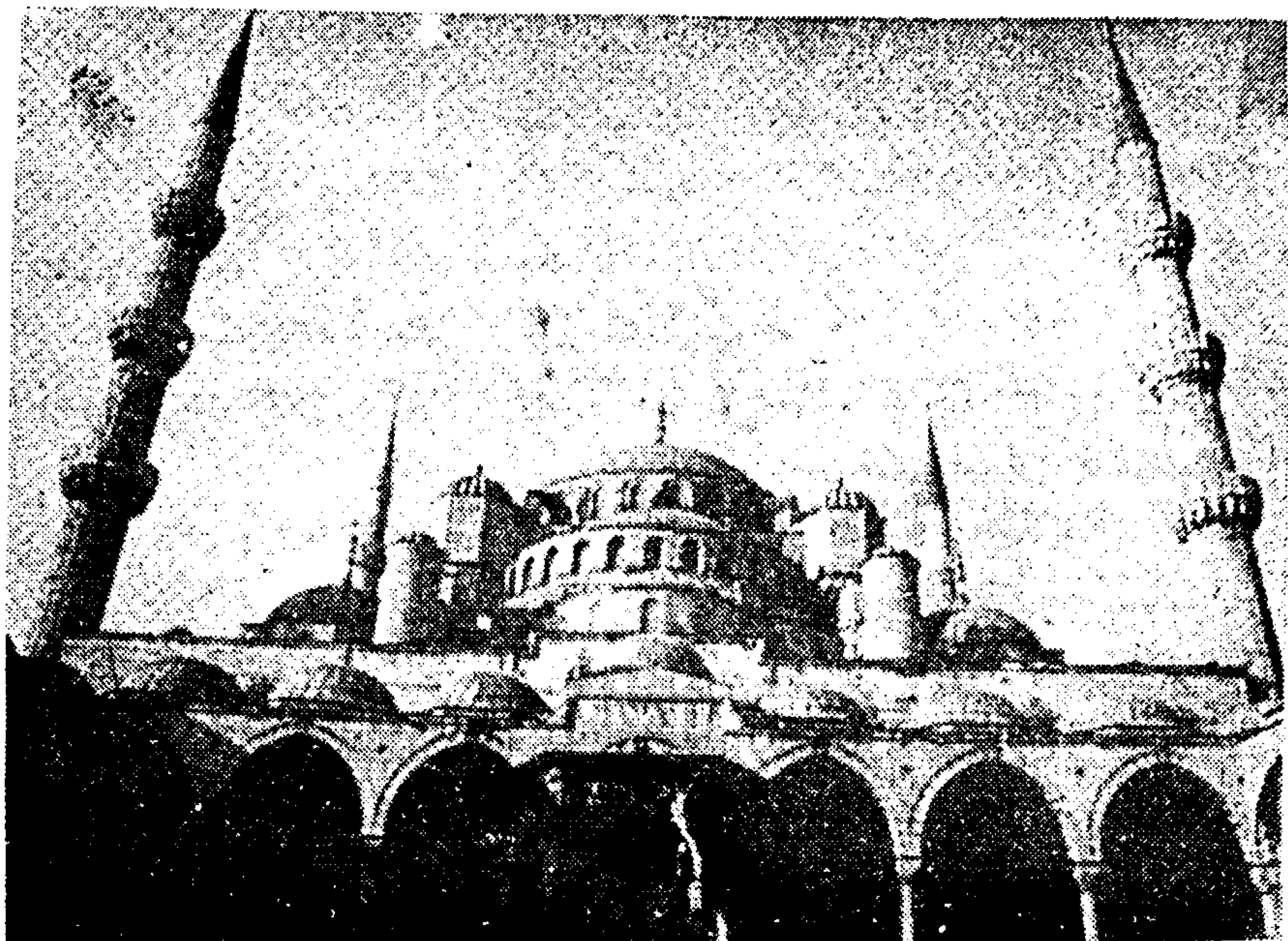
کے لیے مختص تھا۔ شہری آبادی حدودِ حرم کے اندر شامل نہ تھی اور عہدِ اسلام سے قبل حرم کی حدود صرف خانہ کعبہ کے اندر تک محیط تھیں حتیٰ کہ اردگرد کے ملحق مکانات بھی حدودِ حرم میں داخل نہ تھے۔ اس طرح گویا بکہ کا قدیم شہر دو حصوں میں منقسم تھا۔ مذہبی علاقہ اور شہری آبادی۔ یہ تقسیم قصی کے زمانے تک قایم رہا مگر قصی نے شہر مکہ فتح کرنے کے بعد شہری تقسیم کی خیالی حد بندی ختم کر کے "مذہبی علاقہ" کے اندرون سکونتی مکانات تعمیر کرنے کی اجازت دے دی اور اس طرح موجودہ شہر مکہ کی بنیاد پڑی۔ قریش کے منتشر قبائل کو پرانی آبادی میں بسانے کی بجائے، قصی نے ان کے لیے نئی بستی بسانا زیادہ بہتر خیال کیا اور خانہ خدا کے چار طرف اس نے اپنی قوم کو قبیلہ وار آباد کر دیا۔ نئی بستی بسانے میں دفاعی اور سیاسی مصلحتیں بھی بلاشبہ کارفرما تھیں، تاہم قدیم پانی کے چشموں کا بے کار ہو جانا بھی ایک وجہ تھی اور ممکن ہے زم زم کی بندش کے بعد آب رسانی کا جو مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ قصی نے پانی کی فراہمی کا کوئی متبادل انتظام کر لیا ہو۔ پہاڑی علاقوں میں عموماً اور حجاز میں خصوصاً زمین کے اندر پانی کے سوتے خشک ہوتے یا اپنی گزرگاہ بدلتے رہتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ پرانا ذخیرۂ آب ختم ہو جانے کے بعد خانہ خدا کے اندر یا نزدیک کوئی نیا چشمہ نکل آیا ہو۔ ابن سعد کی روایت سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ شہر مکہ کے اندر قصی کے آباد کردہ شہر ہی میں آٹھ کنویں موجود تھے اور تقریباً ہر قبیلے کا الگ کنواں تھا۔ کنویں عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک قایم رہے۔ یہ کہنا کہ صرف زم زم کا کنواں اندرون شہر واقع تھا اور باقی کنویں بیرون شہر تھے۔ درست نہیں ہے کیونکہ ابن سعد نے بڑی وضاحت کے ساتھ اور غیر مبہم انداز میں اندرون اور بیرون آبادی کے کنوؤں کا ذکر علیحدہ علیحدہ کیا ہے اور سب کنوؤں کے نام گنوائے ہیں۔ بلاذری نے بھی مکہ کے کنوؤں کا علیحدہ باب باندھا ہے اور لکھا ہے کہ قصی سے قبل پہاڑ کے اوپر واقع ایک چشمہ سے پانی لایا جاتا تھا۔ حرم کے نزدیک پہلا کنواں لوی بن غالب نے کھدوایا تھا۔

قبل ازیں حدود حرم شاید کچھ اور تھیں۔ قصی نے جب بیت اللہ کے متصل مکانات بنائے تو غالباً حدود حرم کا تعین ازسرِنو کیا اور وہ یہ کہ صرف مسجد ہی اب حرم متصور ہوتی تھی۔

قریش شروع شروع میں صرف سیاہ رنگ کے خیموں میں رہتے تھے، بلکہ بعض مورخین کا خیال یہ ہے کہ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے چند پشت پہلے تک مکہ خیموں کا شہر تھا ۱۰۰۰ قبل مسیح میں بھی قیدار (آل اسماعیل علیہ السلام) کا ذکر خیمہ والے کہہ کر کیا گیا ہے اگرچہ مکہ میں اجالہ، اجیاد اور باقیقان جیسے قدیم مکانات موجود تھے، تاہم اہل مکہ کی تعمیری روایات قابل فخر نہیں تھی، ان تمام باتوں کے باوجود اگر قصی کی بسائی ہوئی بستی کی تفصیلات کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ بستی بے ہنگم اور بلا منصوبہ یونہی کھڑی نہیں ہوگئی تھی بلکہ اس کے پیچھے مکمل منصوبہ بندی اور تعمیری نقشہ تھا۔ جو جگہ آبادی کے لیے چنی گئی وہاں پانی وافر مقدار میں دستیاب تھا (تفصیل اوپر گزر چکی ہے)۔ اس جگہ ایک بڑا جنگل تھا جسے صاف کر دیا گیا یہی لکڑی بعد ازاں تعمیرات مکانات کے لیے کام میں لائی گئی۔ وادی کے نشیب کو مرکز آبادی مان کر کعبہ کے چاروں طرف قریش کے معزز قبائل کو اس طرح آباد کیا گیا کہ وسط میں خانہ خدا اور اس کے ساتھ ملحق قصی کا اپنا مکان: دارالندوی ــ اور برابر میں معزز قبائل قریش آباد کیے گئے مرکز اور وسط میں محترم و معزز قریش رہتے تھے، یہ آبادی کا اندرونی حلقہ تھا۔ بیرونی حلقہ میں جو لوگ رہتے تھے، اجتماعی زندگی میں ان کا مقام دوسرے نمبر پر تھا اور شہر کے باہر جھگیوں خیموں میں عارضی یا مستقل سکونت رکھنے والے خانہ بدوش، قبائل زائرین، نو وارد اور تیسرے درجے کے شہری شامل تھے مکہ کا جدید شہر ایک لحاظ سے خالص قریش کا شہر تھا۔

شہر کا مرکز وادی کا نشیب تھا۔ مرکز (بطحا) میں رہنے کی وجہ سے ان قریشی قبائل کو قریش بطحا کہا جاتا تھا۔ یا قریش الباطن تاہم قریش کے کئی گروہ اور خاندان پہاڑوں اور وادیوں میں ابھی تک منتشر بدویانہ زندگی گزار رہے تھے۔ ان کا نام قریش الظھواھر مشہور رہا۔ قریش الظواہر مرتبہ، عزت اور تکریم کے لحاظ سے فروتر سمجھے جاتے تھے۔

شہر کے بیچوں بیچ شمالاً جنوباً یمنی اور شامی تجارتی کاروانوں کی آمد اور اخراج کے لیے کشادہ شاہراہ تھی۔ خانہ کعبہ کے سامنے زائرین کے اکٹھ کے لیئے ایک بڑا دالان چھوڑ دیا گیا تھا شروع شروع میں قریش خیموں میں رہتے ہوں گے۔ مگر یہ کہنا کہ عرب میں تعمیری خلا تھا اور عرب کے مکانوں پر جو ہے کے بل کا گمان ہوتا ہے، غلط ہے۔ تعمیرات کا سلسلہ بہت ہی جلد شروع ہوگیا کیونکہ چھت ڈالنے کے لیے کاٹے گئے جنگل کی لکڑیاں شاخیں وغیرہ موجود تھیں اور دیواروں کی چنائی کے لیے سیاہ پتھر گرد و نواح کے پہاڑوں پر باسانی دستیاب تھا۔ اہل مکہ کے مکانات قبیلہ دار اور فاصلے فاصلے پر تھے۔ اکثر مکانات کے درمیان دالان تھا۔ ایسا ہی ایک دالان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ کے آبائی مکان کے سامنے بھی تھا۔ اہلیان مکہ کی تعمیرات کے میدان میں پسماندگی کی اصل وجہ اقتصادی پسماندگی تھی۔ مگر ولادت بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریباً ایک صدی پیشتر جب کاروانوں کی تجارت کو بے پناہ فروغ حاصل ہوا اور تاجران مکہ نے خوب دولت کمائی اور اقتصادی انقلاب کے نتیجہ کے طور پر بتدریج معاشرتی تغیر رونما ہونے لگا۔ نئے اور جدید مکانات تعمیر ہونے لگے اور خانہ خدا کی عمارت بھی از سر نو نئے نقشہ اور ڈیزائن سے تیار کی گئی۔

جامعہ بغداد کا خوبصورت محراب (بغداد شریف)

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پاک کی عظمت

نوشاد عالم فیضی

مدینہ کے لغوی معنی ہیں شہر۔ یہ بات متفقہ طور پر تسلیم شدہ ہے کہ دنیا میں آج تک کوئی ایسا شہر نہیں ہوا ہے جس کا نام کسی زبان میں شہر ہو۔ یہ عظمت و رفعت صرف حضور سید الاولین والآخرین علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات کے دارالہجرت اور آخری آرام گاہ کو ہی حاصل ہے کہ آج صرف مسلمان ہی نہیں غیر مسلم بھی اس کو مدینہ (شہر) کہتے اور لکھتے ہیں۔ مدینہ عربی زبان میں اسم نکرہ ہے اور گرامر کے لحاظ سے مدینہ کسی شہر کو بھی کہا جا سکتا ہے اسے اسم معرفہ بنانے کے لئے یعنی مخصوص شہر مراد لینے کے لئے اَلْمَدِیْنَہ کہنا ہوگا۔ اس کے باوجود جب بھی کوئی مطلقاً مدینہ کہے گا اس سے یہی شہر معظم یعنی مدینہ منورہ مراد ہوتا ہے۔ مدینہ منورہ اہل محبت کا چمنستان قدس ولولۂ شوق کی متاع بے بہا اور ذوق و وجدان سے سرشار دیوانوں کی آخری منزل ہے۔

سرزمین مدینہ منورہ کی قدیم تاریخ

تاریخ قدیم کے مطابق جب دور بن کنعان نے بابل میں بادشاہی کے دوران کفر اور سرکشی اختیار کی تو ان میں سے ایک جماعت نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے الہام سے عربی زبان وضع کی اور بابل سے چل کر مدینہ منورہ کے گرد و نواح میں سکونت اختیار کی یہ لوگ عملاق بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اس لئے ان کو عمالیق کہتے ہیں۔ شام کے جبابرہ اور مصر کے فراعنہ انہی کی اولاد میں سے تھے عمالیق نے صدیوں تک مکہ معظمہ، یثرب (مدینہ منورہ) حجاز وغیرہ پر حکومت کی پھر ان کی سلطنت میں حکومت کے مفاسد یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سرکشی اور تکبر جیسی برائیاں شامل ہو گئیں۔ ایک عرصہ بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے غرق ہونے کے بعد ملک شام فتح کر لیا اور یہاں سے فارغ ہونے کے بعد عمالیق کے قلع قمع کے لئے ملک حجاز کی طرف فوج روانہ کی ایک دوسری روایت کے مطابق یہودیوں کا یثرب آنا بخت نصر کے ظلم و تشدد کی وجہ سے تھا عمالیق کیساتھ یمن میں شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد نے سکونت اختیار کی عمالیق کی تباہی کے بعد یمن میں سیل عرم (سیلاب عرم) کے بعد ان کی اولاد میں سے یمن سے عمرو بن عامر نے یثرب میں آکر سکونت اختیار کی اس کے بڑے لڑکے کا نام ثعلبہ بن عمرو بن عامر تھا

یہی اوس و خزرج (قبائل انصار مدینہ) کے مورث اعلیٰ تھے حضور سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت سے تقریباً ایک ہزار برس پہلے تبع بادشاہ ممالک شرقیہ فتح کرتے ہوئے جب یثرب پہونچا تو اس کے ساتھ ہزار یہودی علماء و حکماء تھے۔ ان میں سے ایک مشہور عالم اور حکیم کا نام شامول تھا۔ جس نے حساب لگا کر تبع بادشاہ کو بتایا کہ یہ جگہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا دار الہجرت اور آخری آرام گاہ ہوگی اور باقی علماء نے تصدیق کرنے کے ساتھ ہی بادشاہ سے وہیں رہنے کی اجازت حاصل کی تاکہ ان کی اولاد میں سے کسی کو شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے۔ بادشاہ نے ان کے علیحدہ علیحدہ مکانات تعمیر کرائے اور ایک نہایت نفیس کتاب میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ایک خط تحریر کیا۔ جس میں نہایت عاجزی سے اپنے ایمان لانے کا اظہار کر کے شفاعت کی درخواست کی تھی۔ خط پر سونے کی مہر لگا کر آخر شامول یہودی عالم کے سپرد کیا۔ اور اس کو پشت در پشت سپرد کرنے کی درخواست کی تاآنکہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جو شامول کی اکیسویں پشت سے تھے وہ خط حضور سید الانبیاء علیہ افضل الصلوٰت واکمل التحیات کی خدمت اقدس میں پیش کرنے کا شرف حاصل کیا۔ (معارج النبوۃ، جذب القلوب)

مدینۂ منورہ کے نام اور لقب

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم... کا دار الہجرت بننے سے پہلے اس کا نام یثرب تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ یثرب ایک کافر کا نام تھا۔ یثرب کا لغوی معنی ہے فساد، مواخذہ، عذاب، تکلیف اور دکھوں کا گھر۔ ایام جاہلیت میں جو شخص اس شہر میں داخل ہوتا تو ثنیۃ الوداع کے مقام پر دس دفعہ گدھے کی آواز نکالتا تاکہ یثرب کی تکلیفوں اور دکھوں سے محفوظ رہے۔ حضور سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد آپ کی دعا سے تمام وبائیں اور تکلیفیں یہاں سے رخصت ہوگئیں۔ اور یہ عادت بد بھی متروک ہوگئی۔ اس لئے اس کا نام یثرب کی بجائے مدینہ منورہ رکھا گیا۔ ابن زبالہ جو اصحاب مالک سے ہیں۔ اور مدینہ کے پیشوا مانے جاتے ہیں اور دیگر علماء نے بھی فرمایا ہے۔ کہ مدینہ منورہ کو یثرب نہ کہیں امام بخاری کی تاریخ میں ایک حدیث آئی ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ یثرب کہے تو اس پر لازم ہے کہ اس کی تلافی اور تدارک کے لئے دس مرتبہ مدینہ منورہ کہے۔ امام احمد اور ابو یعلےٰ نے روایت کی ہے کہ اگر کوئی شخص مدینہ منورہ کو یثرب کہے تو جناب باری تعالیٰ میں استغفار کرے۔ بعض علمائے کرام نے مدینہ منورہ کے کم و بیش یک صد نام گنائے ہیں۔ زیادہ مشہور یہ ہیں۔ (۱) ارض اللہ (۲) ارض الہجرت (۳) طابہ (۴) طیبہ (۵) بیت رسول (۶) مقدس (۷) جلیبہ (۸) مؤمنہ (۹) مبارکہ (۱۰) محفوظہ (۱۱) معصومہ (۱۲) مرحومہ (۱۳) ناجیہ (۱۴) سید البلدان (۱۵) الآکلۃ البلدان (۱۶) الآکلۃ القریٰ (۱۷) مظہر (۱۹) حسنہ۔

افضلیت

یہ امر بلا اختلاف ثابت ہے کہ جہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں وہ حصۂ زمین تمام روئے زمین حتیٰ کہ کعبہ مقدسہ سے بھی اشرف و افضل ہے۔ بلکہ تاج الدین سبکی ابن عقیل حنبلی اور دیگر علمائے کرام کا ارشاد ہے وہ مبارک حصہ عرش اعظم سے بھی افضل ہے۔ نور الدین بن احمد سمہودی (م ۹۱۱ ھ) اپنے شیخ امام الکاملیہ سے نقل فرماتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ انبیاء کرام اور ان کی ارواح مقدسہ کے مقامات اپنے ماسوا تمام زمین و آسمان سے افضل ہیں۔ یہ بھی طے شدہ امر ہے کہ کعبہ مکرمہ روضۂ انور کے علاوہ باقی آبادی مدینہ سے افضل ہے لیکن روضۂ انور اور کعبہ مقدسہ کے علاوہ مکہ و مدینہ کی عام آبادیوں کے بارے میں شدید اختلاف ہے۔ بعض حضرات مکہ کو افضل کہتے ہیں اور بعض مدینہ کو۔

سیدنا عمر بن خطاب، ان کے فرزند عزیز عبد اللہ بن عمر امام مالک بن انس اور اکثر اہل مدینہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم مدینہ منورہ کو اشرف و افضل مانتے ہیں جو حضرات مکہ کو افضل مانتے ہیں ان کے پاس تفضیل مکہ کا خاص سبب یہ ہے کہ مکہ

میں عمل کا ثواب زیادہ ہے اور کسی مقام کی فضیلت کا دارد مدار اسی پر ہے کہ اس میں عبادت وعمل کا ثواب زیادہ ہو۔ عز الدین بن عبد السلام نے خاص طور سے یہ دلیل پیش کی ہے۔ اس کے جواب میں امام تقی الدین سبکی فرماتے ہیں۔ فضیلت کا مدار صرف کثرت ثواب نہیں۔ ہاں کبھی کثرت ثواب کی بنا پر تفضیل ہوتی ہے۔ مگر کبھی دوسرے اسباب کی بنا پر بھی ہوتی ہے اگرچہ وہاں کوئی عمل نہ ہو، روضۂ انور پر رحمت و رضوان اور ملائکۂ کرام کا نزول ہوتا ہے۔ اللہ کے نزدیک اسے اور اس میں آرام فرما ذات سرور کائنات کو وہ محبوبیت اور مقبولیت حاصل ہے جس کے ادراک سے عقلیں قاصر ہیں اور یہ محبوبیت کسی اور مقام کو ہرگز نہیں پھر وہ سارے مقام سے افضل کیونکر نہ ہوگا، معلوم ہوا کہ کثرت ثواب کے علاوہ بھی وجہ تفضیل ہوسکتی ہے اور اگر کثرت ثواب ہی کی بات رکھی جائے تو یہ متفقہ امر ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باحیات ہیں۔ ان کے اعمال آج بھی جاری ہیں اور ان مقدس اعمال کو ثواب کی جو کثرت حاصل ہے وہ کائنات کے کسی فرد کو حاصل نہیں کثرت ثواب کا تعلق صرف ہمارے ہی اعمال پر منحصر نہیں۔ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا مبارک ومقدس عمل بھی تو عمل ہے اور ان کے ثواب کی کثرت بھی تو کثرت ثواب ہے۔

امام نور الدین سمہودی فرماتے ہیں علامہ سبکی کے یہ ارشادات بڑے ہی نفیس ہیں۔ پھر خود بھی چند اسباب فضیلت کا ذکر فرمایا ہے اور ان تمام خیالات کے جوابات دیئے اور نقل کئے ہیں جو تفضیل مکہ کے قائلین پیش کرتے ہیں:۔

ملاحظہ ہو، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ۔ از علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی (م ۹۱۱ ھ) طبع مصر ج اص ۲۸ تا ۳۹) انہوں نے یہ بھی دکھایا ہے کہ امت کی فیروزمندی اور سعادت وکرامت بھی اسی بارگاہ سے وابستہ ہے اور اس کی گناہوں کی مغفرت کے لئے "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا" کی آیت آج بھی اسی عظمت نشان کا پتہ دے رہی ہے۔

ع۔ مَنْ زَارَ تُرْبَتِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ
اُن پر درود جن سے نوید ان بشر کی ہے
(حضرت رضا بریلوی)

اعلیحضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ (۱۲۷۲ھ/ م ۱۳۴۰ھ) اپنے والہانہ وعاشقانہ انداز میں تفضیل مدینہ کیطرف چند نفیس اشارات فرماتے ہوئے نظر آتے ہیں جو اختصار واعجاز کے باوجود بڑی اہمیت و معنویت کے حامل ہیں۔ ۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو
واں مطیعوں کا جگر خوف سے پانی پایا
یاں سیہ کاروں کا دامن پہ مچلنا دیکھو
غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے میرے پیارے کا روضہ دیکھو

حرم کعبہ میں میزاب رحمت مدینہ کے رخ پر روضۂ انور کے مقابل ہے اعلیٰ حضرت نے اسے چشم کعبہ قرار دیکر یہ تخیل پیدا کیا ہے کہ کعبہ اپنے پیارے کے روضہ پر برابر نظر جمائے ہے اور ساری دنیا کو دعوت نظارہ دے رہا ہے

محبوب رب عرش ہے اس سبز قبہ میں
پہلو میں جلوہ گاہ عتیق وعمر کی ہے
چھائے ملائکہ ہیں لگاتار ہے درود
بدلے ہیں پہرے بدلی میں بارش دُرر کی ہے
ستر ہزار صبح ہیں ستر ہزار شام
یوں بندگیٔ زلف ورخ آٹھوں پہر کی ہے
جو ایک بار آئے دوبارہ نہ آئیں گے
رخصت ہی بارگاہ سے بس اس قدر کی ہے
عاصی بھی ہیں چہیتے یہ طیبہ ہے زاہدو
مکہ نہیں کہ جانچ جہاں خیر و شر کی ہے
شانِ جمالِ طیبۂ جاناں ہے نفع محض
وسعت جلالِ مکہ میں سود وضرر کی ہے

مکہ میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے مگر ایک گناہ کا عقاب بھی ایک لاکھ کے برابر ہے۔ طیبہ میں ایک گناہ کا عقاب ایک ہی گناہ کے برابر ہے۔ اور ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار نیکی کے برابر۔ سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت کرتے ہوئے نکلے ہیں تو یہ دعا کی ہے۔

"خداوندا! تونے میری سب سے زیادہ محبوب سرزمین سے مجھے نکالا ہے تو اپنی سب سے زیادہ محبوب سرزمین میں سکونت عطا فرما"۔ (مستدرک حاکم)

اس مبارک و مقبول دعا کے بعد جہاں سرکار اقامت پذیر ہوئے اسی سرزمین کا نام طیبہ و مدینہ ہے۔ معلوم ہوا کہ مدینہ رب کائنات کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب سرزمین ہے اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے ہیں:

"خداوندا! ہمارے نزدیک مدینہ کو مکہ کی طرح بلکہ مکہ سے زیادہ محبوب بنادے"
(صحیح بخاری شریف)

مدینہ رب کائنات جل جلالہ کو سب سے زیادہ اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو سب زمینوں سے زیادہ محبوب تو ایک عاشق رسول کو سب سے زیادہ محبوب کیوں نہ ہو، خصوصاً جب کہ آج آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ وہی شہر پاک ہے اسی لئے عاشق خدا اور رسول اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں اور آخری فیصلہ کرتے ہیں۔

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

ڈاکٹر اقبال کو بھی یہی بات پسند آئی ہے

خاک طیبہ از دو عالم خوشتر است

فضائلِ مدینہ احادیث کی روشنی میں

۱ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

"اے میرے اللہ مدینہ میں اس سے دونی برکت دے جو تونے مکہ میں برکت رکھی ہے"
(امام احمد، بخاری، مسلم، عن انس۔

۲ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،
"بیشک ایمان مدینہ کی طرف لوٹ آئے گا جس طرح سانپ اپنی بل کی طرف لوٹ آتا ہے۔
(امام احمد، بخاری، مسلم، ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ۔

۳ نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
"یقیناً مدینہ منورہ مثل بھٹی کے ہے کہ خرابی (خباثت) کو دور کرتا ہے اور بھلائی عمدگی کو خالص کرتا ہے" (امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ)

۴ رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
"اللہ نے جو کچھ مدینہ کے دونوں سنگلاخوں کے درمیان ہے میری زبان پر حرم بنا دیا ہے۔" (بخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالےٰ عنہ)

۵ دانائے غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:
"مدینہ منورہ کے چاروں طرف فرشتے مقرر ہیں، نہ اس میں طاعون آئے گا نہ دجال اندر داخل ہوگا" (امام احمد، مسلم، بخاری، مالک عن ابی ہریرۃ۔

۶ نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔
"مدینہ مشرفہ اسلام کا قبہ ہے اور ایمان کا گھر ہے اور میری ہجرت گاہ ہے اور حلال و حرام کے نازل ہونے یا اس کے نافذ ہونے کی جگہ ہے" (طبرانی فی الاوسط عن ابی ہریرۃ۔

۷ شافع محشر صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
"جس شخص کو اس بات کی استطاعت ہو کہ وہ مدینہ میں مرے تو اسے چاہیئے کہ مدینہ میں مرے کہ یقیناً میں اس کی شفاعت کروں گا جو مدینہ میں مرے گا"
(امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان)

۸ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
"اے اللہ بیشک ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا تو وہ حرم ہوا اور یقیناً میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں۔ حرام ہے جو درمیان اس کے دونوں سمتوں کے ہے یہ کہ بہایا جائے اس میں خون اور نہ اٹھائے جائیں اس میں ہتھیار لڑائی کے لئے۔ نہ اس میں درخت کاٹے جائیں، مگر چارہ کے لئے، اے اللہ برکت دے ہمارے مدینہ میں اے اللہ برکت دے ہمارے صاع میں، الٰہی برکت دے ہمارے مد میں! اللہ کردے برکت دوہری خدا کی قسم مدینہ کے ہر راستے اور ہر دروازے پر دو فرشتے ہیں، جو اس کی حفاظت کرتے ہیں جو اس کی طرف بڑھیں۔" (مسلم عن ابی سعید الخدری)

ف:۔ نبی اکرم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کی عزت وعظمت اور اختیارات کے جلوے دیکھئے کہ مدینہ منورہ جو حرم نہ تھا۔ آپ نے اسے حرم بنا دیا۔ سبحان اللہ اور امام الوہابیہ تقویۃ الایمان میں لکھتا ہے جس کا نام محمد یا علی ہے۔ وہ کسی چیز کا مالک ومختار نہیں (معاذ اللہ)

9 نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
"مدینہ منورہ مکہ معظمہ سے بہتر ہے (طبرانی، دار قطنی عن رافع بن خدیج۔

۱۰ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
"نبی انتقال نہیں فرماتا مگر اس جگہ جو اسے سب جگہوں سے زیادہ محبوب ہو۔" (ابو یعلی عن ابی بکر الصدیق)

ف:۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ دنیا بھر کے تمام شہروں سے زیادہ پیارا اور پسندیدہ ہے۔ اور یہ اللہ کے محبوب ہیں تو جو انہیں محبوب ہے وہ اللہ تعالیٰ کو بھی محبوب ہے۔
فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

اسلامی دور کی یادگار درہم و دینار

۱۱ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔
"سب سے پہلے اپنی امت میں اہل مدینہ کی شفاعت کروں گا۔ پھر مکہ والوں کی، پھر طائف والوں کی۔" (طبرانی، فی الکبیر عن عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالےٰ عنہ)

۱۲ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
"میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں کی طرح ہے سوائے مسجد حرام کے اور مدینہ میں ایک رمضان کے روزے دوسرے مقاموں کے ہزار مہینوں کے روزہ مثل ہیں۔ اور مدینہ میں ایک جمعہ کی نماز دوسرے شہروں کے ہزار جمعوں کی نماز کی طرح ہے۔ (بیہقی عن ابن عمر رضی اللہ عنہما)

۱۳ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔
"جو شخص مدینہ والوں سے کسی برائی کا ارادہ رکھے گا اللہ تعالےٰ اس کو گھلا دے گا۔ جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے (امام احمد، مسلم، ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ۔

۱۴ حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔
" دوسری آبادیوں کا افتتاح تلوار سے ہوا
اور مدینہ کا افتتاح قرآن سے ہوا "۔ (بیہقی
فی الشعب عن سیدتنا ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ
تعالےٰ عنہا۔)

۱۵ حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی
ہے۔
"جو مدینہ والوں کو ڈرائے گا اللہ تعالےٰ
اس کو خوفزدہ کرے گا"۔ (امام احمد عن جابر)

۱۶ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
" مدینہ کی (عجوہ) ایک قسم کی مدینہ طیبہ کی کھجوروں
میں سے ہے) شفاء ہے بیماری کی اور مدینہ
کی خاک شفاء ہے جذام کی،، (رزین عن ابن عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

۱۷ حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اپنے رب سے دعا کرتے
ہیں۔
اے اللہ! ہمیں مدینہ محبوب بنادے جیسے مکہ
ہمیں پیارا ہے بلکہ مکہ سے زیادہ اور مدینہ کو
اپنا محبوب بنانے والے کو درست فرمادے
اور برکت دے ہمارے لئے مدینہ کے مُد میں
اور اس کے صاع میں اور مدینہ کے بخار کو
منتقل کردے جحفہ میں۔ (امام مالک، بخاری
مسلم، عن عائشہ رضی اللہ عنہا)

۱۸ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔
" مدینہ میں میری جائے ہجرت ہے اور یہی
میری آرام گاہ ہے۔ اور یہی میرے اٹھنے
کی جگہ ہے۔ میری امت پر میرے پڑوسیوں
کی نگہداشت لازم ہے۔ جب تک وہ کبائر
گناہوں سے بچتے رہیں۔ اور جس نے ان
کی حفاظت کی میں اس کے لئے قیامت کے
روز شفیع اور گواہ ہوں گا۔ اور جس نے

ان کا لحاظ نہ کیا اسے طینۃ الخبال پلایا جائے گا
مزنی سے کہا گیا طینۃ الخبال کیا ہے۔ انہوں
نے فرمایا جہنمیوں کا پیپ ہے"۔ (ابن النجار
عن معقل بن یسار المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

فضائل مدینہ میں احادیث بے شمار ہیں ہم نے
چند کے بیان پر اکتفا کی۔ انشاء اللہ تعالےٰ اہل ایمان کے
عشق و محبت کو جلا بخشنے کے لئے یہی کافی ہوں گی۔
مدینہ پاک کا ہمارے نزدیک سب سے پرکشش حسن و
کمال یہ ہے کہ وہ آرام گاہ نبی اور محبوب نبی ہے اسے
سرکار کے قدموں نے وہ کمال بخشا اور سرکار کے کرم
نے اسے حرم بنا کر مسلمانوں کے دلوں میں اس کی عظمت
قائم کر دی کہ اہل عشق نے پکار کر کہا ؎

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سرکار کا موقع ہے او جانے والے
(حضرت رضا)

کسی نے کہا ؎

اے پائے نظر ہوش میں آ کوئے نبی ہے
آنکھوں سے بھی چلنا تو یہاں بے ادبی ہے
(حضرت آسی)

رب کریم ہر صاحب ایمان کو اس کی زیارت سے
شادکام فرمائے۔ (آمین)

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی

عالمگیر رسالت

مولانا عبدالستار خان نیازی

عہد حاضر کا انسان جب مسائل کو اپنی عقل سے جانچنے کا زعم لے کر نکلتا ہے تو اس عقل کی حدود اربعہ کیا ہیں؟ آجکل کے سائنس دانوں کو زعم ہے کہ ہم آباؤ اجداد کی طرح صرف آنکھ کی طاقت سے نہیں بلکہ دوربین لگا کر حقائق کائنات کا مشاہدہ کرتے ہیں ماضی کا انسان صرف کان سے سنتا تھا ہمارے گوش ہوش کی سماعت ریڈیائی لہروں پر حاوی ہے گذشتہ تہذیبیں صرف قدم قدم چلتی تھیں۔ ہم اسپنگ سرہٹ دوڑاتے ہیں اسکا انکار بھی نہیں کیا جاسکتا کہ سات ہزار سال کی مستند تاریخ کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بشری کمالات نے بعض جزئیات میں ضرور ایک حد تک ترقی کرلی ہے لیکن اس ترقی سے آفرینش کائنات اور غایت موجودات کا تو کیا ذکر انسان ابھی تک غیب اور آخرت کی کنہ تک بھی نہیں پہنچ سکا انسان کی اب سطح قمر تک رسائی ہوگئی ہے اور آگے بھی جارہا ہے لیکن اسے یہ تو اب بھی پتہ نہ چلا کہ افلاک کے ماوراء کیا ہے، خلا کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں ختم ہوتی ہے، نظام شمسی کی حرکات کا حاصل کیا ہے اور انسان جس پر یہ تمام اسرار کائنات منکشف ہورہے ہیں اس کی منزل کیا ہے اور اس کے ترددات کی غایت اولیٰ کیا ہے؟

فقط یہی نہیں کہ انسان جب اپنے نفس سے باہر جھانکتا ہے تو اسے افق کے کناروں سے پرے غیب کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک تلزم ناپیدا کنار دکھائی دیتا ہے بلکہ وہ اپنے نفس کے اندر بھی جھانکتا ہے تو اسے آغاز و انجام ایک پہیلی کی طرح نظر آتا ہے جس کی آخری حقیقت اس کی ظاہر بین عقل سے پوشیدہ ہے نہ صرف انسان کا عقلی علم، لاعلمی سے شروع ہو کر لاعلمی پر ختم ہوجاتا ہے بلکہ انسانی عزائم کی ابتداء و انتہا بھی بے خبری سے شروع ہو کر بے خبری پر ختم ہوجاتی ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا۔ عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ — ترجمہ: انسانی ارادوں کے ٹوٹ جانے سے مجھے پتہ چل گیا ہے کہ اس کائنات پر اصل حکمرانی انسان سے ایک بالاتر ہستی اور طاقت کی ہے۔

نہ صرف یہ عقل ناقص اپنی ابتداء و انتہا کے لحاظ سے ناقص ہے بلکہ اس علم ناقص کا نشۂ پندار جتنا عرصہ نفس پر حاوی رہتا ہے تب بھی اس سے سوائے تصادم، تضاد اور سعی لاحاصل کے کچھ نہیں نکلتا۔ آسمان پر سپٹنک (SPUTNIK) سے ایکسپلورر (EXPLORER) لڑ رہا ہے زمین پر سٹالن کو خروشچیف موردالزام قرار دے رہا ہے ایک معاشرتی طبقہ دوسرے معاشرتی طبقے سے برسر پیکار ہے۔ وطن سے وطن کی ٹکر ہورہی ہے جمہوریت سے جمہوریتیں بیزار ہیں غرض دو بادشاہوں کا ایک تخت پر بیٹھنا قرونِ مظلمہ (DARAGES) میں ایسا ناممکن نہ تھا جتنا

فی زمانہ عقل کی عقل سے صلح ہوجانا محال دکھائی دیتا ہے۔ کیا خوب کہا تھا اکبرالہ آبادی نے ؏

عوض لٹھ کے چلتے ہیں آپس میں ووٹ

اور اقبال فلسفہ کے طومار سے سرگرداں ہوکر اس نتیجے پر پہنچے تھے ؎

خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے
بڑھی جاتی ہے ظالم اپنی حد سے
خدا جانے مجھے کیا ہوگیا ہے
خرد بیزار دل سے دل خرد سے

نیز فرمایا تھا کہ ؎

حکمت و فلسفہ کرد است گراں خیز مرا
خضرِ من از سرم این بارِ گراں پاک انداز

عقل کی حد کا تقاضا عقل کرتی ہے

غرض عقل کے حدود اربعہ کا اگر عقل سے جائزہ لیا جائے تو اس کی سرحدات سے پرے ماورائے عقل کی مملکت صاف دکھائی دیتی ہے۔ اگرچہ اسکے نقوش دھندلے ہیں۔ عقل کی تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ عقل کی اس سرحد پر پہنچکر اقلیم عقل کے سیاحوں نے تین راہیں اختیار کی ہیں۔ ایک قافلہ تو وہ تھا جس نے غیب اور آخرت کی دھندلاہٹ سے جھنجھلا کر عقل کی محدود روشنی سے بھی انکار کردیا اور لاادریت کی تاریکی میں کھوگیا اس نے کہا کہ کایا تو چھایا ہے اور یہ کائنات فقط مایا کا جال ہے۔

عالم تمام حلقہ دامِ خیال ہے

قرآن مجید کی تاریخی اصطلاح میں ایسی حقیقت کو جھٹلانے والوں کا نام "منکرین" ہے چاہے متشککین ہوں یا خیالئین IDEALISTS ہوں یا SKEPTICS۔

دوسرے گروہ نے کہا کہ عقل سے پرے جب کچھ صاف دکھائی نہیں دیتا تو عقل پر کیوں نہ اکتفا کریں ہر زمانے اور ساری کائنات پر حاوی علم کو اختیار کی بجائے مختلف زمانوں اور مختلف قوموں کی چھوٹی چھوٹی اور عارضی عقول کو اسطرح برحق مان لینے والوں کا نام قرآن کی اصطلاح میں "مشرکین" ہے۔ چاہے وہ MATERIALISTS ہوں یا PRAGMATIC یعنی مادیت پرست ہوں یا افادیت پرست انہیں مصیبت یہ پیش آئی کہ جب عقل پر توجہ مرکوز کی جائے تو اس کی وسعتیں ناگہاں پھیلنے لگتی ہیں، جو کل عقل تھی وہ آج بے عقلی دکھائی دیتی ہے اور برسوں حماقت سے بھی زیادہ ناقابل برداشت ہوجاتی ہے۔ اس لئے ماورائے عقل کی طرف ٹکٹکی باندھکر دیکھنے سے عقل کی آنکھیں چندھیانے لگتی ہیں تو ماورائے عقل کی جانب پیٹھ موڑنے سے بھی عقل کے پاؤں تلے کی زمین مسلسل سرکتی جاتی ہے عقل سے روگردانی کرنے والے اور سراسر عقل پر انحصار کرنے والے دونوں قافلے مسافت ہستی میں سرگرداں اور گمراہ ہوگئے۔ قرآنی اصطلاح میں انکارِ حقیقت یا شرک کا ارتکاب کرکے زندگی کی اصلیت سے یوں روگرداں رہنے والوں کا نام کفار و مشرکین ہے تیسری جماعت ان لوگوں کی تھی، جن پر انسانیت کے ارتقاء کا ہمیشہ سے انحصار رہا ہے اور ہمیشہ انحصار رہے گا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے عقل کا اقرار کرتے ہوئے بھی غیب اور آخرت کا انکار نہ کیا۔ قرآنی اصطلاح میں یہ جماعت مومنین ہے جن کا نعرہ ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ ؎

عقل است چراغ تو در رہگذارے نہ
عشق است ایاغ تو با بندۂ محرم زن

اور

من بندۂ آزادم عشق است امام من
عشق است امام من عقل است غلام من

اس جماعت کی رہنمائی ہر خطۂ زمین اور ہر عہد تاریخ میں ان برگزیدہ شخصیتوں نے کی جو عقل اور ماورائے عقل کی سرحد پر روشنی کے مینار کی طرح سربلند اور منور کھڑی دکھائی دیتی ہیں۔ یہی وہ شخصیتیں ہیں جو اپنے اپنے دور میں عقل کے بشری تقاضے پورے کرتے ہوئے غیب اور آخرت سے ہدایت کی وحی کا مہبط قرار پاتی رہیں۔

انبیاء علیہم السلام کا تاریخی اور عقلی منصب

موجودہ زمانے کا انسان نبی کے مفہوم کو سمجھنے میں بسا اوقات

یوں ٹھوکر کھاجاتا ہے کہ مسلمانوں کے معاشرے کی اس بنیادی اصطلاح کو بیان کرنے کے لئے رائج الوقت غیر مسلموں کی زبانوں سے ایسے الفاظ مستعار لئے جاچکے ہیں جن کے ساتھ ساتھ انبیاء علیہم السلام کے متعلق غیر مسلموں کے تعصبات اور توہمات کا ایک عنصر بھی ان الفاظ کے معنوں میں شامل ہوگیا ہے۔ یورپین زبانوں کا لفظ پرافٹ (PROPHET) اس یونانی مصدر سے مشتق ہے جو غالبًا یہود کے دورِ زوال میں سریانی زبان سے مستعار لیا گیا تھا اور جس کا بنیادی، تصور اس مفہوم کے گرد گھومتا ہے کہ پیغمبر کبھی کبھی آنے والے زمانے کی باتیں بھی قبل از وقت بتادینا اپنے حقیقی مشن کی تکمیل کے لئے مناسب سمجھتا ہے ہم جانتے ہیں کہ عہد جاہلیت میں عرب کے اندر بھی کاہن کی اصطلاح کے ماتحت اس قسم کا ایک مفہوم موجود تھا جس کا تصور پیشین گوئی اور دانشمندانہ اقوال تک محدود تھا۔ قرآن مجید نے وضاحت سے اس غلط توقع کی تردید کردی ہے :۔

وقالوا لولا انزل علیہ ایٰت من ربہ قل انما الایٰت عند اللہ وانما انا نذیر مبین

ترجمہ : اور یہ (منکرین حق) یوں کہتے ہیں کہ اس پر اپنے پروردگار کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتریں اے پیغمبر اسلام تم فرمائو کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں اور میں تو صاف ڈر سنانے والا ہوں۔

پیغمبر کا منصب یہ نہیں کہ وہ جوتشیوں کی مانند مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی بابت ٹپوے (GUESSES) لگا تا رہے۔

فلا اقسم بما تبصرون ۝ وما لا تبصرون انہ لقول رسولٍ کریم ۝ وما ھو بقول شاعر ۝ قلیلا ما تومنون ولا بقول کاھن قلیلا ما تذکرون ۝ تنزیل من رب العٰلمین

(سورۃ الحاقہ)

ترجمہ : تو مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جنہیں تم نہیں دیکھتے بیشک یہ قرآن ایک کرم والے رسول سے باتیں ہیں اور وہ کسی شاعر کی بات نہیں۔ کتنا کم یقین رکھتے ہو۔ اور نہ کسی کاہن کی بات کتنا کم دھیان کرتے ہو اس نے اتارا ہے جو سارے جہاں کا رب ہے۔

عربی لفظ نبی جو مذکورہ بالا قدیم سریانی مصدر سے ہی مشتق ہے لغت کے اعتبار سے خبر دینے والے تصور پیش کرتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے یہ خبر دینے والا کس چیز کی خبر دیتا ہے یہ تو ہم جانتے ہیں کہ اس کی جیتونی (انباء) خوشخبری پر بھی دلالت کرتی ہے اور ڈراؤنی بھی ہوتی ہے لیکن امید و بیم تو اس پیغام کے اثر سے تعلق رکھتے ہیں۔ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کا بنیادی مفہوم کیا ہے۔ اس پیغام کا بنیادی مقصد ہونی اور اَن ہونی، برے اور بھلے حرام اور حلال کی تمیز سکھانا ہے۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبًا عندھم فی التورٰۃ والانجیل ۰ یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبٰئث ویضع عنھم اصرھم والاغلٰل التی کانت علیھم فالذین اٰمنوا بہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولٰئک ھم المفلحون ۝ (الاعراف)

ترجمہ : وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں۔ اس رسول کی جو نبی امی ہے اور جسے اپنے ہاں توریت، اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں وہ انہیں نیک کام کرنے کا حکم دیتا ہے اور برے کاموں سے منع کرتا ہے، وہ حلال کرتا ہے ان کے لئے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان سے بوجھ ان کے اور قیدیں جو ان پر تھیں، سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کا ساتھ دیا اور اس کی مدد کی اور اتباع کی اس نور کی جو اس کے ساتھ اترا پس وہی لوگ ہیں کامیاب ہیں۔

اللہ کے پیغمبر ہر زمانے میں انسان کو یہ سکھاتے ہیں کہ غیب اور آخرت کی وہ کونسی حدود ہیں جن کے اندر انسان اپنے شعور اور عقل کے استعمال سے مفید نتائج مرتب کر سکتا ہے عقل کا موضوع تو شاید اس کائنات میں انسان کے بغیر بھی قائم رہ سکتا ہے لیکن خود عقل اپنے وجود کے لئے انسانی ذہن کی محتاج ہے۔ انسانی ذہن کی نشوونما اور پختگی اسی صورت میں ممکن ہے جب انسانی معاشرہ ایک صحت مندانہ نہج پر موجود ہو۔ انسان حیوان مدنی الطبع ہے۔ بغیر دوسرے کے نہ وہ اپنی فطری حالت

میں زندہ رہ سکتا ہے اور نہ پروان چڑھ سکتا ہے جس طرح معاشرے کو جنم دینے اور قائم رکھنے کے لئے اقل قلیل مادّی ضروریات لابدی ہیں، اسی طرح افراد کی شخصیتوں میں بعض تعمیری عناصر کے بغیر سوسائٹی قائم نہیں رہ سکتی۔ ممکن ہے سورج کی کھولتی ہوئی حرارت میں کسی اور نوع کی مخلوق زندہ رہ سکتی ہو۔ لیکن وہاں انسانی جامے میں انسان آباد نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح جن انسانوں کے ذہن کے تعمیری میلانات اور فطری احساسات بالکل مٹ جائیں ان کی زندگی بھی ختم ہو جاتی ہے جسطرح افراد میں دیوانگی کا غلبہ ایک حد سے بڑھ جائے تو ان کی موت واقع ہو جاتی ہے اور جس طرح خاندان میں مروّت باہمی نہ رہے تو خاندان بکھر جاتا ہے۔ اسی طرح انسانی معاشرے کے اندر برے اور بھلے کی تمیز بالکل ختم ہو جائے تو قومیں منتشر ہو جاتی ہیں اور امتیں مٹ جاتی ہیں۔

نبی اپنی امت کی مساعی کا میدان ظاہر اور غیب اور موجود و آخرت کی حدود کے اندر معین کرتا ہے۔ تاریخ کی ابتدا میں ہم دیکھتے ہیں کہ دو ہزار سال قبل مسیح کے لگ بھگ جب کہ مصر میں صنعت اور حرفت کی ابتدا ہو چکی تھی۔ جس نے آگے جاکر یونانی حکمت اور یونانی علوم و فنون کی بنیادیں رکھی تھیں اور دوسری جانب مشرق وسطیٰ میں وہ بلدیاتی ریاستیں قائم ہو چکی تھیں جنہیں یونان کی سٹی اسٹیٹیں (CITYSTATATES) کے لئے نمونہ بننا تھا تو اس وقت انسان کے ذہن میں یہ غلطیاں پیدا ہو رہا تھا کہ کیا شجر و حجر، اور شمس و قمر خود انسان کی طرح ایک ایسی شخصیت رکھتے ہیں جس کے ساتھ شعوری ربط پیدا کر کے اسے راضی کیا جا سکتا ہے یا یہ وہ ادنیٰ طاقتیں ہیں جنکے سامنے اظہارِ عبودیت و جستجوئے رضامندی کے بجائے اپنی استعداد اور قوت سے ان کو مسخر کرتا ہے۔ قرآن مجید شاہد ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی کہ ستارے، چاند یا سورج انسان کی تقدیر کے مالک نہیں۔

قال لا احب الافلین ۔۔۔۔ انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین ۝

فطری قوتوں کو تصور کی آنکھ سے یہ دیکھ کر انسان نے انکے جو مجسمے بت یا نقشے ڈھال لئے ہیں، وہ اس پر حاکم نہیں سلطنتوں کے وہ بادشاہ جو نمرود و شداد کی طرح حکم چلاتے ہیں، یہ بھی عام انسانوں سے بالاتر نہیں۔ بلکہ کائنات کا رب تو وہ ان دیکھی ہستی اور طاقت ہے جو کائنات اور کائنات کی ہر شے کو اپنی ان دیکھی قوتوں اور غیبی ترکیبوں سے وجود میں لاتا ہے۔ انسان کی جبین عبودیت صرف اسی کی بارگاہ میں جھکنی چاہیئے اس ایک سجدے سے وہ قبلہ تعمیر ہو گیا، جس نے سابقہ شعوبی عصبیتوں کو مٹا کر ایک نئی ملت پیدا کر دی۔

بتانِ شعوب و قبائل کو توڑ ۔ رسوم کہن کے سلاسل کو توڑ
یہی دینِ محکم یہی فتح باب ۔ کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب

اکثر مورخ بھول جاتے ہیں کہ صدیوں بعد یونان میں جو حریت، حکمت، سیاست اور فنون کے نمونے پیدا ہوئے، اگر انہوں نے مصر کے سائنس (سائنٹفک علوم) اور صنعت سے ورثہ حاصل کیا اور مشرق وسطیٰ کی بلدیاتی ریاستوں کے نمونے کو سامنے رکھا تو ان سب سے زیادہ ملت ابراہیمی کی روشنی تھی جس نے ظلمت کدۂ یونان میں سحر کی ابتدا کی۔

قریبًا ایک ہزار سال بعد جب فرعون کی سیاسی قوت اور قارون کی اقتصادی طاقت نے انسانیت کے تمدنی گوشے کو اپنے پنجۂ استبداد میں جکڑ رکھا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے احکام شرعیہ کی تختیاں ہیکل بیت المقدس میں سجا کر اپنی امت کو یہ پیغام دیا کہ قانون خالی جبر یا دولت سے استخراج نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس کا سرچشمہ انسانی معاشرے کی ہدایت ہے کھلے ہوئے قانون اور معاشرتی فلاح کا نمونہ یہی تھا جس کا چربہ صدیوں بعد رومن لار کی تختیوں پر اتارا گیا۔

جب انسانی قانون کی شوکت کو قانونی حاکموں کی غیر فطری بالادستی کی آڑ بنانے لگا اور عسکری قوت لے کر معاشرے کے حفاظت کے بجائے رعایا سے استحصال کا برتاؤ کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی کہ انسان صرف موجودہ قوت یا اجتماعی شوکت کے بل پر صحت مند معاشرہ قائم نہیں کر سکتا بلکہ اس کے سامنے موجودہ سے بہتر ایک مستقبل کا نصب العین بھی ہونا چاہیئے آسمانی بادشاہت کا یہی آئیڈیل تھا جس نے صدیوں

تک زمین کی سلطنت کو بھی تہذیب کی نعمتوں، تمدن کی ترتیبوں اور ثقافت کی برکتوں سے مالا مال کیا۔

غرض عقل انسانی نے جب کبھی اپنی جلوہ آرائی کا سامان پیدا کیا تو اس کے مظاہرے کے لئے میدان قبل از یں پیغمبر کی تعلیمات سے مہیا ہو چکا تھا۔ عقل کی کشتی اپنی سبک روی کا تماشہ تبھی دکھا سکتی ہے۔ جب معاشرہ غیبی طاقتوں کے ساتھ سازگاری پیدا کرکے وہ ہموار سطح فراہم کر لیتا ہے جس پر اس کشتی کو چلنا ہے اور آخرت کی منزل کی جستجو اس کشتی کے لئے ایک روشنی کا مینار تعمیر کر چکتی ہے ورنہ ممکنات کے اتھاہ سمندر کی حدبندی اگر شریعت کے ساحل سے نہ ہو ہوا در آخرت کا کوئی نقشہ کسی منزل کا تعین نہ کر چکا ہو، تو عقل بے چاری اس استدلال کی طرح ٹاپک ٹوئیاں مارتی اور حیران و پریشان رہ جاتی ہے جس کا کبریٰ مجہول ہو صغریٰ نامعلوم ہو اور نتیجہ ظاہر ہے کہ سوائے لاطائل ہونے کے اور کیا ہو سکتا ہے

مؤرخین نے عقل کی حدود اربعہ کے قیام کے لئے اقوام کے ارتقاء اور تہذیبوں کے نشو و نما کا سہارا بھی لیا ہے۔ لیکن وہ یہ واضح نہیں کر سکتے کہ قوم کو کیا چیز قوم بناتی ہے اور تہذیب کو کونسی قوت تہذیب کے درجے تک پہنچاتی ہے، قوم اور تہذیب دونوں کا تصور معاشرے کے تصور کے بغیر محال ہے اور معاشرہ صرف اسی اُمت کے اندر ممکن ہے جو غیب اور موجود اور حاضر و آخرت کی حدود کا تعین کر چکی ہو۔ جو انسان یہ نہیں جانتا کہ وہ جو کچھ نہیں جانتا اس کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے جو کچھ کہ وہ جانتا ہے اور جسے یہ معلوم نہیں کہ جو کچھ وہ جانتا ہے اس کا مصرف مطلب اور غایت کیا ہے۔ ایسا انسان حیوانیت کی اس سطح پر ہے جس کے ریوڑ دوسری طاقتیں ہانکتی ہیں۔ نہ صرف غیب اور آخرت کے تصورات کا مجرد تعین معاشرے کے قیام کی پہلی شرط ہے، بلکہ تصورات جو کچھ بھی ہوں تمام معاشرے میں ان یکسانیت بھی شرط ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ایسی یکسانیت کا پیغام ہمیشہ کوئی پیغمبر ہی لایا کرتا ہے۔ چاہے اس پیغام کی یا داس پیغامبر کی اُمت کی آئندہ پشتیں فراموش ہی کیوں نہ کر چکی ہوں۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ مورخین اور عمرانی محققین نے معاشرہ کی تشکیل کے اجزا غیب و آخرت، اور حرام و حلال کی اصطلاحات میں بیان کرنے بجائے نظریۂ ارتقا EVOLUTION THEORY کا سہارا بھی لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح موسم برسات میں زمین سے گھاس اگتی ہے اور فصل پک جانے پر پھل شباب کی عمر کو پہنچ جاتے ہیں۔ اور جس طرح موسم بہار میں پرندے خود بخود چہچہانے لگتے ہیں اسی طرح معاشرہ بھی بغیر احساس خود شعوری کے پروان چڑھ جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ جمادات کا ارتقاء نباتات میں دیکھنے والے اور نباتات کا ارتقاء حیوانات میں تلاش کرنے والے جب انسان کو تختۂ مشق بناتے ہیں تو اس کی ترقی کمالات و مقامات کی منزلیں آخرت میں تلاش کرنے کے بجائے اسے تنزل و انحطاط کی راہ دکھا کر اس کے ارتقا کو تسفل کے مدارج میں ڈھونڈتے ہیں۔ مان لیا کہ برسات میں خودرو گھاس اگ جاتی ہے لیکن کیاریوں کی چمن بندی تو دست مشاط کی محتاج رہتی ہے۔ یقیناً پرندے موسم بہار میں خود بخود چہچہانے لگتے ہیں، لیکن طوطا و مینا کو طرز تکلم سکھانے کے لئے تو کسی متکلم کی حاجت باقی رہتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ انسان تمدن کا کھوج ہم بن مانسوں اور بندروں کے جبلی میلانات اور وحشیوں کی شہوات میں تلاش کریں اور ملائکہ کی وساطت سے نازل ہونے والے وحی سے غفلت کی آنکھ بند کر لیں۔

اصول سے قطع نظر تفصیل میں دیکھئے تو مذہب سے ہٹ کر تمدن کی اساس سوائے نسل یا وطن کے اور کہیں متعین نہیں کی جا سکتی۔ آج روئے زمین پر تمام نسلی ریاستیں مٹ چکی ہیں اور جو ایک ریاست فنا نہیں ہوئی اس کی نسل کی بنیاد دین نے باقی رکھی ہے۔ اگرچہ اس دین کو مسخ کر دیا گیا ہے۔ وطنی ریاستوں کی تاریخ شاہد ہے کہ اوطان کی حفاظت کے لئے اقوام کو وطن پرستی کی مصیبتیں ترک کرکے بین الاقوامی ہتھکنڈوں کی تلاش ہے یہ بین الاقوامی ٹولیاں جب ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے مفاخرے کی زبان کھولتی ہیں تو اپنی وطن پرستی کو گناہ کی طرح چھپا کر اس پر انسان دوستی کا ملمع چڑھاتی ہیں۔ اس انسان دوستی کے پیچھے انسان کا تصور تلاش کیا جائے تو پھر الہامی کتابوں سے اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں حتیٰ کہ مسٹر خروشچیف نے بھی ایک حالیہ

تقریریں انجیل کے حوالے پیش کئے کہ یہ سرمایہ دار تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فقر کی نسبت قارون کی زر پرستی سے مشابہ ہیں

موضوع یہ تھا کہ انسانی کمالات کا جوہر پیغمبرانہ تعلیمات کے دائرے کے اندر محدود ہو کر ہی کھلتا ہے چاہے جوہر دکھانے والے زبان سے ان تعلیمات کا جزوی انکار ہی کیوں نہ کر رہے ہوں۔ رسالت کا یہ مفہوم تعین کرنے کے بعد ہمارے لئے آسان ہو گیا ہے کہ ہم عہد حاضر کے انسان کی مشکلات کا حل پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے نسبت قائم کرنے میں تلاش کریں۔

پیغمبروں کے مابین تفریق نہیں لیکن فضیلت ہے

انسان کے عہد طفولیت میں مختلف انسانی شروں کو اسی طرح قدم قدم پر فطرت کے سہارے اور امداد کی ضرورت تھی جس طرح ایک طفل شیر خوار ماں اور انا کا محتاج ہوتا ہے گھٹنوں کے بل چلنے والا بچہ قدم قدم چلنے لگا اور پھر رفتہ رفتہ بلوغت کی عمر کو پہنچ گیا تو آج یہ ساڑھے تیرہ سو سال قبل، وہ وقت بھی آ گیا جب کائنات کی ترقی امتوں کے بجائے ایک امت اور اجتماعی کوشش کے ساتھ ساتھ انفرادی فضیلتوں کے سپرد کر دی جائے یہی وہ مرحلہ تھا جہاں دوسری ملتوں پر بنی اسرائیل کے یہوہ (YAHOWAH) کی فضیلت کے بجائے اللہ کی توحید نے تمام باطل معبودوں کو اس طرح ملیا میٹ کر دیا کہ اب روئے زمین پر الفاظ تو شاید مختلف باقی ہوں لیکن خدا کے اقرار سے کسی کو مفر نہیں۔ تمام قدیم شریعتیں منسوخ کر کے ایک شریعت نے دین کی تکمیل کر دی۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً۔ اور۔ وتمت کلمۃ ربک صدقاً وعدلاً لا مبدل لکلمتہ وھو السمیع العلیم ط

میں قرآن کریم نے اس جانب واضح اشارے فرمائے ہیں۔ حیات بعد ممات کے مختلف اور الجھے ہوئے تصورات کے بجائے معاد اور آخرت کا ایک ایسا تصور سامنے آ گیا جس نے زندگی اور موت کو ایک لڑی میں پرو دیا۔

ان الاخرۃ لھی الحیوان اور خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً ط سے واضح ہے اور اسمیں۔ اس حقیقت کو نہایت ہی دل نشیں پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ پس یوں اخروی فضیلتیں دنیاوی برکتوں کے حصول کا وسیلہ بن گئیں۔ تب نوع انسان کو پہلی مرتبہ یاایھا الناس کے خطاب سے نوازا گیا۔ اور اکملت لکم دینکم کی نعمت تمام کر کے رب العالمین کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کل کائنات کی رہنمائی کا منصب عطا ہوا

تمام نوع انسان کو کہہ دو کہ میں سب کی طرف رسول ہوں

وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیراً ونذیراً

ترجمہ: اور آپ کو ہم نے تمام انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

یوم نبعث فی کل امۃ شہیداً علیہم من انفسہم وجئنا بک شہیداً علی ھٰؤلاء ونزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شیء وھدی ورحمۃ وبشری للمسلمین ط

ترجمہ: جس دن ہم ہر امت میں سے ان کے اندر ہی سے گواہ کھڑے کریں گے اور انہیں اے رسول ان تمام اقوام وامم اور ان کے شاہدین پر گواہ کھڑا کریں گے اس لئے کہ ہم نے تم پر وہ کتاب اتاری ہے جو ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والی ہے اور ان پر جو اس کتاب (احکام الٰہی) کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں ان کے لئے رحمت اور خوش خبری ہے۔

پہلی مرتبہ حکومت کا ایک ایسا نظریہ پیش ہوا جس میں ابیض واسود اور احمر واصفر سب کے لئے اہل الرائے کا منصب حاصل کرنے کا معیار تقوائے طے پا گیا۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم

اور خطبہ حجۃ الوداع میں مزید وضاحت فرماتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما

دیا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَىٰ ؎

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم!
چمن زادیم و از یک شاخساریم!
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نوبہاریم!

وحی کی راہ آئندہ کے لئے مسدود کر کے علم اور تحقیق کی ایسی شاہراہیں کھول دی گئیں جن پر چل کر ظاہر اور غیب، موجود اور مقصود، حاضر اور آخرت کے سنگم کو پل صراط کی طرح عبور کرنا ہر طالب کے لئے طریقۂ سلوک کی مانند ممکن ہو گیا۔

پیغمبر کی سنت سے اجماعِ اُمت کا رشتہ

عقل اور ماورائے عقل کے مابین جو حجاب حائل تھا وہ معراج والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث ''الصّلوٰۃُ معراجُ المومنین'' سے دور ہو گیا، لیکن عقل پر ماورائے عقل کے تمام راستے کھل جانے کے ساتھ یہ شرط عائد رہی کہ تمام راستے ایک دروازے سے ہو کر گزریں گے جس کا نام توحید ہے۔ علم جو کچھ جاننا چاہے جان سکتا ہے، فن جو کچھ بنانا چاہے اور جو کچھ حاصل کرنا چاہے حاصل کر سکتا ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جان پہچان میں یہ امر ملحوظ رہے کہ سب جانچ پڑتال کی اصلیت ایک رب کی محتاج ہے۔ اگر علم نے یکسانیت یک جہتی کا اسلوب ترک کر دیا تو ایسا علم متضاد اور منتشر ہو کر باطل ہو جائے گا۔ اگر کسی فرد نے اپنی مختلف معلومات کو ایک توحید پر مرتکز نہ کیا تو اس کی شخصیت کے پرزے پرزے ہو کر اس کے اعمال رائیگاں ہو جائیں گے جہاں علم کے لئے تمام راستے کھول کر ان کو توحید کے دروازے سے گزرنا لازمی قرار پایا۔ وہاں اس دروازے کی کلید اقرارِ رسالت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم قرار پائی۔ انسان ضعیف البنیان کو کائنات کے تمام اسرار و رموز سے دوچار ہونے کی اجازت اس شرط پر ملی ہے کہ ظاہر پر غیب کے دریچے کھول دینے والے پیغمبر کی سنت کا دامن کسی حالت میں ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اگر اُمت نے اس سنت کا دامن تھام لیا تو پھر اس سنت کا اجماع، سنتِ سلف صالحین کا منصب حاصل کرے گا اور اگر فرد کے اجتہاد نے اتباعِ صالحین، اجماعِ اُمت اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں کامیابی حاصل کر لی تو اس انفرادی اجتہاد کے لئے اہل الرائے کے اجماع کے مقام سے گزر کر خود اجماعِ امت کا مقام حاصل کر لینے کی راہ بھی کھلی ہے ؎

وہ دانائے سُبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا۔!
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

اور عقیدۂ خاتمیت کے صدقے اُمت کو مقامِ خویش سے یوں آگاہ کر دیا گیا ہے ؎

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد۔ بر رسول ما رسالت ختم کرد
رونق از ما محفلِ ایام را۔ او رُسل را ختم و ما اقوام را

عالمی مسائل اور پیغمبرِ عالم

آج رُوئے زمین کی انسانی آبادیوں پر نگاہ دوڑائی جائے تو تین بنیادی مسائل نے ہر جگہ انسان کو لاچار، مضمحل، پریشان اور دُکھی بنا رکھا ہے پہلا مسئلہ اخوتِ انسانی کا ہے۔ آج انسان کی ترقی کا راستہ بتوں، چڑیلوں، بدروحوں، درندوں اور سانپوں نے نہیں روک رکھا۔ بلکہ آج انسان کی ترقی اور حریت کے راستے میں سب سے بڑی رُکاوٹ وہ پلید انسان ہیں۔ جنہوں نے ان تمام بد اَرواح اور خبیث قوتوں کی خصلتیں اپنا لینے کی قسم کھا رکھی ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ انسان کا سہارا انسان بنتا اور انسان کی مشکلات کو انسان حل کرتا۔ لیکن

آج انسان کو سب سے بڑی فکر ہے تو انسان پر ایٹم بم ہائیڈروجن بم زہریلی گیس اور زہریلے جراثیم برسانے کی۔ اگر انسان قمر مریخ کا عزم کرتا ہے تو افلاک سے رحمتیں حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ بنی نوع انسان پر جنگ کے مکروہ دیوتا کے ساتھ سازش کر کے ہلاکت و مصیبت اور آگ برسانے کی خاطر یہ صورتِ حال ان منافقین کی مساعی سے کبھی اصلاح پذیر نہیں ہو گی، جو جمیعت اقوام بناتے ہیں تو کمزور کا گھر لوٹ لینے ہیں طاقتور کی خونخواری کی تسکین کی غرض سے اور یو۔ این۔ او بناتے ہیں تو عرب و فلسطین کی قسمت سے کھیلنے کے واسطے، جو جنیوا میں اکٹھے ہوتے ہیں تو مشرق وسطیٰ کی بندر بانٹ کی نیت سے اور جو دول کبیرہ کی مجلس کا اہتمام کرتے ہیں تو ملل صغیرہ کو اپنا نخچیر بنائے رکھنے کی خاطر ؎

در جنیوا چیست غیر از مکر و فن
صیدِ تو ایں میش و آں نخچیرِ من

اور

خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے۔ کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے۔ اس قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اسی سے

انسانی اخوت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تمام انسانوں کے مابین کوئی بنیادی قدرِ مشترک دریافت نہ کر لی جائے انسانی معاشروں کے درمیان کوئی بنیادی قدرِ مشترک اس وقت تک دریافت نہیں ہو سکتی جب تک انسان ایک پیدا کرنے والے، ایک پالنے والے اور ایک جان قبض کرنے والے کی توحید پر متفق نہیں ہو جاتے۔ نظریاتی توحید اس وقت تک قانون اور شریعت کی توحید پر منتج نہیں ہو سکتی جب تک کہ توحید کا سبق آخری نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے حاصل نہ کر لیا جائے ؎

دل بہ محبوبِ حجازی بستہ ایم
زیں جہت بایک دگر پیوستہ ایم

اخوتِ انسانی کے بعد آج انسانیت کو جو دوسری حاجت لاحق ہے، جابرانہ اور مستبدانہ حکومت کی اصلاح ہے۔ انسانوں نے اپنی اپنی کمائی حسب توفیق ٹیکس ادا کر کے حکومت کا خزانہ اس لئے بنایا تھا کہ محتاجوں کی حاجت روائی ہو سکے اور اجتماعی ضروریات کی کفالت مشترکہ جدوجہد سے ہو جائے۔ انسان نے اپنی حریت سے چند جگر کی بوٹیاں نوچ کر حکومت کو اس لئے اقتدار سونپا تھا کہ فرد کے ناموس اور وقار کا قرار واقعی تحفظ ہو سکے۔ لیکن آج امریکہ ہو یا روس جاپان ہو یا چین حکومتیں انسان کے سر پر سند باد جہازی کے تسمہ پا کی مانند اس طرح مسلط ہوئی ہیں کہ غریب کو دوڑا دوڑا کر ہلکان کر دیا ہے۔ خود کدوئے اقتدار سے پی پی کر مست ہو جاتے ہیں۔ غریب سند باد کو لقمۂ حلال بھی حلق سے اتارنے کی مہلت نہیں ملتی۔ اس مرض کا تدارک کبھی کسی ایک پیرِ اقتدار کی گدی پر کسی دوسرے پیرِ اقتدار کو بٹھا کر ممکن نہیں بلکہ اس کا ایک ہی اصولی حل ہے کہ اقتدار کے بتوں کو ان کے سنگھاسن سے اتار کر چکنا چور کر دیا جائے انسان پر کسی انسان کو اپنی رائے سے حکم چلانے کا حق نہیں حکومت صرف اللہ ہی کی ہے۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ط ؎

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بتانِ آزری

اللہ کے اختیارات کی تعمیل آخری رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو سونپی گئی تھی۔ اب انسان کے لئے سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب بن کر کچہری یا دربار میں احکام جاری کرنے کی کوئی وجہ جواز نہیں ؎

خلافت بر مقامِ گواہی است۔ حرام است آنکہ برما بادشاہی است
ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ۔ خلافت حفظِ ناموسِ الٰہی است

انسانیت کا تیسرا اہم مسئلہ آج کل یہ ہے کہ حریتِ فکر کی تحریک اس لئے چلائی گئی تھی تاکہ انسانوں کو جھوٹے آقاؤں اور ظالم فرماں رواؤں کی اطاعت سے نجات ملے۔ ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ جو چاہے اور جس طرح سے چاہے سوچے، یقین کرے اور عمل کرے۔ لیکن مصیبت یہ لاحق ہو گئی ہے کہ پابندیٔ افکار سے نجات دلانے کیلئے حریت افکار کا جو داعی اٹھتا ہے۔ نمرود، شداد، ہامان و فرعون بن کر بنی نوع انسان پر اپنے ذاتی، طبقاتی، نسلی اور خیالی اوہام و تعصبات

مُسلّط کرنے کے درپے ہو جاتا ہے ؎

ابھی تک آدمی صیدِ زبونِ شہر یاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے

جب لینن اور سٹالن کروڑوں انسانوں کو فنا کے گھاٹ اتار چکے، جب انقلاب کے نامور ترین علمبردار عرصہ تعذیب و تعزیر اور زنداں میں گزار چکے تو اب کمیونسٹ لیڈروں پر یہ راز کھلا کہ مارکس کی تعلیمات کا نفاذ متشددانہ انقلاب اور قتل وغارت کے بغیر جمہوری طریقوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ امریکی سفاک جب ریڈ انڈین (RED INDIANS) کی نسلوں کا صفایا کر چکے اور حبشی غلاموں کی کثیر آبادی کو تاخت و تاراج کر چکے تو انھیں غلاموں کو آزاد کرانے، نو آبادیات کو ڈومینین سٹیٹس (DOMINION STATUS) بنانے اور حرّیت و جمہوریت کے متعلق وعظ کرنے میں بڑی راحت محسوس ہوتی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ یہ حرّیت فلسطین میں امریکہ کے متبنّیٰ (اسرائیل) کو ضرر نہ پہنچائے اور الجزائر میں غلاموں کو آزادی عطا کی جائے تو وہ رضامندانہ طور پر اپنے آقاؤں کا طوق اپنے گلے میں ڈالنے پر آمادہ رہیں ورنہ جمہوریت کا غلط استعمال کرنے والوں کے علاج کے لئے کنٹرول اور گائیڈڈ ڈیماکریسی (GUIDED DEMOCRACY) کا پورا اسلحہ خانہ موجود ہے ؎

تہذیب کا کمال شرافت کا ہے زوال
غارتگری جہاں میں ہے اقوام کی معاش
ہر گرگ کو ہے برّۂ معصوم کی تلاش

تحریک حرّیتِ فکر کی اس بے راہ روی کا علاج فقط یہ ہے کہ انسان پر کسی دوسرے انسان کے افکار کی پیروی کی پابندی نہیں۔ البتہ تمام امتی انسانِ کامل صلے اللہ علیہ وسلم کے افکار کے مطیع رہنے کے پابند ہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر دوسرے انسانوں کی حرّیتِ فکر قائم نہیں رہ سکتی ؏

دلِ بحق بربند و راہ مصطفیٰ رَو!

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ

ترجمہ: اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی پکار کا جواب دو جب وہ پکارتا ہے تاکہ تمہیں موت کی حالت سے نکال کر زندہ کر دے ؎

محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی

انسانیت کی نجات رحمۃ للعٰلمین کی پیروی میں ہے

مجمل طور پر ہم دیکھ چکے ہیں کہ انسان کے علم کا آغاز ایسے حالات وکوائف کے ماتحت ہوتا ہے جن کی تحقیق و تفتیش وہ ایک حد سے آگے نہیں کر سکتا۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ انسان کا علم ایک ایسی حد پر ختم ہو جاتا ہے۔ جس سے آگے کے مسائل فقط انسانی جستجو سے حل نہیں ہو سکتے۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ آغاز و انتہا کی ان دو لاعلمیوں کے مابین انسانی علم کی جو مختصر سی زندگی ہے اس کے دوران میں بھی علم کی بقا انسانی معاشرے کی بقا کی محتاج ہے۔ جب علم سے علم ٹکراتا ہے۔ جب پیچیدہ معاشرتی مسائل کا حل معلومات سے فراہم نہیں ہوتا تو اس وقت انسان کو کائنات کی فطری ہدایا یا کی جانب سے راہنمائی کی حاجت ہوتی ہے جس کا پیغام صرف نبی بتا سکتے ہیں۔ جہاں علم انسانی کی حد ختم ہوتی ہے وہاں سے نبوت کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ منصب نبوت کے حاملین ہر دور میں انسانی پندار کو شکست دیتے رہے مگر انسان بھٹکتا رہا۔ یہاں تک کہ رب کائنات نے خاتم النبین کی بعثت فرما کر سلسلہ نبوت و ہدایت کی تکمیل کر دی ہے۔ محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذاتِ اقدس میں کائنات کے لئے ایک ایسا اسوۂ کاملہ وجود میں آ گیا جس کی کامل رہنمائی سے زندگی کے تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر لحاظ سے رضائے الٰہی کے حصول کا مکمل نمونہ پیش کیا بحیثیت ایک جج، بحیثیت ایک کمانڈران چیف، بحیثیت ایک معلمِ اخلاق، بحیثیت ایک مصلحِ معاشرہ، بحیثیت ایک قانون ساز بحیثیت ایک ماہر معاشیات واقتصادیات غرضیکہ انسانی زندگی

کویت کی ایک خوبصورت مسجد

کے ہر پہلو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تامّانہ صلاحیتیں اس مقام پر ہیں۔ کہ انسانیت اپنی تکمیل کے لیئے بر وقت انہیں ذروہ کمال پر دیکھے گی۔ بلکہ مقام نبوت کی وسعتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے انسانی ترقی کیلئے دامن کھلا رکھیں گی ؎

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو	آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفےٰ اورا بہاست	یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفےٰ است
خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا است	رحمۃ للعلمینی انتہا است

آج امکانی لحاظ سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر علم کے تمام دروازے اس طرح سے کھلے ہیں. کہ شرائع سابقہ میں جن مسائل کا کوئی حل موجود نہیں وہ آج علمائے اُمت محمدی کے ذریعے حل کر سکتے ہیں. لیکن حصولِ کمالات و ترقی مقامات کے ان محدود امکانات میں اپنی ہستی گم نہ کر بیٹھے اور ہدایت کے بجائے گمراہی سے بچنے کیلئے یہ لازمی ہے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو زندگی کے ہر شعبے میں ہر پہلو سے آخری حجت تسلیم کیا جائے. ایسا نہ کیا گیا تو خود علم علم سے ٹکرا جائے گا. ایک معاشرتی طبقے سے دوسرے معاشرتی طبقے کا فساد ہو جائے گا. اس عالم اخوت د مُساواتِ محمدی سے بہرہ مند ہونے کے بجائے اس قسم کی ہلاکت آفرین، جنگوں، اقتصادی رقابتوں اور معاشرتی مشکلات میں گرفتار ہو جائیں گی. جن کا مُشاہدہ ہم دو عالمگیر جنگوں کے زمانے میں خود اپنی آنکھوں سے کر چکے ہیں. اور تیسری عالمگیر جنگ کی تیاریاں ہر لحظہ ہمیں یاد دلاتی ہیں کہ رحمۃ للعالمین کی غلامی سے انکار کرنے والی قومیں اسی طرح ایک دوسرے کو چیر پھاڑ کر کھا جائیں گے. جس طرح بچھو خود ماں کے پیٹ کو نوچ کر پیدا ہوتے ہیں. اور ان کی اولاد خود ان کے لئے فرشتۂ اجل کا حکم رکھتی ہے.

بمصطفےٰ برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی

سیرتِ طیبہ پر مستشرقین کی تصانیف

ڈاکٹر عبد الرحیم قدوائی

ذہنی طور پر مفتوح اور مغلوب قومیں یا تو فاتح اقوام کی نقالی کرنا اپنے لیے باعثِ فخر وسعادت سمجھنے لگتی ہیں یا پھر ان سے دلی نفرت کرنا اور کینہ پروری روا رکھنا اپنا مقدس فریضہ سمجھ بیٹھتی ہیں نفرت اور بغض عناد سے عبارت اسی اندازِ فکر کو مستشرقین اپنی زبان میں ENOPHOBIA کہتے ہیں۔ اسلام اور سیرتِ طیبہ سے متعلق اہلِ مغرب کا رویّہ صدیاں گزر جانے کے باوجود اسی نفرت وعداوت کا آئینہ دار ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں پسپا ہونے پر ان میں اسلام کے خلاف پیدا ہوئی تھی۔

احساسِ برتری کے زعم میں مست اور خود پسندی کے نشے میں غرق کلیسا مشرق کے افق پر پھٹتی ہوئی پو کو نہ دیکھ سکا۔ وہ خوابِ غفلت سے اس وقت بیدار ہوا جب آفتابِ اسلام مشرق کو منور کرنے کے بعد انتہائی برق رفتاری کے ساتھ مغرب پر بھی ضیاء پاشی کرنے لگا۔ اس آفتاب میں روشنی ایسی خیرہ کر دینے والی تھی کہ کلیسا اس کو برداشت نہ کر سکا اسے اپنے بچاؤ کی صرف یہی صورت سوجھی کہ اس آفتاب پر پردہ ڈالا جائے اور اہلِ مغرب یہ فریضہ پورے تاریخی تسلسل وتواتر کے ساتھ آج بھی پوری طرح انجام دے رہے ہیں گو دعویٰ اس کا ہے کہ اب نہ قرونِ وسطیٰ کے تعصبات ہیں نہ وکٹورین عہد کے تسامحات بلکہ طرزِ فکر علمی، سنجیدہ اور سائنسی ہو گیا ہے۔

مغربی اہلِ قلم کی ایک پوری جماعت نے اپنے آپ کو دل وجان سے اس بات کے لیے وقف کر دیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو پیغمبرِ اسلام عقائدِ اسلام، احکامِ اسلام اور عمائدِ اسلام غرضیکہ اسلام سے متعلق ہر شے کے خلاف پروپیگنڈا کیا جائے اور ان کو ایسا مسخ کر کے پیش کیا جائے کہ اسلام سے ناواقف کسی شخص کا دل اسلام کے مطالعے کی طرف مائل ہی نہ ہو۔ سچ کو اس طرح بار بار اور پُر زور طریقے سے جھوٹ کہا جائے کہ رفتہ رفتہ دماغ اسے جھوٹ ہی سمجھنے پر مجبور ہو جائیں۔ ان مصنفین کی ساری دلچسپی اس بات میں تھی کہ اسلام کو کس طرح مسخ کر کے پیش کیا جائے خواہ اس کے لیے تاریخ کا گلا گھونٹنا پڑے یا نت نئے افسانے تراشنے پڑیں۔

اسلام کی تصویر کو مسخ کرنے کے لیے مستشرقین کی نظرِ انتخاب سب سے پہلے سیرۃ طیبہ پر پڑی۔ ایسا کرنے میں کئی مصلحتیں تھیں۔ اسلام کا بنیادی مآخذ تو قرآنِ پاک ہے لیکن اول تو عربی سے ناواقفیت آڑے آئی۔ دوسرے قرآنِ پاک سے متعلق بحث ہوتی بھی تو سراسر علمی جس سے عام مغربی قارئین کو کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ طے یہی پایا کہ سیرۃِ طیبہ میں جا بجا عامیانہ افسانوں کی آمیزش کی جائے اور اسے اس درجہ سنسنی خیز بنا دیا جائے کہ اس سے عوام الناس کو بھی دلچسپی پیدا ہو جائے اور ان کی اسلام دشمنی راسخ ہو جائے۔

سیرتِ طیبہ سے غیر معمولی دلچسپی اور اس باب میں قرونِ وسطیٰ کے اہلِ قلم کی تصانیف کی بہتات میں دخل ایک حد تک مغرب کی شخصیت پرست فطرت کو بھی ہے۔ یہی طبعی رجحان مغرب کے ان عقائد میں اس طرح جلوہ گر ہوا کہ حضرت عیسیٰ کو اس نے ابن اللہ ٹھہرایا اور عیسائیت کو محض حضرت عیسیٰ کی سوانح کا پرتو قرار دیا۔ مستشرقین چاہے بیسویں صدی کے سند یافتہ عالم ہوں یا قرونِ وسطیٰ کے نیم خواندہ لوگ ہوں وہ آج تک یہ سمجھنے سے قاصر رہے ہیں کہ سیرت کے بغیر مذہب اسلام کا مطالعہ ناممکن ہے۔ اسی نکتے کو بیسوی صدی ہی کے ایک مستشرق نے بڑے پر زور الفاظ میں اس طرح ادا کیا ہے

"NO UNDERSTANDING OF THE MINDS AND CHARACTERS OF MOHAMMEDANS IS POSSIBLE WITHOUT SOME KNOWLEDGE OF THAT WHICH HAS MADE THEM WHAT THEY ARE"

"اس چیز کے کچھ علم کے بغیر جس نے محمدیوں (مسلمانوں) کو وہ کچھ بنادیا جو وہ ہیں مسلمانوں کے ذہن اور کردار کو سمجھنا ممکن نہیں"۔

فی نفسہٖ تو یہ تصور بالکل صحیح ہے کہ سیرتِ طیبہ کے بھرپور مطالعہ ہی کی مدد سے مذہب اسلام کا ادراک ممکن ہے لیکن مستشرقین سیرتِ طیبہ پر طرح طرح کے اعتراضات کر کے قارئین کو یہ باور کراتے ہیں کہ یہ اسلام کی عملی صورت ہے تاکہ لوگ اسلام سے بدظن ہو جائیں۔ اسلام کے خلاف معاندانہ لٹریچر اور تعلیمات سیرت کو مسخ کرنے کے مشن کا آغاز سینٹ جان (SAINT JOHN) (سنہ ۶۷۶ء - ۷۴۹ء) کی تحریروں سے ہوتا ہے۔ گو موصوف دمشق ہی کے باشندے تھے لیکن ان کی تصانیف DE HAERSIBUS اور DIALEXIS سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے مبادیات تک سے ناواقف ہیں۔ ان کی تصانیف تنفر اور بغض و عناد سے عبارت ہیں۔ یہی انداز بیسویں صدی تک کی تصانیف میں پایا جاتا ہے۔ سینٹ جان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے متعلق ہر ممکن غلط بیانی کو عین تاریخی واقعے کی شکل میں پیش کرنے کا کارنامہ انجام دیا مثلاً آنحضرت سے بحیریٰ راہب کی ملاقات کے واقعے میں ایسی رنگ آمیزی کی ہے کہ قاری کو گمان ہوتا ہے کہ اسلام دراصل عیسائیت ہی کی ایک مسخ شدہ شکل ہے۔ سینٹ جان کا تراشا ہوا یہ افسانہ آج کے مغرب کے مسلّمات میں سے ہے۔

شاہ باسل اوّل (EMPEROR BASIL I) کے حکم پر بازنطینی اہلِ قلم نسطاس (NICETAS) نے نویں صدی عیسوی میں ردِّ اسلام میں ایک کتاب بعنوان (REFUTATIO - MOHAMMEDIS) تصنیف کی۔ اس تصنیف کو تاریخ سے ذرا بھی علاقہ نہیں ہے۔ کتاب کے مندرجات کیا ہیں محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں (نعوذ باللہ) گستاخانہ کلمات اور شر انگیز اتہامات ہیں۔ اسی طرزِ فکر کی نمائندہ اس دور کی دوسری اور تصانیف مثلاً تھیوفینیس (THEOPHANES) کی CHRO- NILES سینٹ یولوجیس قرطبی کی LIBER APOLO- GETICUS MARITWUR اور سان پیڈرو پاسکال کی SOBREEL SETON MAHOMETANA ہیں ان تصانیف کا پھیلایا ہوا زہر رفتہ رفتہ مغرب کے ذہنوں میں سرایت کرتا چلا گیا۔

ادب سماج ہی کا آئینہ ہوتا ہے۔ کوئی ادیب پیدائشی طور پر خواہ کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو، اپنے دور کے مسلمات سے کچھ نہ کچھ متاثر ضرور ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس دور کا ادب چاہے وہ لاطینی زبان میں والٹیر کا کلام ہو یا فرانسیسی میں الیگزنڈر کا یا ایمبریکو (EMBRICO) کی نظم AVITA MAHUMETI ہو۔ اپنے زمانے کے تعصبات کی عکاسی کرتا ہے۔ اس ضمن میں سب سے نمایاں مثال شہرۂ آفاق اطالوی شاعر دانتے (DANTE) (۱۲۶۵ء - ۱۳۲۱ء) کی ہے۔ نشاۃ ثانیہ (RENAISSANCE) کے اوتار کی حیثیت سے دانتے کو مغرب میں آج تک پوجا جاتا ہے اور اس کی علم دوستی، فراخ دلی اور روشن دماغی کا چہار سو شہرہ ہے لیکن اس کی مشہور نظم DIVINE COMED کے بعض حصّے ناقابلِ بیان حد تک شرمناک اور جہالت و تعصب کی بدترین مثال ہیں۔

قرونِ وسطیٰ کی ان تصانیف کے اس سرسری جائزے

سے یہی پتہ چلتا ہے کہ ان مصنفین کے پیش نظر بس یہی ایک مقصد تھا کہ کس طرح اس عظیم ہستی اور اس کے مقدس مشن کو داغدار کیا جائے تاکہ لوگوں کے دلوں میں اسلام کے لیے کوئی کشش باقی نہ رہے در اصل کلیسا کے لیے یہی ایک راہ باقی تھی کیونکہ دلائل سے اسلام کو غلط ثابت کرنے کی تو اس میں سکت ہی نہیں تھی۔

جہاں تک ان مصنفین کے اعتراضات کا تعلق ہے ان میں سے ایک بھی وقیع علمی یا سنجیدہ انداز کا نہیں کسی مصنف کو وحی اور نبوت ہی سرے سے غیر حقیقی محسوس ہوئی تو کسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکّی اور مدنی ادوار کی زندگی میں تناقض نظر آیا کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی پہلو پر اعتراضات کیے تو کسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی میں جادو کا ہاتھ کارفرما نظر آیا۔ ان مصنفین کو اسلام میں اول تو کوئی خوبی ہی نظر نہیں آئی اور اگر کسی بات کی تعریف بھی کی تو اس کے بارے میں یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ یہ بحیرا راہب کی تعلیمات کی وجہ سے ہے۔ قرونِ وسطیٰ کی ان تصانیف کو بجا طور پر مجموعۂ خرافات کا نام دیا جا سکتا ہے۔

قرونِ وسطیٰ تو خیر بقول اہلِ مغرب کے ان کی تاریخ و تمدّن کا ایک تاریک دور (DARK AGES) ہے لیکن سیرۃ طیبہ سے متعلق ذہنوں پر چھائی ہوئی تاریکی کو نہ نشاۃ ثانیہ (RENAISSANCE) کی علمیت دور کر سکی نہ دَورِ عقلیت (AGE OF REASON) کی عقلیت۔ دوسرے علوم و فنون میں یورپ نے واقعۃً عقل کی رہنمائی میں نئے نئے تجربات کیے، اشیاء کو جانچا پرکھا، سائنسی مزاج اپنایا اور تہذیب و تمدن کے سرمائے میں بہت کچھ اضافہ کیا لیکن تاریخ اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق رویہ بدستور تنفر، تنگ نظری اور جہالت ہی کا رہا۔

سیرت کے ضمن میں دانتے کی نام نہاد علم دوستی اور روشن خیالی کا ذکر ہو چکا، اس سے کہیں بڑھ کر جہالت کی کھلی ہوئی مثال شیکسپیر (۱۵۶۴ء - ۱۶۱۶ء) کے ہاں نظر آتی ہے۔ وہی شیکسپیر جس کا نام آتے ہی اہلِ علم و فن گویا سربسجود ہو جاتے ہیں شیکسپیر بلاشبہ عظیم فن کار رہا ہے اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ فطرت کی نباضی اور ادراک اس سے بڑھ کر کسی اور فن کار کے ہاں نہیں ملتا مگر دوسری طرف مذہب کے بارے میں شیکسپیر کی کم علمی کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ وہ اپنے ایک تاریخی ڈرامے ہنری ششم (HENRY VI) (ایکٹ اوّل منظر دوم لائن نمبر ۱۴۰) میں وحی کے بارے میں لکھتا ہے کہ ایک فاختہ نزولِ وحی کا فریضہ انجام دیتی تھی۔

مشہور انگریزی انشاء پرداز لارڈ بیکن (BACON) (۱۵۶۱ء - ۱۶۱۶ء) نے اس سے بھی کہیں بڑھ کر افسانہ طرازی کی ہے۔ پوری سنجیدگی کے ساتھ اور تاریخی واقعے کے طور پر اپنے ایک انشائیے (OF BOLDNESS) میں طنزیہ اور استہزائیہ پیرایہ میں یہ روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس بات کا دعویٰ تھا کہ پہاڑ بھی ان کے مطیع ہیں اور ایک مجمع کی موجودگی میں انھوں نے اپنے دعوی کو ثابت کرنے کے لیے ایک پہاڑی کو حرکت کرنے کا حکم دیا لیکن جب پہاڑی میں جنبش پیدا نہ ہوئی تو یہ جملہ کہا:

"IF THE HILL WILL NOT COME TO MAHOMET, MAHOMET WILL GO TO THE HILL."

"اگر پہاڑ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس نہیں آئے گا تو محمد خود اس کے پاس جائیں گے" اور یہ فقرہ آج تک انگریزی زبان میں بہ طور ضرب المثل رائج ہے۔

بیکن اور شیکسپیر کے مندرجہ بالا اقتباسات سے مقصود

محض ان کی جہالت کو آشکار کرنا نہیں بلکہ اس امر کی نشاندہی کرنا ہے کہ تعصبات جب ذہنوں میں راسخ ہو جاتے ہیں تو ان سے سماج کا کوئی طبقہ محفوظ نہیں رہتا اور یہی تعصبات رفتہ رفتہ عقائد کی شکل اختیار کر جاتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کی ساری تصانیف میں اسلام دشمنی اور واقعاتِ سیرت کو حد درجہ مسخ کر کے پیش کرنے کی خصوصیات مشترک ہیں ۔

اہلِ مغرب کی اسلام دشمنی کا اندازہ اس امر سے بھی ہوتا ہے کہ اوائل سترھویں صدی میں اصلاح (REF-ORMATION) تحریک کے زیرِ اثر کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کی باہمی مناظرہ بازی میں ایک فریق دوسرے کو مطعون کرنے اور مردود ٹھہرانے کے لیے جو انتہائی سخت الزام لگاتا تھا وہ یہ ہوتا تھا کہ فریق مخالف اسلام سے متاثر ہے۔ گویا اسلام سے کسی درجے واقفیت یا تعلق عوام کے دلوں میں کراہت اور تنفر پیدا کرنے کا مؤثر ترین حربہ تھا۔

سیرتِ طیبہ سے متعلق قرونِ وسطیٰ کے اہلِ قلم کی پھیلائی ہوئی جہالت کی ایک تاویل یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ ان مصنفین کو اسلام سے براہِ راست واقفیت نہ تھی ، لیکن اٹھارھویں صدی کے ان مصنفین کے لیے تو اسلام اور سیرت سے متعلق براہِ راست مواد حاصل کرنے کے کہیں بہتر وسائل موجود تھے کیونکہ تقریباً تمام مغربی ممالک مثلاً ہالینڈ و انگلستان اور فرانس سے مسلم ممالک کے تجارتی تعلقات تھے اور خود مغربی اہلِ قلم میں عربی سے واقفیت اس حد تک پیدا ہو چلی تھی کہ ۱۶۴۹ء میں قرآن پاک کے انگریزی اور فرانسیسی تراجم شائع ہوئے لیکن جب شر انگیزی ہی مقصود ہو تو آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں کان بہرے ہو جاتے ہیں اور دماغ کھلی ہوئی حقیقتوں کو بھی ناقابلِ التفات ٹھہرانے لگتا ہے۔

سیرتِ طیبہ پر سترھویں صدی کی ایک اہم تصنیف ہمفری پریڈکس (HUMFERY PRIDEAUX) کی
THE TRUE NATURE OF IMPOSTURE FULLY DISPLAYED IN THE LIFE OF MAHOMET. ۱۶۹۸ء
ہے ۔ مندرجات کا اندازہ عنوان ہی سے کیا جاسکتا ہے۔ تک اس کے تین ایڈیشن شائع ہوئے اور مقبولِ عام بنے۔ اس تصنیف کو مدتوں تک اہلِ مغرب کے لیے سیرت پر سند کا درجہ حاصل رہا

جارج سیل (SALE) کی عربی دانی بے شک اپنی جگہ مسلّم ہے لیکن ان کے ترجمۂ قرآن (۱۷۳۴ء) کے حواشی بھی اپنے دور کے تعصبات ہی کے آئینہ دار ہیں ۔ ایسے ہی تعصبات کا بڑا نمایاں عکس اس دور کے دوسرے اہم فرانسیسی مترجم قرآن (SAYHRY) کے ترجمۂ قرآن (۱۷۵۲ء) کے اُن حصوں میں بھی پایا جاتا ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک آیا ہے ۔ نامور مورخ ایڈورڈ گبن (GIBBON) بھی ان تعصبات سے محفوظ نہیں رہا ہے اس کی شہرۂ آفاق تصنیف THE DECLINE AND THE FALL OF THE ROMAN EMPIRE
مغربی معیاراتِ تاریخ نویسی کے اعتبار سے یقیناً بلند پایہ ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اس کے نتائج اپنے دور کے تعصبات کی پیداوار ہیں ۔

اسلام دشمنی اور واقعات کو مسخ کرنے کی اور گھناؤنی مثال فرانسیسی اہلِ قلم والتائر VOLTAIRE کے یہاں ملتی ہے سیرت پر اس کا ڈرامہ
LE FANATISME ON MAHOMET LE PROPHETE
(۱۷۴۲ء) اس دور کے تعصبات اور خرافات کا نقطۂ عروج ہے۔ اس کے مندرجات ایسے پست سطحی اور رکیک ہیں کہ ان کا ذکر تک کرنا مشکل ہے ۔ صدیوں پر محیط اس پورے دور میں ایک حد تک سلجھے ہوئے انداز کی مثال صرف جرمن شاعر گوئٹے (GOETHE) کی نظم "MAHOMETS GESANG" (۱۷۷۳ء) میں پائی جاتی ہے لیکن تعصبات سے بالکل بری یہ نظم بھی نہیں۔

قصہ مختصر اٹھارویں صدی کے آخر تک ایک پورا دفتر کا دفتر اس مضمون کا تیار ہو گیا کہ (معاذ اللہ) اسلام لغویات سے پُر اور خوبیوں سے قطعاً عاری ایک مذہب کا نام ہے اور سیرتِ طیبہ سے متعلق بھی یہ تصورات اہلِ مغرب کے ذہنوں میں خوب رچ بس گئے کہ نبوت کا دعویٰ باطل تھا اور وحی کی کوئی اصلیت ہے نہ جواز اور پیغمبرِ اسلام کی ذاتِ گرامی کسی اعتبار سے بھی قابلِ ذکر یا قابلِ تقلید نہیں ۔ اسی طرح یہ عقیدہ بھی اہلِ مغرب کے شعور

میں خوب راسخ ہو گیا کہ اسلام کو جو کچھ بھی کامیابیاں نصیب ہوئی ہیں وہ محض بزورِ شمشیر ورنہ کیا اخلاقی کیا روحانی ہر اعتبار سے یہ مذہب قابلِ نفرت ہے۔ غرضیکہ ظہورِ اسلام کے گیارہ سو سال بعد بھی رویہ بدستور معاندانہ رہا اور یہی وجہ ہے کہ اس دور کی تصانیف قرونِ وسطیٰ کے تعصبات کے رنگ میں رنگی ہوئی نظر آتی ہیں۔

وکٹورین اور جدید دور کی تصانیف

انیسویں صدی کے مغرب کی زندگی میں صنعتی انقلاب اور جمہوریت وغیرہ کی تحریکوں کے زیرِ اثر ہر ہر میدان میں انقلاب آئے لیکن اسلام اور سیرتِ طیبہ سے متعلق طرزِ فکر بنیادی طور پر وہی رہا جو قرونِ وسطیٰ میں تھا۔ اتنا فرق ضرور ہوا کہ واقعات کو مسخ کرنے کے انداز میں ایک نوع کا سلیقہ آگیا۔ جو بات پہلے براہِ راست اور دو ٹوک الفاظ میں کہی جاتی تھی وہ اب مبہم انداز میں کہی جانے لگی۔ لیکن رویّہ رہا بدستور تعصبات اور بغض و عناد ہی کا۔

اس دور کی تصانیف کا نقطۂ آغاز مشہور مغربی اہلِ قلم ٹامس کارلائل (THOMAS CARLYLE) (۱۷۹۵ء - ۱۸۸۱ء) کے لیکچرز کو سمجھ لیجیے تاریخ کے تقاضوں سے مجبور ہو کر کارلائل نے سیّدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا شمار تو یقیناً تاریخ کے اہم ترین افراد میں کیا لیکن اس عظمت کو تسلیم کرنے میں بڑے قیل و قال سے کام لیا۔ اس کے لیکچرز میں جا بجا ایسی باتیں ملتی ہیں جو قرونِ وسطیٰ کے تعصبات پر مبنی ہیں۔

سیرتِ طیبہ سے متعلق ایک قابلِ ذکر کام اس دور میں یہ ہوا کہ ابتدائی سیرت نگاروں مثلاً ابن ہشام، واقدی اور ابن سعد کے تراجم مغرب میں شائع ہوئے۔ مترجمین میں نمایاں شخصیتیں جرمن مستشرقین فان کریمر (VAN KREMER) اور اسپرنگر (SPRENGER) کی ہیں۔ سیرت پر اس دور کی اہم تصانیف ویل (WELL) کی MOHAMMED DER PROPHET, SEIN LEBEN UND SEIN LEHRE (۱۸۴۳ء) اور پیری ویل کی ESSAI SULL HISTOIRE DER ARABES (۱۸۴۰ء) ہیں۔ میور (MUIR) اور دوسرے متعدد مستشرقین کے لیے یہ دونوں تصانیف مدتوں تک سرچشمۂ ہدایت بنی رہیں جبکہ ان مصنفین کی علمیت کا مقام یہ ہے کہ ان کو اسلام بطور ایک مذہب اور تاریخی حقیقت کے سرے سے تسلیم ہی نہیں۔ دراصل دونوں نے اسلام کو عیسائیت اور یہودیت کی ایک مسخ شدہ شکل قرار دیا ہے۔

انیسویں صدی کے وسط میں اسپرنگر نے سیرتِ طیبہ سے متعلق ایک نئے طرزِ فکر کی طرح ڈالی۔ چونکہ موصوف علمِ طب میں سند یافتہ تھے لہٰذا انھوں نے نزولِ وحی کی کیفیت کو "صرع" یعنی مرگی کے مرض سے تعبیر کیا۔

اس موضوع پر ان کی تصنیف DAS LEBEN UND DIE LEHREDES MOHAMMED (۱۸۶۱ء - ۱۸۶۸ء) ایک عرصے تک مرجعِ عوام و خواص رہی۔ ایک نہیں متعدد اہلِ قلم نے اسپرنگر کے اس مفروضے کو عین حقیقت تسلیم کرکے نبوت اور سیرت پر خوب حاشیہ آرائی کی۔ اس طرزِ فکر کی نمائندہ کتابوں میں ڈاکٹر فرانز بہل (Dr. FORANZ BUHL) کی MUHAMMAD'S LIV (۱۹۰۳ء) آئرلینڈ کی ON THE HALLUCINATION OF MOHAMMED (۱۸۸۹ء) اور ڈاکٹر میکڈانلڈ (Dr. MACDONALD) کی ASPECTS OF ISLAM (۱۹۱۱ء) شامل ہیں۔

سر ولیم میور (SIR WILLIAM MUIR) نے ایک دوسرا ہی فتنہ کھڑا کیا۔ ان کی تصنیف A LIFE OF MAHOMET (۱۸۶۱ء) کا مرکزی خیال یہ ہے کہ نعوذ باللہ اسلام اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ تہذیب و تمدن اور آزادی کا مخالف اور کوئی نہیں۔ قرونِ وسطیٰ کے تعصبات سے پُر اس تصنیف کو اہلِ مغرب نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ خود موصوف کی زندگی ہی میں اس کے تین ایڈیشن شائع ہوئے۔ اپنے مندرجات سے کہیں بڑھ کر یہ تصنیف اس اعتبار سے فتنہ سامانی کا باعث بنی کہ میور کی اس تصنیف سے متاثر ہو کر مغرب میں درجنوں کتابیں شائع ہوئیں اور آج تک ہو رہی ہیں۔

چونکہ سیرتِ طیبہ کے بنیادی ماخذ قرآنِ پاک اور احادیث ہیں لہٰذا مستشرقین کے ایک جتھے نے ان بنیادی ماخذ کو ہی مشکوک ٹھہرا دیا تاکہ سیرت کی تاریخیت اور اس کا پیغام دونوں ہی بے معنیٰ ہو کر رہ جائیں۔ اپنے اس مشن کی تکمیل کے لیے انھوں نے لبادہ تو محققین کا اوڑھا لیکن شعوری اور لاشعوری طور پر ان کی فکر بھی قرونِ

وسطیٰ کے اولین اہل قلم سے مختلف نہیں۔ افسانوں کو تاریخی رنگ میں پیش کرنا دونوں کی مشترک خصوصیت ہے۔ مستشرقین کی اس صف میں گولڈزیہر (GOLDZIHER) اور ہنری لیمنس (HENRY-LAMMENS) نمایاں نظر آتے ہیں۔ اگر گولڈزیہر کے نزدیک بیشتر احادیث ضعیف اور تاریخی اعتبار سے ناقابلِ اعتبار ہیں تو لیمنس کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت اور واقعات کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے۔

بیسویں صدی کے شروع میں مغرب میں سیرت سے متعلق ایک اور خیال خوب مقبول ہوا۔ اس طبقۂ خیال کے مصنفین کو تاریخی اعتبار سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی کامیابی تسلیم ہے لیکن کامیابی انہیں اسلام کے ہمہ گیر انقلابی پیغامات اور سیدنا محمد عربی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مثالی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ ظہور اسلام کے زمانے کے مخصوص سماجی اور معاشی عوامل کے سبب نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مصنفین کی نگاہ میں آنحضرت کا مقام بس ایک ایسے ذہین سیاسی رہنما کا ہے جس نے اپنی سیاسی بصیرت سے اپنے سماج کے کمزور اور غریب طبقوں کی آرزوؤں اور مفادات کو مدِ نظر رکھ کر ایک نیا پیغام پیش کیا جس نے مروجہ سیاسی اور معاشی نظام کو تہ وبالا کر ڈالا اور اس طرح آنحضرت نے خود اقتدار کامل بھی حاصل کر لیا۔ گویا اسلام محض معاشی بنیادوں پر قائم کیا ہوا ایک نظام ہے اور آنحضرت اس کے پرجوش اور کامیاب بانی۔ اس طرزِ فکر کی ابتدا جرمن مستشرق ہبرٹ گرم (HUBERT GRIN) کی تصنیف (MOHAMMAD) (۱۸۹۲ء) سے ہوئی اور اسی اندازِ فکر کا نقطۂ عروج ڈیوڈ مارگولیتھ (DAVID MARGBUITH) کی متعدد تصانیف ہیں مثلاً موصوف کی MOHAMMAD AND THE RISE OF ISLAM (۱۹۰۵ء) نیز ENCYCLOPEDIA OF RELIGION AND ETHICS (ایڈنبرا ۱۹۵۳ء) ENCYCLOPEDIA BRITANNIA (کیمبرج ۱۹۱۰ء) میں شائع شدہ ان کے مضامین جو آج تک اہل مغرب کے ذہنوں پر اپنے مسموم اثرات مرتب کر رہے ہیں۔ کم و بیش یہی نقطۂ نظر اطالوی مستشرق لیون کٹیانی (LEON CAETANI) کی تصنیف ANNALI DELL ISLAM' (۱۹۰۷ء) میں بھی نظر آتا ہے۔

بیسویں صدی کے مشہور مورخ ٹوئن بی ARNOLD TOYONBEE کی گو سیرت طیبہ پر کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے لیکن ان کی A STUDY OF HISTORY (۱۹۱۱ء) میں جہاں کہیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آیا ہے، وہاں تعصب پوری طرح نمایاں ہے۔ ٹوئن بی کو تضاد اور تناقض آنحضرت کی مکی اور مدنی زندگی کے ادوار میں نظر آیا ہے اور یہ نکتۂ اعتراض ایک ٹوئن بی ہی پر کیا موقوف کم و بیش ہر مستشرق کی تصنیف میں موجود ہے۔ دین اور دنیا کو الگ الگ خانوں میں بانٹنے اور یہ عقیدہ رکھنے والی ہم پر کہ "جو کچھ قیصر کا ہو وہ اسے دے دو اور جو کچھ خدا کا ہے خدا کے حوالے کر دو"۔ یہ حقیقت کسی طرح واضح نہیں ہوتی کہ کسی مذہبی نظام میں دین و دنیا کی وحدت بھی ممکن بلکہ ضروری ہے۔

سیرت طیبہ پر مخصوص رجحانات کی آئینہ دار بیسویں صدی کی تصانیف کا ذکر ہو چکا۔ رہیں متفرق تصانیف تو ان میں بھی تعصبات کا رنگ بہت نمایاں ہے۔ ان تصانیف کا صرف مرکزی نکتۂ خیال پیش ہے۔

غرضیکہ تصانیف خواہ قرون وسطیٰ کی ہوں یا جدید ہوں سیرت طیبہ کے واقعات کو غلط انداز میں پیش کرتی ہیں مستشرقین کی تصنیفات سے مسلم محققین کی واقفیت بہت ضروری ہے تاکہ وہ ان کا رد کر کے اور اسلامی تعلیمات کو صحیح انداز میں پیش کر کے لوگوں کو مستشرقین کے شر انگیز اثرات سے محفوظ رکھ سکیں چونکہ خود مسلمانوں کے ایک اچھے خاصے طبقے کا اسلام سے واقفیت کا دار و مدار ان ہی تصانیف پر ہے اس لئے یہ اقدام کرنا اور بھی زیادہ ضروری ہے۔

حوالہ

G.W. BROOMFIELD, 'THE PSYCOLOGY OF MOHAMMED" THE MUSLIM WORLD XV), (1926), P. 37-

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ

محمد تسلیم رضوی اعظم گڑھ
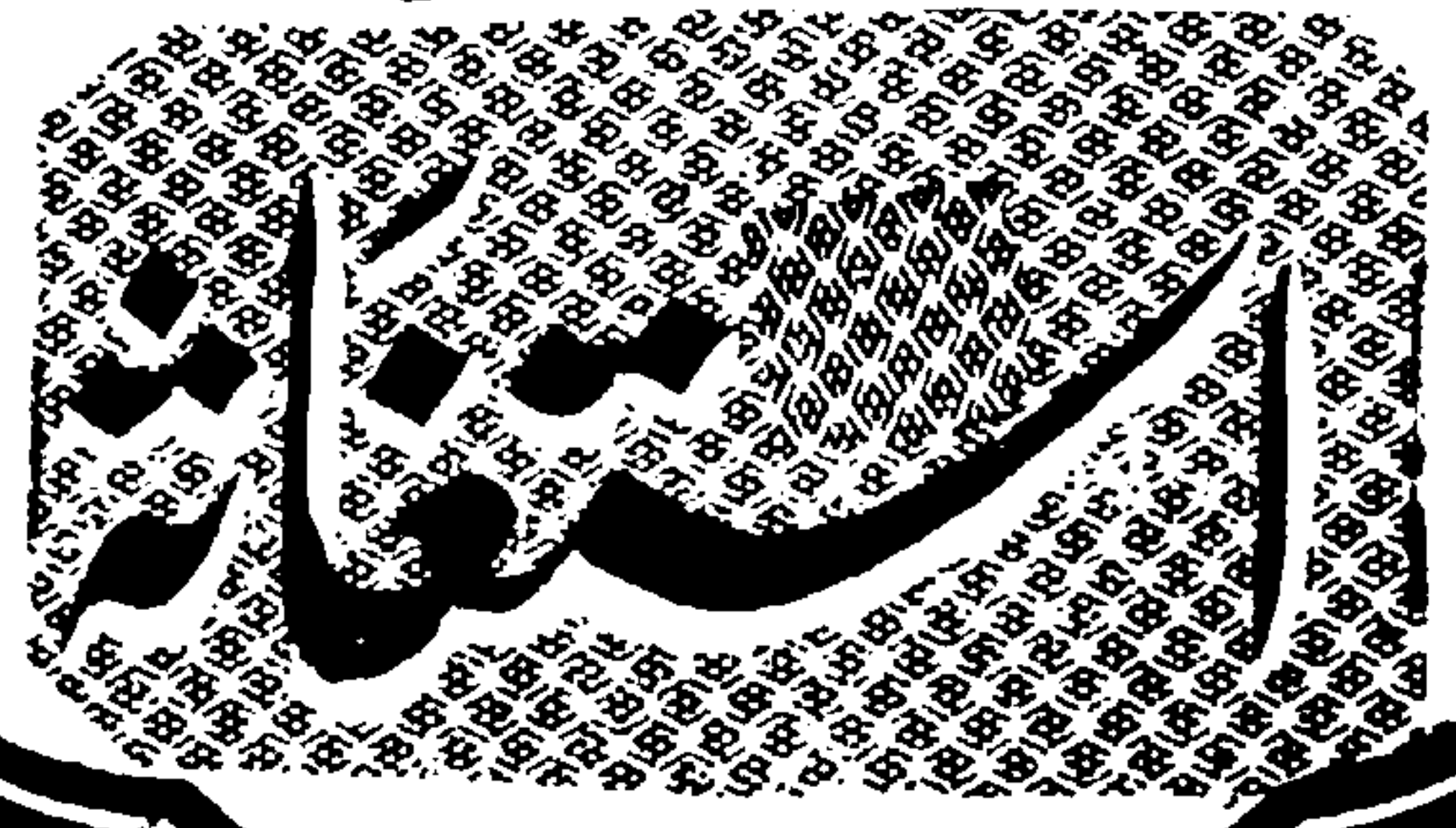
ندائے یارسول اللہ سے متعلق عرب وعجم کے علمار اہل سنت بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ انھوں نے اپنی تصانیف میں قرآن وسنت، عمل صحابہ، عمل تابعین اور عمل ائمہ دین سے اس کے جواز کا کافی ثبوت فراہم کر دیا ہے۔ مگر آج بھی ایک طبقہ اسے شرک ٹھہرانے پر مصر ہے اور وہ کوئی دلیل ماننے کے لیے تیار نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عمل کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خداداد اختیار پر یقین اور ان کی ذات کریم کے ساتھ دل کی وابستگی سے ہے جو نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو بے اختیار اور مجبور محض سمجھے اور ان کی جناب میں طرح طرح کی گستاخیاں روا رکھے اور اس پر اڑا رہے۔ اس کے لیے دلائل کا ضخیم دفتر بھی بے سود ہے۔ ہاں جو ان کے وسیع اختیارات وکمالات کو ماننے کو تیار ہو اور ان کے ساتھ تعلق خاطر رکھتا ہو اس کے اطمینان کے لیے ایک ہی دلیل کافی ہے۔ تصرف واختیار پر کلام دوسری جگہ ملاحظہ کریں۔ میں یہاں ندا کے متعلق مختصر بحث پیش کرتا ہوں۔

ندائے یارسول اللہ

حضور نبی رحمت رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استغاثہ واستعانت آپ کی ولادت شریفہ سے پہلے پھر آپ کی ظاہری حیات میں اور آپ کی وفات اقدس کے بعد تینوں حالتوں میں قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ اس طرح ندائے یارسول اللہ کا جواز بھی شریعت کے اصول مقدسہ سے ثابت اور عمل ملائکہ وصحابہ وغیرہم سے تائید یافتہ ہے۔ جس کو نہ تو عہد رسالت میں رد کیا گیا نہ عہد صحابہ میں رد کیا گیا اور نہ عہد تابعین وتبع تابعین میں رد کیا گیا۔ بلکہ اہل ادیان میں سے کسی نے کسی زمانے میں بھی اس کا انکار نہیں کیا یہاں تک کہ وہابیوں کے مورث اعلیٰ ابن تیمیہ کا ظہور ہوا اور سب سے پہلے اسی نے اس بارے میں کلام کیا۔ خطاب وندا، استغاثہ وفریاد سے سخت وحشت کا اظہار کیا اور اس کو اسلامی تعلیمات کے منافی بلکہ کفر وشرک تک کہا اسی وقت لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی اور ابن تیمیہ کے اس کلام سے مصر وشام میں بہت بڑا فتنہ برپا ہو گیا۔ علماء حق نے سختی سے اس کا رد کیا جن میں سے علامہ تقی الدین سبکی کا رد زیادہ سنجیدہ، مدلل، مضبوط اور گہرائی وگیرائی کے باعث آج تک "شفاء السقام" کی صورت میں متداول ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو خود ابن تیمیہ کو بھی اپنے رد میں سب سے اچھی کتاب معلوم ہوئی۔ آج بھی بعض حضرات ایسے ہیں جو بظاہر مسلمان اور اسلامی لباس میں ملبوس نظر آتے ہیں۔ مگر ان

کے باطن ان کے ظاہر کے خلاف ہیں۔ بلکہ ان کے افکار و نظریات اسلامی افکار و نظریات سے متصادم اور اسلامی منشا و ہدایت کے برعکس ہیں۔ لیکن ذات سرورِ کائنات سے دوری اور انتہائی تعظیم پر شرک گری کا بیج ابن تیمیہ کا ہی بویا ہوا ہے جو آج حکومت اور سرمایہ کے زور سے پروان پا کر تناور درخت بنتا جا رہا ہے۔

ہم اسی حیثیت سے ندائے یا رسول اللہ پر شرع مطہرہ کے ایسے واضح نصوص پیش کر رہے ہیں جنہیں دیکھ کر اہلِ انصاف کو حق پہچاننے میں دیر نہ لگے گی۔

اس مسئلہ میں مخالفین کی غلط فہمی کا خاص سبب یہ ہے کہ خطاب و ندا کے سلسلے میں وہ اس بات کے قائل ہیں کہ جو سامنے ہو اسی کو ہم پکاریں اور جس کو ہم دیکھ رہے ہوں اسی کو آواز دیں، ان کا یہ ضابطہ خانہ ساز ہے، جو عقلاً اور نقلاً فاسد ہے۔ پہلے اسی ضابطہ سے متعلق گفتگو ملاحظہ کریں۔

خطاب و ندائے یا رسول اللہ قواعد کی روشنی میں

اصل یہ ہے کہ جس شخص کو یہ اطمینان ہو کہ میرا مخاطب میرے خطاب و ندا کو سن رہا ہے یا سن لے گا تو بلا شبہ وہ اس کو دور و نزدیک اور غیب و حضور سے مخاطب کر سکتا ہے اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ ایک تو یہ ہے کہ اس کی آواز میں اتنی قوت ہو کہ وہ دور دراز تک پہنچ جائے۔

۲۔ دوسری یہ کہ سننے والے کے کان میں اتنی طاقت ہو کہ وہ دور دراز کی آواز سن لے۔

۳۔ تیسری یہ کہ کوئی لے جا کر مخاطب تک پہنچا دے۔

ان تینوں صورتوں کی مثالیں عالم روحانی اور عالم محسوسات میں موجود ہیں۔ خود آپ سیکڑوں خطوط اپنے خویش و اقارب اپنے احباب اور اپنے بزرگوں کے پاس دنیا کے بیشمار گوشوں میں روانہ کرتے رہتے ہیں۔ اور اس انداز سے خطاب کرتے ہیں کہ جیسے آپ ان کے سامنے بیٹھ کر ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے ہوں۔ صرف اس امید پر کہ ڈاک کا محکمہ اس کو مخاطب تک پہنچا دے گا۔ ٹیلیفون، ریڈیو اور وائرلیس کی مثال اس سے بھی واضح ہے جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ سننے سنانے کے ذرائع اگر قابلِ اطمینان ہوں تو کسی کو دور سے پکارنا شرعاً، عادتاً، عقلاً ہر طرح سے جائز بلکہ واقع ہے۔ لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جس طرح مادہ اور مادی ذرائع کو اتنی قوت حاصل ہوئی کہ سکنڈوں میں ایک آواز ساری دنیا کا سفر طے کر لیتی ہے جس کے باعث آج خطاب و ندا کا دائرہ ہفت اقلیم بلکہ اس سے آگے پہنچ چکا ہے۔ کیا روح اور روحانی وسائل میں بھی اس طرح کی قوت کہیں پائی جاتی ہے یا نہیں؟ روحانیوں نے عالم واقعہ میں مادہ اور مادی قوت کی بجائے اپنی عظیم قوت روحانی میں دور کی آوازیں سننے سنانے کی کوئی مثال پیش کی ہے یا نہیں؟ جواب اثبات میں ہے۔ جس کے تحت تینوں صورتوں کی مثالیں پیش خدمت ہیں:

عالم روحانیت میں فاروق اعظم کی صدائے غیبت

۱۔ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ تاریخ الخلفاء ص ۸۵ پر یوں رقم طراز ہیں:۔ بیہقی اور ابو نعیم نے دلائل النبوۃ، لالکائی نے شرح السنۃ، ابن عربی نے کرامات اولیاء اور خطیب نے امام مالک سے انھوں نے نافع سے انھوں نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لشکر پر حضرت ساریہ کو امیر بنا کر روانہ کیا پھر ایک دفعہ حضرت عمر خطبہ کے دوران اچانک پکارنے لگے "یا ساریۃ الجبل" تین بار پکارا پھر کچھ دن کے بعد ساریہ کا قاصد آیا تو اس نے حقیقت حال سے روشناس کرایا کہ ہم لوگ شکست کھا رہے تھے کہ ہم نے ناگہاں تین بار ایک آواز سنی کہ "اے ساریہ پہاڑ" تو ہم لوگوں نے پہاڑ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے کر لیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دے دی۔ تب لوگوں نے حضرت عمر سے کہا۔ اسی لیے آپ ساریہ کو زور زور سے پکار رہے تھے اور وہ پہاڑ تو بہت

دور نجم کے شہر "نہاوند" میں تھا۔ یہ عالم روحانیت میں صدائے غائبانہ کی پہلی مثال تھی اب ملاحظہ ہو دوسری مثال:

حضور سیدنا غوث اعظم کا ندائے غائبانہ سن کر مدد فرمانا

اس کو امام ابوالحسن نورالدین علی بن یوسف نے اپنی کتاب بہجۃ الاسرار میں اسانید کثیرہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہ کتاب خاص محدثانہ جرح و نقد کی روشنی میں نہایت معتبر سندوں کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ مصنف کی جلالت شان کے معترف شمس الدین ذہبی جیسے عظیم نقاد حدیث بھی ہیں۔ لہٰذا اس کتاب کے واقعات کی صحت میں کلام کی گنجائش نہیں۔

مقصود ذکر واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ عجم کے کسی دور دراز علاقے میں کسی جنگل کے اندر ایک قافلہ کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ اس وقت قافلہ والوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اگر ہم اس وقت غوث حضرت اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یاد کرتے اور اس بلا سے مامون و محفوظ رہتے تو ہم نہیں کچھ نذر کرتے۔ چنانچہ انھوں نے غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فریاد کی۔

آپ نے اتنی دور بغداد میں رہ کر ان کی فریاد سن لی اور اپنی کھڑاؤں ڈاکوؤں کی سرکوبی کے لیے فضا میں اچھال دی اور ایسا غضبناک نعرہ لگایا جس کی آواز اس جنگل میں سنی گئی۔ کھڑاؤں نے ڈاکوؤں کے سردار کو مار ڈالا یہاں تک کہ مارے ہیبت کے ڈاکوؤں نے لوٹا ہوا مال واپس کر دیا۔

اس بات میں دو باتیں قابل غور ہیں (۱) آپ نے ان مظلوموں کی آواز اتنی دور سے سنی (۲) اور اپنی آواز اتنی دور جنگل میں پہنچا دی۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرماتے ہیں جو کسی تکلیف میں مجھ سے فریاد کرے وہ تکلیف رفع ہو اور جو کسی تکلیف میں میرا نام لے کر ندا کرے وہ سختی دور ہو اور جو کسی حاجت میں اللہ کی طرف مجھ سے توسل کرے وہ حاجت بر آئے۔

اور جو دو رکعت نماز ادا کرے ہر رکعت میں بعد فاتحہ کے سورۂ اخلاص گیارہ مرتبہ پڑھے پھر سلام پھیر کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجے پھر عراق شریف کی طرف گیارہ قدم چلتے ہوئے میرا نام لیتا جائے اور اپنی حاجت یاد کرے اس کی وہ حاجت روا ہو۔

("بہجۃ الاسرار" وغیرہ، بحوالہ انوار الانتباہ ص ۲۴)

اس عالم کی آواز برزخ میں پہنچتی ہے

تیسری صورت کی مثال اتنی واضح ہے کہ مسلمان تو مسلمان کافروں تک کے لیے اس کا ذکر احادیث کریمہ میں ہے کہ تعلق روحانی سے ایک شخص کی آواز دوسرے تک پہنچتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ تاجدار مدینہ ارشاد فرماتے ہیں: "کوئی کافر جب مرجاتا ہے تو اس کے خویش و اقربا واجبلاہ واسیداہ جیسے الفاظ کے ساتھ روتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر ایسے دو فرشتوں کو مقرر فرماتا ہے جو اس کو ٹھونگے مار مار کر کہتے ہیں کہ کیا تو ایسا ہی سردار اور پہاڑ تھا۔" (مشکوٰۃ شریف" ص ۱۵۲)

حاصل کلام یہ ہے کہ خواہ عالم مادیات ہو یا عالم روحانی، ہر جگہ اطلاع و آگاہی اور ندا و خطاب کی یہ تینوں صورتیں جاری و ساری ہیں۔ یہیں تک بس نہیں بلکہ (۱) حضور سب کے سلام کا جواب دیتے ہیں (۲) ان تک درود و سلام پہنچائے جاتے ہیں (۳) پاس والوں اور اہل محبت کا سلام مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔ بطور دلیل مندرجہ ذیل احادیث کریمہ علی الترتیب پیش ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت حسن روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم جہاں کہیں رہو مجھ پر درود و سلام بھیجو، کیونکہ تمہارا درود ہم تک پہنچ جاتا ہے۔
(شفا، قاضی عیاض ج ۱ ص ۷۰)

۲۔ حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں گھومتے رہتے ہیں اور میری بارگاہ تک میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں۔
(شفا، قاضی عیاض ج ۱، ۶۹)

۳۔ سلیمان بن سحیم سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ
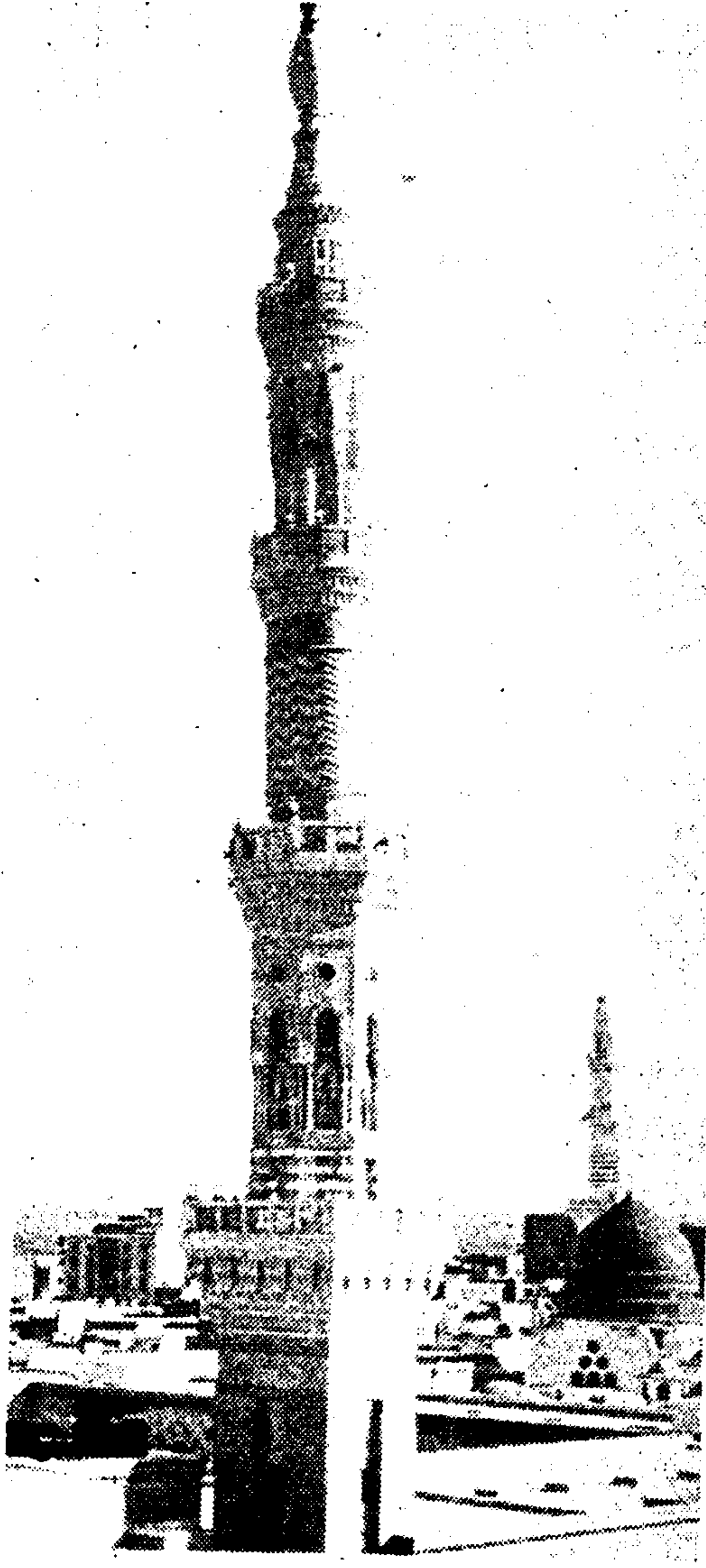
علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ آپ کی بارگاہ مقدس میں حاضر ہو کر سلام کرتے ہیں تو کیا آپ ان کے سلام سے آگاہ ہوتے ہیں فرمایا، ہاں اور جواب بھی دیتا ہوں۔ (الیضاح ج اص ۶۹)

مطالع المسرات میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں، میں اپنے اہلِ محبت کا سلام خود سنتا ہوں وہ جہاں کہیں ہوں۔

المختصر مذکورہ بالا گذارشات سے یہ بات واضح ہو چکی کہ خطاب و ندا کا دار و مدار وہی ہے جس کو قواعد کی روشنی میں بیان کیا گیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہر سلام کرنے والے کے سلام سے نہ صرف آگاہ ہوتے ہیں بلکہ جواب بھی دیتے ہیں۔

مدینہ میں بیٹھ کر دے رہا ہوں ندا
ہے یقیں سن رہے ہیں مرے مصطفیٰ
یہ سلامت رہے عشق کا رابطہ
میں نے مانا مدینہ بہت دور ہے

ندائے مطلق قرآن و تفاسیر کی روشنی میں

باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "اے مسلمانو! رسول اللہ کو ایسا نہ پکارو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ (پ ۱۸ سورۂ نور)

آیت مذکورہ سے متعلق تفاسیر میں جو تشریحات ہیں ہم ان میں سے چند بطور اختصار پیش کرتے ہیں:

۱۔ امام مجاہد سے روایت ہے کہ آیت شریفہ کے ذریعہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ حضور کو یا رسول اللہ کہہ کر نرمی اور تواضع سے پکاریں یا محمد کہہ کر تلخی اور ترشی سے آواز نہ دیں۔ (تفسیر طبری ج ۱۸ ص ۱۲۱)

۲۔ کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پکارنا اور ان کا نام لینا، آپس میں ایک دوسرے کے پکارنے اور نام لینے کی طرح مت کرو کہ نام لے کر سخت آواز میں حجرہ شریف کے پیچھے ہی سے پکارو۔ لیکن حضور قلب کے ساتھ جیسے یا نبی اللہ یا رسول اللہ کہہ کر تعظیم و توقیر اور تواضع کے ساتھ نرم آواز سے پکارو (بیضاوی تفاسیر اربعہ ص ۴۳۲)

۳۔ یا محمد نہ کہو یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہو نرمی و تواضع سے آواز دیں۔

۴۔ حضور کے نام لینے اور ان کے پکارنے کو آپس کے نام لینے اور پکارنے کی طرح نہ کرو کہ باپ کے رکھے ہوئے

مدینہ منورہ کا پرکیف نظارہ

نام سے خطاب کرو۔ یا محمد نہ کہو۔ یا نبی اللہ یا رسول اللہ اور تعظیم و توقیر اور نرم آواز کے ساتھ ندا دو۔"

(جلالین شریف ص ۳۰۲)

حضور کا نام لے کر نہ پکارو جیسے ایک دوسرے کو آپس میں پکارتے ہو۔ یا محمد بن عبداللہ نہ کہو۔ بلکہ آپ کی تعظیم و توقیر کرو ان کو معظم و مکرم رکھو اور نرمی و تواضع سے یا نبی اللہ یا رسول اللہ کہو۔ (مدارک ص ۴۳۲)

۶۔ ان کا پکارنا آپس میں پکارنے کی طرح نہیں کہ نام لے کر چلا کر یا محمد یا احمد کہو۔ لیکن حضور کا لقب یاد کرو جیسے یا نبی اللہ اور یا رسول اللہ۔" (تفسیر خازن، ص ۲۴۴)

مذکورہ بالا چھ مفسرین کی تشریحات کی روشنی میں اس آیت کریمہ سے سب سے پہلی اور ہمارے موضوع کے لحاظ سے اہم بات تو یہی ثابت ہوئی کہ خاص لفظ یارسول اللہ کے ساتھ رسول گرامی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکارنے کا حکم آیت میں موجود ہے۔

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ پکارنے میں ادب و احترام ملحوظ رہے اور تعظیم و توقیر کا خیال رہے۔ تیسری بات یہ ثابت ہوئی کہ وہ سامنے نہ ہوں تو آواز بلند نہ ہو اور یہ امر بھی آیت کے مفہوم سے خارج نہیں کہ خود حضور کی بارگاہ میں رہ کر بھی یہ خطاب کیا جا سکتا ہے۔ اور ان کی بارگاہ سے دور رہ کر بھی۔ ان کے عہد گرامی میں بھی ندا جائز تھی اور آج کے زمانہ میں بھی، کیونکہ آیت میں نہ کسی عہد کی تخصیص ہے نہ کسی شخص کی، نہ غیبت کا ذکر ہے نہ شہود کا، اس لیے آیت کے عموم میں سبھی صورتیں داخل ہیں اور سب جائز ہوں گی۔

ندائے مطلق احادیث کریمہ کی روشنی میں

امام بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی "جب تم میں سے کوئی نماز میں قعدہ کرے تو کہے تحیات اللہ کے لیے ہیں۔ نمازیں اللہ کے لیے ہیں اور طیبات بھی۔ سلام ہو آپ پر اے نبی

روضہ مبارک حضرت مخدوم علاء الدین صابر کلیری

اور اللہ کی رحمت اور برکت ہو اور سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔" (مشکوٰۃ ص ۸۵)

یاد رہے کہ یہ حدیث شریف بھی صحابہ سے لے کر اختتام دنیا تک ہر قرن اور ہر خطۂ عالم کے مسلمانوں کے لیے ایک عام حکم ہے کہ خاص نماز میں تمام دنیا کے کسی گوشہ سے بھی رات دن میں پانچ مرتبہ اپنے پیغمبر رسول عربی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکاریں۔ "اے نبی" اور ان پر سلام عرض کریں۔ تو جب عین عبادت الٰہی اور نماز پنجگانہ میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکارنا، سلام کرنا شرک نہیں ہوا تو نماز سے باہر بدرجہ اولیٰ مشرک نہ ہوگا بلکہ شرعاً محمود و مستحسن ہوگا۔

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:
اپنے دل میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو حاضر کرو اور کہو کہ سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکت ہو اور یہ سچی امید رکھو کہ سلام حضور تک پہنچ رہا ہے اور وہ مناسب جواب دے رہے ہیں۔ ہمارے فقہائے کرام کا بھی ارشاد درمختار وغیرہ کتب معتبرہ میں بیان ہوا ہے کہ "الفاظ تشہد سے یہی قصد ہو کہ ہم تحیات اور سلام خود پیش کر رہے ہیں نہ کہ کسی اور کے فعل کی حکایت بیان کر رہے ہیں۔" جس سے

یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ نماز میں جب "السلام علیک ایہا النبی" کہے تو یہی سمجھ کر کہ واقعتہً میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نداء دے رہا ہوں، انہیں خطاب کر رہا ہوں اور ان سے سلام کر رہا ہوں اگر مسلمان غور کریں تو ندار یا رسول اللہ کے بارے میں یہی ایک ثبوت کافی ووافی ہے۔

عہد رسالت میں قریب سے ندائے یا رسول اللہ

اس امر کے ثبوت کے لئے یہ بتا دینا کافی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طرز خطاب ہی یہ تھا کہ کبھی کچھ عرض کرنا ہو تو یا رسول اللہ، کچھ طلب کرنا ہو تو یا رسول اللہ، کوئی جواب دینا ہو تو یا رسول اللہ، سلام کرنا ہو تو یا رسول اللہ۔

الغرض: صحابہ کرام نے مذکورۃ الصدر آیت کریمہ کے حکم کو اپنا حرز جان بنا لیا تھا۔ اور عام طور سے سرکار ابد قرار صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسی طرح خطاب کرتے تھے۔

عہد رسالت میں دور سے صدائے یا رسول اللہ

یہ حدیث شریف امام نسائی، امام ترمذی، امام بیہقی اور ابن ماجہ نے تخریج کی اور امام حاکم نے روایت کیا اور اس کی تصحیح کی، اسی طرح اور اماموں نے اس حدیث کو صحیح کہا اور صحاح ستہ میں سے تین کتابوں میں یہ حدیث مذکور ہے۔ عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اندھے نے بارگاہ رسالت میں عرض کی، یا رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ اللہ پاک سے دعا کیجئے کہ وہ میری آنکھوں کو کھول دے آپ نے فرمایا جاؤ نماز پڑھنے دو رکعت نماز پڑھو۔ پھر یہ دعا مانگو اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں تیرے نبی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے توبہ کرتا ہوں۔ اے محمد میں آپ کو آپ کے رب کی بارگاہ میں وسیلہ لاتا ہوں کہ میری آنکھ کھل جائے یا اللہ ان کی سفارش میرے بارے میں قبول فرمالے۔ نابینا صحابی نے یہ عمل کر لیا تو وہ اس حال میں لوٹے کہ آنکھ روشن ہو گئی تھی۔

بعد وصال قبر انور کے پاس خطاب

حضرت ابو حنیفہ مسند میں حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور پر قبلہ کی طرف سے آئے پیٹھ قبلہ کی طرف کرے اور رُخ قبر انور کی طرف پھر کہے سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکت۔ (مسند امام اعظم، ص ۱۰۳)

فقہائے کرام بھی لکھتے ہیں: "پھر کہے سلام ہو آپ پر اے اللہ کے نبی اور اس کی رحمت اور برکت میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں آپ نے رسالت پہنچائی امانت ادا کی اور امت کی خیر خواہی کی" (شفا رج ۲ ص ۷۱)

بعد وصال دور سے خطاب

حضرت نعمان بن بشیر روایت کرتے ہیں کہ زید بن خارجہ یک بیک مدینہ شریف کی کسی گلی میں گرے اور روح پرواز کر گئی، انہیں اٹھا کر گھر لائے گئے اور کپڑے سے چھپا دئے گئے مغرب وعشاء کے درمیان اس حالت میں کہ عورتیں ان کے ارد گرد رو رہی تھیں۔ یہ سنا گیا کہ وہ کہہ رہے ہیں چپ رہو۔ چپ رہو، پھر چادر الٹ دی اور بولے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول، نبی امی، خاتم النبیین ہیں۔ یہ پہلی کتابوں میں مذکور ہے پھر بولے سچ کہا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر ابوبکر، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر کیا پھر کہا "السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" پھر مردہ ہو گئے۔
"(قاضی خاں" ج ۱ ص ۱۴۸)

عہد صحابہ میں ندائے یا رسول اللہ

یہ بات درجہ صحت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جب بھی سفر سے آتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر حاضر ہو کر کہتے "سلام ہو آپ پر یا رسول اللہ، سلام ہو آپ پر یا ابوبکر، سلام ہو آپ پر اے میرے باپ" (خلاصۃ الوفا، ص ۴۹، شفا رج ۲ ص ۷۶)

عہد تابعین میں ندائے یارسول اللہ

حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگرد رشید حضرت علقمہ کہتے ہیں۔ میں جب مسجد نبوی شریف میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں سلام ہو آپ پر اے اللہ کے نبی اور اللہ کی رحمت و برکت ہو۔" (شفا ، جلد ۲ ص ۵۸)

عہد تبع تابعین میں ندائے یارسول اللہ

شام کے تین بھائی غزوہ کرتے تھے اور بہادر شہسوار تھے۔ رومیوں نے انہیں قید کرلیا۔ بادشاہ نے انہیں لالچ دلائی کہ میں تمھیں جاگیر بھی دوں گا اور اپنی لڑکیوں سے شادی بھی کردوں گا شرط یہ ہے کہ عیسائیت قبول کرلو۔ ان لوگوں نے صاف انکار کر دیا اور یا محمد کا نعرہ لگایا۔ بادشاہ نے مایوس ہوکر تین برتنوں میں تیل گرم کرنے کا حکم دیا۔ تیل کھولایا جانے لگا۔ ہر دن بھائیوں کو یہ منظر دکھایا جاتا۔ تیسرے روز بڑے بھائی پھر منجھلے بھائی کو کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا گیا۔

عہد مابعد تبع تابعین میں ندائے یارسول اللہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے قصیدہ میں عرض گزار ہیں:

خرابم زرغم ہجر جمالت یارسول اللہ
جمال خود نما رحمے بجان زار و شیدا کن
بہر صورت کہ باشد یارسول اللہ کرم فرما
بلطف خود سر و ساماں جمع بے سر و پا کن

(یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے جمال کی جدائی کے غم میں برباد ہوگیا ہوں اپنا جمال دکھاکر جان زار اور دل شیدا پر رحم کیجئے —— یارسول اللہ جس صورت سے بھی ہو کرم فرمایئے۔ اپنی مہربانی سے اس گروہ بے سامان کے اسباب فراہم فرمایئے۔ (اخبار الاخیار ص ۳۲۲)

شاہ ولی اللہ جنھیں مخالفین اپنا پیشوا اور اپنا مستند و معتمد مانتے ہیں اور بات بات پران کا حوالہ دینا فخر سمجھتے ہیں وہ اپنی کتابوں میں ندائے یارسول اللہ کے جواز بلکہ اس کے عمل کی صراحت کرچکے ہیں۔ یہاں ان کا ایک شعر پیش کیا جاتا ہے:

رَسُولَ اللّٰہِ یا خَیرَ البرایَا
نَوالَکَ ابْتَغِیْ یَوْمَ الْقَضَاءِ

اے اللہ کے رسول! اے مخلوقات میں سب سے بہتر فیصلہ کے دن میں آپ ہی کی بخشش کا طالب گار ہوں

دین متین کے معتمد علماء اور ائمہ کرام کے ایسے صریح اعمال اور ارشادات بہت ہیں جن سے ندائے یارسول اللہ کا کھلا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ اس موضوع پر امام احمد رضا خاں قدس سرہ کے رسالہ "انوار الانتباہ فی حل نداء یارسول اللہ" اور ان سے متقدم ائمہ دین کی تصانیف میں تفصیلی دلائل مرقوم ہیں۔ جن کا مطالعہ ایمان و یقین میں تازگی اور عشق و محبت میں بالیدگی کا سبب ہوگا

بغداد شریف

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

بحیثیت

معلم انسانیت

جمال حمید صدیقی

اے ظہور تو شباب زندگی
جلوہ ات تعبیر خواب زندگی
در جہاں شمع حیات افروختی
بندگاں را خواجگی آموختی

سید المرسلین آقائے دو جہاں، محسن انسانیت، خاتم الانبیاء کی ذات مبارکہ کا مطالعہ ہم جس پہلو سے بھی کریں ہمیں اس میدان میں حضور کی حیثیت مشعل راہ کی سی نظر آتی ہے ہر جگہ آپ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لئے ایک نمونہ بن جاتا ہے لیکن شہنشاہ عرب و عجم کا تذکرہ کرتے ہوئے ہزار بار یہ سوچنا پڑتا ہے کہ کہیں لکھتے وقت شان گرامی میں کچھ سہو نہ ہو جائے اسی لئے کسی شاعر نے کہا ہے کہ

ع باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

لیکن اس ذات مبارک کا ذکر جس عنوان سے جس گھڑی بھی کیا جائے کم ہے یہاں تک کہ دنیا کے تمام سمندر سیاہی بن جائیں اور تمام درخت قلم پھر بھی آپ کی شان گرامی کے ایک پہلو کو بھی مکمل نہ کر سکیں گے۔

اس سے پہلے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ بحیثیت ایک معلم کے کریں یہ بات لابدی ہے کہ وہ حالات بیان کئے جائیں جن میں آقائے دو جہاں اس دنیا میں تشریف لائے تو دنیا کی کیا حالت تھی دنیا ظلم و بربریت اور جہالت کا مسکن تھی تہذیب و تمدن اور اخلاق و ادب کی محفلیں سونی اور ویران تھیں جب کہ رقص و سرود عیش و نشاط، صنم و ساغر کی انجمنیں سجی تھیں حق پرستی اور وحدانیت کا تصور انسانی ذہنوں سے محو اور بتان آذری کا چرچہ اور غلغلہ تھا انسانیت موت کے دروازے پر کھڑی آخری سانس لے رہی تھی حیوانیت اور شیطانیت بام عروج پر تھی کفر، حق کو منہ چڑا رہا تھا جہالت علم کا تمسخر اڑا رہی تھی معمولی معمولی باتوں پر جنگ و جدل اور غارت گری کا بازار گرم ہو جاتا تھا بقول الطاف حسین حالی۔

س کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا
یونہی ہوتی رہتی تھی تکرار ان میں، یونہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

اس وقت ہر انسانی معاشرہ مختلف طبقات میں بٹا ہوا تھا۔ اخلاقی اور اجتماعی امراض پوری طرح گھر کر چکے تھے دھرتی انسانوں کے خون سے انسانوں کے ہاتھوں ہی لالہ زار ہو رہی تھی۔ ایسے عالم میں رسول کریم تشریف لائے۔ ایسی تاریک اور مایوس کن فضائیں پروان چڑھے اور یہی شب و روز تھے جب چالیس سال کی عمر میں آپ ہدایت الٰہی کے نور اور حیات انسانی کی کایا پلٹ دینے والا نسخہ کیمیا لے کر غار حرا سے نکلے۔ اسی نور سے آپ نے زندگی کی تاریک راہوں کو روشن کیا بھٹکے ہوؤں کو صراط مستقیم دکھائی اور اسی نسخہ

کیمیا سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو بدل کر رکھ دیا ذلت وخواری کے مقام سے اٹھا کر عزت وشرف کی جگہ پر بٹھایا ایک مکمل واکمل دستورِ حیات اور آئین حکمرانی دیا۔ معاشرت کے آداب سکھائے اقتصاد ومعیشت اور تہذیب واخلاق کے اصول دئے نوعِ انسانی کی شیرازہ بندی کی اور ایک صحت مند معاشرہ تشکیل دیا انسانی تاریخ جس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے وہ کون سا شعبہ ہے جس کے بارے میں آپ نے حکمت بھرے اقوال سے راہ نہ دکھائی ہو یہ آپ ہی کی معلمانہ صلاحیتوں کا کرشمہ ہے کہ آپ نے بربریت، جہالت، تعصب، تفاخر اور ہوس اقتدار کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں غرق دنیا کو بقعۂ نور بنا دیا۔ دنیا کے ہر حصے میں طبقات کا فرق تھا۔ وہ کون معلم تھا جس نے،

مصرعہ "بشارت دی مساوات بشر کی نوعِ انساں کو"

وہ معلم بے شک بلاشبہ حضور پر نور کی ذات والا صفات تھی جس نے بہ بانگ دہل اس دنیا کو بتا دیا کہ عربی وعجمی، ابیض واسود، آقا وغلام میں کوئی تمیز روا نہیں اور آپ ہی معلم ہیں جن کے درس پر چلتے ہوئے

شعر
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

آپ کی بعثت کا اولین مقصد فضائل اخلاق اور اعمال حسنہ کی تعلیمات تھا تمام اعلیٰ اخلاقی اقدار جن میں صداقت امانت، صبر وتحمل، عفو ودرگزر، عدل وانصاف، سخاوت، فیاضی شجاعت، عزم واستقلال شامل ہیں آپ کی حیاتِ طیبہ کا تار وپود تھیں آپ کی معلمانہ صلاحیتوں سے تمام اقوام عالم نے بصیرت و زندگی حاصل کر لی۔ قافلۂ انسانیت کو اپنی راہ معلوم ہو گئی۔ انھیں کی تعلیم کا فیضان ہے کہ آج ہماری دنیا علم وحکمت کی ضیا پاشیوں سے درخشاں ہے آپ ہی کی تعلیم نے مشرکوں کو موحّد بنایا تہذیب سے ناآشنا افراد کو حسنِ ثقافت اور اسرارِ حیات سے روشناس کرایا۔ من کی دنیا میں انقلاب لا کر دیدارِ دوست سے نوازا "آپ معلم اخلاق ہیں"، جب اس جملے پر غور کیا جاتا ہے تو یہ شعر خود بخود نوکِ زبان پر آجاتا ہے۔

شعر
میں فدا اس چمن آرائے حجازی پہ ظفر
جس کے اخلاق کی نکہت سے معطر ہے مشام

ترمذی کی یہ حدیث آپ کے معلّم اخلاق ہونے پر گواہ ہے۔ "وہ شخص جنت میں کبھی داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی نخوت وغرور ہے"۔ ابوداؤد کی یہ حدیث بھی اخلاق کی اہمیت اظہر من الشمس کرتی ہے کہ "قیامت کے دن مومن کے میزان عمل میں حُسنِ اخلاق سے بڑھ کر کوئی چیز وزنی نہیں ہوگی"۔ نبی کریم معلم ہیں عدل وانصاف کے۔ ابوداؤد میں حضرت ابوایوب انصاری سے مروی ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔ "جس شخص نے ایسے غیر مسلم پر ظلم کیا جس سے (اسلامی حکومت کا) معاہدہ ہو چکا ہے اور جبراً اس سے کوئی چیز حاصل کی تو اللہ تعالیٰ اس شخص پر جنت حرام کر دیتا ہے"۔ آپ نے بارہا اپنے خطبات میں ارشاد فرمایا۔ "ظلم سے پرہیز کرو اس میں ذرا شک نہیں کہ ظلم برباد کر دیتا ہے"۔ آپ معلم ہیں۔ جہاد کے اور مندرجہ ذیل واقعہ آپ کے معلم جہاد ہونے کو بہت اچھی طرح واضح کرتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوایوب انصاری اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں اس بات پر پرجوش بحث ہوئی کہ معاندین اسلام کی ابلیسانہ جنونوں کو پامال کرنا افضل ہے یا ظالم بادشاہ کے سامنے اعلان حق کرنا۔ حضرت ابوایوب انصاری کی دلیل کا خلاصہ یہ تھا کہ استبداد پسند بادشاہ اپنی ہستی کو مرتبہ انسانیت سے بالاتر سمجھتا ہے اور عام آدمیوں کو جانور سے بھی بدتر خیال کرتا ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد یہ تھا کہ مخالفین اسلام کی فتنہ آفریں قوتوں کو پامال کرنا افضل ترین جہاد ہے۔ جب یہ مسئلہ آپ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے وہ فیصلہ فرمایا جو ایک مکمل واکمل معلم ہی کر سکتا ہے جو ان دونوں چیزوں کی حقیقت سے خوب واقف ہو آپ نے فرمایا۔

ترجمہ: سب سے بڑا جہاد ایک یہ بھی ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے حق کی بات کہی جائے۔

کون سی چیز ہے جس کا درس آپ نے نہیں دیا آپ معلّم ہیں بھائی چارے کے جبھی تو فرماتے ہیں "سب مسلمان آپس میں

درگاہ
حضرت شیخ
سلیم چشتی
علیہ الرحمۃ
فتحپور
سیکری
آگرہ
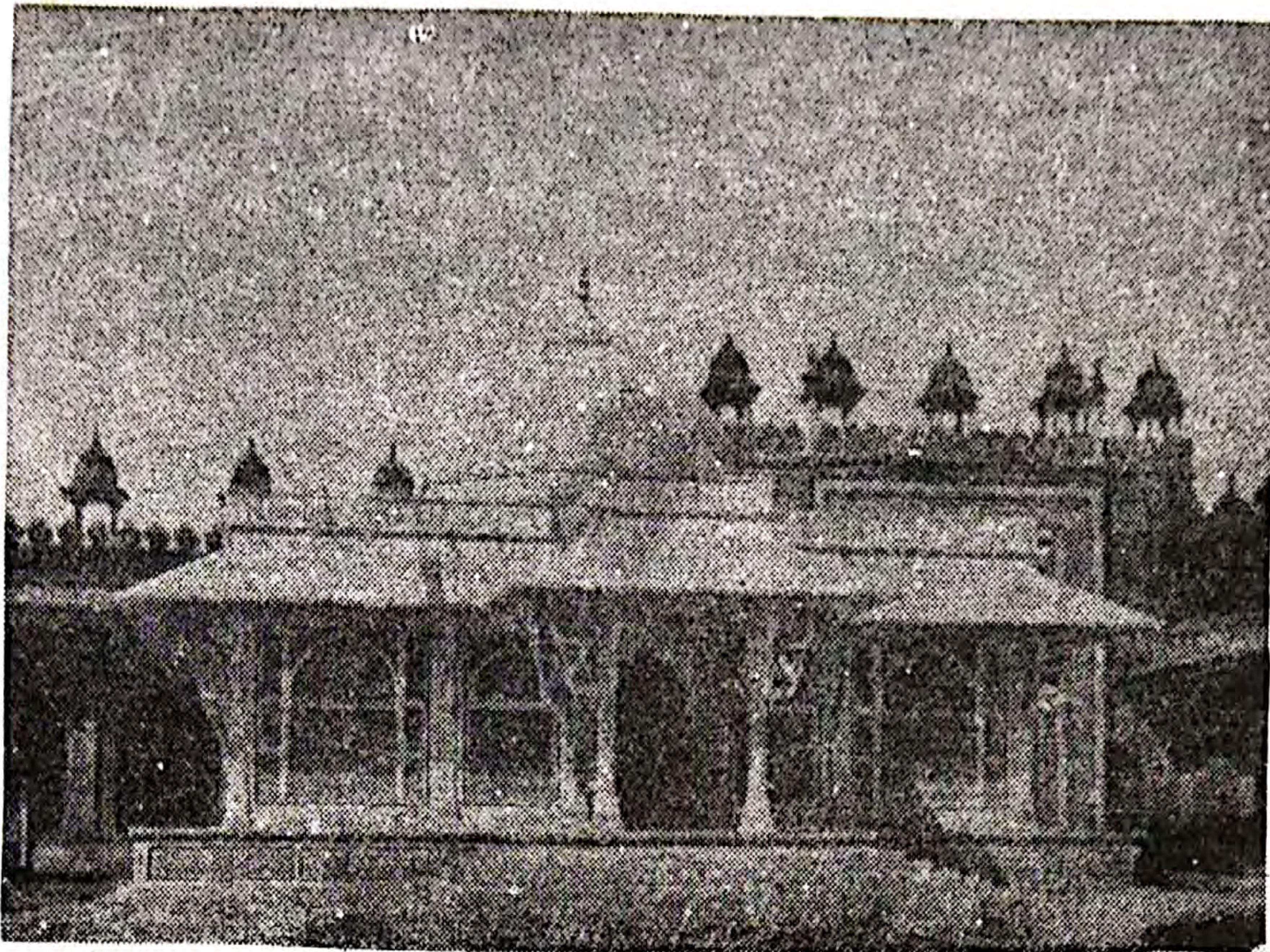
بھائی بھائی ہیں۔" دوسری جگہ فرماتے ہیں۔
"تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوگا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے (بخاری و مسلم)
آپ معلم ہیں ہمیں طریقہ بتاتے ہیں کاروبار کرنے کا فرماتے ہیں۔"
جو شخص عیب دار چیز بیچے اور اس کے عیب کو ظاہر نہ کرے وہ ہمیشہ غضب الٰہی کا شکار رہتا ہے اور فرشتے اس پر ہمیشہ لعنت بھیجتے ہیں۔"

آپ معلّم ہیں نرمی درواداری کے ارشاد فرماتے ہیں" اللہ تعالیٰ رفیق ہے اور جو کچھ رفق و نرمی پر عطا کرتا ہے وہ سختی پر عطا نہیں کرتا۔" آپ معلم ہیں لوگوں کے کسب۔ معاش کے کبھی تو یوں رہنمائی کرتے ہیں، "سب سے بہتر روزی وہ ہے جس کو آدمی نے اپنی محنت سے حاصل کیا ہو۔" آپ معلم ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمان ایک جماعت رہے کبھی تو یوں فرماتے ہیں، "جو شخص جماعت سے ایک بالشت جدا ہو جائے سمجھ لو (اخوت) اسلام کی رسّی اس کے گلے سے نکل گئی۔" آپ معلم ہیں آداب محفل کے ہمیں سمجھاتے ہیں سلام کرنے کے آداب ہمیں بتاتے ہیں اجازت لینے کے آداب سکھا دئے اُٹھنے بیٹھنے اور خندہ و تبسم کے آداب فرماتے ہیں۔" کبھی قہقہہ لگا کر نہ ہنسو یہ بُرا ہے مسکرانا بہتر ہے۔" ؎

بند موتی وہ ہے جس کی سیپ دو عنصر سے ہے
ایک ہے حسن تبسم ایک ہے حسن خطاب

ایک معلّم کے لئے یہ بات کافی اہم ہے کہ اس کی تعلیم کا انداز کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم دینے کا انداز بڑا دلنشیں ہوا کرتا تھا جب آپ کوئی بات صحابہ کرام کے ذہن نشین کرانا چاہتے تو کچھ اس انداز سے سوال کرتے کہ وہ پوری طرح آپ کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ پھر آپ اصل بات اتنے سلیقے اور مختصر انداز سے بیان کرتے کہ وہ فوراً دل میں اتر جاتی اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں صحابہ پر ایک بے خودی کی سی کیفیت چھائی رہتی تھی حضور نبی کریم کی ذات والا صفات اور سیرت مطہرہ کا مطالعہ کہیں بھی کریں چاہے میدان جنگ ہو یا میدان رسالت دنیا کے کاروبار اور مشغولیت کے میدان میں یا گھریلو تعلقات کے آپ میں ہمیں وہ تمام صفات نظر آتی ہیں جو ایک کامل اور اکمل شخصیت میں ہونی چاہئیں۔

سارے اچھوں میں اچھا سمجھئے جسے
ہے اس اچھے سے اچھا ہمارا نبی

معجزہ رضائے الٰہی کے مطابق

مولانا نصر اللہ قادری بھیروی

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خداوند قدوس کے وہ برگزیدہ بندے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے پناہ فضائل و کمالات سے آراستہ کیا۔ ان فضیلتوں میں سے کچھ ایسی فضیلتیں ہیں جو انبیاء کرام کو عام انسانوں سے ممتاز اور منفرد بنا دیتی ہیں۔ یہ نفوس قدسیہ اگرچہ ظاہر صورت میں بشر ہیں مگر ان کو ایسی بے پناہ قوت و قدرت عطا ہوتی ہے کہ یہ جب چاہیں مافوق الفطری امور اور اسباب عادیہ کے خلاف کوئی کام کر ڈالیں جنہیں عام انسان پیش کرنے سے قاصر و درماندہ ہو کر اعتراف نبوت و رسالت پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

ان انبیاء کرام کی یہ بالائے فطرت قدرت و طاقت وہ صفت کمال ہے جو ان کی نبوت و رسالت پر روشن برہان ہے۔

مگر انہیں مافوق الفطری امور کی انجام دہی اور خوارق عادات کے متعلق اساطین اہلسنّت اور ارباب باطل کے درمیان ایک زبردست بنیادی اختلاف ہو گیا ہے کہ معجزات اور خوارق عادات انبیاء کرام کے زیر قدرت و اختیار ہیں کہ نہیں؟ اور یہ کہ معجزہ فعل رسول ہے کہ نہیں؟۔

ارباب باطل کا موقف یہ ہے کہ معجزات اور خوارق عادات انبیاء کرام کے زیر قدرت و اختیار نہیں۔ کیونکہ خوارق عادات کا تعلق فوق الفطری قوت و اختیار سے ہوا کرتا ہے اور یہ قدرت و اختیار اگرچہ منجانب اللہ ہو مگر کسی غیر اللہ کے لئے ماننا صریح شرک ہے اور یہی مشرکین عرب کا شرک تھا۔

علماء اہلسنّت کا کہنا ہے کہ کسی غیر اللہ کے لئے خداداد مافوق الفطری قوت ماننا قطعاً شرک نہیں۔ نہ عرب کے مشرکین کو اس کی بنیاد پر مشرک قرار دیا گیا۔ بلکہ ان کا شرک غیر اللہ کی عبادت و پرستش ہے۔

علماء حق کا دعویٰ ہے کہ نبیوں کو ایسی قدرتیں اور طاقتیں ضرور عطا کی گئی ہیں کہ وہ حضرات جب چاہیں کوئی خارق عادت فعل اور معجزہ ظاہر فرما دیں اور چاہیں تو نہ فرمائیں۔ ہم اس دعوے پر اور ارباب باطل کے نظریہ کے خلاف دلائل و شواہد پیش کریں گے۔ مگر پہلے ہم معجزات اور خوارق عادات کے زیر قدرت انبیاء ہونے

کا مفہوم اور انبیاء کے صدور معجزہ چاہنے کا مفہوم پیش کر
دیں تاکہ بعد کے دلائل کے سمجھنے میں کسی طرح کا خفا نہ رہ
جائے ۔ اس کے لئے ہم امام اہلسنت اعلیٰ حضرت مولانا
احمد رضا خاں صاحب رضی اللہ عنہ کی یہ واضح عبارت کافی
جانتے ہیں آپ "الامن والعلی" ص ۱ پر ارشاد فرماتے
ہیں:

"جس طرح عام آدمیوں کو ظاہر حرکات و
ادراکات کے لئے اختیارات حضرت واہب العطایا
نے بخشے ہیں کہ جب چاہیں نہ دیں جب چاہیں
آنکھ کھول کر کوئی چیز دیکھ لیں ۔ چاہیں نہ دیکھیں
اگرچہ بے خدا کے چاہے وہ کچھ نہیں چاہ سکتے
اور وہ چاہیں خدا نہ چاہے تو ان کا چاہا کچھ
نہیں ہو سکتا اور وہ عطائی اختیارات اس
کے حقیقی ذاتی اختیارات کے حضور کچھ نہیں
چل سکتے ۔ بعینہ یہی حالت حضرات انبیاء کرام
علیہم السلام کی دربارۂ معجزات و ادراک
مغیبات ہے کہ رب عزوجل نے انہیں ظاہر
جوارح و سمع و بصر کی طرح باطنی صفات وہ
عطا فرمائی ہیں کہ جب چاہیں خرق عادت
فرمادیں ۔ مغیبات کو معلوم فرمادیں ۔ چاہیں
نہ فرمائیں اگرچہ بے خدا کے چاہے نہ وہ چاہ
سکتے ہیں نہ بے ارادۂ الٰہیہ ان کا ارادہ کام
دے سکتا ہے"۔

اس چاہت کے مفہوم کی وضاحت کے بعد ایک اور
چیز کی وضاحت کردوں کہ معجزہ کے فعلِ رسول ہونے کا
مطلب کیا ہے؟ ۔

معجزہ ایک فعل ہوتا ہے اور کسی بھی فعل میں دو
نسبتیں ملحوظ ہوتی ہیں ۔ ایک تخلیقی ۔ دوسری کسبی ۔ چنانچہ
معجزہ تخلیق خداوندی سے وجود میں آیا اور نبی نے اس کا
کسب کیا ۔

یا بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ کوئی امر عادی ہو، یا
غیر عادی (جسے مافوق الفطرۃ اور مافوق الاسباب کہتے
ہیں) پہلے بندہ اپنے اندر خدا کی دی ہوئی طاقت سے
اس کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے پھر خالق حقیقی وہ فعل اس
کے ارادہ کے مطابق پیدا کر دیتا ہے ۔ تو بندہ کے اس
ارادۂ فعل کو کسب اور باری تعالیٰ کے ایجادِ فعل کو
خلق اور تخلیق کہتے ہیں ۔ مثلاً زید نے بکر کو قتل کرنے
کے لئے اپنی قدرت و ارادہ کا استعمال کیا پھر اللہ تعالیٰ
نے اس سے بکر کا قتل ہو جانا پیدا کر دیا ۔ تو زید کا اپنی
قدرت کو اس قصد کی طرف صرف کرنا کسب ہے اور
اللہ تعالیٰ کا فعلِ قتل کو موجود کر دینا خلق ہے ۔ یوں ہی
انسان کا چلنے، پھرنے، کھانے، پینے وغیرہ ضروریات
کی طرف اپنی قدرت و ارادہ کو متوجہ کرنا کسب ہے ۔
اور اللہ کا ان افعال کو پیدا کر دینا خلق ہے ۔

علامہ سعد الدین تفتازانی شرح عقائد نسفی میں
تحریر فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ :۔

"جب دلیل سے ثابت ہو چکا ہے کہ خالق صرف
اللہ تعالیٰ ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے
کہ بعض افعال میں بندہ کی قدرت اور اس
کے ارادے کا دخل ہوتا ہے اور بعض میں
نہیں ۔ جیسے کسی چیز کو پکڑنے کی حرکت اور
رعشہ والے کی حرکت ۔ اس اشکال سے
چھٹکارے کے لئے ہمیں یہ کہنا پڑا کہ اللہ تعالیٰ
خالق ہے ۔ اور بندہ کاسب ہے ۔ اس
کی تحقیق یہ ہے کہ کسی فعل کی طرف بندہ ۔ کا
اپنی قدرت و ارادہ کا صرف کرنا کسب ہے
اور اس کے ارادہ کے بعد اللہ تعالیٰ کا
اس فعل کو پیدا کرنا خلق ہے اور فعلِ واحد
دو قدرتوں کے ساتھ متعلق ہو کر مقدور ہے
لیکن ان کی جہتیں مختلف ہیں پس وہ فعلِ واحد
بلحاظ ایجاد اللہ تعالیٰ کا مقدور ہے اور بلحاظِ
کسب بندہ کا مقدور ہے"۔

اور "مُسلّم الثبوت" میں علامہ محبّ اللہ بہاری فرماتے ہیں کہ:۔

"احناف کے نزدیک قدرت مخلوقہ کو فعل کے قصد مصمم کی طرف پھیر دینا کسب ہے۔ تو اس قدرت کی ایک تاثیر اس قصد میں ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ ہے کہ وہ اس قصد کے بعد فعل پیدا کر دیتا ہے۔"

علامہ تفتازانی اور علامہ محب اللہ بہاری کی ان عبارات سے آفتاب نیم روز کی طرح یہ واضح ہو گیا کہ کسب بندہ کے اپنی قدرت سے کسی فعل کے قصد کرنے کو کہتے ہیں لہٰذا اب کسی کو یہ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہی کہ انبیاء کے صدورِ معجزات میں کسب کا بھی دخل نہیں۔ اور وہ اس اظہارِ معجزہ میں بالکل بے اختیار اور مجبور محض ہیں۔

پھر خلق اور کسب کے درمیان بعض لوگوں نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ کسب آلہ سے واقع ہوتا ہے اور خلق کا وقوع آلہ کے بغیر ہوتا ہے۔ مگر اس فرق کو علامہ عبدالعزیز پرہاروی نے نبراس میں غیر تحقیقی اور نادرست بتایا۔ کیونکہ ہاتھ، پاؤں یا آلۂ خارجیہ کو حرکت دینا یہ بھی تو ایک فعل ہے۔ اور تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اس لئے صحیح یہی ہے کہ بندہ کا قصد کرنا کسب ہے۔ تو جب بندہ ہاتھ، پاؤں یا آلہ کو دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پاؤں اور آلہ میں وہ حرکت پیدا کر دیتا ہے۔ بہر حال یہ ثابت رہا کہ کسب کا تعلق اُمورِ عادیہ اور غیر عادیہ دونوں سے ہوتا ہے۔ عوام کے افعال میں کسب کا تعلق امورِ عادیہ سے اور انبیاء و اولیاء کے افعال میں کسب کا تعلق امورِ غیر عادیہ سے بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ کہنا بالکل درست ہے کہ

"اظہارِ معجزہ میں نبی کی قدرت و اختیار اور علم و ارادہ کا دخل ہوتا ہے۔" جس کی تائید اساطین علمائے اہلسنّت کی عبارات سے ہوتی ہے جن میں چند معتمد و مستند علماء کے حوالے درج ذیل ہیں۔

(۱) علامہ محی الدین محمد بن بہاؤ الدین (م ۹۵۶ھ) شرح فقہ اکبر میں معجزات کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ

"معجزہ وہ امر ہے جو نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو یا نبی کے حکم سے ظاہر ہو۔ حکم سے ظاہر ہونے کے لئے کم از کم اتنا تو ضروری ہے کہ ان کے علم و ارادہ سے ہو۔"

(۲) امام غزالی احیاء العلوم جلد چہارم میں انبیائے کرام کی کچھ صفتیں جن میں وہ غیر نبی سے ممتاز ہوتے ہیں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

"ثانی یہ کہ نبی کو فی نفسہ ایک ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ خلاف عادت کام (امور غیر عادیہ) کر لیتا ہے۔ جیسے کہ ہمیں ایک صفت حاصل ہے جس سے ہم اپنے ارادہ اور اختیار سے حرکات کرتے ہیں اور اسی کو قدرت کہتے ہیں۔ اگرچہ قدرت و مقدور دونوں اللہ تعالیٰ کے افعال سے ہیں (یعنی کسب بھی اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے اور کسب کے بعد جو فعل واقع ہوتا ہے وہ بھی اس کا پیدا کردہ ہے۔)"

چنانچہ امام غزالی کی اس بیان کردہ صفت میں اس بات کی تصریح ہے کہ امور غیر عادیہ یا امور مافوق الاسباب یا افعال خارقہ نبیوں کے اختیار میں ہوتے ہیں۔ اور وہ ان کا کسب کرتے ہیں جس طرح عام افعال عادیہ کا کسب ہم کرتے ہیں اسی طرح افعالِ غیر عادیہ کا کسب انبیائے کرام کرتے ہیں۔

(۳) یہی وضاحت علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری جلد ۱۶ میں فرمائی ہے کہ:۔

"نبی کے لئے ایک صفت ہوتی ہے جس سے

وہ افعال غیر عادیہ کر لیتا ہے جیسے غیر نبی کو ایک صفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ حرکات اختیاریہ کرتا ہے۔

(۴) امام عبدالوہاب شعرانی نے اپنی کتاب "الیواقیت والجواہر" میں نہایت واضح صراحت سے تحریر فرمایا ہے کہ

" اے بھائی! اس بات کو جان لو کہ افعالِ غیر عادیہ کئی قسم کے ہیں اور یہاں پر ہماری مراد اس شخص کے افعالِ عادیہ ہیں جو شرع محمدی پر مستقیم ہو، ورنہ وہ مکر اور استدراج ہے جس کا اس کو خود علم نہیں ہوتا اور شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات کے باب ۱۸۴ میں ذکر کیا کہ افعال غیر عادیہ کا ظہور قوائے نفسیہ سے ہوتا ہے کیونکہ عالم کے تمام اجسام ان کی ہمت نفسیہ کے تابع ہو جاتے ہیں اور یہ تمام افعال غیر عادیہ اللہ تعالیٰ کے خلق سے مخلوق کی قدرت میں ہوتے ہیں۔ لیکن افعال غیر عادیہ بطریق کرامت صرف ان لوگوں کے لئے ہوتے ہیں جو بطور خلاف عادت اپنی طبیعت کو شریعت کے موافق ڈھال لیتے ہیں اور اپنی ہر حرکت و سکون میں شریعت کی پیروی کرتے ہیں۔"

(۵) ان ہی امام عبدالوہاب شعرانی نے ایک دوسرے مقام پر اس سے بھی زیادہ صراحت سے تحریر فرمایا ہے

ائمہ مسلمین نے معجزہ اور کرامت میں کئی اور طریقہ سے بھی فرق بیان کیا ہے جنھیں ہم پہلے ذکر کر چکے۔ بعض ائمہ نے کہا کہ معجزہ اور کرامت میں فرق یہ ہے کہ معجزہ نبی کے قصد (کسب) اور اس کے چیلنج سے واقع ہوتا ہے اور کرامت کبھی ولی کے قصد (کسب) کے بغیر بھی واقع ہوتی ہے۔ اور بعض ائمہ نے یہ کہا کہ جائز ہے کہ کرامت بھی ولی کے قصد (کسب) سے واقع ہو۔ اور ان دونوں کے درمیان فرق صحیح یہ ہے کہ معجزہ کے ساتھ نبی چیلنج بھی کرتا ہے اور ولی نہیں کرتا (یعنی قصد یا کسب سے دونوں واقع ہوتے ہیں۔)

ان مذکورہ ائمہ اسلام کی تصریحات سے یہ واضح ہو گیا کہ افعال غیر عادیہ کو نبی اور ولی اپنے قصد اور کسب سے کرتے ہیں۔ ان میں نبیوں اور ولیوں کے کسب کو دخل ہوتا ہے۔ پھر ان کے کسب کے بعد اللہ تعالیٰ اس غیر عادی فعل کو پیدا کرتا ہے۔

مزید وضاحت شرح مواقف سے لیجئے جس میں اس موضوع پر بڑی تفصیلی بحث ہے اس میں سید شریف قدس سرہٗ فرماتے ہیں:-

" کچھ لوگوں نے معجزہ کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ معجزہ نبی کے زیر قدرت نہ ہو مگر ان کی یہ شرط درست نہیں۔ اس لئے کہ جس چیز پر غیر انبیاء عادۃً قدرت نہ رکھتے ہوں اس پر نبی کا قادر ہونا ہی معجزہ ہے۔"

جس جماعت کا یہ نظریہ بیان کیا گیا ہے کہ معجزہ نبی کے زیر قدرت نہیں ہوتا تو اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ یہ لوگ خود قدرت ہی کو معجزہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ نبراس شرح شرح عقائد میں اس نظریہ کی یہ وضاحت ہے۔

" کہ جب نبی پانی پر چلے یا ہوا میں اڑے تو اس کا چلنا اور اڑنا معجزہ نہیں بلکہ اڑنے اور چلنے کی طاقت معجزہ ہے اور وہ طاقت نبی کی قدرت میں نہیں۔"

مگر ان کی اس شرط کو شرح مواقف اور نبراس میں نادرست قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ نبراس میں علامہ عبدالعزیز پرہاروی اس شرط کی تردید کرتے ہوئے فرماتے

ہیں کہ

" صحیح بات یہ ہے کہ نبی کا صرف چلنا اور اڑنا بھی معجزہ ہے،،

اسی کو شرح مواقف میں علامہ آمدی کے حوالے سے صحیح تر بتاتے ہوئے تحریر فرمایا کہ

" معجزہ خود یہ مذکورہ بالا حرکتیں (اڑنا۔ چلنا) ہیں کیونکہ معجزہ خلاف عادت فعل ہوتا ہے اور وہ خلاف عادت فعل اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے اگرچہ نبی کے زیر قدرت ہے اور یہی مذہب اصح ہے۔،،

عبارات بالا کو غور سے دیکھیں تو یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ مذکورہ اختلاف علماء کے باوجود یہ امر دونوں قول والوں کے نزدیک بالکل مسلّم ہے کہ قدرت نبوّت کے نتیجے میں نبی سے صادر ہونے والا فعل بلاشبہ نبی کے اختیار و قدرت کے تحت ہے۔ اگر اختلاف ہے تو اس میں کہ معجزہ خود قدرت نبی کا نام ہے ؟ یا قدرت نبی کے اثر سے صادر ہونے والے فعل کا ؟ - اگر خود قدرت نبی کا نام معجزہ ہے تو وہ قدرت نبی زیر قدرت نبی نہیں بلکہ محض مخلوق خدا اور زیر قدرت الٰہی ہے اور اگر قدرت سے صادر ہونے والا فعل معجزہ ہے تو بلاشبہ یہ قدرت نبی کے تحت اور نبی کا کسب ہے۔ الغرض اس قدرت سے صادر ہونے والے افعال کو وہ سبھی علماء نبی کا فعل اور نبی کے زیر قدرت ماننے پر متفق ہیں اس بارے میں ان کے درمیان اختلاف نہیں اور ان میں جو اختلاف ہے وہ ہمارے مخالفین حال کے لئے بالکل مفید نہیں۔ اس لئے کہ وہ تو نبی سے صادر ہونے والے فعل ہی کو نبی کے زیر قدرت ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ جو علماء متقدمین میں سے کسی کا مسلک نہیں بلکہ اس فعل کو سبھی ائمہ و علماء نبی کی قدرت و اختیار کے تحت تسلیم کرتے ہیں۔

ہاں معجزہ کی ایک قسم ایسی ہے جو بلا نزاع و اختلاف نبی کے زیر قدرت نہیں۔ جیسے ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سب سے عظیم و جلیل معجزہ قرآن مجید۔ یونہی سرکار کا پیکر جمیل جو خود بھی معجزہ تھا اور بہت سے معجزات کا منبع بھی۔

یہ اجمال قدرے تفصیل کا طالب ہے۔ اس لئے موقع کی مناسبت سے تھوڑی تفصیل کی جاتی ہے۔

تعریف معجزہ

بعثت کے بعد نبی کے ہاتھ پر جو خلاف عادت فعل ظاہر ہو اس کو معجزہ کہتے ہیں۔ خواہ اس کے ساتھ چیلنج ہو یا نہ ہو۔

اقسام معجزہ

خلاف عادت فعل کے ظہور کی تین قسمیں ہیں:۔

قسم اوّل :۔ یہ ہے کہ وہ خلاف عادت فعل صرف اللہ کا فعل ہو اور نبی کے کسب و اختیار کا اس میں بالکل دخل نہ ہو جیسے نزول قرآن یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ لیکن اس میں آپ کے کسب و قصد کا دخل نہ تھا۔ لہذا جن علماء نے معجزہ میں نبی کے کسب کی نفی کی وہ اسی قسم پر محمول ہے یا پھر ان کی نفی کی بنیاد وہ ہے جو ماسبق میں تفصیلاً ذکر ہوئی۔

قسم دوم :۔ دوسری قسم یہ ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ سے کسی خلاف عادت فعل یا امر غیر عادی کے ظہور کے لئے دعا مانگے اور پھر اللہ تعالیٰ اس دعا کو شرف قبول عطا فرما کر وہ امر غیر عادی ظاہر فرما دے۔ پھر اگر اس خلاف عادت فعل کا ظہور صرف وقتی ہو تو اس میں نبی کے کسب کا کوئی دخل نہیں جیسے حضور کی دعا سے چاند کا شق ہونا یا دعائے رسالتمآب سے ایک ہفتہ تک بارش ہونا پھر دوبارہ دعا سے مدینہ کے گرد و نواح میں برستے رہنا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ مستقل طور پر وہ امر عادی نبی کو عطا کردے تو عطا کے بعد نبی کے کسب کا اس میں دخل ہے جب چاہے اس کو ظاہر فرمائے اور جب چاہے نہ کرے۔ جیسے حضرت موسٰی علیہ السلام نے دعا مانگی۔

" اے میرے رب ! میرے لئے میرا سینہ کھول دے اور میرے لئے میرا کام آسان کر اور

میری زبان کی گرہ کھول دے کہ وہ میری بات سمجھیں ''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زبان سے لکنت کو بغیر کسی خارجی عمل کے ہٹا دینا ان کا معجزہ تھا جو ان کو ان کی دعا سے ملا اور اسے ہر وقت کے لئے ان کے قبضے میں کر دیا گیا جب چاہتے روانی سے گفتگو فرماتے ہر مرتبہ کے لیئے الگ الگ دعا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

قسم سوم :۔ تیسری صورت یہ ہے کہ نبی کے قصدا ور ارادہ، اختیار و کسب سے کوئی خلاف عادت فعل واقع ہو اور اس کے اظہار کے لیئے نبی نے دعا بھی نہ کی ہو جیسا کہ عبداللہ بن عتیک کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی کو نبی کریم نے اپنے دست مسیحا سے جوڑ دیا۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔

مشکوٰۃ شریف باب المعجزات میں بحوالۂ بخاری حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک گروہ کو ابو رافع کی طرف بھیجا۔ رات کے وقت عبداللہ بن عتیک اس کے گھر میں داخل ہوئے۔ ابو رافع سو رہا تھا۔ عبداللہ بن عتیک کہتے ہیں کہ میں نے تلوار اس کے پیٹ پر رکھ کر کمر کے آر پار کر دی اور مجھے جب اس کے قتل ہو جانے کا یقین ہو گیا تو میں دروازے کھولتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ میں سیڑھی کے پاس پہونچا۔ میں نے یہ سمجھا کہ میں زمین تک پہونچ گیا ہوں اور میں نے زمین پر پیر رکھنا چاہا تو میں چاندنی رات میں گر پڑا اور میری پنڈلی ٹوٹ گئی میں نے اس کو اپنی پگڑی سے باندھا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نبی علیہ السلام تک پہونچا اور آپ کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا اپنا پیر پھیلاؤ۔ میں نے پیر پھیلایا۔ آپ نے اس پر دست مبارک پھیرا (تو وہ ٹانگ بالکل درست ہو گئی) ایسا لگتا تھا کہ مجھے اس سے پہلے کبھی تکلیف تھی ہی نہیں۔

اس حدیث میں کہیں دعا کا ذکر نہیں صرف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عتیک کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی پر شفا دینے کے قصد سے ہاتھ پھیرا اور اللہ نے شفا پیدا کر دی۔ اس حدیث میں معجزہ پر نبی کے کسب کی واضح دلیل ہے اور یہ یقیناً رسول اللہ کا معجزہ ہے کیونکہ عادۃً کسی کے ہاتھ پھیرنے سے ٹوٹی ہوئی ٹانگ جڑا نہیں کرتی۔

وہیں پر مشکوٰۃ شریف میں تھوڑا آگے حضرت جابر سے ایک حدیث مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ روز حدیبیہ لوگوں کو پیاس لگی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایک برتن تھا جس سے آپ نے وضو فرمایا تھا پھر لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ نہ ہمارے پاس وضو کے لئے پانی ہے نہ پینے کے لئے۔ سوا اس پانی کے جو آپ کے اس برتن میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ اس برتن میں رکھا تو آپ کی انگلیوں سے پانی چشمہ کی طرح بہنے لگا۔ حضرت جابر کہتے ہیں ہم نے اس سے پانی پیا۔ اور وضو کیا۔ جابر سے پوچھا گیا تمہاری تعداد کتنی تھی؟ فرمایا اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی کافی ہو جاتا۔ ویسے ہماری تعداد پندرہ سو تھی۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

اس حدیث میں بھی کہیں دعا کا ذکر نہیں صرف رسول گرامی کے کسب کا ذکر ہے۔ آپ نے برتن میں ہاتھ ڈالا اور انگلیوں سے پانی جاری کرنے کا قصد کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی انگلیوں سے پانی جاری ہونے کا فعل پیدا کر دیا۔ یقیناً یہ کام خلاف عادت اور نبی کا معجزہ ہے اور پھر اس معجزہ میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کسب بالکل ظاہر ہے۔

اسی طرح بکثرت خلاف عادت افعال ہیں جن میں نبی کریم کے دعا فرمانے کا ذکر بھی نہیں ہے مثلاً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زہر خوردہ ایڑی کو ٹھیک کر دینا۔ حضرت علی کی دکھتی ہوئی آنکھ میں لعاب دہن لگا کر درد کافور کر دینا۔ قتادہ بن نعمان کا حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اپنی نکلی ہوئی آنکھ لے کر آنا اور

سرکار کا لعاب دہن لگا کر ٹھیک کر دینا۔ یہ سب وہ معجزات ہیں جن میں نبی کریم کا کسب واختیار اور معجزہ کا نبی کے زیر قدرت ہونا نہایت واضح ہے۔ بخوف طوالت ہم نے اس قسم کے معجزات کی تفصیل سے گریز کیا ہے کہ اس کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔

معجزات کی ان تینوں قسموں کے سامنے آجانے کے بعد اب یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جن علماء کرام نے معجزہ سے نبی کے کسب کی نفی کی اور اس کو محض اللہ تعالیٰ کا فعل قرار دیا ہے اس سے ان حضرات کی مراد معجزہ کی قسم اول ہے اور جن علماء نے معجزہ میں نبی کے کسب کا دخل قرار دیا وہ معجزہ کی تیسری قسم مراد لیتے ہیں۔ جس کو ہم ابھی احادیث سے واضح کر چکے۔

عدم اظہار عدم قدرت کی دلیل نہیں

پھر یہ کہنا بھی کسی طرح درست نہیں کہ اگر معجزات انبیاء کے زیر قدرت واختیار ہوتے تو جب کبھی بھی ان سے معجزات طلب کئے گئے تو وہ ضرور اس کو ظاہر فرما دیتے حالانکہ ایسا بارہا ہوا کہ نبی سے معجزے کا مطالبہ ہوا مگر انہوں نے اظہار نہیں کیا کیونکہ معجزہ ظاہر نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ان کے زیر قدرت واختیار نہ ہو۔ بلکہ انبیاء کرام مختلف مصلحتوں کے پیش نظر اظہار معجزہ سے کبھی کبھی اعراض فرمایا کرتے ہیں۔ چاہے وہ مصلحتیں ہماری سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں۔ اس لئے کہ معجزات اور خوارق عادات انبیاء کرام کی پیغمبرانہ عظمتوں پر روشن براہان ہوتے ہیں۔ تو جہاں کہیں اپنی پیغمبرانہ عظمتوں کے اظہار کی ضرورت اور اس کا فائدہ جانتے معجزہ ظاہر فرما دیتے بے فائدہ یا غیر ضروری سمجھتے نہ ظاہر فرماتے۔ ایسے موقعوں پر ایسا بھی ہوتا کہ مطالبہ کرنے والے فقط مباحثہ اور مجادلہ کے لئے مطالبہ کرتے۔ نبی کی برتری تسلیم کرنا اور ان پر ایمان لانا ان کا مقصد ہی نہ ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب کسی قوم کا مطالبہ کرنا حق و باطل کے درمیان فرق کرنے کے لئے نہ ہو اور وہ قوم محض عناد و سرکشی کے انداز میں معجزہ طلب کرے تو اس موقع پر نبی کے اظہار معجزہ سے کوئی فائدہ مرتب نہ ہوگا جیسا کہ قرآن نے متعدد قوموں کے اسی حال کا ذکر کیا ہے۔ بلکہ ایسے موقعوں پر اظہار نہ کرنا ہی بہتر ہوگا۔

یوں ہی قرآن نے قوموں کے ایسے مطالبات کا بھی ذکر کیا ہے جو ان کی قوت برداشت سے بالا تر تھے۔ اور ایسے معجزوں کے اظہار سے اعراض کرنے کا سبب خود قوم کی ناقابل تحمل فطرت تھی۔ مثلاً بنی اسرائیل کا مطالبہ کرنا کہ "آپ ہمیں خدا کو کھلم کھلا دکھا دیجئے"، اور "ایسا کر دیجئے کہ خدا ہم سے کلام کرے"۔ یا "ہمارے پاس فرشتوں کو لے آیئے"، اس قسم کے معجزات وہ تھے جن کی قوم متحمل نہیں ہو سکتی چنانچہ نبی نے اعراض فرمایا۔

کبھی ایسا بھی ہوا کہ جب کسی کے سامنے نبی نے کثیر معجزات پیش کر دیئے مگر پھر بھی قوم نے سرکشی اور عناد اختیار کیا اور اسی سرکشی اور عناد میں مزید مطالبہ کیا تو ایسے مواقع پر نبی کو حکم ہوا کہ آپ دلیل نبوت میں کثیر معجزات پیش کر چکے اب ان کے مطالبے کی جانب التفات کرنے کی ضرورت نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نبی نے اثبات نبوت میں جب بقدر ضرورت معجزات پیش کر دئیے تو اب ان کے لئے ضروری نہیں رہا کہ جس جس معجزہ کا مطالبہ کرتے جائیں۔ نبی ان کے ہر مطالبے کو پورا کرتے ہی جائیں جیسا کہ کتب تفاسیر میں ذکر ہوا۔

ایک مرتبہ اہل مکہ نے نبی سے معجزہ طلب کیا کہ "آپ ہمارے لئے کوہ صفا کو سونا کر دیجئے اور ہمارے گرد جو پہاڑ ہیں انہیں ہٹا دیجئے تاکہ ہم کھیتی کریں۔ اگر آپ یہ کر دیں گے تو ہم آپ پر ضرور ایمان لائیں گے"۔ اس پر حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے اجازت چاہی تو ارشاد ہوا کہ

" ہم نے ایسے معجزے اس لئے نہ بھیجے کہ اگلوں نشانیوں

کی تکذیب کر چکے،، (اسراء - ۵۹)

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب کبھی کسی نبی کی قوم نے اپنے نبی سے کوئی خاص معجزہ طلب کیا اور نبی نے ان کی طلب کے موافق معجزہ ظاہر بھی فرما دیا پھر قوم نے قبول حق سے انکار کیا تو ایسے موقع پر باری تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ اس قوم پر عذاب نازل فرما دیتا ہے۔ البتہ جب خدا کو یہ منظور ہوتا ہے کہ اس قوم کو باقی رکھے جس کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ معجزہ دیکھنے کے باوجود بھی ایمان نہیں لائے گی تو وہ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ ان کے مطلوبہ معجزہ کو ظاہر نہ کریں بلکہ خیر خواہانہ جواب دیدیں۔ چنانچہ آیت بالا کی شان نزول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی روایت سے یہی حکمت صراحتہً ثابت ہے۔

الغرض ان کا معجزہ ظاہر کرنا مشیئت ایزدی اور رضائے الٰہی کے تابع ہوا کرتا ہے۔ قرآن نے اس حقیقت کی وضاحت کر دی ہے کہ " ہمارے ذمہ یہ نہیں ہے کہ ہم کوئی معجزہ بغیر اذن الٰہی پیش کر دیں "

بہر حال اگر انبیاء کرام معجزہ ظاہر کرنے میں بے اختیار ہوتے اور انہیں کچھ بھی قدرت نہ ہوتی تو ان مطالبوں پر وہ صاف کہہ دیتے کہ ہم معجزہ ظاہر نہیں کر سکتے اور یہ خدا ہی کے لئے مخصوص ہے۔ بلکہ انبیاء کرام کا مشیئت ایزدی کو طلب کرنا، رضائے الٰہی کا جویاں رہنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کو اظہار معجزہ میں قدرت اور اختیار ہے البتہ وہ اپنی اس خدا داد قدرت کو بروئے کار لانے میں حکم خداوندی کے پورے پورے تابعدار ہیں "

یوں ہی کتنے ایسے اسباب و علل ہیں جن کی بناء پر نبی نے اظہار معجزہ سے اعراض کیا ہے اور قرآن وکتب تفاسیر میں ان کا ذکر ملتا ہے اور کتنے اسباب و علل وہ ہیں جو ہمارے علم و ادراک سے بالاتر ہیں۔ پھر ان ہی مطالبات میں ہم کچھ ایسے مطالبات بھی دیکھتے ہیں جنھیں پورا نہ کیا گیا مگر ان پر قدرت ضرور تھی جس کی وضاحت بعض دوسری احادیث سے ہو جاتی ہے مثلاً مشرکین نے ایک بار یہ مطالبہ کیا کہ " آپ کے پاس طلائی گھر ہو "۔ یہ ایک ایسا مطالبہ ہے جسے رسول اللہ یقیناً پورا کر سکتے تھے جیسا کہ مشکوٰۃ باب الشمائل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

" اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں "

تو ظاہر ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سونے کے پہاڑ چل سکتے ہیں تو ان کے لئے طلائی گھر کا ہونا کوئی بعید نہیں۔ مگر بات وہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر کام میں مشیئت ایزدی اور رضائے الٰہی کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور انبیاء کرام کی شان بھی یہی ہے کہ اپنے ہر کام میں منشائے الٰہی اور رضائے الٰہی کی تابعداری کریں۔ چنانچہ ایسے موقع پر اظہار معجزہ سے اعراض کرنے سے یہ کسی طرح لازم نہیں آتا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خداوند قدوس کی طرف سے اس کی قدرت عطا ہی نہ کی گئی تھی۔

اگر ایسے اسباب تلاش کئے جائیں تو بہت کثیر مقدار میں مل جائیں مگر ہم نے بخوف طوالت صرف چند کے اجمالی بیان پر اکتفا کیا۔ بطور خلاصۂ کلام یہ ذہن نشین رہے کہ جس طرح بعطائے الٰہی، ہم کو افعال عادیہ انجام دینے اور ان کے کسب کی قدرت ہے اسی طرح انبیاء کرام کو بعطاء الٰہی افعال غیر عادیہ کی قدرت اور اختیار حاصل ہے جس سے تمام انسانوں کے درمیان وہ امتیازی و نمایاں مرتبہ کے حامل ہیں۔ هذا هو الحق۔

واللہ الہادی الی سبیل الحق والصواب:۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا

معجزہ شق القمر

جمال اشرف فیضی

حضور خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں شق القمر کا معجزہ بہت ہی روشن، تابندہ تر، عظیم الشان اور فیصلہ کن معجزہ ہے۔ کیونکہ اس سے سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے عالم علوی میں تصرف فرمانے کا پتہ چلتا ہے۔ جو پیغمبر آخر الزماں کے سوا کسی سے وجود میں نہ آیا۔

کفار مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ کوئی ایسی خارق عادت چیز دکھائیں جس سے آپ کی نبوت کی تصدیق ہو سکے تو اس وقت سرور کائنات نے چاند کی طرف اشارہ کیا چاند پھٹ گیا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے سرکار ابد قرار رحمت دوجہاں کی مدح سرائی کرتے ہوئے بیان فرمایا۔

برق انگشت نبی چمکی تھی اس پر ایک بار
آج تک ہے سینۂ مہ میں نشان سوختہ

(۲)

تیری مرضی پا گیا سورج پھرا الٹے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجہ چر گیا

اس عظیم الشان معجزہ کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے (قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا اور اگر وہ کسی نشانی کو دیکھتے ہیں، تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ یہ تو پرانا جادو ہے۔"
(پ ۲۷، رکوع ۸، آیت نمبر ۲)

آیت کریمہ کا صاف اور صریح مطلب یہی ہے کہ دنیا کی عمر تھوڑی رہ گئی ہے اس لیے کہ چاند کا دو ٹکڑے ہونا جو علامات قیامت سے تھا وہ عہد رسالت میں ظاہر ہو چکا۔ یہ کتنا ہی واضح اور روشن معجزہ تھا لیکن کفار اس کے بعد بھی ایمان نہ لائے، بلکہ یہ کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر جادو کر دیا بعض لوگ جو شق القمر کے منکر ہیں ان کا قول یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں شق قمر سے مراد یہ ہے کہ خاص قیامت کے دن چاند دو ٹکڑے ہوگا۔ مگر اہل فہم پر یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یہ معنیٰ لفظ الشق" فعل ماضی (چاند پھٹ گیا) کے مطابق نہیں اور بلا قرینہ صیغہ انشق ماضی۔ (چاند پھٹ گیا) صیغہ ینشق مستقبل (چاند پھٹ جائے گا) کے معنیٰ پر محمول کرنا پڑے گا جو بالکل ہی بلا ضرورت ہے اور اس معنیٰ سے قرآن میں بے جا تصرف لازم آتا ہے۔ دوسرے یہ کہ چاند پھٹ جانے کے بعد یہ ذکر ہے:۔

اِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔
(یعنی اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ پرانا جادو ہے۔)

ظاہر ہے کہ جب کفار قریش نے انشقاق قمر دیکھا تو جادو کہا تو اس
کا قیامت پر محمول کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اس لیے کہ جب قیامت
کے دن آسمان پھٹ جائے گا اور تارے ٹوٹ کر جھڑ جائیں گے اور
سارے انسان فنا ہو جائیں گے تو اس وقت اس کو جادو کہنے
والا بھلا کون ہوگا۔ بلاشبہ اس آیۂ کریمہ سے واضح ہو گیا
کہ معجزۂ شق قمر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس
ظاہر ہوا۔

انشقاق القمر صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی
مسند ابن حنبل وغیرہ میں بہ تصریح تمام مذکور ہے۔ صحیحین میں
حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کفار قریش نے
سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کوئی نشانی دکھائیں
تو رحمت دوجہاں نے چاند کو دو ٹکڑے کر دکھایا یہاں تک کہ
انھوں نے کوہ حرا کو اس کے درمیان دیکھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ
رسول گرامی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس
میں چاند پھٹ گیا۔ اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر اور ایک
ٹکڑا پہاڑ کے نیچے نظر آتا تھا۔ اس وقت رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا گواہ ہو جاؤ۔

اور ترمذی میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے
وہ ارشاد باری اقتربت الساعۃ وانشق القمر ہ
سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ عہد رسالت میں چاند دو حصوں
میں پھٹ گیا۔ ایک حصہ پہاڑ کے نیچے اور ایک حصہ پہاڑ
کے اوپر نظر آتا تھا تو رسول گرامی نے ارشاد فرمایا گواہ ہو جاؤ۔
اور حضرت امام بن احمد حضرت زبیر بن مطعم سے روایت فرماتے
ہیں کہ چاند احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں پھٹ کر
ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر اور دوسرا ٹکڑا اس پہاڑ پر ہو گیا تو کفار مکہ
نے کہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم پر جادو کر دیا اور ساتھ ساتھ یہ
بھی کہتے تھے کہ اگرچہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے چاند دو کر دیا
لیکن وہ اس بات کی طاقت نہیں رکھتے ہیں کہ تمام لوگوں پر
جادو کر دیں۔ چنانچہ جب دیگر مقامات سے مسافر آئے اور ان
سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے انشقاق قمر کے بارے میں
خبر دی۔

دلائل ابونعیم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے مروی ہے کہ کفار قریش میں سے ولید بن مغیرہ، ابوجہل، اور عاص
بن وائل اور اسود بن مطلب اور نضر بن حارث اور ان کے نظراء
بارگاہ رسالتمآب صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں آئے اور رسول
گرامی صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اگر آپ اپنے دعوئے نبوت
میں سچے ہیں تو چاند کو دو حصوں میں پھاڑ دیجئے؟ آپ نے
اللہ عزوجل سے دعا کی تو چاند پھٹ گیا اور بخاری کی روایت
میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ ہم اس وقت مقام منیٰ میں
تھے۔ یہ معجزہ عبداللہ بن مسعود اور دیگر بہت سے صحابۂ کرام
سے مروی ہے ان میں سب سے صحیح اور مستند تر حضرت
عبداللہ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ جو بخاری
مسلم اور ترمذی میں ہے اور وہ اس وقت موجود تھے۔ معجزہ
شق القمر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں تھے۔ آپ کے اشارہ سے چاند دو
ٹکڑے ہو کر ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر اور ایک ٹکڑا پہاڑ کے
نیچے تھا۔ پھر سرور کائنات نے ارشاد فرمایا۔ گواہ ہو جاؤ۔ اس
پر کفار کہنے لگے۔ بلاشبہ ابن ابی کبشہ نے تم پر جادو کر دیا
ہے۔ کفار قریش میں جو کچھ ذی ہوش تھے انھوں نے کہا اگر
یہ جادو ہوگا تو دوسری جگہ کے لوگوں کو نظر نہ آیا ہوگا۔ مگر جب
آفاق سے مسافر آتے اور ان سے دریافت کیا گیا تو انھوں
نے چاند کے دو ٹکڑے ہونے کی خبر دی۔ اس پر ابوجہل علیہ اللعنۃ
نے کہا ھذا سحر مستمر یہ تو پرانا جادو ہے۔

ابن عبدالبر جو اکابر علماء حدیث میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ
چاند کے دو ٹکڑے ہونے والی حدیث اکثر صحابہ کرام سے مروی ہے
اور اسی طرح تابعین کی جماعت کثیرہ سے بھی اس کی روایت آتی
ہے۔ ان سے ایک جم غفیر نے ہم تک یہ روایت پہونچائی اور خاص
طور سے آیۂ کریمہ نے اس کی تائید فرمائی اب رہا بعض بے دینوں کا
یہ کہنا کہ اگر اس معجزہ کی حدیث بطریق تواتر واقع ہوتی تو اس
کی معرفت میں تمام روئے زمین کے لوگ شریک ہوتے اور یہ

واقعہ اہل مکہ ہی کے ساتھ مخصوص نہ ہوتا اور اس قسم کی عجیب وغریب باتوں کے دیکھنے کی طرف لوگ شوق سے راغب ہوتے ہیں اور ایک بات یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر اس کی کوئی صحت و اصلیت ہوتی تو ضرور تاریخوں میں اس کا اندراج ہوتا اور علم نجوم وغیرہ کی کتابوں میں اس کا ذکر ہوتا اور اتفاقیہ طور پر چھوٹ جانا ممکن نہیں کیونکہ اس کا معاملہ بہت ہی عظیم اور واضح تھا۔

علماء کرام نے انکار د بلیغ بایں طور فرمایا کہ اولاً تو یہ بات لائق تسلیم نہیں کہ کفار قریش کے علاوہ دیگر ممالک کے لوگوں نے شق قمر دیکھا ہی نہیں۔ کیونکہ اس کے اثبات پر متواتر حدیثیں وارد ہیں کہ جب کفار مکہ نے انشقاق قمر دیکھا تو کہا کہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ دوسرے مقامات والوں سے پوچھا جائے۔ چنانچہ دیگر ممالک کے لوگ آئے اور ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے شق قمر کی خبر دی۔ اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ دوسرے شہر کے لوگوں نے نہیں دیکھا تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ وہ امر واقع ہی نہ ہوا اور یہ کہنا کہ اگر دوسری جگہ کے لوگوں نے دیکھا ہوتا، تو اس ملک کے اہل تاریخ اسے ذکر کرتے حالانکہ کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ ایک ملک کا مشہور واقعہ دوسرے ملک کی معاصر تاریخ میں درج نہ ہو تو کیا صرف عدم ذکر اس کے انکار کی سند ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو ہندوؤں کی مہابھارت کی لڑائی کا بھی انکار ہو سکتا ہے۔ توریت جو یہودیوں اور عیسائیوں کے زیر مطالعہ رہتی ہے اس میں حضرت یوشع کے لیے سورج کا ٹھہر جانا مذکور ہے۔ اس کو دیگر بلاد کے لوگوں نے نہیں دیکھا اور نہ کسی نے اپنی تاریخ میں لکھا باوجودیکہ یہ واقعہ دن میں صادر ہوا تھا تو جب تواریخ میں عدم اندراج کے باعث اس واقعہ کی تکذیب نہیں لازم آتی تو واقعہ شق القمر جو رات میں وجود پذیر ہوا تھا اس کی تو بطریق اولیٰ تکذیب نہیں ہو سکتی۔

متقدمین اور متاخرین کی کتب حدیث بکثرت طرق اور متعدد اسانید سے بھری ہوئی ہیں۔ حضرت علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ مختصر ابن حاجب کی شرح میں فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہونا متواتر ہے اور قرآن میں منصوص علیہ ہے اور صحیحین وغیرہما میں بطرق کثیرہ صحیحہ مروی ہے۔ جس کے باعث اس کے تواتر اور اس کی صحت میں شک نہیں کیا جا سکتا ہے۔

البتہ اس معجزہ کا بعض بد مذہبوں نے انکار کیا ہے یہ اس کے مخالف ملت کے ہم رکاب ہیں جو کہتے ہیں کہ اجرام علویہ خرق والتیام قبول نہیں کرتے ہیں۔ اس لیے شق قمر بھی ناممکن ہے۔ متکلمین نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ اجرام فلکی میں خرق التیام ممکن ہے۔

مگر اب جب کہ جدید طبیعات اور ہیئت نے تو ہمارے معلومات کے آسمان و زمین کو بدل دیا ہے۔ یہ مباحث بیکار اور بے سود ہیں۔ اس لیے کہ اب تو آئے دن نئے نئے ستاروں کے شکست و ریخت اور تصادم کے حادثے سنے جا رہے ہیں اور ملت کے متبع علماء فرماتے ہیں کہ اس میں عقلاً کوئی استحالہ نہیں اس لیے کہ چاند اور سورج خدا کی مخلوق ہیں وہ جو چاہے اس میں کرے۔ جیسا کہ نصوص میں احوال قیامت کے ضمن میں مذکور ہے

ایک اعتراض جو یہ کیا جاتا ہے کہ اہل ہیئت جو اجرام فلکی کے ایک ایک واقعہ کو قلم بند کرتے ہیں انھوں نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ معجزہ رات میں صادر ہوا تھا اس وقت دنیا کا بڑا حصہ خواب استراحت میں مصروف تھا اور جو لوگ بیدار بھی رہے ہوں گے وہ اپنے دیگر مشاغل میں مصروف رہے ہوں گے۔ کیونکہ یہ عادۃً بعید ہے کہ لوگ چاند کی طرف ٹکٹکی لگائے بیٹھے ہوں۔ اور جنھوں نے دیکھا بھی ہوگا ان میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اپنے مشاہدات کو تحریر میں لانے سے قاصر ہوں۔ اور اگر ان میں چند پڑھے لکھے ارباب ہیئت اور اصحاب تاریخ رہے ہوں تو ضروری نہیں کہ انھوں نے اپنے اس مشاہدہ کا تذکرہ بھی کیا ہو یا تذکرہ بھی کیا تو ان کی یادداشت مثل دوسری سینکڑوں یادداشتوں کے ضائع ہو گئی ہو۔ آغاز آفرینش سے اب تک اجرام فلکی میں لاکھوں انقلابات پیش آئے ہوں گے کیا وہ سب کے سب اوراق ہیئت میں درج ہیں۔ اور کیا ان کا درج نہ ہونا ان کے عدم وقوع کی دلیل ہے؟ مختلف مذاہب کی کتابوں میں اس
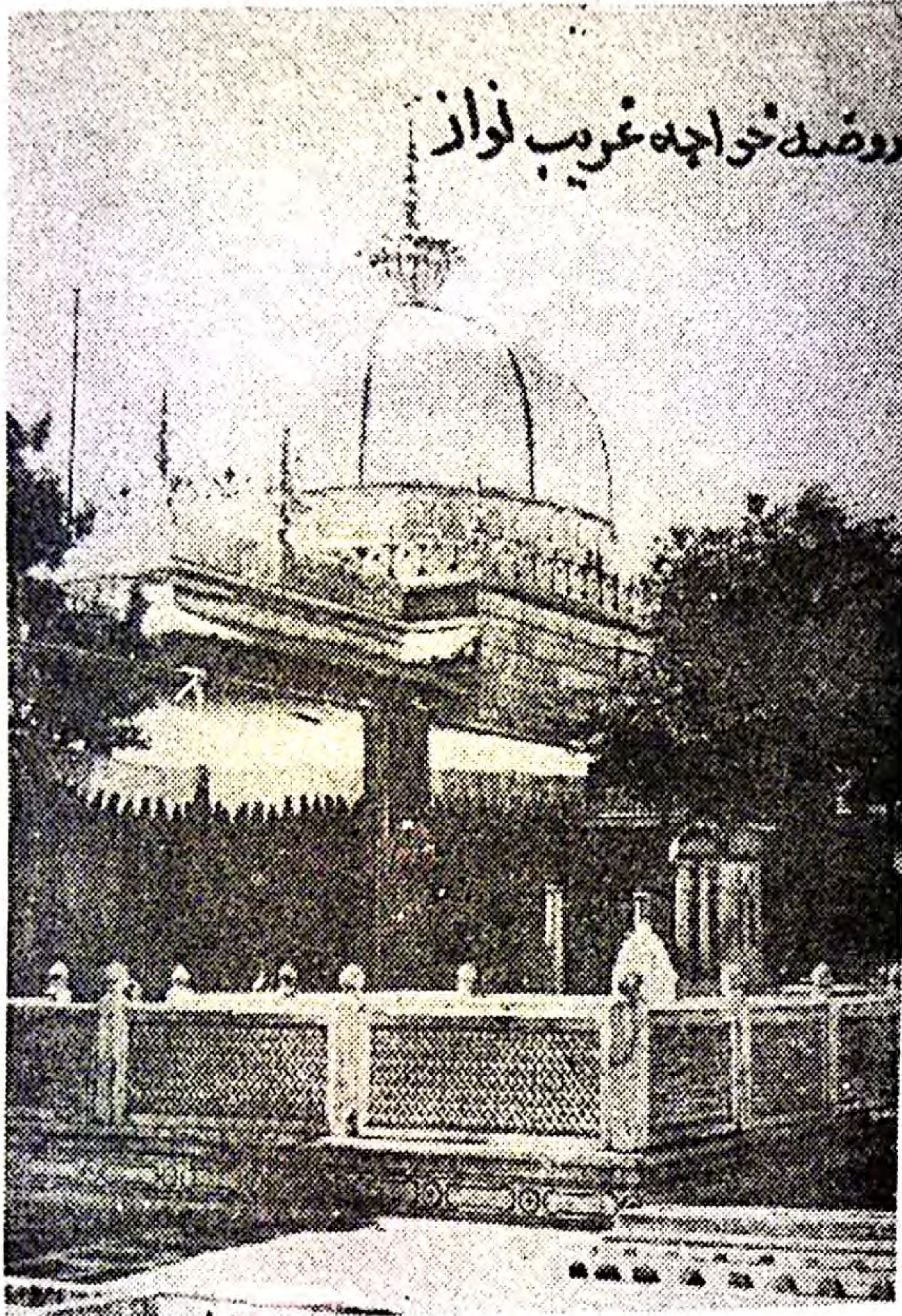
قسم کے حوادث فلکی کا ذکر ہے۔ لیکن اہل علم ہئیت و فلاک اس کے ذکر سے خاموش ہیں۔ تو کیا یہ خاموشی ان کے عدم وقوع پر شہادت ہے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت ایک ستارۂ نبوت طلوع ہوا۔ لیکن کیا ہئیت و افلاک کی کتابوں میں اس انقلاب سماوی کا تذکرہ موجود ہے۔؟

حوادث فلکی کے حدوث اور وقوع میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کا مشاہدہ مطالع اور مغارب کے مطالعہ پر موقوف ہے۔ اور ہر جگہ کے مطالع اور مغارب دوسری جگہ کی بہ نسبت نہایت مختلف ہوتے ہیں۔ خاص طور سے چاند کے مطالع میں اور زیادہ اختلاف ہے۔ اس لیے کہ چاند ایک جگہ ڈوبتا ہے تو دوسری جگہ نکلتا ہے۔ ایک جگہ چاندنی ہوتی ہے تو دوسری جگہ ظلمت ہوتی ہے۔ ایک جگہ چاند کو گہن لگتا ہے تو دوسرے مقامات کے لوگوں کو نظر تک نہیں آتا۔

مثلاً اگر یہ واقعہ رات کو ۹ بجے مکہ معظمہ میں وقوع پذیر ہوا تو اس وقت دنیا کے خاص بڑے بڑے ممالک میں کیا اوقات تھے۔

روضہ خواجہ غریب نواز

نام ملک	گھنٹہ	منٹ	دن یا رات
ہندوستان	۱۲	۵۰	رات
رومانیہ، بلغاریہ، ٹرکی، یونان، جرمنی، لکسمبرگ	۸	۲۰	دن
ڈنمارک، سویڈن	"	"	"
ریاستہائے ملایا	۲	۲۰	بعد نیم شب
برٹش کولمبیا	۱۰	۳۰	قبل دوپہر
انگلستان، آئرلینڈ، فرانس، بلجیم	۶	۲۰	دن
اسپین، پرتگال، جبل الطارق، الجیریا	۶	۲۰	"
جاپان، کوریا	۴	۲۰	بعد دوپہر
مغربی آسٹریلیا، شمالی بورنیو، جزائر فلپائن، ہانگ کانگ، چین	۳	۲۰	بعد دوپہر
تسمانیہ، وکٹوریا، نیوساؤتھ، ویلز	۵	۲۲	صبح

جب دنیا کے بڑے بڑے ممالک میں اس وقت کہیں رات کہیں دن اور کہیں صبح تھی تو جن ممالک میں دن تھا وہاں کے لوگوں کا دیکھنا تو ممکن نہیں اور جن ممالک میں رات تھی تو اکثر لوگ خواب غفلت میں مصروف رہے ہوں گے۔ اس لیے اگر اہل دنیا نے اس معجزہ کو نہیں دیکھا اور ارباب ہئیت اور اصحاب تاریخ نے اپنے دفتروں میں درج نہیں کیا تو یہ شق قمر کی نفی کی دلیل
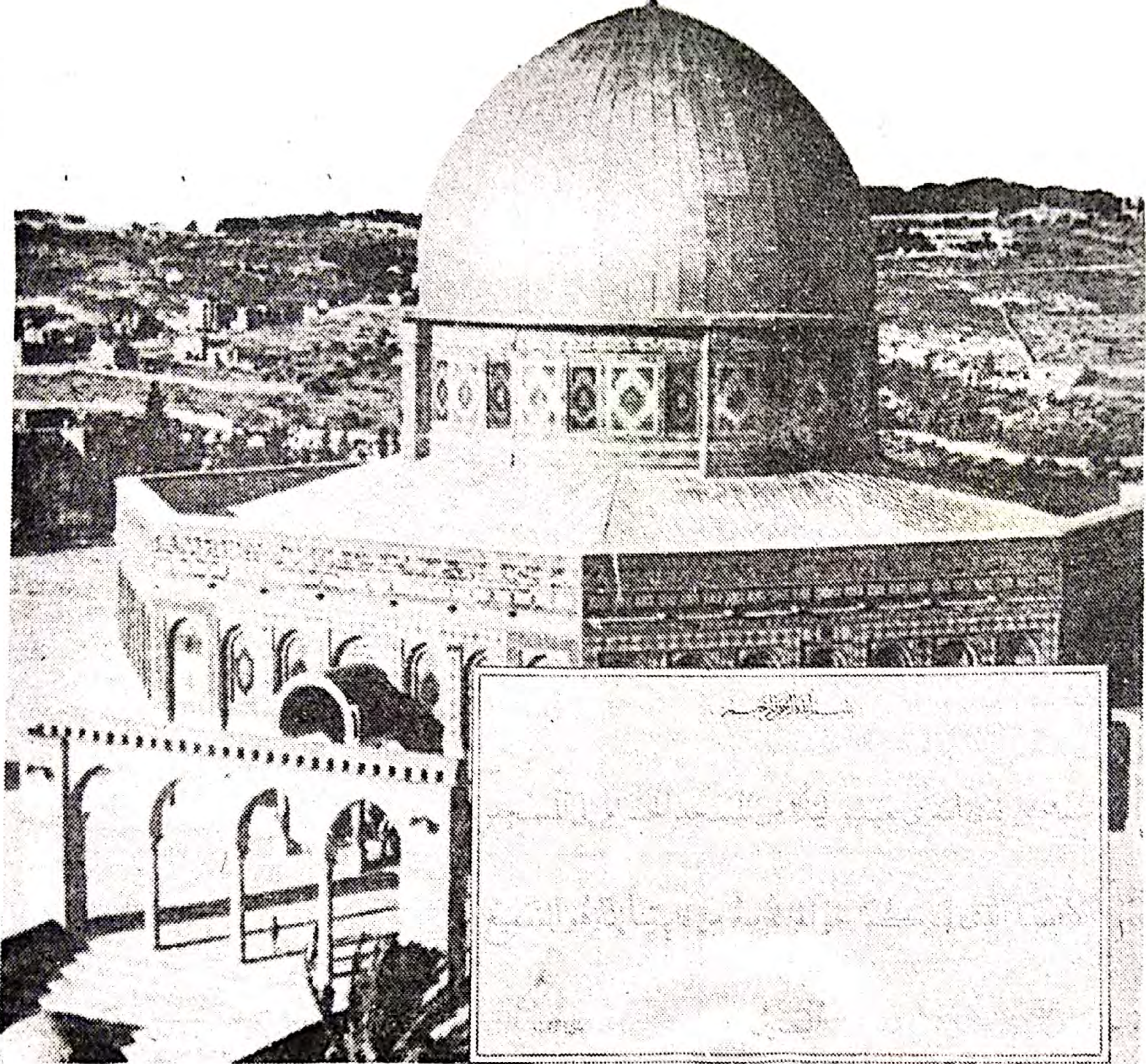
نہیں۔ علاوہ ازیں جب اس کا وقوع صرف ایک معجزہ اور خارق عادت کے طور پر ہوا تو اس کا فلکی معمولات کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ ضروری ہے کہ ارباب ہیئت کے حساب و تخمین سے ماورا محض ایک اعجاز کے طور پر ظاہر ہوا ہو ورنہ معجزہ کے بجائے ایک حادثہ فلکی اور انقلاب سماوی کہنے پر مصر ہوں گے۔

اور یہ دعویٰ بھی کلیتہً صحیح نہیں کہ ارباب ہیئت یا اصحاب تاریخ نے اپنی کتابوں میں کہیں نہیں لکھا ہے کیونکہ یہ بات سوانح الحرمین میں مذکور ہے کہ ہندوستان کے ایک راجہ نے اپنے محل سے چاند کا شق ہونا دیکھا اور اپنے پنڈتوں کے بتانے پر معلوم کیا کہ یہ معجزہ پیغمبر آخر الزماں کا ہوگا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ایلچی بھیجا اور مسلمان ہوگیا۔ اور اپنا نام عبداللہ رکھا یہ شہر دھارا کا باشی تھا۔ شہر کے باہر اس کی قبر ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے مقامات پر اس وقت دن رہا ہوگا۔ جیسا کہ قواعد ہیئت سے ثابت ہوتا ہے اور بہت سے مقامات پر چاند برف میں یا ابر میں چھپا ہوگا۔ ایسی جگہوں کے لوگ چاند کے حال پر اس وقت کس طرح اطلاع پاتے علاوہ ازیں رات کے وقت لوگوں کی عادت مسقف میں بیٹھنے کی ہوتی ہے۔ ہر آدمی کی نظر چاند پر نہیں ہوتی ہے کسوف اور خسوف کی طرح پہلے سے اس امر کا انتظار نہ تھا۔ پھر یہ واقعہ پہر دو پہر تک توقف نہ پاسکا۔ اس لیے اکثر اشخاص کا مطلع نہ ہونا اور اپنی تاریخ میں نہ لکھنا موجب تعجب نہیں۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب اکل وشرب

محمد شہید الرحمن رضوی

حضور سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زندگی گزارنے کے جہاں اور بہت سے طریقے بتائے ہیں کھانے پینے کے بارے میں بھی اپنا بے مثال اسوہ امت کے لئے چھوڑا ہے، ذیل میں آپ کے فرمودات تعلیمات اور ارشادات کا مختصراً تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ غلامی مصطفےٰ (علیہ التحیۃ والثنا) کا پٹہ گردن میں ڈالنے والے حضرات انھیں پڑھیں اور عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت کی شادکامی و سرفرازی حاصل کریں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی کوئی چیز اگلے روز کے لئے ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے آپ جب رات کا کھانا کھانے تو صبح کے لئے کچھ نہ ہوتا اور جب صبح کا کھانا کھانے تو کاشانۂ نبوت رات کے کھانے سے خالی ہوتا۔ اس طرح کی اور بھی روایات ہیں جن سے حضور اور صحابہ کا کھانے اور ذخیرہ اندوزی کے بارے میں استغنا کا پتہ چلتا ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں حضور علیہ السلام اس دنیا سے تشریف لے گئے اور یہاں اس حال میں زندگی گزاری کہ نہ خود انھوں نے اور نہ ان کے گھر والوں نے کبھی پیٹ بھر کر روٹی کھائی۔

امام قسطلانی "مواہب" میں کہتے ہیں، نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کے بارے میں ایک طرف تو روایات میں یہ آتا ہے کہ آپ حضرات کئی کئی وقت بھوکے رہتے تھے کھانے کے لئے آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا، کبھی کھجوریں کھا کر گزارہ کر لیا اور کبھی یہ بھی میسر نہ ہوئی تو صرف پانی پر گزارہ فرمایا۔ اور دوسری طرف یہ بھی ہے کہ فلاں صحابی نے اپنے گھر والوں کو سال بھر کا روزینہ ایک ہی بار دے دیا آپ نے اپنے چالیس اصحاب میں چالیس اونٹ تقسیم فرما دیئے، کہیں یہ ہے کہ آپ نے عمرہ کے دوران سو اونٹ ذبح کئے کسی دیہاتی کو بکریوں کا ریوڑ عنایت فرما دیا، صحابہ کرام میں بھی بعض حضرات صاحب ثروت تھے مثلاً ابوبکر صدیق، عثمان غنی، عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہم جنھوں نے بہت سے مواقع پر اپنے اموال سے مسلمانوں کی مدد کی۔ تو اس فراخی کے باوجود کئی کئی روز بھوکے رہنا مہینہ مہینہ بھر گھر میں چولہا نہ جلنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور اگر اتنی تنگی تھی تو پھر داد دہش کیسے تھی یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو عام آدمی کے لئے الجھن کا باعث ہے امام طبری نے اس کا جواب دیا ہے، "فتح الباری" میں ہے کہ حضور اقدس اور صحابہ کی اپنی جان پر یہ سختیاں اس لئے نہیں تھیں کہ درحقیقت آپ حضرات نان شبینہ کے محتاج اور عاجز و درماندہ تھے، ایسے صحابہ کی تعداد واقعی کم تھی جو عسرت

وتنگی کی زندگی گزارتے تھے۔ اصل میں حضور کا اور صحابہ کا بھوکا پیاسا رہنا اچھے کھانوں سے گریز کرنے کے لئے تھا کبھی کبھار ظاہری مجبوری کی وجہ سے کبھی ہوا اور نہ عام طور پر حضور اور صحابہ بھوک کی سختیاں اس لئے برداشت کرتے تھے کہ دوسروں کے لئے ایثار وجاں نثاری کا جذبہ پیدا ہو۔ دنیاوی مال ومنال اور عیش راحت سے بیزاری کا اظہار کیا جائے کیونکہ دنیاوی ساز وسامان اور عیش وعشرت انسان کو خدا کی یاد اور حق کی حمایت سے غافل بنادیتی ہے؛

حافظ علامہ ابن حجر کہتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ صحابہ میں اکثر جب تک مکہ میں رہے تنگ دست تھے جب مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ چلے گئے اور وہاں انصار کرام نے ہر طرح ان کی مدد کی انھیں اپنے گھروں میں جگہ دی، کاروبار میں شریک کیا، جہاد کا آغاز ہوا، دوسرے علاقے فتح ہوئے اور مال غنیمت آنا شروع ہوا، تو تقریباً تمام صحابہ وسعت اور خوشحالی سے آشنا ہوئے۔ لیکن اس کے باوجود صحابہ اپنا مال اور دولت ذاتی عیش وآرام پر خرچ نہیں کرتے تھے ان کے تمام مالی ذرائع ووسائل عام مسلمانوں کی بہبود کے لئے خرچ ہوتے تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فقر اختیاری تھا اضطراری نہ تھا، اس کی دلیل یہ حدیث پاک بھی ہے۔ ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، میرے رب نے مجھ سے فرمایا، اے نبی اگر تم چاہو تو تمہارے لئے وادی مکہ سونے کی بنا دی جائے، میں نے عرض کیا نہیں میں تو یہ پسند کرتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن پیٹ بھر کر کھانا کھاؤں۔ جس دن بھوکا رہوں تیرے حضور گریہ وزاری کروں اور تیری یاد میں مصروف رہوں اور جس دن سیر ہو کر کھانا کھاؤں دل کی گہرائی سے تیرا شکر اور تیری تعریف کروں،

اور ایک بار حضور نے حضرت عائشہ سے فرمایا۔ یا عَائِشَةُ لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِيَ جِبَالُ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ۔ اے عائشہ اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے چاندی کے پہاڑ چلیں۔

حضرت عائشہ ہی سے دوسری روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جب رحلت ہوئی ہمارے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ تھا صرف آدھا صاع جو رکھے ہوئے تھے میں نے ان میں سے کھانا شروع کیا وہ ختم ہی نہ ہوتے تھے پھر ایک روز میں نے ان کو تول لیا کہ دیکھوں یہ ختم کیوں نہیں ہوتے، تولتے ہی وہ ختم ہوگئے۔ تو جب حضور کے متروکہ جو میں حضرت عائشہ کے لئے اتنی برکت ہوسکتی ہے تو پھر اگر حضور چاہتے تو آپ کے رزق میں کس قدر فراخی ہوتی مگر آپ نے فقر وظاہری تنگ دستی ہی کو اپنایا کہ غربائے امت آپ کی یہ زندگی دیکھ کر اپنا غم ہلکا کریں اور یہ نہ کہیں کہ ہمارے نبی تو خوشحال تھے اور ہم ان کی امت ہوکر تنگ دست ہیں

مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بے چھنے جو کی روٹی کھایا کرتے تھے۔ بسا اوقات آپ مجلس میں بیٹھے ہوتے ہوتے اور صرف پانی پی کر ہی گزارہ فرمالیتے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی میز پر رکھ کر کھانا نہیں کھایا۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہی معمولی دستر خوان پر کھانا کھاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دستر خوان پر کھانا سنت ہے، اور میز پر کھانے کا اگرچہ حضور کے زمانے میں رواج تھا مگر حضور نے پرہیز فرمایا جبھی حضرت انس خاص طور سے اس کو بیان کرتے ہیں اور حضور کے میز پر کھانے سے پرہیز کا تذکرہ کرتے ہیں، نصاریٰ کی تقلید میں میز کرسی پر کھانے والے آج کے مغربیت زدہ لوگ اس سے سبق حاصل کریں۔

روٹیوں کے متعلق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ چھوٹی بنائی جائیں چنانچہ حضرت عائشہ کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، روٹی چھوٹی پکایا کرو اور عدد میں زیادہ کردیا کرو خدا اس میں تمہارے لئے برکت عطا فرمائے گا۔

مقداد بن معدی کرب کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے فرمایا آدمی کے پیٹ میں تین حصے ہوتے ہیں ایک تہائی کھانے کے لئے، ایک پانی کے لئے اور تیسرا سانس کے لئے۔ حضور کے اس قول میں بڑی طبی حکمتیں ہیں جو شخص اس پر عمل کرے گا اکثر امراض سے محفوظ رہے گا۔ کیونکہ تمام اطبا کا اتفاق ہے کہ بھرپیٹ کھانا بیماری لاتا ہے اور پیٹ ہی تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔

امام قرطبی کہتے ہیں اگر بقراط یہ سن لیتا تو اس حکیمانہ تقسیم پر یقیناً تعجب کرتا۔

کعب بن عجرہ کہتے ہیں، میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا آپ تین انگلیوں سے کھانا کھا رہے تھے، انگوٹھے اس کے ساتھ والی اور درمیانی انگلی سے، پھر میں نے دیکھا ہاتھ صاف کرنے سے پہلے ان انگلیوں کو چاٹ رہے تھے۔

جب تک کھانے سے بھاپ اٹھتی یعنی زیادہ گرم رہتا آپ اس کو کھانا مکروہ جانتے، آپ گرم کھانا کبھی نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے گرم کھانے میں برکت نہیں ہوتی، کھانا ٹھنڈا کر کے کھایا کرو، اللہ تعالیٰ آگ کی گرمی ہمیں کھلانا پسند نہیں کرتا۔ زیادہ گرم کھانا طبی اصول میں بھی منع ہے کہ اس سے معدہ کمزور ہو جاتا ہے اور ہاضمہ خراب ہو جاتا ہے

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ وہ کھانا کھاتے۔ جو آپ سے قریب ہوتا، کبھی تین کے بجائے چار انگلیوں سے بھی کھانا تناول فرماتے، البتہ دو انگلیوں سے نہیں کھایا اور فرمایا دو انگلیوں سے کھانا شیطان کا فعل ہے، کھانے کی پلیٹ کو انگلیوں سے صاف کرتے اور فرماتے کہ آخری کھانے میں برکت ہے اور آپ اس وقت تک انگلیاں چاٹتے رہتے جب تک انگلیاں سرخ نہ ہو جاتیں۔ جب تک حضور ایک ایک انگلی چاٹ نہ لیتے اس وقت تک رومال سے ہاتھ صاف نہ کرتے، اور فرماتے نہیں معلوم کون سے کھانے میں برکت ہے۔

جب حضور گوشت اور روٹی کھاتے تو فارغ ہو کر خوب اچھی طرح ہاتھ دھوتے پھر جو پانی بچتا اس سے منہ پہ مسح کرتے

حضرت ابن عمر کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کھانے میں کسی قسم کا گوشت کھائے وہ اپنے ہاتھ خوب اچھی طرح دھولے اور اس کی بو سے دوسرے لوگوں کو تکلیف نہ پہنچائے

آپ جب کھانا کھاتے تو اس طرح بیٹھتے کہ دونوں گھٹنے موڑ لیتے جیسے نمازی قعدہ میں موڑ لیتا ہے، ایک گھٹنہ دوسرے گھٹنے پر اور ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھ لیتے اور فرماتے میں ایک بندہ ہوں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح ایک بندہ کو کھانا چاہئے۔ اور اس طرح عجز و انکسار کے ساتھ بیٹھتا ہوں جس طرح ایک بندہ کو بیٹھنا چاہئے۔

ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کبھی ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔

ابن ماجہ کی روایت ہے کہ حضور نے منہ کے بل جھک کر کھانا کھانے سے منع فرمایا۔ نیز آپ نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی کھانا کھاتے وقت بائیں ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھے۔

حضرت عائشہ سے حضور فرماتے، جب ہانڈی پکایا کرو تو اس میں کدو زیادہ ڈالدیا کرو کیونکہ کدو دل کو تقویت پہنچاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ثرید کو گوشت اور لوکی کے ساتھ کھاتے، حضور کو لوکی بہت پسند تھی فرماتے لوکی میرے بھائی یونس علیہ السلام کا درخت ہے۔

جابر بن طارق کہتے ہیں، ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ آپ لوکی کاٹ رہے ہیں، میں نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کیا چیز ہے؟ فرمایا ہم اس کے ذریعہ اپنے سالن اور کھانے میں اضافہ کرتے ہیں۔ کدو میں گویا کئی فائدے ہیں دینی بھی دنیاوی بھی ایک یہ کہ اگر رسول کی سنت سمجھ کر اس کو استعمال کیا جائے تو باعث ثواب و موجب خوشنودی رسول ہے، دوسرے یہ دل کو قوت پہنچاتا ہے، تیسرے اس سے سالن میں اضافہ ہوتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں ایک

درزی نے حضور کو کھانے پر مدعو کیا ہم بھی حضور کے ساتھ ہی تھے اس نے جو کی روٹی کدو کا شوربہ اور خشک گوشت کے ٹکڑے آپ کے سامنے رکھے میں نے دیکھا کہ آپ پیالے میں کدو کے ٹکڑے تلاش کر رہے تھے، جب سے میں نے حضور کو لوکی ذوق وشوق سے کھاتے دیکھا میں بھی کدو بہت شوق سے کھاتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا شروع فرماتے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہتے اور یہ بھی فرماتے اے اللہ اس کھانے کو میرے لئے بہترین نعمت بنا دے اور کھانے کے بعد فرماتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ، اور بھی دعائیں آئی ہیں جو احادیث میں منقول ہیں۔

پینے کی چیزوں میں سرکار کو سب سے زیادہ پسندیدہ شہد اور دودھ تھا جب آپ دودھ پیتے تو فرماتے یہ میری آخری چیز ہے، یعنی حضور کے کھانے کا آخری جز دودھ ہوتا، کبھی آپ خالص دودھ نوش فرماتے اور کبھی اس میں ٹھنڈا پانی ملا لیتے جب حضور کی خدمت میں دودھ پیش کیا جاتا تو فرماتے یہ بڑی برکت ہے بسا اوقات آپ دودھ اور کھجور ملا کر کھاتے اور فرماتے یہ دونوں پاکیزہ اور عمدہ ترین چیزیں ہیں کبھی مکھن سے بھی آپ کھجوریں تناول فرماتے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گوشت کا سالن بہت پسند فرماتے اور فرماتے یہ قوت سامعہ میں اضافہ کرتا ہے اور دنیا وآخرت میں سید الطعام یعنی تمام کھانوں کا سردار ہے حضور کو زیتون کا تیل اور سرکہ بھی بہت پسند تھا اور سرکہ کو بہترین سالن فرمایا ہے حضور کو ٹھنڈا پانی بھی بہت مرغوب تھا

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب پانی وغیرہ پیتے تو پہلے اپنے دائیں جانب والوں کو عنایت کرتے آپ پینے کی چیز برتن ہونٹوں میں دبا کر پیتے، براہ راست پانی یا دودھ وغیرہ میں منہ ڈال کر (جانوروں) کی طرح نہیں پیتے تھے۔ کسی کو اگر اپنا بچا ہوا عطا فرماتے تو داہنے ہاتھ جو ہوتا اسی کو پہلے دیتے۔ اگرچہ بائیں ہاتھ کوئی ایسا شخص ہوتا جو رتبہ میں اس سے بڑا ہوتا۔

حضور نے فرمایا دودھ کے سوا کوئی چیز ایسی نہیں جو کھانے اور پینے کی جگہ دی جا سکے یعنی دودھ کھانے اور پینے دونوں کے کام آتا ہے کھانا نہ ملے تو دودھ ہی کافی ہے اور پانی نہ ملے تو اس سے پیاس بجھائی جا سکتی ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھا کہ جو کچھ پیتے بیٹھ کر کھڑے ہو کر پینے سے منع فرماتے، ہاں آپ زمزم کھڑے ہو کر پیتے۔ ابن عباس کہتے ہیں میں نے دیکھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ زمزم کھڑے ہو کر پیا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی کھانے کی چیز میں پھونک نہیں مارتے تھے، اسی طرح دودھ وغیرہ اگر گرم ہوتا اس میں پھونک نہیں مارتے، اور برتن میں منہ لگائے سانس بھی نہیں لیتے، منہ کو برتن سے جدا کر کے سانس لیتے، اور جب کوئی چیز پیتے تو تین گھونٹ اور تین سانس میں پیتے اگر پینے کی چیز تھوڑی ہوتی تو ایک ہی سانس میں پیتے، جب کھانے پینے کا برتن منہ کے قریب لاتے تو بسم اللہ پڑھتے اور جب کھا پی کر برتن ہٹاتے، خدا کا شکر ادا کرتے۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور آدابِ طعام
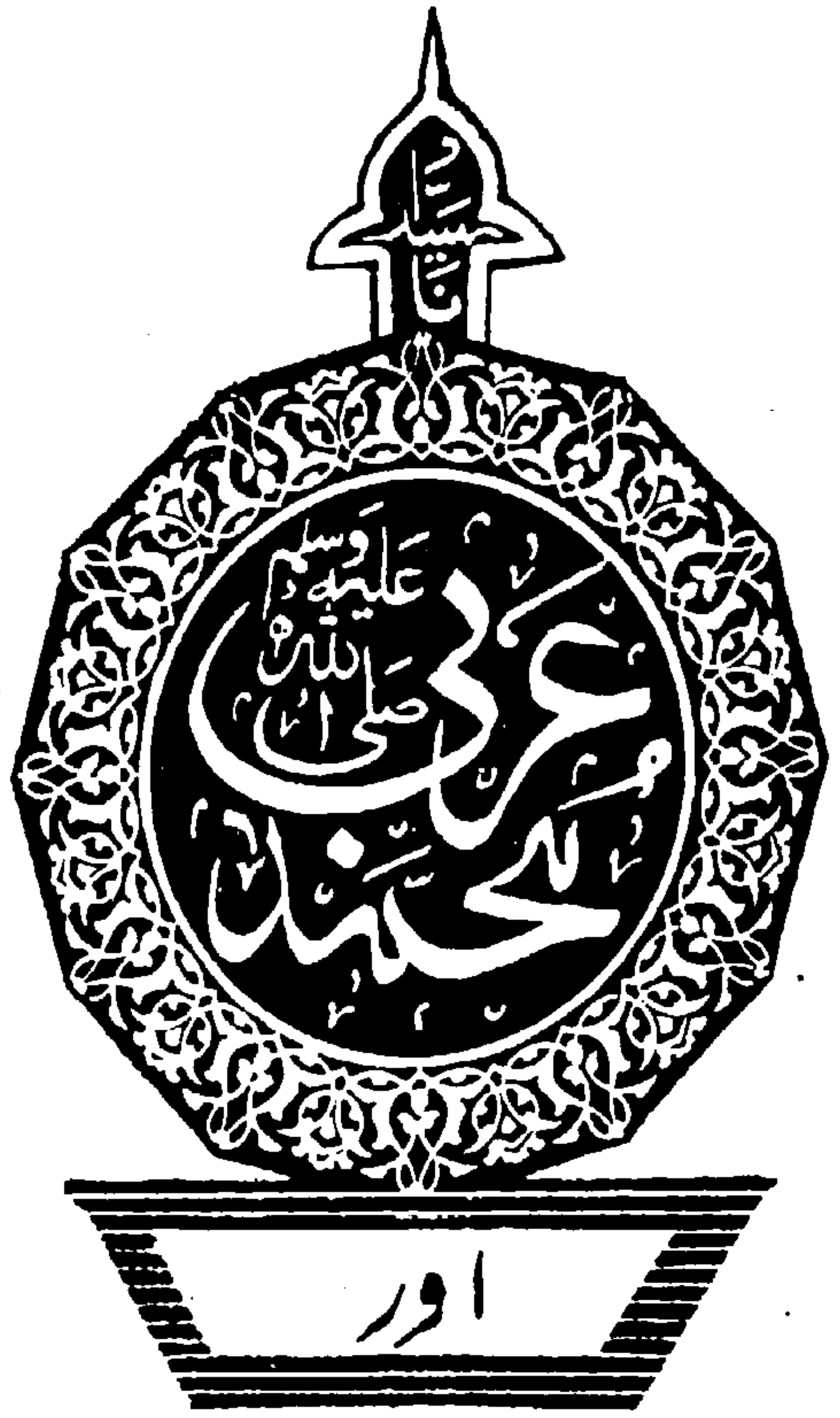
مولانا مسعود انور

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندگی کے ہر شعبے میں ہمارے لیے ڈگر بنا گئے ہیں۔ اسلام سے پہلے عرب میں دسترخوان بچھاکر کھانا کھانے کا دستور نہیں تھا۔ اسلام نے دسترخوان بچھواکر تمیز اور سلیقے کے ساتھ کھانا کھانے کا راستہ کھول دیا۔ کچھ عرصے بعد مسلمانوں نے چوکیوں پر رکھ کر کھانا کھانا شروع کیا۔ کھانے کو فرش سے اونچا مسلمانوں نے ہی پہنچایا ہے۔ چوکیوں پر کھانا کھانا مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ مسلمانوں کے ہاں کھانے پینے کے اتنے آداب ہیں کہ انشاء اللہ آج کل کی ترقی یافتہ قوموں کے ہاں اتنے آداب نہیں ملیں گے۔ بنیاد تمام آداب کی كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ہے۔ یعنی پاک روزی کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ جو مسلمان اس نیّت سے کھائے پیے گا کہ زندگی کھانے پینے پر منحصر ہے اور کھانے پینے سے حصولِ علم، عملِ خیر اور راہِ آخرت پر چلنے کی قوت رہے گی۔ اس کا کھانا پینا عبادت ہے۔ مسلمان کے ہر فعل کا اجر ملے گا۔ بشرطیکہ وہ عمل حکم باری تعالیٰ کے خیال سے کیا جائے۔

خیر مسلمانوں کے ہاں کھانا کھانے کے آداب یہ جو حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے چاہئیں بلکہ وضو کرلیا جائے تو اور اچھا ہے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھولیتا ہے وہ فقر و فاقہ سے محفوظ رہتا ہے۔

۲۔ کھانا جانوروں کی طرح نہیں کھانا چاہیے کہ جہاں بیٹھے ہیں یا کھڑے ہیں وہاں کھانے لگے۔ کھانا دسترخوان پر یا چوکی پر (یا آج کل میز کرسی کا رواج ہے، میز کرسی پر) کھانا چاہیے۔ (کھڑے ہوکر کھانا اسلامی شعار اور اسلامی کلچر کے خلاف ہے۔)

۳۔ دسترخوان پر کھائیے تو دایاں زانو اٹھا لیجیے اور بائیں پنڈلی پر بوجھ دے کر بیٹھیے۔ کھاتے وقت تکیے کا سہارا مت لیجیے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں میں بندہ ہوں۔ بندوں کی طرح بیٹھتا ہوں اور بندوں کی طرح کھاتا ہوں۔

۴۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اتنا کھانا کھانا چاہیے جو انسان کی کمر سیدھی رکھے۔ زیادہ سے زیادہ ایک تہائی پیٹ کھانے سے بھرا جائے۔ ایک تہائی پانی سے اور ایک تہائی سانس لینے کے لیے خالی چھوڑا جائے۔

۵۔ بے بھوک کھانا کھانا مکروہ ہے۔ بھوک نہ ہو تو کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھانا چاہیے۔ جو شخص رغبت کی صورت میں کھانا کھاتا ہے اور لدھڑ ہوکر دسترخوان سے نہیں اٹھتا بلکہ کسی قدر بھوکا

اٹھتا ہے، اسے طبیب کی احتیاج نہیں رہتی۔

۶۔ لذیذ کھانوں کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے۔ حقیقی لذت تو بھوک میں ہے۔ بھوک کے وقت جو مل جائے اسے خوشی خوشی کھانا چاہیے اور اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ روٹی ہے اور لگا دن نہیں ہے تو بھی کھا لیا جائے۔ زیادہ بھوک، اور روٹی کی موجودگی میں نماز مؤخر کر دی جاتی ہے۔ پہلے روٹی کھاتے ہیں پھر نماز پڑھتے ہیں۔ لگا دن نماز سے بڑھ کر شے نہیں ہے جو اس کا انتظار کیا جائے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روٹی کا احترام فرمایا کرتے تھے۔ احترام یہی تھا کہ روٹی کھا لیتے تھے۔ لگا دن ہے تو واہ واہ ورنہ اصل شے روٹی ہے۔ انسان کا قوام روٹی سے ہوا ہے۔ یہ تو ہوئے کھانا کھانے سے قبل کے آداب۔ کھانا کھاتے وقت کے آداب یہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر کھانے کی ابتدا کی جائے اور ہر لقمے پر بسم اللہ کہا جائے۔ بسم اللہ کہنے کو دوسرے سنیں تو اچھا ہے دوسروں کو اس سے بسم اللہ کہنے کی ترغیب ہوگی۔ جب کھانا کھا چکے تو الحمد للہ کہنا چاہیے۔ شیرینی بیچ میں کھانی چاہیے۔ شروع بھی نمکین سے کیا جائے اور ختم بھی نمکین پر کیا جائے۔ لقمہ چھوٹا لینا چاہیے اور اسے خوب چبانا چاہیے۔ ایک لقمہ نگل لیا جائے تب دوسرا لقمہ اٹھایا جائے۔ کھانا گھبرا گھبرا کر اور جلدی جلدی نہیں کھانا چاہیے۔ کھانے میں عیب نہیں نکالنا چاہیے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ بدذائقہ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا ہے مگر زبان سے کھانے کی مذمت حضور نہیں کیا کرتے تھے۔ کھانا اپنے آگے سے اور رکابی کے کنارے کے پاس سے کھانا چاہیے۔ رکابی کے بیچ میں یا چاروں طرف ہاتھ نہیں دوڑانا چاہیے اور ایک رکابی میں ایک سے زیادہ آدمی کھا رہے ہوں تب تو چاروں طرف ہاتھ چلانا نہایت ہی نازیبا ہے۔ ایک رکابی میں کئی کا مل کر کھانا بھی جائز ہے اور الگ الگ رکابیوں میں کھانا بھی جائز ہے۔

میوے کو ہاتھ بڑھا کر اٹھا لینے کی اجازت ہے، کیونکہ میوہ متعدد اقسام کا ہوتا ہے۔

روٹی کنارے سے توڑنی چاہیے۔ بیچ میں سے نہیں توڑنی چاہیے اور روٹی اور گوشت کو چھری سے کاٹ کاٹ کر نہیں کھانا چاہیے۔ روٹی کے اوپر روٹی کے سوا کچھ نہیں رکھنا چاہیے۔ روٹی سے ہاتھ نہیں پونچھنا چاہیے۔ نوالہ ہاتھ سے گر پڑے اور صاف ہے تو اسے کھا لینا چاہیے۔ پاکیزہ بھورا تک ضائع نہ ہونے دیا جائے۔ (ضائع شدہ بھورے ہی جمع کر لیے جائیں تو بہت سے آدمیوں کا پیٹ بھر سکتا ہے۔) انگلیوں میں کھانا لگا ہو تو انگلیاں چاٹ لینی چاہئیں اور پھر ہاتھ دھونے چاہئیں۔ گرم کھانے کو پھونکیں مار مار کر ٹھنڈا نہیں کرنا چاہیے۔ کھانے کو ٹھنڈا ہونے دینا چاہیے (پھونکیں مارنے سے کھانے میں پھونکیں مارنے والے کے جراثیم داخل ہو جاتے ہیں اور اہلِ سائنس کو حال میں پتہ لگا ہے کہ گرم چائے پینے سے گلے اور حلق کے اندر کینسر جیسا مہلک مرض جنم لیتا ہے۔)

ایسے پھل جن کا گننا آسان ہے طاق کھانے چاہئیں۔ مثلاً سات ۷ یا نو ۹ یا گیارہ ۱۱ یا اکیس ۲۱۔ پھلوں کے چھلکے، گٹھلیاں اور پھوک پھلوں کے برتن میں نہ ڈالنے چاہئیں۔ ہاتھ میں بھی نہ لیے رہیں۔ دوسرے برتن میں ڈال دیں۔

کھانا کھانے کے دوران پانی بکثرت نہ پینا چاہیے۔

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثارِ مبارکہ

مولوی حافظ نور الحسن اورنگ آبادی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثارِ مقدسہ کی تعظیم و توقیر تمام صحابہ کرام تابعین، تبع تابعین اور تمام بزرگانِ دین و سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کی ہے۔ ان آثار میں سے مشہور آثار کا تذکرہ اجمالاً پیش کیا جا رہا ہے۔

زیارت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کی زیارت مستحب ہے اور اعمال تقرب میں ایسی طاعت ہے جس کے ساتھ سب سے زیادہ امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔ منح الغفار میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روضۂ انور کی زیارت کی بہت ترغیب دلائی۔ اور اس کے استحباب پر بہت زور دیا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی"۔ امام ابن الہمام نے "فتح القدیر" میں لکھا ہے۔ میرے نزدیک خاص زیارت روضۂ مطہرہ کا ارادہ کرنا اور ساتھ ہی ریا و نمائش اور فخر و مباہات وغیرہ سے نیت کا پاک کرنا بہتر ہے پھر جب وہ مدینہ منورہ پہنچ جائے گا تو مسجد نبوی کی زیارت بھی اسے نصیب ہو جائے گی۔ یا پھر دوسری بار مدینہ طیبہ کی حاضری کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور اس میں مسجد نبوی کی زیارت کی نیت کرے اسی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔

"درِ مختار" میں ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ روضۂ انور کی زیارت کے ساتھ مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی نیت کرے اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مسجد نبوی کے اندر ایک نماز دوسری مسجدوں کی ایک ہزار نماز سے بہتر ہے سوائے کعبہ مکرمہ کے۔ لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ مسجد نبوی کی زیارت بھی ایک اہم کار ثواب ہے جو چھوڑنے کے قابل نہیں اس سے یہ مراد نہیں کہ روضۂ انور کی زیارت مسجد نبوی کی زیارت کی نیت کے بغیر درست نہ ہو گی۔! داخل ہونے کے وقت زائر کو ظاہر و باطن دونوں حیثیتوں سے خاشع و خاضع رہنا چاہیئے اور اپنے سینے میں مبارک مقام کی عظمت رکھنی چاہیئے اور یہ بھی پیش نظر رہنا چاہیئے کہ یہ وہی مقام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت و سکونت کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ اور جب چلے تو اس عظیم تصور کو اپنے قلب میں جماتے ہوئے ہو کہ میرے پاؤں جس جگہ پڑ رہے ہیں قدم ناز مصطفےٰ یہاں پڑ چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ مدینہ منورہ کے راستوں میں ادباً سواری نہ کرتے۔

مسجد نبوی کے متصل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ تھا۔ دیگر حجراتِ مصطفویہ کی طرح اس کی دیواریں کچی اینٹ کی تھیں چھت کھجور کی چھال سے بنی ہوئی تھی۔ بلندی قد آدم سے زیادہ تھی۔ اور دروازہ پر کمبل لٹکا رہتا۔ مشیت ایزدی کے بموجب ام

الانبیاء علیہ والصلوٰۃ والسلام کا وصال وہیں ہوا تو آپ کا مدفن اور آخری آرام گاہ بہ مطابق حدیث قدسی یہی حجرہ شریف قرار پایا۔ اس وقت حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی اسی حجرہ میں قیام فرما تھیں۔ جب مرقد اقدس پر لوگوں کی آمد ورفت کی کثرت ہو گئی تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مسکن اور مرقد اقدس کے درمیان دیوار بنائی اور عموماً قبر شریف پر حاضری دیتی رہتیں۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں دفن ہو گئے تو کامل پردہ کے بغیر قبروں پر نہ جاتیں۔

روضہ اطہر کی تعمیر جدید:- ۱۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ دوم نے جب مسجد نبوی میں اضافہ کیا تو اس حجرہ کو کچی اینٹ سے تعمیر کروا دیا تھا۔ ولید بن عبد الملک کی تعمیر تک یہ حجرہ برقرار رہا۔ ۲۔ ۸۸ھ میں ولید بن عبد الملک کے فرمان کے مطابق عامل مدینہ منورہ عمر بن عبد العزیز نے مسجد نبوی کی تعمیر کے ساتھ ہی روضہ اطہر کی تعمیر شروع کی اور کچھ رومی معمار بھی بلائے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رومی معمار نے چاہا کہ حجرہ شریف میں نقب لگائے کرے لیکن یہ مذموم ارادہ کرتے ہی وہ زمین پر گر پڑا اور اس کا سر پاش پاش ہو گیا جس سے بعض دیگر معماروں میں سے اکثر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ بہرحال پرانے حجرہ کو منہدم کر کے منقش پتھروں سے روضہ اطہر تیار کیا گیا اور اس کی پشت پر ایک دوسرا احاطہ بنوایا اور ان دونوں عمارتوں میں سوائے چھت کے نزدیک روشن دان کے کوئی دروازہ نہیں بنایا گیا۔ اس لیے عمر بن عبد العزیز کی تعمیر کے بعد سے آج تک روضۂ اطہر کے اندر جانا ناممکن ہو گیا ہے۔ یہ تعمیر ۹۱ھ میں مکمل ہوئی۔ ۵۴۸ھ میں روضۂ اطہر کے اندر ایک دھماکہ کی آواز سنی گئی تو مشائخ صوفیہ میں سے ایک ممتاز بزرگ کو رسی سے باندھ کر روشن دان کے راستے مرقد مبارک پر اتارا گیا۔ انھوں نے دیکھا کہ کچھ مٹی چھت سے گری ہوئی ہے تو ان بزرگ نے اپنی داڑھی کو جھاڑو بنا کر آستانہ کی صفائی کی۔ تاریخ مذکور کے بعد جلد ہی پھر ایک دوسرے بزرگ سے صفائی کرائی گئی۔ ۴۔ ۵۵۰ھ میں جمال الدین اصفہانی (وزیر سلطان نور الدین زنگی) نے جن کی قبر باب جبریل کے مغرب میں رباط خورد یا رباط عجم میں ہے۔ روضۂ اطہر کے گرد ایک جالی صندل کی بنوائی۔ ۵۔ انھیں ایام میں ابن ابی الہیجا وزیر شاہ مصر نے خلیفہ مستضی باللہ کی اجازت سے سرخ ریشمی نقوش سے منقش سفید دیبا جس پر سورۂ یٰسین لکھی تھی روضۂ اطہر پر لٹکانے کی غرض سے بھیجا اس کے بعد ہر بادشاہ نے اپنی تخت نشینی کے وقت پردہ بھیجنا اپنے دستور میں شامل کر لیا۔ اسی طرح سلاطین آل عثمان کا بھی یہی قاعدہ رہا ہے۔ ۶۔ ۶۷۸ھ میں قلاؤن صالحی نے تانبے کی جالیوں کے ساتھ قبہ خضرا بنوایا جو مسجد کی چھت سے بلند ہے۔ ۷۔ ۸۸۸ھ میں ملک الاشرف قائتبائی شاہ مصر نے روضہ اطہر کی تعمیر نئے سرے سے کرائی۔ تقریباً ۵ فٹ مدور مخمس شکل میں حجرۂ نبویہ کے اوپر عظیم الشان عمارت بنوائی۔ سفید اور سیاہ پتھروں سے چنائی کی اس کے اوپر قبہ تعمیر کروایا لیکن اس نے روضۂ اطہر کے فرش کو بطور تبرک اس لیے قدیم حالت میں چھوڑ دیا کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پڑ چکے تھے۔ ۸۔ ۹۳۸ھ میں سلطان سلیمان اعظم نے دوسری دیواروں کے علاوہ روضۂ اطہر کا فرش سنگِ مرمر کا لگوایا جو تا حال موجود ہے۔ ۹۔ ۱۲۳۳ھ میں سلطان محمود ثانی عثمانی نے موجودہ گنبدِ خضرا تعمیر کرایا اور اس پر سبز رنگ کرایا اس سے پہلے گنبد کا رنگ سبز نہ تھا پھر سبز رنگ کی وجہ سے آج تک گنبدِ خضرا زبان زدِ خاص و عام ہو گیا۔ اب روضہ اطہر کے گرد اگرد جس مخمس عمارت پر گنبدِ خضرا تعمیر کیا گیا ہے اس میں ۴ دروازے ہیں ۱۔ جنوبی دروازہ باب قبلہ المعروف باب توبہ۔ ۲۔ شمالی دروازہ المعروف باب التہجد۔ ۳۔ مشرقی دروازہ المعروف باب فاطمہ ۴۔ مغربی دروازہ۔

محرابِ تہجد:- باب تہجد کے باہر متصل ہے جہاں حضور اکرم نماز تہجد ادا فرمایا کرتے تھے۔

صفہ:- محراب تہجد کے شمال میں ۴۰ فٹ طول ۲۶ فٹ عرض وہ جگہ جہاں اصحاب صفہ قیام پذیر تھے۔

روضۂ اطہر کے خصوصی واقعات

۱۴۰۰ سال کے دوران نادر امور اور عجیب حوادث یعنی معجزات سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۱۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ ولید بن عبد الملک کے حکم سے عمر بن عبد العزیز تعمیر مسجد و روضہ اطہر کر رہے تھے تو ایک رومی معمار نے چاہا کہ حجرہ شریف میں پیشاب کرے لیکن یہ مذموم ارادہ کرتے ہی زمین پر گر پڑا اور اس کا سر پاش پاش ہوگیا۔ یہ دیکھ کر رومی معماروں میں سے اکثر نے اسلام قبول کرلیا۔ ۲۔ ۵۵۷ھ میں نصاریٰ نے یورپ سے دو عیسائیوں کو مسلمان حاجیوں کے بھیس میں روضۂ اطہر میں سرنگ لگانے کی ناپاک جسارت کے لیے بھیجا تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اقدس کی چوری کر کے لے جائیں چنانچہ یہ دونوں عیسائی روضۂ اطہر کی مغربی جانب ایک کھنڈر میں رات سرنگ کی مٹی کھود کر مدینہ منورہ سے باہر پھینک دیتے۔ اور دن کو سرنگ کے منہ پر جانماز ڈال کر بیٹھے رہتے۔ تو اس وقت کے سلطان نور الدین محمود شہید بن عماد الدین زنگی کو ایک رات میں تین بار آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں عیسائیوں کی صورتیں دکھا کر فرمایا "مجھے ان کے شر سے بچاؤ" تو سلطان مذکور تیز رفتار سانڈنیوں پر دن رات سفر کر کے مدینہ منورہ پہنچا جس رات وہ عیسائی قبر شریف تک پہنچنے والے تھے اس رات بارش اور گرج چمک اس قدر زور اور کثرت سے ہوئی کہ زلزلہ اور طوفان عظیم کا سماں پیدا ہوگیا۔ اسی روز سلطان نور الدین زنگی پہنچ گئے اور عجیب حیلہ سے ان دونوں کو جو عابد و زاہد حاجیوں کے لباس میں تھے پہچان کر گرفتار کرلیا پھر ان سے سرنگ کی نشان دہی ہو جانے کے بعد ان کو قتل کر دیا۔ اور آئندہ روضہ اطہر کی مکمل حفاظت کی غرض سے سلطان نے روضۂ اطہر کے چاروں طرف پانی تک گہری خندق کھدوا کر سیسہ اور تانبا اور دیگر دھاتیں پگھلا کر بھروا دیا۔ ۳۔ مصر کے حاکم امراء عبیدیہ نے جو کہ ازلی بدبخت تھے اور حرمین شریفین بھی ان ہی کے قبضہ میں تھے، فیصلہ کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اجساد مبارکہ مصر میں منتقل کر لیے جائیں تو دنیا کے مسلم زیارت کے لیے مصر آنے لگ جائیں گے۔ اس خیال کے پیشِ نظر ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کرانے کے بعد اپنے معتمد ابو الفتوح کو تینوں اجساد پاک لانے کے لیے مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ جب وہ مدینہ پہنچا تو کچھ دوسرے واقعات کے علاوہ اس رات زبردست آندھی اور بارش عظیم طوفان کی شکل میں ظہور پذیر ہوئی اور اس قدر شدت اختیار کر گئی کہ پورا کرۂ ارض دہل جانے کا گمان ہوا۔ ابو الفتوح پر خوف و دہشت کی کیفیت طاری ہوگئی۔ پھر نمونہ عبرت بن کر سلامتی کا طلب گار ہو کر صدق نیت سے واپس چلا گیا۔

واقعات خسف

طبری بیان کرتے ہیں کہ حلب کے رافضیوں کی ایک جماعت نے مدینہ منورہ کے امیر کو بہت سے نادر تحفے تحائف قیمتی سامان اور بیش بہا زر و جواہر پیش کیے اور اس صلے میں امیر مدینہ سے طے کیا کہ روضۂ اطہر سے حضرات شیخین ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اجساد کو نکال لے جائیں۔ امیر مدینہ منورہ نے حبِ دنیا اور دینی بے حسی کی وجہ سے اجازت دے دی اور حرم شریف کے دربان کو حکم دیا کہ رات جب یہ جماعت آئے تو دروازہ کھول دینا۔ دربان بے چارہ امیر مدینہ کی بے حسی پر رونے لگا اور بارگاہِ ایزدی میں دعا کرنے لگا خدا کی قدرت کہ رات کو جب وہ لوگ ابھی منبر شریف کے مقابل نہیں پہنچے تھے کہ انھیں زمین نے نگل لیا زمین میں خسف کا اثر اور کچھ کپڑے جو اوپر رہ گئے نمونہ عبرت بن گئے (تاریخ طبری و وفاء الوفاء)

مسجد نبوی

مسجد نبوی مدینہ منورہ کے تقریباً قلب میں ایک مستطیل شکل میں روضہ اطہر کے متصل واقع ہے حضور خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ مبارکہ ہجرت کے موقع پر اس جگہ بیٹھی تھی جہاں آج کل مسجد نبوی میں منبر مبارک ہے ہجرت سے پہلے بھی مسلمان اسی جگہ پر عموماً نماز پڑھا کرتے تھے۔ یہ جگہ دو یتیموں سہیل اور سہل کی ملکیت تھی جب سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ جگہ تعمیر مسجد کے لیے منتخب فرمائی۔ تو ان یتیموں نے بہت کوشش کی سرکار

یہ قطعہ زمین بغیر قیمت لے لیں لیکن سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یتیموں سے بے قیمت زمین لینا گوارا نہ فرمایا تو یارِ غار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ جگہ دس ہزار درہم میں خرید کر مسجد کے لیے وقف کر دی۔ اس مسجد کی بنیاد حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ اقدس سے رکھی اور تعمیر میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شانہ بشانہ خود سرور دین و دنیا علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اینٹیں اٹھاتے اور دیگر کام کرتے رہے۔ یہ مسجد سادگی کا عجیب نمونہ تھی، بنیادیں پتھر کی دیواریں کچی اینٹوں کی ستون کھجور کے چھت برگِ خرما کی اور اونچائی قدِ آدم سے کچھ زیادہ تھی، شمالاً جنوباً ۵۴ گز اور شرقاً غرباً ۶۳ گز تھی۔ قبلہ بیت المقدس کی جانب رکھا گیا تھا۔ تین دروازے ایک کعبہ معظمہ کی جانب دوسرا مغرب کی جانب باب رحمت، تیسرا مشرق کی جانب باب جبریل تھا جب قبلہ بدل کر کعبہ معظمہ کی طرف ہو گیا تو اس طرف کا دروازہ بند کر کے اس کے مقابل شمال کی جانب نیا دروازہ بنا دیا گیا۔

تحویلِ قبلہ کے چودہ پندرہ دن بعد تک سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا مقام ستونِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے تھا بعد میں موجودہ محراب کا مقام متعین ہوا فرش پر بارش کے موسم میں کیچڑ ہو جاتی چنانچہ بعد میں وہاں کنکریاں ڈال دی گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطاب کے وقت ستونِ حنانہ سے ٹیک لگایا کرتے پھر ایک انصاری کے غلام نے لکڑی کا منبر بنا دیا جب آپ منبر پر تشریف فرما ہونے لگے تو ستونِ حنانہ فراقِ صحبت میں رونے لگا۔ آپ نے اس کی تسلی کے مطابق اس کا مقام دار الخلد میں منظور فرمایا ایک عرصہ کے بعد وہ ستون کافی بوسیدہ ہو گیا تو حضور کے حکم کے مطابق اس کو اسی جگہ دفن کر دیا گیا۔ ۲۔ فتح خیبر کے بعد ۷ھ میں امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسجد کی توسیع کے لیے ارادہ فرمایا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسجد کے متصل ایک انصاری کا مکان خرید کر مسجد کے لیے وقف کر دیا۔ بنیاد کی پہلی اینٹ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دستِ اقدس سے رکھی۔ دوسری اینٹ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اور پھر دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تعمیرِ مسجد میں جوش و خروش سے حصہ لیا اس طرح مسجد کو مربع فی صد در صد گز کر دیا گیا۔ ۳۔ اس کے بعد پہلی توسیع ۱۷ھ میں خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کی۔ مشرق کی طرف چوں کہ امہات المومنین کے حجرے تھے اس لیے باقی اطراف میں توسیع کر کے شرقاً غرباً ۱۲۰ گز اور شمالاً جنوباً ۱۴۰ گز ہو گئی جس کے لیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا مکان وقف کر دیا۔ ۴۔ دوسری توسیع خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ۲۹ھ میں ہوئی۔ آپ نے مسجد کی دیواریں منقش پتھروں سے بنوائیں۔ چھت ایک قیمتی لکڑی کی تیار کرائی۔ آپ نے شمال کی جانب زیادہ اضافہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح حجراتِ امہات المومنین کی حرمت کی وجہ سے انھیں اصلی حالت پر چھوڑ دیا۔ ۵۔ تیسری توسیع خلیفہ ولید بن عبد الملک کے فرمان کے مطابق اس وقت کے حاکم مدینہ عمر بن عبد العزیز کی زیر نگرانی ہوئی یہ تعمیر ۸۸ھ سے ۹۱ھ تک تین برس میں مکمل ہوئی۔ ولید کی فرمائش پر قیصر روم نے ۸۰ استادانِ فن اسّی ہزار دینار، چاندی کی زنجیریں، قندیلیں اور دیگر سامان کے ساتھ بھیجا۔ مسجد کا طول ۲۰۰ گز اور عرض ۱۶۰ گز کر دیا گیا۔ نہایت نفیس عمارت بنائی گئی، چھت، دیوار ستون سب کے سب منقش سنہرے بنائے گئے۔ مسجد کے چاروں کونوں پر مینار بنائے گئے۔ محراب کی علامت جو آج کل مسجدوں میں رائج ہے اسی کی ایجاد ہے۔ اس نے روضہ اطہر کے علاوہ باقی تمام حجراتِ امہات المومنین کو بھی مسجد میں شامل کر لیا۔
۶۔ چوتھی توسیع خلفائے عباسیہ میں خلیفہ مہدی نے ۱۶۱ھ تا ۱۶۵ھ میں کی اور دس ستون مسجد میں شمال کی طرف بنائے
۷۔ ۲۵۵ھ میں خلیفہ المعتصم نے مرمت اور معمولی تبدیلی کی ۷۰۵ھ میں ملک الناصر محمد بن خلدون نے معمولی تبدیلی کی۔ ۸۔ ۸۷۹ھ سے ۸۸۶ھ میں قاتیبا شاہ مصر نے روضۂ اطہر کی تعمیر اور مسجد میں توسیع کرائی۔ ۹۔ سلطان سلیمان عثمانی نے ۹۳۸ھ میں محراب سلیمانی اور جائے تہجد تعمیر کرائی اور ۹۴۷ھ میں باب الرحمۃ اور منارۂ سلیمانیہ اور دیگر تعمیرات میں منقش اور قیمتی پتھر

استعمال کیے۔ ۱۰۔ سلطان محمود ثانی نے ۱۲۳۳ھ میں روضۂ اطہر کے گنبد کو سبز رنگ کرایا اور منارہ معمولی ترامیم بھی کیں۔ ۱۲۶۵ھ اور پھر ۱۲۷۷ھ میں سلطان عبدالمجید عثمانی نے مسجد نبوی کی تجدید کرائی اور باب مجیدی تعمیر کرایا۔ ۱۲۔ ۱۳۳۶ھ میں فخری پاشا نے مسجد کے صحن وغیرہ کی مرمت کرائی۔ ۱۳۔ ۱۳۴۸ھ سے ۱۳۵۰ھ میں ملک عبدالعزیز نے کرائی اور آل سعود نے ۱۳۸۳ھ میں۔
۱۴۔ شاہ فیصل بن عبدالعزیز نے آخری توسیع ۱۳۹۲ھ میں مکمل کرائی۔ اب مسجد نبوی کا رقبہ تقریباً ۲۶۰۰۰ مربع میٹر ہو گیا ہے۔

مسجد نبوی کے دروازے پہلے مسجد نبوی کے پانچ دروازے تھے۔ ۱۔ باب السلام جنوب مغرب میں ۲۔ باب الرحمۃ شمال مغرب میں۔ ۳۔ باب النساء مشرق میں باب الرحمۃ کے بالمقابل ۴۔ باب جبریل باب النساء کے متصل جنوب میں ۵۔ باب عبدالمجید شمال مشرق میں شاہ عبدالعزیز اور شاہ فیصل کی توسیع میں پانچ دروازے تعمیر کیے گئے تاکہ آمد و رفت میں مزید سہولت ہو اس طرح اب مسجد نبوی میں کل دس دروازے ہیں۔ ۱۔ باب السلام ۲۔ باب الصدیق ۳۔ باب الرحمہ۔ ۴۔ باب سعود۔ ۵۔ باب عمر بن الخطاب ۶۔ باب عبدالمجید ۷۔ باب عثمان بن عفان، ۸ باب عبدالعزیز ۹۔ باب النساء۔ ۱۰۔ باب جبریل۔ محرابیں: ۱۔ محراب عثمانی، قبلہ کی دیوار کے وسط میں واقع ہے۔ آج کل یہ امام کے لیے وقف ہے۔ ۲۔ محراب سلیمانی۔ منبر نبوی کے مغرب میں ۹۳۸ھ میں سلیمان اعظم کی تعمیر کردہ ہے۔ ۳۔ محراب نبوی، محراب سلیمانی اور روضۂ اطہر کے درمیان منبر نبوی کے متصل مشرق کی طرف واقع ہے۔ اس کی تجدید فخری پاشا نے کرائی۔

منبر نبوی: ۔ محراب نبوی کے مغرب میں سنگ مرمر کا بارہ درجہ منبر ہے جس پر نقش و نگار اور آیات اصلی سونے کے پانی سے کندہ ہیں ۹۹۸ھ میں سلطان مراد عثمانی نے بنوایا۔

ریاض الجنۃ: ۔ بخاری و مسلم شریف میں ہے: میرے حجرے اور منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ہے۔ دوسری روایت میں ہے: (میری قبر اور منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے) منبر اور قبر کے درمیان ریاض الجنۃ تقریباً ۷۲ فٹ لمبا اور ۵۰ فٹ چوڑا ہے۔

ستون: ۔ مسجد نبوی میں ۳۲۷ ستون ہیں، صحن کے جنوب میں ۲۲۳، صحن کے شمال میں ۲۵، صحن کے مشرق میں ۲۷ اور صحن کے مغرب میں ۵۲۔ علما نے فرمایا ہے کہ مسجد نبوی کے ہر ستون کے پاس زیادہ سے زیادہ نفل نمازیں پڑھنا مستحب ہے کیوں کہ جب تک وہ اپنی جگہ قائم ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کا فیض ان میں باقی رہے گا اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نمازیں جو ان ستونوں کی جگہوں اور ان سے قریب پڑھی گئی ہیں ان کی برکتیں باقی رہیں گی وہ خاص ستون جن کا ارباب سیر نے ذکر کیا ہے ان کے تذکرے ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ ستون مخلقہ مطہرہ: ۔ یہ امام کی جگہ کے دائیں جانب مصلی شریف کا نشان ہے۔ سلمہ بن اکوع تلاش کر کے اس کے پاس نماز پڑھتے تھے اسی کے پاس کھجور کا وہ تنا بھی تھا جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوران خطبہ ٹیک لگاتے تھے۔ یہ تنا چراغ کی کرسی کی جگہ محراب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب واقع ہے۔ ۲۔ ستون عائشہ: ۔ یہ ستون منبر شریف سے مشرق جانب تیسرا ستون ہے۔ محراب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھنے والے امام کے پیچھے صف میں واقع ہے۔

تحویل قبلہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دس دن سے زائد چودہ یا پندرہ دن تک فرضی نمازیں اس کی طرف رخ کر کے ادا فرمائیں۔ پھر آج کے مصلی محراب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز پڑھنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس ستون سے ٹیک لگایا کرتے تھے۔ ۳۔ ستون توبہ: ۔ یہ ستون حجرہ شریف سے دوسرا اور منبر شریف سے چوتھا۔ ستون عائشہ اور جالی سے ملے ہوئے ستون کے بیچ میں واقع ہے۔ لوگوں نے بتایا ہے کہ اس ستون اور روضہ انور کے درمیان میں ہاتھ کا فاصلہ ہے۔

اس کی طرف رخ کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نماز منقول ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آپ کا بستر پاک یا

تخت شریف اسی کے پاس قبلہ سے متصل رکھا جاتا اور آپ حالت اعتکاف میں اسی سے ٹیک لگاتے۔ اس ستون کو ستونِ توبہ کہے جانے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو لبابہ رضی اللہ عنہ نے بنو قریظہ کو ان کے انجام کار یعنی ذبح و قتل کی خبر دے دی تھی۔ پھر وہ نادم ہوئے اور خود کو یہ قسم کھا کر اس ستون سے باندھ دیا کہ ان کو سوائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی اور کھول نہیں سکتا، ان کی صاحب زادی آتیں اور نماز و قضائے حاجت کے لیے کھولتیں اس طرح دس دن سے زیادہ تک بندھے رہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس اللہ کی وحی لے کر آئے اور انھیں کھولا (شیخ محقق دہلوی)

۴۔ ستون سریر:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تخت اعتکاف میں کبھی اس ستون کے پاس رکھا جاتا اور کبھی ستونِ توبہ کے پاس یہ ستون جالی سے متصل ستونِ توبہ کے مشرقی جانب واقع ہے۔

۵۔ ستون علی: یہ ستون جانبِ شمال میں ستون توبہ کے پاس رکھا جاتا اور کبھی ستون توبہ کے پاس اور روضۂ انور سے متصل اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے بیٹھتے اس لیے کہ یہ ستون اس دریچہ کے سامنے ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین حضرت عائشہ کے گھر سے نکل کر مسجد میں تشریف لاتے۔ ۶:۔ ستون وفود:۔ یہ ستون جانبِ شمال میں ستون علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے واقع ہے۔ اس ستون اور ستون توبہ کے درمیان ستون علی واقع ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور کبار صحابہ کرام اس کے پاس بیٹھتے تھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب عرب کے اطراف و جوانب سے وفد آتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تر ان کو اسی کے پاس ٹھہراتے تھے۔ ۷۔ ستون تہجد:۔ یہ ستون جانب شمال میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے پیچھے واقع ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہیں نماز پڑھتے، اس میں ایک محراب ہے جب نماز پڑھنے والا اس محراب کی طرف رخ کرے گا تو اس کا بایاں حصہ باب جبریل کی طرف ہوگا اس جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نمازِ تہجد پڑھا کرتے تھے۔ ۸۔ مربعۃ القبر:۔ اسے مقام جبریل بھی کہتے ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام وحی لے کر زیادہ تر اسی مقام پر حاضر ہوتے، یہ ستون جالی سے ملے ہوئے ستون کے پیچھے جہاں مغربی کنارا شمال کی طرف مڑا ہے وہیں حجرہ شریف کے گھیرے میں واقع ہے۔

مسجد قباء

یہ مسجد مدینہ منورہ کے جنوب میں دو میل کے فاصلے پر ہے۔ اس میں باوضو جانا مستحب ہے زیارت کے لیے افضل سنیچر کا دن ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سنیچر کو سوار یا پیدل تشریف لاتے (بخاری و فتح القدیر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس سے تعمیر ہونے والی مسجدوں میں سب سے پہلی مسجد ہے جو مسلمانوں کے لیے تعمیر کی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے قبا پہنچے۔ سب سے پہلے آپ نے اس مسجد کی تعمیر فرمائی اور قبا میں تین، یا چار، یا چودہ دن قیام فرمایا۔ پھر مدینے کے لیے روانہ ہوئے۔ مسجد حرام، مسجد نبوی، اور مسجد اقصیٰ کے بعد سب سے افضل یہی مسجد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سنگِ بنیاد رکھا، پھر حضرت ابوبکر صدیق، پھر حضرت عمر فاروق پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم نے پتھر رکھے۔ اسی مسجد کے متعلق رب العزت نے فرمایا البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن ہی تقویٰ پر رکھی گئی، قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا۔ مسجد قبا کا طول و عرض ۶۶ گز رکھا گیا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ رقبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اضافہ کے بعد ہوا۔ تحویل قبلہ کے بعد اس مسجد کا قبلہ بھی کعبہ معظمہ کی طرف کر دیا گیا۔ ۸۷ھ تا ۹۳ھ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مسجد نبوی کی تعمیر کے ساتھ مسجد قباء کی تعمیر بھی کی۔ ۴۳۵ھ میں ابو یعلیٰ نے مسجد میں محراب تعمیر کرائی۔ ۵۵۵ھ میں جمال الدین اصفہانی نے مسجد قباء کی تجدید کی، اور ۶۷۱ھ ۷۳۳ھ میں بھی مرمت ہوتی رہی ۸۸۱ھ میں قائتبا شاہ مصر نے مسجد کی تجدید کی اور محراب و منبر تعمیر کرایا۔ ۱۲۴۵ھ میں سلطان محمود ثانی عثمانی نے مسجد کو نئے سرے سے تعمیر کرایا ۱۳۵۱ھ میں شاہ عبدالعزیز نے مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا اور پھر ۱۳۸۸ھ میں شاہ فیصل بن عبدالعزیز نے مسجد کی تعمیر و تجدید کرائی۔

جنت البقیع اور گرد و نواح کی قبریں

روزانہ خصوصاً جمعہ کے دن باوضو جنت البقیع

جانا اور وہاں کی قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبرستان کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ اس سے ۷۰ ہزار مردے چودھویں کے چاند کی شکل میں اٹھائے جائیں گے۔ اور جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے۔ بیشتر صحابہ کرام جن کا وصال مدینہ منورہ میں ہوا یہیں مدفون ہیں ان کی تعداد دس ہزار بتائی گئی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حضور کا ارشاد ہے جو مدینہ میں مر سکے وہ مدینہ میں مرے اس لیے کہ اس میں مرنے والوں کی خاص شفاعت کروں گا (نظام المملکۃ) اب ان قبروں کا ذکر ہوگا جن کی جگہ اور سمت کا تعین ہو سکتا ہے لیکن افسوس کہ اب وہابی حکومت نے سارے قبے ڈھا دیے اور قبروں کے نشانات بھی منہدم کر دیے۔

۱۔ قبہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب :۔ اس کی تعمیر ۵۱۹ھ میں کسی عباسی خلیفہ نے کرائی اس میں کئی قبریں ہیں غربی جانب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی قبر ہے۔ مشرقی جانب ایک قبر ہے اس میں حضرت عباس کے پائنتی حضرت حسن بن علی مدفون ہیں اور اسی میں دوسرے ائمہ، زین العابدین علی بن حسین اور ان کے لڑکے باقر اور ان کے لڑکے جعفر صادق مدفون ہیں۔ بقیع کے اندر مدفون،

۲۔ قبہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ :۔ صحابہ کرام میں سب سے افضل ہیں۔ آپ نے اپنی حیات میں حضرت عائشہ صدیقہ سے حجرہ شریف میں دفن کرنے کی اجازت لے لی تھی، لیکن آپ کی شہادت کے بعد مصریوں نے وہاں دفن کرنے سے روکا بلکہ جنت البقیع میں بھی دفن کرنے سے مانع ہوئے، اس لیے رات کو جنت البقیع کے ایک باغ میں مدفون ہوئے بعد میں حضرت معاویہ کے گورنر مدینہ مروان نے اس مقام کو بھی بقیع میں شامل کر دیا۔

۳۔ قبہ سیدنا ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود اپنے دستِ اقدس سے ان کی قبر پر مٹی ڈالی اور پانی چھڑکا ۸ھ میں ان کی ولادت ہوئی اور ڈیڑھ برس بعد وفات پائی۔ اس قبے میں عثمان بن مظعون بھی مدفون ہیں۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں۔ سب سے پہلے بقیع میں یہی عثمان بن مظعون دفن کیے گئے تھے۔ ان کی تدفین ماہ شعبان ہجرت کے بعد تیسویں مہینے کے شروع میں عمل میں آئی تھی۔ ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہمارے اچھے سلف عثمان بن مظعون ہیں۔

۴۔ قبہ عقیل بن ابوطالب :۔ اس میں عقیل بن ابوطالب کی قبر ہے ایک خیال یہ بھی ہے کہ عقیل کی قبر ان کے مکہ کے گھر میں ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ ان کی قبر شام میں ہے، اس قبہ میں ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کی قبر بھی ہے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں۔ عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی قبر بھی اسی قبہ میں ہے۔

۵۔ قبہ امام مالک بن انس ۔ امام دار الہجرت حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ اس میں آرام فرما ہیں۔

۶۔ ایک اور قبہ :۔ اس میں ایک قبر ہے جس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ نافع مولی بن عمر اس میں مدفون ہیں۔ یہ نافع امام مالک کے استاد ہیں جیسا کہ ابن حجر نے لکھا ہے ان کے بارے میں بعض نے وہم کیا کہ یہ قراء سبعہ سے ہیں۔

۷۔ ایک چھوٹا سا قبہ :۔ یہ قبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب ہے قبہ فاطمہ بنتِ اسد کے راستے میں واقع ہے ان کے اسلام کے بارے میں بعض نے اختلاف کیا ہے لیکن اظہر یہ ہے کہ وہ اسلام لائیں :۔

۸۔ قبہ صفیہ بنت عبدالمطلب :۔ اس میں صفیہ بنت عبدالمطلب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی قبر ہے یہ قبہ مدینہ منورہ کی شہر پناہ کے پاس بقیع کی جانب دروازہ سے باہر بائیں طرف واقع ہے وہیں ایک دوسری قبر بھی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت عاتکہ کی قبر ہے۔

۹۔ قبہ ازواج مطہرات :۔ یہ قبہ دار عقیل کے قریب واقع ہے

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ روایتیں یہ بتاتی ہیں کہ امہات المومنین میں حضرت خدیجہ اور حضرت میمونہ کے علاوہ سبھی کے مزارات بقیع میں وہیں ہیں جہاں ان کی زیارت کی جاتی ہے۔

۱۰۔ ایک اور قبہ:۔ یہ قبہ امہات المومنین کے قبے اور عقیل کے قبے کے قریب واقع ہے۔ بتایا گیا ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین شاہزادیاں آرام فرما ہیں یہ قبہ اس وقت قبۂ بنات کے نام سے مشہور ہے ان تینوں شاہزادیوں کے نام یہ ہیں۔ سیدہ رقیہ، سیدہ زینب، اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن۔

قبر فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:۔ مقدس زیارت گاہوں میں یہ مزار بھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد بقیع میں جانب قبلہ قبۂ عباس سے متصل مائل بہ مشرق واقع ہے۔ یہ مسجد بیت الاحزان (غموں کا گھر) کے نام سے مشہور ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا یہاں ٹھہرتیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں آنسو بہاتیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شاہزادیوں میں سب سے چھوٹی اور حضور کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ نبوت سے پہلے یا نبوت کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان کی ولادت ہوئی اور حضور کے سفر آخرت کے سال رمضان المبارک کی تین تاریخ سہ شنبہ کی شب میں ان کا وصال ہوا اور رات ہی میں ان کی تدفین بھی عمل میں آئی۔

قبر سعد بن معاذ اشہلی:۔ یہ قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ غزوہ خندق کے دن زخمی ہوکر وفات پائی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے گھر سے قریب بقیع کے کنارے مقداد بن اسود کے گھر سے متصل مدفون ہوئے

قبر ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ: یہ اپنی وصیت کے مطابق بقیع کے کنارے دفن کیے گئے یہیں ان کا مزار ہے۔

سرکار کی اقامت گاہیں

۱۔ دار کلثوم بن الہدم و سعد بن خیثمہ:۔ مکہ معظمہ سے ہجرت کے وقت مدینہ منورہ میں آپ کا پہلا نزول محلہ قبا میں بنی عمرو بن عوف کے سردار کلثوم بن الہدم اور سعد بن خیثمہ کے گھر میں ۱۲ ربیع الاول بروز دوشنبہ ہوا۔ یہاں تقریباً چودہ دن قیام کے دوران مسجد قباء تعمیر ہوئی۔

سیرت ابن ہشام کے مطابق دار کلثوم بن الہدم حضور کی اقامت گاہ تھی اور دار سعد بن خیثمہ میں مجلس ہوا کرتی تھی پہلی تعمیر زمانہ جاہلیت کی تھی اور تقریباً نویں صدی ہجری تک یہ مقام اسی حالت میں رہا۔ آج کل دار کلثوم بن الہدم دار سعد بن خیثمہ کی جگہ مدرسۂ قبا نامی پرائمری اسکول تعمیر ہوا ہے۔ ۲۔ دار ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ:۔ محلہ قبا میں قیام کے بعد حضور سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا قیام حضرت ابو ایوب انصاری خزرجی نجاری کے مکان پر ہوا، بنی نجار آپ کے دادا عبد المطلب کے ننہال والے بھی تھے۔ حضرت ابو ایوب انصاری کا مکان وہی تھا جو حمیری بادشاہ تبع نے یہودی عالم شامول کے لیے بنوایا تھا اور سرکار پر اپنے ایمان لانے کا اظہار کر کے شفاعت کی درخواست لکھ کر اس عالم کے سپرد کی تھی کہ آپ کی نسل میں وراثۃً یہ خط منتقل ہوتے ہوتے نبی آخر الزماں تک پہنچا دیا جائے۔ حضرت ابو ایوب انصاری اسی یہودی عالم شامول کی اکیسویں پشت سے تھے، جنہوں نے وہ عرض داشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنے کا اعزاز شرف حاصل کیا۔ اور مسجد نبوی کے بعد حجرات کی تعمیرات تک سات ماہ آپ کا قیام اسی مکان میں رہا، اور اسی دوران بنی نجار نے مہمان نوازی کا حق ادا کر کے دنیا اور آخرت میں سرخروئی حاصل کی۔ دار ابو ایوب انصاری مسجد نبوی کے جنوب مشرق میں ہے اس کے جنوب میں دار جعفر صادق اور مغرب میں سڑک ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاری کے بعد ان کا گھر مغیرہ بن عبد الرحمن نے ایک ہزار دینار میں خرید کر اہل بیت کو دے دیا، ملک شہاب الدین غازی بن ملک العادل نے یہاں مدرسہ شہابیہ تعمیر کرایا پھر سرھویں صدی میں اس جگہ مسجد تعمیر کی گئی۔ ۳۔ دار عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ:۔ مسجد نبوی کے جنوب میں دار آل عمر بن الخطاب یا دار عبد اللہ بن عمر واقع ہے جو اصل میں ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب کا حجرہ مقدسہ تھا جو نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے تعمیر کرایا تھا، ولید بن عبدالملک کی تعمیر مسجد نبوی کے وقت اس کے حکم کے مطابق عمر بن عبدالعزیز نے باقی حجرات امہات المومنین کو تو مسجد میں شامل کر لیا لیکن آل عمر بن الخطاب کے لیے کچھ چھوڑ دیا۔

مدینہ کے پہاڑ کوہ احد

کوہ احد کی زیارت بذات خود مستحب ہے۔ صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے احد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں (صحیح بخاری)، کوہ احد مدینہ منورہ کے شمال میں دو میل کے کچھ فاصلے پر ہے۔ اس کی لمبائی ۶۵۰۰ گز تقریباً پونے چار میل شرقاً غرباً واقع ہے۔

بقول مشہور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حج کے لیے تشریف لائے تو واپسی پر حضرت ہارون علیہ السلام کا وصال اسی پہاڑ پر ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ احد پر ان کو دفن کیا، کوہ احد پر ایک مسجد ہے جو پچھلے زمانہ میں بعض غربا نے بنائی تھی اس پہاڑ کے بعض غاروں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر آدمی کے سر کے برابر پتھر ہے اس پر ایک نشان ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہاں آپ نے نشست فرمائی تھی اور سر اقدس کو وہاں رکھا تھا کفر و اسلام کی دوسری جنگ "جنگ احد" یہیں ہوئی تھی، منافقوں کی جماعت یہاں پہنچنے سے پہلے ہی عبداللہ بن ابی کی زیر سرکردگی واپس مدینہ منورہ چلی گئی کیونکہ کوہ احد صدیقین و محبوبین کا مقام ہے کوہ احد پر ہی شہدائے احد کی قبور مقدسہ ہیں جن میں سید الشہدا حضرت امیر حمزہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں جن کی تعداد ایک قول کے مطابق ستر ہے۔ چھیالیس سال کے بعد نالوں میں سیلاب آنے کی وجہ سے بعض قبریں کھل گئیں۔ تو مشاہدہ ہوا کہ ان کے کفن بمع اجسام مثل غنچہ تر و تازہ تھے، بعض کو دیکھا گیا کہ ان کے ہاتھ زخم پر رکھے ہوئے تھے، اور ان کے ہاتھ زخم سے علیحدہ کرنے پر تازہ خون جاری ہوتا اور جب ہاتھ چھوڑ دیتے تو وہیں پہنچ جاتا (جذب القلوب) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شہدائے احد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور فرماتے، تم کو سلام تمہارے صبر کے سبب تمہارے لیے دار آخرت اچھا ہے، اور آپ نے فرمایا جو شخص ان شہدا کے اوپر سے گزرے اور ان پر درود و سلام بھیجے تو یہ لوگ قیامت تک اس پر سلام بھیجتے رہیں گے۔ ۲۔ کوہ سلع :۔ مسجد فتح کے درمیانی راستے میں سلع پہاڑ ہے، ۳۔ غار سلع :۔ سلع پہاڑ کے قریب ایک غار ہے جو ایام خندق میں سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہو چکا ہے۔ اسی غار میں آپ نے امت کے بخشوانے کے لیے طویل سجدہ کیا تھا، کوہ احد میں حسب ذیل مساجد قابل ذکر ہیں۔

۱۔ مسجد فسح :۔ یہ مسجد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے شمال میں کوہ احد کی جڑ میں اس سے متصل واقع ہے، اس مسجد کو مسجد فسح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آیت فسح (یاایہا الذین آمنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا یفسح اللہ لکم) ...

۲۔ مسجد جبل عینین :۔ یہ مسجد کوہ عینین کے مشرقی حصے پر واقع ہے اس حصے کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ یہ وہ ہے جس پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو نیزہ لگا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد کے دن ظہر کی نماز اسی پہاڑ پر پڑھی تھی اس لیے اس کو جبل عینین کہا جاتا ہے۔

۳۔ مسجد الوادی :۔ یہ مسجد جبل عینین کے شمالی کنارہ پر واقع ہے، بقول مطری سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا مقام یہی ہے حربہ لگنے کے بعد اول مقام سے اس جگہ آ کر گر پڑے تھے اس کے بعد بحکم سرکار بطن وادی سے اٹھا کر مشہد مقدس کی جگہ دفن ہوئے بعض اس کو مسجد عسکر بھی کہتے ہیں۔ شمال مغربی گوشے میں ہے، ایک مینار بھی تھا لیکن امتداد زمانہ کے ہاتھوں منہدم ہو گیا۔ ۹۱۱ھ تک مسجد کے آثار موجود تھے، اس جگہ ایک چبوترہ بنا جو ابھی تک موجود ہے۔ ۴۔ مسجد ماریہ قبطیہ :۔ حضرت ماریہ قبطیہ شاہزادۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی والدہ ہیں۔ مسجد بنی قریظہ کے شمالی جانب مقام عالیہ میں یہ مسجد واقع ہے۔ عالیہ مدینہ منورہ سے

چار یا تین میل کے فاصلے پر نواحی آبادیوں کا نام ہے۔ مروی ہے
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر نماز پڑھی ہے۔
مسجد بنی ظفر:۔ اسے مسجد البغلہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مسجد بقیع کے
شمالی جانب قبہ فاطمہ بنت اسد والدۂ حضرت علی رضی اللہ عنہا
کے راستے میں واقع ہے، بنی ظفر کے محلہ میں اس جگہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کا نماز پڑھنا اور وہاں کے پتھر پر تشریف رکھنا منقول ہے
بقول مطری اس مسجد کے قبلہ کی جانب کئی ایسے پتھر ہیں جن
کے اوپر آپ کے خچروں کے نشانات ہیں ایک پتھر پر کہنی کا نشان
ہے۔ مشہور ہے کہ حضور نے اس پتھر پر اپنی کہنی مبارک رکھ کر
ٹیک لگائی تھی۔ ایک پتھر پر انگلیوں کے نشانات ہیں مسجد
کا رقبہ ۱۳ فٹ مربع ہے۔

۶۔ مسجد الاجابۃ:۔ یہ بقیع کے شمالی جانب اوس کے ایک
قبیلہ بنی معاویہ کی مسجد ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دن
مسجد بنی معاویہ کے قریب گذر ہوا آپ نے اس میں دو رکعت نماز
پڑھی اور اس کے بعد محراب سے تقریباً دو ہاتھ دائیں جانب
کھڑے ہو کر ایک طویل دعا کے بعد فرمایا کہ میں نے اپنے رب
سے تین دعائیں کیں جن میں سے دو قبول ہو گئیں اور ایک
سے منع فرما دیا گیا، میری امت قحط کی بلا سے ہلاک نہ ہو۔
یہ دونوں دعائیں قبول ہو گئیں لیکن تیسری دعا سے منع فرما دیا گیا
وہ یہ کہ میری امت میں خانہ جنگی نہ ہو۔ دعاؤں کی اجابت کی وجہ
سے اس مسجد کو مسجد الاجابۃ کہتے ہیں رقبہ ۳۲ × ۴۴ فٹ ہے،
یہ مسجد آل عثمان ترکیہ کی تعمیر کی ہوئی ہے

۷۔ مسجد البقیع:۔ جنت البقیع کے دروازے سے باہر نکلیں تو
یہ مسجد دائیں ہاتھ ہے۔ مشہد عقیل اور امہات المومنین کے مزارات
مغرب کی طرف ہیں۔ بظاہر یہ مسجد ابی کعب رضی اللہ عنہ
کی مسجد ہے، حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف
لا کر نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔

۸۔ مسجد فاطمہ رضی اللہ عنہا:۔ یہ مسجد بقیع میں ہے اور بیت
الاحزان کے نام سے مشہور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
غم میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا لوگوں سے الگ تھلگ
ہو کر اس میں ٹھہرتی تھیں۔

۹۔ مسجد ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ:۔ یہ چھوٹی مسجد ہے۔
کوہ احد کے ایک حصے سے قریب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے
مزار کے راستے میں واقع ہے اس کی لمبائی آٹھ ہاتھ ہے
یہ وہ مقام ہے جس کے بارے میں ایک روایت ہے کہ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے وہاں دو رکعت نماز ادا فرمائی اور ایک
طویل سجدہ فرمایا اور آپ پر اسی جگہ وحی نازل ہوئی۔

۱۰۔ مسجد مصلی العید:۔ یہ مسجد مدینہ منورہ سے باہر غربی
جانب واقع ہے، جہاں مکہ معظمہ کا قافلہ آتا ہے ۲ھ میں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں پہلی دفعہ عید کی
نماز یہیں پڑھی تھی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق جہاں
پہلی بار نماز عید پڑھی گئی۔ وہ حکیم بن العداء کے مکان کے
قریب تھی کہ باب السلام سے اس جگہ کا فاصلہ ۵۰۰ گز ہے،
اب وہاں پر ایک مسجد ہے جو مسجد مصلی کے نام سے مشہور
ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر و بیشتر اس مسجد میں ورود ہوا
کرتا تھا۔ جب کبھی آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو اسی
مصلی پر قبلہ رو ہو کر دعا فرمایا کرتے تھے، نجاشی حبشہ کی
غائبانہ نماز جنازہ بھی آپ نے اسی مصلی پر پڑھی تھی، استسقاء
کی نماز بھی یہیں ادا فرمائی، آپ کے بعد تقریباً آٹھویں صدی
ہجری کے آخر تک نماز عید یہیں پڑھائی جاتی تھی۔

۱۱۔ ایک اور مسجد:۔ یہ مسجد عیدگاہ کی مسجد کے شمال میں
مائل بجانب مغرب واقع ہے، اور مسجد سیدنا ابوبکر رضی اللہ
عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس کے اندر نماز عید ادا فرمائی
ہو یا اس سے پہلے کوئی نفل نماز پڑھی ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے پہل لوگوں کی تعداد کم ہونے
کے سبب اس میں نماز عید فرمائی تھی۔

۱۲۔ ایک تیسری مسجد:۔ عیدگاہ کے شمالی طرف یہ ایک اور

مشہور مساجد

جنت البقیع اور بیرون جنت البقیع مدینہ
منورہ اور اس کے قرب و جوار میں کثرت
سے پائی جاتی ہیں ان میں مشہور مسجدوں کا ذکر ذیل میں
پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ مسجد الجمعہ:۔ یہ مسجد قباء کے شمالی جانب واقع ہے مروی

ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی جمعیت کے ساتھ جو تقریباً سو پر مشتمل تھی اس میں نماز ادا فرمائی (مواہب لدنیہ) اس مسجد کے قریب ایک وادی ہے جس کے مغرب میں بنی سالم بن عوف کے دیار ہیں اسی لیے اس مسجد کا نام مسجد الوادی بھی ہے (جذب القلوب) مدینہ منورہ میں سب سے پہلا جمعہ یہیں ادا کیا گیا، مسجد کا طول تقریباً ۲۶ فٹ اور عرض ۲۰ فٹ ہے ایک طویل مدت کے بعد سلاطین آل عثمان میں سے سلطان بایزید یلدرم ۸۸۶ھ تا ۹۱۸ھ نے اس کی تعمیر میں نہایت نفاست سے کام لیا اور منقش سنگِ مرمر لگوائے۔

۲۔ مسجد الفضیخ :۔ مسجد قبا کے نزدیک مشرق کی جانب بلند مقام پر سیاہ پتھروں سے بنی ہوئی ہے طول ۴۲ فٹ عرض ۳۱ فٹ ہے جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کا محاصرہ کیا تھا تو اس جگہ چھ روز تک آپ نے نمازیں ادا فرمائی تھیں۔ بعد میں وہاں مسجد تعمیر کر دی گئی۔ روایت ہے کہ حضرت ابوایوب اور دیگر انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین اس جگہ بیٹھ کر فضیخ (ایک مشروب) استعمال کیا کرتے تھے جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو اس وقت تمام فضیخ اسی جگہ گرا دی گئی۔ اس لیے اس کا نام فضیخ مشہور ہوا، سورج کی دھوپ اونچی جگہ ہونے کی وجہ سے اس مسجد پر سب سے پہلے پڑتی اس لیے اس کو مسجد الشمس بھی کہتے ہیں۔

۳۔ مسجد بنی قریظہ :۔ یہ مسجد، مسجد فضیخ کے شرقی جانب باغات کی انتہا پر واقع ہے، بنی قریظہ کا محاصرہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، یہ محاصرہ ۲۵ روز تک جاری رہا تو اس کے پڑوس میں ایک عورت کے مکان میں آپ نے نماز ادا فرمائی تھی، ولید بن عبدالملک نے مسجد کی تعمیر کے وقت اس مکان کو بھی مسجد میں داخل کر لیا۔ یہ مقام مسجد کے مسجد ہے اور مسجد علی کے نام سے مشہور ہے۔ شاید حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مقام پر نماز عید ادا فرمائی تھی اس کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ شروع میں لوگوں کی کمی کے سبب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں نماز عید ادا فرمائی تھی۔

۱۳۔ مسجد الفتح :۔ یہ مسجد الفتح بلند جگہ پر کوہ سلع کے مغربی جانب قطعہ پر واقع ہے، رقبہ ۲۶×۱۰ فٹ ہے، اسی کو مسجد الاحزاب اور مسجد اعلیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ اس مسجد کے نام رکھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ جنگِ احزاب کے دوران حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام ان جگہوں پر تھے اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس تشریف لا کر نماز ادا فرمائی۔ اس مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام خندق دوشنبہ سہ شنبہ اور چہار شنبہ کو کفار قریش کی شکست کے لیے دعا فرمائی تھی۔ چنانچہ چہار شنبہ کو دو نمازوں کے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوئی۔ اسی لیے حضرت جابر فرماتے ہیں جب مجھے کوئی سخت حاجت پیش آتی ہے اس وقت مسجد فتح میں جا کر دعا کرتا ہوں اور اجابت کی بشارت پاتا ہوں۔

۱۴۔ مسجد سلمان فارسی رضی اللہ عنہ :۔ یہ مسجد جانب قبلہ مسجد الفتح کے قریب واقع ہے اس میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز ادا فرمانا مروی ہے۔

۱۵۔ مسجد علی رضی اللہ عنہ :۔ یہ مسجد بھی مسجد الفتح کے قریب واقع ہے اس میں بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز پڑھنا منقول ہے۔

۱۶۔ مسجد ابوبکر رضی اللہ عنہ :۔ یہ مسجد، مسجد الفتح کے پاس قبلہ کی طرف پہاڑ کی جڑ میں واقع ہے اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز ادا کرنا مروی ہے۔

۱۷۔ مسجد حرام :۔ یہ مسجد اسی نام سے مدینہ منورہ میں مشہور و معروف ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں نماز پڑھی اس مسجد کے پاس کوہ سلع میں ایک غار ہے جسے کہف بنو حرام کہتے ہیں۔

۱۸۔ مسجد القبلتین :۔ یہ مسجد مساجد الفتح کے غربی جانب وادی عقیق کے قریب واقع ہے اس میں دو محرابیں ہیں ایک کعبہ کی طرف اور دوسری بیت المقدس کی طرف :۔ مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خلیدہ والدہ بشر بن براء بن معرور سے ملنے بنو سلمہ کے ہاں تشریف لے گئے، خلیدہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا ظہر کا وقت ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ ان کی مسجد میں دو رکعت نماز

ادا فرمائی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تیسری رکعت میں کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا، اس مسجد میں تبدیلیٔ قبلہ کا حکم نازل ہونے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس میں بیت المقدس سے کعبہ کی طرف رخ کر لینے کے سبب اس کا نام مسجد القبلتین ہو گیا (مواہب لدنیہ بروایت ابن سعد) شاہین الجمال نے ۸۹۳ھ میں مسجد تعمیر کرائی اور پھر ۹۵۰ھ میں سلطان سلیمان نے منقش پتھروں سے بہترین تعمیر کرائی جو اب تک باقی ہے۔

۱۹۔ مسجد الذباب:۔ اب یہ مسجد، مسجد الرایہ کے نام سے مشہور ہے اور کوہِ سلع سے مشرقی جانب مدینہ منورہ سے شمالی طرف پہاڑ کے حصہ پر واقع ہے، اس جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز ادا فرمانا بعض روایتوں میں منقول ہے۔ اس وقت کی موجودہ عمارت امیر جانبک النیروزی ۸۴۶ھ کی تعمیر کردہ ہے طول و عرض ۱۳ فٹ مربع ہے۔

۲۰۔ مسجد السقیا:۔ سقیا ایک مقام کا نام ہے، وہاں کے کنوئیں کے نزدیک یہ مسجد مکہ کے راستے میں اطراف مدینہ میں ہے جو لوگ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ حاضری کے لیے آتے ہیں ان کے لیے پہلی متبرک زیارت گاہ یہی ہے حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے باب العنبریہ" کے نزدیک اس مقام پر نماز ادا فرمائی تھی۔ اہل مدینہ کے صاع اور مد میں برکت کے لیے اسی مقام پر دعا فرمائی۔

مساجد درمیان حرمین شریفین

زائر کو مکہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان کی مسجدوں کی بھی زیارت کرنی چاہیے۔ کرمانی نے اپنے مناسک میں ایسی بیس مسجدوں کا ذکر کیا ہے، بعض کا تذکرہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ مسجد ذوالحلیفہ:۔ ذوالحلیفہ اہل مدینہ کا میقات ہے، مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ اور حجۃ الوداع کے سفر میں ذوالحلیفہ کے ایک ببول کے درخت کے نیچے قیام فرمایا تھا اور نماز کے بعد یہیں احرام باندھا تھا۔ آپ کے نماز پڑھنے کی جگہ مسجد کا درمیانی ستون ہے۔

۲۔ مسجد المعرس:۔ ذوالحلیفہ میں پہلی مسجد کے قریب یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے، محمد بن اسحاق مدینی نے کہا ہے کہ معرس مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت ایک غزوہ سے واپس ہو رہے تھے، آپ شب کے آخر حصہ میں یہیں اترے اور اسی جگہ نماز ادا فرمائی تھی، اسی لیے اس جگہ کو (معرس) رات کے آخر حصہ میں اترنے کی جگہ) کہتے ہیں۔

۳۔ مسجد شرف الروحاء:۔ شرف الروحاء مدینہ منورہ سے تیس یا چالیس میل کے فاصلے پر ایک مقام کا نام ہے اس جگہ دو مسجدیں ہیں، ایک چھوٹی اور دوسری بڑی۔ منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹی مسجد میں نماز ادا فرمائی ہے یہ مسجد مکہ جانے والے راستے پر چلنے والے شخص کے دائیں جانب واقع ہے۔

۴۔ مسجد الغزالہ:۔ یہ مسجد وادی روحاء کے آخیر حصے میں پہاڑ کے کنارہ مکہ جانے والے راستہ کے بائیں جانب واقع ہے۔ اور مدینہ منورہ جانے والے راہی کے دائیں جانب ہے۔ اس جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نزول فرمانا اور نماز پڑھنا منقول ہے، اسے مسجد الغزالہ اس لیے کہتے ہیں کہ اسی وادی میں ہرنی نے آپ کی رسالت کی شہادت دی تھی۔

۵۔ مسجد عرق الظبیہ:۔ مقام روحاء سے قریب واقع ہے، مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں نماز پڑھی ہے۔

۶۔ مسجد بدر:۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کا مقام ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو چھپر بنائی گئی تھی، وہ اس کے قریب تھی، اس کی جگہ ایک کھجور کے درخت کے پاس مشہور رہے۔ (شرح المناسک)

۷۔ مسجد الصفراء:۔ لوگ اس مسجد سے برکت حاصل کرتے ہیں۔ عبیدہ بن حارث نے غزوۂ بدر کے زخم کے سبب اسی مقام صفراء میں وفات پائی تھی، یہیں آپ دفن کیے گئے وہیں آپ کے مزار کی زیارت کی جاتی ہے اور اس سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔ ۸۔ مساجد الجحفہ:۔ پہلی مسجد جحفہ کے شروع میں مدینہ کی طرف واقع ہے، دوسری جحفہ کے آخیر میں میقات کی حد بنانے کے لیے جو نشان بنے ہیں ان کے قریب ہے۔

تنعیم کی مکہ جانے والے راستے پر جحفہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ ۹۔ مسجد خلدیص :۔ مکہ سے تین دن کی مسافت پر واقع ہے اس جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے۔ ۱۰۔ مسجد مرالظہران :۔ مکہ جانے والے راستے کے بائیں طرف مکہ سے ایک منزل کے فاصلے پر واقع ہے اسے مسجد الفتح بھی کہتے ہیں۔ شاید حضور نے فتح مکہ کے وقت اس میں نماز پڑھی ہے۔ ۱۱۔ مسجد سَرِف :۔ سرف ایک مقام کا نام ہے، جو تنعیم سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر واقع ہے یہیں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا مزار ہے، اسی جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کا زفاف تھا۔ یہیں ان کی وفات ہوئی اور اسی جگہ دفن کی گئیں۔ ۱۲۔ مسجد تنعیم۔ اسے مسجد عائشہ بھی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ انھوں نے حجۃ الوداع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کے ساتھ اسی جگہ احرام باندھا تھا۔ یہ مکہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے کعبہ کے اطراف حل میں سب سے قریب تر جگہ یہی ہے۔ مسجد تنعیم نام رکھنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس کے دائیں پہاڑ ہے جسے نعیم اور بائیں طرف ایک پہاڑ ہے جسے ناعم کہا جاتا ہے اور وادی کو نعمان کہا جاتا ہے۔ (العقد الثمین فی تضائل البلد الامین) ۱۳۔ مسجد ذی طویٰ :۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ تشریف لائے تھے، اسی مسجد کی جگہ ایک ببول کے نیچے آپ نے تشریف رکھی تھی (العقد الثمین) اور اسی جگہ آپ نے رات گزاری اور مکہ میں صبح کی تھی۔ ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ اس مسجد کے علاوہ ایک دوسری جگہ ہے۔

متبرک کنویں

متبرک کنویں بہت سے ہیں ان سے وضو غسل کرنا اور ان کا پانی پینا مستحسن ہے۔ ان کی تعداد سترہ بتائی گئی ہے بعض نے انیس ہونے کی تصریح کی ہے۔ بعض کا ذکر کیا جا رہا ہے،

۱۔ بیر اریس :۔ یہ مسجد قبا کے مغرب کی جانب ایک یہودی کے نام سے موسوم ہے جس کا نام اریس تھا۔ پہلے اس کنویں کا پانی بہت خراب تھا۔ روایات کے مطابق حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کنویں میں اپنا لعاب دہن مبارک ڈالا تو اس کے پانی میں شیرینی اور لطافت عظیم پیدا ہوگئی۔ اس کنویں پر آپ نے وضو فرمایا اور نماز ادا فرمائی۔ ایک موقع پر آپ اسی کنویں پر تشریف فرما تھے تو بالترتیب حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو جنت الفردوس کی بشارت دی — صحیح بخاری کے مطابق حضور خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں جو انگوٹھی رہا کرتی تھی وہ آپ کے بعد حضرت ابوبکر، عمر رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں میں رہی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آئی ایک دن حضرت عثمان اسی کنویں پر بیٹھے ہوئے تھے کہ انگوٹھی کنویں میں بیٹھے ہوئے تھے کہ انگوٹھی کنویں میں گر گئی۔ تین روز تک تلاش بسیار اور پانی نکالنے کے باوجود انگوٹھی نہ مل سکی انگوٹھی کا گرنا آپ کی خلافت کے چھ برس بعد واقع ہوا۔ اسی دن سے آپ کی خلافت میں فتنہ شروع ہوگیا۔ اس کنویں میں اتر کر وضو کرنے کے لیے سیڑھیاں بنی ہوتی تھیں۔ ۱۲۷۱ھ میں اس کی تجدید کی گئی۔ اب سیڑھیاں نہیں ہیں اور اب اس میں پانی بھی نہیں ہے۔ ۲۔ بیر غرس :۔ یہ کنواں مسجد قبا کے مشرق میں تقریباً نصف میل کے فاصلے پر ہے کنوئیں میں اترنے کے لیے زینہ بھی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پانی سے وضو فرما کر بقیہ پانی کنویں میں ڈال دیا تھا، اور اکثر آپ اس کنویں سے پانی منگوا کر پیتے اور وضو بھی فرماتے تھے، آپ نے اس کنویں کو بہشت کے کنوؤں سے فرمایا ہے، آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھ کو وصال کے بعد سات مشکیزے پانی بیر غرس سے لاکر غسل دینا، ۸۸۲ھ میں اس کی تجدید ہوئی تھی۔ اس کا قطر ۱۳ فٹ اور گہرائی بھی اتنی ہی ہے۔ ۳:۔ بیر رومہ :۔ یہ کنواں کافی بڑا ہے۔ یہ مسجد قبلتین کے شمال میں وادی عتیق میں واقع ہے یہ کنواں بنی غفار کے ایک شخص کی ملکیت تھا جو ایک مشکیزہ ایک مد غلہ ناپنے کا پیمانہ کے عوض دیتا تھا، مدینہ منورہ میں پانی کی قلت دیکھ کر حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص
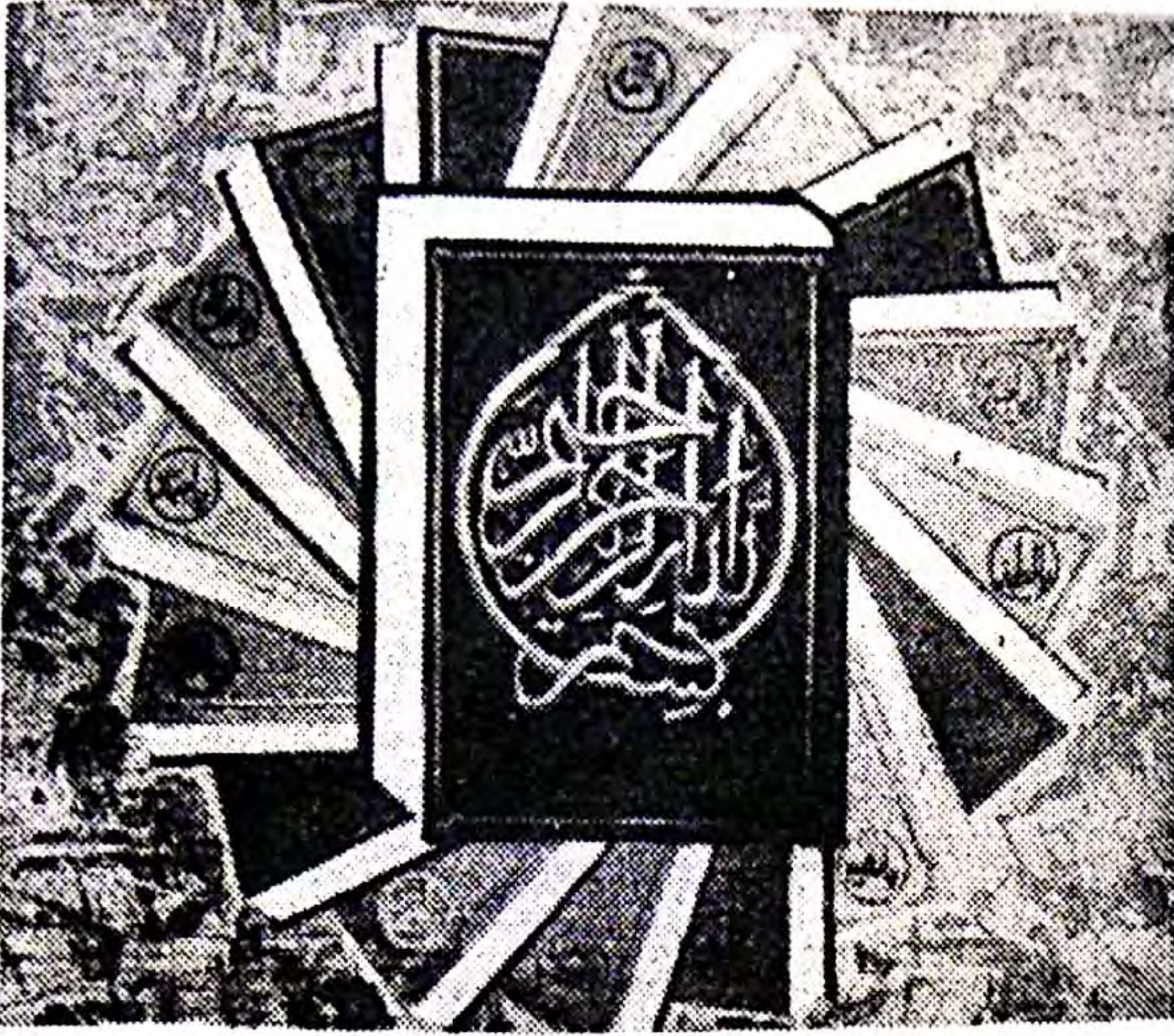
بیر رومہ کو خریدے وہ جنت میں سیراب ہوگا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ۳۵۰۰۰ یا ۲۰۰۰۰ درہم میں خرید کر اہل مدینہ کے لیے وقف کر دیا یہ ایک عمدہ لطیف اور شیریں پانی کا کنواں ہے قطر ۱۳ فٹ اور گہرائی ۴۰ فٹ ہے۔ ۱۳۰۵ھ میں اس کی تعمیر و تجدید ہوئی۔ **۴۔ بیر بضاعہ:۔** یہ کنواں مدینہ منورہ کے باب شام کے نزدیک واقع ہے مشہد سید الشہدا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے راستے جاتے وقت دائیں جانب ہے، ان دنوں یہ کنواں باغ جمل اللیل میں ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیر بضاعہ پر تشریف لائے اور ایک ڈول پانی سے وضو فرمایا اور بقیہ مع لعاب دہن مبارک کنوئیں میں ڈال دیا۔ آپ کے زمانہ میں جو شخص بیمار ہوتا اس پانی سے غسل دینے کی برکت سے شفا ہو جاتی۔

۵۔ بیر بُصّہ:۔ یہ کنواں جنت البقیع کے قریب قبا کے راستے میں بائیں طرف واقع ہے، بروایت ابن عدی عن ابی سعید خدری رضی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بیر بصہ پر گئے اس کے پانی سے آپ نے سر مبارک دھویا اور غسالہ کو کنوئیں میں برکت کے لیے ڈال دیا، اس کنوئیں کا پانی نرم ہے اور زنبہ بھی ہے۔ **۶۔ بیر حاء:۔** یہ کنواں مسجد نبوی کے شمالی جانب قلعہ کی دیوار سے متصل واقع ہے، اگر قلعہ کی دیوار نہ ہوتی تو یہ کنواں مسجد نبوی کے بہت ہی نزدیک ہوتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات وہاں درختوں کے سایہ میں تشریف رکھتے اور پانی پیتے تھے، ابو طلحہ انصاری کی ملکیت تھا، ان کے صدقے کے بعد پھر حضرت حسان کا حصہ تھا۔ انھوں نے حضرت معاویہ کے ہاتھ بیچ دیا۔ وہاں حضرت معاویہ نے اپنے لیے محل بنوایا بعد میں ابو جعفر منصور نے بھی محل بنوایا۔ اب یہ کنواں ایک چھوٹے باغ میں ہے پانی نہایت شیریں ہے۔ نزدیک ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے۔

۷۔ بیر العہن:۔ یہ کنواں مسجد قباء کے مشرقی جانب عوالی مدینہ کے ایک پہاڑ پر ہے۔ بعض نے اسے بیر الیسیرہ کہا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن مبارک اس میں ڈالا ہے۔ اور اس پانی سے وضو فرمایا اور اس کنوئیں کے لیے دعائے برکت فرمائی۔ **۸۔ بیر اعاب:۔** ان دنوں یہ کنواں زمزم کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کنواں مدینہ منورہ کے مغربی جانب سنگلاخ زمین پر واقع ہے۔ مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا لعاب دہن مبارک ڈالا ہے۔

۹:۔ بیر عنبہ:۔ یہ کنواں مدینہ منورہ سے ایک میل پر واقع ہے۔ شاید اس وقت یہی کنواں بیر وذی کے نام سے مشہور ہے، مروی ہے کہ لشکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوا تھا تو اسی جگہ اترا تھا۔

۱۰۔ بیر انس بن مالک:۔ راجح یہ ہے کہ یہ کنواں ان دنوں زناطیہ کے نام سے مشہور ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کنوئیں کا پانی نوش فرمانا اور اس میں اپنا لعاب دہن مبارک ڈالنا منقول ہے۔

۱۱۔ بیر السقیاء:۔ یہ سنگلاخ زمین پر واقع ہے اور بیر الاعجام کے نام سے مشہور ہے۔ یہ کنواں ویران ہو چکا تھا۔ عجم کے کسی فقیر نے اس کی تعمیر نو کی۔ یہ بیر علی جانے والے شخص کے دائیں طرف واقع ہے، بعض روایتوں میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا پانی نوش فرمایا ہے۔

مذکورہ کنوؤں میں حسب ذیل سات کنوئیں زیادہ مشہور ہیں۔

بیر اریس۔ بیر غرس۔ بیر رومہ۔ بیر بضاعہ۔ بیر بصہ بیر حاء۔ بیر العہن۔

صلح حدیبیہ اور بیعتِ رضوان

جمال اشرف ولید پوری
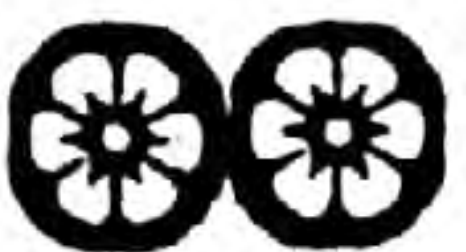
سنہ ۶ھ کے واقعات میں صلح حدیبیہ اور بیعتِ رضوان کو اہم ترین مقام حاصل ہے۔ اس کی فضیلت کا پتہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے چلتا ہے (اے محبوب ہم نے آپ کو فتح عظیم عطا کی) اللہ تعالیٰ نے اس صلح حدیبیہ کو فتح مبین کی بشارت سے نوازا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول گرامی صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ یہ فتح ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں یہ فتح ہے کیونکہ اس صلح میں تمام فتوحات کے راز سربستہ تھے۔

صلح حدیبیہ

ارباب سیر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا کہ اپنے صحابہ کے ساتھ آپ مکہ معظمہ عمرہ کے ارادہ سے گئے ہیں اور خانہ کعبہ کی کنجی آپ کے دستِ مبارک میں ہے۔ سرورِ کائنات نے یہ خواب صحابہ کرام کو سنایا وہ بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم اسباب سفر کی فراہمی میں مشغول ہوگئے۔ اور صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ میں عمرہ کے لیئے جاؤں گا تم بھی مستعد اور تیار ہو جاؤ۔

ذوالقعدہ سنہ ۶ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مع چودہ سو صحابۂ کرام کے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظمہ کی طرف کوچ کیا۔ آپ کے ساتھ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں صحابۂ کرام اسلحہ و آلاتِ حرب کے ساتھ جانا چاہتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ہم لوگ عمرہ کے ارادہ سے جارہے ہیں صرف ایک تلوار ساتھ رکھنے کا حکم دیا وہ بھی اس طرح کہ نیام کے اندر ہو سرورِ کائنات نے بشیر بن سفیان کو بطور جاسوس قریش کی طرف بھیج دیا جب آپ مقام عسفان میں پہنچے تو آپ کے قاصد نے آکر خبر دی کہ قریش نے بڑے زور و شور سے مقابلہ کی تیاری کی ہے اور قبائل متحدہ کے پاس پیغام بھیج کر ایک جمعیتِ عظیم تیار کر کے مکہ سے باہر مقام بلدح میں ان کی فوجیں فراہم ہو چکی ہیں۔ اور اس بات پر آمادہ ہیں کہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے اور خالد بن ولید اور ابو جہل کا بیٹا عکرمہ دو سو چنے ہوئے سواروں کا دستہ لے کر مقام غمیم تک پہنچ گئے سرورِ کائنات کو جب ان کے سواروں کی گرد نظر آئی تو آپ شاہراہ کو چھوڑ کر دوسرے راستے سے مقام حدیبیہ میں ایک کنوئیں کے پاس قیام پذیر ہوئے۔

موسم گرما تھا پانی ختم ہوگیا جب صحابہ کرام پیاس سے بیتاب ہونے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالہ میں اپنا دست مبارک ڈال دیا آپ کی مقدس انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہوگیا اس واقعہ کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے انداز میں بیان فرمایا ہے۔

شعر:- انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

اور آپ نے کنوئیں میں کلی فرمائی جس سے خشک کنواں پانی سے لبریز ہو کر ابلنے لگا اسی اثنا میں بدیل بن ورقا خزاعی نے آکر خبر دی کہ بار سول اللہ کفار مکہ کا ایک جم غفیر حدیبیہ کے ایک آب کثیر پر اترا ہے۔ رسول گرامی نے ارشاد فرمایا ہم جنگ کرنے نہیں آئے ہیں۔ صرف عمرہ کے ارادے سے آگئے ہیں میرا یہ پیغام انھیں جاکر سنا دو اگر وہ قبول نہ کریں گے تو قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں ان سے ضرور لڑتا رہوں گا اگرچہ میں اکیلا رہ جاؤں اللہ اپنے دین کی ضرور مدد کرے گا۔

بدیل بن ورقا نے یہ پیغام قریش تک پہنچا دیا بہتوں نے پسند نہ کیا لیکن ان کا سربراہ اعلیٰ عروہ بن مسعود ثقفی کھڑا ہوا۔ سب سے پہلے اس نے کفار مکہ سے اپنی بڑائی کا اظہار کیا اس کے بعد ان سے اجازت لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا رسول اللہ نے اس سے بھی وہی ارشاد فرمایا جب آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے کہ۔ (میں ان سے ضرور لڑتا رہوں گا) تو اس نے کہا کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کیا یہی انصاف ہے کہ اپنی قوم کو نیست و نابود کر چھوڑیں اور اگر زبے قسمت ہم غالب ہوئے تو یہ چہرے جو آپ کے اردگرد ہیں آپ کو چھوڑ کر بھاگیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرط غضب میں آکر کہا جا" اپنے لات بت کی شرمگاہ چوس کیا ہم رسول عربی کو چھوڑ کر بھاگیں گے" عروہ دوران گفتگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی پکڑ لیتا حضرت مغیرہ بن شعبہ رسول اللہ کے پیچھے کھڑے تھے جب وہ ہاتھ بڑھاتا تو آپ تلوار کے قبضے سے اس کے ہاتھ پر مار کر ہٹاتے عروہ بن مسعود ثقفی صحابہ کرام کا جوش ایمان اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا ادب و احترام دیکھ کر بہت زیادہ متاثر ہوا اس نے واپس جاکر اپنی قوم سے صحابہ کرام کے اوصاف ذکر کیے اور کہا ایک نیک امر جو پیش کیا جا رہا ہے اسے قبول کر لو اس کے بعد قریش نے ایک حلیس نامی شخص کو بھیجا اس نے بھی جاکر کافروں سے یہی کہا کہ انھیں بیت اللہ کے طواف سے نہ روکا جائے اس کے بعد سہیل بن عمرو حاضر ہوا اور عرض کی کہ معاہدہ تحریر میں آجائے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے آغاز کرنے کا حکم دیا۔ سہیل نے کہا میں الرحمٰن نہیں جانتا ہوں کیا ہے بلکہ باسمک اللھم سے آغاز کیا جائے چنانچہ رسول گرامی نے حکم دے دیا پھر رسول گرامی نے یہ عبارت لکھوائی کہ یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد رسول اللہ نے صلح کا فیصلہ کیا سہیل پھر بھڑک گیا کہ ہم آپ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے علی اس کے بجائے "محمد بن عبداللہ" لکھ دو لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے ہاتھ سے لفظ رسول کاٹنا گوارا نہ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قلم زد کر کے اس کی جگہ ابن عبداللہ لکھ دیا بہر حال صلح کی تحریر مکمل ہو گئی اور یہ طے ہوا کہ دس سال تک جنگ نہ ہوگی اور صلحنامہ کی باقی دفعات یہ تھیں (۱) مسلمان اس سال بغیر عمرہ کیے واپس چلے جائیں گے۔ (۲) آئندہ عمرہ کے لیے آئیں اور تین دن مکہ میں رہیں (۳) تلواروں کے سوا دوسرے ہتھیار نہ لائیں (۴) مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں انھیں ساتھ نہ لے جائیں (۵) کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص مدینہ چلا جائے تو اسے واپس کر دیا جائے (۶) قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں دوستی کا معاہدہ کریں یہ شرطیں ظاہر میں مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں اور بعض صحابہ کرام کو اس سے بڑی سبکی محسوس ہو رہی تھی مگر فرمان رسالت پر مجبور تھے۔

معاہدہ مکمل ہو گیا۔ معاہدہ کی پانچویں شرط کے مطابق جو بھی مکہ سے مسلمان کر آئے اس کو مکہ واپس کرنا لازم تھا مگر صلحنامہ پر دستخط سے پہلے ہی سہیل بن عمرو کے لڑکے ابو جندل مسلمان ہو کر حضور کے پاس آگئے باوجودیکہ طرفین کے دستخط ابھی باقی تھے مگر سہیل نے اصرار کیا کہ انھیں واپس کیا جائے ورنہ میں دستخط نہ کروں گا۔ چنانچہ انھیں واپسی کا حکم دے دیا گیا، انھوں نے صحابہ سے گڑگڑاتے ہوئے کہا کہ میں دارالکفر سے نکلنے کے بعد پھر وہاں واپس کیا جا رہا ہوں جس پر صحابہ کو جذبہ ایمان کے تحت سخت رنج و غم کا احساس ہوا خصوصاً حضرت عمر نے بارگاہ رسالت میں آکر پرزور فریاد کی مگر مقبول نہ ہوئی حضرت ابوبکر سے بھی فاروق اعظم نے فریاد کی انھوں نے فرمایا

"عمر! ان کی رکاب تھامے رہو کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔

"بیعت رضوان"

ابن سعد اور بیہقی وغیرہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فراش بن خزاعی کو قریش کی طرف بھیجا۔ عکرمہ بن ابوجہل نے ان کے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں اور فراش کو قتل کرنا چاہا لیکن اس کے دیگر ساتھیوں نے اس کو قتل کرنے سے روک کر دیا۔ فراش نے واپس آکر سارا ماجرا کہہ سنایا۔ سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک خط دے کر اشراف قریش کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ مکہ کے کمزور مسلمانوں کو مکہ ہی میں رہنے پر معاہدہ ہوگیا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نامۂ مبارک پڑھ کر ہر ایک کو سنا دیا جب صلحنامہ مکمل ہوگیا اور وہ اس کے نفاذ کے منتظر تھے کہ اچانک فریقین کے کسی شخص نے دوسرے فریق کے ایک شخص پر پتھر یا تیر مارا اس لیئے لڑائی چھڑ گئی تو فریقین نے فریقِ مخالف کے آدمیوں کو بطورِ یرغمال اپنے پاس روک لیا۔

اسی اثنا میں یہ خبر غلط پھیل گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ میں قتل کر دیا گیا۔ اس لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ببول کے درخت کے نیچے مسلمانوں سے معرکے پر بیعت لی جس کا ذکر کتاب اللہ میں موجود ہے اس کو بیعت الرضوان کہتے ہیں چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ میں تھے اس لیئے نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کی طرف سے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر مار کر ان کو بھی بیعت کے شرف میں شامل کر لیا۔

اللہ عزوجل نے اس بیعت کا تذکرہ قرآن مجید میں فرمایا "یقیناً جو لوگ اے رسول تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔" اسی سورہ فتح میں دوسری جگہ ان بیعت کرنے والوں کی فضیلت اور ان کے اجر و ثواب کا قرآن نے اس طرح خطبہ پڑھا "بیشک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ درخت کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے پھر ان پر اطمینان اتار دیا اور انھیں آنے والی فتح کا انعام دیا)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ "جس درخت کے نیچے بیعت ہوئی تھی اسے جب زیارت گاہ بنالیا گیا تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے کاٹ دیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ قبور اولیا اور آثارِ انبیا کو زیارت گاہ نہیں بنانا چاہیئے۔"

حالانکہ یہ محض غلط ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہرگز اس درخت کو نہیں کٹوایا بلکہ وہ اصل درخت لوگوں کی نگاہوں سے قدرتی طور پر غائب ہوگیا تھا۔ لوگوں نے اس کے دھوکے میں ایک دوسرے درخت کی زیارت شروع کردی تھی اس غلطی سے بچانے کے لیے فاروق اعظم نے اس دوسرے درخت کو کٹوا دیا اگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ زیارت تبرکات کے مخالف ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تہبند شریف، قبر انور بھی زیارت گاہ بنی ہوئی تھیں ان کو کیوں باقی رہنے دیتے۔ مسلم میں ہے ابن مسیب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے روایت کی ہے کہ میرے والد بھی ان میں سے ہیں جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت کے پاس بیعت کی تھی۔ انھوں نے فرمایا ہم سال آئندہ حج کے لیے گئے تو اس کی جگہ ہم پر مخفی ہوگئی اور بخاری میں ہے فلما خرجنا من العام المقبل نسیناھا فام نقدر علیھا یعنی جب ہم سال آئندہ گئے تو اس کو بھول گئے اور اس کو پا نہ سکے۔ پھر یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے اصل درخت کٹوا دیا۔

فتح مبین

اس صلح کو صحابہ نے ایک مغلوبانہ صلح اور ذلت آمیز صلح سمجھا لیکن اس کے بعد اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا نازل ہوئی اور رب کریم نے اس صلح کو فتح مبین قرار دیا جس سے صحابہ کو اطمینان قلب ہوگیا اور واقعی یہ فتح مبین تھی کیونکہ یہ صلح تمام فتوحات کی کنجی ثابت ہوئی اب تک مسلمان اور کفار ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ مگر اس صلح کی وجہ سے ایک دوسرے کے یہاں آمد و رفت آپس میں تبادلۂ خیالات کا موقع فراہم ہوا۔ کفار مدینہ جاتے تھے اور ایک ایک ماہ تک ٹھہر کر مسلمانوں کے کردار و اعمال کا گہرا مطالعہ کرتے یہاں تک کہ کفار کے دلوں پر اسلام کی خوبیوں کا ایسا نقش بیٹھ گیا کہ خود بخود اسلام کی طرف کھنچنے لگے۔ تاریخ شاہد ہے کہ صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک کفار اس قدر کثیر تعداد میں داخل اسلام ہوئے کہ اتنے کبھی نہیں ہوئے تھے۔ حضرت خالد بن ولید فاتح شام اور حضرت عمرو بن العاص فاتح مصر بھی اسی زمانے میں خود بخود مکہ جاکر لذتِ اسلام سے سرفراز ہوئے۔

بعد صلح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد وہیں پر احرام کھولا اور قربانی کی۔ صحابۂ کرام نے رسول گرامی

قاہرہ کی میوزیم میں ایک منقش پیالہ اسلامی دستکاری کا ایک شاندار نمونہ

کی اتباع کی اس کے بعد آپ مدینہ واپس ہو گئے کچھ دن بعد حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ مکہ سے بھاگ کر مدینہ پہنچے۔ کافروں نے فوراً دو آدمیوں کو مدینہ بھیجا۔ رسول گرامی نے شرط کی تکمیل کرتے ہوئے انھیں کافروں کے حوالے کر دیا۔ حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کافروں کے ساتھ مقام ذوالحلیفہ پہنچے تو سب کھانے کے لیے بیٹھ گئے آپ نے حیلہ سے ان میں کے ایک شخص کو اسی کی تلوار سے قتل کر دیا۔ دوسرا شخص بھاگتا ہوا مسجد نبوی میں پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی حضرت ابوبصیر بھی اس کے پیچھے پہنچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیور سے سمجھ گئے کہ مجھے پھر مکہ جانا پڑے گا اس لیے آپ ساحل سمندر کے قریب مقام عیص میں جاکر قیام پذیر ہو گئے۔ اور حضرت ابوجندل بھی بھاگ کر وہیں جا پہنچے۔ اب جو مسلمان مکہ سے بھاگ کر آتے وہیں قیام پذیر ہو جاتے یہاں تک کہ ستر کی تعداد کو پہنچ گئے۔ کفار قریش کے تجارتی قافلوں کا یہی راستہ تھا جو قافلہ بھی ان کے پاس سے گزرتا اسے لوٹ لیتے۔ بالآخر کفار قریش نے عاجز آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا کہ وہ پانچویں شرط منسوخ کر دی جائے اور جو شخص مسلمان ہو کر مدینہ جائے اسے مدینہ ہی میں رکھا جائے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبصیر کے یہاں خط بھیجا کہ تم مع جماعت مدینہ چلے آؤ لیکن جس وقت خط پہنچا وہ حالت نزع میں تھے خط سر آنکھوں سے لگایا بعدہ خالق حقیقی سے جا ملے۔ حضرت ابوجندل نے ان کی تجہیز و تکفین کی اور ان کی قبر شریف کے پاس یادگار کے لیے ایک مسجد کی تعمیر کی پھر مدینہ تشریف لے گئے۔

اس صورت حال اور کفار کے شرط واپس لینے سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام خاص طور سے جس شرط کو ذلت آمیز سمجھ رہے تھے وہی کفار کے لیے گھٹنے ٹیک دینے کا سبب ثابت ہوئی بلاشبہ یہ بھی فتح مبین ہے۔

صحابہ و اہلبیت ہماری نجات کا سامان

حضرت اقدس سید العلماء مولانا سید شاہ آل مصطفیٰ میاں صاحب قبلہ
مارہروی علیہ الرحمۃ والرضوان

حضرت سید العلماء مولانا سید شاہ آل مصطفیٰ صاحب قبلہ مارہروی علیہ الرحمۃ علم وعرفان کی مسند وادرنگ کی زیب وزینت ہونے کے ساتھ ادب والنشاء کے میدان میں بھی ایک امتیازی شان رکھتے تھے۔ حضرت مرحوم کے قلم کرامت رقم سے کئی کتابیں نکل کر مقبول عام اور پسندیدۂ خواص وعوام ہوچکی ہیں۔ اب سے تقریباً ۳۲ برس قبل موصوف نے رسالہ "اہلسنت کی آواز" میں حضرات صحابۂ کرام کی حیات طیبہ اور سوانح مطہرہ کے متعلق ایک طویل مضمون قلم بند فرمایا تھا جس کا ابتدائی حصہ تبرک کے طور پہ پیش کیا جارہا ہے:۔

(ادارہ)

آج مسلمان اپنی شامت اعمال سے جن گوناگوں دینی، اور دنیوی آفتوں اور مصیبتوں کا شکار بنے ہوئے ہیں۔ اب ان کے لئے ثبوت اور استدلال پیش کرنا تو دوپہر کے سورج پر دلیل قائم کرنے کے مترادف ہے۔ مرگ ناگہانی کے سوا اب وہ کون سی بلا وبلا ہے جو برزمین نارسیدہ مسلمانوں کا ہی خانہ تباہ نہیں ڈھونڈھتی مگر سوال یہ ہے کہ آخر کار اس عالمگیر تباہی کا کوئی علاج بھی ہے یا یہ ایسی قضائے مبرم ہے جس کے لئے جستجوئے درماں بھی عبث وبیکار ہے۔ اس سوال کے حل کرنے کے لئے آج وہ ایسا کون ہے، جو بیقرار نہیں۔ مگر سوال پر سوال یہ ہوتا ہے کہ صرف دل کی بے چینی اور دماغ کی بے قراری ہی تو اس اہم سوال کا حل نہیں۔ بلکہ ہم کو احساسات وتخیلات کے دائرے سے قدم نکال کر عملی دنیا کی طرف قدم بڑھانا ہوگا۔ اور اپنی قوت عمل کو کچھ اس نہج سے بیدار کرنا ہوگا کہ جس کی گرم طاقتیں ہمارے مفلوج اعضائے تاثیر دتاثر میں پھر سے زندگی کی روح پھونک دے۔

جدید قسم کے طرز علاج میں ایک بہت مقبول طریقۂ علاج یہ بھی برتا جاتا ہے کہ جب معالج اپنے مریض کی حالت کو یہاں تک گرا ہوا پاتا ہے کہ صالح خون پیدا کرنے والی دواؤں، اور غذاؤں پر اعضائے متعلقہ اپنی گرفت قائم ہی نہیں کرسکتے۔ اور اس طرح بدن کی قوت مولدہ تازہ خون بنانے سے بالکل عاجز ہوجاتی ہے۔ تو وہ کسی دوسرے انسان کا خون ایک خاصی مقدار میں اپنے مریض کے بدن میں منتقل کرتا ہے تاکہ سبنے بنائے خون سے مریضی اعضاء کو تقویت پہنچائی جائے۔ اور اس طرح ان

کو دوبارہ اس قابل بنا دیا جائے کہ اب وہ خود اپنا قدرتی وظیفہ سرانجام دینے کے قابل ہو جائیں۔ مگر اس طریقۂ علاج میں یہ اشد ضروری ہے کہ منتقل کیا جانے والا یہ نیا خون کسی تندرست انسان کا تندرست خون ہو، جو دموی صلاحیتوں میں مکمل اور صحیح اجزاء دمویہ سے بھرپور رہنے کے علاوہ مریض کے خون کے ساتھ طبعی اور کیمیاوی مخصوص تناسب بھی رکھتا ہو۔ ورنہ تندرست سا تندرست خون جس کو خون مریض کے ساتھ طبعی اور کیمیاوی جنسیت اور غیریت ہو وہ فائدہ دینے کے بجائے الٹا شدید نقصان پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے خون کی امتحان گاہ میں پہلے مختلف تجربوں کے ذریعہ خونوں کا امتحان ہوتا ہے۔ پھر وہ مناسب مریض میں منتقل کیا جاتا ہے۔ اگر ہم بھی فن معالجہ کے اس مفید طریقے کو اپنی مرتی ہوئی اسلامی روحوں کو تقویت پہنچانے کے لئے کام میں لائیں تو یقیناً ہم وقت کے اس اہم روحانی سوال کو حل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یعنی ہمارے لئے ضروری ہے کہ اپنی کمزور اور قریب بمرگ روحانی رگوں میں زندہ اور تندرست روحانیتوں کی روحانی طاقت منتقل کر دیں تاکہ ہمارے مرجھائے ہوئے اعضائے روحانی ان روح القدس والوں سے نئی اور تازہ قوت اپنے میں جذب کر کے دوبارہ سرگرم عمل ہو جائیں۔ اور اس طرح ہماری نکبتیں اور تباہیاں اگر مولیٰ عزوجل چاہے تو خود بخود اپنی موت مر جائیں۔ اور ہم پھر بفضلہ تعالیٰ ایک بار اوج رفعت پر پہنچ کر اپنی کھوئی ہوئی زندگی کو پالیں۔

مگر جیسا کہ ہم نے بتایا اس طریقۂ علاج میں خون کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی ہمیں ان روحانی قوتوں کو صحیح کسوٹیوں پر آزمانا پڑے گا۔ اور پھر معیاری روحانیت سے ہی ہم کو کسب فیض کرنا ہوگا روحوں کی طہارت اور ان کی کارآمدگی کا صحیح معیار بارگاہ نبوت اور اس کے واسطے سے وحی الٰہی ہے۔

اس لئے جب ہم نے اس مقدس امتحان گاہ کی طرف رجوع کیا تو ہمیں میزان نبوت میں وزن شدہ ازواج مقدسہ عطا فرمائی گئیں۔ جن کی مبارک روحانیت کا تناسب ہر اسلامی روح کے لئے صحیح معنی مناسب بلکہ انسب ہے۔ اس مقدس امتحان گاہ کے تجرباتی ضوابط میں کہیں ما انا علیہ و اصحابی کی جھلک ہے تو کہیں

مسجد المطار کا اندرونی منظر

انی تارک فیکم الثقلین کی چمک ہے۔ کبھی اصحابی کالنجوم کی سو فیصدی کامل و سالم کسوٹی عطا فرمائی جاتی ہے۔ تو کبھی و مثل اھل بیتی کسفینۃ نوح کا روحانی معیار عنایت کیا جاتا ہے ادھر اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر کا سبق پڑھایا جاتا ہے تو ادھر اقضاھم علی کا راستہ دکھایا جاتا ہے۔

چلئے الحمد للہ رب العلمین سوال حل ہو گیا۔ اب مریضان اسلام سے کہہ دیجئے کہ روحانیت کی رگوں کے منہ کشادہ رکھیں۔ آج ہم اسوۂ صدیقی کا آب حیات ان کی مردہ رگوں میں انڈیلتے ہیں۔ اور شافیٔ مطلق (جل جلالہ) سے امید لگاتے ہیں کہ وہ ثانی اثنین اذ ھما فی الغار، مومن اول مصدق معراج، ولی سابق خلیفۂ رسول اللہ بلافصل امیر المومنین، امام المتقین، سیدنا الامام عبداللہ ابوبکر الصدیق العتیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کی مبارک سوانح سے ہماری روحوں کو صدیقیت کے دریائے بے کنار میں غوطہ دے کر ہمیں بھی جلوہ گاہ صدیق اکبر کے نظر بازوں میں بنا دے گا۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام رحمت

علامہ سید شاہ حسن میاں صاحب مدظلہٗ

حضرت احسن العلماء مولانا سید شاہ حسین حیدر صاحب حسن میاں قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ صاحب سجادہ مارہرہ مطہرہ نے عرصہ ہوا "فرائض انسانی" کے موضوع پر ایک شاندار معلومات سے معمور مضمون سپرد قلم فرمایا تھا۔ ہم یہاں اس مضمون کے بعض حصے بطور تبرک پیش کر رہے ہیں (ادارہ)

خدائے اسلام جل جلالہ وعم نوالہ نے قرآن عظیم میں ہمیں صبر و تقویٰ، توکل و پرہیزگاری اختیار کرنے اپنی عبادت میں مصروف رہنے اور ظلم و جور و تعدی سے باز رکھنے کے لئے بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ اگر ہم ان قرآنی اصول پر عمل کریں تو آج ہی کایا پلٹ ہو کر ظلم و جور کے یہ سارے بکھیڑے ختم ہو جائیں۔ اور دنیا پھر امن و اطمینان کی سانسیں لینے لگے۔ آخری صحیفۂ آسمانی نے انسانی سیرت کے دو پہلو ہمارے سامنے رکھے ہیں۔ ان الانسان خلق ھلوعا۔ اذا مسہ الشر جزوعا و اذا مسہ الخیر منوعا۔

یعنی بیشک انسان بہت ہی بے صبرا اور حریص پیدا کیا گیا ہے جب اسے کوئی برائی پہنچتی ہے تو ہائے ہائے کرنے لگتا ہے۔ اور جب کوئی اچھائی پہنچتی ہے تو بہت زیادہ اچھائیوں سے منع کرنے والا ہو جاتا ہے۔ یہ تو انسانی زندگی کے وہ دو گوشے ہیں جن میں اگر تحلیل و تجزیہ کیجئے تو انسان کہلانے والوں کی اکثریت مبتلا نظر آئے گی۔ کہ اگر ذرا سا رنج و مصیبت کا وہم و گمان بھی ہو گیا تو چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ اور چند پیسے آ گئے یا اسی قسم کی دوسری فارغ البالی ہوئی تو خدا و مذہب کو یکسر بھلا دیا۔ مگر بحمد اللہ مسلمانوں کے لئے تو یہ دونوں مسئلے بھی حل کر دیئے گئے ہیں۔ بتایا گیا ہے لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا ھو مولٰنا وعلی اللہ فلیتوکل المومنون یعنی ہرگز ہم کو، کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر وہی جو ہمارے لئے اللہ نے لکھ دی ہے۔ وہی ہمارا والی و کارساز ہے۔ اور اللہ ہی پر مسلمانوں کو بھروسہ کرنا چاہئے دوسری طرف ارشاد فرمایا گیا لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ اگر تم نے احسان مانا تو اور دوں گا۔

نتیجہ دونوں صورتوں میں یہ نکلا کہ ہم بہر حال و بہر صورت اس کے غلام اور بندے ہیں۔ اس کے حکم اور اس کی رضا پر بخوشی دلی تمام ثابت قدم رہتے ہوئے مصیبت و آرام میں اسے یاد رکھنا ہی انسانیت کا معیار، ایمان کا نشان، بندگی کی علامت ہے۔ بلکہ اگر ایمان کی پوچھتے ہیں تو وہ یہ ہے کہ جیسا کہ کسی صاحب دل نے کہا: ع

"اگر خواہی حیات اندر خطر زی۔"

معرفت و عبادت الٰہی کے دریا میں غوطہ زن ہو کر انسان جب درجہ کمال پر پہنچ جاتا ہے تو پھر تو وہ معبود و محبوب حقیقی کی محبت و بندگی کے راستہ میں پیش آنے والے جملہ مصائب و آلام کا نہایت خندہ پیشانی سے استقبال کرتا ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ اگر مصیبت و رنج ہے تو ہماری شامت نفس و اعمال کے کارن ہے اور جس کے حکم سے ہے وہ اس کے دور کر دینے بلکہ اس رنج و الم کو عیش و راحت سے بدل دینے پر بھی قادر ہے۔ لہٰذا وہ کسی آن اور کسی لمحے میں خدا کو نہیں بھولتا۔ اور اپنے فرائض بندگی و اطاعت کو برابر ادا کرتا رہتا ہے۔

آئیے اب ہم سب مل کر خدائے قدوس و سبوح جل جلالہ و عم نوالہ کے نائب اکبر خلیفۂ اعظم نور مجسم مقصود الکل مراد المراد انسان کامل صلے اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم کے دامانِ کرم و رحمت کو اپنے سروں پر لے کر ان کی زبان پاک سے نکلے ہوئے جملوں کو دہرائیں جو ان پر ان کے رب نے نازل فرمائے۔ قل اعوذ برب الناس ۵ ملک الناس ۵ الٰہ الناس ۵ من شر الوسواس الخناس ۵ الذی یوسوس فی صدور الناس ۵ من الجنۃ والناس۔

لیجئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ساری مصیبتیں کافور ہو گئیں۔ اپنے خدا کا کلام اپنے نبی کی زبان سے سن کر دل باغ باغ ہو گئے۔ سارے شیاطین الانس والجن کے فتن و شرور سے بکرمہٖ تعالیٰ ہمیشگی کی نجات ہو گئی۔ فلہ الحمد اولا و آخرا و ظاہرا و باطنا۔

مری بگڑی ہوئی قسمت بنا دو یا رسول اللہ
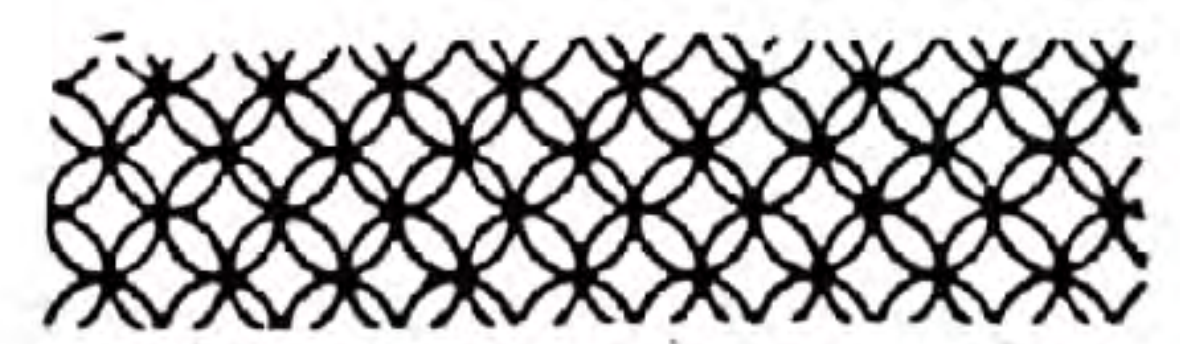
سید عابد علی عابدؔ (مرحوم)
الٰہ آبادی

مرا بھی بختِ خوابیدہ جگا دو یا رسول اللہ
مجھے بھی جلوۂ زیبا دکھا دو یا رسول اللہ

مجھے بھی اپنے قدموں میں بلا لو یا رسول اللہ
مجھے بھی اپنی کملی میں چھپا لو یا رسول اللہ

غمِ ہر دو جہاں دل سے بھلا دو یا رسول اللہ
مجھے بھی موہنی صورت دکھا دو یا رسول اللہ

مری اس نعش کو ٹھوکر لگا دو یا رسول اللہ
لبِ جاں بخش سے مُردہ جلا دو یا رسول اللہ

اویسِ قرن کا صدقہ، بلالِ حبش کا صدقہ
مجھے بھی اپنا دیوانہ بنا لو یا رسول اللہ

علی، حسنین و زہرا کا تصدق رحمتِ عالم
مری بگڑی ہوئی قسمت بنا دو یا رسول اللہ

گرا کر قلبِ مضطر پر نظر کی بجلیاں پیہم
مری خاشاکِ ہستی کو جلا دو یا رسول اللہ

سوائے جلوۂ جاناں نظر آئے نہ کچھ ہرگز
خیالِ یار کو ایسا مٹا دو یا رسول اللہ

رہے میدانِ محشر میں بھی مجھ پر بیخودی طاری
مجھے اک جام ایسا بھی پلا دو یا رسول اللہ

کہیں گردابِ افکار و حوادث میں نہ پھنس جائے
مری کشتی کنارے پر لگا دو یا رسول اللہ

یہ عبدِ ناسزا عابدؔ تمہارا ہے تمہارا ہے
اسے آغوشِ رحمت میں چھپا لو یا رسول اللہ

سلام

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

کے

بارگاہ میں

شعرائے کرام

کا

خراجِ عقیدت

مولانا محی الدین احمد طیش صدیقی

نعت عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کا استعمال لغوی اور اصطلاحی دونوں معنوں میں صرف آقائے دوعالم، فخرِ بنی آدم، نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف، مدحت و ستائش اوران کے حسن وجمال، جاہ وجلال، جود ونوال اور فضل وکمال کے اظہار وبیان کے لئے ہوتا ہے۔ چاہے یہ اظہار وبیان تقریر کی صورت میں ہو یا تحریر کی شکل میں۔ نثر کے جامۂ زیبا میں ہو یا نظم کے پیراہن رنگین میں۔ مفہوم بس نبئ نعمت، رسول رحمت، شفیع امت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کی شانِ اطہر واقدس اور بارگاہ بیکس پناہ وفلک جاہ میں قلب وروح کی گہرائیوں سے عقیدت کا نذرانہ اور محبت کا خراج پیش کرنا اور مقصود محض اس پاک وپاکیزہ ذریعہ آپنی خوش نصیبی اور فیروز بختی کا سامان کرنا ہے۔ کیونکہ خواجۂ کونین کے حضور پرنور میں نذرِ نعت کا حق ادا کرنا تو درکنار اس کی توفیق بھی بارگاہ کرم سے مرحمت ہو جائے تو یہی حیات کی سب سے بڑی دولت اور کائنات کی انتہائی عظیم نعمت ہے۔

اس لحاظ سے نعت گوئی شیدائیانِ جمال احمدی اور شیفتگانِ کمال محمدی کی طرف سے آقائے کونین وسلطان دارین کے دربار عرش وقار میں عقیدت ومحبت کا نذرانہ بھی ہے اور غلاموں، و جاں نثاروں کے لئے اپنی خیر وصلاح اور فوز وفلاح کے لئے فریاد والتجا بھی۔ پھر شاید ہی کوئی بے نصیب وبرگشتہ بخت ہو، جو نعت گوئی اور نعت خوانی سے گریز کرے۔ یا اس سے دوسروں کو روکے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہان فانی کے ساز وسامان کو قلیل اور کمتر (متاع الدُّنیا قلیلٌ) قرار دینے کے باوجود ان کو حد وشمار سے باہر (وَاِنْ تَعُدُّوْ نِعْمَةَ اللهِ لَا تُحْصُوْهَا) فرمایا ہے۔ پھر جس ذات قدسی صفات کے ذکر مبارک کو بلند وبالا (وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ) کیا گیا ہو، جسے عالم وعالمیاں کے لئے رحمت (وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْن) بنا کر مبعوث فرمایا گیا ہو۔ اور جس کے اخلاق کریمانہ کو اعلیٰ وافضل (انكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عظيم) قرار دیا گیا ہو۔ اس کے فضائل وکمالات کون بیان کرسکتا ہے؟

مبدءِ فیض سے کسی کو یقین وایمان کی نعمتوں کا کوئی حصہ ہی نہ ملا ہو تو اور بات ہے ورنہ اس میں شک وشبہ کی گنجائش ہی کب ہے، یقین وایمان کے رشتوں کو مستحکم کرنا ہو تو خود خالقِ کائنات کے اس فرمانِ والاشان کو حرزِ جان بنایا جاسکتا ہے کہ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ

اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِہٖ مَدَدًا

ترجمہ: تم کہہ دو اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے لئے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے۔ مگر میرے پروردگار کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ چاہے اتنے ہی اور اس کی مدد پر لائے جائیں۔

اس آیۂ کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے "کلماتِ ربی" کے بارے میں حضرت شیخ محقق مولانا شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مدارج النبوت (جلد اول باب سوم) میں فرمایا ہے:-

"اہل تحقیق کے نزدیک رب کے کلمات سے مراد حضور علیہ السلام کے فضائل و کمالات اور حضور کے علوم ہیں تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر دنیا بھر کے نعت خوان اور نعت گو اور واعظین و کاتبین دو سمندروں کے پانی کی روشنائی لے کر صفات و کمالات مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھیں تو یہ روشنائی ختم ہو جائے گی۔ مگر حضور کے اوصاف ختم نہ ہوں گے۔ اس آیت میں دو سمندروں کا ذکر ہے۔ مگر دوسری میں اس سے بھی زیادہ ذکر فرمایا گیا ہے۔

ارشاد ہوا ولو ان فیہ الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمٰت اللہ۔ یعنی اگر تمام زمین کے درخت قلم ہو جائیں۔ اور سمندر کے ساتھ سات سمندر اور مل جائیں۔ پھر بھی رب کے کلمات یعنی صفات حضور علیہ السلام تمام نہ ہوں"۔ (شان حبیب الرحمٰن)

حقائق بیانگ دہل اور وا شگاف انداز و الفاظ میں اعلان کر رہے ہیں کہ سیدہ آمنہ کے لخت جگر حضرت عبداللہ کے نور نظر اور کشور کاف و نون کے تاجور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نعت گوئی آسان کام نہیں ہے۔ جس کی شان رفیع و وقیع میں بائے بسم اللہ سے سین والناس تک کلام الٰہی کا ایک ایک نقطہ اور شوشہ رطب اللسان ہو۔ اور جس کی تعریف و توصیف ازل سے ہو رہی ہو اور ابد تک جاری رہے ؎

ازل کے روز سے جاری ہے افسانہ محمد کا
رہے گا تا ابد اعزاز شاہانہ محمد کا

(صلی اللہ علیہ وسلم)

جس کی بارگاہ رفعت و رحمت میں سیدنا آدم صفی اللہ سے حضرت عیسیٰ روح اللہ تک تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے نذرانۂ عقیدت و خراج محبت پیش کیا ہو اگر اس کے دربار پر انوار میں کچھ عرض کرنے کا شرف حاصل ہوتا ہے تو اس سے بڑی سعادت و خوش بختی ہو ہی کیا سکتی ہے۔

مصطفےٰ جان رحمت کے دربار دُر بار کے محبوب مداح اور مقبول نعت خوان حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس فرمودہ میں حقیقت ہی حقیقت ہے ؎

مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ
لٰکِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٍ

(میں نے اپنے کلام سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف نہیں کی۔ بلکہ ان کے ذکر پاک سے اپنے کلام کو قابل تعریف بنا لیا۔)

جس ذات گرامی کا نام نامی ہی محمد (مسلسل، متواتر اور بار بار کی تعریف کے لائق) ہے۔ جس کی مدحت سرائی میں عجز و درماندگی کا اقرار و اعتراف بڑے بڑے علماء، مشائخ، صاحبان علوم و معارف اور دانایان اسرار و رموز کر رہے ہوں۔ اور حضرت مولانا نور الدین عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ کی زبان میں صاف طور پر اعلان کر رہے ہوں کہ ؎

لایمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اگر یہ اسم مبارک ہی پورے ادب و احترام اور کامل خلوص و محبت سے زبان پر آ جائے تو خوش نصیبی اور سعادت مندی کے انوار و تجلیات کا ذخیرہ مل جائے۔ اس کسوٹی پر بھی پورا اترنا سب کے بس کا نہیں۔ حضرت خواجہ ہمام الدین علاء تبریزی نے درست فرمایا ہے کہ ؎

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

پھر اقبال کے اس اظہار حقیقت کی روشنی میں کہ ؎

وہ دانائے سُبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسں، وہی طٰہٰ

بزبان غالبؔ اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے ؎

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دان محمد است

نعت گوئی اور نعت خوانی کا آغاز کب ہوا پہلی نعت کس نے کہی، ۲۱ اپریل ۵۷۱ء (۱۲ ربیع النور) دوشنبہ مبارکہ کو صبح صادق کے وقت ظلمت خانۂ گیتی کو اپنے جمال جہاں آرا سے منور و تابناک فرمانے والے نیّر تاباں و خورشید درخشاں کو جس کے تلوؤں کے دھوون پر بھی ہزارہا آفتاب و ماہتاب نچھاور ہوں۔ یٰس، طٰہٰ، مزمّل، مدثر، رؤف، رحیم، رحمت اللعالمین، سید المرسلین، اور خاتم النبیین کے تاج شرف و کلاہ افتخار سے کس لمحۂ جاں بخش میں نوازا گیا۔ اس کا علم معطی، اور قاسم کے سوا کسی اور کو ہو ہی کیا سکتا ہے۔ اس وقت ان کے سوا وہاں موجود ہی کون تھا۔

انسان اوّل، ابوالبشر، سیدنا آدم علیہ السلام کے جسدِ خاکی میں روح داخل ہوئی اور ان کی مبارک آنکھیں وا ہوئیں تو ساق عرش پر لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا دیکھ کر روشن ہو گئیں۔ معلوم ہوا کہ آمنہ کے لال کی نعت اس وقت بھی ہو رہی تھی جب آدم عالم وجود میں بھی نہیں آئے تھے۔ صفی اللہ کی تخلیق ہوئی تو نعت پاک ہو رہی تھی۔ انھیں کیا خبر کب سے ہو رہی ہے۔ خود مخبر صادق اور نبیٔ امین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدم بَیْنَ الماءِ والطِّیْنِ۔ جب آدم پانی اور مٹی کی منزلیں طے کر رہے تھے اس وقت بھی مسند نبوت کو سرفراز فرمانے والے آقا نے ایک موقع پر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں اپنے مرتبۂ تخلیق میں تمام نبیوں سے اول اور مرتبۂ ظہور حسی میں سب سے آخر ہوں۔ (کنت اول الانبیاء فی الخلق و آخرھم فی البعث۔)

ابوالبشر تو وجود میں بعد تخلیق عالم آئے۔ اس واقعہ کا علم تو سید الملائکہ کو بھی نہیں جو ان سے کہیں پہلے ظہور میں آ چکے تھے۔

"ایک مرتبہ حضرت سرور کائنات نے روح الامین سے دریافت کیا۔ اے جبریل تمہاری عمر کیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ حضور مجھے خبر نہیں۔ البتہ اس قدر جانتا ہوں کہ چوتھے حجاب میں ایک نورانی تارا ستّر ہزار برس کے بعد چمکا کرتا تھا اسے میں نے ستر ہزار بار چمکتے دیکھا ہے۔

ارشاد ہوا۔ عزت رب کی قسم وہ نورانی تارا میں ہی ہوں (وَعِزَّۃُ رَبِّی اَنَا ذَالِكَ الکواکبُ) (روح البیان ص۹۷۴)"

گویا مصطفٰے جان رحمت، سراپا نور و نکہت کی نعت پاک جبریل امین کے بھی ظہور میں آنے سے اربوں سال پہلے فضا کو معمور و معطر کر رہی تھی۔ بلکہ اول مَاخلق اللہ نوری والخلق کُلّھُمْ مِنْ نُوْرِیْ (اللہ تبارک و تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا اور پھر تمام مخلوقات کو میرے نور سے پیدا کیا)

فرمانے والے آقا و مولیٰ کی مدح و ثنا خدائے کریم و کارساز کے ارشاد لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ (اگر تم کو پیدا فرمانا مقصود نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا) کے ساتھ ہی جلوہ فرما تھی لازماً علم و معلومات کا نہ سہی عشق و یقین کا فیصلہ تو یہی ہو گا کہ جب سے لا الٰہ الا اللہ ہے تب سے محمد رسول اللہ بھی ہے۔ اور جب تک اس کلمہ کا جزء اول ہے تب تک جزء ثانی بھی اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اس 'سے' اور 'تک' کا علم تو بس اسی ذات کو ہے جو علیم و حکیم ہے۔

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ۔ (تیری ذات پاک ہے۔ جس قدر علم تو نے ہمیں عطا فرمایا ہے اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے۔ بیشک تو جاننے والا حکمت والا ہے)

کوئی کچھ کہہ سکتا ہے تو بس یہ کہ ؎

وہی نقشِ اوّل، وہی حرف آخر
وہی ابتدا ہے، وہی انتہا ہے
جواب محمد، سوائے محمد
نہ اب کوئی ہوگا، نہ پہلے ہوا ہے

زبانیں حال کی ہوں یا قال کی، بولیاں حیوانات کی

ہوں یا نباتات وجمادات کی، السنہ اشرف المخلوقات انسان کی سمجھ میں آنے والی ہوں یا اس کی فہم وفراست سے بالاتر اور قوت حاسہ وسامعہ کی گرفت سے باہر رہنے والی، سب کی سب بہرصورت اور بہرحالت اگر اپنے پیدا کرنے اور پالنے والے خدائے ذوالجلال والاکرام کی اطاعت کے طور پر اسی کی رضا وخوشنودی کے لئے مدینے والے آقا کی نعت گوئی اور نعت خوانی کے شغل پاکیزہ میں معروف ہوں۔ تو اس پر حیرت واستعجاب کا اظہار کیسے کیا جا سکتا ہے۔

مثالیں ایک دو نہیں، سینکڑوں اور ہزاروں ایسی پیش کی جا سکتی ہیں جن سے صاف عیاں ہے کہ خالق کائنات کے ساتھ ساتھ مخلوقات بھی سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں مشغول ہے۔ عشق ولیقین اور عقیدت ومحبت کا جذبہ صادقہ ہو تو اس حقیقت کو مان لینے کے بعد یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ عالم انسانی کی معلوم ومعروف زبانوں عربی، فارسی اردو، انگریزی، فرانسیسی، جرمنی، ترکی، پشتو، پنجابی، بنگلہ، تامل، تیلگو، گجراتی، کنڑ، مراٹھی، اڑیہ، سنسکرت، سائیکی، عبرانی لاطینی، اور ہندی شاید ہی کوئی ہو، جو اس شرف وسعادت سے محروم ہو یا جس کا دامن نعت پاک کے گہر ہائے آبدار سے خالی ہو۔ البتہ زبان عربی کو طرۂ امتیاز حاصل ہے۔ کیونکہ بقول حضرت حاجی جان محمد قدسی علیہ الرحمہ ؎

ذات پاک تو دریں ملک عرب کرد ظہور
زاں سبب آمدہ قرآن بزبان عربی

خاور حجاز کے رخشندہ آفتاب کی نورانی شعاعوں سے مستفید ومستفیض . . . اور منور وتابناک ہونے والا خطہ (عرب) زمانۂ جاہلیت میں بھی اپنی علم دوستی، ادب نوازی، شعرگوئی، سخن سنجی، فصاحت، بلاغت، اظہار بیان کی جدت اور اسلوب ادا کی ندرت کے معاملہ میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ اور اپنی زبان کی زور آوری ہی کی بنیاد پر باقی دنیا کو گونگا (عجم) قرار دے رکھا تھا۔ پھر جب اسے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک نعمت عظمیٰ سے سرفراز فرمایا۔ تو اس کی تعریف وتوصیف میں کیسے پیچھے رہتا۔ یہاں تک کہ زمانۂ جاہلیت کے ترجمان شعراء کے بارے میں قرآن کریم نے

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝

(اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سر مارتے پھرتے ہیں۔ اور جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں) کا انتباہ دیا تو مشرف بہ اسلام ہونے والوں کو صاحب قرآن نے سخن سنجی کی دعوت بھی دی۔

چنانچہ ایک موقع پر آقائے نامدار نے صحابۂ کرام سے خطاب کیا۔ کہ مخالف شعراء کی ہرزہ سرائیاں اور یاوہ گوئیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ تم لوگوں نے تلوار سے میری مدد کی ہے۔ کوئی ایسا بھی ہے جو زبان سے میری مدد کرے۔؟

اس پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ" اس خدمت کے لئے غلام حاضر ہے۔ اور پھر انھوں نے اس شان سے نعت گوئی کی ہے کہ "شاعر دربار نبوی" کا مرتبہ حاصل کر لیا۔ اور جان رحمت کی زبان مبارک سے جو "کن کی کنجی" کا درجہ رکھتی ہے یہ دعا لی "یا اللہ روح القدس سے حسان کی مدد فرما"

یہی نہیں بلکہ پاک وپاکیزہ اور صالح شاعری نے اسی مقدس بارگاہ سے "ان من الشعر حکمۃ (بعض شعر سراسر حکمت ہوتا ہے) اور "ان من البیان لسحرا (بعض بیان جادو ہی ہوا کرتا ہے) کی اسناد قبول بھی حاصل کر لیں۔

❁

قرآن وسنت کے معیار پر پورے اترنے والے شعراء گرامی مرتبت کی فہرست میں حضرت حسان کے علاوہ حضرت عباس بن عبد المطلب، حضرت عبد اللہ بن رواحہ اور حضرت کعب بن زہیر تو نمایاں طور پر شامل نظر آتے ہیں۔ ساتھ ہی خلفائے راشدین (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ کے نام نامی بھی ملتے ہیں۔ خود رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض مواقع پر اچھے اشعار سے دلچسپی لے کر یا گلفشانی گفتار کا مظاہرہ فرما کر

عقیدت مندانہ اور حقیقت پسندانہ شاعری کی قدر و قیمت میں اضافہ کر دیا۔ مثلاً

ایک حدیث کے مطابق حضرت جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی زخمی ہو گئی۔ تو آپ فرمانے لگے ؎

هل انت الا اصبع دميت ۔ وفی سبيل الله مالقيت

تو ایک انگلی ہے خون آلودہ ۔ اور تجھے اللہ کی راہ میں یہ تکلیف پہنچی

اسی طرح جنگِ حنین کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ شعر سنا گیا ؎

انا النبي لا كذب ۔ انا ابن عبد المطلب

حضرت عمر بن شرید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا "امیہ بن ابی الصلت کے کچھ اشعار یاد ہیں۔ میں نے کہا کہ "ہاں" آپ نے فرمایا سناؤ۔ میں نے سنائے۔ آپ نے فرمایا کچھ اور۔ میں نے پھر سنایا۔ آپ نے فرمایا کچھ اور۔ یہاں تک کہ میں نے سو شعر آپ کو سنائے۔"

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کہی وہ لبید کا یہ قول ہے:

اَلَا كُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللهَ بَاطِلٌ۔

(یاد رکھو کہ اللہ کے سوا ہر چیز باطل اور لایعنی ہے۔)

ایماندار اور صداقت شعار شعراء اور خاص طور پر خدا و رسول کی حمد و نعت اور دین آئین مصطفوی کی ترویج و اشاعت کرنے والوں کے لئے یہ کم قابل فخر بات نہیں ہے کہ انھیں مصطفےٰ جانِ رحمت کی بارگاہ سے پسندیدگی کا تمغہ حاصل ہے۔

ایک اور حدیث شریف یوں جنت نگاہ و فردوس گوش ہے۔ "حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خندق کے موقع پر انصار اور مہاجرین خندق کھود کھود کر مٹی ڈھوتے اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے ؎

نحن الذين بايعوا محمدا
على الجهاد ما بقينا ابدا

ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے۔ جب تک زندہ رہیں گے۔ جہاد پر ڈٹے رہیں گے۔

جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے ؎

اللهم لا عيش الا عيش الآخرة
فاغفر للانصار والمهاجرة

زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ یا اللہ انصار و مہاجرین کو بخش دے۔"

❁

(۱) سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی جاہ میں غلامانہ اور مخلصانہ نذرانۂ عقیدت کی ایمان افروز اور روح پرور بہاروں سے استفادہ کی توفیق ہو تو شاعر دربار رسالت حضرت حسان بن ثابت یوں گلفشاں نظر آئیں گے ؎

اغر عليه للنبوة خاتم ۔ من الله مشهود يلوح ويشهد
وضم الاله اسم النبي الى اسمه ۔ اذ قال فی الخمس المؤذن اشهد

ان پر نبوت کی مہر چمکگا رہی ہے۔ جو اللہ کی طرف سے لگی ہے۔ اور اس کی چمک ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ مؤذن پانچوں وقت اشہد کہہ کر اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر نے آپ کا نام اپنے نام کے ساتھ شامل کر لیا ہے۔

۲ حضور پر نور کی وفات پر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تاثر ؎

فصلى المليك ولى العباد ۔ ورب العباد على احمد
فكيف الحياة لفقد الحبيب ۔ وزين المعاشر فی المشهد

مالک الملک: بندوں کا والی اور پروردگار احمد مجتبیٰ پر سلام و رحمت بھیجے۔ اب زندگی کیا ہے۔ جب حبیب ہی بچھڑ گیا۔ اور وہ نہ رہا جو زینت وہ عالم تھا۔

۳۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ؎

الم تر ان الله اظهر دينه ۔ على كل دين قبل ذالك حائد
واسلبه من اهل مكة بعدها ۔ تداعوا الى امر من الغى فاسد

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اپنے دین کو ہر اس دین پر غالب کر دیا جو اس سے پہلے اور حق سے برگشتہ تھا۔ اور اللہ نے اہل مکہ کو حضور سے محروم کر دیا جب انھوں نے گمراہی کے خیال فاسد یعنی قتل پر کمر باندھی۔

۴۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ یوں اظہارِ غم کرتے ہیں ؎

فیا عینی ابکی ولا تسامی وحق البکاء علی السید

اے میری آنکھ تو آنسو بہا تھکے بغیر، اپنے سردار پر آنسو بہانا لازم ہے۔

۵۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ اپنے جذبات یوں ظاہر فرما رہے ہیں ؎

فلن یستقل الناس تلک مصیبۃ۔
ولن یجبر العظم الذی منھم وھی
وفی کل وقت للصلوٰۃ یھیجہ، بلال ویدعو باسمہ کلما دعا

اس مصیبت کو لوگ برداشت نہیں کر سکیں گے جو کمزوری پیدا ہو گئی ہے۔ اس کی تلافی ممکن نہیں۔ اور ہر نماز کے وقت بلال ایک نیا ہیجان پیدا کر دیتے ہیں جب ان کا نام لے کر پکارتے ہیں۔

۶۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ؎

متی یبد فی الداجی البھیم جبینہ
یلح مثل مصباح الدجی المتوقد
فمن کان او من قد یکون کاحمد
نظام لحق او نکال لملحد

اندھیری رات میں ان کی پیشانی روشن چراغ کی طرح چمکتی ہے۔ احمد مجتبیٰ کی طرح حق کا نظام قائم کرنے والا اور ملحدوں کو مجسمۂ عبرت بنا دینے والا کون تھا اور کون ہوگا۔

۷۔ حضرت خاتونِ جنت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ؎

ماذا علی من شم تربۃ احمد الا یشم مدی الزمان غوالیا
صبت علی مصائب لو انھا صبت علی الایام عدن لیالیا

جس نے ایک بار بھی احمد مجتبیٰ کی خاکِ پا سونگھ لی وہ اگر ساری عمر کسی اور خوشبو کی ضرورت محسوس نہ کرے تو کوئی تعجب نہیں۔ حضرت کی جدائی میں مجھ پر وہ مصیبتیں پڑی ہیں کہ دنوں پر پڑتیں تو راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔

۸۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہٗ کا ایک نعتیہ شعر ؎

روحی الفداء لمن اخلاقہ شھدت
بانہ خیر مولود من البشرا

میری روح اس ذاتِ گرامی پر قربان جس کے اخلاق شاہد ہیں کہ وہ بنی نوعِ انسان میں سب سے بہتر ہے۔

۹۔ ایک اور مداحِ رسول حضرت کعب بن زہیر کا نذرانۂ عقیدت ؎

فقد اتیت رسول اللہ معتذرا
والعفو عند رسول اللہ مقبول

میں اللہ کے رسول کی خدمت میں عذر خواہ ہو کر پہونچا۔ اور عفو و درگزر تو رسول اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

۱۰۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ان الفاظ میں اظہارِ حقیقت کرتے ہیں ؎

وانت لما ولدت اشرقت الارض
وضاءت بنورک الافق

اور جب آپ کی ولادت ہوئی تو آپ کے نور سے زمین جگمگا اٹھی۔ اور آسمان روشن ہو گیا۔

۱۱۔ سیدنا محمد عربی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شفیق چچا جناب ابوطالب سے منسوب بعض نعتیہ اشعار اور قطعات عربی ادب کے سفینوں میں محفوظ ہیں۔ ان کا یہ شعر تو بہت ہی مشہور رہا ہے ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ
ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

وہ گورے چہرے والا جس کے رخِ انور کے وسیلہ سے ابرِ باراں طلب کیا جاتا ہے۔ یتیموں کا والی اور بیواؤں کا محافظ ہے۔

۱۲۔ مشہورِ زمانہ قصیدہ بردہ شریف کے مصنف حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے کئی قصائد نعتیہ ہیں۔ ان میں سے ایک قصیدہ محمدیہ بھی ہے۔ بزرگوں نے خواب میں زیارتِ رسول کے لئے اس قصیدہ کی تلاوت کو بھی مؤثر بتایا ہے۔ مطلع میں فرماتے ہیں ؎

محمد اشرف الاعراب والعجم
محمد خیر من یمشی علیٰ قدم

محمد صلے اللہ علیہ وسلم عرب و عجم میں اشرف اور زمین پر چلنے والوں میں سب سے بہتر ہیں۔

ان کے علاوہ حضرت ابوسفیان، حضرت حمزہ بن

عبدالمطلب، حضرت امام زین العابدین، حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربی وغیرہ بہت سے بزرگوں نے عربی قصائد نعتیہ سے اپنی زبانِ دہن وقلم کو سرفراز کیا ہے۔ ۞

ارض مقدس سے کے بعد اسلام وایمان کی دولت لازوال سے مالامال ہونے کا شرف فارسی بولنے والے خطوں کو حاصل ہوا۔ اس وجہ سے عربی زبان کے بعد فارسی زبان وادب کا خزانہ مدحتِ رسول کے جواہر پاروں سے معمور ہے۔

فارسی شاعری کا آغاز تو ہو چکا تھا مگر اس کا پہلا صاحب دیوان شاعر رودکی ہوا۔ رودکی اور اس کے بعد کوئی ایک سو سال تک کے شاعروں کے ذخیرۂ اشعار میں نعتیہ اشعار کی تعداد بہت کم ہے۔ مگر بحمداللہ اس شرف سے محروم وہ بھی نہیں۔

فارسی شاعری میں یہ اعزاز حضرت فخرالدین اسعد گرگانی کے حصہ میں آیا۔ انھوں نے ۴۴۶ھ میں اپنی ایک مثنوی کے ذریعہ بارگاہ رسالت میں خوب خوب نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

چہ بخشائندہ و مشفق خدائیست
چہ نیکو کار و چہ رحمت نمائیست
کہ بر بیچارگیٔ ما بہ بخشود
رسولے داد راہ نیک بنمود
چو پیش رحمت آمد محمد
امید ما ز فضلت کے شود رد

اس کے بعد فارسی شعرا نے نعت گوئی کی طرف توجہ دی۔ تو بڑے بڑے عظیم وجلیل مداحان رسول منصہ شہود پر رونق افروز ہوئے۔ یہاں تک کہ چھٹی صدی ہجری میں سنائی غزنوی، انوری، مولانا جمال الدین اصفہانی، خاقانی شروانی، نظامی گنجوی، اور فریدالدین عطار (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) وغیرہ نے اس مقدس سلسلہ کو بہت آگے بڑھا دیا۔ اس دور کے ایک خوش فکر شاعر حضرت اصفہانی از وفات ۵۸۸ھ کا ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

تو خاطر شاعرے چہ سنجد
نعتِ تو سزائے تو خدا گفت

ان کے کوئی سو سال بعد اپنے وقت کے پرگو شاعر حضرت سعداللہ مسیحا پانی پتی نے اسی مضمون کو اس انداز میں ادا کیا ؎

خدا نعت محمد داند و بس
نیاید کار یزداں از دگر کس

اور پھر کوئی سو سال بعد اسی اعتراف عجز کی صدائے بازگشت غالب کے یہاں ملتی ہے ؎

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم!
کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد است

اس دور کے شعرا میں سنائی کو وہ مقام حاصل ہے کہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انھیں اپنا مقتدا قرار دیا ہے۔ اس زمانہ کے کچھ شعرائے گرامی کے بعض نعتیہ اشعار پیش خدمت ہیں ؎

اے سنائی از رہ جاں گوئے مدح مصطفیٰ
تا ترا سوئے سپہر برتریں سلم بود
(سنائی ۵۲۵ھ)

چشم در شرع مصطفیٰ بکشائے گر نہ تو بعقل نابینا
(انوری ۵۸۷ھ)

کے باشد آں زماں کہ رسم تا بحضرتش ⁂ آواز یا مغیث اغثنا برآورم
(خاقانی ۵۹۵ھ)

چشمۂ خورشید کہ محتاج اوست ⁂ نیم ہلال از شب معراج اوست
(نظامی ۶۱۴ھ)

اگر در نطق آیم تا قیامت ⁂ نیارم گفت یک صفت تمامت
(عطار ۶۲۷ھ)

نعت پاک کا ایک بہت ہی مشہور شعر ؎

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

عرفی اور کئی دوسرے شعرا سے منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ شعر خواجہ ہمام الدین علاء تبریزی (وفات ۷۱۴ھ) کا ہے جو اپنے دور کے بہت ہی بزرگ صوفی شاعر ہیں۔ ان کا ایک شعر اور بھی مشہور خاص وعام ہے ؎

برزمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

مقدم الذکر شعر کا آخری ٹکڑا حضرت علامہ نے "مرا نمی شاید" کہا تھا۔ جسے کسی شاعر نے تبدیل کرکے "کمال بے ادبی است" کر دیا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تبدیلی بہت ہی عمدہ اور خوشگوار ہے۔ حضرت خواجہ کی اسی نعت کا ایک شعر اور دیکھئے ؎

رواں شود ز لبم چشمہ ہائے آب حیات
چو نام دوست مرا بر سر زباں آید

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۶۷۲ھ) نے اپنی معروف مثنوی کی شکل میں جسے فارسی زبان کا قرآن کہا گیا ہے ؎

مثنویٔ مولویٔ معنوی — ہست قرآں در زبانِ پہلوی

آقائے دوعالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفات و معجزات اور ان کے غلاموں کی عظمت و شوکت ہی کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ اس سے ان کی اس شیفتگی اور محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ جو انھیں سیدنا نبی عربی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات اور ان کی تعلیمات منورہ سے تھی۔ یہ شعر انھیں کا ہے ؎

سید و سرور محمد نور جاں
مہتر و بہتر، شفیع مجرماں

مولانا کے ممدوح سنائی غزنوی، حسان عجم خاقانی شروانی اور فرید الدین عطار نیشاپوری کا تعلق چھٹی صدی ہجری سے ہے۔ مگر ساتویں صدی ہجری میں نعت گوئی کا آغاز خود مولانا نے کیا۔ شروعات کچھ ایسی شاندار تھی کہ اس صدی میں فارسی شاعری کا دامن بہترین نعتیہ کلام سے مزین ہوا۔

اسی صدی کے باوقار شعرائے نعت میں حضرت سلطان الہند غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۶۳۳ھ) بھی شامل ہیں۔ ان کی ایک مشہور نعت پاک کے دو اشعار ملاحظہ ہوں ؎

آنجا کہ آفتاب لقائے محمد است
خورشید ذرۂ ز ضیائے محمد است
راضی بود خدائے ازاں بندۂ کہ او
کارے کہ می کند برضائے محمد ست

اسی دور میں اوحدی کرمانی (وفات ۶۳۵ھ) کمال الدین اسمٰعیل (وفات ۶۳۵ھ) شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی (وفات ۶۸۸ھ) شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی (وفات ۶۹۰ھ) اور حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری (وفات ۶۹۰ھ) علیہم الرحمہ کا بھی تعلق ہے۔

حضرت سعدی کے اس نعتیہ قطعہ نے سارے عالم اسلام میں شہرت اور مقبولیت حاصل کر رکھی ہے ؎

بلغ العلیٰ بکمالہ — کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ — صلوا علیہ و آلہ

حضرت شیخ نے نثر اور نظم دونوں کے ذریعہ نبی نعمت کی بارگاہ رحمت میں اپنی عقیدت و محبت کے گلہائے تر نچھاور کئے ہیں۔ ایک سادہ سا شعر ہے ؎

ترا عزّ لولاک تمکیں بس ست
ثنائے تو طٰہٰ و یٰس بس ست

مخدوم صابر کلیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بارگاہ رسالت میں یوں نذرانۂ عقیدت پیش کر رہے ہیں ؎

ما عاشقِ ظہورِ جمالِ محمدیم — سرمست از شرابِ وصالِ محمدیم
از بہر کارسازیٔ ما ایں قدر بس ست — کز صدق خاک پائے بلالِ محمدیم
صابر ز فرق تا بقدم گشتہ ایم گوش
از ذوق در ہوائے مقالِ محمدیم

خواجہ ہمام الدین علاء تبریزی آٹھویں صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

امیر خسرو (وفات ۷۲۵ھ) حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص کی حیثیت سے تو شہرت دوام رکھتے ہی ہیں۔ شاعری اور موسیقی کے فنون میں بھی انھوں نے بڑا نام پیدا کیا۔ ان کا نعتیہ کلام بھی بڑی قدر و قیمت کا حامل ہے ؎

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسروؔ
محمد شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

والی غزل اگرچہ خسروؔ کے کسی مجموعۂ کلام میں شامل نہیں مگر اس نے خسروؔ کے تعلق سے بڑی مقبولیت حاصل کرلی ہے۔

حضرت امیر خسروؔ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ایک نعتیہ غزل بھی بہت شہرت رکھتی ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے ؎

صبا بسوئے مدینہ رُو کن ازیں دعاگو سلام برخواں
بگرد شاہِ مدینہ گرد و بصد تضرع پیام برخواں

اس کا مقطع بھی ملاحظہ ہو ؎

بلحنِ داؤد ہم نوا شو، بہ نالۂ درد آشنا شو
بہ بزم پیغمبر ایں غزل را ز عبدِ عاجز نظامؔ برخواں

اس دور میں بھی فارسی شاعری نے کئی اچھے نعت گو دیے مگر یہ حیرت انگیز بات ہے کہ اس دور کے عظیم غزل گو شاعر حافظ شیرازی کے یہاں واضح طور پر نعت کا کوئی شعر نہیں۔ البتہ اس شعر میں اشارۃً انھوں نے نبی عربی (فداہ امی وابی) ہی کی شان بیان کی ہے ؎

نگارِ من کہ بہ مکتب نہ رفت و خط نہ نوشت
بیک نگہ سبق آموز صد مدرس شد

نویں صدی ہجری کو مشہور عاشق رسول اور جامع کمالات شاعر، ادیب، دانشور، اور عارف باللہ مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامیؔ علیہ الرحمہ (وفات ۸۹۸ھ) کی صدی قرار دیا جاسکتا ہے۔ مشہور نعتیہ قطعہ ؎

یا صاحبَ الجمال و یا سیدَ البشر،
من وجہکَ المنیر لقد نوّر القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

بھی علامہ جامیؔ ہی سے منسوب ہے ؎

نسیما جانبِ بطحا گذر کُن
ز احوالم محمّد را خبر کن

کے مطلع والی نعت بھی خوب ہے۔ دسویں اور گیارہویں صدی ہجری کے ہندوستان نے بھی کئی نامور فارسی نعت گو شعراء پیدا کیے ہیں۔ جن میں حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۰۱۲ھ) مرزا جلال اسیرؔ (وفات ۱۰۴۹ھ) الحاج جان محمد قدسیؔ (وفات ۱۰۵۶ھ) اور سعد اللہ مسیحا پانی پتی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مؤخر الذکر کا ایک شعر اوپر آچکا ہے۔ حضرت قدسیؔ علیہ الرحمہ کی نعت پاک ؎

مرحبا سیدِ مکی، مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

خاصی شہرت اور مقبولیت رکھتی ہے۔

جواں مرگ عرفیؔ شیرازی (وفات ۹۹۹ھ بعمر ۳۶ سال) غزل اور قصیدہ کے میدان میں پرگوئی اور رفعت تخیل کے لئے بڑی شہرت رکھتا ہے۔ مگر جب بارگاہِ نعت میں حاضر ہوتا ہے تو لرزہ براندام ہوجاتا ہے ؎

عرفیؔ مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا ست
آہستہ کہ رہ بر دمِ تیغ ست قدم را

بارگاہِ رسالت کا ادب و احترام ہمارے ایمان کا حصّہ ہے۔ اس موضوع پر عزتؔ بخاری کے اس شعر کو فراموش نہیں کیا جاسکتا ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؔ و بایزیدؔ ایں جا

فارسی زبان میں نعت گوئی کا یہ مبارک کارواں غنیمتؔ کنجاہی (وفات ۱۱۱۰ھ) مرزا عبدالقادر بیدلؔ (وفات ۱۱۲۳ھ) اور حکیم قاآنیؔ (وفات ۱۲۷۰ھ) کو اپنے ساتھ لیتا ہوا غالبؔ تک پہونچا۔ تو وہ پکار اٹھا کہ ؎

حق جلوہ گر ز طرز بیانِ محمد است
آرے کلام حق بہ زبانِ محمّد است
غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

بات غلام قادر گرامیؔ جالندھری (۱۳۴۵ھ) تک گئی تو وہ بھی اعترافِ عجز پر مجبور ہوگئے ؎

ایں چہ شوخی ست ویں چہ بے ادبی
مَن و نعتِ محمدِ عربی

آخر اقبال (۱۳۵۶ھ) نے یہ کہہ کر ؎

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی ست

نہ صرف آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت کا اظہار کیا بلکہ فارسی نعت کے خزانے میں ایک انتہائی بیش بہا اور گراں قدر گوہرِ آبدار کا اضافہ کیا۔

اردو زبان جیساکہ اوپر آچکا ہے۔ اگرچہ عربی، فارسی اور کئی دوسری زبانوں کے مقابلہ میں کم عمر ہے۔ پھر بھی شاہانِ وقت کی مذہبی زبان (عربی) اور سرکاری زبان (فارسی) کی برکات اور اثرات سے اس نے جلد ہی عوام میں وہ مقبولیت و ہر دلعزیزی حاصل کی کہ ایک دور میں ہندوستان کی کوئی زبان اس کا مقابلہ نہ کرسکتی تھی۔ آج کے گئے گزرے دور میں بھی اردو اپنی عوامی حیثیت برقرار رکھے ہوئے ہے۔ اور پچھلے تقریباً چار سو سال کے عرصہ میں اس نے نعتیہ ادب کی کچھ کم خدمت نہیں کی۔

اہل تحقیق نے اردو زبان و ادب کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے اس خیال کی تصدیق کر دی ہے کہ اس زبان میں پہلے جو چیز زبان قلم سے نکلی وہ حمد و نعت ہی کے مضمون پر مشتمل تھی۔ خانۂ اردو نے بولنا ہی سیکھا اللہ کی ربوبیت اور محمد کی رحمت کے اقرار سے۔

یہ زبان اپنی پیدائش کے دن ہی سے خدا اور رسول کا کلمہ پڑھ رہی ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جو بذاتِ خود حمد و نعت کے عمدہ مضامین کا مکمل مجموعہ ہے۔ اور اس کے اعداد ابجد (۷۸۶) تو جانِ ہر نامہ و سرنامہ ہوتے ہی ہیں۔ اہلِ عقیدت و محبت حضور کے نامِ نامی (محمد) کے اعداد (۹۲) کو بھی اس کے ساتھ شامل کرنے کو موجب خیر و خوبی جانتے ہیں۔

لالہ زارِ ادب میں الحاد و دہریت کی بادِ سموم تو ادھر چند برسوں سے چلی ہے۔ خدا بیزاری اور مذہب آزاری تو آج کے لادینی نظام کی دین ہے۔ یہ صورت حال پہلے نہیں رہی اور انشاء المولیٰ تعالیٰ آئندہ رہے گی۔

بحمدہٖ تعالیٰ آج بھی اکثر اہل قلم نعت گوئی کو مایۂ ناز و متاعِ افتخار تصور کرتے ہیں۔ قدماء میں تو شاید ہی کوئی نثر نگار اور شاعر ایسا ہو جس نے نعت گوئی نہ کی ہو۔ ذکر محض مسلمانوں کا نہیں، غیر مسلموں نے بھی نعت گوئی میں خوب خوب حصہ لیا ہے۔

تحدیث نعمت کے طور پر عرض ہے کہ ایک بار راقم السطور نے اردو کے غیر مسلم شعراء کے مختصر حالات اور منتخب نعتیہ کلام پر مشتمل ایک مجموعہ مرتب کرنے کا عزم کیا۔ خیال تھا کہ بہت سے بہت چار پانچ سو صفحات میں کام مکمل ہو جائے گا۔ نعتوں کی فراہمی، حالات کی چھان بین اور جمع و ترتیب کا سلسلہ شروع کیا تو اندازہ ہوا کہ اس کے لئے ہزاروں صفحات بھی ناکافی ہوں گے۔ چنانچہ یہ کام فرصت و فراغت کے لئے اٹھا رکھا۔

(افسوس کہ باوجود خواہش اور کوشش کے اب تک یہ سعادت نہیں حاصل کرسکا۔ کسی دوسرے صاحب علم و قلم کو یہ توفیق ہو تو خود اس کے لئے موجب سعادت، میرے لئے باعث مسرت اور اردو ادب کے لئے وجہ فخر و ناز ہوگی)

اردو زبان میں پہلا نعتیہ شعر کب اور کس کے قلم سے نکلا؟ اس بارے میں صحیح طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ زیر نظر مضمون کی تیاری کے سلسلہ میں اردو کی لسانی اور تاریخی کتب کا جائزہ لیتے وقت ایک جگہ سنت کبیر داس کا یہ نعتیہ دوہا نظر سے گزرا۔ ؎

عدد نکالو ہر اکھر کے چوگن کر لو لائے
دو ملاکے پنچ گن کر لو بیس کا بھاگ لگائے
باقی بچے کے نو گن کر لو دُو، دو اور ملائے
کہت کبیر سنو بھائی سادھو نام محمد آئے

اسی سلسلے میں مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمہ کے قلم سے نکلی ہوئی یہ سطور بھی جنت نگاہ ہوئیں۔

"تمام عالم حضور علیہ السلام کے نور سے بنا ہے۔ کیونکہ ساری چیزوں کے عدد ۹۲ بنتے ہیں۔ اور محمد کے عدد بھی ۹۲ ہیں۔ گرو نانک اس طرح اس کو ثابت کرتے ہیں ؎

نام لیو جس اپچھر کو توکر دو چوگنا تا
دو ملاؤ بچگن کر دکا لوڑ بیس بنا
نا نک بچے کو نو گنے دو اس میں اور ملا
اس بدھ کے نام سے نام محمد بنا

یعنی کسی چیز کے عدد نکال لو۔ ان عددوں کو چار گنا کرلو کیونکہ یار چار ہیں۔ اس چوگنے میں دو ملا کر پانچ سے ضرب دیدو۔ کیونکہ یہ پنجتن پاک کا عدد ہے۔ اور جو حاصل ہو اس کو بیس سے تقسیم کردو۔ باقی کو ۹ سے ضرب دے کر دو ملا دو۔ ۹۲ حاصل ہوں گے"۔

یہ گمان تو قطعی نہیں گزرا کہ طفلی کی منزلوں سے گزرتی ہوئی نا ہموار (عنایا) ریختہ کا اردو زبان کے یہ اولین نعتیہ اشعار ہیں۔ البتہ یہ قرین قیاس ہے کہ غیر مسلم حامیان اردو کی طرف سے نئی نعمت کی بارگاہ رحمت میں یہ پہلا اخراج عقیدت ہو۔

"دکن میں اردو" کے مصنف کی تحقیق ہے کہ اردو میں پہلی باقاعدہ نعت شریف دکن کے ممتاز بزرگ حضرت خواجہ سید محمد حسینی بندہ نواز گیسو دراز نے کہی۔ جن کا تخلص شہباز تھا۔ ایک محقق کی دریافت ہے کہ سب سے پہلے حضرت قطب عالم نبیرہ حضرت مخدوم جہانیاں بخاری نے یہ فرما کر اردو میں نعتیہ شاعری کا آغاز کیا۔

ع محمد پر میں کھڑا سائیں پریم چکھائے۔

بہر حال یہ طے ہے کہ صوفیائے کرام اور مبلغین اسلام کے ہاتھوں پروان چڑھنے والی زبان اردو نے دین متین کی ترویج واشاعت کی راہ میں حمد و نعت کو حرز جاں بنایا۔ اور تقریباً دو سو سال کا عرصہ گزرتے گزرتے نور ناموں، مولود ناموں، معراج ناموں اور وفات ناموں کا ذخیرہ فراہم کر دیا۔ یہاں تک کہ محمد قلی قطب شاہ معانی (وفات ۱۰۲۰ھ) کی ۹ اشعار پر مشتمل یہ نعت شریف منظر عام پر آئی۔

چاند سورج روشنی پایا تمہارے نور تھے!
آب کوثر کو شرف تھنڈی کے پانی پوتھے

اور ملا وجہی، ملا غواص دکنی اور صنعتی بیجاپوری نے نعتیہ مثنویاں لکھیں۔

بارہویں صدی ہجری کا آفتاب طلوع ہوا تو اردو زبان خاصی ہوشمند ہو چکی تھی۔ اس کی شاعری بھی بام ترقی کی طرف مائل پرواز تھی۔ اور تاریخ میں ولی دکنی (وفات ۱۱۱۹ھ) کا باب کھل چکا تھا۔ ولی نہ صرف اردو کے اولین قابل ذکر شاعر کی حیثیت سے سامنے آئے ؎

اسی زباں میں خود افروزیوں کے ساماں ہیں
ولی سے لے کے یہاں طپش تک فروزاں ہیں

بلکہ مختلف اصناف سخن کو بارگاہ نعت میں پہونچا کر شاعری کو مقدس بنا دیا۔ انھوں نے غزل، قصیدہ، رباعی، مخمس، اور مستزاد ہر شکل میں حمد، نعت، منقبت، اور مدحت کے جذبات نظم کئے۔ ؎

ہم کوں شفیع محشر وہ دیں پناہ بس ہے
شرمندگی ہماری عذر گناہ بس ہے

پر یقین رکھنے والے ولی بارگاہ خواجہ کونین میں یوں مدحت سرا نظر آتے ہیں ؎

یا محمد دو جہاں کی عید ہے تجھ ذات سوں
خلق کو لازم ہے جی کوں تجھ پہ قربانی کرے
جس مکاں میں ہے تمہاری فکر روشن جلوہ گر
عقل اول آکے واں اقرار نادانی کرے

اسی دور کے بعض دوسرے شاعروں کے نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں۔ قاضی محمود بحری (متوفی ۱۱۳۰ھ) ؎

محمد گر مدد... ہوگا ہمارا
مشکل دکھ درد رد ہوگا ہمارا

سید محمد فراقی بیجاپوری (متوفی ۱۱۴۴ھ) ؎

مدینے میں اگر پیدا ہوا ہوتا تو کیا ہوتا
محمد کی گلی بھیتر فنا ہوتا تو کیا ہوتا

یہ وہ زمانہ تھا جب مغلوں کا اقبال رو بہ زوال تھا۔ اور مسلمان ابتلا و آزمائش کے گرداب میں آ گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ ملت کے ترجمان شعراء بھی اس سے متاثر ہوئے

اور انھوں نے نبی کریم کی بارگاہ میں فریاد کو بھی نعت کی شکل، دی۔ پنجاب کے صوفی شاعر جانی (م ۱۱۲۸ھ) کہتے ہیں ؎

مجھے غفلت دبایا ہے ؛ ضلالت راہ بھایا ہے
گناہاں پائیا گھیدا ؛ الٰہی آسرا تیرا نبی جی آسرا تیرا

شیخ محمد فاضل الدین بٹالوی (م ۱۱۵۱ھ) کا استغاثہ ؎

ناہیں مرا چھٹ تم کوئی انظر بحالی یا نبی
ہے رین، دن غفلت بڑی انظر بحالی یا نبی

یہاں تک کہ سودا (م ۱۱۹۵ھ) نے بات صاف کر دی ؎

نکال اس کفر کو دل سے کہ اب وہ وقت آیا ہے
برہمن کو صنم کرتا ہے تکلیف مسلمانی
زہے دین محمد پیروی میں اس کی جو ہووے
رہے خاک قدم سے اس کی چشم عرش نورانی

ولی سے لے کر مرزا محمد رفیع سودا تک (جو شمالی ہند کے ممتاز شاعر تھے) زبان و بیان میں جو تبدیلیاں ہوئیں، وہ ان کے نمونۂ کلام سے عیاں ہیں۔

تیرہویں صدی شروع ہوئی تو اردو ادب کا دامن، (نظم و نثر دونوں میں) نعتیہ قصائد اور دوسری قابل قدر مذہبی کتابوں سے مالا مال ہو چکا تھا۔

میر تقی میر (م ۱۲۲۵ھ) کے اس نعتیہ مطلع نے ؎

جلوہ نہیں ہے نظم میں حسن قبول کا
دیواں میں شعر گر نہیں نعت رسول کا

جو پاک و پاکیزہ فضا بنائی اس نے قریب قریب تمام اہل علم و قلم کو متاثر کیا۔ اور نہ صرف نظم بلکہ نثر میں بھی حمد خدا کے ساتھ نعت رسول کا بھی اہتمام کیا جانے لگا۔ اور بحمد اللہ یہ فضا آج تک برقرار ہے۔ حالانکہ اہل دل اور صاحبان عقیدت ہی جانتے ہیں کہ نعت گوئی کس قدر نازک فن ہے محاسن شعری کے ساتھ بارگاہ نبوت کے ادب و احترام کا جو جذبہ کارفرما ہونا چاہیے اس کی وضاحت حضرت امام اہلسنت، مجدد دین و ملت، نازش عشق و عقیدت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ نے جو خود صاحب دیوان خوش گو اور نغز گفتار شاعر تھے۔ ان الفاظ میں فرمائی ہے:۔

"حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں جاتا ہے۔ اگر کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے۔ کہ اس میں راستہ صاف ہے۔ جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں ایک جانب اصلاً حد نہیں۔ اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔"

(الملفوظ)

اس "سخت حد بندی" کے باوجود اگر شعرائے باوقار نے نعت کے مضمون سے اپنے ذہن و فکر کو سرفراز کیا تو سمجھنا چاہیے کہ ان کے پیش نظر وہی مقدس جذبہ تھا جس کا ذکر شاعر دربار رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا ہے کہ اس مبارک ذریعہ سے اپنے کلام کو قابل تعریف بنالیں۔ پھر خدا کے بخشندہ کی توفیق سے "حد بندی" کے باوجود ایسے ایسے نعتیہ اشعار سامنے آئے جن پر اردو ادب کو فخر ہے۔

اس قسم کے خیالات و افکار کی تجلی و تابانی کے ساتھ اردو شاعری کے صدہا آفتاب و ماہتاب بارگاہ سراج منیر میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ اور تا قیام قیامت پیش کرتے رہیں گے۔ ان میں میر و مرزا، انیس و دبیر، انشاء و جرأت، آتش و ناسخ، مصحفی و نظیر، میر حسن و دیا شنکر نسیم، غالب و مومن، محسن و رضا، شہید و شہیدی، ذوق و ظفر، امیر و داغ، شبلی و حالی، اقبال و ریاض، ظفر و جوہر، فانی و اصغر، شاد و وحشت، حسرت و سیماب، جوش و جگر، حفیظ و احسان، ساغر و ماہر، حمید و بہزاد، اور فراق و فیض سب اپنے اپنے مخصوص انداز و اسلوب اور رنگ و آہنگ کے ساتھ شامل ہیں۔

❀

چودھویں صدی ہجری میں اردو کی ترقی کے ساتھ ساتھ نعت گوئی نے بھی ترقی کی اگرچہ تقسیم ملک کے بعد جمہوریۂ ہند میں اردو تعصب اور بدسلوکی کا نشانہ بنی، اس کو معاشی رشتہ سے الگ تھلگ کر دیا گیا اور اسے "وطن میں بے وطنی" کی مصیبت میں مبتلا کر دیا گیا مگر اس کے باوجود نہ تو ذوق شعر و سخن متاثر ہوا اور نہ نعت گوئی کے جذبہ میں کمی آئی۔ پھر برصغیر کے اس حصہ میں جو

"پاکستان" کے نام سے دنیا کے نقشہ پر ابھرا۔ اردو کو سرکاری حیثیت دے کر جو فروغ دیا گیا اس کے نتیجہ میں دوسرے اصناف ادب کے ساتھ نعت گوئی نے بھی بہت ترقی کی۔

اس لحاظ سے اردو کے نعت گو شعراء کی یہ فہرست مکمل نہیں کہی جا سکتی۔ بلکہ اسے سو گنا کر دیا جائے تو بھی شاید ہی مکمل ہو۔ ان میں سے چند کے سوا باقی سب کے سب اپنے اپنے دور اور دیار میں معروف اور مقبول تھے۔ اور ہیں۔ انھوں نے تاریخ ادب میں اچھی جگہ حاصل کی ہے۔

یہ مضمون یہیں تک پہونچا تھا کہ نقوش لاہور کے رسول نمبر کی دسویں جلد نظر سے گذری جو مکمل طور پر نعت ہی کے لئے مخصوص ہے۔ اس سے تصدیق ہو گئی کہ بحمد اللہ پاکستان میں نعت گوئی کے ذوق نے بڑی ترقی کی ہے۔ اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔

نقوش کے اس نمبر میں محمد قلی قطب شاہ (م ۱۶۱۱ء) سے لے کر احسان دانش (م ۱۹۸۲ء) تک تقریباً ڈیڑھ سو شعرائے اردو کی نعتیں پیش کی گئی ہیں۔ یہ سب کے سب متوفی شعراء کی ہیں۔ کیونکہ زندہ اور موجودہ شعراء کے لئے بعد میں مزید دو جلدیں شائع کی گئی ہیں۔ اس نمبر میں بعض شعراء (غالباً سہواً) نظر انداز ہو گئے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی بعض نئے شعراء نظر میں آئے۔ جن کا کلام بھی خوب ہے۔

نقوش کے "رسول نمبر" کی اس جلد کی سب سے اہم اور قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس میں "نعت لغوی مفہوم" (ڈاکٹر ریاض مجید) اردو کی نعتیہ شاعری پر قرآن و حدیث کے اثرات" (ڈاکٹر شاکر علیمی) "اردو کے نعتیہ گلدستے" (ڈاکٹر فضل حق خورشید) اور "اردو زبان میں نعتیہ کلام" (حفیظ تائب) کے زیر عنوان چار بہت ہی پر مغز مضامین شامل ہیں۔ (عربی اور فارسی زبانوں کے نعتیہ کلام کے متعلق بالترتیب حکیم محمد یحییٰ خاں شفا اور ڈاکٹر عبد الحمید یزدانی کے مضامین اور عربی اور فارسی نعتوں کا انتخاب بھی شریک ہے) علاوہ ازیں مختلف اصناف سخن (درود و سلام، قصیدہ، مثنوی، مسدس، مخمس، منظومات، آزاد نظم، تضمین، رباعیات، قطعات، متعلقات، اور غزل وغیرہ) میں شامل نعتیں الگ الگ باب میں پیش کی گئی ہیں۔

پاکستان میں "اردو نعت کی حیرت انگیز ترقی" کے متعلق حفیظ تائب کی یہ رائے بہت معقول ہے کہ:

"ابلاغ عامہ کے قومی اور نجی ذرائع کی طرف سے حوصلہ افزائی کی بدولت نعت گوئی کی رفتار تیز تر ہو رہی ہے۔"

لیکن پاکستانی اہل قلم کے لئے یہ بات حیرت انگیز ہوگی کہ تقسیم ملک کے بعد اردو زبان کی ہمت شکنی اور حوصلہ فرسائی کے باوجود ہندوستان میں نعت گوئی کی رفتار ترقی کچھ کم قابل قدر نہیں رہی اور نہ ہے۔

شفیق جونپوری (مرحوم) انور صابری، ناز تش پرتاب گڈھی، (مرحوم) انشور واحدی (مرحوم) ثاقب کانپوری، شعری بھوپالی، عمر انصاری (تحدیث نعمت کا پہلو موجود ہونے کے باوجود میں اپنا ذکر نہیں کروں گا۔ کہیں خود ستائی پر نہ محمول کیا جائے۔ حالانکہ بحمد اللہ اس سعادت سے خاصی حد تک بہرہ مند ہوں۔)

—— شارق ایرایانی، کوثر جالسی، نذیر بنارسی اور جگن ناتھ آزاد وغیرہ ایسے شعراء نہیں جن کے نعتیہ کلام کو بے تکلف اردو کے ادبی ذخیرہ میں شامل نہ کیا جا سکے۔

آخر کون ہے جو اہل علم کی صف میں شامل ہونے کا مدعی ہو اور خالق کائنات کے محبوب و ممدوح کی بارگاہ میں غلامانہ نذر عقیدت کا شرف نہ حاصل کرے۔ شاعر دربار رسالت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک الفاظ میں

واحسن منك لم تر قط عيني
واجمل منك لم تلد النساء
خلقت مبرأ من كل عيب
كانك قد خلقت كما تشاء

(یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری آنکھ نے آپ جیسا حسین و جمیل کوئی اور نہیں دیکھا۔ کیونکہ آپ جیسا حسین و جمیل کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔ آپ ہر عیب سے پاک پیدا فرمائے گئے۔ گویا آپ ایسے پیدا کئے گئے۔ جیسا خود چاہتے تھے)

جس ذات گرامی کی یہ شان ہو اسے خراج عقیدت پیش نہ کرنا خود اپنے علم و عقل کی برگشتہ نصیبی کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے اردو نعت گوئی کو ملکی اور علاقائی خانوں میں

نہیں تقسیم کیا جا سکتا۔ اسے مجموعی حیثیت ہی سے دیکھنا چاہئے۔ مضمون کے طویل ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ ورنہ سیکڑوں ایسے شعراء کے نام بھی گنائے جا سکتے ہیں۔ جو اپنی خوش الحانی کی وجہ سے محافل میلاد کی جان اور نعتیہ شاعروں کی شان بنے ہوئے ہیں۔ اور اس ذریعہ سے ایسی شہرت، عزت اور دولت پیدا کر چکے ہیں کہ کامیاب غزل گو شعراء بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ان میں سے اکثر کے مجموعے بھی چھپ کر نگاہوں سے گذر چکے ہیں۔

— یہ پہلے بھی ہوتا رہا ہے اور آج بھی ہو رہا ہے۔ بعض میلاد شریف کی کتابیں لکھنے کی حد تک نعت گوئی کا مذاق رکھنے والوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ نعت خوانی اور پھر نعت گوئی کا مذاق میلاد غلام امام شہید، میلاد عطار، میلاد گوہر، میلاد اکبر، میلاد طیش، مولود سعدی، مولود سعیدی وغیرہ ہی کا مرہون منت ہے۔ جو سالہا سال سے گھر گھر پڑھی جا رہی ہیں۔ اور پڑھی جاتی رہیں گی۔

اس میں شک نہیں کہ دیوان نیاز (شاہ نیاز احمد) حدائق بخشش (اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی) محامد خاتم النبیین (امیر مینائی) عین المعارف (اسی غازی پوری) مدیح خیر المرسلین (محسن کاکوروی) دیوان بیدم (بیدم شاہ وارثی) اور شاہنامہ اسلام (حفیظ جالندھری) کے منظر عام پر آنے کے بعد نعت گوئی نے مستقل صنف سخن کی جو حیثیت حاصل کی وہ بہت مبارک ثابت ہوئی اور اب اس کی علمی و ادبی عظمت و اہمیت بھی مسلم ہو گئی ہے۔ اور اس کے موضوعات اور فنی تجربات میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ تشبیہ، استعارہ، صنائع، بدائع، نکتہ سنجی، اور معنی آفرینی کے کامیاب تجربے کئے جا چکے ہیں۔ اور کئے جا رہے ہیں۔ ایک زمانہ میں صاحب شعر الہند نے رائے ظاہر کی تھی کہ:

"شعرائے متاخرین کی نعت گوئی میں فرق مراتب کے باوجود ذیل کی خصوصیات مشترک ہیں؛

(۱) رسول اللہ کی شان میں عاشقانہ الفاظ مثلاً وصل، ہجر، شوق اور بے تابی وغیرہ کا استعمال کیا گیا ہے اور اسی حیثیت سے آپ کے خد و خال، زلف و گیسو، لب و دہن، اور چہرہ و رخسار وغیرہ کی تعریف و توصیف کی گئی ہے۔

(۲) معنی سے زیادہ الفاظ پر زور دیا گیا ہے یعنی جدید استعارے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور رعایت لفظی و صنعت تضاد وغیرہ سے بھی کام لیا گیا ہے۔

(۳) بہت سی ضعیف روایتیں اور معجزات نظم کئے گئے ہیں۔

(۴) شاعرانہ مبالغہ طرازیوں میں صحیح واقعات اور مستند روایات کی صورت بھی بدل گئی ہے۔"

مگر تیرہویں صدی ہجری کے ربع آخر (۱۲۷۵ھ) میں امیر مینائی (وفات ۱۳۱۸ھ) کے نعتیہ دیوان "محامد خاتم النبیین" کی اشاعت عمل میں آئی۔ تو پہلی بار نعت گوئی کو ایک نئی شاہراہ پر گامزن ہوتے دیکھا گیا۔ اہل نظر نے ان کی اس کوشش کو سراہنے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا۔ چنانچہ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے بھی اپنی کتاب "چند ہم عصر" میں منشی امیر مینائی کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے نعتیہ کلام کی تعریف کی ہے۔

اس سلسلہ کو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی قدس سرہ نے عالمانہ شان و شکوہ، مجددانہ فہم و فراست اور شاعرانہ حسن بیان سے خوب خوب آگے بڑھایا اور نعت کو ذریعۂ اظہار بنا کر ایمان و عقائد کی اصلاح و درستی کا کام لیا۔ آج اسلامیان ہند و پاک کا ایک بڑا طبقہ اعلیٰ حضرت کے نعتیہ کلام کو حرز جاں بنائے ہوئے ہے۔ اور ۱۳۲۵ھ میں پہلی مرتبہ شائع ہونے والی حدائق بخشش (اول و دوم) کے درجنوں ایڈیشن اب تک شائع ہو کر مقبول خاص و عام ہو چکے ہیں۔ خاص طور پر

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

سے تو شاید ہی کوئی زبان اور کان نا آشنا ہو۔ اس مبارک اور مقبول عام سلام پر جناب اختر الحامدی نے تضمین کی تو اسے بھی خاصی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اور "بہار عقیدت" کے عنوان سے کئی اشاعتی اداروں نے اسے کتابی شکل میں شائع کیا۔ اس سلام کے چند اشعار اور اعلیٰ حضرت کی بعض دوسری نعتوں پر تضمینوں کا ایک مجموعہ "گلہائے عقیدت" راقم السطور کے قلم سے بھی نکل کر قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

کی شان وعظمت سے آگاہ عارف باللہ اعلیٰ حضرت نے عشق وعقیدت کے جو گلہائے سرسبز وشاداب پیش کئے۔ ان کی خوشبو نے مشامِ جاں کو معطر کر دیا۔ اردو دنیا یہ کہنے پر مجبور ہو گئی کہ:۔

"تبحر علمی، زورِ بیان اور وابستگی وعقیدت کے عناصر ان کی نعت میں یوں گھل مل اور رچ بس گئے ہیں کہ اردو نعت میں ایسا خوشگوار امتزاج کہیں اور دیکھنے میں نہیں آیا"۔

(مقالہ "اردو نعت" از ڈاکٹر ریاض مجید)

اعلیٰ حضرت ہی کے فیضانِ تربیت کے نتیجہ میں ان کے برادر خورد مولانا حسن رضا خاں صاحب حسن بریلوی (وفات ۱۳۲۶ھ) اور حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی نے بہترین نعتیہ شاعری کے نمونے پیش کئے۔ مقامِ نبوت کے ادب واحترام کے بارے میں اعلیٰ حضرت کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ وقت کے ایک بڑے شاعر اطہر ہاپوڑی کی ایک نعت کا مطلع تھا ؎

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلیٰ کے سامنے

اعلیٰ حضرت نے مطلع سنتے ہی فرمایا کہ مصرع ثانی مقامِ نبوت سے فروتر ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو لیلیٰ اور گنبد خضرا کو خیمۂ لیلیٰ سے تشبیہ دینا عاشقانِ رسول کے شایانِ شان نہیں۔ اور برجستہ اصلاح فرمائی کہ ؏

قدسی کھڑے ہیں عرشِ معلیٰ کے سامنے

اس اصلاح نے نہ صرف تشبیہ کے عامیانہ پن کو ختم کر دیا۔ بلکہ مطلع بھی کہیں بلند وبالا ہو گیا۔

اعلیٰ حضرت کے سلام کی مقبولیت نے دوسرے شعراء کو بھی اس طرف متوجہ کیا۔ اور حفیظؔ نے شاہنامۂ اسلام میں حضور پرنور جانِ رحمت کی ولادت باسعادت کا تذکرہ کرتے ہوئے ؎

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی
سلام اے ظلِ رحمانی سلام اے نور یزدانی

کا روح پرور نغمہ چھیڑا۔ تو محفل پر کیف وسرور طاری ہو گیا آخر ماہر القادری یہ کہنے پر مجبور ہوئے ؎

سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

اور اس کے بعد راقم السطور کا یہ نذرانۂ عقیدت فضا میں گونجا ؎

سلام اے نور والے، نور کی شام وسحر والے
سراپا نور تو، تیرا گھرانا نیر ے گھر والے

ڈاکٹر اقبال (م ۱۹۳۸ء) کے کلام کا بڑا حصہ قرآن اور صاحبِ قرآن کے عشق وعقیدت سے معمور ہے۔ انھوں نے شاعری میں اپنے جذبۂ حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا پورا مظاہرہ کیا ہے۔

جوشؔ (م ۱۹۸۲ء) کا یہ نذرانۂ عقیدت بھی قابل قدر ہے ؎

واہ کیا کہنا ترا اے آخری پیغامبر
حشر تک طالع رہے گی تیرے جلووں کی سحر
تو نے ثابت کر دیا اے ہادیٔ نوعِ بشر
مرد یوں ٹھوکر لگاتے ہیں جبینِ وقت پر
کروٹیں دنیا کی تیرا قصر ڈھا سکتی نہیں
آندھیاں تیرے چراغوں کو بجھا سکتی نہیں

احسانِ دانش (م ۱۹۸۲ء) نے کہا ؎

فرمانروائے قلب ونظر، رحمتِ تمام
مردِ جلیل، خضرِ سبیل، والیٔ انام
تو نے خیال وذہن کو بخشا ہے وہ مقام
تاریخ کی جبیں کے ستارے ترے غلام
تو نے عرب کے زندہ جنازوں کو دم دیا
پامالیوں کو منصبِ گردوں حشم دیا

یہ ہے اردو نعت کا جدید اندازِ بیان واسلوبِ اظہار، ان نعتیہ اشعار میں آقائے دوعالم کی شان وعظمت کا پورا پورا ادب واحترام کرتے ہوئے فکر کی بلندی، تخیل کی ندرت اور زبان وبیان کی شائستگی ملتی ہے۔

میں اپنی ایک نعتیہ نظم "یوں ہوتا تو کیا ہوتا" کے چند اشعار حصولِ سعادت کی غرض سے پیش کر رہا ہوں ؎
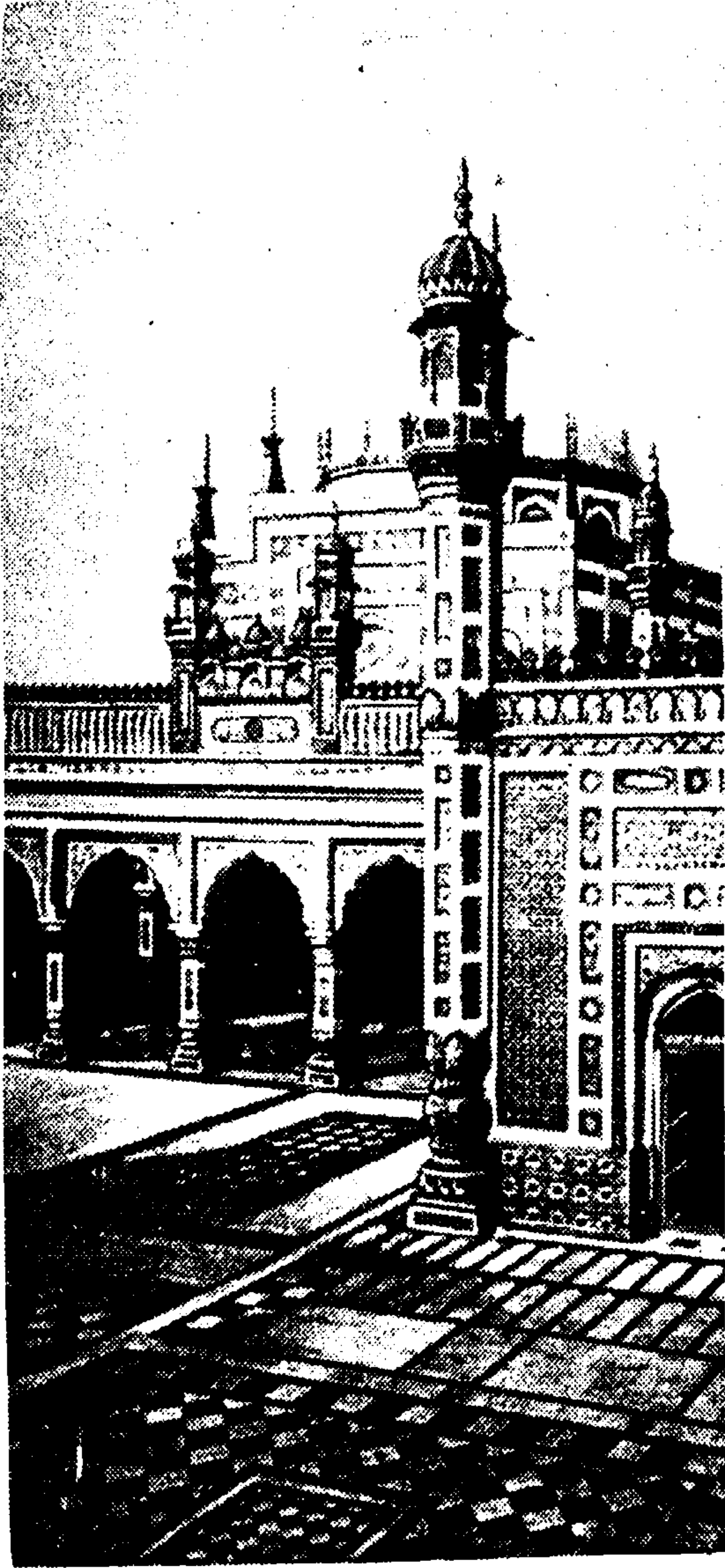
اگر اللہ نے یہ مرتبہ مجھ کو دیا ہوتا
کہ میں دَور و دیارِ نور میں پیدا ہوا ہوتا
تو کچھ اس طرح کرتا حمد معبودِ محمد کی
کہ اپنے حال پر خود وجد مجھ کو آگیا ہوتا

مری اک اک نظر مصروف ہوتی سجدہ ریزی میں
مرا اک اک نفس وقفِ مناجات و دعا ہوتا!
ثنا و حمدِ باری سے زباں کو باوضو کر کے
حضورِ خواجۂ ہر دو سرا مدحت سرا ہوتا

"ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر"
بہ ایں عنواں مرا حسنِ عقیدت لب کشا ہوتا
تڑپتا یا رسول اللہ اُنظُر حالنا کہہ کر
نویدِ "طابِ حُلی" کی صدا پر جھومتا ہوتا

لٹا دیتا متاعِ زندگانی جانِ رحمت پر
شہیدِ بدر ہوتا یا احد میں مر مٹا ہوتا
دکھا دیتا زمانے کو مقامِ بندگی کیا ہے
کہ میری لوحِ پیشانی پہ ان کا نقشِ پا ہوتا

کچل دیتا خرد کی خودسری و خر دماغی کو
جنوں کی عظمتوں کے آستاں پر جبہ سا ہوتا
گریبانوں سے کھل کر کھیلتا اربابِ نفرت کے
مگر اہلِ محبت کی اداؤں پر فدا ہوتا

شہنشاہی کو میری جستجو ہوتی مگر میں خود
غلامانِ شہِ کونین کی صف میں کھڑا ہوتا
جہانداروں کو ٹھوکر مارتا پائے حقارت سے
بلال و بوذر و سلماں کی چوکھٹ کا گدا ہوتا

مرے سر سے گزرتا قافلہ اللہ والوں کا
کہ میں گردِ رہِ دیوانگانِ مصطفٰے ہوتا
اگر ایسا ہوا ہوتا تو...؟ اکثر سوچتا ہوں میں
کہ جو کچھ چاہتا ہوں بالیقیں اس سے سوا ہوتا

نہیں ہوں کچھ مگر اے طیش فضلِ خالقِ کل سے
تڑپ تو ہے مرے دل میں کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

نبی عربی کی فوج کے ایک سپاہی صاحب "شمشیر ضیا بار" رحمٰن کیانی کی ایک نعتیہ مسدس "نبی الملاحم" کے چند بند اس باب کو مکمل کر سکتے ہیں ؎

جب بھی سپاہیوں سے پیمبر کو پوچھیے
خندق کا ذکر کیجیے، خیبر کو پوچھیے
بدر و احد کے قائدِ لشکر کو پوچھیے
یا غزوۂ تبوک کے سرور کو پوچھیے
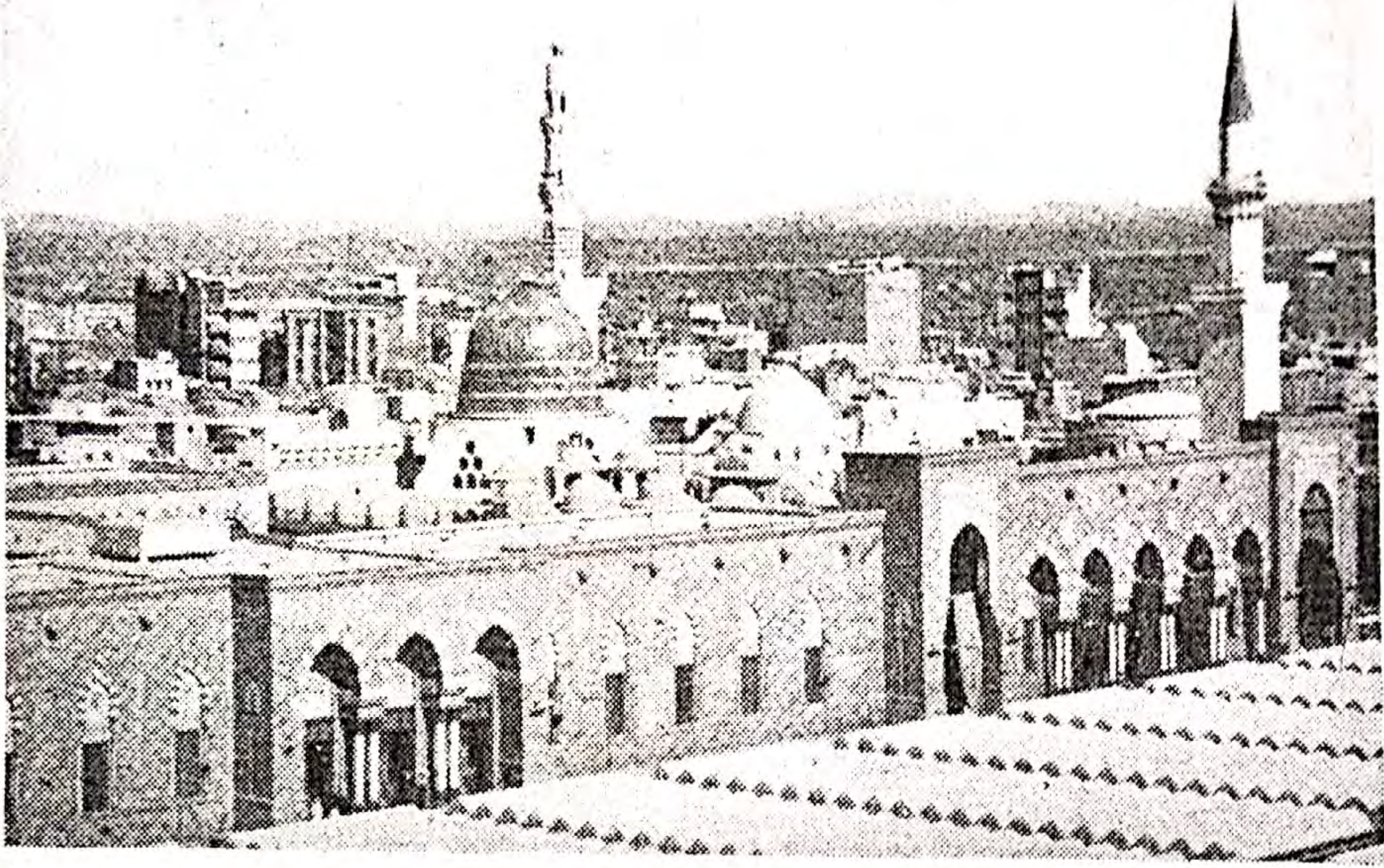
ہم کو حنینؔ و مکہؔ، و موتہ۔ بھی یاد ہیں،
ہم امتیؔ بانیٔ رسمِ جہاد ہیں،

رسمِ جہاد، حق کی اقامت کے واسطے
کمزور و ناتواں کی حمایت کے واسطے
انصاف کے، امن اور عدالت کے واسطے
خیر الممات (مرگِ شہادت) کے واسطے

لڑتے ہیں جس کے شوق میں ہم جھوم جھوم کر
دیتے ہیں جام موت کو بھی چوم چوم کر

لاکھوں درود ایسے پیمبر کے نام پر
جو حرفِ لاتخف سے بناتا ہو اندر
اک جاوداں حیات کی بھی دے گیا خبر
یعنی خدا کی راہ میں کٹ جائے سر اگر

ہم کو یقین ہے کبھی مرتے نہیں ہیں ہم
اور اس لئے کسی سے بھی ڈرتے نہیں ہیں ہم

توپ و تفنگ، دشنہ و خنجر، صلیب و دار
ڈرتے نہیں کسی سے محمدؐ کے جاں نثار
ماں ہے ہماری امِ عمارہ سی ذی وقار
ہم ہیں ابو دجانہ و طلحہ کی یادگار

ہاں مفتی و فقیہہ نہیں مان لیتے ہیں
ناموسِ مصطفٰےؐ پہ مگر جان دیتے ہیں

ایسے یقیں نہ آئے تو پیرانِ خانقاہ
مع جبّہ و کلاہ و مریدانِ بارگاہ
اک دن ہمارے ساتھ چلیں سوئے رزمگاہ
ان کو دکھائیں طرفہ تماشہ خدا گواہ

دیتے ہیں کیسے جان، کٹاتے ہیں کیسے سر
پڑھتے ہوئے درود محمدؐ کے نام پر

مضمون ختم کرتے ہوئے اس اعتراف میں مجھے کوئی قباحت نہیں محسوس ہوتی۔ کہ موضوع کی مناسبت سے اسے جیسا ہونا چاہیئے تھا، نہیں ہو سکا۔ عقیدت کے جذبہ نے کرم فرمایا۔ اور جیسا کچھ بن پڑا۔ خلوص کے ساتھ پیش کر دیا۔ "ستائش کی تمنا مدعیانِ علم و فن اور نقادانِ زبان و ادب سے تو نہیں ہے۔" "صلہ کی پروا" البتہ اس دربارِ دُربار سے ہے۔ جہاں سے آجتک کوئی سوالی خالی نہیں پھرا۔

بھیک میں وہ دیتے ہیں نعمتیں دو عالم کی!
ان کے دَر کا منگتا بھی والیوں کا والی ہے،

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے

غیر مسلم قائدین اور اہلِ قلم کی عقیدت مندیاں
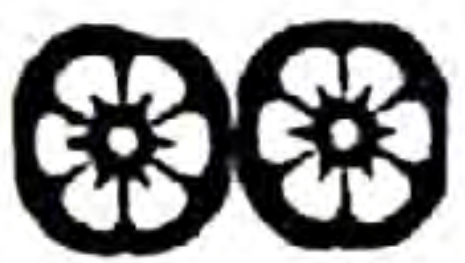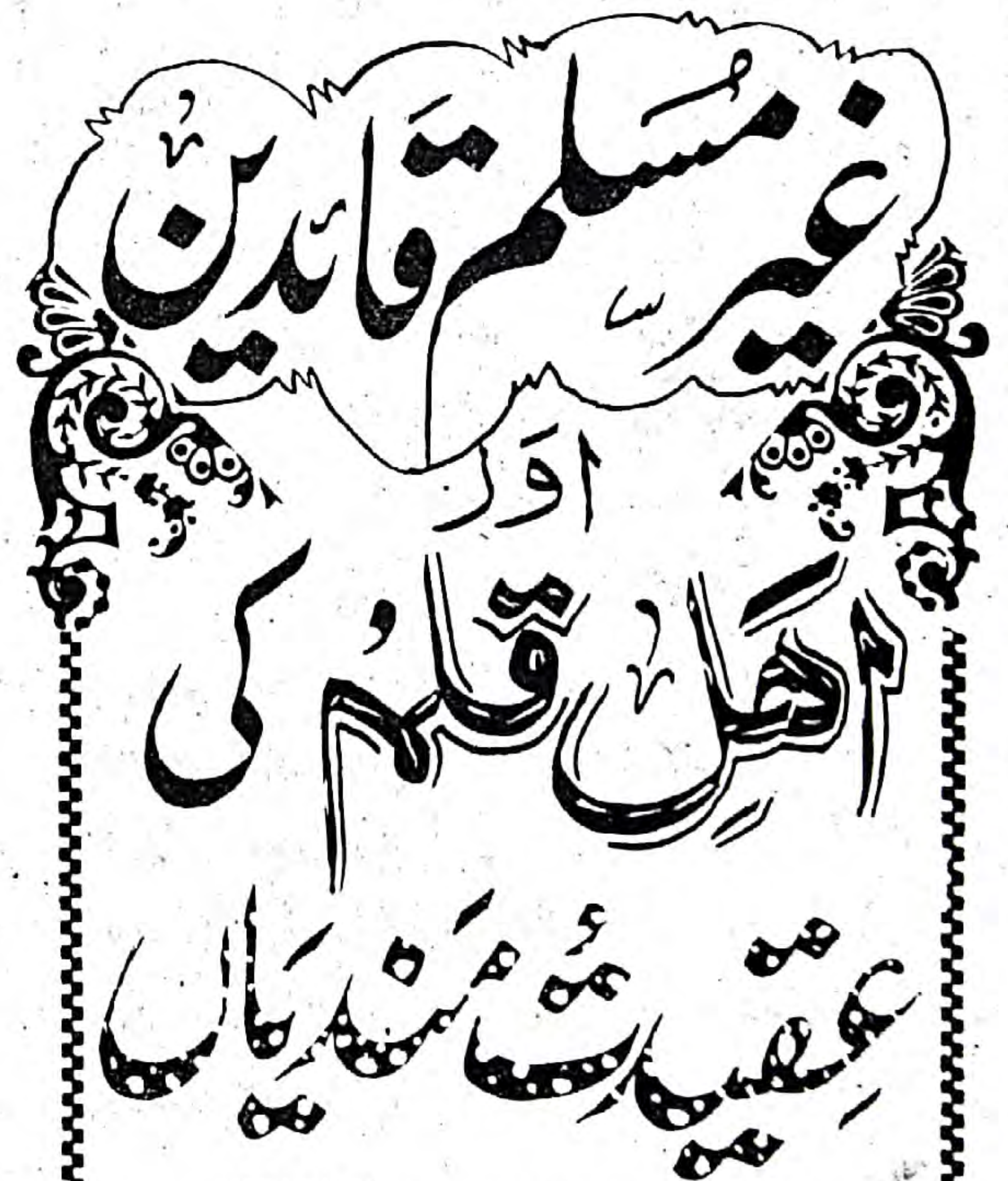
مولانا ظہیر الدین نادری

ضدی، ہٹ دھرم، متعصب، تنگ نظر، جاہل، جفاپیشہ سفاک اور شقی القلب، ازلی ملعونوں اور مردودوں کا ذکر نہیں. ورنہ کون ہے جس نے آقائے دو عالم، فخر بنی آدم، سید المرسلین، خاتم النبیین، حامئ بیکساں، رحمت دوجہاں، حضرت احمد مجتبیٰ، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عقیدت کا خراج اور محبت کا نذرانہ پیش نہ کیا ہو۔ یا جو ایسا کرنا خود اپنے لئے باعث فخر و ناز اور وجہ عزت و افتخار نہ تصور کرتا ہو؎

ازل سے لے کے اب تک ہر فضا میں
درخشاں تھے، درخشاں ہیں محمدؐ
نشانِ عظمت و شانِ الٰہی،
کمالِ نوعِ انساں ہیں محمدؐ

وہ ذات قدسی صفات جو تمام عالم و عالمیان کیلئے رحمت بن کر مبعوث ہوئی ہے، جسے رب العالمین نے اپنی مخلوق کیلئے ہادی، رہبر اور نجات دہندہ بنا کر بھیجا ہو۔ جس کے دم قدم ہی سے حیات و کائنات کی تمام رعنائیاں و برنائیاں ہیں. ابر و باد، ماہ و خورشید اور ارض و سما کی تمام ضیا ضیاں، اور فیض بخشیاں جس جانِ رحمت کے اشارۂ ابرو کی محتاج ہیں اس کی شان و عزت کا اعتراف و اقرار نہ کرنا اور توصیف و ستائش سے روگردانی کرنا محض اپنے ہی جہل، کور چشمی، کوتاہ بینی، سنگدلی اور سب سے بڑھ کر تیرہ بختی کا ثبوت پیش کرنا ہے۔

حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر اپنی گردن میں سیدنا رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا مبارک پٹہ ڈال لینے والے تو ان کی حرمت و ناموس پر اپنا تن من، دھن نچھاور کر دینے ہی کو دولت کونین اور نعمت دارین سمجھتے ہیں۔ اور اپنی فکر و عمل کے ہر گوشہ کو اسی کی عقیدت و محبت سے سرشار رکھنا عین ایمان سمجھتے ہیں۔

مگر ایک بڑی تعداد غیر مسلموں کی بھی ہے جنھوں نے برضا و رغبت اور بطیب خاطر سرکار عربی کی شان میں گلہائے عقیدت پیش کئے ہیں۔ ان میں شاعر بھی ہیں، ادیب بھی، صحافی بھی ہیں، خطیب بھی اہل قلم بھی ہیں، اور سیاستداں بھی۔ پچھلے چودہ سو برسوں میں غیر مسلم عقیدت مندوں نے آقائے کونین کی شان و عظمت کو جو کچھ خراج

عقیدت پیش کیا ہے ،اس کو اکٹھا کیا جائے تو ہزاروں صفحات بھی کافی نہیں ہو سکتے ۔

یہ عقیدتمندیاں کسی ایک زبان میں نہیں ادا کی گئیں بلکہ ، عربی ، فارسی ، اردو ، ہندی ، عبرانی ، سائیکی ، انگریزی ، فرنچ ، جرمن روسی ، چینی ، جاپانی ، انڈونیشی ، ملائی ، تامل ، تیلگو ، کنڑ ، اڑیہ ، بنگلہ ، سنسکرت اور دنیا کی تقریباً تمام زندہ اور بیدار زبانوں کا دامن محبت کے ان سرسبز و شاداب پھولوں سے معمور ہے یہ گہر ہائے نایاب نثر و نظم ہر شکل میں پیش کئے گئے ہیں ۔ ان سب کو سمیٹنا ، اور ایک جگہ جمع کرنا بہت بڑا کام ہے ۔ کیوں نہ ہو جس مقدس ہستی کو تمام انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے ۔ (وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَافَّۃً لِّلنَّاسِ) اور جس سے کہلوایا گیا ہے کہ "اے گروہ انسانی میں تم سب کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں ۔" (قُلْ یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا) اس کی شان میں اگر جناب ستیہ پال اختر رضوانی یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں تو اظہار حقیقت ہی کرتے ہیں ؎

از خاک عرب تا بہ عجم جانتے ہیں
ہاں صاحب الطاف و کرم جانتے ہیں
ہم دیر نشیں بھی ہیں ترے مدح سرا
رہبر جو تجھے ، اہل حرم جانتے ہیں

سیکڑوں کتابوں کے ہزاروں صفحات میں پھیلے ہوئے غیر مسلم مصنفین اور اہل قلم کی عقیدتمندیوں کے موتیوں میں چند اہم اور آبدار پیش خدمت ہیں ملاحظہ ہوں :۔

بھگت کبیر ایک شعر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معراج جسمانی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں :۔

نَب کا در کھلا نہیں نبی گئے ، اس پار
جیسے چھچھ ، چھچھ مان نکل جائے اوہ پار

نب (آسمان) کا دروازہ نہیں کھلا مگر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اس پار چلے گئے ۔ بالکل اس طرح جیسے چھچھ (نگاہ) چھچھ (شیشہ) کے پار ہو جاتی ہے ۔

پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری ، منشی سکھ دیو پرشاد بسمل ، منشی مہیش پرشاد سوگ ، ٹھاکر بوا سنگھ اثیم ، پروفیسر تلوک چند محروم ، جناب جگن ناتھ آزاد ، پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی ، پنڈت بال مکند عرش ملسیانی ، پنڈت آنند موہن گلزار زتشی ، منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی ، منشی نوبت رائے نظر لکھنوی ، منشی پیارے لال رونق میرٹھی ، لالہ ہری چند اختر ، پنڈت آنند نرائن ملا وغیرہ سیکڑوں غیر مسلم شعراء کے نعتیہ اشعار پیش کرنے کی گنجائش نہیں ۔ صرف یورپ اور ہندوستان کے چند دانشوروں کے خیالات پیش کئے جا رہے ہیں ۔

۱۔ فرانسیسی ادیب مشہور فرانسیسی ادیب الفریڈ ڈی لمرٹائم اپنی کتاب ، ہسٹری لا ٹرکی میں لکھتے ہیں :

عالم الٰہیات ، فصاحت و بلاغت میں یکتائے روزگار ، بانئ مذہب ، آئین ساز ، سپہ سالار ، واضع اصول ، اور دینی حکومت کے بانی ، یہ ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "جن کے سامنے پوری انسانیت کی عظمت ہیچ ہے ۔

۲۔ فرانسیسی جنرل سرکار دو عالم کو حیرت انگیز معلم قرار دیتے ہوئے نپولین بونا پارٹ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے یہ سب کچھ صرف پندرہ سال ہی میں ہو گیا جب کہ پندرہ سو سال میں بھی حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ علیہما السلام اپنی امتوں کو صحیح راہ پر لانے میں کامیاب نہ ہوئے تھے ۔ حضرت محمد صاحب عظیم الشان تھے ۔

۳۔ مشہور عیسائی ادیب بسوارتھ اسمتھ اپنی کتاب "محمد اینڈ محمڈن ازم" میں لکھتے ہیں کہ دنیا کی بڑی خوش نصیبی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہ یک وقت ایک قوم ، ایک حکومت ، ایک مذہب کے بانی تھے ۔

۴۔ جارج برنارڈ شا لکھتے ہیں کہ میں نے ان باتوں کا بغور مطالعہ و مشاہدہ کیا ہے ۔ اور اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہستی عظیم تھے ۔ اور انسانیت کے نجات دہندہ ۔

۵۔ سر طامس کارلائل : اپنی کتاب "ہیرو اینڈ ہیرو شپ" میں لکھتے ہیں کہ اس زمین (عرب) کی ریت بارود ثابت ہوئی ۔ جس نے دلی سے غرناطہ تک کے آسمانوں کو لپیٹ میں لے لیا ۔

۶۔ ڈاکٹر لین پول
اگر محمد صاحب سچے نبی نہ تھے تو دنیا میں کوئی برحق آیا ہی نہیں۔

۷۔ میجر آرتھر گلن یونڈ
وہ صرف ممتاز رہنما ہی نہ تھے۔ بلکہ تخلیق دنیا سے اس وقت تک جتنے بھی صادق سے صادق اور مخلص سے مخلص پیغمبر آئے ان سب میں ممتاز رتبے کے مالک تھے۔

۸۔ مسٹر ایڈورڈ مونٹے
آپ نے سوسائٹی کے تزکیے، اور اعمال کی تطہیر کے لئے جو اسوۂ حسنہ پیش کیا ہے وہ آپ کو انسانیت کا محسن اول قرار دیتا ہے۔

۹۔ کرنل سائکس
کوئی شخص آپ کے خلوص نیت و سادگی اور رحم وکرم کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

۱۰۔ کونٹ ٹالسٹائی
آپ نے انسانی خونریزی سے منع فرمایا اس کے لئے حقیقی تمدن و ترقی کی راہوں کو کھول دیا۔ یہ ایک ایسا عظیم الشان کام ہے جو اس شخص سے انجام پا سکتا ہے جس کے ساتھ کوئی مخفی طاقت ہو۔ اور ایسا شخص عام اکرام و احترام کا مستحق ہے۔

۱۱۔ مسز اینی بسنٹ
ایک ممتاز دانشور ڈاکٹر مسز اینی بیسنٹ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:
"بعثت سے قبل بھی آپ اندھیرے میں روشنی کے بینار کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہمیں آپ کی زندگی اس قدر شریفانہ اور اس قدر سچی نظر آتی ہے کہ ہم فوراً معلوم کر لیتے ہیں کہ کیوں آپ کو گرد و پیش کے لوگوں تک اپنے خدا کا پیغام پہنچانے کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔ وہ کونسا نام تھا جس سے مکہ کے تمام مرد، عورتیں، اور بچے آپ کو پکارا کرتے تھے۔ "وہ نام امین اور صادق تھا"

۱۲۔ ڈاکٹر برنگھم
انھوں نے اس امر میں رہنمائی کی جو انسانی زندگی میں سب سے اہم ہے۔ یعنی خدا اور بندے کے تعلقات۔

۱۳۔ مسٹر سار مستشرق
اس کا طفیل ہے کہ یورپ کو عربوں کے توسط سے یونانیوں کے علوم اور فلسفے نصیب ہوئے۔

۱۴۔ سر ولیم میور
متعصب مورخ "لائف آف محمد" میں لکھتا ہے کہ اہل تصنیف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں ان کے چال چلن کی عصمت اور ان کے اطوار کی پاکیزگی پر جو اہل مکہ میں کمیاب تھی متفق ہیں۔

۱۵۔ ڈاکٹر ڈی رایٹ
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی ذات اور قوم کے لئے نہیں بلکہ دنیائے ارض کے لئے رحمت تھے۔ تاریخ میں کسی ایسے شخص کی مثال موجود نہیں جس نے احکام خداوندی کو اس مستحسن طریقے سے انجام دیا ہو۔

۱۶۔ گاندھی جی
جب کہ مغرب قعر جہالت میں پڑا ہوا تھا، تو مشرق کے آسمان سے ایک درخشاں ستارہ طلوع ہوا۔ اور تمام مضطرب دنیا کو راحت اور روشنی بخشی۔ میں پورے یقین اور وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اسلام نے بزور شمشیر سرفرازی و سربلندی حاصل نہیں کی بلکہ اس کی بنیاد نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خلوص، خودی پر آپ کا غلبہ، وعدوں کا پاس، غلام اور دوست احباب کے ساتھ یکساں محبت آپ کی جرأت اور بے خوفی اللہ اور خود پر یقین جیسے اوصاف۔

۱۷۔ سوامی وویکانند
اپنی کتاب "دی گریٹ ٹیچر آف دی ورلڈ" میں لکھتے ہیں کہ پیغمبر مساوات حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لائے۔ تم پوچھتے ہو، کیا ان کا مذہب اچھا ہے؟ اگر ان کا مذہب اچھا نہ ہوتا تو پھر وہ زندہ کیسے رہتے۔ صرف اچھے اور نیک انسان ہی کو حیات دوام ملتی ہے۔ برے انسان کی زندگی کبھی طویل نہیں ہوتی۔ نیک انسان لاثانی اس لئے ہے کہ اس میں تقدس اور صداقت کا جوہر پوشیدہ ہوتا ہے اسلام میں اگر اچھائی نہ ہوتی تو وہ ایک دن بھی قائم نہ رہتا۔ اس مذہب میں بے شمار خوبیاں ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مساوات اور انسانی اخوت کے علم بردار ہیں۔

۱۸۔ لالہ لاجپت رائے
جس وقت بھارت ورش میں مذہبی کمزوری اپنا پاؤں جما رہی تھی اس وقت عرب کے ریگستان میں ایک مہان پرش عجیب و غریب وحدانیت کی تعلیم دے رہا تھا۔

۱۹۔ مانگ تو نگ (بدھی پیشوائے اعظم) حضرت محمد صاحب کا ظہور بنی نوع انسان پر ایک رحمت تھا۔ ہم بدھی لوگ حضرت محمد سے محبت کرتے ہیں۔ اور ان کا احترام کرتے ہیں۔

۲۰۔ نوبل پرائز حاصل کرنے والے سب سے پہلے ہندوستانی اور بنگلہ زبان کے عظیم شاعر **ڈاکٹر سر رابندر ناتھ ٹیگور** رقمطراز ہیں:۔

"اسلام دنیا کے مذاہب میں سب سے بڑا مذہب ہے نبیٔ اعظم کا پیغام ساری دنیا کے لئے سراسر رحمت ہے۔ دنیا کو اسی پیغام سے امن و سکون مل سکتا ہے"

۲۱۔ مسز سروجنی نائیڈو انگریزی زبان کی مشہور شاعرہ لکھتی ہیں:۔

"میرے مذہب کی بنیاد الہامی کتاب پر نہیں ہے تاہم میں خود کو اس قابل پاتی ہوں کہ اس عالمگیر اخوت کا اعتراف کروں جو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پاک و پاکیزہ تعلیمات کا نتیجہ ہے۔

۲۲۔ ماسٹر تارا سنگھ پریسیڈنٹ سکھ لیگ۔ جب کوئی مجھ سے یہ کہتا ہے کہ حضرت محمد صاحب نے تلوار کے زور سے اسلام پھیلایا تو مجھے اس کی کم فہمی پر ہنسی آتی ہے۔

بھگت راؤ سنگھ ایڈوکیٹ شری رامچندر جی، مہاراج بھگوان شری کرشن جی، گرونانک جی، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ سب روحانی بادشاہ تھے۔ اور میں کہتا ہوں کہ ان میں ایک روحانی شاہنشاہ تھے جن کا مقدس نام محمد تھا

۲۴۔ لالہ امیر چند کھنہ جرنلسٹ ماہر انکم ٹیکس چونا منڈی دہلی۔

شری کرشن نے گیتا میں ایشور کی طرف سے ایک مشہور وعدے کا ذکر کیا ہے جس کا ترجمہ فیضی نے فارسی میں کیا ہے۔

چوں بنیاد دیں سست گردد بسے
نمائیم خود را بہ شکل کسے

(یعنی جب دین کی دیوار و بنیاد بہت کمزور ہونے لگتی ہے تو ہم اپنے کو کسی کے روپ میں ظاہر کر دیتے ہیں)۔ اس وعدے کا ایفا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وجود سے کیا گیا ہے۔

۲۵۔ رائے بہادر رینڈت متھن لال (صدر آریہ سماج اجمیر۔)

"مگر خدائے تعالیٰ نے حضرت محمد صاحب کو فرمایا کہ ثابت کر دو، کہ خدائے تعالیٰ واقعی ہے۔

۲۶۔ پنڈت بہاری لال شاستری حضرت محمد صاحب نے مذہبی جنگ کو اخلاق اور ایشوری دشواس سے اور سوشل رفارم پولیٹکل کام کو تلوار سے کیا۔ ہم نے جہاں تک آپ کے جیون پر غور کیا، آپ کو مہاپرش، دیش بھگت، سنسار کا ستکاری پایا۔ دو گن بڑے مہان تھے ایشور دشواش اور سنگھٹن۔

۲۷۔ کملا دیوی بی اے بمبئی عرب کے مہاپرش وہ ہیں جن کی شکشا سے مورتی پوجا مٹ گئی۔ اور ایشور بھگتی کا دھیان پیدا ہوا۔

۲۸۔ جان ولیم ڈریپرا اپنی کتاب "تاریخ ذہنی ارتقائے یورپ" میں لکھتے ہیں:۔

حضرت محمد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ نسل انسانی پر جتنا اثر آپ نے ڈالا اتنا کسی اور نے نہیں ڈالا۔ آپ کے اندر وہ اوصاف موجود تھے جن سے سلطنتوں کی تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ انھوں نے اپنے پیروؤں کی معاشی حالت اور ذہنی کیفیت کو تزکیۂ نفس صبر و استقامت روزہ اور نماز کے ذریعہ سنوارا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے زکوٰۃ کا نظام قائم کیا۔ آپ نے کردار کی عظمت پر زور دیا۔ اور واضح کیا کہ شرافت کا معیار کردار ہے۔ آپ کئی اقالیم کے پیشوا اور واقعی رسول خدا ہیں۔

ہادیٔ برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں انسانی زندگی کی تمام حیثیتیں جمع تھیں۔ ایک انسان کا ایک باپ، ایک شوہر، ایک دوست، ایک خانہ دار، ایک تاجر، ایک مدبر، ایک حاکم، ایک منصف، ایک سپہ سالار غرضیکہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں آپ کی مثال موجود ہے۔ ہر معیار، ہر مقیاس کی رو سے عظیم ترین ہیں۔ اکرم ہیں اعظم ہیں۔

۲۹۔ جان ڈیون پورٹ کی کتاب "اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن" کے افتتاحی الفاظ یہ ہیں: "اس میں کچھ شک نہیں کہ تمام مقننوں اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں جس کی سوانح حیات آں سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں"۔

۳۰۔ ایم ایم پکھتال ممتاز مترجم و مفسر قرآن حضور سرکار رسالت کی حیات طیبہ کا ذکر یوں کرتے ہیں:۔

"دوسرے پیغمبروں کے خلاف جن کی اصل تصویر عقیدت مندی کے دھندلکے کے باعث ہم سے چھپی ہوئی ہے ۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک روشن اور تاریخی کردار ہیں جن کے طرز عمل اور طریق زندگی کی پوری تفصیلات خود ان کے ہمعصروں نے ہمارے لئے جمع کر دی ہیں ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم معلم اعظم تھے ۔ آپ کی تعلیمات چند چیزوں کے ساتھ مخصوص نہ تھیں بلکہ آپ کا دائرۂ انتہائی وسیع اور جامع تھا ۔ خواہ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو ۔ یا حقوق العباد سے ۔ وہ انفرادی زندگی سے متعلق ہو یا اجتماعی سے ، قانون سے متعلق ہو یا اخلاق سے ۔ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کے متعلق ہدایات موجود نہ ہوں ۔

۳۰۔ سر ولیم بکنٹ یہ انگریز مفکر اپنی کتاب "دی فیچر آف اسلام" میں لکھتا ہے :۔

اسلام کے پاس اولاد آدم کو دینے کے لئے اتنا کچھ ہے ، کہ وہ بالآخر ساری دنیا کو اپنا بنالے گا ۔

۳۱۔ پروفیسر جرمینس ہنگری کے یہ پروفیسر "گلوریز آف اسلام" میں رقمطراز ہیں :۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات میں بے پناہ توانائی ہے ۔ اور وہ مسلمانوں کو پھر سے زندہ کر سکتی ہیں ۔

پیغمبر انسانیت حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے عبادات و معاملات کے علاوہ اٹھنے ، بیٹھنے ، کھانے پینے یہاں تک قضائے حاجت اور طہارت کے طریقے ، آداب ، تمیز ، لباس و کلام کے آداب سکھائے ۔

اسلام نے چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی تعظیم کرنے کا حکم دیا ۔ غیر مسلموں سے اچھے سلوک سے پیش آنے کی عملی مثالیں پیش کیں ۔

۳۲۔ فادر ڈیرک مکٹیا یہ مستشرق اپنے ایک مضمون "پیغمبر اسلام" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے :

بانیٔ اسلام کا غیر مسلموں کے ساتھ سلوک بھی مثالی تھا ۔ آپ کے ایک صحابی ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ جب غیر مسلم تھے ۔ تو مدینہ میں آپ کے یہاں رہے ۔ رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گئے ۔ آپ کا سارا گھرانہ بھوکا رہا ۔ مگر آپ نے کچھ نہ فرمایا ۔

ایک اور صحابی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ، کہ ایک کافر آپ کے یہاں مہمان تھا ۔ وہ ایک رات میں سات بکریوں کا دودھ پی گیا ۔ وہ آزمانا چاہتا تھا ۔ صبح جب اس نے دیکھا کہ آنحضور اسی شفقت سے پیش آ رہے ہیں تو وہ مسلمان ہو گیا ۔

غرضیکہ آپ کی زندگی میں ہمیں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں ۔ آپ بحیثیت سپاہی ، سپہ سالار ، شوہر ، دوست ، منصف ، حاکم ۔

غرضیکہ ہر حیثیت میں ایک عظیم مثالی انسان تھے ۔ جن کی تعلیمات ساری دنیا کے لئے ہیں ۔

۳۳۔ ڈاکٹر گستاف اس ممتاز دانشور نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو یوں خراج عقیدت پیش کیا ۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوم میں روشن مثال تھے ۔ آپ کا کردار پاک اور بے داغ تھا ۔ لباس اور غذا میں انوکھی سادگی تھی ۔ مزاج میں اتنی سادگی تھی کہ اپنے ساتھیوں سے کوئی خاص تعظیم قبول نہیں کرتے تھے ۔ اور اپنے غلام سے جنھیں انھوں نے اپنا بیٹا بنا لیا تھا ۔ کوئی ایسی خدمت نہیں لیتے تھے جو خود انجام دے سکتے تھے ۔

آپ اس قدر رحم دل تھے کہ آپ نے لوگوں سے انتقام نہیں لیا جنھوں نے آپ پر اس وقت پتھروں کی بارش کی تھی جب

آپ انھیں سیدھا راستہ دکھا رہے تھے۔ آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ آپ پر گندگی پھینکی جاتی تھی۔ آپ کا کئی سال تک بائیکاٹ کیا گیا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے کئی بار آپ کی جان لینے کی کوشش کی۔

۳۴۔ جارج رلیواری۔ اس مستشرق نے پیغمبر انقلاب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا

محمد ایک عظیم المرتبت پیغمبر ہی نہیں تھے جنھوں نے اس دنیا کی روحانی تسکین کا سامان کیا۔ بلکہ وہ ایک ایسے ہمہ گیر معاشرتی اور بین الاقوامی انقلاب کے بانی اور معلم تھے۔ جن کی نظیر تاریخ نے کبھی نہیں دیکھی۔

۳۵۔ ریو سٹیفنسن نے کہا۔ محمد کا دین نوع انسانی کے لئے برکت کا موجب، تاریکی سے روشنی اور شر سے خیر کی طرف رجعت کا باعث بنا۔

۳۶۔ ایم اے جی لیونارڈ اپنی کتاب "اسلام اور روحانی اقدار" میں آپ کی عظمت وصداقت کا اعتراف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

حضرت محمد غایت درجہ کے مخلص، صادق اور عظیم ترین انسان ہیں۔ آپ ایک عظیم قوم کے بانی، ایک عظیم سلطنت کے فاتح ومعمار اور سب سے بڑھ کر ایک عظیم مذہب کے راہنماء اعظم ہیں۔

آپ اپنی امت پر "رؤف ورحیم" اپنے آپ پر مہربان اور اپنے پروردگار کے سچے پرستار تھے۔ آپ نے اپنے ماننے والوں کو تاریکی کی پستیوں سے نکال کر نور اور صداقت کی انتہائی اونچی چوٹیوں پر متمکن کیا۔

۳۷۔ آر باسورتھ سمتھ اپنی کتاب محمد اینڈ محمڈن ازم" میں لکھتے ہیں:۔

"آپ صحرا میں گلہ بان تھے۔ شام میں تاجر تھے۔ مدینہ میں مہاجر تھے۔ غار حرا میں معتکف تھے۔ بت پرستوں کے پورے جہان کے مقابلے میں واحد داعئ توحید تھے۔ آپ فاتح اقلیم تھے۔ دنیا کی تاریخ میں صرف آپ ہی اس شان کے انسان نظر آتے ہیں، کہ آپ بیک وقت ایک امت، ایک سلطنت اور ایک مذہب کے بانی ہیں۔ آپ کی زندگی میں کئی انقلاب آئے۔ آپ کی عادت آپ کے رہن سہن کے طریق میں یکسانیت ہی نظر آئی۔ حالات بدل گئے مگر آپ نہ بدلے۔

۳۸۔ پروفیسر مارگولیتھ اپنی کتاب "محمد اینڈ رائز نگ آف اسلام" میں لکھتے ہیں:۔

"حضرت محمد کے سیرت نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ جسے ختم کرنا ناممکن ہے۔ لیکن اس میں جگہ پانا باعث شرف ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آپ کی تعلیم، تدریس، دعوت وتبلیغ سے وہ نتائج برآمد ہوئے جس کا عشر عشیر بھی کسی مفکر، کسی مدبر، کسی مصلح کسی مذہبی پیشوا کے حصہ میں نہیں آیا۔"

۳۹۔ ہملٹن گب نے کتاب "محمڈن ازم" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پراثر شخصیت، اور اخلاقی برتری کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:۔

ہمارے نزدیک یہ بات محتاج بیان نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ نے اپنے ارادے اور جذبات جس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مرضی کے تابع کر دیئے تھے۔ اس کی تمام تر وجہ آپ کی شخصیت کا اثر تھا۔ اگر یہ اثر نہ ہوتا تو وہ رسول اللہ کے دعاوی کو کبھی اہمیت نہ دیتے۔

آپ کی دینی تعلیمات سے بڑھ کر آپ کی اخلاقی عظمت تھی جس نے اہل مدینہ کو انصار بنا دیا۔

۴۰۔ منٹگمری واٹ نے کتاب "پرافٹ اینڈ سٹیٹ مین" میں حضور کی کامیابی پر یوں روشنی ڈالی ہے:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوانح حیات اور اسلام کی ابتدائی تاریخ پر جتنا غور کریں اتنا ہی آپ کی کامیابیوں کی وسعت پر حیرانی ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حالات اتنے سازگار تھے اور انھوں نے آپ کو وہ مواقع مہیا کئے جو بہت کم مشاہیر کو حاصل ہوتے ہیں۔ تاہم یہ ماننا پڑتا ہے کہ آپ اپنے زمانے کے ہم پلہ تھے۔ یہ آپ کی حکمت، سیاست اور انتظامی صلاحیتوں کے طفیل ہے کہ انسانیت کی تاریخ کو ایک اہم باب ملا۔

۴۱۔ ای دنشا اس عیسائی مورخ نے "مسلمانوں کے نبی" کے عنوان سے اپنے مقالہ میں رسول اللہ ؑ

صلی اللہ علیہ وسلم کی پرشکوہ شخصیت کا تذکرہ کیا ہے۔

۴۲۔ ولیم میکنیل نے " دی رائز آف دی ویسٹ " کے نام سے دنیا کی تاریخ مکمل کی ہے۔ جو علمی حلقوں میں خاصی مقبول ہوئی۔ موصوف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم انقلابی تحریک کو بھرپور خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

"آپ سے پہلے یا بعد کسی بھی نبی کو اتنی جلد اور اتنی عظیم کامیابی حاصل نہیں ہوئیں۔ نہ ہی کسی ایک انسان کے کارناموں سے دنیا کی تاریخ کا رخ اتنی تیز رفتاری سے اور اتنے انقلابی پیمانے پر بدلا۔ اپنے الہامی کلام، اپنی مثالی ذاتی زندگی اور انتظامی ڈھانچے کے قیام سے محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ممتاز نئے طرز زندگی کی بنیاد ڈالی جس نے دو صدیوں کے مختصر عرصہ میں نسل انسانی کی کثیر تعداد کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ آج بھی بنی نوع انسانی کا ساتواں حصہ ان کا اطاعت گزار اور نام لیوا ہے۔"

۴۳۔ سر فلپ گبز "گلوری آف محمد" میں اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کہ حضور نے انسانیت کی ترقی کے لئے عظیم کارنامہ انجام دیا۔ لکھتے ہیں:۔

اسلام جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین کہلاتا ہے۔ اس نے انسانی تہذیب اور اخلاقیات کی ترقی اور فروغ کے لئے ان تمام مذاہب سے کہیں زیادہ کام کیا ہے جو انسان کی تخلیق سے لے کر اب تک اس کی روح کو گرمانے کا باعث ہوئے ہیں۔

۴۴۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا بھر سب سے بڑے اور تمام مذہبی شخصیتوں میں سب سے زیادہ کامیاب شخص ہیں۔

۴۵۔ ہرش فیلڈ اس مستشرق نے اپنی کتاب "نئی تحقیق" میں لکھتا ہے:۔

دنیا کی کسی قوم نے اتنی جلدی تہذیب حاصل نہیں کی۔ جیسے کہ عربوں نے واقعی اسلام کی بدولت حاصل کی۔ یہ اس تہذیب کے پیچھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ عہدویت کارفرما تھی جس نے ان گنت انسانوں کو عارف کامل بنا دیا۔ اور ایک شاندار کلچر کی بنیاد رکھی۔

۴۶۔ ڈاکٹر اسٹیفن لکھتے ہیں، پیغمبر اسلام اس ملک میں پیدا ہوئے۔ جہاں سیاسی، تنظیم، معقول عقائد اور پاکیزہ اخلاق سے کوئی شناسا نہیں تھا۔ انھوں نے اپنی ذہانت سے بیک وقت سیاسی حالت، مغربی عقائد اور ضابطۂ اخلاق کی اصلاح کر دی۔ انھوں نے مختلف قبائل کی جگہ انھیں ایک قوم بنا دیا۔ مختلف دیوتاؤں اور آقاؤں کی جگہ ایک خداپرست اور ایمان کی تعلیم دی۔ اور بڑی بڑی معیوب اور قبیح رسومات کو بیخ و بن سے اکھیڑ دیا۔ جوں جوں اسلام اپنے قدم عرب کی سرزمین سے باہر رکھتا گیا۔ کئی وحشی قومیں اس کی آغوش میں آتی چلی گئیں۔

اسلام نوع انسانی کے لئے برکات کا موجب اور تاریکی سے نور اور شیطان سے خدا کی طرف مراجعت کا باعث ہے۔

۴۷۔ ہٹی ممتاز مستشرق ہٹی، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔

تاریخ میں یہ پہلی کوشش تھی کہ لوگوں کو خون کے بجائے دین کے نام پر ایک مرکز پر جمع کیا گیا۔ اور ایسی سلطنت کی بنیاد ڈالی گئی جس کا حاکم اعلیٰ رب العالمین ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے روحانی فرائض کے علاوہ ایسے فرائض بھی انجام دیئے۔ جیسے سلطنت کا دستور اور ان کی امت میں سب لوگ قبائلی رشتوں اور علاقائیت سے یکسر منقطع ہو کر حقیقی معنوں میں بھائی بھائی بن گئے۔

۴۸۔ جیری ایڈی اس ممتاز مسیحی مورخ نے سرکار رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے عظیم صحابہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

مجھے ہمیشہ اس بات نے ورطۂ حیرت میں ڈال رکھا ہے کہ مٹھی بھر مسلمان جن کا دار المشورہ اس انداز کا تھا کہ جب بارش ہوتی تھی۔ تو تنکوں کی چھت ٹپک پڑتی اور مٹی کا فرش گارا ہو جاتا۔ اسی گارے پر سجدہ ریز ہو جانے والی قوم کے چند سپاہی جن کی تلواروں کی دھار تیز نہیں ہوتی تھی۔ جو سواریوں سے بھی تہی دست ہوتے تھے اس کچی مسجد میں بیٹھ کر جب روما اور ایران کے استبداد کے خلاف مشورے کرتے ہیں۔ تو وہ ان کو کیسے پایہ تکمیل

تک پہنچا دیتے ہیں۔

۴۹۔ پروفیسر سیڈیو نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پرشکوہ شخصیت، آپ کے خلق عظیم اور بے مثل عادل ہونے کا اعتراف ان لفظوں میں کیا۔

انصاف کے معاملے میں قریب و بعید اپنے اور پرائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نزدیک برابر تھے وہ کسی کو ضعیفی، یا ناداری کی وجہ سے حقیر نہ جانتے تھے۔ اور کسی توانا کو یا بادشاہ کو بادشاہی کی وجہ سے بڑا نہیں سمجھتے تھے۔ سب سے محبت فرماتے اور دشمن و دوست سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔

۵۰۔ جوزف شاخت نے "محمد انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنس" میں آپ کی کامیابیوں پر یوں روشنی ڈالی:۔

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی رسالت کی صداقت پر جو پختہ یقین تھا۔ وہ ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ آپ کی شخصیت کا جو پہلو نہایت شدت سے ابھرا۔ وہ آپ کا دینی جذبہ تھا۔ جب اس کا امتزاج آپ کی غیر معمولی سیاسی صلاحیتوں سے ہوا تو آپ کی رسالت دنیا میں ہی کامیابیوں سے ہمکنار ہوگئی۔ مکہ میں آپ کا صبر و استقلال اور مدینہ میں آپ کے مدبرانہ اعمال اور منصوبے یہ سب آپ کی اس نظریاتی جدوجہد کے مظاہر تھے جس کے لئے آپ ساری عمر انتھک کوشش کرتے رہے۔ آپ کی غیر معمولی شخصیت نے جس کے اثر و نفوذ نے آپ کی کامیابی کی راہیں ہموار کیں۔ اسلام پر اپنے انمٹ اثرات چھوڑے ہیں"

۵۱۔ فرانز بوہل نے "محمد انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" میں اپنے ہمعصروں کی بعض مبالغہ آرائیوں کو تنقید کا ہدف بناتے ہوئے لکھا۔

"آج کل کے بعض مصنفین میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ صرف رسول اللہ کی سوانح حیات کے ناپسندیدہ واقعات کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور آپ کی حقیقی دینی عظمت کو سرے سے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اگر آپ پر واقعی جنس اتنی غالب ہوتی۔ اور آپ دنیوی معاملات میں واقعی اتنے مشغول ہوتے اور کامیابی کے حصول میں ؟ اصولوں کے بارے میں اتنے غیر محتاط ہوتے تو اسلام کی جس قوت کا ظہور آپ کی ذات سے ہوا۔ اور جو آپ کی وفات کے بعد بھی پھلتا پھولتا رہا۔ اس کی کامیابی بغیر کسی سبب کے تسلیم کرنا پڑیگی۔

۵۲۔ رابرٹ ایل گلک مغربی مصنفین کے اس نظریے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا کی پرزور تردید کرتے ہوئے رقمطراز ہے:۔

مغربی مصنفین یہ کہتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ اور وہ عرب کی تصویر بناتے ہوئے اس کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار دکھاتے ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ ان کے فہم کا قصور ہے۔ کیونکہ اس معاملے میں مجرم مسلمان نہیں۔ بلکہ عیسائی ہیں۔ یہ کہنا کہ مسلمانوں کی دوسرے غیر مسلموں کے ساتھ جنگیں مذہبی تھیں۔ اور دوسرے مذاہب کو دبانے کے لئے تھیں۔ غلط اور خارج از بحث ہے۔ کیونکہ یہ بات مادی اور سیاسی دلائل سے ثابت نہیں کی جا سکتی۔

۵۳۔ ٹور آندرے سویڈن کے اس مستشرق نے کتاب "محمد" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی کامیابیوں کو تحقیق کا موضوع بناتے ہوئے لکھتا ہے:۔

نبوت محمدی کے ابتدائی سالوں میں جب قبول اسلام یہودیوں کے نزدیک راستے کا پتھر تھا۔ اور مشرکین عرب کے نزدیک محض حماقت تھی۔ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا ان میں بے حد اہم اور باصلاحیت افراد بھی تھے۔ یہ لوگ اخلاقی احساس ذمہ داری اور صحت مند شعور حقیقت کے مالک تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا یہ باب جس میں آپ کے ان اہم محنت رفیقوں کا ذکر ہے اہمیت میں کسی طرح کم نہیں۔ جو بات آپ کے اعمال و اقوال سے محض جزوی طور پر ظاہر ہوتی ہے آپ کی ذات کی قوت اثر وہ اعتماد جو آپ نے لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا، وہ جذبہ جو آپ نے بیدار کیا اور وہ راست بازی جو آپ کی طبیعت کا خاصہ تھی۔ یہ سب اس باب میں زندہ الفاظ میں کندہ موجود ہے۔
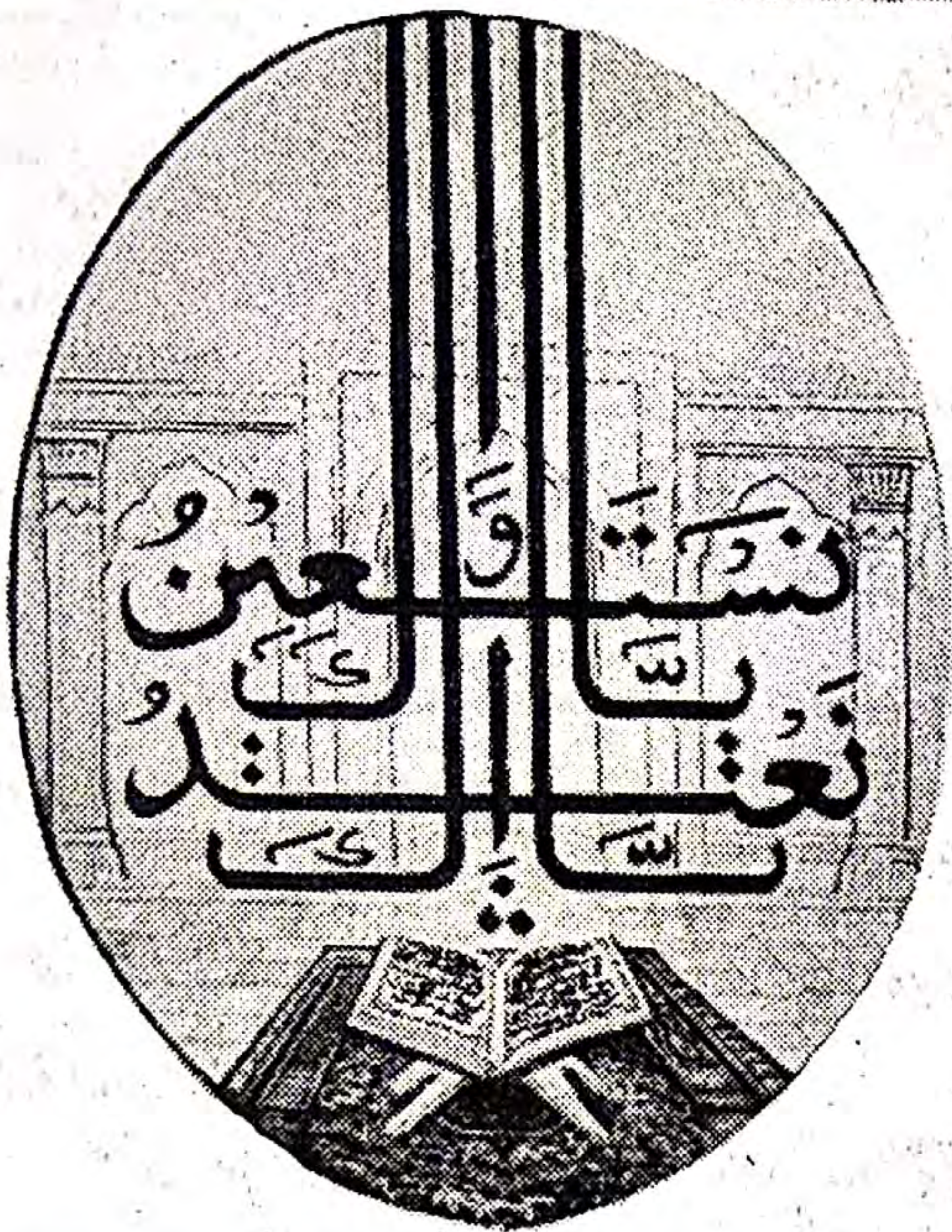
۵۴۔ برنارڈ لوئیس حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سیاسی اور تاریخی کامیابیوں کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

" وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بہت بڑی کامیابیوں سے ہمکنار ہو چکے تھے ۔ مغربی عرب کے امیوں کے لئے آپ ایک نیا دین لے کر آئے تھے ۔ جو اپنا عقیدہ توحید اور اخلاقی تعلیمات کی بنا پر زمانۂ جاہلیت کے ان مذاہب سے کہیں بلند تھا جن کی جگہ یہ دین آیا تھا ۔ آپ نے اس دین کو وہ آسمانی کتاب عطا کی جو بعد کی صدیوں میں لاکھوں، کروڑوں مسلمانوں کے اخلاق و افکار کے لئے راہبر بنی ۔ لیکن آپ کی کامیابی صرف یہی نہیں تھی، بلکہ آپ نے اپنی زندگی ہی میں ایک ملت اور ایک ریاست قائم کر دی تھی ۔ جو ہر لحاظ سے منظم بھی تھی اور طاقتور بھی "

۵۵۔ رائے سٹن پاٹک نے اپنے ایک مقالہ بعنوان " محمد پیغمبر دین اسلام " میں اعتراف کیا ہے ۔ غالباً دنیا میں سب سے زیادہ جو ہستی بے بنیاد اتہامات کا نشانہ بنی وہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں ۔

۵۶۔ جارج سیل نے رحمت دو عالم کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ۔

" محمد کامل ترین فطری صلاحیتوں سے آراستہ تھے ۔ شکل و صورت میں انتہائی حسین و جمیل فہم و فراست میں دور رس عقل و دانش والے اور اعلیٰ اور پسندیدہ اخلاق رکھتے تھے ۔ غربا پرور ہر ایک سے متواضع ، دشمنوں کے مقابلے میں صاحب استقلال و شجاعت اور خدا کی حمد و ثنا میں مشغول رہنے والے تھے ۔"

۵۷۔ بابا گرو نانک نے آپ کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے کہا :-

الف اکلاّ اک ہے دوجا پاک رسول
کلمہ پڑھ لے نانکا جو درگہ پویں قبول

۵۸۔ پنڈت سائیں گوبند رام اپنے ایک مضمون " ایک نبی ایک انسان " میں حضور سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر اظہار خیال کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں :-

" مختصر یہ کہ پیغمبر اسلام ایک بہت بڑے انسان اور ایک بہت بڑے مذہب کے بانی ہیں جن کی زندگی کا ہر پہلو، ہر انسان کے لئے خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو روشنی کا مینار ہے ۔

۵۹۔ سردار گوردت سنگھ دارا ایک سکھ دانشور نے " رسول عربی " کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے ۔ جس کی ایک ایک سطر اور ایک ایک لفظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی عقیدت و محبت جھلکتی ہے ۔ ایک اقتباس درج ذیل ہے ۔

" یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سنتے ہیں جس بشر نے تجھے نظر سے دیکھا اس کا دل تیری نذر ہو رہا ۔ جس آنکھ نے تجھے ایک دفعہ نگاہِ شوق سے دیکھا وہ پھر مشتاق نگاہ غیر نہ رہی ۔ کہتے ہیں تیری چھب بڑی موہنی تھی اور تیرا روپ انوپ تھا ۔ تیری آنکھ جادو تھی ۔ اور تیرا کلام کلام قرآن تھا ۔ اے دلدار عرب سنتے ہیں تیری پریت کی جوت جس من میں جگی پھر وہ بجھائے نہ بجھی ۔ اے تاجدار عرب کہتے ہیں :-

جامع مسجد دہلی

غلام نرگس مست تو تاجدارانند
خراب بادۂ لعل تو ہوشیارانند

اے خسروئے خوبی کرنا ایک نظر ادھر بھی۔ بھلا دیکھ تو تیرے در پر کھڑا دست سوال دراز کئے ہے۔ دے نام عشق کچھ زکوٰۃ حسن اسے بھی۔ مانا کہ تیرا مداح خواں خود کبریا ہے۔ مانا کہ تو حبیب خدا ہے۔ مگر ؎

یہ تو میں کیوں کر کہوں تیرے خریداروں میں ہوں
تو سراپا ناز ہے میں ناز برداروں میں ہوں

۶۰۔ سردار دیوان سنگھ مفتونؔ اپنے ایک مضمون میں "عربی اور کلمۃ الحق" میں رقمطراز ہیں:
"میں سکھ خاندان میں پیدا ہوا۔ اور نسل کے اعتبار سے مجھے سکھ ہی سمجھا جانا چاہیئے مگر ذاتی خیالات کے اعتبار سے میں حضرت مسیح اور پیغمبر اسلام کا اتنا ہی معتقد اور بھگت ہوں جتنا کوئی عیسائی یا مسلمان ہو سکتا ہے۔

۔ ایم این رائے:۔ اس مشہور اشتراکی رہنما نے اپنی تصنیف "اسلام کے تاریخی کارنامے" میں اعتراف کیا ہے کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں سب سے بڑے انقلاب آفریں رہنما گزرے ہیں۔

۶۱۔ سادھو ٹی ایل واسوانی کہتے ہیں۔ اور ہندو کیوں یہ اعتراف نہ کرتے جب کہ ہندوؤں کی مشہور کتاب کلکی پران کے بارھویں باب میں درج ہے:
"جگت گرو، وشنو بھگت اور سومتی سے پیدا ہوگا۔ اس کی پیدائش ۱۲ بیساکھ پیر کے دن، سورج نکلنے سے دو گھڑی بعد ہوگی۔ اس کا پتا اس کے پیدا ہونے سے پہلے پرلوک سدھار جائے گا۔ اس کی ماتا بھی بعد میں فوت ہو جائے گی۔ جگت گرو کی شالل دیپ (سنسکرت میں مکہ کو کہتے ہیں) کی شہزادی سے شادی ہوگی۔ شادی کے موقع پر اس کا ایک چچا اور تین بھائی موجود ہوں گے۔ ایک غار میں پرس رام (جبریل علیہ السلام) اسے تعلیم دے گا۔ اور جس وقت وہ بستی میں آکر تبلیغ کریں گے تو لوگ تکلیف دیں گے۔ شمالی پہاڑوں میں ہجرت کریں گے۔ وہاں سے پھر تلوار لے کر اٹھیں گے۔ ملک فتح ہوگا۔ جگت گرو (حضور سرکار دو عالم) کا ایک گھوڑا ہوگا۔ جو برق سے زیادہ تیز چلے گا آپ ساتوں آسمانوں کی سیر کریں گے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم عربی

سے پہلے عرب کی شاعری

حضرت شمس بریلوی

ما طفل کم سواد سبق قصہ ہائے دوست
صد بار خواندہ ایم دیگر از سر گرفتہ ایم

تاریخ عرب کے محققین نے واضح طور پر اس کا اعتراف کیا ہے کہ اسلام سے پیشتر کی کوئی مکمل تاریخ عرب دنیا میں موجود نہیں ہے، مورخین کو ایام عرب یا دور جاہلیت کے جو کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں ان کے ماخذ، تورات، انجیل اور قرآن مجید ہیں یا اہل عرب کی قومی روایات، اشعار (حماسہ ملی) ہیں، جاہلیت میں قومی اجتماعات میں ان اشعار کو پڑھنے کا بہت رواج تھا ہر وہ عرب نژاد فرد لائق اور دوسروں سے ممتاز گردانا جاتا تھا جو اپنے نسب اپنے اسلاف کے احوال، اپنی قوم یا قبیلہ کی لڑائیوں کے حالات کا حافظ ہوتا تھا یعنی اپنے نسب اور اسلاف کے اقوال اور ان کی لڑائیوں کی تاریخ اور واقعات اس کو ازبر ہوتے تھے۔ اسلام نے نسبی تفاخر کو مٹانے اور اس احساس برتری کو رفع کرنے کی بہت زیادہ کوشش کی لیکن نسبی سلاسل (علم الانساب) کے تحفظ کا اہتمام ان میں اسلام کی کئی صدیوں تک جاری و ساری رہا یہاں تک کہ علوم اسلامیہ میں علم الانساب کو بھی خاصی اہمیت حاصل ہو گئی اور عہد اسلام کی پہلی تین چار صدیوں میں علم الانساب کا ایک عظیم ذخیرہ بصورت تالیفات جمع ہو گیا اس سے ایک عظیم فائدہ یہ برآمد ہوا کہ عہد جاہلیت کی کئی صدیوں کے احوال منضبط و محفوظ ہو گئے۔ یہ کام عہد جاہلیت کی شاعری سے اس قدر صحیح اور مربوط طریقہ پر انجام نہ پاسکا البتہ معاشرتی احوال پر ان کے اشعار سے بہت کچھ روشنی پڑتی ہے مثلاً امراؤ القیس بن حجر بن عمرو کندی کے اس شعر ہی کو لے لیجیے۔

فظل طہارۃ اللحم من بین منضج
صنیف شواء او قدید معجل

یعنی قوم کے شکار کردہ گوشت، پکانے والوں یا گرم پتھروں پر گوشت کو پھیلا کر کباب کرنے والوں یا ہانڈی میں جلد گوشت کو پکانے والوں میں تقسیم ہو گئے۔

امراؤ القیس کے اس شعر نے معاشرت عرب کے اس پہلو کو روشن اور واضح کر دیا کہ ایام جاہلیت میں جب ان کا دل کباب کھانے کو چاہتا تو وہ گوشت کو گرم تپتے ہوئے پتھروں پر ڈال دیتے تھے اور گوشت بھن کر کباب بن جاتا تھا۔

شعرائے جاہلیت کے اشعار کے علاوہ ایک تیسرا ماخذ ایام عرب کی تاریخ کے لئے وہ کتبات اور عمارتیں ہیں جو ملک یمن اور دوسرے تاریخی ممالک عرب میں پائی جاتی ہیں عرب کے یہ کتبات بہت کچھ پڑھ لئے گئے ہیں اور ابھی کچھ کا پڑھنا
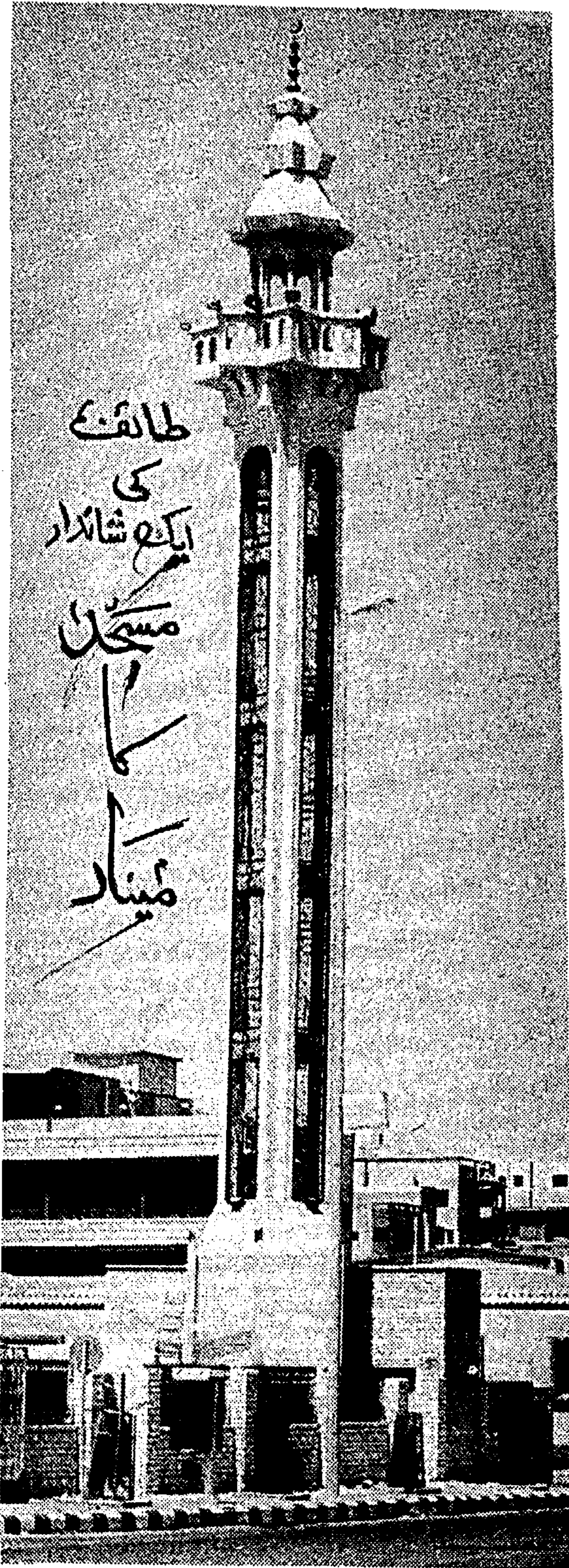
طائف کی ایک شاندار مسجد کا مینار

باقی ہے۔ ان کتبات اور آثار صنادید عرب کے ذریعہ جاہلیت عرب کی تاریخ کے بارے میں بہت سے انکشافات ہو چکے ہیں۔

چوتھا ماخذ مصر، اشوریہ اور بابل جیسے عظیم شہروں کے کھنڈروں میں پائے جانے والے آثار اور وہاں کے کتبات ہیں جن سے عرب جاہلیت کے بہت سے حکمرانوں، شاہزادوں، شاہزادیوں اور ان کی قوم کے نام اور مصریوں پر عربوں کی حکومت اور غلبہ کا حال ہی معلوم ہوتا ہے۔

پانچواں ماخذ یونانیوں، رومیوں، ایرانیوں اور بنی اسرائیل کی تاریخ ہے، ان تاریخوں میں ایسے امور مندرج ہیں کہ خود عرب ان حقائق سے بے خبر تھے، ان ہی تاریخوں سے ان روابط کا پتہ چلتا ہے جو ایران و عراق و شام، فلسطین مصر و یونان اور روم کی سلطنتوں سے عربوں کے قائم تھے اسی طرح اس حقیقت کا بھی انکشاف ہوا ہے کہ ملک عرب ہی بنی سام کا اصل مستقر تھا یعنی سام بن نوح (علیہ السلام) کی اولاد سب سے اول اسی عظیم صحرائی خطے میں آکر مقیم ہوئی تھی اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تین ہزار پچاس سال قبل "بنی سام" کا ایک عظیم سیلاب اسی سرزمین سے بابل، نینوا، شام، ارض کنعان اور مصر میں امڈ آیا تھا اور یہاں بنی سام نے زبردست سلطنتیں قائم کیں، ملکی قوانین مرتب کئے اور دنیا کو توحید و خداشناسی کا سبق دیا۔ (ملاحظہ کیجئے تاریخ بابل از ولیم راجرس)

عربی مورخین نے جب اپنی تاریخ کی نگارش پر قلم اٹھایا تو اس تاریخ کو ان تینوں طبقوں پر منقسم کیا۔ عرب بائدہ، عرب عاربہ اور عرب مستعربہ میں یہاں بہت ہی مختصر طور پر ان تینوں طبقات کا ذکر کروں گا۔

۱۔ عرب بائدہ کے معنیٰ ہلاک ہو جانے والوں کے ہیں اس لئے اس سے مراد سرزمین عرب کی وہ قدیم ترین قومیں ہیں جو سب سے پہلے ملک عرب میں آکر آباد ہوئیں اور قرآن حکیم کے اس ارشاد کے بموجب: فاذا جاءَ اَجلُھُم لایستاخرون ساعۃ وَلَایَستقدِمُون۔

یہ سب اپنے اپنے مقررہ وقت پر عرب ہی میں ختم ہوگئیں اگرچہ ان کی محض شاخیں دوسرے ممالک میں مدت ہائے دراز تک باقی رہیں، یہ قومیں ہیں، عاد اول، عاد ثانیہ، ثمود اول، ثمود ثانیہ، جرہم، طسم، جدیس، بنی لحیان اور بنی معین! میں یہاں ان قوموں کی تاریخ اور مختصر تاریخ بیان کرنے سے معذور ہوں کہ میں اپنے موضوع سے بہت ہٹ جاؤں گا قرآن پاک میں ان کے احوال مختلف سورتوں میں موجود ہیں۔

وثمود الذین جابوا الصّخر بالواد۔

اور

ذَاتُ العِمَادُ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی البِلَادِ۔

ان ہی کے بارے میں ارشاد ربانی ہے عاد تمام عرب میں پھیلے ہوئے تھے، حضرت ہود علیہ السلام ان کی اصلاح کے لئے مامور ہوئے تھے قوم نے نافرمانی کی اور تباہ ہوگئی جو بچ رہے وہ عاد ثانیہ کہلائے جناب لقمان عاد ثانیہ کے نامور بادشاہ تھے۔ قوم عاد ثانیہ خدا پرست اور شریعت ہود علیہ السلام کی متبع تھی۔

عاد ثانیہ حضرموت سے جزیرہ نمائے عرب کے شرقی سواحل (خلیج فارس) کے کنارے کنارے عراق تک پھیلے ہوئے تھے ثمود کا مرکز ارض حجاز تھا لیکن یہ بھی ارض حجاز سے حدود سینا تک یعنی عرب کے مغربی ساحل بحر قلزم تک بسے ہوئے تھے وادی القریٰ کا شہر "حجر" ان کا خاص مرکز تھا، پہاڑوں کو کاٹ کر قلعے اور مکانات بنانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ یہی قرآنی زبان میں "ذات العماد" یعنی ستونوں والے ہیں، ان کی عمارتیں آج بھی زمانے کے لئے درس عبرت ہیں یہ حضرت صالح علیہ السلام کی نافرمانی کے باعث تباہ ہوئے۔ اہل معین کی آبادی یمن میں سمندر کے کنارے سبا اور حضرموت کے کنارے تھی یہ قوم سلطنت سبا کی ہم عصر تھی۔

جرہم: تمام حجاز میں پھیلے ہوئے تھے اور یہی وہاں کے حکمراں تھے۔ ان کے علاوہ بھی عرب بائدہ کی چند قومیں تھیں لیکن وہ بالکل مجہول الحال قوموں کی طرح تاریخ کے صفحات پر صرف اپنا نام باقی چھوڑ گئی ہیں۔ عبیل، عمیس، امیم، ارقم اوزاد باران ہی مجہول الحال قوموں کے نام ہیں۔

عرب عاربہ: عاربہ کے معنی حضریت سے محروم صحرائی یعنی بدوی کے ہیں ممکن ہے کہ اس قوم کی ابتدا بدویت اور دشت نوردی سے ہوئی ہو حالانکہ ترقی کی راہ میں یہ بہت آگے نکل گئی تھی عرب عاربہ میں بڑی بڑی متمدن قومیں پیدا ہوئیں اور ایسی متمدن کہ زبردست سلطنتوں کی مالک ہوئیں، عرب عاربہ عرب بائدہ کے بعد جنوبی عرب میں نمودار ہوئے، یمن ان کا پہلا مستقر اور مرکز تھا، یہاں سے پھر یہ دوسرے ممالک میں پھیلے۔ عرب عاربہ کا مورث اعلیٰ قحطان ہے جو یمن کا پہلا بادشاہ گزرا ہے اسی نے سب سے پہلے تاج شاہی استعمال کیا اس سے پہلے سلاطین تاجپوشی سے ناآشنا تھے، قحطان، سام بن نوح کی نسل سے ہے اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے دو ہزار دو سو برس پہلے مملکت یمن پر حکمرانی کرتا تھا۔ حضرموت کا وسیع ریگستانی علاقہ اسی قحطان کے فرزند حضارموت کے نام موسوم تھا! جو آج بھی دنیا کے عظیم ریگزاروں میں شمار ہوتا ہے اور حضرموت کے نام سے جانی پہچانی چیز ہے، عصر حاضر کے عرب اس کو "ربع الخالی" سے بھی موسوم کرتے ہیں اس کی نسل نے حضرموت کی سلطنت قائم کی، آخر میں یہ سلطنت، مملکت سبا کے تحت میں آگئی اور جنگ و جدل کے طویل سلسلے میں ان کو برباد کر دیا جو نسل باقی رہی وہ قبیلہ بنی کندہ میں ضم ہوگئی۔

بنی قحطان کی سب سے نامور سلطنت "سبا" کی سلطنت تھی، سبا قحطان کا نبیرہ تھا اور اس کا نام عبد شمس تھا۔ لیکن سبا لقب پڑ گیا اور اصل نام ذہنوں سے محو ہوگیا، سبا بڑی متمدن اور مہذب سلطنت تھی ان کی سلطنت اور حکومت کا دور ایک ہزار برس سے زیادہ مدت تک جاری و ساری رہا

قوم سبا کا جب دوسرا دور شروع ہوا تو انھوں نے اپنا مرکز اور مستقر شہر مآرب کو بنا لیا شاہ سبا "تبع آمر" نے نشۂ قدیم میں "سد مآرب" تعمیر کی جس کو اہل یمن اپنی زبان میں عرم کہتے تھے اس کے ذریعے ایک بہت بڑی وادی کا راستہ روک کر ایک عریض و عمیق تالاب بنایا گیا جو فن ہندسیہ کا ایک عظیم کارنامہ تھا اس کے ذریعہ تمام ملک سرسبز و شاداب ہوگیا "سد مآرب" یا عرم کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے چھ سو برس قبل ایک عظیم سیلاب نے طوفان نوح (علیہ السلام) کا

منظر پیش کرتے ہوئے توڑ پھوڑ کر رکھ دیا اور ساری مملکت سبا تباہ و برباد ہوگئی۔

سبا کی وسیع اقلیم میں یہ تین ممالک تھے یعنی حبش، یمن اور شمالی عرب کے بعض علاقے ۶۱۶ء قبل ولادت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں اس سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا اور حبش کی سلطنت پر اکسومی خاندان قابض ہوگیا اور شمالی عرب پر بنی اسمٰعیل کا تصرف ہوگیا اسی زمانے میں "ملوک حمیر" نمودار ہوئے یہ بھی اپنے آپ کو "ملوک سبا" کہتے تھے اس لئے کہ یہ نسل "یعرب بن قحطان" سے تھی!

حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے چار سو سال قبل حبشیوں نے اس حمیر سلطنت پر یورشیں شروع کر دیں اور ساحلی مقامات نیز حضر موت مستقلاً ان کے تصرف میں آگئے، حمیری سلاطین نے اپنا لقب "تبع" رکھا تھا جو حمیری اور سبائی زبان کا لفظ ہے۔ حمیری تبع یا سلاطین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ۶۴ سال قبل تک ان تمام علاقوں پر قابض رہے لیکن اس کے بعد حبشیوں کو ان علاقوں پر دوبارہ اقتدار حاصل ہوگیا۔ یہ تھا عرب عاریہ کا مختصر حال اور ان کی بہت ہی مختصر تاریخ۔

تیسرا طبقہ "عرب مستعربہ" یعنی عرب بن جانے والے لوگ! یہ وہ قوم ہے جو غیر عرب ممالک سے آکر عرب میں آباد ہوئی اور پھر یہاں رہتے رہتے عرب بن گئی، اس قوم کی بنیادیں اس وقت پڑیں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے کمسن شیر خوار فرزند اسمٰعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو اس "وادی غیر ذی زرع" میں چھوڑ کر واپس چلے گئے، اسی میں شہر مکہ آباد ہے۔ یہ واقعہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تقریباً تین ہزار چار سو سال قبل کا ہے اور تعمیر کعبہ ان ہی دو بزرگ ہستیوں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور عنفوان شباب میں قدم رکھنے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مقدس ہاتھوں سے ہوئی۔ قرآن حکیم میں:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ

سے اسی تعمیر بیت اللہ کی جانب اشارہ ہے، تعمیر کعبہ حضرت ابراہیم کی پیری اور حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کے عنفوان شباب کا واقعہ ہے، اس وادی میں بنی اسمٰعیل و بنی جرہم کی اولاد روز بروز بڑھتی گئی، ان کے علاوہ دو اور قومیں بھی اس علاقہ میں آکر آباد ہوگئیں ایک یہود اور دوسری صابئی، یہود تو ارض کنعان اور مصر سے یہاں آکر آباد ہوئے اور صابئی عراق و بابل سے فرار ہوکر یہاں آکر بس گئے رفتہ رفتہ یہود کی آبادی کا دائرہ وسیع ہونا شروع ہوا۔ یہ لوگ وادی القریٰ، خیبر، فدک، یثرب (مدینہ منورہ) اور بلاد یمن کے علاوہ خاص مکہ معظمہ میں بھی آباد ہوگئے، مہاجنی لین دین نے ان کی ساکھ بڑھادی اور یہ معزز سمجھے جانے لگے۔ صابئی اطراف مکہ اور دوسرے قریبی علاقوں اور بلاد و امصار میں آباد ہوگئے ان دونوں فرقوں اور قوموں کے علاوہ مسیحیوں کے مختلف فرقے بھی تھے جو شمالی عرب میں آباد تھے۔ ان مختلف فرقوں کے مذہب کا اثر یہاں کے قدیم باشندوں پر بھی پڑا اور کچھ نے یہودیت، صابئیت اور عیسائیت کو قبول کر لیا باقی بدستور اپنے بتوں کی پوجا میں لگے رہے، واضح رہے کہ دین مسیحی اور یہودیت کو قبول کرنے والوں میں زیادہ تر وہی لوگ تھے جو باہر سے آئے تھے عربی النسل خاندانوں میں سے بہت کم افراد نے ان مذاہب کو قبول کیا، یہی حال مسیحیت قبول کرنے والوں کا تھا کہ اس جماعت میں زیادہ تر عرب تھے جو پہلے عیسائی رہ چکے تھے اور پھر انھوں نے بت پرستی کو اپنا شعار بنا لیا تھا اب پھر مسیحی ماحول کے زیر اثر عیسائیت کی آغوش میں چلے گئے۔

آل اسمٰعیل: حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے سردار جرہم فصاض کی صبیہ سے شادی کی تھی اور ان کے بطن سے خداوند تعالیٰ نے ان کو بارہ فرزند عطا فرمائے اور فرزندوں کی اولاد سے بارہ سبط ابنائے اسمعیل بن گئے ان میں سے دس اسباط گمنام ہوکر دنیا سے ناپید ہوگئے صرف دو سبط باقی رہ گئے ایک نابتی منسوب بہ نابت اور دوسرا قیداری منسوب قیدار ان میں نابت خانہ کعبہ کے متولی ہوئے کچھ عرصہ بعد نابت کی اولاد بعض وجوہ سے حجاز چھوڑ کر عرب کے شمال کی طرف چلی گئی یہی نسل پھول پھل کر جزیرہ نمائے سینا سے

حدود عراق تک اور ارض مقدس کے حدود سے یثرب تک پھیل گئی۔

قیدار از ابنائے اسمٰعیل بنی نابت کے چلے جانے کے بعد باوجود مکہ ہی میں رہے اور یہ لوگ اپنے نانا ر(قضاعی) کے خاندان کے ساتھ مل جل کر رہنے لگے اور حرم الٰہی کی نگرانی و نگہبانی کے فرائض انجام دیتے رہے قیدار کی نسل برابر بڑھتی رہی اور اس کی شاخیں مکہ سے نکل کر سارے عرب میں پھیلتی رہیں مگر بنی قیدار کا ایک گروہ مکہ میں ضرور موجود رہتا اور حرم الٰہی کی خدمت کرتا۔ ہر سال موسم حج میں بنی اسماعیل جو قریبی اور دور کے علاقوں اور ملکوں میں پھیلے ہوئے تھے جوق در جوق مکہ آتے اور کعبہ کی زیارت کرکے واپس چلے جاتے، اس وقت تک ان میں بدویت سرایت کئے ہوئے تھی نہ انھوں نے مکانات بنائے تھے اور نہ حضریت کو قبول کیا تھا وہ تمدن کے جھمیلوں سے دور ہی دور رہے۔

حضرت اسماعیل کی وفات کے تقریباً بارہ سو سال بعد بنی قیدار میں عدنان نامی ایک بزرگ پیدا ہوئے عدنان کے بہت سے فرزند تھے ان میں سے معد نامی فرزند کو اسرائیلی سردار بخت نصر کی مضرتوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ان کو اپنے ساتھ "حران" لے گئے معد کی نسل کو اللہ تعالیٰ نے بڑی وسعت بخشی خصوصاً معد کے بیٹے "نزار" تمام عرب قبائل کے مورث اعلیٰ ہوئے، عرب کے تمام قیداری قبائل میں کوئی ایسا قبیلہ نہیں ہے جس کا سلسلہ نزار کے واسطے کے بغیر عدنان تک پہنچتا ہو، نزار کے پانچ فرزند ہوئے اور ان سے پانچ قبیلے وجود میں آئے بنی انمار، بنی آباد، بنی ربیعہ، بنی قضاعہ اور بنی مضر ان میں سے بنی ربیعہ اور بنی قضاعہ اور بنی مضر کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ اسی مدت میں بحرین میں بنی عبد القیس کی ریاست نجد میں بنی بکر بنی تغلب اور بنی کندہ کی ریاستیں اور ان کی رعایا انہی پانچوں متذکرہ آل نزار سے تھیں یعنی نسلاً یہ سب کے سب نزاری تھے۔ مضر کی تیسری پشت میں بنی مدرکہ موحد اور خدا پرست تھے بت پرستی کا ان میں شیوع نہیں ہوا تھا یہ سب دین حنیفی کے پیرو تھے بنی خزاعہ مکہ کے حکمران اور خانہ کعبہ کے متصرف تھے اس خاندان کے ایک رئیس اور فیاض شخص نے جس کا نام عمرو بن لحی تھا بت پرستی کو اپنا شعار بنایا ملک شام سے ہبل نامی بت لاکر کعبہ میں رکھ دیا اور اپنے اثر فیاضی کے اثرات سے دوسروں کو بھی بت پرست بنا دیا۔

مدرکہ کی نسل میں پانچ پشتوں کے بعد فہر پیدا ہوئے ان کو تمام نزاری قبائل کی سرداری کا شرف حاصل ہوا، ان ہی فہر کے چھ بطنوں کے بعد کلاب نامی سردار کے یہاں ایک عظیم ہستی پیدا ہوئی جو قصیٰ کے لقب سے مشہور ہوئی اگرچہ ان کا اصل نام زید تھا، فہر اپنی جوانی میں ہی بنی قضاعہ کے حاجیوں کے ساتھ مکہ آگئے تھے اور یہیں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ رہنے لگے تھے مکہ کی تولیت اور حکومت کے لئے بنی خزاعہ اور بنی نضر بن کنانہ میں جنگ چھڑ گئی اطراف مکہ میں جو چند قبائل آباد تھے وہ سب کے سب قصیٰ کے جھنڈے کے نیچے آکر جمع ہو گئے اس جنگ میں بنی خزاعہ کو ناکامی ہوئی اور قصیٰ مکہ حاکم اور کعبہ کے خادم مقرر کئے گئے!

قصیٰ نے تمام قبائل منتشرہ کو جو اب قریش کے معزز لقب سے ممتاز تھے مکہ ہی میں بسا لیا جو لوگ کعبہ کے قرب و جوار میں آباد ہوئے وہ قریش بطاح کہلائے اور جنھوں نے مکہ کے مضافات میں سکونت اختیار کی ان کو قریش ظواہر کہا جانے لگا

حضریت میں بدویت: اب تک شہر مکہ میں ہی لوگ خیموں کے اندر زندگی بسر کرتے تھے قصیٰ پہلے شخص ہیں جنھوں نے متمدن دنیا کی اہم ضرورت کو پورا کیا اور ان لوگوں کے لئے مکانات تعمیر کرائے اور مکہ کو جداگانہ منطقوں یا محلوں میں تقسیم کیا اس طرح قوم قیدار بن اسماعیل پہلی بار تمدن سے آشنا ہو کر متمدن اقوام کی صف میں شامل ہوئی۔ مکہ میں "دار الندوہ" کا قیام بھی قصیٰ ہی کی تجویز و تدبر کا مرہون منت ہے۔ قریش کی جانب سے قصیٰ نے پانچ اہم امور کی ذمہ داری قبول کرلی۔ اول "دار الندوہ" کی سربراہی، دوم حجابہ یعنی خانہ کعبہ کی دربانی، سوم سقایہ یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کا انتظام چہارم "رفادہ" یعنی حاجیوں کے طعام کا بندوبست پنجم لوا یعنی

علم برداری کی نگہداشت جنگ کے وقت فوجی دستوں کے لئے جھنڈوں کی تیاری اور ان کی سپردگی۔

قصیٰ کے دوسرے مشہور فرزند عبد مناف ہیں جو حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ یعنی عبد المطلب کے دادا ہیں۔ قصیٰ اور عبد مناف کی کوششوں سے عرب تمدن آشنا ہوئے اور شہری زندگی کی خصوصیات کو انھوں نے اپنایا لیکن قبائلی بدویت کا وہ خاتمہ نہ کر سکے اور نہ وہ ان کے جذبہ مفاخرت کو دبا سکے، شعر و شاعری اور شاعری میں حسن و عشق کی داستانیں خصوصاً بنت عم سے معاشقہ اور اس پر تفاخر، شہ سواری اور نیزہ اندازی ان کے محبوب مشاغل اور روزمرہ کی زندگی کی مصروفیات تھیں شاعری جو نسلی تفاخر اور عشقیہ جذبات کی ترجمانی و ابلاغ کا ذریعہ تھی ان کا ادب تھا اور اسی کو وہ ادبیات سے تعبیر کرتے تھے اس وقت ساری زبانیں، سامی اقوام کی طرح دم توڑ چکی تھیں۔

یہ جو کچھ میں نے عرض کیا اور عربوں کی قدیم تاریخ کے کچھ ورق الٹے اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ آپ پر ان انقلابات اور قوموں کے عروج و زوال کی کچھ نشاندہی ہو سکے جو اس وقت کی زبانوں پر اثر انداز ہوئے۔ یہ اثرات اس قدر گہرے اور دیر تک قائم رہنے والے تھے کہ کچھ زبانوں کو تو تاریخ سے یکسر ہٹا دیا اور بعض کے کچھ نشانات آثار و کتبات کی صورت میں موجود ہیں اور مدتوں سے ان کے پڑھنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور اب تک حسب دلخواہ اس میں کامیابی نہیں ہوئی ہے! قوموں کے عروج و زوال کے ساتھ ان اقوام و ملل کی زبانوں کا عروج و زوال بھی وابستہ ہوتا ہے جنھوں نے کبھی عروج کے بلند میناروں کو چھوا اور پھر زوال کی سیل تند رو نے ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا، پاکستان میں موہن جوڈرو کی تہذیب ہزاروں سال پرانی (تحقیق و تفحص کے بعد) بتائی گئی ہے اور اس کے شواہد بھی موجود ہیں لیکن اس عہد کی زبان جو زیادہ تر مہروں پر کندہ ہے آج تک نہیں پڑھی گئی۔ ایران میں قدیم دور کے کتبات اور خط میخی و پیکانی کی الواح موجود ہیں برسوں کی محنت کے بعد ان کے پڑھنے میں کچھ کشود کاری ہوئی۔

معاشرہ بغیر زبان کے نہ نشو و نما پا سکتا ہے اور نہ زندہ رہ سکتا ہے افہام و تفہیم کے لئے زبان سے آوازیں نکالنا ہی پڑتی ہیں ان ہی آوازوں کو ایک مربوط اور منظم سلسلہ میں جب اس عصر کے دانشور مرتب کر دیتے ہیں یا معاشرتی تعلقات اور سماجی ضروریات ان کو منظم و مربوط کر دیتی ہیں تو صورت حرف کا اور حرف الفاظ کا جامہ پہن لیتے ہیں اور ان الفاظ کا باہمی ربط و ضبط کلام کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ لغات یعنی اسماء وجود میں آتے ہیں اور پھر ان لغات کو قوت حافظہ اپنے اندر محفوظ کر لیتی ہے اور لغات سے تحفظ کی قلت یا کثرت، افراد پر علم و فضل کی چھاپ لگاتی ہے۔

مصر کی تہذیب بہت قدیم ہے لیکن وہ بھی لغات کا تحفظ سنگین الواح کے سوا اور کسی ظاہری صورت میں نہ کر سکے الشوری، کلدانی، فنیقی تہذیبیں ایجاد و اختراع کی دنیا میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں اور ان میں سے بعض متمدن اقوام میں بھی شمار کیا جاتا ہے۔ ان اقوام میں بھی افہام و تفہیم کا ذریعہ یہی لغات تھے جو صوتیات سے بنائے گئے تھے، بابلی تہذیب میں کاغذ ایجاد ہوا جو زبان کی بقا کے لئے ایک اہم چیز تھا۔ ورنہ عموماً عمدہ مدبوغ چمڑے اور جھلیوں کو لکھنے کے کام میں لایا جاتا تھا، بہر حال متمدن قوم ہو یا غیر متمدن زبان کی محتاج ہے اور زبان سے اس کا گریز ناممکن ہے چنانچہ عرب کی امم سابقہ کا ہی زبان سے رابطہ ناگزیر تھا یعنی ان میں سے ہر ایک قوم کی زبان تھی اور بہت ممکن ہے کہ ایک شاندار قوم کی زبان اس کی دوسری ہمسایہ قومیں بھی استعمال کرتی ہوں اس طرح یہ دائرہ ایک قوم سے دوسری قوموں تک وسیع ہو کر پھیل گیا ہو۔

"ماہرین لسانیات" نے قدیم متمدن دنیا کے لئے دو اہم زبانوں کی نشاندہی کی ہے ایک "ہند اروپائی" اور دوسری "سامی"، ہند اروپائی میں وہ تمام زبانیں شامل ہیں جو غیر عرب و عجم، (ہند اور یورپ) میں بولی جاتی ہیں، سسٹم جس کی شاخیں ہند میں پیاکا، پراکرت، سنسکرت اور غیر ہند میں بالتو سلاوی

آرمینی ابسارنی ایران میں پارسی پاستان، پہلوی اور موجودہ فارسی اور دوسری شاخ "جوکنیشم" کہلاتی ہے اس میں اس کا نیڈیو ڈنمارک، انگلیسی، ہندی، لاطینی، یونانی، اشپالیائی، فرانسوی، اور ہسپانوی شامل ہیں۔

سامی زبانوں میں صرف دو زبانیں باقی ہیں عربی اور عبرانی تورات وزبور وانجیل کی زبان عبرانی ہے اسی زبان میں یہ صحف نازل ہوئے لیکن آج ان کی صورت بہت کچھ بدل گئی ہے تحریف نے ان کے اصلی خد وخال میں بہت کچھ تبدیلیاں کردی ہیں۔

۱۲۲۵ھ ق م میں جب عبرانی قبائل (بنی اسرائیل) صحرائے سینا اور نفود میں چالیس سال تک مقیم رہے اسی زمانے میں توراۃ کا صحیفہ الٰہی نازل ہوا تھا، آج وہ اپنی اصل صورت میں نہیں ہے

عربی زبان جیسا کہ ابھی عرض کیا سامی الاصل ہے دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو عربوں کے مقابل میں آکر اظہار کی ان جیسی شیدائی ہو اور شاید ہی کوئی زبان ایسی ہو جو عربی کی طرح اثر آفرینی میں اس جیسا درجہ رکھتی ہو، یہ تسلیم ہے کہ اصلی سامیوں کی طرح عرب کوئی عظیم آرٹ پیدا نہ کرسکے اور نہ انھوں نے ان کو نشو ونما دی جس طرح عبرانیوں نے اپنے مذہبی گیتوں میں اپنی زبان دانی کے کمال کے اظہار کا محل وموقع تلاش کرلیا تھا اور یونانیوں نے فن سنگ تراشی اور فن تعمیر کو اپنے کمال کا معیار قرار دیا تھا اسی طرح عربوں کی فن کارانہ فطرت نے اپنے اظہار کمال کا صرف ایک طریقہ ڈھونڈ لیا تھا اور وہ تھا خطابت خواہ وہ نثر میں ہو یا نظم میں، خطابت میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا لیکن انھوں نے نثر سے زیادہ نظم کو اظہار خیال اور خطابت کا ذریعہ بنایا تھا، خطابت سے مراد پند وموعظت نہیں ہے بلکہ خطابت سے مراد، اپنی ذات اور اپنے آباواجداد کے کمال کا اظہار تھا اور اس وصف میں عرب اپنا ثانی اور عدیل نہیں رکھتے تھے ابھی میں نے عرض کیا ہے کہ عہد جاہلیت میں عربوں نے شاعری (نظم) کو اپنے اظہار کمال کا ذریعہ بنایا تھا" ان کے یہاں یہ ضرب المثل بہت زیادہ استعمال ہوتی تھی کہ "مرد کا حسن اس کی زبان کی فصاحت میں مضمر ہے" اسی قبیل کی ایک اور کہاوت ہے کہ "عقل چینیوں کے ہاتھوں پر اور عربوں کی زبان پر اتری ہے"

فصاحت یعنی نظم ونثر میں قوت اور بانکپن کے ساتھ اظہار کی صلاحیت، تیراندازی (جوان کے قوتِ لایموت کا ہی ذریعہ تھی) اور شہسواری، یہی تین چیزیں عہد جاہلیت میں ایک مکمل انسان کا سرمایہ یا بنیادی خصوصیات تھیں اور اس پر وہ اس قدر نازاں تھے کہ ظہور اسلام سے کچھ قبل بدویت کی آغوش میں پرورش پائے چند شعرائے عرب نے اپنی فکر شاعرانہ کے بہترین نمونے خانہ کعبہ کے دروازے پر آویزاں کردیئے تھے جو عرب کے زبان دانوں اور اصحاب فصاحت وبلاغت کے لئے ایک دعوت مقابلہ تھی، عربی ادبیات یہ سبعہ معلقات یا معلقاتِ سبع کے نام سے یادگار ہیں اور آج تک تاریخ ادب میں ان کے متون محفوظ ہیں، عہد جاہلیت کے یہ سات عظیم شعراء :

(۱) امرؤالقیس بن حجر بن عمرو الکندی۔

(۲) طرفہ بن عبدالبکری (۳) زہیر بن ابی سلمیٰ المزنی

(۴) لبید بن ربیعۃ العامری (۵) عمر بن کلثوم التغلبی

(۶) عنترہ بن شداد العبسی (۷) حارث بن حلزہ الیشکری۔ تھے

ان میں سے بعض کے چند اشعار مع ترجمہ آپ کے سامنے پیش کررہا ہوں لیکن اس سے قبل یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ شعرائے جاہلیت کی شعری خصوصیات میں یہ چند خصائص قدرِ مشترک تھے جن کو آپ خصوصیات شعری یا اسالیب شعری سے تعبیر کرسکتے ہیں۔

شعرائے جاہلیت کے اسالیب : ان کی شاعری کی ابتدا منزل محبوب پر آہ وزاری، منزلِ محبوب کے کھنڈروں سے سوال اور ان سے تخاطب، کھنڈروں کو سلام، ان کھنڈروں کے لئے سیرابی کی دعا، برق سے التجا کہ وہ محبوب کے اس گھر کو جگمگائے جو کھنڈر بن گیا ہے، محبوب کی جدائی اور اس کے فراق کے صدمے، کرب واضطراب درختوں سے تخاطب بنت عم سے معاشقہ کا اظہار یہ ان کے قصائد کی تشابیب کا پسندیدہ اور رچا بسا اسلوب تھا جس سے کسی عظیم اور پسندیدہ شاعر کو گریز ممکن نہیں تھا، "معلقات سبع" کے شعرا کے یہاں اس تشبیہانہ اسلوب کو ملاحظہ کیجئے :

امرؤالقیس بن حجر بن عمرو الکندی عصری جاہلیت کا رئیس

الشعراء اپنے معلقہ (قصیدہ) میں اپنی محبوبہ عنیزہ کا ہمسفر ہونا بڑے ذوق وشوق سے بیان کرتا ہے لیکن اس قرب کے باوجود نشاطِ بجد کے باوصف وہ اس مخصوص شعری اسلوب کو ترک نہ کرسکا اور وہ قصیدہ کی تشبیب میں کہتا ہے۔

قفا نبك من ذكرى حبيب و منزل
بسقط اللوى بين الدخول فحومل

(اے دونوں دوستو! ذرا ٹھہرو! کہ ہم محبوب اور اس کے گھر کو یاد کرکے رولیں جو ریت کے ٹیلے کے اختتام پر مقامات دخول اور حومل پر ہیں)

فتوضح فالمقراة لم يعف رسمها
لما نسجتها من جنوب و شمال

(توضح اور مقراۃ کے درمیان وہ گھر واقع ہے جس کے نشانات اس وجہ سے نہیں مٹے کہ اس پر جنوبی اور شمالی ہوائیں برابر چلتی رہتی ہیں)

تشبیب میں یہی اسلوب معلقات سبع کے دوسرے شاعروں کا ہے۔ طرفہ بن عبد البکری کہتا ہے۔

لخولة اطلال ببرقة ثهمد
تلوح كباقي الوشم في ظاهر اليد

(خولہ کے گھر کے نشانات ثہمد کی پتھریلی زمین پر اس طرح چمک رہے ہیں جیسے گودے ہوئے ہاتھ کی پشت پر باقی ماندہ نشانات)

وقوفا بها صحبي على مطيهم !
يقولون :- لا تهلك ! اسى وتجلد

(میرے احباب میری وجہ سے ان کھنڈروں پر اپنی سواریاں کو روکے کہہ رہے تھے کہ غم فراق سے ہلاک مت ہو اور صبر وہمت سے کام لو)

اب زہیر بن ابی سلمیٰ المزنی کی تشبیب ملاحظہ ہو، کہتا ہے

امن ام اوفیٰ دمنة لم تكلم
بحومانة الدراج فالمتثلم

(کیا یہ کوڑا گھر جس نے مجھ سے بات نہ کی ام اوفی کا گھر ہے جو دراج اور متثلم کی پتھریلی زمین پر واقع ہے)

بها العين والارام يمشين خلفة
واطلاؤها ينهضن من كل مجثم

(ان مکانات میں نیل گائیں اور ہرن آگے پیچھے پھر رہے ہیں اور ان کے بچے ادھر ادھر سے دودھ پینے کے لئے اٹھتے ہیں)

لبید بن ربیعۃ العامری اپنے قصیدہ کی تشبیب میں کہتا ہے

عفت الديار محلها فمقامها
بمنى تابد غولها فرجامها
فمدافع الريان عرى رسمها
خلقا كما ضمن الوحي سلامها

(منیٰ میں تھوڑے دن اور زیادہ دن ٹھہرنے کے مکانات برباد ہوگئے اور کوہ غول ورجام کے مکانات خشت کدہ بن گئے ہیں اسی طرح کوہ ریان کی نالیاں ویرانی کے باعث وحشتناک ہوگئی ہیں جن کے نشانات اب بھی اس طرح باقی ہیں جس طرح پتھر پہ کندہ نقوش کتابت کے ضامن ہوتے ہیں")

میں معلقات سبع کے تمام شعرا کے قصائد تشبیب پیش نہیں کروں گا، ان تشابیب کے پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ پر واضح ہوجائے کہ جاہلیت کی شاعری میں تشبیب ایک ضروری جزو تھا اور اس اسلوب اور رنگ شاعری کا اثر اس قدر گہرا ہوا کہ قرنوں تک عربی شاعری میں قصائد اسی قسم کی تشبیب سے آراستہ رہے گویا یہ اسلوب شاعری میں اس طرح رچ و بس گیا کہ جاہلیت ہی کی شاعری پر موقوف نہیں بلکہ اس کے بعد کی شاعری بھی بغیر تشبیب کے پھول پھل نہ سکی۔

شاعر جاہلیت زہیر بن ابی سلمیٰ کے فرزند حضرت کعب جب فتح مکہ کے بعد اپنے مسلمان بھائی کی تحریک وترغیب پر بارگاہ نبوت میں قبول اسلام کے لئے حاضر ہوئے تو انھوں نے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں جو قصیدہ پیش کیا تھا وہ بھی اسی اسلوب سے آراستہ وپیراستہ تھا انھوں نے بھی عصر جاہلیت کی شعری تشبیب سے اپنی نعت پیش کی، یہ قصیدہ اپنی تشبیب ہی کے باعث "قصیدہ بانت سعاد" کے نام سے معروف ہے حضرت کعب کے قصیدے کی تشبیب سے دو اشعار پیش کروں گا: فرماتے ہیں۔!!

بانت سعاد فقلبی الیوم مبتول
متیم اثرہا لم یفد مکبول
و ماسعاد غداۃ البین اذ رحلت
الا اغن غضیض الطرف مکحول

یعنی "سعاد جدا ہو گئی اور میرا دل (اس کی فرقت میں) آج بیمار ہے جو اس کی محبت میں قید ہے عوض دے کر بھی اس قید سے رہائی نہیں مل سکتی۔
سعاد کل صبح جدا ہو کر چلی گئی مگر اس کی سرگیں چشم مجھے اس طرح اشارہ کرتی تھی جیسے ہرن مجھے دیکھ کر باریک اور خوش آئند آواز نکالتا ہے۔"

غور تو فرمایئے نعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قصیدہ ہے لیکن "سعاد کے فراق" سے نعتیہ قصیدہ شروع کیا جا رہا ہے قصیدہ "بانت سعاد" میں تشبیب کے ۳۲ اشعار ہیں اور نعت مصطفوی میں ۳۰ سے بھی کم اشعار ہیں، یہ وہی قصیدہ ہے جس کو سماعت فرماتے ہوئے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ردائے مبارک حضرت کعب کو عطا فرما دی تھی جو اس وقت آپ کے دوش اقدس پر تھی!!

حضرت کعب ہی پر کچھ موقوف نہیں، عربی شاعری کے اسالیب میں یہ اپنا ایک خاص مقام رکھتی تھی بعد کے نعت نگار شعراء، صاحب قصیدہ بردہ امام بوصیری اور دوسرے نعت گو شعراء اس سرزمین ہند و پاک میں مشہور زمانہ عربی شاعر حضرت میر غلام علی آزاد بلگرامی کے قصائد بھی اس تشبیب سے خالی نہیں ہیں ان تمام حضرات نعت نگار کے قصائد تشبیب ہی سے شروع ہوتے ہیں، یہ پاکیزہ اور مقدس نفوس اپنی عربی شاعری میں عہد جاہلیت کے پسندیدہ اسلوب کو ترک نہ کر سکے حضرت امام محمد بن سعید بوصیری مصری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور قصیدہ بردہ کو اس طرح شروع کرتے ہیں۔

امن تذکر جیران بذی سلم
مزجت دمعا جری من مقلۃ بدم

یعنی کیا ان ہمسایوں کی یاد میں تیری آنکھوں سے اشک ہائے خونیں رواں ہیں جو ذی سلم میں تھے۔"

مسجد المطار

ام ہبت الریح من تلقاء کاظمۃ
او اومض البرق فی الظلماء من اضم

"یا کاظمہ کی جانب سے ہوا آرہی یا کوہ اضم کی طرف سے برق چشمک زنی کر رہی ہے ان اندھیروں میں (اندھیری راتوں میں)"

امام بوصیری کے یہاں تشبیب کے ۱۳ اشعار ہیں اس کے بعد اعتراف تقصیر و بیان نفس ہیں، ۲۷ اشعار ہیں اس کے بعد نعت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں سو سے زیادہ اشعار ہیں عہد جاہلیت کی شاعری کا جائزہ لیجئے آپ کو قصی سے سرکار دو عالم صلی اللہ وسلم کی بعثت تک عربی شاعری میں یہی اسالیب ملیں گے میں بحث کو طول دینا نہیں چاہتا آپ کے سامنے صرف چند شعراء کا کلام بطور نمونہ پیش کر دیا ہے جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔ ہاں مداح رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کا کلام جو نعت نبوی میں ہے وہ ان تشابیب سے خالی ہے بطور مختصر یہ سمجھ لیجئے کہ عربی شاعر کا اسلوب خاص یہ ہے کہ اگر قصیدہ ہے تو وہ تشبیب سے خالی نہیں ہوگا اور اگر غیر مسلسل اشعار ہیں تو ان میں تشبیب نہیں ہوگی واضح رہے کہ عربی تشبیب ہی کو عجمیوں نے غزل قرار دے لیا تھا، عربی شاعری، غزل، مثنوی اور رباعی سے خالی ہے یہ سب عجم کی اختراع ہے جس کی اردو شاعری میں بھرپور تقلید کی گئی ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

نسیم شاہجہانپوری
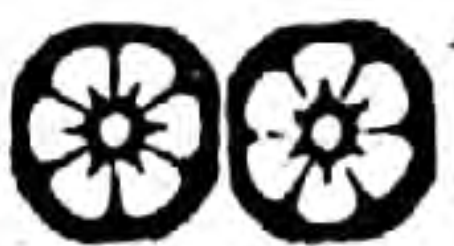
نہ اسلام ہوتا، نہ ایمان ہوتا،
نہ مومن، نہ کوئی مسلمان ہوتا
نہ کوئی فرشتہ، نہ انسان ہوتا
خدا کا کسی کو نہ عرفان ہوتا
محمدؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

مساوات ہوتی، نہ تطبیق ہوتی
نہ آدم کو طاعت کی توفیق ہوتی
نہ دوزخ نہ جنت کی تصدیق ہوتی
نہ دنیا، نہ عقبیٰ کی تخلیق ہوتی
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

نہ کچھ خاص ہوتا، نہ کچھ عام ہوتا
نہ ظلمت، نہ تنویر کا نام ہوتا
نہ جبریل، نہ وحی و الہام ہوتا
نہ آغاز ہوتا، نہ انجام ہوتا
محمدؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

نہ اجمال ہوتا، نہ تفصیل ہوتی
نہ تشکیل ہوتی، نہ تکمیل ہوتی
نہ تشبیہ ہوتی، نہ تمثیل ہوتی
نہ توریت ہوتی، نہ انجیل ہوتی
محمد نہ ہوتے، تو کچھ بھی نہ ہوتا

یہ عالم، یہ دل کش نظارے نہ ہوتے
یہ خورشید، یہ چاند تارے نہ ہوتے
یہ دریا، یہ ساحل، یہ دھارے نہ ہوتے
یہ سامان سارے کے سارے نہ ہوتے
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

پیمبر نہ ہوتے، صحیفہ نہ ہوتا
درودیں نہ ہوتیں، وظیفہ نہ ہوتا
خلافت نہ ہوتی، خلیفہ نہ ہوتا
طریق جناب حنیفہ نہ ہوتا
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

شریعت نہ ہوتی، طریقت نہ ہوتی
نبوت نہ ہوتی رسالت نہ ہوتی
قیامت نہ ہوتی، شفاعت نہ ہوتی
کسی کو کسی شے کی حاجت نہ ہوتی
محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا،

نہ صدیق جیسا وفادار ہوتا
نہ کوئی عمر سا فداکار ہوتا
نہ عثمان و حیدر سا خوددار ہوتا
کوئی چار میں سے نہ اک یار ہوتا
محمدؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ حج

حضرت مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی

سنہ ۹ ہجری میں حج فرض ہوا۔ اس سال حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود تو حج کے لئے تشریف نہیں لے گئے لیکن آپ نے ۳۰۰ مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے حج کے لئے مکہ مکرمہ بھیجا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر الحج اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نقیب اسلام۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص وحضرت جابر بن عبد اللہ وحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کو معلم بنا دیا۔ اور اپنی طرف سے قربانی کے لئے ۲۰ اونٹ بھی بھیجا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ پہنچ کر حرم کعبہ اور عرفات ومنیٰ میں خطبہ پڑھا اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور سورہ براءۃ کی چالیس آیتیں پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سنانے لگے اور اعلان کر دیا کہ اب آئندہ کوئی مشرک حرم کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا نہ کوئی شخص ننگا ہو کر کعبہ معظمہ کا طواف کر سکے گا۔ اور چار مہینے کے بعد کفار ومشرکین کے لئے امان ختم کر دی جائے گی۔ حضرت ابوہریرہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس اعلان کی اس قدر چلا چلا کر منادی کی کہ ان لوگوں کا گلا بیٹھ گیا اس اعلان کے بعد کفار ومشرکین فوج کی فوج آکر مسلمان ہونے لگے۔ اور پورے ملک میں ہر طرف امن وامان کی خوشگوار فضا پیدا ہو گئی۔

(طبری جلد ۴ ص ۱۷۲۱ اور زرقانی ج ۳ ص ۹۱ تا ص ۹۳)

پھر آئندہ سال یعنی ذوالقعدہ سنہ ۱۰ھ میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے لئے روانگی کا اعلان فرمایا۔ یہ خبر بجلی کی طرح ہر چہار جانب پھیل گئی اور تمام عرب اس مقدس سفر میں شرف ہمرکابی کے لئے چاروں طرف سے امنڈ پڑا یہ آپ کا آخری حج تھا۔ اور ہجرت کے بعد آپ کا یہی پہلا حج تھا۔ چونکہ اس حج میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل عرب کو اس طرح گلے لگا کر رخصت فرمایا تھا جس طرح دنیا سے سفر کرنے والا اپنے متعلقین کو وداع اور رخصت کیا کرتا ہے اسی لئے اس حج کا نام حجۃ الوداع پڑ گیا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ ذوالقعدہ سنہ ۱۰ھ کے آخر میں جمعرات کے دن مدینہ منورہ میں تہمد اور چادر زیب تن فرمایا اور نماز ظہر مسجد نبوی میں ادا فرما کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ اور اپنی تمام ازواج مطہرات کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ مدینہ منورہ سے چھ میل دور اہل مدینہ کی میقات (ذوالحلیفہ) پر پہونچ کر رات بھر قیام فرمایا پھر احرام کے لئے غسل فرمایا اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے جسم اطہر پر خوشبو لگائی پھر آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور اپنی اونٹنی "قصواء" پر سوار ہو کر احرام باندھا۔ اور بلند آواز سے "لبیک" پڑھا۔ اور مکہ

معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے ۔ کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے دائیں بائیں چاروں طرف حد نگاہ تک آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا بیہقی شریف کی روایت ہے کہ حجر اسود کے سامنے آپ تشریف لے گئے تو اس مقدس پتھر پر اپنے دست مبارک کو رکھ کر اس کا بوسہ دیا پھر خانہ کعبہ کا طواف کیا ۔ شروع کے تین پھیروں میں آپ نے رمل فرمایا ۔ اور باقی چار پھیروں میں اپنی معمولی چال سے چلے ۔ جب حجر اسود کے سامنے پہونچے تو کبھی لب مبارک کو حجر اسود پر رکھ کر بوسہ دیتے کبھی ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو چوم لیتے ۔ کبھی اپنی چھڑی سے حجر اسود کی طرف اشارہ کر کے چھڑی کو چوم لیتے تھے اور یہ بھی ثابت ہے کہ کبھی کبھی رکن یمانی کو بھی اپنے مقدس ہاتھ سے چھو کر چوم لیتے تھے ۔

نسائی ج ۲ ص ۳ و ص ۳۱

طواف سے فارغ ہو کر آپ مقام ابراہیم کے پاس تشریف لاتے اور وہاں دو رکعت نماز ادا فرمائی ۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر حجر اسود کے پاس تشریف فرما ہوئے اس مبارک پتھر کو اپنے مقدس ہاتھوں سے چھو کر استلام فرمایا اور حجر اسود کے سامنے والے دروازے سے صفا کی جانب روانہ ہوئے جب صفا کی پہاڑی کے قریب پہونچے تو اس آیت کی تلاوت فرمائی ۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ

(بیشک صفا اور مروہ اللہ کے دین کی نشانیوں میں سے ہیں)

پھر صفا اور مروہ کی سعی فرمائی اور چونکہ آپ کے ساتھ قربانی کے جانور تھے اس لئے عمرہ ادا کرنے کے بعد آپ نے احرام نہیں اتارا اس کے بعد آپ بحالت احرام مکہ معظمہ میں قیام پذیر رہے اور آٹھویں ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ جمعرات کے دن آپ منیٰ تشریف لے گئے ۔ اور پانچ نمازیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء، فجر منیٰ میں ادا فرما کر نویں ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ جمعرات کے دن آپ میدان عرفات میں تشریف لے گئے اور ایک کمبل کے خیمے میں قیام فرمایا ۔ اور تلبیہ و تکبیر آواز بلند پڑھتے رہے جب

سورج ڈھل گیا تو آپ نے اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر خطبہ پڑھا ۔ اس خطبہ میں آپ نے بہت ضروری احکام اسلام کا اعلان عام فرمایا اور زمانہ جاہلیت کی تمام برائیوں اور بیہودہ رسموں کو آپ نے مٹاتے ہوئے اعلان فرمایا کہ ۔

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ ۔ ترجمہ :- خبردار سن لو جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں قدموں کے نیچے پامال ہیں ۔

ابو داؤد ج ۱ ص ۲۶۳ و مسلم ج ۱ ص ۳۹۷

اسی طرح اس خطبہ میں زمانہ جاہلیت کے خاندانی تفاخر اور رنگ و نسل کی برتری اور قومیت میں اونچ نیچ وغیرہ تصورات جاہلیت کے بتوں کو پاش پاش کرتے ہوئے اور مساوات اسلام کا جھنڈا بلند فرماتے ہوئے تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ

ایها الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد لا فضل لعربی علی عجمی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی ۔

ترجمہ :- اے لوگو! بیشک تمہارا رب ایک ہے اور بیشک تمہارا باپ (آدم علیہ السلام) ایک ہے سن لو کسی عربی کو کسی عجمی پر کسی سرخ کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت نہیں ہے مگر تقویٰ کے سبب ۔

(مسند امام احمد)

اسی طرح آپ نے اپنے اس تاریخی خطبہ میں تمام دنیا میں امن و امان قائم فرمانے کے لئے اپنے زبان مبارک سے یہ خدائی فرمان جاری فرمایا ۔

إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا بَلَدِكُمْ هَذَا إِلَى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ ۔

ترجمہ :- بیشک تمہارا خون اور تمہارا مال تم پر تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح تمہارا یہ دن، تمہارا یہ مہینہ تمہارا یہ شہر محترم ہے ۔

(بخاری و مسلم ابو داؤد)
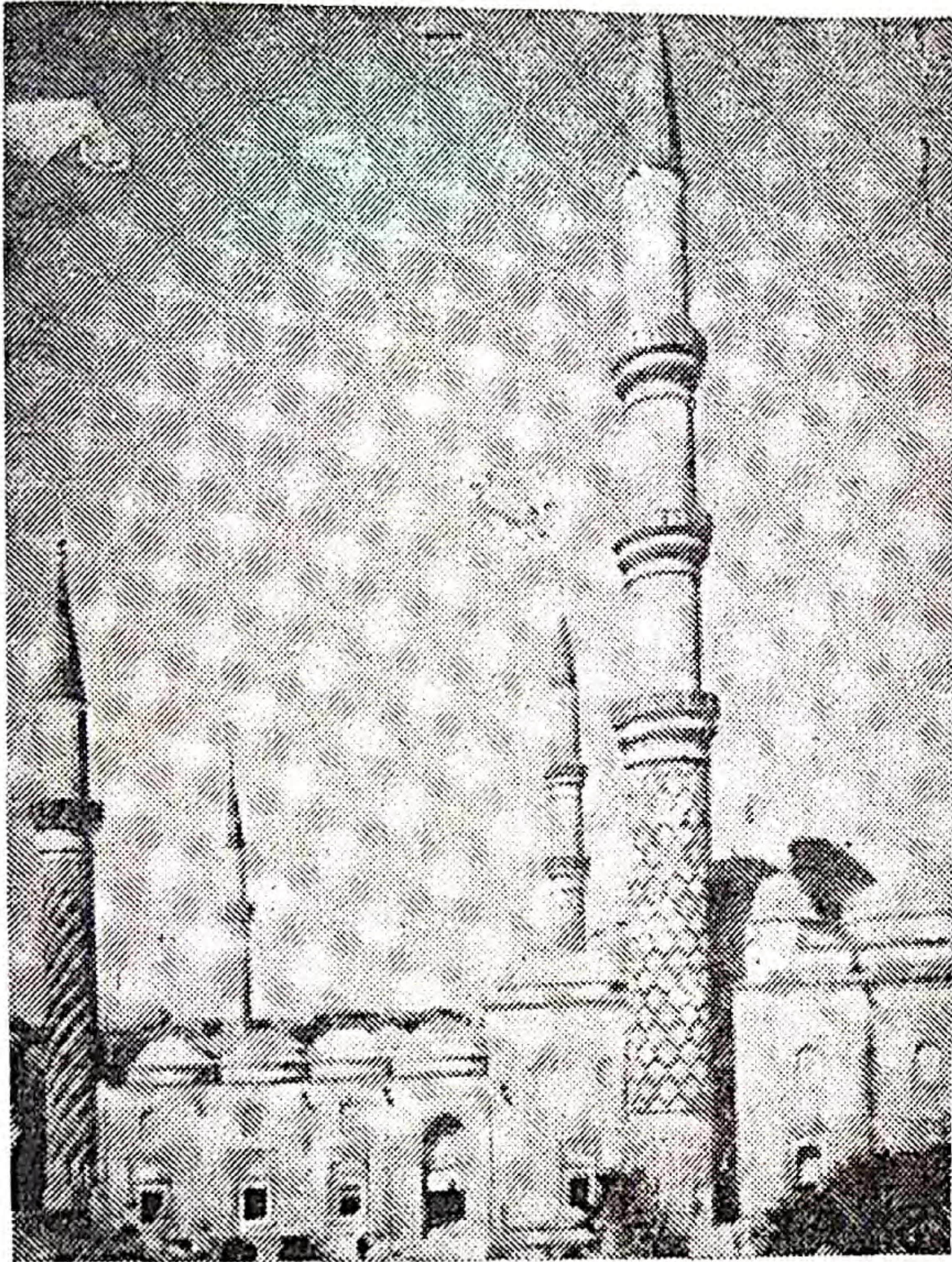
امن و سلامتی کے شہنشاہ تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس طویل تاریخی خطبے کا اختتام فرماتے ہوئے آخر میں سامعین سے فرمایا۔ کہ

وانتم مسئولون عنی فما انتم قائلون۔

(ترجمہ) تم سے خدا کے یہاں میری نسبت سوال کیا جائے گا تو بولو! تم لوگ کیا جواب دو گے۔

یہ سن کر تمام سامعین نے کہا کہ یا رسول اللہ ہم لوگ خدا سے کہدیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہونچا دیا اور رسالت کا حق ادا کر دیا۔ سامعین کا یہ جواب سننے کے بعد آپ نے آسمان کی طرف شہادت کی انگلی اٹھائی اور تین بار بآواز بلند فرمایا کہ۔

اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

(ابوداؤد ج ۱ ص ۲۶۳)

عین اسی حالت میں جب کہ خطبے میں آپ اپنا فرض رسالت ادا فرما رہے تھے اور خدا کے بندوں کو خداوندی فرمان سنا رہے تھے یہ آیت نازل ہوئی کہ :۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ

(ترجمہ) آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔

شہنشاہ کونین کا تخت شاہی

یہ حیرت انگیز و عبرت خیز واقعہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت شہنشاہ کونین خدا کے نائب اکرم خلیفۂ اعظم ہونے کی حیثیت سے فرمان ربانی کا اعلان فرما رہے تھے آپ کے تخت شاہی یعنی اونٹنی کا کجاوہ شاید دس روپے سے زیادہ قیمت کا نہ تھا نہ اس اونٹنی پر کوئی شاندار کجاوہ تھا۔ نہ کوئی ہودج نہ کوئی محمل۔ نہ کوئی چتر۔ نہ کوئی تاج کیا تاریخ عالم میں کسی اور بادشاہ نے بھی ایسی سادگی کا نمونہ پیش کیا ہے اس کا جواب یہی اور فقط یہی ہے کہ "نہیں"، خدا کی قسم یہ وہ زاہدانہ اور پیغمبرانہ شہنشاہی ہے جو صرف تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہنشاہیت کا طرۂ امتیاز ہے۔

خطبہ ختم فرمانے کے بعد آپ نے نماز ظہر و عصر ایک اذان اور اقامتوں سے ادا فرمائی پھر موقف میں تشریف لے گئے اور جبل رحمت کے نیچے غروب آفتاب تک آپ دعاؤں میں مصروف رہے سورج غروب ہو جانے کے بعد آپ میدان عرفات سے ایک لاکھ حاجیوں کے اژدہام میں مزدلفہ پہونچے یہاں پہلے مغرب پھر عشاء ایک اذان اور دو اقامتوں سے ادا فرمائی پھر مشعر حرام کے پاس رات بھر جاگ کر اپنی امت کے لئے دعائیں مانگتے رہے اور سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے اور وادی محسر کے راستے سے منیٰ میں آپ جمرہ کے پاس تشریف لائے اور کنکریاں ماریں پھر حاضرین کو مخاطب کر کے آپ نے بآواز بلند ارشاد فرمایا کہ۔

لتاخذو مناسککم فانی لا ادری
لعلی لا احج بعد حجتی ھذہ ۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

(ترجمہ) حج کے مسائل سیکھ لو میں نہیں جانتا کہ شاید اس کے بعد میں دوسرا حج نہ کرونگا
(مسلم ج ۱ ص ۴۱۹)

منیٰ میں بھی آپ نے ایک طویل خطبہ پڑھا جس میں میدان عرفات کے خطبے کی طرح بہت سے احکام ومسائل کا اعلان فرمایا۔ پھر قربان گاہ میں تشریف لے گئے آپ کے ساتھ قربانی کے ایک سو اونٹ تھے چند اونٹوں کو تو خود آپ نے اپنے دست مبارک سے ذبح فرمایا اور باقی اونٹوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرما دیا کہ وہ ان کو میری طرف سے ذبح کر دیں اور ان اونٹوں کا گوشت۔ پوست۔ جھول۔ نکیل سب کو خیرات کر دینے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ قصاب کی مزدوری بھی اس میں سے نہ ادا کی جاتے بلکہ الگ سے دی جاتے۔

موئے مبارک :۔

قربانی کے بعد حضرت معمر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے آپ نے اپنے سر کے بال اتروائے۔ اور کچھ حصّہ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ اور باقی موئے مبارک کو مسلمانوں میں تقسیم کر دینے کا حکم صادر فرمایا۔ اور احرام اتار دیا۔
(مسلم ج ۱ ص ۴۲۱)

اس کے بعد آپ منیٰ سے مکّہ مکرمہ تشریف لاتے اور طواف زیارت فرمایا جو حج کا رکن ہے۔

ساقی کوثر چاہ زمزم پر :۔

طواف زیارت سے فارغ ہو کر آپ زمزم شریف کے کنویں کے پاس تشریف لائے۔ آپ کے خاندان بنی عبد المطلب کے لوگ حاجیوں کو آب زمزم پلا رہے تھے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ مجھکو ایسا کرتے دیکھ کر دوسرے لوگ بھی تمہارے ہاتھ سے ڈول چھین کر خود اپنے ہاتھ سے پانی بھر کر پینے لگیں گے تو میں خود اپنے ہاتھ سے پانی بھر کر پیتا۔ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے زمزم شریف پیش کیا۔ اور آپ نے قبلہ رخ کھڑے کھڑے زمزم شریف نوش فرمایا۔ پھر آپ مکہ مکرمہ سے اسی دن منیٰ تشریف لاتے اور ۱۱، ۱۲، ذوالحجہ کو منیٰ میں مقیم رہے اور ہر روز سورج ڈھلنے کے بعد جمروں کو کنکری مارتے رہے۔ پھر ۱۳، ذوالحجہ منگل کے دن آپ سورج ڈھلنے کے بعد منیٰ سے روانہ ہو گئے اور مکہ مکرمہ پہونچکر مقام محصب میں رات بھر قیام فرمایا۔ اور صبح کو نماز فجر کعبہ کی مسجد میں ادا فرمائی اور طواف وداع کر کے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ مدینہ منورہ پہونچکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ذوالحلیفہ میں رات بسر فرمائی اور صبح کو مدینہ منورہ میں نزول اجلال فرمایا۔

یہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج حجۃ الوداع کا اجمالی خاکہ۔

فیضانِ ذی شان

اعلیٰ حضرت کے اشعار میں

مولانا محمد حسین صدیقی

امام اہلسنت، مجدد دین وملت، نازش عشق وعقیدت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ نے تحدیث نعمت اور اظہار حقیقت کے طور پر اپنی نعت گوئی کے بارے میں فرمایا کہ: ؎

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بیجا سے ہے المنۃ للہ، محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

اس دعوے کی دلیل کے طور مولانا محمد حسین صاحب صدیقی (ابوالحقانی) کا یہ پرکیف مضمون ملاحظ فرمائیے۔ جسے آیات قرآنی، احادیث نبوی اور اعلیٰ حضرت کے اشعار سے سجایا اور سنوارا گیا ہے۔ اور صاحبان عشق وعقیدت کے لئے ایک بیش بہا اور گرانقدر تحفہ بنادیا گیا ہے۔

(ادارہ)

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

ممنون ہے دنیا سرزمین مکہ کی، جہاں ایک ایسا آفتاب ہدایت طلوع ہوا کہ جس نے نہ صرف عرب کے ذرے ذرے بلکہ کائنات کے گوشے گوشے کو منور فرما دیا۔ احسان مند ہے عالم، گلستان مکہ کا، جہاں ایک ایسا پھول کھلا کہ جس کی مہک نے دنیا کے کونے کونے کو معطر فرما دیا۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ؎

گذرے جس راہ سے وہ سید والا ہو کر
رہ گئی ساری زمیں، عنبر سارا ہو کر

روایتوں سے ثابت ہے کہ آپ کی ولادت طیبہ کے وقت بعض حیرت انگیز واقعات ظاہر ہوئے۔ چنانچہ عثمان بن العاص کا بیان ہے کہ مجھ سے میری والدہ محترمہ حضرت فاطمہ نے فرمایا کہ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ ہوئی تو اس وقت میں موجود تھی۔ حضور کی ولادت کے وقت گھر کے در و دیوار تمام چیزیں منور تھیں۔ آسمان کے ستارے گھر کے بالکل قریب دکھائی دیتے تھے۔ یہاں تک کہ مجھ کو خوف ہونے لگا۔ کہ کہیں مجھ پر نہ گر پڑیں۔ (انوار المحمدیہ من المواہب اللدنیہ) کیا ہی

نفیس انداز میں اس کی ترجمانی اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؎

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
بارھویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا
بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارہ نور کا

اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق جس وقت آپ شکم مادر سے سطح ارضی پر تشریف لائے تو آپ کے ساتھ ایک نور برآمد ہوا جس سے شام تک کے محلات جگمگا اٹھے۔ (انوار محمدیہ)

اسی لئے تو اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ؎

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے!

سرکار کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو اپنے دین میں داخل فرمایئے۔ اس لئے کہ آپ کی نبوت کی نشانی میں نے آپ کے بچپن میں دیکھی ہے کہ آپ گہوارہ میں تھے اور جدھر جدھر آپ کی انگلی کا اشارہ ہوتا تھا، چاند اسی طرف جھک جاتا تھا۔

(انوار محمدیہ)

ہم خاکی ہیں اس لئے ہم اپنے بچے کو خاکی کھلونا دیتے ہیں۔ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اس لئے رب نے نور کا کھلونا عطا فرمایا۔ اور اعلیحضرت فرماتے ہیں: ؎

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

میرے آقا خود ارشاد فرماتے ہیں ان اللہ تعالیٰ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے نور سے میرا نور پیدا فرمایا ؎

بزم آخر کا شمع فروزاں ہوا
نور اول کا جلوہ ہمارا نبی

حدیث قدسی ہے کہ جب رب تبارک و تعالےٰ نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا تو کہا کہ اے آدم اپنے سر کو اٹھاؤ جب حضرت آدم نے اپنے سر کو اٹھایا تو عرش کے پائے پر ایک نور دیکھا، عرض کیا، اے رب! یہ کیسا نور ہے۔ رب نے فرمایا کہ اے آدم! تمہاری ذریت سے ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ یہ انھیں کا نور ہے۔ ان کا آسمانی نام احمد ہے اور فرش پر ان کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ اگر انھیں پیدا کرنا منظور نہ ہوتا تو تمہیں بھی پیدا نہ کرتا۔ اور نہ زمین و آسمان کو پیدا فرماتا۔ (انوار المحمدیہ)

اسی حدیث پاک کی عکاسی اعلیحضرت علیہ الرحمہ اس انداز میں فرماتے ہیں: ؎

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ
لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

حدیث قدسی ہے کہ جب رب تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب کے بعد دیگر انبیائے کرام کے نور کو پیدا فرمایا تو اپنے حبیب سے حکم فرمایا کہ اے حبیب آپ ان انوار کی جانب دیکھیں آپ کا دیکھنا تھا کہ سارے انبیائے کرام کے نور پر پردہ پڑ گیا۔ انبیائے کرام نے عرض کیا۔ اے رب! کس کے نور نے ہمارے نور پر پردہ ڈال دیا ہے۔ رب نے فرمایا: یہ محمد بن عبداللہ کا نور ہے۔ اگر تم سب ان پر ایمان لاؤ تو نبوت سے نوازوں گا سبھوں نے عرض کیا کہ ہم ایمان لائے ان پر، ان کی نبوت پر۔ تو رب نے فرمایا کہ تمہارے اس معاہدہ کا میں گواہ بن جاتا ہوں۔

(انوار المحمدیہ من المواہب اللدنیہ)

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ؎

تو ہے خورشید رسالت پیارے چھپ گئے تیری ضیا میں تارے
انبیاء اور ہیں سب مہ پارے، تجھ سے ہی نور لیا کرتے ہیں

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، کہ سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم میرے سامنے جلوہ فرما تھے۔ اور میں چرخہ کات رہی تھی اور حضور کی پیشانی اقدس پر پسینہ کے قطرات تھے۔ ان سے نور کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ میں یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئی۔ اور کاتنے سے رک گئی۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں حیرانی کیا ہے۔ عرض کی حضور! میری حیرت کی وجہ یہ ہے کہ میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ کی پیشانی پر پسینہ آرہا ہے اور پسینہ کے ہر قطرہ سے نور کا فوارہ جاری ہے۔ (خصائص جلد اول)

سہ واللہ جو مل جائے میرے گل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول (اعلیٰحضرت)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔
كانَّ الشمس تجري في جبينته (خصائص جلد اول) گویا آفتاب آپ کی پیشانی میں رواں ہے۔ اسی لئے اعلیٰحضرت فرماتے ہیں:سہ

اللہ رے ترے جسم منور کی تابشیں
اے جانِ جاں میں جان تجلی کہوں تجھے

اور جواہر البیان میں ہے کہ حضور کی پیشانی اس قدر چمکدار اور روشن تھی کہ جب گیسوئے مبارک کو اپنی پیشانی سے اٹھالیتے تو معلوم ہوتا کہ ایک روشن چراغ ہے جو دمک رہا ہے۔ چنانچہ ایک صحابی رسول حضرت عبداللہ بن سلام کا بیان ہے کہ جب حضور کا چہرۂ زیبا میں نے دیکھا تو میں سمجھ گیا کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ اور مشرف باسلام ہو گیا۔ (مشکوٰۃ شریف) فاضل بریلوی فرماتے ہیں:سہ

جس سے تاریک دل جگمگانے لگے
اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام

حضرت جابر بن سمرہ کا بیان ہے کہ میں نے سرکار کو سرخ لکیروں والی چادر میں ملبوس چاندنی رات میں دیکھا تو میں کبھی چاند کی طرف دیکھتا اور کبھی آقا کی طرف دیکھتا تو میرا آقا چاند سے زیادہ حسین مجھے نظر آیا۔ (شمائل ترمذی)

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:سہ

میل سے کس درجہ ستھرا ہے وہ پتلا نور کا
ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا

⁂

خورشید تھا کس زور پر کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر
بے پردہ جب وہ رخ ہوا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

حضرت ببل سدرہ نے فرمایا کہ میں نے کائنات کا گوشہ گوشہ دیکھا مگر رسول اللہ سے زیادہ افضل کسی کو نہ پایا۔ (الانوار المحمدیہ) اور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں سہ

یہی بولے سدرہ والے چمن جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے ترے پائے کا نہ پایا
تجھے یک نے یک بنایا۔

حضرت براء فرماتے ہیں کہ میں نے کانوں کی لوتک بال رکھنے والے کسی شخص کو سرخ لکیر والی چادر میں رسول اللہ جیسا حسین نہیں دیکھا (بخاری شریف جلد اول)

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں سہ

حسن کھاتا ہے جس کے نمک کی قسم
وہ ملیح دل آرا ہمارا نبی

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، کہ ایک مرتبہ میں اپنا کپڑا سل رہی تھی کہ اچانک چراغ گل ہو گیا۔ اور سوئی میرے ہاتھ سے گر گئی۔ اچانک سرکار کائنات تشریف لے آئے تو میری گم شدہ سوئی سرکار کے چہرہ کی چمک سے مل گئی۔ (جواہر البحار جلد ثالث) اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:سہ

سوزن گم شدہ ملتی ہے تبسم سے ترے
شام کو صبح بناتا ہے اجالا ترا

حضرت عبداللہ بن مبارک اور ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ سرکار کا سایہ نہ تھا۔ (زرقانی) اور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:سہ

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا
تری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور، ترا سب گھرانا نور کا

سرکار کے حسن بے مثالی کا کیا کہنا۔ صحابہ فرماتے ہیں ما رأيت شيئا احسن من رسول الله صلى الله عليه وسلم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کسی کو نہ دیکھا۔ اور حضرت علی فرماتے ہیں:۔

صبیح الوجہ کریم الحسب وحسن الصوت
(خصائص جلد اول)

کہ تمہارے نبی خوبصورت چہرہ والے، عمدہ نسب والے، نفیس آواز والے تھے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:سہ

سب سے اعلیٰ واولیٰ ہمارا نبی
سب سے بالا و والا، ہمارا نبی

سارے اچھوں میں اچھا سمجھئے جسے
ہے اس اچھے سے اچھا ہمارا نبی

خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔ کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کی اولاد سے اسمٰعیل کو برگزیدہ پیدا فرمایا اور اسمٰعیل کی اولاد سے بنی کنانہ کو افضل کیا کیا۔ اور بنی کنانہ سے قریش کو افضل پیدا فرمایا۔ اور قریش سے بنی ہاشم کو افضل پیدا فرمایا۔ اور بنی ہاشم میں سب سے افضل رہنے مجھ کو بنایا۔ (مسلم شریف)

اور اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ؎

خلق سے اولیاء اولیاء سے رُسُل
اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی
ملک کونین میں انبیاء تاجدار
تاجداروں کا آقا ہمارا نبی

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں:۔

اذا ضحك يتلألأ في الجُدُر ( ) یعنی
جب آپ تبسم فرماتے تو سامنے کی دیواریں منور ہوجاتیں ؎

جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑے
اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ جب کلام فرماتے تو آپ کے اگلے دانتوں سے نور چھنتا ہوا نظر آتا تھا۔ (خصائص جلد اول) ؎

جن کے گچھوں سے لچھے جھڑیں نور کے
ان ستاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک چاند و سورج کی طرح تھا۔ (مسلم شریف)
یہ اضافت تقریبی ہے ورنہ حضور کا چہرۂ زیبا چاند سورج سے زیادہ منور تھا۔ جسکی تعریف و توصیف سے قلم عاجز اور زبان مجبور رہے۔ چاند کو بھی اگر روشنی ملی ہے تو یہ بھی میرے آقا کا صدقہ ہے کہ آپ کے غسالہ سے جو بچا تھا ستاروں نے اپنی کٹوریوں کو اس نوری غسالہ سے بھر لیا تھا۔ پھر کیا تھا منور ہو گئے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ؎

وہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی، کٹورے تاروں نے بھر لئے تھے

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرکار کی ولادت کے وقت تین جھنڈے نصب کئے گئے تھے۔ ایک مشرق میں ایک مغرب میں، ایک کعبہ کی چھت پر۔

(الانوار المحمدیہ من المواہب اللدنیہ)

معلوم ہوا کہ سرکار کی ولادت کے وقت رب کی جانب سے جھنڈے لگائے گئے تھے۔ جھنڈا لگانا نہ کفر میں داخل ہے نہ شرک میں، اور نہ بدعت کے دائرے میں۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:۔

حشر تک ڈالیں گے ہم پیدائش مولیٰ کی دھوم!
مثل فارس نجد کے قلعے، گرلتے جائیں گے!
خاک ہوجائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا!
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائینگے

تشریف آوری کے وقت عرب کے قبائل

محمد اسعد صدیقی

عرب میں سینکڑوں قبائل تھے جو جنوبی اردن سے بحیرۂ عرب کے ساحل تک تقریباً گیارہ لاکھ مربع میل زمین میں آباد تھے۔ ان میں کئی گمنام تھے۔ مثلاً جزعہ، ہوازن اور قریش کی ایک ایک شاخ کا نام بنو کعب تھا اور کتنے ہی قبائل عوف، مالک اور ازد کہلاتے تھے۔ قبائل کے بڑے بڑے گروہ دو تھے۔ بنو عدنان اور بنو قحطان۔ عدنان حضور کے اکیسویں جد تھے اور قحطان عدنان کا نانا تھا۔ جنوب عرب یعنی یمن وغیرہ میں قحطان کی اولاد آباد تھی اور شمال میں عدنان کی۔ غطفان، جزاعہ، مزنیہ، ہذیل، کنانہ، تمیم، دارم، مرہ، کلاب، ہوازن، سُلیم، مازن اور جشم، عدنانی تھے اور سبا، حمیر، کہلان، اوس، خزرج، کندہ، ہمدان، مراد، مہرہ وغیرہ قحطانی۔ ان دونوں گروہوں میں کچھ نام مشترک تھے مثلاً ثعلبہ، جشم، حارث، حرب، ربیعہ، مرہ، مزنیہ، مازن اور غنم وغیرہ عربستان کا جغرافیا لکھنے والوں نے عرب کی بستیوں، وادیوں اور پہاڑوں کے نام تو گن ڈالے ہیں لیکن ان کا مقام متعین نہیں کیا۔ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں یہ تو بار بار لکھا ہے کہ فلاں موضع نجد یا حجاز میں فلا قبیلے کی ملکیت تھا لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ ریاض یا فید یا مدینہ سے کس سمت میں کتنی دور واقع تھا۔ حجاز کا رقبہ پچاس ہزار اور نجد کا سوا لاکھ مربع میل ہے صرف یہ کہہ دینے سے کہ فلاں مقام نجد میں تھا، بات نہیں بنتی مقام کا تعین نہ یاقوت میں ملتا ہے نہ کتاب فی جزیرۃ العرب کے مصنف ابو سعید السیرفی کے ہاں اور نہ معجم البقاع کے مصنف ابو عبید البکری الاندلسی کے ہاں۔

ایک اور مشکل ان قبائل کے انساب کے متعلق ہے یہ معلوم کرنا کہ کون کس کی شاخ اور کس کا جد تھا، بڑے جان جوکھوں کا کام ہے جذیمہ کنانہ کی شاخ بھی تھی اور جزاعہ کی بھی۔ غفار ضمرہ کی شاخ تھی، ضمرہ اور لیث، بکر بن عبد مناۃ کی شاخیں تھیں۔ پھر بکر بن عبد مناۃ اور حارث بن عبد مناۃ کنانہ کی شاخیں تھیں۔ یہ شاخ در شاخ کا سلسلہ بڑا ہی الجھا ہوا ہے اسے سلجھا کر مختلف شاخوں کے اوطان تلاش کرنا کارے دارد۔

ایک اور دقت یہ ہے کہ جغرافیہ نگاروں کے ہاں اوطان قبائل کے متعلق کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ یاقوت بار بار ہذیل کو تہامہ کا ایک قبیلہ بتاتا ہے لیکن واٹ منٹگمری (ص ۱۸) لکھتا ہے کہ یہ مکہ کے مشرق میں تھا۔ یاقوت کے ہاں بنو مرہ کا اور واٹ کے ہاں فدک۔ ان دونوں میں ۵۰۰ میل کا فاصلہ ہے ان کتابوں میں اس قسم کے درجنوں تضادات ملتے ہیں ان حالات

لہ بریکٹ سے مراد شاخ اور شاخ در شاخ ہے۔

مین اوطان قبائل کا صحیح نقشہ تیار کرنا مشکل ہے۔ ساتھ والے نقشہ کے متعلق ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ غالباً یہ منٹگمری واٹ نے بڑی محنت سے اوطان قبائل کی ایک فہرست تیار کی ہے جسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں اس سے اتنا ہی معلوم ہو سکے گا کہ کوئی قبیلہ حرمین سے کس سمت میں آباد تھا۔ وہ حرمین سے کتنا دور تھا؟ یہ سوال مدت سے منتظر جواب ہے اور رہے گا۔

قبائل عرب

شام

حضرموت

عمان

۱۔ قبائل حرمین کے مغرب میں:

۱۔ خزاعہ: (اسلم، کعب بن عمرو، المصطلق)
۲۔ کنانہ: (بکر بن عبدمناۃ (ضمرہ وغفار) لیث، دئل، مدلج، الحارث بن عبدمناۃ)
۳۔ مزنیہ
۴۔ جہینہ
۵۔ ازدشنوآہ

۲۔ قبائل حرمین کے مشرق میں:

۱۔ خزیمہ (مدرکہ۔ کنانہ)
۲۔ اسد بن خزیمہ (عضل اور قارہ)
۳۔ طے (نبہان)
۴۔ ہذیل (لحیان)
۵۔ محارب (بنو خسافہ)
۶۔ غطفان (اشجع، فزارہ، مرہ، ثعلبہ، انمار، عوال)
۷۔ سلیم (رعل، شیبان)
۸۔ ہوازن (عامر بن صعصعہ (البکار، ہلال، کلاب، (قرطار عریتہ) ربیعہ، جشم، نصر، سعد بن بکر، ثمالہ، ثقیف (بنو مالک، احلاف (باہلہ))

۳۔ شمالی قبائل:

۱۔ سعد بن ہذیم
۲۔ عذرہ
۳۔ جذام
۴۔ قضاعہ (جرم، القین، اور سلامان)
۵۔ بالی
۶۔ بہرار
۷۔ لخم
۸۔ غسان
۹۔ کلب

۴۔ جنوبی قبائل:

۱۔ خثعم
۲۔ مذحج (عنس، جعفی، خولان، النخع، رہار، سعد العشیرہ (زبید) صدام)

۳- بجیلہ ۴- ہمدان
۵- حارث بن کعب ۶- مراد
۷- کندہ (تجیب) ۸- حمیر
۹- عق اور اشعر

کے پاس بیچ کر خود اقارب سمیت یمن سے نکل گیا۔ ثعلبہ بن عمرو حجاز میں مقیم ہو گیا اور حارثہ بن ثعلبہ مدینے چلا گیا۔ اوس خزرج اسی کی اولاد ہیں ان کے بعض افراد شمال کی طرف نکل گئے تھے۔ طے، لخم، غسان اور کلیب انہی کی اولاد ہیں۔ کنسائیز انسائیکلوپیڈیا آف عربک سویلزیشن (ص ۲۹۳) میں لکھا ہے کہ یہ ہجرت چوتھی صدی عیسوی میں ہوئی تھی۔ تین سو برس کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں وارد ہوئے تو اوس و خزرج چھتر سے زائد قبائل میں تقسیم ہو چکے تھے۔

۵- عرب کے باقیماندہ قبائل:

۱- مہرہ ۲- ازد عمان
۳- عبدالقیس ۴- حنیفہ
۵- تمیم ۶- وائل
۷- بکر ۸- تغلب

یہ قبائل کی پوری فہرست نہیں ان کی تعداد کہیں زیادہ تھی

مقامات عرب

قبائل مدینہ

مدینہ میں کچھ تو یہود آباد تھے جو کسی حملے کی وجہ سے فلسطین کو چھوڑ کر یہاں آگئے تھے اور یا اوس خزرج۔ ان کا جداعلیٰ یمن سے آیا تھا۔

ہوا یوں کہ کہلان کے دارالحکومت مآرب کے قریب وادی عرم کا بند بوسیدہ، موش خوردہ ہو گیا جب سبا کے رئیس عمرو بن عامر کو یقین ہو گیا کہ بند ٹوٹنے والا ہے تو وہ اپنی ساری جائداد اپنے برادرزادوں بنو حمیر (جو بند کے بوسیدہ پن سے بے خبر تھے)

قبائل مدینہ کا شجرہ نسب یہ ہے

قحطان
یعرب
یشجب
سبا

حمیر — کہلان
کہلان: زید، مالک، نبت، غوث، ازد، مازن، ثعلبہ

امراء القیس، حارثہ، عامر، عمرو، ثعلبہ، حارثہ
خزرج — اوس

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

کی

پسندیدہ غذائیں
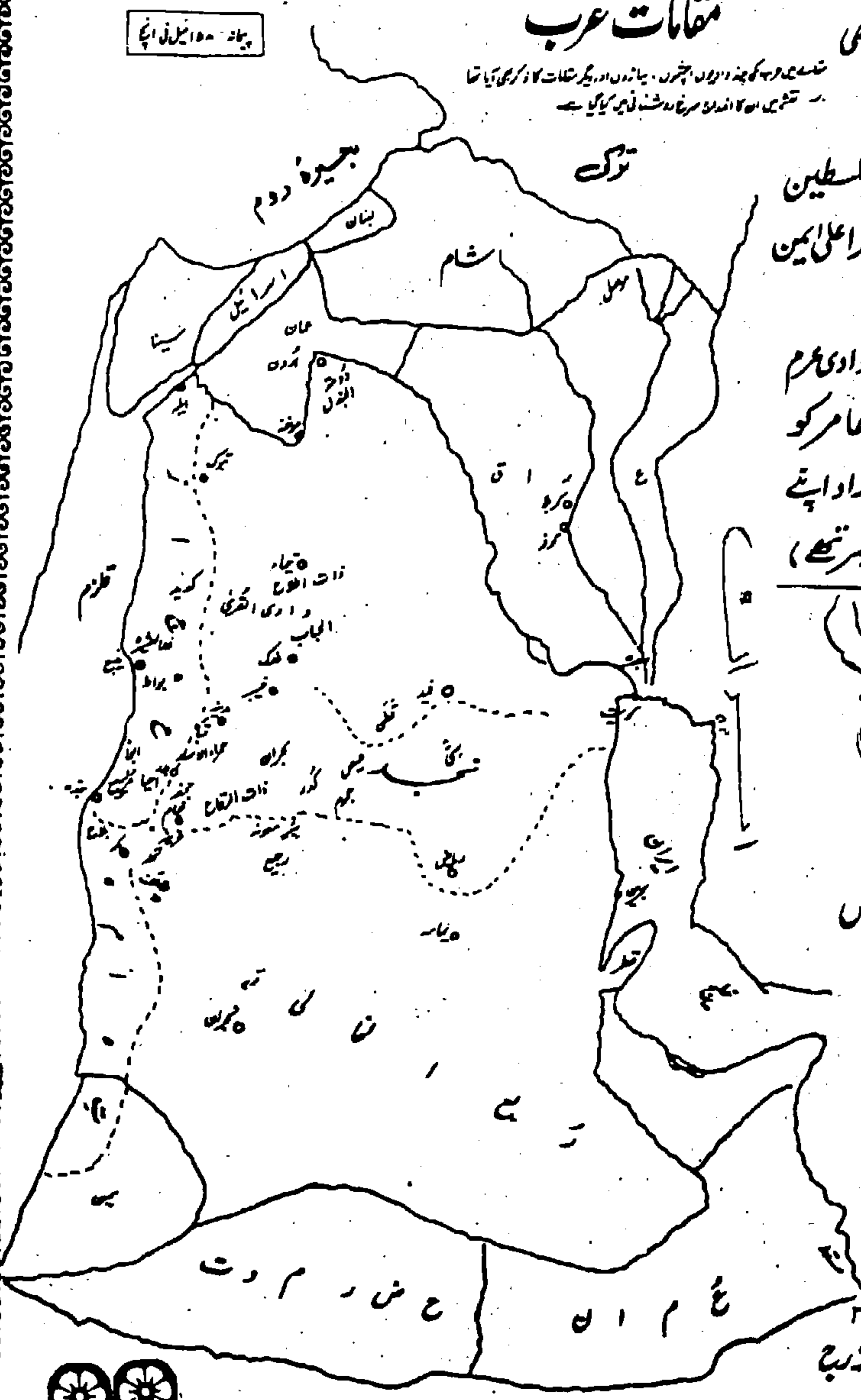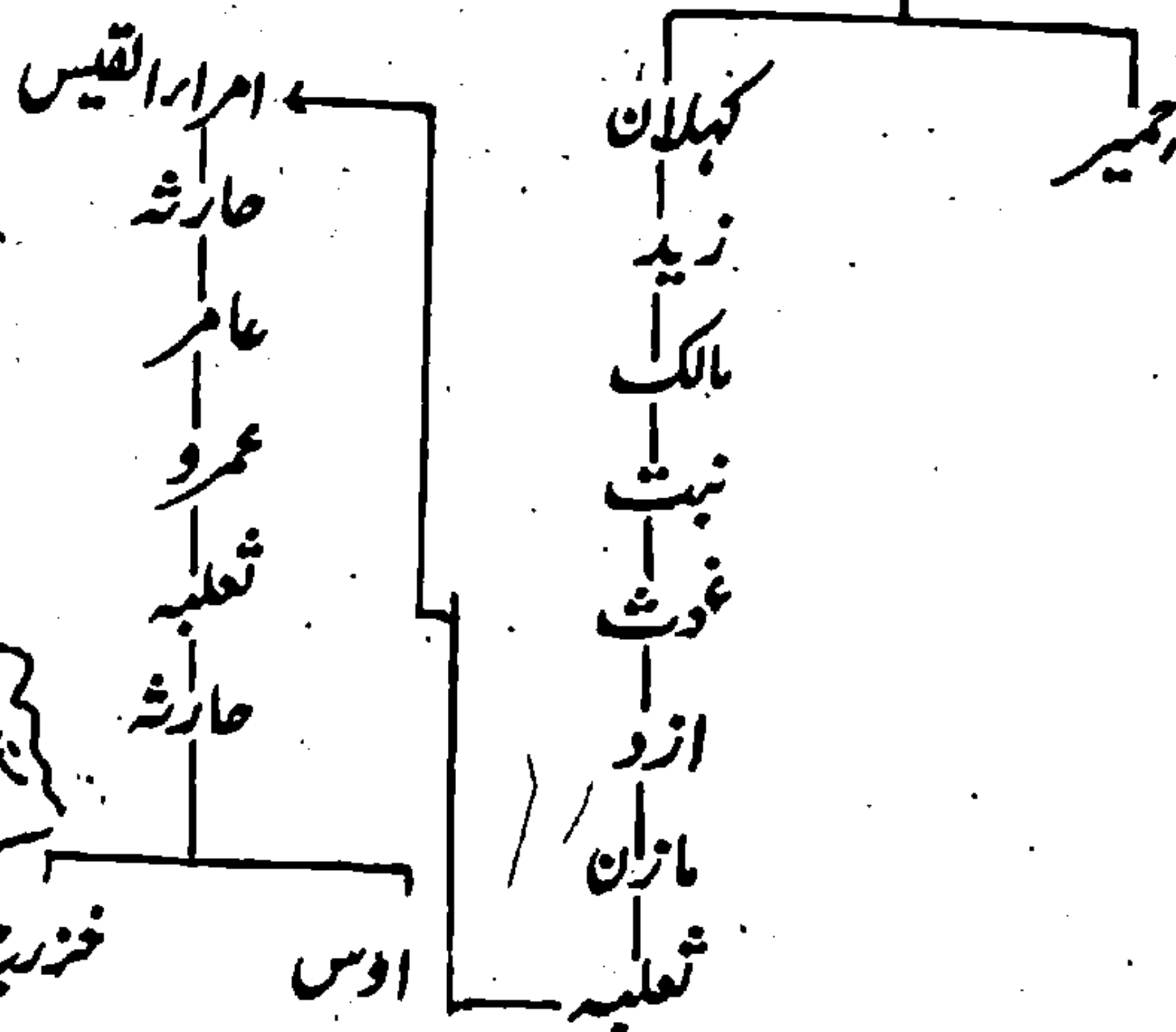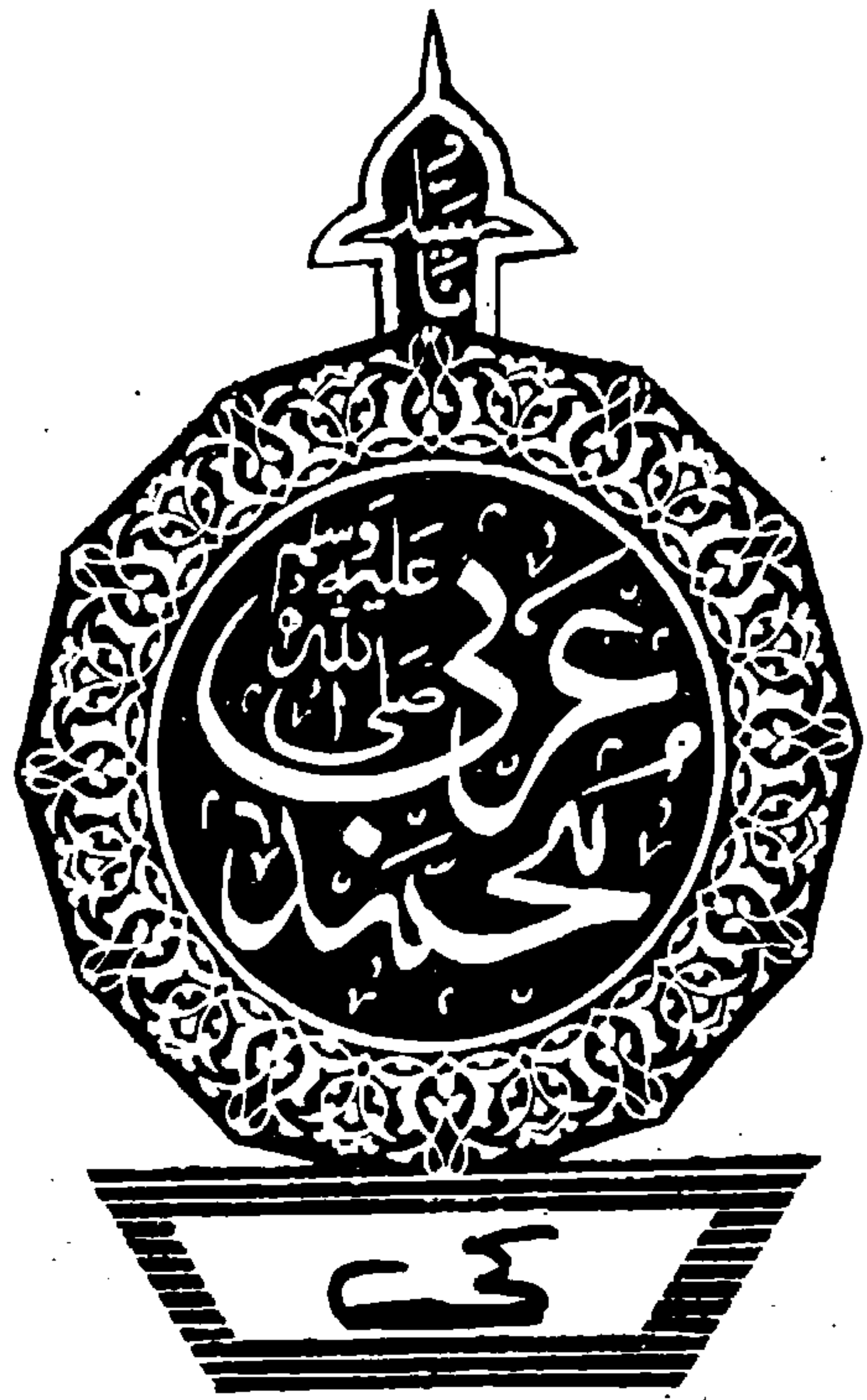
مولانا محمد سلیم قادری

نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنا مسلمانوں کے لئے ذریعہ عظمت و نجات ہے۔ آپ کی تعلیم اس قدر کامل و مکمل ہے کہ اس سے صحت مند اور لذیذ غذاؤں تک کا علم حاصل کیا جا سکتا ہے اور ان کو استعمال کر کے ظاہری مادی فائدے کے علاوہ سنت رسول کی ادائیگی کا ثواب بھی نصیب ہو سکتا ہے۔ وہ مسلمان بڑا ہی خوش نصیب ہے جو کسی چیز کو اس لئے پسند کرے کہ وہ چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی اس طرح اس چیز کا استعمال عبادت اور ذریعہ ثواب بن جاتا ہے۔

شہد: عربی میں شہد کی مکھی کو نحل کہتے ہیں۔ قرآن کریم کی ایک سورۃ کا نام نحل ہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بے شمار نعمتوں میں سے کچھ کا ذکر کرتے ہوئے شہد کی مکھی اور شہد کا بھی ذکر فرمایا ہے؛ ارشاد فرمایا ہے:

"اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو حکم دیا کہ پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں اور چھتوں میں، پھر ہر قسم کے پھلوں میں سے کھا اور اپنے رب کی راہیں چل جو تیرے لیے نرم اور آسان ہیں اس کے پیٹ سے ایک چیز پینے کی رنگ برنگ نکلتی ہے جس میں لوگوں کے لیے تندرستی ہے، بے شک اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور کریں"۔ (آیت نمبر ۶۸-۶۹)

قابل غور ہے یہ آیت کہ کس طرح ایک مکھی پھلوں اور پھولوں کا رس چوستی ہے اور جب وہ اس کے پیٹ میں رہ کر باہر آتا ہے تو میٹھا لذیذ بھی ہوتا ہے اور صحت بخش بھی۔ خدا کی پیدا کردہ اس لذیذ و مفید نعمت کی اہمیت، افادیت اور لذت کا اندازہ نبی کریم کے ارشادات سے مزید کیا جا سکتا ہے

علیکم بالشفائین العسل والقرآن (دو چیزوں سے صحت حاصل کرو شہد اور قرآن کریم سے)۔

اس حدیث میں شہد کو صحت بخش ہونے کے ساتھ قرآن کریم کو بھی ذریعۂ صحت فرمایا گیا کیونکہ شہد تو جسمانی امراض کو ختم کرنے اور جسم کو صحت یاب کرنے والی ایک غذا ہے اور قرآن کریم روحانی امراض کو ختم کرنے اور روح کو جلا بخشنے والی کتاب ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وننزل من القرآن ما ھو شفآء ورحمۃ للمومنین ۸۲:۱۷ (ہم اتارتے ہیں قرآن میں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفا اور صحت و رحمۃ المومنین ہے۔)

۲۔ حضرت ابوسعید خدری نے بیان کیا کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے بھائی کے پیٹ

ہیں درد ہے یا اس نے کہا کہ میرے بھائی کو اسہال (دستوں) کی شکایت ہے تو حضور نے فرمایا:

اَسْقِہٖ عَسَلاً — اسے شہد پلا دو

وہ شخص چلا گیا اور پھر واپس آکر عرض کرنے لگا کہ میں نے شہد پلایا لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ نبی کریم نے پھر شہد ہی پلانے کا حکم دیا۔ دو تین بار ایسا ہی ہوا۔ جب وہ چوتھی مرتبہ خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا:

صدق اللہ وکذب بطن اخیک — اللہ نے سچ فرمایا اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ نبی کریم کو ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق شہد کی افادیت پر کس قدر یقین تھا مریض گھبرایا مگر آپ شہد ہی پلواتے رہے اور آخر کار اللہ کا ارشاد سچ ہوا اور مرض ختم ہوگیا۔

شہد کی یہ تاثیر آج بھی باقی ہے، شرط یہ ہے کہ شہد بھی اصلی ہو اور مسلمان بھی اصلی۔

(۳) حضرت ابوہریرہ نے بیان کیا کہ نبی کریم نے فرمایا:

من یلعق العسل ثلث غدوات فی کل شھر لم یصبہ عظیم من البلاء: — جو شخص ہر مہینے تین دن شہد چاٹ لے تو اسے کوئی بڑی تکلیف نہیں ہوگی۔

یعنی شہد کا استعمال صحت کا ایک مستقل ذریعہ ہے اس حقیقت کو طبی تحقیق نے بھی ثابت کیا اور اطباٗ نے تسلیم کیا کہ شہد بہت سی بیماریوں کی دوا ہے مثلاً جسم اور خاص طور پر پھیپھڑوں کے لیئے قوت بخش ہے۔ قلب کے لیے فرحت بخش ہے۔ کھانسی، دمہ اور ٹھنڈ سے ہونے والی بیماریوں کے لیے مفید ہے۔ لقوہ اور فالج کے لیے بھی بہت مفید ہے۔ خون کو صاف کرتا ہے، اگر سرمہ کی طرح آنکھوں میں لگایا جائے تو آنکھوں کو بیماری سے بچاتا اور نظر کی حفاظت کرتا، غرض کہ بے شمار امراض کا علاج ہے۔

کھجور: کھجور ایک بہترین میوہ بھی ہے اور غذا بھی۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر موجود ہے۔ سورہ رحمٰن کی دسویں آیت میں اس طرح ذکر فرمایا گیا:

فیھا فاکھۃ والنخل ذات الاکمام ۔ — اس میں میوے ہیں اور غلاف والی کھجوریں بھی۔

میووں کے تذکرے کے بعد خاص طور پر نخل (کھجور) کا ذکر اس کی افادیت واہمیت کو ظاہر کرتا ہے جس کی وضاحت نبی کریم کے ان ارشادات سے ہوتی ہے۔

۱۔ حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من تصبح کل یوم سبع تمرات عجوۃ لم یضرہ فی ذالک الیوم سم ولا سحرہ — جو شخص روزانہ صبح کے وقت سات عجوہ کھجوریں کھا لیا کرے اسے اس دن زہر اور جادو سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

کھجور کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں، ان میں سے ایک قسم عجوہ ہے جو درمیانہ سائز کی ہوتی ہے اور اس کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے۔ یوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کھجور کو پسند فرمایا ہے لیکن عجوہ کی خاص طور پر افادیت بیان فرمائی اور اس کو بہت سے امراض کا علاج بتایا۔ جیسا کہ اسی حدیث میں فرمایا گیا کہ جو روزانہ صبح سات عجوہ استعمال کرے وہ دن بھر زہر اور جادو کے اثر سے بچا رہے گا۔ غور فرمائیے زہر اور جادو کس قدر تکلیف دہ چیزیں ہیں اور اس کا علاج کتنا معمولی سا ہے۔ اس عجوہ کے بارے میں آپ نے فرمایا:

۲۔ والعجوۃ من الجنۃ وھی شفاءٌ من السم — اور عجوہ جنت کا پھل ہے، اس میں زہر سے شفا دینے کی تاثیر ہے۔

۳۔ حضرت سعید نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ میں بیمار ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے۔ آپ نے میرے سینے پر اپنا نورانی ہاتھ رکھا، مجھے اس کی ٹھنڈک دل تک محسوس ہوئی۔ آپ نے فرمایا: "تمہیں دل کی تکلیف ہے۔ تم حارث بن کلیدہ ثقفی کے پاس جاؤ کیونکہ وہ طبیب ہے"۔

فلیاخذ سبع تمرات من عجوۃ المدینۃ فلیجاھن — اسے چاہیئے کہ مدینہ کی عجوہ کھجور کے سات دانے لے کر انھیں گٹھلیوں

نبوا نتھن ثم لیلدث — سمیت کوٹ لے اور تمہارے منہ میں ڈال دے ۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن جعفر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کو دیکھا کہ آپ یاکل الرطب بالقثاء "تازہ کھجوریں اور ککڑی ایک ساتھ تناول فرماتے تھے۔" کھجور اور ککڑی کا استعمال صرف ایک اتفاق نہ تھا بلکہ نبی کریم نے اپنے اس عمل سے کھجور کی گرم تاثیر اور ککڑی کی سرد تاثیر کو ختم کرنے کا طریقہ سکھایا۔ یا اس مقصد کے لیے آپ کا ایک دوسرا عمل یہ تھا کہ

کان یاکل البطیخ بالرطب یقول

آپ تربوز تازہ کھجور کے ساتھ کھاتے تھے اور فرماتے : (یہ تربوز گرمی کو ختم کرتا ہے اور کھجور سردی کو دور کرتی ہے)

یکسر حر هذا ببرد هذا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل اسی بات کو سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ آپ صحت کا کس قدر خیال فرماتے تھے اور مفید غذاؤں کے استعمال کا کس طرح طریقہ تعلیم فرماتے تھے ۔

۵ ۔ بر سلمی کی بیٹی عطیہ اور بیٹے عبداللہ نے بیان کیا کہ ہم نے نبی کریم کی خدمت میں مکھن اور تازہ کھجوریں پیش کیں اور آپ مکھن و کھجور کو پسند فرماتے تھے ۔

تمر خشک کھجور کو کہا جاتا ہے جو مکھن کے ساتھ واقعی بہت لذیذ بھی ہو جاتی ہے اور مکھن اس کی گرم و خشک تاثیر کو ختم کر دیتا ہے غرض کہ کھجور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ غذا تھی ۔ اب امت کے لیے اس کا استعمال فائدے کے علاوہ ذریعہ ثواب بھی ہے ۔

گوشت : گوشت صحت و قوت کے لیے ایک نہایت ہی مفید غذا ہے ۔ مسلمانوں کے لئے جن جانوروں کا گوشت حلال کیا گیا وہ اس کو نہ صرف بطور غذا استعمال کرتے ہیں بلکہ بڑے شوق اور میلان طبع سے استعمال کرتے ہیں اور اگر یہ بھی خیال کر لیا جائے کہ اس مرغوب غذا کے متعلق نبی کریم کا ارشاد اور عمل کیا ہے ۔ تو پھر اس کا استعمال سنت نبوی پر عمل بھی ہوگا ۔ لہٰذا اس سلسلے میں حضور کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں : ۔

۱ ۔ حضرت ابو درداء نے بیان کیا کہ نبی کریم نے فرمایا : ۔

سید طعام اهل الدنیا واهل الجنة — دنیا والوں اور جنت والوں دونوں کے کھانوں کا سردار گوشت ہے ۔

۲ حضرت بریدہ نے بیان کیا کہ نبی کریم نے فرمایا :

خیر الادام فی الدنیا والآخرة اللحم — دنیا اور آخرت میں بہترین سالن گوشت ہے ۔

سب حصوں کا گوشت مزے میں برابر نہیں ہوتا بلکہ سر، پائے، سینہ، ران وغیرہ ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ مزا ہوتا ہے جو جس کو پسند ہوتا ہے وہ اسی حصہ کو استعمال کرتا ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بعض حصوں کا گوشت خاص طور پر پسند تھا جو ان چند احادیث سے ظاہر ہے : ۔

۱ ۔ حضرت ابوہریرہ نے بیان کیا کہ حضور کی خدمت میں گوشت لایا گیا ۔ اس میں سے دست آپ کو دیا گیا کیونکہ آپ دست کو پسند فرماتے تھے ۔ لہٰذا آپ نے اسے دانتوں سے کاٹ کر تناول فرمایا ۔

۲ ۔ حضرت ضباعہ بنت زبیر نے بیان کیا کہ ایک دفعہ ہم نے اپنے گھر میں بکری ذبح کی تو حضور نے پیغام بھیجا کہ اس میں سے ہمارا حصہ بھیج دیں ۔ میں نے عرض کیا صرف گردن کا گوشت بچا ہے جو آپ کے لیے بھیجتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے ۔ حضور نے کہلا بھیجا ۔ یہی بھیج دو کیوں کہ گردن کا گوست بکری کا عمدہ حصہ ہے ۔ گردن کا گوشت خیر سے قریب تر اور نقصان سے بعید تر ہے ۔

۳ ۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا :

کانت الذراع احب اللحم الی رسول اللہ — دستے کا گوست حضور کو سب سے زیادہ پسند تھا ۔

۴ ۔ حضرب ابن مسعود نے بیان کیا :

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعجبه الذراع — حضور دستے کا گوشت پسند فرماتے تھے ۔

۵ ۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے ۔

ان اطیب اللحم لحم الظهر — پاکیزہ ترین گوشت پیٹھ کا ہے ۔

۶۔ حضرت ام سلمہ نے بیان کیا کہ وہ حضور کے پاس بھنی ہوئی ران لے گئیں، آپ نے اس میں سے تناول فرمایا۔

۷۔ حضرت عبداللہ ابن حارث نے بیان کیا کہ ہم نے حضور کے ساتھ بھنا ہوا گوشت کھایا۔

۸۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے بیان کیا کہ ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک شخص کے یہاں مہمان ہوا۔ گھر والے نے بکری ذبح کی۔ فامر بجنب فشوی ثم اخذ الشفرة فجعلہ یحز لی بھا منہ۔

تو آپ نے دست بھوننے کی فرمائش کی، جو آپ کے سامنے لایا گیا، پھر آپ نے چھری لی اور اس سے میرے لیے دست میں سے کاٹنے لگے۔

ان احادیث سے واضح ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو گوشت بہت پسند تھا اور خاص طور سے ران، دست، گردن، پیٹھ، کاندھے کا گوشت وہ بھی بھنا ہوا پسندیدہ تھا۔

نبی کریم کے اس بہترین شوق سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اگر اللہ وسعت فرمائے تو بہترین غذا اور لذیذ کھانے بھی کھائے جا سکتے ہیں۔ لیکن لذیذ کھانوں کے حاصل کرنے کے لیے حرام و ناجائز طریقے اختیار کرنے کی ہرگز اجازت نہیں یعنی مسلمان کی شان یہ ہے کہ اس کو اگر روکھی سوکھی روٹی ملے تو بھی خدا کا شکر ادا کر کے کھائے اور خوش رہے اور اگر بہترین غذائیں میسر ہوں تو ان کو بھی استعمال کر کے خدا کا شکر ادا کرے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا کہ آپ کئی کئی دن بھوکے رہتے تھے، معمولی کھانا ملتا تو بھی خوش ہو کر کھا لیتے اور جب عمدہ کھانے میسر ہوتے تو ان کو بھی خوش ہو کر استعمال کرتے۔

آپ سے پرندوں کا گوشت استعمال کرنا بھی ثابت ہے:

۱۔ حضرت زید الجری بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا:

رایت رسول اللہ یا کل لحم دجاج (میں نے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغ کا گوشت کھاتے دیکھا۔)

۲۔ حضرت ابراہیم ابن عمر نے بیان کیا کہ ان کے دادا حضرت سفینہ نے فرمایا:

اکلت مع رسول اللہ لحم حبیاری ہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سرخاب کا گوشت کھایا۔

۳۔ حضرت انس نے بیان کیا کہ ہم نے بمقام مرالظہران ایک خرگوش کو اس کے بل سے نکالا۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑتے دوڑتے تھک گئے۔ مگر میں نے اسے پکڑ لیا اور اسے ابوطلحہ کے پاس لائے۔ انھوں نے اسے ذبح کر کے اس کے دست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیے۔ آپ نے اُسے قبول کر لیا اور بھنوانے کے بعد اس میں سے کچھ تناول بھی فرمایا:

کدو : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سبزیوں میں سب سے زیادہ کدو (لوکی) پسند تھا حضرت انس نے بیان فرمایا کہ ایک درزی نے حضور کی دعوت کی۔ کھانے میں جو کی روٹی اور شوربہ پیش کیا۔ شوربہ میں کدو اور گوشت تھا۔ میں نے دیکھا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیالے کے کناروں سے کدو کے ٹکڑے تلاش کر کے لیتے اور تناول فرماتے تھے۔ اس دن سے ہی میں کدو کے بغیر کھانا نہیں کھاتا۔

ثرید وحلوہ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ثرید وحلوہ بھی پسند تھا۔ ثرید ایک تو اس کھانے کو کہا جاتا ہے جو شوربے یا پتلی دال میں روٹی بھگو کر تیار کیا جاتا ہے۔ یہ ایک نرم جلد ہضم ہونے والا کھانا ہے۔ اس کو اللہ کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے تھے۔ ثرید کی ایک دوسری قسم بھی ہے جو میٹھی ہوتی ہے اسے حلوہ بھی کہا جاتا ہے یہ ستو میں کھجور خشک، دودھ اور کبھی ملا کر مالیدے کی طرح بنایا جاتا ہے۔

حضور کو دونوں ہی قسم کا ثرید پسند تھا جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔

کان احب الطعام الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الثرید من الخبز والثرید من الحیس۔ حضور کو کھانوں میں ثرید پسند تھا اور ثرید سے زیادہ حیس پسند تھا۔

روٹی سے تیار کیا ہوا اور ستو سے تیار کیا ہوا خاص طور پر حلوہ کی پسندیدگی کا ذکر بھی موجود ہے۔ جیسا کہ ام المومنین

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا۔

کان رسول اللہ یحب الحلواء والعسل :	حضور علیہ السلام حلوے اور شہد کو پسند فرماتے تھے۔

سالن روٹی: حضرت جابر نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے اہل خاندان سے دریافت فرمایا کہ کوئی سالن ہے تو عرض کیا گیا کہ گھر میں سرکہ کے سوا کچھ نہیں تو آپ نے وہی منگایا اور اسی سے کھانا تناول فرمانا شروع کر دیا، آپ کھاتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے:

نعم الادام الخل نعم الادام الخل: سرکہ کتنا اچھا سالن ہے سرکہ کتنا اچھا سالن ہے۔

حضرت یوسف ابن عبداللہ نے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ: اخذ کسرۃ من الشعیر فوضع علیہا تمرۃ فقال ھٰذہ ادام ھٰذہ ادام۔ آپ نے جو کی روٹی کا ٹکڑا لیا اور اس پر کھجور رکھ کر فرمایا۔ یہ ہے سالن یہ ہے سالن۔

حضرت انس نے بیان فرمایا:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعجبہ الثفل	حضور ہانڈی کی کھرچن کو پسند فرماتے تھے۔

ان احادیث سے واضح ہے کہ جس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھنے ہوئے گوشت، لوکی، شہد اور حلوہ جیسی نفیس غذائیں پسند فرمائیں، اس کی شان یہ بھی تھی کہ جب انھیں سالن کی جگہ سرکہ حلوے کی جگہ کھجور اور جو کی روٹی کا ٹکڑا اور ہانڈی کی کھرچن میسر ہوتی تو وہ اس کو بھی پسند فرما کر رازق حقیقی کا شکر ادا کرتے اور اس پر بھی خوشی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ درحقیقت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے دونوں طبقوں، دولت مندوں اور غریبوں کو سہارا عطا فرمایا کہ اگر گوشت والے سنت رسول ادا کرنے کا ثواب پائیں تو سرکہ، چٹنی اور روٹی پر زندگی بسر کرنے والے بھی یہ سوچ کر اپنے دل کو تسلی دیں کہ یہ معمولی کھانے صرف انھیں کی تقدیر نہیں بلکہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پسند فرمائے اور خوش ہو کر استعمال فرمائے۔ بلکہ ان کا تو اگر مزید حال معلوم کرنا ہے تو حضرت مالک بن دینار کے اس بیان سے اندازہ کیجیے۔

ما شبع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خبز ولا لحم الا علی ضغف۔	نبی کریم نے سوائے اجتماع کے کبھی نہ روٹی سیر ہو کر کھائی اور نہ کبھی گوشت پیٹ بھر کر کھایا

یعنی جب کوئی اجتماع ہوتا، دعوت وغیرہ ہوتی تب تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیر ہو کر کھانا تناول فرما لیا کرتے تھے۔ ورنہ حال یہ تھا کہ حضرت مسروق بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ایک مرتبہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے میرے لیے کھانا منگوایا اور کہنے لگیں جب کبھی

يا ايها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما

خطاطی کا ایک نادر نمونہ

کھانا سیر ہو کر کھاتی ہوں تو مجھے رونا آجاتا ہے۔ حضرت مسروق نے عرض کیا۔ ایسا کیوں ہوتا ہے تو فرمایا مجھے وہ زمانہ یاد آجاتا ہے جب خدا کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دن دو مرتبہ روٹی اور گوشت پیٹ بھر کر نہیں کھایا۔

دودھ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ بھی بہت پسند تھا۔ آپ نے اکثر بکری کا دودھ استعمال کیا اور گائے کا بھی استعمال کیا۔ گائے کے دودھ کے متعلق آپ کا ایک ارشاد بھی موجود ہے جس کو حضرت صہیب نے بیان فرمایا، آپ فرماتے ہیں :

عليكم لبن البقر فيها شفاء وسمنها دواءٌ ولحمها داءٌ	تم گائے کا دودھ استعمال کرو کیونکہ اس میں شفاء ہے اور اس کے گھی میں دوا کی تاثیر ہے اور اس کے گوشت میں بیماری ہے۔

یعنی گائے کا دودھ اور مکھن نہایت ہی مفید اور مقوی ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا گوشت پسند نہیں فرمایا۔ اس لیے کہ اس میں بیماری کے جراثیم ہوتے ہیں گویا جس طرح بکری کا گوشت کھانا سنت ہے اسی طرح گائے کے گوشت سے بچنے کی کوشش کرنا بھی جائز ہے بہر حال حدیث میں گائے کے گوشت کی حرمت نہیں بلکہ ناپسندیدگی کا اظہار ہے۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کے لیے گائے ذبح فرمائی اور دوسری حدیث میں ہے کہ ازواج مطہرات کی طرف سے حج میں گائے ذبح فرمائی۔

مذکورہ احادیث سے جہاں نبی کریم رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ غذاؤں کا پتہ چلا وہاں کھانے کے سلسلے میں آپ کی تعلیمات کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ اسلام ہر قسم کی حلال طیب غذاؤں کے استعمال کی اجازت دیتا ہے چاہے وہ بکری اور مرغی کا گوشت جیسی اعلیٰ اور گرانقدر غذا ہو یا کھجور اور جَو کی روٹی جیسی معمولی غذا ہو، بس یہ خیال ضرور کرنا چاہیئے کہ عمدہ کھانے ملنے پر غرور و تکبر نہ کیا جائے بلکہ خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور معمولی کھانا نصیب ہونے پر ناشکری نہ کی جائے بلکہ اس پر بھی خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے کیوں کہ اعلیٰ نعمتوں پر شکر ادا کرنے سے وہ نعمتیں جاری رہتی ہیں اور معمولی نعمتوں پر شکر ادا کرنا ان نعمتوں کے اعلیٰ ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

سراپا نور تو تیرا گھرانا تیرے گھر والے

مولانا رکن الدین اصدق

نور کہتے ہیں جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کر دے۔ اس تعریف کی رو سے نور کی دو قسمیں ہیں۔ ایک نور ظاہر دوسرا نور باطن۔ ظلمت کے مقابل جب نور بولا جائے تو مراد نور ظاہر ہوتا ہے۔ جس کو روشنی کہتے ہیں۔ اور ضلالت کے متوازی جب نور استعمال ہوتا ہے۔ تو مقصود نور باطن ہوتا ہے جسے ہدایت کے لفظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ نور ظاہر کے اثرات عالم اجسام پر مرتب ہوتے ہیں۔ روشنی در و دیوار تک پہونچتی ہے۔ کوچہ اور بازار میں پھیلتی ہے اور صحن و صحرا میں اجالا کرتی ہے۔ اور نور باطن کا فیضان عالم ارواح پر اثر انداز ہوتا ہے وہ انسانی قلوب کو منور کرتا ہے کفر کی ظلمت دور کر کے ہدایت کا چراغ دل کے نہاں خانوں میں جلاتا ہے۔

رسول اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کو قرآن حکیم نے نور قرار دیا ہے۔ اب مقام غور یہ ہے کہ یہاں کون سا نور مراد ہے۔ جہاں تک میرا علم ہے سرکار کو نور باطن ماننے سے انکار کی جرأت کسی نے نہیں کی ہے۔ البتہ فرقۂ باطل نے قسم اول کے تسلیم میں چون و چرا کی راہیں نکالی ہیں۔ لیکن جمہور اہلسنت کا یہی مسلک ہے کہ آپ کی ذات منبع انوار ظاہر و باطن ہے اور آپ کا جسد اطہر نور و نکہت کا آئینہ دار تھا۔ حتی کہ خاندان و نسل تک میں آپ کا عکس نور پایا جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی عقیدت کی زبان میں فرماتے ہیں ؎

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

مثال آفتاب روشن ہو جانا۔ ماہتاب کی مانند چمک اٹھنا۔ لکڑی کے ڈنڈوں میں جگمگاہٹ پیدا کر دینا۔ یہ سب نور ظاہر کا خاصہ ہے اور روشنی کی کرشمہ سازی ہے —— جب ہم سرکار کے جسدِ عنصری پر نگاہ کرتے ہیں تو یہ ساری خوبیاں ہمیں آپ کی ذات میں واضح خطوط کے ساتھ نظر آتی ہیں۔ بطور ثبوت باتھوں کا ایک ادنیٰ اعجاز ملاحظہ ہو —— ایک دفعہ دو صحابی سرکار کی بارگاہِ عالم پناہ میں دیر تک بیٹھے رہے۔ جب رات بھیگ گئی اور روشنی پر تاریکی نے اپنا منحوس سایہ ڈال دیا۔ تو دونوں بزرگ اپنے گھر کو روانہ ہوئے۔ رحمت بر دوش پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو جب راستہ کی تاریکی کا خیال آیا تو آپ نے ایک صحابی کے ڈنڈے پر دست کرم پھیر دیا۔ اب کیا تھا اندھیروں میں قدم رکھتے ہی وہ ڈنڈا تاریکی کا دشمن بن گیا۔ اور اس میں ریڈیم کی سی چمک پیدا ہو گئی صحابیوں کو اس محیر العقول کارنامے پر قطعاً کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ وہ سرکار کی زندگی میں اس قسم کا کمال دیکھنے کے عادی تھے۔ لہذا بے فکری کے ساتھ ان دونوں نے اسی ڈنڈے کی روشنی میں اپنے گھر کی مسافت طے کی۔ تذکرہ نگاروں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ دوسرے صحابی نے اپنے اندھے ڈنڈے کو بھی اسی روشن ڈنڈے سے ملا کر روشن کر لیا۔ جس طرح ایک جلتی ہوئی موم بتی سے دوسری موم بتی جلالی جاتی ہے ؎

سلام اے نور والے نور کی شام و سحر والے
سراپا نور تو، تیرا گھرانہ تیرے گھر والے

ہم خاکی ایسے کثیف ہیں کہ اگر روشنی کے دہانے پر پشت کر کے کھڑے ہو جائیں تو پوری محفل ظلمت کدہ بن جاتی ہے۔ اور سرکار ایسے نوری اور لطیف کہ مادہ پر نظر کردیں تو اس کی کثافت کا دور دور تک کوئی نشان نہیں ملتا بلکہ اس کی رگ رگ سے ضیاء پھوٹنے لگتی ہے۔ یقیناً آپ کے اندر آفتاب و ماہتاب کا سا کلمل تھا۔ اور آپ کی ذات نور میں تھی جس کی شہادت خود قرآن نے دی ہے ——

حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رات کے اندھیرے میں میری سوئی گم ہو جاتی اور سرکار حجرۂ اقدس میں تشریف لے آتے تو میں آپ کے لب و دندان کی روشنی میں اپنی سوئی پالیا کرتی تھی۔ سبحان اللہ! یہ آپ کی نورانیت کی کتنی روشن دلیل ہے۔ اب ذیل میں غوث الاعظم سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا بھی ایک واقعہ ملاحظہ فرمایئے تاکہ اس دعویٰ کی دلیل بھی سامنے آجائے کہ آپ ہی نہیں بلکہ آپ کے گھر والوں کی ذات میں میں بھی آپ کا عکسِ نور موجود تھا۔

حضرت شیخ عبدالمالک ذیّال رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک رات میں بغداد کے مدرسۂ عالیہ میں کھڑا تھا اسی اثناء میں سرکار غوث الاعظم جو اسی مدرسے میں درس دیا کرتے تھے تشریف لے آئے۔ حضرت ذیّال فرماتے ہیں کہ آپ کے دست مبارک میں لکڑی کا ایک بلند قامت عصا تھا۔ جسے آپ نے زمین میں گاڑ دیا۔ عصا زمین میں نصب ہوتے ہی فوراً روشن ہوگیا۔ مدرسہ عالیہ کے کمپاؤنڈ کی ساری چیزیں جو تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ یکبارگی دکھائی دینے لگیں یعنی عمارت میں ہر طرف روشنی پھیل گئی۔ پورے ایک گھنٹہ بعد جب گفتگو تمام ہوئی تو بارادۂ واپسی عصا زمین سے اٹھایا تو وہ اپنی اصلی حالت پر لوٹ آیا۔ سچ فرمایا اعلیٰ حضرت نے ؎

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

جسم بے مثالی

رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیرینہ رفیق و دم ساز اور خلوت و جلوت کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنی زندگی کے بہترین تجربات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی خوبرو، خوش وضع اور خوش رنگ تھے۔ پسینہ کی بوندیں موتیوں جیسی آبدار ہوتی تھیں میں نے کبھی کوئی ریشمین کپڑا آپ کی ہتھیلی مبارک سے زیادہ نرم نہ پایا اور کسی قسم کا مشک و عنبر آپ کے پسینے سے زیادہ دل پذیر خوشبو والا میں نے کبھی نہ سونگھا۔ (بخاری و مسلم)

پسینہ شریف کا تو کہنا ہی کیا ہے بول مبارک تک میں تعفن کا ہرگز کوئی تصور نہ تھا۔ روایات صحیحہ موجود ہیں کہ پیٹ کی ایک مریضہ کے لئے آپ کا بول مبارک شفائے کلی اور راحت دوام کا سبب بن گیا۔ یہ خوبی کبھی خاکی جسم میں کبھی نہ دیکھی گئی۔ اس لئے اہل حق نے تسلیم کیا ہے کہ آپ نوری بشر تھے۔ اور آپ کے جسد نور سے ہمیشہ فیض کا آبشار پھوٹا کرتا تھا ؎

عنبر زمیں، عبیر ہوا، مشک تر غبار
ادنیٰ سی یہ شناخت تری رہگذر کی ہے

جسم بے سایہ

نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ سائے کے لئے ظلمت شرط ہے۔ ہر شئی جو کثیف ہے اس کا وجود روشنی میں اپنا نقش چھوڑتا ہے۔ اور ہر شئی لطیف

کا عنصر روشنی میں ضم ہو جاتا ہے جیسے شیشہ اور پانی وغیرہ چونکہ نورانی سبھوں سے زیادہ لطیف ہے اس لئے اس کا سایہ متصور نہیں۔ حضور کے نور ظاہر ہونے کی ایک پہچان آپ کے جسم پاک کا سایہ نہ ہونا بھی ہے اور جب آپ کا جسد عنصری اس درجہ لطیف و پاکیزہ ہے کہ چاند و سورج کی رنگتیں ماند ہیں تو پھر سایہ کیونکر ممکن ہے امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں یہ حدیث پاک نقل کی ہے ـــ

اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یری لہ ظلٌ فی الشمس والقمر۔ یعنی چاند و سورج کی تیز روشنی میں بھی کبھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد نورانی کا سایہ نہ دیکھا گیا۔ حتیٰ کہ جو کپڑے جسم پاک سے دو گھڑی کیلئے مس ہو جاتے حالانکہ وہ نہ نور ہوتے اور نہ نوری جسم کا حصہ مگر ان کے سائے بھی نظر نہ آتے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور نور بھی تھے اور نور بخش بھی۔ اسی سے صوفیائے کرام نے استدلال کیا ہے کہ فنافی الرسول کی پہچان یہ ہے کہ جس وقت اس پر محویت طاری ہو اور وہ مستغرق بحر شہود ہو جائے تو اس کے جسم کا سایہ باقی نہیں رہتا۔ اس کی فنائیت کی سب سے روشن دلیل بھی یہی ہے۔ مگر یہ کیفیت وقتی ہوگی دوامی نہیں۔ جس طرح کپڑے آپ کے جسم بے سایہ سے چھو جانے کے وقت ہی بے سایہ ہوتے تھے۔

ایک کرامت قطب عالم حضور سیدنا خواجہ شاہ قیام اصدق چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو متاخرین اولیائے بہار سے ہیں۔ ان کا ایک واقعہ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ ضلع شاہ آباد کے نواح میں تشریف رکھتے تھے آپ کی زیارت کو اطراف و جوانب کے علماء اور مشائخ جمع ہوگئے جن میں آپ کے خلفاء کی بھی خاصی تعداد تھی انھیں علماء میں یہ بحث چھڑ گئی کہ جسم پاک کا سایہ نہ ہونا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزۂ مخصوصہ تھا۔ یا اولیاء و ابدال میں سے بھی کسی میں یہ کمال پایا جانا ممکن ہے؟ بعضوں نے کہا کہ ممکن ہے اور بعضوں نے سرکار کا معجزۂ مخصوصہ قرار دیا۔ اختلاف کی صورت میں لوگ فیصلے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قطب عالم نے دونوں فریق کی دلیلیں معلوم کر لینے کے بعد ارشاد فرمایا کہ بطور دوام جسم پاک کا سایہ نہ ہونا تو بلاشبہ سرکار کا معجزۂ مخصوصہ ہے۔ لیکن کوئی ولی یا عاشق

وصول ہمہ تن سرکار کی جانب متوجہ ہو کر خودی کو گم کر دے تو اس ساعت مخصوصہ میں بسبب پرتو رسالت مآب اس کا سایہ غائب ہو سکتا ہے۔

اس جواب کے بعد سبھی لوگ خاموش رہے۔ لیکن کچھ لوگوں کی ذہنی خلش باقی رہی حضرت چند دنوں کے بعد عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد انھیں رفقاء کے ساتھ مسجد سے باہر ہوئے اور فرمایا کہ چاندنی رات ہے سبھی لوگ چلیں ندی کے کنارے چہل قدمی کر آئیں اسی دوران جب آپ ندی کے کنارے ریت پر چل رہے تھے اور سارے رفقاء آپ کے پیچھے تھے۔ دفعتاً حضرت منشی اقبال حسین کی نظر جا پڑی کہ ہم میں سے ہر ایک کا سایہ تو زمین پر موجود ہے مگر حضرت قطب عالم کے جسم کا سایہ کہیں نہیں۔ انھوں نے دوسروں کو اشارہ کیا اور اس کے بعد ہر ایک نے بغور دیکھا۔ حقیقت بالکل یہی تھی لیکن قیام گاہ پر واپس آجانے کے بعد شمع کا فوری روشنی میں سبھوں کے ساتھ آپ کا سایہ بھی دیکھا گیا۔

بعد میں کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم لوگ ادباً خاموش تو ہوگئے تھے لیکن حضرت کے جواب پر دل مطمئن نہ تھا۔ لیکن اب مشاہدہ کے بعد قلب بالکل مطمئن ہوگیا۔ اس وقت لوگوں کو یہ بات سمجھ میں آئی کہ "قال" کے ذریعہ مسئلہ حل نہ ہو سکا تو اسے بصورت "حال" سمجھایا گیا اسی لئے تو فاضل بریلوی نے کہا ہے ؎

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

چہرۂ شرمندۂ آفتاب انا اول الخلق والخلق کلھم من نوری کے تحت حضور کا وجود نور اول ہے اور کائنات اسی سے مستنیر ہوئی۔ یعنی حضور کا نور ذات اصل اور عالم کا ہر نور اس کا عکس ہے اور عکس کے سامنے عکس کی اصلاً کوئی حقیقت نہیں۔ انیس الامت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حسن و رعنائی کے ہزارہا جلوے دیکھے ہیں پر رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کی زلف و رخ کی جلوہ سامانیاں کہیں نظر نہ آئیں۔ کان الشمس تجری فی وجھہ (الترمذی) بس ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے بساط رخ پر سراج منیر رقص کر رہا ہے۔
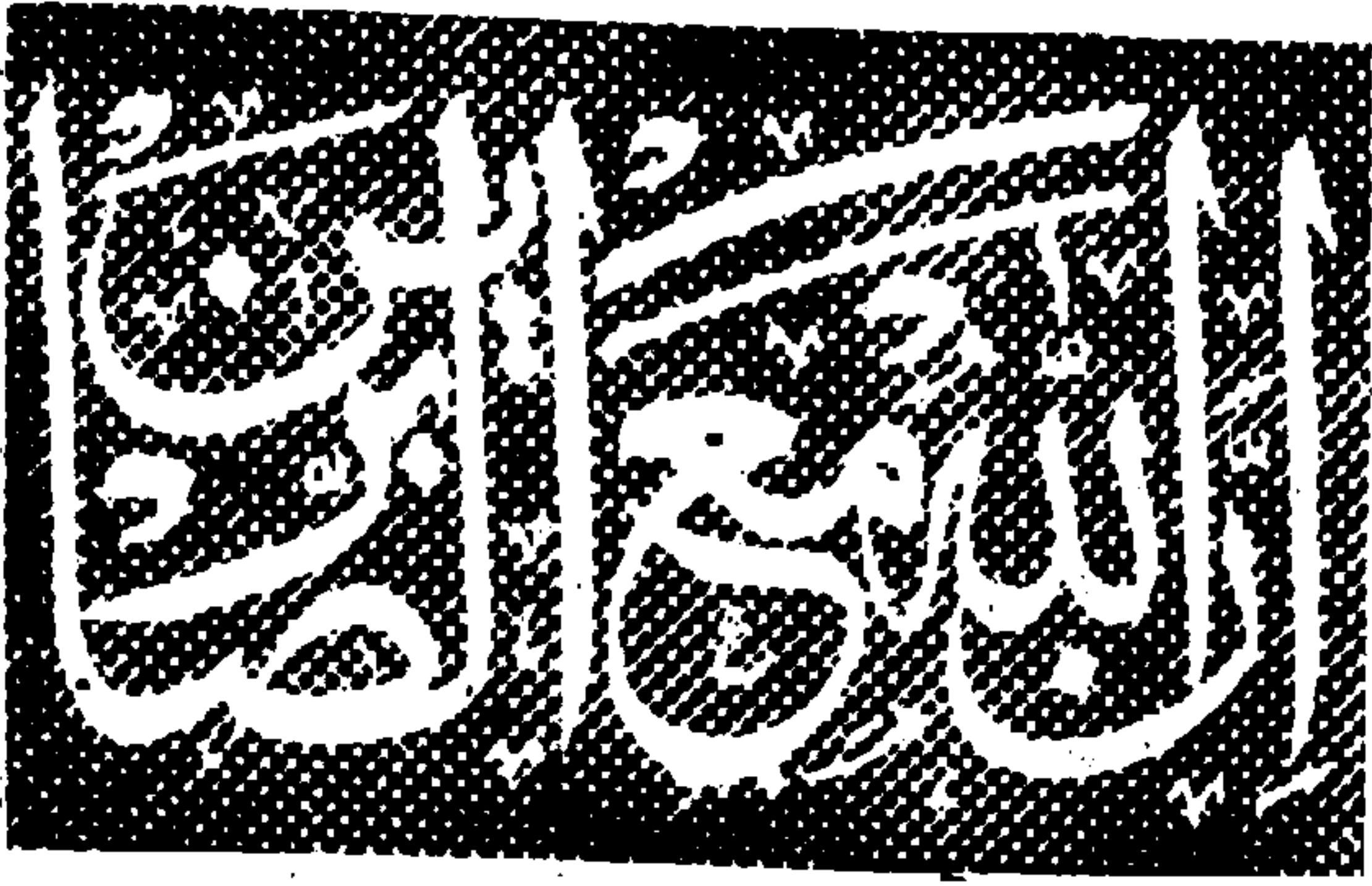
رخسار رشکِ ماہتاب

عظیم المرتبت صحابی سیدنا جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جب کہ چاندنی رات تھی سرکار رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سرخ حلہ شریف زیب تن کئے ہوئے اپنے حجرہ ملک آستاں سے نمودار ہوئے جوں ہی میری نگاہ آپ پر پڑی تو میں حسن کی پہنائیوں میں کھو گیا۔ کچھ دیر بعد جب حواس ٹھکانے آئے تو میں ورطۂ حیرت میں ڈوب کر کبھی آپ کو دیکھتا اور کبھی بدر جہاتاب کو۔ بالآخر میرے ضمیر کا فیصلہ یہ ہوا۔ فَاِذَا هُوَ اَحْسَنُ عِنْدِیْ مِنَ الْقَمَرِ (الدارمی) یعنی رخ پرنور کی لمعان کے آگے چاند کی چمک شرمندہ دکھائی دے رہی تھی ؎

ضو ہے اس خورشید کے اختر مُتابندہ ہے
چاندنی جس کے غبار راہ سے شرمندہ ہے

حضور ایسے نور اور حضور کا جسم ایسا نورانی کہ سورج کی ضو اور چاند کی لو بھی مدھم نظر آئے تو پھر دنیا کی دوسری روشنیوں کا شمار ہی کیا ہے۔ بلاشبہ آپ مخزن انوار ظاہر ہیں جسکی طرف ھُوَالظاہر کہہ کر قرآن حکیم نے نہایت لطیف اشارہ فرمایا ہے۔

نور باطن کا فیضان

زمانہ نبوی سے قبل نہ مذہبی تقدس کا کوئی تصور باقی تھا اور نہ اخلاقی قدروں کا کوئی نشان۔ آدمی آدمیت کے فرائض کو بھول چکا تھا — اور انسانوں نے انسانیت کا لبادہ اتار دیا پھینکا تھا۔ خویش و بیگانے کی تمیز اٹھ چکی تھی۔ اور ہر طرف رنگ و نسل کے سکے چل رہے تھے۔ ضلالت کا اندھیرا افق عالم پر محیط تھا۔ ظلم کی سیاہی انفس و آفاق میں پھیل چکی تھی۔ اور کفر و شرک کے علمبردار اپنی برتری کا لوہا منوانے کے لئے ہر سو دندناتے پھر رہے تھے کتنا بھیانک وہ وقت تھا جب تمدنی زندگی دم توڑ چکی تھی۔ تہذیب کی روح مٹائی جا رہی تھی۔ اور عیب کو ہنر کا نام دیا جا رہا تھا کتنی افسوسناک وہ گھڑی تھی جب انسانی روپ درندہ بن گیا تھا حرص و ہوس کی گرم بازاری شرافت کا معیار قرار دی جا رہی تھی۔ اور دیانت و تقویٰ کا مذاق اڑایا جا رہا تھا۔ کتنے پرسوز وہ لمحات تھے جب کمزور قوی کے آگے سرنگوں تھا۔ عدالت ظالموں کے ہاتھ کا کھلونا تھی۔ اور مساکین امراء کے روبرو بھکاری تھے ؎

ان اللہ مع الصابرین

فریاد کر رہی تھی یہ ترسی ہوئی نگاہ
دیکھے ہوئے کسی کو بہت دن گذر گئے

ایسے انسانیت سوز ماحول میں جب کہ ہر شخص اپنی اپنی مرضی کا دیوتا پوج رہا تھا۔ آمنہ کا دُرِ یتیم ساری دنیا کے لئے روشنی کا مینار بن کر ظاہر ہوا۔ آپ آئے تو ہر طرف رحمت نے ڈیرے جمائے۔ ہر سو ہدایت کا اجالا پھیلا۔ اور خانۂ دل تک اس سراج منیر کی روشنی پہونچی۔

آپ کے دم سے انسانیت بیدار ہوئی۔ آدمیت پنپ اٹھی۔ دادرسی کے دروازے کھلے۔ اور ہر سمت حق کا غلغلہ بلند ہوا — آپ ہی کے قانون کا سہارا لیکر دنیا کو جرم عصیاں سے روکا گیا۔ نیکی اور بدی کی پہچان کرائی گئی۔ عفو و درگذر کا راستہ بتایا گیا۔ اور اخوت کی راہ ہموار کی گئی۔ آپ ہی کی سیرت کا سبق پڑھ کر نخوت کا صنم توڑا گیا۔ نفس کے فریب سے بچنے کی تعلیم دی گئی۔ اور بنی نوع انسان کو طالب عقبیٰ بنکر جینے کا سلیقہ معلوم ہوا۔

آمنہ کے اسی گیسو دراز شہزادے کے دم قدم کی برکت تھی کہ غریبوں نے سر اٹھایا۔ مظلوموں نے چین پایا۔ یتیموں کو ڈھارس بندھی اور عورتوں کو جینا نصیب ہوا۔ آپ ہی نے خاندانی عصبیت، قومی منافرت، اور طبقاتی عداوت کو دور کر کے نسل آدم کو وحدت کا درس دیا۔ اور آپ ہی چشم فیضان کا جام پی کر اللہ کے بندوں کو اپنے خالق حقیقی کا عرفان حاصل ہوا۔ انھیں کے وجود سے معبودان باطل کا چرچا مٹا۔ گھر گھر کا شرک کافور ہوا۔ اور انھیں کے نور سے گلی کوچوں میں پھیلے ہوئے ضلالت کے اندھیرے دور ہوئے۔ سچ کہا ہے ؎

جہاں تاریک تھا، ظلمت کدہ تھا، سخت کالا تھا
کوئی پردے سے کیا نکلا، کہ گھر گھر میں اجالا تھا

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر

مدینہ منورہ کی

قدیم تاریخ
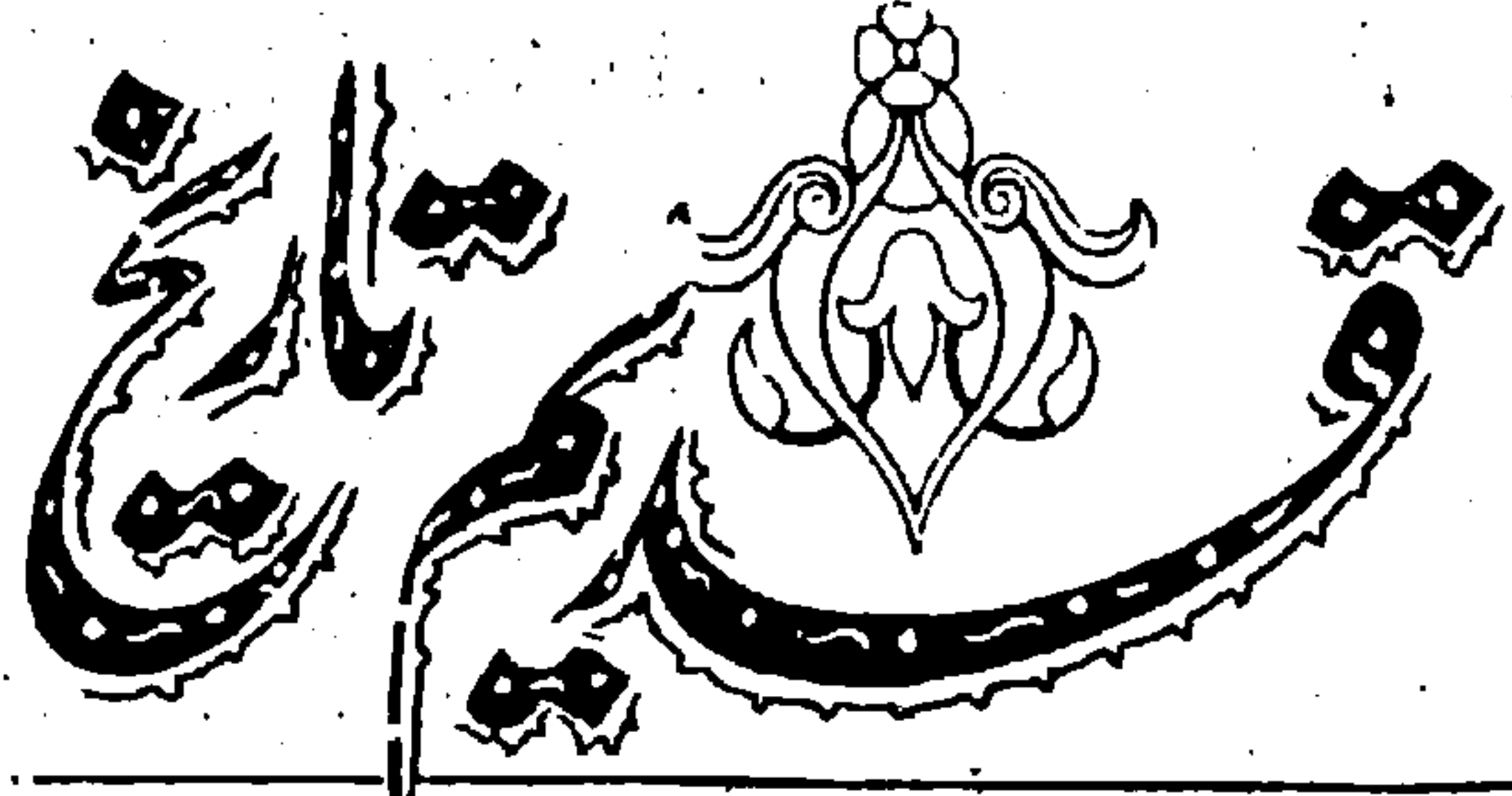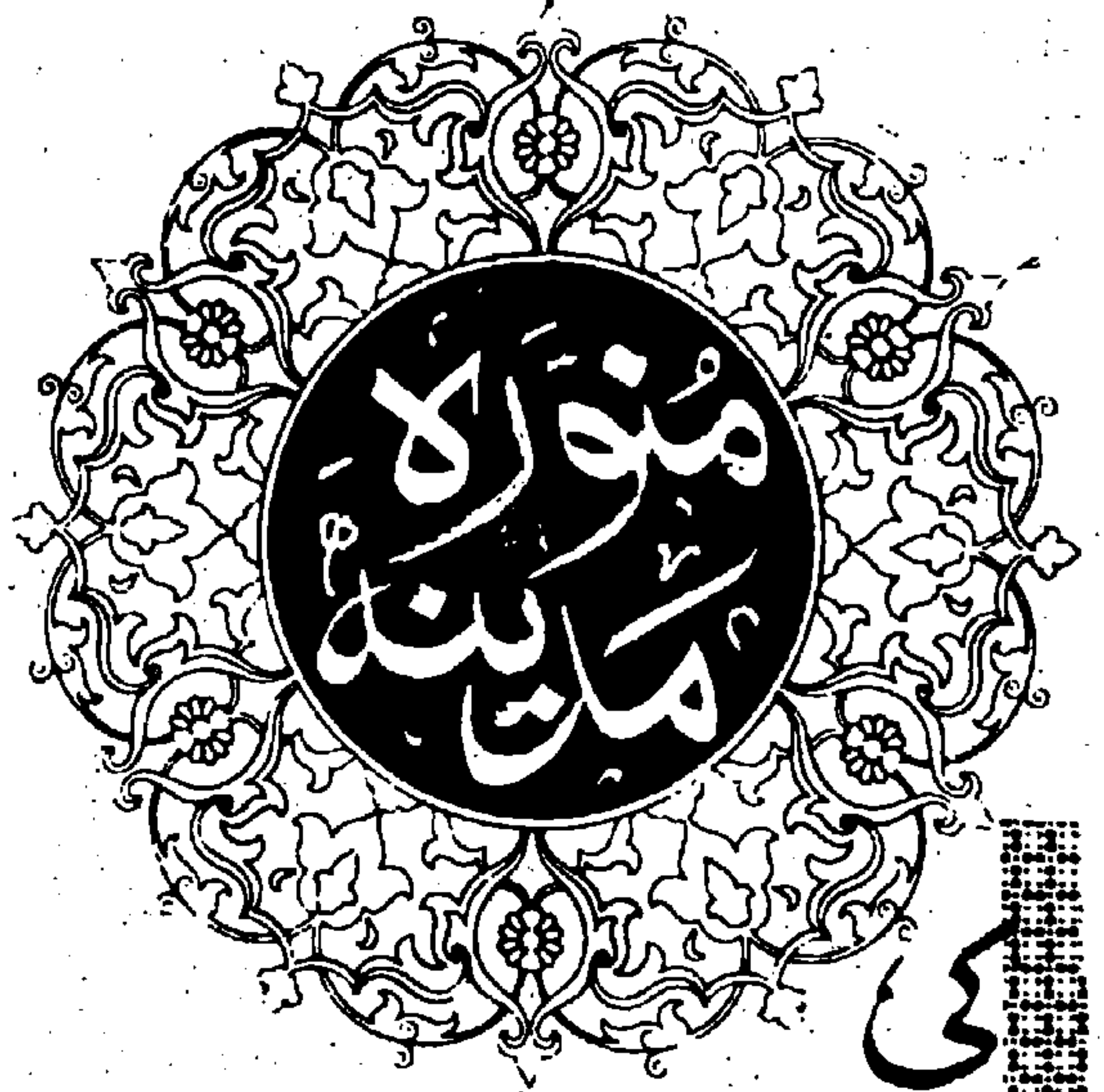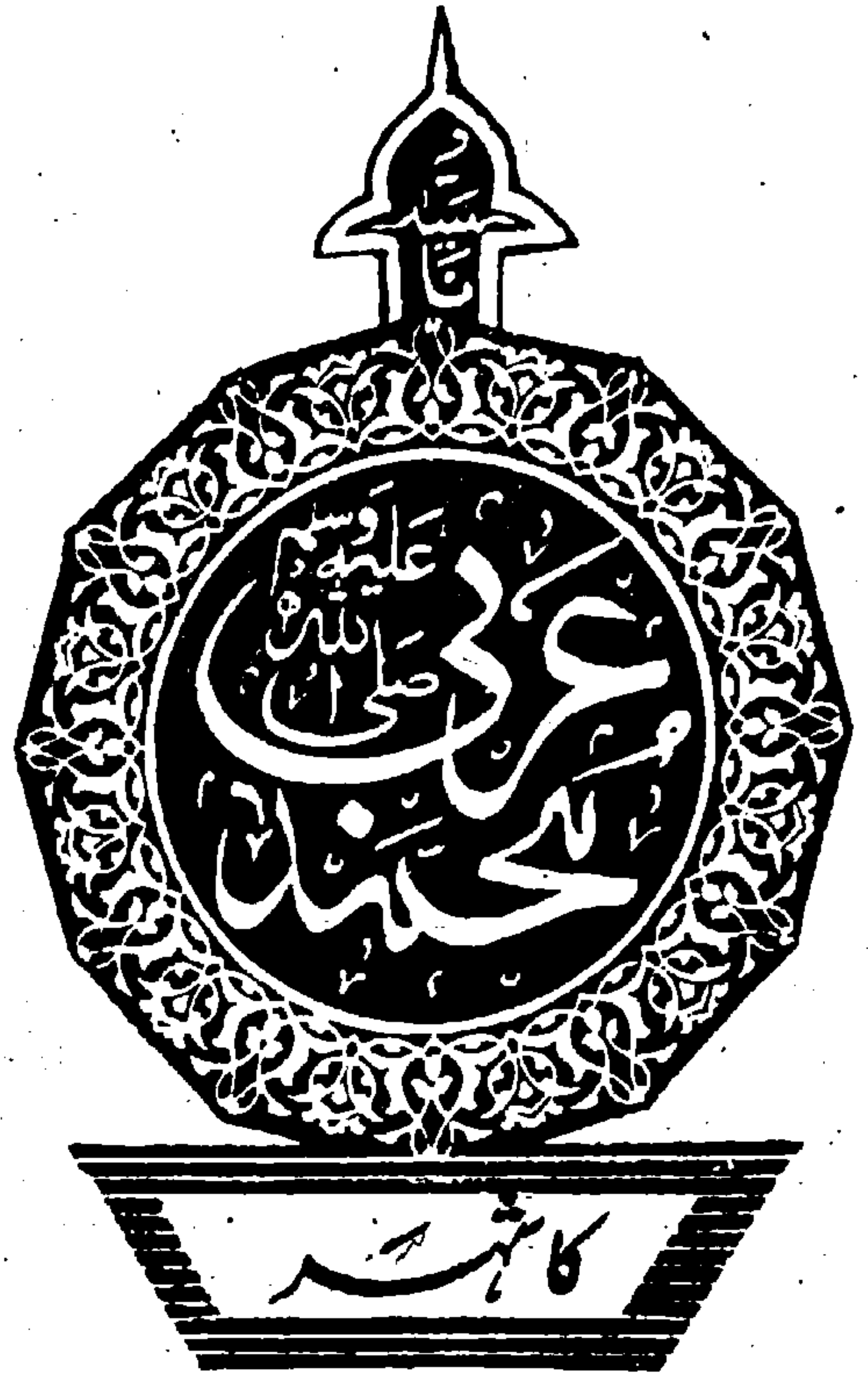
شیخ محمد اسلم ملک

جبل احد اور جبل عیر کے درمیان شمالاً جنوباً اور حرۃ واقم اور حرۃ الوبرہ کے درمیان شرقاً غرباً کم و بیش دس مربع میل پر پھیلا ہوا یہ علاقہ انتہائی زرخیز اور شاداب ہے۔ آب و ہوا معتدل اور خوشگوار اور پانی وافر مقدار میں دستیاب ہے۔ ساحل سمندر سے زیادہ فاصلہ نہیں یمن اور شام کے درمیان کی قدیم تجارتی شاہراہ — امام المبین[1] یہیں سے ہو کر گزرتی تھی۔ اور عہد رسالت مآب میں قریش مکہ کے رحلۃ الصیف کے کارواں یہیں سے زادِ سفر لے کر آگے بڑھتے تھے۔ جوفِ مدینہ میں پانچ زرخیز وادیاں ۔ مہزور، مذینب، زالونا، لبطحان اور قناۃ — تھیں۔ وادیوں کے ساتھ چھوٹی[2] چھوٹی بستیوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ بستیاں ایک دوسرے سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر واقع تھیں۔ بستیوں کے اس مجموعہ کو یثرب کہا جاتا تھا۔ رسولِ اکرم جب مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے اپنا علیحدہ شہر بسایا[3]۔ یہی شہر مدینۃ الرسول کے نام سے مشہور ہوا اور رفتہ رفتہ یثرب کی طرح اس کا اطلاق جوف کے اندر واقع تمام آبادیوں اور قریوں پر ہونے لگا۔ یہ نام رسالت مآب کے سیاسی غلبہ اور قوت کی یاد بھی تازہ کرتا ہے۔ مدینہ آنے کے بعد جوف کی ساری آبادیاں چونکہ آنجناب کے ماتحت تھیں اس لئے یہ مدینۃ الرسول کہلائیں، جس کا سیاسی مفہوم تھا "رسول کے زیرِ نگیں علاقہ"۔

مدینہ کے کئی نام ہیں۔ بعض کے نزدیک ۲۹[3] بعض کے نزدیک ۳۰[4]۔ بعض کے نزدیک ۹۴[5]، زیادہ ناموں کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ مدینہ کا ہر قریہ علیحدہ نام سے موسوم تھا۔ مثلاً قبا، بنی حارثہ، بنی ساعدہ، بنی قریظہ وغیرہ۔ اندازہ ہے کہ ہجرتِ رسول کے وقت یہاں کم از کم (مختلف بطون قبائل کی) بائیس قابلِ ذکر آبادیاں تھیں۔ دوسرے اس شہر کو چونکہ رسول خدا ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اس لئے بوجہ احترام اسے کئی ناموں سے پکارا جانے لگا۔

---

۱ :- القرآن نیز ارض القرآن جلد ۲ ص ۲۶۹۔
۲ :- تفصیل آگے آئے گی۔ ۳ :- شیخ رضا۔ محمد رسول اللہ (اردو ترجمہ) ص ۲۷۲۔ بحوالہ معجم البلدان (یاقوت)
۴ :- ایضاً۔ بحوالہ مجد شیرازی بغوی۔
۵ :- ایضاً۔ بحوالہ وفاء الوفاء سمہودی۔

مبارکہ، منورۂ، فاصحہ، بیدار سلہ، طابرسلہ، طیبہ وغیرہ۔

شہر کب آباد ہوا

تاریخی شواہد کی عدم موجودگی کے سبب یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ مدینہ کا شہر پہلے پہل کب اور کس نے بسایا تھا؟ اس ضمن میں مختلف قیاس آرائیاں کی گئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ ایک رائے یہ ہے کہ یہ شہر بنی جرہم نے آباد کیا جو حضرتِ اسماعیل کے ہم عصر تھے (جرہم کی ایک شاخ) اُن کو جب عک نے شکست دے کر وطن سے نکال دیا تو وہ گھومتے پھرتے مدینہ آئے۔ اس زمانہ میں یہودی آباد تھے[۳]۔

۲۔ دوسری روایت کے مطابق یہ شہر بنی عمالقہ نے آباد کیا تھا۔ حضرتِ موسیٰ کے زمانے میں یہ شہر نہ صرف موجود تھا، بلکہ اتنی سیاسی اہمیت کا حامل بھی تھا کہ حضرتِ موسیٰ نے اسے فتح کرنے کے لئے فلسطین سے ایک لشکر روانہ کیا۔

۳۔ ابنِ سعد کی ایک روایت سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس جگہ بنو عمالقہ رہتے رہے ہیں۔ ان کی جائے سکونت جُحفہ تھی مگر ابن سعد ہی کے مطابق عمالقہ سے قبل یہاں عبیل آباد تھے جنہیں نکال کر عمالیق نے قبضہ کیا تھا۔ عمالیق کو بھی یہاں سے نکلنا پڑا کیونکہ طغیانیوں اور سیلابوں نے ان کی بستی کو تباہ کر ڈالا۔ عربی میں جُحفہ کا مطلب ہے "بہالے جانا"۔

۴۔ یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ شہر کے اصل اور پہلے بانی وہی ہیں۔ بعض اور مورخین نے بھی اس خیال کی حمایت کی ہے[۵]۔

ان چاروں روایات کو سامنے رکھ کر یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے، کہ یہ شہر بہت قدیم زمانے سے آباد ہو گیا تھا۔ قرائن اور نظائر بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ جوفِ مدینہ کا جغرافیائی محلِ وقوع، دفاعی پوزیشن، خوشگوار آب وہوا، بافراط پانی اور زرخیز وادیاں قدیم آبادکاروں کے لئے زبردست کشش رکھتی تھیں۔ مدینہ کا جغرافیائی اعتبار سے عرب نگستان سے زیادہ قریبی تعلق رہا ہے، جو مہذب اور متمدن اقوام کا قدیم ایام سے مسکن تھا۔ اس بات کی تصدیق اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کے مطابق مدینہ کے پہلے آباد کار: یثرب کو حضرت نوح کی ساتویں پشت کا فرد کہا گیا ہے۔ عمالیق نے ہی پہلے پہل شہر بسایا تھا، جو مصر کے حکمران تھے۔ ان کے عروج کا زمانہ ۲۲۰۰ قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ اندازاً یہ شہر ۱۶۰۰ قبل مسیح میں بسایا گیا ہوگا[۱]۔

تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو مدینہ مختلف اقوام کی آماجگاہ رہا ہے۔ ہر نو وارد قوم نے دوسروں کو دھکیل کر یا زیر کر کے شاداب وادیوں پر قبضہ کر لیا۔ غالباً عاد کے زمانے میں بھی یہاں آبادی موجود تھی، جو حضرتِ ابراہیم سے بھی پہلے ہو گزرے ہیں۔ ممکن ہے اس وقت یہاں مستقل آبادی نہ ہو اور بنو عمالقہ ہی نے یہاں مستقل سکونت اختیار کر کے باقاعدہ ایک قصبہ کی داغ بیل ڈالی ہو۔ عمالقہ کے بعد جُرہم اور عبیل وغیرہ کے قبیلے بھی یہاں آباد رہے ہوں شاید انہی کی نسل کے باشندے عہدِ رسالت مآب میں مدینہ میں رہتے تھے[۲]۔ گو سیاسی اور معاشرتی لحاظ سے ان کی کوئی وقعت نہ تھی بلکہ وہ اپنی انفرادی حیثیت بھی گم کر چکے تھے۔ عہدِ رسالت کے مدینہ میں ایسے کئی قبائل کے نام نظر سے گزرتے ہیں جو یہود کی کسی معروف شاخ سے تعلق رکھتے تھے اور نہ اوس وخزرج میں سے کسی کے ساتھ ان کا سلسلۂ نسب ملتا تھا مثلاً بنی نبیت۔ اسی لئے اکثر مورخین نے انہیں یا تو سہواً یہودی لکھ دیا یا صرف یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ فلاں فلاں قبیلے کے موالی ہیں۔ اندازہ ہے کہ یہ مدینہ کے قدیم آبادکاروں کے باقیات تھے۔

مدینہ کا قدیم نام

مدینہ کا سب سے قدیم نام جس کا سراغ تاریخ میں ملتا ہے، یثرب نہیں اثرب[۱] ہے۔ توریت میں متعدد مقامات پر مدینہ کا ذکر اسی نام سے کیا گیا ہے[۴]۔ سلع مدینہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے جو جوفِ مدینہ کے تقریباً وسط میں واقع

---

۱ :۔ صحیح مسلم کتاب الجہاد۔ باب فضائل مدینہ۔
۲ :۔ صحیح بخاری ومسلم۔ ایضاً۔
۳ :۔ بلاذری۔ فتوح البلدان صد ۱۶ تا ۱۔ ۴ :۔ کتاب الاغانی ج ۱۹ ص ۹۴۔ ۵ :۔ ابنِ سعد۔ طبقات ج ۱۔

۱ :۔ ارض القرآن ج ۲ ص ۱۰۱
۲ :۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ بوہل لفظ مدینہ
۳ :۔ تاریخ ابن خلدون ج ۱ "د موالی بنی ثعلبہ"، جو میثاقِ مدینہ میں ایک فریق کی حیثیت سے شامل ہوتے تھے مگر ان کا علیحدہ نام نہیں۔
۴ :۔ کتاب السیاۃ ۴۲ باب ۱۱ درس۔

ہے۔ اس کے دامن میں زمانۂ قدیم کے کھنڈرات عہدِ رسالت تک موجود تھے[1] اور مسجدِ نبوی بھی کھنڈرات پر تعمیر کی گئی تھی[2] ــــ سَلع یا صَلع جسے سلاع یا صلاع بھی لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ کا مخرج ایک ہی ہے۔ اس کا مترادف رقیم ہے جسے یونانی پٹیرا کہتے تھے۔ حجر بھی اسی کو کہتے ہیں۔ سَلع، صَلع، رقیم، حجر یا پٹیرا کے لفظی معنیٰ "پتھر" کے ہیں مگر مجازاً قریہ یا بستی مراد لی جاتی ہے[3]۔

رقیم بہت قدیم شہر تھا۔ بنو اسرائیل کے پڑوس میں واقع ہونیکی وجہ سے اسرائیلیات میں اس کا ذکر بکثرت آیا ہے اور قرآن مجید نے بھی اس کا حوالہ دیا ہے۔ اسرائیلی اس شہر کو صَلع یا صَلاع کہتے تھے۔ اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ مدینہ اور رقیم کا ذکر اسرائیلی ادبیات میں خلط ملط ہو گیا ہو۔ کتاب الآغانی کی جس روایت میں مدینہ پر اسرائیلی حملے کا ذکر کیا گیا ہے عین ممکن ہے کہ وہ حملہ رقیم پر کیا گیا ہو۔ تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ رقیم پر آلِ اسرائیل نے متعدد حملے کئے۔ پہلا حملہ اس وقت کیا گیا جب بنی ادوم یہاں آباد تھے۔ حملوں کا یہ سلسلہ حضرتِ داؤد کے زمانے تک جاری رہا تاآنکہ یہ شہر سلطنتِ داؤد کا جزو بن گیا۔

یہود کی آمد

مدینہ کی قدیم تاریخ پر پردہ پڑا ہوا ہے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ یہاں کیا کچھ ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ یہود کی مدینہ میں آمد کے متعلق بھی یقین سے کوئی بات نہیں کہی جاسکتی اور اس بارے میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔

ا:۔ یہودی خود اس بات کے دعویدار ہیں کہ حضرتِ موسیٰ کے آخری زمانہ میں مدینہ پر حملہ کرنے کے بعد مدینہ کے مشرکوں میں سے کسی ایک متنفس کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ حملے کے بعد یہودیوں نے مدینہ کے بادشاہ کے ایک نوخیز لڑکے کے سوا تمام لوگوں کو تہ تیغ کر دیا۔ اس لڑکے کو لیکر جب فلسطین پہنچے تو حضرتِ موسیٰ وفات پاچکے تھے اور ان کے جانشینوں نے لشکر پر یہ الزام عائد کیے کہ انہوں نے نبی کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے، سخت تادیبی کارروائی کی دھمکی دی۔ مجبوراً اہلِ لشکر وہاں سے نکل کر مدینہ میں لگ بھگ ۱۲۰۰ قبلِ مسیح کے آباد ہوگئے۔

اس روایت میں یہ بات غور طلب ہے کہ یہودی خود بھی مدعی نہ تھے کہ مدینہ میں آباد ہوتے وقت انہیں سیاسی غلبہ یا قدرت حاصل تھی بلکہ خود ان کے اپنے بیان کے مطابق انہوں نے یہاں سیاسی پناہ حاصل کی تھی۔

۲:۔ بختِ نصر کے حملہ (۵۸۷ قبلِ مسیح) میں جب بنی اسرائیل تتر بتر ہوتے تو ان کا ایک گروہ مدینہ میں آکر بس گیا۔

۳:۔ ۷۰ء میں فلسطین پر رومی حملے کے بعد ۱۳۶ء میں جب یہودیوں کو وطن سے نکالا گیا تو یہ مدینہ، تیما، وادی القریٰ وغیرہ میں آکر پناہ گزیں ہوگئے۔

مورخین کا ایک طبقہ موخرالذکر رائے کو درست خیال کرتا ہے مگر ان روایات کا تجزیہ کیا جائے تو نہایت دلچسپ پہلو سامنے آئیں گے:۔

یہودیوں کے فلسطین سے نکلنے کی وجہ یا تو شدید داخلی اختلافات تھے یا حملہ آوروں کی تباہ کاریوں نے انہیں وطن چھوڑنے پر مجبور کیا۔ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فلسطین سے یہودی مختلف اوقات میں

---

[1]:۔ صحیح بخاری۔ [2]:۔ نسائی کتاب الصلوٰۃ عن انس۔

[3]:۔ عرب کے اکثر قدیم شہروں کے نام کا معنیٰ "قریہ" یا "آبادی" ہوتا ہے مثلاً بکہ، البجد، وادی القریٰ، دومۃ الجندل (پتھر کا بنا ہوا شہر) اور اس کے مقابلے میں دولۃ الراد اس شہر کی تعمیر تراشے ہوئے پتھروں کے درمیان لکڑی کے بلاک رکھ کر کی گئی۔ بلاذری۔ فتوح البلدان ص۶۳)
اور دنیا کے عظیم آباد کار حضرت ابراہیم کے آبائی گاؤں ار یا عور۔ رقیم، حجر یا ہجر سب کا مطلب آبادی یا بستی ہوتا ہے۔ عور یا ار کا لفظ سفر کرتے کرتے جنوبی ہندوستان پہنچا تو جب بھی اس کے معنوں میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی (حمید اللہ۔ مسلم کنڈکٹ آف سٹیٹ) جو اور لفظوں کے لاحقہ کے طور پر استعمال ہو کر شہر / قریہ کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ مثلاً منگلور وغیرہ۔
عرب جس کے معنیٰ ویرانہ (بقولِ قرآن 'وادٍ غیرِ ذی زرعٍ') ہوتے ہیں اس کے باشندے مستقل سکونت اختیار کرتے تو اس کا نام "نئی بستی" پڑجاتا۔ جس طرح لفظ "ہجر" ہے جو حبشی یا شامی زبان کا لفظ ہے جب کوئی خانہ بدوش بدویت کو خیرباد کہہ کر شہری زندگی اختیار کرلے اسے ہجر کہا جاتا ہے۔ شروع شروع میں عرب کے شہر پتھر سے بنتے ہوں گے اس لئے ان کا نام ہی "پتھر" یا پتھر کا بنا ہوا شہر" پڑگیا ہوگا۔ مثلاً دومۃ الجندل، رقیم، صَلع اور سَلع۔

مختلف اسباب کی بنا پر ترکِ وطن کر کے مدینہ اور دوسری جگہوں پر پناہ لیتے رہے۔ بعید نہیں کہ پہلا یہودی قافلہ حضرت موسیٰ کے عہد میں یا اس کے بعد کے زمانے میں یہاں پہنچا ہو۔ بخت نصر کے حملے اور رومیوں کی یلغار کے بعد بھی یہودیوں کے گروہ مدینہ میں آگئے ہوں۔ اس طرح بتدریج ان کی تعداد بڑھتی گئی۔ جمعیت فراہم ہونے کے بعد انہوں نے مدینہ کی سیاست پر قبضہ جمانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیئے اور موقع پا کر سیاسی غلبہ حاصل کر لیا۔ یہ دوسری صدی عیسوی کا واقعہ ہے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ مؤرخین نے یہود کی مدینہ میں آمد کو اسی تاریخ سے شمار کیا ہے۔ اور اس سے بیشتر ان کے مدینہ میں ہجرت کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا حالانکہ مدینہ میں یہودیوں نے پہلے پہل پناہ حاصل کی اور انہیں سیاسی قوت پکڑنے میں کئی صدیاں لگیں مگر اس سے بہت پہلے یہودی یہاں پہنچ چکے تھے۔ شاید سب سے اخیر میں نقل مکانی کر کے آنے والے بنی نضیر اور بنی قریظہ تھے۔ یہ یہودیوں کے ۱۲ قبیلوں[1] میں سے سب سے زیادہ ممتاز اور دولتمند تھے۔ انہیں باقی یہود کے مقابلے میں اپنے حسب و نسب کے خالص ہونے پر فخر تھا۔ یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ یہود کے وہ گروہ جو بہت پرانے زمانے سے مدینہ میں آ کر بس گئے تھے، باہمی شادیوں[2] اور معاشرتی ارتباط کی وجہ سے باقی عربوں میں خلط ملط ہو گئے ہوں گے۔

حضرت موسیٰ کے فرستادہ لشکر کی روایت مبہم اور خلافِ قیاس معلوم ہوتی ہے البتہ اس کی توجیہہ کی جا سکتی ہے کہ حضرت موسیٰ نے رقیم پر فوج کشی کے لئے مہم روانہ کی، اور یہودی لشکری لوٹ کر واپس گئے تو داخلی اختلافات یا سیاسی انتشار کے سبب وطن سے نکل کر مدینہ (سَلَع) میں آ کر بس گئے اور اسرائیلی روایات میں یہ غلط فہمی صَلَع (رقیم) اور سَلَع (مدینہ) کی لفظی (اور معنوی) مشابہت کی وجہ سے پیدا ہو گئی۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ اس زمانے میں، جیسا کہ ہم نے دیکھا، مدینہ سَلَع کہلاتا تھا۔

---

[1] :۔ (سیرت ج۱ ص ۲۵۸) نے ۲۱ قبائل بتائے ہیں زیادہ صحیح ۱۲ ہے۔

[2] :۔ باہمی شادیوں کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ کعب بن اشرف کی ماں اسدی تھی اور وہ اشراف و سردارانِ یہود میں شمار ہوتا تھا۔

یہود کا بسایا ہوا شہر یثرب :

یہود جب مدینہ میں پہنچے تو یہاں کوئی مستقل قریہ نہ تھا بلکہ مکانات اور آبادیاں منتشر شکل میں تھیں جن کے گرد کھیتی باڑی ہوتی تھی[1]۔ یہاں کے قدیم باشندوں نے اپنی مدافعت کے لئے چھوٹے قلعے (آطم، آطام) بنائے ہوئے تھے۔ یہ قلعے یمنی طرزِ تعمیر سے مشابہت رکھتے تھے[2]۔ یہودیوں نے یہاں آنے کے بعد مضبوط اور مستحکم قلعے تعمیر کیے اور اپنا علیحدہ شہر بسایا، اس کا نام 'یثرب' تھا۔ یثرب آرامی زبان کا لفظ ہے۔ یونانی اسے IPTTREPPA کہتے تھے۔ جب یہود کی پوزیشن مستحکم ہو گئی تو انہوں نے سیاسی غلبہ حاصل کر کے باقی لوگوں کو اپنا مطیع و دستِ نگر بنا لیا اور زرخیز وادیوں پر قبضہ کر لیا[3]۔ ان کے سیاسی عروج کا آغاز اندازاً دوسری صدی سے ہوتا ہے۔ شہر کے قدیم باشندوں کا سیاسی انتشار یہودیوں کے غلبہ اور اقتدار کا سبب بنا ہوگا۔ قوت حاصل کرنے کے بعد یہودیوں نے شہر کی بستیوں کو منظم کیا۔ زراعت کو ترقی دی تجارت کو فروغ دیا۔ رفتہ رفتہ یہود کے آباد کردہ شہر کی مناسبت سے جوف کی ساری آبادیوں کے مجموعے کو بھی یثرب کہا جانے لگا۔ یہی نام عہد رسالت مآب تک معروف و مشہور تھا۔ آنحضور نے مدینہ آنے کے فوراً بعد یثرب کا نام بدل دیا۔ کیونکہ اوّلاً یہ نام یہودیوں کے سیاسی عروج اور غلبہ کی یادگار تھا[4]۔ ثانیاً یہ لفظ ظلم و تعدّی، برائی اور خرابی کے معنی دیتا ہے اور آنجناب کو یہ نام ناپسند تھا کیونکہ آپ مجسم رحمت اور سراپا نیکی بن کر آئے تھے۔ قرآن مجید[5] میں اللہ تعالیٰ نے اسے مدینہ فرمایا ہے تو اس واضح انتباہ کے ساتھ کہ یثرب جاہلیت اور برائی کا

---

[1] :۔ مستشرقین (بوہل۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام: لفظ مدینہ) کی یہ رائے صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ کھیتی باڑی کا آغاز یہود نے کیا اور یہ کہ یہود کی آمد سے پہلے مقامی باشندے خود رو کھجوروں کے باغات پر ہی گزران کرتے تھے مگر کاشتکاری سے نابلد تھے۔ البتہ یہودیوں نے کاشتکاری میں جدّت پیدا کر کے اسے ترقی دی۔ [2] :۔ گستاولی بان: تمدّن عرب (اردو ترجمہ) نیز الف بوہل۔ [3] :۔ منٹگمری واٹ "محمد مدینہ میں" تفصیلی بحث اس موضوع پر آگے آئیگی۔ [4] :۔ صحیح مسلم باب تفاصیل۔

[5] :۔ القرآن سورۃ المنافقون آیت ۸، التوبۃ آیت ۱۰۱ (خصوصاً) س الاحزاب آیت ۱۳،

نمائندہ ہے اور مدینہ اسلام اور شوکتِ اسلام کا آئینہ دار۔

جس قریہ کی مناسبت سے جوف کا سارا خطہ "یثرب" کے نام سے مشہور تھا، وہ قریہ رسالتمآب کے زمانے میں کہیں موجود نہ تھا۔

یثرب کہاں واقع تھا؟

یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ یثرب کس جگہ آباد تھا؟ تاہم بوہل کی رائے کے مطابق یہ مدینہ کے موجودہ قصبہ کے انتہائی شمال میں واقع تھا۔[1]

یعنی وہی جگہ جہاں جنگِ اُحد لڑی گئی۔ عنین اور جبلِ اُحد کے درمیان جہاں آپ نے تیر انداز مقرر فرمائے تھے غالباً اسی جگہ یثرب کا قصبہ تھا۔ عہدِ رسالتِ مآب میں وہاں مکانات اور باغات تھے۔ جو اب باقی نہ رہے۔[2] یہ بات واضح نہیں کہ آیا یہی مکانات یثرب کے باقیات میں سے تھے یا یثرب کی بربادی کے بعد کہیں قرب و جوار میں کچھ اور لوگوں نے ڈیرہ ڈال دیا تھا تاہم عہدِ نبوی کے لوگوں کو اس بات کا مکمل شعور تھا کہ یثرب کس جگہ واقع تھا؟ عموماً بنو حارثہ، بنی وائل، بنی حنظر، بنی واقف اور وادی قناۃ اور عنین کے ساتھ واقع قریوں کو "یثرب کا علاقہ" سمجھا جاتا تھا۔ قرآن مجید نے بھی اس کی طرف لطیف اشارہ کر کے اس کا ناقابلِ تردید ثبوت فراہم کیا ہے۔

جنگِ احزاب کا موقع خندق کھود کر مدینہ کے تمام قصبات اور آبادیاں محفوظ نہ بنائی جاسکی تھیں خصوصاً انتہائی شمال میں واقع بنی حارثہ، حنظر وغیرہ کی بستیاں خندق سے باہر رہ گئی تھیں۔ جنگ کا زور بندھا تو انہوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ قرآن مجید نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۔

(جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اے اہلِ یثرب اب ٹھہرنے کا موقع نہیں، پلٹ چلو اور جب ان میں سے ایک فریق اجازت طلب کر رہا تھا کہ ہمارے گھر خطرے میں ہیں حالانکہ وہ خطرے میں نہ تھے۔ مگر) دراصل وہ میدانِ جنگ سے بھاگ گئے تھے۔

بنی حارثہ وغیرہ نے اپنی بستیوں کے لئے یثرب کا لفظ استعمال کیا ہے یا تو ان کی بستیوں کو یثرب کہا جاتا تھا، یا یثرب کا قریہ اسی طرف کہیں واقع ہوگا! موخر الذکر صورت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

یہود نے یثرب کی سکونت کیوں ترک کی؟

یہود کا قصبہ اگرچہ جوفِ مدینہ کے شمالی جانب وادی قناۃ کے نزدیک تھا، مگر ہجرت (رسول) کے وقت اکثر یہودی قبائل خصوصاً ذی حشمت قبائل نضیر، قریظہ وغیرہ جوف کے انتہائی جنوب مشرقی سمت وادی مہزور اور وادی زہیب میں آباد تھے۔ یہ تغیر کیسے رونما ہوا؟ یثرب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، طغیانیوں کے سبب برباد ہوگیا ہوگا۔ اور یہودی وہاں سے نقلِ مکانی پر مجبور ہوگئے ہوں گے۔ معلوم رہے کہ وادی قناۃ اور جبلِ اُحد کی طرف سیلاب اور طغیانیاں اکثر آتی رہتی تھیں۔ عہدِ نبی کے بعد وہاں اتنے شدید سیلاب آئے کہ شہدائے احد کی قبریں اکھڑ گئیں اور شہداء کے جسدِ خاکی ظاہر ہوگئے۔ حضرت حمزہ کا مزار اسی وجہ سے دوسری جگہ بنایا گیا۔ عہدِ رسالت میں وہاں جن آبادیوں کا ذکر ملتا ہے وہ بھی بہہ گئیں۔ کیونکہ ان کا اب وہاں نام و نشان باقی نہیں رہا ہے

یہود کی نقلِ مکانی کی ایک اور وجہ بھی بیان کی جاتی ہے اور وہ یہ کہ یہودی جب مدینہ آئے تو ایک طویل مدت تک وہ شمال میں اپنے قصبہ یثرب میں مقیم رہے۔ جب انہیں بتدریج سیاسی برتری حاصل ہوئی تو وہ جوف کے وسط میں آکر آباد ہوگئے۔ یہود کی یہ جدید آبادی جبلِ سلع کے دامن میں، مدینہ یا اس کے آس پاس، کہیں ہوگی۔ جبلِ سلع اور اس کے ساتھ کی دیگر چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کو دفاعی نقطۂ نظر سے جو اہمیت حاصل ہے اس کے پیشِ نظر اقتدار حاصل ہونے کے بعد یہود کی نقلِ مکانی بالکل فطری نظر آتی ہے۔ پھر یہاں کا پانی میٹھا اور زمین بمقابلہ شمالی علاقے کے زیادہ زرخیز اور شاداب ہے۔ علاوہ ازیں نئی جائے سکونت کو سیاسی اعتبار سے جو مرکزیت حاصل ہے اسے بھی نظر انداز

---

[1]:- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام - بوہل - تحت لفظ مدینہ
[2]:- محمد حمید اللہ - عہدِ نبوی کے میدان جنگ ص ۲۱-

نہیں کیا جاسکتا۔

اوس اور خزرج کی آمد کے بعد یہود اور ان نو واردوں کے درمیان جب کشمکش شروع ہوئی تو خزرجیوں نے غیر ملکی امداد اور تعاون سے یہود سے اقتدار چھین لیا زرخیز زمینوں سے انہیں بے دخل کر کے علاقے کے مرکزی قصبہ پر خزرج کی شاخ بنی النجار نے قبضہ کرلیا ۔ عہدِ رسالتمآب تک یہ قبیلہ اسی جگہ آباد تھا ۔ رسولِ خدا کی آمد کے وقت بنی النجار جن مکانات میں رہائش پذیر تھے وہ بھی شاید یہود کی ملک تھے جن پر النجار نے قبضہ کر لیا تھا یہودی وہاں سے نکل کر انتہائی جنوب مشرق میں چلے گئے اور اپنی محنت اور جانفشانی سے وہاں کی زمین کو لالہ زار بنا دیا۔ عہدِ رسالت میں مدینہ کا یہی خطہ زیادہ آباد اور شاداب تھا اور انگور، کھجور اور دیگر باغات اسی جانب زیادہ تھے۔ البتہ یہود کا قبیلہ قینقاع بدستور وسطی حصے میں رہتا رہا۔ شاید اس وجہ سے کہ وہ نضیر اور قریظہ کا شدید مخالف تھا۔ اور بعید نہیں کہ انھوں نے اپنے ہم مذہب اور ہم نسل لوگوں کی مدد کرنے کی بجائے بنی خزرج کو امداد بہم پہونچائی ہو۔ قینقاع کی بستی ہجرت نبی کے وقت جبل سلع کے مشرق میں اور رسول خدا کے نو آباد شہر مدینۃ الرسول سے تھوڑے فاصلے پر واقع تھی۔ ان کا بازار بڑا بارونق اور لوگ خوشحال اور جنگجو تھے۔

اوس اور خزرج کی آمد

اوس اور خزرج کے قبائل یمن سے مدینہ آئے۔ یمن کے علاقہ حفص الاعراب میں جو کتبے دریافت ہوئے ہیں ان میں سے ایک پر "اوس" کا لفظ کندہ ہے۔ اندازہ ہے کہ یہ مدینہ کے اوس کے جد اعلیٰ کا نام ہے۔ اور یہ قیاس بھی کیا جاسکتا ہے کہ یثرب آنے سے پہلے یہ قبیلے کافی اہمیت رکھتے تھے۔

انھیں یمن کی طرف سے آنے کی وجہ سے قحطانی النسل کہا گیا ہے مگر زیادہ صحیح رائے یہ ہے کہ وہ عدنانی اور اسمٰعیلی عرب تھے۔ اور ان کا تعلق بنی اُزد کی ایک شاخ سے تھا اپنی ماں کی طرف منسوب کر کے ان دونوں قبیلوں کو بنو قیلہ بھی کہا جاتا تھا۔ واضح رہے کہ اوس و خزرج دونوں سگے بھائی تھے سدِ مآرب کی تباہی یا باہمی خانہ جنگیوں کی وجہ سے یہ یمن سے نکلے اور ڈیڑھ دو سال عربستان کے مختلف علاقوں میں گھومنے پھرنے کے بعد ۳۰۰ء کے لگ بھگ یثرب میں آئے۔ یہاں یہود کا غلبہ تھا ایک مدت تک تو یہ قبیلے خاموش رہے مگر جلد ہی یہود اور ان میں اقتدار اور املاک کے لئے کش مکش کا آغاز ہو گیا۔ اس ضمن میں جو روایات ہم تک پہنچی ہیں وہ متضاد اور مبہم ہیں۔ تاہم صورتِ حال کچھ اس طرح تھی کہ یہود کے اقتدار کو سب سے پہلے خزرج کے فرد مالک بن عجلان نے چیلنج کیا۔

اس طرح خزرجیوں نے شاہ تبع ابو کریب یا شاہِ غسان ابو جبیلہ کی مدد سے یہود سے اقتدار چھین کر ان کی املاک پر ۴۹۲ء میں خود قبضہ کرلیا۔ اوس نے بھی خزرجیوں کا ساتھ دیا۔ خزرج اور اوس نے یہود کے تسلط سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے مالک اور اس کے حامی شاہ تبع اور شاہ غسان کی مدد کی۔ مگر جب مالک نے عثمان بن الحویرث قریشی کی طرح اپنی بادشاہت قائم کرنا چاہی تو یہ اس کے خلاف ہو گئے۔ مالک وہاں سے فرار ہو گیا بقیہ عمر اس نے شاہ غسان کے دربار میں مصاحب بن کر گزاری۔

اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ شاہِ غسان اپنی سلطنت میں توسیع اور تجارتی شاہراہ پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اور مالک نے اس کے ایما پر یہ کارروائی کی۔ یہود کے تسلط سے اہل یثرب کو نجات ضرور مل گئی مگر غسانیوں کے یثرب پر قابض ہونے کا خواب تشنۂ تکمیل رہا۔ یہودیوں کی سیادت اور قوت ختم ہونے کے بعد خزرج کا قبیلہ بنی النجار سب سے زیادہ طاقتور بن کر ابھرا۔ مرکزی اور زرخیز علاقے پر قبضہ جما کر اپنی قوت کو مستحکم بنانا شروع کر دیا جس کے خلاف اوس والوں کے دل میں حسد اور رقابت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔

نتیجۃً اوس اور خزرج کے درمیان اقتدار اور املاک کے لئے خانہ جنگی شروع ہو گئی جو ۴۹۷ء سے لے کر ۶۱۵ء یا ۶۱۸ عیسوی تک وقفوں، وقفوں کے ساتھ جاری رہی۔ ان خانہ جنگیوں میں اوس اور خزرج کی مختلف شاخوں اور یہود کے قبائل کی وفاداریاں حالات کے مطابق بدلتی رہیں۔ یثرب کے گرد و نواح کے بدوی قبائل اور شاہانِ حیرہ نے بھی بعض لڑائیوں میں مداخلت کر کے اپنے مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی۔

بعاث :— اس خانہ جنگی کے سلسلے کی پہلی لڑائی سمیر تھی اور آخری معرکہ بعاث کا تھا۔ بعاث بنی قریظہ کا علاقہ تھا اس لڑائی میں اوس کا سپہ سالار اعلیٰ حضرت اسید رضؓ کا والد حضیر کتائب اور خزرج کا عمرو بن نعمان بیاضی تھا۔ یہ دونوں لڑائی میں مارے گئے۔ حسبِ سابق یہ لڑائی بھی غیر فیصلہ کن رہی تاہم خزرج کو زبردست ہزیمت اٹھانا پڑا۔ اس فتح فتح ایک دم شکست میں اس لئے بدل گئی کہ شاید ان کے یہودی حلفاء نضیر و قریظہ نے عین موقع پر غداری کرتے ہوتے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور شاید یہی وجہ تھی کہ بنی النجار اور بنی سلمہ (بطون خزرج) نضیر و قریظہ کے پرانے حلیف ہونے کے باوجود ان کی مخالفت میں شدید تھے[1] عبداللہ بن ابی بن سلول — سردار منافقین — جو بعاث میں غیر جانب دار رہا تھا۔ ۴ ہجری میں نضیر کے جلاوطن کر دیئے جانے کے فیصلہ پر اسی لئے غضبناک[2] ہو گیا تھا۔ کہ شاید یہود کے اس قبیلے نے لڑائی کے دوران اپنے حلفاء سلمہ و نجار کا ساتھ چھوڑ کر غیر جانب داریت اختیار کر لی تھی۔ فریقین کے اتحادیوں کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یثرب میں قبائلی نظام کی گرفت کمزور ہو چکی تھی۔ بعاث کے معرکہ میں اوس اور خزرج کی کئی ایک شاخیں یا تو لڑائی سے علیحدہ رہیں مثلاً خزرج میں ابن ابی کا قبیلہ اور اوس میں بنی حارثہ وغیرہ یا لڑائی میں دوسری جانب سے شرکت[3] کی جیسا کہ بنی اوس کے عبدالاشہل نے خزرج کا ساتھ دیا ایسے بہت سے غیر معروف اور غیر اہم گروہ بھی تھے جن کی لڑائی میں کسی طرف سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ تاہم خانہ جنگی سے پیدا ہونے والی بدامنی سے وہ نالاں ضرور تھے یعنی یہ لڑائی قبائلی اختلاف کی وجہ سے نہیں ہو رہی تھی بلکہ اقتصادی اور سیاسی مفادات کے لئے لڑی جا رہی تھی۔ بعاث میں جن قبائل کو ہزیمت اٹھانا پڑی ان کی املاک جوف یثرب کے وسط میں تھیں۔ فتح یاب گروہ کی زمینیں اس کے گرد ہلالی صورت میں جنوب میں پھیلی ہوئی تھیں۔ غیر جانب دار فریق انتہائی شمال میں نسبتاً کم زرخیز اور شاداب علاقے پر قابض تھا[4] اور یہ شاید اس لئے لڑائی میں ملوث نہ ہوا کیونکہ کسی کے ساتھ اس کے مفادات کا تصادم تھا اور نہ براہ راست کسی گروہ کے ساتھ اس کے اقتصادی مفادات وابستہ تھے۔ البتہ اس فریق کے سرغنہ ابی ابن سلول کے سامنے یہ صورت تھی کہ لڑائی کے بعد اس کے سیاسی غلبہ کی صورت نکل آئے گی اور غیر جانب دار ہونے کی وجہ سے دونوں متحارب گروہ اس کی سیادت قبول کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بعاث میں نجار اور سلمہ کمزور ہو گئے۔ لوگ غیر جانب دار فریق میں کٹ کٹ کر شامل ہونے لگے۔ ابن ابی نے اپنی قیادت کے لئے زمین ہموار دیکھ کر بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ البتہ یہ بات محل نظر ہے کہ ابن ابی کی بادشاہت کا اعلان متفقہ تھا۔ ابن ابی کی بادشاہی کے متعلق کتب تاریخ و سیر میں جتنی روایات موجود ہیں ان سب کو سامنے رکھ کر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ابن ابی بتدریج اپنی قوت بھی بڑھا رہا تھا اور لاقانونیت سے تنگ لوگ اس کی سیادت کو امن کی تلاش میں بتدریج تسلیم بھی کر رہے تھے مگر معاملہ کہیں راہ میں اٹک گیا کیونکہ کسی نے یہ نہیں لکھا کہ اس کی بادشاہی قائم ہو گئی تھی۔ شاہی[5] تاج لگانے میں آخر کتنا عرصہ لگا ہو گا کہ ابن ابی کی بادشاہی کا مسئلہ تین سال تک لٹکا رہا۔ اور اگر یہود کے دوبارہ غلبہ[6] اور تسلط کے بھیانک تصور نے اوس اور خزرج کے تمام بطون کو ابن ابی کی بادشاہی پر متفق کر دیا تھا تو آخر کسی مورخ نے واضح طور پر یہ کیوں نہیں لکھا کہ اس کی بادشاہت قائم اور تسلیم ہو چکی تھی۔ النجار اور سلمہ کے لئے ابن ابی کی

---

[1] منٹگمری واٹ "اسلام"، اور محمد بطور مدبر

[2] سیرت ابن ہشام۔ تاریخ طبرانی

[3] منٹگمری واٹ۔ اسلام

[4] ایضاً

[5] سیرت ابن ہشام

[6] تاریخ ابن خلدون۔ طبقات ابن سعد

بادشاہی کسی صورت میں قابل قبول نہیں ہوسکتی تھی اور نہ انہوں نے اسے قبول کیا۔ وقتی طور پر اگر وہ خاموش رہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ شکست کے بعد ان میں مزید قتل وقتال کی ہمت نہ تھی تاہم انہیں اپنی املاک سے زبردستی نکالدیئے جانے کا دھڑکا لگا رہا۔ یہ معلوم کرکے کہ اسلام کا فروغ شروع شروع میں انہیں قبائل میں ہوا جو بعاث میں شکست کھا چکے تھے۔ آنحضور سے عقبہ میں سب سے پہلے یہی لوگ ملے تھے[1] اور آپ کی دعوت پر لبیک کہی تھی۔ عقبہ کی پہلی بیعت میں بھی یہی لوگ پیش پیش رہے تھے[2]۔ حتیٰ کہ بیعت عقبہ ثانیہ میں بھی حضرت عباس نے اہل یثرب سے تخاطب "اے گروہ خزرج"[3] کہہ کر کیا۔ یہ بدیہی تاریخی حقیقت ہے کہ یثرب میں اسلام لانے والے زیادہ تر افراد کا بنی خزرج کے شکست خوردہ گروہ سے تعلق تھا۔ یا ان کے حلیفی دائرہ میں شامل بطون اوس سے ان میں بنی النجار کا خاندان سب سے آگے تھا۔ اور یہی وہ خاندان ہے جس کے ساتھ آں حضور کا ننھیالی رشتہ تھا۔ یہ آپ کے پردادا ہاشم کے سسرال کے تھے۔ اور ان کے ساتھ تجارتی تعلقات بھی رکھتے تھے۔ آپ کے دادا عبدالمطلب کی انہوں نے پرورش کی تھی۔[4] اور جب سرداران مکہ سے ان کا تنازعہ ہوا تو انہوں نے اس کی عملی فوجی امداد بھی کی تھی۔[5] بعاث سے پہلے بنی الاوس کو شکست ہوئی تو مکہ کے کفار (جو آنحضور کی اس زمانے میں شدید مخالفت پر کمر بستہ تھے) تو النجار (جو رسول اللہ کے رشتہ دار اور حلیف بھی تھے) کے خلاف امداد طلب کرنے کی غرض سے آئے تھے[6] بعید نہیں کہ شروع شروع میں بنی النجار کے لوگ بعاث میں شکست کھانے کے بعد (تین سال قبل از ہجرت) رسول کریم کے پاس بنی عبد مناف کی فوجی امداد لینے کے لئے۔ حاضر ہوئے ہوں مگر رسول مآب نے ان کے سامنے دوسری بہتر صورت یعنی اسلام پیش کرکے یثرب کا ہنگامہ پرور اور آتشیں سیاست کا رخ امن وسلامتی۔ صلح وخیر اور تعمیر و ترقی کی طرف موڑ دیا ہو تاہم ایک عظیم مدبر اور سیاست داں ہونے کی حیثیت آپ نے قبائلی گروہ بندیوں اور سیاست کے عملی پہلوؤں کو نظر انداز نہیں فرمایا۔ وہ قبائل جو ابن ابی کی قیادت کو تسلیم کرچکے تھے ان سے کوئی تعرض نہ فرمایا بلکہ ان کی کڑی نگرانی کی اور ساتھ ہی ساتھ میثاق مدینہ مدینہ ایسی شہ کار دستاویز کے ذریعے اہل یثرب کو زیادہ پائدار امن و امان کا مژدہ سنا کر ابن ابی کے قیادت کے غبارے سے ہوا نکال دی دوسری طرف وہ قبائل جنہوں نے اسلام لانے میں سبقت کی تھی ان کی قدم قدم پر حوصلہ افزائی فرمائی۔ متعدد موقعوں پر آپ نے انصار کے سابق الاسلام قبائل کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا "انصار میں بہترین گھرانہ النجار کا ہے۔ پھر عبد الاشہل کا اس کے بعد بنو ساعدہ کا[1]" واضح رہے کہ ان تینوں قبائل نے بعاث میں ایک فریق کے طور پر لڑ کر شکست کھائی تھی۔

قبائلی تقسیم:۔ رسول اللہ کی آمد سے پہلے یثرب کی قبائلی تقسیم کچھ اس طرح تھی۔

ا:۔ یہود کے اکیس کے قریب قبیلے اور ان کی شاخیں تھیں[2]۔

ب:۔ خزرج کے پانچ بڑے بطون تھے جو مزید کئی شاخوں میں بٹے ہوئے تھے۔

ج:۔ اوس کے بطون اور شاخوں کی تعداد ان سے

---

[1] و [2] سیرت ابن ہشام۔ ابن اثیر۔ طبری وغیرہ میں ناموں کی جو فہرست دی گئی ہے اس کو سامنے رکھ کر بلا خوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ رسول اللہ سے ملاقات کرنیوالے لوگ النجار یا ان کے حلفاء تھے۔

[3] ترمذی۔ بخاری الابواب الہجرۃ

[4] سیرت ابن ہشام

[5] طبری وسیرت ابن ہشام۔ ابن خلدون میں تفصیلات ملاحظہ فرمایئے

[6] سیرت ابن ہشام وغیرہ۔

[1] صحیح بخاری ومسلم۔ ابواب تفضیل۔

[2] شبلی۔ سیرت ج ا ص۲۶۸ زیادہ صحیح یہ ہے کہ ۱۲ یہود خاندان تھے۔ باقی خاندان یہودیوں کے حلیفی دائرہ میں شامل تھے یا ان کے دست نگر تھے۔

کہیں زیادہ تھی۔

د:۔ مدینہ کے قدیم باشندے ان کے علاوہ تھے۔

س:۔ اوس و خزرج میں یہودیت کے فروغ کی وجہ سے عربی نژاد یہود کا ایک بڑا طبقہ موجود ہے۔ جن کا ذکر ان کی سیاسی و معاشرتی اہمیت کے پیش نظر (صحیفہ مدینہ) میں علیحدہ کیا گیا ہے۔ تاریخ ابن خلدون اور سیرت ابن ہشام کے یہ الفاظ ملاحظہ کریں۔ وان الیھود بنی عوف انہ مع المومنین وان الیھود بنی ساعدہ وان الیھود بنی جشم وان الیھود بنی ثعلبہ[1] بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عبداللہ بن ابی نے بھی یہودیت قبول کر لی تھی[2] تاہم اس کے اپنے قبیلے میں اور حامی قبائل میں یہودیت کے اثرات قوی تھے۔

قبائل کی تقسیم در تقسیم املاک اور اقتدار کی طویل کش مکش اور نزاع نے یثرب میں عجیب بھیانک فضا پیدا کر دی تھی۔ بعاث کے بعد اگرچہ تین چار سال کا زمانہ بظاہر امن سے گذرا مگر حقیقتہً یہ حالت جنگ سے بھی زیادہ اذیت ناک تھی۔ قتل کی اکا دکا واردات اکثر ہو جاتی۔ تنہا کسی کا باہر نکلنا دشوار تھا۔ رات کو کوئی گھر سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ تنگ آکر لوگوں نے آطام ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی[3]۔ جو قبل ازیں صرف لڑائی کے موقعوں پر پناہ گاہ کے طور پر استعمال کئے جاتے تھے۔ جو ایک بار اپنے آطم میں چلا جاتا اسے کچھ نہ کہا جاتا اسی زمانے میں نئے آطام بڑی تعداد میں تعمیر کئے گئے۔ دفاعی نقطۂ نظر سے تو یہ قلعے پہاڑ یا حرّہ پر ہی بنائے جاتے تھے مگر اب مکان پر ہی برج بنا کر اسے قلعہ بند کیا جانے لگا۔ زیادہ امیر اور طاقتور قبیلوں کے پاس زیادہ اور مضبوط قلعے ہوتے۔ بنی زید کے چودہ آطام تھے۔ احیحہ بن الجلاح کے ۳۰ منزلہ تھا۔ آطم کے اندر عموماً کنواں بھی ہوتا تاکہ محاصرے کے وقت پانی کا مناسب انتظام ہو عام اندازے کے مطابق ہجرت رسول کے وقت مدینہ میں کم و بیش یک صد قلعے تھے[1]

اسفل اور عالی بستیاں:۔

شہر دو حصوں میں تقسیم تھا اور عالی اور اسفل — عالی کی بستیاں حرّوں اور پہاڑوں کے اوپر جوف کے گرد دائری شکل میں پھیلی ہوئی تھی۔ جنوب میں قباء۔ نضیر اور انتہائی جنوب میں جبل العیر یہ الجدر۔ مشرق میں حرہ واقم پر قریظہ۔ الجرف عبدالاشہل شمال میں خطمہ۔ وائل۔ حارثہ۔ مغرب میں حرہ الوبرہ کے اوپر جہاں بستیوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ سنح بنو امیہ اور بنو سلمہ رہتے تھے۔ اسفل کی آبادیاں جوف کے وسط میں نشیبی جگہ پر کم و بیش چار مربع[2] میل علاقہ پر پھیلی ہوئی تھیں۔ بنی ساعدہ۔ بلدرح بنی معاویہ۔ بقیع المقات۔ بنی النجار۔ راتج۔ قینقاع۔ بنی حرم اسفل کی بستیاں تھیں۔ اس کے علاوہ قابل ذکر مقامات مرید۔ شحر درخ۔ مخراف تھے۔

تعمیرات اور مکانات:۔

یہ گنجان آباد علاقہ تھا۔ مکانات چھوٹے چھوٹے باہم ملے ہوئے اور عموماً اپنی مملوکہ زمینوں میں ہوتے۔ ذباب سے جبل بنی عبید تک عمارات کا سلسلہ قلعہ کی طرح دکھائی دیتا تھا آبادیوں اور باغوں کا سلسلہ جنوب اور مغرب میں پھیلا ہوا تھا قباء سے احد تک یہود کے محلے تھے[3]۔ مکہ میں دار (بڑے گھر) اور ان کے سامنے عموماً وسیع دالان ہوتا[4]۔ جب کہ مدینہ میں بیت (چھوٹے گھر) تھے۔ کیونکہ یہاں جگہ کی قلت تھی۔ مدینہ میں مکان کے عموماً دو دروازے ہوتے ایک سامنے اور دوسرا البیت کی جانب[5]۔ یعنی مکان دو گلیوں کے درمیان میں واقع ہوتا اور مکان کے چار دیواری ہوتی۔ باغ کے گرد اکثر چار دیواری (حائط)

---

[1] ابن خلدون۔ سیرت ابن ہشام

[2] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام لفظ (ابن ابی)

[3] منٹگمری واٹ ص ۱۴ و ۱۷

---

[1] محمد حمید اللہ۔ عہد نبوی کے میدان جنگ ص ۲۸۲

[2] محمد حمید اللہ۔ امام بخاری (صحیح نیز کتاب الاموال امام ابو عبید کتاب الزکوٰۃ

[3] حمید اللہ میدان جنگ ص ۲۹

[4] امام بخاری ادب المفرد ص ۳۹۸

[5] صحیح بخاری مسلم کتاب التفسیر: دلیس البر بان تاتوا البیوت من ظھورھا۔

بنائی جاتی تھی اس لئے باغ کا نام بھی حائط پڑ گیا[1] بعض مرتبہ حائط کے اندر رہائشی مکانات بنا کر رہتے[2] ان کی رہائشی جگہیں عموماً تنگ اور مختصر ہوتیں اور (چھوک) بھی اسی لئے بنائے جاتے تھے کہ ان کے گھروں میں بیٹھنے کی جگہ تنگ ہوتی تھی[3] تاہم یہ اجتماع گاہ شہر کی معاشرتی اور سیاسی زندگی میں بے بنا اہمیت رکھتی تھیں۔ نزاع اور خانہ جنگی کے سبب یہاں مکہ کی طرح کوئی مرکزی اجتماع گاہ — دارالندوہ کی طرح کی قائم نہ ہو سکی اور نہ قائم ہو سکتی تھی۔ اہل یثرب کی اکثریت بت پرست اور مشرک تھی ان کی سب سے بڑی دیوی مناۃ — کا بت خانہ جوف یثرب کے بیرون ساحل سمندر کے نزدیک واقع تھا۔ منات غطفان، جہینہ، اوس، خزرج اور اکناف اطراف کے مشرک بدوؤں کی مشترک دیوی تھی تاہم یثرب میں بھی چھوٹے چھوٹے بت کدوں کا سراغ ملتا ہے[4] ہر قبیلے کا علیحدہ بت کدہ تھا اور اس کا مہنت جو عموماً قبیلہ کا سردار بھی ہوتا بت کی نگرانی کرنا[5] اور نذر نیاز وصول کرنا مگر مکہ کے علی الرغم یہاں کوئی بڑی اور مرکزی عبادت گاہ نہ تھی جو سب لوگوں کے لئے یکساں احترام اور کشش رکھتی ہو اور اہل یثرب میں سیاسی انتشار کی ایک وجہ مذہبی عدم اتحاد بھی تھی یہود کی تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے بت پرستی کا زور خاصا کم ہو گیا۔ اہل یثرب کے نزدیک تبدیلی مذہب کوئی اتنا بھاری جرم نہ تھا۔ قبائل عرب میں سے سینکڑوں افراد کا یہودیت اختیار کر لینے کے بعد قبیلے کے اندر رہتے ہوئے تمام معاشرتی اور تمدنی مراعات

بدستور حاصل کرتے رہنا ان لوگوں کی مذہبی رواداری اور فراخ دلی کا واضح ثبوت ہے۔ عرب کے اور شہروں میں بھی یہودی آباد تھے مثلاً جُرش۔ طائف جو خالص عربی نژاد بت پرستوں کے شہر تھے وہاں یہود اور ان کے باقاعدہ[1] محلے ہونا اور شمالی عربستان میں عیسائیوں اور یہودیوں کی تبلیغی سرگرمیاں[2] اس بات کا ثبوت ہیں کہ عرب مذہبی معاملات میں اتنے تنگ نظر نہ تھے۔

اہل مکہ کے برعکس مدینہ کے رہائشی مکانات پختہ۔ پتھر کے بنے ہوئے اور عموماً دو منزلہ ہوتے۔ مکان یا باغ کی چار دیواری بھی پتھر سے تعمیر کی جاتی[3]۔ حضرت ابوایوب[4] انصاری (جہاں آں حضور نے عارضی طور پر قیام فرمایا) حضرت ابوبکر[5] (جہاں عائشہ صدیقہ کی والدہ امّ رمّان رہتیں) عبید بن عتیک[6]۔ ابن ابی الحقیق۔ آں حضرت[7] اور ابن عمر[8] کے مکانات دو دو منزلہ تھے۔ الضحیان کا آطم سہ منزلہ تھا جس کی اوپر کی دو منزلیں چاندی کی طرح سفید سے پتھر سے بنائی گئی تھیں اور نچلی منزلیں لاوا کے پتھر سے تعمیر کی گئیں تھیں۔ نچلی منزل آج[9] تک موجود ہے۔ زینہ عموماً کھجور کی لکڑی کا ہوتا جس سے اترنے چڑھنے میں خاصی دقت ہوتی۔ عتیک زینہ سے گر پڑا اور اس کا ایک بازو ٹوٹ گیا۔ آنحضور نے شاید کوئی جدّت پیدا کی کیوں کہ محدثین نے آپ کے زینے کے بارے میں لکھا ہے کہ اترتے چڑھتے وقت یوں معلوم ہوتا گویا زمین پر چل رہے ہیں۔

---

[1] حمید اللہ میدان جنگ ص ۳۴

[2] صحیح مسلم وغیرہ۔ کتاب التفسیر۔ ابوطلحہ کا مکان اس باغ کے اندر تھا جو انہوں نے راہ خدا میں دے دیا۔

[3] صحیح بخاری الواب آداب وسلام

[4] تاریخ طبری و سیرت ابن ہشام (مسلمان ابھی تک قبا ہی میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ یثربی بت خانوں سے نذر نیاز نکال کر لاوارث عورت کو کو لا دیتے جس کے مکان میں حضرت علی ٹھہرے ہوئے تھے۔

[5] سیرت ابن ہشام۔

---

[1] محمد حمید اللہ۔ سیاسی زندگی نیز میدان جنگ

[2] ہیکل۔ سیرت (اردو ترجمہ)

[3] حمید اللہ میدان جنگ ص ۲۸

[4] صحیح بخاری الواب ہجرت

[5] ترمذی باب انک

[6] سیرت ابن ہشام

[7] و [8] بخاری واقعہ افک نیز الواب آداب واحکامات۔

[9] محمد حمید اللہ میدان جنگ ص ۳۴

مدینہ میں تہہ خانوں کا بھی رواج تھا جو گرمی سردی سے بچاؤ کے لئے استعمال کیے جاتے۔ لوگ اپنی قیمتی اشیاء ہتھیار سامان خورد ونوش۔ زیورات عموماً تہہ خانوں میں رکھ دیتے رفاعہ بن زید کا ایک ایسا تہہ خانہ تھا[1] اہل شہر پانی جمع کرنے کے لئے حوضوں کو (جب ان میں پانی نہ ہوتا) عام حالات میں نشست گاہ کے طور پر استعمال کرتے اور جنگ میں مورچہ پناہ گاہ اور قید خانے کے طور استعمال میں لاتے[2]

مکہ کے مقابلے میں اہل مدینہ کی عمارات اور تعمیری روایات شاندار تھیں۔ مکہ میں قصی سے چند پشت قبل تک لوگ خیموں میں رہتے تھے۔ حتیٰ کہ بعثت نبوی کے وقت عرب کے مقدس ترین مقام بیت اللہ کی کوئی چھت نہ تھی[3] تجارتی فروغ کے بعد جب کہ قریشیوں میں دولت کی ریل پیل ہوئی تو بیت اللہ کی عمارت کو گرا کر از سر نو بنانے کا منصوبہ بنایا گیا۔[4] رومانوی معمار بلائے گئے[5]۔ بڑھئی حبشہ اور قبط سے بلائے گئے[6] دومۃ الجندل کے شہر کی طرح پتھروں میں لکڑی کے بلاک جوڑ کر دیواریں اٹھائی گئیں۔ یہ حبشی طرز تعمیر تھا۔ چھت لکڑی کی ڈالی گئی یہ اپنے زمانے کی تعمیر ہونے والی مکہ میں سب سے زیادہ خوبصورت عمارت تھی جسے دیکھ کر لوگ حیران وششدر رہ گئے[7] بعید نہیں رؤسائے مکہ نے بھی اسی زمانے میں عظیم الشان عمارات بنائی ہوں۔ اجیاد۔ با قبقان۔ اور دار اجالہ کی جگہ دار ارقم

[1] ترمذی باب تفسیر القرآن

[2] حمید اللہ میدان جنگ ص۲۴

[3] تاریخ طبری

[4] ایضاً (بعض روایات (ابن ہشام ابن خلدون) میں تعمیر نو کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ طغیانی سے کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچا یہ صحیح نہیں دیکھئے (کریسیٹ ویل اور غلام یزدانی کا مضمون ارمغان علمی میں خانہ کعبہ پر)

[5] غلام یزدانی ص۲۱۵ (ارمغان علمی مضمون خانہ کعبہ)

[6] کریسیٹ ویل (CREAST WELL) ص۳ نیز طبری

[7] ایضاً۔

جیسے وسیع اور محفوظ مکانات تعمیر ہونے لگے ہوں[1] تاہم مدینہ اس لحاظ سے بہت آگے تھا خصوصاً ثروت مند قبائل کے مکانات عمدہ اور خوبصورت تھے۔

یہاں مقبرے بنانے کا بھی رواج تھا[2] عام طور پر قبر پر کوئی نہ کوئی عمارت یا گنبد بنایا جاتا اور عبارت تحریر کی جاتی تھی[3] ہر محلے کا علیحدہ قبرستان تھا۔ بسا اوقات گھر کے اندر میت کو دفن کر دیا جاتا[4] یہ غالباً یہودیوں کا رواج تھا۔ قبروں مقبروں اور روضوں کو گچ کیا جاتا تھا[5] ظاہر ہے کہ مکانات کی تعمیر میں بھی یہ سامان استعمال ہوتا ہوگا۔

درج بالا شواہد کی روشنی میں کریسیٹ[6] کی یہ رائے درست معلوم نہیں ہوتی کہ بعثت نبی کے وقت عربوں کی تعمیری روایات مفقود تھیں اور ان کے رہائشی مکانات پر بل کا گمان ہوتا تھا۔

ہجرت کی نوعیت

ہجرت دراصل رسول کریم کے دفاعی منصوبہ جنگ کا اہم حصہ تھی[7] جس کے ذریعہ آپ نے ایک طرف مکہ۔ یمن۔ نجران حبشہ۔ شام۔ بحرین اور طیبہ میں منتشر اور پریشان حال مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کر کے مدینہ جیسے دفاعی تجارتی اور اقتصادی اعتبارات سے اہم شہر پر قبضہ کیا اور دوسری طرف اپنے پیرو کاروں سے بیعت حرب (عقبہ ثانیہ) لے کر کفار مکہ کے خلاف

[1] فتوح البلدان (تفصیلات ملاحظہ فرمائیں)

[2] موطا امام مالک۔ کتاب الجامع۔ بقیع الغرقد میں روضہ کا ذکر ہے۔ ترمذی اور ابوداؤد۔ روضہ خارج کا جو مدینہ سے چند میل پر تھا۔

[3] نسائی کتاب الجنائز۔

[4] صحیح بخاری ابواب الجنائز۔

[5] نسائی کتاب الجنائز

[6] کریسیٹ ویل ، ارلی مسلم ارکیٹیکچر ، ا ص۳

[7] جنرل اکبر حدیث دفاع۔

اعلان جنگ کرنے میں پہل کی اور کفار نے جوابا کاروائی کے طور پر آپ کے قتل کر دینے کی جب قرارداد منظور کرائی تو پانی سر سے گزر گیا تھا۔ معلوم رہے کہ بیعت حرب سے قبل بھی اور بعد میں بھی دارالندوہ میں قریش نے اسلامی تحریک کو کچلنے کے لئے کئی اجلاس منعقد کئے مگر کوئی فیصلہ نہ کیا جا سکا تھا۔ آنجناب کے قتل کی قرارداد بروایت طبری بیعت کے بعد ایک اجلاس یوم الزحمہ میں بمشکل تمام منظور ہوئی تھی۔ اور دیکھا جائے تو آں جناب ؐ پر ہاتھ ڈالنا سہل نہ تھا۔ ابولہب بنو ہاشم کی سرداری پر فائز ہونے کے بعد آپ کو جانی باہر[1] کر دینے سے قاصر رہا تھا۔ جبیر بن مطعم جیسے سرداران مکہ کے علاوہ پورے عبدمناف[1] اور حلف الفضول[2] کے شرکار قبائل کی حمایت آپ کو اخیر دم تک

سرداران قریش کی طرف سے اس خدشہ کا اظہار بھی کیا گیا کہ محمد اور اس کے پیروکار کہیں مکہ پر حملہ نہ کر دیں[3] بیعت حرب میں حضرت عباس الفاری کی طرف سے مکہ کو بزور فتح کر لینے کی تجویز بھی پیش کی گئی تھی[4]۔ مدینہ کے مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد بھی مکہ میں بلوائی گئی تھی[5] شاید اس وقت آنحضور مکہ میں ہی اسلامی ریاست قائم کرنے کا منصوبہ رکھتے تھے۔

ہجرت یثرب کی فتح تھی اور رسول اللہ نے اس کی طرف پہلے سے اشارہ فرمایا تھا کہ مجھے ایسی بستی میں جانے کا حکم ملا ہے جو باقی تمام آبادیوں کو کھا جائے گی[6] یثرب کے علاوہ آپ کو قنسرین اور بحرین میں سے کسی ایک مقام پر ہجرت کرنے کی اجازت ملی تھی[1] طفیل دوسی نے بھی پیش کش کی[2] مگر آپ نے دفاعی پلان کے پیش نظر مدینہ میں ہجرت کر جانے کو پسند کیا۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ انتخاب ہر لحاظ سے صحیح تھا یعنی آپ کی جنگی اور سیاسی بصیرت کا نمونہ تھا۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ مدینہ میں آپ بطور فاتح اور حکمراں کے وارد ہوئے۔ اس کی شہادت اس بات سے بھی ملتی ہے کہ آپ کے لئے لفظ مہاجر[3] استعمال نہیں ہوتا تھا یعنی آپ کی حیثیت مدینہ میں آنے والے دیگر مسلمانوں سے الگ تھی۔

دارالخلافہ کے لئے جگہ کا انتخاب

مدینہ میں آپ غیر معروف راستے سے داخل ہو کر عمرو بن عوف کے قریہ قبا میں اترے جہاں آپ کا قیام چار روز رہا[4] چوتھے روز مدینہ کے تمام مسلمانوں کو طلب فرمایا۔ وہ ہتھیار سجائے ہوئے حاضر خدمت ہوئے ان کی تعداد دو سو تھی[5] قبا سے چل کر جب بنی سالم کے محلے میں آئے تو نماز جمعہ کا وقت ہو گیا۔ یہاں آپ کی امامت میں پہلا جمعہ پڑھا گیا۔ آگے بڑھ کر بنو النجار کے محلے میں حضرت ابوایوب کے مکان جہاں عارضی قیام کا فیصلہ آپ پہلے کر چکے تھے[6] اقامت گزیں ہوتے اور مسجد نبی اور ازواج مطہرات کے حجرے تعمیر ہونے تک وہیں رہائش پذیر رہے مگر اس ضمن میں روایات نامکمل اور متضاد

---

[1] سیرت ابن ہشام و تاریخ طبری۔ اجلاس میں اس خدشہ کا اظہار کیا گیا کہ پورا خاندان عبدمناف ہم پر کہیں ہلہ نہ بولدے اگر محمد رسول اللہ ؐ پر ہاتھ ڈالا گیا۔

[2] منٹگمری واٹ: اسلام

[3] تاریخ طبری

[4] ابن ہشام نیز مسلم و بخاری: ابواب ہجرت

[5] ابن خلدون: "مہاجر الفارہ" کے تحت اکثر مورخین علیحدہ ذکر کیا ہے

[6] موطا امام مالک کتاب الجامع۔

[10] منٹگمری واٹ اسلام نیز حمید اللہ: سیاسی زندگی۔

[1] ترمذی باب المناقب۔

[2] صحیح مسلم باب الہجرت۔

[3] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام تحت لفظ مہاجرین از الف بوہل اد A.J. WONSINCK

[4] تاریخ طبری و سیرت ابن ہشام اسکے علاوہ طبری نے دو اور حوالوں ۱۲ اور ۷ اور دن۔ نسائی: کتاب الصلوٰۃ نے ۱۴ الدن لکھا ہے مگر یہ صحیح نہیں۔

[5] طبقات ابن سعد بعض اور کتب میں تعداد ۱۰۰ بتائی گئی ہے۔ یہ کل مسلمانوں کی تعداد نہ تھی (دیکھئے محمد حمید اللہ سیاسی زندگی) شاید یہ کل مہاجرین کی تعداد ہو

[6] امام بخاری: تاریخ صغیر

ہیں۔ جس کی وجہ سے اکثر مورخین کو مغالطہ پیدا ہو گیا ہے۔ ان سب روایات کا نچوڑ یہ ہے کہ آپ نے عارضی قیام کے لئے ننھال کی آبادی میں ٹھہرنے کا فیصلہ قبا میں ہی کر لیا تھا۔ اس غرض سے النجار کو طلب فرمایا وہ ہتھیار سجا کر معزز مہمان کو لینے کے لئے حاضر خدمت ہوتے ہیں[1] آپ ان لوگوں کے جلو میں بنی النجار کے محلے میں آئے اور حضرت ابو ایوب انصاری کے ہاں فروکش ہوئے البتہ النجار میں سے کس کے ہاں ٹھہریں اس کے لئے قرعہ اندازی کی گئی یہ قرعہ اندازی قریوں میں کسی ایک قریہ میں ٹھہرنے کے لئے نہیں ہوتی تھی جیسا کہ بعض روایات میں کہا گیا ہے[2] النجار میں سکونت اختیار کرنے کے فیصلہ کی تائید آنجناب کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ مسافر کسی دوسرے قریئے میں جائے اور ٹھہرے تو اپنے قریب ترین رشتہ دار کے ہاں ٹھہرے کیوں وہ اس پر زیادہ حق رکھتے ہیں[3] اس اعتبار سے واقعی النجار دیگر انصاری مسلمانوں کے مقابلے میں آپ پر زیادہ حق رکھتے تھے۔

بعد ازاں آپ اونٹنی پر[4] سوار ہو کر شہر کی مختلف آبادیوں۔ جگہوں۔ قبیلوں کا جائزہ لینے کے لئے نکلے۔ صحابہ کی پوری جمعیت آپ کے ہمرکاب تھی۔ اس طرح آپ کی عسکری قوت کا بھی مظاہرہ ہوا۔ مگر اس سفر کی اہمیت ایک اور لحاظ سے بھی ہے۔ ایک ماہر جنگ اور جرنیل۔ ایک سیاستدان اور مدبر اور ایک ماہر تعمیرات کی حیثیت میں آپ شہر کا معائنہ فرما رہے تھے۔ آپ کی عقابی نگاہوں سے اس شہر کی زندگی کا کوئی پہلو اور کوئی اہم مقام پوشیدہ نہ رہ سکا۔ ایک ماہر جنگ کی حیثیت سے آپ نے جوف کا دفاعی نقطۂ نظر سے جائزہ لیا آگے چل کر جہاں آپ کو اسلام کے دفاع کی جنگیں لڑنی تھیں

[1] نسائی: کتاب الصلوٰۃ۔ صحیح بخاری: ابواب مساجد۔ طبقات ابن سعد۔

[2] صحیح بخاری ابواب ہجرت۔

[3] صحیح مسلم: ابواب آداب سفر

[4] طبری و سیرت ابن ہشام۔ قبا سے نکلتے وقت آپ پیدل تھے اور دیگر صحابہ بھی پیدل چلے معلوم ہوتا ہے اونٹنی پر سوار ہو کر آپ اس وقت نکلے جب ابوایوب کے ہاں فروکش ہوئے۔

بطور سیاست داں اور مدبر مختلف قبائل کی قوت اور اسلام کے متعلق ان کے رویے کا اندازہ لگایا اور بحیثیت ماہر تعمیرات نوزائیدہ اسلامی مملکت کا دارالخلافہ تعمیر کرنے کے لئے موزوں جگہ کا انتخاب کیا۔ آپ اونٹنی پر سوار جہاں جہاں سے گزرتے لوگ استدعا کرتے کہ یا رسول اللہ! ہمارے گھر حاضر ہیں۔ ہماری تعداد اور قوت زیادہ ہے ہمارے ہاں قیام فرمایئے آپ جواباً فرماتے: خلوا سبیلها فانها مأمورة ——

یہاں تک کہ آپ بنی بیاضہ۔ بنی ساعدہ۔ بنی عدی بن النجار (یہ آپ کے ننھال تھے۔) بنی مالک بن النجار سے گذرے اور آخر ش بنی مالک بن النجار کے ہاں قیام فرمایا کیونکہ اونٹنی اس جگہ بیٹھ گئی تھی[1] یہیں مسجد نبی تعمیر کی گئی[2] اور اسلامی حکومت کا دارالخلافہ اسی جگہ تعمیر کیا گیا مگر راویوں نے آنجناب کے اس موخر الذکر سفر کو اس طرح گڈمڈ کر دیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے آپ اونٹنی پر سوار ہو کر عارضی قیام کے لئے جگہ کا انتخاب کرنے نکلے تھے حالانکہ اس سفر کی نوعیت بالکل مختلف تھی۔ پھر جس جگہ اونٹنی بیٹھی وہ ویرانہ تھا اور وہاں سے حضرت ابوایوب کا مکان بہت فاصلے پر تھا۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اونٹنی تو جگہ بیٹھی ہو اور آپ قیام کرنے کے لئے ڈیڑھ دو میل دور حضرت ابوایوب کے ہاں گئے ہوں اور یہ بات بھی نہ تھی کہ اونٹنی ابوایوب کی زمینوں میں اتری ہو اور اس وجہ سے آپ نے زمین کے مالک یہاں عارضی قیام کا فیصلہ کیا ہو کیوں کہ یہ بات ثابت ہے کہ زمین کے مالک النجار کے دو یتیم بچے تھے۔ تاریخی تنقید کی کسوٹی پر کوئی روایت بھی پوری نہیں اترتی۔ اور صحیح رائے یہی ہے کہ حضرت ابوایوب کے ہاں قیام پذیر ہونے کے بعد آپ نے دارالخلافہ تعمیر کرنے کے لئے اونٹنی پر سوار ہو کر جگہ کا انتخاب فرمایا۔

[1] سیرت ابن ہشام

[2] صحیح بخاری وابوداؤد و ابواب مساجد و صلوٰۃ۔

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

کی شان میں

قصیدہ بردہ شریف

مع

فضائل و خواص

شیخ محی الدین عربی

حضور پرنور، شافع یوم النشور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اطہر و اقدس سے محبت، وابستگی اور شیفتگی ہر مسلمان کے لئے عین ایمان ہے۔ اور اسی حیثیت سے آقائے دو عالم کی بارگاہ بیکس پناہ میں عقیدت و محبت کے گلہائے تر و تازہ نچھاور کئے جاتے ہیں۔

چنانچہ عربی، فارسی، اردو، انگریزی اور دنیا کی دوسری زبانوں میں موجود نعت شریف کے بیش بہا اور گراں قدر ذخیرہ کو جمع کیا جائے تو ایک عظیم و ضخیم دفتر بھی ناکافی ہوگا۔

رسول رحمت کی بارگاہِ نعت میں منظوم خراج عقیدت پیش کرنے والوں میں حضرت علامہ امام شیخ شرف الدین محمد بن سعید بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک اہم مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ اب سے تقریباً سات سو سال قبل ان کی زبان حقیقت بیان سے نکلنے والے قصیدہ بردہ شریف نے نہ صرف عربی زبان بلکہ تمام دوسری زبانوں کے نعتیہ ذخیرہ میں بہت ہی شاندار اور باوقار اضافہ کیا۔ اور خود امام بوصیری کے نورانی نعتیہ قصائد میں سرفہرست بن کر رہا۔

اس قصیدہ مبارکہ کی سب سے بڑی شان و عظمت یہ ہے کہ اسے نبی کریم کے دربارِ دُربار میں قبولیت کا شرف حاصل ہوا۔ کیوں نہ ہو اس قصیدہ کے حرف حرف میں عشق رسول کا دریا موجزن ہے جو اہل محبت کے لئے سرمایۂ حیات و باعث نجات ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اب تک دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے متعدد منثور اور منظوم ترجمے ہو چکے ہیں۔ اور سب کے سب اپنے حلقے میں خوب مقبول ہیں۔

دنیا کی ایک مشہور و معروف، مقبولِ عام اور پسندیدۂ عوام زبان اردو کے تعلق سے بھی اس مبارک قصیدہ کے کئی منثور، اور منظوم ترجمیں اور شروح کی اشاعت روبہ عمل آچکی ہے جن میں ہزادِ دکن جناب محمد فیاض الدین نظامی کے منظوم ترجمے کو بہت سلیس اور عام فہم سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ ذیل میں قصیدہ بردہ شریف، اصل عربی متن، حضرت علامہ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کے منظوم فارسی ترجمہ اور جناب محمد فیاض الدین نظامی کے منظوم اردو ترجمہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔

قصیدہ بردہ شریف کے ادبی محاسن اور علمی خصوصیات کو اہل علم و قلم اور رخاد ماں زبان و بیان ہمیشہ اور ہر دور میں خراج تحسین ادا کرتے رہے ہیں۔ تو اس کے روحانی کمالات کو صوفیائے کرام اور اولیائے عظام حرزِ جاں بنائے رہے ہیں۔ کیونکہ اس قصیدہ شریف کے ساتھ جو ایمان افروز روایت وابستہ ہے وہ بہت ہی کیف آفریں اور روح پرور ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت امام بوصیری نے ایک سچے عاشق رسول کی حیثیت اپنی زندگی کا بڑا حصہ نعتیہ قصائد لکھنے کے مبارک مشغلہ میں گزارا۔ اور بہت ہی عمدہ عمدہ خیالات کا اظہار کیا۔

ایک بار ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ ممکن حد تک علاج و معالجہ کیا۔ مگر مرض برابر بڑھتا گیا۔ یہاں تک کے سارے طبیب عاجز آگئے۔ اور حضرت امام اپنی شفایابی کو ناممکن تصور کرنے لگے۔ اس حال میں اچانک ایک رات انھیں ما انزل اللہ داءً الا انزل اللہ شفاء (صحیح بخاری شریف) فرمانے والے طبیب رحمت کا خیال آیا۔ اور انھوں نے بجا طور پر محسوس کیا کہ اللہ کے رسول کی بارگاہ میں فریاد کی جائے یقین کامل ہے کہ یاس اور ناامیدی کا منھ نہ دیکھنا پڑے گا۔ چنانچہ وہ بارگاہ نبی کریم میں گریہ وزاری کرنے لگے۔ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ تکیہ آنسوؤں سے تر ہو گیا اس عالم میں ان کی آنکھ لگ گئی قسمت بیدار ہوئی، نصیبہ جاگا اور آقائے دوعالم کی زیارت باکرامت سے مشرف ہوئے۔ مصطفےٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پر انوار سے آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں جان میں جان آئی۔ فرط مسرت سے سرشار ہوگئے۔ دل کی کلی کھل گئی اور ہونٹوں پر قصیدۂ مبارک کے اشعار رقص کرنے لگے۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں قصیدہ پڑھتا رہا۔ اور حضور پر نور میرے مفلوج جسم پر دست مبارک پھیرتے رہے۔ اور پھر ایک چادر اڑھادی اس وقت قصیدہ مکمل ہو گیا۔ اور امام بوصیری کی آنکھ لگ گئی۔ انھوں نے دیکھا کہ وہ پوری طرح شفایاب ہو چکے ہیں۔ اور بیماری کا نام ونشان تک نہیں رہ گیا۔ اسی وجہ سے قصیدہ بردہ شریف نام پڑا۔

حضرت امام نے نماز فجر ادا کی۔ گھر سے باہر نکلے۔ اور ابھی اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہیں کیا تھا کہ راستہ میں وقت کے عارف باللہ اور مرد حق آگاہ حضرت شیخ ابو رجا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مل گئے۔ انھوں نے فرمایا کہ گذشتہ رات جو قصیدہ تم نے رسول رحمت کے روبرو پیش کیا تھا وہ مجھے دیدو۔ حضرت شیخ نے قصیدہ کا مطلع بھی پڑھ کر سنا دیا۔ اور بتایا کہ جب تم یہ قصیدہ پیش کر رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح جھوم رہے تھے جس طرح ثمردار شاخیں جھوما کرتی ہیں (سبحان اللہ) یہ سن کر حضرت امام نے قصیدہ حضرت شیخ کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد اس قصیدہ کو عام اور ہمہ گیر شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔

اختلاف روایات کے مطابق اس قصیدہ میں ۱۶۴ یا ۱۶۵ اشعار ہیں حضرت جامی کے منظوم فارسی ترجمہ میں ۱۶۴ اشعار ہیں۔ انھیں کا منظوم اردو ترجمہ جناب بہزاد دکنی نے پیش کیا ہے۔ مگر بعض کتابوں میں درج ذیل شعر بھی نظر نواز ہوا۔ جو ۸۶ ویں نمبر پر ہے۔

آیاتہ الغر لا یخفی علی احد
بدونہا العدل بین الناس لم یقم

ترجمہ:۔ آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی روشن نشانیاں ایسی ہیں جو کسی شخص پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ اور ان کے بغیر لوگوں کے درمیان عدل قائم نہیں ہو سکتا۔

۱۶۵ اشعار کا یہ قصیدہ درج ذیل عنوانات کے تحت دس فصلوں پر مشتمل ہے۔

پھلی فصل:۔ عشق رسول کے ذکر میں۔ (۱۲ ویں شعر تک)
دوسری فصل:۔ خواہش نفسانی کے رک جانے کے بیان میں۔ (۲۸ ویں شعر تک)
تیسری فصل:۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نعت میں۔ (۵۹ ویں شعر تک)
چوتھی فصل:۔ میلاد النبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان میں۔ (۷۲ ویں شعر تک)
پانچویں فصل:۔ معجزات نبوی کے بیان میں۔ (۸۸ ویں شعر تک)
چھٹی فصل:۔ قرآن کریم کے شرف وبزرگی کے بیان میں۔ (۱۰۵ ویں شعر تک)
ساتویں فصل:۔ معراج شریف کے بیان میں۔ (۱۱۸ ویں شعر تک)
آٹھویں فصل:۔ جہاد نبوی کے بیان میں۔ (۱۴۰ ویں شعر تک)
نویں فصل:۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے طلب مغفرت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے التجائے شفاعت (۱۵۲ ویں شعر تک)
دسویں فصل:۔ مناجات (آخر شعر تک)

اس قصیدہ مبارک کو حلقۂ مشائخ میں قبول عام حاصل ہے۔

وظائف و اوراد کے طور پر اسے پڑھا جاتا ہے۔ اور فیوض و برکات حاصل کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اکثر بزرگان دین اس کو سات منزلوں میں تقسیم کر کے جمعہ کے دن سے اسے پڑھنا شروع کرتے ہیں۔ اور روزانہ ایک منزل پڑھ کر جمعرات کو ختم کرتے ہیں جس کی تقسیم اس طرح ہے۔ جمعہ کو ۲۳ ویں شعر تک، شنبہ کو ۴۶ ویں شعر تک۔ یکشنبہ کو ۶۹ ویں شعر تک۔ دوشنبہ کو ۹۲ ویں شعر تک سہ شنبہ کو ۱۱۵ ویں شعر تک۔ چہارشنبہ کو ۱۴۰ ویں شعر تک، اور پنجشنبہ، یعنی جمعرات کو آخر تک۔

قصیدۂ بردہ شریف کے پڑھنے کے آداب میں بیان کیا گیا ہے کہ جمعہ کے دن نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہنے، خوشبو لگائے۔ کچھ مستحق فقیروں کو حسب توفیق اچھا کھانا کھلائے۔ اور پاک و صاف جگہ پر گوشۂ تنہائی میں قبلہ رو بیٹھ کر قصیدہ پڑھنا شروع کرے۔ الفاظ و اعراب کی صحت کو ملحوظ رکھا جائے۔ پڑھنے کے دوران میں بات چیت نہ کرے۔ بہتر ہے کہ کسی صحیح العقیدہ بزرگ سے اس سے پڑھنے کی اجازت لے لی جائے۔ روزانہ قصیدہ خوانی کے شروع اور آخر میں ذیل کے اشعار ضرور پڑھ لئے جائیں ؎

الحمد للہ منشی الخلق من عدم
ثم الصلوٰۃ علی المختار فی القدم
مولای صل وسلم دائما ابداً
علیٰ حبیبک خیر الخلق کلھم

صحیح العقیدہ سنی مسلمانوں کو ان شرائط کے ساتھ اس قصیدہ شریف کے پڑھنے سے بہت فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ ایک بزرگ حضرت امام ابراہیم بن محمد تلواحی فرماتے ہیں کہ جو شخص شب جمعہ کو غسل کر کے لباس معطر پہن کر بعد نماز عشا اول و آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف کے ساتھ یہ قصیدہ پڑھ کر سوئے تو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہو اگر پہلے دن زیارت نہ ہو تو مسلسل یہ عمل کرتا رہے۔ انشاء المولیٰ تعالیٰ پانچویں شب تک یقیناً وہ اس سعادت سے بہرہ مند ہو گا۔

فضائل و خواص: بزرگوں نے اس قصیدہ شریف اور اس کے مختلف اشعار کے بہت سے فضائل و خواص بیان کئے ہیں جن میں چند درج ذیل ہیں:۔

۱۔ آداب و شرائط کے ساتھ پڑھنے والا مرتبۂ ولایت تک پہنچ سکتا ہے۔
۲۔ روزانہ مقررہ وقت پر پڑھنے سے عمر میں برکت ہوتی ہے۔
۳۔ بلاؤں سے نجات کے لئے ۱۷ مرتبہ پڑھا جائے۔
۴۔ قحط کو دور کرنے کے لئے تین سو مرتبہ پڑھا جائے۔
۵۔ تونگری حاصل کرنے کے لئے سات سو بار پڑھے۔
۶۔ ہر مشکل کو آسان کرنے کے لئے ۱۷۷ بار پڑھے۔
۷۔ اکیس مرتبہ روزانہ پڑھنے سے کوئی مصیبت نہیں آتی۔
۸۔ ایک ہزار بار پڑھے تو قرض سے نجات ملے۔
۹۔ جائز مقاصد کے لئے شب جمعہ میں ۴۱ بار پڑھا جائے۔
۱۰۔ متواتر پڑھتا رہے تو آسائش حاصل ہو۔
۱۱۔ مسلسل جمعہ تک جمعہ کو ۷۰ بار پڑھنے سے خوشحالی حاصل ہوتی ہے۔
۱۲۔ اولاد نرینہ حاصل کرنے کے لئے ۱۰۰ بار پڑھا جائے۔
۱۳۔ خواب میں کسی مسئلہ کا حل معلوم کرنے کے لئے سوتے وقت پڑھا جائے۔
۱۴۔ مریض پر دم کیا یا گلاب سے لکھ کر پلایا جائے تو شفا حاصل ہوتی ہے۔
۱۵۔ قیدی پڑھے تو رہائی حاصل ہو۔
۱۶۔ مسافر پڑھے تو ہر بلا سے محفوظ رہے۔
۱۷۔ جس گھر میں پڑھا جائے وہاں خیر و برکت نازل ہوتی ہے۔
۱۸۔ تخم ریزی کے وقت پڑھا جائے تو کھیتی میں پیداوار بڑھتی ہے۔
۱۹۔ درختوں پر دم کرے تو وہ پھلنے لگیں۔
۲۰۔ ہر آفت اور بلا کے دفعیہ کے لئے اس کا ورد مؤثر ہوتا ہے۔
۲۱۔ شعر ۱ و ۲ شریر جانوروں کو سدھانے کے لئے یا کسی شخص کو عربی زبان بہ آسانی سکھانے کے لئے کسی پیالے میں زعفران سے لکھ کر بارش کے پانی سے دھو کر پلایا جائے۔
۲۲۔ شعر ۳ تا ۶ لکھ کر مشکوک شخص کے گلے میں لٹکا دیا جائے تو وہ مجرم ہونے کی صورت میں اقرار جرم کرلے گا۔

۲۳۔ شعر ۸ نماز عشاء کے بعد پڑھتے پڑھتے سو رہے تو برے خوابوں سے بچے۔

۲۴۔ شعر ۱ تا ۱۲: ہرن کے چمڑے پر لکھ کر بازو پر باندھے تو تقریر کرنا آجائے۔

۲۵۔ شعر ۳ کا ورد مصیبت کو دور کرتا ہے۔

۲۶۔ شعر ۵ ہر نماز کے بعد گیارہ بار پڑھا جائے تو پریشانیوں سے نجات ملے۔

۲۷۔ شعر ۶: ہر نماز کے بعد تین مرتبہ پڑھنے سے حاجت پوری ہوتی ہے۔

۲۸۔ شعر ۸ ہر نماز کے بعد اکیس بار پڑھنے سے گم شدہ چیزیں مل جاتی ہیں۔

۲۹۔ شعر ۲۲۔ ہر نماز کے بعد گیارہ بار پڑھے علم حاصل ہو۔

۳۰۔ شعر ۲۳ و ۲۴: نماز جمعہ کے بعد جو گیارہ مرتبہ پڑھے۔ وہ گناہوں سے محفوظ رہے۔

۳۱۔ شعر ۲۶۔ ہر مصیبت سے نجات کے لئے ایک ہزار ایک بار پڑھا جائے۔

۳۲۔ شعر ۲۹ ہر حاجت کے لئے ہر نماز کے بعد پانچ بار پڑھا جانے

ایک عظیم الشان مسجد کا پروقار منارہ

۳۳۔ شعر ۸۳ ۴۱ دنوں تک روزانہ ۴۱ بار پڑھا جائے ہر مصیبت دور ہو جائے۔

۳۴۔ شعر ۹۲ ہر نماز کے بعد پانچ بار پڑھنے سے غریبی دور ہوتی ہے۔

۳۵۔ شعر ۱۱۶، جائز ملازمت کے لئے ہر نماز کے بعد تین بار پڑھا جائے۔

۳۶۔ شعر ۱۴۵، جائز تجارت کے لئے ہر نماز کے بعد پڑھا جائے۔

۳۷۔ شعر ۱۴۶، شفایابی کے لئے پڑھا جائے۔

۳۸۔ شعر ۱۰۵، امتحان میں شامل ہونے سے پہلے گیارہ بار باوضو پڑھا جائے کامیابی یقینی ہے۔

۳۹۔ شعر ۱۰۸، جائز منصب اور عہدہ کے لئے ہر نماز کے بعد پانچ مرتبہ پڑھا جائے۔

۴۰۔ شعر ۱۴۰ و ۱۴۱ کاغذ پر لکھ کر ریشمی دھاگے میں باندھ کر بچوں کے گلے میں ڈالا جائے ہر بلا سے محفوظ رہیں گے۔

اس کے علاوہ پورے قصیدہ کو تعویذ کے طور پر گلے میں لٹکایا جائے تو ہر بلا اور آفت سے نجات رہے گی۔

قصیدہ شریف منظوم فارسی اور اردو ترجموں کے ساتھ درج ذیل ہے:-

أَمِنْ تَذَكُّرِ جِيرَانٍ بِذِي سَلَمٍ
مَزَجْتَ دَمْعًا جَرَى مِنْ مُقْلَةٍ بِدَمِ

اے ز یاد صحبت یاران اندر ذی سلم
اشک چشم آمیختی باخوں رواں گشتہ بہم
کیا تمہیں یاد آ گئے ہمسایگان ذی سلم
خون کے آنسو جو آنکھوں سے رواں ہیں دم بدم

أَمْ هَبَّتِ الرِّيحُ مِنْ تِلْقَاءِ كَاظِمَةٍ
أَوْ أَوْمَضَ الْبَرْقُ فِي الظَّلْمَاءِ مِنْ إِضَمِ

یا مگر از کاظمہ بادے وزید از کوئے دوست
یا مگر در نیم شب برقے جہیدہ، از اضم
یا صبا آئی ہے سمت کاظمہ سے اک پیام
یا ہوا بجلی سے روشن رات میں کوہ اضم

حرم شریف کے دو نورانی مناظر

فَمَا لِعَيْنَيْكَ إِنْ قُلْتَ اكْفُفَا هَمَتَا
وَمَا لِقَلْبِكَ إِنْ قُلْتَ اسْتَفِقْ يَهِمِ

چیست چشمت را چہ گوئی خشک شو گریاں شود
چیست دل گوئی بہوش آ شیفتہ گردد ز غم،
کیا ہوا آنکھوں کو تیری رو رہی ہیں زار زار
کیا ہوا دل کو ترے کیوں اس قدر کھاتا ہے غم

أَيَحْسَبُ الصَّبُّ أَنَّ الْحُبَّ مُنْكَتِمٌ
مَا بَيْنَ مُنْسَجِمٍ مِنْهُ وَمُضْطَرِمِ

اے تو پنداری کہ عشق عاشقاں پنہاں شود
باوجود آتش دل سوز و آب چشم نم
ہے عبث تیرا گماں چھپتا نہیں ہے راز عشق
اس کو افشا کر رہے ہیں سوز دل اور چشم نم

لَوْلَا الْهَوَى لَمْ تُرِقْ دَمْعًا عَلَى طَلَلٍ
وَلَا أَرِقْتَ لِذِكْرِ الْبَانِ وَالْعَلَمِ

گر نہ بودے عشق اشکت بر طلل کے ریختی
کے بدے بے خواب چشمت از غم بان و علم
یوں نہ ویرانوں پہ روتا گر نہ ہوتا سوز عشق
مضطرب کرتے نہ تجھ کو قصۂ بان و علم

فَكَيْفَ تُنْكِرُ حُبًّا بَعْدَ مَا شَهِدَتْ
بِهِ عَلَيْكَ عُدُولُ الدَّمْعِ وَالسَّقَمِ

چوں کنی انکار عشقش چوں گواہی میدہند
بر تو اشک چشم دیگر زردی روئے سقم
عشق سے انکار کرنا تیرا ممکن ہی نہیں
ہیں گواہ معتبر صورت تری اور چشم نم

۷ وَ اَثْبَتَ الْوَجْدُ خَطَّیْ عَبْرَۃٍ وَّضَنًی
مِثْلَ الْبَھَارِ عَلٰی خَدَّیْکَ وَ الْعَنَمِ

عشق ثابت کرد بر رو خطِ اشک ولاغری
چوں بہار روئے یار سرخیِ شاخِ عنم
خطِ عشق اور لاغری نے عشق ثابت کر دیا
زرد رخساروں پہ گویا سُرخیِ شاخِ عنم

۸ نَعَمْ سَرٰی طَیْفُ مَنْ اَھْوٰی فَاَرَّقَنِیْ
وَالْحُبُّ یَعْتَرِضُ اللَّذَّاتِ بِالْاَلَمِ

چوں خیالِ دلبرم آمد مرا بے خواب کرد
عشق آرد درمیانِ خرمی رنج والم
ہاں خیالِ یار نے مجھ کو جگایا رات بھر
لذتوں کو کر دیا ہے عشق نے رنج والم

۹ یَالَآئِمِیْ فِی الْھَوَی الْعُذْرِیِّ مَعْذِرَۃً
مِنِّیْ اِلَیْکَ وَلَوْ اَنْصَفْتَ لَمْ تَلُمِ

اے کہ در عشقم ملامت میکنی معذور دار
گر ترا انصاف باشد عذر آری از کرم
ناصحا تو عشق میں کر معذرت میری قبول
ہے اگر انصاف تجھ میں کر نہ مجھ پر یہ ستم

۱۰ عَدَتْکَ حَالِیْ لَا سِرِّیْ بِمُسْتَتِرٍ
عَنِ الْوُشَاۃِ وَلَا دَائِیْ بِمُنْحَسِمِ

حالِ من وز تو گزشتہ سرّ من از دشمناں
نیست پنہاں در دِمن زائل نگشتہ از دلم
اب تو واقف ہو چکے اغیار بھی تیرے سوا
درد میرا ہو نہیں سکتا کسی صورت سے کم

۱۱ مَحَضْتَنِی النُّصْحَ لٰکِنْ لَّسْتُ اَسْمَعُہٗ
اِنَّ الْمُحِبَّ عَنِ الْعُذَّالِ فِیْ صَمَمِ

تو نصیحت میکنی نیکو و من می نشنوم
عاشقاں باشند دایم از ملامت در صمم
تھی نصیحت خوب لیکن اس کو سنتا کس طرح
ناصحا عاشق کے حق میں ہے سماعت کالعدم

۱۲ اِنِّی اتَّھَمْتُ نَصِیْحَ الشَّیْبِ فِیْ عَذَلِیْ
وَالشَّیْبُ اَبْعَدُ فِیْ نُصْحٍ عَنِ التُّھَمِ

شیب پندم داد و من بردم گمان بد برو
گرچہ شیب اندر نصیحت دور باشد از تہم
تھی ضعیفی کی نصیحت پھر بھی دل بدظن ہوا
گو نصیحت میں ضعیفی ہے بہت دور از تہم

۱۳ فَاِنَّ اَمَّارَتِیْ بِالسُّوْءِ مَا اتَّعَظَتْ
مِنْ جَھْلِھَا بِنَذِیْرِ الشَّیْبِ وَالْھَرَمِ

نفس فرماں دہ بہ بدہا میکند دینم خراب
وز جہالت پند نہ پذیرد ز پیری وھرم
نفسِ امّارہ نے نادانی سے کچھ پروا نہ کی
یوں تو پیری کی نصیحت تھی نہایت محترم

۱۴ وَلَا اَعَدَّتْ مِنَ الْفِعْلِ الْجَمِیْلِ قِرٰی
ضَیْفٍ اَلَمَّ بِرَأْسِیْ غَیْرَ مُحْتَشِمِ

ہم نہ کرد او کارِ نیکو بہر مہمانیِ او
بر سرم آمد فرود از من نگشتہ محتشم
نیکیوں سے میں نے اس مہمان کی خاطر نہ کی
آن پہنچی جب ضعیفی سر پہ میرے ایک دم

۱۵ لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنِّي مَا أُوَقِّرُهُ
كَتَمْتُ سِرًّا بَدَا لِي مِنْهُ بِالْكَتَمِ

گر بدانستم کہ مہماں را نمیدارم عزیز
کردمی تغییر اسفیدیٔ مویم از کتم
کاش میں پہچانتا توقیر اس مہمان کی
پس چھپا لیتا سفیدی سر کی از رنگ کتم

۱۶ مَنْ لِي بِرَدِّ جِمَاحٍ مِنْ غَوَايَتِهَا
كَمَا يُرَدُّ جِمَاحُ الْخَيْلِ بِاللُّجُمِ

نفسِ سرکش را ز بے راہی کہ می آرد براہ
چوں لگامے اسپِ سرکش آورد از راہ ہم
کون ہے جو نفسِ سرکش کو مرے یوں پھیر دے
روکتے ہیں جیسے گھوڑوں کو لگاموں سے بہم

۱۷ فَلَا تَرُمْ بِالْمَعَاصِي كَسْرَ شَهْوَتِهَا
إِنَّ الطَّعَامَ يُقَوِّي شَهْوَةَ النَّهِمِ

پس مجو بر فعلِ عصیاں کسرِ شہوتہائے نفس
زانکہ قوت میدہد شہوت طعام اندر شکم
نفس کی خواہش گناہوں سے نہیں ہوتی ہے دور
جس طرح جُوع البقر میں پُر نہیں ہوتا شکم

۱۸ وَالنَّفْسُ كَالطِّفْلِ إِنْ تُهْمِلْهُ شَبَّ عَلَى
حُبِّ الرَّضَاعِ وَإِنْ تَفْطِمْهُ يَنْفَطِمِ

نفس چوں طفل است گر شیرش دہی دائم خورد
ورنہ شیرش باز داری او نہ خواہد ہیچ دم
نفس کی ہیں عادتیں مانندِ طفلِ شیرخوار
دُودھ پیتا جائے گا جب تک چھڑائیں گے نہ ہم

۱۹ فَاصْرِفْ هَوَاهَا وَحَاذِرْ أَنْ تُوَلِّيَهُ
إِنَّ الْهَوَى مَا تَوَلَّى يُصْمِ أَوْ يَصِمِ

باز گیرش از ہوا بر خود ہوا حاکم مکن
چوں ہوا حاکم شود دینت بشد یا گشت کم
خواہشوں کو روک ہرگز نفس کا تابع نہ ہو
تا نہ کر دے ختم یا پھر عیب والا کم سے کم

۲۰ وَرَاعِهَا وَهْيَ فِي الْأَعْمَالِ سَائِمَةٌ
وَإِنْ هِيَ اسْتَحْلَتِ الْمَرْعَى فَلَا تُسِمِ

نفس را مقہور کن چوں در عمل جولاں کنی
در چریدن انس گیرد باز دارش از ستم
باز رکھ حسنِ عمل کو لذتِ تشہیر سے
اس چراگاہِ ہوس سے دُور رکھ اپنا قدم

۲۱ كَمْ حَسَّنَتْ لَذَّةً لِلْمَرْءِ قَاتِلَةً
مِنْ حَيْثُ لَمْ يَدْرِ أَنَّ السَّمَّ فِي الدَّسَمِ

لذتے کاں با مضرت باشد آراید بخلق
آں چناں کو در نیابد ایں کہ زہر اندر دسم
لذتیں چکنی غذا کی زہرِ قاتل ھیں مگر
کھانے والے نے نہ جانا اس میں پوشیدہ ہے سم

۲۲ وَاخْشَ الدَّسَائِسَ مِنْ جُوعٍ وَمِنْ شِبَعٍ
فَرُبَّ مَخْمَصَةٍ شَرٌّ مِنَ التُّخَمِ

تو بترس از حیلہ ہائے نفس چوں جوع و شبع
گاہ باشد گشنگی بدتر ز سیری و تخم
مکر سے کر خوف اُن کے شکم سیری کہ بھوک
آفتیں خالی شکم کی کچھ نہیں سیری سے کم

۲۳ وَاسْتَفْرِغِ الدَّمْعَ مِنْ عَيْنٍ قَدِ امْتَلَأَتْ
مِنَ الْمَحَارِمِ وَالْزَمْ حِمْيَةَ النَّدَمِ

پس ببار از دیدگاں اشکے کہ چشمت پُر شدہ
از محارم پس ملازم شو بدرگاہِ ندم
ان گناہوں کو جو آنکھوں میں بسے ہیں دُور کر
ہو پشیماں اور بہا اشکِ ندامت دمبدم

۲۴ وَخَالِفِ النَّفْسَ وَالشَّيْطَانَ وَاعْصِهِمَا
وَإِنْ هُمَا مَحَّضَاكَ النُّصْحَ فَاتَّهِمِ

برخلافِ نفس و شیطاں باش فرمانش مبر
ور نصیحت میکنندت قولِ شاں داں متہم
نفس و شیطاں کا مخالف بن نہ مان ان کا کہا
اُن کی اچھی بھی نصیحت جھوٹ سے کیا کچھ ہے کم

۲۵ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمَا خَصْمًا وَلَا حَكَمًا
فَأَنْتَ تَعْرِفُ كَيْدَ الْخَصْمِ وَالْحَكَمِ

ترک کن فرمانِ ایشاں خصم باشد یا حکم
زاں کہ میدانی تو مکرِ خصم و ہم مکرِ حکم
تو نہ کر اُن کی اطاعت ہوں یہ حاکم یا عدو
جانتا ہے خوب تو مکرِ عدو و مکرِ حکم

۲۶ أَسْتَغْفِرُ اللهَ مِنْ قَوْلٍ بِلَا عَمَلٍ
لَقَدْ نَسَبْتُ بِهِ نَسْلًا لِذِي عُقُمِ

میکنم استغفر اللہ از کلامِ بے عمل
بچہ میخواہم ازاں زن گو بود صاحب عقم
مجھ کو قولِ بے عمل سے توبہ کرنی چاہیے
گویا بانجھ عورت سے امیدِ نسل رکھتے ہیں ہم

۲۷ أَمَرْتُكَ الْخَيْرَ لَكِنْ مَا ائْتَمَرْتُ بِهِ
وَمَا اسْتَقَمْتُ فَمَا قَوْلِي لَكَ اسْتَقِمِ

امر کردم من بہ خیرت خود نہ کردم ہیچ خیر
راستی ور دیں نہ کردم پس چہ سُود از گفتنم
کی نصیحت دوسروں کو اور رہیں خود بے عمل
ہو نصیحت کا اثر کیا بے عمل جب خود ہیں ہم

۲۸ وَلَا تَزَوَّدْتُ قَبْلَ الْمَوْتِ نَافِلَةً
وَلَمْ أُصَلِّ سِوَى فَرْضٍ وَلَمْ أَصُمِ

توشہ ہرگز نہ کردم بہرِ زادِ آخرت
وز نماز و روزہ جز فرضے نیامد در تنم
زادِ راہِ آخرت اک نفل کا بھی تو نہیں
جز نمازِ فرض و روزہ کچھ نہیں رکھتے ہیں ہم

۲۹ ظَلَمْتُ سُنَّةَ مَنْ أَحْيَى الظَّلَامَ إِلَى
أَنِ اشْتَكَتْ قَدَمَاهُ الضُّرَّ مِنْ وَرَمِ

من ستم کردم بسے بر سنّتِ خیر الرسلؐ
آں کہ از احیائے شبہا پائے وے کردے ورم
سنّتِ بیداریٔ شب پر کیا میں نے ستم
طاعتِ شب کے سبب تھا جن کے قدموں پر ورم

۳۰ وَشَدَّ مِنْ سَغَبٍ أَحْشَاءَهُ وَطَوَى
تَحْتَ الْحِجَارَةِ كَشْحًا مُتْرَفَ الْأَدَمِ

سنگ بستے بر شکم آں نازنیں از گشنگی
صرف کردے در رہِ حق جملہ دینار و درم
بھوک کی شدت کے باعث اور فاقوں کے سبب
آپ نے پتھر سے باندھا نازپروردہ شکم

۳۱ وَرَاوَدَتْهُ الْجِبَالُ الشُّمُّ مِنْ ذَهَبٍ
عَنْ نَفْسِهٖ فَأَرَاهَا أَيَّمَا شَمَمِ

کوہ از زر کرد خود را عرض تا گرد قبول
رُخ گردانید ازاں زر مصطفیٰ خیر الشیم
زر کے بن کر جب پہاڑ آئے کہ مائل ہوں حضور
کچھ توجہ تک نہ کی تھے آپ وہ عالی ھمم

۳۲ وَأَكَّدَتْ زُهْدَهٗ فِيْهَا ضَرُوْرَتُهٗ
إِنَّ الضَّرُوْرَةَ لَا تَعْدُوْ عَلَى الْعِصَمِ

با ضرورت ہا کہ بودش میل بر دنیا نہ کرد
از ضرورت خستہ نہ بود آنکہ دور است از حرم
ایسی حاجت پر بھی تقویٰ کو کیا مضبوط تر
سچ ہے حاجت غالب آسکتی نہیں جب ہو عصم

۳۳ وَكَيْفَ تَدْعُوْ إِلَى الدُّنْيَا ضَرُوْرَةُ مَنْ
لَوْلَاهُ لَمْ تَخْرُجِ الدُّنْيَا مِنَ الْعَدَمِ

چوں تواند خواند بر دنیا ضرورت زاں کہ گر
نامدے دنیا گہے بیروں نگشتے از عدم
کیا کرے مائل ضرورت ان کو دنیا کی طرف
گر نہ ہوتے آپ تو دنیا بھی ہوتی کالعدم

۳۴ مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ وَالثَّقَلَيْنِ
وَالْفَرِيْقَيْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

آں محمد سیدِ کونین فخرِ انس و جاں
بہترِ اہلِ دو عالم مہترِ عرب و عجم
ہیں محمد سیدِ کونین شاہِ جن و انس
اور شہنشاہِ دو عالم مالکِ عرب و عجم

۳۵ نَبِيُّنَا الْآمِرُ النَّاهِيْ فَلَا أَحَدٌ
أَبَرَّ فِيْ قَوْلِ لَا مِنْهُ وَلَا نَعَمِ

آمر و ناہی پیمبر آں رسولِ راست گو
راست گو تر زو نہ بد در قول "لا" و در "نعم"
آمر و ناہی پیمبر ہیں نہیں ان کا جواب
ہیں نہایت صاف گو وہ قول "لا" ہو یا "نعم"

۳۶ هُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِيْ تُرْجٰى شَفَاعَتُهٗ
لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْأَهْوَالِ مُقْتَحِمِ

آں حبیبے کو بود امیدگاہِ مردماں
در شفاعت نزد سختیہائے پیچیدہ بہم
وہ حبیب ایسے ہیں جن سے ہے شفاعت کی امید
ہوں گی نازل آفتیں پیش آئیں گے جب رنج و غم

۳۷ دَعَا إِلَى اللّٰهِ فَالْمُسْتَمْسِكُوْنَ بِهٖ
مُسْتَمْسِكُوْنَ بِحَبْلٍ غَيْرِ مُنْفَصِمِ

مرد را خواندی بحق وہر کہ رُخ دست زد
دست زد در حبلِ محکم کاں بریدہ نشد دم
دعوتِ حق آپ نے دی اور کیا جس نے قبول
اس نے ایسی ڈور تھامی جو نہ ہو گی منفصم

۳۸ فَاقَ النَّبِيِّيْنَ فِيْ خَلْقٍ وَّفِيْ خُلُقٍ
وَّلَمْ يُدَانُوْهُ فِيْ عِلْمٍ وَّلَا كَرَمِ

بہتر پیغمبراں در خَلق و در خُلق آمدہ
کس چو او نامد نہ در علم و نہ در وصفِ کرم
سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے خَلق میں اور خُلق میں
انبیاء میں سب سے اکمل آپ کا علم و کرم

۳۹ وَكُلُّهُمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ
غَرْفًا مِنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِنَ الدِّيَمِ

ملتمس از وے ہمہ از انبیاء و از رسل
یک کف از دریائے علم و شربتے ز ابرِ کرم

انبیاءؑ سب ملتمس ہیں تاکہ مل جائے انھیں
ایک جرعہ بحر سے یا قطرہ از ابرِ کرم

۴۰ وَوَاقِفُوْنَ لَدَيْهِ عِنْدَ حَدِّهِمِ
مِنْ نُقْطَةِ الْعِلْمِ اَوْ مِنْ شَكْلَةِ الْحِكَمِ

نزدِ او استادہ جملہ ہر یکے در حدِ خویش
نقطۂ از علم دارد یا نصیبے از حکم

اپنے حدِ مرتبہ پر سب کھڑے ہیں رُو برو
جیسے نقطہ لفظ میں اعراب لفظوں میں بہم

۴۱ فَهُوَ الَّذِيْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُوْرَتُهُ
ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِيْبًا بَارِئُ النَّسَمِ

از خلائق او بود در صورت و معنی تمام
برگزیدش در محبت خالق روح و نسم

صورت و سیرت میں ہیں سرکار عالی مرتبت
اس لیے اُن کو کیا حق نے حبیبِ محترم

مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِيْكٍ فِيْ مَحَاسِنِهٖ
۴۲ فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْقَسِمِ

او منزہ از شریک اندر محاسن آمدہ
جوہرِ حسنِ محمد پارہ نامد در قسم

کوئی عالم میں نہیں ان کا محاسن میں شریک
حسن میں جوہر ہے یکتا جو نہ ہو گا منقسم

۴۳ دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰى فِيْ نَبِيِّهِمِ
وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِيْهِ وَاحْتَكِمِ

انچہ ترسایاں بگفتند در حقِ عیسےٰ مگو
پس بگو در حقِ سید انچہ خواہی در حکم

جو نصاریٰ نے کہا عیسیٰ کے حق میں تو نہ کہہ
جس قدر ممکن ہو کر مدحِ نبیِ محترم

۴۴ وَانْسُبْ اِلٰى ذَاتِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ
وَانْسُبْ اِلٰى قَدْرِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمِ

نسبت اندر ذاتِ او کن ہر چہ خواہی از شرف
نسبت اندر قدر او کن ہر چہ خواہی از عظم

جو شرف ہو ذاتِ اقدس کی طرف منسوب کر
جتنی عظمت چاہیے کر شانِ والا میں رقم

۴۵ فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَيْسَ لَهٗ
حَدٌّ فَيُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمِ

فضل و جاہِ مصطفٰے حدے ندارد در کمال
تا تواند کرد شخصے روشن آں را بیش و کم

حد نہیں ہے کوئی حضرت کے کمال و فضل کی
ہو بیاں کس مُنہ سے توصیفِ شہِ خیر الامم

۴۶ لَوْ نَاسَبَتْ قَدْرَهٗ اٰيَاتُهٗ عِظَمًا
اَحْيَى اسْمُهٗ حِيْنَ يُدْعٰى دَارِسَ الرِّمَمِ

در خور قدرِ بزرگش گر نمودے معجز است
یادِ نامش زندہ کردے استخوانہائے رمم

اُن کی عظمت کے برابر معجزے ہوتے اگر
ہوتے زندہ نام سے سب استخواں ہائے رمم

۴۷ لَمْ یَمْتَحِنَّا بِمَا تَعْیَ الْعُقُوْلُ بِہٖ
حِرْصًا عَلَیْنَا فَلَمْ نَرْتَبْ وَلَمْ نَهِمِ

انچہ او فرمود عقل از فہم آں عاجز نہ شد
بر صلاحِ ما حریص ست بے گمان و بے نہم
باز رکھا امتحاں سے جس سے عاجز ہو سمجھ
مہربانی کی نہ بچتے یوں گمان و شک سے ہم

۴۸ اَعْیَی الْوَرٰی فَهْمُ مَعْنَاهُ فَلَیْسَ یُرٰی
لِلْقُرْبِ وَالْبُعْدِ فِیْهِ غَیْرُ مُنْفَحِمِ

عاقلاں از فہمِ معنیٔ محمد عاجز اند
اہلِ عالم جملہ در وصفش کشیدستند دم
سِرِّ باطن کی حقیقت نے کیا خلقت کو دنگ
دور سے نزدیک سے بس فہم بھی ہے منفحم

۴۹ کَالشَّمْسِ تَظْهَرُ لِلْعَیْنَیْنِ مِنْ بُعُدٍ
صَغِیْرَةً وَّتُکِلُّ الطَّرْفَ مِنْ اَمَمِ

مثلِ خورشید است شانش گر بود کوچک دور
در برابر چشم ہاے مردم انداز دبہم
وہ ہیں مثلِ شمس جو ظاہر ہو چھوٹا دور سے
اور آنکھیں قرب سے ہوتی ہیں خیرہ ایک دم

۵۰ وَکَیْفَ یُدْرِكُ فِی الدُّنْیَا حَقِیْقَتَهٗ
قَوْمٌ نِّیَامٌ تَسَلَّوْا عَنْهُ بِالْحُلُمِ

چوں بدانندش حقیقت اہلِ عالم چوں بود
مست خواب و دیدنش در خواب داند مغتنم
اہلِ دنیا کس طرح ان کی حقیقت پا سکے
خوابِ غفلت میں ہیں گویا قوم خوابیدہ ہیں ہم

۵۱ فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِیْهِ اَنَّهٗ بَشَرٌ
وَّاَنَّهٗ خَیْرُ خَلْقِ اللّٰهِ کُلِّهِمِ

مبلغِ معلومِ مردم آنکہ سیّد آدمی ست
بہترینِ مردماں باشد رسولِ محتشم
انتہائے علم کہتی ہے وہ ہیں خیر البشر
جملہ مخلوقات میں رکھتے ہیں وہ شانِ اتم

۵۲ وَکُلُّ اٰیٍ اَتَی الرُّسُلُ الْکِرَامُ بِهَا
فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُّوْرِهٖ بِهِمِ

ہر چہ آوردند مجموعِ رسل از معجزات
آں ز نورِ مصطفےٰ آمد بایشاں لاجرم
جو رسولانِ جلیل القدر کے تھے معجزے
آپ ہی کے نور سے پایا تھا سب نے یہ کرم

۵۳ فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ کَوَاکِبُهَا
یُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِی الظُّلَمِ

او بود خورشیدِ فضل و دیگراں سیارگاں
روشنی سیّارگاں ظاہر کنند اندر ظلم
آفتابِ فضل ہیں وہ سب ستارے انبیا
کرتے ہیں ظلمت میں ظاہر سب پہ انوارِ کرم

۵۴ حَتّٰی اِذَا طَلَعَتْ فِی الْکَوْنِ عَمَّ هُدَا
هَا الْعٰلَمِیْنَ وَاَحْیَتْ سَائِرَ الْاُمَمِ

پیشوائے خلقِ عالم شد چوں آمد در وجود
چوں عدم پوشیدہ شد از نورِ او جملہ امم
ہو گیا خورشید طالع اور ہوا روشن جہاں
آپ کے نورِ ہدایت سے ہوئیں زندہ امم

۵۵ اَکْرِمْ بِخَلْقِ نَبِیٍّ زَانَہٗ خُلُقٌ
بِالْحُسْنِ مُشْتَمِلٍ بِالْبِشْرِ مُتَّسِمِ

خلقِ پیغمبر نکو بر خلق خوشش آراستہ
مشتمل بر حسن باشد بر بشارت متسم

کیا عظیم الخلق صورت ہے مزیّن خلق سے
حسنِ صورت مشتمل ہے خندہ روئی سے بہم

۵۶ کَالزَّهْرِ فِیْ تَرَفٍ وَّالْبَدْرِ فِیْ شَرَفٍ
وَّالْبَحْرِ فِیْ کَرَمٍ وَّالدَّهْرِ فِیْ هِمَمِ

چوں بہار از تازگی بدہم چوں بدر اندر شرف
ہمچوں دریا در کرم چوں روزگار اندر ہمم

تازگی میں ہیں وہ غنچہ اور شرف میں مثلِ بدر
دہر میں ہمت میں اور بخشش میں دریائے کرم

۵۷ کَاَنَّہٗ وَهُوَ فَرْدٌ فِیْ جَلَالَتِہٖ
فِیْ عَسْکَرٍ حِیْنَ تَلْقَاہُ وَفِیْ حَشَمِ

گر کسے دیدیش تنہا خود ہمی پنداشتے
کز بزرگی اوست اندر لشکر و خیل و حشم

ہیں جلال و رعب میں سرکار عالی بے نظیر
جیسے گرد و پیش رکھتا ہے کوئی فوج و حشم

۵۸ کَاَنَّمَا اللُّؤْلُؤُ الْمَکْنُوْنُ فِیْ صَدَفٍ
مِنْ مَّعْدِنَیْ مَنْطِقٍ مِّنْہُ وَمُبْتَسَمِ

دُرِّ مکنون در صدف دندانِ او بد گوئیا
واں دہن گویا کہ می افشاند مروارید ہم

ہیں وہ دندانِ مبارک مثل موتی سیپ میں
معدنِ نطق و تبسم ہے وہ دہن محترم

۵۹ لَا طِیْبَ یَعْدِلُ تُرْبًا ضَمَّ اَعْظُمَہٗ
طُوْبٰی لِمُنْتَشِقٍ مِّنْہُ وَمُلْتَثِمِ

ہیچ بوئے خوش چو بوئے خوابگاہِ او نہ بود
نیک بخت آنکس کہ بوئید ست و بوسید ست ہم

ہے وہ خوش قسمت جو سونگھے اور بوسہ دے اسے
اے خوشا خوشبوئے خاکِ تربتِ شاہِ امم

۶۰ اَبَانَ مَوْلِدُہٗ عَنْ طِیْبِ عُنْصُرِہٖ
یَا طِیْبَ مُبْتَدَاٍ مِّنْہُ وَّمُخْتَتَمِ

وقتِ زادن پاکیِ ذاتِ شریفش شد پدید
پاک بودش مبتدا و پاک بودش مختتم

اُن کی پیدائش سے ساری خوبیاں ظاہر ہوئیں
پاک اُن کی ابتدا اور پاک اُن کا مختتم

۶۱ یَوْمٌ تَفَرَّسَ فِیْہِ الْفُرْسُ اَنَّهُمْ
قَدْ اُنْذِرُوْا بِحُلُوْلِ الْبُؤْسِ وَالنِّقَمِ

اہلِ فرس آں روز دانستند کایشاں را نمود
بعد ازیں درد و بلا و خواری و رنج و نقم

اہلِ فارس کو ولادت کی خبر جب مل گئی
ہو گئے دہشت زدہ اور چھا گیا رنج و الم

۶۲ وَبَاتَ اِیْوَانُ کِسْرٰی وَهُوَ مُنْصَدِعٌ
کَشَمْلِ اَصْحَابِ کِسْرٰی غَیْرَ مُلْتَئِمِ

طاقِ کسریٰ شد خراب و کنگرِ کسریٰ شکست
در شکست احوالِ کفار و دگر نامد بہم

قصرِ کسریٰ گر پڑا اور پارہ پارہ ہو گیا
اور پراگندہ ہوئے کسریٰ کے ساتھی ایک دم

۶۳ وَالنَّارُ خَامِدَةُ الْأَنْفَاسِ مِنْ أَسَفٍ
عَلَيْهِ وَالنَّهْرُ سَاهِي الْعَيْنِ مِنْ سَدَمِ

آتش گبراں بمرد از حزن واندوہ و ملال
چشمۂ آب رواں شد خشک در جوئے سدم
آتش فارس نے ٹھنڈی سانس لی افسوس سے
نہر بھی چشموں کو بھولی از رہ اندوہ و غم

۶۴ وَسَاءَ سَاوَةَ أَنْ غَاضَتْ بُحَيْرَتُهَا
وَرُدَّ وَارِدُهَا بِالْغَيْظِ حِينَ ظَمِي

ساوہ غمگیں شد چو گشتش آب دریاچہ خشک
تشنگان زو باز گشتند جملگی در درد و غم
اہل ساوہ تھے پریشاں خشک چشمے دیکھ کر
لوٹتے تھے گھاٹ سے غمزدہ پیاسے پر الم

۶۵ كَأَنَّ بِالنَّارِ مَا بِالْمَاءِ مِنْ بَلَلٍ
حُزْنًا وَبِالْمَاءِ مَا بِالنَّارِ مِنْ ضَرَمِ

گوئیا بر جائے آتش آب بودے سرد و تر
از غم و بر جائے آب آتش بدے سوزان و گرم
پانی ہی ہو گئی تھی آگ مارے رنج کے
اور پانی ہو گیا تھا آتشیں از سوز و غم

۶۶ وَالْجِنُّ تَهْتِفُ وَالْأَنْوَارُ سَاطِعَةٌ
وَالْحَقُّ يَظْهَرُ مِنْ مَعْنًى وَمِنْ كَلِمِ

لشکر شیطاں فغاں کردہ ز اندوہ تمام
نور حق تاباں ز معنیٰ و کلم شد دمبدم
کی فغاں جنات نے انوار بھی چمکے ادھر
نور حق روشن ہوا الفاظ و معنیٰ سے بہم

۶۷ عَمُوا وَصَمُّوا فَإِعْلَانُ الْبَشَائِرِ لَمْ
تُسْمَعْ وَبَارِقَةُ الْإِنْذَارِ لَمْ تُشَمِ

کور و کر گشتند نشنیدند بشارت از خدا
ہم ندیدند برق بیم از غایت رنج و لم
اندھے اور بہرے تھے سنتے کس طرح خوشخبریاں
بلکہ خوف برق بھی ان کو نہ تھا از رنج و غم

۶۸ مِنْ بَعْدِ مَا أَخْبَرَ الْأَقْوَامَ كَاهِنُهُمْ
بِأَنَّ دِينَهُمُ الْمُعْوَجَّ لَمْ يَقُمِ

پس ازاں کاخبار ایشاں کردہ بودند کاہناں
آنکہ دین شاں کژ است و نیست خواہد گشت ہم
دی خبر اقوام کے سب کاہنوں نے بعد ازاں
دین ان کے ہو گئے باطل ہوئے سب کالعدم

۶۹ وَبَعْدَ مَا عَايَنُوا فِي الْأُفْقِ مِنْ شُهُبٍ
مُنْقَضَّةٍ وَفْقَ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ صَنَمِ

دیدہ بودند ز آسماں آتش بزیر افتادہ بود
در زمیں ہم سرنگوں از خواری افتادہ صنم
بعد ازاں یوں ٹوٹتے تاروں کو دیکھا چرخ نے
اور منہ کے بل گرے سب سرنگوں ہو کر صنم

۷۰ حَتّٰى غَدَا عَنْ طَرِيقِ الْوَحْيِ مُنْهَزِمٌ
مِنَ الشَّيَاطِينِ يَقْفُو إِثْرَ مُنْهَزِمِ

از طریق وحی دیواں جملہ آوارہ شدند
دل شکستہ از پئے ہم میرسیدند از ہزم
بھاگتے تھے راستے سے وحی کے شیطان یوں
ایک پیچھے دوسرے کے سر پہ رکھ اپنا قدم

۷۱ كَأَنَّهُمْ هَرَبًا أَبْطَالُ أَبْرَهَةٍ
أَوْ عَسْكَرٌ بِالْحَصَى مِنْ رَاحَتَيْهِ رُمِي

چوں دلیرانِ یمن بودند گویا در گریز
یا چوں آں لشکر کہ از خاکِ کفش گشتند گم

تھا وہ لشکر ابرہہ کا یا پراگندہ سی فوج
سنگریزے جن پہ پھینکے تھے بدرشاہِ امم

۷۲ نَبْذًا بِهِ بَعْدَ تَسْبِيحٍ بِبَطْنِهِمَا
نَبْذَ الْمُسَبِّحِ مِنْ أَحْشَاءِ مُلْتَقِمِ

او فگندہ از پئے تسبیح در دستِ رسول
مثلِ تسبیحے کہ یونس را بیفگند از شکم

لے کے نام اللہ کا پھینکا جو کنکر آپ نے
حضرتِ یونس کو اگلا جیسے ماہی کا شکم

۷۳ جَاءَتْ لِدَعْوَتِهِ الْأَشْجَارُ سَاجِدَةً
تَمْشِي إِلَيْهِ عَلَى سَاقٍ بِلَا قَدَمِ

ہم درخت آمد بفرمانش بہ نزد و سجدہ کرد
می دویدے سوئے او دائم بساقِ بے قدم

ہو کے مسجود آپ کی دعوت پہ اشجار آ گئے
پیر سے چلتے ہوئے رکھتے نہ تھے گو وہ قدم

۷۴ كَأَنَّمَا سَطَرَتْ سَطْرًا لِمَا كَتَبَتْ
فُرُوعُهَا مِنْ بَدِيعِ الْخَطِّ فِي اللَّقَمِ

گوئیا خطے کہ کردند شاخہا بر ہر درخت
می نوشتندے خطِ نیکو عجب اندر رقم

ان درختوں نے لکیریں خوب کھینچیں اور لکھا
ڈالیوں سے اپنی وسطِ راہ میں باپیچ و خم

۷۵ مِثْلَ الْغَمَامَةِ أَنَّى سَارَ سَائِرَةً
تَقِيهِ حَرَّ وَطِيسٍ لِلْهَجِيرِ حَمِي

ابر بودے بر سرش تا او برفتے ہر کجا
تا نگاہش داشت از گرمائے تابستان گرم

ابر کے مانند وہ سایہ فگن تھے آپ پر
تا بچائے گرم موسم کی حرارت سے بہم

۷۶ أَقْسَمْتُ بِالْقَمَرِ الْمُنْشَقِّ إِنَّ لَهُ
مِنْ قَلْبِهِ نِسْبَةً مَبْرُورَةَ الْقَسَمِ

میخورم سوگند بہر ماہے کہ منشق شد از و
نسبتے دارد ز قلبش زاں درست آمد قسم

قلبِ پاکِ مصطفٰے سے چاند کو نسبت ہے خاص
ماہِ منشق کی قسم کھاتا ہوں میں سچی قسم

۷۷ وَمَا حَوَى الْغَارُ مِنْ خَيْرٍ وَمِنْ كَرَمٍ
وَكُلُّ طَرْفٍ مِنَ الْكُفَّارِ عَنْهُ عَمِي

جمع کردہ غار خیرات و کرامت ہا بسے
با محمد چشم کافر گشت زیں شان کور ہم

کیا نظر آتا انھیں کفّار تھے سب کور چشم
غار میں جو ہو گئے تھے جمع با خیر و کرم

۷۸ فَالصِّدْقُ فِي الْغَارِ وَالصِّدِّيقُ لَمْ يَرِمَا
وَهُمْ يَقُولُونَ مَا بِالْغَارِ مِنْ أَرِمِ

صدق و صدیقند در غار و کس ایشاں را ندید
کافراں گفتند کس اینجا نہ باشد منکتم

صدق اور صدیق اکبر غار ہی میں تھے چھپے
غار میں کوئی نہیں کفار کہتے تھے بہم

۷۹ ظَنُّوا الْحَمَامَ وَظَنُّوا الْعَنْكَبُوْتَ عَلٰى
خَيْرِ الْبَرِيَّةِ لَمْ تَنْسُجْ وَلَمْ تَحُمِ

تخم بنہادہ کبوتر بُد بہ بفتِ عنکبوت
کافراں راشد گماں کانجا نیاسودہ نسم
دیکھ کر انڈے کبوتر کے اُدھر مکڑی کا جال
تھا گماں کفار کو اس میں نہیں شاہِ امم

۸۰ وِقَايَةُ اللهِ اَغْنَتْ عَنْ مُضَاعَفَةٍ
مِنَ الدُّرُوْعِ وَعَنْ عَالٍ مِّنَ الْاُطُمِ

چوں خدا اوراز مکرِ دشمناں محفوظ داشت
بر زرہ حاجت نبودش و بحصن قلعہ ہم
کی حفاظت آپ کی ایسی خدائے پاک نے
زرہ اور قلعوں سے مستغنی ہوئے شاہِ امم

۸۱ مَا سَامَنِي الدَّهْرُ ضَيْمًا وَّاسْتَجَرْتُ بِهٖ
اِلَّا وَنِلْتُ جِوَارًا مِّنْهُ لَمْ يُضَمِ

رنج اگر دیدم زدہر و خواستم از وے اماں
در جوارِ او خلوص از ہر بلائے یافتم
جب زمانے نے ستایا میں نے لی اُن کی پناہ
جب ملی اُن کی مدد بس دُور تھا سب رنج و غم

۸۲ وَلَا الْتَمَسْتُ غِنَى الدَّارَيْنِ مِنْ يَّدِهٖ
اِلَّا اسْتَلَمْتُ النَّدٰى مِنْ خَيْرِ مُسْتَلَمِ

ہر چہ کردم التماس از نعمتِ ہر دوسرا
یافتم بروجہ بہتر انچہ از وے خواستم
دستِ اقدس سے طلب کی دین و دنیا جب کبھی
سرفرازی ہو گئی جب مل گیا دستِ کرم

۸۳ لَا تُنْكِرِ الْوَحْيَ مِنْ رُّؤْيَاهُ اِنَّ لَهٗ
قَلْبًا اِذَا نَامَتِ الْعَيْنَانِ لَمْ يَنَمِ

پس مکن انکار وحی از خواب پیغمبر از انکہ
چشمش ار در خواب رفتی دل بُدش بیدار ہم
تو نہ ہو اس وحی کا منکر جو آئے خواب میں
آنکھیں سوتی تھیں مگر رہتا تھا دل بیدار ہم

۸۴ فَذَاكَ حِيْنَ بُلُوْغٍ مِّنْ نُّبُوَّتِهٖ
فَلَيْسَ يُنْكَرُ فِيْهِ حَالُ مُحْتَلِمِ

وحی در خواب اولِ پیغمبری بودی ورا
خوابِ او منکر مشو تو مثلِ خوابِ محتلم
تھا وہ معراجِ نبوت کا زمانہ آپ کے
پس نہ کر انکار ہرگز مثلِ خوابِ محتلم

۸۵ تَبَارَكَ اللهُ مَا وَحْيٌ بِمُكْتَسَبٍ
وَّلَا نَبِيٌّ عَلٰى غَيْبٍ بِمُتَّهَمِ

پس بزرگ است آں خدا وحیِ او کسبے نہ بود
ہم رسولِ او نہ بُد بر علمِ غیبش متہم
بارک اللہ سعی سے حاصل نہیں ہوتی وحی
اور نہ علمِ غیب پر کوئی نبی رہے متہم

۸۶ كَمْ اَبْرَاَتْ وَصِبًا بِاللَّمْسِ رَاحَتُهٗ
وَاَطْلَقَتْ اَرِبًا مِّنْ رِّبْقَةِ اللَّمَمِ

بس کساں را او شفا دادے بمالیدن بدست
وارہانیدے بسے دیوانگاں را از لمم
جب چھوا دستِ مبارک ہو گئی کامل شفا
اور رہا پائی جنوں سے اکثروں نے از کرم

۸۷ وَاَحْیَتِ السَّنَةَ الشَّهْبَآءَ دَعْوَتُهٗ
حَتّٰی حَکَتْ غُرَّةً فِی الْاَعْصُرِ الدُّهُمِ

دعوتِ او قحط و تنگی از جہاں برداشتہ
تا چو روا سپید بودی در سیاہی و نسم

خشک سالی کی سفیدی ہوگئی کافور سب
اک دعا نے آپ کی برسا دیا ابرِ کرم

۸۸ بِعَارِضٍ جَادَ اَوْ خِلْتَ الْبِطَاحَ بِهَا
سَیْبًا مِّنَ الْیَمِّ اَوْ سَیْلًا مِّنَ الْعَرِمِ

بر دعایش آمدے باراں و وادی پُر شدے
گوئیا دریا بُدے یا گوئیا سیلِ عرم

ہوگئی کثرت سے بارش ندیاں بہنے لگیں
موج دریا کی نظر آتی تھی سیلابِ عرم

۸۹ دَعْنِیْ وَوَصْفِیْ اٰیٰاتٍ لَّهٗ ظَهَرَتْ
ظُهُوْرَ نَارِ الْقِرٰی لَیْلًا عَلٰی عَلَمِ

گوش کن تا معجزش گویم کہ آں روشن بود
ہمچوں آتش در شبِ تاریک بر فرقِ علم

چھوڑ دے مجھ کو بیاں کرنے نبی کے معجزات
جو ہے شب میں مثلِ مہمانی کی آگ اوپر علم

۹۰ فَالدُّرُّ یَزْدَادُ حُسْنًا وَّهُوَ مُنْتَظِمٌ
وَلَیْسَ یَنْقُصُ قَدْرًا غَیْرَ مُنْتَظِمِ

دُر اگر در رشتہ باشد حُسنِ او زاید بُود
ورنہ در رشتہ بود قدرش نہ گردد ہیچ کم

حُسن ہوتا ہے دو بالا موتیوں کا ہار میں
یا لڑی سے بھی جدا کردو نہ ہوگی قدر کم

۹۱ فَمَا تَطَاوَلَ اٰمَالُ الْمَدِیْحِ اِلٰی
مَا فِیْهِ مِنْ کَرَمِ الْاَخْلَاقِ وَالشِّیَمِ

ہر چہ کاں گوید مدیحِ مصطفیٰ بسیار نیست
کو مزیّن بُد بہ خُلقِ نیک و احسان و شیم

اِس لیے مدّاح ہیں توصیف میں عاجز تمام
فہمِ انساں سے ہیں بالا ان کے اخلاق و شیم

۹۲ اٰیٰاتُ حَقٍّ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثَةٌ
قَدِیْمَةٌ صِفَةُ الْمَوْصُوْفِ بِالْقِدَمِ

آیہائے حق کہ از رحمٰں فرود آمد بہ تو
آں قدیم است و بود صفتش بموصوفِ قدم

مصحفِ رحمٰن کی سب آیتیں ہیں لاجواب
ہے صفت اس کی قدیم اور ہے وہ موصوفِ قدم

۹۳ لَمْ تَقْتَرِنْ بِزَمَانٍ وَّهِیَ تُخْبِرُنَا
عَنِ الْمَعَادِ وَعَنْ عَادٍ وَّعَنْ اِرَمِ

مقترن نامد بوقتے دائماً ثابت بداں
او خبر داد از معاد و حشر و زعاد و ارم

ہر زمانہ سے بری ہیں اور سناتی ہیں ہمیں
عاقبت کا حال بھی اور قصۂ عاد و ارم

۹۴ دَامَتْ لَدَیْنَا فَفَاقَتْ کُلَّ مُعْجِزَةٍ
مِنَ النَّبِیِّیْنَ اِذْ جَآءَتْ وَلَمْ تَدُمِ

نزد ما باقی بماند بہتر از ہر معجزات
معجزِ پیغمبراں باقی نہ ماندہ در امم

معجزہ قرآں کا برتر رہے گا تا ابد
اس کے آگے معجزاتِ انبیاءؑ ہیں کالعدم

۹۵ مُحَكَّمَاتٌ فَمَا يُبْقِيْنَ مِنْ شُبَهٍ
لِذِيْ شِقَاقٍ وَّلَا يَبْغِيْنَ مِنْ حَكَمٖ

محکم است آیاتِ قرآں شبہ کس را نماند
وز ہمہ الفاظ از د تابان بود نورِ حکم

ہیں وہ مستحکم مخالف کو نہیں اس میں جگہ
شبہ و شک کی اس لیے ہیں وہ بجائے خود حکم

۹۶ مَا حُوْرِبَتْ قَطُّ اِلَّا عَادَ مِنْ حَرَبٍ
اَعْدَى الْاَعَادِيْ اِلَيْهَا مُلْقِيَ السَّلَمٖ

ہر کہ با قرآں بہ جنگ آمد بآخر باز گشت
آں کہ دشمن تر بدے نزدش بیفگندے سلم

جو لڑا قرآن سے آخر وہ عاجز آگیا
کردیا دشمن نے بھی اپنا سرِ تسلیم خم

۹۷ رَدَّتْ بَلَاغَتُهَا دَعْوٰى مُعَارِضِهَا
رَدَّ الْغَيُوْرِ يَدَ الْجَانِيْ عَنِ الْحُرَمٖ

از بلاغت دعوئے جملہ معارض کرد رد
چوں غیورے کو کند رد دستِ جانے از حرم

اس نے سب اپنی بلاغت سے کیا دعووں کو ختم
جیسے ہوں محفوظ غیرت مند کے اہلِ حرم

۹۸ لَهَا مَعَانٍ كَمَوْجِ الْبَحْرِ فِيْ مَدَدٍ
وَفَوْقَ جَوْهَرِهٖ فِي الْحُسْنِ وَالْقِيَمٖ

معنیِ بسیار ہمچوں موجِ دریا دارد آں
بہتر است از درِ دریا جملہ در حسن و قیم

ہے معانی آیتوں کے مثلِ دریا موجزن
گوہرِ دریا سے بہتر ان کا ہے حسنِ قیم

۹۹ فَمَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصٰى عَجَائِبُهَا
وَلَا تُسَامُ عَلَى الْاِكْثَارِ بِالسَّاَمٖ

پس عجائب اندران وکس نہ بتواند شمرد
وز چہ بسیاری بخواند کس نہ بیند شوق کم

جو عجائب ان میں پوشیدہ ہیں ان کا کیا شمار
خواہ کثرت سے پڑھو ہوگا نہ اس کا شوق کم

۱۰۰ قَرَّتْ بِهَا عَيْنُ قَارِيْهَا فَقُلْتُ لَهٗ
لَقَدْ ظَفِرْتَ بِحَبْلِ اللّٰهِ فَاعْتَصِمٖ

چشم خوانندہ بداں روشن شود من گفتمش
یافتی حبلِ خدا محکم بگیر اے معتصم

ہوگئیں آنکھیں جو ٹھنڈی میں نے قاری سے کہا
تھام حبل اللہ کو ہے فتح تیری معتصم

۱۰۱ اِنْ تَتْلُهَا خِيْفَةً مِّنْ حَرِّ نَارِ لَظٰى
اَطْفَأْتَ حَرَّ لَظٰى مِنْ وِّرْدِهَا الشَّبِمٖ

گر بہ خوانیش زترسِ آتشِ دوزخ کنی
سرد بر خود گرمیِ آتش بداں من ضامنم

آتشِ دوزخ کے ڈر سے تو اگر ان کو پڑھے
شعلۂ نارِ جہنم اس سے ہو جائے گا کم

۱۰۲ كَاَنَّهَا الْحَوْضُ تَبْيَضُّ الْوُجُوْهُ بِهٖ
مِنَ الْعُصَاةِ وَقَدْ جَآءُوْهُ كَالْحُمَمٖ

آں چو حوضے واں کہ دارد روئے خوانندہ سفید
گرچہ عاصی آمدست و روسیہ ہمچوں حمم

ہیں وہ مثلِ حوضِ کوثر جس سے ہوتی ہیں سفید
عاصیوں کی صورتیں جو تھیں سیاہ مثلِ حمم

۱۰۳ وَكَالصِّرَاطِ وَكَالْمِيزَانِ مَعْدِلَةً
فَالْقِسْطُ مِنْ غَيْرِهَا فِي النَّاسِ لَمْ يَقُمِ

چوں صراط است آں وچوں میزان بود در راستی
راستی از غیر آنہا کس ندیدہ بیش و کم
ہیں ترازو عدل کی اور راستی کے ہیں صراط
ہے بغیر ان کے قیام انصاف کا بس کالعدم

۱۰۴ لَا تَعْجَبَنْ لِحَسُوْدٍ رَاحَ يُنْكِرُهَا
تَجَاهُلًا وَهُوَ عَيْنُ الْحَاذِقِ الْفَهِمِ

گر حسود انکار آں کردہ مدار آں را عجب
کو تجاہل کردہ ورنہ نیک کرد است آں فہم
مت تعجب کر تو حاسد پر جسے انکار ہے
ہے تجاہل اس کا گرچہ ہے وہ پکا ذی فہم

۱۰۵ قَدْ تُنْكِرُ الْعَيْنُ ضَوْءَ الشَّمْسِ مِنْ رَمَدٍ
وَيُنْكِرُ الْفَمُ طَعْمَ الْمَاءِ مِنْ سَقَمِ

گہ گہے چشم از رمد منکر شود خورشید را
ہم دہن منکر شود طعمِ خوشِ آب از سقم
روشنی سورج کی کیونکر دیکھتی بیمار آنکھ
ذائقہ کیا آبِ شیریں کا ملے جب ہو سقم

۱۰۶ يَا خَيْرَ مَنْ يَمَّمَ الْعَافُونَ سَاحَتَهُ
سَعْيًا وَفَوْقَ مُتُونِ الْأَيْنُقِ الرُّسُمِ

اے مہینِ آں کہ مردم قصدِ درگاہش کنند
پاپیادہ یا بہ پشتِ اشترانِ بادوم
اے شہِ والا ترے دربار میں آتے ہیں سب
پاپیادہ اور سوارِ اشترانِ تازہ دم

۱۰۷ وَمَنْ هُوَ الْآيَةُ الْكُبْرَى لِمُعْتَبِرٍ
وَمَنْ هُوَ النِّعْمَةُ الْعُظْمَى لِمُغْتَنِمِ

اے کہ ہستی آیت کبریٰ کہ باشد معتبر
اے کہ ہستی نعمتِ عظمیٰ کہ باشد مغتنم
ہیں وہ برتر اور ذی شان معتبر کے واسطے
اور وہ ہیں نعمتِ عظمیٰ برائے مغتنم

۱۰۸ سَرَيْتَ مِنْ حَرَمٍ لَيْلًا إِلَى حَرَمٍ
كَمَا سَرَى الْبَدْرُ فِي دَاجٍ مِنَ الظُّلَمِ

در شبے رفتی زمکہ تا باقصیٰ شریف
چوں کہ ماہِ چاردہ گردد رواں اندر ظلم
بدرِ کامل جس طرح سے رات میں کرتا ہے سیر
مکہ سے اقصیٰ گئے معراج میں شاہِ امم

۱۰۹ وَبِتَّ تَرْقَى إِلَى أَنْ نِلْتَ مَنْزِلَةً
مِنْ قَابِ قَوْسَيْنِ لَمْ تُدْرَكْ وَلَمْ تُرَمِ

بر شدی بالا وگشتہ قاب قوسینت مقام
واں نہ دیدست و نہ بیند ہیچ کس در ہیچ دم
طے کیے سارے مدارج اور ملا ایسا مقام
ہے پرے ادراک کے اور قاب قوسین سے نہ کم

۱۱۰ وَقَدَّمَتْكَ جَمِيعُ الْأَنْبِيَاءِ بِهَا
وَالرُّسُلِ تَقْدِيمَ مَخْدُومٍ عَلَى خَدَمِ

انبیاء و مرسلینت پیشوا کردند دراں
ہمچوں مخدومے کہ گردد پیشوا اندر خدم
مسجدِ اقصیٰ میں بن کر انبیاؑ کے پیشوا
آپ تھے مخدوم باقی انبیاؑ سب تھے خدم

۱۱۱ وَاَنْتَ تَخْتَرِقُ السَّبْعَ الطِّبَاقَ بِهِمْ
فِیْ مَوْکِبٍ کُنْتَ فِیْهِ صَاحِبَ الْعَلَمِ

زآسماں ہا برگزشتی بر جمیعِ انبیا
در گروہ کاندر ایشاں تو بدی صاحب عَلَم
طے کیا سات آسمانوں کا سفر با انبیا
ساتھ افواجِ ملائک کے تھے با شان و حشم

۱۱۲ حَتّٰی اِذَا لَمْ تَدَعْ شَاْوًا لِّمُسْتَبِقٍ
مِنَ الدُّنُوِّ وَلَا مَرْقًی لِّمُسْتَنِمِ

زینتے از قرب بہرِ ہیچ کس نگزاشتے
جائے بالاتر نہ ہشتی دیگراں را در رقم
مرتبہ باقی نہ رکھا بڑھنے والوں کے لیے
ہر بلند و پست پر تھا آپ کا فیض قدم

۱۱۳ خَفَضْتَ کُلَّ مَقَامٍ بِالْاِضَافَةِ اِذْ
نُوْدِیْتَ بِالرَّفْعِ مِثْلَ الْمُفْرَدِ الْعَلَمِ

پست کردی پیشِ قربت ہر مقامِ دیگراں
چوں ترا بردند بالا اندراں گشتی عَلَم
کر دیے پست آپ نے سب کے مدارج اور مقام
جب ہوئے مدعو بلندی پر یگانہ با حشم

۱۱۴ کَیْمَا تَفُوْزَ بِوَصْلٍ اَیِّ مُسْتَتِرٍ
عَنِ الْعُیُوْنِ وَسِرٍّ اَیِّ مُکْتَتَمِ

تا مقامِ وصل پنہاں یافتی از چشمِ خلق
سرِ پنہانی بدانستے ز اوصافِ قدم
تاکہ ہوں اسرارِ پوشیدہ سے واقف بعدِ وصل
حق نے ظاہر کر دیے سب راز از فضل و کرم

۱۱۵ فَحُزْتَ کُلَّ فَخَارٍ غَیْرَ مُشْتَرَكٍ
وَجُزْتَ کُلَّ مَقَامٍ غَیْرَ مُزْدَحَمِ

جمع کردی ہر بزرگی کاں نبودہ مشترک
بر شدی از ہر مقامے کاں نبودی مزدحم
ہر بزرگی غیر شرکت جمع کر لی آپ نے
طے کیے سب مرتبوں کو آپ غیر مزدحم

۱۱۶ وَجَلَّ مِقْدَارُ مَا وُلِّیْتَ مِنْ رُتَبٍ
وَعَزَّ اِدْرَاكُ مَا اُوْلِیْتَ مِنْ نِّعَمِ

بس بزرگ است انچہ دادندت ز فضلِ مرتبت
بس عزیز ست انچہ بخشیدت خداوند از نعم
ہیں عظیم الشان رتبے جو ملے سرکار کو
ہیں پرے ادراک کے جو کچھ ہوئے حاصل نعم

۱۱۷ بُشْرٰی لَنَا مَعْشَرَ الْاِسْلَامِ اِنَّ لَنَا
مِنَ الْعِنَایَةِ رُکْنًا غَیْرَ مُنْهَدِمِ

مژدگانی باد مارا اے مسلماناں کہ ماں
از عنایت ہست رکنے کاں بود دور از ہدم
اے مسلمانو! یہ خوشخبری ہے اپنے واسطے
اک ستوں ایسا ملا مضبوط از فضل و کرم

۱۱۸ لَمَّا دَعَا اللّٰهُ دَاعِیْنَا لِطَاعَتِهٖ
بِاَکْرَمِ الرُّسُلِ کُنَّا اَکْرَمَ الْاُمَمِ

چوں خدا مارا بطاعت خواند بفرستاد داد
بہترِ پیغمبراں گشتیم ما خیر الامم
جبکہ ان کو حق نے خود خیر الرسل فرما دیا
طاعتِ حق کے سبب ہم ہو گئے خیر الامم

۱۱۹ رَاعَتْ قُلُوْبَ الْعِدیٰ اَنْبَاءُ بِعْثَتِہٖ
كَنَبْاَۃٍ اَجْفَلَتْ غُفْلاً مِّنَ الْغَنَمِ

دشمناں را دل بہ ترسانید اخبارِ رسول
ہمچوں آوازے کہ ناگہ بر جہانید سے غنم

سُن کے بعثت کی خبر تھرا گئے اعدا کے دل
شیر کی آواز سے جیسے ڈرے غافل غنم

۱۲۰ مَا زَالَ یَلْقَاهُمْ فِیْ كُلِّ مُعْتَرَكٍ
حَتّٰی حَكَوْا بِالْقَنَا لَحْمًا عَلٰی وَضَمِ

چوں بہ جنگِ دشمناں رفتے بدے در جنگ گاہ
آں بدنہا بر سرِ نیزہ چو لحم اندر وضم

جنگ کے میدان میں کفار کی حالت نہ پوچھ
جسم تھے نیزوں پہ ان کے جیسے کندوں پر لحم

۱۲۱ وَدُّوا الْفِرَارَ فَكَادُوْا یَغْبِطُوْنَ بِہٖ
اَشْلَاءَ شَالَتْ مَعَ الْعِقْبَانِ وَالرَّخَمِ

آرزوِ شاں بُدگریز و غبطہ بُردندے براں
عضو ہائے شاں پریدے با عقابُ با رخم

جنگ کی دہشت سے ان کو بھاگنا منظور تھا
آرزو رکھتے تھے کھالیں چیل و گدھ ان کا لحم

۱۲۲ تَمْضِی اللَّیَالِیْ وَلَا یَدْرُوْنَ عِدَّتَهَا
مَا لَمْ تَكُنْ مِّنْ لَیَالِی الْاَشْهُرِ الْحُرُمِ

پس شبے بگذشت و آں را کس نہ دانستے عدو
در غزاہا چوں نہ بُودے از شبِ ماہِ حرم

ڈر کے مارے یوں گزر جاتی تھیں راتیں بےشمار
ہاں سوا راتوں کے جن کے ہیں مہینے محترم

۱۲۳ كَاَنَّمَا الدِّیْنُ ضَیْفٌ حَلَّ سَاحَتَهُمْ
بِكُلِّ قَرْمٍ اِلٰی لَحْمِ الْعِدٰی قَرِمِ

گویا دیں بود مہمانی کہ او آمد فرود
بر سرائے آں کہ بد مشتاقِ لحمِ دشمنم

لشکرِ اسلام تھا مہمان اُن کے صحن میں
چاہتا تھا ہر نفس مل جائے دشمن کا لحم

۱۲۴ یَجُرُّ بَحْرَ خَمِیْسٍ فَوْقَ سَابِحَةٍ
یَرْمِیْ بِمَوْجٍ مِّنَ الْاَبْطَالِ مُلْتَطِمِ

میکشیدے بحرِ لشکر حملہ بر اسپاں سوار
موج میزد از دلیرانے کہ رفتندے بہم

تیز رو گھوڑوں پہ تھا وہ لشکرِ دریا مثال
جنگ کے میدان میں موجیں لگاتا دمبدم

۱۲۵ مِنْ كُلِّ مُنْتَدِبٍ لِّلّٰهِ مُحْتَسِبٍ
یَسْطُوْ بِمُسْتَاْصِلٍ لِّلْكُفْرِ مُصْطَلِمِ

جملہ از بہرِ خدا در کار بودند و غزا
بیخِ کفر از بن بکندند نیست کردند آں شیم

اجر کی امید والے دعوتِ حق کے مرید
کفر کی بنیاد کو کرتے تھے بالکل کالعدم

۱۲۶ حَتّٰی غَدَتْ مِلَّةُ الْاِسْلَامِ وَهِیَ بِهِمْ
مِنْ بَعْدِ غُرْبَتِهَا مَوْصُوْلَةَ الرَّحِمِ

تا قوی شد ملتِ اسلام از سعیِ ہمہ
دیں در اوّل بد غریب و شد در آخر محترم

دینِ حق یوں ان کے دم سے آخرش ظاہر ہوا
مل گئے بچھڑے ہوئے اور ہو گئی غربت بھی کم

۱۲۷ مَكْفُولَةً أَبَدًا مِنْهُمْ بِخَيْرِ أَبٍ
وَخَيْرِ بَعْلٍ فَلَمْ تَيْتَمْ وَلَمْ تَئِمِ

دین از ایشاں یافت بہتر شوہر و بہتر پدر
زاں نشد در بیوگی و ہم نماند اندر یتیم
جیسے مل جائے کسی کو نیک شوہر اور پدر
بیوگی کا اور یتیمی کا اسے پھر کیا ہو غم

۱۲۸ هُمُ الْجِبَالُ فَسَلْ عَنْهُمْ مُصَادِمَهُمْ
مَاذَا رَأَى مِنْهُمُ فِي كُلِّ مُصْطَدَمِ

کوہ ہا بودند ازاں کو در نبرد آمد بہ پرس
تا بگویند انچہ دیدستند از ایشاں در صدم
تھے وہ مثلِ کوہ پوچھو دشمنوں سے اُن کا حال
کچھ اگر دیکھا ہے اُن کو شاملِ جنگ و صدم

۱۲۹ فَسَلْ حُنَيْنًا وَسَلْ بَدْرًا وَسَلْ أُحُدًا
فُصُولَ حَتْفٍ لَهُمْ أَدْهَى مِنَ الْوَخَمِ

از حُنین و بدر دیگر از اُحُد میکن سوال
تا بخوانند فصلہائے مرگ اوہی از وخم
پُوچھ لو بدر و حُنین و اُحد سے بھی ان کا حال
موت کے اقسام ہرگز تھے وبا سے کچھ نہ کم

۱۳۰ الْمُصْدِرِي الْبِيضِ حُمْرًا بَعْدَ مَا وَرَدَتْ
مِنَ الْعِدَى كُلَّ مُسْوَدٍّ مِنَ اللِّمَمِ

سُرخ کردندے بخونِ دشمناں شمشیر را
چوں فرو شد در سیاہی ہر سرِ مُو از لمم
یوں سپیدی سُرخ روئی سے بدل جاتی تھی سب
زخم کھا کر جب ہوا کرتے تھے ان کے سر قلم

۱۳۱ وَالْكَاتِبِينَ بِسُمْرِ الْخَطِّ مَا تَرَكَتْ
أَقْلَامُهُمْ حَرْفَ جِسْمٍ غَيْرَ مُنْعَجِمِ

می نوشتندے بہ نیزہ خطِ سرخی بر بدن
حرف جسمے بے نقط نہ نوشتہ بودے از قلم
دشمنوں کے جسم کو بے زخم چھوڑا ہی نہیں
کارفرما اس طرح تھے ان کے نیزوں کے قلم

۱۳۲ شَاكِي السِّلَاحِ لَهُمْ سِيمَا تُمَيِّزُهُمْ
وَالْوَرْدُ يَمْتَازُ بِالسِّيمَا مِنَ السَّلَمِ

آں کماں سنجاں کہ سیما شاں بریں ممتاز بود
گل برنگ و بوئے خود ممتاز گردد از سلم
گو مسلح تھے مگر رکھتے تھے سجدے کے نشاں
تھے صحابہ مثلِ گل کفار مانندِ سلم

۱۳۳ تُهْدِي إِلَيْكَ رِيَاحُ النَّصْرِ نَشْرَهُمُ
فَتَحْسَبُ الزَّهْرَ فِي الْأَكْمَامِ كُلَّ كَمِي

میرساند بادِ نصرت بر تو بوئے سعی شاں
چوں بہار اندر سرِ غنچہ بود ثابت قدم
بوئے نصرت جب صبا لائے تو یہ سمجھے گا تو
مثلِ غنچوں کے غلافوں میں تھے وہ عالی ہمم

۱۳۴ كَأَنَّهُمْ فِي ظُهُورِ الْخَيْلِ نَبْتُ رُبًا
مِنْ شِدَّةِ الْحَزْمِ لَا مِنْ شِدَّةِ الْحُزُمِ

گوئیا بر پشتِ اسپاں چوں درختِ پشتہ کوہ
ز استواری بود در دین نہ ز کثرت در نسم
تھے وہ گھوڑوں پر سوار ایسے کہ ٹیلوں پر درخت
زین کی پروا نہ تھی اُن شہسواروں کو بہم

۱۳۵ طَارَتْ قُلُوْبُ الْعِدٰی مِنْ بَأْسِهِمْ فَرَقًا
فَمَا تُفَرِّقُ بَيْنَ الْبَهْمِ وَالْبُهَمِ

لرزہ بر دلہائے کفار او فتاد از ترس شاں
چارپائے و آدمی نشناختند از ترس و غم
ہوش غائب تھے عدو کے تختیوں سے جنگ کی
فرق کر سکتے نہیں تھے سورما ہے یا غنم

۱۳۶ وَمَنْ تَكُنْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ نُصْرَتُهُ
اِنْ تَلْقَهُ الْاُسْدُ فِیْ اٰجَامِهَا تَجِمِ

ہر کہ او را از رسول اللہ نصرت آمدہ
شیر اگر پیشے رسد از ترس او آید بہم
ہو مدد جس کو رسول سید لولاک کی
شیر بھی ان کو ملے جنگل میں گر مارے نہ دم

۱۳۷ وَلَنْ تَرٰی مِنْ وَّلِیٍّ غَيْرَ مُنْتَصِرٍ
بِهٖ وَلَا مِنْ عَدُوٍّ غَيْرَ مُنْقَصِمِ

دوستانش را نہ بینی غیر منصور و عزیز
ہم نہ بینی دشمنش جز خار گسستہ بہم
دوست اُن کا ہو نہیں سکتا ہے محروم مدد
اور ذلیل و خوار ہوگا دشمن شاہِ امم

۱۳۸ اَحَلَّ اُمَّتَهٗ فِیْ حِرْزِ مِلَّتِهٖ
كَاللَّيْثِ حَلَّ مَعَ الْاَشْبَالِ فِیْ اَجَمِ

اُمتِ خود را نشاندہ در حصارِ ملتش
ہمچوں شیرے کو بود با بچگاں اندر اجم
اپنی ملت سے کیا محفوظ امت کو تمام
جس طرح جنگل میں رکھے شیر بچوں کو بہم

۱۳۹ كَمْ جَدَّلَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ مِنْ جَدِلٍ
فِيْهِ وَكَمْ خَصَمَ الْبُرْهَانُ مِنْ خَصِمِ

ہر کہ با قرآں بہ جنگ آمد بیفگندش بخاک
گفتگوئے منکر از برہانِ او گشتست کم
بارہا قرآن نے دشمن کو نیچا کر دیا
اور دلیلوں نے بھی سر کو کر دیا دشمن کے خم

۱۴۰ كَفَاكَ بِالْعِلْمِ فِی الْاُمِّیِّ مُعْجِزَةً
فِی الْجَاهِلِيَّةِ وَالتَّاْدِيْبِ فِی الْيُتُمِ

ایں قدر از معجزہ کافی کہ پیش از وحیِ او
اُمّی پر علم بود و پر ہنر اندر یتم
ہو کے اُمّی تھے وہ عالم ہے یہ کافی معجزہ
جاہلیت اور یتیمی میں ادیب ذی حکم

۱۴۱ خَدَمْتُهٗ بِمَدِيْحٍ اَسْتَقِيْلُ بِهٖ
ذُنُوْبَ عُمْرٍ مَّضٰی فِی الشِّعْرِ وَالْخِدَمِ

خدمتش کردم بمدحے تا نہ بخشندم گناہ
زاں کہ عمرم صرف شد در گفتنِ شعر و خدم
نعت گوئی کی کہ اپنا خاتمہ بالخیر ہو
یوں تو ساری عمر دنیا کی خوشامد کی نہ کم

۱۴۲ اِذْ قَلَّدَانِیَ مَا تُخْشٰی عَوَاقِبُهٗ
كَاَنَّنِیْ بِهِمَا هَدْیٌ مِّنَ النَّعَمِ

گردہ غل در گردنم عصیان ومی ترسم ازاں
گوئیا با شعر و خدمت مثلِ ہدیم از نعم
ہے یہ ڈر دونوں نے ڈالا طوق گردن میں مری
ہوں میں گویا اونٹ قربانی کا از قسمِ نعم

۱۴۳ اَطَعْتُ غَیَّ الصِّبَا فِی الْحَالَتَیْنِ وَ مَا
حَصَّلْتُ اِلَّا عَلَی الْاٰثَامِ وَ النَّدَمِ

بُردہ ام فرمانِ غیِّ کودکی در ہر دو حال
ہیچ ازاں حاصل نہ دارم جز گناہان و ندم
ہر دو حالت میں شکارِ گمرہِ طفلی ہوا
کچھ نہ حاصل ہو سکا مجھ کو بجز جُرم و ندم

۱۴۴ فَیَا خَسَارَۃَ نَفْسٍ فِیْ تِجَارَتِھَا
لَمْ تَشْتَرِ الدِّیْنَ بِالدُّنْیَا وَ لَمْ تَسُمِ

پس زیاں ہائے کہ نفس اندر تجارت یافتہ
کاں بہ دنیا دیں نہ بخرید و نگفتہ مخرم
حیف میرے نفس نے سودا کیا نقصان سے
یعنے دنیا کو خریدا کر کے عقبیٰ کا عدم

۱۴۵ وَمَنْ یَّبِعْ اٰجِلاً مِّنْہُ بِعَاجِلِہٖ
یَبِنْ لَّہُ الْغَبْنُ فِیْ بَیْعٍ وَّ فِیْ سَلَمِ

ہر کہ عقبیٰ را بہ دُنیا می فروشد خاسر است
غبن او روشن شود البتہ در بیع و سلم
آخرت کو جس نے بیچا صرف دنیا کے لیے
ہے بڑا نقصان اس کے حق میں یہ بیع و سلم

۱۴۶ اِنْ اٰتِ ذَنْبًا فَمَا عَھْدِیْ بِمُنْتَقِضٍ
مِنَ النَّبِیِّ وَ لَا حَبْلِیْ بِمُنْصَرِمِ

گر گنہ کردم بسے من عہد را نشکستہ ام
با پیمبر حبلِ دینِ مصطفیٰ نبریدہ ام
ہوں تو عاصی پر نہیں ٹوٹا ہے پیماں آپ سے
دین کی رسّی نہ ہوگی منقطع شاہِ امم

۱۴۷ فَاِنَّ لِیْ ذِمَّۃً مِّنْہُ بِتَسْمِیَتِیْ
مُحَمَّدًا وَّھُوَ اَوْفَی الْخَلْقِ بِالذِّمَمِ

عہدِ او دارم کہ نامِ من محمد کردہ اند
کس وفا چوں او نہ کردہ در ہمہ عہد و ذمم
ہے شفاعت کی مجھے امید میرے نام سے
ہے محمد اس میں اور ہیں آپ مشفق محترم

۱۴۸ اِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْ مَعَادِیْ اٰخِذًا بِیَدِیْ
فَضْلًا وَّ اِلَّا فَقُلْ یَا زَلَّۃَ الْقَدَمِ

گر ز فضلم در قیامت دستگیرد خرم
ورنہ گیرد وائے بر من چوں بہ لغزانم قدم
حشر میں گر دستگیری کی نہ میری آپ نے
پھر تو میری شومیٔ تقدیر سے پھسلے قدم

۱۴۹ حَاشَاہُ اَنْ یُّحْرِمَ الرَّاجِیْ مَکَارِمَہٗ
اَوْ یَرْجِعَ الْجَارُ مِنْہُ غَیْرَ مُحْتَرَمِ

دُور بادا گر کند نومید ہر امیدوار
یا کہ از وے باز گردد جار غیرِ محترم
ہے بعید از شان گر محروم مجھ کو کر دیا
اور لوٹوں آپ کی شفقت سے غیرِ محترم

۱۵۰ وَمُنْذُ اَلْزَمْتُ اَفْکَارِیْ مَدَائِحَہٗ
وَجَدْتُّہٗ لِخَلَاصِیْ خَیْرَ مُلْتَزِمِ

زاں کہ من مشغول کردم فکرِ خود در مدحِ او
بر خلاصِ خود ورا خوشش یافتم من ملتزم
وقف جب سے ہو گیا ہوں مدح میں سرکار کی
پالیا اپنی رہائی کا مددگارِ نعم

۱۵۱ وَلَنْ يَفُوتَ الْغِنَىٰ مِنْهُ يَدًا تَرِبَتْ
إِنَّ الْحَيَا يُنْبِتُ الْأَزْهَارَ فِي الْأَكَمِ

دستِ درویش از غنا ہا نعمتش خالی نشد
زاں کہ از باراں بروید گل ببالائے اکم

آپ کی بخشش نہ چھوڑے گی کسی محتاج کو
جس طرح گلزار ٹیلوں کو کرے ابرِ کرم

۱۵۲ وَلَمْ أُرِدْ زَهْرَةَ الدُّنْيَا الَّتِي اقْتَطَفَتْ
يَدَا زُهَيْرٍ بِمَا أَثْنَىٰ عَلَىٰ هَرِمِ

من نمی خواہم متاعِ مال و دنیا چوں زہیر
کو نہ چیدہ دستِ او چوں گفت او مدحِ ہرم

مجھ کو دولت کی نہیں خواہش کبھی مثلِ زہیر
جس نے حاصل کی تھی دولت بن کے مداحِ ہرم

۱۵۳ يَا أَكْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِي مَنْ أَلُوذُ بِهِ
سِوَاكَ عِنْدَ حُلُولِ الْحَادِثِ الْعَمِمِ

اے گرامی تر ز خلقاں من نہ دارم ملجاء
جز تو چوں آید قیامت یا بود مرگِ تنم

اے مکرم تر جہاں سے جز ترے میرا ہے کون
حادثاتِ عام میں جب گھیر لیں رنج و الم

۱۵۴ وَلَنْ يَضِيقَ رَسُولَ اللّٰهِ جَاهُكَ بِي
إِذَا الْكَرِيمُ تَجَلَّىٰ بِاسْمِ مُنْتَقِمِ

یا رسول اللہ! جاہت تنگ می ناید بہ من
چوں کریم انتقام آرد بہ اربابِ نقم

کم نہ ہوگا آپ کا رتبہ شفاعت سے مری
جلوہ گر جب ہو بہ اسمِ منتقم وہ ذی کرم

۱۵۵ فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُومِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

شمۂ از جودِ تو دنیا بود با آخرت
وز علومت در دو عالم علم لوح است و قلم

کیوں کہ دنیا اور عقبیٰ آپ کی بخشش سے ہیں
اور علومِ باطنی سے آپ کے لوح و قلم

۱۵۶ يَا نَفْسُ لَا تَقْنَطِي مِنْ زَلَّةٍ عَظُمَتْ
إِنَّ الْكَبَائِرَ فِي الْغُفْرَانِ كَاللَّمَمِ

اے دل از رحمت مشو نومید با جرمِ بزرگ
چوں کبائر نزدِ غفرانِ خدا شد چوں لمم

یوں تو عصیاں ہیں بہت اے نفس مت مایوس ہو
سامنے بخشش کے بیشک ہیں یہ ادنیٰ اور کم

۱۵۷ لَعَلَّ رَحْمَةَ رَبِّي حِينَ يَقْسِمُهَا
تَأْتِي عَلَىٰ حَسَبِ الْعِصْيَانِ فِي الْقِسَمِ

رحمتِ رحمٰن مگر آں دم کہ قسمت میکنند
بر من آید در خورِ جرم و گناہ اندر رقم

رحمتِ حق ہوگی جب تقسیم مجھ کو ہے امید
میرے عصیاں سے سوا ہوگا مرے رب کا کرم

۱۵۸ يَا رَبِّ فَاجْعَلْ رَجَائِي غَيْرَ مُنْعَكِسٍ
لَدَيْكَ وَاجْعَلْ حِسَابِي غَيْرَ مُنْخَرِمِ

یا رب امیدم بر آور زاں مگرداں بازگوں
در قیامت نزدِ تو آں کہ حساب آساں کنم

میرے رب امید کو میری نہ رد فرمائیے
تیری رحمت پر بھروسا ہے نہ کر تو کالعدم

۱۵۹ وَالْطُفْ بِعَبْدِكَ فِي الدَّارَيْنِ إِنَّ لَهُ
صَبْرًا مَتَى تَدْعُهُ الْأَهْوَالُ يَنْهَزِمِ

لطف کن با بندۂ خود ہم بہ دنیا ہم بہ دیں
زاں کہ صبرش نزدِ سختی ہا گریزد از سام

لطف فرما دو جہاں میں اپنے بندہ پر کریم
سختیوں میں ہے بہت بے صبر با رنج و الم

۱۶۰ وَائْذَنْ لِسُحْبِ صَلٰوةٍ مِّنْكَ دَائِمَةٍ
عَلَى النَّبِيِّ بِمُنْهَلٍّ وَّ مُنْسَجِمِ

پس درودے کراں بارانِ ابرِ رحمتت
تا شود ریزان و پاشاں از نعیم و از نعم

ابرِ رحمت کو ترے دے حکم تا برسائے وہ
تا ابد اپنے نبی پر رحمت و فضل و کرم

۱۶۱ وَالْآلِ وَالصَّحْبِ ثُمَّ التَّابِعِيْنَ لَهُمْ
أَهْلِ التُّقٰى وَالنُّقٰى وَالْحِلْمِ وَالْكَرَمِ

بعد ازاں بر آل و اصحابِ کرام و تابعین
اہلِ علم و حلم و عقل و فضل و تقوٰی و کرم

آل پر اصحاب پر اور تابعینِ پاک پر
صاحبِ تقوٰی پر اور جو ہیں حلیم و ذی کرم

۱۶۲ ثُمَّ الرِّضَا عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ وَّ عَنْ عُمَرَ
وَعَنْ عُثْمَانَ وَعَنْ عَلِي ذَوِي الْكَرَمِ

یا خدا راضی شو از بوبکر و عثمانِ غنی
از عُمر فاروق اعظم و ز علیِّ محتشم

اے خدا راضی ہو بوبکر و عمرؓ عثمانؓ سے
اور علیؓ مرتضٰی سے تھے جو اصحابِ کرم

۱۶۳ مَا رَنَّحَتْ عَذَبَاتِ الْبَانِ رِيْحُ صَبَا
وَأَطْرَبَ الْعِيْسَ حَادِي الْعِيْسِ بِالنَّغَمِ

تا بہ جنباند صبا اندر چمن شاخِ درخت
و برانند اشتراں را بندگانش در نغم

جب تلک بادِ صبا چلتی رہے گلزار میں
اور اونٹوں کو طرب میں ساربان پُر نغم

۱۶۴ فَاغْفِرْ لِنَاشِرِهَا وَاغْفِرْ لِقَارِئِهَا
سَأَلْتُكَ الْخَيْرَ يَا ذَا الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ

مغفرت خواہم و بخشش از خداوندِ کریم
از برائے قاریان و از مصنف پاک ہم

مغفرت قاری کی ہو بخشش مصنف کی بھی ہو
بس یہی ہے التجا تجھ سے مرے ربِّ کرم
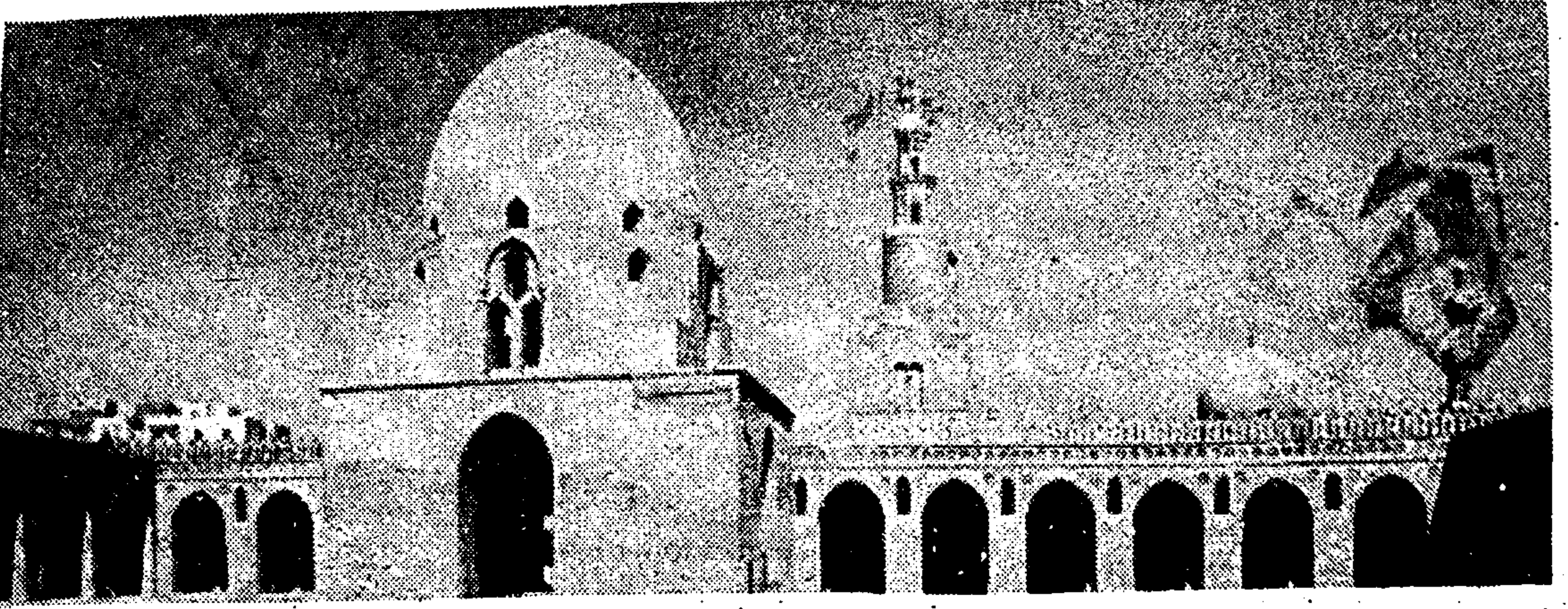
سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان علم و تہذیب کی ترقی پر

— جناب شبیر احمد خاں غوری

اسلام کی بعثت دنیا پر اللہ رب العالمین کا سب سے بڑا احسان تھی۔ جس کے نتیجہ میں اس نے اسے جملہ دینی و دنیوی برکتوں سے نوازا۔ ان میں سب سے عظیم برکت علم و حکمت کی نعمت تھی۔ جس سے بہرہ اندوز ہو کر اس نے کائنات کا نقشہ ہی بدل ڈالا۔ اس دین مبین کے پیروؤں نے عرصۂ قلیل میں ربع مسکون کے بڑے حصہ میں جو

نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

بلکہ خلیج بنگال سے اقصائے مغرب تک پھیلا ہوا تھا۔ ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر لی۔ بے شک یہ تاریخ کا ایک عظیم اعجوبہ ہے لیکن اس سے بھی عظیم تر اعجوبہ یہ ہے کہ وہ قوم جس کا امتیازی وصف اسلام لانے سے پہلے "جہل" تھا اور جو انتہائی غرور و تکبر سے کہتی تھی۔

الا لا یجھلن احد علینا ۔۔۔ فنجھل فوق جھل ابی ھلینا

مشرف با سلام ہونے کے بعد زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ مشرق و مغرب کے علمی اندوختہ کی وارث و امین ہو گئی۔ جس کے بعد مال و زر کی اس کی نظروں میں کوئی وقعت نہ رہی۔ اب وہ بکمال طمانیت قلبی کہتی تھی۔

رضینا قسمۃ الجبار فینا ۔۔۔ لنا علم وللجھال مال

یہی نہیں، بلکہ جہاں تک اس کے پیشرو نہیں پہنچے تھے پہنچنے کی کوشش کی اور پہنچ کر ہی دم لیا۔ اور اس طرح جو کچھ اپنے پیشروؤں سے لیا تھا۔ اس میں چار چاند لگا کر اپنے بعد آنے والوں کے لئے ایک بیش بہا ورثہ فراہم کر دیا۔

اور یہ سب کچھ اس زمانہ میں کیا۔ جب کہ پوری دنیا، بالخصوص اس کا مغربی علاقہ (یورپ) جو آج علم و حکمت کی روشنی سے مشرق کی آنکھوں میں چکاچوند پیدا کر رہا ہے ظلمت و جہالت کا تیرہ مغاک بنا ہوا تھا۔

یقیناً یہ ایک عظیم ترین اعجوبہ ہے۔ جسے مغرب کے مدعیان تحقیق اور ادعائی دانشوروں نے کبھی اس تاریخی حقیقت کا سرے سے انکار کر کے۔ کبھی اس کی عظمت کی تنقیص و استخفاف کر کے اور کبھی دور از کار تعلیلات و تاویلات کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر ان مضحکہ خیز توجیہات سے مسئلہ سلجھنے کے بجائے اور الجھتا ہی چلا گیا۔ حالانکہ اس کی اہمیت ظاہر ہے۔ کیونکہ اسی کے اطمینان بخش حل پر اس تاریخی حقیقت کی سعی توجیہ سے زیادہ ایک عملی سوال کا جواب موقوف ہے کہ

"کیا آج کے سائنسی دور میں اسلام اپنے اصولوں پر کسی قسم کا سمجھوتہ کئے بغیر زندگی کے ترقی پذیر دھاروں کے ساتھ چل سکتا ہے یا نہیں؟"

لیکن حقیقت شناس نظروں میں اس لاینحل معما کا حل صاف ظاہر اور واضح ہے۔ اس کی رو سے اس عجوبہ کا راز مضمر ہے۔ خود اسلام کے عقلیت

پسندانہ مزاج اور اس سماج کے ترقی پسند تقاضوں میں جس کی اس نے بنیاد ڈالی تھی۔ اور اسی اجمال کی تفصیل اس مختصر عرضداشت کا موضوع ہے

(الف) اسلام کا عقلیت پسندانہ مزاج

اسلام نے پہلے دن سے "عقلیت" (RATIONALISM) کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ قرآن اپنے مخاطبین سے عقل وخرد اور فہم وتدبر کے استعمال کا بار بار مطالبہ کرتا ہے۔ "افلا تعقلون" "افلا یتدبرون" اور "اولم یتفکروا" اس کی دعوت کا عام انداز ہے۔ اسی معقولیت پسند تعلیم کا نتیجہ ہے کہ وہ کورانہ تقلید کو جو امم ماضیہ میں عام تھی "خدا سازی" (شرک) سے تعبیر کرتا ہے جو اس کے یہاں ناقابل معافی گناہ ہے۔ چنانچہ قرآن پچھلی امتوں کے بارے میں کہتا ہے۔

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ — انہوں نے (یہود ونصاریٰ نے) اپنے احبار (یہودی علماء) اور راہبوں کو اللہ کے سوا "خدا" بنالیا۔

اور ان مدعیان علم وحکمت (یہودی احبار اور مسیحی راہبوں) نے خدا کے بندوں کو اوہام باطلہ کا شکار بنارکھا تھا۔ جن کے بار گراں سے ان کی مضطرب انسانیت کچلی جارہی تھی۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانیت پر بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اس کو اپنے ہی بنی نوع کی ذہنی غلامی سے نجات دلائی۔ قرآن کہتا ہے۔

"یضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم"۔ — اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان (مظلومین ومجبورین) کے اوپر سے ان کا بوجھ اور ان پر جو قیود عائد کی گئی تھیں اتارتے ہیں

۱ - اسلام کی آئیڈیالوجی

اسلامی آئیڈیالوجی (IDEOLOGY) کی رو سے خلاق کائنات نے انسان کو نعمت وجود سے نوازنے (خلق فرمانے) کے بعد سب سے پہلے "علم اسماء" کی دولت سے بہرہ اندوز کیا اور یہ وہ دولت تھی جس سے ملائکہ بھی تہی دامن تھے۔

"وعلم آدم الاسماء کلھا ثم عرضھم علی الملائکۃ فقال انبئونی باسماء ھؤلاء ان کنتم صدقین ○ قالوا سبحنک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم ○

اور اس نے (اللہ تعالیٰ نے) آدم کو سب (چیزوں کے) نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔ اور فرمایا اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔ انہوں نے کہا تو پاک ہے۔ جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے۔ اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ بے شک تو جاننے والا (دانا) اور حکمت والا ہے۔

۲ - اسلام کی اجتماعی تنظیم

اسلام سوسائٹی کی تقسیم، نسلی امتیاز، مال ودولت اور مفلسی کی بنیاد پر نہیں کرتا "صرف" دانائی اور نادانی" ہی کی

اساس پر معاشرہ کی طبقہ بندی کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے۔

"قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون" — آپ کہہ دیجئے کہ کیا جو لوگ جانتے ہیں (عالم ہیں) اور جو لوگ نہیں جانتے (عالم نہیں ہیں) برابر ہیں

پھر اسلامی سماج میں بلند ترین مقام اشرافیہ (ARISTOCRATS) یا طبقۂ امراء کو حاصل نہیں ہے۔ بلکہ صرف "متقیوں" (خدا سے ڈرنے والوں) کو ہے۔

"ان اکرمکم عند الله اتقاکم" — تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے۔

اور "تقویٰ اور خوف وخشیت الٰہی" (اللہ تعالیٰ سے ہر دم ڈرتے رہنے کا وصف صرف اہل علم ہی کا حصہ ہے۔

"انما یخشی الله من عباده العلماء" — بے شک اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔

خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کسی باشوکت وسطوت شاہنشاہ کی حیثیت سے نہیں کراتا بلکہ "معلم کتاب وحکمت" کی حیثیت سے کراتا ہے۔ اور اس "معلم کتاب وحکمت" کی بعثت کو مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان بتاتا ہے:

"لقد من الله علی المومنین اذ بعث فیهم رسولا من انفسهم یتلوا علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین" — اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور خدا کی کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں۔ اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

۳ = اسلام کا نظام اقدار

اسلام نے اقدار حیات کا جو نقشہ پیش کیا ہے۔ اس میں علم وحکمت ہی کو "خیراً کثیراً" زندگی کی قدر اعلیٰ یا (SUMMUM BONUM) قرار دیا ہے۔

"ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیراً کثیراً" — اور جس کو حکمت ملی اس کو "خیراً کثیراً" (بہت بڑی نعمت) ملی

اس لئے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "حکمت" کو مرد مومن کی "متاع گم گشتہ" فرمایا ہے۔ جسے وہ جہاں پائے لے لینے کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔

"کلمة الحکمة ضالة المومن اینما وجدها فهو احق بها"

۴ - تسخیر کائنات کی ترغیب وتشجیع

ولفریڈ بینسل نے لکھا ہے

"عیسائی خارجی فطرت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے"۔

اس اندازِ فکر کا نتیجہ تھا کہ جب تک وہ اپنے مذہب کی اس مزعومہ تعلیم پر کاربند رہے۔ علم و حکمت میں کوئی ترقی نہ کر سکے۔ ان سے بدتر حال مشرک اقوام کا تھا۔ وہ مظاہر کائنات کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے جاتے اور جو کچھ اتفاق سے مل جاتا تھا۔ اسے مزعومہ دیوتاؤں کی بخشش سمجھتے اور جو کچھ نہ ملتا اسے اُن کے قہر و غضب کا نتیجہ گردانتے۔ چنانچہ جب سکندرِ اعظم بحری مہم پر روانہ ہوا تو "سمندر کے دیوتا" کی خوشنودی کے لئے ایک سانڈ کی قربانی دی۔ آج بھی اس عہدِ تنویر میں جب کوئی جہاز سمندر میں اتارا جاتا ہے۔ تو سمندر دیوتا کو منانے کے لئے ناریل توڑے جاتے ہیں۔

لیکن اس کے برعکس اسلام اپنے پیروؤں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ مظاہر کائنات کے سامنے بھکاری بن کر نہیں، بلکہ شکاری بن کر جائیں، بقول اقبال۔

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفےٰ سے مجھے — کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

وہ بار بار ان کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات و ما فیہا کو ان کے لئے مسخر کر دیا ہے۔ اب یہ ان کا کام ہے کہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ قرآن کہتا ہے۔

"الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموٰت وما فی الارض واسبغ علیکم نعمہ ظاہرۃ وباطنۃ"

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے مسخر کر دیا تمہارے لئے جو کچھ آسمان میں ہے۔ اور جو کچھ زمین میں ہے، اور پوری کر دیں۔ تمہارے اوپر اپنی نعمتیں کھلی ہوئی اور چھپی ہوئی۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے۔

"اللہ الذی سخر لکم البحر لتجری الفلک فیہ بامرہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون ٥"

اللہ وہ ہے جس نے بس میں کر دیا تمہارے دریا کو کہ چلیں اس میں جہاز اس کے حکم سے۔ اور تاکہ تم تلاش کرو اس کے فضل سے اور تاکہ تم حق نا (شکر ادا کرو)

ایک اور جگہ ارشاد باری ہے۔

"وسخر لکم ما فی السموٰت وما فی الارض جمیعا منہ ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون"۔

اور مسخر کر دیا تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب کچھ اپنی طرف سے۔ اس میں نشانیاں ہیں۔ ان لوگوں کے واسطے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

لیکن کائنات کی جاندار اور بے جان قوتوں کی تسخیر ان سے براہ راست کشتی لڑ کر نہیں کی جا سکتی۔ ہاتھی کو اٹھا کر پٹکا نہیں جا سکتا صرف انکس کے ذریعے قابو میں لایا جاتا ہے۔ دریا کے پُر زور بہاؤ کا رخ ہاتھیوں کی قوت سے نہیں موڑا جا سکتا۔ صرف ٹربائن کے ذریعے اس کی توانائی کو بجلی کی شکل میں ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ پہاڑ کو گھونسوں سے نہیں توڑا جا سکتا۔ صرف ڈائنامیٹ کے ذریعے اڑا کر اس میں سرنگیں بچھائی جاتی ہیں۔ کھلے سمندر کو تیر کر پار نہیں کیا جا سکتا۔ صرف جہازوں کے ذریعے طوفانی سمندر میں بے خوف و خطر سفر کیا جاتا ہے۔ مگر یہ

سب کچھ کیا ہے؟ صرف "تسخیر کائنات" یعنی اس کی پوشیدہ قوتوں سے واقف ہو کر انہیں اپنے حسب منشا استعمال کرنے کی قابلیت و لیاقت اور انہیں پوشیدہ قوتوں کی واقفیت کو باقاعدہ منظم کرنے کا نام "علم طبیعی" اور "نیچرل سائنس" ہے۔

۵۔ سائنسی علوم کے حصول کے بارے میں اسلام کا رجحان

تمام طبیعی علوم کا اصل الاصول "مطالعہ فطرت" (NATURE STUDY) ہے اور قرآن فطرت کے مختلف مظاہر کے مطالعہ پر زور دیتا ہے۔ وہ اجمالی طور پر اپنے متبعین کو مامور کرتا ہے کہ وہ مظاہر کائنات کا مشاہدہ کریں۔ کیونکہ اس میں سوچنے اور سمجھنے والوں کی رہنمائی کے لئے کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔

"قل انظروا ماذا فی السمٰوٰت والارض وما تغنی الآیات والنذر عن قوم لا یومنون"

آپ کہہ دیجئے کہ تم غور کرو، (اور دیکھو) کہ کیا کیا چیزیں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں اور جو لوگ (عناداً) ایمان نہیں لاتے۔ ان کو دلائل اور دھمکیاں فائدہ نہیں پہنچاتیں۔

یہی نہیں بلکہ وہ اس فریضہ کی ادائیگی میں تساہل و تقاعد کو زجر و توبیخ کا مستوجب بتاتا ہے۔

"اولم ینظروا فی ملکوت السمٰوٰت والارض وما خلق اللہ من شیئ وان عسیٰ ان یکون قد اقترب اجلھم فبای حدیث بعدہ یومنون"

اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور (نیز) دوسری چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ اور اس بات میں (بھی غور نہیں کیا) کہ ممکن ہے کہ ان کی اجل قریب ہی (آپہنچی) ہو۔ پھر قرآن کے بعد کونسی بات پر یہ لوگ ایمان لائینگے۔

پھر ایمان کی تکمیل "ایمان بالآخرۃ" پر موقوف ہے اور اس کے لئے تخلیق کائنات کا مطالعہ اور اس مطالعہ کے لئے سیر و سیاحت ضروری ہے۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے۔

"قل سیروا فی الارض فانظروا کیف بدا الخلق ثم اللہ ینشئ النشاۃ الاخرۃ، ان اللہ علیٰ کل شیئ قدیر" (۲۹ : ۲۰)

آپ ان لوگوں سے فرما دیجئے کہ تم لوگ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ خدائے تعالیٰ نے مخلوق کو کس طور پر اول بار پیدا کیا ہے پھر اللہ پچھلی بار بھی پیدا کرے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

۶۔ مختلف سائنسی علوم کا سنگ بنیاد

قرآن حکیم اصولاً ایک منزل من اللہ ضابطہ ہدایت ہے۔ جو بنی نوع انسان کو فلاح دارین کا راستہ دکھانے کے لئے نازل کیا گیا تھا۔ لہذا جہاں وہ اخروی زندگی میں فلاح و نجاح کی تدبیریں سکھاتا ہے۔ دنیوی زندگی کو خوشحال بنانے کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ اور اسی چیز کا دوسرا نام "تمتع بالکائنات" ہے۔ لہذا وہ ان تمام علوم کی ہمت افزائی کرتا ہے جو اس، "تمتع بالکائنات" میں ممد و معاون ہو سکتے ہیں۔

فلکیات :- ۱- دنیا کا قدیم ترین علم "فلکیات" یا علم الہیئت ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے ۔

متمدن زندگی کے لیے وقت کی اہمیت ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ بلکہ کسی قوم کی تمدنی عظمت کا اندازہ ہی اس اہتمام سے لگایا جاتا ہے جو اس نے وقت کے استعمال اور اس مقصد کے لیے اس کی پیمائش کے باب میں ملحوظ رکھا۔ چنانچہ مشہور جرمن مورخ اسپنگلر پچھلی تہذیبوں پر یورپ کی تہذیب حاضر کی برتری کا راز اس کے شدید احساس زماں میں مضمر بتاتا ہے۔

زمانہ کے اس احساس شدید کی عملی شکل "وقت شناسی" اور "گاہ شماری" ہے۔ جن کی سائنٹیفک اساس اجرام سماوی بالخصوص سورج اور چاند کی سیر و گردش پر ہے۔ اسی گردش کی پیمائش سے دن رات کے مختلف پہروں کے گزرنے کا علم ہوتا ہے۔ اور اسی کی شمار سے مہینوں اور سالوں کے مرور و انقضا کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہ احساس صبح و شام اور مہ و شہور و اعوام اتنا ہی قدیم ہے جتنا صفحۂ ارض پر انسان کا وجود

اور پھر جیسے جیسے انسانی ذہانت ترقی کرتی گئی۔ ان کواکب کی سیر و گردش اور اس سے رونما ہونے والے مظاہر فلکی (جیسے سورج گرہن اور چاند گرہن، ہال و مد و جزر وغیرہ) کو سائنٹفک قوانین میں منضبط کرنے کی سعی پیہم کی گئی۔ یہی علم الھیئت تھا۔

اس طرح علم الھیئت اتنا ہی قدیم ہے جتنا خود انسان۔ مگر با ایں ہمہ قدامت یہ بھی ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ یہ علم الھیئت ہمیشہ جوتش کے پاکھنڈوں کا آلہ کار بنا رہا۔ یہ اسلام ہی کا فیضان تھا کہ اس نے اسے اس ذلت سے نکال کر صحیح معنوں میں سائنٹیفک علم الھیئت کی بنیاد ڈالی۔ کیونکہ،

ایک جانب اس نے فلکیاتی مشاہدات کے لیے اپنے متبعین کی ہمت افزائی کی۔ اور دوسری طرف اس نے نجوم اور جوتش کے ڈھکوسلوں کا فریب کھانے کی سختی سے ممانعت کی۔

احکام منصوصہ سے قطع نظر اسلام اور فلکیاتی مشاہدات میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ کیونکہ انہیں مشاہدات بالخصوص اجرام سماوی کے بزوغ و افول نے ہمارے جد امجد سیدنا حضرت ابراہیم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی چشم جہاں بین کو توحید کے کحل الجواہر سے روشن کیا۔ بقول اقبال ؎

وہ سکوت شام صحرا میں غروب آفتاب جس سے روشن تر ہوئی چشم جہاں بین خلیل

قرآن کریم نے اس "مشاہدۂ ابراہیمی" کی تفصیل بدیں طور دی ہے۔

"فلما جن علیه اللیل رای کوکبا قال هذا ربی فلما افل قال لا احب الآفلین ۔ فلما رای القمر بازغا قال هذا ربی فلما افل قال لئن لم یهدنی ربی لاکونن من القوم الضالین ۔ فلما رای الشمس بازغۃ قال هذا ربی هذا اکبر فلما

پھر جب ان پر رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا آپ (ابراہیم علیہ السلام) نے فرمایا کہ (تمہارے زعم کے موافق) یہ میرا رب ہے۔ سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا غروب ہو جانے والے سے میں محبت نہیں رکھتا۔ پھر جب چاند کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا (تمہارے زعم کے موافق) یہ میرا رب ہے۔ سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر میرا رب (حقیقی) ہدایت نہ کرتا رہے تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔ پھر جب آفتاب کو دیکھا چمکتا ہوا تو

افلت قال یٰقوم انی بریٓ مما تشرکون ٥ انی وجهت وجهی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین ٥

فرمایا کہ (تمہارے زعم کے موافق) یہ میرا رب ہے۔ یہ تو سب میں بڑا ہے۔ سو جب وہ بھی (غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا۔ اے قوم بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں، میں اپنا رخ اس (ذات) کی طرف (کرنا تم سے ظاہر) کرتا ہوں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا۔ اور میں شرک کرنے والوں سے نہیں ہوں۔"

لہذا قرآن کریم نے بھی مظاہر فلکی کے بامقصد مشاہدہ کے لئے اپنے متبعین کی ہمت افزائی کی ہے۔ کیونکہ ان سے باری تعالیٰ کی توحید، اس کی عظمت و جلال، اس کی وسیع حکمت، اس کی قدرت جلیلہ اور اس کی صناعی کی نفاست و اتقان کا ثبوت ملتا ہے۔

"ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف الیل والنہار لآیات لاولی الالباب ٥"

بےشک زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری آنے میں ہوش مند لوگوں کے لئے بہت نشانیاں ہیں۔"

اس کے ساتھ اجرام سماوی کی سیر و گردش کا باقاعدہ مطالعہ زندگی میں نظم و انضباط پیدا کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعے انسان وقت پیمائی اور گاہ شماری کا اہم فریضہ انجام دینے کے قابل ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے۔

" ھو الذی جعل الشمس ضیاءً والقمر نوراً وقدرہ منازل لتعلموا عدد السنین والحساب ما خلق اللہ ذلک الا بالحق ٥

وہی ہے (معبود برحق) جس نے سورج کو جگمگاتا بنایا اور چاند کو روشن اور اس کے لئے منزلیں ٹھہرائیں کہ تم سالوں کی گنتی اور (مہینوں دنوں اور ساعتوں کا) حساب جانو۔ اللہ نے اسے نہ بنایا مگر حق (کہ اس سے اس کی قدرت اور اس کی وحدانیت کے دلائل ظاہر ہوں)

اسی لئے جب آیت کریمہ۔

"ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف الیل والنہار لآیات لاولی الالباب ٥ کا نزول ہوا تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ویل لمن لاکھا بین لحییتیہ ولم یتفکر فیھما" تباہی ہے اس کے لئے جو اس آیت کریمہ کی منہ سے تلاوت کرتا ہے۔ مگر اس کے معنی و مفہوم پر غور نہیں کرتا۔

اور پھر بعد کے علماء ربانیین نے بھی اس اسوۂ رسول کا باحترام تمام اتباع کیا۔ چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزالی کا قول ہے۔

"من لم یعرف الھیئۃ والتشریح فھو عنین فی معرفۃ اللہ تعالیٰ"

جو شخص ہیئت اور تشریح کے علوم سے ناواقف ہے۔ وہ معرفت باری میں ناقص ہے۔

امام غزالی سے کچھ پہلے حکیم ابوالحسن انبیری تھے۔ وہ ایک دن مشہور فلسفی و ہیئت دان شاعر عمر خیام کو بطلیموس کی "کتاب المجسطی" پڑھا رہے تھے کہ وہاں سے کسی فقیہ کا گذر ہوا۔ اس نے پوچھا کیا پڑھا رہے ہو۔ حکیم ابوالحسن انبیری نے برجستہ جواب دیا۔ "آیت کریمہ۔

" أفلم ينظروا الى السماء فوقهم كيف بنيناها ۔

اور کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے ۔

کی تفسیر بیان کر رہا ہوں ۔

لیکن جہاں اسلام نے اپنے متبعین کو تباکید تمام فلکیاتی مشاہدات کے لیئے مامور کیا ہے اور علم ہیئت کے منظم مطالعہ کی ہمت افزائی کی ہے ۔ وہیں اس نے اسی شدت تاکید کے ساتھ نجوم اور جوتش کے ڈھکوسلوں کا فریب کھانے کی ممانعت بھی کی ہے ۔ کیونکہ اجرام سماوی کا واقعات عالم کے رونما ہوتے یا انسان کی قسمت بنانے یا بگاڑنے میں کوئی دخل نہیں ہے ۔ وہ تو خود امر الٰہی کے محکوم اور مسخر ہیں ۔

" والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره الا له الخلق والامر "

سورج، چاند اور ستارے اس کے "امر" (حکم) کے پابند ہیں ۔ خبردار (یاد رکھو) "خلق" (پیدا کرنا) اور "امر" (حکم دینا) اسی کے لئے (حق) ہے ۔

پھر ان اجرام سماوی کا ایک بندھے ٹکے نظام میں سیر وگردش کرنا اور اللہ تعالےٰ نے ان کے لئے جو طریق کار متعین فرما دیا ہے ۔ اس سے ان کا سرمو انحراف نہ کرسکنا ۔ ان کے محکوم و مربوب اور عاجز ولاچار ہونے کی دلیل ہے ۔ اسی کی طرف قرآن اشارہ کرتا ہے ۔

" والشمس تجري لمستقر لها ذلك تقدير العزيز العليم ۝ والقمر قدرناه منازل حتى عاد كالعرجون القديم ۝ لا الشمس ينبغي لها ان تدرك القمر ولا الليل سابق النهار وكل في فلك يسبحون ۝"

اور سورج چلتا ہے اپنے ایک ٹھہراؤ کے لئے یہ حکم ہے زبردست علم والے کا ۔ اور چاند کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کیں ۔ یہاں تک کہ پھر ہو گیا جیسے کھجور کی پرانی ڈالی ۔ سورج کو نہیں پہنچتا کہ چاند کو پکڑ لے ۔ اور نہ رات دن پر سبقت لے جائے ۔ اور ہر ایک، ایک گھیرے میں پھر رہا ہے ۔

ظاہر ہے جو خود اس قدر پابند اور مجبور ہو کہ اپنے راستہ کو نہ بدل سکے ۔ وہ دوسروں بالخصوص انسان کے معاملات میں کیا دخل دے سکتا ہے ۔ اور جب کوئی دخل ہی نہیں دے سکتا تو پھر اس کے مستقبل کے بارے میں کیا بتا سکتا ہے ۔

بقول علامہ اقبال :-

ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا   وہ خود فراخی افلاک میں ہے خوار و زبون

اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ادعائی پیشین گوئیوں پر یقین کو عہد جاہلیہ کی یادگار بتایا ۔

"ثلث من امور الجاهلية الطعن في الانساب والنياحة والانواء

تین باتیں عہد جاہلیہ کے امتیازی شعائر ہیں ۔ نسب کا طعنہ، مردوں پر بین کرنا، اور نچھتروں (ستاروں کی پیشین گوئیوں) پر اعتقاد

اور اس ممانعت کو مزید موکد اور قطعی وحتمی بنانے کے لئے آپ نے نجومی پیشین گوئیوں کو درخور اعتنا سمجھنے کو

خارج از اسلام ہونے کا سبب قرار دیا۔

"من اتی منجماً فلیس منا"

جو منجم کے پاس (اس سے پیشین گوئی کرانے) جاتا ہے۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اور پھر خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس ممانعت پر آخری مہر توثیق ثبت فرمادی اور اسے کفر کے مترادف قرار دیا۔ ہوا یہ کہ ایک مرتبہ آپ کسی مہم پر تشریف لئے جارہے تھے کہ کسی ساتھی نے کہا۔ امیر المومنین اس وقت تشریف نہ لے جائیں۔ کیونکہ ستارے موافق نہیں ہیں۔ اس پر آپ انتہائی برافروختہ ہوئے اور فرمایا۔

"ایہا الناس ایاکم و تعلم النجوم الا ما یہتدی بہ فی بر او بحر، فانہا تدعو الی الکہانۃ المنجم کالکاہن والکاہن کالساحر والساحر کالکافر والکافر فی النار"

اے لوگو! خبردار نجوم نہ سیکھنا، سوائے اتنے حصہ کے جس سے خشکی اور سمندر میں رہنمائی ہوسکے۔ کیونکہ جوتش "کہانت" (غیب دانی کا ادعا کرنا) کا سبب ہے۔ منجم کا حکم کاہن کا جیسا ہے اور کاہن جادوگر کے مانند ہے۔ اور جادوگر کافر کی طرح ہے اور کافر دوزخی ہے۔

اس طرح جوتش کی غلامی سے چھٹکارا دے کر اسلام نے فلکیاتی مشاہدات کو خالص سائنسی بنیادوں پر استوار کیا اور اس طرح صحیح معنوں میں "سائنٹیفک علم الہیئت" کی بنیاد ڈالی۔

طبیعیاتی علوم: ۔ علم ہیئت کے علاوہ قرآن کریم نے دیگر طبیعیاتی علوم حاصل کرنے کی طرف بھی توجہ دلائی ہے

"ان فی السمٰوٰت والارض لآیات للمؤمنین و فی خلقکم وما یبث من دابۃ آیات لقوم یوقنون ○ واختلاف اللیل والنہار وما انزل اللہ من السماء من رزق فاحیا بہ الارض بعد موتہا وتصریف الریاح آیات لقوم یعقلون"......

آسمانوں اور زمین میں اہل ایمان کے (استدلال کے) لئے بہت دلائل ہیں۔ اور (اسی طرح) خود تمہارے اور ان حیوانات کے پیدا کرنے میں جن کو زمین میں پھیلا رکھا ہے۔ ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں۔ جو یقین رکھتے ہیں (اسی طرح) رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اس مادہ رزق میں، جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا، پھر اس (بارش) سے زمین کو ترو تازہ کیا۔ بعد ازانکہ وہ خشک ہوچکی تھی (اور اسی طرح) ہواؤں کے بدلنے میں ان لوگوں کے لئے دلائل ہیں جو عقل سلیم رکھتے ہیں

قرآن کریم کا کہنا ہے کہ ان مظاہر کائنات میں معرفت باری تعالیٰ کی نشانیاں تو ہیں ہی۔ اس کے علاوہ بھی اور کچھ ہے۔ بشرطیکہ غور و فکر کے ساتھ ان کا مشاہدہ کیا جائے۔ کیونکہ یہ کائنات "وما فیہا" ان کی میراث ہے۔ اس لئے انہیں اس سے تمتع حاصل کرنے کا طریقہ جاننا چاہیئے۔

"والارض بعد ذلک دحاھا اخرج منہا

اور اس کے بعد زمین کو بچھایا (اور بچھا کر) اس کا پانی اور چارہ

ماءھا ومرعاھا والجبال ارساھا متاعاً لکم ولانعامکم

نکالا اور پہاڑوں کو اس پر قائم کیا۔ تمہارے اور تمہارے مویشیوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے

لہٰذا انسان کو "تمتع بالکائنات" کے ساتھ اس عمل الٰہی پر بھی نظر رکھنا چاہیئے جو کائنات میں جاری و ساری ہے۔

"فلینظر الانسان الی طعامہ انا صببنا الماء صبًا ثم شققنا الارض شقا فانبتنا فیھا حبًا وعنبًا وقضبًا وزیتونًا ونخلًا وحدائق غلبًا وفاکھۃ وابًا متاعًا لکم ولانعامکم

سو انسان کو چاہیئے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر ڈالے کہ ہم نے عجیب طور پر پانی برسایا پھر عجیب طور پر زمین کو پھاڑا۔ پھر ہم نے اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارہ پیدا کیا۔ (بعض چیزیں) تمہارے لئے اور بعض چیزیں تمہارے مویشیوں کے فائدہ کے لئے۔

وہ مظاہر کائنات کے ساتھ ساتھ حیات حیوانی کے مطالعہ پر بھی زور دیتا ہے۔ کیونکہ اس یاددہانی سے ایمان باللہ تک رسائی ہوتی ہے۔ جو اسلام کی بعثت کا مقصد وحید ہے

"افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت والی السماء کیف رفعت والی الجبال کیف نصبت والی الارض کیف سطحت فذکر انما انت مذکر

کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح (عجیب طور پر) پیدا کیا گیا ہے اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بچھائی گئی ہے (جب یہ لوگ باری تعالیٰ کی قدرت باہرہ کے دلائل پر غور کر لیں) تو آپ انہیں نصیحت کر دیا کیجئے۔

اسی طرح وہ "تاریخ طبیعی" (NATURAL HISTORY) اور "حیوانیات" (ZOOLOGY) کے مطالعہ کی بھی ترغیب دیتا ہے۔

"واللہ خلق کل دآبۃ من ماء فمنھم من یمشی علی بطنہ ومنھم من یمشی علی رجلین ومنھم من یمشی علی اربع یخلق اللہ ما یشاء ان اللہ علی کل شیئ قدیر"

اور اللہ (تعالیٰ ہی) نے ہر چلنے والے جاندار کو (بری ہو یا بحری) پانی سے پیدا کیا ہے۔ پھر ان میں سے بعضے تو وہ جانور ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعضے ان میں وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں اور بعضے ان میں وہ ہیں جو چار (پیروں) پر چلتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے بناتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر (پوری طرح) قادر ہے۔

ایک اور مقام پر قرآن حیوانات کے عضویاتی (PHYSIOLOGICAL) مطالعہ کی ہمت افزائی کرتا ہے۔

"وان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث ودم لبنًا خالصًا سائغًا

اور تمہارے لئے مویشیوں میں بھی غور و فکر کرنا درکار ہے (دیکھو) ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون (کا مادہ) ہے۔ اسی

للشٰربین ؑ — کے درمیان میں سے صاف اور گلے میں آسانی اترنے والا دودھ (بناکر) ہم تم کو پینے کے لئے دیتے ہیں۔

دوسری جگہ وہ اڑنے والی مخلوقات کے تحقیقی مطالعے اور اُن کی قوت پرواز کے میکنزم کے مطالعہ کا مطالبہ کرتا ہے۔

"اولم یروا الی الطیر فوقہم صافات ویقبضن مایمسکہن الا الرحمٰن انہ بکل شئی بصیر" — کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر پرندوں کی طرف نظر نہیں کی کہ پر پھیلائے ہوئے اڑتے پھرتے ہیں۔ اور کبھی (اسی حالت میں) پر سمیٹ لیتے ہیں۔ بجز (خدائے) رحمٰن کے ان کو کوئی تھامے ہوئے نہیں ہے۔ بے شک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔

عقلی علوم:۔ طبیعی علوم کے ساتھ ساتھ قرآن کریم عقلی علوم کے حصول کا بھی حکم دیتا ہے۔ مگر اس کی تفصیل موجب تطویل ہوگی۔ جس سے قلت وقت اور اس سے زیادہ کاغذ کی تنگ دامانی مانع ہے۔

ب:۔ اسلامی ثقافت کے ترقی پذیر تقاضے

امم سابقہ کے برخلاف اسلام اجتماعی زندگی اور متمدن معاشرے کے قیام پر زور دیتا ہے۔ "فرار عن الحیات" رہبانیت یا (MONASTICISM) اور ترک دنیا (ASCETICISM) خلاف فطرت پابندیاں ہیں جوان قدیم مذاہب کے پیروؤں نے خود اپنے اوپر عائد کرلی تھیں۔ اور جن کا پروردگار عالم نے کبھی حکم نہیں دیا۔ جیساکہ قرآن کہتا ہے۔

"ورهبانیۃ ن ابتدعوھا ما کتبناھا علیہم" (۵۷ : ۲۰)

چنانچہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مبہم طور پر فرمادیا کہ اسلام میں رہبانیت اور ترک دنیا کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے

"لا رھبانیۃ فی الاسلام"

اور متمدن زندگی کی تکمیل تعلیم سے ہوتی ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے، جس کی ترقی و اشاعت پر اسلام نے شروع سے زور دیا ہے۔

تعلیم کا سنگ بنیاد، لکھنا پڑھنا ہے۔ اور یہ وہ دولت ہے۔ جس سے پچھلی مذہبی برادریوں نے اپنے پیروؤں کی اکثریت کو محروم رکھا تھا۔ مگر اسلام نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو مرد، عورت، امیر، غریب، شریف و وضیع سب کے لئے عام کر دیا۔

نزول وحی الٰہی کی ابتداء "اسی مقدس حکم سے ہوئی۔

"اقراء باسم ربک الذی خلق" — (پڑھیئے (اے نبی) اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا)

اس مقدس حکم کے ساتھ یہ بھی بتادیا گیا کہ "لکھنے کی صلاحیت" اللہ تعالیٰ کی دوسری بڑی نعمت ہے۔ جس کے ساتھ اللہ رب العزت نے انسان کو نوازا۔

"وربک الاکرم الذی علّم بالقلم" — اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے لکھنا سکھایا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عرب جہاں اسلام مبعوث ہوا، اسے علم کے بجائے اپنے جہل پر ناز تھا۔ بعثت اسلام کے وقت

پورے قبیلہ قریش میں صرف سترہ آدمی پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ مگر یہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض تھا کہ انہوں نے اللہ تعالےٰ کی اس عظیم نعمت سے پوری امت مسلمہ کو بہرہ اندوز ہونے کا انتظام کیا۔ چنانچہ جنگ بدر میں جو قیدی اپنا زر فدیہ ادا کرنے سے قاصر تھے۔ انہیں کہا گیا کہ ان میں سے جو لوگ پڑھنا لکھنا جانتے ہیں۔ ہر شخص مدینہ منورہ کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ یہی اس کا فدیہ ہے۔

پڑھنے سیکھنے کے بعد تعلیم کا اگلا مسئلہ "کتاب" ہے اور عرب جاہلیہ کی یہ بدنصیبی تھی کہ وہ "کتاب" کے تصور تک سے ناآشنا تھے۔ ہاں "کتیبہ" کو خوب جانتے تھے۔ جس کے معنی لشکر ہیں۔ اور یہ بھی خدائے کریم کی قدرت تھی کہ اسی وحشیانہ لفظ "کتیبہ" سے وہ لفظ "کتاب" بنا جو تہذیب و تمدن، بلکہ صلاح معاش و فلاح اُخروی کی کلید ہے۔ چنانچہ قاضی ناصرالدین بیضاوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

"واصل الكتاب الجمع ومنه الكتيبة" "کتب" کی اصل جمع کرنا ہے اور اسی لئے لشکر کو "کتیبہ" کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ ملا ہوا ہوتا ہے۔

پھر یہ بھی تقدیر ربانی تھی کہ امت مسلمہ جس پہلی کتاب سے متعارف ہو۔ وہ اللہ کی کتاب ہو۔ لہٰذا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مشورے سے سارا قرآن ایک کتاب میں جمع کیا گیا۔

کتاب اللہ کی تعلیم کے علاوہ صحابہ اور تابعین و تبع تابعین نے اپنے ہادی برحق کے ارشادات اور ان کی زندگی کی جزئیات کو بڑی ذمہ داری سے مدون کیا اور اس طرح "علم حدیث" کی بنیاد پڑی۔ جس نے آگے چل کر امت مسلمہ میں سب سے زیادہ حیثیت حاصل کر لی

قرآن و حدیث ہی سے اُن صحابہ نے جو اس کے اہل تھے۔ حیات انسانی کے لئے ضابطہ ہدایت مرتب کیا۔ یہ علم فقہ کہلایا۔ جس میں "تفقہ" اللہ تعالےٰ کی طرف سے دی جانے والی "خیر اعلیٰ" قرار دیا گیا:

"ومن يرد الله به خيراً يفقهه في الدين"

ان علوم دینیہ کی تفصیل دوسرے ارباب علم فرمائیں گے۔ اس عرضداشت کا موضوع، علم و تہذیب کی ترقی میں معارف محمدی کی کارفرمائی ہے۔ اور گوناگوں علوم میں سے صرف ان علوم کی جو جدید اصطلاح میں علوم قطعیہ (EXACT SCIENCES) اور علوم طبعیہ (NATURAL SCIENCES) کہلاتے ہیں۔ ان کے ساتھ اعتناء و اہتمام خود اس سماج کے ترقی پذیر تقاضوں کا نتیجہ تھا جس کی اسلام نے بنیاد ڈالی تھی۔

ان میں سب سے اہم دینی تقاضے تھے۔ یعنی احکام شرعیہ کی بجا آوری میں کما حقہ اہتمام اور ان دینی تقاضوں میں اولین اہمیت نماز کی ہے۔ جسے ہماری اقدار حیات میں علوم متعارفہ (AXIOM) کی حیثیت حاصل ہے۔

روز محشر کہ جاں گداز بود   اولیں پرسش نماز بود

اس مقدس فریضہ کی بجا آوری کے لئے اخلاص و بے ریائی، حضور قلب اور خضوع و خشوع کے علاوہ کچھ اور بھی شرائط ہیں، جن میں دو خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ وقت اور استقبال قبلہ۔ اول الذکر کے بارے میں قرآن کہتا ہے۔

"ان الصلوٰة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً"

(بے شک نماز ایسا فرض ہے جو پابندی وقت کے ساتھ اہل ایمان پر فرض کیا گیا ہے)

اور ثانی الذکر کے بارے میں کہتا ہے۔

"فول وجھك شطر المسجد الحرام وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ"

(مسجد حرام (کعبہ) کی طرف رخ موڑ دو، اب جہاں کہیں بھی تم ہو اسی کی طرف منہ کرو۔ (منہ کر کے نماز پڑھو)

(۱) مذکورۃ الصدر آیت "توقیت" نے نماز کی فرضیت کے ساتھ اس بات کو فرض قرار دیا کہ اُسے ان کے متعلقہ اوقات میں ادا کیا جائے۔ اس آیت میں جو اجمال ہے۔ اُس کی تفصیل دوسری آیات میں کر دی گئی ـــــ اور ان اوقات پنجگانہ کی ابتداء اور انتہا کی تحدید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی، بالخصوص حدیث "امامت جبریل" ہیں جسے اصحاب صحاح میں سے امام ترمذی اور امام نسائی نے اور دیگر محدثین کبار میں سے ابن حبان، حاکم، احمد بن حنبل اور اسحق بن راہویہ نے روایت کیا ہے۔ اس کا ماحصل حسب ذیل ہے۔

جبریل علیہ السلام شب معراج کے اگلے دن) جب آفتاب (نصف النہار سے) ڈھلنے لگا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔ اور آپ سے نماز پڑھنے کے لئے کہا اور آپ نے نماز ظہر ادا کی۔ پھر اس وقت تشریف لائے جب آدمی کا سایہ اس کی قامت کے برابر ہو گیا اور نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ آپ نے نماز عصر ادا کی۔ پھر جب سورج بالکل غروب ہو گیا۔ تو آئے اور نماز پڑھنے کے لئے کہا آپ نے مغرب کی نماز ادا کی۔ پھر جب شفق غائب ہو گیا تو آئے اور عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ آپ نے نماز ادا کی۔ جب صبح کے وقت۔ فجر (فجر ثانی یا صبح صادق) ظاہر ہونا شروع ہوئی تو پھر آئے اور کہا صبح کی نماز پڑھئے۔ اور آپ نے نماز فجر ادا کی

اگلے دن پھر اس وقت آئے۔ جب کہ آدمی کا سایہ اس کے برابر ہو گیا اور آپ سے نماز پڑھنے کے لئے کہا اور آپ نے نماز ظہر ادا کی۔ پھر اس وقت آئے جب آدمی کا سایہ اس کی قامت کا دگنا تھا۔ اور نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ آپ نے نماز عصر ادا کی۔ پھر نماز مغرب کے لئے روز گذشتہ کی طرح اس وقت آئے جب کہ سورج غروب ہو چکا تھا۔ اور نماز پڑھنے کے لئے کہا اور آپ نے نماز مغرب ادا کی۔ پھر عشاء کے لئے اس وقت آئے۔ جب کہ رات کی پہلی تہائی گزر چکی تھی۔ اور نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ اور آپ نے نماز عشاء ادا کی۔ پھر صبح کو اس وقت آئے۔ جب کہ اچھی طرح اُجالا ہو گیا تھا۔ اور نماز پڑھنے کے لئے کہا اور آپ نے نماز فجر ادا کی۔

اس طرح قرآن کریم اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اوقات پنجگانہ کو متعین کر دیا۔ جنہیں فقہائے کرام نے با ضابطہ کتب فقہ میں مدون کیا۔

فجر کی ابتداء فجر ثانی (صبح صادق) کے طلوع سے ہوتی ہے اور جب تک سورج طلوع نہ ہو۔ اس کا وقت رہتا ہے۔

ظہر کی ابتداء اس وقت ہوتی ہے جب آفتاب نصف النہار سے ڈھلنے لگے۔ اور انتہا اس وقت جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر یا دگنا ہو جائے۔

عصر کی ابتداء ظہر کا وقت ختم ہونے کے بعد ہوتی ہے۔ اور انتہا سورج کے غروب ہونے پر۔

مغرب کی ابتداء سورج کے غروب ہو جانے کے بعد ہوتی ہے اور انتہا شفق غائب ہونے پر۔

عشاء کی ابتداء شفق غائب ہونے کے بعد ہوتی ہے اور انتہا فجر ثانی (صبح صادق) کے طلوع ہونے تک۔

۳ ۔ دوسری اہم شرط استقبال قبلہ ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچے تو کچھ عرصہ

تک تو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ کیونکہ یہی انبیائے سابقین کا قبلہ تھا۔ مگر بیت المقدس سے بھی زیادہ مقدس کعبہ شریف تھا۔ جسے خود انبیائے سابقین کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا تھا۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر خدمت اقدس میں عرض کیا کرتے تھے۔

"یا رسول اللہ لو اتخذنا من مقام ابراھیم مصلیٰ"

(اے اللہ کے رسول کیا اچھا ہوتا اگر ہم مقام ابراہیم کو اپنا قبلہ قرار دیتے)

خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی خواہش تھی کہ کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں۔ اور اسی لئے آپ اکثر آسمان کی طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھا کرتے کہ شاید اس آرزو کی تکمیل کے لئے وحی الٰہی نازل ہو جائے۔ اور پھر اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کی یہ دلی آرزو پوری کر دی۔ اور وحی نازل ہوئی۔

"قد نریٰ تقلب وجھك فی السماء فلنولینك قبلۃ ترضاھا فول وجھك شطر المسجد الحرام وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ۔"

یہ تمہارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں۔ تو ہم اس قبلے کی طرف تمہیں پھیرے دیتے ہیں۔ جسے تم پسند کرتے ہو مسجد حرام کی (کعبہ شریف) کی طرف رخ پھیر دو۔ اب جہاں کہیں تم ہو، اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی۔ جبکہ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ لہٰذا آپ نے نماز میں ہی رخ تبدیل کر دیا۔ اور کعبہ شریف کی جہت میں نماز پڑھنے لگے۔ ایک صحابی جنہوں نے یہ نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھی تھی، قوم انصار کے پاس سے گزرے، جبکہ وہ لوگ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ اور شہادت دی کہ اس نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی اور آپ نے کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے اسے ادا کیا۔ یہ سننا تھا کہ شمع رسالت کے پروانوں نے اپنا رخ موڑ کر کعبۃ اللہ شریف کی طرف کر لیا۔

اس واقعہ سے "استقبال قبلہ" کی شرط کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مگر "استقبال قبلہ" اہمیت صرف اتنی ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ شعائر اسلام میں سے ایک انتہائی اہم شعار ہے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"جو شخص ہماری نماز پڑھے اور (نماز میں) ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے۔ اور ہمارا ذبیحہ کھائے۔ وہی مسلمان ہے۔ جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ذمہ لیا ہے"۔

دوسری حدیث میں ہے۔

"مجھے جہاد و قتال کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ لوگ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کریں۔ ہماری نماز پڑھیں ہمارے قبلہ کی طرف (نماز میں) منہ کریں۔ ہمارا ذبیحہ کھائیں۔ اس وقت ہم پر ان کا خون اور اسی طرح ان کا مال حرام ہے سوائے ان کی شرعی ذمہ داریوں کے"۔

اس طرح اوقات نماز کے لئے صبح صادق اور آفتاب کے طلوع ہونے، زوال (آفتاب کے نصف النہار سے ڈھلنے) سایہ کے برابر یا دوگنا ہونے، غروب آفتاب اور شفق کے غائب ہونے کے صحیح اوقات کی پہچان) اسی طرح مکہ معظمہ میں رہنے والوں کے

لئے) کعبہ کی سمت (اور مکہ شریف سے باہر رہنے والوں کے لئے) مکہ معظمہ کی جہت کا جاننا مذہبی فریضہ ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں (صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو کچھ تو عہد نبوی کی قربت نے جس "فراست مومن" سے خصوصیت کے ساتھ نوازا تھا اس "فراست مومن" نے اور کچھ ملک کی جغرافیائی و طبیعی خصوصیات کی بنا پر صاف مطلع نے اس میں اہتمام کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مزید زحمتوں سے بے نیاز کر دیا تھا۔

مگر بعد کے لوگوں بالخصوص دور دراز کے علاقوں کے باشندوں کو اس باب میں دقتوں کا ہونا فطری تھا۔ مثلاً ان ملکوں میں جہاں " یا ان اوقات میں جبکہ مطلع صاف نہ ہو طلوع و غروب آفتاب یا فجر اول (صبح کاذب) اور شفق کے غائب ہونے کے صحیح اوقات کی معرفت دشوار تھی۔ اسی طرح صحیح اور حقیقی سمت قبلہ کی دریافت کے لئے پہلے صحیح اور حقیقی سموت اربعہ مشرق، مغرب اور شمال و جنوب کی معرفت شرط اولیں تھی۔ ظہر اور عصر کے وقت کے لئے سایہ کے برابر یا دگنا ہونے کی تحقیق سے پہلے اس بات کی تحقیق ضروری تھی کہ جس چیز کا سایہ ناپنا ہے وہ بالکل عموداً قائم ہے یا کچھ ترچھی ہے۔

بہرحال "لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا" کے ارشاد ربانی کے تحت لوگ اپنی اپنی "فراست مومن" کی مدد سے "تحری" کے ذریعے اوقات و جہات کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ بایں ہمہ ان کا جذبہ صحت پسندی و دقت نظری صحیح اوقات و جہات کی معرفت کے لئے نئے طریقوں کی تلاش میں رہا۔

خلافت راشدہ میں دو نئی چنوتیوں (CHALLENGE) کا سامنا کرنا پڑا۔ عہد نبوی میں حکومت کو جو آمدنی ہوتی تھی (خواہ مال غنیمت سے خواہ صدقات و زکوٰۃ سے) وہ فوراً ہی مستحقین میں تقسیم ہو جاتی تھی۔ عہد صدیقی میں بھی یہی طریقہ جاری رہا لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں جب اسلامی فتوحات کا دائرہ زیادہ وسیع ہوا اور مال غنیمت زیادہ مقدار میں آنے لگا۔ تو بیت المال قائم کیا گیا۔ جس کی نگہداشت (MAINTENANCE) کیلئے علم الحساب سے واقفیت کی اشد ضرورت تھی۔ پھر لوگوں کی اقتصادی حالت بہت اچھی ہو گئی تھی۔ اور وہ ترکہ میں بڑی بڑی رقمیں چھوڑنے لگے۔ اسلام کے منصفانہ نظام وراثت کی رو سے یہ ترکہ زیادہ سے زیادہ ورثہ میں تقسیم ہوتا تھا۔ اس سے مناسخہ کے پیچیدہ مسائل پیدا ہونے لگے۔ ان سے عہدہ برآ ہونا بھی ضروری تھا۔ ادھر صدر اسلام کے عربوں کی حساب دانی کا یہ عالم تھا کہ ان کی لغت میں اس کی کثرت و ثروت کے باوجود "الف" (ہزار) سے زیادہ بڑے عدد کی تعبیر کے لئے کوئی مستقل لفظ نہیں تھا۔ مگر ان مشکلوں پر قابو پانا ضروری تھا۔ ان تمام وجوہ کی بنا پر حساب میں تبحر و تمہر ناگزیر ہو گیا۔ اس وقت اسلامی سماج کے ترقی پسند تقاضے ان چیزوں کا مقابلہ کرنے کے لئے سامنے آئے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مسلمانوں سے اکثر کہا کرتے تھے۔

"اذا لهوتم فالهوا بالرمی واذا تحدثتم فتحدثوا بالفرائض"۔

(جب تم کھیلو تو تیر اندازی کا کھیل کھیلو، اور جب آپس میں بات چیت کرو تو مسائل وراثت کے بارے میں بات چیت کرو)

دوسری چنوتی مفتوحہ اراضی کی شکل میں سامنے آئی۔ ۱۶ھ میں سواد عراق کا علاقہ فتح ہوا۔ جسے حضرت عمر نے خراج پر مفتوحین ہی کے پاس رہنے دیا۔ تشخیص خراج کے لئے زمین کی پیمائش ضروری تھی۔ مگر عرب قدیم اقتصادی طور پر گلہ بانی کی منزل کو بھی کما حقہٗ طے نہ کر پایا تھا۔ ضرور

معیشت کا کیا سوال تھا۔ اور زرعی معیشت نہ ہوتو پیمائش زمین کا مسئلہ کیوں اٹھتا۔ عرب گنتی ہی ہزار تک جانتے تھے۔ پیمائش کے طریقے یا مساحت (MENSURATION) سے کیوں واقف ہوتے۔ مگر یہاں بھی ترقی پذیر سماج کے تقاضوں نے ان کی مشکل کو حل کر لیا۔ تشخیص خراج اور اس کے لئے مساحت زمین کی ذمہ داری حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صاحب کو تفویض کی۔ جن کا نام عثمان بن حنیف تھا۔ انہوں نے یہ کام باحسن وجوہ انجام دیا۔ اور اس طرح اسلامی معاشرہ مساحت سے آشنا ہوا۔ جو علم ہندسہ (GEOMETRY) سے واقفیت کے لئے پہلا قدم ہے۔

اوپر ذکر آچکا ہے کہ شروع میں مسلمان مجبوراً "تحرّی" اور اندازہ سے کام لیتے تھے۔ جو تقریباً صحیح ہوتا تھا۔ بایں ہمہ تمدنی ترقی کے نتیجے میں ثقافتی صحت پسندی (EXACTITUDE) تحدید و تدقیق کی متقاضی تھی اور ریاضیاتی صحت (METHEMATICAL EXACTITUDE) اور دقت نظری کی ضرورت کا احساس بڑھتا جا رہا تھا۔ لہٰذا ان تقاضوں اور ضرورتوں کی تکمیل کے ذرائع کی تلاش فطری تھی۔

مثلاً ظہر اور عصر کی نمازوں کے لئے زوال اور مثل و مثلین کی دریافت پہلا قدم کسی چھڑی کا زمین پر گاڑنا تھا۔ اندازہ کی حد تک تو چھڑی وغیرہ عمود ہی ہوتی ہوگی۔ لیکن کیا وہ عمودی ہے۔ اور جس زمین پر وہ گاڑی گئی ہے۔ وہ مستوی اور جو رس تیز دائرہ افق کے متوازی ہی ہے؟ اس کی تحقیق و تدقیق ثقافتی صحت پسندی کا دوسرا قدم تھی۔ اس کے لئے ماہرین کی تدبیروں سے فائدہ اٹھایا گیا۔ جو اس مقصد کے لئے ایک ہندسی تدبیر (GEOMETRICAL DEVICE) سے کام لیتے تھے۔ اور جسے متاخرین کے یہاں "دائرہ ہندیہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے جس مقام پر چھڑی گاڑی گئی ہے۔ اسے مرکز مان کر ایک دائرہ کھینچا جاتا ہے۔ اس دائرے کے محیط پر تین نقطے لگائے جاتے تھے۔ اگر چھڑی کے بالائی سرے سے ان تینوں نقطوں کا فاصلہ برابر ہو تو چھڑی عمود ہوگی۔ ورنہ نہیں۔

جہاں تک ٹیکنالوجی (TECHNOLOGY) کا تعلق ہے۔ اہل فن کے مدت دراز کے تجربے ہی عمل کی صحت کے ضامن تھے۔ مگر "ولکن لیطمئن قلبی"۔

ورثہ ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہے۔ یہ مسلمان اس جویائے تحقیق ہستی کے اخلاف تھے۔ جسے بارگاہ ایزدی میں بھی اپنی ذہنی خلش مٹانے کے لئے۔

"رب ارنی کیف تحی الموتیٰ"

(اے میرے رب تو کیسے مردوں کو زندہ کرتا ہے۔

کہنے میں باک نہ ہوا اور جب ندائے ربانی۔

"اولم تؤمن"

(کیا تو اس پر ایمان نہیں رکھتا)

سنی تو "ولکن لیطمئن قلبی" (لیکن صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرا قلب مطمئن ہو جائے) کہہ کر اس بے باکی کی معذرت کر لی۔ لہٰذا اس کے اخلاف اپنے ہی جیسے انسانوں کے دریافت کئے ہوئے اصول و ضوابط پر کیوں ایمان لاتے۔ لہٰذا اہل فن کے بتائے ہوئے اصول و تدابیر کی صحت کے ثبوت کی تلاش فطری تھی۔

اسی اثناء میں خلافت راشدہ کے اختتام سنہ ۴۰ھ کے بعد اموی خلافت برسر اقتدار آچکی تھی۔ اور دمشق ان کا دار الخلافہ تھا۔

جو کسی زمانہ میں بازنطینی سلطنت کے ایک اہم صوبے شام کا صدر مقام رہ چکا تھا۔ اس لئے مسلمانوں کا مسیحی علماء سے ارتباط واختلاط ایک قدرتی امر تھا۔ انہیں نصرانی علماء نے ان کی توجہ یونانی علم وحکمت کے ذخیروں کی طرف دلائی جو قیصر روم کی مملکت کے غیر معروف کتب خانوں میں مقفل تھے۔ لہٰذا ان کی تلاش اور استفادے کی کوشش فطری تھی۔ اس کوشش نے عملی شکل پہلی مرتبہ خالد بن یزید بن معاویہ کے یہاں حاصل کی۔ اس نے اپنے جذبہ ازدیاد دولت کی آسودگی کے لئے کیمیا کی کتابوں کا یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کرایا اور کیمیا کے طفیل میں کچھ طب ونجوم کے رسالوں کا ترجمہ ہوا۔

مگر ظاہر ہے خالد کا یہ جذبہ بڑا گھٹیا تھا۔ کوئی علمی تحقیق اس کی محرک نہ تھی۔ مثلاً مساحت کے جو گُر پیمائش زمین کے سلسلہ میں کام میں لائے جاتے تھے۔ ان کی صحت کا سائنٹفک ثبوت۔ یا مثلاً "دائرہ ہندیہ" میں جو چھڑی گاڑی جاتی تھی اور اس کے عمود ہونے کے لئے جو اس کے بالائی سرے سے دائرہ کے محیط کے تین نقطوں کے فاصلے کی برابری کی شرط، اس کا ہندسی ثبوت۔ جن مسیحی علماء سے مسلمان اہل علم کا تبادلہ خیال ہوتا تھا۔ انہوں نے مطلوبہ صحت کے ثبوت کے لئے اقلیدس کی اصول ہندسہ (ELEMENTS OF EUCLID) کے مطالعہ کا مشورہ دیا۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس کتاب کے مطالعہ کا شوق دامنگیر ہوا۔

اموی جابرہ کو تو اس علمی وتحقیقی جذبے کی آسودگی کا انتظام کرنے کی توفیق ہوئی نہیں۔ البتہ جب عباسی خاندان برسر اقتدار آیا تو اس نے اس طرف توجہ کی۔ چنانچہ دوسرے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور (۱۳۶ - ۱۵۸ھ) نے اپنے ہم عصر بازنطینی بادشاہ کو لکھا کہ تمہارے ملک میں ریاضیات وطبیعیات کی جو کتابیں ہوں انہیں ترجمہ کرا کر بھیج دو۔ قیصر نے اس کے جواب میں جو کتابیں بھیجیں۔ ان میں "اصول اقلیدس" بھی تھی۔ جو حسب تصریح ابن خلدون پہلی یونانی کتاب ہے جو عربی میں ترجمہ ہوئی۔ مسلمانوں نے اسے پڑھا اور اس سے فائدہ اٹھایا

مگر "خوب سے خوب تر کی تلاش" کے جذبے نے انہیں اس ترجمے (نقل منصوری) پر قناعت نہ کرنے دی۔ وہ زیادہ صحیح اور بہتر طور پر اس کتاب کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔ اور ہارون الرشید کے عہد خلافت (۱۷۰ - ۱۹۳ھ) میں حجاج بن یوسف بن مطر نے اس کا نیا ترجمہ کیا۔ لیکن حجاج بھی اپنے ترجمہ سے مطمئن نہ ہوا، اور اس نے ہارون کے بیٹے المامون (۱۹۸ - ۲۱۸ھ) کے عہد میں اس کا دوبارہ ترجمہ کیا۔ پھر بھی اسلامی ذہن کا "خوب سے خوب تر کی تلاش" کا جذبہ مطمئن نہ ہوا۔ اور تیسری صدی کے آخر میں اسحاق بن حنین اور ثابت بن قرہ نے اس کتاب (اصول اقلیدس) کے ترجمے کئے۔ اور بھی لوگوں نے ترجمے کئے۔ جن کی تفصیل موجب تطویل ہوگی۔ آخر میں ساتویں صدی ہجری کے وسط میں محقق طوسی نے حجاج اور ثابت کے ترجموں کی مدد سے "تحریر اصول اقلیدس" کے نام سے اس کا ایک نیا ایڈیشن مرتب کیا۔ علمی افادیت کے لئے اس کے ملخص تیار کئے گئے جیسا کہ محمد بن اشرف سمرقندی کی "اشکال التاسیس" جس پر قاضی زادہ رومی (شارح ملخص چغمینی) نے شرح لکھی (۸۱۵ھ)

پھر اسلام کے اجتماعی ذہن کی حریت پسندی نے صرف ترجمہ ہی پر اکتفا نہیں کیا۔ اس فن کے دقائق وغوامض کے افہام وتفہیم کے لئے اس کی شروح لکھیں۔ اور مغلق مقامات کی توضیح کے لئے مستقل کتب ورسائل تصنیف کئے۔ جیسا کہ محقق طوسی نے مسئلہ توازی خطوط[۸] (PARALLEL POSTULATE) کی توضیح کے سلسلے میں اپنے پیشروؤں کی تحقیقات کے ساتھ اپنی تحقیق کو بھی "الرسالۃ الشافیۃ" میں قلمبند کیا۔

اس تفصیل سے نہ صرف "اصول اقلیدس" کے ساتھ مسلمانوں کے اہتمام کا اندازہ ہوتا ہے۔ بلکہ امت مسلمہ کے اجتماعی ذہن کی "افادیت پسندی" کا بھی کہ یہ سب کچھ ذہنی عیاشی کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ اسلامی سماج کے ترقی پذیر تقاضوں کا نتیجہ تھا۔

یہ تھا اسلام کے اجتماعی ذہن کے خوب سے خوب تر کی تلاش کا ایک اجمالی جائزہ جو اس نے صرف چھڑی کو عموداً گاڑنے اور اس بات کا اطمینان کرنے کے سلسلہ میں کی کہ وہ سطح زمین پر عموداً قائم ہے' یا مساحت (MENSURATION) اور پیمائش زمین (LAND MEASUREMENT) کے "گردوں" (FORMULA) کی صحت کے ثبوت کے سلسلے میں کی۔ لیکن خود سطح زمین کا مسئلہ کبھی کچھ کم کاوش کا مقتضی نہ تھا یعنی یہ دیکھنا کہ وہ جگہ جہاں چھڑی گاڑی جا رہی ہے۔ سطح مستوی ہی ہے اور دائرہ افق (HORIZON) کی متوازی ہے۔ اس کے لئے "گونیا" اور "شاقول" (PLUMB LINE) کی استمداد تو قریبا قرن کے انسانی تجربے نے مہیا کر دی۔ مگر یہاں بھی اس کے جذبہ "ولکن لیطمئن قلبی" کا تقاضا سمند تحقیق پر تازیانہ بن گیا۔ اس کے لئے نہ صرف علم الحیل (میکانکس) (MECHANICS) بلکہ طبیعیات (PHYSICS) کے اس جزیرہ وقوف حاصل کرنے کا سوال پیدا ہوا جو مدرسوں میں "ما یعم الاجسام" اور کالجوں میں (GENERAL PROPERTIES OF MATTER) کہلاتا ہے۔ اور پھر پوری ارسطاطالیسی طبیعیات پر۔

یہی وجہ تھی کہ عباسیوں کے برسر اقتدار آنے کے بعد اجتماعی ذہن کے "خوب سے خوب تر کی تلاش" کے جذبہ اور لیطمئن قلبی کے شوق فراوانی نے خلیفہ ابو جعفر منصور کے اس مطالبہ کی شکل اختیار کر لی۔ جو اس نے بازنطینی بادشاہ سے ریاضیات و طبیعیات کی کتابوں کو عربی میں ترجمہ کرا کر بھیجنے کے لئے کیا گیا تھا۔ اور جس سے متاثر ہو کر برامکہ نے سلام الابرش سے ارسطو کی طبیعیات کا ترجمہ کرایا۔

بات شروع ہوئی تھی اوقات نماز کی تحدید اور مکہ معظمہ کی سمت دریافت کرنے سے زوال (یا زیادہ واضح و متعین الفاظ میں آفتاب کے نصف النہار پر پہنچنے) کا تعین نسبتاً آسان تھا۔ "دائرہ ہندیہ" میں جب چھڑی کا سایہ کم ہو کر محیط پر پہنچے تو اس مقام پر ایک نشان لگا دیا جاتا ہے۔ اور جب وہ بالکل گھٹ کر بڑھنا شروع ہوتا ہے تو دوبارہ دائرہ کے محیط پر پہنچتا ہے۔ وہاں دوسرا نشان لگا دیا جاتا ہے۔ دونوں نشانوں کو مرکز سے ملا کر جو زاویہ بنتا ہے۔ اس کی تنصیف کی جاتی ہے۔ خط منصف (BISECTOR) خط شمال و جنوب (یا خط نصف النہار) ہوتا ہے۔ جب چھڑی کا سایہ اس خط پر منطبق ہو (یا خط استواء پر بالکل نابود ہو جائے) وہی زوال کا وقت ہوتا ہے۔ مگر غروب آفتاب کے وقت کا تعین جس پر نماز مغرب کے ساتھ روزہ افطار کرنے کا بھی مدار ہے۔ زیادہ مشکل ہے۔ حدید البصر اور تیز نگاہ عرب جسے اپنے ملک کے صاف مطلع کی سہولت حاصل تھی' بآسانی اس کا مشاہدہ کر لیتا تھا۔ لیکن دوسرے مقامات جہاں یہ سہولتیں نہ ہوں۔ اور جہاں شام کو کبھی کبھی ایسی گھنگھور گھٹا چھا جاتی ہے کہ دن اور رات کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ اس وقت "فراست مومن" کی تائید و تصدیق کے لئے علم ہیئت کے متعلقہ مباحث سے واقفیت ناگزیر ہو جاتی ہے۔ جن کی شہادت خود قرآن نے

"والشمس والقمر بحسبان" — سورج اور چاند ایک حساب کے پابند ہیں

فرما کر دی ہے۔ بلکہ جن سے استمداد کے لیے ہم بفحوائے آیہ کریمہ

"لتعلموا عدد السنين والحساب" — تاکہ تم اس سے برسوں اور تاریخوں کے حساب معلوم کرو۔

مامور ہیں۔ یہ ضروری اور متعلقہ مباحث ہیں: "قوس النہار" اور "تعدیل النہار" کی پیمائش' نیز آفتاب کی حرکت وسطی (MEAN MOTION)

کی واقفیت جو ہمیشہ یکساں نہیں رہتی۔ بلکہ بدلتی رہتی ہے۔ اول الذکر کے لئے علم ہیئت کے متون اور ثانی الذکر کے لئے زیجوں (ASTRONOMICAL TABLES) اور تقویموں (ALMANACS) کا مراجعہ ناگزیر ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آفتاب "قوس النہار" کے اس جزء کو جو نصف النہار اور مغربی افق کے درمیان میں واقع ہے کتنی دیر میں طے کرے گا۔ یہی غروب کا وقت ہے۔

اسی تلاش وجستجو کا نتیجہ تھا کہ مذکور الصدر خلیفہ ابو جعفر منصور کے عہد میں جہاں علم ہندسہ (GEOMETRY) کے کلاسیکی شاہکار "اصول اقلیدس" کا عربی میں ترجمہ ہوا۔ وہیں علم ہیئت کے عظیم شاہکار "کتاب المجسطی (ALMAGEST) کا بھی ترجمہ ہوا جو نہ صرف یونان کی ہیئتی عبقریت کا ماحصل تھی۔ بلکہ جو علم ہیئت کی ادبیات عالیہ میں اپنا منفرد مقام رکھتی ہے۔

مگر بات "قوس النہار" کی پیمائش ہی پر ختم نہیں ہو جاتی۔ کیونکہ علم ہیئت میں "غروب آفتاب" سے مراد قرص آفتاب (SOLAR DISC) کے مرکز کا افق مغرب کے نیچے چلے جانا ہے۔ حالانکہ شریعت میں جس غروب کا اعتبار ناگزیر ہے۔ وہ پورے قرص آفتاب کا غروب ہے یعنی جبکہ قرص آفتاب کا مشرقی کنارہ بھی افق مغرب کے نیچے چلا جائے۔ بالفاظ دیگر اس وقت پر جو آفتاب کے مرکز کو نصف النہار سے اُفق مغرب تک کا فاصلہ طے کرنے کے لئے درکار ہے۔ اس وقت کا بھی اضافہ کیا جائے جو قرص آفتاب کے نصف قطر کو (جو آفتاب کے مرکز اور اس کے مشرقی کنارہ کا درمیانی فاصلہ ہے) اس حرکت وسطیٰ سے طے کرنے کے لئے درکار ہوگا۔

اور اس کے لئے آفتاب کے نصف قطر (یا قطر) کا جاننا شرط اولین ہے۔ لہٰذا "علم الابعاد والاجرام" پر وقوف لازم ہوگیا۔ یونانیوں میں اس موضوع پر مستند کتاب ارسطرخس (ARISTARCHUS) کی "کتاب جرمی النیرین" تھی۔ مگر ماہرین (خواہ افاضل اسلام ہوں یا یورپی ہیئت دان) اتفاق ہے کہ اس کی دریافتیں ناقص ہیں۔ اور ہر چند کہ جو اصول اس نے استعمال کئے تھے۔ مناسب ہیں۔ مگر عملاً اس سے فرگذاشتیں ہوئی ہیں۔ لہٰذا ان کی تصحیح ضروری تھی۔

لیکن کس طرح؟ بتایا گیا کہ یہ پیمائش آلات رصدیہ (ASTRONOMICAL INSTRUMENTS) بالخصوص "ذات الشعبتین" کی مدد سے کی جا سکتی ہے۔ اس لئے آلات رصدیہ کی تیاری اور استعمال کے علم کی طرف توجہ فطری تھی۔

کچھ اسی طرح کی کاوش پیہم "استقبال قبلہ" کے سلسلہ میں کی گئی۔ اس کی ابتدا بھی "دائرہ ہندیہ" سے ہوئی۔ مگر "صحت اور مزید صحت" کی تلاش کا جذبہ اپنی تشنگی کی آسودگی کے لئے علم المثلثات الکرویہ (SPHERICAL TRIGNOMETRY) کی ترقی کے لئے ایک عامل قوی بن گیا۔ مگر اس کی تفصیل جیسا کہ بار بار معذرت کی جا چکی ہے۔ موجب تطویل ہوگی۔

یوں بھی قلت وقت اور اس سے زیادہ کاغذ کی تنگ دامانی، اُن فیوض وبرکات کا احاطہ کرنے سے مانع ہیں جو علم وتہذیب کی ترقی کو معارف محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچے ہیں۔

علمی سوال کا جواب

اس پیشکش کی ابتداء میں ایک علمی سوال اٹھایا گیا تھا،

"کیا آج کے سائنسی دور میں اسلام اپنے اصولوں پر کسی قسم کا سمجھوتا کئے بغیر زندگی کے ترقی پذیر دھاروں

کے ساتھ چل سکتا ہے یا نہیں؟"

اور اس سوال کا جواب ہمیں ایک دنیا دار کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ایک دیندار مسلمان کی حیثیت سے دریافت کرنا ہے۔

اسلام کی بنیادی تعلیم محض اتنی ہے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

یعنی اللہ (رب العزۃ) کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

اس بنیادی تعلیم کا پہلا جزو یعنی "اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں" ایمان باللہ ہے۔ اور دوسرا جزو یعنی "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں" ایمان بالرسالہ ہے۔

"ایمان باللہ" کا ماحصل یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا معبود سمجھے اور صرف اسی کی عبادت کرے۔ لیکن قرآن اس "توحید ربوبیت" کو محض ایک تکوینی حقیقت بتانے ہی پر اکتفا نہیں کرتا۔ یہ ایک تشریعی حقیقت بھی ہے اور اسے ایک "حکم قطعی CATEGORICAL IMPERATIVE" کی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ حسب تصریح قرآن حکیم مرد مومن جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مامور ہے اسی طرح اسے غیر اللہ کی عبادت سے باز رہنے کا بھی حکم ہے۔

"وقضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایاہ"۔ اور حکم کر چکا تیرا رب کہ نہ پوجو اس کے سوا۔

اور یہ غیر اللہ کی عبادت (شرک) یعنی اللہ کے سوا کسی دوسرے کے آگے سر جھکانا۔ اسلام کے نظام اقدار میں ایک ناقابل عفو و درگزر گناہ ہے۔

"ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء ومن یشرک باللہ فقد افتریٰ اثما عظیما"

بے شک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک ٹھہرائے۔ اس کے سوا جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔ اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا وہ سخت گمراہ ہوا۔

یہ "توحید ربوبیت" اسلام کی تعلیمات کا سنگِ بنیاد ہے۔ اور یہی "توحید ربوبیت" اسلامی ثقافت اور "اسلامک کلچر" کا اصل الاصول ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بالفاظ دیگر اللہ رب العزت کے سوا انسان کا کوئی آقا نہیں۔ سب اس کے محکوم ہیں۔ وہی کائنات کی سب سے افضل و اشرف مخلوق ہے۔

اس تعلیم کا منطقی نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ پیروان اسلام کائنات کے سامنے بھکاری بن کر نہیں۔ بلکہ شکاری بن کر پہنچے اور فطرت کی ظاہر اور پوشیدہ قوتوں کو تسخیر کر کے اپنے مقاصد کے مطابق استعمال کیا۔ اسی کا نام تسخیر کائنات ہے۔ جس کے لئے قرآن رہنمائی افزائی کرتا ہے۔ اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

اور اسی "تسخیر کائنات" اور ارض و سماء کی پوشیدہ قوتوں کی واقفیت کا نام "علم طبیعی" ہے۔ اور "نیچرل سائنس" ہے اور اس کے حصول کا محرک حقیقی "ایمان باللہ" یا توحید ربوبیت پر ایمان ہے۔

اسلام کی بنیادی تعلیم کا دوسرا جزو "ایمان بالرسالہ" ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ:-

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں"

لہٰذا آپ نے جو کچھ فرمایا۔ وہ حق ہے۔ اور جس بات کے کرنے کا حکم دیا، وہ اسی طرح واجب التعمیل ہے۔

جس طرح احکام الٰہی کی بجا آوری ۔ چنانچہ قرآن کریم جہاں اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کا حکم دیتا ہے ۔ وہیں فرمودات نبوی کی بجا آوری پر بھی مامور کرتا ہے ۔

"اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول"

کے فرمان واجب الاذعان سے قرآن حکیم کے صفحات معمور ہیں ۔ در خدا اور اس کے رسول کے احکام کی بجا آوری اسلام کا حکم ناطق ہے جس میں کسی کوتاہی و سرتابی کی گنجائش نہیں ہے ۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے ۔

"وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرة من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً"

اور نہ کسی مسلمان مرد ، نہ مسلمان عورت کو حق پہنچتا ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کچھ فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بے بیشک صریح گمراہی میں پڑا ۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں کو جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت اور نیکوکاری اختیار کرنے اور برائیوں سے باز رہنے کا حکم دیا ہے اسی طرح ان کو یہ بھی حکم ہے کہ خود کو اوصاف حمیدہ سے متصف کریں اور ان اوصاف حمیدہ کے چندن ہار میں واسطۃ العقد "علم و حکمت" ہے ۔

لہٰذا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ وہ علم حاصل کریں ۔ ہر چند کہ اس کے حاصل کرنے کے لئے انتہائی مشقت حتیٰ کہ اقصائے عالم کا سفر ہی کیوں نہ کرنا پڑے ۔

"اطلبوا العلم ولوکان بالصین"

علم کو تلاش کرو ، خواہ وہ چین (اقصائے عالم) ہی میں کیوں نہ دستیاب ہو

پھر اس "حکم ناطق" کو مزید موکد بنانے کے لئے " " کے لفظ سے تعبیر کیا ۔ جس میں کوتاہی کی کوئی گنجائش نہیں ہے ۔

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ ۔

علم کو طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے ۔

یہی نہیں ، بلکہ آپ نے علم و حکمت کی متاع گم گشتہ قرار دیا ۔ اور دوسروں کے مقابلے میں اسے حقدار بنا کر اسے اس کے حصول کی ہمت افزائی کی ۔

"کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن اینما وجدھا فھو احق بھا"

اس طرح ایک جانب "توحید ربوبیت" کی تعلیم کا مقتضا تھا جو اسلامی تعلیمات کا اصل الاصول ہے ۔ اور دوسری جانب اپنے ہادی برحق کا ارشاد ــــ جس کی بجا آوری صلاح معاش و فلاح معاد کی ضامن ہے ۔ نفسیاتی طور پر ان عوامل کا نتیجہ یہ ہوا کہ امت مسلمہ کا اجتماعی ذہن شروع ہی سے جہاں رموز دین کی شرح و ایضاح کی طرف متوجہ ہوا ۔ وہیں کائنات کے اسرار کی دانشگافی پر مرکوز ہوگیا ۔ جس کے نتیجے میں نبی امی کے امتیوں نے نہ صرف حکمائے سابقین افلاطون و ارسطاطالیس ، اقلیدس ، وبطلیموس اور بقراط و جالینوس کے اغلاط کی تصحیح کی ۔ بلکہ آنے والے عہد تنویر کے علمبرداروں کے لئے بھی سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی کا راستہ ہموار کر دیا ۔

لہٰذا اگر ماضی میں یہ سب کچھ ہوا تو پھر مستقبل میں کیوں نہ ہو

وما ذلک علی اللہ العزیز

سلسلہ نعت

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

ذوقِ سخن

عبد الوہاب عاصم
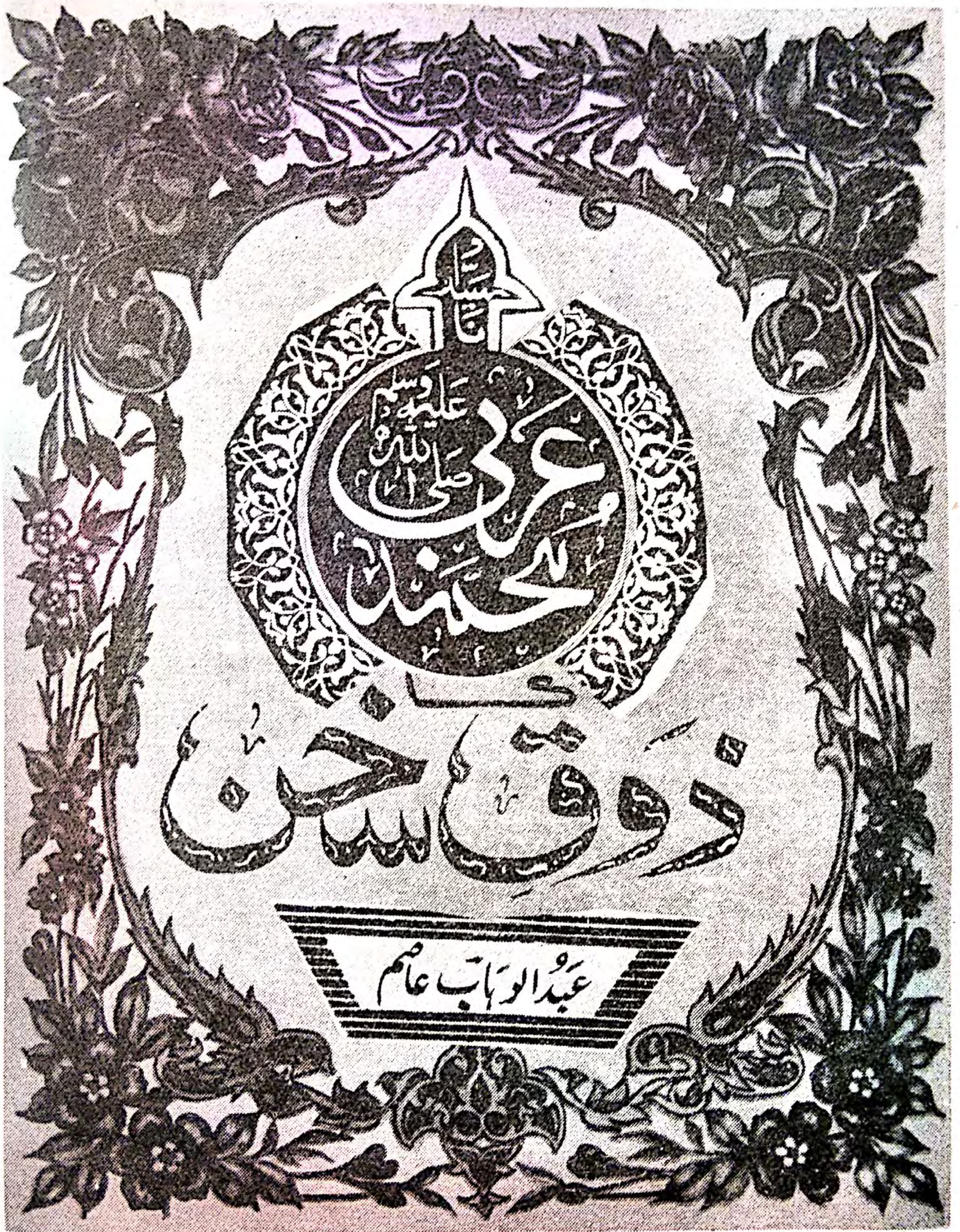
علم بیان کے وہ اسباب جو شعر و شاعری کی جان ہیں۔ قرآن کریم میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ مثلاً الفاظ و معانی کا حسن، ترتیب کلمات کی متانت، طرز بیان کی جدت، ہم قافیہ

جملوں کا تواتر، تشبیہ، استعارہ، کنایہ، تمثیل وغیرہ کی دل کشی، حقائق اور جذبات کا اہتمام غرض ایک عروضی وزن کے سوا وہ سب باتیں جو کلام میں شعریت پیدا کرتی ہیں، قرآن کریم میں بدرجہ اتم موجود ہیں، بلکہ کہیں کہیں موزوں جملے بھی پائے جاتے ہیں، مثلاً :

۱-	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	مفعولن مفعولن فاعلات
	قرآن کی پہلی آیت	بحر سریع مقطوع مطوی موقوف
۲-	ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ	فاعلاتن فاعلاتن فاعلات
	سورہ بقرع ۱۰ آیت ۸۴	بحر رمل مسدس مقصور
۳-	ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۤءِ تَقْتُلُوْنَ	فاعلاتن فاعلاتن فاعلات
	سورہ بقرع ۱۰ آیت ۸۵	بحر رمل مسدس مقصور
۴-	لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا	فاعلاتن فاعلاتن فاعلن
	سورۂ آل عمران ع ۱۰ آیت ۹۱	بحر رمل مسدس محذوف
۵-	اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ	فعلن فعلن فعلن فعلن
	سورۂ کوثر، ع ۱ آیت ۱	بحر متقارب مثمن اثلم

بسم اللہ، ایکہ منکر شعری بگو جواب
موزوں چراست آنکہ بقرآں مقدم است

علیٰ ہذا القیاس لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کا وزن ہے، مفعولُ مفاعیلُ مفاعیلن فاع (بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف اخوم اہتم)، جو رباعی کا وزن ہے۔

ان شواہد سے ظاہر ہے کہ محض شعر کہنا یا سننا سنانا کسی طرح محل اعتراض نہیں بلکہ فن شعر کا غلط استعمال باعث غوایت اور صحیح استعمال موجب ہدایت اور قابل تحسین و ستائش ہے۔ یہی وجہ تھی کہ دربار رسالت سے ایسے شعراکی وقتاً فوقتاً حوصلہ افزائی فرمائی جاتی تھی۔

آپ کا ذوقِ سخن

جس طرح یہ مسلم ہے کہ آپ نے کبھی شعر نہیں کہا نہ شعر کہنا آپ کو زیبا تھا، اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کو شاعرانہ کلام سے دلچسپی تھی، شعر سنتے تھے۔ شعر پر تنقید فرماتے تھے، شعراء کی حوصلہ افزائی کے لیے مناسب داد اور انعام دیتے تھے، آپ کی خدمت میں جمع ہو کر شعرا مشاعرے کرتے تھے اور کبھی کبھی زبان مبارک سے ایسے کلمات ادا ہوتے تھے جو شعر سے مشابہ ہوتے تھے۔ کبھی کبھی کسی شاعر کا کلام بھی آپ کی زبان پر آجاتا تھا، چنانچہ شمائل ترمذی میں صفتِ کلام رسول اللّٰہ فی الشعر کے عنوان سے ایک باب اسی قسم کی احادیث کا ہے، مثلاً :

۱- حضرت عائشہ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثال دینے کے لیے ابن رواحہ کے شعر پڑھتے تھے۔

۲- ایک مرتبہ آپ نے فرمایا شعرائے عرب میں لبید نے کیا ہی بہتر شعر (اشعر کلمہ) کہا ہے، اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ (سب چیزیں اللہ کے سوا فنا ہونے والی ہیں)

۳۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابت کے لیے مسجد میں منبر بچھواتے جس پر حضرت حسان کھڑے ہو کر رسول اللہ پر فخر کرتے اور جو آپ پر اعتراض ہوتے ان کا جواب دیتے اور آپ فرماتے: اِنَّ اللّٰہَ یُؤَیِّدُ حَسَّانَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَا نَافَحَ اَوْ فَاخَرَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم، یعنی اللہ تعالیٰ جبرئیل کے ذریعہ سے حسان کی مدد کرتا ہے جب تک وہ رسول اللہ کی طرف سے موافقت کرتے ہیں یا مفاخرت کرتے ہیں۔

۴۔ اسی ذیل میں یہ حدیث ہے۔ اَجِبْ عَنِّیْ اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ یعنی جواب دے میری طرف سے (اے حسان) یا اللہ مدد کر حسان کی جبرئیل کے ذریعے سے۔

۵۔ ایک مرتبہ پتھر کی چوٹ سے حضرت کی ایک انگلی زخمی ہو گئی اور خون بہہ نکلا۔ آپ نے فرمایا:

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِیْتِ
وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَا لَقِیْتِ

تو تو انگلی ہے خون میں بھری ہوئی اور جو تُو نے دیکھا راہِ خدا میں دیکھا ہے۔

۶۔ فتح مکہ کے بعد ۸ھ ہجری میں بنی ہوازن، بنی ثقیف وغیرہ آس پاس کے چند قبائل جمع ہو کر چاہتے تھے کہ مسلمانوں پر اُن کی بے خبری کی حالت میں حملہ کر دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو گئی۔ آپ ایک بڑی جماعت مسلمانوں کی لے کر ان کے مقابلہ کے لیے بڑھے۔ فریقین کے دلوں میں یہ حالت تھی کہ ایک طرف مسلمانوں کو اگرچہ اپنی جمعیت پر ناز تھا، لیکن یہ بھی مانے ہوئے تھے کہ اہلِ ہوازن کے تیر خطا نہیں کرتے۔ دوسری طرف اہلِ ہوازن کو اپنی قدر اندازی کا غرور تھا، لیکن یہ بھی اندیشہ تھا کہ عبدالمطلب کا وہ خواب اسی وقت صحیح نہ ہو جائے کہ رسول اللہ آخر کار ہم پر غالب آجائیں گے۔ بہرحال دونوں طرف سے امید و بیم کے ان جذبات کے ساتھ مقابلہ ہوا۔ بنی ہوازن نے اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ صورتِ حال کا اندازہ لگا کر حضور آگے بڑھتے جاتے تھے اور فرماتے تھے۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ
اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

مَیں نبی ہوں اس میں جھوٹ نہیں ہے، مَیں فرزندِ عبدالمطلب ہوں، یہ سن کر ایک طرف تو مسلمانوں کو جوش آیا کہ جب نبی برحق ہمارے ساتھ ہیں، پھر ہم کو کیا خطرہ ہے، دوسری طرف کفار کا دل دہل گیا کہ عبدالمطلب کے خواب کے صحیح ہونے کا وقت آگیا اور ابن عبدالمطلب ہمارے سر پر آپہنچا۔ غرض زبانِ مبارک سے جو کلمات ادا ہوئے کام کر گئے اور لڑائی کا نقشہ فوراً بدل گیا۔

(یہ روایت بخاری شریف میں بھی ہے)

۷۔ عمرۃ القضا کے سال آپ مکہ تشریف لائے۔ جس وقت حرم میں داخل ہوئے تو آگے آگے ابنِ رواحہ چلتے تھے اور شعر پڑھتے جاتے تھے۔ حضرت عمر نے کہا ابنِ رواحہ تم حرم شریف میں شعر پڑھتے ہو اور وہ بھی رسول اللہ کے سامنے۔ آپ نے فرمایا: عمر اسے چھوڑ دو واقعی ان لوگوں میں شعر کہنا تیر برسانے سے زیادہ کارگر ہوتا ہے۔

۸ - آپ کے سامنے صحابہ شعر پڑھتے (مشاعرے کرتے) اور جاہلیت کی بعض باتوں کا ذکر کرتے، تو آپ کبھی چپ رہتے اور کبھی مسکراتے۔ حضرت جابر بن سمرہ نے ایسے سو سے زیادہ مشاعرے سُنے تھے۔

۹ - عُمر بن شرید کہتے ہیں کہ مَیں نے اپنے والد سے سُنا، وہ کہتے تھے ایک مرتبہ مَیں رسول اللہ کے ساتھ سواری پر پیچھے بیٹھ کر کہیں گیا اور امیہ بن ابی صلت کے سو شعر آپ کو سنائے۔ جب کوئی شعر پڑھتا، آپ فرماتے "ہاں" (اور سناؤ) یہاں تک کہ مَیں نے سو شعر پڑھے۔ آپ نے فرمایا قریب تھا کہ اُمیّہ مسلمان ہو جاتا۔

(اُمیہ بن ابی صلت وہ شخص ہے جو حضور کی ہجو کیا کرتا تھا اور لوگوں کو جمع کر کے سُنایا کرتا تھا)

ان احادیث کے علاوہ شعر شاعری کی نسبت اور احادیث بھی ہیں۔ مثلاً:

۱۰ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں سب سے پہلا کام جو حضور نے کیا وہ مسجد کی تعمیر تھی۔ مزدوروں کے ساتھ آپ خود بھی کام کرتے تھے۔ عبداللہ بن رواحہ جو شاعر تھے وہ بھی مزدوروں کے ساتھ شریک تھے اور جس طرح مزدور کام کرنے کے وقت تھکن مٹانے کو گاتے جاتے ہیں، وہ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔

افلح من یعالج المساجدا

ویقرء القرآن قائما وقاعدا

ولا یبیت اللیل عنہ راقدا

(وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے اور اُٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا اور رات کو جاگتا رہتا ہے)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے۔

وفاء الوفا بحوالہ ابن ابی شیبہ۔

۱۱ - مسجد نبوی کی تعمیر جاری ہے۔ حضور (فداہ روحی) مزدوروں کے ساتھ شریکِ مشقت ہیں۔ صحابہ پتھر اُٹھا اُٹھا کر لاتے ہیں اور یہ رجز پڑھتے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی اُن کے ساتھ آواز ملاتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

اللّٰھم لا خیر الا خیر الاٰخرہ

فاغفر الانصار والمھاجرہ

(اے خدا کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے، اے خدا مہاجرین اور انصار کو بخش دے)

بحوالہ صحیح بخاری باب المساجد وغیرہ۔

یہ وہ اسباب تھے جن سے شاعری کا نیا دور شروع ہوا اور جن کی وجہ سے اب تک دنیائے ادب میں اسلامی شاعری کا ڈنکا بج رہا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت کعب بن زہیرؓ، امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور بہت سے صحابہ کرام اور صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اکابر اُمت نے شعر کہے جن میں سے دورِ اوّلین میں حضرت علیؓ کا دیوان، حضرت حسانؓ کے بہت سے اشعار، حضرت کعبؓ بن زہیر کا قصیدہ بانت سعاد جس پر حضورؐ نے

اپنی چادر (بردہ) انعام میں مرحمت فرمائی تھی (بخاری و مسلم) اور جس کی وجہ سے یہ قصیدہ، قصیدہ بُردہ کہلانے لگا کافی مشہور ہیں اور حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ قصیدہ تو زبان زد خاص و عام ہے جس کا مطلع ہے:

إِنْ نِلْتِ يَا رِيْحَ الصَّبَا يَوْمًا إِلٰى أَرْضِ الْحَرَمْ
بَلِّغْ سَلَامِيْ رَوْضَةً فِيْهَا النَّبِيُّ الْمُحْتَرَمْ

اے باد صبا اگر کسی دن حرم کی طرف تیرا گزر ہو جائے، تو روضۂ مبارک تک میرا سلام پہنچا دینا۔ جہاں نبیٔ محترم علیہ الصلوٰۃ والسلام آرام فرماتے ہیں۔

قصیدہ ابوطالب بن عبد المطلب

(المتوفی ۶۲۰ ء)

۱ وَاللّٰهِ لَنْ يَّصِلُوْا إِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ — حَتّٰى أُوَسَّدَ فِي التُّرَابِ دَفِيْنَا
۲ فَاصْدَعْ بِأَمْرِكَ مَا عَلَيْكَ غَضَاضَةٌ — وَابْشِرْ وَقَرَّ بِذَاكَ مِنْكَ عُيُوْنَا
۳ وَدَعَوْتَنِيْ وَزَعَمْتَ إِنَّكَ نَاصِحِيْ — وَلَقَدْ صَدَقْتَ وَكُنْتَ ثَمَّ أَمِيْنَا
۴ وَعَرَضْتَ دِيْنًا لَا مُحَالَةَ إِنَّهُ — مِنْ خَيْرِ أَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِيْنَا
۵ لَوْلَا الْمَلَامَةُ أَوْ حِذَارُ مَسَبَّةٍ — لَوَجَدْتَنِيْ سَمْحًا بِذَاكَ مُبِيْنَا

۱۔ خدا کی قسم وہ اپنی جمعیت کے ساتھ تجھ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک مجھے دفن کر کے مٹی میں ٹیک لگا کر لٹا نہ دیا جائے۔
۲۔ تو اپنا کام کئے جا تجھ پر کسی قسم کی تنگی نہیں ہے اور خوش رہ اور اس کام کے ساتھ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیے جا۔
۳۔ اور تو نے مجھے دعوت دی اور تیرا خیال ہے کہ تو میرا خیر خواہ ہے، تو نے سچ کہا، اور پھر تو تو ایک امانت دار (امین) رہ چکا ہے۔
۴۔ اور تو نے وہ دین پیش کیا جو یقیناً دنیا کے ادیان میں بہترین دین ہے۔
۵۔ اگر ملامت کا خوف اور سبکی کا اندیشہ نہ ہوتا تو اس دین کو قبول کر لینے میں تو یقیناً مجھے برملا فراخ دل پاتا۔

لہ امام شرف الدین محمد بوصیری (متوفی ۶۹۶ھ) کا قصیدہ بھی اسی نام سے مشہور ہے۔ انھیں بھی حضور کی بارگاہ سے قصیدہ کے صلہ میں بحالت خواب چادر مبارک عطا ہوئی تھی لیکن کعب کا قصیدہ بانت سعاد کے نام سے ہی مقبول ہوا۔ (ادارہ)

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی فصاحت و بلاغت

حضرت شمس بریلوی
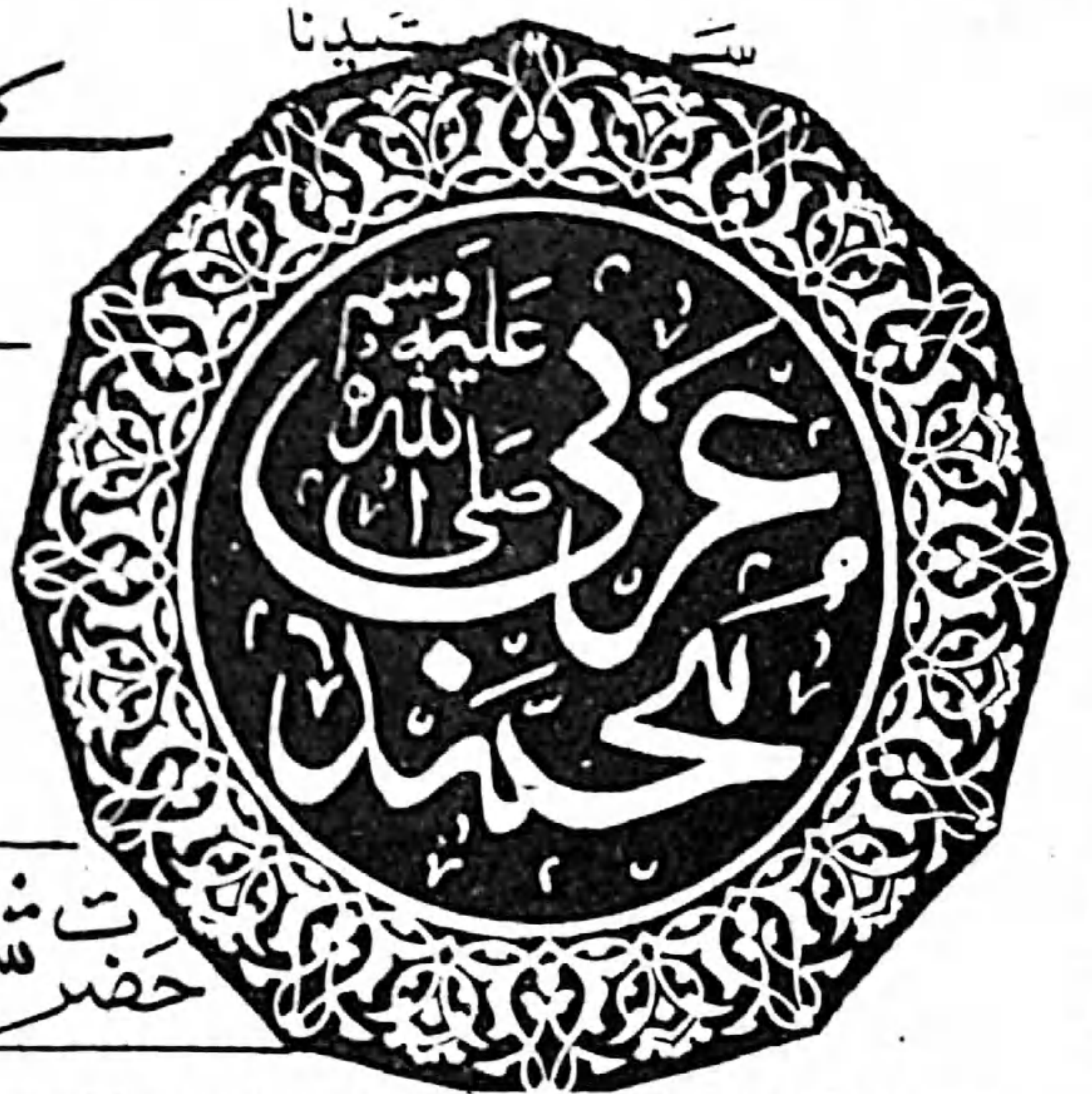
قبل از اسلام یا عرب جاہلیت کے تفاخر کے اقانیم ثلاثہ میں تیراندازی، شہ سواری، کو ثانوی حیثیت حاصل تھی وہ اپنے قومی

ورثہ اور اس کے کمال کو تفاخر میں سب سے مقدم سمجھتے اور اسی کو اولیت حاصل تھی۔ چنانچہ عرب کے اس وسیع ریگ زار میں جہاں بدویت پرورش پاکر درجۂ کمال کو پہنچی تھی، کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس میں شاعرانہ صلاحیت رکھنے والے اصحابِ کمال موجود نہ ہوں۔ شاعری ہی بدویت کا کمال اور اس کا عظیم سرمایہ تھی اور شاعری سے محبت ہی ایک بدوی کا واحد ثقافتی سرمایہ تھا۔

قوم یا قبیلہ کا شاعر ایک عظیم ہستی سمجھی جاتی تھی جس کو قبیلے کی طرف سے متنوعہ فرائض تفویض کر دیئے جاتے تھے۔ میدانِ جنگ میں اس کی رجز خوانی اس کے ہم قوموں کے لیے ایک مؤثر حربہ تھی جو اپنے رجز سے اُن کی شجاعت کے خوابیدہ جذبات کو بیدار کر دیتا تھا، زمانۂ امن میں اس کی شعلہ نوائی میں سے جنگ و جدال کی آگ بھڑک اٹھتی تھی اور امنِ عامہ کو وہ تہ و بالا کر دیتا تھا، ایک شاعر کی نظم، ایک آتش بیان مقرر کی طرح، قوم کے دلوں کو گرما دینے کے لیے کافی ہوتی تھی: اسی بنا پر شاعر کی خدمت میں بڑے بڑے عطیے پیش کئے جاتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی شعلہ نوائی سے قوم محروم رہ جائے۔ بدویت میں شاعر ہی رائے عامہ کو نئی راہوں پر ڈالتا تھا وہ اگر کبیدہ خاطر ہو جاتا تو اس کی ہجو اور مذمت کے ڈر سے اس کو زر و مال دے کر خوش کیا جاتا تھا اور ہجو گوئی سے باز رکھا جاتا تھا۔ ورنہ شاعر کی ایک ہجو، ایک قبیلہ کی اس عزت کو جو اس کی عمر بھر کی کمائی ہوتی تھی ذرا سی دیر میں خاک میں ملا دیتی تھی، قبیلہ یا قوم کا شاعر اس کا مورخ بھی ہوتا تھا چنانچہ شعراءِ جاہلیت کے بیشتر اشعار آج اس وقت تک فہم میں نہیں آ سکتے جب تک عہدِ جاہلیت یا ایامِ عرب کی تاریخ کے خدوخال آپ کے ذہن میں محفوظ نہ ہوں، آپ آج بھی شعرائے جاہلیت کے اشعار کو جمع کیجئے، غور و فکر کے بعد آپ اُن سے اُس عہد کی تاریخ مرتب کر سکتے ہیں۔

ابنِ اسحاق اور ابنِ ہشام کی تاریخوں میں "تاریخ قبلِ اسلام" ان ہی شعرائے عرب کے اشعار سے مستنبط ہے اور شعرائے جاہلیت کے اشعار ہی اُن کا مآخذ ہیں گویا جاہلیت کی شاعری ہی اُن کی تاریخ ہے۔ ایسی فصیح البیان قوم کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو کتابِ ہدایت نازل فرمائی ظاہر ہے کہ اس خصوص میں اس کی رفعتیں اور بلندیاں کس منزل اور مرتبہ پر ہوں گی۔

فصاحت و بلاغت میں اس قوم کی زبان کی رفعتوں کا اندازہ اس سے کیجئے کہ شعرائے جاہلیت نے اپنے قصائد کو درِ کعبہ سے آویزاں کر کے حضریت میں پرورش پانے والوں کو للکارا تھا اور مدتوں تک وہ اپنی طلاقت زبان و بیان اور فصاحت کے دعوے کے جواب کا انتظار کرتے رہے، یہی نہیں کہ معلقاتِ سبع ہی کے باکمال شاعر، فصیح و بلیغ تھے یا عہدِ جاہلیت کے صرف یہی چند گنتی کے شاعر شعلہ زبان اور فصیح البیان تھے جی نہیں! قصیٰ سے لے کر ابوطالب تک حضریت و بدویت کے ماحول میں سینکڑوں شعراء نے اپنی فصیح البیان زبانیں کھولیں اور سوق عکاظ (عکاز) اور دوسرے قومی اجتماعی مرکزوں میں انہوں نے دادِ فصاحت دی اور ان کا کلام محفوظ بھی ہے، یہ اور بات ہے کہ معلقاتِ سبع کی طرح اور دوسرے شعراء کو یہ جرأت نہیں ہو سکی، یہاں اِن صفحات میں اتنی گنجائش نہیں کہ میں قصیٰ سے لے کر ابوطالب تک جو نامور شعراء گزرے ہیں جیسے عباس بن مرداس، ابرص، خالد بن عبد العزیٰ، بسیعہ (شاعرہ) ذو رعین، ذوجدن حمیری، مطرود بن کعب خزاعی، ابن الذئبہ، عمر بن قیس کنعانی، عکرمہ بن عامر، نفیل، مطرہ، ابن الزبعری، ابو قیس بن الاسلت، ابوطالب، طالب بن ابوطالب، اُمیہ بن ابی الصلت، ابن الرقیات، عدی بن زید الحیری اور ان کے علاوہ بہت سے شعراءِ جاہلیت کا نمونۂ کلام پیش کر سکوں!

حضرت عبدالمطلب کے انتقال پر اُن کی صاحبزادیوں نے بہت ہی دردناک وحسرت آگیں مرثیے کہے ہیں یعنی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب۔ بترہ بنت عبدالمطلب، عاتکہ، ام حکیم البیضا بنت عبدالمطلب امیمہ، اور یہ بنات عبدالمطلب شامل ہیں فرزندوں کا تو ذکر ہی کیا ان تمام شعرا و شاعرات کے دو دو اشعار بھی اگر پیش کروں تو ایک تذکرۃ الشعرا مرتب ہو جائے گا۔

ایسی قوم کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو رسول مبعوث فرمایا، اس پر بارگاہِ احدیت سے ایسا کلام نازل ہوا جس نے ان زباندانوں اور فصیح البیان شعرا کو حیران وششدر کر دیا اور اُس کلام کے مقابلہ میں اُن کی زبانیں گنگ ولال ہو گئیں۔ ولید بن مغیرہ قریش میں باعتبار علم وفضل اور بلحاظ فصاحت وبلاغت ایک مسلمہ شخصیت تھی اس کو بھی کلامِ الٰہی کی فصاحت وبلاغت کے سامنے یہ کہنا پڑا۔ ع

"وَاللہ لقد سمعت کلامًا ما ھو من کلام اِنس وَلا
کلام الجن وَاِنَّ لہ لحلاوہ وَاِن عَلیہٗ لطلاوہ
وَاِنَّ اعلاہ لمثمر واِنَّ اسفلہ لمغدق واِنّہ
یعلو ولا یُعلیٰ علیہ۔"

اس اعتراف کے باوجود چونکہ وہ شقیِ ازل تھا، قبول اسلام کی سعادت سے محروم رہا، اس کے برعکس قبیلہ ازدِ شنوہ کے رئیس ضماد نے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کلامِ الٰہی سُنا تو اس کی فصاحت وبلاغت کا اعتراف کرتے ہوئے دولت اسلام کے حصول سے سربلندی وسرافرازی حاصل کی، ان کے ایمان لانے کا واقعہ اس طرح منقول ہے:

حضرت عباس سے مروی ہے کہ ضماد نامی قبیلہ ازدِ شنوہ کا ایک فرد مکہ میں آیا وہ جھاڑ پھونک سے لوگوں کے مرضوں کا علاج کیا کرتا تھا۔ مکہ کے نادانوں اور جاہلوں اور دوسرے اوباشوں سے اُس نے سُنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) معاذ اللہ دیوانے ہو گئے ہیں، ضماد نے کہا کہ میں اس شخص کو ضرور دیکھوں گا، شاید اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے اُن کو شفا دے دے، پس اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تمہاری اس بیماری کا علاج کروں گا کیا آپ کو جنون ہو گیا ہے؟ یہ سُن کر سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الحمدُ للہِ نَحمدہٗ ونستعینہٗ مَن یَّھدِہِ اللہ فَلا مضِلَ لَہٗ وَمَن یُّضلِلہُ فَلاَ ھادِیَ لَہٗ وَاَشھَدُ ان لا اِلٰہ اِلاّ اللہ وحدہٗ لاشریکَ لَہٗ وَاشھَدُ انَّ محمدًا عَبدہٗ ورسولہ، اَمّا بعد!!

یعنی: بیشک تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت یاب فرما دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت یاب نہیں بنا سکتا اور بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوائے کوئی

معبود نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول

ہیں اما بعد: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند آیات قرآن تلاوت فرمائیں (نا تمام)

ان آیات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی کو سُن کر ضماد نے اسی مجلس میں اسلام قبول کر لیا، ضماد نے اپنے قبول اسلام کے اس واقعہ کو خود بیان فرمایا ہے اور مسلم کی حدیث میں یہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے:

جناب ضماد رضی اللہ عنہ تو کلام معجز نظام و بلاغت التیام سُن کر مسلمان ہو گئے لیکن شقی ازل ولید بن مغیرہ با وصف اعتراف دولت ایمان حاصل نہ کر سکا!

اعجاز قرآن

قرآن پاک نے ان فصیحان عرب کو للکارا، قرآن مجید کی اس تحدی کے سامنے سوائے عجز نارسائی کے کسی میں تاب نہیں تھی کہ اپنی زبان کھول سکے معلقات سبع میں سے بعض شعرا بقید حیات تھے، زہیر کے فرزند کعب رضی اللہ عنہ جو اسلام لانے سے قبل مسلمانوں کی ہجو گوئی میں اپنی فصاحت زبان کو برباد کرتے رہتے تھے فتح مکہ کے بعد دولت اسلام سے سر بلند ہوئے جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنا مشہور قصیدہ "بانت سعاد" پڑھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انعام میں بُردِ یمانی حاصل کی۔

عربی زبان میں اعجاز کا مادہ ہی قرآن حکیم کا اعجاز ہے اور یہی وہ اعجاز تھا جس کے باعث "عرب" قرآن پاک کی تحدی کے مقابلہ اور معارضہ میں اس کے سامنے نہ آ سکے بلکہ سر تسلیم خم کر دیا حالانکہ قرآن حکیم نے واضح طور پر اُن کو للکارا تھا اور کہا تھا کہ "ایک سورۃ ہی قرآن کے مقابلہ میں بنا لاؤ"۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ (البقرہ ۲۲)

یعنی: "اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر اُتارا ہے تو اس جیسی ایک سورۃ تو لے آؤ! اور اللہ کے سوا اپنے تمام حمائتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو"۔

پھر خود ہی اُن کو بتا دیا کہ نادانو! اگر تمام جن و انس بھی جمع ہو جائیں اور مشترکہ کوشش کریں تب بھی تم اس کا مثل پیش نہیں کر سکو گے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۝ (الاسرا)

ترجمہ: "تم فرماؤ! اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لا سکیں گے اگرچہ ان میں ایک دوسرے کا مددگار بھی ہو"۔

قرآن حکیم کے اس اسلوب اعجاز سے قبل عرب ہمیشہ ایک دوسرے کے مقابل میں فصاحت و بلاغت اور اعجاز کلام میں سابقت اور

مقابلہ کیا کرتے تھے، ان کے یہاں فصاحت سے مراد سلاستِ کلام، معانی کا باہمی ارتباط، کلمات و حروف کا حسن نظم اور کلام کا فطرتِ انسانی کے موافق ہوتا تھا اور کلام کے آسانی سے ذہن نشین ہونے پر مبنی اور موقوف تھا!

چنانچہ اُن کی زبان پر صرف وہی الفاظ جاری ہوتے تھے جو معانی مقصودہ کی افادت کے لئے موزوں ہوتے تھے اور جن سے وہ معانی ذہن نشین ہوسکتے تھے اور ان الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ میں ان معانی کے اظہار کی صلاحیت موجود نہ ہو، مدت تک فصیحانِ عرب اسی اسلوب کو پیش کرتے رہے یہاں تک کہ قرآن مجید اپنے مخصوص اسلوب بیان میں نازل ہوا (جس قدر بھی آیات اور سورتوں کی صورت میں نزول ہوا تھا) قرآن حکیم نے اپنے برمحل الفاظ، کلمات اور جملوں کے حسن و نظم ترکیب سے فصیحانِ عرب میں ہلچل برپا کردی اور پھر نتیجہ یہ نکلا کہ اُن کو اپنے اسلوب فصاحت سے دست بردار ہونا پڑا اور اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہی بن پڑی! چنانچہ نزول قرآن کے بعد اِن فصیح اللسان شعراء میں سے کسی کو یہ جرأت نہ ہوسکی کہ وہ معلقات سبع کے شعراء کی طرف اپنے فصاحت و بلاغت کے مقابلہ میں کسی کو دعوت مقابلہ دیں۔

فصیحانِ عرب نے تصدیق کی کہ کلام کا یہ طرز جو قرآن لے کر آیا ہے ان کے اسلوب فصاحت سے بدرجہا بلند ہے اور آج تک اُن کے یہاں اس جنس کا کلام ان کے تصرف میں نہیں آیا اور زبان اس پر قادر نہیں ہوسکی، یہ اسلوب قرآن ہر اُس کمالِ معنوی کا سرمایہ دار ہے جو ذہن میں آسکتا ہے اور جہاں تک عقل کی رسائی ہوسکتی ہے، میں اس قول کی مزید وضاحت کے لئے علامہ مصطفیٰ رافعی مصری کی یہ توضیح پیش کروں گا، وہ "اعجاز القرآن" میں لکھتے ہیں کہ:

"ظاہر ہے کہ وہ اہل عرب خطابت و کلام میں باہم مقابلے بھی کیا کرتے تھے، شعر گوئی کے میدان میں بھی اُن کی مسابقت ہوتی تھی اور شعر پر اغراض و مقاصد کے اعتبار سے تنقید بھی کیا کرتے تھے اس وقت فصحائے عرب کے نزدیک کلام کے فن اور دوسرے فن کے درمیان فرق، معانی اغراض اور کلام میں وسعتِ تاثیر و تصرف کے علاوہ اور کچھ نہ تھا، کیوں کہ ان کا اسلوب کلام ایک ہی طرز اور ایک ہی قبیل سے ہوتا تھا جس میں یہ باتیں داخل نہیں یعنی گفتگو کا آزاد لہجہ، فصیحانہ خطاب، ترتیب و نظم، کلام میں سادگی، مضمون اور فکر پر پورا پورا زور، عبارت کی فصاحت اور ترکیب کی جزالت اور یہ احتیاط کہ ایک مبہم لفظ بھی درمیان میں نہ آنے پائے۔

وہ کسی خاص ترکیب کا اہتمام نہیں کرتے تھے اور نہ صنائع بدائع کی الجھنوں میں گرفتار ہوتے تھے اُن کے کلام میں آمد ہوتی تھی، آورد سے بچتے تھے اُن کی فطرت اور طبع سلیم اُن کے ادبی نظم و نثر کے شہ پاروں میں، اُن کی ممد و معاون ہوتی تھی اس لئے ان کی زبان پر بے تکلف الفاظ جاری ہو جاتے تھے، ان کے تخیل کی ہر حرکت کے ساتھ ایسے بامعنی الفاظ اُن کی زبان پر آجاتے تھے جیسے یہ الفاظ اسی موقع اور محل کے لیے وضع ہوئے ہیں۔

لیکن جب ان کے سامنے اسلوب قرآن آیا تو انہوں نے اپنے الفاظ کو بعینہٖ اسی اسلوب

میں متشکل پایا جس کو وہ دن رات استعمال کیا کرتے تھے اور بالکل اسی انداز گفتگو اور طرز خطاب کے ساتھ پایا جس کے وہ عادی تھے اور اس سے مالوف و مانوس تھے جس میں کوئی پیچیدگی تصنع تکلف اور اہتمام نہ تھا" (اعجاز القرآن)

علامہ رافعی کلام عرب کی ان خصوصیات کے بیان کے بعد ان خصوصیات کا قرآن حکیم کے اسلوب بیان اور اس کی خوبیوں سے تقابل کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

"لیکن جب ان کے سامنے اسلوب قرآن آیا تو نظم قرآن کے طرق، اس کے وجوہ ترکیب، اس کے کلمات میں حروف کی ترتیب اور پھر تمام قرآن میں ان سارے جملوں کی بندش اور نشست ایسی تھی جس نے ان کو حیران کر دیا، ان کے دلوں پر ہیبت بیٹھ گئی اور ایک پُر جلال خوف اُن پر مسلط ہو گیا یہاں تک کہ عرب اپنی اس فطری قدرت زبان کو جسے وہ بہت قوی سمجھتے تھے۔ ضعیف سمجھنے پر مجبور ہو گئے اور کلام و خطابت کے اس ملکہ کو جسے وہ بہت مستحکم سمجھتے تھے قرآنی بلاغت کے سامنے بہت پست خیال کرنے پر مجبور ہو گئے۔

قوم عرب کے بلیغوں کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ "اسلوب قرآنی بیان کلام کی وہ جنس ہے جس تک نہ اُن کی پرواز ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔" (اعجاز القرآن)

قاضی ابو الفضل عیاض بن موسیٰ اندلسی "الشفا" نے بھی اپنی کتاب "الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ" صلی اللہ علیہ وسلم میں وجوہ اعجاز القرآنی پر بڑی مدلل اور مبرہن انداز سے بحث کی ہے، انہوں نے "وجوہ اعجاز قرآنی" کے تحت عجیب عجیب نادر نکات پیدا کئے ہیں، اس سلسلہ میں "الوجہ الثانی" کے تحت رقمطراز ہیں:

الوجہ الثانی، من اعجازہٖ صورۃ نظمہ العجیب والاسلوب الغریب المخالف لاسالیب کلام العرب ومناہج نظمہا ونثرہا الذی جاء علیہ ووقعت مقاطع آیاتہٖ وانتہت فواصل کلماتہٖ الیہ ولم یوجد قبلہ ولا بعدہ نظیر لہ ولا استطاع احد مماثلۃ شیءٍ منہ بل حارت فیہ عقولہم وتدلہت دونہ احلامہم ولم یہتدوا الی مثلہ فی جنس کلامہم من نثرٍ ونظمٍ او سجعٍ او شعرٍ (الشفا ص۱۷۰)

یعنی: قرآن کریم کے اعجاز کی دوسری وجہ اس کے نظم کی عجیب صورت (ترکیب و ترتیب کلام) اور اس کا انوکھا اسلوب بیان ہے جو کلام عرب کے مروجہ اسالیب سے مختلف ہے اور ان کی نظم و نثر کی ڈگر اور روش کے مخالف ہے۔ قرآن پاک کی آیات کا اختتام اور ہر آیت کے اختتام

پر جو وقفہ ہے اور اس کے کلمات میں جو "فواصل" ہیں اس کی نظیر نہ اس سے پہلے پائی گئی اور نہ اس کے بعد اور نہ کوئی اس جیسا کلام لانے پر قادر ہو سکا بلکہ اس کے اعجاز نے عقلوں کو مبہوت کر دیا اور ان کی عقلیں اس کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئیں اس لیے کہ ان کی نظم و نثر میں اسجع اور شعر میں اس کے مثل کوئی چیز موجود نہیں ہے "۔

اعجاز قرآن اور اس کی فصاحت و بلاغت ادبی اور مذہبی اعتبار سے مدتوں تک ماہرین ادبیات عربی اور علمائے تبحرین کا موضوع تحقیق بنی رہی اور اُن کی توجہ اس نکتہ پر مرکوز رہی کہ علم معانی و بیان و بدیع (جن کے مجموعہ کو علم بلاغت کہتے ہیں) کی کون کون سی خصوصیات کا قرآن پاک حامل ہے اور اس کی اثر آفرینی میں بلاغت کے کون سے عوامل کار فرما ہیں۔ پھر ہماری بدبختی کہ جس طرح خلق قرآن کے مسئلہ نے اعتقادیات کی پُرسکون دنیا میں ایک تلاطم اور ہلچل برپا کر دی تھی اسی طرح تیسری صدی ہجری کے اوائل میں کج بحثوں اور گم کردہ راہوں نے یہ بحث چھیڑ دی کہ "اعجاز قرآن" بجائے خود ایسی چیز نہیں کہ اس کا جواب ناممکن ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے معارضہ اور جواب قرآن کی استعداد سلب کر لی تھی اور بس! اس لئے قرآن کی تحدی کے باوصف اس کا جواب پیش نہیں ہو سکا کہ لوگوں کی یہ استعداد قدرت کی طرف سے سلب کی جا چکی تھی۔

اس زعم باطل کے علمبردار بھی "مسئلہ خلق قرآن" کی طرح معتزلہ ہی تھے۔ اس لئے ارباب فضل و کمال نے شدت سے یہ ضرورت محسوس کی کہ اعجاز قرآن کو اس کے تمام پہلوؤں کے ساتھ پیش کیا جائے اور دلائل و براہین سے ثابت کیا جائے کہ نظم قرآن اور اس کا اسلوب خود ایک معجزہ ہے اور ایسا معجزہ جس کا جواب نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ اس موضوع پر مبسوط کتابیں لکھی گئیں جس میں معتزلہ کے اس قول کا اس طرح رد کیا گیا کہ پھر اُن کو اس سلسلہ میں منہ کھولنے کی جرأت نہ ہو سکی، ان تصنیفات کی میں یہاں تفصیلات پیش نہیں کروں گا کہ میرے موضوع سے اس کا تعلق نہیں ہے مختصراً یہ عرض کر دوں کہ محدث جلیل علامہ جاحظ نے سب سے پہلے اس سلسلہ میں قلم اٹھایا اور تیسری صدی ہجری میں اس موضوع پر گرانقدر تصنیف "نظم القرآن" کے نام سے پیش کی، اس صدی کے اواخر میں علامہ ابو عبداللہ محمد بن یزید الواسطی نے کتاب "اعجاز القرآن" تصنیف کی۔ علامہ واسطی کی کتاب اعجاز القرآن کی شرح علامہ عبدالقادر جرجانی نے "دلائل الاعجاز" کے نام سے لکھی اس کتاب نے بہت شہرت اور قبولیت حاصل کی۔

پانچویں صدی ہجری میں امام قاضی ابوبکر باقلانی نے "ایجاز القرآن" کے نام سے ایک مبسوط اور بلند پایہ کتاب اس موضوع پر تصنیف کی چھٹی صدی ہجری میں امام فخرالدین رازی نے اعجاز قرآن پر اس نام سے ایک کتاب تصنیف کی۔ چھٹی صدی ہجری ہی میں قاضی عیاض بن مالکی اندلسی نے اپنی کتاب "الشفا" میں ضمناً اگرچہ اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے لیکن جو کچھ لکھا ہے وہ بڑے مدلل پیرایہ میں لکھا ہے ان کے بعد اس موضوع پر قلم اٹھانے والے علامہ زملکانی ہیں جن کا تعلق آٹھویں صدی ہجری سے ہے۔

نویں صدی ہجری میں محدث و فقیہ و مورخ اعظم علامہ سیوطی نے بہت ہی مبسوط اور مدلل کتاب علوم القرآن پر "الاتقان" کے نام سے تصنیف فرمائی، علوم القرآن پر اب تک اس سے بہتر کتاب تصنیف نہیں ہوئی، علامہ سیوطی نے الاتقان کی نوع شصت چہارم کے تحت اعجاز القرآن پر زبردست دلائل کے ساتھ قلم اٹھایا ہے اور اس سلسلہ میں علامہ سیوطی نے عجیب عجیب نکات پیدا کئے ہیں۔ چودھویں

صدی ہجری میں مصری عالم علامہ مصطفیٰ رافعی نے اعجاز القرآن تصنیف کی اور قرآن کے اعجاز پر انہوں نے بہت ہی دیدہ وری اور شواہد کے ساتھ لکھا ہے :-

کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی فصاحت و بلاغت پر کچھ لکھنے سے پہلے یہ ضروری تھا کہ قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت اور اس کے اعجاز پر کچھ لکھا جائے خواہ وہ مختصر ہی کیوں نہ ہو۔ اعجاز قرآن کے سلسلہ میں یہ جو کچھ میں نے پیش کیا سمندر کی ایک بوند اور برق تاباں کی ایک چشمک سے زیادہ نہیں ہے، اس موضوع پر متعدد کتب علمائے متقدمین نے مرتب فرمائی ہیں لیکن "حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا" ان حضرات نے واضح طور پر یہ اعتراف و اقرار کیا ہے کہ ہم اعجاز قرآن کے حقائق تک نہیں پہنچ سکے اور ہماری عقلوں کی رسائی وہاں تک نہیں ہے" جب ضخیم کتب کے مؤلفین اور مصنفین کا یہ حال ہے تو یہ چند صفحات اس سلسلہ میں کیا سرمایہ فراہم کر سکتے اور ان سے اعجاز قرآن کی کیا رونمائی ہو سکتی ہے یہ تو اس سلسلہ کی ایک تمہید ہے کہ:

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی فصاحت و بلاغت"

بس منزل یہی تھی اور چونکہ قارئین کے سامنے اس موضوع کے تحت مجھے چند حقائق پیش کرنا ہیں۔ اس لئے یہ ابتدائیہ یا تمہیدی سطور بہت ضروری تھیں کہ یہی وہ آئینہ ہے جو سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام بلاغت نظام کے خدو خال کی رونمائی کر سکے گا۔

قرآن حکیم جو نظام حیات کے لئے ایک مکمل دستور العمل اور اسلام کے تشریعی احکام کا مبنیٰ و مآخذ ہے اس کی حیثیت ایک کلیات قانون کی ہے اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مامور کیا گیا تھا کہ وہ ان کلیات کی توضیح و تشریح فرمائیں چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ

"اور ہم نے آپ پر ذکر (قرآن) نازل کیا تاکہ آپ لوگوں پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے اس کی توضیح و تشریح فرمائیں"۔

اور اس بیان و وضاحت کے ساتھ ساتھ ان کلیات سے مسائل خبر کی و احکام شرعی اخذ کر کے لوگوں کے لئے ہدایت و رہنمائی کا سرمایہ فراہم کریں، یہی وہ بیان ہے جو ارشادات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں ہم کو عطا ہوا اور ہمارے لئے دارین کی نجات کا سرمایہ بنا، اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ جو کچھ باری تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا وہ اپنے صوری اعتبار سے فصاحت و بلاغت کا کامل ترین مجموعہ ہے اور اپنے اسلوب بیان اور نہج کے لحاظ سے اس بلندی پر ہے کہ فہم انسانی اور اس کا نطق اس کا مثیل پیدا کرنے پر قادر نہ ہو سکا جب "مُبِیْن" کی یہ شان ہے تو لازم ہے کہ اس کا بیان بھی اسی شان کا ہو، اگر بیان اس نہج اور اس اسلوب کی خصوصیات سے مالامال نہیں ہے تو پھر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ بیان "مبین" کے معیار پر پورا اترتا ہے اسی لئے اس بیان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس مبین (قرآن) کی تمام تر خصوصیات موجود تھیں۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد گرامی میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے :

اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَ مِثْلَهٗ مَعَهٗ (ابوداؤد)

ترجمہ : آگاہ ہو کہ مجھے قرآن کے ساتھ اس کا مثل بھی دیا گیا ہے ۔

یہ "مثل" وہی بیان ہے یعنی کلّیاتِ قرآن کی توضیح و تشریح بلسانِ نبوت (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے، اس کے بارے میں بارگاہِ ایزدی سے یہ تاکید بھی نازل ہوگئی کہ :

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (الحشر آیت ۷)

ترجمہ : اور رسول جو کچھ تم کو دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں اس سے تم رک جایا کرو!!"

اور یہ بیان صرف ایک نہج کا نہیں ہے بلکہ اپنے محل و مخاطب کے اعتبار سے مختلف الانواع ہے، جس طرح آیاتِ قرآن اپنے محل اور مخاطب کے اعتبار سے مختلف الموضوع اور متبائن الالفاظ ہیں، اصطلاحِ شرع میں اسی بیان کا نام "حدیث مبارکہ" ہے، میں یہاں حدیث کے سلسلہ میں وضاحت میں نہیں جاؤں گا صرف مختصراً یہ عرض کروں گا کہ حضور اکرم کے اس بیان سے جس کو حدیث کہا جاتا ہے اِن آیات کی وضاحت اور تشریح ہوتی ہے جن کو عقلِ بشری اپنی نارسائی کے اعتبار سے مبہم خیال کرتی ہے یہ بیان اُن مبہمات کے لیے ایضاح ہے، اجمالات کے لیے توضیح ہے اور مشکلاتِ قرآنی کے لیے تفسیر ہے (جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ تفاسیر قرآنی کا نبی احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) اس طرح بیان کی متعدد انواع ہیں اور ان تمام انواع کا اطلاق حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتا ہے ۔

اصحابِ تحقیق و تدقیق نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ قرآنِ حکیم مختلف قبائل کے لغات کا حامل ہے اور ان مختلف قبائل کی زبان با وصف اختلاف لغات صرف عربی تھی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "کافۃ للناس" کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے اس لئے ضروری تھا کہ قرآن میں ان تمام قبائل کے لغات ہوں اور جیسا کہ میں آئندہ تصریح کروں گا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام قبائل کے لغات اور اُن کے اسالیب بیان سے واقف تھے اور یہ وقوف و آگہی وہبی اور توفیقی تھی کسبی نہ تھی ۔

علامہ سیوطی اپنی معتبر اور مشہور تصنیف "الاتقان" کی نوع سی و ہفتم میں علامہ ابوبکر واسطی کی کتاب "الارشاد فی القرآت العشر" کے حوالہ سے تحریر کرتے ہیں کہ قرآن حکیم میں مندرجہ ذیل چالیس لغات ہیں انہی چالیس قبائل کی زبان کے لغات (

قریش، ہذیل، کنانہ، خثعم، خزرج، اشعر، نمیر، قیس غیلان،
جرہم، اُزدشنوہ، کندہ، تمیم، حمیر، مدین، لخم، سعد العشیرہ،
حضرموت، سدوس، عمالقہ، انمار، غسّان۔ خزاعہ غطفان،
مذحج۔ اوس، طے، ثعلب، عامر بن صعصعہ، سبا، عمان۔ بنوحنیفہ،
مزینہ۔ جذام ۔ ہوازن ۔ عذرہ ۔ یمامہ اور تمر کی لغتیں) ہیں
اغلب حصہ لغت قریش پر مشتمل ہے ۔

ان متعدد قبائل کے مرورِ زمانہ کے ساتھ بہت سے مخصوص لغات، لغاتِ قریش میں ضم ہوگئے اور بعض علی حالہٖ باقی ہیں۔

اس سلسلہ میں کچھ اختلاف رائے بھی موجود ہے، میں یہاں ان اختلافی آرا کو پیش نہیں کروں گا لیکن تمام محققین نے اس بات

پر اتفاق کیا ہے کہ قرآن مجید مختلف اقوام (قبائل) عرب کے لغات پر نازل ہوا ہے، اختلاف بس اُن کی تعداد میں ہے۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم جب کلیاتِ قرآن کی وضاحت فرماتے تو قرآن حکیم کی تمام بیانی خصوصیات جزالت، فصاحت، الفاظ و کلمات کی تالیف و ترکیب پر وہ بیان مشتمل ہوتا تھا اور حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مختلف قبائل کے لغات، روزمرہ، محاورات اور اسالیب بیان سے اللہ تعالیٰ نے بہرہ ور فرمادیا تھا اور ان اسالیب مختلفہ میں آپ کو کمال کے درجے پر فائز کیا گیا تھا چنانچہ جو مختلف قبائل بشکل وفود آپ کی بارگاہ میں باریاب ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ان ہی کے اسلوب بیان، روزمرہ اور لغات میں کلام فرماتے!

جس طرح قرآن حکیم کا نظم اور اسلوب قبائل عرب کی لسانی اور اس کی روح کے عین مطابق تھا اور مرتبہ میں اس سے کہیں افزوں اور برتر، تاثیر اور دلنشینی میں اس قدر بلند جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اسی طرح سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ تمام خصائص ودیعت فرما دیتے تھے جس طرح کلام الٰہی میں معانی بیان کے تمام نکات اور اوصاف، علم بدیع کے تمام لوازم اس میں موجود تھے۔ اسی طرح اس کے بیان (کلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) میں یہ خصوصیتیں موجود تھیں اور آج بھی وہ اسی طرح محفوظ و منضبط ہیں۔ جس طرح منکرین وحی الٰہی یا اس کو سحر و شعر سے تعبیر کرنے والوں کو اس میں کبھی کوئی مقام باوصف سعیٔ بسیار نہ مل سکا جس کے ذریعے وہ قرآن حکیم پر باعتبار زبان و بیان حرف گیری کرسکتے اسی طرح ان فصیحان عرب کو کبھی یہ جرأت نہ ہوسکی کہ وہ کلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض یا کبھی انگلی رکھ سکیں۔ یہ صیانت و حفاظت اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر توفیقی اور توقیفی تھا۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مہبط وحی تھے۔ جن پر وہ قرآن نازل ہوا تھا جو قریش اور دوسرے قبائل عرب کے لغات کا حامل اور سرمایہ دار تھا، اللہ تعالیٰ نے وحی الٰہی کے ذریعہ لغات مختلفہ کے مواقع استعمال اور ان کے محل سے بھی آگاہ فرمادیا تھا جو آپ کا ایک عظیم معجزہ تھا اور جس کے سامنے فصیحانِ عرب سرِ عجز خم کئے ہوئے تھے (دیکھئے تاریخ آداب العرب)

ظاہر ہے کہ ایسا کلام اور زبان پر ایسی دسترس اور قدرت، مختلف قبائل کے روزمرہ اور ان کے محاورات اور روزمرہ پر ایسا عبور اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جبکہ ایک زباندان اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ ہر قبیلے کے مخصوص انداز بیان اور زبان سے واقفیت کے لئے اُن کے ماحول اور معاشرت میں صرف کرے اور اس حقیقت سے کس کو انکار کی جرأت ہوسکتی ہے کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو حصول زبان و سلوب بیان کے لئے نہ یہ کوشش کرنا پڑی اور نہ آپ کو اس کی ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ نے ان مختلف قبائل کی زبانوں اور نہ صرف زبانوں بلکہ ان کے مختلف لب و لہجوں پر ایسی قدرت عطا فرمادی تھی کہ یہ وصف منجملہ خصائص نبوت آپ کی ایک خصوصیت بن گیا تھا اور عرب کی سرزمین میں وصف نبوت کی طرح اس وصف میں بھی کوئی آپ کا ثانی اور مثیل نہیں تھا:

حضرت رافعی فرماتے ہیں۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ایسا ہوتا تھا کہ اس میں الفاظ کم ہوتے مگر معانی کی ایک دنیا لئے ہوتے تھے۔ بناوٹ سے خالی اور تکلف سے آپ کا کلام پاک تھا۔

جب بھی آپ کی زبان وحی ترجمان گویا ہوتی تو اس سے حکمت کے جواہر نکلتے اور آپ جب کلام فرماتے

تو تائید الٰہی اور توفیق ربانی سے وہ کلام ہر طرح کی خطا اور لغزش سے پاک ہوتا، دلکشی دل نشینی اور دل پذیری کا یہ عالم ہوتا کہ اس کی مٹھاس سے دشمنوں کے دل مزہ لیتے تھے، جس طرح آپ کی ہیبت دلوں پر لرزہ طاری کر دیتی تھی اسی طرح آپ کی محبت، شفقت اور کلام کی اثر آفرینی سے دل بے کے والد و شیفتہ بن جاتے تھے۔"

(اعجاز القرآن از علامہ رافعی)

مختلف قبائل کی زبان پر قدرت کاملہ کا یہ عالم کہ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ صحابہ کرام کی ایک ایسی جماعت جن کا اکثر وقت شرف خدمت کی سعادت اندوزی میں بسر ہوتا تھا اور آپ کے کلام وحی ترجمان سے فردوس گوش کا لطف اٹھاتے حاضر خدمت ہوتے اسی اثنا میں کوئی وفد بار یاب خدمت ہوتا تو آپ اسی وفد کی زبان اور اسی قبیلہ کے اسلوب بیان میں کلام فرماتے گویا ان ہی کے لب و لہجہ میں آپ کی گفتگو ہوتی، بعض اصحاب کسی مناسب موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے کہ "یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فلاں موقع پر فلاں رئیس، وفد یا ارکان وفد سے جو کلام آپ نے فرمایا اس میں بعض کلمات ایسے تھے کہ اس سے قبل ہم نے کبھی نہیں سنے" اور نہ عرب کے کسی کلام سابق میں وہ پائے جاتے ہیں تو آپ بطور تحدیث نعمت فرماتے "انا افصح العرب"۔

ایک بار جناب ابو تمیمہ الہجیمی حاضر خدمت ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو نصائح فرمائیں ان میں ایک جملہ یہ بھی ارشاد فرمایا "ایاک والمخیلۃ" انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ "مخیلہ" کیا ہے؟ ہم قوم عرب سے ہیں لیکن ہم یہ لفظ نہیں سمجھ سکے! تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "مخیلہ ازار کا زمین پر گھسٹنا ہے" یعنی ازار کا اس قدر نیچا ہوتا کہ وہ زمین پر گھسٹتا جائے کہ یہ تکبر کی علامت ہے، اس کے بعد یہ لفظ "مخیلہ" تکبر کے معنی میں استعمال ہونے لگا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو متعدد بار استعمال فرمایا!

حضرت ابو جری جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں انہوں نے اپنے قبول اسلام کے موقع پر حضور والا کے چند نصائح کو بیان فرمایا ہے، اس حدیث میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح "مخیلہ" استعمال فرمایا ہے۔

" وارفع ازارک واسبال الازار فانھا من المخیلۃ ان اللہ لایحب المخیلۃ۔" (ترمذی، ابو داؤد)

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد الفاظ، مرکبات اور جملے ایسے استعمال فرمائے ہیں جن سے عام طور پر عربوں کے کان نا آشنا تھے، ایسے کلمات اور جملوں کا استعمال "بیان" کی ان خوبیوں میں سے ہے جن کی بلاغت میں نظیر نہیں ملتی!!

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے روبرو "مات حتف انفہ" ارشاد فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یارسول اللہ میں نے یہ ایسا جملہ سنا ہے کہ اس سے قبل کسی عرب کی زبان سے نہیں سنا۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے معنی دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ اس کے معنی ہیں کہ "وہ اپنی ناک کی موت مر گیا" جس طرح اردو میں ناک رگڑ رگڑ کر مرجانا، مستعمل ہے، اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ ایک مسلمان کو شہید کی موت مرنا پسند کرنا چاہیے نہ یہ کہ وہ بستر پر پڑے پڑے دم دے دے۔"

غزوہ اوطاس میں جب مسلمانوں نے کافروں پر پلٹ کر حملہ کیا اور اُن کے کشتوں کے پشتے لگنے لگے اس وقت حضور علیہ التحیۃ والثنا نے ارشاد کیا "الآن حمی الوطیس" تنور اب گرم ہو گیا یعنی اب گھمسان کا رن پڑا ہے غرض کہ عربوں کی لغت دانی، الفاظ کی تراش خراش یعنی اشتقاق کی صناعیاں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسین و دلکش لغات اور مشتقات کی جامعیت سے بھرپور کلمات کے سامنے بالکل ماند پڑ گئی تھیں: اس قبیل کے نادر اور حسین کلمات آپ کے کلام میں بکثرت موجود ہیں اور ان عظیم الشان الفاظ، کلمات اور ترکیبوں سے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا دامن مقدس مملو اور معمور ہے۔

اسی غزوہ اوطاس کا واقعہ ہے کہ جب تنگ وادی سے گزرنے والے مسلمانوں پر کافروں نے تیروں کی بوچھار شروع کر دی اور مجاہدین اضطراب اور انتشار کا شکار ہو گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رجزیہ جملہ ارشاد فرما کر میدان جنگ کا نقشہ ہی بدل دیا۔ اس پریشانی اور اضطراب میں گرفتار مسلمانوں سے آپ نے فرمایا۔

"انا النبی لاکذب، انا ابن عبد المطلب"

میں نے سیرت کی بعض معتبر کتابوں میں بھی اس رجزیہ جملے کو بصورت شعر لکھا دیکھا ہے اس موقع پر میں یہ وضاحت کردوں کہ یہ شعر نہیں ہے بلکہ ایک وزن دار مسجع اور مقفیٰ کلمہ ہے، جن حضرات کا یہ خیال ہے کہ یہ شعر ہے ان کی خدمت میں معروض ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر گوئی سے باز رکھا تھا۔

"وما علمنٰہ الشعر وما ینبغی لہ"

"اور ہم نے آپ کو شعر گوئی نہیں سکھائی کہ وہ ان کے شایان شان نہیں!!

اس جملہ پر شعر کا اطلاق نہیں ہو سکتا کہ جملہ کا پہلا ٹکڑا انا النبی لاکذب کی وتد اور سبب کے اعتبار سے ترکیب و ترتیب یوں ہوتی ہے وتد + وتد + سبب + وتد اور دوسرا ٹکڑا سبب اور وتد سے اس طرح مرتب ہے۔ وتد + سبب + سبب + سبب + وتد، چونکہ وتد اور سبب کی عروضی پابندی اس میں نہیں ہے اس لئے اس کو شعر نہیں کہا جاسکتا، پس انا النبی لاکذب "ایک رجزیہ جملہ تھا جس کی ہیبت اور سطوت نے کافروں کے دلوں کو دہلا دیا اور مسلمانوں کے دلوں میں تازہ جوش اور ایمانی حرارت پیدا کر دی اور "اوطاس" کی جنگ فتح پر منتج ہوئی۔

ایک اور موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعثت کے سلسلہ میں خطاب فرما رہے تھے اثنائے کلام میں آپ نے فرمایا:

وبعثت فی نفس الساعۃ

"میں آخری زمانے میں مبعوث ہوا ہوں"

اس جملہ کی بلاغت کی کیا تعریف کی جائے یہ ایسی خصوصی تراکیب ہیں جو حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ توفیق الٰہی ایجاد فرمائی تھیں اور آپ اُن کو بطور مجازیہ استعمال فرماتے تھے ہر چند کہ فصحائے عرب "مجاز" کے استعمال میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور ان کو اس خصوصیت پر ناز تھا۔ لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ان مجازی تراکیب کے سامنے وہ شرمندہ و سرنگوں تھے، حضور کے ارشادات مقدسہ میں اس قبیل کے جملے بکثرت ہیں یہاں میں چند ایسے ارشادات پیش کر رہا ہوں جو اپنے مجازی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔

مدنۃ علی دخن	صلح دھوئیں پر ہے
کل ارض سمائنھا	ہر زمین اس کے تو مندوں کے ساتھ ہے۔
یا خیل اللہ ارکبی	اے اللہ کے سوارو! سوار ہو جاؤ!

لاینطح فیہ عنزان — اس میں دو ہم شاخ بکریاں نہیں ہو سکتی ہیں۔

رویدك رفقاً بالقواریر — ان آبگینوں کے ساتھ رفق و آرام سے کام لو (چلو)

ایک سفر میں خواتین محترم بھی ہودجوں میں سوار تھیں۔ انجشہ نے اپنی حدی سے اونٹ کو جب گرم رفتار بنایا تو ان خواتین گرامی قدر میں اضطراب پیدا ہوا اور پریشان ہونے لگیں تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدی خواں انجشہ سے فرمایا:

رویدك رفقاً بالقواریر! قواریر میں جو بلیغ کنایہ ہے اس کی تعریف سے زبان قاصر ہے۔

محدث عظیم ابی عبداللہ حاکم نیشاپوری نے اپنی مشہور تحقیقی کتاب "معرفۃ علوم الحدیث" میں اس موضوع پر نوع بست و دوم میں قائم کی ہے اور اس کے تحت ایسی احادیث کو جمع کیا ہے جن میں غریب الفاظ" استعمال ہوئے ہیں اور ان کے استعمال میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی انفرادیت کی حامل ہے! علامہ حاکم نیشاپوری کے بعد بھی دوسرے محدثین کرام نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔

فصاحت و بلاغت کی یہ خوبیاں آپ کے ان بےمثال جزالت و سلاست سے آراستہ چھوٹے چھوٹے جملوں ہی تک موقوف نہیں ہیں بلکہ مبسوط اور طویل ارشادات میں بھی یہ تمام خوبیاں موجود ہیں اور نظم الفاظ اور حسن ترکیب ان خوبیوں پر مستزاد! اور وہ ایسی خوبیاں ہیں جن کی نظیر کسی بشر کے کلام میں موجود نہیں ہے اور نہ کوئی کلام حادث اس کا حریف و مثیل ہو سکتا ہے۔ میں یہاں آپ کے ان مبسوط و مفصل ارشادات کو پیش کر کے ان کی جزالت، فصاحت اور بلاغت کو پیش کروں تو مجھے یہاں متعدد مفصل احادیث پیش کرنا ہوں گی جن کے لئے اس مضمون کی تنگ دامانی۔ محرومی کا باعث ہے۔ قارئین صحاح، مسانید اور معاجم میں ایسی احادیث شریفہ کے مطالعہ سے سعادت اندوز ہو سکتے ہیں!

کلام کی فصاحت و بلاغت کے اظہار کے لئے ضروری ہے کہ کلام پیش کر کے اس کے الفاظ اور جملوں سے جزالت سلاست اور فصاحت کا استدلال کیا جائے۔ اس کے بغیر اس ذمہ سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے اس لئے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات گرامی کو پیش کرنا ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَن هَمّ بحسنة ولم يعملها كتبت له حسنة فان عملها كتبت له عشراً ومن هم بسيئة ولم يعملها لم يكتب عليه وان عملها كتبت عليه سيئة واحدة ولا يهلك على الله الا هالك۔

جس نے ایک نیکی کا ارادہ کیا اور اس کو عملی جامہ نہ پہنا سکا تو اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر اس نے وہ نیک عمل کیا تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اگر کسی نے بدی کا ارادہ کیا اور اس بدی پر عمل پیرا نہ ہوا تو اس کے لیے کچھ نہیں لکھا جاتا اور اگر اس بدی پر عمل کیا تو اس کے لیے ایک گناہ لکھا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور سوائے تباہ کار کے اور کوئی تباہ نہیں ہوتا۔

اس حدیث مبارکہ میں "لایهلك على الله الا هالك" عجیب و غریب لطافت اور فصاحت کا حامل ہے! حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی یہ فصاحت و بلاغت آپ کے ہر گونہ کلام میں موجود ہے، آئندہ اوراق میں اس کی مثالیں آپ کے مطالعہ سے گزریں گی!

قاضی عیاض بن موسیٰ اندلسی "الشفا" میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت زبان اور بلاغت کلام کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

"فقد كان صلى الله عليه وسلم من ذلك بالمحل الافضل والموضع الذى لا يُجهل ملاسة الطبع وبراعة منزع وايجاز مقطعٍ ونصاعة لفظٍ وجزالة قولٍ وصحة معانٍ وقلّة تكلفٍ أوتي جوامعَ الكلمِ وخصّ ببدائعِ الحكم وعلمِ ألسنةِ العرب فكان يخاطب كلّ أمّةٍ بلسانها ويحاورها بلغتها ويباريها فى منزعِ بلاغتِها حتّى كان كثيرٌ من اصحابه يسألونهُ فى غير موطنٍ عن شرحِ كلامِهِ تفسير قوله من تأمّل حديثه وسيرهُ علمَ ذلك وتحقّقهُ وليس كلامهُ مع قريشٍ والانصار واهل الحجاز ونجدٍ ككلامه مع ذى المشارِ الهمدانى وطهفة النهدى وقطنِ بن حارثة العليمى والاشعثِ بن قيسٍ و وائلِ بن حُجرٍ الكندى وغيرهم من أقيال حضرموتَ وملوكَ اليمنِ؛

كتاب الشفا

قاضی عیاض ص۴۴

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فصاحت زبان اور بلاغت کلام میں ایسے بلند و رفیع مقام پہ ایسے مرتبہ پر فائز تھے جہاں سلاست طبع، فصاحت کاملہ، ایجاز، موزوں الفاظ کا انتخاب، جزالت کلام، صحت معانی اور قلت تکلف، کوئی پوشیدہ بات نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کم الفاظ اور وسیع معانی کا وصف عطا کیا گیا تھا اور نادر حکمتوں کے ساتھ آپ مخصوص کئے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عرب کی تمام (مختلف) زبانیں سکھا دی تھیں۔ پس آپ ہر قوم سے اس کی ہی زبان میں خطاب فرماتے تھے اسی قوم (قبیلہ) کے محاورے اور اسی کے روزمرہ میں سے لغت استعمال فرماتے تھے اور اسی کے روزمرہ میں بلاغت کی رعایت مدّ نظر رکھتے تھے یہاں تک کہ بعض صحابہ کرام کسی اور موقع پر آپ سے اُس کلام کی شرح دریافت فرماتے اور آپ کے ارشاد گرامی کی توضیح کے خواستگار ہوتے جس نے آپ کے اقوال گرامی (احادیث و سیرت) میں غور و فکر کیا ہے، اس پر یہ بات واضح ہو گئی ہے اور یہ حقیقت سامنے آ گئی ہے۔ آپ کا کلام جیسا قریش، انصار، اہل حجاز و اہل نجد کے ساتھ ہوتا تھا ویسا انداز کلام اس وقت نہیں ہوتا تھا جب آپ ذی المشار ہمدانی طہفۃ النہدی قطن بن حارثہ اشعث بن قیس اور وائل بن الحجر الکندی سے گفتگو کے وقت اختیار فرماتے تھے جو امراء و ملوک یمن میں سے تھے۔

جناب علامہ قاضی عیاض صاحب الشفا نے مجولہ بالا قول کی تائید میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ گرامی نامہ (متن) پیش کیا ہے

جو آپ نے بنی ھمدان کو رقم فرمایا تھا، اس مکتوب گرامی میں فصاحت و بلاغت، جزالت الفاظ اور اُن کا نظم اپنے کمال پہ ہے اور کمال یہ ہے کہ یہ گرامی نامہ ان ہی کی زبان، اُن ہی کے لغت اور اُن ہی کے روزمرّہ میں ہے :

اِن لَکُمۡ فِراعَھَا و وِھَاطَہا و عزازھا
تا کلُون عِلافھا د ترعَوُن عِفاءَ ھَا
انسا مِن دَفۡئِہم وَصِرَامِھِم دَ
سَلَّمُوا بِا لمیثاقِ والامَانَۃ ، ولَھُم
مِنَ الصَّدقۃِ الثِّلبُ وَ النّابُ وَالفَصِیلُ
وَ الفارِضُ الدّاجِنُ وَالکَبشُ الحُوارِیُّ
وَعَلَیۡہِمۡ فِیھا الصَّالِغُ وَ القارِحُ !

(اقتباس از نامہ گرامی)

تمہارے لیے نشیب فراز اور سنگریزوں والی زمین ہے بس تم اس کی پیداوار کھاؤ اور اس میں (اپنے جانور) بے روک ٹوک چراؤ، ہمارے لیے ان کے مویشیوں اور غلّے کے خرمنوں سے وہی حصہ ہے جو وہ عہد (کے مطابق) اور امانت سے ادا کریں گے ان کے لئے صدقے کا مال، بوڑھے اونٹ، اونٹنیاں، شتر بچے، عمر رسیدہ اور گھر پر کھڑے رہنے والے اونٹ (جن کی کھال سے نطع بنایا جاتا ہے) اور ان پر وہ بکری اور وہ گائے ہے جو چھ سال کی ہو اور وہ اونٹ جو پانچویں سال میں ہو۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس گرامی نامہ سے میں نے چند متبرک سطور پیش کی ہیں جو آپ نے بنی نہد کو ان ہی کے روزمرہ اور ان ہی کے لغات میں تحریر فرمایا تھا۔ قریش کا روزمرّہ اور زبان یہ نہیں تھی، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمرائے حضرموت (اقیال) اور شاہانِ یمن کو بھی جو مکتوبات ارسال کئے یا اُن کی باریابی کے موقع پر اُن سے گفتگو فرمائی وہ انہی کی زبان اور اُن ہی کے روزمرہ میں فرمائی، آپ اُن سے گفتگو میں ان ہی کا اسلوب بیان اور اُن ہی کے مخصوص لغات استعمال فرماتے تھے باوجودیکہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نہ اُن قبائل میں کبھی تشریف لے گئے اور نہ اُن علاقوں اور قبائل کی زبان سیکھی یہ سب کچھ توقیفی اور توفیقی تھا۔

مندرجہ بالا مکتوب گرامی جو بنی ہمدان کو ارسال کیا گیا تھا، اس کی فصاحت، جزالت الفاظ، نظم و ترتیب، ایجاز اور بلاغت کی تعریف کس کا یارا ہے جو کر سکے۔ اس سجع اور تلازم لفظی پر نظر ڈالئے جو تکلف اور تصنع سے بالکل عاری ہے! سبحان اللہ! سبحان اللہ!!

" فِراعَھَا و وِھَاطَھَا و عَزازَھَا - عِلافَھا ، عِفاءَھَا اور دَفۡئِہِمۡ وصِرَامِھِمۡ میں جو بلاغت اور علم معانی و بیان و بدیع کے جو لوازم ہیں ان پر فصاحت زبان و بیان وجد کرتی ہے۔"
وَالثلب و النّاب والفصیل والفارض الداجن ... الصّالِغ والقارِح جیسے الفاظ

جن میں کثیر و بسیط معانی پنہاں ہیں، ان میں جو اعجاز ہے وہ ظاہر ہے، زبان پر کامل قدرت، الفاظ کا حسن انتخاب اپنے کمال پر ہے، کون سی زبان لائی جائے جو ان خوبیوں کی تعریف کر سکے !!

"وائل بن حجر" کو جو گرامی نامہ ارسال کیا گیا تھا اس میں یہ بھی ارقام فرمایا گیا تھا!

وَفِي التِّيعَةِ شَاةٌ لَا مُقَوَّرَةُ الْأَلْيَاطِ وَلَا ضِنَاكٌ وَأَنْطُوا الثَّبَجَةَ وَفِي السُّيُوبِ الْخُمُسُ وَمَنْ زَنَى مِمْ بِكْرٍ فَاصْقَعُوهُ مِائَةً وَاسْتَوْفِضُوهُ عَامًا وَمَنْ زَنَى مِمْ ثَيِّبٍ فَضَرِّجُوهُ بِالْأَضَامِيمِ وَلَا تَوْصِيمَ فِي الدِّينِ وَلَا غُمَّةَ فِي فَرَائِضِ اللهِ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَوَائِلُ بْنُ حُجْرٍ يَتَرَفَّلُ عَلَى الْأَقْيَالِ۔

یعنی اور چالیس بکریوں میں سے ایک بکری ہے جو نہ بہت دبلی ہو اور نہ بہت موٹی (درمیانی ہو) اور نہ اعلیٰ نہ ادنیٰ اور زمین کی پیداوار سے پانچواں حصہ ہے اور جو کوئی کنواروں میں سے زنا کا مرتکب ہو تو اس کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لئے جلاوطن کر دو اور شادی شدہ زانی کو پتھروں سے رجم کرو کیونکہ دین میں ڈھیل نہیں ہے۔ اور اللہ کے فرائض میں اخفا نہیں ہے، ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے اور وائل بن حجر تمام اُمرا (اقیال) پر سرداری کرے۔"

اس مکتوب گرامی کا اسلوب، اس کے لغات اور تراکیب بھی وہی ہیں جو اس قبیلہ میں رائج تھا اور اسی قبیلہ کا انداز بیان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا، علامہ قاضی عیاض فرماتے ہیں۔

"اکثر استعمالهم هذه الالفاظ استعملها معهم لتبيين للناس ما نزل اليهم" ويحدث للناس بما يعلمون ٥

یعنی "آپ ان لوگوں سے گفتگو اور معاملہ کے وقت وہی الفاظ استعمال فرماتے جو بعینہ وہ لوگ استعمال کرتے تھے: قرآن حکیم کی آیات کا مفہوم اور اس کی وضاحت بھی ان ہی کی زبان میں فرماتے جس میں وہ لوگ کلام کرتے تھے اور پسند کرتے تھے۔"

جناب عطیہ السعدی والی حدیث میں ہے کہ آپ نے اُن سے فرمایا:

فَإِنَّ الْيَدَ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْطِيَةُ وَالْيَدَ السُّفْلَى هِيَ الْمُنْطَاةُ

یعنی "بیشک اونچا ہاتھ تو دینے والا ہے اور لینے والا ہاتھ تو نیچا ہے۔"

مختلف قبائل کے یہ لوگ اعتراف کیا کرتے تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم سے کلام فرماتے ہیں تو ہماری ہی زبان میں فرماتے ہیں۔ چنانچہ "المنطیہ" اور "المناط" قریش کے لغات نہیں تھے بلکہ قبیلہ سعد سے مختص تھے:

"علامہ قاضی عیاض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت پر مختصراً گفتگو کرنے کے بعد اس بحث کو ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔

واما کلامہ المعتاد وفصاحتہ المعلومۃ :
جوامع کلمہ وحکمہ ماثورہ فقد الف الناس فیہا دواوین وجمعت
فی الفاظہا ومعانیہا الکتب وفیہا ما لا یوازی فصاحۃ ولا یباری بلاغتہ

یعنی "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام معتاد، آپ کی فصاحت معلومہ، آپ کے جوامع الکلم اور احکام ماثورہ کے سلسلہ میں بہت سے لوگوں نے متعدد کتب لکھی ہیں اور دفتر کے دفتر تیار کر دیئے ہیں جن میں اُن الفاظ (اور اُن کے معانی) کو جمع کیا گیا ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو فصاحت ان الفاظ کی برابری نہیں کر سکتی اور نہ بلاغت کو تاب مقاومت ہوئی":

علامہ قاضی عیاض کے محولہ بالا قول کی مزید صراحت و وضاحت کے لیے میں یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات گرامی پیش کر رہا ہوں، جو اپنی سلاست بیان، نظم الفاظ، فصاحت کلمات اور ایجاز کے نادر نمونے ہیں۔ ان حکمت آفرین کلمات اور جملوں میں معانی کا ایک سمندر موجزن ہے، آپ کے یہ کلمات طیبات کم سے کم الفاظ اور زیادہ سے زیادہ معانی کے حامل ہیں۔ ان کی جامعیت کا یہ عالم ہے کہ دوسرے فصیح و بلیغ انسان کے کلام میں اس کی مثال ملنی ناممکن ہے،

آپ کی بارگاہ فلک رفعت میں ہر وقت کے حاضر باش اصحاب جو خود ہی زباندان اور قریش کے فصیح و بلیغ اصحاب تھے، آپ کی اس فصاحت و بلاغت پر اکثر حیرت کا اظہار فرماتے، آپ نے ان کے تحیر کو دور کرنے کے لئے ارشاد فرمایا۔!!

"انا افصح العرب بید انی من قریش ونشات فی بنی سعد بن بکر"

یعنی میں عرب میں فصیح ترین شخص ہوں جبکہ میں قریش سے ہوں اور بنی سعد بن بکر میں میری نشوونما ہوئی ہے۔

اسی طرح ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خدمت گرامی میں عرض کیا کہ

"یا رسول اللہ! میں عرب کے تمام قبائل میں گھوما پھرا ہوں اور ان قبائل کے فصحاء سے میں نے گفتگو کی ہے لیکن میں نے آپ سے زیادہ کسی کو فصیح نہیں پایا، یہ تعلیم آپ کو کس نے دی"۔

اس کے جواب میں حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ادبنی ربی فاحسن تادیبی"

میرے رب نے میری تعلیم و تادیب کی ہے اور خوب ہی ادب سکھایا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر اس زمانے میں کوئی اور ماہر انساب نہیں تھا اور ممکن نہ تھا کہ کوئی فصیح و بلیغ شخص اس زمانے میں ہو اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس سے واقف نہ ہوں، اس وقت کا کوئی خطیب، کوئی شاعر و رکھنے والا ایسا نہ تھا جو آپ کی نگاہوں سے چھپا ہو پس حضرت صدیق اکبر کا آپ کی فصاحت و بلاغت پر اظہار حیرت ہی اس امر کی دلیل ہے کہ "دنیائے عرب میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ فصیح و بلیغ کوئی فرد نہیں تھا۔

یہاں جو چند کلمات طیبات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی پیش کئے جا رہے ہیں یہ آپ کے کلام کا کوئی منتخبہ نمونہ نہیں بلکہ یہ ایسے کلماتِ طیبات ہیں جو اپنی معانی آفرینی اور جامعیت کے اعتبار سے زبان زد خواص و عوام ہیں، زبانوں پر بے تکلف جاری و ساری ہیں، غور کیجئے کہ نہ اِن کلماتِ طیبات میں اَدائے مقصود میں کہیں (معاذ اللہ) کوتاہی ہے نہ ضرورت سے زیادہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، ہر ایک ارشادِ گرامی فصاحت و بلاغت اور جامعیت کا بہترین نمونہ ہے، تعقید سے خالی ہے۔ تکلف و تصنع کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے، اسلوبِ بیان میں متانت رچی بسی ہے اور معانی کی وسعتوں کا کیا کہنا! دریا بکوزہ کا مصداق ہے، وتنوع دلالت میں الفاظ کی کمی کے با وصف کامل ہے اور معانی و بیان کی صفات سے آراستہ ہے!!

یہ تو حقیقت کے اعتبار سے کہا گیا ہے کہ یہ موضوع حقیقت کی ترجمانی ہی چاہتا ہے ورنہ محبت و عقیدت تو ایک ایک لفظ پر سر خم کرتی ہے، ایمان تر و تازہ ہوتا ہے، روحِ ایقان وجد میں آتی ہے اور کیوں نہ ہو!

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملت بہ شست (سعدی)

کس کی زبان کا یارا ہے کہ اس کلام کی تعریف کر سکے جس کی خوبیوں کی خالقِ اکبر اس طرح قسم یاد فرمائے:

وَقِيلِهِ يَٰرَبِّ إِنَّ هَٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُونَ ۝ "مجھے رسول کے اس کہنے کی قسم کہ اے میرے رب یہ لوگ ایمان نہیں لاتے"۔ (الزخرف آیت ۸۸)

عقیدت و محبت نے لرزتے ہاتھوں، ترساں انگلیوں اور سر بفکر قلم سے اِن چند کلماتِ طیبات کو زیبِ قرطاس بنانے کی جرأت کی ہے تاکہ دنیا کے ادیب اپنی فصاحت و بلاغت کے معیار پر اس ندرِ کامل عبارت کو اگر چاہیں تو کس لگا کر دیکھ لیں اگر اُن میں اتنی جرأت ہو لیکن ادب شرط ہے کہ یہ بارگاہ بڑی عالی وقار ہے:

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا (عزت بخاری)

علم معانی و بیان تو یہاں خود سرافگندہ و سرنگوں ہیں کہ اِن علوم کا وجود تو خود حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود گرامی کا صدقہ ہے ان علوم کا منبع اور ان کی اساس تو خود قرآنِ حکیم اور اس کا بیان یعنی حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے، علم فصاحت و بلاغت کو وجود تو خود حضور کے کلامِ معرفت التیام نے بخشا ہے، صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع کے جملہ قواعد تو خود فرامین حدیث سے اخذ کئے گئے ہیں کہ حدیثِ رسول بھی تو اعجاز رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ اسی کلام کے لئے تو فرمایا گیا ہے میں اِس جسارت پر آمادہ نہ ہوتا لیکن دل نے کہا کہ اسلافِ کرام نے بھی شمائلِ نبوی اور ارشاداتِ مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر قلم اٹھایا ہے اور اپنی آبرو بڑھائی ہے اور اپنے کلام و بیان کو اس کے فیض سے سرمدی بنایا ہے تو میں بھی اُن ہی بزرگوں کا نام لیوا ہوں مانا کہ وہ آفتاب تھے میں ذرہ ہوں، وہ سمندر تھے میں قطرہ ہوں وہ گلستان تھے میں خار بندِ گلستاں ہوں، لیکن یہ خار بندِ گلستاں بھی کبھی کبھی پھولوں کا منہ چوم لیتا

ہے، قطرے کو بھی دریا کے توسط سے سمندر کی موجوں سے ہم آغوشی کا شرف حاصل ہوجاتا ہے۔ ذرہ بھی خورشید کے پرتو سے چمکنے لگتا ہے لہٰذا میں بھی اسلاف کرام کے اس کوچے میں قدم رکھ رہا ہوں، الٰہی میری آبرو رہ جائے۔

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعید و بے شمار حکمت آگیں، فصاحت نظام و بلاغت التیام کلام سے جو ان مذکورہ اوصاف سے کہیں زیادہ خوبیوں کے حامل ہیں، یہ چند لطیف، پاکیزہ، مقدس و معطر معنی آفریں اور سبق آموز کلمات پیش کر رہا ہوں جو فصاحت و بلاغت اور اعجاز کلام کے نادر نمونے ہیں۔

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

۱ اَلنَّاسُ كَاَسْنَانِ الْمُشْطِ	لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح ہیں۔
۲ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ	بیٹا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو۔
۳ لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ	سنی ہوئی بات دیکھی ہوئی بات کی طرح نہیں ہے (شنیدہ کے بود مانند دیدہ)
۴ مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ	جو (مخلوق پر) رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتے گا۔
۵ سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ	قوم کا سردار وہ ہے جو اس کی خدمت کرے (ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد)
۶ تَرْكُ الشَّرِّ صَدَقَةٌ	شر (برائی) کا ترک کرنا بھی صدقہ (نیکی) ہے۔
۷ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ	انسان اس کے ساتھ ہے جس کو وہ محبوب رکھے۔
۸ اَلنَّاسُ مَعَادِنُ	لوگ کانیں ہیں۔
۹ اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ	جس سے مشورہ لیا جائے اس کے لیے امانت ضروری ہے۔
۱۰ هُوَ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ۔	انسان مختار ہے جب تک کلام نہ کرے۔
۱۱ مَا هَلَكَ امْرُءٌ عَرَفَ قَدْرَهُ	وہ شخص ہلاک نہیں ہوتا جو خود شناس ہے۔
۱۲ رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ خَيْرًا فَغَنِمَ اَوْ سَكَتَ فَسَلِمَ	اللہ تعالیٰ نے اس بندے پر رحم فرمایا جس نے اچھی بات کہی تو فائدہ اٹھایا یا خاموشی اختیار کر کے محفوظ ہوگیا۔
۱۳ ذُوالْوَجْهَيْنِ لَا يَكُوْنُ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا۔	منہ دیکھ کر بات کرنے والا، اللہ تعالیٰ کے حضور میں باعزت نہیں ہے۔
۱۴ خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا	میانہ روی (اعتدال) اچھی چیز ہے۔
۱۵ اَسْلِمْ تَسْلَمْ	اسلام قبول کر، محفوظ ہوجا!
۱۶ اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُ كُنْتَ	اللہ سے ڈر تو جہاں کہیں بھی ہو۔
۱۷ اَحْبِبْ حَبِيْبَكَ هَوْنًا مَا عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ بَغِيْضَكَ يَوْمًا	اپنے دوست کو راز کم بتاؤ، ممکن ہے وہ تمہارا کسی روز دشمن ہوجائے!

مندرجہ بالا ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اصول معاشرت، اجتماعی زندگی اور اُخروی، زندگی کی کامیابی اور کامرانی پر فائز ہونے کے جو اعلیٰ مقاصد اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ اس کی توضیح و تشریح کے لیے سینکڑوں صفحات درکار ہوں گے۔

ہمارا نبی

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

کے

خطبات

لغوی اعتبار سے خطبہ" کے معنی وعظ و نصیحت کے ہیں۔ روایتی طور پر خطبے میں وعظ و تذکیر، نیکی کی تلقین اور نصیحت ہی کیجاتی ہے۔ خطیب اپنی بات کو موثر بنانے کیلئے حتی المقدار منطق واستدلال جوش، جذبات اور زبان و بیان کے جملہ ذرائع سے کام لیتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فصاحت و بلاغت اور حسن بیان کا اعجاز بھی عطا فرمایا۔ اس لئے اللہ کے رسول مختصر الفاظ میں انتہائی مفید اور موثر باتیں ارشاد فرماتے۔ یہاں حضور کے چند خطبات مع ترجمہ کے پیش کئے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

ا

کوہِ صفا کا خطبہ

سورہ شعراء کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ (اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کی روایت کے مطابق کوہِ صفا پر چڑھ کر قریش کو پکارا: "لوگو! دوڑو"۔ اہلِ مکہ گھبرا گئے اور اُس طرف لپکے۔ عموماً کسی امرِ خصوصی کے موقع پر اس طرح لوگوں کو جمع کیا جاتا تھا۔ لوگ جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا:

یَا بَنِیْ فُلَانٍ، یَا بَنِیْ فُلَانٍ، یَا بَنِیْ فُلَانٍ، یَا بَنِیْ عَبْدِ مُنَافٍ، یَا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَرَأَیْتُكُمْ لَوْ اَخْبَرْتُكُمْ اَنَّ خَیْلًا تَخْرُجُ بِسَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ اَكُنْتُمْ مُصَدِّقِیَّ؟ قَالُوْا مَا جَرَّبْنَا عَلَیْكَ كَذِبًا فَقَالَ یَا بَنِیْ كَعْبِ بْنِ لُؤَیٍّ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ ٥ یَا بَنِیْ مُرَّةَ ابْنِ كَعْبٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ ٥ یَا بَنِیْ عَبْدِ شَمْسٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ ٥ یَا بَنِیْ عَبْدِ مُنَافٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ ٥ یَا بَنِیْ هَاشِمٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ ٥ یَا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ ٥ یَا فَاطِمَةُ اَنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ ٥ فَاِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا ٥ غَیْرَ اَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَاَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا ٥ وَفِیْ رِوَایَةٍ یَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ ٥ یَا صَفِیَّةُ بِنْتَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ٥ یَا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ٥ یَا عَبَّاسَ ابْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا ٥ سَلُوْنِیْ مِنْ مَالِیْ مَا شِئْتُمْ ٥ یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ اِشْتَرُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ اللّٰهِ لَا اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا ٥ اِنِّیْ نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ٥ اِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُكُمْ كَمَثَلِ رَجُلٍ رَاَی الْعَدُوَّ فَانْطَلَقَ یَرْبَاُ اَهْلَهٗ ٥ فَخَشِیَ اَنْ یَّسْبِقُوْهُ فَجَعَلَ یَهْتِفُ بِاَصْبَاحَاهُ ٥

(اے فلاں کی اولاد، اے فلاں کی اولاد، اے فلاں کی اولاد، اے عبدِ مناف کی اولاد، اے عبد المطلب کی اولاد، کیا خیال ہے اگر میں تمھیں یہ بتاؤں کہ اس پہاڑ کے دامن میں سواروں کا ایک لشکر آ نکلا ہے تو تم مجھے سچا سمجھو گے؟ سب نے کہا ہمیں آپ سے کبھی جھوٹ کا تجربہ نہیں ہوا۔ اس پر آپ نے فرمایا:

ل اس خطبے کے الفاظ مختلف حدیثوں میں بکھرے ہوئے ہیں، یہاں انھیں جمع کر دیا گیا ہے۔

اے کعب بن لوی کی اولاد! اپنے تئیں جہنم کی آگ سے بچا لو۔ اے مرہ بن کعب! تم بھی خود کو دوزخ کی آگ سے بچالو۔ اے اولادِ عبد شمس! تم بھی خود کو آتشِ دوزخ سے بچالو۔ اے عبدِ مناف کے خاندان والو! تم بھی اپنے تئیں آگ سے بچالو۔ اے بنو ہاشم! تم بھی خود کو آگ سے بچاؤ۔ اے عبد المطلب کے اہلِ خاندان! اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اے میری پیاری بچی فاطمہ! تم بھی اپنے تئیں دوزخ سے بچالو کیونکہ میں تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا مختار نہیں ہوں بجز اس کے کہ میری تم سے قرابت داری ہے تو میں اس کا حق ادا کرتا رہوں گا۔ ایک روایت میں ہے (آپ نے فرمایا) اے فاطمہ بنت محمد! اے صفیہ بنت عبد المطلب، اے بنی عبد المطلب، اے عباس بن عبد المطلب! میں تمہارے لئے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا مختار نہیں ہوں بجز اس کے کہ میری تم سے قرابت داری ہے سو میں اس کا حق ادا کرتا رہوں گا۔ البتہ میرے مال میں سے جتنا چاہو مانگ لو۔ اے گروہِ قریش! اپنی جانیں اللہ سے خرید لو، میں اللہ کی کسی چیز سے تمہیں مستغنی نہیں کر سکتا میں تو ایک سخت عذاب سے پہلے تمہیں اس سے ڈرانے والا ہوں۔ میری اور تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے دشمن کو دیکھ لیا ہو اور وہ اپنے اہلِ خاندان کا دیدبان بن جائے، اسے خدشہ محسوس ہو کہ وہ (اہلِ خاندان) دشمن کی طرف بڑھ جائیں گے۔ چنانچہ وہ پکارنے لگے، لوگو! ہوشیار ہو جاؤ)

اس مجمع میں ابولہب بھی موجود تھا، حضور کے ارشادات سن کر وہ بہت سیخ پا ہوا آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: تیرا برا ہو، تو ہلاک ہو، کیا تو نے ہمیں اس لئے جمع کیا تھا!" اسی طرح اول فول بکتا ہوا وہ وہاں سے چلا گیا۔ آپ نے اس کا جواب نہیں دیا بعد ازاں سورۂ لہب نازل ہوئی جس میں ابولہب اور اس کی بیوی کو عذاب کی وعید سنائی گئی۔

۲
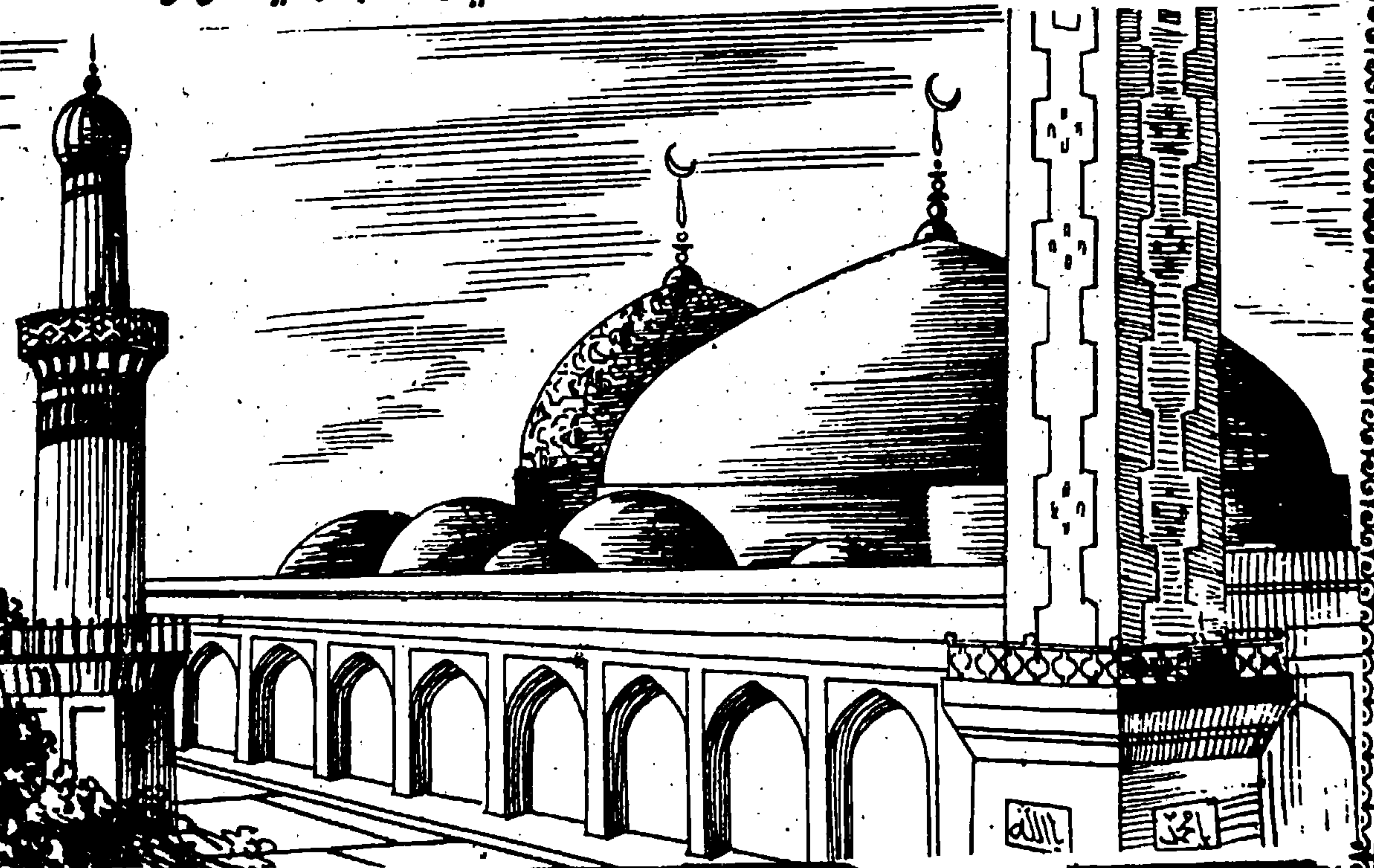
صراطِ مستقیم

رسول خدا نے مدینہ میں داخل ہونے کے بعد وہاں کے پہلے جمعہ میں مندرجہ ذیل خطبہ ارشاد فرمایا :

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہ اَحْمَدُہٗ وَاَسْتَعِیْنُہٗ وَاَسْتَغْفِرُہٗ وَاَسْتَھْدِیْہِ ہ وَاُوْمِنُ بِہٖ وَلَا اَکْفُرُہٗ وَاُعَادِیْ مَنْ یَّکْفُرُہٗ ہ وَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ہ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ہ اَرْسَلَہٗ بِالْھُدٰی وَالنُّوْرِ وَالْمَوْعِظَۃِ ہ عَلٰی فَتْرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ ہ وَقِلَّۃٍ مِّنَ الْعِلْمِ وَضَلَالَۃٍ مِّنَ النَّاسِ ہ وَانْقِطَاعٍ مِّنَ الزَّمَانِ وَدُنُوٍّ مِّنَ السَّاعَۃِ ہ وَقُرْبٍ مِّنَ الْاَجَلِ ہ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ ہ وَمَنْ یَّعْصِھِمَا فَقَدْ غَوٰی وَفَرَّطَ وَضَلَّ ضَلَالًا بَعِیْدًا ہ اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ ہ فَاِنَّہٗ خَیْرُ مَا اَوْصٰی بِہِ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ اَنْ یَّحُضَّہٗ عَلَی الْاٰخِرَۃِ وَاَنْ یَّاْمُرَ بِتَقْوَی اللّٰہِ ہ فَاحْذَرُوْا مَا حَذَّرَکُمُ اللّٰہُ مِنْ نَّفْسِہٖ ہ وَلَا اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِکَ نَصِیْحَۃً وَّ لَا اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِکَ ذِکْرًا ہ وَاِنَّ تَقْوَی اللّٰہِ لِمَنْ عَمِلَ بِہٖ عَلٰی وَجَلٍ وَّمَخَافَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ عَوْنُ صِدْقٍ عَلٰی مَا تَبْغُوْنَ مِنْ اَمْرِ الْاٰخِرَۃِ ہ وَمَنْ یُّصْلِحِ الَّذِیْ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اللّٰہِ مِنْ اَمْرِہٖ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃِ لَا یَنْوِیْ بِذٰلِکَ اِلَّا وَجْہَ اللّٰہِ یَکُنْ لَّہٗ ذِکْرًا فِیْ عَاجِلِ اَمْرِہٖ ہ وَذُخْرًا فِیْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ ہ حِیْنَ یَفْتَقِرُ الْمَرْءُ اِلٰی مَا قَدَّمَ ہ وَمَا کَانَ مِنْ سِوٰی ذٰلِکَ یَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَہٗ وَبَیْنَہٗ اَمَدًا بَعِیْدًا وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ہ وَالَّذِیْ صَدَقَ قَوْلَہٗ وَاَنْجَزَ وَعْدَہٗ لَا خُلْفَ لِذٰلِکَ ہ فَاِنَّہٗ یَقُوْلُ عَزَّ وَجَلَّ۔ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ہ فَاتَّقُوا اللّٰہَ فِیْ عَاجِلِ اَمْرِکُمْ وَاٰجِلِہٖ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃِ فَاِنَّہٗ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یُکَفِّرْ عَنْہُ سَیِّاٰتِہٖ وَیُعْظِمْ لَہٗ اَجْرًا ہ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ہ وَاِنَّ تَقْوَی اللّٰہِ یُوَقِّیْ مَقْتَہٗ وَیُوَقِّیْ عُقُوْبَتَہٗ وَیُوَقِّیْ سَخَطَہٗ ہ وَاِنَّ تَقْوَی اللّٰہِ یُبَیِّضُ الْوُجُوْہَ وَیُرْضِی الرَّبَّ وَیَرْفَعُ الدَّرَجَۃَ ہ خُذُوْا بِحَظِّکُمْ وَلَا تُفَرِّطُوْا فِیْ جَنْبِ اللّٰہِ ہ وَقَدْ عَلَّمَکُمُ اللّٰہُ کِتَابَہٗ ہ وَنَھَجَ لَکُمْ سَبِیْلَہٗ ہ لِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَیَعْلَمَ الْکَاذِبِیْنَ ہ فَاَحْسِنُوْا کَمَا اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ وَعَادُوْا اَعْدَاءَہٗ ہ وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ھُوَ اجْتَبٰکُمْ وَسَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ ہ لِیَھْلِکَ مَنْ ھَلَکَ عَنْ بَیِّنَۃٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَۃٍ ہ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ہ فَاَکْثِرُوْا ذِکْرَ اللّٰہِ ہ وَاعْمَلُوْا لِمَا بَعْدَ الْیَوْمِ ہ فَاِنَّہٗ مَنْ یُّصْلِحْ مَا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اللّٰہِ یَکْفِہِ اللّٰہُ مَا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ النَّاسِ ہ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ یَقْضِیْ عَلَی النَّاسِ ہ وَلَا یَقْضُوْنَ عَلَیْہِ ہ وَیَمْلِکُ مِنَ النَّاسِ ہ وَلَا یَمْلِکُوْنَ مِنْہُ ہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ہ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ہ (طبری ۔ قرطبی ۔ مواہب اللدنیہ)

(تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں میں اس کی تعریف کرتا ہوں اور اسی سے مدد اور بخشش اور رہنمائی چاہتا ہوں۔ میرا ایمان اسی پر ہے۔ میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا اور نافرمانی کرنے والوں سے عداوت رکھتا ہوں ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ سوا خدا کے

کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں جن کو اس نے ہدایت نور اور نصیحت دے کر اس وقت بھیجا جب مدتوں سے نبیوں کی آمد کا سلسلہ بند تھا۔ علم گھٹ گیا تھا اور لوگ گمراہ ہو گئے تھے۔ طویل عرصہ گزر گیا تھا۔ قیامت قریب تھی اور اجل سر پر منڈلا رہی تھی۔ جس نے خدا اور رسول کی اطاعت کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہی گمراہ ہوا، درجہ سے گرا اور دُور کی گمراہی میں مبتلا ہوا۔

میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور بہترین تاکید وُہ ہے جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو آخرت کے لئے آمادہ کرے اور اللہ سے ڈرنے کا حکم دے۔ حق تعالیٰ سے ڈرتے رہو، جیسے کہ خود اس نے تمہیں اپنی ذات سے ڈرتے رہنے کی ہدایت فرمائی ہے، نہ تو اس سے بڑھ کر کوئی نصیحت ہے، نہ اس سے افضل کوئی ذکر ہے، جان لو کہ آخرت کی جن بھلائیوں کے تم امیدوار ہو وہ سب موقوف ہیں اُن نیک اعمال پر جو تم خوفِ خدا اور تقویٰ سے بجالاؤ۔ اور جو شخص صرف رضائے الٰہی کی جستجو میں اپنے ان تمام کاموں اور ارادوں کی اصلاح کرلے جو اُس کے اور خدا کے درمیان ہیں خواہ وہ پوشیدہ امور ہوں خواہ ظاہری۔ تو رب العالمین اُسے دنیا میں نیک نام نیک انجام کردے گا اور آخرت میں بھی اُسے نیکیوں کا ذخیرہ عطا فرمائے گا۔ یہی وُہ وقت ہوگا جب انسان اپنی نیکیوں کا سخت تر محتاج ہوگا اور نیکیوں کے سوا اور اعمال سے اُسے اس روز اس قدر نفرت ہوگی کہ کہے گا کاشکے میرے اور ان نکمے اعمال کے درمیان بعید و غایت فاصلہ اور دُوری ہوتی جناب باری تبارک وتعالیٰ تمہیں خود اپنی ذاتِ گرامی سے ڈرا رہا ہے۔ اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ جس نے اس کی بات کو سچ جانا اور اس کا وعدہ پُورا کیا اس کے لئے اس کے خلاف نہ کیا جائے گا کیونکہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ میرے ہاں کی باتیں بدلتی نہیں، اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں۔ پس اللہ رب العزت سے ڈرو دنیوی معاملات میں بھی اور اُخروی معاملات میں بھی، پوشیدہ بھی اور اعلانیہ بھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے جو ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادے گا اور اس کے اجر کو بڑھا دے گا۔ جو اللہ سے ڈرا اس نے عظیم کامیابی حاصل کرلی۔ اللہ کا ڈر، اس کی بیزاری، اس کے عذاب اور اس کی ناراضگی کو دُور کر دیتا ہے اور اللہ کا ڈر چہرے کو منور کر دیتا ہے رب کو راضی کر دیتا ہے درجات کو بلند کر دیتا ہے اپنا حصہ لے لو۔ خدا کی قربت حاصل کرنے میں کمی نہ کرو۔ اس نے اپنی پاک کتاب تمہیں سکھا دی۔ تمہارے لئے ہدایت کا راستہ کھول دیا تاکہ وُہ جان لے کہ سچے کون ہیں اور جھُوٹے کون ہیں۔ جس طرح خدا نے تمہارے ساتھ احسان وسلوک کیا ہے تم بھی احسان وسلوک کا رویہ اختیار کرو۔ اللہ کے دشمنوں سے دشمنی رکھو۔ راہِ خدا میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اسی نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے، تاکہ ہر ہلاک ہونے والا دلائل دیکھ لینے کے بعد ہلاک ہو اور ہر زندگی حاصل کرنے والا بھی دلائل کے ساتھ زندہ رہے۔ قوت صرف اللہ ہی کی ہے۔ اللہ کا ذکر بکثرت کیا کرو۔ موت کے بعد کام آئیں وہ اعمال کرلو جو اللہ تعالیٰ کے اور اپنے درمیان کے تعلقات سنوار لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے تعلقات سنوار دے گا۔ کیونکہ خدائے بزرگ و برتر کی لوگوں پر چلتی ہے، لوگوں کی اس پر نہیں چلتی۔ وہ تمام مخلوق پر حاکم اور سب کا مالک ہے مگر وہ اس کی کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے اور تمام قوتیں اور طاقتیں اسی خدائے بزرگ و برتر کی ہیں۔

۳

برکاتِ جمعہ

حضرت انس کا بیان ہے کہ ایک روز ہم سب صحابہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

أتاني جبريلُ وفي يده كالمرآة البيضاء في وسطها كالنكتة السوداء۔ قلتُ يا جبريلُ ما هذا؟ قال هذا يومُ الجمعة يعرض عليك ربك ليكون لك عيداً ولأمتك من بعدك۔ قلتُ يا جبريلُ فما هذه النكتةُ السوداء؟ قال هذه الساعةُ وهي تقوم في يوم الجمعة وهو سيدُ أيام الدنيا ونحن ندعوه في الجنة يومَ المزيد۔ قلتُ يا جبريلُ ولِمَ تدعونه يومَ المزيد؟ قال لأن اللهَ عزَّ وجلَّ اتخذ في الجنة وادياً أفيح من مسكٍ أبيض۔ فإذا كان يومُ الجمعة ينزل ربُّنا على كرسيِّه إلى ذلك الوادي۔ وقد حفَّ العرشُ بمنابرَ من ذهبٍ مكلَّلةٍ بالجوهر وقد حفَّت تلك المنابرُ بكراسيَّ من نورٍ ثم يأذنُ لأهل الغرفات فيقبلون يخوضون كثائبَ المسك إلى الركب عليهم أسورةُ الذهب والفضة وثيابُ السندس والحرير۔ حتى ينتهوا إلى ذلك الوادي فإذا اطمأنوا فيه جلوساً بعث اللهُ عزَّ وجلَّ عليهم ريحاً يقال لها المثيرة فثارت ينابيعُ المسك الأبيض في وجوههم وثيابهم۔ وهم يومئذٍ جردٌ مردٌ مكحلون أبناءُ ثلاثٍ وثلاثين يضرب جمالُهم إلى سُرَرِهم على صورة آدم يوم خلقه الله عزَّ وجلَّ فينادي ربُّ العزة تبارك وتعالى رضوانَ وهو خازنُ الجنة۔ فيقول يا رضوانُ ارفعِ الحُجُبَ بيني وبين عبادي وزُوَّاري۔ فإذا رفع الحجبَ بينه وبينهم فرأوا بهاءه ونورَه هبّوا له سجّداً فيناديهم عزَّ وجلَّ بصوتٍ ارفعوا رؤوسكم۔ فإنما كانت العبادةُ في الدنيا۔ وأنتم اليومَ في دار الجزاء۔ سلوني ما شئتم۔ فأنا ربُّكم الذي صدقتكم وعدي وأتممتُ عليكم نعمتي فهذا محلُّ كرامتي فسلوني ما شئتم۔ فيقولون ربَّنا وأيّ خيرٍ لم تفعله بنا؟ ألستَ الذي أمنتنا على سكرات الموت؟ وآنستَ منّا الوحشةَ في ظلمات القبور؟ وأمنتَ روعتنا عند النفخة في الصور؟ ألستَ أقلتنا عثراتنا؟ وسترتَ علينا القبيحَ من فعلنا؟ وثبّتَّ على جسر جهنم أقدامنا؟ ألستَ الذي أدنيتنا في جوارك؟ وأسمعتنا من لذاذة منطقك؟ وتجلّيتَ لنا بنورك؟ فأيّ خيرٍ لم تفعله بنا؟ ويعود عزَّ وجلَّ فيسألهم بصوته فيقول أنا ربُّكم الذي صدقتكم وعدي وأتممتُ عليكم نعمتي فسلوني۔ فيقولون نسألك رضاك۔ فيقول رضاي عنكم۔ أقلتُكم عثراتِكم۔ وسترتُ عليكم القبيحَ من أموركم۔ وأدنيتُ منّي جوارَكم۔ وأسمعتُكم لذاذةَ منطقي وتجلّيتُ لكم بنوري فهذا محلُّ كرامتي فسلوني فيسألونه حتى تنتهي مسألتهم ثم يقول عزَّ وجلَّ سلوني فيسألونه حتى تنتهي رغبتهم

ثُمَّ يَقُوْلُ عَزَّ وَجَلَّ سَلُوْنِيْ فَيَقُوْلُوْنَ رَضِيْنَا رَبَّنَا وَسَلَّمْنَا۔ فَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ مَّزِيْدِ فَضْلِهٖ وَكَرَامَتِهٖ وَيَزِيْدُ زَهْرَةُ الْجَنَّةِ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَتْ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ۔ وَيَكُوْنُ كَذٰلِكَ حَتّٰى مِقْدَارَ تَفَرُّقِهِمْ مِّنَ الْجُمُعَةِ۔ قَالَ أَنَسٌ نَقُلْتُ بِأَبِيْ وَأُمِّيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا مِقْدَارُ تَفَرُّقِهِمْ؟ قَالَ كَقَدْرِ الْجُمُعَةِ إِلَى الْجُمُعَةِ۔ قَالَ يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّنَا الْعَلِيِّ وْنَ مَعَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالنَّبِيُّوْنَ ثُمَّ يُؤْذَنُ لِأَهْلِ الْغُرُفَاتِ فَيَعُوْدُوْنَ إِلٰى غُرَفِهِمْ۔ وَهُمْ غُرْفَتَانِ زُمُرُّدَتَانِ خَضْرَاوَانِ۔ وَلَيْسُوْا إِلٰى شَيْءٍ أَشْوَقَ مِنْهُمْ إِلٰى يَوْمِ الْجُمُعَةِ۔ لِيَنْظُرُوْا إِلٰى رَبِّهِمْ وَلِيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَكَرَامَتِهٖ۔ (دار قطنی)

جبریل آئے ان کے ہاتھ میں ایک سفید آئینہ سا تھا جس کے درمیان میں ایک سیاہ نقطہ سا تھا۔ میں نے پوچھا: اے جبریل یہ کیا ہے؟ فرمایا: یہ جمعہ کا دن ہے جو تم پر تمہارے رب نے پیش فرمایا ہے تاکہ یہ آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے عید کا دن ہو۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! اس کے بیچ میں یہ سیاہ نکتہ سا کیا ہے؟ فرمایا: یہ قیامت ہے جو جمعہ کے دن قایم ہو گی۔ یہ جمعہ دنیا کے تمام دنوں کا سردار ہے۔ جنت میں اس کا نام انعام کا دن رکھ چھوڑا ہے۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! تم اس کو انعام کا دن کیوں کہتے ہو؟ فرمایا: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں ایک وادی کو منتخب اور پسند کیا ہے جو سفید کستوری سے زیادہ خوشبو دار ہے جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ اس وادی کی طرف ایک کرسی پر نزول فرماتا ہے اور عرش سونے کے جواہر لگے منبروں سے گھرا ہوتا ہے اور یہ منبر نور کی کرسیوں سے گھرے ہوتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ جنتی بالاخانے والوں کو اجازت دیتا ہے وہ مشک کے ٹیلوں میں سے گھٹنوں تک دھنستے ہوئے تشریف لاتے ہیں۔ سونے چاندی کے کنگن پہنے ہوئے ریشمی اعلیٰ لباس زیب تن کیے ہوئے حتیٰ کہ اس وادی میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر جب بآرام بیٹھ جاتے ہیں تو مثیرہ نامی باد صبا چلتی ہے ان کے کپڑوں اور جسم سے سفید مشک کے فوارے پھوٹ نکلتے ہیں۔ ان کے چہرے صاف ہوتے ہیں ان کی آنکھیں سُرمگیں ہوتی ہیں۔ یہ تینتیس ۳۳ سالہ نوجوان ہوتے ہیں۔ ان کی صورتیں حضرت آدم کی اس صورت پر ہوتی ہیں جو صورت ان کی اس دن تھی جب اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا تھا۔ اب جناب باری تبارک و تعالیٰ رضوان کو جو داروغہ جنت ہے بلاتا ہے اسے حکم دیتا ہے کہ میرے اور میرے بندوں اور میری زیارت کرنے والوں کے درمیان سے حجاب اٹھا دو۔ حجاب کے دور ہوتے ہی خداوندی نور اور تازگی انہیں نظر آتی ہے چاہتے ہیں کہ سجدے میں گر پڑیں۔ اسی وقت جناب باری تعالیٰ فرماتا ہے بس سجدہ سے سر اٹھاؤ عبادت کی جگہ دنیا تھی اب یہ آخرت تو بدلے کا گھر ہے تمہیں جو کچھ مانگنا ہو مجھ سے مانگو میں تمہارا رب ہوں میں نے اپنے وعدے تم سے سچ کر دئے۔ تم پر اپنی بھرپور نعمتیں عطا فرمائیں۔ یہ تمہاری عزت افزائی کا مقام ہے اب جو تم چاہو مجھ سے مانگو۔ جنتی حضرات جواب دیتے ہیں کہ پروردگار! کون سی بھلائی ہے جو تُو نے ہمارے ساتھ نہیں کی! تُو نے ہم پر سکرات موت آسان کر دی، تُو نے ہماری قبر کی تنہائی اور اندھیروں میں ہماری وحشت دور کر دی۔ صور کے پھونکنے کے وقت تو نے ہمیں گھبراہٹ اور پریشانی سے نجات دی۔ ہماری لغزشوں سے درگزر فرمایا۔ ہمارے عیوب کی پردہ پوشی کی۔ پل صراط پر ہمیں ثابت قدم رکھا، اپنا قرب نصیب فرمایا، اپنے پاک کلام سے ہمیں لذت آشنا کیا، اپنا نور ہم پر ظاہر فرمایا۔ کون سی بھلائی تو نے ہمارے ساتھ نہیں کی! لیکن پھر بھی انہیں اپنی آواز میں پکار کر جناب باری عزّ وجل یہی فرمائے گا کہ میں نے اپنے وعدے تم سے سچے کئے۔ تم پر اپنی نعمتیں بھرپور کیں۔ اب تم مجھ سے مانگو کیا مانگتے ہو؟ وہ کہیں گے: الٰہی! ہم تیری رضامندی کے طالب ہیں

اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ تو تمہیں مل چکی، تمہاری لغزشیں معاف کیں۔ تمہاری برائیوں کی پردہ پوشی کی۔ تمہیں اپنا قرب نصیب فرمایا۔ تمہیں اپنی باتیں سننے کا شرف بخشا۔ تم پر اپنے نور کا پرتو ڈالا۔ یہ ہے تمہاری عزت افزائی کی جگہ جو میں نے تمہیں عنایت فرمائی ہے پس تم مجھ سے مانگو۔ اب یہ جنتی اللہ تعالیٰ سے مانگیں گے اور اللہ تعالیٰ اُنہیں دے گا یہاں تک کہ اُن کی تمنائیں سب پُوری ہو جائیں گی۔ پھر بھی اللہ عزّوجل ان سے فرمائے گا اور مانگو۔ یہ پھر مانگیں گے حتیٰ کہ ان کی رغبت ختم ہو جائے گی۔ پھر بھی ان سے کہا جائے گا اور مانگو۔ یہ کہیں گے بس ہم راضی ہیں لیکن جناب باری تعالیٰ اپنے فضل خاص سے انہیں اور بھی مرحمت فرمائے گا اور جنت کی تر و تازگی اس قدر بڑھائے گا جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سُنی نہ کسی انسانی دل پر ان نعمتوں کا وہم گزرا۔ الغرض جمعہ کے دن ان کے الگ ہونے تک مزید لطف و کرم اور یہ مجلس اسی طرح ہوتی رہے گی۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، ان کے الگ ہونے کی مقدار کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے برابر۔ رب العالمین کا عرش بلند درجے کے فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے جن کے ساتھ بڑے بڑے فرشتے اور انبیاء علیہم السلام ہوں گے۔ پھر ان بالاخانوں والوں کو اجازت دے دی جائے گی اور وہ اپنے زمردیں اور سبز بالاخانوں کی طرف لوٹ جائیں گے۔ انھیں جمعہ کے دن سے زیادہ کسی چیز کا شوق نہ ہوگا کہ وہ اپنے رب کی زیارت کریں تاکہ وہ ان پر مزید اپنا فضل فرمائے اور ان کی عزت افزائی فرمائے۔

۴

اللہ سے عافیت طلب کرو

ایک بار حضرت ابوبکر صدیق خطبے کے لئے منبر پر کھڑے ہُوئے اور رونے لگے۔ پھر فرمایا: پہلے ہی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خطبہ سنانے کے لیے منبر پر کھڑے ہوئے اور رو پڑے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

سَلُوا اللّٰہَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فَاِنَّ اَحَدًا لَّمْ یُعْطَ بَعْدَ الْیَقِیْنِ خَیْرًا مِّنَ الْعَافِیَۃِ۔

(ترمذی)

اللہ تعالیٰ سے معافی اور عافیت طلب کرو کیونکہ ایمان کے بعد کسی کو کوئی نعمت عافیت سے بہتر عطا نہیں کی گئی۔

۵

عذابِ قبر

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی کا انتقال ہوگیا۔ ہم ان کے جنازے میں گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے ساتھ تھے۔ قبرستان پہنچے تو ابھی (لحد) قبر تیار نہیں ہوئی تھی۔ حضور بیٹھ گئے ہم بھی آپ کے اردگرد بیٹھ گئے۔ ہم سب یوں خاموش اور بے حس وحرکت بیٹھے تھے۔ گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا جسے آپ زمین پر پھیر رہے تھے۔ سر جھکا ہوا تھا۔ ذرا سی دیر بعد آپ نے سر اُٹھایا اور فرمایا: لوگو! عذابِ قبر سے خدا کی پناہ مانگو۔ دو یا تین مرتبہ یہ حکم دیا، پھر مندرجہ ذیل وعظ بیان فرمایا:

إِنَّ الْمَيِّتَ يَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ٥ حِيْنَ يُقَالُ لَهٗ يَا هٰذَا مَنْ رَّبُّكَ وَمَا دِيْنُكَ وَمَنْ نَّبِيُّكَ ؟ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَيَأْتِيْهِ مَلَكَانِ مُنْكَرٌ وَّنَكِيْرٌ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَنْ رَّبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ رَبِّيَ اللّٰهُ - فَيَقُوْلَانِ لَهٗ وَمَا دِيْنُكَ ؟ فَيَقُوْلُ دِيْنِيَ الْإِسْلَامُ - فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ ؟ فَيَقُوْلُ هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ - فَيَقُوْلَانِ لَهٗ وَمَا يُدْرِيْكَ ؟ فَيَقُوْلُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ وَاٰمَنْتُ وَصَدَّقْتُ زَادَ فِيْ رِوَايَةٍ فَذَالِكَ قَوْلُهٗ يُثَبِّتُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ - فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ اَنْ صَدَقَ عَبْدِيْ - فَافْرُشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ - وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ - وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى الْجَنَّةِ - فَيَاْتِيْهِ مِنْ رَّوْحِهَا وَطِيْبِهَا - وَيُفْسَحُ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ مَدَّ بَصَرِهٖ - وَاِنَّ الْكَافِرَ فَذَكَرَ مَوْتَهٗ - قَالَ فَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ ٥ وَيَاْتِيْهِ مَلَكَانِ مُنْكَرٌ وَّنَكِيْرٌ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ مَنْ رَّبُّكَ ؟ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ - فَيَقُوْلَانِ مَا دِيْنُكَ ؟ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ - فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ ؟ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ اَنْ قَدْ كَذَبَ فَافْرُشُوْهُ مِنَ النَّارِ وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى النَّارِ - فَيَاْتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيْهِ اَضْلَاعُهٗ زَادَ فِيْ رِوَايَةٍ - ثُمَّ يُقَيَّضُ لَهٗ اَعْمٰى اَبْكَمُ مَعَهٗ مِرْزَبَّةٌ مِّنْ حَدِيْدٍ لَّوْ ضُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَّصَارَ تُرَابًا - فَيَضْرِبُهٗ بِهَا ضَرْبَةً يَسْمَعُهَا مَنْ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِلَّا الثَّقَلَيْنِ فَيَصِيْرُ تُرَابًا ثُمَّ تُعَادُ فِيْهِ الرُّوْحُ -

لوگ جب میت کو دفن کرکے لوٹتے ہیں ابھی ان کی جوتیوں کی آہٹ وہ سن ہی رہا ہوتا ہے کہ اسے کہا جاتا ہے: اے شخص! بتلا تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ ایک روایت میں ہے کہ اس کے پاس

دو فرشتے منکر اور نکیر آتے ہیں' اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے۔ فرشتے اس سے کہتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: میرا دین اسلام ہے۔ فرشتے کہتے ہیں: یہ شخص جو تمہاری طرف بھیجا گیا کون ہے؟ وہ شخص کہتا ہے: وہ اللہ کے رسول ہیں۔ فرشتے اس سے پوچھتے ہیں: یہ تجھے کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہتا ہے: میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اس پر ایمان لایا اور اُسے سچا جانا۔ ایک روایت میں مزید یہ ہے کہ یہی مطلب ہے اس آیت کا' جس میں فرمانِ خداوندی ہے کہ اللہ پاک ایمان والوں کو سچی اور مضبوط بات کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے دُنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی۔ اسی وقت آسمان سے پکارنے والا پکارتا ہے کہ میرے اس بندے نے سچ کہا ہے اس کے لیے جنتی فرش بچھا دو۔ اسے جنتی لباس پہنا دو۔ اس کی قبر میں سے جنت کی طرف دروازہ کھول دو۔ چنانچہ جنت کی تازہ ہوا اور خوشبو اُسے پہنچنے لگتی ہے اور حدِ نگاہ تک اس کی قبر کشادہ ہو جاتی ہے۔ کافر کی موت اور اس موت کی سختی اور بُرائی بیان فرما کر آپ نے فرمایا کہ قبر میں اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس بھی دو فرشتے منکر نکیر آتے ہیں اُسے بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ (گھبرا کر) کہتا ہے: ہائے ہائے میں تو نہیں جانتا۔ پھر پوچھتے ہیں: تیرا دین کون سا ہے؟ وہ پھر کہتا ہے: ہائے ہائے میں تو نہیں جانتا۔ فرشتے پھر پوچھتے ہیں: ان کے بارے میں تو کیا کہتا ہے جو تم میں بھیجے گئے تھے؟ وہ کہتا ہے: ہائے ہائے میں یہ بھی نہیں جانتا۔ اسی وقت آسمان سے آواز آتی ہے کہ یہ جھوٹا ہے اس کے لیے جہنم کا بستر بچھا دو اسے جہنمی لباس پہنا دو۔ اور اس کے لیے جہنم کی طرف دروازہ کھول دو۔ چنانچہ جہنم کی حرارت اور گرم ہوا اسے پہنچنے لگتی ہے اور اس کی قبر اتنی تنگ ہو جاتی ہے کہ دائیں جانب کی پسلیاں بائیں پسلیوں میں اور بائیں طرف کی دائیں طرف گھس جاتی ہیں۔ پھر اس کی قبر میں ایک فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے جو نابینا اور بہرہ ہوتا ہے اس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک گھن (بڑا ہتھوڑا) ہوتا ہے کہ اگر وہ اسے کسی پہاڑ پر مار دے تو وہ مٹی بن جائے۔ اس سے وہ اسے مارتا ہے جس کی آواز مشرق و مغرب والے سب سنتے ہیں سوائے انسانوں اور جنوں کے۔ اس سے وہ مٹی بن جاتا ہے لیکن پھر اس میں رُوح لوٹائی جاتی ہے' (اور یہی عذاب اسے ہوتا رہتا ہے)۔

۶

رمضان المبارک

حضرت سلمان فارسی سے روایت ہے کہ ایک بار آپ نے ماہِ شعبان کے آخری روز خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيمٌ. شَهْرٌ مُبَارَكٌ شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ جَعَلَ اللهُ صِيَامَهُ فَرِيضَةً وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا مَنْ تَقَرَّبَ فِيهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ أَدَّى فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ وَمَنْ أَدَّى فَرِيضَةً فِيهِ كَانَ كَمَنْ أَدَّى سَبْعِينَ فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَشَهْرٌ يُزَادُ فِيهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ فَمَنْ فَطَّرَ فِيهِ صَائِمًا كَانَ لَهُ وِقَايَةٌ وَمَغْفِرَةٌ لِذُنُوبِهِ وَعِتْقُ رَقَبَتِهِ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَجْرِهِ شَيْءٌ

لوگو! تمہارے پاس عظمت اور برکت والا مہینہ آرہا ہے اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر اس مہینہ کے روزے فرض کر دئے ہیں اور رات کا قیام نفل قرار دیا ہے۔ اس میں نفلی عبادت کا ثواب اور دنوں کی فرض عبادت کے برابر ہے اور اس میں فرض ادا کرنے والے کو اور دنوں کے ستر فرضوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔ یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے۔ یہ مہینہ باہمی غمخواری اور ہمدردی کا ہے اس میں مومن کا رزق بڑھتا ہے۔ جس نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا اُس کے گناہ بخشے جائیں گے اور آتشِ دوزخ سے نجات پائے گا اور اسی روزہ کے برابر ثواب پائے گا، بغیر اس کے کہ اس (غریب) کے ثواب سے کچھ گھٹا دیا جائے۔

ہم نے کہا: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو اتنا میسر نہیں ہوتا کہ اپنے پاس سے کسی کو افطار کرا سکیں۔ آپ نے فرمایا:

يُعْطِي اللهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلَى مَذْقَةِ لَبَنٍ أَوْ تَمْرَةٍ أَوْ شَرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ. وَمَنْ أَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللهُ مِنْ حَوْضِي شَرْبَةً لَا يَظْمَأُ حَتَّى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ شَهْرٌ أَوَّلُهُ رَحْمَةٌ وَأَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ. وَآخِرُهُ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوكِهِ فِيهِ غَفَرَ اللهُ لَهُ وَأَعْتَقَهُ مِنَ النَّارِ ۝ (مشکوٰۃ)

اللہ تعالیٰ یہ ثواب ہر اس شخص کو دے گا جو کسی روزہ دار کو فقط لسی، کھجور یا پانی کا ایک گھونٹ پلا دے۔ اور جس نے روزہ دار کو کھلا کر سیر کیا اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض میں سے ایسا پانی پلائے گا کہ دخولِ جنت تک پیاسا نہیں ہوگا۔ اس مہینے کا اوّل حصہ رحمت، درمیانی حصہ مغفرت اور آخری حصہ جہنم سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ہے۔ جو اس مہینہ میں اپنے غلام کا کام ہلکا کر دے اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور آگ سے نجات دلا دے گا۔

۷

خطبۂ بدر

ہجرت کے بعد کفار سے مسلمانوں کا پہلا معرکہ میدانِ بدر میں برپا ہوا۔ رسولِ خدا تین سو تیرہ صحابہ کو لے کر میدانِ بدر میں اُترے۔ مسلمانوں کی صفوں کو مرتب کر کے اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، پھر یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

فَاِنِّیْ اَحُثُّکُمْ عَلٰی مَا حَثَّکُمُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ وَاَنْہَاکُمْ عَمَّا نَہَاکُمُ اللّٰہُ عَنْہُ۔ فَاِنَّہٗ جَلَّ وَعَلَا عَظِیْمٌ شَاْنُہٗ یَاْمُرُ الْحَقَّ۔ وَیُحِبُّ الصِّدْقَ۔ وَیُعْطِیْ عَلَی الْخَیْرِ اَہْلَہٗ اَعْلٰی مَنَازِلِہِمْ عِنْدَہٗ بِہٖ یُذْکَرُوْنَ وَبِہٖ یَتَفَاضَلُوْنَ وَاِنَّکُمْ قَدْ اَصْبَحْتُمْ بِمَنْزِلٍ مِّنْ مَّنَازِلِ الْحَقِّ۔ لَا یَقْبَلُ فِیْہِ اللّٰہُ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا مَا ابْتُغِیَ فِیْہِ وَجْہُہٗ وَاِنَّ الصَّبْرَ فِیْ مَوَاطِنِ الْبَاْسِ مِمَّا یُفَرِّجُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ بِہِ الْہَمَّ وَیُنْجِیْ مِنَ الْغَمِّ وَتُدْرِکُوْنَ النَّجَاۃَ فِی الْاٰخِرَۃِ فِیْکُمْ نَبِیُّ اللّٰہِ۔ یُحَذِّرُکُمْ وَیَاْمُرُکُمْ فَاسْتَحْیُوا الْیَوْمَ اَنْ یَّطَّلِعَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ اَمْرِکُمْ یَمْقُتُکُمْ عَلَیْہِ۔ فَاِنَّہٗ تَعَالٰی یَقُوْلُ لَمَقْتُ اللّٰہِ اَکْبَرُ مِنْ مَّقْتِکُمْ اَنْفُسَکُمْ۔ اُنْظُرُوا الَّذِیْ اَمَرَکُمْ بِہٖ مِنْ کِتَابِہٖ وَاَرَاکُمْ مِّنْ اٰیَاتِہٖ وَاَعَزَّکُمْ بَعْدَ الذِّلَّۃِ فَاسْتَمْسِکُوْا بِہٖ۔ یَرْضَ رَبُّکُمْ عَنْکُمْ وَاسْئَلُوْا رَبَّکُمْ فِیْ ہٰذَا الْمَوْطِنِ اَمْرًا تَسْتَوْجِبُوا الَّذِیْ وَعَدَکُمْ بِہٖ مِنْ رَّحْمَۃٍ وَّمَغْفِرَۃٍ۔ فَاِنَّ وَعْدَہٗ حَقٌّ وَّقَوْلَہٗ صِدْقٌ وَعِقَابَہٗ شَدِیْدٌ وَاِنَّمَا اَنَا وَاَنْتُمْ بِاللّٰہِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ الَّذِیْ اِلَیْہِ لَجَاْنَا وَبِہِ اعْتَصَمْنَا وَعَلَیْہِ تَوَکَّلْنَا وَاِلَیْہِ الْمَصِیْرُ۔ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلِلْمُسْلِمِیْنَ۔

لوگو! میں تمہیں اسی چیز کی طرف رغبت دلاتا ہوں جس کی رغبت خود اللہ عزوجل نے دلائی ہے۔ اسی طرح میں تمہیں انہی چیزوں سے روکتا ہوں جن سے اللہ عزوجل نے تمہیں روکا ہے۔ وہ جلال و بلندی والا عظیم الشان خدا حق باتوں کا ہی حکم فرماتا ہے وہ سچائی کو پسند کرتا ہے، بھلائیاں کرنے والوں کو وہ اپنے پاس بڑے مرتبے عطا فرماتا ہے اسی لئے ان کا ذکر مذکور ہوتا ہے اور اسی طرح انہیں فضیلتیں ملتی ہیں۔ سُنو حق کی منزلوں میں سے ایک منزل پر آج تمہارے قدم آ پہنچے ہیں۔ یہاں صرف وہی کام مقبول ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے ارادے سے کیا جائے گا۔ جنگ کے موقع پر صبر ہی وہ چیز ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ رنج و غم کو دُور کر دیتا ہے اور ان سے نجات دیتا ہے، ساتھ ہی آخرت کی نجات بھی میسر ہو جائے گی۔ تم میں خدا کا پیغمبر موجود ہے، جو تمہیں ڈراتا بھی ہے اور حکم بھی دیتا ہے (امر و نہی کر رہا ہے) دیکھو آج ایسی غلطی نہ کر بیٹھنا جس سے اللہ تعالیٰ تم سے ناخوش ہو جائے۔ فرمانِ خدا ہے کہ اللہ کی ناراضگی کا وبال اس سے بہت زیادہ ہے جو تمہاری آپس کی ناراضگی کا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام جو اپنی کتاب میں تمہیں دے چکا ہے اور جو نشانیاں وہ تمہیں دکھلا چکا ہے، ذلت کے بعد اس نے تمہیں جو عزت عطا فرمائی ہے اس کو پیشِ نظر رکھو۔ پس تم احکامِ خدا پر صبر و عزم کے ساتھ جم جاؤ۔ رب العالمین تم سے راضی ہو جائے گا

اللہ تعالیٰ سے اس جہاد کے موقعہ پر ایسی دُعائیں کرو کہ جنت و مغفرت کا وعدہ جو اس نے تمہارے ساتھ کر رکھا ہے پورا ہو جائے۔ بیشک وعدۂ خداوندی اٹل ہے، بیشک کلامِ خدا راست ہے، بیشک اس کے عذاب بڑے ڈراؤنے اور نہایت سخت ہیں خود میں بھی اور تم سب بھی اُسی حیّ و قیوم زندہ و قایم خدا پر بھروسا رکھتے ہیں جس کی طرف ہم پناہ کے لیے جھکتے ہیں اور جس کا ہم سہارا لیتے ہیں۔ اسی پر ہم توکل کرتے ہیں اور اسی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ ہماری اور جملہ مسلمانوں کی مغفرت فرمائے۔

۸

دُنیا کا فتنہ

حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں حجۃ الوداع سے واپسی پر ایک روز آپ شہدائے اُحد کے مقابر پر تشریف لے گئے۔ رقت آمیز انداز میں ان کے لیے دُعا فرمائی۔ پھر مسجد میں آکر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

إِنِّي فَرَطٌ لَكُمْ وَأَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ وَإِنِّي وَاللّٰهِ لَأَنْظُرُ إِلٰى حَوْضِي الْآنَ ـ وَإِنِّي قَدْ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ـ أَوْ مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ ـ وَإِنِّي وَاللّٰهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي ـ وَلٰكِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا ـ (بخاری شریف)

میں تمہارے لیے سامانِ آخرت تیار کرنے کے لیے تم سے آگے جانے والا ہوں۔ میں تم پہ گواہ ہوں۔ قسم خدا کی میں اس وقت بھی اپنے حوضِ کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے رُوئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی گئی ہیں یا فرمایا زمین کی چابیاں (عطا فرمائی گئی ہیں) واللہ مجھے تمہارے بارے میں یہ خدشہ نہیں کہ تم شرک کرنے لگوگے۔ ہاں البتہ یہ کھٹکا ہے کہ تم دُنیا میں رغبت کرنے اور ایک دُوسرے سے آگے بڑھنے لگو گے۔

۹

حشر میں شفاعتِ رسول

حضرت ابوبکر صدیق فرماتے ہیں: ایک روز رسولِ خدا نے نمازِ فجر پڑھائی اور وہیں بیٹھے رہے۔ جب خوب دن چڑھ آیا تو آپ ہنسے، لیکن وہیں بیٹھے رہے، یہاں تک کہ ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کیں مگر کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ گھر جانے لگے تو صحابہ نے مجھ سے کہا: آپ حضور سے پوچھیں آج کیا بات ہے؟ اس طرح تو کبھی نہیں ہوا ——— حضور نے یہ سُنا، تو قبل اس کے کہ صدیق اکبر کچھ سوال کرتے، آپ نے ارشاد فرمایا:

عُرِضَ عَلَيَّ مَا هُوَ كَائِنٌ مِنْ أَمْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ فَجُمِعَ الْأَوَّلُونَ وَالْآخِرُونَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ۔ حَتَّى انْطَلَقُوا إِلَى آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ وَالْعَرَقُ يَكَادُ يُلْجِمُهُمْ فَقَالُوا يَا آدَمُ أَنْتَ أَبُو الْبَشَرِ۔ اِصْطَفَاكَ اللّٰهُ اِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ۔ فَقَالَ قَدْ لَقِيتُ مِثْلَ الَّذِي لَقِيتُمْ۔ اِذْهَبُوا إِلَى أَبِيكُمْ بَعْدَ أَبِيكُمْ إِلَى نُوحٍ۔ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ فَيَنْطَلِقُونَ إِلَى نُوحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ فَيَقُولُونَ اِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ فَأَنْتَ اصْطَفَاكَ اللّٰهُ وَاسْتَجَابَ لَكَ فِي دُعَائِكَ فَلَمْ يَدَعْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا۔ فَيَقُولُ لَيْسَ ذَاكُمْ عِنْدِي فَانْطَلِقُوا إِلَى إِبْرَاهِيمَ فَإِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَهُ خَلِيلًا فَيَنْطَلِقُونَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ فَيَقُولُ لَيْسَ ذَاكُمْ عِنْدِي فَانْطَلِقُوا إِلَى مُوسَى فَإِنَّ اللّٰهَ كَلَّمَهُ تَكْلِيمًا۔ فَيَنْطَلِقُونَ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ فَيَقُولُ لَيْسَ ذَاكُمْ عِنْدِي وَلٰكِنِ انْطَلِقُوا إِلَى عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ فَإِنَّهُ كَانَ يُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَيُحْيِ الْمَوْتَى۔ فَيَقُولُ عِيسَى لَيْسَ ذَاكُمْ عِنْدِي وَلٰكِنِ انْطَلِقُوا إِلَى سَيِّدِ وُلْدِ آدَمَ فَإِنَّهُ أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ اِنْطَلِقُوا إِلَى مُحَمَّدٍ فَلْيَشْفَعْ لَكُمْ إِلَى رَبِّكُمْ قَالَ فَيَنْطَلِقُونَ إِلَيَّ۔ وَآتِي جِبْرِيلَ فَيَأْتِي جِبْرِيلُ رَبَّهُ۔ فَيَقُولُ ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ قَالَ فَيَنْطَلِقُ بِهِ جِبْرِيلُ۔ فَيَخِرُّ سَاجِدًا قَدْرَ جُمُعَةٍ۔ ثُمَّ يَقُولُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَيَرْفَعُ رَأْسَهُ۔ فَإِذَا نَظَرَ إِلَى رَبِّهِ خَرَّ سَاجِدًا قَدْرَ جُمُعَةٍ أُخْرَى۔ فَيَقُولُ اللّٰهُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ۔ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَيَذْهَبُ لِيَقَعَ سَاجِدًا فَيَأْخُذُ جِبْرِيلُ بِضَبْعَيْهِ وَيَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيْهِ مِنَ الدُّعَاءِ مَا لَمْ يَفْتَحْ عَلَى بَشَرٍ قَطُّ۔ فَيَقُولُ أَيْ رَبِّ جَعَلْتَنِي سَيِّدَ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ وَأَوَّلَ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ۔ حَتَّى إِنَّهُ لَيَرِدُ عَلَى الْحَوْضِ أَكْثَرَ مَا بَيْنَ صَنْعَاءَ وَإِيْلَةَ۔ ثُمَّ يُقَالُ اُدْعُوا الصِّدِّيقِينَ فَيَشْفَعُونَ ثُمَّ يُقَالُ اُدْعُوا الْأَنْبِيَاءَ۔ فَيَجِيءُ النَّبِيُّ مَعَهُ الْعِصَابَةُ وَالنَّبِيُّ مَعَهُ الْخَمْسَةُ وَالسِّتَّةُ۔ اَلنَّبِيُّ لَيْسَ

مَعَهٗ اَحَدٌ۔ ثُمَّ يُقَالُ ادْعُوا الشُّهَدَآءَ فَيَشْفَعُوْنَ فِيْ مَنْ اَرَادُوْا فَاِذَا فَعَلَتِ الشُّهَدَآءُ ذَالِكَ۔ يَقُوْلُ اللّٰهُ جَلَّ وَعَلَا۔ اَنَا اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ اُدْخُلُوْا جَنَّتِيْ مَنْ كَانَ لَا يُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا۔ فَيَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اُنْظُرُوْا فِي النَّارِ هَلْ فِيْهَا مِنْ اَحَدٍ عَمِلَ خَيْرًا قَطُّ۔ فَيَجِدُوْنَ فِي النَّارِ رَجُلًا۔ فَيُقَالُ لَهٗ عَمِلْتَ خَيْرًا قَطُّ فَيَقُوْلُ لَا غَيْرَ اِنِّيْ كُنْتُ اُسَامِحُ النَّاسَ فِي الْبَيْعِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ اَسْمِحُوْا لِعَبْدِيْ كَاِسْمَاحِهٖ اِلٰى عَبِيْدِيْ۔ ثُمَّ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ اٰخَرُ۔ فَيُقَالُ لَهٗ هَلْ عَمِلْتَ خَيْرًا قَطُّ۔ فَيَقُوْلُ لَا غَيْرَ اَنِّيْ كُنْتُ اَمَرْتُ وَلَدِيْ اِذَا مِتُّ فَاَحْرِقُوْنِيْ بِالنَّارِ۔ ثُمَّ اطْحَنُوْنِيْ حَتّٰى اِذَا كُنْتُ مِثْلَ الْكُحْلِ اِذْهَبُوْا بِيْ اِلَى الْبَحْرِ فَذَرُّوْنِيْ فِي الرِّيْحِ۔ فَقَالَ اللّٰهُ لِمَ فَعَلْتَ ذَالِكَ؟ قَالَ مِنْ مَّخَافَتِكَ فَيَقُوْلُ اُنْظُرُوْا اِلٰى مُلْكِ اَعْظَمِ مُلْكٍ۔ فَاِنَّ لَكَ مِثْلَهٗ وَعَشَرَةَ اَمْثَالِهٖ۔ فَيَقُوْلُ لِمَ تَسْخَرُ بِيْ؟ وَاَنْتَ الْمَلِكُ۔ فَذَالِكَ الَّذِيْ ضَحِكْتُ مِنْهُ مِنَ الْفَجْرِ۔ (مسند احمد)

دنیا کے بارے میں جو کچھ ہونے والا ہے وہ اور آخرت آج میرے سامنے پیش کی گئی سارے اگلے پچھلے انسان ایک چٹیل میدان میں جمع کیے گئے۔ پسینے اُن کے مُنہ تک پہنچنے کو تھے کہ وُہ حضرت آدم علیہ السّلام کے پاس گئے اور کہا کہ اے آدم! آپ انسانوں کے باپ ہیں آپ کو خدا تعالیٰ نے برگزیدہ بنایا۔ آپ خدا کے پاس ہماری سفارش کے لیے تشریف لے جائیے۔ لیکن حضرت آدم نے فرمایا کہ آج میں بھی تمہاری طرح مبتلا ہوں تم اپنے اس باپ کے بعد کے باپ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو، نوح کو اور آلِ ابراہیم کو اور آلِ عمران کو برگزیدہ بنایا ہے اور سارے جہان پر انھیں عزت دی ہے۔ اب یہ سب حضرت نوح کی طرف جائیں گے اور ان سے کہیں گے: آپ خدا سے ہماری سفارش کیجیے کیونکہ آپ خدا کے پیارے ہیں آپ کی دعا قبول فرما کر جنابِ باری نے روئے زمین پر کوئی کافر نہ چھوڑا۔ لیکن وُہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے۔ چنانچہ سب لوگ حضرت خلیل اللہ علیہ السّلام کے پاس جائیں گے، لیکن وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالیٰ نے (بے واسطہ) بات چیت کی تھی۔ سب اہلِ محشر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وُہ بھی یہی جواب دیں گے کہ میں اس منصب کے لائق نہیں تم حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے پاس جاؤ وُہ مادر زاد گونگے کو اور کوڑھیوں کو (بحکمِ خدا) اچھا بھلا کر دیتے تھے اور مُردوں کو (بحکمِ خدا) زندہ کر دیتے تھے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہی جواب دیں گے اور فرمائیں گے: تم اولادِ آدم کے سردار کے پاس جاؤ وہی ہیں جو سب سے پہلے اپنی قبر سے نکلے ہیں جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ کہ وہ تمہارے رب کے ہاں تمہاری سفارش کریں۔ چنانچہ سب لوگ میرے پاس آئیں گے میں جبریل کے پاس جاؤں گا۔ جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پاس جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ انھیں شفاعت کی اجازت دو اور جنت کی خوشخبری بھی سنا دو۔ حضرت جبریل سے یہ خوشخبری سُن کر میں سجدے

میں گر پڑوں گا۔ تقریباً ایک ہفتے تک سجدے میں پڑا رہوں گا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ مجھ سے فرمائے گا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنا سر اٹھاؤ، کہو تمہاری سنی جائے گی، سفارش کرو قبول کی جائے گی۔ آپ اپنا سر اٹھائیں گے اور جناب باری کی طرف نظر کر کے پھر سجدے میں چلے جائیں گے بقدر جمعہ سے جمعہ تک پھر سجدے میں پڑے رہیں گے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! سر اٹھائیے، کہیے آپ کی بات سنی جائے گی، شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں اس نعمت پر پھر سجدے میں جانا چاہوں گا لیکن حضرت جبریل علیہ السلام میرے بازو تھام لیں گے۔ اب اللہ تعالیٰ مجھے وہ دعائیں سکھائے گا جو کسی انسان کو نہیں سکھائیں۔ پس آپ کہیں گے اے اللہ! تو نے مجھے تمام اولادِ آدم کا سردار بنایا اور مجھے اس پر کوئی فخر نہیں، مجھے تو نے سب سے پہلے قبر سے اٹھانے والا بنایا اس پر بھی مجھے کوئی فخر نہیں (چنانچہ اب میں شفاعت کروں گا) اس کے بعد میرے حوض پر لوگ آنے شروع ہوں گے جو صنعا سے لے کر ایلہ سے بھی زیادہ وسعت والا ہوگا۔ پھر کہا جائے گا کہ صدیق لوگوں کو بلاؤ وہ بھی شفاعت کریں۔ پھر کہا جائے گا نبیوں کو بلاؤ۔ انبیاء آنے شروع ہوں گے۔ کسی کے ساتھ تیس چالیس آدمی ہوں گے، کسی کے ساتھ پانچ کسی کے ساتھ چھ کسی نبی کے ساتھ ایک بھی نہ ہوگا۔ پھر کہا جائے گا، شہیدوں کو بلاؤ کہ جن کی چاہیں شفاعت کریں۔ جب شہید یہ کرلیں گے تو جناب باری جل وعلا فرمائے گا: میں ارحم الراحمین ہوں (حکم دیتا ہوں کہ) جن لوگوں نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا ان سب کو جنت میں پہنچا دو۔ چنانچہ ایسے لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، دیکھو جہنم میں کوئی ایسا بھی ہے جس نے کبھی بھی کوئی بھلا کام کیا ہو؟ دیکھیں گے تو ایک شخص کو پائیں گے اس سے سوال ہوگا کہ تو نے کبھی کوئی نیکی کی ہے؟ وہ کہے گا ہاں صرف یہ کہ میں بیوپار میں بہت نرمی کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے اس بندے سے بھی نرمی کرو جیسے یہ میرے بندوں سے نرمی کیا کرتا تھا۔ اتنے میں ایک اور آدمی دوزخ سے نکلے گا اس سے پوچھا جائے گا تو نے بھی کبھی کوئی نیک عمل کیا تھا؟ وہ کہے گا نہیں سوائے اس کے کہ میں نے اپنی اولاد سے کہا تھا کہ جب میں مرجاؤں تو تم مجھے جلا دینا پھر میری خاک کو پیس ڈالنا حتیٰ کہ جب میں سرمے کی طرح ہو جاؤں تو سمندر کے کنارے جا کر تیز ہوا میں مجھے اڑا دینا۔ اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ وہ کہے گا: فقط تیرے ڈر سے۔ جناب باری فرمائے گا: دیکھو سب سے بڑا ملک دیکھ لو تیرے لیے وہ ہے اور ویسے ہی دس ملک اور۔ تو وہ کہے گا کہ الٰہی! تو مجھ سے مذاق کیوں کر رہا ہے؟ تو تو مالک ہے۔ اسی چیز نے صبح مجھ کو ہنسا دیا تھا۔

۱۰

ایک مبارک خواب

حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ ایک روز نماز فجر کے لیے آنحضور دیر سے تشریف لائے۔ معلوم ہوتا تھا گویا سورج نکلنے ہی والا ہے۔ بہرحال آپ نے نماز پڑھائی اور سلام پھیرتے ہی ہماری طرف رُخ کیا، پھر بلند آواز سے ہدایت کی کہ سب لوگ اپنی جگہ بیٹھے رہیں۔ بعد ازاں حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

اَمَا اِنِّی سَاُحَدِّثُکُمْ مَا حَبَسَنِیْ عَنْکُمُ الْغَدَاۃَ - اِنِّیْ قُمْتُ مِنَ اللَّیْلِ فَتَوَضَّأْتُ وَصَلَّیْتُ مَا قُدِّرَ لِیْ فَنَعَسْتُ فِیْ صَلٰوتِیْ حَتّٰی اسْتَثْقَلْتُ فَاِذَا اَنَا بِرَبِّیْ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّیْکَ رَبِّ - قَالَ فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰی؛ قُلْتُ لَا اَدْرِیْ۔ قَالَهَا ثَلَاثًا - قَالَ فَرَأَیْتُهٗ وَضَعَ کَفَّهٗ بَیْنَ کَتِفَیَّ حَتّٰی وَجَدْتُّ بَرْدَ اَنَامِلِهٖ بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَتَجَلّٰی لِیْ کُلُّ شَیْءٍ وَّعَرَفْتُ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّیْکَ رَبِّ - قَالَ فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰی؛ قُلْتُ فِی الْکَفَّارَاتِ ۝ قَالَ وَمَا هُنَّ؛ قُلْتُ مَشْیُ الْاَقْدَامِ اِلَی الْجَمَاعَاتِ ۝ وَالْجُلُوْسُ فِی الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوٰتِ ۝ وَاِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ حِیْنَ الْکَرِیْهَاتِ ۝ قَالَ ثُمَّ فِیْمَ؛ قُلْتُ فِی الدَّرَجَاتِ ۝ قَالَ وَمَا هُنَّ؛ قُلْتُ اِطْعَامُ الطَّعَامِ ۝ وَلِیْنُ الْکَلَامِ ۝ وَالصَّلٰوۃُ وَالنَّاسُ نِیَامٌ ۝ قَالَ سَلْ - قُلْتُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ ۝ وَتَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ ۝ وَحُبَّ الْمَسَاکِیْنِ ۝ وَاَنْ تَغْفِرَ لِیْ وَتَرْحَمَنِیْ وَاِذَا اَرَدْتَّ فِتْنَۃً فِیْ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِیْ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ ۝ وَاَسْاَلُکَ حُبَّکَ ۝ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ ۝ وَحُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّکَ ۝ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا حَقٌّ - فَادْرُسُوْهَا ثُمَّ تَعَلَّمُوْهَا۔

(مسند احمد، ترمذی شریف)

میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ آج صبح مجھے دیر کیوں لگی۔ میں رات کو اُٹھا، وضو کر کے جتنی نماز مقدر میں تھی ادا کی، نماز میں ہی مجھ پر اونگھ جیسی کیفیت طاری ہو گئی بدن بوجھل ہو گیا ناگہاں میں دیکھتا ہوں کہ اللہ عزّ و جلّ بہترین صورت میں میرے سامنے ہے اور فرمارہا ہے اے محمد! میں نے کہا اے میرے رب میں حاضر ہوں۔ فرمایا بتلاؤ بلند درجے کے فرشتے اس وقت کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا پروردگار میں نہیں جانتا۔ تو میں نے دیکھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے مونڈھوں کے درمیان رکھا یہاں تک کہ اس کی

پوریوں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں پائی - پھر ہر چیز میرے سامنے کھل گئی اور میں نے ہر چیز پہچان لی۔ اب پھر فرمایا کہ اے محمد۔ میں نے پھر لبیک اے پروردگار کہا - فرمایا بتلاؤ بلند رتبہ فرشتے کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں ؟ میں نے عرض کیا کفّاروں کے بارے میں - پوچھا بتلاؤ کفّارے کیا ہیں ؟ میں نے کہا چل کر نماز کی جماعتوں میں جانا ، نمازوں کے بعد مساجد میں بیٹھے رہنا ، تکلیف کے وقت کامل وضو کرنا - اللہ تعالےٰ نے دریافت فرمایا : ان فرشتوں کی بات چیت اور کس امر میں ہو رہی ہے ؟ میں نے کہا : درجوں کے بارے میں - پوچھا : وُہ کیا ہیں ؟ میں نے عرض کیا : کھانا کھلانا ، نرم کلامی کرنا ، لوگوں کے سونے کے وقت نماز ادا کرنا - فرمایا : کچھ مانگ - تو میں نے کہا : اے اللہ ! میں تجھ سے نیکیوں کے کرنے اور برائیوں سے بچنے کی توفیق اور مسکینوں کی محبت کا سوال کرتا ہُوں اور یہ کہ تُو مجھے بخشے اور مجھ پر رحم فرمائے اور یہ کہ جب تو کسی قوم کو فتنے میں ڈالنا چاہے تو مجھے اس فتنے میں پڑنے سے پہلے ہی وفات دے دے - الٰہی ! میرا سوال ہے کہ مجھے اپنی محبت عطا فرما اور اُن کی محبت بھی دے جن سے تُو محبت کرتا ہے اور ان اعمال کی چاہت دے جو تیری محبت سے نزدیک کرنے والے ہیں - پھر حضور نے اپنے مقتدیوں سے فرمایا : سُنو یہ سب حق اور سچ ہے ، تم اسے سیکھو اور دوسروں کو سکھاتے رہو۔

١١

دوزخ سے بچو

حضرت ابوبکر صدیق سے روایت ہے کہ میں نے رسولِ خدا کو منبر پر یہ خطبہ دیتے ہوئے سُنا آپ نے فرمایا :

اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ - فَإِنَّهَا تُقِيمُ الْعِوَجَ -
وَتَدْفَعُ مِيتَةَ السُّوْءِ وَتَقَعُ مِنَ الْجَائِعِ
مَوْقِعَهَا مِنَ الشَّبْعَانِ - (ابویعلیٰ)

آتشِ دوزخ سے بچو گو آدھی کھجور سے ہی ہو ، کیونکہ وہ (صدقہ) کجی کو درست کر دیتا ہے ، بری موت کو دُور کر دیتا ہے اور وہ بھوکے کے لئے بھی اتنا ہی کام کرتا ہے جتنا سیر شدہ کے لیے۔

سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۲

کا خطبۂ حجۃ الوداع

ترجمہ :- حکیم محمد نعیم الدین زبیری

عربی

إِذَا كَانَ يَوْمُ الْحَجِّ أَتَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَفَةَ فَنَزَلَ بِهَا حَتّٰى إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِالْقَصْوَاءِ فَرُحِلَتْ لَهٗ فَأَتٰى بَطْنَ الْوَادِيْ فَخَطَبَ النَّاسَ خُطْبَتَهُ الَّتِيْ بَيَّنَ فِيْهَا مَا بَيَّنَ

فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ قَائِلًا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَحَزَبَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهٗ

أَيُّهَا النَّاسُ! اِسْمَعُوْا قَوْلِيْ فَإِنِّيْ لَا أَرَانِيْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ نَجْتَمِعَ فِيْ هٰذَا الْمَجْلِسِ أَبَدًا بَعْدَ عَامِيْ هٰذَا

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ "يٰأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ" فَلَيْسَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ فَضْلٌ وَّلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَّلَا لِأَسْوَدَ عَلٰى أَبْيَضَ وَلَا لِأَبْيَضَ عَلٰى أَسْوَدَ فَضْلٌ إِلَّا بِالتَّقْوٰى

اُردُو

حج کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ تشریف لائے اور آپ نے وہاں قیام فرمایا۔ جب سُورج ڈھلنے لگا تو آپ نے قصوا (اپنی اونٹنی) کو لانے کا حکم فرمایا۔ اونٹنی تیار کر کے حاضر کی گئی، تو آپ (اس پر سوار ہو کر) بطنِ وادی میں تشریف فرما ہُوئے اور اپنا وُہ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں دین کے اہم امور بیان فرمائے۔

آپ نے خدا کی حمد و ثنا کرتے ہوئے خطبے کی یُوں ابتداء فرمائی : خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے کوئی اس کا ساجھی نہیں، خدا نے اپنا وعدہ پُورا کیا، اس نے اپنے بندے (رسول) کی مدد فرمائی اور تنہا اسی کی ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا۔

لوگو! میری بات سنو، میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی ہم اس طرح کسی مجلس میں یکجا ہو سکیں گے (اور غالباً اس سال کے بعد میں حج نہ کر سکوں گا)

لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمھیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو۔ تم میں زیادہ عزت و کرامت والا خدا کی نظروں میں وہی ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہے"۔ چناں چہ اس آیت کی روشنی میں نہ کسی عرب کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر۔ نہ کالا گورے سے افضل ہے نہ گورا کالے سے۔ ہاں بزرگی اور فضیلت کا کوئی

معیار ہے تو وہ تقویٰ ہے۔

اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ اَلَا كُلُّ مَأْثَرَةٍ اَوْدَمٍ اَوْمَالٍ يُدَّعٰى بِهٖ فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ اِلَّا سَدَانَةُ الْبَيْتِ وَسِقَايَةُ الْحَاجِّ ثُمَّ قَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ لَا تَجِيْئُوْا بِالدُّنْيَا تَحْمِلُوْنَهَا عَلٰى رِقَابِكُمْ وَيَجِيْئُ النَّاسُ بِالْاٰخِرَةِ فَلَا اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللهِ شَيْئًا

انسان سارے ہی آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ وہ مٹی سے بنائے گئے۔ اب فضیلت و برتری کے سارے دعوے خون و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔ بس بیت اللہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات علیٰ حالہٖ باقی رہیں گی۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا "قریش کے لوگو! ایسا نہ ہو کر خدا کے حضور تم اس طرح آؤ کہ تمھاری گردنوں پر تو دنیا کا بوجھ لدا ہو اور دوسرے لوگ سامانِ آخرت لے کر پہنچیں، اور اگر ایسا ہوا تو میں خدا کے سامنے تمھارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔"

مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! اِنَّ اللهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالْاٰبَاءِ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ دِمَائَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ اِلٰى اَنْ تَلْقَوْا رَبَّكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَكَحُرْمَةِ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا۔ وَاِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْئَلُكُمْ عَنْ اَعْمَالِكُمْ۔

قریش کے لوگو! خدا نے تمھاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا۔ اور باپ دادا کے کارناموں پر تمھارے فخر و مباہات کی کوئی گنجائش نہیں۔ لوگو! تمھارے خون و مال اور عزتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئیں ہمیشہ کے لیے۔ ان چیزوں کی اہمیت ایسی ہی ہے جیسی تمھارے اِس دن کی اور اس ماہِ مبارک (ذی الحجہ) کی خاص کر اس شہر میں ہے۔ تم سب خدا کے آگے جاؤ گے اور وہ تم سے تمھارے اعمال کی باز پرس فرمائے گا۔

اَلَا فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ ضُلَّالًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔

دیکھو کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس ہی میں کشت و خون کرنے لگو۔

فَمَنْ كَانَتْ عِنْدَهٗ اَمَانَةٌ فَلْيُؤَدِّهَا اِلٰى مَنِ ائْتَمَنَهٗ عَلَيْهَا۔

اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچا دے۔

اَيُّهَا النَّاسُ! كُلُّ مُسْلِمٍ اَخُو الْمُسْلِمِ وَاِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ اِخْوَةٌ اَرِقَّاءَكُمْ اَرِقَّاءَكُمْ اَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ وَاكْسُوْهُمْ مِمَّا تَلْبَسُوْنَ

لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو، ہاں غلاموں کا خیال رکھو، انھیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، ایسا ہی پہناؤ جیسا تم پہنتے ہو۔

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ

دورِ جاہلیت کا سب کچھ میں نے اپنے پیروں سے روند دیا۔

اِنْتَهَيْنَ فَلَهُنَّ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ

کہ تم انھیں معمولی جسمانی سزا دو ا، وہ باز آجائیں تو انھیں اچھی طرح کھلاؤ پہناؤ۔

وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّهُنَّ عَوَانٍ لَكُمْ لَا يَمْلِكْنَ لِأَنْفُسِهِنَّ شَيْئًا فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ

عورتوں سے بہتر سلوک کرو، کیونکہ وہ تو تمھاری پابند ہیں اور خود اپنے لیے وہ کچھ نہیں کرسکتیں۔ چناں چہ ان کے بارے میں خدا کا لحاظ رکھو کہ تم نے انھیں خدا کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر وہ تمھارے لیے حلال ہوئیں۔ لوگو! میری بات سمجھ لو، میں نے حقِ تبلیغ ادا کردیا۔

وَإِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ أَبَدًا إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابَ اللّٰهِ وَإِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّينِ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ قَبْلَكُمُ الْغُلُوُّ فِي الدِّينِ

میں تمھارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہوسکوگے اگر اس پر قایم رہے، اور وہ خدا کی کتاب ہے۔ اور ہاں دیکھو دینی معاملات میں غلو سے بچنا کہ تم سے پہلے کے لوگ انھی باتوں کے سبب ہلاک کردیے گئے۔

وَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَئِسَ مِنْ أَنْ يُعْبَدَ فِي أَرْضِكُمْ هٰذِهِ أَبَدًا وَلٰكِنْ سَتَكُونُ لَهُ طَاعَةٌ فِيمَا تُحَقِّرُونَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَيَرْضَى بِهِ فَاحْذَرُوهُ عَلَى دِينِكُمْ

شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی ہے کہ اب اس کی اس شہر میں عبادت کی جائے گی، لیکن اس کا امکان ہے کہ ایسے معاملات میں جنھیں تم کم اہمیت دیتے ہو اس کی بات مان لی جائے۔ اور وہ اسی پر راضی ہے، اسی لیے تم اس سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرنا۔

أَلَا فَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ وَصُومُوا شَهْرَكُمْ وَأَدُّوا زَكٰوةَ أَمْوَالِكُمْ طَيِّبَةً بِهَا أَنْفُسُكُمْ وَتَحُجُّوا بَيْتَ رَبِّكُمْ وَأَطِيعُوا وُلَاةَ أَمْرِكُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ

لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ پانچ وقت کی نماز ادا کرو۔ مہینے بھر کے روزے رکھو۔ اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ دیتے رہو، اپنے خدا کے گھر کا حج کرو اور اپنے اہلِ امر کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

أَلَا لَا يَجْنِي جَانٍ إِلَّا عَلَى نَفْسِهِ أَلَا لَا يَجْنِي جَانٍ عَلَى وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ عَلَى وَالِدِهِ

اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمے دار ہوگا اور اب نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا، نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔

أَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ

سنو، جو لوگ یہاں موجود ہیں انھیں چاہیے کہ یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں کو بتادیں جو یہاں نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔

وَأَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّي فَمَا ذَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ

اور لوگو! تم سے میرے بارے میں (خدا کے ہاں)

مَوْضُوْعٌ وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ الرَّبِيْعَةِ ابْنِ الْحَارِثِ وَكَانَ مُسْتَرْضَعًا فِيْ بَنِيْ سَعْدٍ فَقَتَلَهٗ هُذَيْلٌ - وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَإِنَّهٗ مَوْضُوْعٌ كُلُّهٗ

زمانۂ جاہلیت کے خون کے سارے انتقام اب کالعدم ہیں۔ پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں میرے اپنے خاندان کا ہے۔ ربیعہ بن الحارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون جسے بنو ہذیل نے مار ڈالا تھا، اب میں معاف کرتا ہوں۔ دورِ جاہلیت کا سود اب کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ پہلا سود جسے میں چھوڑتا ہوں، عباس بن عبد المطلب کے خاندان کا سود ہے، اب یہ ختم ہوگیا۔

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ

لوگو! خدا نے ہر حق دار کو اس کا حق خود دے دیا۔ اب کوئی کسی وارث کے حق کے لیے وصیت نہ کرے۔

اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ

بچہ اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا۔ جس پر حرام کاری ثابت ہو اس کی سزا پتھر ہے، حساب و کتاب خدا کے ہاں ہوگا۔

مَنِ ادَّعٰى إِلٰى غَيْرِ أَبِيْهِ أَوْ تَوَلّٰى إِلٰى غَيْرِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ

جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا کوئی غلام اپنے آقا کے مقابلے میں کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کرے گا، اس پر خدا کی لعنت۔

اَلدَّيْنُ مَقْضِيٌّ وَالْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَالْمِنْحَةُ مَرْدُوْدَةٌ وَالزَّعِيْمُ غَارِمٌ

قرض قابلِ ادائی ہے۔ عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے۔ تحفے کا بدلہ دینا چاہیے اور جو کوئی کسی کا ضامن بنے وہ تاوان ادا کرے۔

وَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ مِّنْ أَخِيْهِ إِلَّا مَا أَعْطَاهُ عَنْ طِيْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ فَلَا تَظْلِمُنَّ أَنْفُسَكُمْ

کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے، سوائے اس کے جس پر اس کا بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی دے، خود پر اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو۔

أَلَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ أَنْ تُعْطِيَ مِنْ مَالِ زَوْجِهَا شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِهٖ

عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی بغیر اجازت کسی کو دے۔

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ لَكُمْ عَلٰى نِسَائِكُمْ حَقًّا وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ حَقًّا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَلَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُوْنَهٗ وَعَلَيْهِنَّ أَنْ لَّا يَأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ فَإِنْ فَعَلْنَ فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَذِنَ لَكُمْ أَنْ تَهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَأَنْ تَضْرِبُوْا ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ فَإِنْ

دیکھو! تمھارے اوپر تمھاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں۔ اسی طرح اُن پر تمھارے حقوق واجب ہیں۔ عورتوں پر تمھارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں جسے تم پسند نہیں کرتے اور وہ کوئی خیانت نہ کریں، کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں اور اگر وہ ایسا کریں تو خدا کی جانب سے اس کی اجازت ہے

قالوا نشهد انك قد اديت الامانة وبلغت الرسالة ونصحت

فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم باصبعه السبابة يرفعها الى السماء وينكتها الى الناس اللهم اشهد اللهم اشهد اللهم اشهد۔

سوال کیا جائے گا۔ بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟

لوگوں نے جواب دیا کہ ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ نے امانت (دین) پہنچا دی اور آپ نے حقِ رسالت ادا فرما دیا اور ہماری خیر خواہی فرمائی۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی جانب اُٹھائی اور لوگوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ ارشاد فرمایا: "خدایا گواہ رہنا! خدایا گواہ رہنا! خدایا گواہ رہنا!"

نور کے پھول

اللہ تبارک و تعالیٰ کے حبیب و محبوب حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نورانی اقوال و ارشادات (احادیث کریمہ) قرآنِ عظیم کی تفسیر اور تشریح کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی روشنی کے بغیر نہ ہم قرآن سمجھ سکتے ہیں اور نہ درست طور پر فرائض و واجبات کی ادائیگی ہو سکتی ہے۔ اسی لئے تو اللہ کے رسول نے احادیث کی زیادہ سے زیادہ تبلیغ اور ترویج پر زور دیا اور فرمایا کہ: "میری باتیں پہونچاؤ چاہے وہ ایک ہی ہو"۔

مشکوٰۃ شریف کی ایک اور حدیث کے مطابق اللہ کے رسول نے فرمایا کہ: "جو شخص میری امت کے لئے دینی معاملات سے متعلق چالیس حدیثیں یاد کریگا اللہ تعالےٰ قیامت کے دن اسے فقیہہ کی حیثیت سے اٹھائے گا اور میں اس کا شفیع اور گواہ بنوں گا"۔ سبحان اللہ کس قدر شاندار فرمان اور فیاضانہ اعلان ہے۔

مبارک ہیں وہ نفوس جو مدینے والے آقا کی ان پیاری پیاری باتوں کو اپنے یقین و ایمان کی جان تصور کرتے ہیں اور ان کو عملی جامہ پہنانے میں پیش پیش رہتے ہیں ورق الٹئے۔ اور دیکھئے کہ خدا کے کچھ نیک بندوں اور رسول کے فرمانبردار امتیوں نے احادیث نبوی کی تبلیغ و اشاعت میں کس کس طرح حصّہ لیا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ خدائے کریم و کارساز، آقائے دوعالم نورِ مجسّم، صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے نورانی ارشادات کے ایک ایک شوشے، حروف اور اعراب کے صدقے اور طفیل میں ان تمام بھائیوں کی متعلقہ دعاؤں کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان سب کو ان کی حیثیت و بساط کے مطابق نہیں بلکہ اپنی شان فضل و رحمت کے مطابق فیوض و برکات سے سرفراز فرمائے اور ان کو زیادہ سے زیادہ کارِ خیر کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔ (ادارہ)